ترجمۃ معانی القرآن الکریم
إلى اللُّغَةِ الأُرْدُوِيَّة

تفسیر احسن البیان

صحیح احادیث کی روشنی میں

تفسیر
حافظ صلاح الدین یوسف

ترجمہ
مولانا محمد جوناگڑھی

نظرثانی
مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری



DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST
Udupi, Karnataka, India




إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

القرآن الكريم

وترجمة معانيه وتفسيره إلى اللغة الأردية

تفسیر احسن البیان

صحیح احادیث کی روشنی میں

ترجمہ: علامہ محمد جونا گڈھی

تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف

نظر ثانی: شیخ صفی الرحمن مبارکپوری






مرکز دار الہدی اڈپی، ہند

Cell: +91 7337814400
+91 9945565905

Printed by: Alhuda Publications, Delhi #9999 029 389

كَلِمَةُ النَّاشِر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَلْقَائِلِ فِي كِتَابِهِ الْكَرِيمِ: قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ (المائدة:15) وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، اَلْقَائِلِ: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ». (صَحِيحُ الْبُخَارِيِّ:5027) أَمَّا بَعْدُ:

قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے جس کو اللہ نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پوری انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے نازل فرمایا اور اسی کو دستور حیات بنایا، اسی کے ذریعہ پوری کائنات کو مخاطب فرمایا اور انسانیت کے عروج و زوال کو قرآن پر عمل پیرا ہونے سے وابستہ فرمایا، اور حقیقت میں یہ کتاب تمام قوموں کی رہنمائی اور پوری دنیا کے لیے مشعل راہ ہے۔

اللہ تعالی کے اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے ہر زمانے میں ہر ممکن جد وجہد ہوتی رہی ہے، تحریروں، تقریروں اور تعلیمات کے ذریعہ نور قرآن سے لوگوں کے دل منور ہوتے رہے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ (سورة الإسراء:9)

ترجمہ: بیشک یہ قرآن سب سے سیدھا (اسلام کا) راستہ دکھاتا ہے۔

برصغیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے زمانے تک قرآن کے تراجم وتفاسیر عربی زبان ہی میں دستیاب تھے جو پڑھے لکھے طبقہ تک ہی محدود تھے، اس زمانے کی عام زبان فارسی میں پہلی بار شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا پھر ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبد القادر رحمہا اللہ نے اردو میں ترجمہ اور مختصر تفسیر لکھی اور یہ سلسلہ جاری رہا اور ہندوستان کی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہونے لگے اور الحمدللہ آج تک بدستور قائم ہے۔

قرآن اگر صرف تلاوت کے لیے ہوتا تو بیک وقت نازل ہوتا، وقفے وقفے کے نزول سے اشارہ ملتا ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا، اس پر غور وفکر کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہی شریعت کا اصل مقصد ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جہاں آن لائن کچھ پڑھنا اور سننا بہت آسان ہے لیکن آن لائن سرچ کرنا اور وہاں سے صحیح مواد کا حصول ہر آدمی کے لیے بالکل آسان نہیں ہے، نیٹ پر ہر طرح کی

خرافات موجود ہونے کی وجہ سے آدھی ادھوری جانکاری تو مل جاتی ہے لیکن دین کے معاملے میں اس سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ صحیح، مستند تراجم وکتب کا ہونا اشد ضروری ہے اور قیامت تک رہے گی اور اسی وجہ سے اللہ نے قلم اور سطور کی قسم کھائی ہے:

نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (سورۃ القلم:1)

دین کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ قرآن کو پڑھنا، سمجھنا اور اگلی نسلوں تک پہنچانا ہے۔

اسی سلسلہ میں ہماری کوشش ہے کہ قرآن جیسے رشدوہدایت کے سرچشمے کو ہم آپ کی زبان میں پہنچائیں تاکہ قرآن کو سمجھنا آسان ہو۔ یہی امانت ہمیں اللہ نے ودیعت کی ہے اور دوسروں تک پہنچانے کی تاکید کی ہے تاکہ اس سے فیضیاب ہوکر انسان صحیح راستے پر آئے اور دنیا وآخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو۔ الحمدللہ! اللہ کی مدد سے ہمارا پروگرام ''قرآن کو لوگوں تک ان کی زبان میں پہنچایا جائے'' کی ایک کڑی زیرنظر ''اردو ترجمہ قرآن'' ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے جس زبان کے بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد ہندوستان میں تقریباً 150 ملین ہے، یہ ترجمہ بہت آسان اور عام فہم ہے اور جگہ جگہ تفسیر بیان کر کے مفہوم کو اور بھی واضح کیا گیا ہے۔

اختصار کا خیال رکھتے ہوئے طویل بحثوں میں قاری کو الجھانا مقصود نہیں ہے اس میں مسلمانوں اور برادران وطن دونوں کی رعایت کی گئی ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ اسے لوگوں کے لیے فائدہ مند بنائے۔

میں تہہ دل سے ان تمام متعاونین کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کام میں کسی بھی قسم کی ترتیب وتصحیح، علمی وفنی، مالی ووقتی طور پر اپنا قیمتی وقت لگایا اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین، اساتذہ اور محسنین کو اپنی شایانِ شان دارین میں نعم البدل عطا فرمائے اور اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ، وَصَلَّى اللهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ.

وَاللهُ الْمُوَفِّقُ، وَهُوَ الْهَادِيُ إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

ڈاکٹر ابوعمر پرویز نکوا عمری مدنی

مشرف عام

دار الہدی چیرٹیبل ٹرسٹ اڈپی، انڈیا

اٰیَاتُھَا 7 (1) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (5) رُکُوْعُھَا 1

سورۂ فاتحہ[1] مکی ہے[2] اس میں 7 آیات، [3] 1 رکوع ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔[4]

1 سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں، اس لیے اسے اَلْفَاتِحَۃ ، یعنی فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآنِ، اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي، اَلْقُرْآنُ الْعَظِیم، الرُّقْیَۃُ (دم) جس طرح ایک صحابی نے ایک بچھو کے ڈسے ہوئے کو اس سے دم کیا تو اسے آرام آ گیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟'' (صحیح البخاري، حدیث :2276، و صحیح مسلم، حدیث:65-(2201)) وغیرھا من الاسماء. اس کا ایک اہم نام ''الصلاۃ'' بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «قَسَمْتُ الصَّلَاۃَ بَیْنِي وَ بَیْنَ عَبْدِي......» (صحیح مسلم،حدیث:38-(395)) ''میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔'' مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو ''نماز'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ» (صحیح البخاري، حدیث: 756، و صحیح مسلم، حدیث:34-(394)) ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔'' اس حدیث میں (مَنْ) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت بوجھل ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: « لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّہُ لَا صَلَاۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِھَا » ''تم ایسا مت کیا کرو (مت پڑھا کرو) البتہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' (سنن أبي داود، حدیث : 823، وجامع الترمذي، حدیث :311، و سنن النسائي، حدیث :921.) اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلّٰی صَلَاۃً لَّمْ یَقْرَأْ فِیھَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَھِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَیْرُ تَمَامٍ» ''جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی وہ ناقص ہے مکمل نہیں۔ تین مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا۔'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: «إِنَّا نَکُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ» ''امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

نے فرمایا:«اِقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ» ''امام کے پیچھے تم سورۂ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو۔'' (صحيح مسلم، حديث: 38-(395).) مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾(الأعراف7:204) ''جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔'' یا حدیث «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» (بشرط صحت) ''جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔'' کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۂ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے جو مسنون بھی ہے اور مقتدی ان وقفوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا مقتدی سورۂ فاتحہ امام کی اس خاموشی (سکتے) میں پڑھے جو وہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کرتا ہے یا قراءت کے اختتام پر۔ (صحیح روایات سے قراءت کے بعد سکتہ ثابت ہے۔) اس طرح آیت قرآن اور احادیث صحیحہ میں الحمدللہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے، بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ هٰذَا (مزید دیکھیے سورۂ اعراف، آیت:204 کا حاشیہ۔)

2 یہ سورت مکی ہے۔ مکی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (13 نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، یا اس کے اطراف و جوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

3 بِسْمِ اللهِ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے، یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے، یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قرائے مکہ و کوفہ نے اسے سورۂ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے جبکہ قرائے مدینہ، بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورۂ نمل کی آیت:30 کے، کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جز ہے۔ محقق عصر شیخ احمد شاکر مصری ﷫ نے اپنا خلاصۂ تحقیق اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''قرآن میں جہاں بھی بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، وہاں قرآنی آیت ہے، البتہ اس کا اس سورت کی آیت ہونا جس کے شروع میں وہ تحریر ہے یا اس کا مستقل آیت ہونا محل نظر و بحث ہے۔ میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے علاوہ یہ ہر سورت کی آیت ہے، اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سورت کے پڑھنے سے پہلے بِسْمِ اللهِ ضرور پڑھے، سوائے سورۂ توبہ کے۔ چاہے اسی سورت سے تلاوت کا آغاز کرے یا دوران تلاوت میں کوئی سورت آ جائے۔'' (حاشيه جامع الترمذي:22/2، تحت حديث :246. طبع مصر) اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①

سب تعریف اللہ کے لیے ہے [1] جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ [2]

ہیں اور بعض سری آواز سے (فتح القدیر) اکثر علماء نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

4 بِسْمِ اللهِ کے آغاز میں أَقْرَأُ، أَبْدَأُ یا أَتْلُو محذوف ہے، یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا، یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ شریعت میں بہت سے اہم کاموں کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ سے پہلے «أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ» پڑھنا بھی ضروری ہے۔ ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ (النحل 16:98) ''جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

1 ﴿ اَلْحَمْدُ ﴾ میں ال، استغراق کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کیونکہ تعریف کا اصل مستحق اور حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ ﴿ لِلّٰهِ ﴾ میں لام اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اَللّٰه یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ یہ کلمۂ شکر ہے جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کو أَفْضَلُ الذِّكْرِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو افضل الدعاء کہا گیا ہے۔ (جامع الترمذي، حديث :3383.) صحیح مسلم اور سنن نسائی کی روایت میں ہے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ» (صحيح مسلم، حديث :1-(223)) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان کو بھر دیتا ہے۔'' اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحيح مسلم، حديث :89-(2734).)

2 ﴿ رَبِّ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ عَالَمٌ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں، مثلاً: عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن رَبُّ الْعَالَمِين سب کی ضروریات، ان کے احوال وظروف اور طبائع و اجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② — بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ○[1]

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③ — بدلے کے دن (قیامت) کا مالک ہے ○[2]

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④ — ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ○[3]

---

1 ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ بروزن فَعْلان اور ﴿الرَّحِيْمِ﴾ بروزن فَعِيْلٌ ہے۔ دونوں صفت کے صیغے ہیں، جن میں مبالغہ موجود ہے، یعنی اُن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے «يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ» کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر ومومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہو گا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہو گی۔ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الأعراف 7:156) ”میں وہ رحمت ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔“ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

2 دنیا میں بھی اگرچہ مکافاتِ عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ ”آج کس کی بادشاہی ہے؟“ پھر وہی جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 40:16) ”صرف ایک غالب اللہ کے لیے۔“ ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ (الانفطار 82:19) ”اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔“ یہ ہوگا جزا کا دن۔

3 عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تذلل وعاجزی اور کمال خشوع کا اظہار۔ اور بقول ابن کثیر ”شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام عبادت ہے۔“ یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی ما فوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی وبے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب وما فوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ سیدھی عبارت نَعْبُدُكَ وَ نَسْتَعِيْنُكَ ”ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔“ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول بہ [ضمیر] کو فعل پر مقدم کر کے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی ”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“ اس اعتبار سے نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سدباب کر

دیا گیا ہے لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ﴾ (الصف 61:14) ''اللہ کے (دین کے) لیے کون میرا مددگار ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ (المآئدة 5:2) ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔'' ظاہر بات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے نہ شرک مطلوب و محمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع و ضار باور کرنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے جو بدقسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ !

توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصراً بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں: ① توحید ربوبیت ② توحید الوہیت ③ توحید اسماء وصفات۔

① توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ و زنادقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے، مثلاً: فرمایا: ''اے پیغمبر! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان و زمین میں رزق کون دیتا ہے، یا (تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ (یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔'' (یونس 10:31) دوسرے مقام پر فرمایا: ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ۔'' (الزمر 39:38) ایک اور مقام پر فرمایا: ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کا مال ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ، یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔'' (المؤمنون 23:84-89) وَغَیْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ .

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿5﴾ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ۬ غَيۡرِ

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا○ [1] ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا [2] ان کی نہیں جن

② توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا، یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ صرف یہی عبادات نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا والتجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادات ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ (تاہم ظاہری اسباب کے مطابق زندہ انسانوں سے طبعی طمع یا طبعی خوف توحید کے منافی نہیں ہے) قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام وخواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادات کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں۔

③ توحید اسماء وصفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو اسماء وصفات قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں، مثلاً: جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے، یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا دیگر صفات الٰہیہ میں سے کوئی بھی صفت اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائے۔ اگر تسلیم کی جائے گی تو یہ شرک ہوگا۔

افسوس ہے کہ قبروں کے پجاریوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انھوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ !

1 ہدایت کے دو مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستہ بتا دینا اسے ارشاد ودلالت یا اراءت الطریق کہتے ہیں۔ دوسرا مفہوم راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں توفیق اور ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما تا کہ ہمیں تیری رضا حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی ''اسلام'' ہے، جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور اب قرآن واحادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

2 یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے، جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ مُنْعَمٌ عَلَيْهِ گروہ ہے انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں ہے: ﴿ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓٮِٕكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓٮِٕكَ رَفِيۡقًا ﴾ (النسآء 4:69) ''اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ | پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی ○ [1]

ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔'' اس آیت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے، نہ کہ کوئی اور راستہ۔

1 بعض روایات سے ثابت ہے کہ ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ (گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ «وَلَا أَعْلَمُ فِي هٰذَا الْحَرْفِ اخْتِلَافًا بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ بِالْيَهُودِ وَ الضَّآلِّينَ بِالنَّصَارٰى». (تفسير ابن أبي حاتم) اس لیے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ کر رہیں۔ یہود کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے، آیات الٰہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، حضرت عزیر کو انھوں نے ابن اللہ کہا اور وہ اپنے احبار و رہبان کو حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انھیں ابنُ اللّٰہِ اور ثَالِثُ ثَلَاثَہ (اللہ کا بیٹا اور تین خداؤں میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی افراط و غلو کی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے تاکہ ادبار و نکبت (پستی و بدحالی) کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے، اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی ﷺ (جہری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی۔ اس مسئلے کے لیے دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث: 780-782، وسنن ابن ماجه، حديث: 853، وسنن أبي داود، حديث: 934، ومصنف عبدالرزاق: 97/2) بنابریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہ ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ كَذٰلِكَ فَلْيَكُنْ ''اسی طرح ہو۔'' لَا تُخَيِّبْ رَجَاءَنَا ''ہمیں نامراد نہ کرنا۔'' اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا ''اے اللہ ہماری دعا قبول فرمالے۔''

آیاتھا 286 (2) سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (87) رکوعاتھا 40

سورۂ بقرہ مدنی ہے،[1] اس میں 286 آیات اور 40 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ ﴿1﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿2﴾

الٓمّٓ ○ [2] اس کتاب کے اللہ کی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں، [3] پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے ○ [4]

1 اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا، اس لیے اسے سورۂ بقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ» (صحيح مسلم، حديث:212-(780)) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر) منہیات کا مطلب، حرام اور ممنوع چیزیں۔

2 انھیں حروف مُقَطَّعَات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے، لہٰذا یہ متشابہات میں سے ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ. البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے، میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔ (جامع الترمذي، حديث :2910.)

3 اس کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰهِ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (السجدة 2:32) بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نَهْي ہے۔ أَيْ لَا تَرْتَابُوا فِيهِ (اس میں شک نہ کرو)۔ علاوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں، جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح و نجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید و رسالت اور معاد کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

آنکھ والا تری قدرت کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

4 ویسے تو یہ کتاب الٰہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الٰہی سے سرشار ہوں گے۔ جس کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، اس کے اندر ہدایت کی طلب، یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہو گا تو اسے ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿3﴾

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں [1] اور نماز کو قائم رکھتے ہیں [2] اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں [3] ○

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿4﴾

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، [4] اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں○

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿5﴾

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں○ [5]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ

کافروں کو آپ کا ڈرانا، یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ

---

1 امور غَیۡبِیَّہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل وحواس سے ممکن نہیں۔ جیسے ذات باری تعالیٰ، وحی الٰہی، جنت، دوزخ، ملائکہ، عذابِ قبر اور حشر اجساد وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ماورائے عقل واحساس باتوں پر یقین رکھنا، جزو ایمان ہے اور ان کا انکار کفر وضلالت ہے۔

2 اقامت صلاۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ عنکبوت 29:54 کا حاشیہ)

3 اِنۡفَاق کا لفظ عام ہے، جو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہلِ ایمان حسبِ استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے، ماں باپ اور اہل وعیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔

4 پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء ﷷ پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں، لیکن وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی (حدیث) پر ہی کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی و رسالت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ آپ ﷺ کے بعد اگر وحی نازل ہونے والی ہوتی تو اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔

5 یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ و عمل اور عقیدۂ صحیح کا اہتمام کرتے ہیں۔ محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت ومغفرت کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حالی اور سعادت و کامرانی مل جائے تو سبحان اللہ، ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جو صرف کافر ہی نہیں بلکہ اس کا کفر وعناد اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبولِ اسلام کی توقع ہی نہیں۔

اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ⑥
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓى
اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ⑦

ایمان نہ لائیں گے ○[1]
اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○[2]

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ
الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ⑧
يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا
يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ⑨

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں ○[3]
وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں ○

1 نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ کوشش فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب ہی میں نہیں ہے۔ یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتیٰ کہ پورا جزیرۂ عرب اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ گیا۔

2 یہ ان کے عدم ایمان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ کفر ومعصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں سے قبول حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لا سکتے ہیں؟ ایمان تو انھی لوگوں کے حصے میں آتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان سے معرفت کردگار حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگ تو اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''مومن جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا ''یہی وہ زنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (المطففين 83:14) یعنی ''ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث :3334.) اسی کیفیت کو قرآن نے ''ختم'' (مہر لگانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بداعمالیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اسی کو بعض جگہ ﴿ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ...... ﴾ کے الفاظ میں ذکر کیا ہے (النسآء 4:155) ''اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی۔''

3 یہاں سے تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے مگر وہ اہل ایمان کو فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ اللہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ⑩

ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے انھیں بیماری میں مزید بڑھا دیا [1] اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ○

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ⑫

خبردار ہو جاؤ! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں، [2] لیکن انھیں شعور نہیں ○

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ⑬

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (صحابہ کی طرح) تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں، [3] خبردار ہو جاؤ!

ہو سکتے ہیں، کیوں کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرما دیتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انھی کو پہنچا کہ انھوں نے اپنی عاقبت برباد کر لی اور دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔

1 بیماری سے مراد وہی کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا منافقین کی علامات میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

2 فساد، صلاح کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعت الٰہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ منکرات کی کرتے ہیں اور پامال حدود الٰہی کو کرتے ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

3 ان منافقین نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ''بے وقوف'' کہا جنھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دولت ایمان ہی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ فرمایا: کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا ہے، اس لیے وہ پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انھی کا معتبر ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرۃ 2:137) ''اگر لوگ اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم ایمان لائے تو یقیناً وہ راہ یاب ہو گئے۔''

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿14﴾

یقیناً یہی بیوقوف ہیں، لیکن جانتے نہیں ○ [1]

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں [2] تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف استہزا کرتے ہیں ○

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿15﴾

اللہ بھی ان سے استہزا کرتا ہے [3] اور انھیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے ○

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿16﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا، پس نہ تو ان کی تجارت [4] نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے ○

---

1 ظاہر بات ہے کہ نفع عاجل (فوری فائدے) کے لیے نفع آجل (دیر سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائیدار اور دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی سفاہت ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔

2 شیاطین سے مراد سرداران قریش و یہود ہیں جن کے ایما پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، یا منافقین کے اپنے سردار۔

3 ''اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا کرتا ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزا و استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، ان سے استہزا کرتا ہے۔(تفسير الطبري: 154/1) اور نتیجتاً انھیں ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے۔ جس کی ایک مثال اس کو استہزا سے تعبیر کرنا، زبان کا اسلوب ہے، ورنہ حقیقتاً یہ استہزا نہیں ہے، ان کے فعل استہزا کی سزا ہے۔ جیسے ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ 40:42) ''برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔'' میں برائی کے بدلے کو برائی کہا گیا ہے، حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز فعل ہے۔ اسی طرح ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ﴾، ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ وغیرہ آیات میں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۂ حدید کی آیت: ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ میں مذکور ہے۔

4 تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامہ پہن کر یہی گھاٹے والی تجارت کی۔ لیکن یہ گھاٹا آخرت کا گھاٹا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا ہی میں انھیں اس گھاٹے کا علم ہو

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، جو نہیں دیکھتے○ [1]

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۙ⑱

بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ نہیں لوٹتے○

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر کڑا کے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے○

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
ع 13 2 وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳

قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے، جب ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں [2] اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بے کار کر جائے۔ بلکہ دنیا میں تو اس نفاق کے ذریعے سے انھیں جو فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش ہوتے اور اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو بہت دانا اور مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔

1 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن پھر جلد ہی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا، اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، دفعتاً وہ روشنی بجھ گئی اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدیر)

2 یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جس پر کبھی حق واضح ہوتا ہے اور کبھی اس کی بابت وہ ریب و شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کے دل ریب و تردد میں اس بارش کی طرح ہیں جو اندھیروں (شکوک، کفر اور نفاق) میں اترتی ہے، گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، حتیٰ کہ خوف کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و دہشت انھیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں

دے۔ [1] یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿21﴾

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمھارا بچاؤ ہے ○

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾

جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمھیں روزی دی، خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو ○ [2]

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿23﴾

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمھیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمھیں اختیار ہے کہ اللہ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو ○ [3]

نکل سکتے۔ کبھی حق کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں تو حق کی طرف جھک پڑتے ہیں لیکن پھر جب اسلام یا مسلمانوں پر مشکلات کا دور آتا ہے تو پھر حیران و سرگرداں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) منافقین کا یہ گروہ آخر وقت تک تذبذب اور گومگو کا شکار اور قبول حق (اسلام) سے محروم رہتا ہے۔

1 اس میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو سلب کر لے، اس لیے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریزاں اور اس کے عذاب اور مؤاخذے سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

2 ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمھارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمھاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔

3 توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے پر جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس کے مُنَزَّل مِنَ اللہ ہونے میں اگر تمھیں شک ہے تو تم اپنے تمام حمایتیوں کو ساتھ ملا کر اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تمھیں سمجھ لینا چاہیے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کی کاوش نہیں ہے، کلام الٰہی ہی ہے اور ہم پر اور رسالت محمدیہ پر ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچنے کی سعی کرنی چاہیے، جو کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿24﴾

پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے [1] تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، [2] جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ○ [3]

وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمۡ فِيۡهَا

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو [4] ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیے گئے تھے [5] اور ان کے لیے بیویاں ہیں

1 یہ قرآن کریم کی صداقت کی ایک اور واضح دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام کافروں کو چیلنج دیا گیا لیکن وہ آج تک اس کا جواب دینے سے عاجز وقاصر ہیں اور یقیناً قیامت تک عاجز وقاصر رہیں گے۔

2 پتھر سے مراد بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما گندھک کے پتھر ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک پتھر کے وہ ''اصنام'' (بت) بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الأنبيآء 21:98) ''تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے سوا جہنم کا ایندھن ہوں گے۔'' (اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورة الأنبيآء، آيات 98-101 اور سورة الزخرف، آیت: 58 کے حواشی)

3 اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہنم اصل میں کافروں اور مشرکوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے جو اس وقت بھی ثابت ہے۔ یہی سلف امت کا عقیدہ ہے۔ یہ تمثیلی چیزیں نہیں ہیں، جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین حدیث باور کراتے ہیں۔

4 قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عمل صالح کے بغیر ایمان ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر اعمال خیر کی عنداللہ اخروی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں۔ اور عمل صالح کیا ہے؟ جو سنت کے مطابق ہو اور خالص رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے۔ خلاف سنت عمل بھی نامقبول اور نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے کیے گئے عمل بھی مردود و مطرود۔

5 ﴿مُتَشَابِهًا﴾ کا مطلب یا تو جنت کے تمام میووں کا آپس میں ہم شکل ہونا ہے، یا دنیا کے میووں کے ہم شکل ہونا۔ تاہم یہ مشابہت صرف شکل یا نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے میووں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے میووں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث میں ہے: «مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ

خٰلِدُوْنَ ﴿25﴾

صاف[1] ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔[2]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾

وقف لازم

یقیناً اللہ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا، خواہ مچھر کی ہو، یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔[3] ایمان والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟ اسی کے ساتھ وہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے[4] اور گمراہ تو صرف فاسقوں ہی کو کرتا ہے۔

وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ» (صحيح البخاري، حديث :4779، 4780.) ”نہ کسی آنکھ نے انھیں دیکھا، نہ کسی کان نے انھیں سنا (اور دیکھنا سننا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا گمان بھی نہیں گزرا۔“

1 یعنی حیض ونفاس اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی۔

2 خلود کے معنی ہمیشگی کے ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں رہیں گے اور خوش رہیں گے اور اہل دوزخ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے اور مبتلائے عذاب رہیں گے۔ حدیث میں ہے: جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا: ”اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے جو فریق جس حالت میں ہے، اسی حالت میں ہمیشہ رہے گا۔“ (صحيح البخاري، حديث :6544، و صحيح مسلم، حديث:42-(2850))

3 جب اللہ تعالیٰ نے دلائل قاطعہ سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کر دیا تو کفار نے ایک دوسرے طریقے سے معارضہ کر دیا اور وہ یہ کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کردہ کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات کی توضیح اور کسی حکمت بالغہ کے پیش نظر تمثیلات کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اس میں حیا و حجاب بھی نہیں۔ ﴿فَوْقَهَا﴾ جو مچھر کے اوپر ہو، یعنی پر یا بازو، مراد اس مچھر سے بھی حقیر تر چیز۔ یا فَوْقَ کے معنی، اس سے بڑھ کر، بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ”مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز“ کے ہوں گے۔ لفظ فَوْقَهَا میں دونوں مفہوم کی گنجائش ہے۔

4 اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت و مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ جیسے قرآن نے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ (النسآء 4:115) ”جس طرف کوئی پھرتا ہے، ہم اسی طرف اس کو پھیر دیتے ہیں۔“ اور حدیث میں «كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ» ”ہر

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾

جو لوگ اللہ کے مضبوط عہد کو [1] توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انھیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ [2]

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿28﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمھیں زندہ کیا، پھر تمھیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، [3] پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ

وہ اللہ جس نے تمھارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو

ایک کو اس چیز میں آسانی دی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4949) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فسق، اطاعت الٰہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج، یعنی کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے کہ اس میں مومن کے مقابلے میں کافروں والی صفات کا تذکرہ ہے۔

1 مفسرین نے ''عہد'' کے مختلف مفہوم بیان کیے ہیں، مثلاً: ① اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے مخلوق کو کی۔ ② وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے آجانے کے بعد تمھارے لیے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ ③ وہ عهد الست جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ الآية (الأعراف 7:172) نقض عہد کا مطلب عہد کی پروا نہ کرنا ہے۔ (ابن كثير)

2 ظاہر بات ہے کہ نقصان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ہی ہوگا، اللہ کا یا اس کے پیغمبروں اور دین کی طرف بلانے والوں کا کچھ نہ بگڑے گا۔

3 آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے۔ پہلی موت سے مراد عدم (نیست، یعنی نہ ہونا) ہے اور پہلی زندگی ماں کے پیٹ سے نکل کر موت سے ہمکنار ہونے تک ہے، پھر موت آجائے گی اور پھر آخرت کی زندگی دوسری زندگی ہوگی، جس کا انکار کفار اور منکرین قیامت کرتے ہیں۔ شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے کہ قبر کی زندگی [كَمَا هِيَ] دنیوی زندگی میں ہی شامل ہوگی مگر صحیح یہ ہے کہ برزخ کی زندگی، حیات آخرت کا پیش خیمہ اور اس کا سرنامہ ہے، اس لیے اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے۔

اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝29 ع 3/9/3

پیدا کیا،[1] پھر آسمان کی طرف قصد کیا[2] اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان[3] بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے ○

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ

اور جب تیرے رب نے فرشتوں[4] سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ[5] بنانے والا ہوں، تو انھوں نے کہا کہ ایسے شخص کو

---

1 اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی اشیاءِ مخلوقہ میں ''اصل'' اباحت ہے۔ الا یہ کہ کسی چیز کی حرمت نص سے ثابت ہو (فتح القدیر)، یعنی جس چیز کی بابت حرام ہونے کی صراحت نہ ہو، وہ مباح و حلال ہوگی۔

2 بعض سلف امت نے اس کا ترجمہ ''پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا'' کیا ہے (صحیح البخاري، قبل حدیث:7418) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص خاص مواقع پر آسمان دنیا پر نزول، اللہ کی صفات میں سے ہے، جن پر اسی طرح بغیر تاویل و کیفیت بیان کرنے کے ایمان رکھنا ضروری ہے جس طرح قرآن یا احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

3 اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ''آسمان'' ایک حسی وجود اور حقیقت ہے۔ محض بلندی کو سماء سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اور حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان 500 سال کی مسافت ہے۔ اور زمین کی بابت قرآن کریم میں ہے: ﴿وَ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ (الطلاق 65:12) ''اور زمینیں بھی آسمانوں کی مثل ہیں۔'' اس سے زمین کی تعداد بھی سات ہی معلوم ہوتی ہے جس کی مزید تائید حدیث نبوی سے ہو جاتی ہے: «مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ» (صحیح البخاري، حدیث :3198) ''جس نے ظلماً کسی کی ایک بالشت زمین لے لی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔'' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق ہوئی ہے لیکن سورۂ نازعات میں آسمان کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے: ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ ''زمین کو اس کے بعد بچھایا۔'' اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ تخلیق پہلے زمین ہی کی ہوئی ہے اور دَحْی (ہموار کر کے بچھانا) تخلیق سے مختلف عمل ہے جو آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا۔ (فتح القدیر، مزید دیکھیے حم السجدة آیت:9 کا حاشیہ)

4 ملائکہ (فرشتے) اللہ کی نوری مخلوق ہیں، جن کا مسکن آسمان ہے، جو اوامر الٰہی کے بجالانے اور اس کی تحمید و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔

5 خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ کیوں کہا، بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنات کو زمین بدر کر دیا اور ان کی جگہ آدم علیہ السلام کو زمین میں بسایا تو آدم علیہ السلام گذشتہ قوم جنات کے خلیفہ اور جانشین بنے، اس بنا پر انھیں خلیفہ کہا گیا۔ بعض دیگر اہل علم یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خلیفہ اس لیے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کی مخلوق میں نافذ کرنے میں نائب ہے۔ (تفسیر اللباب:501/1)

يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿30﴾

کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ○ [1]

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿31﴾

اور اللہ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ ○

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿32﴾

ان سب نے کہا: اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے ○

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿33﴾

اللہ نے آدم سے فرمایا: تم انھیں ان چیزوں کے نام بتا دو۔ جب انھوں نے بتا دیے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمھیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے ○ [2]

---

1 فرشتوں کا یہ کہنا حسد یا اعتراض کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی حقیقت اور حکمت معلوم کرنے کی غرض سے تھا کہ اے رب! اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے، جب کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے؟ اگر مقصود یہ ہے کہ تیری عبادت ہو تو اس کام کے لیے ہم جو موجود ہیں، ہم سے وہ خطرات بھی نہیں جو نئی مخلوق سے متوقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ مصلحت رَاجِحہ جانتا ہوں جس کی بنا پر ان ذکر کردہ مفاسد کے باوجود میں اسے پیدا کر رہا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ کیوں کہ ان میں انبیاء، شہداء، صالحین اور زہاد و اولیاء بھی ہوں گے۔ (ابن کثیر) ذریت آدم کی بابت فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ وہ فساد برپا کرے گی؟ اس کا اندازہ انھوں نے انسانی مخلوق سے پہلے کی مخلوق کے اعمال یا کسی اور طریقے سے کر لیا ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بتلا دیا تھا کیونکہ وہ خود تو عالم الغیب نہیں ہیں، لہٰذا یہ لوگ کلام میں حذف مانتے ہیں جس کی تقدیر ہے: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً يَفْعَلُ كَذَا وَكَذَا ''میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو ایسے ایسے کام کرے گا۔'' (فتح القدیر)

2 اسماء سے مراد مسمیات (اشخاص و اشیاء) کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے القاء و الہام کے ذریعے سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلا دیا، پھر جب ان سے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام ان کے نام بتلاؤ تو انھوں نے فوراً

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڽ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿34﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو [1] تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا [2] اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا○ [3]

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿35﴾

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو [4] اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا [5] ورنہ ظالم ہو جاؤ گے○

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا

لیکن شیطان نے ان کو بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا [6] اور

سب کچھ بیان کر دیا جو فرشتے بیان نہ کر سکے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیقِ آدم واضح کر دی۔ دوسرے، دنیا کا نظام چلانے کے لیے علم کی اہمیت وفضیلت بیان فرما دی، جب یہ حکمت واہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوئی تو انھوں نے اپنے قصورِ علم وفہم کا اعتراف کر لیا۔ فرشتوں کے اس اعتراف سے یہ بھی واضح ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، اللہ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرماتا ہے۔

1 علمی فضیلت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی یہ دوسری تکریم ہوئی۔ سجدہ کے معنی خضوع اور تذلل کے ہیں، اس کی انتہا ہے: ''زمین پر پیشانی کا ٹکا دینا۔'' (قرطبی) یہ سجدہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مشہور فرمان ہے کہ اگر سجدہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (جامع الترمذي، حديث :1159.) تاہم فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، جس سے ان کی تکریم وفضیلت فرشتوں پر واضح کر دی گئی کیونکہ یہ سجدہ اکرام وتعظیم کے طور پر ہی تھا، نہ کہ عبادت کے طور پر۔ ہماری شریعت میں تعظیماً بھی کسی کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔

2 ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس حسب صراحت قرآن جنات میں سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اس حکم میں فرشتوں کے ساتھ شامل کر رکھا تھا اور صراحتاً اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، اس لیے بحکم الٰہی اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری تھا لیکن اس نے حسد اور تکبر کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا حسد اور تکبر وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب سب سے پہلے کیا گیا اور اس کا مرتکب ابلیس تھا۔

3 یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں۔

4 یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری فضیلت ہے جو جنت کو ان کا مسکن بنا کر عطا کی گئی۔

5 یہ درخت کس چیز کا تھا؟ اس کی بابت قرآن وحدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ اس کو گندم کا درخت مشہور کر دیا گیا ہے جو بے اصل بات ہے، ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہے، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔

6 شیطان نے جنت میں داخل ہو کر روبرو انھیں بہکایا، یا وسوسہ اندازی کے ذریعے سے، اس کی بابت کوئی صراحت

فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿36﴾

ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو [1] اور ایک وقت مقرر تک تمھارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ○

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿37﴾

آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں [2] اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے ○

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾

ہم نے کہا: تم سب یہاں سے چلے جاؤ، جب کبھی تمھارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں ○

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾ ع 4/10

اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○ [3]

نہیں۔ تاہم یہ واضح ہے کہ جس طرح سجدے کے حکم کے وقت اس نے حکم الٰہی کے مقابلے میں قیاس سے کام لے کر (کہ میں آدم سے بہتر ہوں) سجدے سے انکار کیا، اسی طرح اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿ وَلَا تَقْرَبَا ﴾ کی تاویل کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانے میں کامیاب ہو گیا، جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں آئے گی۔ گویا حکم الٰہی کے مقابلے میں قیاس کرنا اور نص کی دور از کار تاویل کا ارتکاب بھی سب سے پہلے شیطان نے کیا۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلك .

1 مراد آدم اور شیطان ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

2 حضرت آدم علیہ السلام جب پشیمانی میں ڈوبے دنیا میں تشریف لائے تو توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے۔ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی ودست گیری فرمائی اور وہ کلمات معافی سکھا دیے جو ''سورۂ اعراف'' میں بیان کیے گئے ہیں: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ بعض حضرات یہاں ایک موضوع روایت کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش الٰہی پر «لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» لکھا ہوا دیکھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا۔ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔ (الضعیفة، حدیث:25) اور قرآن کے بھی معارض ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے بھی خلاف ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ براہ راست اللہ سے دعائیں کی ہیں، کسی نبی، ولی، بزرگ کا واسطہ اور وسیلہ نہیں پکڑا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقۂ دعا یہی رہا ہے کہ بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی جائے۔

3 توبہ قبول فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ جنت میں آباد کرنے کی بجائے دنیا میں ہی رہ کر جنت کے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿40﴾

اے بنی اسرائیل![1] میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۝

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ

اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمھاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس[2] کے ساتھ تم ہی

حصول کی تلقین فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے سے تمام بنو آدم کو جنت کا یہ راستہ بتلایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے میری ہدایت (زندگی گزارنے کے احکام و ضابطے) تم تک پہنچے گی، جو اس کو قبول کرے گا وہ جنت کا مستحق اور بصورت دیگر عذاب الٰہی کا سزاوار ہوگا۔ ''ان پر خوف نہیں ہوگا۔'' کا تعلق آخرت سے ہے۔ أَيْ فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَهُ مِنْ أَمْرِ الآخِرَةِ. اور ''حزن نہیں ہوگا'' کا تعلق دنیا سے ہے۔ عَلٰى مَا فَاتَهُمْ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا ''جو فوت ہو گیا امور دنیا سے یا اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے۔'' جس طرح دوسرے مقام پر ہے: ﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ (طٰهٰ 20:123) ''جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، پس وہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدبخت۔'' (ابن کثیر) گویا ﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ کا مقام ہر مومن صادق کو حاصل ہے۔ یہ کوئی ایسا مقام نہیں جو صرف بعض اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہو اور پھر اس ''مقام'' کا مفہوم بھی کچھ کا کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام مومنین و متقین بھی اولیاء اللہ ہیں ''اولیاء اللہ'' کوئی الگ مخلوق نہیں۔ ہاں البتہ اولیاء کے درجات میں فرق ہو سکتا ہے۔

1 إِسْرَائِيلَ (بمعنی عبداللہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ یہود کو بنو اسرائیل کہا جاتا ہے، یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن سے ان کے بارہ قبیلے بنے اور ان میں بکثرت انبیاء و رسل ہوئے۔ بنو اسرائیل ہی میں سے یہود ہوئے، جن کو عرب میں اس کی گزشتہ تاریخ اور علم و مذہب سے وابستگی کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل تھا، اس لیے انھیں گزشتہ انعامات الٰہی یاد کروا کے کہا جا رہا ہے کہ تم میرا وہ عہد پورا کرو جو تم سے نبی آخر الزمان کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا کہ تم سے وہ بوجھ اتار دیے جائیں گے جو تمھاری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے بطور سزا تم پر لاد دیے گئے تھے اور تمھیں دوبارہ عروج عطا کیا جائے گا۔ اور مجھ سے ڈرو کہ میں تمھیں مسلسل اس ذلت و ادبار میں مبتلا رکھ سکتا ہوں جس میں تم بھی مبتلا ہو اور تمھارے آباء و اجداد بھی مبتلا رہے۔

2 بِهٖ کی ضمیر قرآن کی طرف، یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ دونوں ہی قول صحیح ہیں کیونکہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں، جس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا اور جس نے

ثَمَنًا قَلِيلًا ۫ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾

پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت [1] پر نہ فروخت کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو ○

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿42﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمھیں تو خود اس کا علم ہے ○

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾

اور نمازوں کو قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ○

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟ ○

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿45﴾ۙ

اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو [2] یہ بڑی چیز ہے، مگر ڈر رکھنے والوں پر (شاق نہیں ہے)۔ ○ [3]

محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا، اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا۔ (ابن کثیر) ”پہلے کافر نہ بنو“ کا مطلب ہے کہ ایک تو تمھیں جو علم ہے دوسرے اس سے محروم ہیں، اس لیے تمھاری ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے، مدینہ میں یہود کو سب سے پہلے دعوت ایمان دی گئی، ورنہ ہجرت سے پہلے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، اس لیے انھیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ یہودیوں میں تم اولین کافر مت بنو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمام یہودیوں کے کفر وجحود کا وبال تم پر پڑے گا۔

1 ”تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو۔“ کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الٰہی کا سودا کر لو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال ومتاع بھی ان کے مقابلے میں ہیچ اور ثمن قلیل ہے۔ آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لیے ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لیے گریز کرے گا وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔ (فتح القدير)

2 صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں۔ نماز کے ذریعے سے ایک مومن کا رابطہ وتعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہوتا ہے، جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے۔ صبر کے ذریعے سے کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: «إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَزِعَ إِلَى الصَّلَاةِ» (مسند أحمد:388/5، حديث:23688، و سنن أبي داود، حديث:1319، و صحيح الجامع الصغير، حديث:4703) ”نبی ﷺ کو جب بھی کوئی شدید معاملہ پیش آتا آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔“ (مزید دیکھیے سورۂ عنکبوت، آیت:45 کے حواشی)

3 نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے لیکن خشوع وخضوع کرنے والوں کے لیے یہ آسان بلکہ اطمینان اور

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾ ع

جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾

اے اولاد یعقوب ! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمھیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ○ [1]

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿48﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے ○

راحت کا باعث ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ جو قیامت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ گویا قیامت پر یقین اعمالِ خیر کو آسان کر دیتا اور آخرت سے بے فکری انسان کو بے عمل بلکہ بد عمل بنا دیتی ہے۔

1 یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد کرائے جا رہے ہیں جو ان پر کیے گئے اور ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا جا رہا ہے، جس دن نہ کوئی کسی کے کام آئے گا، نہ سفارش قبول ہوگی، نہ معاوضہ دے کر چھٹکارا ہو سکے گا، نہ کوئی مددگار آگے آئے گا۔ ایک انعام یہ بیان فرمایا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی، یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنو اسرائیل کو حاصل تھی جو انھوں نے معصیت الٰہی کا ارتکاب کر کے گنوا لی اور امت محمدیہ کو خَيْرُ اُمَّةٍ کے لقب سے نوازا گیا۔ اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انعامات الٰہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں اور ایمان وعمل سے محرومی پر سلب کر لیے جاتے ہیں، جس طرح امت محمدیہ بھی اس وقت اپنی بد عملیوں اور شرک و بدعات کے ارتکاب کی وجہ سے "خَيْرُ اُمَّةٍ" کی بجائے "شَرُّ اُمَّةٍ" بنی ہوئی ہے۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى.

یہود کو یہ دھوکہ بھی تھا کہ ہم تو اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، اس لیے مؤاخذۂ آخرت سے محفوظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سہارا نہیں دے سکے گا۔ اسی فریب میں امت محمدیہ بھی مبتلا ہے اور مسئلۂ شفاعت کو، جو اہل سنت کے یہاں مسلمہ ہے، اپنی بد عملی کا جواز بنا رکھا ہے۔ نبی ﷺ اللہ کی اجازت سے یقیناً شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول بھی فرمائے گا (احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے) لیکن یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ إِحْدَاث فِي الدِّين (بدعات) کے مرتکب اس سے محروم ہی رہیں گے، نیز بہت سے گناہ گاروں کو جہنم میں سزا دینے کے بعد آپ ﷺ کی شفاعت پر جہنم سے نکالا جائے گا، کیا جہنم کی یہ چند روزہ سزا قابل برداشت ہے کہ ہم شفاعت پر تکیہ کر کے معصیت کا ارتکاب کرتے رہیں؟

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿49﴾

اور جب ہم نے تمھیں فرعونیوں [1] سے نجات دی جو تمھیں بدترین عذاب دیتے تھے جو تمھارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمھاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے، اس نجات دینے میں تمھارے رب کی بڑی مہربانی تھی ○

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿50﴾

اور جب ہم نے تمھارے لیے [2] دریا چیر (پھاڑ) دیا اور تمھیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمھاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا○

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿51﴾

اور ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے ○ [3]

---

1 آل فرعون سے مراد صرف فرعون اور اس کے اہل خانہ ہی نہیں بلکہ فرعون کے تمام پیروکار ہیں۔ جیسا کہ آگے: ﴿ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ﴾ ہے (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا) یہ غرق ہونے والے فرعون کے گھر والے ہی نہیں تھے، اس کے فوجی اور دیگر پیروکار بھی تھے۔ گویا قرآن میں آل مُتَّبِعِیْن (پیروکاروں) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اس کی مزید تفصیل ''سورۂ احزاب'' آیت:33 کے حاشیے میں ملاحظہ فرمائیں۔

2 سمندر کا یہ پھاڑنا اور اس میں سے راستہ بنا دینا، ایک معجزہ تھا جس کی تفصیل سورۂ شعراء میں بیان کی گئی ہے۔ یہ سمندر کا مدو جزر نہیں تھا، جیسا کہ سر سید احمد خان اور دیگر منکرین معجزات کا خیال ہے۔

3 یہ گئو سالہ پرستی کا واقعہ اس وقت ہوا جب فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد بنو اسرائیل جزیرہ نمائے سینا پہنچے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انسان کتنا ظاہر پرست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اور نبیوں (حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام) کی موجودگی کے باوصف بچھڑے کو اپنا ''معبود'' سمجھ لیا۔ آج کا مسلمان بھی شرکیہ عقائد و اعمال میں بری طرح مبتلا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مسلمان مشرک کس طرح ہو سکتا ہے؟ ان مشرک مسلمانوں نے شرک کو پتھر کی مورتیوں کے پجاریوں کے لیے خاص کر دیا ہے کہ صرف وہی مشرک ہیں۔ جب کہ یہ نام نہاد مسلمان بھی قبروں پر قبوں کے ساتھ وہی کچھ کرتے ہیں جو پتھر کے پجاری اپنی مورتیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿52﴾

لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمھیں معاف کر دیا، تاکہ تم شکر کرو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾

اور ہم نے موسیٰ کو تمھاری ہدایت کے لیے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔ [1]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿54﴾

جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمھاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمھاری توبہ قبول کی، وہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ [2]

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿55﴾

اور (تم یاد کرو) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمھارے [3] دیکھتے ہوئے بجلی گری۔

---

1 یہ بھی بحر قلزم پار کرنے کے بعد کا واقعہ ہے (ابن کثیر) ممکن ہے کتاب، یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا ہو، کیوں کہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے، یا معجزات کو فرقان کہا گیا ہے کیونکہ معجزات کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان تفریق اور پہچان حاصل ہوتی ہے۔

2 جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرک پر متنبہ فرمایا تو پھر انھیں توبہ کا احساس ہوا تو توبہ کا طریقہ قتل تجویز کیا گیا: ﴿ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ "اپنے کو آپس میں قتل کرو۔" کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا اور انھوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ دوسری، یہ کہ ارتکاب شرک کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا اور جو اس سے محفوظ رہے تھے، انھیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ انھوں نے قتل کیا۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

3 حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (70) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لیے ساتھ لے گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آنے لگے تو انھوں نے کہا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، ہم تیری بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جس پر بطور عتاب ان پر بجلی گری اور مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعا کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ دیکھتے ہوئے بجلی گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿56﴾

پھر اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمھیں زندہ کر دیا○

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿57﴾

اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلوی اتارا۔[1] (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور انھوں نے ہم پر تو ظلم نہیں کیا، البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے○

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں[2] جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے گزرو[3] اور زبان سے

جن پر بجلی گری، آخر والے اسے دیکھ رہے تھے، حتیٰ کہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

1 اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر اور شام کے درمیان میدان تیہ کا واقعہ ہے۔ جب انھوں نے الٰہی حکم سے اعراض کرتے ہوئے عمالقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بطور سزا بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں پڑے رہے۔ بعض کے نزدیک یہ تخصیص صحیح نہیں۔ صحرائے سینا میں اترنے کے بعد جب سب سے پہلے پانی اور کھانے کا مسئلہ درپیش آیا تو اسی وقت یہ انتظام کیا گیا۔ ﴿الْمَنَّ﴾ بعض کے نزدیک ترنجبین ہے، یا اوس جو درخت یا پتھر پر گرتی، شہد کی طرح میٹھی ہوتی اور خشک ہو کر گوند کی طرح ہو جاتی۔ بعض کے نزدیک شہد یا میٹھا پانی ہے۔ مَنّ، مصدر ہے بمعنی اسم مفعول، یعنی ممنون به (اس کے ساتھ احسان کیا گیا) ویسے تو تمام نعمتیں ہی اللہ کا احسان ہیں لیکن ان کے لیے پھر بھی انسانوں کو کچھ سعی ومحنت کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ یہ مَنّ بغیر کسی سعی ومحنت کے حاصل ہوتا تھا، اس لیے اللہ نے اسے تعبیر ہی مَنّ کے لفظ سے فرمایا۔ (فتح الباري، تحت حديث: 5708.) حدیث میں ہے کہ کھمبی مَنّ کی اس قسم سے ہے جو بنو اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث :4478، و صحيح مسلم، حديث :161,160-(2049)) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا دقت بہم پہنچ جاتا تھا، اسی طرح کھمبی بغیر کسی کے بونے اور سیراب کرنے کے پیدا ہو جاتی ہے۔ (فتح الباري، تحت حديث :5708.) ﴿وَالسَّلْوٰى﴾ بٹیر یا چڑیا کی طرح کا ایک پرندہ تھا جسے ذبح کر کے کھا لیتے۔ (فتح القدیر)

2 اس بستی سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک بیت المقدس ہے۔

3 سجدہ سے بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ جھکتے ہوئے داخل ہو اور بعض نے سجدۂ شکر ہی مراد لیا ہے۔ مطلب

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾

حطۃ [1] کہو ہم تمھاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ○

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾ ع 6 13 6

پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی [2] بدل ڈالا، ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب [3] نازل کیا○

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿60﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے [4] اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو○

یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں عجز و انکسار کا اظہار اور اعتراف شکر کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو۔

1 ﴿حِطَّةٌ﴾ اس کے معنی ہیں ''ہمارے گناہ معاف فرما دے۔''

2 اس کی وضاحت ایک حدیث میں آتی ہے جو صحيح البخاري، حديث :4479، و صحيح مسلم، حديث : 1-(3015) وغیرہما میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان کو حکم دیا گیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں لیکن وہ سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حِطَّةٌ کی بجائے حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ (گندم بالی میں) کہتے رہے۔'' اس سے ان کی اس سرتابی و سرکشی کا، جو ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی اور احکام الٰہی سے تمسخر و استہزا کا جس کا ارتکاب انھوں نے کیا، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق و کردار کے لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ پھر احکام الٰہیہ کے ساتھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

3 یہ آسمانی عذاب کیا تھا؟ بعض نے کہا کہ غضب الٰہی، سخت پالا، طاعون۔ اس آخری معنی کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ طاعون اسی رجز اور عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا۔ تمھاری موجودگی میں کسی جگہ یہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو اور اگر کسی اور علاقے کی بابت تمھیں معلوم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ۔'' (صحيح مسلم، حديث:92-(2218))

4 یہ واقعہ بعض کے نزدیک تیہ کا اور بعض کے نزدیک صحرائے سینا کا ہے، وہاں پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اپنی لاٹھی پتھر پر مار، چنانچہ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ قبیلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ
وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ
الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ
هُوَ اَدۡنٰى بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ ؕ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ
لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ؕ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ
وَالۡمَسۡكَنَةُ ۚ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا
عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿61﴾ ع 7/2/7

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز دے، آپ نے فرمایا: بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو؟ اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمھیں تمھاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی[1] ان پر ذلت اور مسکینی ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے یہ[2] اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے[3] تھے، یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے ○[4]

---

1 یہ قصہ بھی اسی میدان تیہ کا ہے۔ مصر سے مراد یہاں ملک مصر نہیں بلکہ کوئی ایک شہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں سے کسی بھی شہر میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں، دالیں اگاؤ اور کھاؤ۔ ان کا یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لیے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا: ”تمھارے لیے وہاں تمھاری مطلوبہ چیزیں ہیں۔“

2 کہاں وہ انعامات و احسانات، جن کی تفصیل گزری اور کہاں وہ ذلت و مسکنت جو بعد میں ان پر مسلط کر دی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مصداق بن گئے، غضب بھی رحمت کی طرح اللہ کی صفت ہے، جس کی تاویل ارادہ عقوبت یا نفس عقوبت سے کرنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا۔ كَمَا هُوَ شَانُهٗ. جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

3 یہ ذلت و غضب الٰہی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار اور اللہ کی طرف بلانے والے انبیاء علیہم السلام اور داعیان حق کا قتل اور ان کی تذلیل و اہانت، یہ غضب الٰہی کا باعث ہے۔ کل یہود اس کا ارتکاب کر کے مغضوب اور ذلیل و رسوا ہوئے تو آج اس کا ارتکاب کرنے والے کس طرح معزز اور سرخرو ہو سکتے ہیں: مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ مَا كَانُوا ”وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں؟“

4 یہ ذلت و مسکنت کی دوسری وجہ ہے۔ ﴿عَصَوۡا﴾ (نافرمانی کی) کا مطلب ہے جن کاموں سے انھیں روکا گیا تھا، ان کا ارتکاب کیا اور ﴿يَعۡتَدُوۡنَ﴾ کا مطلب ہے مَامُور بِهٖ کاموں میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اطاعت و فرمانبرداری یہ ہے کہ مَنْهِيات سے باز رہا جائے اور مَامُورَات کو اس طرح بجالایا جائے جس طرح ان کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہو۔ اپنی طرف سے کمی بیشی یہ زیادتی (اِعۡتِدَاء) ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾

مسلمان ہوں، یہودی [1] ہوں، نصاریٰ [2] ہوں یا صابی [3] ہوں، جو کوئی بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی ○ [4]

---

1 یہود، هَوَادَةٌ (بمعنی محبت) سے یا تَهَوُّد (بمعنی توبہ) سے بنا ہے۔ گویا ان کا یہ نام اصل میں توبہ کرنے یا ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے پڑا۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو یہود کہا جاتا ہے۔

2 ﴿النَّصٰرٰى﴾ نَصْرَانِیّ کی جمع ہے اور بعض بتاتے ہیں کہ نَصْرَان کی جمع ہے جیسے نَدَامٰی نَدْمَان کی جمع ہے اور نَصْرَانِيّ. نَصْرَان یا نَاصِرَة کی طرف منسوب ہے جو اس بستی کا نام ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ناصری کہتے ہیں اور آپ کے پیروکاروں کو نصرانی۔ (تفسیر اللباب: 2/133-135)

3 ﴿الصّٰبِـِٕيْنَ﴾ صَابِیٌٔ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو ابتدا میں کسی دین حق کے پیرو رہے ہوں گے (اسی لیے قرآن میں یہودیت و عیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے) لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آ گئی، یا یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لا مذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔

4 بعض جدید مفسرین کو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے اور اس سے انھوں نے ''وحدت ادیان'' کا فلسفہ کشید کرنے کی مذموم سعی کی ہے، یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے بلکہ جو بھی جس دین کو مانتا ہے اور اس کے مطابق ایمان رکھتا اور اچھے عمل کرتا ہے، اس کی نجات ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سخت گمراہ کن ہے، آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں یہود کی بدعملیوں اور سرکشیوں اور اس کی بنا پر ان کے مستحق عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا تو ذہن میں اشکال پیدا ہو سکتا تھا کہ ان یہود میں جو لوگ صحیح، کتاب الٰہی کے پیرو اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے والے تھے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ یا کیا معاملہ فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرما دی کہ صرف یہود ہی نہیں، نصاریٰ اور صابی بھی اپنے اپنے وقت میں جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور عمل صالح کرتے رہے، وہ سب نجات اخروی سے ہمکنار ہوں گے اور اسی طرح اب رسالت محمدیہ پر ایمان لانے والے مسلمان بھی اگر صحیح طریقے سے ایمان باللہ والیوم الآخر اور عمل صالح کا اہتمام کریں تو یہ بھی یقیناً آخرت کی ابدی نعمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔ نجات اخروی میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ وہاں بے لاگ فیصلہ ہو گا۔ چاہے مسلمان ہوں یا رسول آخر الزمان سے پہلے گزر جانے والے یہودی، عیسائی اور صابی وغیرہم۔ اس کی تائید بعض مرسل آثار سے بھی ہوتی ہے، مثلاً: مجاہد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان اہل دین کے بارے میں پوچھا جو میرے ساتھی تھے، عبادت گزار اور نمازی تھے (رسالت محمدیہ سے قبل وہ اپنے دین کے پابند

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿65﴾ ۚ

اور جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا [1] اور کہا جو ہم نے تمھیں دیا ہے، اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم بچ سکو○ لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے، پھر اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے○ اور یقیناً تمھیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتے [2] کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ○

تھے) تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ الآیۃ (ابن کثیر) قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، مثلاً: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران 3:19) ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔'' ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران 3:85) ''جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا متلاشی ہوگا، وہ ہرگز مقبول نہیں ہوگا۔'' اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی، مثلاً: فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ» (صحیح مسلم، حدیث: 153) ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (دعوت) میں جو شخص بھی میری بابت سن لے، وہ یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت ادیان کی گمراہی، جہاں دیگر آیات قرآنی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے، وہاں احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی مذموم سعی کا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ اسی لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

1 جب تورات کے احکام کے متعلق یہود نے ازراہ شرارت کہا کہ ہم سے تو ان احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا، جس سے ڈر کر انھوں نے عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

2 ﴿السَّبْتِ﴾ ''ہفتہ'' کے دن یہودیوں کو مچھلی کا شکار بلکہ کوئی بھی دنیاوی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا لیکن انھوں نے ایک حیلہ اختیار کر کے حکم الٰہی سے تجاوز کیا۔ ہفتے کے دن (بطور امتحان) مچھلیاں زیادہ آتیں، انھوں نے گڑھے کھود لیے تا کہ مچھلیاں ان میں پھنسی رہیں اور پھر اتوار کے دن ان کو پکڑ لیتے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿66﴾

اسے ہم نے اگلوں پچھلوں کے لیے عبرت کا سبب بنا دیا
اور پرہیز گاروں کے لیے وعظ و نصیحت کا○

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ
اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ
قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾

اور موسیٰ نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمھیں ایک
گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے [1] تو انھوں نے کہا: ہم
سے مذاق کیوں کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میں
ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں○

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ
اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا
بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا
مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾

انھوں نے کہا: اے موسیٰ! دعا کیجیے کہ اللہ ہمارے لیے
اس کی ماہیت بیان کر دے، آپ نے فرمایا: سنو! وہ
گائے نہ تو بالکل بوڑھی ہو، نہ بچی، بلکہ درمیانی عمر کی
نوجوان ہو، اب جو تمھیں حکم دیا گیا ہے بجالاؤ○

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ
لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿69﴾

وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجیے کہ اللہ بیان کرے کہ اس کا رنگ
کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے،
چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے○

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ
الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
لَمُهْتَدُوْنَ ﴿70﴾

وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجیے کہ ہمیں اس کی
مزید ماہیت بتلائے، اس قسم کی گائے تو بہت ہیں پتا نہیں
چلتا، اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے○

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ
الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ
فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا

آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے
والی، زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے
والی نہیں، وہ تندرست اور بے داغ ہے انھوں نے کہا،
اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب

---

1 ایک مرسل روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک لا ولد مالدار آدمی تھا جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا، ایک رات اس بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی، صبح قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے لگے، بالآخر بات حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو انھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا، گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا گیا جس سے وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے مر گیا۔ (فتح القدیر)

ع 8 10 8 وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾

نہ تھے، لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی ○ [1]

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا ○ [2]

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾

ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو، (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمھیں تمھاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے ○ [3]

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ

پھر اس کے بعد تمھارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی

1 انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو حکم الٰہی پر عمل ہو جاتا لیکن انھوں نے حکم الٰہی پر سیدھے طریقے سے عمل کرنے کی بجائے، مین مکھ نکالنا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے، جس پر اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختی کرتا چلا گیا۔ اسی لیے دین میں تعمّق اور سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

2 مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس قتل کا راز فاش کر دیا، دراں حالیکہ وہ قتل رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر کیا گیا تھا۔ تاہم کسی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ گائے ذبح کرنے کے حکم کا تعلق اس قتل سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نیکی یا بدی تم کتنی بھی چھپ کر کرو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس لیے خلوت ہو یا جلوت ہر وقت اور ہر جگہ اچھے کام ہی کیا کرو تا کہ اگر وہ کسی وقت ظاہر بھی ہو جائیں اور لوگوں کے علم میں بھی آ جائیں تو شرمندگی نہ ہو بلکہ اس کے احترام و وقار میں اضافہ ہی ہو اور بدی کتنی بھی چھپ کر کیوں نہ کی جائے، اس کے فاش ہونے کا امکان ہے جس سے انسان کی بدنامی اور ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔

3 مقتول کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کا اعلان فرما رہا ہے۔ قیامت والے دن دوبارہ مُردوں کا زندہ ہونا، منکرین قیامت کے لیے ہمیشہ حیرت و استعجاب کا باعث رہا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان فرمایا ہے، سورۂ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (البقرة 2:56) میں گزر چکی ہے۔ دوسری مثال یہی قصہ ہے۔ تیسری مثال دوسرے پارے کی آیت نمبر 243: ﴿ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاھُمْ ﴾ چوتھی آیت نمبر 259: ﴿ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ﴾ اور پانچویں مثال اس کے بعد والی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طیور اربعہ (چار پرندوں) کی ہے۔

كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿74﴾

زیادہ سخت ہوگئے، [1] بعض پتھروں سے تو نہریں بہ نکلتی ہیں، اور بعض پھٹ جاتے ہیں اوران سے پانی نکل آتا ہے، اور بعض اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، [2] اور تم اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو○

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾

مسلمانو! کیا تمھاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں، حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر، عقل وعلم والے ہوتے ہوئے، پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں○ [3]

---

1 یعنی گزشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہوگیا، دیکھ کر بھی تمھارے دلوں کے اندر اِنَابَت اِلَی اللّٰہ کا داعیہ اور توبہ واستغفار کا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس تمھارے دل پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔ دلوں کا سخت ہوجانا یہ افراد اور امتوں کے لیے سخت تباہ کن اور اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ دلوں سے اثر پذیری کی صلاحیت سلب اور قبول حق کی استعداد ختم ہوگئی ہے، اس کے بعد اس کی اصلاح کی توقع کم اور مکمل فنا اور تباہی کا اندیشہ زیادہ ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو خاص طور پر تاکید کی گئی ہے: ﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (الحدید 16:57) ”اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جن کو ان سے قبل کتاب دی گئی لیکن مدت گزرنے پر ان کے دل سخت ہوگئے۔“

2 پتھروں کی سنگینی کے باوجود، ان سے جو جو فوائد حاصل ہوتے اور جو جو کیفیت ان پر گزرتی ہے، اس کا بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھروں کے اندر بھی ایک قسم کا ادراک واحساس موجود ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی إسرآءیل 17: 44) (مزید وضاحت کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت:44 کا حاشیہ دیکھیے)

3 اہل ایمان سے خطاب کر کے یہودیوں کی بابت کہا جارہا ہے کہ کیا تمھیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے، درآں حالیکہ ان کے پچھلے لوگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا جو کلام الٰہی میں جانتے بوجھتے تحریف (لفظی ومعنوی) کرتا تھا۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعًا امید نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دنیوی مفادات، یا حزبی تعصّبات کی وجہ سے کلام الٰہی میں تحریف تک کرنے سے گریز نہیں کرتے، وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ اس سے نکل نہیں پاتے۔ امت محمدیہ کے بہت سے علماء ومشائخ بھی بدقسمتی سے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿76﴾

جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں [1] اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمھیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی ○

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿77﴾

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ (سب) جانتا ہے جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ○ [2]

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿78﴾

النصف

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ ہی کو جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں ○ [3]

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ

ان لوگوں کے لیے ''ویل'' (ہلاکت) ہے۔ جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی

قرآن وحدیث میں تحریف کے مرتکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جرم سے محفوظ رکھے۔ (دیکھیے سورۂ نساء آیت: 77 کا حاشیہ)

1 یہ بعض یہودیوں کے منافقانہ کردار کی نقاب کشائی ہو رہی ہے کہ وہ مسلمانوں میں تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے لیکن جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو اپنی کتاب کی ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جس سے رسول عربی کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ اس طرح تم خود ہی ایک ایسی حجت ان کے ہاتھ میں دے رہے ہو جو وہ تمھارے خلاف بارگاہ الٰہی میں پیش کریں گے۔

2 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتلاؤ یا نہ بتلاؤ، اللہ تعالیٰ کو تو ہر بات کا علم ہے اور وہ ان باتوں کو تمھارے بتلائے بغیر بھی مسلمانوں پر ظاہر فرما سکتا ہے۔

3 یہ تو ان کے اہل علم کی باتیں تھیں۔ رہے ان کے ان پڑھ لوگ، وہ کتاب (تورات) سے تو بے خبر ہیں لیکن وہ آرزوئیں ضرور رکھتے ہیں اور گمانوں پر ان کا گزارہ ہے، جس میں انھیں ان کے علماء نے بتلا کیا ہوا ہے، مثلاً: ہم تو اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں۔ ہم جہنم میں اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے اور ہمیں ہمارے بزرگ بخشوالیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے آج کے جاہل مسلمانوں کو بھی بعض علماء ومشائخ نے ایسے ہی حسین جالوں اور پرفریب وعدوں میں پھنسا رکھا ہے۔

مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿79﴾

لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے ○[1]

وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿80﴾

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جہنم میں رہیں گے، ان سے کہو کہ کیا تمھارے پاس اللہ کا کوئی پروانہ ہے؟[2] اگر ہے تو یقیناً اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا، (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو[3] جنھیں تم نہیں جانتے ○

بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿81﴾

یقیناً جس نے بھی برے کام کیے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے ○

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿82﴾ ع 11/9

اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو ہمیشہ جنت میں رہیں گے ○[4]

---

1 یہ یہود کے علماء کی جسارت اور خوف الٰہی سے بے نیازی کی وضاحت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مسئلے گھڑتے ہیں اور بہ بانگ دہل یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت سے قرآن مجید (مصحف) کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔ آیت کا مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لیے کلام الٰہی میں تحریف کرتے اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔

2 یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں رہیں گے اس حساب سے صرف سات دن جہنم میں رہیں گے۔ کچھ کہتے تھے کہ ہم نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی، چالیس دن جہنم میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے؟ یہ بھی استفہام انکاری ہے، یعنی یہ غلط کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

3 یعنی تمھارا یہ دعویٰ کہ ہم اگر جہنم میں گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے، تمھاری اپنی طرف سے ہے اور اس طرح تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو، جن کا تمھیں خود بھی علم نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنا وہ اصول بیان فرما رہا ہے جس کی رو سے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نیک و بد کو ان کی نیکی اور بدی کی جزا دے گا۔

4 یہ یہود کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے جنت و جہنم میں جانے کا اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی، یعنی کفر و شرک (کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے اگر بعض اچھے عمل بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی بے حیثیت رہیں گے) تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں (گویا یہاں ﴿سَيِّئَةً﴾ سیاق کے اعتبار سے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ۫ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿83﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکاۃ دیتے رہا کرنا، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا○

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں خون نہ بہانا، یعنی قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو جلاوطن نہ کرنا، تم نے اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے○ [1]

کفر وشرک کے معنی میں ہے) اور جو ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے وہ جنتی اور جو مومن گناہ گار ہوں گے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا، وہ چاہے گا تو اپنے فضل وکرم سے ان کے گناہ معاف فرما کر یا بطور سزا کچھ عرصہ جہنم میں رکھنے کے بعد یا نبی ﷺ کی شفاعت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا، جیسا کہ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

1 ان آیات میں پھر وہ عہد بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا لیکن اس سے بھی انھوں نے اعراض ہی کیا۔ اس عہد میں اولاً صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تاکید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے (جیسا کہ سورۂ انبیاء، آیت :25 اور دیگر آیات سے واضح ہے) اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ضروری ہے، اسی طرح اس کے بعد والدین کی اطاعت بھی بہت ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، اس کے بعد رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ اسلام میں ان باتوں کی بڑی تاکید ہے، جیسا کہ احادیث رسول ﷺ سے واضح ہے۔ اس عہد میں اقامت صلاۃ اور ایتائے زکاۃ کا بھی حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عبادتیں پچھلی شریعتوں میں بھی موجود رہی ہیں جن سے ان کی اہمیت واضح ہے۔ اسلام میں بھی یہ دونوں عبادتیں نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار، یا اس سے اعراض کو کفر سمجھا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کرنے سے واضح ہے۔

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَاۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿85﴾

لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی، ہاں جب وہ قیدی ہوکر تمھارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیے۔ لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟[1] تم میں سے جو بھی ایسا کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار، اور اللہ تمھارے اعمال سے بےخبر نہیں ○

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ‌ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿86﴾ ع 10/4/10

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○[2]

1 نبی کریم ﷺ کے زمانے میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان کی آپس میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ اسی طرح یہود مدینہ کے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنونضیر اور بنو قریظہ۔ یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنو قریظہ اوس کے حلیف (ساتھی) اور بنو قینقاع اور بنو نضیر، خزرج کے حلیف تھے۔ جنگ میں یہ اپنے اپنے حلیفوں (ساتھیوں) کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو لوٹتے اور انھیں جلاوطن کر دیتے۔ درآں حالیکہ تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا۔ لیکن پھر انھی یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے شریعت کو موم کی ناک بنا لیا تھا، بعض چیزوں پر ایمان لاتے اور بعض کو ترک کر دیتے، کسی حکم پر عمل کر لیتے اور کسی وقت شریعت کے حکم کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے۔ قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا، ان کی شریعت میں بھی حرام تھا، ان امور کا تو انھوں نے بے محابا ارتکاب کیا اور فدیہ دے کر چھڑا لینے کا جو حکم تھا، اس پر عمل کر لیا۔ حالانکہ اگر پہلے تین امور کا وہ لحاظ رکھتے تو فدیہ دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔

2 یہ شریعت کے کسی حکم کے مان لینے اور کسی کو نظرانداز کر دینے کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی سزا دنیا میں عزت وسرفرازی کی جگہ (جو مکمل شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے) ذلت ورسوائی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کی بجائے سخت

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد مسلسل اور رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی [1] لیکن جب کبھی تمھارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمھاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا ○ [2]

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں، [3] نہیں

عذاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض بعض باتوں کا مان لینا، یا ان پر عمل کر لینا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ آیت ہم مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کہیں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی مسلمانوں کا وہی کردار تو نہیں جو مذکورہ آیات میں یہودیوں کا بیان کیا گیا ہے؟

1 ﴿ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ﴾ کے معنی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسلسل پیغمبر آتے رہے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ ﴿الْبَيِّنٰتِ﴾ سے معجزات مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور اندھے کو صحت یاب کرنا وغیرہ، جن کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت:49 میں ہے۔ ﴿ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ سے مراد حضرت جبریل ہیں، ان کو روح القدس اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ امر تکوینی سے ظہور میں آئے تھے، جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''روح'' کہا گیا ہے اور ''القدس'' سے ذات الٰہی مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح تر قرار دیا ہے کیونکہ سورۂ مائدہ، آیت:10 میں روح القدس اور انجیل دونوں الگ الگ مذکور ہیں (اس لیے روح القدس سے انجیل مراد نہیں ہو سکتی) ایک اور آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو "الروح الأمين" فرمایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: «اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ» ''اے اللہ! روح القدس سے اس کی تائید فرما۔'' ایک دوسری حدیث میں ہے «وَجِبْرِيلُ مَعَكَ» "جبریل تمھارے ساتھ ہے۔'' معلوم ہوا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہی ہیں، (فتح البیان، ابن کثیر بحوالہ أشرف الحواشي)

2 جیسے حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔

3 یعنی ہم پر اے محمد! تیری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر ہے: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾(حٰمٓ السجدة 5:41) ''ہمارے دل اس دعوت سے پردے میں ہیں، جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے۔''

بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾

نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انھیں اللہ نے ملعون کر دیا ہے، ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے ○ [1]

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾

اور ان کے پاس جب اللہ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی، حالانکہ پہلے یہ خود اس کے ساتھ [2] کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آجانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے، اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ○

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿90﴾

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، وہ ان کا کفر کرنا ہے۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات [3] سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندے پر چاہا نازل فرمایا، اس باعث یہ لوگ غضب [4] پر غضب کے مستحق ہو گئے

---

1 دلوں پر حق بات کا اثر نہ کرنا، کوئی فخر کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو ملعون ہونے کی علامت ہے، پس ان کا ایمان بھی تھوڑا ہے (جو عند اللہ نامقبول ہے) یا ان میں ایمان لانے والے کم ہی لوگ ہوں گے۔

2 ﴿يَسْتَفْتِحُوْنَ﴾ کے ایک معنی یہ ہیں غلبہ اور نصرت کی دعا کرتے تھے، یعنی جب یہ یہود مشرکین سے شکست کھا جاتے تو اللہ سے دعا کرتے، اے اللہ! آخری نبی جلد مبعوث فرما تاکہ اس سے مل کر ہم ان مشرکین پر غلبہ حاصل کریں، یعنی اِسْتِفْتَاح بِمَعْنَى اِسْتِنْصَار ہے۔ دوسرے معنی خبر دینے کے ہیں۔ أَيْ يُخْبِرُوْنَهُمْ بِأَنَّهُ سَيُبْعَثُ یعنی یہودی کافروں کو خبر دیتے کہ عنقریب نبی کی بعثت ہو گی۔ (فتح القدیر) لیکن بعثت کے بعد علم رکھنے کے باوجود نبوت محمدیہ پر محض حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

3 یعنی اس بات کی معرفت کے بعد بھی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ وہی آخری پیغمبر ہیں، جن کے اوصاف تورات و انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی وجہ سے ہی اہل کتاب ان کے ایک ''نجات دہندہ'' کے طور پر منتظر بھی تھے لیکن ان پر محض اس جلن اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ یہ نبی ہماری نسل میں سے کیوں نہ ہوئے، جیسا کہ ہمارا گمان تھا، یعنی ان کا انکار دلائل پر نہیں، نسلی منافرت اور حسد و عناد پر مبنی تھا۔

4 غضب پر غضب کا مطلب ہے بہت زیادہ غضب۔ کیونکہ بار بار وہ غضب والے کام کرتے رہے، جیسا کہ تفصیل گزری اور اب محض حسد کی وجہ سے قرآن اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔

اور ان کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ○

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿91﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے،[1] اور اس کے بعد والی کے ساتھ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کفر کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اچھا ان سے یہ تو دریافت کریں کہ اگر تمھارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟ ○[2]

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿92﴾

تمھارے پاس تو موسیٰ یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑا پوجا،[3] تم ہو ہی ظالم ○

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو! تو انھوں نے کہا، ہم نے سنا اور نافرمانی کی[4] اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی[5] بسبب

---

1 یعنی تورات پر ہم ایمان رکھتے ہیں، اب اس کے بعد ہمیں قرآن پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

2 یعنی تمھارا تورات پر دعویٰ ایمان بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر تورات پر تمھارا ایمان ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کو تم قتل نہ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی تمھارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔

3 یہ ان کے انکار اور عناد کی ایک اور دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آیات واضحات اور دلائل قاطعہ اس بات کے لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تم نے اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تنگ کیا اور الٰہ واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

4 یہ کفر و انکار کی انتہا ہے، زبان سے تو اقرار کہ سن لیا، یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت کہ ہم نے کون سا عمل کرنا ہے؟

5 ایک تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے، کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ دوسرے، اس کو ﴿اُشْرِبُوْا﴾ (پلا دی گئی) سے تعبیر کیا گیا کیونکہ پانی انسان کے رگ و ریشہ میں خوب دوڑتا ہے جبکہ کھانے کا گزر اس طرح نہیں

اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿93﴾

ان کے کفر کے،[1] ان سے کہہ دیجیے کہ تمھارا ایمان تمھیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم مومن ہو ○

قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿94﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اگر آخرت کا گھر، اللہ کے نزدیک صرف تمھارے ہی لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو ○

وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿95﴾

لیکن اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے وہ کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے،[2] اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿96﴾ ع 11/10/11

بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی! آپ انھیں کو پائیں گے۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں،[3] ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے، گو یہ عمر دیا جانا بھی انھیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے ○

ہوتا۔(فتح القدیر)

1 یعنی عصیان اور بچھڑے کی محبت وعبادت کی وجہ وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

2 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے، یعنی یہودیوں کو کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اللہ تعالیٰ سے محبوبیت کے دعوے میں سچے ہو تو مباہلہ کرلو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ اے اللہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار کردے، یہی دعوت انھیں سورۂ جمعہ میں بھی دی گئی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے۔ لیکن چونکہ یہودی بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لیے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو (مباہلہ) نہیں کریں گے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

3 موت کی آرزو تو کجا یہ تو دنیوی زندگی کے تمام لوگوں حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں لیکن عمر کی یہ درازی انھیں عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکے گی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہودی اپنے ان دعووں میں یکسر جھوٹے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور چہیتے ہیں، یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے جہنمی کیونکہ فی الواقع اگر ایسا ہوتا، یا کم از کم انھیں اپنے دعووں کی صداقت پر پورا یقین ہوتا تو یقیناً وہ مباہلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے تا کہ ان کی سچائی واضح اور

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿97﴾

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ جو جبریل کا دشمن ہو جس نے آپ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اللہ کے حکم سے اتارا ہے، جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کی تصدیق کرنے والا اور مومنوں کو ہدایت اور خوشخبری دینے والا ہے[1] تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے○

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿98﴾

جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں ، اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو، ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے○ [2]

مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی۔ مباہلے سے پہلے یہودیوں کا اعراض اور گریز اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ گو وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کر لیتے تھے لیکن ان کے دل اصل حقیقت سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نافرمانوں کے لیے طے کر رکھا ہے۔

1 حدیث میں ہے کہ چند یہودی علماء نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ نے ہمارے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے کیونکہ نبی کے علاوہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ جب نبی ﷺ نے ان کے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو انھوں نے کہا کہ آپ پر وحی کون لاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جبریل'' یہود کہنے لگے: جبریل تو ہمارا دشمن ہے، وہی تو حرب وقتال اور عذاب لے کر اترتا رہا ہے۔ اور اس بہانے سے نبی کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

2 یہود کہتے تھے کہ میکائیل ہمارا دوست ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا، یا ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے۔ حدیث میں ہے: «مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ» (صحيح البخاري، حديث: 6502) ''جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی، میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔'' گویا اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ولی سے دشمنی سارے اولیاء اللہ سے بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم نہایت ضروری اور ان سے بغض وعناد اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف اعلان جنگ فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو۔ (سورۂ یونس، آیت: 62،63) لیکن محبت اور تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر گنبد اور قبے بنائے جائیں، ان کی قبروں پر سالانہ عرس کے نام پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا جائے، ان کے نام کی نذر و نیاز اور قبروں کو غسل دیا جائے اور ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور انھیں حاجت روا، مشکل کشا، نافع و ضار سمجھا

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿99﴾

اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا○

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿100﴾

یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں○

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾ۡ

جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا، ان اہل کتاب کے ایک فرقے نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا، گویا جانتے ہی نہ تھے○ [1]

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے، [2] اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو

جائے، ان کی قبروں پر دست بستہ قیام اور ان کی چوکھٹوں پر سجدہ کیا جائے وغیرہ، جیسا کہ بدقسمتی سے ''اولیاء اللہ کی محبت'' کے نام پر یہ کاروبار لات ومنات فروغ پذیر ہے۔ حالانکہ یہ ''محبت'' نہیں ہے، ان کی عبادت ہے، جو شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ عبادت قبور سے محفوظ رکھے۔

1 اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو بہت سی آیات بینات عطا کی ہیں، جن کو دیکھ کر یہود کو بھی ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں خود ان کی کتاب تورات میں بھی آپ کے اوصاف کا ذکر اور آپ پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے لیکن انھوں نے پہلے بھی کسی عہد کی کب پروا کی ہے جو اس عہد کی وہ کریں گے؟ عہد شکنی ان کے ایک گروہ کی ہمیشہ عادت رہی ہے حتیٰ کہ اللہ کی کتاب کو بھی اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

2 یعنی ان یہودیوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پروا نہیں کی، البتہ شیطان کے پیچھے لگ کر نہ صرف جادو ٹونے پر عمل کرتے رہے بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی (نعوذ باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے ہی حکومت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کا عمل نہیں کرتے تھے کیونکہ عمل سحر تو کفر ہے، اس کفر کا ارتکاب حضرت سلیمان کیونکر کر سکتے تھے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت

وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ

اتارا گیا تھا،[1] وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے[2] جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں[3] تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے

سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام ہو گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے سدباب کے لیے جادو کی کتابیں لے کر اپنی کرسی یا تخت کے نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان شیاطین اور جادوگروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت واقتدار کا راز یہی جادو کا عمل تھا اور اسی بنا پر ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی کافر قرار دیا، جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ (ابن کثیر۔ وغیرہ)

1 بعض مفسرین نے ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ﴾ میں مَا نافیہ مراد لیا ہے اور ہاروت و ماروت پر کسی چیز کے اترنے کی نفی کی ہے لیکن قرآن کریم کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اسی لیے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے (ابن کثیر) اسی طرح ہاروت و ماروت کے بارے میں بھی تفاسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ لیکن کوئی صحیح مرفوع روایت اس بارے میں ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تفصیل کے نہایت اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے، ہمیں صرف اس پر اور اسی حد تک ایمان رکھنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر) قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بابل میں ہاروت و ماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد (واللہ أعلم بالصواب) یہ معلوم ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ معجزے، جادو سے مختلف چیز ہیں اور جادو یہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے (اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء علیہم السلام کو بھی نعوذ باللہ جادوگر اور شعبدہ باز سمجھنے لگے تھے) اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔

دوسرا مقصد بنو اسرائیل کی اخلاقی پستی کی نشاندہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کس طرح جادو سیکھنے کے لیے ان فرشتوں کے پیچھے پڑے اور یہ بتلانے کے باوجود کہ جادو کفر ہے اور ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں، وہ علم سحر حاصل کرنے کے لیے درپے رہے جس سے ان کا مقصد ہنستے بستے گھروں کو اجاڑنا اور میاں بیوی کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا تھا، یعنی یہ ان کے گراوٹ، بگاڑ اور فساد کے سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی اور اس طرح کے توہمات اور اخلاقی گراوٹ کسی قوم کی انتہائی بگاڑ کی علامت ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

2 یہ ایسے ہی ہے جیسے باطل کی تردید کے لیے، باطل مذاہب کا علم کسی استاذ سے حاصل کیا جائے، استاذ شاگرد کو اس یقین دہانی پر باطل مذہب کا علم سکھائے کہ وہ اس کی تردید کرے گا۔ لیکن علم حاصل کرنے کے بعد وہ خود بدمذہب ہو جائے، یا اس کا غلط استعمال کرے تو استاذ اس میں قصوروار نہیں ہوگا۔

3 أَيْ إِنَّمَا نَحْنُ ابْتِلَاءٌ وَاخْتِبَارٌ مِنَ اللّٰهِ لِعِبَادِهِ ”ہم اللہ کی طرف سے بندوں کے لیے آزمائش

الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۫ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾

جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، [1] یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے، اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے ○

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾ ع 12/7/12

اگر یہ لوگ صاحب ایمان متقی بن جاتے تو اللہ کی طرف سے بہترین ثواب انھیں ملتا اگر یہ جانتے ہوتے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾

اے ایمان والو! تم (نبی ﷺ کو) ''راعنا'' نہ کہا کرو، بلکہ ''انظرنا'' کہو [2] (یعنی ہماری طرف دیکھیے) اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہیں ○

ہیں۔'' (فتح القدير)

1 یہ جادو بھی اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا اذن نہ ہو، اس لیے اس کے سیکھنے کا فائدہ بھی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جادو کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر قرار دیا ہے، ہر قسم کی خیر کی طلب اور ضرر کے دفع کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات میں ہر کام اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

2 ﴿رَاعِنَا﴾ کے معنی ہیں، ہمارا لحاظ اور خیال کیجیے۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا لیکن یہودی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس کے معنی میں تبدیلی اور ان کے جذبۂ عناد کی تسلی ہو جاتی، مثلاً: وہ کہتے: رَاعِینَا (ہمارے چرواہے) یا رَاعِنًا (احمق) وغیرہ، جیسے وہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کی بجائے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر موت آئے) کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ﴿اُنْظُرْنَا﴾ کہا کرو۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ، جن میں تنقیص واہانت کا شائبہ ہو، ادب و احترام کے پیش نظر اور سد ذریعہ کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کفار کے ساتھ افعال و اقوال میں مشابہت اختیار کرنے سے بچا جائے تاکہ مسلمان «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (سنن أبي داود، حديث: 4031 وحسنه الألباني) ''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ انھی میں شمار ہوگا۔''

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿105﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿106﴾

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿107﴾

نہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ مشرکین یہ چاہتے ہیں کہ تم پر تمھارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (بھلا ان کے حسد سے کیا ہوتا ہے؟) اللہ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرماتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے ○ جس آیت کو ہم منسوخ کردیں۔ یا بھلّا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے [1] اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ○

کی وعید میں داخل نہ ہوں۔

1 نسخ کے لغوی معنی تو نقل کرنے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں۔ یہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے زمانے میں سگے بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا، بعد میں اسے حرام کردیا گیا وغیرہ، اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ''الفوز الکبیر'' میں ان کی تعداد صرف پانچ بیان کی ہے۔ یہ نسخ تین قسم کا ہے۔ ایک تو مطلقاً نسخ حکم، یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کردیا گیا۔ دوسرا نسخ مع بقاء التلاوۃ، یعنی پہلے حکم کے الفاظ قرآن مجید میں موجود رکھے گئے ہیں، ان کی تلاوت ہوتی ہے لیکن دوسرا حکم بھی، جو بعد میں نازل کیا گیا، قرآن میں موجود ہے، یعنی ناسخ اور منسوخ دونوں آیات موجود ہیں۔ نسخ کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ کردی گئی، یعنی مصحف (قرآن کریم) میں نبی ﷺ نے انھیں شامل نہیں فرمایا لیکن ان کا حکم باقی رکھا گیا۔ جیسے «اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ إِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ» (موطأ إمام مالك: 335/2 ومسند أحمد: 132/5.) ''شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو یقیناً انھیں سنگسار کردیا جائے۔'' اس آیت میں نسخ کی پہلی دو قسموں کا بیان ہے۔ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ میں دوسری قسم اور ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ میں پہلی قسم۔ ﴿نُنْسِهَا﴾ (ہم بھلوا دیتے ہیں) کا مطلب ہے کہ اس کا حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لیتے ہیں۔ گویا کہ ہم نے اسے بھلا دیا اور نیا حکم نازل کردیا۔ یا نبی ﷺ کے قلب سے ہی ہم نے اسے مٹا دیا اور اسے نسیًا منسیًا کردیا گیا۔ یہودی تورات کو ناقابل نسخ قرار دیتے تھے اور قرآن پر بھی انھوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿108﴾

کیا تم اپنے رسول سے یہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ سے پوچھا گیا تھا؟[1] (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے ○

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿109﴾

ان اہلِ کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد و بغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿110﴾

تم نماز قائم رکھو اور زکاۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے، بے شک اللہ تمھارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ○[2]

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿111﴾

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو ○[3]

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھے کرے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہو، اسے نافذ کرے اور جسے چاہے منسوخ کر دے۔ یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ بعض قدیم گمراہوں (مثلاً: ابو مسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کل کے بھی بعض متجددین نے یہودیوں کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو مذکورہ سطروں میں بیان کی گئی ہے، سلف صالحین کا عقیدہ بھی اثبات نسخ ہی رہا ہے۔

1 مسلمانوں (صحابہ) کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر سے غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ اس میں اندیشۂ کفر ہے۔

2 یہودیوں کو اسلام اور نبی ﷺ سے جو حسد اور عناد تھا اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کی مذموم سعی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبر اور درگزر سے کام لیتے ہوئے، ان احکام و فرائض اسلام کو بجالاتے رہو، جن کا تمھیں حکم دیا گیا ہے۔

3 یہاں اہل کتاب کے اس غرور اور فریب نفس کو پھر بیان کیا جا رہا ہے جس میں وہ مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں جن کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

بَلٰی ٭ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
ع 13 9 13 هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿112﴾
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪
وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ
وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿113﴾
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ
يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے، [1] بے شک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا، نہ غم اور اداسی ○

یہودی کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں [2] اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔ [3] قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان کے درمیان کر دے گا ○

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کیے جانے کو روکے [4] اور ان کی

---

1 ﴿اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ کا مطلب ہے محض اللہ کی رضا کے لیے کام کرے اور ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ، پیغمبر آخر الزمان کی سنت کے مطابق۔ قبولیت عمل کے لیے یہ دو بنیادی اصول ہیں اور نجات اخروی انھی اصولوں کے مطابق کیے گئے اعمال صالحہ پر مبنی ہے، نہ کہ محض آرزوؤں پر۔

2 یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود ہے لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ہونے کی تصدیق ہے، اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، یہ گویا اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔

3 اہل کتاب کے مقابلے میں عرب کے مشرکین ان پڑھ ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ تھے، اس لیے انھیں بے علم کہا گیا لیکن وہ بھی مشرک ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ وہی حق پر ہیں۔ اسی لیے وہ نبی ﷺ کو صابی، یعنی بے دین کہا کرتے تھے۔

4 جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا، یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عیسائی ہیں، جنھوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے سے روکا اور اس کی تخریب میں حصہ لیا۔ ابن جریر طبری نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنھوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور یوں خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا، پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہی کردار دہرایا اور کہا کہ ہم اپنے آباء واجداد کے قاتلوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، حالانکہ خانہ کعبہ

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىِٕفِيْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿114﴾

بربادی کی کوشش کرے،[1] ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہیے،[2] ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب ہے ○

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾

اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے،[3] اللہ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے ○

میں کسی کو عبادت سے روکنے کی اجازت اور روایت نہیں تھی۔

1 تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے بلکہ ان میں اللہ کی عبادت اور ذکر سے روکنا، اقامت شریعت اور مظاہر شرک سے پاک کرنے سے منع کرنا بھی تخریب اور اللہ کے گھروں کو برباد کرنا ہے۔

2 یہ الفاظ خبر کے ہیں لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمھیں تَمَکُّنْ اور غلبہ عطا فرمائے تو تم ان مشرکین کو اس میں صلح اور جزیے کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ جب 8 ہجری میں مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے بعد 9 ہجری میں اعلان کرا دیا کہ آئندہ سال کعبہ میں کسی مشرک کو حج کرنے کی اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور جس سے جو معاہدہ ہے، معاہدے کی مدت تک وہ معاہدہ برقرار ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے کہ ہم نے جو مسلمانوں پر پہلے زیادتیاں کی ہیں، ان کے بدلے میں ہمیں سزا سے دوچار یا قتل نہ کر دیا جائے، چنانچہ جلد ہی یہ خوش خبری پوری ہوگئی۔

3 ہجرت کے بعد جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو اس کا رنج تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس وقت نازل ہوئی جب بیت المقدس سے پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو یہودیوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، بعض کے نزدیک اس کے نزول کا سبب سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے کہ سواری کا منہ کدھر بھی ہو، نماز پڑھ سکتے ہو۔ کبھی چند اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور ان سب کے حکم کے لیے ایک ہی آیت نازل ہو جاتی ہے۔ ایسی آیتوں کے شان نزول میں متعدد روایات مروی ہوتی ہیں، کسی روایت میں ایک سبب نزول کا بیان ہوتا ہے اور کسی میں دوسرا۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے۔(ملخص از احسن التفاسیر)

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿116﴾

یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، نہیں بلکہ وہ پاک ہے زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے ○

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾

وہ زمین وآسمان کا موجد ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہ ہوجاتا ہے ○ [1]

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿118﴾

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ [2] اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی، ان کے اور ان کے دل یکساں ہوگئے۔ [3] ہم نے تو یقین والوں کے لیے نشانیاں بیان کردیں ○

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿119﴾

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور جہنمیوں کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں ہوگی ○

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب

1 یعنی اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کی فرماں بردار ہے بلکہ آسمان وزمین کا بغیر کسی نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے۔ علاوہ ازیں وہ جو کام کرنا چاہے اس کے لیے اسے صرف لفظ کُن کافی ہے۔ ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟

2 اس سے مراد مشرکین عرب ہیں جنھوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا، یا کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں دکھا دیتا؟ جسے دیکھ کر ہم مسلمان ہوجائیں جس طرح کہ (سورۂ بنی اسرائیل آیت:90 تا 93) میں اور دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔

3 یعنی مشرکین عرب کے دل، کفر وعناد اور انکار وسرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہوگئے۔ جیسے سورۂ ذاریات میں فرمایا گیا: ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○ ﴾ ''ان سے پہلے جو بھی رسول آیا، اس کو لوگوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی کہا۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر جاتے تھے؟ نہیں یہ سب سرکش لوگ ہیں۔'' یعنی قدر مشترک ان سب میں سرکشی کا جذبہ ہے، اس لیے داعیان حق کے سامنے نئے نئے مطالبے رکھتے ہیں، یا انھیں دیوانہ گردانتے ہیں۔

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝120

تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں، [1] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے [2] اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار○ [3]

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ
14 ع 9 يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝121ع

جنھیں ہم نے کتاب دی ہے [4] اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، [5] یہی لوگ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ

1 یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کرلیں۔

2 جواب اسلام کی صورت میں ہے، جس کی طرف نبیٔ کریم ﷺ دعوت دے رہے ہیں، نہ کہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران3:85) میں بیان کیا گیا ہے۔

3 یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان برخود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جارہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لیے وہ بھی ایسا کام نہ کریں، نہ دین میں مداہنت اور بے جا تاویل کا ارتکاب کریں۔

4 اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کے مذموم اخلاق و کردار کی ضروری تفصیل کے بعد ان میں جو کچھ لوگ صالح اور اچھے کردار کے تھے، اس آیت میں ان کی خوبیاں اور ان کے مومن ہونے کی خبر دی جارہی ہے۔ ان میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر افراد ہیں، جن کو یہودیوں میں سے قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوئی۔

5 ''وہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔'' کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: ① خوب توجہ اور غور سے پڑھتے ہیں۔ جنت کا ذکر آتا ہے تو جنت کا سوال کرتے اور جہنم کا ذکر آتا ہے تو اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ ② اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھتے اور کلام الٰہی میں تحریف نہیں کرتے (جیسے دوسرے یہودی کرتے تھے۔) ③ اس میں جو کچھ تحریر ہے، لوگوں کو بتلاتے ہیں، اس کی کوئی بات چھپاتے نہیں۔ ④ اس کی محکم باتوں پر عمل کرتے، متشابہات پر ایمان رکھتے اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، انھیں علماء سے حل کرواتے ہیں ⑤ اس کی ایک ایک بات کا اتباع کرتے ہیں (فتح القدیر) واقعہ یہ ہے کہ حق تلاوت میں یہ سارے ہی مفہوم داخل ہیں اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو مذکورہ باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿122﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿124﴾

نقصان والا ہے ○ [1]

اے اولادِ یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انھیں یاد کرو اور میں نے تو تمھیں تمام جہانوں پر فضیلت دے رکھی تھی ○

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

جب ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں سے آزمایا [2] اور انھوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمھیں لوگوں کا امام بنا تا دوں گا، عرض کرنے لگے، اور میری اولاد کو، [3] فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ○

1 اہل کتاب میں سے جو نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔ جیسے صحیح مسلم کی حدیث: (153) آیت: 62 کی تشریح میں گزری ہے۔

2 کلمات سے مراد احکامِ شریعت، مناسکِ حج، ذبحِ پسر، ہجرت، نارِ نمرود وغیرہ وہ تمام آزمائشیں ہیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزارے گئے اور ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلے میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں، یہودی، عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں ان کی شخصیت محترم اور پیشوا مانی اور سمجھی جاتی ہے۔

3 اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا فرمایا، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنکبوت 29:27) ”ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کر دیا۔“ پس ہر نبی جسے اللہ نے مبعوث کیا اور ہر کتاب جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل فرمائی، اولادِ ابراہیم ہی میں یہ سلسلہ رہا۔ (ابن کثیر) اس کے ساتھ ہی یہ فرما کر کہ ”میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔“ اس امر کی وضاحت فرما دی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتنی اونچی شان اور عنداللہ منزلت کے باوجود، اولادِ ابراہیم میں سے جو ناخلف اور ظالم و مشرک ہوں گے، ان کی شقاوت و محرومی کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پیمبرزادگی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح نہیں تو پیرزادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہِ الٰہی میں کیا حیثیت ہوگی؟ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحیح مسلم، حدیث: 38-(2699)) ”جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا۔“

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿125﴾

ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنایا،[1] تم مقام ابراہیم کو جائے نماز مقرر کرلو،[2] ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو○

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿126﴾

جب ابراہیم نے کہا، اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزیاں دے[3] اللہ نے فرمایا، میں کافروں کو بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر انھیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے○

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

جب ابراہیم اور اسماعیل کعبے کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے تو کہتے جا رہے تھے کہ اے ہمارے پروردگار!

---

1 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے جو اس کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائیں: ایک ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ (لوگوں کے لیے ثواب کی جگہ) دوسرے معنی ہیں: بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے، دوبارہ سہ بارہ آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ یہ شوق روز افزوں رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت ''امن کی جگہ'' یعنی یہاں کسی دشمن کا بھی خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے اس احترام کو باقی رکھا بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کی۔

2 مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کرتے رہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشانات ہیں۔ اب اس پتھر کو ایک شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، جسے ہر حاجی و معتمر طواف کے دوران میں بآسانی دیکھتا ہے۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا سنت ہے۔

3 اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں قبول فرمائیں، یہ شہر امن کا گہوارہ بھی ہے اور وادیٔ غیر ذي زرع (غیر کھیتی والی) ہونے کے باوجود اس میں دنیا بھر کے پھل فروٹ اور ہر قسم کے غلے کی وہ فراوانی ہے جسے دیکھ کر انسان حیرت و تعجب میں ڈوب جاتا ہے۔

السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۲۷﴾
رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ
اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبۡ
عَلَیۡنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۲۸﴾

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا
عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ
15 8 15 وَ یُزَکِّیۡهِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّۃِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ
سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا ۚ
وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾

تو ہم سے قبول فرما تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ○
اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے ○
اے ہمارے رب! ان میں انھیں میں سے رسول بھیج [1] جوان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب وحکمت [2] سکھائے اور انھیں پاک کرے، [3] یقیناً تو غلبے والا اور حکمت والا ہے ○
دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہیں ○ [4]

---

1 یہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہ السلام کی آخری دعا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔'' (الفتح الرباني: 181/20 و 189، ومسند أحمد: 262/5)

2 کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث ہے۔ تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب وحکمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نفس تلاوت بھی مقصود اور باعث اجر وثواب ہے۔ تاہم اگر ان کا مفہوم ومطلب بھی سمجھ میں آتا جائے تو سبحان اللہ، سونے پر سہاگہ ہے۔ لیکن اگر قرآن کا ترجمہ ومطلب نہیں آتا، تب بھی اس کی تلاوت میں کوتاہی جائز نہیں ہے۔ تلاوت بجائے خود ایک الگ اور نیک عمل ہے۔ تاہم اس کے مفاہیم اور مطالب سمجھنے کی بھی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

3 تلاوت وتعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے بعد نبی ﷺ کی بعثت کا یہ چوتھا مقصد ہے کہ انھیں شرک وتوہمات کی آلائشوں سے اور اخلاق وکردار کی کوتاہیوں سے پاک کریں۔

4 عربی زبان میں رَغِبَ کا صلہ عَنْ ہو تو اس کے معنی بے رغبتی کرنا، اعراض کرنا ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عظمت وفضیلت بیان فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا وآخرت میں عطا فرمائی ہے اور یہ بھی وضاحت فرما دی کہ ملت ابراہیمی سے اعراض اور بے رغبتی بے وقوفوں کا کام ہے، کسی عقل مند سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿131﴾

جب کبھی بھی انھیں ان کے رب نے کہا، فرمانبردار ہو جا، انھوں نے کہا: میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی ○ [1]

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿132﴾ۭ

اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا ○ [2]

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿133﴾

کیا یعقوب کی موت کے وقت تم موجود تھے؟ [3] جب انھوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء و اجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے ○

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا

یہ جماعت تو گزر چکی، جو انھوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے تمھارے لیے ہے۔ ان کے اعمال

---

1 یہ فضیلت و برگزیدگی انھیں اس لیے حاصل ہوئی کہ انھوں نے اطاعت و فرماں برداری کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔

2 حضرت ابراہیم وحضرت یعقوب علیہما السلام نے ﴿الدِّيْنَ﴾ کی وصیت اپنی اولاد کو بھی فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہی ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے اور قرآن کریم میں دیگر متعدد مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئے گی۔ جیسے ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران 3:19) وغیرہ ”اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔“

3 یہود کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ موجود تھے تو یہ کذب و زور اور بہتان ہوا اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا مذکورہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا کیونکہ انھوں نے جو وصیت کی، وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت، یا عیسائیت یا وَثْنِیَّت کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقہ کار میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: «اَلْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ» (صحيح البخاري، حديث:3443) ”انبیاء علیہم السلام کی جماعت باپ شریک اولاد (اولادِ علّات) ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے۔“

يَعْمَلُوْنَ ﴿134﴾

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿135﴾

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿136﴾

کے بارے میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے ○ [1]

کہتے ہیں کہ یہود و نصاری بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں، اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے ○ [2]

اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء دیے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○ [3]

---

1 یہ بھی یہود کو کہا جا رہا ہے کہ تمھارے آباء و اجداد میں جو انبیاء علیہم السلام و صالحین ہو گزرے ہیں، ان کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا ہے، اس کا صلہ انھیں ہی ملے گا، تمھیں نہیں، تمھیں تو وہی کچھ ملے گا جو تم کماؤ گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے۔ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہی ہے جو پچھلے صالحین کا بھی سرمایہ تھا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات کا بھی واحد ذریعہ ہے۔

2 یہودی، مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی، عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان سے کہو کہ ہدایت ملت ابراہیم کی پیروی میں ہے جو حنیف تھا (الٰہ واحد کا پرستار اور اسی کی عبادت کرنے والا) اور وہ مشرک نہیں تھا۔ جبکہ یہودیت اور عیسائیت دونوں میں شرک موجود ہے۔ اور اب بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی شرک کے مظاہر عام ہیں، اسلام کی تعلیمات اگرچہ بحمد اللہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہیں، جن میں توحید کا تصور بالکل بے غبار اور نہایت واضح ہے، جس سے یہودیت، عیسائیت اور ثَنْوِیَّتْ (دو خداؤں کے قائل مذاہب) سے اسلام کا امتیاز نمایاں ہے لیکن مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اعمال و عقائد میں جو مشرکانہ اقدار و تصورات در آئے ہیں، اس نے اسلام کے امتیاز کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کیونکہ غیر مذاہب والوں کی دسترس براہ راست قرآن و حدیث تک تو نہیں ہو سکتی، وہ تو مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ کریں گے کہ اسلام میں اور دیگر مشرکانہ تصورات سے آلودہ مذاہب کے مابین تو کوئی امتیاز ہی نظر نہیں آتا۔ اگلی آیت میں ایمان کا معیار بتلایا جا رہا ہے۔

3 یعنی ایمان یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو کچھ بھی ملا، یا نازل ہوا، سب پر ایمان لایا جائے، کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے۔ کسی ایک کتاب یا نبی کو ماننا، کسی کو نہ ماننا، یہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے، البتہ عمل اب صرف قرآن کریم ہی کے احکام پر ہوگا۔ پچھلی کتابوں

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ
اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ
شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿137﴾

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں، اللہ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا [1] اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے ○

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
صِبْغَةً ز وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿138﴾

اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا؟ [2] ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ○

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ
لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿139﴾

آپ کہہ دیجیے: کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمھارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال، ہم تو اسی کے لیے مخلص ہیں ○ [3]

میں لکھی ہوئی باتوں پر نہیں کیونکہ ایک تو وہ اصلی حالت میں نہیں رہیں، تحریف شدہ ہیں، دوسرے قرآن نے ان سب کو منسوخ کر دیا ہے۔

1 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی مذکورہ طریقے پر ایمان لائے تھے، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح اے صحابہ! رضی اللہ عنہم تم ایمان لائے ہو تو پھر یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اگر وہ ضد اور اختلاف میں منہ موڑیں گے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرنے والا ہے، چنانچہ چند سالوں ہی میں یہ وعدہ پورا ہوا اور بَنُو قَيْنُقَاع اور بَنُو نَضِیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور بَنُو قُرَيْظَہ قتل کیے گئے۔ امام احمد کی کتاب فضائل الصحابہ: 501/1 میں صحیح سند کے ساتھ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ایک مصحف عثمان ان کی اپنی گود میں تھا اور اس آیت کے جملہ ﴿ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ﴾ پر ان کے خون کے چھینٹے گرے بلکہ دھار بھی۔ کہا جاتا ہے یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔

2 عیسائیوں نے ایک زرد رنگ کا پانی مقرر کر رکھا ہے جو ہر عیسائی بچے کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی دیا جاتا ہے جس کو عیسائی بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اس رسم کا نام ان کے ہاں ''بپتسمہ'' ہے۔ یہ ان کے نزدیک بہت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ کسی کو پاک تصور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ اصل رنگ تو اللہ کا رنگ ہے، اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں اور اللہ کے رنگ سے مراد وہ دین فطرت، یعنی دین اسلام ہے، جس کی طرف ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی، یعنی دعوت توحید۔

3 کیا تم ہم سے اس بارے میں جھگڑتے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی کے لیے اخلاص و نیازمندی

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو، یا اللہ؟ [1] اللہ کے پاس شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اور اللہ تمھارے کاموں سے غافل نہیں ○ [2]

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۱﴾ ع 16/12/16

یہ امت ہے جو گزر چکی۔ جو انھوں نے کیا ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا تمھارے لیے، تم ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہ کیے جاؤ گے ○ [3]

کے جذبات رکھتے ہیں اور اس کے اوامر کا اتباع اور زواجر سے اجتناب کرتے ہیں، حالانکہ وہ ہمارا رب ہی نہیں، تمھارا بھی ہے اور تمھیں بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو ہم کرتے ہیں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمھارا عمل تمھارے ساتھ، ہمارا عمل ہمارے ساتھ۔ ہم تو اسی کے لیے اخلاص عمل کا اہتمام کرنے والے ہیں۔

1 تم کہتے ہو کہ یہ انبیاء اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرماتا ہے۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ زیادہ علم اللہ کو ہے یا تمھیں؟

2 تمھیں معلوم ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام یہودی یا عیسائی نہیں تھے، اسی طرح تمھاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نشانیاں بھی موجود ہیں لیکن تم ان شہادتوں کو لوگوں سے چھپا کر ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

3 اس آیت میں پھر کسب و عمل کی اہمیت بیان فرما کر بزرگوں کی طرف انتساب یا ان پر اعتماد کو بے فائدہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحیح مسلم، حدیث:38-(2699)) ”جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔“ مطلب ہے کہ اسلاف کی نیکیوں سے تمھیں کوئی فائدہ اور ان کے گناہوں پر تم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے عملوں کی بابت تم سے یا تمھارے عملوں کی بابت ان سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى﴾ (فاطر35:18) ”کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ ﴿وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم53:39) ”انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔“

الجزء الثانی (2)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ
عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَاؕ قُلْ لِّلّٰهِ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿142﴾

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلے پر یہ تھے اس سے انھیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے،[1] وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کردے ○

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
شَهِيْدًاؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ
عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

ہم نے اسی طرح تمھیں افضل امت بنایا ہے[2] تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہوجاؤ۔ اور رسول تم پر گواہ ہوجائے، جس قبلے پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور

---

1 جب آنحضرت ﷺ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو 16، 17 مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، درآں حالیکہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھی جائے جو قبلۂ ابراہیمی ہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ دعا بھی فرماتے اور بار بار آسمان کی طرف نظر بھی اٹھاتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دے دیا، جس پر یہودیوں اور منافقین نے شور مچا دیا، حالانکہ نماز اللہ کی ایک عبادت ہے اور عبادت میں عابد کو جس طرح حکم ہوتا ہے، اس طرح کرنے کا وہ پابند ہوتا ہے، اس لیے جس طرف اللہ نے رخ پھیر دیا، اس طرف پھر جانا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں جس اللہ کی عبادت کرنی ہے مشرق، مغرب ساری جہتیں اسی کی ہیں، اس لیے جہتوں کی کوئی اہمیت نہیں، ہر جہت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوسکتی ہے، بشرطیکہ اس جہت کو اختیار کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہو۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم نماز عصر کے وقت آیا اور عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔

2 ﴿وَسَطًا﴾ کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے، یعنی جس طرح تمھیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا ہے، اسی طرح تمھیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج 22:78) ”تاکہ رسول تم پر اور تم لوگوں پر گواہ ہوجاؤ۔“ اس کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے قیامت والے دن پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمھارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے ہاں محمد ﷺ اور ان کی امت، چنانچہ یہ امت گواہی دے گی، اس لیے اس کا ترجمہ عادل بھی کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) ایک معنی وسط کے اعتدال کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی امت معتدل، یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے اعتبار سے ہے کہ اس میں اعتدال ہے، افراط و تفریط نہیں۔

مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿143﴾

کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔[1] گویہ کام مشکل ہے مگر جنھیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تمھارے ایمان ضائع نہ کرے گا،[2] یقیناً اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ○

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾

ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ کو اس قبلے کی جانب متوجہ کریں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور آپ جہاں کہیں ہوں اپنا منہ اسی طرف پھیرا کریں، اہل کتاب کو اس بات کے اللہ کی طرف سے برحق ہونے کا قطعی علم ہے[3] اور اللہ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں ○

---

1 یہ تحویل قبلہ کی ایک غرض بیان کی گئی ہے، مومنین صادقین تو رسول اللہ ﷺ کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہا کرتے تھے، اس لیے ان کے لیے تو ادھر سے ادھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا بلکہ ایک مقام پر تو عین نماز کی حالت میں جبکہ وہ رکوع میں تھے یہ حکم پہنچا تو انھوں نے رکوع ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ مسجد قِبْلَتَیْنِ (وہ مسجد جس میں ایک نماز دو قبلوں کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی) کہلاتی ہے اور ایسا ہی واقعہ مسجد قبا میں بھی ہوا۔ ﴿ لِنَعْلَمَ ﴾ ”تاکہ ہم جان لیں۔“ اللہ کو تو پہلے بھی علم تھا، اس کا مطلب ہے تاکہ ہم اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کر دیں تاکہ لوگوں کے سامنے بھی دونوں قسم کے لوگ واضح ہو جائیں۔ (فتح القدیر)

2 بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو چکے تھے یا ہم جتنا عرصہ اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں یہ ضائع ہو گئیں یا شاید ان کا ثواب نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی، تمھیں پورا ثواب ملے گا۔ یہاں نماز کو ایمان سے تعبیر کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان تب ہی معتبر ہے جب نماز اور دیگر شرائط کی پابندی ہو گی۔

3 اہل کتاب کے مختلف صحیفوں میں خانہ کعبہ کے قبلۂ آخر الانبیاء ہونے کے واضح اشارات موجود ہیں، اس لیے اس کا برحق ہونا انھیں یقینی طور پر معلوم تھا مگر ان کا نسلی غرور و حسد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔

وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ
اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ
قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ
بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝145

اور آپ اگر چہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دیں لیکن وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے [1] اور نہ آپ ان کے قبلے کو ماننے والے ہیں [2] اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کو ماننے والے ہیں، [3] اور اگر آپ باوجود یکہ آپ کے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں تو بالیقین آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے ○ [4]

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْھُمْ
لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝146

جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے ○ [5]

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُمْتَرِيْنَ ۝147 ع

آپ کے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے، خبردار آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا ○ [6]

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ ھُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا

ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے [7] تم نیکیوں کی

---

1 کیونکہ یہود کی مخالفت تو حسد و عناد کی بنا پر ہے، اس لیے دلائل کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ گویا اثر پذیری کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا دل صاف ہو۔

2 کیونکہ آپ ﷺ وحیٔ الٰہی کے پابند ہیں، جب تک نبی ﷺ کو اللہ کی طرف سے ایسا حکم نہ ملے آپ ان کے قبلے کو کیوں کر اختیار کر سکتے ہیں۔

3 یہود کا قبلہ صخرۂ بیت المقدس اور عیسائیوں کا بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔ جب اہل کتاب کے یہ دو گروہ بھی ایک قبلے پر متفق نہیں تو مسلمانوں سے کیوں یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ان کی موافقت کریں گے۔

4 یہ وعید پہلے بھی گزر چکی ہے، مقصد امت کو متنبہ کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کے علم کے باوجود اہل بدعت کے پیچھے لگنا ظلم اور گمراہی ہے۔

5 یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق کے چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان میں ایک فریق عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا بھی تھا جو اپنے صدق و صفائے باطنی کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

6 پیغمبر پر اللہ کی طرف سے جو بھی حکم اترتا ہے، وہ یقیناً حق ہے، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

7 یعنی ہر مذہب والے نے اپنا پسندیدہ قبلہ متعین کیا ہوا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر

اَلۡخَیۡرٰتِ ؕ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ اللّٰہُ
جَمِیۡعًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۴۸﴾
وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ
الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ اِنَّہٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ
وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾
وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ
الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا
وُجُوۡہَکُمۡ شَطۡرَہٗ ۙ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ
عَلَیۡکُمۡ حُجَّۃٌ ٭ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ ٭

طرف دوڑو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے، اللہ تمھیں لے آئے گا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

آپ جہاں سے نکلیں اپنا منہ (نماز کے لیے) مسجد حرام کی طرف کرلیا کریں، یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ بے خبر نہیں ○

اور جس جگہ سے آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو [1] تا کہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے [2] سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے [3] تم

ایک مذہب نے اپنا ایک منہاج اور طریقہ بنا رکھا ہے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ ﴾ (المآئدة 5:48) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور ضلالت دونوں کی وضاحت کے بعد انسان کو ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کی جو آزادی دی ہے اس کی وجہ سے مختلف طریقے اور دستور لوگوں نے بنا لیے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی راستے، یعنی ہدایت کے راستے پر چلا سکتا تھا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔ اختیار دینے سے مقصود ان کا امتحان ہے، اس لیے اے مسلمانو! تم تو خیرات کی طرف سبقت کرو، یعنی نیکی اور بھلائی ہی کے راستے پر گامزن رہو اور یہ وحیٔ الٰہی اور اتباع رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے جس سے دیگر اہل ادیان محروم ہیں۔

1 قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے یا تو اس کی تاکید اور اہمیت واضح کرنے کے لیے یا یہ چونکہ نسخ حکم کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے ذہنی خلجان دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کر دیا جائے یا تعدُّد عِلّت کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی، وہاں اسے بیان کیا۔ دوسری علت ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لیے ایک مستقل مرکز کا وجود ہے، وہاں اسے دہرایا، تیسری علت مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے، وہاں اسے بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

2 یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ خانۂ کعبہ ہے اور نماز یہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے ہیں۔

3 یہاں ﴿ ظَلَمُوۡا ﴾ سے مراد معاندین (عناد رکھنے والے) ہیں، یعنی اہل کتب میں سے جو معاندین ہیں، وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزماں کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہوگا، وہ بطور عناد کہیں گے کہ بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہو گیا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝150ۙ

ان سے نہ ڈرو مجھ ہی سے ڈرو[1] اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لیے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ○

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝151ۭ

جس طرح[2] ہم نے تم میں تمھی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمھارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ○

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝152ۧ

ع 18 5 2

اس لیے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمھیں یاد کروں گا، میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو ○[3]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝153

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو، اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے ○[4]

---

1 ظالموں سے نہ ڈرو، یعنی مشرکوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ انھوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) نے ہمارا قبلہ تو اختیار کر لیا ہے، عنقریب ہمارا دین بھی اپنا لیں گے۔ ''مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' جو حکم میں دیتا رہوں، اس پر بلاخوف لَوْمَةَ لَائِمٍ (ملامت گروں کی ملامت سے بے نیاز ہو کر) عمل کرتے رہو۔ تحویل قبلہ کو اتمام نعمت اور ہدایت یافتگی سے تعبیر فرمایا کہ حکم الٰہی پر عمل کرنا یقیناً انسان کو انعام واکرام کا مستحق بھی بناتا ہے اور ہدایت کی توفیق بھی اسے نصیب ہوتی ہے۔

2 ﴿ كَمَآ ﴾ ''جس طرح'' کا تعلق ماقبل کلام سے ہے، یعنی یہ اتمام نعمت اور توفیق ہدایت تمھیں اس طرح ملی جس طرح اس سے پہلے تمھارے اندر تمھی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمھارا تزکیہ کرتا، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا اور جن باتوں کا تمھیں علم نہیں، وہ تمھیں سکھلاتا ہے۔

3 پس ان نعمتوں پر تم میرا ذکر اور شکر کرو۔ کفران نعمت مت کرو۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کو یاد کرنا ہے، یعنی اس کی تسبیح تہلیل اور تکبیر بلند کرو اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا ہے۔ خداداد قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنا، یہ اللہ کی ناشکرگزاری (کفران نعمت) ہے۔ شکر کرنے پر مزید احسانات کی نوید اور ناشکری پر عذاب شدید کی وعید ہے۔ ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○ ﴾.

(إبرٰهيم 14:7)

4 انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام وراحت (نعمت) یا تکلیف وپریشانی۔ نعمت میں شکر الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿154﴾

اور اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو[1] وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے ○

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ﴿155﴾

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے ○

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ﴿156﴾

جنھیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿157﴾

ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○[2]

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ

صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں،[3] اس لیے بیت اللہ

ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:64-(2999)). صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا، احکامِ اِلٰہیّہ کے بجالانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انھیں صبر وضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا، چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات ولذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔ (ابن کثیر)

1 شہداء کو مردہ نہ کہنا، ان کے اعزاز وتکریم کے لیے ہے۔ یہ زندگی برزخ کی زندگی ہے جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ زندگی علیٰ قدر مراتب انبیاء ومومنین حتیٰ کہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ شہید کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف (یا سینہ) میں، جنت میں جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں۔ (ابن کثیر، نیز دیکھیے آل عمران3:129)

2 ان آیات میں صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں ہیں۔ حدیث میں نقصان ومصیبت کے وقت ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ کے ساتھ «اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا» پڑھنے کی بھی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث:3-(918)).

3 ﴿شَعَآئِرِ﴾ شَعِيرَةٌ کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں، یہاں حج کے وہ مناسک (مثلاً: موقف، سعی،

حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿158﴾

کا حج اور عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں،[1] اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انھیں خوب جاننے والا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ ﴿159﴾

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ○[2]

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا

مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور بیان

منحر، ہدی (قربانی) کو اشعار کرنا وغیرہ) مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

1 صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، حج کا ایک رکن ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انھوں نے فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ”اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔“ پھر اس کی شان نزول بیان فرمائی کہ انصار قبول اسلام سے قبل مناۃ طاغیہ بت کے نام کا تلبیہ پکارتے، جس کی وہ مُشَلَّل پہاڑی پر عبادت کرتے تھے اور پھر مکہ پہنچ کر ایسے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:1643) بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت (اساف) اور مروہ پہاڑی پر نائلہ بت رکھا ہوا تھا، جنھیں وہ سعی کے دوران بوسہ دیتے یا چھوتے۔ جب لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو کیونکہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور خلش کو دور فرما دیا۔ اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (أيسر التفاسير)

2 اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں، انھیں چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: «مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ» (سنن ابن ماجه، حديث:264، و جامع الترمذي، حديث:2649. وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ) ”جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی (جس کا اس کو علم تھا) اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن آگ کی لگام اس کے منہ میں دی جائے گی۔“

فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿160﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ
اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿161﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿162﴾
وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ
ع 19 11 3 الرَّحِيْمُ ﴿163﴾
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي
الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ

کردیں تو میں ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں ○

یقیناً جو کفار اپنے کفر ہی میں مر جائیں، ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ○ [1]

جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں ڈھیل دی جائے گی ○

تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ [2] وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ○

آسمان اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر، مردہ زمین کو زندہ کر دینا، [3] اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا،

---

1 اس سے معلوم ہوا کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، ان پر لعنت جائز ہے لیکن ان کے علاوہ لوگوں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے مرنے سے پہلے اس نے کفر سے توبہ کر لی ہو۔ مسلمانوں کے حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے گنہگار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے، ان کے مرتکبین کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

2 اس آیت میں پھر دعوت توحید دی گئی ہے۔ یہ دعوت توحید مشرکین مکہ کے لیے ناقابل فہم تھی، انھوں نے کہا: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○﴾ (صٓ 5:38) ”کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ اس لیے اگلی آیت میں اس توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

3 یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کے متعلق سات اہم امور کا اس میں یکجا تذکرہ ہے، جو کسی اور آیت میں نہیں۔ ① آسمان اور زمین کی پیدائش، جن کی وسعت و عظمت محتاج بیان ہی نہیں۔ ② رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا، دن کو روشنی اور رات کو اندھیرا کر دینا تاکہ کاروبار معاش بھی ہو سکے اور آرام بھی، پھر رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور پھر اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ ③ سمندر میں

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾

ہواؤں کے رخ بدلنا، اور بادل، جوآسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عقلمندوں کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جواوروں کواللہ کےشریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے [1] اورایمان والےاللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ [2] کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے

کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اورٹنوں کے حساب سے سامان رزق و آسائش بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ ④ بارش جوزمین کی شادابی و روئیدگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ⑤ ہرقسم کے جانوروں کی پیدائش، جونقل وحمل، کھیتی باڑی اور جنگ میں بھی کام میں آتے ہیں اور انسانی خوراک کی بھی ایک بڑی مقدار ان سے پوری ہوتی ہے۔ ⑥ ہرقسم کی ہوائیں ٹھنڈی بھی، گرم بھی، بارآور بھی اور غیر بارآور بھی، شرقی غربی بھی اورشالی جنوبی بھی۔ انسانی زندگی اوران کی ضروریات کے مطابق۔ ⑦ بادل جنھیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، برساتا ہے۔ یہ سارے امور کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اوراس کی وحدانیت پر دلالت نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ کیا اس تخلیق میں اوراس نظم وتدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ تو پھراس کو چھوڑ کر دوسروں کومعبوداور حاجت روا سمجھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

1 مذکورہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسےلوگ ہیں جو اللہ کوچھوڑ کر دوسروں کواس کا شریک بنا لیتے ہیں اوران سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بعثت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے، انھوں نے بھی نہ صرف غیراللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماوی وملجا اور قبلۂ حاجات بنا رکھا ہے بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی زیادہ ہےاور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح گراں گزرتا ہے جس طرح مشرکین مکہ کواس سے تکلیف ہوتی تھی، جس کا نقشہ اللہ نے اس آیت میں کھینچا ہے: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ ﴾ (الزمر39:45) ’’اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہےتو جولوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل سکڑ جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہےتو خوش ہو جاتے ہیں۔‘‘ ﴿ اشْمَاَزَّتْ ﴾ ’’دلوں کا تنگ ہونا۔‘‘

2 تاہم اہل ایمان کومشرکین کے برعکس اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ مشرکین جب سمندر

جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾

عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرے) ○

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾

جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور تمام رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے ○

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ
ع 20/4/4 وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾

اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے، کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہیں، اسی طرح اللہ انھیں ان کے اعمال دکھائے گا ان کو حسرت دلانے کو، یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے ○ [1]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿168﴾

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ پیو اور شیطانی راہ پر نہ چلو، [2] وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے ○

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ

وہ تمھیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ پر ان باتوں

وغیرہ میں پھنس جاتے ہیں تو وہاں انھیں اپنے معبود بھول جاتے ہیں اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (العنکبوت 29: 65) ﴿ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (لقمٰن 31: 32) ﴿ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (یونس 10: 22) ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین سخت مصیبت میں مدد کے لیے صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں۔

1 آخرت میں پیروں اور گدی نشینوں کی بے بسی اور بے وفائی پر مشرکین حسرت کریں گے لیکن وہاں اس حسرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کاش دنیا میں ہی وہ شرک سے توبہ کر لیں۔

2 یعنی شیطان کے پیچھے لگ کر اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام مت کرو۔ جس طرح مشرکین نے کیا کہ اپنے بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو وہ حرام کر لیتے تھے، جس کی تفصیل سورۂ انعام میں آئے گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا، پس شیطانوں نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، وہ انھوں نے ان پر حرام کر دیں۔“ (صحیح مسلم، حدیث:63-(2865)).

تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿169﴾

کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمھیں علم نہیں ○

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿170﴾

اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں ○ [1]

وَ مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کَمَثَلِ الَّذِیۡ یَنۡعِقُ بِمَا لَا یَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿171﴾

کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں)، وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انھیں عقل نہیں ○ [2]

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لِلّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿172﴾

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں انھیں کھاؤ، پیو اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ○ [3]

---

1 آج بھی اہل بدعت کو سمجھایا جائے کہ ان بدعات کی دین میں کوئی اصل نہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ رسمیں تو ہمارے آباء واجداد سے چلی آ رہی ہیں۔ حالانکہ آباء واجداد بھی دینی بصیرت سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم رہ سکتے ہیں، اس لیے دلائل شریعت کے مقابلے میں آباء پرستی یا اپنے ائمہ وعلماء کی پیروی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالے۔

2 ان کافروں کی مثال جنھوں نے تقلید آباء میں اپنی عقل وفہم کو معطل کر رکھا ہے، ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے وہ جانور آواز تو سنتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انھیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اسی طرح یہ مقلدین بھی بہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اندھے ہیں کہ حق کے دیکھنے سے عاجز ہیں اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید وسنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہاں دعا سے قریب کی آواز اور ندا سے دور کی آواز مراد ہے۔

3 اس میں اہل ایمان کو ان تمام پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم ہے جو اللہ نے حلال کی ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تاکید ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی حلال کردہ چیزیں ہی پاک اور طیب ہیں، حرام کردہ اشیاء پاک نہیں، چاہے وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب ہوں (جیسے یورپ کے نصرانیوں کو سور کا گوشت بڑا مرغوب ہے) دوسرا یہ کہ بتوں کے نام پر منسوب جانوروں اور اشیاء کو مشرکین اپنے اوپر جو حرام کر لیتے تھے (جس کی تفصیل سورۂ انعام میں ہے) مشرکین کا یہ عمل

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾

تم پر مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے،[1] پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

غلط ہے اور اس طرح ایک حلال چیز حرام نہیں ہوتی، تم ان کی طرح ان کو حرام مت کرو (حرام صرف وہی ہیں جس کی تفصیل اس کے بعد والی آیت میں ہے)، تیسرا یہ کہ اگر تم صرف ایک اللہ کے عبادت گزار ہو تو ادائے شکر کا اہتمام کرو۔

1 اس آیت میں چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے اور اسے کلمۂ حصر ﴿اِنَّمَا﴾ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چار چیزیں ہیں، جبکہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں حرام ہیں، اس لیے اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حصر ایک خاص سیاق میں آیا ہے، یعنی مشرکین کے اس فعل کے ضمن میں کہ وہ حلال جانوروں کو بھی حرام قرار دے لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں، حرام تو صرف یہ ہیں، اس لیے یہ حصر اضافی و نسبی ہے ورنہ اس کے علاوہ بھی دیگر محرمات ہیں جو قرآن و حدیث میں دوسرے مواضع پر مذکور ہیں، اس سلسلے میں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں حصر اس لحاظ سے ہے کہ یہ چار چیزیں تمام آسمانی دینوں میں ہمیشہ سے حرام رہی ہیں۔ دوسرے، حدیث میں دو اصول، جانوروں کی حلت و حرمت کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں، وہ آیت کی صحیح تفسیر کے طور پر سامنے رہنے چاہئیں۔ درندوں میں ذُو نَاب (وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذو مِخْلَب (جو پنجے سے شکار کرے) حرام ہیں۔ تیسرے، جن جانوروں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، مثلاً: گدھا، کتا وغیرہ وہ بھی حرام ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح دین کا ماخذ اور دین میں حجت ہے اور دین دونوں کے ماننے سے مکمل ہوتا ہے، نہ کہ حدیث کو نظر انداز کر کے، صرف قرآن سے۔ مردہ سے مراد ہر وہ حلال جانور ہے جو بغیر ذبح کیے طبعی طور پر یا کسی حادثے سے (جس کی تفصیل المائدہ میں ہے) مر گیا ہو۔ یا شرعی طریقے کے خلاف اسے ذبح کیا گیا ہو، مثلاً: گلا گھونٹ دیا جائے یا پتھر اور لکڑی وغیرہ سے مارا جائے یا جس طرح آج کل مشینی ذبح کا طریقہ ہے جس میں جھٹکے سے مارا جاتا ہے، البتہ حدیث میں دو مردار جانور حلال قرار دیے گئے ہیں۔ ایک مچھلی، دوسری ٹڈی، وہ اس حکم مَیْتَہ سے مستثنیٰ ہیں۔ خون سے مراد دم مسفوح ہے، یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلتا اور بہتا ہے۔ گوشت کے ساتھ جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ حلال ہے۔ یہاں بھی دو خون حدیث کی رو سے حلال ہیں: کلیجی اور تلی۔ خنزیر، یعنی سور کا گوشت، یہ بے غیرتی میں بدترین جانور ہے، اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے ﴿وَمَآ اُهِلَّ﴾ وہ جانور یا کوئی اور چیز جسے غیر اللہ کے نام پر پکارا جائے۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انھیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا عذاب کتنا برداشت کرنیوالے ہیں ○

جیسے مشرکین عرب لات وعزٰی وغیرہ کے ناموں پر ذبح کرتے تھے یا آگ کے نام پر، جیسے مجوسی کرتے تھے۔ اور اسی میں وہ جانور بھی آ جاتے ہیں جو جاہل مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت ومحبت، ان کی خوشنودی وتقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے ڈرتے اور امید رکھتے ہوئے، قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں یا مجاورین کو بزرگوں کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں (جیسے بہت سے بزرگوں کی قبروں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں، مثلاً: ''داتا'' صاحب کی نیاز کے لیے بکرے یہاں جمع کرائے جائیں)، ان جانوروں کو، چاہے ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یہ حرام ہی ہوں گے کیونکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی نہیں، رضائے اہل قبور اور تعظیم لغیر اللہ یا خوف یا رجاعن غیر اللہ (غیر اللہ سے مافوق الاسباب طریقے سے ڈر یا امید) ہے جو شرک ہے۔ اسی طریقے سے جانوروں کے علاوہ جو اشیاء بھی غیر اللہ کے نام پر نذر ونیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی، حرام ہوں گی، جیسے قبروں پر لے جا کر یا وہاں سے خرید کر، قبور کے اردگرد فقراء ومساکین پر دیگوں اور لنگروں کی، یا مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم یا وہاں صندوقچی میں نذر ونیاز کے پیسے ڈالنا یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ پہنچانا، یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں کیونکہ یہ سب غیر اللہ کی نذر ونیاز کی صورت ہیں اور نذر بھی نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے: «مَلْعُونٌ مَّنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ» (صحيح الجامع الصغير: 1024/2.) ''جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا، وہ ملعون ہے۔'' تفسیر عزیزی میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری ہے: أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحَةً يُرِيدُ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلٰى غَيْرِ اللهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةُ مُرْتَدٍّ (تفسير عزيزي، ص :611 ، پارہ دوم، طبع 1311ھ) ''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔'' (مزید دیکھیے سورۂ انعام 145:6 اور سورۂ نحل 16: 115 کے حواشی)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ
بَعِيْدٍ ۝176 ع 21/9/5

ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ نے سچی کتاب اتاری اور اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ○

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ
وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ
وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ

ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں [1] بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکاۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے، تنگ دستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے،

1 یہ آیت قبلے کے ضمن میں ہی نازل ہوئی۔ ایک تو یہودی اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مغربی حصہ ہے) اور نصاریٰ اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مشرقی حصہ ہے) بڑی اہمیت دے رہے تھے اور اس پر فخر کر رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے تحویل قبلہ پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے، جس سے بعض مسلمان بھی بعض دفعہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال واخلاق کو اپنانا ہے جس کی اس نے تاکید فرمائی ہے، پھر آگے ان عقائد واعمال کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہے کہ اسے اپنی ذات وصفات میں یکتا، تمام عیوب سے پاک ومنزہ اور قرآن وحدیث میں بیان کردہ تمام صفات باری کو بغیر کسی تحریف، تاویل یا تعطیل یا تکییف کے تسلیم کیا جائے۔ آخرت کے روز جزا ہونے، حشر نشر اور جنت ودوزخ پر یقین رکھا جائے۔ ﴿الْكِتٰبِ﴾ سے مراد تمام آسمانی کتابوں کی صداقت پر ایمان ہے۔ اور فرشتوں کے وجود پر اور تمام پیغمبروں پر یقین رکھا جائے۔ ان ایمانیات کے ساتھ ان اعمال کو اپنایا جائے جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔ ﴿عَلٰي حُبِّهٖ﴾ میں (ہ) ضمیر مال کی طرف راجع ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے۔ ﴿الْبَاْسَاۗءِ﴾ سے تنگ دستی اور شدت فقر ﴿وَالضَّرَّاۗءِ﴾ سے نقصان یا بیماری اور ﴿الْبَاْسِ﴾ سے لڑائی اور اس کی شدت مراد ہے۔ ان تینوں حالتوں میں صبر کرنا، یعنی احکامات الٰہیّہ سے سرِ مو انحراف نہ کرنا نہایت کٹھن ہوتا ہے، اس لیے ان حالتوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔

وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾

یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے۔[1] ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔[2] تمھارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور

1 زمانۂ جاہلیت میں کوئی نظم اور قانون تو تھا نہیں، اس لیے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے، ظلم و جور کا ارتکاب کر لیتے۔ ایک ظلم کی شکل یہ تھی کہ کسی طاقت ور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہو جاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کی بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو بلکہ بسا اوقات پورے قبیلے ہی کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق و امتیاز کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو قاتل ہوگا، قصاص (بدلے) میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔ قاتل آزاد ہے تو بدلے میں وہی آزاد، غلام ہے تو بدلے میں وہی غلام اور عورت ہے تو بدلے میں وہی عورت ہی قتل کی جائے گی، نہ کہ غلام کی جگہ آزاد اور عورت کی جگہ مرد یا ایک مرد کے بدلے میں متعدد مرد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اگر عورت کو قتل کر دے تو قصاص میں کوئی عورت قتل کی جائے گی یا عورت مرد کو قتل کر دے تو کسی مرد کو قتل کیا جائے گا بلکہ یہ الفاظ شان نزول کے اعتبار سے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا، چاہے مرد ہو یا عورت، طاقتور ہو یا کمزور۔ «اَلْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ ....» . (سنن أبي داود، حديث :2751.) ’’تمام مسلمانوں کے خون (مرد ہو یا عورت) برابر ہیں۔‘‘ گویا آیت کا وہی مفہوم ہے جو قرآن کریم کی دوسری آیت: ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (المآئدة5:45) کا ہے۔ احناف نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن جمہور علماء اس کے قائل نہیں، کیونکہ حدیث میں وضاحت ہے: «لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ» .(صحيح البخاري، حديث: 6915.) ’’مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔‘‘ (فتح القدير) تفصیل کے لیے دیکھیے المائدة 5:45 کا حاشیہ۔

2 معافی کی دو صورتیں ہیں: ایک بغیر معاوضۂ مالی، یعنی دیت لیے بغیر ہی محض رضائے الٰہی کے لیے معاف کر دینا، دوسری صورت، قصاص کی بجائے دیت قبول کر لینا، اگر یہ دوسری صورت اختیار کی جائے تو کہا جا رہا ہے کہ طالب

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿178﴾

رحمت ہے،[1] اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے درد ناک عذاب ہوگا ○[2]

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾

عقلمندو! قصاص میں تمھارے لیے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے ○[3]

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿180﴾ؕ

تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے،[4] پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ○

دیت بھلائی کا اتباع کرے۔ ﴿وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ﴾ میں قاتل کو کہا جا رہا ہے کہ بغیر تنگ کیے اچھے طریقے سے دیت کی ادائیگی کرے۔ اولیاء مقتول نے اس کی جان بخشی کر کے اس پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دے۔ ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○﴾ (الرحمن 55:60) ''احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔''

1 یہ تخفیف اور رحمت (قصاص، معافی یا دیت تین صورتیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تم پر ہوئی ہے ورنہ اس سے قبل اہل تورات کے لیے قصاص یا معافی تھی، دیت نہیں تھی اور اہل انجیل (عیسائیوں) میں صرف معافی ہی تھی، قصاص تھا نہ دیت۔ (ابن کثیر)

2 قبول دیت یا اخذ دیت کے بعد قتل بھی کر دے تو یہ سرکشی اور زیادتی ہے جس کی سزا اسے دنیا و آخرت میں بھگتنی ہوگی کیونکہ ایسا کر کے اب وہ خود ظالم بن گیا ہے، اس لیے ظالم کی سزا کا وہ مستحق ہو گیا ہے۔

3 جب قاتل کو یہ خوف ہوگا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے، وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل وخونریزی سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جا سکتا ہے جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ موجود ہیں۔ کاش دوسرے اسلامی ممالک بھی اسلامی حدود کا نفاذ کر کے اپنے عوام کو یہ پرسکون زندگی مہیا کر سکیں۔

4 وصیت کرنے کا یہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا۔ اب یہ منسوخ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(جامع الترمذي، حديث:2120، وسنن ابن ماجه، حديث:2713.) ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (ورثاء کے حصے مقرر کر دیے ہیں) پس اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔'' (صحیح بخاری کے ایک باب کا عنوان ہے: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ،

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ
عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ
عَلِيۡمٌ ؕ﴿181﴾

اب جوشخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا، واقعی اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا
فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
ع 22 6 6 غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿182﴾

ہاں جوشخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کردینے سے ڈرے [1] پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کرادے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الصِّيَامُ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّكُمۡ
تَتَّقُوۡنَ ۙ﴿183﴾

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم تقوی اختیار کرو ○ [2]

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا
اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جوشخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کرلے [3] اور اس

قبل حدیث: 2747) البتہ اب ایسے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لیے کی جاسکتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد ثُلُث (ایک تہائی) مال ہے، اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔ (صحیح البخاري، حدیث :6733.)

1 ﴿جَنَفًا﴾ (مائل ہونا) کا مطلب ہے غلطی یا بھول سے کسی ایک رشتے دار کی طرف زیادہ مائل ہوکر دوسروں کی حق تلفی کرے اور ﴿اِثْمًا﴾ سے مراد ہے: جان بوجھ کر ایسا کرے۔ (أیسر التفاسیر) یا اس سے مراد گناہ کی وصیت ہے جس کا بدلنا اور اس پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں عدل وانصاف کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ دنیا سے جاتے جاتے بھی ظلم کا ارتکاب، اس کی اخروی نجات کے حوالے سے سخت خطرناک ہے۔

2 ﴿الصِّیَامُ﴾ صوم (روزہ) مصدر ہے جس کے شرعی معنی ہیں، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی سے ہم بستری کرنے سے، صرف اللہ کی عبادت کی نیت سے اُسی کی رضا کے لیے رکے رہنا، یہ عبادت چونکہ نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لیے بہت اہم ہے، اس لیے اسے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور تقویٰ انسان کے اخلاق وکردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

3 یہ بیمار اور مسافر کو رخصت دے دی گئی ہے کہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان المبارک میں جتنے روزے نہ رکھ سکے ہوں، وہ بعد میں رکھ کر گنتی پوری کرلیں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿184﴾

کی طاقت رکھنے والے [1] فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں، پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لیے بہتر ہے [2] لیکن تمھارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو ○

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا [3] جو لوگوں کو

---

1 ﴿يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ کا ترجمہ یَتَجَشَّمُونَه ''نہایت مشقت سے روزہ رکھ سکیں۔'' کیا گیا ہے (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، امام بخاری (حدیث:4505) نے بھی اسے پسند کیا ہے) یعنی جو شخص زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری کی وجہ سے، جس سے شفایابی کی امید نہ ہو، روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے، وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے دے لیکن جمہور مفسرین نے اس کا ترجمہ ''طاقت رکھتے ہیں۔'' ہی کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں طاقت رکھنے والوں کو بھی رخصت دے دی گئی تھی کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔ لیکن بعد میں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ کے ذریعے سے اسے منسوخ کر کے ہر صاحب طاقت کے لیے روزہ فرض کر دیا گیا، تاہم زیادہ بوڑھے، دائمی مریض کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیں اور حَامِله (حمل والی) اور مُرْضِعَه (دودھ پلانے والی) عورتیں اگر مشقت محسوس کریں تو وہ مریض کے حکم میں ہوں گی، یعنی وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزے کی قضا دیں۔ (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، تحت حديث :715.)

2 جو خوشی سے ایک مسکین کی بجائے دو یا تین مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

3 رمضان میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل ہو گیا بلکہ یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسب حالات 23 سالوں تک اترتا رہا۔ (ابن کثیر) اس لیے یہ کہنا کہ قرآن رمضان میں یا لیلۃ القدر یا لیلۂ مبارکہ میں اترا۔ یہ سب صحیح ہے کیونکہ لوح محفوظ سے تو رمضان میں ہی اترا ہے اور لیلۃ القدر اور لیلۂ مبارکہ یہ ایک ہی رات ہے، یعنی قدر کی رات، جو رمضان میں ہی آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی طرف بھی رمضان ہی میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور پہلی وحی، جو غار حرا میں آئی، وہ رمضان میں آئی۔ بہرصورت قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اس ماہ مبارک میں حضرت جبریل سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے رمضان میں جبریل کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا، رمضان کی تین راتوں (25,23 اور 27) میں آپ نے صحابہ کو باجماعت قیام بھی کروایا، جس کو اب تراویح کہا جاتا ہے (صحيح سنن الترمذي، حديث : 806، و صحيح سنن ابن ماجه، حديث:1100) یہ تراویح

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾

ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے۔ اللہ کا ارادہ تمھارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو ○

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿186﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں [1] اس لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے ○

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمھارے لیے حلال کیا گیا، وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو،

آٹھ رکعات مع وتر گیارہ رکعات تھیں جس کی صراحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (جو قيام الليل للمروزي میں ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو، صحيح البخاري، حديث: 1147.) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا 20 رکعات تراویح پڑھنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

1 رمضان المبارک کے احکام و مسائل کے درمیان دعا کا مسئلہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ رمضان میں دعا کی بھی بڑی فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصًا افطاری کے وقت کو قبولیت دعا کا خاص وقت بتلایا گیا ہے۔ (مسند أحمد: 445/2، وجامع الترمذي، حديث: 3598، وسنن ابن ماجه، حديث: 1753) تاہم قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو یہاں بیان کیے گئے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت وفرمانبرداری۔ اسی طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع وخضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿187﴾

تمھاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ کو علم ہے، اس نے تمھاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرما لیا، اب تمھیں ان سے مباشرت کی اور اللہ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے، تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔ [1] پھر رات تک روزے کو پورا کرو، [2] اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو، [3] یہ اللہ کی حدود ہیں، تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں ○

---

1 ابتدائے اسلام میں ایک حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشاء کی نماز یا اس سے پہلے سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد یا عشاء کی نماز کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر بات ہے یہ پابندی سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں پابندیاں اٹھالیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ ﴿الرَّفَثُ﴾ سے مراد بیوی سے ہم بستری کرنا ہے، ﴿الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ﴾ سے صبح صادق اور ﴿الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (سیاہ دھاری) سے مراد رات ہے۔ (ابن كثير)
مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں روزہ رکھا جا سکتا ہے کیونکہ فجر تک اللہ تعالیٰ نے مذکورہ امور کی اجازت دی ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن كثير)

2 یعنی رات ہوتے ہی (غروب شمس کے فوراً بعد) روزہ افطار کر لو۔ تاخیر مت کرو، جیسا کہ حدیث میں بھی روزہ جلد افطار کرنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ دوسرا یہ کہ وصال مت کرو۔ وصال کا مطلب ہے ایک روزہ افطار کیے بغیر دوسرا روزہ رکھ لینا۔ اس سے نبی ﷺ نے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:1965)

3 اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار کی اجازت نہیں ہے، البتہ ملاقات اور بات چیت جائز ہے۔ ﴿عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات نے بھی مسجد میں اعتکاف کیا ہے، اس لیے عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھنا صحیح نہیں، البتہ مسجد میں ان کے لیے ہر چیز کا مردوں سے الگ انتظام کرنا ضروری ہے تاکہ مردوں سے کسی طرح کا اختلاط نہ ہو، جب تک مسجد میں معقول، محفوظ اور مردوں سے بالکل الگ انتظام نہ ہو، عورتوں کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کی اجازت نہیں

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ع ﴿188﴾

23 ع 6 7

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو ○ [1]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ج وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿189﴾

لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے اور (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمھارا آنا کچھ نیکی نہیں، بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو۔ اور گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو [2] اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿190﴾

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں، (جہاد کرو) اور زیادتی نہ کرو، [3] اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○

دینی چاہیے اور عورتوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک نفلی عبادت ہی ہے، جب تک پوری طرح تحفظ نہ ہو، اس نفلی عبادت سے گریز بہتر ہے۔ فقہ کا اصول ہے: دَرْءُ الْـمَفَاسِدِ يُقَدَّمُ عَلٰى جَلَبِ الْـمَصَالِحِ "مصالح کے حصول کے مقابلے میں مفاسد سے بچنا اور ان کو ٹالنا مقدم ہے۔"

1 یہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو، اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اور اس طرح دوسرے کا حق غصب کرلے۔ یہ ظلم ہے اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کرسکتا۔ یہ ظالم عنداللہ مجرم ہوگا۔ (ابن کثیر)

2 انصار جاہلیت میں جب حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتے اور پھر کسی خاص ضرورت کے لیے گھر آنے کی ضرورت پڑ جاتی تو دروازے سے آنے کی بجائے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر اندر آتے، اس کو وہ نیکی سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے۔ (أیسر التفاسیر)

3 اس آیت میں پہلی مرتبہ ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں سے آمادۂ قتال رہتے تھے۔ تاہم زیادتی سے منع فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مثلہ مت کرو، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو جن کا جنگ میں حصہ نہ ہو، اسی طرح درخت وغیرہ جلا دینا یا جانوروں کو بغیر مصلحت کے مار ڈالنا بھی زیادتی ہے، جن سے بچا جائے۔ (ابن کثیر)

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿191﴾

انھیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انھیں نکالو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے،[1] اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ وہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی انھیں مارو[2] کافروں کا بدلہ یہی ہے ○

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿192﴾

اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿193﴾

ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آجائے، اگر وہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں ہی پر ہے ○

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں۔[3] جو تم پر زیادتی کرے

---

1 مکہ میں مسلمان چونکہ کمزور اور منتشر تھے، اس لیے کفار سے قتال ممنوع تھا، ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ساری قوت مدینہ میں مجتمع ہوگئی تو پھر ان کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ ابتدا میں آپ صرف انھی سے لڑتے جو مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کرتے، اس کے بعد اس میں مزید توسیع کر دی گئی اور مسلمانوں نے حسب ضرورت کفار کے علاقوں میں بھی جا کر جہاد کیا۔ قرآن کریم نے اِعْتِدَاء (زیادتی کرنے) سے منع فرمایا، اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو تاکید فرماتے کہ خیانت، بدعہدی اور مثلہ نہ کرنا، نہ بچوں، عورتوں اور گرجوں میں مصروف عبادت درویشوں کو قتل کرنا۔ اسی طرح درختوں کے جلانے اور حیوانات کو بغیر کسی مصلحت کے مارنے سے بھی منع فرماتے۔ (ابن کثیر، و صحیح مسلم، حدیث:3-(1731) و حدیث:24-(1744).) ﴿حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ "جہاں بھی پاؤ" کا مطلب ہے تَمَكَّنْتُمْ مِنْ قِتَالِهِمْ ان کو قتل کرنے کی قدرت تمھیں حاصل ہو جائے۔ (أیسر التفاسیر) ﴿مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ یعنی جس طرح کفار نے تمھیں مکہ سے نکالا تھا۔ اسی طرح تم بھی انھیں مکہ سے نکال باہر کرو، چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے انھیں مدت معاہدہ ختم ہونے کے بعد وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ فتنہ سے مراد، کفر و شرک ہے۔ یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

2 حدود حرم میں قتال منع ہے لیکن اگر کفار اس کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے لڑیں تو تمھیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔

3 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے گئے تھے لیکن کفار مکہ نے انھیں مکہ نہیں جانے دیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ سال مسلمان تین دن کے لیے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آسکیں گے۔ یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب دوسرے سال مسلمان حسب معاہدہ اسی مہینے

عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡكُمۡ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿194﴾

تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ○

وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡكُمۡ اِلَی التَّهۡلُكَةِ ۚۖۛ وَ اَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿195﴾

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو [1] اور سلوک واحسان کرو، اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَیۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡیِ ۚ وَ لَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡهَدۡیُ

حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو، [2] ہاں اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، اسے کر ڈالو [3] اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے [4]

میں عمرہ کرنے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی اگر کفار مکہ اس مہینے کی حرمت پامال کر کے (گزشتہ سال کی طرح) تمھیں مکے میں جانے سے روکیں تو تم بھی اس کی حرمت کو نظر انداز کر کے ان سے بھرپور مقابلہ کرنا۔ حرمتوں کو ملحوظ رکھنے میں بدلہ ہے، یعنی وہ حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی رکھو، بصورت دیگر تم بھی حرمت کو نظر انداز کر کے کفار کو عبرت ناک سبق سکھاؤ۔ (ابن کثیر)

1 اس سے بعض لوگوں نے ترک انفاق، بعض نے ترک جہاد اور بعض نے گناہ پر گناہ کیے جانا مراد لیا ہے۔ اور یہ ساری ہی صورتیں ہلاکت کی ہیں، جہاد چھوڑ دو گے یا جہاد میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرو گے تو یقیناً دشمن قوی ہوگا اور تم کمزور۔ نتیجہ تباہی ہے۔

2 یعنی حج یا عمرے کا احرام باندھ لینے کے بعد پھر شرائط وارکان کے مطابق اس کا پورا کرنا ضروری ہے خواہ یہ نفلی ہوں یا فرض، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ (فتح القدیر)

3 اگر راستے میں دشمن یا شدید بیماری کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے تو ایک جانور (ہدی) بکری، گائے یا اونٹ۔ جو بھی میسر ہو، وہیں ذبح کر کے سر منڈالو اور حلال ہو جاؤ، جیسے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہیں حدیبیہ میں قربانیاں ذبح کی تھیں اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔ (فتح القدیر) یہ یاد رہے کہ نبی ﷺ جب 6 ہجری کو عمرہ ادا نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے 7 ہجری کو دوبارہ آ کر عمرہ کیا، اسے عمرۃ القضا کہا جاتا ہے۔ یہ نام اس لیے نہیں ہے کہ آپ نے عمرے کی قضا دی تھی بلکہ اسے عمرۃ القضا اس لیے کہا جاتا ہے کہ 7 ہجری کا عمرہ اُس فیصلے (قضا) ومعاہدے کا نتیجہ تھا جو 6 ہجری کو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا جس کی ایک شق آئندہ سال عمرہ کرنے کی بھی تھی۔ (فتح الباري، تحت حدیث:1780)

یہ بھی واضح رہے کہ اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے فرض حج وعمرے کا احرام کھولنا پڑا (بعض علماء کے نزدیک عمرہ فرض ہے) تو سابقہ وجوب کی وجہ سے استطاعت ہونے پر حج وعمرہ ادا کرے گا اور اگر حج وعمرہ نفلی ہیں تو پھر ان کی قضا محدثین کے نزدیک ضروری نہیں۔

4 اس کا عطف ﴿وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ﴾ پر ہے اور اس کا تعلق حالت امن سے ہے، یعنی امن کی حالت میں اس وقت

مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ
اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ
صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ
تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا
رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ
لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
24 ع 8 8 الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

البتہ تم میں سے جو بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈا لے) تو اس پر فدیہ ہے، خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے دے، خواہ قربانی کرے [1] پس جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے، جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں، [2] یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، [3] لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذابوں والا ہے ○

تک سر نہ منڈاؤ (احرام کھول کر حلال نہ ہوؤ) جب تک تمام مناسک حج پورے نہ کر لو۔

1 یعنی اس کو ایسی تکلیف ہو جائے کہ سر کے بال منڈانے پڑ جائیں تو اس کا فدیہ ضروری ہے۔ حدیث کی رو سے ایسا شخص 6 مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ایک بکری ذبح کر دے یا تین دن کے روزے رکھے۔ روزوں کے علاوہ پہلے دو فدیوں کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کھانا اور خون مکہ میں ہی دے، بعض کہتے ہیں کہ روزوں کی طرح اس کے لیے بھی کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے۔ امام شوکانی نے اسی رائے کی تائید کی ہے۔ (فتح القدیر)

2 حج کی تین قسمیں ہیں: اِفراد صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا۔ قِرَان، حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھنا۔ ان دونوں صورتوں میں تمام مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں ہے۔ حج تَمَتُّع. اس میں بھی حج و عمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے لیکن پہلے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ کر کے پھر احرام کھول دیا جاتا ہے اور پھر 8 ذوالحجہ کو حج کے لیے مکہ سے ہی دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے، تَمَتُّع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ گویا درمیان میں احرام کھول کر فائدہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ حج قِرَان اور حج تَمَتُّع دونوں میں ایک ہَدْی (جانور) کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس آیت میں اسی حج تمتع کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ مُتَمَتِّع حسب طاقت 10 ذوالحجہ کو ایک جانور کی قربانی دے، اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے گھر جا کر رکھے۔ ایام حج، جن میں روزے رکھنے ہیں، 9 ذی الحجہ (یوم عرفات) سے پہلے یا پھر ایام تشریق ہیں۔ (فتح القدیر)

3 یعنی تمتع اور اس کی وجہ سے ہدی یا روزے صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں،

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؔؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

حج کے مہینے مقرر ہیں [1] اس لیے جو شخص ان میں حج لازم کر لے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے، [2] تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ باخبر ہے اور اپنے ساتھ خرچ سفر لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے [3] اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○

مراد اس سے حدود حرم میں یا اتنی مسافت پر رہنے والے ہیں کہ ان کے سفر پر قصر کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر)

1 اور یہ ہیں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔ مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال میں ہر وقت جائز ہے لیکن حج صرف مخصوص دنوں میں ہی ہوتا ہے، اس لیے اس کا احرام حج کے مہینوں کے علاوہ باندھنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر)
مسئلہ: حج قران یا افراد کا احرام اہل مکہ، مکہ کے اندر سے ہی باندھیں گے، البتہ حج تمتع کی صورت میں عمرے کے احرام کے لیے حرم سے باہر حل میں جانا ان کے لیے ضروری ہے۔ (فتح الباري، تحت حدیث :1524، و الموطأ للإمام مالك:312/1.) اسی طرح آفاقی لوگ حج تمتع میں 8 ذوالحجہ کو مکہ سے ہی احرام باندھیں گے، البتہ بعض علماء کے نزدیک اہل مکہ کو عمرے کے احرام کے لیے حل سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے وہ ہر طرح کے حج اور عمرے کے لیے اپنی اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں۔
تنبیہ: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے صرف دو قسم کے عمرے ثابت ہیں۔ ایک وہ جو حج تمتع کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور دوسرا وہ عمرہ مفردہ جو ایام حج کے علاوہ صرف عمرے کی نیت سے ہی سفر کر کے کیا جائے۔ باقی حرم سے جا کر کسی قریب ترین حل سے عمرے کے لیے احرام باندھ کر آنا غیر مشروع ہے۔ (الا یہ کہ جن کے احوال و ظروف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے ہوں۔) (زاد المعاد، ج: 2، طبع جدید)
نوٹ: حدود حرم سے باہر کے علاقے کو حِلّ اور بیرون مکہ سے آنے والے حجاج کو آفاقی کہا جاتا ہے۔
2 صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ہے: «مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ» (صحیح البخاري، حدیث :1819.) ”جس نے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق و فجور سے بچا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے، جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔“
3 تقویٰ سے مراد یہاں سوال سے بچنا ہے۔ بعض لوگ بغیر زادِ راہ لیے حج کے لیے گھر سے نکل پڑتے اور کہتے کہ ہمارا اللہ پر توکل ہے۔ اللہ نے توکل کے اس مفہوم کو غلط قرار دیا اور زادِ راہ لینے کی تاکید فرمائی۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ‌ؕ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَـرَامِ‌ۖ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ۝198

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں [1] جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمھیں ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ○ [2]

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝199

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں [3] اور اللہ سے بخشش طلب کرتے رہو، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا‌ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ۝200

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، [4] بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ○

---

1 فضل سے مراد تجارت اور کاروبار ہے، یعنی سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

2 9 ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف، حج کا سب سے اہم رکن ہے، جس کی بابت حدیث میں کہا گیا ہے۔ اَلْحَجُّ عَرَفَةُ 'عرفات میں وقوف ہی حج ہے۔'' یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے کیونکہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر الٰہی کی تاکید ہے۔ یہاں رات گزارنی ہے، فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں، یعنی اول وقت میں پڑھ کر دن کے روشن ہونے تک ذکر میں مشغول رہا جائے۔ تاہم طلوع آفتاب سے قبل وہاں سے منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے۔

3 مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عرفات جانا اور وہاں وقوف کر کے واپس آنا ضروری ہے لیکن عرفات چونکہ حرم سے باہر ہے، اس لیے قریش مکہ عرفات تک نہیں جاتے تھے بلکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے، چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹ کر آتے ہیں وہیں سے لوٹ کر آو، یعنی عرفات سے۔

4 عرب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد منیٰ میں میلہ لگاتے اور آباء واجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے، مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ جب تم 10 ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے، قربانی کرنے، سر منڈانے، طواف کعبہ اور سعی صفا و مروہ سے

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ﴿201﴾ النّصف
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿202﴾
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ
تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ
وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿203﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے [1] اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ○

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○

اور اللہ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں، یعنی ایام تشریق میں کرو، [2] دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں، اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، [3] یہ پرہیز گار کے لیے ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ○

بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے،

فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منیٰ میں قیام کرنا ہے تو وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو، جیسے جاہلیت میں تم اپنے آباء کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

1 یعنی اعمال خیر کی توفیق، یعنی اہل ایمان دنیا میں بھی محض دنیا طلب نہیں کرتے بلکہ نیکی کی ہی توفیق طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ دنیا کا مال واسباب بھی اس طریقے سے دے کہ وہ بھی ہمارے لیے بھلائی ہی ثابت ہو۔ نبی ﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے۔ طواف کے دوران میں لوگ ہر چکر کی الگ الگ دعا پڑھتے ہیں جو خود ساختہ ہیں، ان کی بجائے طواف کے وقت یہی دعا ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ......﴾ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھنا مسنون عمل ہے۔

2 مراد ایام تشریق ہیں، یعنی 11، 12 اور 13 ذوالحجہ۔ ان میں ذکر الٰہی، یعنی بہ آواز بلند تکبیرات مسنون ہیں، صرف فرض نمازوں کے بعد ہی نہیں بلکہ ہر وقت یہ تکبیرات پڑھی جائیں «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» کنکریاں مارتے وقت ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھنی مسنون ہے۔ (نیل الأوطار: 3/354 و 4/361)

3 رَمْيِ جِمَار (جمرات کو کنکریاں مارنا) 3 دن افضل ہیں لیکن اگر کوئی دو دن (11، 12 ذوالحجہ) کو کنکریاں مار کر منیٰ سے واپس آجائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

حالانکہ درحقیقت وہ زبردست جھگڑالو ہے ○ [1]

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

جب وہ پلٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ فساد کو ناپسند کرتا ہے ○

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کردیتا [2] ہے، ایسے کے لیے بس جہنم ہی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں [3] اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور

---

1 بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت ایک منافق اَخْنَس بن شریق ثقفي کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سے مراد سارے ہی منافقین اور متکبرین ہیں، جن میں یہ مذموم اوصاف پائے جائیں جو قرآن نے اس کے ضمن میں بیان فرمائے ہیں۔

2 ﴿ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ﴾ ”تکبر اور غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے۔“ عزت کے معنی غرور وانانیت کے ہیں۔

3 یہ آیت، کہتے ہیں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو کافروں نے کہا کہ یہ مال سب یہاں کا کمایا ہوا ہے، اسے ہم ساتھ نہیں لے جانے دیں گے، حضرت صہیب نے وہ سارا مال ان کے حوالے کردیا اور دین ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: ”صہیب نے نفع بخش تجارت کی ہے۔“ دو مرتبہ فرمایا۔ (فتح القدیر) لیکن یہ آیت بھی عام ہے، جو تمام مومنین، متقین اور دنیا کے مقابلے میں دین کو اور آخرت کو ترجیح دینے والوں کو شامل ہے کیونکہ اس قسم کی تمام آیات کے بارے میں، جو کسی خاص شخص یا واقعے کے بارے میں نازل ہوئیں، یہ اصول ہے: اَلْعِبْرَةُ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ السَّبَبِ یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہوگا، سبب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس اَخْنَس بن شریق (جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا) برے کردار کا ایک نمونہ ہے جو ہر اس شخص پر صادق آئے گا جو اس جیسے برے کردار کا حامل ہوگا اور صہیب رضی اللہ عنہ خیر اور کمال ایمان کی ایک مثال ہیں ہر اس شخص کے لیے جو ان صفات خیر و کمال سے متصف ہوگا۔

كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿208﴾

شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو،[1] وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ○

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿209﴾

اگر تم باوجود تمھارے پاس دلیلیں آجانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ غلبے والا اور حکمت والا ہے ○

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿210﴾ ع 25/14/9

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ ابر کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے،[2] اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انھیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں[3] اور جو شخص اللہ کی نعمتوں کو اپنے

---

1 اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس طرح نہ کرو کہ جو باتیں تمھاری مصلحتوں اور خواہشات کے مطابق ہوں، ان پر تو عمل کر لو اور دوسرے حکموں کو نظر انداز کر دو۔ اسی طرح جو دین تم چھوڑ آئے ہو، اس کی باتیں اسلام میں شامل کرنے کی کوشش مت کرو بلکہ صرف اسلام کو مکمل طور پر اپناؤ۔ اس سے دین میں بدعات کی بھی نفی کر دی گئی اور آج کل کے سیکولر ذہن کی تردید بھی، جو اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لیے تیار نہیں بلکہ دین کو عبادات، یعنی مساجد تک محدود کرنا اور سیاست اور ایوان حکومت سے دیس نکالا دینا چاہتا ہے۔ اسی طرح عوام کو بھی سمجھایا جا رہا ہے جو شریعت مخالف رسوم و رواج اور علاقائی ثقافت و روایات کو پسند کرتے ہیں اور انھیں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، جیسے مرگ اور شادی بیاہ کی مسرفانہ اور ہندوانہ رسوم اور دیگر رواج۔ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، جو تمھیں مذکورہ خلاف اسلام باتوں کے لیے حسین فلسفے تراش کر پیش کرتا، برائیوں پر خوش نما غلاف چڑھاتا اور بدعات کو بھی نیکی باور کراتا ہے تاکہ اس کے دام ہم رنگ زمین میں پھنسے رہو۔

2 یہ یا تو قیامت کا منظر ہے (جیسا کہ بعض تفسیری روایات میں ہے۔) (ابن کثیر) یعنی کیا یہ قیامت برپا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں؟ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں اور بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے آئے اور فیصلہ چکائے، تب وہ ایمان لائیں گے۔ لیکن ایسا اسلام قابل قبول ہی نہیں، اس لیے قبول اسلام میں تاخیر مت کرو اور فوراً اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لو۔

3 مثلاً: عصائے موسیٰ، جس کے ذریعے سے ہم نے جادوگروں کا توڑ کیا، سمندر سے راستہ بنایا، پتھر سے بارہ چشمے

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾
زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿212﴾
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ

وقف لازم

پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے)[1] کہ اللہ بھی سخت عذاب والا ہے ○

کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی ہے، وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں،[2] حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے، اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ○[3]

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے،[4] اللہ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ اور صرف ان ہی لوگوں نے جو وہ کتابیں دیے گئے تھے، اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں

جاری کیے، بادلوں کا سایہ، من وسلوی کا نزول وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ہمارے پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے احکام الٰہی سے اعراض کیا۔

1 نعمت کے بدلنے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بدلے انھوں نے کفر اور اعراض کا راستہ اپنایا۔

2 چونکہ مسلمانوں کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی جو دنیوی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم تھے، اس لیے کافر، یعنی قریش مکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ اہل ثروت کا ہر دور میں شیوہ رہا ہے۔

3 اہل ایمان کے فقر اور سادگی کا کفار جو استہزا و تمسخر اڑاتے، اس کا ذکر فرما کر کہا جا رہا ہے کہ قیامت والے دن یہی فقراء اپنے تقویٰ کی بدولت بلند و بالا ہوں گے۔ ”بے حساب روزی“ کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان فقراء پر بھی فتوحات کے دروازے کھول دیے، جن سے سامان دنیا اور رزق کی فراوانی ہو گئی۔

4 یعنی توحید پر۔ یہ حضرت آدم سے حضرت نوح علیہ السلام، یعنی دس قرون تک لوگ توحید پر، جس کی تعلیم انبیاء علیہم السلام دیتے رہے، قائم رہے۔ آیت میں مفسرین صحابہ نے فَاخْتَلَفُوْا محذوف مانا ہے، یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک و مظاہر پرستی عام ہو گئی۔ ﴿فَبَعَثَ﴾ اس کا عطف فَاخْتَلَفُوْا (جو محذوف ہے) پر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اور حق اور توحید کو قائم و واضح کریں۔ (ابن کثیر)

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿213﴾

اختلاف کیا[1] اس لیے اللہ نے ایمان والوں کے اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی[2] اور اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ○

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿214﴾

کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔[3] انھیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے

1 اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس انحراف کا منبع بغض وعناد بنتا ہے، امت مسلمہ میں بھی جب تک یہ انحراف نہیں آیا، یہ امت اپنی اصل پر قائم اور اختلافات کی شدت سے محفوظ رہی لیکن تقلید اور بدعات نے حق سے گریز کا جو راستہ کھولا، اس سے اختلافات کا دائرہ پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا، تا آنکہ اتحاد امت ایک ناممکن چیز بن کر رہ گیا ہے۔ فَهَدَی اللّٰهُ الْمُسْلِمِينَ.

2 چنانچہ، اہل کتاب نے جمعہ میں اختلاف کیا، یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنا مقدس دن قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعے کا دن اختیار کرنے کی ہدایت دے دی۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہود نے ان کی تکذیب کی اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھا، اس کے برعکس عیسائیوں نے ان کو اللہ کا بیٹا اور الٰہ بنا دیا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ان کے بارے میں صحیح موقف اپنانے کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ کے پیغمبر اور اس کے فرماں بردار بندے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی انھوں نے اختلاف کیا، ایک نے یہودی اور دوسرے نے نصرانی کہا، مسلمانوں کو اللہ نے صحیح بات بتلائی کہ وہ حَنِيفًا مُسْلِمًا تھے اور اس طرح کے دیگر کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن، یعنی اپنے فضل سے مسلمانوں کو صراط مستقیم دکھائی۔

3 ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کو یہودیوں، منافقوں اور مشرکین عرب سے مختلف قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں تو بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی، جس پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی اور خود نبی ﷺ نے بھی فرمایا: ”تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سر سے لے کر پیروں تک آرے سے چیرا گیا اور لوہے کی کنگھی سے ان کے گوشت پوست کو نوچا گیا لیکن یہ ظلم وتشدد ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکا۔“ پھر فرمایا: ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس معاملے کو مکمل (اسلام کو غالب) فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صَنْعَاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6943.) مقصد نبی ﷺ کا

گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے ○ [1]

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿215﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے [2] اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے ○

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ
وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ
26 ع 6 10 وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿216﴾ ع

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمھیں دشوار معلوم ہو، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمھارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمھارے لیے بری ہو، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو ○ [3]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ

لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت

مسلمانوں کے اندر حوصلہ اور استقامت کا عزم پیدا کرنا تھا۔

1 اس لیے کہ «كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ» ’’ہر آنے والی چیز، قریب ہے۔‘‘ اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی مدد یقینی ہے، اس لیے وہ قریب ہی ہے۔

2 بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کیے جا رہے ہیں، یعنی یہ سب سے زیادہ تمھارے مالی تعاون کے مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفاق کا یہ حکم صدقات نافلہ سے متعلق ہے، زکاۃ سے متعلق نہیں کیونکہ ماں باپ پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: ’’مال خرچ کرنے کی ان جگہوں میں نہ طبلہ سارنگی کا ذکر ہے اور نہ چوبی تصویروں اور دیواروں پر لٹکائے جانے والے آرائشی پردوں کا۔‘‘ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر مال خرچ کرنا ناپسندیدہ اور اسراف ہے۔ افسوس ہے کہ آج یہ مسرفانہ اور ناپسندیدہ اخراجات ہماری زندگی کا اس طرح لازمی حصہ بن گئے ہیں کہ اس میں کراہت کا کوئی پہلو ہی ہماری نظروں میں نہیں رہا۔

3 جہاد کے حکم کی ایک مثال دے کر اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرو، چاہے تمھیں وہ گراں اور ناگوار ہی لگے، اس لیے کہ اس کے انجام اور نتیجے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ہوسکتا ہے اس میں تمھارے لیے بہتری ہو۔ جیسے جہاد کے نتیجے میں تمھیں فتح و غلبہ، عزت و سربلندی اور مال و اسباب مل سکتا ہے، اسی

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿217﴾

سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے،[1] وہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمھیں تمھارے دین سے مرتد کر دیں[2] اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے ○[3]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

البتہ ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ

طرح تم جس کو پسند کرو، (جہاد کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا) اس کا نتیجہ تمھارے لیے خطرناک ہو، یعنی دشمن تم پر غالب آ جائے اور تمھیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

1 رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ یہ چار مہینے زمانۂ جاہلیت میں بھی حرمت والے سمجھے جاتے تھے، جن میں قتال و جدال ناپسندیدہ تھا۔ اسلام نے بھی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان فوجی دستے کے ہاتھوں رجب کے مہینے میں ایک کافر قتل ہو گیا اور بعض کافر قیدی بنا لیے گئے۔ مسلمانوں کے علم میں یہ نہیں تھا کہ رجب شروع ہو گیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ دیکھو یہ حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مہینے میں قتال بڑا گناہ ہے لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو اپنا عمل نظر نہیں آتا؟ یہ خود اس سے بھی بڑے جرائم کے مرتکب ہیں یہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنے پر انھوں نے مجبور کر دیا۔ علاوہ ازیں کفر و شرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدھ قتل حرمت والے مہینے میں ہو گیا تو کیا ہوا؟ اس پر واویلا کرنے کی بجائے ان کو اپنا نامۂ سیاہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔

2 جب یہ اپنی شرارتوں، سازشوں اور تمھیں مرتد بنانے کی کوششوں سے باز آنے والے نہیں تو پھر تم ان سے مقاتلہ کرنے میں ماہ حرام کی وجہ سے کیوں رکے رہو؟

3 جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی مرتد ہو جائے (اگر وہ توبہ نہ کرے) تو اس کی دنیوی سزا قتل ہے۔ حدیث

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿218﴾

میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں، اللہ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے [1] اور لوگوں کو ان سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔ [2] آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجیے کہ ضرورت

میں ہے: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ» (صحيح البخاري، حديث :3017.) آیت میں اس کی اخروی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حالت میں کیے گئے اعمال صالحہ بھی کفر وارتداد کی وجہ سے کالعدم ہو جائیں گے اور جس طرح ایمان قبول کرنے سے انسان کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح کفر وارتداد سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ تاہم قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ حَبطِ اعمال (عملوں کا ضائع ہونا) اسی وقت ہوگا جب خاتمہ کفر پر ہوگا، اگر موت سے پہلے تائب ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہوگا، یعنی مرتد کی توبہ مقبول ہے۔

1 بڑا گناہ تو دین کے اعتبار سے ہے۔

2 فائدوں کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً: شراب سے وقتی طور پر بدن میں چستی ومستعدی اور بعض ذہنوں میں تیزی آجاتی ہے۔ جنسی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کے لیے اس کا استعمال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی خرید وفروخت نفع بخش کاروبار ہے۔ جوا میں بھی بعض دفعہ آدمی جیت جاتا ہے تو اس کو کچھ مال مل جاتا ہے لیکن یہ فائدے ان نقصانات ومفاسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقل اور اس کے دین کو ان سے پہنچتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ''ان کا گناہ، ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔'' اس طرح اس آیت میں شراب اور جوا کو حرام تو قرار نہیں دیا گیا، تاہم اس کے لیے تمہید باندھ دی گئی ہے۔ اس آیت سے ایک بہت اہم اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز میں چاہے وہ کتنی بھی بری ہو، کچھ نہ کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں، مثلاً: ریڈیو، ٹی وی اور دیگر اس قسم کی ایجادات ہیں اور لوگ ان کے بعض فوائد بیان کر کے اپنے نفس کو دھوکہ دے لیتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ فوائد اور نقصانات کا تقابل کیا ہے۔ خاص طور پر دین وایمان اور اخلاق وکردار کے لحاظ سے۔ اگر دینی نقطۂ نظر سے نقصانات ومفاسد زیادہ ہیں تو تھوڑے سے دنیوی فائدوں کی خاطر اسے جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿219﴾

سے زائد چیز، [1] اللہ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمھارے لیے بیان فرما رہا ہے، تاکہ تم سوچ سمجھ سکو ○

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿220﴾

امور دینی اور دنیوی کو۔ اور آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں، [2] آپ کہہ دیجیے کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے، تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں، بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں مشقت میں ڈال دیتا، [3] یقیناً اللہ غلبے والا اور حکمت والا ہے ○

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور شرک کرنے والی عورتوں سے، تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو، [4] ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد

1 اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا، جس پر فرضیت زکاۃ کے بعد عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے یا اس کے معنی ہیں مَا سَهُلَ وَتَيَسَّرَ وَلَمْ يَشُقَّ عَلَى الْقَلْبِ (فتح القدیر) ''جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے۔'' اسلام نے یقیناً انفاق کی بڑی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے، اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع کیا ہے کہ کل کو تمھیں یا تمھارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

2 جب یتیموں کا مال ظلماً کھانے والوں کے لیے وعید نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے اور یتیموں کی ہر چیز الگ کر دی حتیٰ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی تو اسے بھی استعمال نہ کرتے اور وہ خراب ہو جاتی، اس ڈر سے کہ کہیں ہم بھی اس وعید کے مستحق نہ قرار پا جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

3 یعنی تمھیں بغرض اصلاح و بہتری بھی، ان کا مال اپنے مال میں ملانے کی اجازت نہ دیتا۔

4 مشرکہ عورتوں سے مراد بتوں کی پجاری عورتیں ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے، البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہو سکتا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے۔ (ابن کثیر) آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿221﴾ ع 27/5/11

عورت سے بہت بہتر ہے، گو تمھیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، [1] ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمھیں اچھا لگے۔ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ

آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے، حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو [2] اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، ہاں

کرنے کو آخرت کی بربادی قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”عورت سے چار وجھوں سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب نسب، حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔“ (صحيح البخاري، حديث:5090، و صحيح مسلم، حديث:53-(1466).) اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» (صحيح مسلم، حديث:64-(1469).) ”دنیا کا بہترین متاع، نیک عورت (بیوی) ہے۔“

1 یہ عورت کے اولیاء (ولیوں) سے خطاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح ولی ہی کرے گا اور اگر عورت اپنا نکاح خود کرے گی تو وہ نکاح باطل ہوگا۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں“ مطبوعہ دارالسلام۔

2 بلوغت کے بعد ہر عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ عادت کے خلاف بیماری کی وجہ سے خون آتا ہے، اسے استحاضہ کہتے ہیں، جس کا حکم حیض سے مختلف ہے۔ حیض کے ایام میں عورت کو نماز معاف ہے اور روزے رکھنے ممنوع ہیں، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ مرد کے لیے صرف ہم بستری منع ہے، البتہ بوس و کنار جائز ہے۔ اسی طرح عورت ان دنوں میں کھانا پکانا اور دیگر گھر کا ہر کام کر سکتی ہے لیکن یہودیوں میں ان دنوں میں عورت کو بالکل نجس سمجھا جاتا تھا، وہ اس کے ساتھ اختلاط اور کھانا پینا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بابت نبی ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت اتری، جس میں صرف جماع کرنے سے روکا گیا۔ علیحدہ رہنے اور قریب نہ جانے کا مطلب صرف جماع سے ممانعت ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿222﴾

جب وہ پاک ہو جائیں [1] تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں اجازت دی ہے، [2] اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿223﴾

تمھاری بیویاں تمھاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو [3] آؤ اور اپنے لیے (نیک اعمال) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیجیے ○

---

1 جب وہ پاک ہو جائیں۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ''ایک خون بند ہو جائے۔'' یعنی پھر غسل کیے بغیر بھی پاک ہیں، مرد کے لیے ان سے مباشرت کرنا جائز ہے۔ ابن حزم ؒ اور بعض ائمہ اس کے قائل ہیں۔ دوسرے معنی ہیں، خون بند ہونے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے عورت جب تک غسل نہ کر لے، اس سے مباشرت حرام رہے گی۔ امام شوکانی ؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے (فتح القدير) ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے۔

2 ''جہاں سے اجازت دی ہے۔'' یعنی شرمگاہ سے۔ کیونکہ حالت حیض میں بھی اسی کے استعمال سے روکا گیا تھا اور اب پاک ہونے کے بعد جو اجازت دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب اسی (فرج، شرمگاہ) کی اجازت ہے، نہ کہ کسی اور حصے کی۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کی دبر کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی مزید صراحت کر دی گئی ہے۔

3 یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو پیٹ کے بل لٹا کر (مُدْبِرَة) مباشرت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ مباشرت آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر، جس طرح چاہو، جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔ (صحيح البخاري، حديث: 4528، و صحيح مسلم، حديث: 117-(1435)) بعض لوگوں نے اس سے یہ غلط استدلال کیا تھا (جس طرح چاہو) سے وطی فی الدبر کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ جب قرآن نے عورت کو کھیتی قرار دیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کے لیے یہ کہا جا رہا ہے کہ ''اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو، آؤ۔'' اور یہ کھیتی (موضع ولد) صرف فرج ہے نہ کہ دبر۔ بہر حال یہ غیر فطری فعل ہے۔ حدیث میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے: «مَلْعُونٌ مَّنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا» (سنن أبي داود، حديث: 2162، و مسند أحمد: 479/2، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 5889)

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ
تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ‌ؕ
وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿224﴾
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِىۡٓ اَيۡمَانِكُمۡ
وَلٰـكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ‌ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿225﴾
لِلَّذِيۡنَ يُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآٮِٕهِمۡ تَرَبُّصُ
اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ‌ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿226﴾
وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ

اور اللہ کو اپنی قسموں کا (اس طرح) نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیز گاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا چھوڑ بیٹھو [1] اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○

اللہ تمھیں تمھاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں، [2] ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمھارے دلوں کا فعل ہو، اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے ○

جو لوگ اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی) قسمیں کھائیں، ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے، [3] پھر اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○

اور اگر طلاق ہی کا ارادہ کرلیں [4] تو اللہ سننے والا، جاننے

1 یعنی غصے میں اس طرح کی قسم مت کھاؤ کہ میں فلاں کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا، فلاں سے نہیں بولوں گا، فلاں کے درمیان صلح نہیں کراؤں گا۔ اس قسم کی قسموں کے لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کھالو تو انھیں توڑ دو اور قسم کا کفارہ ادا کرو (کفارۂ قسم کے لیے دیکھیے سورۂ مائدہ، آیت:89)

2 یعنی جو غیر ارادی اور عادت کے طور پر ہوں، البتہ عمداً جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

3 اِیلآء کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے ایک مہینے یا دو مہینے (مثلاً) تعلق نہیں رکھوں گا، پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں، ہاں، اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کی تعیین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کرلیں یا پھر اسے طلاق دے دیں (اسے چار مہینے سے زیادہ معلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت (تعلق قائم کرنے) میں اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ وہ اس سے تعلق قائم کرے یا طلاق دے تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

4 ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہی از خود طلاق واقع نہیں ہوگی (جیسا کہ احناف وغیرہ کا مسلک ہے) بلکہ خاوند کے طلاق دینے سے طلاق ہوگی، جس پر تعلق نہ قائم کرنے کی صورت میں اسے عدالت بھی مجبور

عَلِيْمٌ ﴿227﴾

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

والا ہے ○

طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، [1] انھیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہوا سے چھپائیں، [2] اگر انھیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو، ان کے خاوند اس مدت میں انھیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ [3] اور عورتوں کے بھی اچھائی کے ساتھ ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں۔ [4] ہاں مردوں کو عورتوں

کرے گی۔ جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔(ابن کثیر)

1 اس سے وہ مطلقہ عورت مراد ہے جو حاملہ بھی نہ ہو (کیونکہ حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے) جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو، وہ بھی نہ ہو (کیونکہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں ہے) آئِسَہ بھی نہ ہو، یعنی جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اور صغیرہ بھی نہ ہو جس کو ابھی حیض نہیں آیا ہے (کیونکہ ان کی عدت تین مہینے ہے) گویا یہاں مذکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخولہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے اور وہ ہے تین قروء۔ جس کے معنی طہر یا تین حیض کے ہیں، یعنی تین طہر یا تین حیض عدت گزار کے وہ دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی معنی صحیح قرار دیے ہیں، اس لیے دونوں کی گنجائش ہے۔(ابن کثیر و فتح القدیر) جبکہ راجح یہ ہے کہ قرء بمعنی حیض ہے۔

2 اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپائیں، مثلاً: کہے کہ طلاق کے بعد مجھے ایک یا دو حیض آئے ہیں، درآں حالیکہ اسے تینوں حیض آ چکے ہوں۔ مقصد پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو) یا اگر رجوع کرنا نہ چاہتی ہو تو یہ کہہ دے کہ مجھے تو تین حیض آ چکے ہیں جبکہ واقعتًا ایسا نہ ہوتا کہ خاوند کا حق رجوع ثابت نہ ہو سکے۔ اسی طرح حمل نہ چھپائیں کیونکہ اس طرح دوسری جگہ شادی کرنے کی صورت میں نسب میں اختلاط ہو جائے گا۔ نطفہ وہ پہلے خاوند کا ہو گا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا۔ یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

3 رجوع کرنے سے خاوند کا مقصد اگر تنگ کرنا نہ ہو تو عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کے ولی کو اس حق میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔

4 یعنی دونوں کے حقوق ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جن کے پورے کرنے کے دونوں شرعًا پابند ہیں، تاہم

ع 28/7/12 حَکِیْمٌ ﴿228﴾ ع

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ

پر فضیلت ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے ○

یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں،[1] پھر یا تو اچھائی کے ساتھ روکنا یا[2] عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے[3] اور تمھیں حلال نہیں کہ تم نے انھیں جو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو، اس لیے اگر تمھیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے

مرد کو عورت پر فضیلت یا درجہ حاصل ہے، مثلاً: فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوامیت اور حاکمیت میں اور اختیار طلاق ورجوع (وغیرہ) میں۔

1 یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو (عدت کے اندر) رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے۔ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ حق طلاق ورجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، اس طرح اسے نہ بساتا تھا، نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔ اور پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے "طَلْقَتَانِ" "دو طلاقیں" نہیں فرمایا بلکہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ "طلاق دو مرتبہ" فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انھیں بیک وقت نافذ کر دینا حکمتِ اِلٰہیّہ کے خلاف ہے۔ حکمتِ اِلٰہیّہ اسی بات کی مقتضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) مرد کو سوچنے سمجھنے اور جلد بازی یا غصے میں کیے گئے کام کے ازالے کا موقع دیا جائے، یہ حکمت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے میں ہی باقی رہتی ہے جیسا کہ اہل حدیث کا مذہب ہے جو حدیث سے ثابت ہے، نہ کہ تینوں کو بیک وقت نافذ کر کے سوچنے اور غلطی کا ازالہ کرنے کی سہولت سے محروم کر دینے کی صورت میں، جیسا کہ بعض لوگوں کا نقطۂ نظر ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل۔" مطبوعہ دار السلام۔

2 یعنی رجوع کر کے اچھے طریقے سے اسے بسانا۔

3 یعنی تیسری مرتبہ طلاق دے کر۔

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿229﴾

لیے کچھ دے ڈالے، اس میں دونوں پر گناہ نہیں، [1] یہ اللہ کی حدود ہیں، خبردار! ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔ ○

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿230﴾

پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب وہ اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں [2] بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جنھیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان فرما رہا ہے ○

1 اس میں خُلع کا بیان ہے، یعنی عورت خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو اس صورت میں خاوند عورت سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے۔ خاوند اگر علیحدگی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اگر وہ اسے نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے گی۔ گویا خُلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔ دونوں صورتوں میں عدت ایک حیض ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 2229,2228، وجامع الترمذي، حديث: 1185، وسنن النسائي، حديث :3492، والحاكم، حديث :2825) عورت کو یہ حق دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی سخت تاکید کی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے خاوند سے علیحدگی، یعنی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو نبی ﷺ نے ایسی عورتوں کے لیے یہ سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائیں گی۔ (ابن کثیر وغیرہ)

2 اس طلاق سے تیسری طلاق مراد ہے، یعنی تیسری طلاق کے بعد خاوند اب نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح، البتہ یہ عورت کسی اور جگہ نکاح کر لے اور دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو اس کے بعد زوج اول سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ لیکن اس کے لیے ہمارے ملک میں جو حلالہ کا طریقہ رائج ہے، یہ لعنتی فعل ہے۔ نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (جامع الترمذي، حديث:1119. وسنن النسائي، حديث :3445.) حلالہ کی غرض سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں ہے، زنا کاری ہے۔ اس نکاح سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ بعض حضرات اس آیت سے حلالۂ مروجہ کا، جسے حدیث میں لعنتی فعل قرار دیا گیا ہے، اثبات کرتے ہیں۔ ان کی یہ شوخ چشمانہ جسارت قرآن کریم کی معنوی تحریف ہے، فنعوذ باللہ من هذا.

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿231﴾ ع

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انھیں اچھی طرح بساؤ، یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو [1] اور انھیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لیے نہ روکو، جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ [2] اور اللہ کا تم پر جو احسان ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمھیں نصیحت کر رہا ہے، اسے بھی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ○

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انھیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضا مند ہوں۔ [3] یہ نصیحت انھیں کی جاتی ہے جنھیں تم میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو، اس میں تمھاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

---

1 ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ میں بتلایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ رجوع عدت کے اندر اندر ہو سکتا ہے، عدت گزرنے کے بعد نہیں، اس لیے یہ تکرار نہیں ہے جس طرح کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے۔

2 بعض لوگ مذاق میں طلاق دے دیتے یا نکاح کر لیتے یا مملوک کو آزاد کر دیتے ہیں، پھر کہتے کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اللہ نے اسے آیات الٰہی سے استہزا قرار دیا، جس سے مقصود اس سے روکنا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذاق سے بھی اگر کوئی مذکورہ کام کرے گا تو وہ حقیقت ہی سمجھا جائے گا اور مذاق کی طلاق یا نکاح یا آزادی نافذ ہو جائے گی۔

(سنن أبي داود، حديث: 2194، وجامع الترمذي، حديث: 1184، و سنن ابن ماجه، حديث: 2039.)

3 اس میں مطلقہ عورت کی بابت ایک تیسرا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ عدت گزرنے کے بعد (پہلی یا دوسری طلاق کے بعد) اگر سابقہ خاوند بیوی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو مت روکو۔ نبی ﷺ کے زمانے میں

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو،[1] اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمے ان کا روٹی

ایک ایسا واقعہ ہوا تو عورت کے بھائی نے انکار کر دیا جس پر یہ آیت اتری (صحيح البخاري، حديث :5130.) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ اس کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت اور رضا مندی ضروری ہے۔تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق ولایت غلط طریقے سے استعمال کرنے سے روکا ہے۔اس کی مزید تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے، مثلاً: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» مسند أحمد :413/4، وسنن أبي داود، حديث :2085، وجامع الترمذي، حديث :1101، وسنن ابن ماجه، حديث :1881، وإرواء الغليل: 235/6 صححه الألباني) ''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں۔'' ایک اور روایت میں ہے۔«أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ »(مسند أحمد:165/6، 166، وسنن أبي داود، حديث :2083، وجامع الترمذي، حديث :1102، وسنن ابن ماجه، حديث : 1879، و إرواء الغليل :243/6 وصححه أيضًا الألبانيُّ-) ''جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا، پس اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔'' ان احادیث کو علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی، دیگر محدثین کی طرح، صحیح اور حسن تسلیم کیا ہے۔(فيض الباري، ج :4 كتاب النكاح) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت کے ولیوں کو بھی عورت پر جبر کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رضا مندی کو بھی ضرور ملحوظ رکھیں۔اگر ولی عورت کی رضامندی کو نظر انداز کر کے زبردستی نکاح کر دے تو شریعت نے عورت کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ نکاح میں دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے، کوئی ایک فریق بھی من مانی نہ کرے۔اگر عورت من مانے طریقے سے ولی کی اجازت نظر انداز کرے گی تو وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا اور ولی زبردستی کرے گا اور لڑکی کے مفادات کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح دے گا تو عدالت ایسے ولی کو حق ولایت سے محروم کر کے ولیٔ ابعد کے ذریعے سے یا خود ولی بن کر اس عورت کے نکاح کا فریضہ انجام دے گی۔ «فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَّنْ لَّا وَلِيَّ لَهَا» (إرواء الغليل:243/6.) ''پس اگر ولی آپس میں لڑیں تو بادشاہ اس عورت کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔''

1 اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔اس میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ پورے دو سال دودھ پلائے۔ان الفاظ سے اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہ ؓ سے مرفوعًا روایت ہے: « لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ »(جامع الترمذي،

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾

کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہو۔ [1] ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے۔ [2] وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری [3] ہے، پھر اگر وہ دونوں (ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمھارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو دستور کے مطابق جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو، [4]

حدیث :1152.) ’’وہی رضاع (دودھ پلانا) حرمت ثابت کرتا ہے، جو چھاتی سے نکل کر آنتوں کو پھاڑے اور یہ دودھ چھڑانے (کی مدت) سے پہلے ہو۔‘‘ چنانچہ اس مدت کے اندر کوئی بچہ کسی عورت کا اس طریقہ سے دودھ پی لے گا، جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان رضاعت کا وہ رشتہ قائم ہو جائے گا، جس کے بعد رضاعی بہن بھائیوں میں آپس میں اسی طرح نکاح حرام ہو گا جس طرح نسبی بہن بھائیوں میں حرام ہوتا ہے۔ «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (صحيح البخاري، حديث :2645.) ’’رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔‘‘

1 ﴿مَوْلُوْدٌ لَّهٗ﴾ سے مراد باپ ہے۔ طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الٰہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق مطلقہ عورت کی روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو، جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

2 ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً: ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے مگر مامتا کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا جائے یا یہ کہ بغیر خرچ کی ذمہ داری اٹھائے، اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا، اس سے مالی مطالبہ کرے۔

3 باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ نہ عورت کو تکلیف ہو اور نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متاثر ہو۔

4 یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی اجازت ہے، بشرطیکہ اس کا مَا وَجَب (معاوضہ) دستور

اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تمھارے اعمال کی دیکھ بھال کر رہا ہے ○

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿234﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں،[1] پھر جب مدت ختم کر لیں تو جو اچھائی کے ساتھ وہ اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں[2] اور اللہ تمھارے ہر عمل سے خبردار ہے ○

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارے کنائے میں ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو، یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو، اللہ کو علم ہے کہ تم ضرور ان سے ذکر کرو گے، لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو،[3] ہاں یہ اور بات

کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

1 یہ عدت وفات ہر عورت کے لیے ہے، چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، جوان ہو یا بوڑھی، البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾. (الطلاق 65:4) ”حمل والی عورتوں کی مدت وضع حمل ہے۔“ اس عدت وفات میں عورت کو زیب و زینت کی (حتیٰ کہ سرمہ لگانے کی بھی) اور خاوند کے مکان سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت نہیں ہے، البتہ مطلقہ رَجْعِيَّه کے لیے عدت کے اندر زیب و زینت ممنوع نہیں ہے اور مطلقہ بائنہ میں اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر)

2 یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ زیب و زینت اختیار کریں اور اولیاء کی اجازت و مشاورت سے کسی اور جگہ نکاح کا بندوبست کریں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے تم پر بھی (اے عورت کے ولیو!) کوئی گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوہ کے عقد ثانی کو برا سمجھنا چاہیے، نہ اس میں رکاوٹ ڈالنی چاہیے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے اثرات سے ہمارے معاشرے میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

3 یہ بیوہ یا وہ عورت، جس کو تین طلاقیں مل چکی ہوں، یعنی طلاق بائنہ۔ ان کی بابت کہا جا رہا ہے کہ عدت کے دوران میں ان سے اشارے کنائے میں تو تم نکاح کا پیغام دے سکتے ہو (مثلاً: میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے یا میں نیک

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿235﴾ ع 30/4/14

ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو [1] اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کرو، جان رکھو کہ اللہ کو تمھارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے، تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ بخشش اور حلم والا ہے ○

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿236﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں انھیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔ خوشحال اپنے انداز سے اور تنگدست اپنی طاقت کے مطابق، دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنیوالوں پر یہ لازم ہے ○ [2]

عورت کی تلاش میں ہوں وغیرہ) لیکن ان سے کوئی خفیہ وعدہ مت لو اور نہ مدت گزرنے سے قبل عقد نکاح پختہ کرو۔ لیکن وہ عورت جس کو خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں، اس کو عدت کے اندر اشارے کنائے میں بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں کیونکہ جب تک عدت نہیں گزر جاتی، اس پر خاوند کا ہی حق ہے۔ ممکن ہے خاوند رجوع ہی کر لے۔
مسئلہ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاہل لوگ عدت کے اندر ہی نکاح کر لیتے ہیں، اس کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے اور اگر ہم بستری ہو گئی ہے تب بھی تفریق تو ضروری ہے، تاہم دوبارہ ان کے درمیان (عدت گزرنے کے بعد) نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان اب کبھی باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کے لیے ابدًا احرام ہیں لیکن جمہور علماء ان کے درمیان نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

1 اس سے مراد بھی وہی تعریض و کنایہ ہے جس کا حکم پہلے دیا گیا ہے، مثلاً: میں تیرے معاملے میں رغبت رکھتا ہوں یا ولی سے کہے کہ اس کے نکاح کی بابت فیصلہ کرنے سے قبل مجھے اطلاع ضرور کرنا وغیرہ۔ (ابن کثیر)

2 یہ اس عورت کی بابت حکم ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور خاوند نے خَلْوَتِ صَحِیحَہ یعنی ہم بستری کیے بغیر طلاق دے دی تو اسے کچھ نہ کچھ فائدہ دے کر رخصت کرو۔ یہ فائدہ (متعۂ طلاق) ہر شخص کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے۔ خوش حال اپنی حیثیت اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دے۔ تاہم محسنین کے لیے ہے یہ ضروری۔ اس متعہ کی تعیین بھی کی گئی ہے، کسی نے کہا: خادم۔ کسی نے کہا: 500 درہم۔ کسی نے کہا: ایک یا چند سوٹ وغیرہ۔ بہر حال یہ تعیین شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ اس

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿237﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انھیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو، یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں [1] یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، [2] تمھارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو، یقیناً اللہ تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

میں بھی اختلاف ہے کہ یہ متعہ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کو دینا ضروری ہے یا خاص اسی عورت کی بابت حکم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ قرآن کریم کی بعض اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کے لیے ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. اس حکم متعہ میں جو حکمت اور فوائد ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ تلخی، کشیدگی اور اختلاف کے موقع پر، جو طلاق کا سبب ہوتا ہے، احسان کرنا اور عورت کی دلجوئی و دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصومتوں کے سدباب کا نہایت اہم ذریعہ ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اس احسان و سلوک کی بجائے، مطلقہ کو ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

1 یہ دوسری صورت ہے کہ مساس (خَلْوَتِ صَحِيحَہ) سے قبل ہی طلاق دے دی اور حق مہر بھی مقرر تھا۔ اس صورت میں خاوند کے لیے ضروری ہے کہ نصف مہر ادا کرے۔ اِلاّ یہ کہ عورت اپنا یہ حق معاف کر دے۔ اس صورت میں خاوند کو کچھ نہیں دینا پڑے گا۔

2 اس سے مراد خاوند ہے کیونکہ نکاح کی گرہ (اس کا توڑنا اور باقی رکھنا) اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نصف حق مہر معاف کر دے، یعنی طے شدہ حق مہر، جس کی ادائیگی ہو چکی ہے، میں سے نصف مہر واپس لینے کی بجائے، اپنا یہ حق (نصفِ مہر) معاف کر دے اور پورے کا پورا مہر عورت کو دے دے۔ اس سے آگے آپس میں فضل و احسان کو نہ بھولنے کی تاکید کر کے حق مہر میں بھی اسی فضل و احسان کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ملحوظہ: بعض نے ﴿بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ سے عورت کا ولی مراد لیا ہے کہ عورت معاف کر دے یا اس کا ولی معاف کر دے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ایک تو عورت کے ولی کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح نہیں، دوسرے مہر عورت کا حق اور اس کا مال ہے، اسے معاف کرنے کا حق بھی ولی کو حاصل نہیں، اس لیے وہی تفسیر صحیح ہے جو آغاز میں کی گئی ہے۔ (فتح القدیر)

ضروری وضاحت: طلاق یافتہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں:

① جن کا حق مہر بھی مقرر ہے، خاوند نے مجامعت بھی کی ہے ان کو پورا حق مہر دیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت: 229 میں

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿238﴾

نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز [1] کی اور اللہ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو ○

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿239﴾

اگر تمھیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی، ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تمھیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے ○ [2]

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿240﴾

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں، [3] انھیں کوئی نہ نکالے، ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں، اللہ غالب اور حکیم ہے ○

اس کی تفصیل ہے۔

② حق مہر بھی مقرر نہیں، مجامعت بھی نہیں کی گئی، ان کو صرف متعہ طلاق دیا جائے گا۔

③ حق مہر مقرر ہے لیکن مجامعت نہیں کی گئی، ان کو نصف مہر دینا ضروری ہے (ان دونوں کی تفصیل، زیر نظر آیت میں ہے)

④ مجامعت کی گئی ہے لیکن حق مہر مقرر نہیں، ان کے لیے مہر مثل ہے، مہر مثل کا مطلب ہے اس عورت کی قوم میں جو رواج ہے یا اس جیسی عورت کے لیے بالعموم جتنا مہر مقرر کیا جاتا ہو۔(نیل الأوطار:194/6، و عون المعبود:106/6.)

1 درمیان والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے جس کو اس حدیث رسول ﷺ نے متعین کر دیا ہے جس میں نبی ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز کو «صَلَاةِ وُسْطٰی» قرار دیا۔(صحيح البخاري، حديث :2931، و صحيح مسلم حديث:205-(627).)

2 یعنی دشمن سے خوف کے وقت جس طرح بھی ممکن ہے، پیادہ چلتے ہوئے، سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لو۔ تاہم جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح سکھلایا گیا ہے۔

3 یہ آیت، گو ترتیب میں مؤخر ہے مگر منسوخ ہے، ناسخ آیت پہلے گزر چکی ہے، جس میں عدت وفات 4 مہینے 10 دن بتلائی گئی۔ علاوہ ازیں آیت مواریث نے بیویوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب خاوند کو عورت کے لیے کسی بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش (سکنی) کی اور نہ نان ونفقہ کی۔

وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿241﴾

طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے[1] ○

كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿242﴾ ع

ع 31 7 15

اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تا کہ تم سمجھو ○

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿243﴾

کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ نے انھیں فرمایا مرجاؤ، پھر انھیں زندہ کردیا،[2] بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں ○

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿244﴾

اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ سنتا، جانتا ہے ○

1 یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے۔ اس میں تفریق کے وقت جس حسن سلوک اور تَطْیِیبِ قُلُوب کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں۔ کاش مسلمان اس نہایت ہی اہم نصیحت پر عمل کریں، جسے انھوں نے بالکل فراموش کر رکھا ہے۔ آج کل کے بعض ''مجتہدین'' نے ﴿ مَتَاعٌ ﴾ اور ﴿ مَتِّعُوْهُنَّ ﴾ سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ کو اپنی جائداد میں سے باقاعدہ حصہ دو یا عمر بھر نان ونفقہ دیتے رہو۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں، بھلا جس عورت کو مرد نے نہایت ناپسندیدہ سمجھ کر اپنی زندگی سے ہی خارج کر دیا، وہ ساری عمر کس طرح اس کے اخراجات کی ادائیگی کے لیے تیار ہوگا؟ یا اپنی جائداد میں سے اسے حصہ دے گا؟

2 یہ واقعہ سابقہ کسی امت کا ہے، جس کی تفصیل کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں کی گئی۔ تفسیری روایات میں اسے بنی اسرائیل کے زمانے کا واقعہ اور اس پیغمبر کا نام، جس کی دعا سے انھیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرمایا، حزقیل بتلایا گیا ہے۔ یہ جہاد میں قتل کے ڈر سے یا وبائی بیماری طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے تا کہ موت کے منہ میں جانے سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مار کر ایک تو یہ بتلا دیا کہ اللہ کی تقدیر سے تم بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ دوسرا یہ کہ انسانوں کی آخری جائے پناہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ تمام انسانوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا جس طرح اللہ نے ان کو مار کر زندہ کر دیا۔ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے اس واقعے کے بیان میں یہی حکمت ہے کہ جہاد سے جی مت چراؤ، موت و حیات تو اللہ کے قبضے میں ہے اور اس موت کا وقت بھی متعین ہے جسے جہاد سے گریز و فرار کر کے تم ٹال نہیں سکتے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ
يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿245﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ
بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ
لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا

وقف لازم

ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض [1] دے، پس اللہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے، اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○
کیا آپ نے موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا [2] جب کہ انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجیے [3] تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو، انھوں نے کہا: بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد

1 قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں اور جہاد میں مال خرچ کرنا ہے، یعنی جان کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل مت کرو۔ رزق کی کشادگی اور کمی بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ دونوں طریقوں سے تمھاری آزمائش کرتا ہے۔ کبھی رزق میں کمی کر کے اور کبھی اس میں فراوانی کر کے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تو کمی بھی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اس میں کئی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی و روحانی طور پر اس میں برکت ڈال کر اور آخرت میں تو یقیناً اس میں اضافہ حیران کن ہوگا۔

2 ﴿الْمَلَاِ﴾ کسی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل وعقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں (مَلَا کے لغوی معنی بھرنے کے ہیں) (أیسر التفاسیر) جس پیغمبر کا یہاں ذکر ہے اس کا نام شمویل بتلایا جاتا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد کچھ عرصے تک تو ٹھیک رہے، پھر ان میں انحراف آ گیا، دین میں بدعات ایجاد کر لیں۔ حتی کہ بعض نے بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انبیاء علیہم السلام ان کو روکتے رہے لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنھوں نے ان کے علاقے بھی چھین لیے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بھی بنا لیا، ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، بالآخر بعض لوگوں کی دعاؤں سے شمویل نبی پیدا ہوئے، جنھوں نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ انھوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔ پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہیں رہو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔

3 نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ، بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہت جائز ہی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مطالبے کو رد فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو رد نہیں فرمایا بلکہ طالوت کو ان کے لیے

نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿246﴾

کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿247﴾

اور انھیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے طالوت کو تمھارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے: بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو! اللہ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے،[1] بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

ان کے نبی نے انھیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق[2]

بادشاہ مقرر کر دیا، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اگر مطلق العنان نہیں ہے بلکہ وہ احکام الٰہی کا پابند اور عدل و انصاف کرنے والا ہے تو اس کی بادشاہت جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب و محبوب بھی ہے۔ مزید دیکھیے: سورۂ مائدہ، آیت 20 کا حاشیہ۔

1 حضرت طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ یہ غریب اور ایک عام فوجی تھے، جس پر انھوں نے اعتراض کیا۔ پیغمبر نے کہا کہ یہ میرا انتخاب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں قیادت و سیادت کے لیے مال سے زیادہ عقل و علم اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت ہے اور طالوت اس میں تم سب میں ممتاز ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس منصب کے لیے چن لیا ہے۔ وہ واسع الفضل ہے، جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت و عنایات سے نوازتا ہے۔ ﴿عَلِیْمٌ﴾ ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ بادشاہت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں ہے۔ (معلوم ہوتا ہے کہ جب انھیں بتلایا گیا کہ یہ تقرری اللہ کی طرف سے ہے تو اس کے لیے انھوں نے مزید کسی نشانی کا مطالبہ کیا تا کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں، چنانچہ اگلی آیت میں ایک اور نشانی کا بیان ہے۔)

2 صندوق، یعنی ﴿التَّابُوْتُ﴾ جو توب سے ہے، جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل تبرک کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (فتح القدیر) اس تابوت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے،

وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿248﴾ ع 32/6/16

آ جائے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمھارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایماندار ہو ○

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ

جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا: سنو! اللہ تمھیں ایک نہر[1] سے آزمانے والا ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے، ہاں، یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔

یہ تابوت بھی ان کے دشمن ان سے چھین کر لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعے سے حضرت طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا۔ جسے دیکھ کر بنو اسرائیل خوش بھی ہوئے اور اسے طالوت کی بادشاہی کے لیے منجانب اللہ نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ان کے لیے ایک اعجاز (آیت) اور فتح وسکینت کا سبب قرار دیا۔ سکینت کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول ہے جو وہ اپنے خاص بندوں پر نازل فرماتا ہے اور جس کی وجہ سے جنگ کی خون ریز معرکہ آرائیوں میں، جس سے بڑے بڑے شیر دل بھی کانپ اٹھتے ہیں، اہل ایمان کے دل دشمن کے خوف اور ہیبت سے خالی اور فتح وکامرانی کی امید سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے تبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت وافادیت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں۔ جس طرح اس تابوت میں یقیناً حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں بن جاتی، جس طرح آج کل ''تبرکات'' کے نام پر کئی جگہوں پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں، جن کا تاریخی طور پر پورا ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح خود ساختہ چیزوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس طرح بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی تمثال بنا کر اپنے پاس رکھنے کو یا گھروں میں لٹکانے کو یا مخصوص طریقے سے اس کے استعمال کو قضائے حاجات اور دفع بلیات کے لیے اکسیر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح قبروں پر بزرگوں کے ناموں کی نذر ونیاز کی چیزوں کو اور لنگر کو متبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غیر اللہ کے نام کا چڑھاوا ہے جو شرک کے دائرے میں آتا ہے، اس کا کھانا قطعاً حرام ہے، قبروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کے پانی کو متبرک سمجھا جاتا ہے، حالانکہ قبروں کو غسل دینا بھی خانہ کعبہ کے غسل کی نقل ہے، جس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ شرک آلود گندا پانی کیسے متبرک ہوسکتا ہے؟ بہر حال یہ سب باتیں غلط ہیں جن کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔

1 یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان ہے۔ (ابن کثیر)

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾

لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا،[1] طالوت مومنین سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے: آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔[2] لیکن اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا، بسااوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں، اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے ○

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾ؕ

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انھوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما○[3]

---

1 اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت تو اس کی اہمیت دو چند بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ دوسرے، جنگ میں کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فوجی اس دوران میں بھوک، پیاس اور دیگر شدائد کو نہایت صبر اور حوصلے سے برداشت کریں، چنانچہ ان دونوں باتوں کی تربیت اور امتحان کے لیے طالوت نے کہا کہ نہر پر تمھاری پہلی آزمائش ہوگی۔ جس نے پانی پی لیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن اس تنبیہ کے باوجود اکثریت نے پانی پی لیا۔ ان کی تعداد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ اسی طرح نہ پینے والوں کی تعداد 313 بتلائی گئی ہے، جو اصحاب بدر کی تعداد ہے۔ واللہ اعلم۔

2 ان اہل ایمان نے بھی، ابتدا میں جب دشمن کی بڑی تعداد دیکھی تو اپنی قلیل تعداد کے پیش نظر اس رائے کا اظہار کیا، جس پر ان کے علماء اور ان سے زیادہ پختہ یقین رکھنے والوں نے کہا کہ کامیابی، تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے اور اللہ کی تائید کے لیے صبر کا اہتمام ضروری ہے۔

3 ﴿جَالُوْتَ﴾ اس دشمن قوم کا کمانڈر اور سربراہ تھا جس سے طالوت اور ان کے رفقاء کا مقابلہ تھا۔ یہ قوم عمالقہ تھی جو اپنے وقت کی بڑی جنگجو اور بہادر قوم سمجھی جاتی تھی۔ ان کی اسی شہرت کے پیش نظر، عین معرکہ آرائی کے وقت اہل ایمان نے بارگاہ الٰہی میں صبر وثبات اور کفر کے مقابلے میں ایمان کی فتح وکامیابی کی دعا مانگی۔ گویا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الٰہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلبگار رہیں، جیسے جنگ بدر میں نبی ﷺ نے نہایت الحاح وزاری سے فتح ونصرت کی دعائیں مانگیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل تعداد کافروں کی بڑی تعداد پر غالب آئی۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿251﴾

چنانچہ اللہ کے حکم سے انھوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی اور داود کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا [1] اور اللہ نے داود کو مملکت و حکمت [2] اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا افضل و کرم کرنے والا ہے ○ [3]

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿252﴾

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنھیں ہم حقانیت کے ساتھ آپ پر پڑھتے ہیں، بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں ○ [4]

---

1 حضرت داود بھی، جو ابھی پیغمبر تھے نہ بادشاہ، اس لشکر طالوت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل تھے۔ ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جالوت کا خاتمہ کیا اور ان تھوڑے سے اہل ایمان کے ذریعے سے ایک بڑی قوم کو شکست فاش دلوائی۔

2 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داود کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت بھی۔ حکمت سے بعض نے نبوت، بعض نے صنعت آہن گری اور بعض نے ان امور کی سمجھ مراد لی ہے، جو اس موقع جنگ پر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔

3 اس میں اللہ کی ایک سنت کا بیان ہے کہ وہ انسانوں ہی کے ایک گروہ کے ذریعے سے، دوسرے انسانی گروہ کے ظلم اور اقتدار کا خاتمہ فرماتا رہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور کسی ایک ہی گروہ کو ہمیشہ قوت و اختیار سے بہرہ ور کیے رکھتا تو یہ زمین ظلم و فساد سے بھر جاتی، اس لیے یہ قانون الٰہی اہل دنیا کے لیے فضل الٰہی کا خاص مظہر ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کی آیت 38 اور 40 میں بھی فرمایا ہے۔

4 یہ گزشتہ واقعات، جو آپ پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں، اے محمد (ﷺ) یقیناً آپ کی رسالت و صداقت کی دلیل ہیں، کیونکہ آپ نے یہ نہ کسی کتاب میں پڑھے ہیں، نہ کسی سے سنے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرما رہا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر گزشتہ امتوں کے واقعات کے بیان کو نبی ﷺ کی صداقت کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اَلْحِزْبُ الْخَامِسُ (3) وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا قف وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (253) ع 33 5 1

یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے،[1] ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کیے ہیں، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔[2] اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آجانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے، لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر، اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے،[3] لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

---

1 قرآن نے ایک دوسرے مقام پر بھی اسے بیان کیا ہے: ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (بنی إسرآءیل 17:55) ’’ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔‘‘ اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے: «لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ» (صحيح البخاري، حديث: 4638، وصحيح مسلم، حديث: 160-(2373)) ’’تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔‘‘ تو اس سے ایک کی دوسرے پر فضیلت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ یہ امت کو انبیاء کی بابت ادب واحترام سکھایا گیا ہے کہ تمھیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا، جن کی بنا پر انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، پورا علم نہیں ہے، اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسرِ شان ہو۔ ورنہ بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر نبی ﷺ کی فضیلت واشرفیت مسلمہ اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوص کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدير)

2 مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ کو دیے گئے تھے، مثلاً: احیائے موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنا) وغیرہ۔ جس کی تفصیل سورۂ آل عمران میں آئے گی۔ روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

3 اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ مطلب اس کا یہ نہیں ہے کہ اللہ کو دین میں اختلاف کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اس کی پسند (رضا) تو یہ ہے کہ تمام انسان اس کی نازل کردہ شریعت کو اپنا کر نارِ جہنم سے بچ جائیں، اسی لیے اس نے کتابیں اتاریں، انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قائم کیا تا آنکہ نبی کریم ﷺ پر رسالت کا خاتمہ فرما دیا۔ اور آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء اور علماء ودعاۃ کے ذریعے سے دعوتِ حق اور

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾

اے ایمان والو! جو ہم نے تمھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور نہ شفاعت [1] اور کافر ہی ظالم ہیں ○

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ

اللہ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند، اس کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں۔کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور

امر بالمعروف ونهي عن الْـمُنْكَرِ کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور اس کی سخت اہمیت و تاکید بیان فرمائی گئی۔کس لیے؟اسی لیے تاکہ لوگ اللہ کے پسندیدہ راستے کو اختیار کریں۔لیکن چونکہ اس نے ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے انسانوں کو کوئی ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ بطور امتحان اسے اختیار اور ارادہ کی آزادی سے نوازا ہے، اس لیے کوئی اس اختیار کا صحیح استعمال کر کے مومن بن جاتا ہے اور کوئی اس اختیار و آزادی کا غلط استعمال کر کے کافر۔یہ اس کی حکمت ومشیت ہے جو اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔

1 یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیشواؤں، یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں۔اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے۔یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اَڑ کر بیٹھ جائیں گے اور بخشوا کر اٹھیں گے۔اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں ایسی کسی شفاعت کا کوئی وجود نہیں۔پھر اس کے بعد آیت الکرسی میں اور دوسری متعدد آیات و احادیث میں بتایا گیا کہ اللہ کے ہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہوگی مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنھیں اللہ اجازت دے گا۔اور صرف اسی بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا۔اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا۔یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیاء و رسل بھی اور شہداء و صالحین بھی۔مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا۔بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ خود اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ ﴾ (الأنبياء21:28)

بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿255﴾

جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، [1] اس کی کرسی کی وسعت [2] نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے، وہ اللہ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے ○

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿256﴾

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو چکی ہے، [3] اس لیے جو شخص اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ○

---

1 یہ آیت الکرسی ہے جس کی صحیح احادیث سے بڑی فضیلت ثابت ہے، مثلاً: یہ آیت قرآن کی اعظم آیت ہے۔ اس کے پڑھنے سے رات کو شیطان سے تحفظ رہتا ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے وغیرہ (ابن کثیر) یہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلال، اس کی علو شان اور اس کی قدرت و عظمت پر مبنی نہایت جامع آیت ہے۔

2 ﴿ كُرْسِيُّهُ ﴾ سے بعض نے مَوْضع قَدَمَيْن (قدم رکھنے کی جگہ)، بعض نے علم، بعض نے قدرت و عظمت، بعض نے بادشاہی اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔ لیکن صفات باری تعالیٰ کے بارے میں محدثین اور سلف کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کی بغیر تاویل اور کیفیت بیان کیے، ان پر ایمان رکھا جائے۔ اس لیے یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ فی الواقع کرسی ہے جو عرش کے علاوہ چیز ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس پر وہ کس طرح مستوی ہے؟ اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔

3 اس کی شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ انصار کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے، پھر جب یہ انصار مسلمان ہو گئے تو انھوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی بن چکے تھے، زبردستی مسلمان بنانا چاہا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شان نزول کے اس اعتبار سے بعض مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے، یعنی مسلمان مملکت میں رہنے والے اہل کتاب اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں تو انھیں قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے، یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے۔ تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر و اکراہ سے مختلف چیز ہے۔ مقصد معاشرے سے اس قوت کا زور اور دباؤ ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہو۔ تاکہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ
النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
ع 34 4/2 النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؏ (257)
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ
وقف لازم اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ
وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ خود ہے، وہ انھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں،

میں داخل ہو جائے۔ چونکہ رکاوٹ بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی، اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی، جیسا کہ حدیث میں ہے: «لَنْ يَّبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا ، يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْـمُسْلِمِيْنَ، حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ» (صحیح مسلم: 1922) ''یہ دین قائم رہے گا اور قیام قیامت تک مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے لیے لڑتی رہے گی۔'' خود نبی ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا ہے اور فرمایا ہے: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ» (صحيح البخاري، حديث: 25) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ» اور «مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ» کا اقرار نہ کر لیں۔'' اسی طرح سزائے ارتداد (قتل) سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ ایسا باور کراتے ہیں۔) کیونکہ ارتداد کی سزا 'قتل' سے مقصود جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہ جانے کی اجازت تو بے شک دی جا سکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر اس سے بغاوت و انحراف کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لہٰذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے۔ کیونکہ اگر یہ اجازت دے دی جاتی تو نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیلتی جو اسلامی معاشرے کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل، چوری، زنا، ڈاکہ اور حرابہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جا سکتی، اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔ یہ جبر و اکراہ نہیں ہے۔ بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل و غارت گری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے۔ ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کا مقصد ملک کو شر و فساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد، ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں۔ آج اسلامی ممالک ان دونوں ہی

بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿258﴾

ابراہیم نے کہا، اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔ اب تو وہ کافر ہکا بکا رہ گیا، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿259﴾

یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ [1] تو اللہ نے اسے مار دیا سو سال کے لیے، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، [2] فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا، اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ [3]

مقاصد کو نظر انداز کر کے جن الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

1 ﴿ اَوْ كَالَّذِیْ ﴾ کا عطف پہلے واقعہ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے (پہلے واقعہ کی طرح) اس شخص کے قصے پر نظر نہیں ڈالی جو ایک بستی سے گزرا...... یہ شخص کون تھا؟ اس کی بابت مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور حضرت عزیر کا نام ہے جس کے بعض صحابہ و تابعین قائل ہیں۔ واللہ أعلم. اس سے پہلے کے واقعے (حضرت ابراہیم علیہ السلام و نمرود) میں صانع، یعنی باری تعالیٰ کا اثبات تھا اور اس دوسرے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت احیائے موتیٰ کا اثبات ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اور اس کے گدھے کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا، حتیٰ کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ وہی اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ جب وہ سو سال کے بعد زندہ کر سکتا ہے تو ہزاروں سال کے بعد بھی زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔

2 مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ شخص مذکور مرا تھا، اس وقت کچھ دن چڑھا ہوا تھا اور جب زندہ ہوا تو ابھی شام نہیں ہوئی تھی، اس سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن گزر گیا ہے اور اگر یہ آج ہی کا واقعہ ہے تو دن کا کچھ حصہ ہی گزرا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کی موت پر سو سال گزر چکے تھے۔

3 یعنی یقین تو مجھے پہلے بھی تھا لیکن اب عینی مشاہدے کے بعد میرے یقین اور علم میں مزید پختگی اور اضافہ ہو گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿260﴾ ع 35/3/3

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ [1] (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا، کیا تمھیں ایمان نہیں؟ جواب دیا: ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا: چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انھیں پکارو، تمھارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب ہے حکمتوں والا ہے ○

1 یہ احیائے موتی مُردوں کو زندہ کرنے کا دوسرا واقعہ ہے جو ایک نہایت جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش اور ان کے اطمینان قلب کے لیے دکھایا گیا۔ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کیے ہیں لیکن ناموں کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے اللہ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کیے۔ بس یہ چار پرندے تھے۔ ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ کے ایک معنی اَمِلْهُنَّ کیے گئے ہیں، یعنی ان کو ''ہلالے'' (مانوس کر لے) تاکہ زندہ ہونے کے بعد ان کو آسانی سے پہچان لے کہ یہ وہی پرندے ہیں اور کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔ اس معنی کے اعتبار سے پھر اس کے بعد ثُمَّ قَطِّعْهُنَّ (پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے) محذوف ماننا پڑے گا۔ دوسرے معنی قَطِّعْهُنَّ (ٹکڑے ٹکڑے کر لے) کیے گئے ہیں۔ اس صورت میں کچھ محذوف مانے بغیر معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر ان کے اجزاء باہم ملا کر رکھ دے، پھر تو آواز دے تو وہ زندہ ہو کر تیرے پاس آ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان پرندوں کے ذبح اور زندہ ہونے کی اجمالی کیفیت پر علمائے سلف کا اجماع ہے۔ اس اجماعی تفسیر کے خلاف سب سے پہلے ابو مسلم معتزلی نے اپنی ذاتی رائے سے ایک نیا مطلب نکال لیا جسے آج کل کے جدت پسند مغرب زدہ طبقے نے عمداً اختیار کیا ہے کہ ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ کا مطلب صرف ''ہلالے'' ہے۔ اور ان کے ٹکڑے کرنے اور پہاڑوں پر ان کے اجزاء بکھیرنے اور پھر اللہ کی قدرت سے ان کے جڑنے کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں، اس سے واقعے کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور مردے کو زندہ کر دکھانے کا سوال جوں کا توں قائم رہتا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفت احیائے موتی اور اس کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے۔ ایک حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کے اس واقعے کا تذکرہ کر کے فرمایا: «نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ» (صحيح البخاري، حديث: 4537) ''ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ حق دار ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے ہم اس معاملے میں شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور جب ہم نے شک نہیں کیا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بطریق اولیٰ شک نہیں کیا ہے۔ مطلب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿261﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا دے [1] اور اللہ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿262﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں، [2] ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے ○

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿263﴾

نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو، [3] اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے ○

نے احیائے موتی کے مسئلے میں کوئی شک نہیں کیا۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے فتح القدیر)

1 یہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت ہے۔ اس سے مراد اگر جہاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاد میں خرچ کی گئی رقم کا یہ ثواب ہوگا اور اگر اس سے مراد تمام مصارف خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات وصدقات نافلہ کی ہوگی اور دیگر نیکیاں «اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا» ''ایک نیکی کا اجر دس گنا'' کی ذیل میں آئیں گی۔ (فتح القدیر) گویا نفقات وصدقات کا عام اجر وثواب دیگر امور خیر سے زیادہ ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اس اہمیت وفضیلت کی وجہ بھی واضح ہے کہ جب تک سامان واسلحہ جنگ کا انتظام نہیں ہوگا، فوج کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی اور سامان واسلحہ رقم کے بغیر مہیا کرنا مشکل ہے۔

2 انفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتلاتا نہ زبان سے ایسا کلمۂ تحقیر ادا کرتا ہے جس سے کسی غریب محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے۔ کیونکہ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا، ان میں ایک احسان جتلانے والا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث:171-(106))

3 سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا یا دعائیہ کلمات (اللہ تعالیٰ تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنے فضل وکرم سے نوازے وغیرہ) سے اس کو جواب دینا قول معروف ہے اور ﴿مَغْفِرَةٌ﴾ کا مطلب سائل کے فقر اور اس کی حاجت کا لوگوں کے سامنے عدم اظہار اور اس کی پردہ پوشی ہے اور اگر سائل کے منہ سے کوئی نازیبا بات نکل جائے تو اس سے چشم پوشی بھی اس میں شامل ہے۔ یعنی سائل سے نرمی وشفقت اور چشم پوشی، پردہ پوشی، اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿264﴾

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو! جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر، اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے،[1] ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ کافروں کی قوم کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا ○

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ

ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو[2] اور زوردار بارش

اس کو لوگوں میں ذلیل ورسوا کر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے: «اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ» (صحیح مسلم، حدیث:56-(1009)) ''پاکیزہ کلمہ بھی صدقہ ہے۔'' نیز نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ» ''تم کسی بھی معروف (نیکی) کو حقیر مت سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث:144-(2626))

1 اس میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ صدقہ وخیرات کر کے احسان جتلانا اور تکلیف دہ باتیں کرنا، اہل ایمان کا شیوہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو منافق ہیں اور ریاکاری کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ دوسرے، ایسے خرچ کی مثال صاف چٹان کی سی ہے جس پر کچھ مٹی ہو، کوئی شخص پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس میں بیج بو دے لیکن بارش کا ایک جھٹکا پڑتے ہی وہ ساری مٹی اس سے اتر جائے اور وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جائے۔ یعنی جس طرح بارش اس پتھر کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی، اسی طرح ریاکار کو بھی اس کے صدقے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

2 یہ ان اہل ایمان کی مثال ہے جو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کا خرچ کیا ہوا مال اس باغ کی مانند ہے جو پرفضا مقام اور بلند چوٹی پر ہو کہ اگر زوردار بارش ہو تو اپنا پھل دگنا دے ورنہ ہلکی سی پھوار اور شبنم بھی اس کو کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے نفقات بھی، چاہے کم ہوں یا زیادہ، عنداللہ کئی کئی گنا اجر وثواب کے باعث ہوں گے ﴿جَنَّةٍ﴾ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اتنی کثرت سے درخت ہوں جو زمین کو ڈھانک لیں یا وہ باغ، جس کے چاروں طرف باڑھ ہو اور باڑھ کی وجہ سے باغ نظروں سے پوشیدہ ہو۔ یہ جن سے ماخوذ ہے، جن اس مخلوق کا نام

اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿265﴾

اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمھارے کام دیکھ رہا ہے ○

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾ ع 36/6/4

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں، اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو، اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ کو بگولا لگ جائے جس میں آگ بھی ہو، پس وہ باغ جل جائے،[1] اسی طرح اللہ تمھارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں

ہے جو نظر نہیں آتی، پیٹ کے بچے کو جنین کہا جاتا ہے کہ وہ بھی نظر نہیں آتا، دیوانگی کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور جنت کو بھی اس لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مستور ہے۔ ﴿بِرَبْوَةٍ﴾ نرم وزرخیز زمین کو کہتے ہیں۔ ﴿وَابِلٌ﴾ تیز بارش۔

1 اسی ریاکاری کے نقصانات کو واضح کرنے اور اس سے بچنے کے لیے مزید مثال دی جا رہی ہے کہ جس طرح ایک شخص کا باغ ہو جس میں ہر طرح کے پھل ہوں (اس سے بھرپور آمدنی کی امید ہو)، وہ شخص بوڑھا ہو جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں (وہ خود بھی ضعف پیری اور کبرسنی کی وجہ سے محنت ومشقت سے عاجز ہو چکا ہو اور اولاد بھی اس کے بڑھاپے کا سہارا تو کیا خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ ہو) اس حالت میں تیز وتند ہوائیں چلیں اور اس کا سارا باغ جل جائے۔ اب نہ وہ خود دوبارہ اس باغ کو آباد کرنے کے قابل رہے نہ اس کی اولاد۔ یہی حال ان ریاکار خرچ کرنے والوں کا قیامت کے دن ہوگا۔ کہ نفاق وریاکاری کی وجہ سے ان کے سارے اعمال اکارت چلے جائیں گے جبکہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مہلت وفرصت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارا یہی حال ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مثال کا مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:4538، وفتح القدير، وتفسير الطبري)

طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾

سے تمھارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو،[1] ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا، جسے تم خود لینے والے نہیں ہو، ہاں اگر آنکھیں بند کرلو تو،[2] اور جان لو کہ اللہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے ○

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿268﴾ۖۙ

شیطان تمھیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے،[3] اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ وسعت والا اور علم والا ہے ○

---

1 صدقے کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ مَنٌّ و اَذٰی (احسان جتلانے اور تکلیف دینے) اور ریا کاری سے پاک ہو (جیسا کہ گزشتہ آیات میں بتایا گیا ہے) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کمائی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار (تجارت وصنعت) کے ذریعے سے ہو یا فصل اور باغات کی پیداوار سے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”خبیث چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد مت کرو۔“ تو خبیث سے ایک تو وہ چیزیں مراد ہیں جو غلط کمائی سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ حدیث میں ہے «إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا» ”اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک (حلال) چیز ہی قبول فرماتا ہے۔“ دوسرے خبیث کے معنی ردی اور نکمی چیز کے ہیں، ردی چیزیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کی جائیں، جیسا کہ آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کا بھی مفاد ہے۔ اس کی شان نزول کی روایت میں بتلایا گیا ہے کہ بعض لوگ جو خیر کی طرف رغبت نہیں رکھتے تھے خراب اور نکمی کھجوریں اہل صفہ کے لیے مسجد میں لٹکا جاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي، حديث: 2987 و سنن ابن ماجه وغيره)

2 یعنی جس طرح تم خود ردی چیزیں لینا پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ کی راہ میں بھی اچھی چیز ہی خرچ کرو۔

3 یعنی بھلے کام میں مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے۔ لیکن برے کام پر خرچ کرنا ہو تو ایسے اندیشوں کو نزدیک نہیں پھٹکنے دیتا۔ بلکہ ان برے کاموں کو اس طرح سجا اور سنوار کر پیش کرتا ہے اور ان کے لیے خفتہ آرزوؤں کو اس طرح جگاتا ہے کہ ان پر انسان بڑی سے بڑی رقم بے دھڑک خرچ کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد، مدرسے یا اور کسی کار خیر کے لیے کوئی چندہ لینے پہنچ جائے تو صاحب مال سو، دو سو کے لیے بار بار اپنے حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اور مانگنے والے کو بسا اوقات کئی کئی بار دوڑاتا اور پلٹاتا ہے۔ لیکن یہی شخص سینما، ٹیلی ویژن، شراب، بدکاری اور مقدمے بازی وغیرہ کے جال میں پھنستا ہے تو اپنا مال بے تحاشا خرچ کرتا ہے۔ اور اس سے کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور تردد کا ظہور نہیں ہوتا۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿269﴾

وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا [1] اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں ○

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿270﴾

تم جتنا کچھ خرچ کرو، یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو [2] اسے اللہ بخوبی جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾

اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے، اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے، [3] اللہ تمھارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تمھارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے ○

---

1 حکمت سے بعض کے نزدیک عقل وفہم، علم اور بعض کے نزدیک اصابت رائے، قرآن کے ناسخ ومنسوخ کا علم وفہم، قوت فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب وسنت کا علم وفہم ہے، یہ سارے ہی مفہوم اس کے مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں۔ صحیحین وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ''دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 73 وصحيح مسلم، حديث:266-(815))

2 نذر کا مطلب ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں ابتلا سے نجات مل گئی تو میں اللہ کی راہ میں اتنا صدقہ کروں گا یا فلاں نیک عمل کروں گا۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نافرمانی یا ناجائز کام کی نذر مانی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ نذر بھی نماز روزہ کی طرح عبادت ہے۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی نذر ماننا اس کی عبادت کرنا ہے جو شرک ہے، جیسا کہ آج کل مشہور قبروں پر نذر و نیاز کا یہ سلسلہ عام ہے، اللہ تعالیٰ اس شرک سے بچائے۔

3 اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے کسی ایسی صورت کے کہ علانیہ صدقہ دینے میں لوگوں کے لیے ترغیب کا پہلو ہو۔ اگر ریاکاری کا جذبہ شامل نہ ہو تو ایسے موقعوں پر پہل کرنے والے جو خاص فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، وہ احادیث سے واضح ہے۔ تاہم اس قسم کی مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر خاموشی سے صدقہ وخیرات کرنا ہی بہتر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ صدقے میں اخفا کی افضلیت کو بعض علماء نے صرف نفلی صدقات

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ
وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ
اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿272﴾

انھیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمے نہیں، بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے۔ تمھیں صرف اللہ کی رضا مندی کی طلب کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے، تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمھیں دیا جائے گا،[1] اور تمھارا حق نہ مارا جائے گا ○

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ
التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ
النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
ع 37 7 5 فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ع ﴿273﴾

صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے، جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے،[2] نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انھیں مال دار خیال کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انھیں پہچان لیں گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے،[3] تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ اس کو جاننے والا ہے ○

تک محدود رکھا ہے اور زکاۃ کی ادائیگی میں اظہار کو بہتر سمجھا ہے۔ لیکن قرآن کا عموم صدقات نافلہ اور واجبہ دونوں کو شامل ہے (ابن کثیر) اور حدیث کا عموم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

1 تفسیری روایات میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے مشرک رشتے داروں کی مدد کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت کے راستے پر لگا دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ تم لوجہ اللہ جو بھی خرچ کرو گے، اس کا پورا اجر ملے گا جس سے یہ معلوم ہوا کہ غیر مسلم رشتے داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا باعث اجر ہے۔ تاہم زکاۃ (و دیگر صدقات واجبہ) صرف مسلمانوں کا حق ہے یہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیے جا سکتے۔

2 اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جو مکہ سے مدینہ آئے اور اللہ کے راستے میں ہر چیز سے کٹ گئے۔ لوجہ اللہ دینی علوم حاصل کرنے والے طلباء اور علماء بھی اس کی ذیل میں آ سکتے ہیں۔

3 گویا اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و غربت کے باوجود وہ ﴿التَّعَفُّفِ﴾ "سوال سے بچنا" اختیار کرتے اور ﴿اِلْحَافًا﴾ "چمٹ کر سوال کرنا" سے گریز کرتے ہیں۔ بعض نے اِلحاف کے معنی کیے ہیں، بالکل سوال نہ کرنا کیونکہ ان کی پہلی صفت عفت بیان کی گئی ہے۔ (فتح القدیر) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح و زاری

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾

جولوگ اپنے مالوں کورات دن چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انھیں خوف ہے اور نہ غمگینی ○

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ

سود خور [1] لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس

نہیں کرتے اور جس چیز کی انھیں ضرورت نہیں ہے اسے لوگوں سے طلب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ الحاف یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود (بطور پیشہ) لوگوں سے مانگے اس مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ ''مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو کھجور یا ایک ایک، دو دو لقمے کے لیے در در پر جا کر سوال کرتا ہے۔ مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے آیت ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ کا حوالہ پیش فرمایا (صحيح البخاري، حديث:4539 وحديث:1476) اس لیے پیشہ ور گداگروں کی بجائے، مہاجرین، دین کے طلباء، علماء اور سفید پوش ضرورت مندوں کا پتہ چلا کر ان کی امداد کرنی چاہیے۔ جو سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسان کی عزت نفس اور خودداری کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے کہ جس کے پاس (مَا يُغْنِي) ہو (اتنا سامان ہو جو اس کو کفایت کرتا ہو) لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے سوال کرے گا تو قیامت والے دن اس کے چہرے پر زخم ہوں گے۔ (سنن أبي داود، حديث:1626، وسنن النسائي، حديث:2593، وسنن ابن ماجه، حديث:1840، وجامع الترمذي، حديث:650) اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ لوگوں سے ہمیشہ سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث:1474، وصحيح مسلم، حديث:103-(1040))

1 ﴿الرِّبٰوا﴾ کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اور شریعت میں اس کا اطلاق ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر ہوتا ہے۔ ربا الفضل، اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیاء میں (یا کیلی و وزنی اشیاء میں) کمی بیشی یا نقد و ادھار کی وجہ سے ہوتا ہے (جس کی تفصیل حدیث میں ہے، مثلاً: گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرے (يَدًا بِيَدٍ) ''ہاتھوں ہاتھ'' ہو۔ اس میں کمی بیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ ہونے کی بجائے، ایک نقد اور دوسری ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں، تب بھی سود ہے۔ رِبَا النَّسِيئَة کا مطلب ہے کسی کو، (مثلاً:) 6 مہینے کے لیے اس شرط پر سو روپے دینا کہ واپسی 125 روپے ہوگی۔ 25 روپے 6 مہینے کی مہلت کے لیے جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا» (فيض القدير شرح الجامع الصغير:4487/9) ''قرض پر لیا گیا نفع سود ہے۔'' یہ قرضہ ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لیے، دونوں قسم کے قرضوں پر لیا گیا سود حرام ہے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضوں کا رواج تھا۔ شریعت نے بغیر کسی قسم

اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا
الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ
الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ
اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

وقف لازم

طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے،[1] یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے،[2] حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ ہے جو گزرا[3] اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے،[4] اور جس نے پھر بھی کیا، وہ جہنمی

کی تفریق کے دونوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضہ (جو عام طور پر بنک سے لیا جاتا ہے) اس پر اضافہ، سود نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرض لینے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کا کچھ حصہ وہ بنک کو یا قرض دہندہ کو لوٹا دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کی قباحت ان متجددین کو نظر نہیں آتی جو اس کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس میں بڑی قباحتیں ہیں، مثلاً: قرض لے کر کاروبار کرنے والے کا منافع تو یقینی نہیں ہے۔ بلکہ منافع تو کجا اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے۔ بعض دفعہ کاروبار میں ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس قرض دہندہ (چاہے وہ بنک ہو یا کوئی ساہوکار) کا منافع متعین ہے جس کی ادائیگی ہر صورت میں لازمی ہے۔ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض ومنفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے معاشرے میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت ومحبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی اور خود غرضی کو فروغ ملتا ہے۔ ایک سرمائے دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی ہے، چاہے معاشرے میں ضرورت مند بیماری، بھوک، افلاس سے کراہ رہے ہوں یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شقاوت وسنگدلی کو کس طرح پسند کرسکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہرحال سود مطلقاً حرام ہے، چاہے ذاتی ضرورت کی خاطر لیے گئے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر۔

1 سود خور کی یہ کیفیت قبر سے اٹھتے وقت یا میدان محشر میں ہوگی۔

2 حالانکہ تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں نفع نقصان کا امکان رہتا ہے، جبکہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، علاوہ ازیں بیع کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر یہ دونوں ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟

3 قبول ایمان کے بعد یا علم ہو جانے پر توبہ کے بعد پچھلے سود پر گرفت نہیں ہوگی۔

4 کہ وہ توبہ پر ثابت قدم رہتا ہے یا سوءِ عمل اور فساد نیت کی وجہ سے اسے حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿275﴾
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿276﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا
بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿279﴾

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۗ
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿280﴾

ہے، ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ○
اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے [1] اور اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا ○
بے شک جو لوگ ایمان کے ساتھ نیک کام کرتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی اور غم ○
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایماندار ہو ○
اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، [2] ہاں اگر توبہ کر لو تو تمھارا اصل مال تمھارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے ○ [3]
اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور صدقہ کرو تو تمھارے لیے بہت ہی بہتر

لیے اس کے بعد دوبارہ سود لینے والے کے لیے وعید ہے۔

1 یہ سود کی معنوی اور روحانی مضرتوں اور صدقے کی برکتوں کا بیان ہے۔ سود میں بظاہر بڑھوتری نظر آتی ہے لیکن معنوی حساب سے یا مآل (انجام) کے اعتبار سے سودی رقم ہلاکت و بربادی ہی کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اب یورپی ماہرین معیشت بھی کرنے لگے ہیں۔

2 یہ ایسی سخت وعید ہے کہ قرآن مجید میں اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔ (ابن کثیر)

3 تم اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمھاری طرف سے ظلم ہوگا اور اگر تمھیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہوگا۔

ہے،[1] اگر تم میں علم ہو ○

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿281﴾

38 ع 8 6

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو،[3] اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ

---

1 زمانۂ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود، اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا، جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک اسے مہلت دے دو اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس بابرکت اور پر رحمت نظام الٰہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت وافادیت کو سمجھ سکیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔

2 بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ﷺ (ابن کثیر)

3 جب سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقات وخیرات کی تاکید بیان کی گئی تو پھر ایسے معاشرے میں دیون (قرضوں) کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ سود تو ویسے ہی حرام ہے اور ہر شخص صدقہ وخیرات کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہر شخص صدقہ لینا پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر اپنی ضروریات وحاجات پوری کرنے کے لیے قرض ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس میں بے احتیاطی یا تساہل جھگڑوں کا باعث بھی ہے۔ اس لیے اس آیت میں، جسے آیت الدین کہا جاتا ہے اور جو قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلے میں ضروری ہدایات دی ہیں تاکہ یہ ناگزیر ضرورت لڑائی جھگڑے کا باعث نہ بنے۔ اس کے لیے ایک حکم یہ دیا گیا ہے کہ مدت کا تعین کر لو، دوسرا یہ کہ اسے لکھ لو، تیسرا یہ کہ اس پر مسلمانوں میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو۔

فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْــًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْــَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ

نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ دینا چاہیے اور جس کے ذمے حق ہو [1] وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں، جس شخص کے ذمے حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنھیں تم گواہوں میں سے پسند کرلو، [2] تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے، [3] اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے،

---

1 اس سے مراد مقروض ہے، یعنی وہ اللہ سے ڈرتا ہوا رقم کی صحیح تعداد لکھوائے، اس میں کمی نہ کرے۔ آگے کہا جا رہا ہے کہ یہ مقروض اگر کم عقل یا کمزور بچہ یا مجنون ہے تو اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھوا لے تاکہ صاحب حق (قرض دینے والے) کو نقصان نہ ہو۔

2 یعنی جن کی دین داری اور عدالت پر تم مطمئن ہو۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس نص سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ نیز مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں، سوائے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جبکہ دوسرے گواہ کی جگہ مدعی قسم کھالے۔ فقہائے احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، جبکہ محدثین اس کے قائل ہیں کیونکہ حدیث سے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے اور دو عورتیں جب ایک مرد گواہ کے برابر ہیں تو دو عورتوں اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی جائز ہوگا۔ (فتح القدیر)

3 یہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت و حکمت ہے، یعنی عورت عقل اور یادداشت میں مرد سے کمزور ہے (جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 304 و صحیح مسلم، حدیث: 79 میں بھی عورت کو ناقص العقل کہا گیا ہے) اس میں عورت کے استخفاف اور فروتری کا اظہار نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ ایک فطری کمزوری کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر مبنی ہے۔ مکابرۃً کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو اور بات ہے۔ لیکن حقائق و واقعات کے اعتبار سے یہ ناقابل تردید ہے۔

صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (282)

خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی ہے اور بہت قریب ہے اس سے کہ تم شک میں نہ پڑو، [1] ہاں، یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو [2] اور یاد رکھو کہ نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو [3] اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمھاری کھلی نافرمانی ہے، اللہ سے ڈرو، [4] اللہ تمھیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضے میں رکھ لیا کرو، [5] ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے سے

---

1 یہ لکھنے کے فوائد ہیں کہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے، گواہی بھی درست رہے گی کہ گواہ کے بھولنے، شک کرنے، فوت یا غائب ہونے کی صورت میں بھی تحریر کام آئے گی کہ اسے یاد آ جائے گا اور بھول اور شک دور ہو جائے گا اور شک وشبہ واختلاف سے بھی فریقین محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ شک واختلاف پڑنے کی صورت میں تحریر دیکھ کر شک دور کر لیا جا سکتا ہے۔

2 نقد سودے کو نہ لکھنے میں گناہ تو نہیں تاہم اس پر گواہ بنانا ضروری ہے بالخصوص جب فروخت شدہ چیز زیادہ قدر وقیمت والی ہو، مثلاً: زمین، مکان، دکان، باغ، حیوانات، گاڑیاں وغیرہ۔ جبکہ بعض مفسرین نے اسے امرِ ارشادی کہا ہے۔ (أیسر التفاسیر، وتفسیر اللباب: 4/504)

3 ان کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ دور دراز کے علاقے میں ان کو بلایا جائے کہ جس سے ان کی مصروفیات میں حرج یا کاروبار میں نقصان ہو یا ان کو جھوٹی بات لکھنے یا اس کی گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔

4 یعنی جن باتوں کی تاکید کی گئی ہے، ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے، ان سے اجتناب کرو۔

5 اگر سفر میں قرض کا معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آ جائے اور وہاں لکھنے والا یا کاغذ پنسل وغیرہ نہ ملے تو اس کی متبادل صورت بتلائی جا رہی ہے کہ قرض لینے والا کوئی چیز دائن (قرض دینے والے) کے پاس رہن (گروی) رکھ دے۔ اس سے گروی کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾ ع 39/2/7

مطمئن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔[1] اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپا لے وہ گنہگار دل والا ہے[2] اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے ○

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ اس کا حساب تم سے لے گا۔[3] پھر جسے چاہے بخشے

جو کے بدلے گروی رکھی تھی۔ (صحیح البخاري، حدیث:2513) تاہم اگر مَرْھُونَۃٌ (گروی رکھی ہوئی چیز) ایسی ہے جس سے نفع موصول ہوتا ہے تو اس نفع کا حق دار مالک ہوگا نہ کہ دائن۔ البتہ اس پر دائن کا اگر کچھ خرچ ہوتا ہے تو اس سے وہ اپنا خرچہ وصول کر سکتا ہے۔ باقی نفع مالک کو ادا کرنا ضروری ہے اور اگر مرہونہ چیز دودھ والا جانور ہو یا سواری والا تو اس پر خرچہ کے بدلے اس جانور کا دودھ لے لینا اور اس پر سواری کرنا دائن (قرض دینے والے) کے لیے جائز ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔

1 یعنی اگر ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو بغیر گروی رکھے بھی ادھار کا معاملہ کر سکتے ہو۔ امانت سے مراد یہاں قرض ہے، اللہ سے ڈرتے ہوئے اسے صحیح طریقے سے ادا کرے۔

2 گواہی کا چھپانا کبیرہ گناہ ہے، اس لیے اس پر سخت وعید یہاں قرآن میں اور احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی لیے صحیح گواہی دینے کی فضیلت بھی بڑی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’وہ سب سے بہتر گواہ ہے جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی از خود گواہی کے لیے پیش ہو جائے۔‘‘ «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا» (صحیح مسلم، حدیث:19-(1719)) ایک دوسری روایت میں بدترین گواہ کی نشان دہی بھی فرما دی گئی ہے۔ «يَشْهَدُونَ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشْهَدُوا» (صحیح البخاري، حدیث:6428، و صحیح مسلم، حدیث:213-(2534)و اللفظ له) ’’یہ وہ لوگ ہیں جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی گواہی دیتے ہیں۔‘‘ مطلب ہے جھوٹی گواہی دے کر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نیز آیت میں دل کا خاص ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ کتمان دل کا فعل ہے۔ علاوہ ازیں دل تمام اعضاء کا سردار ہے اور یہ (مُضْغَہ) گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر یہ صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر اس میں فساد آ جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ «أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ» (صحیح البخاري، حدیث: 52)

3 احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بڑے پریشان ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿284﴾

اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ اور اس

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نماز، روزہ، زکاۃ اور جہاد وغیرہ یہ سارے اعمال، جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ہم بجالاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں۔ لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت ہی سے ماورا ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرما دیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: فی الحال تم ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ ہی کہو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ سمع وطاعت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے آیت: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔'' سے منسوخ فرما دیا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) صحیحین وسنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے: «إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ» (صحيح البخاري، حديث: 2528، وصحيح مسلم، حديث:201-(127)) ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے، البتہ ان پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار زبان سے کر دیا جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں گزرنے والے خیالات پر محاسبہ نہیں ہوگا، صرف ان پر محاسبہ ہوگا جو پختہ عزم و ارادہ میں ڈھل جائیں یا عمل کا قالب اختیار کر لیں۔ اس کے برعکس امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ محاسبہ معاقبہ کو لازم نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا بھی محاسبہ کرے، اس کو سزا بھی ضرور دے بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا کرے گا لیکن بہت سے لوگ ہوں گے کہ محاسبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا بلکہ بعض کے ساتھ تو یہ معاملہ فرمائے گا کہ اس کا ایک ایک گناہ یاد کرا کے ان کا اس سے اعتراف کروائے گا اور پھر فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں ان پر پردہ ڈالے رکھا، آج میں ان کو معاف کرتا ہوں۔ (یہ حدیث صحيح البخاري، حديث: 6070، وصحيح مسلم، حديث:52-(2768)) میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں نسخ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ اسے وضاحت کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام کے دل میں جو شبہ اس آیت سے پیدا ہوا تھا، اسے آیت: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ اور حدیث: «إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي .... » وغیرہ سے دور کر دیا گیا۔ اس طرح ناسخ منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿285﴾

کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے،[1] انھوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں، اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿286﴾ ع

40 ع 3 8

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما! اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر! تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما ○

---

1 اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت اور اس کے فضل وکرم کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسانوں کو کسی ایسی بات کا مکلّف نہیں کیا ہے جو ان کی طاقت سے بالا ہو۔ ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4008، وصحيح مسلم، حديث: 255-(807)) یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب رات کے قیام سے کافی ہو جانا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے نبی ﷺ کو معراج کی رات جو تین چیزیں ملیں، ان میں سے ایک سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیات بھی ہیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 279-(173)) کئی روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورت کی آخری آیات نبی ﷺ کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے۔ اور یہ آیات آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ (مسند أحمد: 147/4، والسنن الكبرى للنسائي: 15/5، والمعجم الكبير للطبراني: 283/17، وشعب الإيمان للبيهقي: 461/2، حديث: 2404، والمستدرك للحاكم: 562/1، وسنن الدارمي: 321/2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس سورت کے خاتمے پر آمین کہا کرتے تھے۔ (ابن كثير)

اٰيَاتُهَا: 200 (3) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (89) رُكُوْعَاتُهَا: 20

سورۂ آل عمران مدنی ہے اس میں 200 آیات اور 20 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ ⓵

الٓمّٓ ○

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ⓶

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کو تھامنے والا ہے ○ [2]

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ ⓷

جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے، [3] جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو اتارا تھا ○

1 یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں مختلف اوقات میں ہجرت کے بعد اتری ہیں۔ اور اس کا ابتدائی حصہ، یعنی 83 آیات تک عیسائیوں کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے جو 9 ہجری میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ عیسائیوں نے آ کر نبی ﷺ سے اپنے عیسائی عقائد اور اسلام کے بارے میں مذاکرہ و مباحثہ کیا، جس کا رد کیا گیا، پھر جب جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اظہارِ حق اور دلائل کے باوجود وفد نجران نے راہ عناد اختیار کی تو آخری فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا اور انھیں دعوت مباہلہ دی گئی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ کیا جائے۔

2 ﴿الْحَيُّ﴾ اور ﴿الْقَيُّوْمُ﴾ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں حي کا مطلب وہ ازل سے زندہ ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔ قیوم کا مطلب ساری کائنات کا قائم رکھنے والا، محافظ اور نگران، ساری کائنات اس کی محتاج وہ کسی کا محتاج نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ یا ابن اللہ یا تین آلہہ میں سے ایک مانتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانۂ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت عرصے بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمھارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انھیں مخلوق کی بجائے الوہی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا۔ نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے بھی ہمکنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے بقول ہمکنار ہو چکے۔ احادیث میں آتا ہے کہ تین آیتوں میں اللہ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سے دعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوتی۔ ایک یہی آل عمران کی آیت۔ دوسری آیت الکرسی میں ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ تیسری سورۂ طٰہٰ میں ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ (ابن كثير، تفسير آيت الكرسي)

3 یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④

اس سے پہلے، لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر،[1] اور قرآن بھی اسی نے اتارا،[2] جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لیے نہایت سخت عذاب ہے اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے ○

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ؕ ⑤

یقیناً اللہ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ○

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥

وہ ماں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بناتا ہے،[3] اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ غالب ہے، حکمت والا ہے ○

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ

وہی اللہ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔[4] پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس

---

1 اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے، یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں، ان کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔ اگر یہ کسی اور کی طرف سے یا انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہوتا تو ان میں باہم مطابقت کی بجائے مخالفت ہوتی۔

2 یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں، اس لیے کہ ان کے اتارنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ تاہم اس کے بعد ﴿ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴾ دوبارہ کہہ کر وضاحت فرما دی کہ اب تورات و انجیل کا دور ختم ہوگیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے، وہ فرقان ہے اور اب صرف وہی حق و باطل کی پہچان ہے، اس پر ایمان لائے بغیر عند اللہ کوئی مسلمان اور مومن نہیں۔

3 خوب صورت یا بدصورت، مذکر یا مؤنث، نیک بخت یا بد بخت، ناقص الخلقت یا تام الخلقت۔ جب رحم مادر میں یہ سارے تصرفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ کس طرح ہو سکتے ہیں جو خود بھی اسی مرحلۂ تخلیق سے گزر کر دنیا میں آئے ہیں جس کا سلسلہ اللہ نے رحم مادر میں قائم فرمایا ہے۔

4 ﴿ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر و نواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم بذاتِ خود واضح اور اٹل ہے یا دیگر دلائل سے اس کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہو اور ان کے سمجھنے میں کسی کو اشکال پیش نہیں

فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ (وقف لازم) وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے، حالانکہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا[1] اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں ○

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے ○

آ تا۔ اس کے برعکس "آیات متشابہات" ہیں، مثلاً: حروف مقطعات، قضاء و قدر کے مسائل، حقیقت ملائکہ وغیرہ، یعنی ماورائے عقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات: استوا، علو، قدم، چہرہ وغیرہ معنی کے لحاظ سے محکم اور کیفیت کے لحاظ سے متشابہ ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ: 26/5) وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے سے "فتنے" برپا کرتے ہیں، جیسے عیسائی ہیں۔ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبداللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے۔ لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے، اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں۔ یہی حال اہل بدعت کا ہے۔ قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھڑ رکھے ہیں، وہ انھی "متشابہات" کو بنیاد بناتے ہیں اور بسا اوقات "محکمات" کو بھی اپنے فلسفیانہ استدلال کے گورکھ دھندے سے "متشابہات" بنا دیتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ ان کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان محکمات پر عمل کرتا ہے اور "متشابہات" کے مفہوم کو بھی (اگر اس میں اشتباہ ہو) محکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ قرآن نے انھی کو "اصل کتاب" قرار دیا ہے۔ جس سے وہ فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور عقائد کی گمراہی سے بھی۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

1 تاویل کے ایک معنی تو ہیں "کسی چیز کی اصل حقیقت۔" اس معنی کے اعتبار سے ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف ضروری ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت واضح طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تاویل کے دوسرے معنی ہیں: "کسی چیز کی تفسیر و تعبیر اور بیان و توضیح۔" اس اعتبار سے ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف کی بجائے ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ پر بھی وقف درست ہے کیونکہ مضبوط علم والے بھی صحیح تفسیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں۔ "تاویل" کے یہ دونوں معنی قرآن کریم

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (9) ع

اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ (10)

بلاشبہ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذاب سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی، وہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں ○

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (11)

جیسا آل فرعون کا حال ہوا، اور ان کا جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پھر اللہ نے بھی انھیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب والا ہے ○

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (12)

کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے [1] اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (13)

یقیناً تمھارے لیے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو باہم مدمقابل ہوئیں، ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انھیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے [2] اور اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے۔ یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لیے بڑی عبرت ہے ○

کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (ملخص از ابن کثیر)

1 یہاں کافروں سے مراد یہودی ہیں۔ اور یہ پیش گوئی جلد ہی پوری ہوگئی۔ چنانچہ بنوقینقاع اور بنونضیر جلا وطن کیے گئے، بنوقریظہ قتل کیے گئے۔ پھر خیبر فتح ہوگیا اور تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

2 یعنی ہر فریق، دوسرے فریق کو اپنے سے دوگنا دیکھتا تھا۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، انھیں مسلمان دو ہزار کے قریب دکھائی دیتے تھے۔ مقصد اس سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھانا تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر (یا 313) تھی، انھیں کافر 600 اور 700 کے درمیان نظر آتے تھے۔ دراں حالیکہ ان کی اصل تعداد ہزار کے قریب (3 گنا) تھی۔ مقصد اس سے مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں اضافہ کرنا تھا۔ اپنے سے تین گنا دیکھ کر ممکن تھا کہ مسلمان مرعوب ہو جاتے۔ جب وہ تین گنا کی بجائے دوگنا نظر آئے تو ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِيۡنَ وَالۡقَنَاطِيۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَيۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ⑭

مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کر دی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی،[1] یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے ○

لیکن یہ دگنا دیکھنے کی کیفیت ابتدا میں تھی، پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تاکہ کوئی بھی فریق لڑائی سے گریز نہ کرے بلکہ ہر ایک پیش قدمی کی کوشش کرے۔ (ابن کثیر) یہ تفصیل سورۂ انفال، آیت:44 میں بیان کی گئی ہے۔ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے جو ہجرت کے بعد دوسرے سال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پیش آیا۔ یہ کئی لحاظ سے نہایت اہم جنگ تھی۔ ایک تو اس لیے کہ یہ پہلی جنگ تھی۔ دوسرے، یہ جنگی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کے لیے نکلے تھے جو شام سے سامان تجارت لے کر مکہ جا رہا تھا مگر اطلاع مل جانے کی وجہ سے وہ اپنا قافلہ تو بچا کر لے گیا لیکن کفار مکہ اپنی طاقت و کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں پر چڑھ دوڑے اور مقام بدر میں یہ پہلا معرکہ برپا ہوا۔ تیسرے، اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی، چوتھے، اس میں کافروں کو عبرت ناک شکست ہوئی، جس سے آئندہ کے لیے کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔

1 ﴿ الشَّهَوٰتِ ﴾ سے مراد یہاں مُشْتَهِيَاتٌ ہیں، یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں۔ اسی لیے ان میں رغبت اور ان کی محبت ناپسندیدہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے۔ ان کی تَزْيِين بھی اللہ کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ ﴿ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ ﴾ (الكهف 7:18) ''ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں۔'' سب سے پہلے عورت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہر بالغ انسان کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور سب سے زیادہ مرغوب بھی۔ خود نبی ﷺ کا فرمان ہے: «حُبِّبَ إِلَيَّ النِّسَاءُ وَالطِّيبُ» (مسند أحمد:199/3) ''عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہیں۔'' اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو ''دنیا کی سب سے بہتر متاع'' قرار دیا ہے: «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» اس لیے اس کی محبت شریعت کے دائرے سے تجاوز نہ کرے تو یہ بہترین رفیق زندگی بھی ہے اور زاد آخرت بھی۔ ورنہ یہی عورت مرد کے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے: «مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» (صحيح البخاري، حديث:5096) ''میرے بعد جو فتنے رونما ہوں گے، ان میں مردوں کے لیے سب سے بڑا مضر فتنہ عورتوں کا ہے۔'' اسی طرح بیٹوں کی محبت ہے۔ اگر اس سے مقصد

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ﴿15﴾

آپ کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے [1] اور پاکیزہ بیویاں [2] اوراللہ کی رضا مندی ہے، سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں ○

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿16﴾

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا ○

مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور بقا وتکثیر نسل ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ میں قیامت والے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔'' اس آیت سے رہبانیت کی تردید اور تحریک خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ہوتی ہے کیونکہ ﴿الْبَنِيْنَ﴾ جمع ہے۔ مال و دولت سے بھی مقصود قیام معیشت، صلہ رحمی، صدقہ وخیرات اور اسے امور خیر میں خرچ کرنا اور سوال سے بچنا ہے تاکہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو اس کی محبت بھی عین مطلوب ہے ورنہ مذموم۔ گھوڑوں سے مقصد جہاد کی تیاری، دیگر جانوروں سے کھیتی باڑی اور بار برداری کا کام لینا اور زمین سے اس کی پیداوار حاصل کرنا ہو تو یہ سب پسندیدہ ہیں اور اگر مقصود محض دنیا کمانا اور پھر اس پر فخر وغرور کا اظہار کرنا اور یاد الٰہی سے غافل ہو کر عیش وعشرت سے زندگی گزارنا ہے تو یہ سب مفید چیزیں اس کے لیے وبال جان ثابت ہوں گی۔ ﴿الْقَنَاطِيْرِ﴾، قِنطار (خزانہ) کی جمع ہے۔ مراد ہے خزانے، یعنی سونے چاندی اور مال و دولت کی فراوانی اور کثرت۔ ﴿الْمُسَوَّمَةِ﴾ وہ گھوڑے جو چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑے گئے ہوں یا جہاد کے لیے تیار کیے گئے ہوں یا نشان زدہ، جن پر امتیاز کے لیے کوئی نشان یا نمبر لگا دیا جائے۔ (فتح القدير وابن كثير)

1 اس آیت میں اہل ایمان کو بتلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مذکورہ چیزوں میں ہی مت کھو جانا بلکہ ان سے بہتر تو وہ زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں جو رب کے پاس ہے، جس کے مستحق اہل تقویٰ ہی ہوں گے۔ اس لیے تم تقویٰ اختیار کرو۔ اگر یہ تمھارے اندر پیدا ہو گیا تو یقیناً تم دین ودنیا کی بھلائیاں اپنے دامن میں سمیٹ لو گے۔

2 پاکیزہ، یعنی وہ دنیاوی میل کچیل، حیض ونفاس اور دیگر آلودگیوں سے پاک ہوں گی اور پاک دامن ہوں گی۔ اس سے اگلی دو آیات میں اہل تقویٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿17﴾

جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں ○

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿18﴾ ؕ

اللہ فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں [1] اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ○

النّصف

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا

بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، [2] اور اہل

---

1 شہادت کے معنی، بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا، اس کے ذریعے سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (فتح القدیر) فرشتے اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب وسنت کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ (فتح القدیر)

2 اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید و رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین وایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کر لینا، یہ اسلام نہیں نہ اس سے ہی نجات آخرت ملے گی۔ ایمان واسلام اور دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی ایک معبود کی عبادت کی جائے، محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا جائے۔ اور نبی ﷺ کی ذات پر رسالت کا خاتمہ تسلیم کیا جائے اور ایمانیات کے ساتھ ساتھ وہ عقائد واعمال اختیار کیے جائیں جو قرآن کریم میں یا حدیث رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب اس دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عنداللہ قبول نہیں ہوگا۔ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○﴾ (آل عمران 3:85) نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ﴾ (الأعراف 7:158) ''کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ ○﴾ (الفرقان 25:1) ''برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تا کہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو۔'' اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنے، پھر مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا،

اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲

کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے [1] اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے، [2] بلاشبہ اللہ اس کا جلد حساب لینے والا ہے ○

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑳ ع 2/11/10

پھر بھی اگر یہ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہہ دیں کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا چہرہ مطیع کر دیا اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں [3] سے کہہ دیجیے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے ○

وہ جہنمی ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 240-(153)) مزید فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ» (مسند أحمد: 145/5، وصحیح مسلم، حدیث: 3-(152)) "میں احمر و اسود (تمام انسانوں کے لیے) نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" اسی لیے آپ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ (صحیحین بحوالہ ابن کثیر)

1 ان کے اس باہمی اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو ایک ہی دین کے ماننے والوں نے آپس میں برپا کر رکھا تھا، مثلاً: یہودیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں، اسی طرح عیسائیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں۔ پھر وہ اختلاف بھی مراد ہے جو اہل کتاب کے درمیان آپس میں تھا۔ اور جس کی بنا پر یہودی نصرانیوں کو اور نصرانی یہودیوں کو کہا کرتے تھے: "تم کسی چیز پر نہیں ہو۔" نبوت محمدی اور نبوت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ سارے اختلافات دلائل کی بنیاد پر نہیں تھے، محض حسد اور بغض و عناد کی وجہ سے تھے، یعنی وہ لوگ حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض اپنے خیالی دنیاوی مفاد کے چکر میں غلط بات پر جمے رہتے اور اس کو دین باور کراتے تھے۔ تاکہ ان کی ناک بھی اونچی رہے اور ان کا عوامی حلقۂ ارادت بھی قائم رہے۔ افسوس آج بعض علماء ان ہی غلط مقاصد کے لیے ٹھیک اسی غلط ڈگر پر چل رہے ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَ اِيَّانَا.

2 یہاں ان آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو اسلام کے دین الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

3 ان پڑھ لوگوں سے مراد مشرکین عرب ہیں جو اہل کتاب کے مقابلے میں بالعموم ان پڑھ تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿21﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل وانصاف کی بات کہیں انھیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں [1] تو اے نبی! انھیں دردناک عذابوں کی خبر دے دیجیے! ○

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿22﴾

ان کے اعمال دنیا وآخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ○

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾

کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لیے اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، پھر بھی ان کی ایک جماعت منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے ○ [2]

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَّغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِھِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾

اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند دن ہی آگ جلائے گی، ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انھیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ○ [3]

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾

پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم انھیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں؟ اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○ [4]

---

1 یعنی ان کی سرکشی وبغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی انھوں نے ناحق قتل نہیں کیا بلکہ ان تک کو بھی قتل کر ڈالا جو عدل وانصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین مخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ نبیوں کے ساتھ ان کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت وفضیلت بھی واضح کر دی۔

2 ان اہل کتاب سے مراد مدینے کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام، مسلمانوں اور نبی ﷺ کے خلاف مکروہ سازشوں میں مصروف رہے تا آنکہ ان کے دو قبیلوں کو جلاوطن اور ایک قبیلے کو قتل کر دیا گیا۔

3 یعنی کتاب اللہ کے ماننے سے گریز واعراض کی وجہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے۔ اور انھی من گھڑت باتوں نے انھیں دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے۔

4 قیامت والے دن ان کے یہ دعوے اور غلط عقائد کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ بے لاگ انصاف کے ذریعے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ
تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ
مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ
الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿26﴾

آپ کہہ دیجیے: اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، [1] بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ○

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي
الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾

تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، [2] تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے، [3] تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے ○

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، [4] اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی کسی

سے ہر نفس کو، اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا، کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

1 اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت وطاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات کا مالک وہی ہے۔ اَلْخَيْرُ بِيَدِكَ کی بجائے ﴿ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ (خبر کی تقدیم) سے مقصود تخصیص ہے، یعنی تمام بھلائیاں صرف تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تیرے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔ ''شر'' کا خالق بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ذکر صرف خیر کا کیا گیا ہے، شر کا نہیں۔ اس لیے کہ خیر اللہ کا فضل محض ہے، بخلاف شر کے کہ یہ انسان کے اپنے عمل کا بدلہ ہے جو اسے پہنچتا ہے یا اس لیے کہ شر بھی اس کے قضا وقدر کا حصہ ہے جو خیر کو متضمن ہے، اس اعتبار سے اس کے تمام افعال خیر ہیں۔ فَأَفْعَالُهُ كُلُّهَا خَيْرٌ (فتح القدير)

2 رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا مطلب موسمی تغیرات ہیں۔ رات لمبی ہوتی ہے تو دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور دوسرے موسم میں اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یعنی کبھی رات کا حصہ دن میں اور کبھی دن کا حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے رات اور دن چھوٹے یا بڑے ہو جاتے ہیں۔

3 جیسے نطفہ (مردہ) پہلے زندہ انسان سے نکالتا ہے پھر اس مردہ (نطفہ) سے انسان۔ اسی طرح مردہ انڈے سے پہلے مرغی اور پھر زندہ مرغی سے انڈہ (مردہ) یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا فرماتا ہے۔

4 ﴿ اَوْلِيَآءَ ﴾ وَلِيٌّ کی جمع ہے۔ ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے محبت اور خصوصی تعلق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اہل ایمان کا ولی قرار دیا ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (البقرة 2:257) یعنی ''اللہ اہل ایمان کا ولی

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا
مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ
وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾
قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿29﴾
يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ
مُّحْضَرًا ۛۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛۚ تَوَدُّ
لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ
بِالْعِبَادِ ﴿30﴾ ع 3/10/11
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو،[1] اور اللہ خود تمھیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ○

کہہ دیجیے کہ خواہ تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ، خواہ ظاہر کرو اللہ سب کو جانتا ہے، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پا لے گا، آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے ○

کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو،[2] خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے

ہے۔'' مطلب یہ ہوا کہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے محبت اور خصوصی تعلق ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں۔ کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی دشمن ہیں۔ تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہوسکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کافروں کی موالات (دوستی) اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہوسکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی۔ اسی طرح جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے (جس کی تفصیل سورۂ ممتحنہ میں ہے) کیونکہ یہ سارے معاملات، موالات (دوستی و محبت) سے مختلف ہیں۔

1 یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو کسی کافر حکومت میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

2 یہود اور نصاریٰ دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے، بالخصوص عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تعظیم و محبت میں جو اتنا غلو کیا کہ انھیں درجۂ الوہیت پر فائز کر دیا، اس کی بابت بھی ان کا خیال تھا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿31﴾
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿33﴾

گناہ معاف فرمادے گا [1] اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○
کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○ [2]
بے شک اللہ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم، نوح اور ابراہیم کے خاندان اور عمران کے خاندان کا انتخاب فرمالیا ○ [3]

کہ ہم اس طرح اللہ کا قرب اور اس کی رضا و محبت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے دعووں اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میرے آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کا اتباع کرو۔ اس آیت نے تمام دعوے داران محبت کے لیے ایک کسوٹی اور معیار مہیا کر دیا ہے کہ محبت الٰہی کا طالب اگر اتباع محمد ﷺ کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر تو یقیناً وہ کامیاب ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے، ورنہ وہ جھوٹا بھی ہے اور اس مقصد کے حصول میں ناکام بھی رہے گا۔ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم ، حدیث:18-(1718)) ”جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، یعنی ہمارے بتلائے ہوئے طریقے سے مختلف ہے تو وہ مسترد ہے۔“

1 یعنی اتباع رسول ﷺ کی وجہ سے تمھارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اور یہ کتنا اونچا مقام ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ایک انسان کو محبوبیت کا مقام مل جائے۔

2 اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی پھر تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔ اس آیت میں حجیت حدیث کے منکرین اور اتباع رسول ﷺ سے گریز کرنے والوں دونوں کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ .

3 انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں دو عمران ہوئے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد اور دوسرے مریم علیہا السلام کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں اور اس خاندان کو بلند درجہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام مفسرین نے حنة بنت فاقوذ لکھا ہے۔ (تفسير القرطبي و ابن كثير) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آل عمران کے علاوہ مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ان میں پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنھیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انھیں مسجود ملائک بنایا، انھیں اسماء کا علم

ذُرِّيَّةً ۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۚ﴿۳۴﴾

کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں [1] اور اللہ سنتا جانتا ہے ○

اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لَـكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّىۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۵﴾

جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے [2] کی نذر مانی، تو میری طرف سے قبول فرما! یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے ○

فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَلَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى ۚ وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۳۶﴾

جب بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں، [3] میں نے اس کا نام مریم رکھا، [4] میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ○ [5]

عطا کیا اور انھیں جنت میں رہائش پذیر کیا، جس سے پھر انھیں زمین میں بھیج دیا گیا جس میں اس کی بہت سی حکمتیں تھیں۔ دوسرے حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انھیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا گیا جب لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا، انھیں عمر طویل عطا کی گئی، انھوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی لیکن چند افراد کے سوا، کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ بالآخر آپ کی بددعا سے اہل ایمان کے سوا، دوسرے تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا۔ آل ابراہیم کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان میں انبیاء و سلاطین کا سلسلہ قائم کیا اور بیشتر پیغمبر آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ حتی کہ کائنات میں علی الاطلاق سب سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے، اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔

1 یا دوسرے معنی ہیں دین میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار۔

2 ﴿مُحَرَّرًا﴾ ''تیرے نام آزاد'' کا مطلب تیری عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف۔

3 اس جملے میں حسرت کا اظہار بھی ہے اور اعتذار بھی۔ حسرت، اس طرح کہ میری امید کے برعکس لڑکی ہوئی ہے اور اعتذار اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہی ہے۔ (فتح القدير)

4 حافظ ابن کثیر نے اس آیت سے اور دیگر احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچے کا نام ولادت کے پہلے روز رکھنا درست ہے اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تمام احادیث پر بحث کر کے آخر میں لکھا ہے کہ پہلے روز، تیسرے روز یا ساتویں روز نام رکھا جا سکتا ہے، اس مسئلے میں گنجائش ہے۔ وَالۡأَمۡرُ فِيهِ وَاسِعٌ ۔(تحفة المودود، ص: 110)

5 اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿37﴾

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی، اس کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بنایا،[1] جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے،[2] وہ پوچھتے: اے مریم! یہ روزی تمھارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے ○

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿38﴾

اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے ○

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا

پس فرشتوں نے اسے آواز دی، جب کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تجھے یحییٰ کی یقینی

(چھوتا) ہے جس سے وہ چیختا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مس شیطان سے حضرت مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ) علیہما السلام کو محفوظ رکھا ہے۔ «مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ إِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطٰنُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَّسِّهِ إِيَّاهُ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا» (صحيح البخاري، حديث: 4548، وصحيح مسلم، حديث: 146-(2366))

1 حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھی، اس لیے بھی، علاوہ ازیں اپنے وقت کے پیغمبر ہونے کے لحاظ سے بھی وہی سب سے بہتر کفیل بن سکتے تھے جو حضرت مریم علیہا السلام کی مادی ضروریات اور علمی و اخلاقی تربیت کے تقاضوں کا صحیح اہتمام کر سکتے تھے، اس لیے قرعہ ان کے نام نکلا۔

2 ﴿الْمِحْرَابَ﴾ سے مراد حجرہ ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام رہائش پذیر تھیں۔ رزق سے مراد پھل فروٹ ہیں۔ یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے، گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں ان کے کمرے میں موجود ہوتے، دوسرے حضرت زکریا علیہ السلام یا کوئی اور شخص لا کر دینے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے از راہ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی طرف سے۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔ معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے، یعنی جو ظاہری، مخفی اور عادی تمام اسباب کے خلاف ہو۔ یہ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں۔ تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ وہ معجزہ اور کرامت، جب چاہے،

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿39﴾
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِىۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿40﴾
قَالَ رَبِّ اجۡعَل لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرْ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿41﴾ ع 4/11/12

خوشخبری دیتا ہے [1] جو اللہ کے کلمے کی تصدیق کرنے والا، [2] سردار، ضابطِ نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے ○
کہنے لگے: اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے ○
کہنے لگے: پروردگار! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کردے، فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کرسکے گا، صرف اشارے سے سمجھائے گا، تو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کر اور صبح وشام اسی کی تسبیح بیان [3] کرتا رہ! ○

صادر کردے۔ اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی تو دلیل ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے، جیسا کہ اہل بدعت اولیاء کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انھیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کردیتے ہیں اس کی مزید وضاحت بعض معجزات کے ضمن میں آئے گی، إن شاء الله.

1 بے موسمی پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے۔ چنانچہ انھوں نے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔

2 اللہ کے کلمے کی تصدیق سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ ایک قول کی رو سے دونوں آپس میں خالہ زاد تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے، سورۂ مریم، آیت: 8 کا حاشیہ) ﴿سَيِّدًا﴾ کے معنی ہیں: سردار ﴿حَصُوۡرًا﴾ کے معنی ہیں: گناہوں سے پاک، یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتے گویا کہ ان کو ان سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی حصور بمعنی محصور، بعض نے اس کے معنی نامرد کے کیے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک عیب ہے جبکہ یہاں ان کا ذکر مدح اور فضیلت کے طور پر کیا گیا ہے۔

3 بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوش خبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے آپ لوگوں سے ہم کلام نہیں ہوسکیں گے۔ جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہوگی لیکن تو اس خاموشی میں

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿42﴾

اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کرلیا اور تجھے پاک کردیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کرلیا ○ [1]

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾

اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ○

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں، تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے گا؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا ○ [2]

کثرت سے صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کیا کرتا کہ اس نعمت الٰہی کا، جو تجھے ملنے والی ہے، شکر ادا ہو۔ یہ گویا سبق دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری طلب کے مطابق تمھیں مزید نعمتوں سے نوازے تو اسی حساب سے اس کا شکر بھی زیادہ سے زیادہ کرو۔

1 حضرت مریم علیہا السلام کا یہ شرف وفضل ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی خَيْرُ نِسَائِهَا ''سب عورتوں میں بہتر'' کہا گیا ہے۔ (متفق علیہ) ایک اور روایت میں ہے، مردوں میں تو بہت کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ (فرعون کی بیوی) اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے (صحيح البخاري، حديث:3411، وصحيح مسلم، حديث: 70-(2431)) اور سنن ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے (ابن کثیر) اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی یا یہ کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں فضیلت رکھتی تھیں۔ واللہ أعلم۔

2 آج کل کے اہل بدعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ان کے اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اس آیت سے ان دونوں عقیدوں کی واضح تردید ہوتی ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ''ہم غیب کی خبریں آپ کو بیان کر رہے ہیں۔'' کیونکہ جس کو پہلے ہی علم ہو، اس کو اس طرح نہیں کہا جاتا اور اسی طرح حاضر وناظر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب لوگ قرعہ اندازی کے لیے قلمیں ڈال رہے تھے۔ قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے اور بھی کئی خواہش مند تھے۔ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ 45

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ 46

جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک کلمے [1] کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ [2] ابن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ میرے مقربین میں سے ہے ○

وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی، [3] اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا ○

سے نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی صداقت کا اثبات بھی ہے جس میں یہودی اور عیسائی شک کرتے تھے کیونکہ وحی شریعت پیغمبر ہی پر آتی ہے، غیر پیغمبر پر نہیں۔

1 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ، یعنی کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس، باپ کے بغیر، اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمۂ کُن کی تخلیق ہے۔

2 ﴿اَلْمَسِيْحُ﴾ مسح سے ہے أَيْ مَسِيحُ الْأَرْضِ یعنی کثرت سے زمین کی سیاحت کرنے والا یا اس کے معنی ہاتھ پھیرنے والا ہیں کیونکہ آپ ہاتھ پھیر کر مریضوں کو باذن اللہ شفایاب فرماتے تھے۔ ان دونوں معنوں کے اعتبار سے یہ فعیل بمعنی فاعل ہے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ یا تو بمعنی مفعول، یعنی مَمْسُوحُ الْعَيْنِ ''اس کی ایک آنکھ کانی ہوگی'' کے اعتبار سے ہے یا وہ بھی چونکہ کثرت سے دنیا میں پھرے گا اور مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے سوا ہر جگہ پہنچے گا، اس لیے اسے بھی اَلْمَسِيحُ الدَّجَّال کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) عام اہل تفسیر نے عموماً یہی بات درج کی ہے۔ کچھ اور محققین کہتے ہیں کہ مسیح یہود و نصاریٰ کی اصطلاح میں بڑے مَأْمُورٌ مِّنَ اللهِ پیغمبر کو کہتے ہیں، یعنی ان کی یہ اصطلاح تقریباً اولوالعزم پیغمبر کے ہم معنی ہے۔ دجال کو مسیح اس لیے کہا گیا ہے کہ یہود کو جس انقلاب آفریں مسیح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور جس کے وہ غلط طور پر اب بھی منتظر ہیں، دجال اسی مسیح کے نام پر آئے گا، یعنی اپنے آپ کو وہی مسیح قرار دے گا۔ مگر وہ اپنے اس دعویٰ سمیت تمام دعووں میں دجل و فریب کا اتنا بڑا پیکر ہوگا کہ اولین و آخرین میں اس کی کوئی مثال نہ ہوگی اس لیے وہ الدجال کہلائے گا۔ اور عیسیٰ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ عربی اور عَاسَ يَعُوسُ سے مشتق ہے جس کے معنی سیاست و قیادت کے ہیں۔ (تفسیر القرطبي، و فتح القدیر)

3 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مہد (گہوارے) میں گفتگو کرنے کا ذکر خود قرآن کریم کی سورۂ مریم میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں دو اور بچوں کا ذکر ہے۔ ایک صاحب جریج اور ایک بنی اسرائیلی عورت کا بچہ (صحیح البخاري، حدیث: 3436) اس روایت میں جن تین بچوں کا ذکر ہے، ان سب کا تعلق بنو اسرائیل سے ہے کیونکہ ان کے علاوہ صحیح مسلم میں اصحاب الاخدود کے قصے میں بھی شیر خوار بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ بعض نے ان کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ

قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی يَكُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿47﴾

کہنے لگیں، الٰہی! مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہوجا! تو وہ ہوجاتا ہے[1] ○

وَ يُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ﴿48﴾ۚ

اللہ اسے لکھنا[2] اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا ○

وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ۬ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـَٔةِ الطَّيۡرِ فَاَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا، میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمھارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں،[3] پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کردیتا ہوں اور مردے کو زندہ کر دیتا ہوں[4]

صحیحین کی روایت میں مذکور بچے گہوارے میں بولنے والے تھے، جبکہ کھائی میں گرنے والا بچہ گہوارے میں نہیں تھا۔ اس طرح ان کے مابین منافات نہیں رہتی۔ اور شاہد یوسف، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اثر کے مطابق بچہ نہیں تھا (جیسا کہ مشہور ہے) بلکہ وہ ذو لحیہ (داڑھی والا) تھا (السلسلة الضعيفه: 273/2) ﴿ كَهۡلًا ﴾ (ادھیڑ عمر) میں کلام کرنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ بڑے ہوکر وحی اور رسالت سے سرفراز کیے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا قیامت کے قریب جب آسمان سے نزول ہوگا جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے جو صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے تو اس وقت جو وہ اسلام کی تبلیغ کریں گے، وہ کلام مراد ہے۔ (تفسير ابن كثير و القرطبي)

1 تیرا تعجب بجا لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ وظاہریہ کا سلسلہ ختم کر کے حکم کن سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کردے۔

2 کتاب سے مراد کتابت (لکھنا) ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے یا انجیل و تورات کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا۔ (قرطبي) یا تورات وانجیل، الکتاب اور الحکمة کی تفسیر ہے۔

3 ﴿ اَخۡلُقُ لَكُمۡ ﴾ أَيْ أُصَوِّرُ وَأُقَدِّرُ لَكُمْ (قرطبی) یعنی خلق یہاں پیدائش کے معنی میں نہیں ہے، اس پر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ یہاں اس کے معنی ظاہری شکل وصورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔

4 دوبارہ ﴿ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کے حکم سے۔'' کہنے سے مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوجائے

تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿49﴾

اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمھیں بتا دیتا ہوں، اس میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایماندار ہو ○

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿50﴾

اور میں توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں [1] اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لایا ہوں، اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو! ○

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿51﴾

یقین مانو! میرا اور تمھارا رب اللہ ہی ہے، تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے ○ [2]

کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں۔ نہیں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہی ہوں۔ یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے، معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تا کہ اس کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بڑا زور تھا، انھیں ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہوگئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انھیں مردہ کو زندہ کر دینے، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا گیا جو کوئی بھی بڑے سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ہمارے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، چنانچہ انھیں قرآن جیسا فصیح و بلیغ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اور ادباء و شعراء عاجز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔ (ابن کثیر)

1 اس سے مراد یا تو وہ بعض چیزیں ہیں جو بطور سزا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کردی تھیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو ان کے علماء نے اپنے طور پر حرام کر رکھی تھیں، اللہ کا حکم نہیں تھا۔ (تفسیر القرطبي) یا ایسی چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو انھوں نے آپس کے جھگڑوں کے نتیجے میں غلط طور پر حرام قرار دی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس غلطی کا ازالہ کر کے انھیں حلال قرار دیا۔ (ابن کثیر)

2 یعنی میرا اور تمھارا خالق اور پرورش کرنے والا اللہ ہی ہے، لہٰذا جب خالق و مربی وہ ہے تو عبادت کے لائق بھی

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيۡسٰى مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ قَالَ الۡحَـوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ‌ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ‌ۚ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿52﴾

پس جب عیسیٰ نے ان کا کفر محسوس کر لیا [1] تو کہنے لگے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہے؟ [2] حواریوں [3] نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں ○

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿53﴾

اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی، پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے ○

وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ‌ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ﴿54﴾ ع

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے ○ [4]

وہی ہے تو تم سب اسی کی عبادت کرو۔ اس لیے سیدھا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

1 یعنی ایسی گہری سازشیں اور مشکوک حرکتیں جو کفر، یعنی حضرت مسیح کی رسالت کے انکار پر مبنی تھیں۔

2 بہت سے نبیوں نے اپنی قوم کے ہاتھوں تنگ آ کر ظاہری اسباب کے مطابق اپنی قوم کے باشعور لوگوں سے مدد طلب کی ہے۔ جس طرح خود نبی ﷺ نے بھی ابتدا میں، جب قریش آپ کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے تو آپ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے پر آمادہ کرتے تھے تاکہ آپ رب کا کلام لوگوں تک پہنچا سکیں، جس پر انصار نے لبیک کہا اور نبی ﷺ کی انھوں نے قبل ہجرت اور بعد ہجرت مدد کی۔ اسی طرح یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد طلب فرمائی۔ یہ وہ مدد نہیں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے طلب کی جاتی ہے کیونکہ وہ تو شرک ہے اور ہر نبی شرک کے سد باب ہی کے لیے آتا رہا ہے، پھر وہ خود شرک کا ارتکاب کس طرح کر سکتے تھے؟ لیکن قبر پرستوں کی غلط روش قابل افسوس ہے کہ وہ فوت شدہ اشخاص سے مدد مانگنے کے جواز کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول: ﴿مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ سے استدلال کرتے ہیں؟ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

3 ﴿الۡحَـوَارِيُّوۡنَ﴾ حَوَارِيٌّ کی جمع ہے بمعنی انصار (مددگار) جس طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ» (صحيح البخاري، حديث: 2846) ”ہر نبی کا کوئی مددگار خاص ہوتا ہے اور میرا مددگار زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے۔“

4 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیر نگیں تھا، یہاں ان کی طرف سے جو حکمران مقرر تھا،

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿55﴾

جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں [1] اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں [2] اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر (غالب) رکھنے والا ہوں قیامت کے دن تک، [3] پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، میں ہی تمھارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا ○

وہ کافر تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس حکمران کے کان بھر دیے کہ یہ نَعُوذُ بِاللّٰہِ بغیر باپ کے اور فسادی ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی جگہ ان کے ہم شکل ایک آدمی کو انھوں نے سولی دے دی اور سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے ''مکر'' عربی زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اور اس معنی میں یہاں اللہ تعالیٰ کو خیر الماکرین کہا گیا ہے۔ گویا مکر، سَيِّءٌ (برا) بھی ہو سکتا ہے، اگر غلط مقصد کے لیے ہو اور خیر (اچھا) بھی ہو سکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لیے ہو۔

1 (اَلْمُتَوَفِّي) کا مصدر تَوَفِّي اور مادہ وَفْيٌ ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں، انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اسی لیے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے۔ نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیے جاتے ہیں اس لیے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی اور اصل معنی پورا پورا لینے کے ہی ہیں۔ ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ میں یہ اسی اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی اے عیسیٰ ! میں تجھے یہودیوں کی سازش سے بچا کر پورا پورا اپنی طرف آسمانوں پر اٹھا لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بعض نے اس کے مجازی معنی کے شہرت استعمال کے مطابق موت ہی کے معنی کیے ہیں لیکن اس کے ساتھ انھوں نے کہا ہے کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے، یعنی لفظ ﴿وَ رَافِعُكَ﴾ کو مؤخر رکھا گیا ہے اور ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ کو مقدم، یعنی ترتیب اس طرح ہے کہ میں تجھے اٹھانے والا ہوں اور (دوبارہ نزول کے بعد مقررہ وقت پر) فوت کرنے والا ہوں، یعنی یہودیوں کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہوگا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

2 اس سے مراد ان الزامات سے پاکیزگی ہے جن سے یہودی آپ کو متہم کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے آپ کی صفائی دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی۔

3 اس سے مراد یا تو نصاریٰ کا وہ دنیاوی غلبہ ہے جو یہودیوں پر قیامت تک رہے گا، گو وہ اپنے غلط عقائد کی وجہ سے نجات اخروی سے محروم ہی رہیں گے۔ یا امت محمدیہ کے افراد کا غلبہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی

فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؗ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿56﴾

پھر کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ○

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿57﴾

لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ ان کا ثواب پورا پورا دے گا اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ○

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿58﴾

یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے ○

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿59﴾

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال کی طرح ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا ○

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿60﴾

تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے، خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا ○

فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ ﴿61﴾

اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں ○ [1]

تصدیق کرتے اور ان کے صحیح اور غیر محرف دین کی پیروی کرتے ہیں۔

1 یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے۔ مباہلہ کے معنی ہیں: دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت، یعنی بددعا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف و نزاع ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اس پر لعنت فرما۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ 9 ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ جو غلو آمیز عقائد رکھتے تھے اس پر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔ نبی ﷺ نے دلائل دیے لیکن وفد نجران نے عناد کی راہ اختیار کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے انھیں مباہلہ کی دعوت دی۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿62﴾

یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے، اور کوئی معبود برحق نہیں بجز اللہ کے، اور بے شک اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے ○

ع 6/9 14 فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿63﴾ ع

پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے ○

قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿64﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، [1] نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے ہی کو رب بنائیں۔ [2] پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں ○ [3]

کو بھی ساتھ لیا اور عیسائیوں سے کہا کہ تم بھی اپنے اہل وعیال کو بلا لو اور پھر مل کر جھوٹے پر لعنت کی بد دعا کریں۔ عیسائیوں نے باہم مشورہ کے بعد مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور پیش کش کی کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرما دیا جس کی وصولی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو، جنھیں آپ ﷺ نے امین امت کا خطاب عنایت فرمایا تھا، ان کے ساتھ بھیجا (ملخص از تفسیر ابن کثیر و فتح القدیر) اس سے اگلی آیت میں اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کو دعوت توحید دی جا رہی ہے۔

1 کسی بت کو نہ صلیب کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ بلکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت رہی ہے۔

2 یہ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر کی ربوبیت (رب ہونے) کا جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے یہ غلط ہے، وہ رب نہیں ہیں انسان ہی ہیں۔ دوسرا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے اپنے احبار ور ہبان کو حلال وحرام کرنے کا جو اختیار دے رکھا ہے، یہ بھی ان کو رب بنانا ہے جیسا کہ آیت ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ﴾ الآية (التوبة 9: 31) اس پر شاہد ہے، تمہارا یہ عمل بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ حلال وحرام کا اختیار بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

3 صحیح بخاری میں ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ہرقل شاہ روم کو مکتوب تحریر فرمایا اور اس میں اسے اس آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی اور اسے کہا کہ تو مسلمان ہو جائے گا تو تجھے دہرا اجر ملے گا، ورنہ ساری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ «فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، أَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کی بابت کیوں جھگڑتے ہو، حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد نازل کی گئیں، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ؟ ○ [1]
سنو! تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمھیں علم تھا، پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں؟ [2] اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○
ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ خالص مسلمان تھے، [3] وہ مشرک بھی نہ تھے ○

عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ» (صحيح البخاري، حديث: 7) ''اسلام قبول کرلے، سلامتی میں رہے گا۔ اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے قبول اسلام سے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔'' کیونکہ رعایا کے عدم قبول اسلام کا سبب تو ہی ہوگا۔ اس آیت میں مذکور تین نکات، یعنی ① صرف اللہ کی عبادت کرنا ② اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ③ اور کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دینا، وہ کلمۂ سواء ہے جس پر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی گئی۔ لہٰذا اس امت کے شیرازہ کو جمع کرنے کے لیے بھی ان ہی تینوں نکات اور اس کلمۂ سواء کو بدرجہ اولیٰ اساس وبنیاد بنانا چاہیے۔

1 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، حالانکہ تورات، جس پر یہودی ایمان رکھتے تھے اور انجیل جسے عیسائی مانتے تھے، دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد نازل ہوئیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کس طرح ہوسکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا اور حضرت ابراہیم وعیسیٰ علیہما السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ (تفسير القرطبي)

2 تمھارے علم ودیانت کا تو یہ حال ہے کہ جن چیزوں کا تمھیں علم ہے، یعنی اپنے دین اور اپنی کتاب کا، اس کی بابت تمھارے جھگڑے (جس کا ذکر پچھلی آیت میں کیا جاچکا ہے) بے اصل بھی ہیں اور بے عقلی کا مظہر بھی۔ تو پھر تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں سرے سے علم ہی نہیں ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان اور ان کی ملت حنیفیہ کے بارے میں، جس کی اساس توحید واخلاص پر ہے۔

3 ﴿حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ ''یک طرفہ خالص مسلمان'' یعنی شرک سے بیزار اور صرف خدائے واحد کے پرستار۔

اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‌ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿68﴾

سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے [1]، مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے ○

وَدَّتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿69﴾

اہلِ کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کہ تمھیں گمراہ کر دے، دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں ○ [2]

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿70﴾

اے اہل کتاب تم باوجود گواہ (قائل) ہونے کے پھر بھی دانستہ اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو؟ ○ [3]

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ

اے اہل کتاب! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ ○ [4]

---

1 مراد نبی کریم ﷺ اور مومنین صادقین ہیں کیونکہ شریعت اسلامیہ، ملت حنیفیہ کے سب سے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو ملت ابراہیمی کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ﴿اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا﴾ (النحل 16: 123) علاوہ ازیں حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِنَ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ وَلِيِّي أَبِي وَخَلِيلُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ» (جامع الترمذي، حديث: 2995.) ''ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ خاص دوست ہوتے ہیں، میرے ولی (دوست) میرے باپ اور میرے رب کے خلیل (ابراہیم) ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

2 یہ یہودیوں کے اس حسد و بغض کی وضاحت ہے جو وہ اہل ایمان سے رکھتے تھے اور اسی عناد کی وجہ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔

3 قائل ہونے کا مطلب ہے کہ تمھیں نبی کریم ﷺ کی صداقت وحقانیت کا علم ہے۔

4 اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کر کے انھیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے، پہلا جرم حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تا کہ لوگوں پر حق اور باطل واضح نہ ہو سکے۔ دوسرا کِتْمَانِ حَق، یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے، انھیں لوگوں سے چھپانا تا کہ نبی ﷺ کی صداقت کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہو سکے۔ اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بدبختی دو چند ہو گئی تھی۔ ان کے جرائم کی نشان دہی سورۂ بقرہ میں بھی کی گئی ہے: ﴿وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ○﴾ (البقرة 2:42)

تَعْلَمُوْنَ ﴿71﴾ ع 7/8 15

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿72﴾

اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں ○ [1]

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿73﴾ ۚ

اور سوائے تمھارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ [2] آپ کہہ دیجیے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے [3] (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم دیے گئے ہو، [4] یا یہ کہ یہ تم سے تمھارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے، آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے

''حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق مت چھپاؤ اور تم جانتے ہو۔'' اہل کتاب کے لفظ کو بعض مفسرین نے عام رکھا ہے، جس میں یہود ونصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ یعنی دونوں کو ان جرائم مذکورہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد صرف وہ قبائل یہود ہیں جو مدینے میں رہائش پذیر تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا براہ راست انھی سے معاملہ تھا اور یہی نبی ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بعد کے یہودیوں میں یہ اوصاف موجود نہیں ہوں گے۔

1 یہ یہودیوں میں سے ایک فرقے کے ایک اور مکر کا ذکر ہے۔ جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے کہ انھوں نے باہم طے کیا کہ صبح کو مسلمان ہو جائیں اور شام کو پھر اپنے دین میں واپس آ جائیں۔ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی اپنے اسلام کے بارے میں شک پیدا ہو کہ یہ لوگ قبول اسلام کے بعد دوبارہ اپنے دین میں واپس چلے گئے ہیں تو ممکن ہے کہ اسلام میں ایسے عیوب اور خامیاں ہوں جو ان کے علم میں آئی ہوں۔

2 یہ آپس میں انھوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب (یہود) کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت رکھنا۔

3 یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس سے ان کے مکر وحیلہ کی اصل حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے حیلوں سے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو ہدایت دے دے یا دینا چاہے، تمھارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

4 یہ بھی یہودیوں کا قول ہے اور اس کا عطف ﴿ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا ﴾ پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمھارے اندر نبوت وغیرہ رہی ہے، یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور اس طرح یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی حق ہوسکتا ہے۔

يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿74﴾

وَمِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿75﴾

چاہے اسے دے، اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے ○ [1] وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر بھی امانت رکھو تو وہ مانگنے پر تمھارے حوالے کر دے، اور کوئی ان میں سے ایسا بھی ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تمھیں ادا نہ کرے الاّ یہ کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں ○ [2]

1 اس آیت کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ دن چڑھتے ایمان لاؤ اور دن اترتے کفر کرو تاکہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذبذب ہو کر مرتد ہو جائیں تو ان شاگردوں کو مزید یہ تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہراً مسلمان ہونا، حقیقتاً اور واقعتاً مسلمان نہ ہو جانا بلکہ یہودی ہی رہنا۔ اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمھیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے یا تمھارے بجائے کوئی اور حق پر ہے جو تمھارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے۔ اور تمھیں غلط ٹھہرا سکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر ﴿عِنۡدَ رَبِّكُمۡ﴾ تک یہود کا قول ہوگا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمھیں اس بات کا غم اور جلن ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی و شریعت اور دین تمھیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور کو کیوں دے دیا گیا۔ دوسرے تمھیں یہ اندیشہ اور خطرہ بھی ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمھیں دنیا میں جو جاہ و وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا۔ بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے اس کا پردہ بھی فاش ہو جائے گا۔ اور اس بنا پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمھارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے۔ حالانکہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے۔ اور یہ کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے۔

2 ﴿الۡاُمِّيّٖنَ﴾ ''ان پڑھ، جاہل'' سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ یہود کے خائن لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ چونکہ مشرک ہیں اس لیے ان کا مال ہڑپ کر لینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر جھوٹ

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾

کیوں نہیں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا کرلے اور پرہیز گاری کرے، تو اللہ بھی ایسے پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے ○ [1]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿77﴾

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ [2]

بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کا مال ہڑپ کر جانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ اور بعض تفسیری روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی یہ سن کر فرمایا کہ ”اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا، زمانۂ جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تلے ہیں، سوائے امانت کے کہ وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی، چاہے وہ کسی نیکوکار کی ہو یا بدکار کی۔“ (ابن کثیر و فتح القدیر) افسوس ہے کہ یہود کی طرح آج بعض مسلمان بھی مشرکین کا مال ہڑپ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ دارالحرب کا سود جائز ہے۔ لیکن ان کا علمی دوغلا پن دیکھیے کہ جس ملک کو دارالحرب کہہ کر اس طرح کا مال کھاتے ہیں اس سے لڑنے کے لیے کبھی تنکا بھی نہیں اٹھاتے۔

1 ”قرار پورا کرے“ کا مطلب، وہ عہد پورا کرے جو اہل کتاب سے یا ہر نبی کے واسطے سے ان کی امتوں سے نبی ﷺ پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا ہے اور ”پرہیز گاری کرے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچے اور ان باتوں پر عمل کرے جو نبی ﷺ نے بیان فرمائیں۔ ایسے لوگ یقیناً مواخذۂ الٰہی سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ محبوب باری تعالیٰ ہوں گے۔

2 مذکورہ افراد کے برعکس دوسرے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دو طرح کے لوگوں کو شامل ہے ایک تو وہ لوگ جو عہد الٰہی اور اپنی قسموں کو پس پشت ڈال کر تھوڑے سے دنیٰ مفادات کے لیے نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچتے یا کسی کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 2356، وصحيح مسلم، حديث:220-(138)) نیز فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعے سے اپنا سودا بیچتا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث:171-(106)) متعدد احادیث میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (ابن كثير و فتح القدير)

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿78﴾

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں، اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ○ [1]

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿79﴾

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ، [2] تمھارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمھارے کتاب پڑھنے کے سبب ○ [3]

---

1 یہ یہود کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے کتاب الٰہی (تورات) میں نہ صرف تحریف وتبدیلی کی بلکہ دو جرم اور بھی کیے کہ ایک تو زبان کو مروڑ کر کتاب کے الفاظ پڑھتے جس سے عوام کو خلاف حقیقت تاثر دینے میں وہ کامیاب رہتے۔ دوسرے، وہ اپنی خود ساختہ باتوں کو من عند اللہ باور کراتے۔ بدقسمتی سے امت محمدیہ کے مذہبی پیشواؤں میں بھی، نبی ﷺ کی پیش گوئی «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» ’’تم اپنے سے پہلی امتوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے۔‘‘ کے مطابق بکثرت ایسے لوگ ہیں جو دنیوی اغراض یا جماعتی تعصب یا فقہی جمود کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں۔ پڑھتے قرآن کی آیت ہیں اور مسئلہ اپنا خود ساختہ بیان کرتے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے مسئلہ قرآن سے بیان کیا ہے دراں حالیکہ اس مسئلے کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یا پھر آیات میں معنوی تحریف وملمع سازی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ باور یہی کرایا جائے کہ یہ من عند اللہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

2 یہ عیسائیوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہوا ہے، حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنھیں کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پجاری اور بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ۔ ﴿رَبّٰنِيّٖنَ﴾ رَبَّانِي واحد جو رب کی طرف منسوب ہے، نون اور الف کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسے بڑی داڑھی والے کو لَحْيَانِيٌّ، بڑی لٹوں والے کو جُمَّانِيٌّ اور موٹی گردن والے کو رَقَبَانِيٌّ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

3 یعنی کتاب اللہ کی تعلیم وتدریس کے نتیجے میں رب کی شناخت اور رب سے خصوصی ربط وتعلق قائم ہونا چاہیے۔ اسی طرح کتاب اللہ کا علم رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی قرآن کی تعلیم دے۔ اس آیت سے واضح

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ
اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ
8 ع 9 16 مُّسْلِمُوْنَ ۝ۧ 80
وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ
اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ
عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ
فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ 81

اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمھیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمھارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمھیں کفر کا حکم دے گا؟ ○ [1]

جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب وحکمت دوں پھر تمھارے پاس وہ رسول آئے جو تمھارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمھارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ [2] فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا: تو اب گواہ رہو اور

ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیں تو کسی اور کو یہ حق کیوں کر حاصل ہوسکتا ہے؟ اس میں ان علماء ومشائخ کے لیے سخت زجر وتوبیخ ہے جو اپنی طرف سے شریعت سازی کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

1 یعنی نبیوں اور فرشتوں (یا کسی اور) کو رب والی صفات کا حامل باور کرانا یہ کفر ہے۔ تمھارے مسلمان ہو جانے کے بعد ایک نبی یہ کام بھلا کس طرح کرسکتا ہے؟ کیونکہ نبی کا کام تو ایمان کی دعوت دینا ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا نام ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول میں یہ بات بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ آپ کو سجدہ کریں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر) اور بعض نے اس کی شان نزول میں یہ کہا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جمع ہو کر نبی ﷺ سے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت وپرستش کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ، اس بات سے کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا حکم دیں، اللہ نے مجھے نہ اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا حکم ہی دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر بحوالہ سیرۃ ابن ھشام)

2 یعنی ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اس کی زندگی اور دور نبوت میں اگر دوسرا نبی آئے گا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہوگا، جب نبی کی موجودگی میں آنے والے نئے نبی پر خود اس نبی کا ایمان لانا ضروری ہے تو ان کی امتوں کے لیے تو اس نئے نبی پر ایمان لانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے ﴿رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ﴾ سے الرّسُول کا مفہوم مراد لیا ہے، یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت تمام نبیوں سے عہد لیا گیا کہ اگر ان کے دور میں وہ آجائیں تو اپنی نبوت ختم کر کے ان پر ایمان لانا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلے معنی میں یہ دوسرا مفہوم ازخود ہی

خود میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں ○

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿82﴾

پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں ○ [1]

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾

کیا وہ اللہ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے، [2] سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى

آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء

آ جاتا ہے۔ اس لیے الفاظ قرآن کے اعتبار سے پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے اور اس مفہوم کے لحاظ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ نبوت محمدی کے سراج منیر کے بعد کسی بھی نبی کا چراغ نہیں جل سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے اوراق پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔'' (مسند أحمد:266/4، و سنن الدارمي ايضًا: 78/1 و حسنه الألباني، تعليق المشكاة:68/1) بہر حال اب قیامت تک واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نجات انھی کی اطاعت میں منحصر ہے نہ کہ کسی امام کی تقلید یا کسی بزرگ کی بیعت میں۔ جب کسی پیغمبر کا سکہ اب نہیں چل سکتا تو کسی اور کی ذات غیر مشروط اطاعت کی مستحق کیونکر ہو سکتی ہے؟ ﴿ اِصْرِ ﴾ بمعنی عہد اور ذمہ ہے۔

1 یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر اہل مذاہب کو تنبیہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد بھی ان پر ایمان لانے کی بجائے، اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنا اس عہد کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے واسطے سے ہر امت سے لیا اور اس عہد سے انحراف کفر ہے۔ فسق یہاں کفر کے معنی میں ہے کیونکہ نبوت محمدی سے انکار صرف فسق نہیں، سراسر کفر ہے۔

2 جب آسمان اور زمین کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے باہر نہیں، چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ تو پھر تم اس کے سامنے سرافگندگی (قبول اسلام) سے کیوں گریز کرتے ہو؟ اگلی آیات میں ایمان لانے کا طریقہ بتلا کر (کہ ہر نبی اور ہر منزل کتاب پر بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے) پھر کہا جا رہا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں ہو گا، کسی اور دین کے پیرو کاروں کے حصے میں سوائے گھاٹے کے اور کچھ نہیں آئے گا۔

وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿84﴾

اللہ کی طرف سے دیے گئے، ان سب پر ایمان لائے،[1] ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾

جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا ○

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾

اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد کافر ہو جائیں، اللہ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا ○

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾

ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو ○

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾

جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انھیں مہلت دی جائے گی ○

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾

مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○[2]

1 یعنی تمام سچے نبیوں پر ایمان لانا کہ وہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کی طرف سے مبعوث تھے، نیز ان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان کی بابت بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ آسمانی کتابیں تھیں جو واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، ضروری ہے۔ گو اب عمل صرف قرآن کریم ہی پر ہوگا کیونکہ قرآن نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔

2 انصار میں سے ایک مسلمان مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جا ملا لیکن جلد ہی اسے ندامت ہوئی اور اس نے لوگوں کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ هَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ ''کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟'' اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (سنن النسائي، حديث:4073، وصحيح ابن حبان: 329/10، والمستدرك للحاكم:366/4) ان آیات سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے کیونکہ اس نے حق کو پہچاننے کے بعد بغض وعناد اور سرکشی سے حق سے اعراض وانکار کیا۔ تاہم اگر کوئی خلوص دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے، اس کی توبہ قابل قبول ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا
كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الضَّآلُّوْنَ ﴿90﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا
وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿91﴾ ع 9 11 17

بے شک جو لوگ [1] اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر وہ کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، [2] یہی گمراہ لوگ ہیں ○

ہاں، جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں، ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے، گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں ○ [3]

---

1 اس آیت میں ان کی سزا بیان کی جا رہی ہے جو مرتد ہونے کے بعد توبہ کی توفیق سے محروم رہیں اور کفر پر ان کا انتقال ہو۔

2 اس سے وہ توبہ مراد ہے جو موت کے وقت ہو۔ ورنہ توبہ کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں بھی قبولیت توبہ کا اثبات ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار توبہ کی اہمیت اور قبولیت کو بیان فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (الشوریٰ 25:42) ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (التوبة 104:9) ”کیا انھوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔“ اور احادیث میں بھی یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ اس لیے اس آیت سے مراد آخری سانس کی توبہ ہے جو نامقبول ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ایک اور مقام پر ہے: ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ (النسآء 18:4) ”ان کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو برائی کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت پہنچتی ہے تو کہتا ہے میری توبہ۔“ حدیث میں بھی ہے: «إِنَّ اللهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ» (مسند أحمد: 132/2، وجامع الترمذي، حديث: 3537، و صحيح الجامع الصغير: 386/1) ”اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اس پر حالت نزع طاری نہ ہو جائے۔“ یعنی جان کنی کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

3 حدیث میں آتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہلکے ترین عذاب والے جہنمی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا تو اس عذاب نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا: ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا جبکہ تو آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6557) اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ اس نے اگر دنیا میں کچھ کام بھی کیے ہوں گے تو کفر کی وجہ سے وہ بھی ضائع ہی جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن جدعان کی بابت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور اور غلاموں کو آزاد کرنے والا

تھا، کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، کیونکہ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔“ (صحیح مسلم، حدیث:365-(214)) دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں زمین بھر سونا بطور فدیہ دے کر یہ چاہے کہ وہ عذاب جہنم سے بچ جائے تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس ہو گا ہی کیا؟ اور اگر بالفرض اس کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں اور انھیں دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہے تو یہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ اس سے وہ معاوضہ یا فدیہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرة 2:123) ”اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش اسے فائدہ پہنچائے گی۔“ ﴿لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝﴾ (إبراهيم 14:31) ”اس دن میں کوئی خرید وفروخت ہوگی نہ کوئی دوستی (ہی کام آئے گی۔)“

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿92﴾

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے،[1] اور تم جو خرچ کرو اسے اللہ بخوبی جانتا ہے ○[2]

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿93﴾

تورات کے نزول سے پہلے یعقوب نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے، آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ اور پڑھ کر سناؤ ○[3]

---

1 ﴿ اَلْبِرَّ ﴾ ''نیکی بھلائی'' سے مراد یہاں عمل صالح یا جنت ہے۔ (فتح القدیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوطلحہ انصاری، جو مدینہ میں اصحاب حیثیت میں سے تھے، نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بیر حاء باغ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اسے اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تو بہت نفع بخش مال ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔'' چنانچہ آپ کے مشورے سے انھوں نے اسے اپنے اقارب اور عم زادوں میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح البخاري، حدیث:4554، والفتح الرباني:178/15.) اسی طرح اور بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیں۔ ﴿ مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ میں مِنْ تَبعِیض کے لیے ہے، یعنی ساری پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ، اس لیے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اچھی چیز صدقہ کی جائے۔ یہ افضل اور اکمل درجہ حاصل کرنے کا طریقہ ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کمتر چیز یا اپنی ضرورت سے زائد فالتو چیز یا استعمال شدہ پرانی چیز کا صدقہ نہیں کیا جا سکتا یا اس کا اجر نہیں ملے گا۔ اس قسم کی چیزوں کا صدقہ کرنا بھی یقیناً جائز اور باعث اجر ہے گو کمال وافضیلت محبوب چیز کے خرچ کرنے میں ہے۔

2 تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اچھی یا بری چیز، اللہ اسے جانتا ہے، اس کے مطابق جزا سے نوازے گا۔

3 یہ اور مابعد کی دو آیتیں یہود کے اس اعتراض پر نازل ہوئیں کہ انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے کہا کہ آپ دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جبکہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ دین ابراہیمی میں حرام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہود کا دعویٰ غلط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ ہاں، البتہ بعض چیزیں اسرائیل (حضرت یعقوب) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور وہ یہی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ تھا (اس کی ایک وجہ نذر یا بیماری تھی) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فعل بھی نزول تورات سے پہلے کا ہے، اس لیے کہ تورات تو حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کے بہت بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر تم کس طرح

فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿94﴾

اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ پر بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں ○

قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿95﴾

کہہ دیجیے کہ اللہ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو، جو مشرک نہ تھے ○

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿96﴾ۚ

اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکے میں ہے [1] جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے ○

فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿97﴾

جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اس میں جو آ جائے امن والا ہو جاتا ہے [2] اللہ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ [3] اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام

مذکورہ دعویٰ کر سکتے ہو؟ علاوہ ازیں تورات میں بعض چیزیں تم (یہودیوں) پر تمھارے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ (الأنعام 146:6، والنسآء 160:4) اگر تمھیں یقین نہیں ہے تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں اور تم پر بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں تو اس کی وجہ تمھارا ظلم اور زیادتی تھی، یعنی ان کی حرمت بطور سزا تھی۔ (أیسر التفاسیر)

1 یہ یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا کہ تمھارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پہلا گھر، جو اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

2 اس میں قتال، خوں ریزی، شکار حتیٰ کہ درخت تک کا کاٹنا ممنوع ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث:1349، وصحیح مسلم، حدیث:445-(1353))

3 ''راہ پا سکتے ہوں'' کا مطلب زادراہ کی استطاعت اور فراہمی ہے، یعنی اتنا خرچ کہ سفر کے اخراجات پورے ہو جائیں۔ علاوہ ازیں استطاعت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ راستہ پرامن ہو اور جان و مال محفوظ رہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ صحت و تندرستی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ نیز عورت کے لیے محرم بھی ضروری ہے۔ (فتح القدیر) یہ آیت ہر صاحب استطاعت کے لیے وجوب حج کی دلیل ہے اور احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دنیا سے بے پرواہ ہے ○ [1]

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ‌ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿98﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر گواہ ہے ○

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ‌ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿99﴾

ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ کی راہ سے مومنوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو، حالانکہ تم خود شاہد ہو [2] اللہ تمھارے اعمال سے بے خبر نہیں ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿100﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں تمھارے ایمان (لانے) کے بعد پھر کافر بنا دیں [3] گے ○

---

1 استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے تلمیحاً ''کفر'' سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت میں اور اس کی تاکید میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ احادیث و آثار میں بھی ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

2 یعنی تم جانتے ہو کہ یہ دین اسلام حق ہے، اس کے داعی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ باتیں ان کتابوں میں درج ہیں جو تمھارے انبیاء پر اتریں اور جنھیں تم پڑھتے ہو۔

3 یہودیوں کے مکروفریب اور ان کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوششوں کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم بھی ان کی سازشوں سے ہوشیار رہو اور قرآن کی تلاوت کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود کہیں یہود کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔ اس کا پس منظر تفسیری روایات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ شاس بن قیس یہودی ان کے پاس سے گزرا اور ان کا باہمی پیار دیکھ کر جل بھن گیا کہ پہلے یہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور اب اسلام کی برکت سے باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اس نے ایک نوجوان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ان کے درمیان جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ کرے جو ہجرت سے ذرا پہلے ان کے درمیان برپا ہوئی تھی اور انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف جو رزمیہ اشعار کہے تھے وہ ان کو سنائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جس پر ان دونوں قبیلوں کے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے یہاں تک کہ ہتھیار اٹھانے کے لیے للکار اور پکار شروع ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں باہم قتال بھی شروع ہو جائے کہ اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے اور انھیں

وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع 10/10

(گویہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ موجود ہیں۔ جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوط تھام لے [1] تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھا دی گئی ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ص وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے [2] اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا ○ اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو [3] اور پھوٹ نہ ڈالو، [4] اور اللہ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک

سمجھایا اور وہ باز آ گئے۔ اس پر یہ آیات بھی اور جو آگے آ رہی ہیں وہ بھی نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ)

1 اعتصام باللہ کے معنی ہیں۔ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنا۔

2 اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام وفرائض پورے طور پر بجا لائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے صحابہ پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ (التغابن 16:64) ''اللہ سے اپنی طاقت کے مطابق ڈرو۔'' نازل فرما دی۔ لیکن اسے ناسخ کی بجائے اس کی مبین (بیان وتوضیح کرنے والی) قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے کیونکہ نسخ وہیں ماننا چاہیے جہاں دونوں آیتوں میں جمع وتطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں یہ تطبیق ممکن ہے۔ معنی یہ ہوں گے اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ ''اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے کا حق ہے۔'' (فتح القدیر)

3 تقویٰ کے بعد اِعۡتِصَامٌ بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا ''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔'' کا درس دے کر واضح کر دیا کہ نجات بھی انھی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی انھی پر قائم ہو سکتا اور برقرار رہ سکتا ہے۔

4 ﴿وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ ''اور پھوٹ نہ ڈالو'' کے ذریعے سے فرقہ بندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمھارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجیے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی، قرآن وحدیث کے فہم اور اس کی توضیح وتعبیر میں کچھ باہم اختلاف یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ وتابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن اور حدیث رسول ﷺ لیکن جب شخصیات کے نام پر دبستان فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت وعقیدت کے یہ مرکز ومحور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال وافکار اولین حیثیت کے اور اللہ،

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿103﴾

دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچالیا۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ ○

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿104﴾

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں ○

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا [1] اور اختلاف

رسول اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہیں سے امت مسلمہ کے افتراق کے المیے کا آغاز ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہوگیا۔ اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ فکر و نظر کی یہ کجی اتنی بڑھی کہ یہ اختلاف، جو تَحَزُّب و تفرق کی بنیاد ہے اور جس سے قرآن نے روکا ہے۔ اسے نعوذ باللہ ''رحمت'' قرار دیا جا رہا ہے اور اس کے لیے یہ موضوع روایت پیش کی جاتی ہے کہ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' حالانکہ اگر یہ اختلاف رحمت ہوتا تو نبی ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، باقی سب جہنم میں۔ اب مسلمانوں کے تمام فرقے دعوے دار ہیں کہ جنتی فرقہ وہی ہیں۔ حالانکہ اس کا مصداق تو وہی ایک فرقہ ہوگا جس کی پہچان آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔ (سنن أبي داود، حديث:4597، وجامع الترمذي، حديث:2641، وسنن ابن ماجه، حديث:3992، ومسند أحمد:332/2)

1 روشن دلیلیں آجانے کے بعد تفرقہ ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف و تفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انھیں حق کا پتہ نہ تھا۔ اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جمے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿105﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿106﴾

کیا، انھیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ○ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ،[1] سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو ○

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿107﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿108﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿109﴾ ع 11/8/2

اور سفید چہرے والے اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اے نبی! ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت آپ پر کر رہے ہیں اور اللہ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں ○ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو،[2] اگر اہل کتاب

انھیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ مگر وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جمے ہوئے ہیں اور اپنی عقل و ذہانت کا سارا جوہر سابقہ امتوں کی طرح تاویل و تحریف کے مکروہ شغل میں ضائع کر رہے ہیں۔

1 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت والجماعت اور اہل بدعت و افتراق مراد لیے ہیں۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) جس سے معلوم ہوا کہ اسلام وہی ہے جس پر اہل سنت و الجماعت عمل پیرا ہیں اور اہل بدعت و اہل افتراق اس نعمت اسلام سے محروم ہیں جو ذریعۂ نجات ہے۔

2 اس آیت میں امت مسلمہ کو ''خیر امت'' قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ''خیر امت'' ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ ان کی صفت بیان کی گئی ہے۔ ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ﴾ (المآئدۃ 5:79) ''وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے۔'' اور یہاں اسی آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ امر بالمعروف یہ فرض عین ہے یا فرض

لَهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿110﴾

بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں ایمان والے بھی ہیں [1] لیکن اکثر تو فاسق ہیں ○

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿111﴾

وہ تمھیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے، اگر لڑائی کا موقع آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے، پھر مدد نہ کیے جائیں گے ○ [2]

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ

ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں، [3] وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان

کفایہ؟ اکثر علماء کے خیال میں یہ فرض کفایہ ہے، یعنی علماء کی ذمے داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیونکہ معروف ومنکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضۂ تبلیغ و دعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے، یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ تاہم ہر شخص اپنے اپنے دائرے میں بھی «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً» کے تحت تبلیغ کا ذمے دار ہے۔

1 جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تاہم ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اس لیے ﴿مِنْهُمْ﴾ میں مِنْ، تبعیض کے لیے ہے۔

2 ﴿ اَذًى ﴾ (ستانے) سے مراد زبانی ایذا، بہتان تراشی اور افترا ہے جس سے دل کو وقتی طور پر ضرور تکلیف پہنچتی ہے تاہم میدان حرب وضرب میں یہ تمھیں شکست نہیں دے سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ سے یہودیوں کو نکلنا پڑا، پھر خیبر فتح ہو گیا اور وہاں سے بھی نکلے، اسی طرح شام کے علاقوں میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تا آنکہ صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور بیت المقدس پر قابض بھی ہو گئے مگر اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے **90** سال کے بعد واگزار کرا لیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی ایمانی کمزوری کے نتیجہ میں یہود ونصاریٰ کی مشترکہ سازشوں اور کوششوں سے بیت المقدس پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تاہم ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ یہ صورت حال تبدیل ہو جائے گی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد نصرانیت کا خاتمہ اور اسلام کا غلبہ یقینی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ (ابن کثیر)

3 یہودیوں پر جو ذلت ومسکنت، غضب الٰہی کے نتیجے میں مسلط کی گئی ہے، اس سے وقتی طور پر بچاؤ کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں آجائیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ یا اسلامی مملکت میں جزیہ دے کر ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کر لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے، اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی مملکت کی بجائے عام مسلمان ان کو پناہ دے دیں جیسا کہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے اور اسلامی مملکت کے حکمرانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ادنیٰ مسلمان کی دی گئی پناہ کو بھی رد نہ

وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿112﴾ ق

پر فقیری ڈال دی گئی، یہ اس لیے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے، یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا ○ [1]

لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿113﴾

وہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں ○

يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿114﴾

وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ وہ نیک لوگوں میں سے ہیں ○

وَمَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿115﴾

وہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ○ [2]

کریں۔ دوسرا یہ کہ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ (النَّاس) عام ہے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شامل ہیں۔ جیسا کہ یہودیوں کی موجودہ حکومت (اسرائیل) امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ کی حمایت سے قائم ہے۔ ان بڑی طاقتوں نے اپنے استعماری مقاصد اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اس یہودی مملکت کو وجود بھی بخشا ہے اور وہ اس کے مستقل پشت پناہ بھی ہیں۔ اس لیے یہودیوں کی اس مملکت کی وجہ سے جو دراصل امریکہ وغیرہ کی شرقِ اوسط میں ایک چھاؤنی ہے، اس شبہے اور مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ اس ذلت و مسکنت کے خلاف ہے جو ان کی بابت قرآن میں بیان کیا گیا ہے بلکہ قرآن کی صداقت کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے۔

1 یہ ان کے کرتوت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

2 یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں جن کی مذمت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے بلکہ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، أسد بن عبيد، ثعلبة بن سعية، أُسَيْد بن سعية وغیرہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے نوازا اور ان میں اہل ایمان وتقویٰ والی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوا عَنۡه

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○

مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ‌ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

وہ (کفار اس دنیوی زندگی میں) جو خرچ کریں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا۔[1] اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ

اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ۔[2] (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ

﴿ قَآئِمَةٌ ﴾ کے معنی ہیں، شریعت کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والی ﴿ يَسۡجُدُوۡنَ ﴾ کا مطلب، رات کو قیام کرتے ہیں۔ اسی گروہ کا ذکر آگے بھی کیا گیا ہے۔ ﴿ وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ﴾ (آل عمران3: 199)

1 قیامت والے دن کافروں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے نہ اولاد حتیٰ کہ رفاہی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر وہ جو خرچ کرتے ہیں، وہ بھی بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ایمان نہیں ہوگا، رفاہی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے، آخرت میں انھیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا، وہاں تو ان کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔

2 یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اس کی اہمیت کے پیش نظر پھر دہرایا جا رہا ہے۔ ﴿ بِطَانَةً ﴾ دلی دوست اور راز دار کو کہا جاتا ہے۔ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں جو جذبات وعزائم رکھتے ہیں، ان میں سے جن کا وہ اظہار کرتے اور جنھیں اپنے سینوں میں مخفی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نشاندہی فرما دی ہے یہ اور اس قسم کی دیگر آیات کے پیش نظر ہی علماء وفقہاء نے تحریر کیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی (غیر مسلم) کو کاتب (سیکرٹری) رکھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم انھیں اپنے قریب نہ کرو جبکہ اللہ نے انھیں دور کر دیا ہے، ان کو عزت نہ بخشو جبکہ اللہ نے انھیں ذلیل کر دیا ہے اور انھیں امین و راز دار مت بناؤ جبکہ اللہ

وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۚۖ وَ مَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَکۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

تمھاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو، [1] ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ہم نے تمھارے لیے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرو) ○

هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا یُحِبُّوۡنَکُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ کُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَیۡکُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَیۡظِکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾

ہاں تم تو انھیں چاہتے ہو [2] اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو، (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمھارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصے کے انگلیاں چباتے ہیں [3] کہہ دو کہ اپنے غصے ہی میں مر جاؤ، اللہ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے ○

اِنۡ تَمۡسَسۡکُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫ وَاِنۡ تُصِبۡکُمۡ سَیِّئَةٌ یَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ

تمھیں اگر بھلائی ملے تو وہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں! اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں، [4] تم اگر صبر کرو اور

نے انھیں خائن قرار دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: اس زمانے میں اہل کتاب کو سیکرٹری اور امین بنانے کی وجہ سے احوال بدل گئے ہیں اور اسی وجہ سے غبی لوگ سردار اور امراء بن گئے ہیں۔ (تفسير القرطبي) بد قسمتی سے آج کے اسلامی ممالک میں بھی قرآن کریم کے اس نہایت اہم حکم کو اہمیت نہیں دی جا رہی ہے اور اس کے برعکس غیر مسلم بڑے بڑے اہم عہدوں اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں جن کے نقصانات واضح ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اپنی داخلی اور خارجی دونوں پالیسیوں میں اس حکم کی رعایت کریں تو یقیناً بہت سے مفاسد اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

1 ﴿لَا یَاۡلُوۡنَ﴾ کوتاہی اور کمی نہیں کرتے ﴿خَبَالًا﴾ کے معنی فساد اور ہلاکت کے ہیں ﴿مَا عَنِتُّمۡ﴾ جس سے تم مشقت اور تکلیف میں پڑو۔ [عَنَت] بمعنی مشقت۔

2 تم ان منافقین کی نماز اور اظہار ایمان کی وجہ سے ان کی بابت دھوکے کا شکار ہو جاتے ہو اور ان سے محبت رکھتے ہو۔

3 عَضَّ یَعَضُّ کے معنی دانت سے کاٹنے کے ہیں۔ یہ ان کے غیظ و غضب کی شدت کا بیان ہے، جیسا کہ اگلی آیت ﴿اِنۡ تَمۡسَسۡکُمۡ﴾ میں بھی ان کی اسی کیفیت کا اظہار ہے۔

4 اس میں منافقین کی اس شدید عداوت کا ذکر ہے جو انھیں مومنوں کے ساتھ تھی اور وہ یہ کہ جب مسلمانوں کو خوش حالی

تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ
شَيۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع 12/11/3
وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ
سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

پرہیز گاری کرو تو ان کا مکر تمھیں کچھ نقصان نہ دے گا۔ [1] اللہ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے ○
اے نبی! اس وقت کو بھی یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ [2] بٹھا رہے تھے اللہ سننے، جاننے والا ہے ○

میسر آتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تائید و نصرت ملتی اور مسلمانوں کی تعداد و قوت میں اضافہ ہوتا تو منافقین کو بہت برا لگتا اور اگر مسلمان قحط سالی یا تنگدستی میں مبتلا ہوتے، یا اللہ کی مشیت و مصلحت سے دشمن، وقتی طور پر مسلمانوں پر غالب آ جاتے (جیسے جنگ احد میں ہوا) تو بڑے خوش ہوتے۔ مقصد بتلانے سے یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہ حال ہو، کیا وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ان سے محبت کی پینگیں بڑھائیں اور انھیں اپنا راز دان اور دوست بنائیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے بھی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر ہے) اس لیے کہ وہ بھی مسلمانوں سے نفرت و عداوت رکھتے، ان کی کامیابیوں سے ناخوش اور ان کی ناکامیوں سے خوش ہوتے ہیں۔

1 یہ ان کے مکر و فریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہے۔ گویا منافقین اور دیگر اعدائے اسلام و مسلمین کی سازشوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔ اس صبر اور تقویٰ کے فقدان نے غیر مسلموں کی سازشوں کو کامیاب بنا رکھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کافروں کی یہ کامیابی مادی اسباب و وسائل کی فراوانی اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی پستی و زوال کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ اپنے دین پر استقامت (جو صبر کا متقاضی ہے) سے محروم اور تقویٰ سے عاری ہو گئے ہیں جو مسلمان کی کامیابی کی کلید اور تائید الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

2 جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد جنگ احد کا واقعہ ہے جو شوال 3 ہجری میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر مختصراً یہ ہے کہ جب جنگ بدر 2 ہجری میں کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے تو ان کفار کے لیے یہ بڑی بدنامی کا باعث اور ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست انتقامی جنگ کی تیاری کی جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ ادھر مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ کافر تین ہزار کی تعداد میں احد پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہ کر لڑیں یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اندر رہ کر ہی مقابلہ کا مشورہ دیا اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے برعکس بعض پرجوش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنھیں جنگ بدر میں حصہ لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کی حمایت کی۔ آپ حجرے میں تشریف لے گئے اور ہتھیار پہن کر باہر آئے، دوسری رائے والوں کو ندامت ہوئی کہ شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ

اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿122﴾

جب تمھاری دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں،[1] اللہ ان کا ولی اور مددگار تھا۔[2] اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے ○

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿123﴾

جنگ بدر میں اللہ نے عین اس وقت تمھاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے،[3] اس لیے اللہ ہی سے ڈرو! (نہ کسی اور سے) تاکہ تمھیں شکرگزاری کی توفیق ہو۔ (اور یہ شکرگزاری باعث نصرت وامداد ہو) ○

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿124﴾

جب آپ مومنوں کو تسلی دے رہے تھے، کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ کا تمھاری مدد کرنا تمھیں کافی نہ ہوگا ○

بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿125﴾ ربع

کیوں نہیں، بلکہ اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو اور یہ لوگ اسی دم تمھارے پاس آجائیں تو تمھارا رب تمھاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا[4] جو نشان زدہ

کی خواہش کے برعکس باہر نکلنے پر مجبور کر کے ٹھیک نہیں کیا، چنانچہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اگر اندر رہ کر مقابلہ کرنا پسند فرمائیں تو اندر ہی رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لباس حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔ چنانچہ مسلمان ایک ہزار کی تعداد میں روانہ ہو گئے مگر صبح دم جب مقام شوط پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت یہ کہہ کر واپس آ گیا کہ اس کی رائے نہیں مانی گئی، خواہ مخواہ جان دینے کا کیا فائدہ؟ اس کے اس فیصلے سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے اور انھوں نے بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ (ابن کثیر)

1 یہ اوس اور خزرج کے دو قبیلے (بنو حارثہ اور بنو سلمہ) تھے۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور ان کی کمزوری کو دور فرما کر ان کی ہمت بندھا دی۔

3 بہ اعتبار قلت تعداد اور قلت سامان کے کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان 313 تھے اور یہ بھی بے سروسامان۔ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے۔ (ابن کثیر)

4 مسلمان بدر کی جانب محض قافلۂ قریش پر، جو تقریباً نہتا تھا، چھاپہ مارنے نکلے تھے۔ مگر بدر پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ مکہ سے مشرکین کا ایک لشکر جرار پورے غیظ وغضب اور جوش وخروش کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں

ہوں گے ○ [1]

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿126﴾

اور یہ تو محض تمھارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہے، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے ○

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآىِٕبِيْنَ ﴿127﴾

(اس امداد الٰہی کا مقصد یہ تھا) کہ وہ (اللہ) کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ دے یا انھیں ذلیل کر ڈالے اور (سارے کے سارے) نامراد ہو کر واپس چلے جائیں ○ [2]

کی صف میں گھبراہٹ، تشویش اور جوش قتال کا ملا جلا ردعمل ہوا اور انھوں نے رب تعالیٰ سے دعا و فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار فرشتے اتارنے کی بشارت دی اور مزید وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے اور مشرکین اسی حالت غیظ و غضب میں آ دھمکے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا۔ (بدر پہنچنے سے پہلے ہی ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ مکہ پلٹ گیا اور باقی جو بدر آئے ان میں سے اکثر سرداروں کی رائے تھی کہ لڑائی نہ کی جائے) اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہ آ سکی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تعداد پوری کی گئی۔

1 یعنی پہچان کے لیے ان کی مخصوص علامت ہو گی۔

2 یہ اللہ غالب و کارفرما کی مدد کا نتیجہ بتلایا جا رہا ہے۔ سورۂ انفال میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتلائی گئی ہے۔ ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ (الأنفال 8:9) ”جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمھاری فریاد سنتے ہوئے کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے۔“ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے واقعتاً تو ایک ہزار ہی نازل ہوئے اور مسلمانوں کے حوصلے اور تسلی کے لیے تین ہزار کا اور پھر پانچ ہزار کا مزید مشروط وعدہ کیا گیا۔ پھر حسب حالات مسلمانوں کی تسلی کے نقطۂ نظر سے بھی ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک یہ تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا کیونکہ مقصد تو مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنا تھا، ورنہ اصل مددگار تو اللہ تعالیٰ ہی تھا اور وہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں مسلمانوں کو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی، کفر کی طاقت کمزور ہوئی اور کافروں کا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ (أيسر التفاسير)

لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ
عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿128﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ
يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ
13 ع 9 4 وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿129﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا
اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ
تُفۡلِحُوۡنَ ﴿130﴾ ج

اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں، [1] اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے یا عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں ○

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے، اللہ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ، [2] اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں نجات ملے ○

---

1 یعنی ان کافروں کو ہدایت دینا یا ان کے معاملے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے اور چہرۂ مبارک بھی زخمی ہوا تو آپ نے فرمایا: ”وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا۔“ گویا آپ نے ان کی ہدایت سے ناامیدی ظاہر فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ غزوۂ احد کے کچھ عرصے کے بعد واقعۂ بئر معونہ پیش آیا جس میں کافروں نے دھوکہ دہی سے قرآن کریم کے ستر قاری و مبلغ صحابۂ کرام کو اپنے علاقے میں لے جا کر شہید کر دیا۔ نبی ﷺ کو المناک واقعے پر شدید صدمہ ہوا اور ایک مہینے تک کافروں کے ان قبیلوں کا نام لے لے کر ان کے لیے بددعا فرمائی، یعنی قنوتِ نازلہ کا اہتمام فرمایا۔ یہ بالکل الگ واقعہ ہے جس کا کوئی تعلق نہ غزوۂ احد سے ہے اور نہ آیت مذکورہ کے نزول سے۔ لیکن بعض راویوں نے اس قنوتِ نازلہ کو بھی آیتِ مذکورہ کے نزول کا سبب قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے قنوتِ نازلہ بند کر دی۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ یہ راوی کا اِدراج ہے، یعنی اس نے اپنی طرف سے یہ بات کہہ دی ہے ورنہ اس آیت کے نزول کا سبب قصۂ اُحد ہی ہے۔ اس بنا پر قنوتِ نازلہ کا اہتمام حسبِ ضرورت ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔

2 چونکہ غزوۂ احد میں ناکامی رسول کی نافرمانی اور مال دنیا کے لالچ کے سبب ہوئی تھی اس لیے اب طمع کی سب سے زیادہ بھیانک شکل سود سے منع کیا جا رہا ہے اور بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ کا یہ مطلب نہیں کہ بڑھا چڑھا کر نہ ہو تو سود جائز ہے۔ بلکہ سود کم ہو یا زیادہ مفرد ہو یا مرکب، مطلقاً حرام ہے۔ یہ قید نہی (حرمت) کے لیے بطور شرط نہیں ہے بلکہ واقعے کی رعایت کے طور پر ہے، یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی، اس کا بیان و اظہار ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آ جاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مدت میں اضافے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا جس کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بھی بڑھ چڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ فعل حرام تمھیں کفر تک پہنچا سکتا ہے کیونکہ یہ اللہ و رسول سے محاربہ ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ﴿131﴾

اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ○

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ﴿132﴾

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿133﴾

اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو [1] جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے ○

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿134﴾

جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، [2] غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنیوالے ہیں، [3] اللہ ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے ○

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڜ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿135﴾

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، [4] فی الواقع اللہ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے ○

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿136﴾ۭ

انھی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے ○

---

1 مال و دولت دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کی بجائے، اللہ و رسول کی اطاعت کا اور اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو متقین کے لیے اللہ نے تیار کی ہے۔ چنانچہ آگے متقین کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

2 یعنی محض خوش حالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کے موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حال اور ہر موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

3 یعنی جب غصہ انھیں بھڑکاتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں، یعنی اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کو معاف کر دیتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔

4 یعنی جب ان سے بہ تقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ و استغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿137﴾

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں، سوزمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ○ [1]

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿138﴾

عام لوگوں کے لیے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے ○

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿139﴾

تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایماندار ہو ○ [2]

اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمھارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ [3] (شکستِ اُحد) اس لیے تھی کہ اللہ

---

1 جنگ احد میں مسلمانوں کا لشکر سات سو افراد پر مشتمل تھا، جس میں سے 50 تیر اندازوں کا ایک دستہ آپ نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا اور انھیں تاکید کر دی کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست، تم یہاں سے نہ ہلنا اور تمھارا کام یہ ہے کہ جو گھڑ سوار تمھاری طرف آئے تیروں سے اسے پیچھے دھکیل دینا۔ لیکن جب مسلمان فتح یاب ہو گئے اور مال و اسباب سمیٹنے لگے تو اس دستے میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مقصد تو یہ تھا کہ جب تک جنگ جاری رہے یہیں جمے رہنا لیکن جب یہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور کفار بھاگ رہے ہیں تو یہاں رہنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے بھی وہاں سے ہٹ کر مال و اسباب جمع کرنا شروع کر دیا اور وہاں نبیٔ کریم ﷺ کے فرمان کی اطاعت میں صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔ جس سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور ان کے گھڑ سوار پلٹ کر وہیں سے مسلمانوں کے عقب میں جا پہنچے اور ان پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ غیر متوقع حملے سے سخت سراسیمہ ہو گئے جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر بہت تکلیف ہوئی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دے رہا ہے کہ تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ تاہم بالآخر تباہی و بربادی اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والوں کا ہی مقدر بنی ہے۔

2 گزشتہ جنگ میں تمھیں جو نقصان پہنچا ہے، اس سے نہ سست ہوؤ اور نہ اس پر غم کھاؤ کیونکہ اگر تمھارے اندر ایمانی قوت موجود رہی تو غالب و کامران تم ہی رہو گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قوت کا اصل راز اور ان کی کامیابی کی بنیاد واضح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد مسلمان ہر معرکے میں سرخرو ہی رہے ہیں۔

3 ایک اور انداز سے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر جنگ احد میں تمھارے کچھ لوگ زخمی ہوئے ہیں تو کیا

وَ يَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ﴿140﴾

ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ○

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿141﴾

(یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ ایمان والوں کو بالکل الگ کردے اور کافروں کو مٹادے ○ [1]

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿142﴾

کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے، [2] حالانکہ اب تک اللہ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ ○ [3]

ہوا؟ تمھارے مخالف بھی تو جنگ بدر میں اور احد کی ابتدا میں اسی طرح زخمی ہو چکے ہیں اور اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ فتح وشکست کے ایام کو ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے۔

1 احد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست ان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی، اس میں بھی کئی حکمتیں پنہاں تھیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ آگے بیان فرما رہا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے (کیونکہ صبر واستقامت ایمان کا تقاضا ہے) جنگ کی شدتوں اور مصیبتوں میں جنھوں نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا، یقیناً وہ سب مومن ہیں۔ دوسری یہ کہ کچھ لوگوں کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ تیسری یہ کہ ایمان والوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دے۔ تمحیص کے معنی اختیار (چن لینا) کے کیے گئے ہیں۔ ایک معنی تطہیر اور ایک معنی تخلیص کے ہیں۔ آخری دونوں کا مطلب گناہوں سے پاکی اور خلاصی ہے۔ (فتح القدیر) مترجم رحمہ اللہ نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ چوتھی یہ کہ کافروں کو مٹا دے۔ وہ اس طرح کہ وقتی فتح یابی سے ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہوگا اور یہی چیز ان کی تباہی و ہلاکت کا سبب بنے گی۔

2 یعنی بغیر قتال وشدائد کی آزمائش کے تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ نہیں بلکہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو آزمائش میں پورے اتریں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا ﴾ (البقرة 2:214) ''کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھی، انھیں تنگ دستی اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب ہلائے گئے۔'' مزید فرمایا: ﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ○ ﴾ (العنکبوت 29:2) ''کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انھیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟''

3 یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے پھر بیان کیا جا رہا ہے کہ جنت یوں ہی نہیں مل جائے گی، اس کے لیے پہلے تمھیں آزمائش کی بھٹی سے گزارا اور میدان جہاد میں آزمایا جائے گا وہاں نرغۂ اعداء میں گھر کر تم سرفروشی اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہو یا نہیں؟

وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿143﴾ ع 14/14 5

جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے،[1] اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا○[2]

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾

اور محمد تو صرف رسول ہی ہیں،[3] ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا،[4] عنقریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ

---

1 یہ اشارہ ان صحابہ کی طرف ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ایک احساس محرومی رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ میدان کارزار گرم ہو تو وہ بھی کافروں کی سرکوبی کر کے جہاد کی فضیلت حاصل کریں۔ انھی صحابہ نے جنگ احد میں جوش جہاد سے کام لیتے ہوئے مدینہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی فتح، کافروں کے اچانک حملے سے شکست میں تبدیل ہوگئی (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) تو یہ پر جوش مجاہدین بھی سراسیمگی کا شکار ہو گئے اور بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) اور بہت تھوڑے لوگ ہی ثابت قدم رہے۔ (فتح القدیر) اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''تم دشمن سے مڈھ بھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت طلب کیا کرو تاہم جب از خود حالات ایسے بن جائیں کہ تمھیں دشمن سے لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:2966)

2 ﴿رَاَيْتُمُوْهُ﴾ اور ﴿تَنْظُرُوْنَ﴾ دونوں کے ایک ہی معنی، یعنی دیکھنے کے ہیں۔ تاکید اور مبالغے کے لیے دو لفظ لائے گئے ہیں، یعنی تلواروں کی چمک، نیزوں کی تیزی، تیروں کی یلغار اور جاں بازوں کی صف آرائی میں تم نے موت کا خوب مشاہدہ کر لیا۔ (ابن كثير و فتح القدير)

3 محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، یعنی ان کا امتیاز بھی وصف رسالت ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انھیں موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

4 جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا اس پر موت کا وارد ہو جانا، کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ پچھلے انبیاء بھی قتل اور موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اگر آپ بھی (بالفرض) اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے ہی پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا

وَ مَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے، دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ بھی دیں گے۔ [2] اور احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے ○

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انھیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انھوں نے ہمت ہاری نہ سست رہے اور نہ دبے، اور اللہ صبر کرنیوالوں کو ہی چاہتا ہے ○ [3]

وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾

وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے ○

کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحۂ وفات کے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدت جذبات میں وفات نبوی ﷺ کا انکار کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے منبر رسول کے پہلو میں کھڑے ہو کر انھی آیات کی تلاوت کی، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے اور انھیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی اتری ہیں۔

1 یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو جنھوں نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ادا کیا۔

2 یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آ کر رہے گی، پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح محض دنیا طلب کرنے سے کچھ دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی، دنیا بھی اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرماتا ہے۔ آگے مزید حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے پچھلے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے صبر اور ثابت قدمی کی مثالیں دی جا رہی ہیں۔

3 یعنی ان کو جو جنگ کی شدتوں میں پست ہمت نہیں ہوتے اور ضعف اور کمزوری نہیں دکھاتے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ
ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
ع 15 5 6 الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿148﴾

اللہ نے انھیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا ثواب بھی عطا فرمایا اور اللہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا
خٰسِرِيۡنَ ﴿149﴾

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں تمھاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے، (تمھیں مرتد بنا دیں گے۔) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے ○

بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰىكُمۡ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ النّٰصِرِيۡنَ ﴿150﴾

بلکہ اللہ ہی تمھارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے ○ [1]

سَنُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ
بِمَاۤ اَشۡرَكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ
سُلۡطٰنًا ۚ وَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئۡسَ
مَثۡوَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿151﴾

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری، [2] ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے ○

وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ

اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے

---

1 یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے، یہاں پھر دہرایا جا رہا کیونکہ احد کی شکست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار یا منافقین مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ۔ ایسے میں مسلمانوں کو کہا گیا کہ کافروں کی اطاعت ہلاکت وخسران کا باعث ہے۔ کامیابی اللہ کی اطاعت ہی میں ہے اور اس سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔

2 مسلمانوں کی شکست دیکھتے ہوئے بعض کافروں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ موقع مسلمانوں کے بالکلیہ خاتمے کے لیے بڑا اچھا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ پھر انھیں اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ (فتح القدیر) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ «نُصِرۡتُ بِالرُّعۡبِ مَسِيۡرَةَ شَهۡرٍ» ”دشمن کے دل میں ایک مہینے کی مسافت پر میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا رعب مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کی امت، یعنی مسلمانوں کا رعب بھی مشرکوں پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان کا شرک ہے۔ گویا شرک کرنے والوں کے دل دوسروں کی ہیبت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ جب سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہوئی ہے، دشمن ان سے مرعوب ہونے کی بجائے، وہ دشمنوں سے مرعوب ہیں۔

بِاِذۡنِہٖ ۚ حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَ عَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ۚ ثُمَّ صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ۚ وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿152﴾

انھیں کاٹ رہے تھے۔[1] یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی،[2] اس کے بعد کہ اس نے تمھاری چاہت کی چیز تمھیں دکھا دی،[3] تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے[4] اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا[5] تو پھر اس نے تمھیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے[6] اور یقیناً اس نے تمھاری لغزش سے درگزر فرمالیا اور ایمان والوں پر اللہ بڑے فضل والا ہے[7] ○

---

1 اس وعدے سے بعض مفسرین نے تین ہزار اور 5 ہزار فرشتوں کا نزول مراد لیا ہے لیکن یہ رائے سرے سے صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ نزول صرف جنگ بدر کے ساتھ مخصوص تھا۔ باقی رہا وہ وعدہ جو اس آیت میں مذکور ہے تو اس سے مراد فتح و نصرت کا وہ عام وعدہ ہے جو اہل اسلام کے لیے اور اس کے رسول کی طرف سے بہت پہلے سے کیا جا چکا تھا۔ حتیٰ کہ بعض آیتیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کے مطابق ابتدائے جنگ میں مسلمان غالب و فاتح رہے جس کی طرف ﴿ اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ بِاِذۡنِہٖ ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

2 اس تنازع اور عصیان سے مراد 50 تیر اندازوں کا وہ اختلاف ہے جو فتح و غلبہ دیکھ کر ان کے اندر واقع ہوا اور جس کی وجہ سے کافروں کو پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے کا موقع ملا۔

3 اس سے مراد وہ فتح ہے جو ابتدا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔

4 یعنی مال غنیمت، جس کے لیے انھوں نے وہ پہاڑی چھوڑ دی جس کے نہ چھوڑنے کی انھیں تاکید کی گئی تھی۔

5 یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مورچہ چھوڑنے سے منع کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ ڈٹے رہنے کا عزم ظاہر کیا۔

6 یعنی غلبہ عطا کرنے کے بعد پھر تمھیں شکست دے کر ان کافروں سے پھیر دیا تاکہ تمھیں آزمائے۔

7 اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس شرف و فضل کا اظہار ہے جو ان کی کوتاہیوں کے باوجود اللہ نے ان پر فرمایا، یعنی ان کی غلطیوں کی وضاحت کر کے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ کریں، اللہ نے ان کے لیے معافی کا اعلان کر دیا تاکہ کوئی بدباطن ان پر زبان طعن دراز نہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کریم میں ان کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا تو اب کسی کے لیے طعن و تشنیع کی گنجائش کہاں رہ گئی؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حج کے موقع پر ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بعض اعتراضات کیے کہ وہ جنگ بدر میں، بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے۔ نیز یوم احد میں فرار ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنگ بدر میں تو ان کی اہلیہ (بنت رسول) بیمار تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر ہی مدینہ

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰىكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿153﴾

جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے [1] اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمھیں تمھارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے، [2] بس تمھیں غم پر غم پہنچا [3] تا کہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ پہنچنے والی (تکلیف) پر اداس ہو، [4] اللہ تمھارے تمام اعمال سے خبردار ہے ○

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ‌ۙ وَطَآئِفَةٌ

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی۔ [5] ہاں، کچھ وہ

میں رہے، بیعت رضوان کے موقع پر آپ رسول ﷺ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور یہ بیعت آپ کی وجہ سے لی گئی اور یوم احد کے فرار کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:3699 ملخصًا.)

1 کفار کے یکبارگی اچانک حملے سے مسلمانوں میں جو بھگدڑ مچی اور مسلمانوں کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ اس کا نقشہ بیان کیا جا رہا ہے۔ ﴿تُصۡعِدُوۡنَ﴾ اِصۡعَاد سے ہے جس کے معنی اپنی رو بھاگے جانے یا وادی کی طرف چڑھے جانے یا بھاگنے کے ہیں۔ (تفسير الطبري)

2 نبی کریم ﷺ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے اور مسلمانوں کو پکارتے رہے: «إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ ! إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ!» ''اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ! اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ۔'' لیکن سراسیمگی کے عالم میں یہ پکار کون سنتا؟

3 ﴿فَاَثَابَكُمۡ﴾ تمھاری کوتاہی کے بدلے میں تمھیں غم پر غم دیا۔ ﴿غَمًّاۢ بِغَمٍّ﴾ بمعنی غَمًّا عَلٰى غَمٍّ ابن جریر اور ابن کثیر کے اختیار کردہ راجح قول کے مطابق پہلے غم سے مراد ہے، مال غنیمت اور کفار پر فتح و ظفر سے محرومی کا غم اور دوسرے غم سے مراد ہے مسلمانوں کی شہادت، ان کے زخمی ہونے، نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اور آپ کی خبر شہادت سے پہنچنے والا غم۔

4 یعنی یہ غم پر غم اس لیے دیا تا کہ تمھارے اندر شدائد برداشت کرنے کی قوت اور عزم و حوصلہ پیدا ہو۔ جب یہ قوت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو فوت شدہ چیز پر غم اور پہنچنے والے شدائد پر ملال نہیں ہوتا۔

5 مذکورہ سراسیمگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور میدان جنگ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر اونگھ مسلط کر دی۔ یہ اونگھ اللہ کی طرف سے سکینت اور نصرت کی دلیل تھی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھ چھائی جا رہی تھی حتیٰ کہ میری تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے گری میں اسے پکڑتا، وہ پھر گر جاتی، پھر پکڑتا اور پھر گر جاتی۔ (صحيح البخاري، حديث:4068) ﴿نُعَاسًا﴾، ﴿اَمَنَةً﴾

قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ
الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا
مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ
كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا
يُبۡدُوۡنَ لَكَ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ
الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ
لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ
كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ ۚ
وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِكُمۡ
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿154﴾

لوگ بھی تھے کہ انھیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، [1] وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے [2] اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ [3] آپ کہہ دیجیے کہ کام کُل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے، [4] یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں آپ کو نہیں بتاتے، [5] کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ [6] آپ کہہ دیجیے کہ گو تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے، [7] اللہ کو تمھارے سینوں کے اندر کی چیز کا آزمانا اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، اس کو پاک کرنا تھا، [8] اور اللہ دلوں کے بھید

سے بدل ہے۔ ﴿طَآئِفَةٌ﴾ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (فتح القدیر)

1 اس سے مراد منافقین ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں ان کو تو اپنی جانوں ہی کی فکر تھی۔

2 وہ یہ تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا معاملہ باطل ہے، یہ جس دین کی دعوت دیتے ہیں، اس کا مستقبل مخدوش ہے، انھیں اللہ کی مدد ہی حاصل نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

3 یعنی کیا اب ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فتح و نصرت کا امکان ہے؟ یا یہ کہ کیا ہماری بھی کوئی بات چل سکتی ہے اور مانی جا سکتی ہے؟

4 تمھارے یا دشمن کے اختیار میں نہیں ہے، مدد بھی اسی کی طرف سے آئے گی اور کامیابی بھی اس کے حکم سے ہو گی اور امر و نہی بھی اسی کا ہو گا۔

5 اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں، ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ رہنمائی کے طالب ہیں۔

6 یہ وہ آپس میں کہتے یا اپنے دل میں کہتے تھے۔

7 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس قسم کی باتوں کا کیا فائدہ؟ موت تو ہر صورت میں آنی ہے اور اسی جگہ پر آنی ہے جہاں اللہ کی طرف سے لکھ دی گئی ہے۔ اگر تم گھروں میں بیٹھے ہوتے اور تمھاری موت کسی مقتل میں لکھی ہوتی تو تمھیں قضا ضرور وہاں کھینچ لے جاتی؟

8 یہ جو کچھ ہوا اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ تمھارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے، یعنی ایمان، اسے آزمائے (تاکہ منافق الگ ہو جائیں) اور پھر تمھارے دلوں کو شیطانی وساوس سے پاک کر دے۔

سے آگاہ ہے ○ [1]

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى
الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ
بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ
ع 16 7 7 عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿155﴾

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈ بھیڑ ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آ گئے [2] لیکن یقین جانو کہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا [3] بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور تحمل والا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا وَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِى
الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّى لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا
مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ لِيَجۡعَلَ اللّٰهُ
ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ يُحۡىٖ
وَيُمِيۡتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿156﴾

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں، جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں، کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، [4] اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے، [5] اللہ ہی زندہ رکھتا اور مارتا ہے اور اللہ تمھارے

---

1 یعنی اس کو تو علم ہے کہ مخلص مسلمان کون ہے اور نفاق کا لبادہ کس نے اوڑھ رکھا ہے؟ جہاد کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے مومن اور منافق کھل کر سامنے آ جاتے ہیں جنھیں عام لوگ بھی پھر دیکھ اور پہچان لیتے ہیں۔

2 یعنی احد میں مسلمانوں سے جو لغزش اور کوتاہی ہوئی اس کی وجہ ان کی پچھلی بعض کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے شیطان اس روز بھی انھیں پھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس طرح بعض سلف کا قول ہے کہ ''نیکی کا بدلہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعد مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے بعد مزید برائی کا راستہ کھلتا اور ہموار ہوتا ہے۔''

3 اللہ تعالیٰ صحابہ کی لغزشوں، ان کے نتائج اور حکمتوں کے بیان کے بعد پھر اپنی طرف سے ان کی معافی کا اعلان فرما رہا ہے۔ جس سے ایک تو ان کا محبوب بارگاہ الٰہی ہونا واضح ہے اور دوسرے، عام مومنین کو تنبیہ ہے کہ ان مومنین صادقین کو جب اللہ نے معاف فرما دیا ہے تو اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ انھیں ہدف ملامت یا نشانہ تنقید بنائے۔

4 اہل ایمان کو اس فسادِ عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیونکہ یہ عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، نیز یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس سے انسان کے اندر عزم وحوصلہ اور اللہ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

5 مذکورہ فسادِ عقیدہ دلی حسرت کا ہی سبب بنتا ہے کہ اگر وہ سفر پر یا میدان جنگ میں نہ جاتے بلکہ گھر میں ہی رہتے تو موت کی آغوش میں جانے سے بچ جاتے۔ درآں حالیکہ موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آ جاتی ہے، ﴿ اَيۡنَ مَا

عمل کو دیکھ رہا ہے ○

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

قسم ہے اگر اللہ کی راہ میں شہید کیے جاؤ یا اپنی موت مرو بے شک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ○ [1]

وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِالَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

بالیقین خواہ تم مر جاؤ یا مار ڈالے جاؤ جمع تو اللہ کی طرف ہی کیے جاؤ گے ○

فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ۪ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ وَشَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ ﴿۱۵۹﴾

اللہ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان [2] کے لیے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، [3] پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر

تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ﴾ (النسآء 4:78) ''تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمھیں پا لے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔'' اس لیے اس حسرت سے مسلمان ہی بچ سکتے ہیں جن کے عقیدے صحیح ہیں۔

1 موت تو ہر صورت میں آنی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے تو یہ دنیا کے مال و اسباب سے بہت بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے۔ اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے گریز نہیں، اس میں رغبت اور شوق ہونا چاہیے کہ اس طرح رحمت و مغفرت الٰہی یقینی ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

2 نبی ﷺ جو صاحب خلق عظیم تھے، اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر پر ایک احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ کے اندر جو نرمی اور ملائمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ کے اندر یہ نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کی بجائے آپ سے دور بھاگتے۔ اس لیے آپ درگزر سے ہی کام لیتے رہیے۔

3 یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لیے مشورہ کر لیا کریں۔ اس آیت سے مشاورت کی اہمیت، افادیت اور اس کی ضرورت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ مشاورت کا یہ حکم بعض کے نزدیک وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے (ابن کثیر) امام شوکانی لکھتے ہیں کہ حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انھیں علم نہیں ہے۔ یا ان کے بارے میں انھیں اشکال ہیں۔ فوج کے سربراہوں سے فوجی

بھروسا کریں،[1] بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿160﴾

اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے ○

وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَ مَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿161﴾

ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہوجائے،[2] ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لیے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے ○

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَ اللّٰہِ کَمَنۡۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ مَاۡوٰىہُ جَہَنَّمُ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿162﴾

کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ کی ناراضی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے ○

معاملات میں، سربرآوردہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام وو الیان سے ان کے علاقوں کی ضروریات وترجیحات کے سلسلے میں مشورہ کریں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمران کے وجوب عزل پر کوئی اختلاف نہیں ہے جو اہل علم واہل دین سے مشورہ نہیں کرتا۔ یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہوگا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ (فتح القدیر) (مزید دیکھیے سورۂ شوریٰ، آیت:38 کا حاشیہ)

1 یعنی مشاورت کے بعد جس پر آپ کی رائے پختہ ہوجائے، پھر اللہ پر توکل کرکے اسے کر گزریے۔ اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ مشاورت کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمران ہی کا ہوگا نہ کہ ارباب مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا کہ جمہوریت میں ہے۔ دوسری یہ کہ سارا اعتماد وتوکل، اللہ کی ذات پر ہو نہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل وفہم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

2 جنگ احد کے دوران جو لوگ مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا مال غنیمت دوسرے لوگ سمیٹ لے جائیں گے اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کرلیا کہ اس مال میں سے تمھارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا۔ کیا تمھیں قائد غزوہ محمد ﷺ کی امانت پر اطمینان نہیں۔ یادرکھو کہ ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خیانت نبوت کے منافی ہے۔ اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس کی نبوت پر یقین کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔

هُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿163﴾	اللہ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور ان کے تمام اعمال کو اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے ○
لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ	بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، [1] جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت [2] سکھاتا ہے، یقیناً

1 نبی کے بشر اور انسانوں ہی میں سے ہونے کو اللہ تعالیٰ ایک احسان کے طور پر بیان کر رہا ہے اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان اور لہجے میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان ہوگا۔ دوسرے، لوگ اسی کی جنس میں سے ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کے قریب ہوں گے۔ تیسرے، انسان کے لیے انسان، یعنی بشر کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان وشعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس لیے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ ودعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اس لیے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے ہیں سب کے سب بشر ہی تھے۔ قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے، مثلاً: فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ ﴾ (یوسف 109:12) ''ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ مرد تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے۔'' ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ يَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ ﴾ (الفرقان 20:25) ''ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔'' اور خود نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا: ﴿ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 6:41) ''آپ (ﷺ) کہہ دیجیے: میں بھی تو تمھاری طرح صرف بشر ہی ہوں، البتہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔'' آج بہت سے افراد اس چیز کو نہیں سمجھتے اور انحراف کا شکار ہیں۔

2 اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ (1) تلاوت آیات (2) تزکیہ (3) تعلیم کتاب و حکمت۔ تعلیم کتاب میں تلاوت از خود آ جاتی ہے، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے، تلاوت کے بغیر تعلیم کا تصور ہی نہیں۔ اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس نکتے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور نیک عمل ہے، چاہے پڑھنے والا اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآن کے معنی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اتنی فہم و استعداد بہم نہ پہنچ جائے، تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت جائز نہیں۔ تزکیے سے مراد عقائد اور اعمال و اخلاق کی

النصف

مُّبِيْنٍ ﴿164﴾

یہ [1] سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿165﴾

(کیا بات ہے) کہ جب تمھیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے، [2] تو یہ کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ خود تمھاری طرف سے ہے، [3] بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿166﴾ۙ

اور تمھیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوئی تھی، وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے ○

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ ھُمْ

اور منافقوں کو بھی معلوم کرے [4] جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یا کافروں کو ہٹاؤ، تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے، [5]

اصلاح ہے، جس طرح آپ ﷺ نے انھیں شرک سے ہٹا کر توحید پر لگایا اسی طرح نہایت بد اخلاق اور بد اطوار قوم کو اخلاق و کردار کی رفعتوں سے ہمکنار کر دیا، حکمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک سنت ہے۔

1 یہ ﴿اِنْ﴾ «مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ» ہے، یعنی "اِنَّ" (تحقیق، یقیناً، بلاشبہ) کے معنی میں۔

2 یعنی احد میں تمھارے ستر آدمی شہید ہوئے تو بدر میں تم نے ستر کافر قتل کیے تھے اور ستر قیدی بنائے تھے۔

3 یعنی تمھاری اس غلطی کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کے باوجود پہاڑی مورچہ چھوڑ کر تم نے کی تھی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری کہ اس غلطی کی وجہ سے کافروں کے ایک دستے کو اس درے سے دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔

4 یعنی احد میں تمھیں جو کچھ نقصان پہنچا، وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچا ہے (تاکہ آئندہ تم اطاعت رسول کا کما حقہ اہتمام کرو) علاوہ ازیں اس کا ایک مقصد مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز کرنا بھی تھا۔

5 لڑائی جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی آپ لوگ لڑائی لڑنے چل رہے ہوتے تو ہم بھی ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو لڑائی کی بجائے اپنے آپ کو تباہی کے دہانے میں جھونکے جا رہے ہیں۔ ایسے غلط کام میں ہم کیوں آپ کا ساتھ دیں۔ یہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس لیے کہا کہ ان کی بات نہیں مانی گئی تھی اور اس وقت کہا جب وہ مقام شوط پر پہنچ کر واپس ہو رہے تھے اور عبداللہ بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ انھیں سمجھا بجھا کر شریک جنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ (قدرے تفصیل گزر چکی ہے)

لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۚ ﴿167﴾

وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے،[1] اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں،[2] اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں ○

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿168﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو ○[3]

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ۙ ﴿169﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں ○[4]

---

1 اپنے نفاق اور ان باتوں کی وجہ سے جو انھوں نے کیں۔

2 یعنی زبان سے تو ظاہر کیا جو مذکور ہوا لیکن دل میں یہ تھا کہ ہماری علیحدگی سے ایک تو مسلمانوں کے اندر بھی ضعف پیدا ہوگا۔ دوسرے، کافروں کو فائدہ ہوگا۔ مقصد اسلام، مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ کو نقصان پہنچانا تھا۔

3 یہ منافقین کے اس قول کا رد ہے کہ ''اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اگر تم سچے ہو تو اپنے سے موت ٹال کر دکھاؤ۔'' مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں۔ موت بھی جہاں اور جیسے مقدر ہے، وہاں اور اسی صورت میں آ کر رہے گی۔ اس لیے جہاد اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے گریز و فرار یہ کسی کو موت کے شکنجے سے نہیں بچا سکتا۔

4 شہداء کی یہ زندگی حقیقی ہے یا مجازی، یقیناً حقیقی ہے لیکن برزخی ہے جس کا شعور اہل دنیا کو نہیں (جیسا کہ قرآن نے وضاحت کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیت نمبر: 154) پھر اس زندگی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں قبروں میں ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہاں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت کے پھلوں کی خوشبوئیں انھیں آتی ہیں جن سے ان کے مشام جان معطر رہتے ہیں۔ لیکن حدیث سے ایک تیسری شکل معلوم ہوتی ہے اس لیے وہی صحیح ہے، وہ یہ کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے جوف یا سینوں میں داخل کر دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتی پھرتی اور اس کی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر، و صحیح مسلم، حدیث: 121-(1887))

فَرِحِيۡنَ بِمَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۙ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿170﴾

وقف لازم

اللہ نے اپنا فضل جو انھیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے، ان کے پیچھے ہیں، [1] یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿171﴾ ۚ

وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا ○ [2]

ع 17/16 8

اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ لِلَّذِيۡنَ

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انھیں پورے زخم لگ چکے تھے، ان میں سے

---

1 یعنی وہ اہل اسلام جو ان کے پیچھے دنیا میں زندہ ہیں یا مصروف جہاد ہیں، ان کی بابت وہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش وہ بھی شہادت سے ہمکنار ہو کر یہاں ہم جیسی پرلطف زندگی حاصل کریں۔ شہدائے احد نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں، انھیں ہمارے حالات اور پرمسرت زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے تاکہ وہ جنگ و جہاد سے اعراض نہ کریں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تمھاری یہ بات ان تک پہنچا دیتا ہوں۔'' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ علاوہ ازیں متعدد احادیث سے شہادت کی فضیلت ثابت ہے۔ مثلاً: ایک حدیث میں فرمایا: «مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ لَهَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ يَسُرُّهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيدُ فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرٰى لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ» (مسند أحمد:126/3، وصحيح مسلم، حديث:108-(1877)) ''کوئی مرنے والی جان، جس کو اللہ کے ہاں اچھا مقام حاصل ہے، دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتی۔ البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ یہ آرزو وہ اس لیے کرتا ہے کہ شہادت کی فضیلت کا وہ مشاہدہ کر لیتا ہے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے کہا کہ مجھ سے اپنی کسی آرزو کا اظہار کر (تاکہ میں اسے پورا کر دوں) تیرے باپ نے جواب دیا کہ میری تو صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو ممکن نہیں ہے اس لیے کہ میرا فیصلہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جا سکتا۔'' (مسند أحمد:361/3)

2 یہ اِسۡتِبۡشَار، پہلے استبشار کی تاکید اور اس بات کا بیان ہے کہ ان کی خوشی محض خوف و حزن کے فقدان کی ہی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے بے پایاں فضل و کرم کی وجہ سے بھی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے پہلی خوشی کا تعلق دنیا میں رہ جانے والے بھائیوں کی وجہ سے اور یہ دوسری خوشی اس انعام و اکرام کی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خود ان پر ہوا۔ (فتح القدير)

اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿172﴾

جنھوں نے نیکی کی اور پرہیز گاری برتی ان کے لیے بہت زیادہ اجر ہے ○ [1]

اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَـكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ‌ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿173﴾

وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمھارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انھیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے ○ [2]

---

1 جب مشرکین جنگ احد سے واپس ہوئے تو راستے میں انھیں خیال آیا کہ ہم نے تو ایک نہایت سنہری موقع ضائع کر دیا۔ مسلمان شکست خوردگی کی وجہ سے بے حوصلہ اور خوف زدہ تھے۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر دینا چاہیے تھا تا کہ اسلام کا یہ پودا اپنی سرزمین (مدینہ) سے ہی نیست و نابود ہو جاتا۔ ادھر مدینہ پہنچ کر نبئ کریم ﷺ کو بھی اندیشہ ہوا کہ شاید وہ پھر پلٹ آئیں، لہٰذا آپ نے صحابہ کو لڑنے کے لیے آمادہ کیا آپ کے کہنے پر صحابہ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے مقتولین و مجروحین کی وجہ سے دل گرفتہ اور محزون و مغموم تھے، تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ جب مدینہ سے 8 میل کے فاصلے پر واقع ''حمراء الاسد'' پر پہنچا تو مشرکین کو خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کا ارادہ بدل گیا اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی بجائے مکہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے رفقاء بھی مدینہ واپس آ گئے۔ آیت میں مسلمانوں کے اسی جذبہ اطاعت اللہ و رسول کی تعریف کی گئی ہے بعض نے اس کا سبب نزول ابوسفیان کی اس دھمکی کو بتلایا ہے کہ آئندہ سال بدر صغریٰ میں ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا۔ (ابوسفیان ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جس پر مسلمانوں نے بھی اللہ و رسول کی اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جہاد میں بھرپور حصہ لینے کا عزم کر لیا۔ (ملخص از فتح القدیر و ابن کثیر) مگر یہ آخری قول سیاق سے میل نہیں کھاتا۔

2 حمراء الاسد...... اور کہا جاتا ہے کہ بدر صغریٰ...... کے موقع پر ابوسفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل کیں اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین مکہ لڑائی کے لیے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تا کہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ بعض روایات کی رو سے یہ کام شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعے سے لیا۔ لیکن مسلمان اس قسم کی افواہیں سن کر خوف زدہ ہونے کی بجائے، مزید عزم و ولولہ سے سرشار ہو گئے اور ان کا ایمان مزید بڑھ گیا کیونکہ ایمان جتنا زیادہ ہوگا، جہاد کا عزم اور ولولہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان جامد قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتلاء و مصیبت کے وقت اہل ایمان کا شیوہ اللہ پر اعتماد و توکل ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی ﴿حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ﴾ پڑھنے کی فضیلت وارد ہے۔ نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ (فتح القدیر)

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿174﴾

(نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ لوٹے،[1] انھیں کوئی برائی نہ پہنچی، انھوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿175﴾

یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے[2] تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو ○[3]

وَلَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ‌ۚ اِنَّهُمۡ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـئًا ‌ؕ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجۡعَلَ لَهُمۡ حَظًّا فِى الۡاٰخِرَةِ ‌ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿176﴾

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غم ناک نہ کریں، یقین مانو کہ وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے آخرت کا کوئی حصہ نہ کرے،[4] اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○

اِنَّ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـئًا ‌ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿177﴾

کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان ہی کے لیے المناک عذاب ہے ○

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ

کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ

---

1 نعمت سے مراد سلامتی ہے اور فضل سے مراد وہ نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے بدر صغریٰ میں ایک گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خرید کر فروخت کیا جس سے نفع حاصل ہوا اور آپ نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر)

2 یعنی تمھیں اس وسوسے اور وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ بڑے مضبوط اور طاقتور ہیں۔

3 یعنی جب وہ تمھیں اس وہم میں مبتلا کرے تو تم صرف مجھ پر ہی بھروسا رکھو اور میری ہی طرف رجوع کرو، میں تمھیں کافی ہو جاؤں گا اور تمھارا ناصر رہوں گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ ﴾ (الزمر 36:39) ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟'' مزید ملاحظہ ہوں: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ ﴾ (المجادلة 21:58) وغیرها من الآیات.

4 نبی ﷺ کے اندر اس بات کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں، اسی لیے ان کے انکار اور تکذیب سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں، یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنی ہی آخرت برباد کر رہے ہیں۔

خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ
لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿178﴾

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلٰى مَاۤ
اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ حَتّٰى يَمِيۡزَ الۡخَبِيۡثَ مِنَ
الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى
الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ
مَنۡ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

سمجھیں، یہ مہلت تو اس لیے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں،[1] ان ہی کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ○

جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ ایمان والوں کو نہ چھوڑ دے گا جب تک کہ پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے،[2] اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تمھیں غیب سے آگاہ کر دے،[3] بلکہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے،[4] اس لیے تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان

---

1 اس میں اللہ کے قانون اِمہال (مہلت دینے) کا بیان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق کافروں کو مہلت عطا فرماتا ہے، وقتی طور پر انھیں دنیا کی فراغت و خوش حالی سے، فتوحات سے اور مال و اولاد سے نوازتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے والے نیکی اور اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار نہیں کرتے تو یہ دنیوی نعمتیں فضل الٰہی نہیں مہلت الٰہی ہے۔ جس سے ان کے کفر و فسوق میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بالآخر وہ جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق قرار پا جاتے ہیں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ مثلاً: ﴿ اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ○ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:55،56) ''کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کے مال و اولاد میں اضافہ کرتے ہیں، یہ ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔''

2 اس لیے اللہ تعالیٰ ابتلا کی بھٹی سے ضرور گزارتا ہے تاکہ اس کے دوست واضح اور دشمن ذلیل ہو جائیں۔ مومن صابر، منافق سے الگ ہو جائے جس طرح احد میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آزمایا جس سے ان کے ایمان، صبر و ثبات اور جذبہ اطاعت کا اظہار ہوا اور منافقین نے اپنے اوپر جو نفاق کا پردہ ڈال رکھا تھا، وہ بے نقاب ہو گیا۔

3 یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح ابتلا کے ذریعے سے لوگوں کے حالات اور ان کے ظاہر و باطن کو نمایاں نہ کرے تو تمھارے پاس کوئی غیب کا علم تو ہے نہیں کہ جس سے تم پر یہ چیزیں منکشف ہو جائیں اور تم جان سکو کہ کون منافق ہے اور کون مومن خالص؟

4 ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کی باتوں پر مطلع فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر منافقین کا اور ان کے حالات اور ان کی سازشوں کا راز فاش ہو جاتا ہے، یعنی یہ بھی کسی کسی وقت اور کسی کسی نبی پر ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر نبی بھی (جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے) منافقین کے اندرونی نفاق اور ان کے مکر و کید سے بے خبر ہی رہتا ہے (جس طرح کہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر101 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اعراب اور اہل مدینہ

وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿179﴾	رکھو، اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمھارے لیے اجر عظیم ہے ○
وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿180﴾ ع 18/9	جنھیں اللہ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت والے دن وہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے، [1] آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اس سے اللہ آگاہ ہے ○
لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ۘ سَنَكۡتُبُ (وقف لازم)	یقیناً اللہ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں [2] ان کے اس قول کو ہم لکھ

میں جو منافق ہیں اے پیغمبر! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں) اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب کی باتوں کا پتہ ہم صرف اپنے رسولوں کو ہی عطا کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی منصبی ضرورت ہے۔ اس وحی الٰہی اور امور غیبیہ کے ذریعے سے ہی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اپنے کو اللہ کا رسول ثابت کرتے ہیں؟ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ﴾ (الجن 27,26:72) ''عالم الغیب (اللہ تعالیٰ ہے) اور وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی واقف نہیں کرتا مگر جس کو پسند کر لے رسولوں میں سے۔'' ظاہر بات ہے یہ امور غیبیہ وہی ہوتے ہیں جن کا تعلق منصب وفرائض رسالت کی ادائیگی سے ہوتا ہے نہ کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ''جو کچھ ہو چکا اور آئندہ قیامت تک جو ہونے والا ہے۔'' کا علم۔ جیسا کہ بعض اہل باطل اس طرح کا علم غیب انبیاء علیہم السلام کے لیے اور کچھ لوگ اپنے ''ائمہ معصومین'' کے لیے باور کراتے ہیں۔

1 اس میں اس بخیل کا بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا حتیٰ کہ اس میں سے فرض زکاۃ بھی نہیں نکالتا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اس کے مال کو ایک زہریلا اور نہایت خوفناک سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ «مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحيح البخاري، حديث:4565)

2 جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: ﴿مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا﴾ (البقرة 245:2) ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے۔'' تو یہود نے کہا کہ اے محمد! تیرا رب فقیر ہو

مَا قَالُوۡا وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿181﴾

لیں گے۔ اور ان کا انبیاء کو بے وجہ قتل کرنا بھی،[1] اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلا دینے والا عذاب چکھو ○

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۚ﴿182﴾

یہ تمھارے پیش کردہ اعمال کا بدلہ ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰى يَاۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿183﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمھارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو تو پھر تم نے انھیں کیوں مار ڈالا؟ ○[2]

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿184﴾

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں، صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے ○[3]

گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

1 یعنی مذکورہ قول جس میں اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اسی طرح ان کے (اسلاف) کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا، ان کے یہ سارے جرائم اللہ کی بارگاہ میں درج ہیں، جن پر وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔

2 اس میں یہود کی ایک اور بات کی تکذیب کی جا رہی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ تم صرف اس رسول کو ماننا جس کی دعا پر آسمان سے آگ آئے اور قربانی وصدقات کو جلا ڈالے۔ مطلب یہ تھا کہ اے محمد! آپ کے ذریعے سے اس معجزے کا چونکہ صدور نہیں ہوا۔ اس لیے بحکم الٰہی آپ کی رسالت پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے، حالانکہ پہلے نبیوں میں ایسے نبی بھی آئے کہ جن کی دعا سے آسمان سے آگ آتی اور اہل ایمان کے صدقات اور قربانیوں کو کھا جاتی۔ جو ایک طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ اللہ کی راہ میں پیش کردہ صدقہ یا قربانی بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گئی۔ دوسری طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ نبی برحق ہے۔ لیکن ان یہودیوں نے ان نبیوں اور رسولوں کی بھی تکذیب ہی کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تم نے ایسے پیغمبروں کو کیوں جھٹلایا اور انھیں قتل کیا جو تمھاری طلب کردہ نشانی ہی لے کر آئے تھے۔''

3 نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ یہودیوں کی ان کٹ حجتیوں سے بد دل نہ ہوں۔ ایسا معاملہ صرف آپ کے

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿185﴾

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس [1] ہے ○

لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ۟ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى

یقیناً تمھارے مالوں اور جانوں سے تمھاری آزمائش کی جائے گی [2] اور یہ بھی یقین ہے کہ تمھیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے

ساتھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے۔

1 اس آیت میں ایک تو اس اٹل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے، اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہوگا، اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تیسرا، کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ کامیاب اصل میں وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے، جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا، وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام و نامراد ہے۔

2 اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمانے کا بیان ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: 155 میں گزر چکا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدر بھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مجلس میں مسلمان، مشرکین، یہود اور عبداللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ وہاں آئے اور سلام کہا۔ آپ کی سواری سے جو گرد اٹھی، ابن ابی نے اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا اور آپ نے انھیں ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبداللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ وہاں بعض مسلمان بھی تھے، انھوں نے اس کے برعکس آپ کی تحسین فرمائی، قریب تھا کہ ان کے مابین جھگڑا ہو جائے، آپ نے ان سب کو خاموش کرایا۔ پھر آپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھیں بھی یہ واقعہ سنایا جس پر انھوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی یہ باتیں اس لیے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل یہاں کے باشندگان نے اس کی تاج پوشی کرنی تھی، آپ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس کا اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا مظہر ہیں۔ اس لیے آپ درگزر ہی سے کام لیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4566)

كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿186﴾
وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ ۫ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ﴿187﴾
لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَهُمۡ

والی باتیں بھی سننی پڑیں گی اور اگر تم صبر کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے ○ [1]
اور اللہ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے ○ [2]
وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انھوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں آپ انھیں عذاب سے چھٹکارے میں نہ سمجھیے ان

---

1 اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ یہ نبی ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز سے طعن وتشنیع کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح مشرکین عرب کا حال تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ میں آنے کے بعد منافقین بالخصوص ان کا رئیس عبداللہ بن ابی بھی آپ ﷺ کی شان میں استخفاف کرتا رہتا تھا۔ آپ کے مدینہ آنے سے قبل اہل مدینہ اسے اپنا سردار بنانے لگے تھے اور اس کے سر پر تاج سیادت رکھنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی کہ آپ کے آنے سے اس کا یہ سارا خواب بکھر کر رہ گیا، جس کا اسے شدید صدمہ تھا چنانچہ انتقام کے طور پر بھی یہ شخص آپ کے خلاف سب وشتم کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا (جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالے سے اس کی ضروری تفصیل گزشتہ حاشیہ میں ہی بیان کی گئی ہے) ان حالات میں مسلمانوں کو عفوو درگزر اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ داعیان حق کا اذیتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا اس راہ حق کے ناگزیر مرحلوں میں سے ہے اور اس کا علاج صبر فی اللہ، استعانت باللہ اور رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں۔ (ابن کثیر)

2 اس میں اہل کتاب کو زجر وتوبیخ کی جارہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا کہ کتاب الٰہی (تورات اور انجیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبی کی جو صفات ہیں، انھیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انھیں چھپائیں گے نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے اللہ کے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ گویا اہل علم کو تلقین وتنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے، جس سے لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح ہو سکتی ہو، وہ لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہیے اور دنیوی اغراض ومفادات کی خاطر ان کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے۔ قیامت والے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ کما في الحديث (سنن أبي داود حديث: 3658، وجامع الترمذي، حديث: 2649، ومسند أحمد: 305/2)

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿188﴾
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ
19 ع 9 10 عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿189﴾ ع
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿190﴾ ۚۙ
الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا
وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا
بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿191﴾

کے لیے تو دردناک عذاب ہے ○ [1]
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○
آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ [2]
جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ

---

1 اس میں ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو صرف اپنے واقعی کارناموں پر ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنامے بھی درج یا ظاہر کیے جائیں جو انھوں نے نہیں کیے ہوتے۔ یہ بیماری جس طرح عہد رسالت کے بعض لوگوں میں تھی جن کے پیش نظر آیات کا نزول ہوا۔ اسی طرح آج بھی جاہ پسند قسم کے لوگوں اور پروپیگنڈے اور دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے سے بننے والے لیڈروں میں یہ بیماری عام ہے۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ . آیت کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کتاب الٰہی میں تحریف و کتمان کے مجرم تھے مگر وہ اپنے ان کرتوتوں پر خوش ہوتے تھے، یہی حال آج کے باطل گروہوں کا بھی ہے، وہ بھی لوگوں کو گمراہ کر کے، غلط رہنمائی کر کے اور آیات الٰہی میں معنوی تحریف و تلبیس کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اہل حق ہیں اور یہ کہ ان کے دجل و فریب کاری کی انھیں داد دی جائے۔ «قَاتَلَهُمُ اللهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ» .

2 یعنی جو لوگ زمین و آسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار و رموز پر غور کرتے ہیں، انھیں کائنات کے خالق اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل و عریض کائنات کا یہ لگا بندھا نظام، جس میں ذرا خلل واقع نہیں ہوتا، یقیناً اس کے پیچھے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات۔ آگے انھی اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں...... حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے اٹھتے تو ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ سے لے کر آخر سورت تک یہ آیات پڑھتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4569، وصحيح مسلم، حديث: 182-(763))

کے عذاب سے بچالے ○ [1]

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿192﴾

اے ہمارے پالنے والے! تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا، اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں ○

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۚ ﴿193﴾

اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا باآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یاالٰہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کردے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر ○

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿194﴾

اے ہمارے پالنے والے معبود! ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

1 ان دس آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت وطاقت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ نشانیاں ضرور ہیں لیکن کن کے لیے؟ اہل عقل و دانش کے لیے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان عجائبات اور قدرت اِلٰهِیّہ کو دیکھ کر بھی جس شخص کو باری تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو، وہ اہل دانش ہی نہیں۔ لیکن یہ المیہ بھی بڑا عجیب ہے کہ آج کے عالم اسلام میں ''دانش ور'' سمجھا ہی اس کو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو۔ «فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ» . دوسری آیت میں اہل دانش کے ذوق ذکر الٰہی اور ان کا آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرنے کا بیان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو کروٹ کے بل لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لو۔'' (صحيح البخاري، حديث:1117) ایسے لوگ جو ہر وقت اللہ کو یاد کرتے اور رکھتے ہیں اور آسمان وزمین کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جن سے خالق کائنات کی عظمت وقدرت، اس کا علم واختیار اور اس کی رحمت و ربوبیت کی صحیح معرفت انھیں حاصل ہوتی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ رب کائنات نے یہ کائنات یوں ہی بے مقصد نہیں بنائی ہے بلکہ اس سے مقصد بندوں کا امتحان ہے۔ جو امتحان میں کامیاب ہوگیا، اس کے لیے ابدالآباد تک جنت کی نعمتیں ہیں اور جو ناکام ہوا اس کے لیے عذاب نار ہے۔ اس لیے وہ عذاب نار سے بچنے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد والی تین آیات میں بھی مغفرت اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کی دعائیں ہیں۔

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَ اُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ قٰتَلُوۡا وَ قُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَ لَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿195﴾

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی [1] کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، [2] تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، [3] اس لیے وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنھیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنھوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے ، میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور بالیقین انھیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہے ثواب اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ○

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ ﴿196﴾ؕ

تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے ○ [4]

1 ﴿فَاسۡتَجَابَ﴾ یہاں اَجَابَ، یعنی ''قبول فرمالی'' کے معنی میں ہے۔(فتح القدير)

2 مرد ہو یا عورت کی وضاحت اس لیے کردی کہ اسلام نے بعض معاملات میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے۔ مثلاً: قوامیت وحاکمیت میں، کسب معاش کی ذمہ داری میں، جہاد میں حصہ لینے میں اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزا میں بھی شاید مرد وعورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا، وہ نیکی اگر ایک عورت کرے گی تو اس کو بھی وہی اجر ملے گا۔

3 یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کا مقصد پچھلے نکتے کی ہی وضاحت ہے، یعنی اجر واطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی ہو، یعنی ایک جیسے ہی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسير الطبري و ابن كثير و فتح القدير)

4 خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے شہروں میں چلنے پھرنے سے مراد تجارت وکاروبار کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر وسائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کے وسعت وفروغ کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی اور چندروزہ فائدہ ہے، اس سے اہل ایمان کو دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہیے، جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿197﴾

یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے۔[1] اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے ○

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿198﴾

الثلثۃ

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہے اللہ کی طرف سے اور نیک لوگوں کے لیے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے ○[2]

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿199﴾

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تمھاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی، اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے بھی نہیں،[3] ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے، یقیناً اللہ

عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:
﴿ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ○ ﴾(المؤمن 4:40) ''اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں، پس ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔'' ﴿ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾(یونس 70,69:10)
﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ○ ﴾(لقمٰن 24:31)

1 یعنی یہ دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، درحقیقت متاع قلیل ہی ہیں۔ کیونکہ بالآخر انھیں فنا ہونا ہے اور ان کے بھی فنا ہونے سے پہلے وہ حضرات خود فنا ہو جائیں گے، جو ان کے حصول کی کوششوں میں اللہ کو بھی فراموش کیے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدوں کو بھی پامال کرتے ہیں۔

2 ان کے برعکس جو تقویٰ اور خدا خوفی کی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ گو دنیا میں ان کے پاس رب فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہو گی مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہاں ان ابرار (نیک لوگوں) کو جو اجر و صلہ ملے گا، وہ اس سے بہت بہتر ہو گا جو دنیا میں کافروں کو عارضی طور پر ملتا ہے۔

3 اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾ ع 20/11 11

جلد حساب لینے والا ہے ○
اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو [1] اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو ○

اٰیَاتُهَا: 176 (4) سُوۡرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ (92) رُکُوۡعَاتُهَا: 24

سورۂ نساء [2] مدنی ہے اور اس میں 176 آیات اور 24 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا [3] اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا

جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا، آیات الٰہی میں تحریف و تلبیس کرنا اور دنیا کے عارضی اور فانی مفادات کے لیے کتمان علم کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء و مشائخ دنیوی اغراض کے لیے آیات الٰہی میں تحریف یا ان کے مفہوم کے بیان میں دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں، وہ ایمان و تقویٰ سے محروم ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی، البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور انھوں نے دین حق کو اپنایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

1 صبر کرو، یعنی طاعات کے اختیار کرنے اور شہوات ولذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔ مُصَابَرَةٌ (صَابِرُوا) جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا، یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ اس لیے علیحدہ بیان فرمایا۔ ﴿رَابِطُوۡا﴾، میدان جنگ یا محاذ جنگ میں مورچہ بند ہو کر ہمہ وقت چوکنا اور جہاد کے لیے تیار رہنا مُرَابَطَه ہے۔ یہ بھی بڑے عزم و حوصلہ کا کام ہے۔ اسی لیے حدیث میں اس کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے: «رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا» (صحيح البخاري، حديث: 2892) ''اللہ کے راستے (جہاد) میں اسلامی سرحد کا پہرہ دینا، مورچہ بند ہونا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' علاوہ ازیں حدیث میں مکارہ (ناگواری کے حالات میں) مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 41-(251))

2 ﴿نِسَآءً﴾ کے معنی ہیں ''عورتیں'' اس سورت میں عورتوں کے بہت سے اہم مسائل کا تذکرہ ہے۔ اس لیے اسے سورۂ نساء کہا جاتا ہے۔

3 ''ایک جان'' سے مراد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ﴿خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ میں مِنۡهَا سے وہی ''جان''

اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ①

دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناتے توڑنے سے بھی بچو،[1] بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے ○

وَ اٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِكُمۡ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حُوۡبًا کَبِیۡرًا ②

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو، اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○[2]

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی

اگر تمھیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف

یعنی آدم مراد ہیں، یعنی آدم سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حواء کو پیدا کیا۔ حضرت حواء حضرت آدم علیہ السلام سے کس طرح پیدا ہوئیں؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول مروی ہے کہ حضرت حواء، مرد (آدم) سے پیدا ہوئیں، یعنی ان کی بائیں پسلی سے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے: «إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ....»(صحيح البخاري، حديث:3331، وصحيح مسلم، حديث: 60-(715)، بعد الحديث: 1466) ''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ، اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔'' علماء مفسرین نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول رائے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے الفاظ ﴿خَلَقَ مِنۡهَا﴾ سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق اسی نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدم کہا جاتا ہے۔ تاہم بعض لوگ ''پسلی سے پیدا کی گئی۔'' کو حقیقت کی بجائے تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ یہ عورت کی طبیعت اور فطرت کے اندر جو کجی ہے، حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے مگر یہ تاویل قرینے اور دلیل سے خالی ہے۔ والله أعلم بالصواب.

1 ﴿وَالۡاَرۡحَامَ﴾ کا عطف اللہ پر ہے، یعنی رحموں (رشتوں ناطوں) کو توڑنے سے بھی بچو۔ ارحام، رحم کی جمع ہے۔ مراد رشتے داریاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں۔ اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں۔ احادیث میں قرابت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔

2 یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ ﴿الۡخَبِیۡثَ﴾ سے گھٹیا چیزیں اور ﴿بِالطَّیِّبِ﴾ سے عمدہ چیزیں مراد ہیں، یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لیے گھٹیا

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③

نہ رکھ سکو گے تو اورعورتوں میں سے جو بھی تمھیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمھیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہوتو ایک ہی کافی ہے یا تمھاری ملکیت کی لونڈی، [1] یہ زیادہ قریب ہے، (ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ ○ [2]

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ

اورعورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں، اگر وہ

چیزیں ان کے بدلے میں رکھ دو۔ ان گھٹیا چیزوں کو خبیث (ناپاک) اور عمدہ چیزوں کو طیب (پاک) سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس طرح بدلایا گیا مال، جو اگرچہ اصل میں تو طیب (پاک اور حلال) ہے لیکن تمھاری اس بددیانتی نے اس میں خباثت داخل کر دی اور وہ اب طیب نہیں رہا، بلکہ تمھارے حق میں وہ خبیث (ناپاک اور حرام) ہو گیا۔ اسی طرح بددیانتی سے ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانا بھی ممنوع ہے ورنہ اگر مقصد خیر خواہی ہو تو ان کے مال کو اپنے مال میں ملانا جائز ہے۔

1 اس کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کے زیر پرورش ہوتی تو وہ اس کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا لیکن اس کو دوسری عورتوں کی طرح ان کا پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا کہ اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو، تمھارے لیے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا راستہ کھلا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4574) بلکہ ایک کی بجائے دو سے، تین سے حتیٰ کہ چار عورتوں سے تم نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو۔ ورنہ ایک سے ہی نکاح کرو یا اس کی بجائے لونڈی پر گزارا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مرد (اگر وہ ضرورت مند ہے) تو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی مزید صراحت اور تحدید کر دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو چار سے زائد شادیاں کیں وہ آپ کے خصائص میں سے ہے جس پر کسی امتی کے لیے عمل کرنا جائز نہیں۔ (ابن كثير)

2 یعنی ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں انصاف کا اہتمام بہت مشکل ہے جس کی طرف قلبی میلان زیادہ ہو گا، ضروریات زندگی کی فراہمی میں زیادہ توجہ بھی اسی کی طرف ہو گی۔ یوں بیویوں کے درمیان وہ انصاف کرنے میں ناکام رہے گا اور اللہ کے ہاں مجرم قرار پائے گا۔ قرآن نے اس حقیقت کو دوسرے مقام پر نہایت بلیغانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ

طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا ④

خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے (خوش ہوکر) کھاؤ پیو ○

وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِیٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِیۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ⑤

بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ نے تمھاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، ہاں انھیں اس مال سے کھلاؤ، پلاؤ، پہناؤ اوڑھاؤ اور انھیں معقولیت سے نرم بات کہو ○

وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ یَّكۡبَرُوۡا ؕ وَمَنۡ كَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ كَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا ⑥

اور یتیموں کو ان کے بالغ ہوجانے تک سدھارتے اور آزماتے رہو، پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انھیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہوجانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کردو، مال داروں کو چاہیے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں، ہاں، جو مسکین محتاج ہوتو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھالے، پھر جب انھیں ان کے مال سونپو تو گواہ بنالو، دراصل حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے ○ [1]

النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا كُلَّ الۡمَیۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ﴾ (النسآء 4:129) ''اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہ رکھو گے کہ بیویوں کے درمیان انصاف کرسکو اگرچہ تم حرص رکھو۔ (اس لیے یہ تو ضرور کرو) کہ ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیویوں کو بیچ ادھڑ میں لٹکا رکھو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ پتہ ہو کہ دوسری شادی کی صورت میں ایک ہی بیوی کی طرف مائل ہوجائے گا اور دوسری کو کالمعلقۃ ''لٹکائی ہوئی'' چھوڑ دے گا تو اس کے لیے ایک سے زائد شادیاں کرنا ناجائز اور نہایت خطرناک ہے۔

1 یتیموں کے مال کے بارے میں ضروری ہدایات دینے کے بعد اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یتیم کا مال تمھارے پاس رہا، تم نے اس کی کس طرح حفاظت کی اور جب مال ان کے سپرد کیا تو اس میں کوئی کمی بیشی یا کسی قسم کی تبدیلی کی یا نہیں؟ عام لوگوں کو تو تمھاری امانت داری یا خیانت کا شاید پتہ نہ چلے۔ لیکن اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ یقیناً جب تم اس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو تم سے حساب لے گا۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ابوذر! میں تمھیں ضعیف دیکھتا ہوں اور تمھارے لیے وہی

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦

ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں اس سے مردوں کے لیے حصہ ہے (اسی طرح) عورتوں کے لیے بھی اس مال سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، خواہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں ہر ایک کا) حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا ہے ○ [1]

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧

اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار یتیم اور مسکین آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انھیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو ○ [2]

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

اور چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے (ننھے ننھے) ناتوان بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے، (تو ان کی چاہت کیا ہوتی)

چیز پسند کرتا ہوں، جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا نہ کسی یتیم کے مال کا والی اور سرپرست۔''
(صحیح مسلم، حدیث:17-(1826))

1 اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گی، انھیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصے سے نصف ہے (جیسا کہ 3 آیات کے بعد مذکور ہے) یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اسے ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کی بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

2 اسے بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں، بلکہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ امداد کے مستحق رشتے داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں، اسی طرح دیگر یتیم اور مسکین لوگ اگر تقسیم کے وقت آ جائیں تو انھیں بھی کچھ دے دو۔ نیز ان سے بات بھی پیار ومحبت کے انداز میں

پس اللہ سے ڈر کر جچی تلی بات کہا کریں ○ [1]

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا ⑩

جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے ○

ع 1/10/12

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ۚ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، [2] اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انھیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ [3] اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے، اور میت کے ماں باپ میں سے ہر

کرو۔ دولت کو آتے ہوئے دیکھ کر قارون وفرعون نہ بنو۔

1 بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیاء ہیں (جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ یتیموں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، قطع نظر اس کے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تا کہ وہ نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کر سکے نہ حقوق بنی آدم میں اور وہ وصیت میں ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے۔ اگر وہ خوب صاحب حیثیت ہے تو اپنے مال کو ایسے لوگوں کے حق میں ضرور وصیت کرے جو اس کے قریبی غیر وارث رشتہ داروں میں غریب اور مستحق امداد ہیں یا پھر کسی دینی مقصد اور ادارے پر خرچ کرنے کی وصیت کرے تا کہ یہ مال اس کے لیے زاد آخرت بن جائے لیکن یہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہ صاحب حیثیت نہیں ہے تو اسے تہائی مال میں وصیت کرنے سے روکا جائے تا کہ اس کے اہل خانہ بعد میں مفلسی اور احتیاج سے دوچار نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی اپنے ورثاء کو محروم کرنا چاہے تو اس سے اس کو منع کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اگر ان کے بعد ان کے بچے فقر و فاقہ سے دوچار ہو جائیں تو اس کے تصور سے ان پر کیا گزرے گی۔ اس تفصیل سے مذکورہ سارے ہی مخاطبین اس کا مصداق ہیں۔ (تفسير القرطبي و فتح القدير)

2 اس کی حکمت اور اس کا مبنی بر عدل وانصاف ہونا ہم واضح کر آئے ہیں۔ ورثاء میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں تو پھر اس اصول کے مطابق تقسیم ہو گی۔ لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی سب وارث ہوں گی۔ حتیٰ کہ جنین (ماں کے پیٹ میں زیر پرورش بچہ) بھی وارث ہو گا۔ البتہ کافر اولاد وارث نہ ہو گی۔

3 یعنی بیٹا کوئی نہ ہو تو مال کا دو تہائی (کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے) دو سے زائد لڑکیوں کو دیے جائیں گے

اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ⑪

ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو، [1] اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، [2] ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا ہے۔ [3] یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمھارے باپ ہوں یا تمھارے بیٹے تمھیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمھیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب

اور اگر صرف دو ہی لڑکیاں ہوں، تب بھی انھیں دو تہائی حصہ ہی دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے اور ان کی دو لڑکیاں تھیں۔ مگر سعد رضی اللہ عنہ کے سارے مال پر ان کے ایک بھائی نے قبضہ کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا سے اپنے باپ کے ترکہ میں سے دو ثلث مال دلوایا۔ (جامع الترمذي، حديث: 2092، وسنن أبي داود، حديث: 2891، وسنن ابن ماجه، حديث: 2720) علاوہ ازیں سورۂ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے بھی دو تہائی حصہ ہے، لہٰذا جب دو بہنیں دو تہائی مال کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولیٰ دو تہائی مال کی وارث ہوں گی۔ جس طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انھیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے (فتح القدير) خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو دونوں صورتوں میں مال متروکہ سے دو تہائی بیٹیوں کا حصہ ہوگا۔ باقی مال عصبہ میں تقسیم ہوگا۔

1 ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ پہلی صورت ہے کہ مرنے والے کی اگر اولاد بھی ہو تو مرنے والے کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اس میں سے چونکہ صرف نصف مال (چھ حصوں میں سے 3 حصے) بیٹی کے ہوں گے اور ایک سدس (چھٹا حصہ) ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد مزید ایک سدس باقی بچ جائے گا اس لیے بچنے والا یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائے گا، یعنی اس صورت میں باپ کو دو سدس ملیں گے، ایک ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے دوسرا عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

2 یہ دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں اجمالاً شامل ہیں) اس صورت میں ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے سے دوگنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لیے ثلث (تیسرا حصہ) اور باقی باپ کے لیے ہوگا۔

3 یہ تیسری صورت ہے کہ ماں باپ کے ساتھ، مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے (عینی)

ہے، [1] یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، بے شک اللہ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے ○

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

تمھاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں سے آدھا تمھارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمھارے لیے چوتھائی ہے۔ [2] اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمھاری اولاد نہ ہو اور اگر تمھاری اولاد ہو تو پھر انھیں تمھارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا، [3] اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی

ہوں، یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں۔ یا باپ ایک ہو، مائیں مختلف ہوں، یعنی علاتی بھائی بہن ہوں یا ماں ایک ہو، باپ مختلف ہوں، یعنی اَخیافی بھائی بہن ہوں۔ اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے۔ لیکن ماں کے لیے حجب (نقصان کا سبب) بن جائیں گے، یعنی جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ثلث (تیسرے حصے) کو سدس (چھٹے حصے) میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال (5/6) باپ کے حصہ میں چلا جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک دو بھائیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا مذکور ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک بھائی یا بہن ہو تو اس صورت میں مال میں ماں کا حصہ ثلث برقرار رہے گا۔ وہ سدس میں تبدیل نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

1 اس لیے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو، بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جس کا جتنا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، وہ ان کو دو۔

2 صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد، یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہیں، اس پر امت کے علماء کا اجماع ہے (فتح القدیر و ابن کثیر) اسی طرح مرنے والے شوہر کی اولاد، خواہ اس کی وارث ہونے والی موجودہ بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح مرنے والی عورت کی اولاد اس کے وارث ہونے والے موجودہ خاوند سے ہو یا پہلے کے کسی خاوند سے۔

3 بیوی اگر ایک ہوگی تب بھی اسے چوتھا یا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں گی تب بھی یہی حصہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا، ہر ایک کو الگ الگ چوتھائی یا آٹھواں حصہ نہیں ملے گا، یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے۔ (فتح القدیر)

السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ ﴿12﴾

میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو، یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو، [1] اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن [2] ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں، [3] اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد [4] جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا

1 (کلالہ) سے مراد وہ میت ہے جس کا باپ ہو نہ اولاد۔ یہ اکلیل سے مشتق ہے۔ اکلیل تاج کو کہتے ہیں جو کہ سر کو اس کے اطراف (کناروں) سے گھیرتا ہے۔ کلالہ کو بھی کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ اصول و فروع کے اعتبار سے تو اس کا وارث نہ بنے لیکن اطراف و جوانب سے وارث قرار پا جائے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر) اور کہا جاتا ہے کہ کلالہ کلل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھک جانا۔ گویا اس شخص تک پہنچتے پہنچتے سلسلۂ نسل ونسب تھک گیا اور آگے نہ چل سکا۔

2 اس سے مراد اخیافی بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہو باپ الگ الگ کیونکہ عینی بھائی بہن یا علاتی بہن بھائی کا حصہ میراث اس طرح نہیں ہے اور اس کا بیان اسی سورت کے اخیر میں آ رہا ہے اور یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے (فتح القدیر) دراصل نسل کے لیے مردوزن میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ﴾ کا قانون چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے بیٹیوں کے لیے اس جگہ اور بہن بھائیوں کے لیے آخری آیت نساء میں ہر دو جگہ یہی قانون ہے، البتہ صرف ماں کی اولاد میں چونکہ نسل کا حصہ نہیں ہوتا اس لیے وہاں ہر ایک کو برابر کا حصہ دیا جاتا ہے۔ بہرحال ایک بھائی یا ایک بہن کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

3 ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ نیز ان میں مذکر اور مؤنث کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ بلاتفریق سب کو مساوی حصہ ملے گا، مرد ہو یا عورت۔

ملحوظہ: ماں زاد، یعنی اخیافی بھائی بعض احکام میں دوسرے وارثوں سے مختلف ہیں (1) یہ صرف اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں۔ (2) ان کے مرد اور عورت، حصے میں مساوی ہوں گے۔ (3) یہ اس وقت وارث ہوں گے جبکہ میت کلالہ ہو، پس باپ دادا بیٹا اور پوتے وغیرہ کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ (4) ان کے مرد وعورت کتنے بھی زیادہ ہوں، ان کا حصہ ثلث (ایک تہائی) سے زیادہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ ان کو اپنے مرنے والے اخیافی بھائی سے جو مال ملے گا اس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہوگا، یہ نہیں کہ مرد کو عورت سے دوگنا دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا اور امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ یقیناً اسی صورت میں ہی کیا ہوگا جب ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہوگی۔ (ابن کثیر)

4 میراث کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تیسری مرتبہ کہا جا رہا ہے کہ ورثے کی تقسیم وصیت پر عمل کرنے

ہو، [1] یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ دانا ہے بردبار ○

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿13﴾

یہ حدیں اللہ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○

وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿14﴾ ع 2/4 13

اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے، اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لیے رسوا کن عذاب ہے ○

وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى

تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کی

اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ سب سے پہلے قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی اور وصیت پر عمل اس کے بعد کیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے تینوں جگہ وصیت کا ذکر دَین (قرض) سے پہلے کیا، حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے دَین کا ذکر پہلے ہونا چاہیے تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کو تو لوگ اہمیت دیتے ہیں، نہ بھی دیں تو لینے والے زبردستی بھی وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن وصیت پر عمل کرنے کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس معاملے میں تساہل یا تغافل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے وصیت کا پہلے ذکر فرما کر اس کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ (روح المعاني)

ملحوظہ: اگر بیوی کا حق مہر ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی دین (قرض) میں شمار ہوگا اور اس کی ادائیگی بھی وراثت کی تقسیم سے پہلے ضروری ہے۔ نیز عورت کا حصہ شرعی اس مہر کے علاوہ ہوگا۔

1 بایں طور کہ وصیت کے ذریعے سے کسی وارث کو محروم کر دیا جائے یا کسی کا حصہ گھٹا بڑھا دیا جائے یا یوں ہی وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کہہ دے کہ فلاں شخص سے میں نے اتنا قرض لیا ہوا ہے، درآں حالیکہ کچھ بھی نہ لیا ہو۔ گویا اضرار کا تعلق وصیت اور دَین دونوں سے ہے اور دونوں کے ذریعے سے نقصان پہنچانا ممنوع اور کبیرہ گناہ ہے۔ نیز ایسی وصیت بھی باطل ہوگی۔

يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ

عمریں پوری کردے،[1] یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکالے ○[2]

تم میں سے جو افراد ایسا کام کرلیں[3] انھیں ایذا دو،[4] اگر وہ توبہ اور اصلاح کرلیں تو ان سے منہ پھیرلو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

اللہ صرف انھی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کرگزریں پھر جلد اس سے باز آجائیں اور توبہ

---

1 یہ بدکار عورتوں کی بدکاری کی وہ سزا ہے جو ابتدائے اسلام میں، جبکہ زنا کی سزا متعین نہیں ہوئی تھی، عارضی طور پر مقرر کی گئی تھی۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں تین سے دس تک کی گنتی میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ معدود مذکر ہوگا تو عدد مؤنث اور معدود مؤنث ہوگا تو عدد مذکر۔ یہاں اربعة (معدود 4 کا عدد) مؤنث ہے، اس لیے اس کا معدود جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور محذوف ہے، یقیناً مذکر آئے گا اور وہ ہے رجال، یعنی اَرْبَعَةُ رِجَالٍ جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اثبات زنا کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے، اس کے اثبات کے لیے گواہوں کی کڑی شرط عائد کردی گئی ہے، یعنی چار مسلمان مرد عینی گواہ، اس کے بغیر شرعی سزا کا اثبات ممکن نہیں ہوگا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عورتوں کے امتیازی مسائل، مسئلہ شہادتِ نسواں عقل ونقل کی روشنی میں)

2 اس راستے سے مراد زنا کی وہ سزا ہے جو بعد میں مقرر کی گئی، یعنی شادی شدہ زناکار مرد وعورت کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ زناکار مرد وعورت کے لیے سو سو کوڑوں کی سزا، جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ (صحيح مسلم، حديث:12-(1690))

3 بعض نے اس سے اغلام بازی مراد لی ہے، یعنی عمل لواطت۔ دو مردوں کا ہی آپس میں بدفعلی کرنا اور بعض نے اس سے باکرہ مرد وعورت مراد لیے ہیں اور اس سے قبل کی آیت کو انھوں نے محصنات، یعنی شادی شدہ کے ساتھ خاص کیا ہے اور بعض نے اس تثنیہ کے صیغے سے مرد اور عورت مراد لیے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ باکرہ ہوں یا شادی شدہ۔ ابن جریر طبری نے دوسرے مفہوم، یعنی باکرہ (مرد وعورت) کو ترجیح دی ہے۔ اور پہلی آیت میں بیان کردہ سزا کو نبی ﷺ کی بتلائی ہوئی سزا ''سزائے رجم'' سے اور اس آیت میں بیان کردہ سزا کو سورۂ نور میں بیان کردہ ''سو کوڑوں کی سزا'' سے منسوخ قرار دیا ہے۔ (تفسير الطبري)

4 یعنی زبان سے زجر وتوبیخ اور ملامت یا ہاتھ سے کچھ زدوکوب کرلینا۔ اب یہ منسوخ ہے، جیسا کہ گزرا۔

قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑰ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ

کریں تو اللہ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے، اللہ بڑے علم والا حکمت والا ہے ○

ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی، [1] ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر ہی پر مر جائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

ایمان والو! تمھیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو، [2] انھیں اس لیے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے کچھ لے لو، [3] ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں، [4]

---

1 اس سے واضح ہے کہ موت کے وقت (حالت نزع میں) کی گئی توبہ غیر مقبول ہے، جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ اس کی ضروری تفصیل آل عمران کی آیت: 90 میں گزر چکی ہے۔

2 اسلام سے قبل عورت پر ایک یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ کسی شخص کے مر جانے پر اس کے گھر کے لوگ اس کے مال کی طرح اس کی عورت کے بھی زبردستی وارث بن بیٹھتے تھے اور خود اپنی مرضی سے، اس کی رضامندی کے بغیر اس سے نکاح کر لیتے یا اپنے بھائی، بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیتے، حتی کہ سوتیلا بیٹا تک بھی مرنے والے باپ کی عورت سے نکاح کر لیتا یا اگر چاہتے تو اسے کسی بھی جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتے اور وہ ساری عمر یوں ہی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع فرما دیا۔

3 ایک ظلم یہ بھی عورت پر کیا جاتا تھا کہ اگر خاوند کو وہ پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو از خود اس کو طلاق نہ دیتا (جس طرح ایسی صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے) بلکہ اسے خوب تنگ کرتا تاکہ وہ مجبور ہو کر حق مہر یا جو کچھ خاوند نے اسے دیا ہوتا، از خود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے۔ اسلام نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

4 کھلی برائی سے مراد بدکاری یا بدزبانی اور نافرمانی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں البتہ یہ اجازت دی گئی ہے کہ خاوند اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے کہ وہ اس کا دیا ہوا مال یا حق مہر واپس کر کے خلع کرانے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ خلع کی صورت میں خاوند کو حق مہر واپس لینے کا حق دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ، آیت: 229)

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ﴿19﴾

ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو، گوتم انھیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو، اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے ○ [1]

وَاِنۡ اَرَدْتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿20﴾

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو، [2] کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لوگے؟ ○

وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿21﴾

تم اسے کیسے لے لوگے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو [3] اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہدو پیمان

---

1 یہ بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے اس کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے: «لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُّؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَّضِيَ مِنْهَا آخَرَ» (صحيح مسلم، حديث:61-(1467)) ''مومن مرد (شوہر) مومنہ عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔'' مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اور نشوز وعصیان کے سوا اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے خاوند اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر اور برداشت سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس کے لیے خیر کثیر پیدا فرما دے، یعنی نیک اولاد دے دے یا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس ہے کہ مسلمان قرآن وحدیث کی ان ہدایات کے برعکس ذرا ذرا سی باتوں کی وجہ سے اپنی بیویوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں اور اس طرح اسلام کے عطا کردہ حق طلاق کو نہایت ظالمانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق تو انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کے لیے دیا گیا تھا، نہ کہ گھر اجاڑنے، عورتوں پر ظلم کرنے اور بچوں کی زندگیاں خراب کرنے کے لیے۔ علاوہ ازیں اس طرح یہ اسلام کی بدنامی کا بھی باعث بنتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دے کر اسے ظلم کرنے کا اختیار دے دیا۔ یوں اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی کو خرابی اور ظلم باور کرایا جاتا ہے۔

2 خود طلاق دینے کی صورت میں حق مہر واپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ ﴿قِنۡطَارًا﴾ خزانے اور مال کثیر کو کہتے ہیں، یعنی کتنا بھی حق مہر دیا ہو واپس نہیں لے سکتے۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ ظلم (بہتان) اور کھلا گناہ ہوگا۔

3 ''ایک دوسرے سے مل چکے ہو۔'' کا مطلب ہم بستری ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کنایۃً بیان فرمایا ہے۔

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيۡلًا ﴿22﴾

ع 3/8 14

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ۫ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا

لے رکھا ہے ○ [1]

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ہے [2] مگر جو گزر چکا ہے، یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے ○

حرام کی گئیں [3] تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری لڑکیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری ساس اور تمھاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمھاری گود میں ہیں، تمھاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو، ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو

---

1 ''مضبوط عہد و پیمان'' سے وہ عہد مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم ''اسے اچھے طریقے سے آباد کرنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا۔''

2 زمانۂ جاہلیت میں سوتیلے بیٹے اپنے باپ کی بیوی سے (سوتیلی ماں سے) نکاح کر لیتے تھے، اس سے روکا جا رہا ہے کہ یہ بہت ہی بے حیائی کا کام ہے۔ ﴿وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ﴾ کا عموم ایسی عورت سے بھی نکاح کو ممنوع قرار دیتا ہے جس سے اس کے باپ نے نکاح کیا لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات مروی ہے۔ اور علماء اسی کے قائل ہیں۔ (تفسير الطبري)

3 جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ ان میں سات محرمات نسبی، سات رضاعی اور چار سسرالی ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث رسول سے ثابت ہے کہ بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ سات نسبی محرمات میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں اور سات رضاعی محرمات میں رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں، رضاعی بہنیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خالائیں رضاعی بھتیجیاں اور رضاعی بھانجیاں ہیں اور سسرالی محرمات میں ساس، ربائب (مدخولہ بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکیاں) بہو اور دو سگی بہنوں کا جمع کرنا ہے۔ ان کے علاوہ باپ کی منکوحہ (جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے) اور حدیث کے مطابق بیوی جب تک عقد نکاح میں ہے، اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ اور اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے بھی نکاح حرام ہے۔

جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۙ﴿23﴾

تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور تمھارا دو بہنوں کا جمع کرنا، ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

محرمات نسبیہ کی تفصیل: «أُمَّھَات» (مائیں) میں ماؤں کی مائیں (نانیاں) ان کی دادیاں اور باپ کی مائیں (دادیاں، پردادیاں اور ان سے آگے تک) شامل ہیں۔ «بَنَات» (بیٹیاں) میں پوتیاں، نواسیاں اور پوتیوں، نواسیوں کی بیٹیاں (نیچے تک) شامل ہیں۔ زنا کے نتیجے میں زانی کے نطفے سے پیدا ہونے والی لڑکی، اس کی بیٹی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ ائمۂ ثلاثہ اسے بیٹی میں شامل کرتے ہیں اور اس سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں اور یہی حق ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ بنت شرعی نہیں ہے۔ پس جس طرح وہ ﴿يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمھیں اولاد میں مال متروکہ تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' میں داخل نہیں اور بالا جماع وہ وارث نہیں۔ اسی طرح وہ اس آیت میں بھی داخل نہیں۔ واللہ اعلم (ابن کثیر) «أَخَوَات» (بہنیں) عینی ہوں یا اخیافی و علاتی۔ «عَمَّات» (پھوپھیاں) اس میں باپ کی اور سب مذکر اصول (نانا، دادا) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ «خَالَات» (خالائیں) اس میں ماں کی اور سب مؤنث اصول (نانی، دادی) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ بھتیجیاں، اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ اور بلاواسطہ (یا صلبی و فرعی) شامل ہیں۔ بھانجیاں، اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد بواسطہ و بلاواسطہ (یا صلبی و فرعی) شامل ہیں۔

قسم دوم، محرمات رضاعیہ: رضاعی ماں، جس کا دودھ تم نے مدت رضاعت (دو سال) کے اندر پیا ہو۔ رضاعی بہن، وہ عورت جس کو تمھاری حقیقی یا رضاعی ماں نے دودھ پلایا، تمھارے ساتھ پلایا یا تم سے پہلے یا بعد تمھارے اور بہن بھائیوں کے ساتھ پلایا۔ یا جس عورت کی حقیقی یا رضاعی ماں نے تمھیں دودھ پلایا، چاہے مختلف اوقات میں پلایا ہو۔ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جائیں گے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رضاعی ماں بننے والی عورت کی نسبی و رضاعی اولاد دودھ پینے والے بچے کے بہن بھائی، اس عورت کا شوہر اس کا باپ اور اس مرد کی بہنیں، اس کی پھوپھیاں، اس عورت کی بہنیں، خالائیں اور اس عورت کے جیٹھ، دیور، اس کے رضاعی چچا، تایا بن جائیں گے اور اس دودھ پینے والے بچے کے نسبی بہن بھائی وغیرہ اس گھرانے پر رضاعت کی بنا پر حرام نہ ہوں گے۔

قسم سوم، سسرالی محرمات: بیوی کی ماں، یعنی ساس (اس میں بیوی کی نانی دادی بھی داخل ہے) اگر کسی عورت سے نکاح کر کے بغیر ہم بستری کے ہی طلاق دے دی ہو، تب بھی اس کی ماں (ساس) سے نکاح حرام ہوگا۔ البتہ کسی عورت سے نکاح کر کے اسے بغیر مباشرت کے طلاق دے دی ہو تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ (فتح القدیر)

ربیبہ: بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکی۔ اس کی حرمت مشروط ہے، یعنی اس کی ماں سے اگر مباشرت کر لی گئی ہوگی تو

ربیبہ سے نکاح حرام، بصورت دیگر حلال ہوگا۔ ﴿ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ ﴾ ''وہ ربیبہ جوتمھاری گود میں پرورش پائیں۔'' یہ قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے، بطور شرط کے نہیں ہے۔ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بھی زیر پرورش یا مقیم ہوگی۔ تب بھی اس سے نکاح حرام ہوگا۔ حلائل یہ حلیلة کی جمع ہے یہ حل یحل (اترنا) سے فعیلة کے وزن پر بمعنی فاعلة ہے۔ بیوی کو حلیلہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے، یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے یہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔ بیٹوں میں پوتے نواسے بھی داخل ہیں، یعنی ان کی بیویوں سے بھی نکاح حرام ہوگا۔ اسی طرح رضاعی اولاد کے جوڑے بھی حرام ہوں گے۔ ﴿ مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ ﴾ ''تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں۔'' کی قید سے یہ واضح ہوگیا کہ لے پالک بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام نہیں ہے۔ دو بہنیں (رضاعی ہوں یا نسبی) ان سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ البتہ ایک کی وفات کے بعد یا طلاق کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینے سے پانچویں نکاح کی اجازت نہیں جب تک طلاق یافتہ عورت عدت سے فارغ نہ ہوجائے۔

ملحوظہ: زنا سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس بدکاری کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے یا اس کی بیٹی سے (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کرلے گا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی (دلائل کے لیے (فتح القدیر) احناف اور دیگر بعض علماء کی رائے میں زناکاری سے بھی حرمت ثابت ہوجائے گی۔

امام شوکانی اور صاحب ''فقہ السنة'' نے جمہور کی رائے کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ قرآن میں ایک تو یہ کہا گیا کہ ''تمھاری بیویوں کی مائیں حرام ہیں۔'' اور انسان جس عورت سے بدکاری کرتا ہے تو وہ اس کی بیوی نہیں بن جاتی ہے کہ اس کی ماں سے یا اس کی بیٹی سے نکاح حرام ہوجائے۔ ثانیاً محرمات کے ذکر کے بعد کہا گیا ہے: ﴿ وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ ﴾ ''ان کے علاوہ سب عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔'' قرآن کے اس عموم نے محرمات کے علاوہ سب سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور اللہ نے زنا کو اسباب تحریم میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث میں بھی اس کا بیان نہیں ہے۔ حدیث «لَا یُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ» (سنن ابن ماجه، حديث:2015) ''حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔'' سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے، اس لیے صرف اسے مدار استدلال نہیں بنایا جاسکتا، تاہم مذکورہ دلائل کی تائید میں اسے پیش کیا جاسکتا ہے، بالخصوص جبکہ اس کے ہم معنی ایک اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے «إِنَّ وَطْأَ الْحَرَامِ لَا یُحَرِّمُ» (إرواء الغلیل:287/6) چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں: ''زنا، کسی حلال کو حرام نہیں کرے گا، اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس عورت کے ساتھ اس کا یا اس کے بیٹے کا نکاح کرنا حرام نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اپنی ساس کے ساتھ یا بیوی کی بیٹی کے ساتھ (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کرلے، تو وہ بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی، اسی طرح سالی کے ساتھ بدکاری کرنے سے بیوی حرام ہوگی نہ اس طرح وہ دونوں بہنوں کو (ایک نکاح میں) جمع کرنے والا ہوگا۔ (کتاب الأم:98/6)

الجزء الخامس (5)

وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ‌ۚ وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰ لِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ‌ؕ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً‌ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمھاری ملکیت میں آجائیں، [1] اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیے ہیں، اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لیے، [2] اس لیے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انھیں

---

1 قرآن کریم میں اِحْصَان چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے: ① شادی شدہ ہونا ② آزادی ③ پاک دامنی ④ اور اسلام۔ اس اعتبار سے مُحْصَنَاتٌ کے چار مطلب ہیں: ① منکوحہ عورتیں ② آزاد عورتیں ③ پاک دامن عورتیں اور ④ مسلمان عورتیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب بعض جنگوں میں کافروں کی عورتیں بھی مسلمانوں کی قید میں آکر لونڈیاں بنادی گئیں تو مسلمانوں نے ان سے ہم بستری کرنے میں کراہت محسوس کی کیونکہ وہ شوہر والیاں تھیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے پوچھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1456) جس سے یہ معلوم ہوا کہ جنگ میں حاصل ہونے والی کافر عورتیں، جب مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں تو شوہر والیاں ہونے کے باوجود ان سے مباشرت کرنا جائز ہے، البتہ استبرائے رحم ضروری ہے، یعنی ایک حیض آنے کے بعد یا حاملہ ہیں تو وضع حمل کے بعد ان سے جنسی تعلق قائم کیا جائے۔

لونڈی کا مسئلہ: نزول قرآن کے وقت غلام اور لونڈیوں کا سلسلہ عام تھا جسے قرآن نے بند نہیں کیا، البتہ ان کے بارے میں ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ جس سے غلاموں اور لونڈیوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل ہوں۔ اس کے دو ذریعے تھے۔ ایک تو بعض خاندان صدیوں سے ایسے قدیم روایتی جنگوں کے نتیجے میں غلام ہی چلے آرہے تھے کہ ان کی نسلوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور ان کے مرد اور عورت فروخت کر دیے جاتے تھے۔ یہی خریدے ہوئے مرد و عورت غلام اور لونڈی کہلاتے تھے۔ مالک کو ان سے ہر طرح کے استمتاع (فائدہ اٹھانے) کا حق حاصل ہوتا تھا۔ دوسرا ذریعہ اسلامی جنگوں میں قیدیوں والا تھا کہ کافروں کی قیدی عورتوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور وہ ان کی لونڈیاں بن کر ان کے پاس رہتی تھیں۔ اس دور میں قیدیوں کے لیے کوئی بین الاقوامی قانون تو تھا نہیں، اس لیے یہ اس دور کے اعتبار سے قیدیوں کے لیے بہترین حل تھا۔ کیونکہ اگر انھیں معاشرے میں یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو معاشرے میں ان کے ذریعے سے فساد پیدا ہوتا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "اَلرِّقُّ فِي الْإِسْلَامِ" "اسلام میں غلامی کی حقیقت۔" از مولانا سعید احمد اکبر آبادی) بہر حال مسلمان شادی شدہ عورتیں تو ویسے حرام ہیں تاہم کافر عورتیں بھی حرام ہی ہیں الا یہ کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ اس صورت میں استبرائے رحم کے بعد وہ ان کے لیے حلال ہیں۔

2 یعنی مذکورہ محرمات قرآنی اور حدیثی کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ چار چیزیں اس میں

بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿24﴾

ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو، [1] اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضا مندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، [2] بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے ○

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تمھارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، اس لیے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو، [3] اور قاعدے کے مطابق ان کے مہر ان کو دو، وہ پاک دامن

ہوں۔ اول یہ کہ طلب کرو ﴿ اَنْ تَبْتَغُوْا ﴾ یعنی دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہو۔ دوسری یہ کہ مال، یعنی مہر ادا کرنا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان کو شادی کی قید (دائمی قبضے) میں لانا مقصود ہو، صرف شہوت رانی غرض نہ ہو (جیسے زنا میں یا اس متعہ میں ہوتا ہے جو شیعوں میں رائج ہے، یعنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے چند روز یا چند گھنٹوں کا نکاح۔) چوتھی یہ کہ چھپی یاری دوستی نہ ہو بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔ یہ چاروں شرطیں اس آیت سے مستفاد ہیں۔ اس سے جہاں شیعوں کے متعہ کا بطلان ہوتا ہے وہیں مروجہ حلالہ کا بھی ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی عورت کو نکاح کی دائمی قید میں لانا نہیں ہوتا، بلکہ عرفاً یہ صرف ایک رات یا چند راتوں کے لیے مقرر اور معہود ذہنی ہے۔

1 یہ اس امر کی تاکید ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح شرعی کے ذریعے سے استمتاع اور تلذذ کرو، انھیں ان کا مقرر کردہ مہر ضرور ادا کرو۔

2 اس میں آپس کی رضا مندی سے مہر میں کمی بیشی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

ملحوظہ: ''استمتاع'' کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متعہ کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد نکاح کے بعد صحبت و مباشرت کا استمتاع ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ متعہ ابتدائے اسلام میں جائز رہا ہے اور اس کا جواز اس آیت کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ اس رواج کی بنیاد پر تھا جو اسلام سے قبل چلا آ رہا تھا۔ لیکن پھر اسے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔

3 اس سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مالک ہی لونڈیوں کا ولی ہے، لونڈی کا کسی جگہ نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح غلام بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ نکاح نہیں کر سکتا۔

اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿25﴾ ع 4/3 1

ہوں نہ کہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، پس جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں، پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں تو انھیں آدھی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔[1] کنیزوں سے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنھیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمھارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے ○[2]

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿26﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمھیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر چلائے اور تم پر رجوع کرے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ○

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿27﴾

اور اللہ چاہتا ہے کہ تمھاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ ○[3]

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ○[4]

---

1 یعنی شوہر والی لونڈیوں کو سو (100) کی بجائے نصف، یعنی پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ ان کے لیے سزائے رجم نہیں ہے کیونکہ وہ نصف نہیں ہو سکتی اور غیر شادی شدہ لونڈی کو تعزیری سزا ہوگی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

2 یعنی لونڈیوں سے شادی کی اجازت ایسے لوگوں کے لیے ہے جو شہوانی جذبات پر کنٹرول رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کسی آزاد عورت سے شادی کے قابل نہ ہو جائے۔

3 ﴿اَنْ تَمِيْلُوْا﴾ یعنی حق سے باطل کی طرف جھک جاؤ۔

4 اس کمزوری کی وجہ سے اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ممکن آسانیاں فراہم کی ہیں۔ انھیں میں سے لونڈیوں سے شادی کی اجازت ہے۔ بعض نے اس ضعف کا تعلق عورتوں سے بتلایا ہے، یعنی عورت کے بارے میں کمزور ہے، اسی لیے عورتیں بھی باوجود نقصان عقل کے اس کو آسانی سے اپنے دام میں پھنسا لیتی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿29﴾

اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، [1] مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے خرید وفروخت ہو [2] اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو [3] یقیناً اللہ تم پر نہایت مہربان ہے ○

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿30﴾

اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا [4] تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے ○

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿31﴾

اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے [5] تو ہم تمھارے چھوٹے گناہ دور کر دیں

1 ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ وہ تمام کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے، جیسے قمار، ربا وغیرہ۔ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے، مثلاً: ناجائز فوٹو گرافی، ناجائز مقاصد کے لیے استعمال ہونے والا ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور غلط کیسٹیں وغیرہ۔ ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔

2 اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیاء کا ہو۔ حرام اشیاء کا کاروبار باہمی رضامندی کے باوجود ناجائز ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں رضامندی میں خیار مجلس کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے، یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سودا فسخ کرنے کا اختیار رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا» (صحيح البخاري، حديث: 2110، وصحیح مسلم، حدیث: 43-(1531)) ''دونوں باہم سودا کرنے والوں کو، جب تک جدا نہ ہوں، اختیار ہے۔''

3 اس سے مراد خودکشی بھی ہو سکتی ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔

4 یعنی منہیات کا ارتکاب، جانتے بوجھتے، ظلم وتعدی سے کرے گا۔

5 کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ گناہ ہیں جن پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ جس پر قرآن میں یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے، بعض کہتے ہیں: ہر وہ کام جس سے اللہ نے یا اس کے رسول نے بطور تحریم کے روکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی گناہ میں پائی جائے تو وہ کبیرہ ہے۔ احادیث میں مختلف کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے جنھیں بعض علماء نے ایک کتاب میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے (الكبائر للذهبي، و الزواجر عن اقتراف الكبائر للهيثمي) وغیرہ۔ یہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان کبیرہ گناہوں، مثلاً: شرک،

گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے ○

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾

اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا، اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، [1] یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

ماں باپ یا قرابت دار جو چھوڑ کر مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیے ہیں [2] اور جن سے تم نے

عقوق والدین اور جھوٹ وغیرہ سے اجتناب کرے گا تو ہم اس کے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ سورۂ نجم میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، البتہ وہاں کبائر کے ساتھ فواحش (بے حیائی کے کاموں) سے اجتناب کو بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صغیرہ گناہوں پر اصرار و مداومت بھی صغیرہ گناہوں کو کبائر بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اجتناب کبائر کے ساتھ احکام وفرائض اسلام کی پابندی اور اعمال صالحہ کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شریعت کے اس مزاج کو سمجھ لیا تھا، اس لیے انھوں نے صرف وعدۂ مغفرت پر ہی تکیہ نہیں کیا بلکہ مغفرت ورحمت الٰہی کے یقینی حصول کے لیے مذکورہ تمام باتوں کا اہتمام کیا۔ جبکہ ہمارا دامن عمل سے تو خالی ہے لیکن ہمارے قلب امیدوں اور آرزوؤں سے معمور ہیں۔

1 اس کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں۔ ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں۔ ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند أحمد:322/6) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت وطاقت اپنی حکمت وارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے، البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح، ان کا پورا پورا صلہ انھیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد وصلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے، وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے فضل سے کسب ومحنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

2 ﴿مَوَالِيَ﴾ مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ کے کئی معنی ہیں: دوست، آزاد کردہ غلام، چچا زاد، پڑوسی وغیرہ۔ لیکن یہاں اس سے مراد ورثاء ہیں۔ یعنی ہر مرد وعورت جو کچھ چھوڑ جائیں گے، اس کے وارث ان کے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے۔

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۟ؒ (33)

اپنے ہاتھوں معاہدہ کیا ہے انھیں ان کا حصہ دو،[1] حقیقتاً اللہ ہر چیز پر حاضر ہے ○

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں،[2] پس نیک عورتیں تو

---

1 اس آیت کے محکم یا منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر طبری وغیرہ اسے غیر منسوخ (محکم) مانتے ہیں اور ﴿ اَيْمَانُكُمْ ﴾ (معاہدہ) سے مراد وہ حلف اور معاہدہ لیتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اسلام سے قبل دو اشخاص یا دو قبیلوں کے درمیان ہوا اور اسلام کے بعد بھی وہ چلا آ رہا تھا۔ ﴿ نَصِيْبَهُمْ ﴾ (حصہ) سے مراد اسی حلف اور معاہدے کی پابندی کے مطابق تعاون و تناصر کا حصہ ہے اور ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ ﴿ اَيْمَانُكُمْ ﴾ سے ان کے نزدیک وہ معاہدہ ہے جو ہجرت کے بعد ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان اخوت کی صورت میں ہوا تھا۔ اس میں ایک مہاجر، انصاری کے مال کا اس کے رشتہ داروں کی بجائے وارث ہوتا تھا لیکن یہ چونکہ ایک عارضی انتظام تھا، اس لیے پھر ﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ (الأنفال 8:75) ''رشتے دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔'' نازل فرما کر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اب ﴿ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ﴾ سے مراد دوستی و محبت اور ایک دوسرے کی مدد ہے اور بطور وصیت کچھ دے دینا بھی اس میں شامل ہے۔ موالات عقد، موالات حلف یا موالات اخوت میں اب وراثت کا تصور نہیں ہوگا۔ اہل علم کے ایک گروہ نے اس سے مراد ایسے دو شخصوں کو لیا جن میں سے کم از کم ایک لاوارث ہے۔ اور ایک دوسرے شخص سے یہ طے کرتا ہے کہ میں تمھارا مولیٰ ہوں۔ اگر کوئی جنایت (جرم) کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مارا جاؤں تو میری دیت لے لینا۔ اس لاوارث کی وفات کے بعد اس کا مال مذکورہ شخص لے گا۔ بشرطیکہ واقعتاً اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ بعض دوسرے اہل علم نے اس آیت کا ایک اور معنی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ سے مراد بیوی اور شوہر ہیں اور اس کا عطف ﴿ الْاَقْرَبُوْنَ ﴾ پر ہے۔ معنی یہ ہیں کہ ''ماں باپ نے، قرابت داروں نے اور جن کو تمھارا عہد و پیمان آپس میں باندھ چکا ہے، یعنی شوہر یا بیوی انھوں نے جو کچھ چھوڑا اس کے حقدار، یعنی حصے دار ہم نے مقرر کر دیے ہیں، لہٰذا ان حقداروں کو ان کے حصے دے دو۔'' گویا پیچھے آیات میراث میں تفصیلاً جو حصے بیان کیے گئے تھے یہاں اجمالاً ان کی ادائیگی کی مزید تاکید کی گئی ہے۔

2 اس میں مرد کی حاکمیت و قوامیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وہبی ہے جو مردانہ قوت و دماغی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔ دوسری وجہ کسبی ہے، جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے جو اسلام نے عورت کی عفت و حیا اور اس کے تقدس کے تحفظ

لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝34

(خاوندوں کی) فرماں بردار ہوتی ہیں۔اوران کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں، پس جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمھیں خوف ہو انھیں نصیحت کرو اور انھیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انھیں مار کی سزا دو، پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو،[1] بے شک اللہ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے ○

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو،[2] اگر یہ دونوں

کے لیے ضروری بتلائی ہیں، عورت کو معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے۔عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً»(صحيح البخاري، حديث:4425 و حديث:7099) ’’وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیے۔‘‘

1 نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کا نمبر ہے، دوسرے نمبر پر ان سے گھر کے اندر ہی بستر کی وقتی اور عارضی علیحدگی ہے جو سمجھ دار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔اس سے بھی نہ سمجھے تو مارنے کی اجازت ہے۔لیکن یہ مار وحشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا وطیرہ ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس ظلم کی اجازت کسی مرد کو نہیں دی ہے۔اگر وہ اصلاح کر لے تو پھر راستہ تلاش نہ کرو، یعنی مار پیٹ نہ کرو، تنگ نہ کرو، یا طلاق نہ دو، گویا طلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب کوئی اور چارۂ کار باقی نہ رہے۔لیکن مرد اس حق کو بھی بہت ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات میں فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں اور اپنی زندگی بھی برباد کرتے ہیں، عورت کی بھی اور بچے ہوں تو ان کی بھی۔

2 گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کہا کہ حَكَمَيْن (فیصلہ کرنے والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً اس کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی۔تاہم ناکامی کی صورت میں حَكَمَيْن کو تفریق بین الزوجین، یعنی طلاق کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض اس کو حاکم مجاز کے حکم یا زوجین کے توکیل بالفرقۃ (جدائی کے لیے وکیل بنانا) کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور جمہور علماء اس کے بغیر اس اختیار کے قائل ہیں۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسير الطبري، وفتح القدير، وتفسير ابن كثير)

عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿35﴾

صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کرا دے گا، یقیناً اللہ پورے علم والا پوری خبر والا ہے ○

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۨ ﴿36﴾

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسائے سے اور اجنبی ہمسائے سے [1] اور پہلو کے ساتھی سے [2] اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمھارے ہاتھ ہیں، [3] یقیناً اللہ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا ○ [4]

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿37﴾

جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ نے جو اپنا فضل انھیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں، ہم نے ان کافروں کے لیے ذلت

---

1 ﴿اَلْجَارِ الْجُنُبِ﴾ قرابت دار پڑوسی کے مقابلے میں ہے جس کے معنی ہیں ایسا پڑوسی جس سے قرابت داری نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوسی سے بہ حیثیت پڑوسی کے حسن سلوک کیا جائے، وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار جس طرح کہ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔

2 اس سے مراد رفیق سفر، شریک کار، بیوی اور وہ شخص ہے جو فائدے کی امید پر کسی کی قربت وہم نشینی اختیار کرے۔ بلکہ اس کی تعریف میں وہ لوگ بھی آسکتے ہیں جو تحصیل علم، تعلم صناعت (کوئی کام سیکھنے) کے لیے یا کسی کاروباری سلسلے میں آپ کے ہم پہلو بنیں۔ (فتح القدیر)

3 ایک لحاظ سے اس میں گھر، دکان اور کارخانوں، ملوں کے ملازم اور نوکر چاکر بھی آجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی غلاموں سے ایک گونہ مشابہت رکھتے ہیں۔ احادیث میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔

4 فخر وغرور اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔'' (صحیح مسلم، حدیث:147-(91)) یہاں کبر کی بطور خاص مذمت سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور جن جن لوگوں سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس پر عمل وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دل کبر سے خالی ہوگا۔ متکبر اور مغرور شخص صحیح معنوں میں نہ حق عبادت ادا کرسکتا ہے اور نہ اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام کرسکتا ہے۔

کی مار تیار کر رکھی ہے ○

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿38﴾

اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو،[1] وہ بدترین ساتھی ہے ○

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿39﴾

بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے جو انھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے، اللہ انھیں خوب جاننے والا ہے ○

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿40﴾

بے شک اللہ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے ○

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿41﴾ۭ

پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ○[2]

---

1 بخل، یعنی حقوق مالیہ واجبہ ادا نہ کرنا (اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا) یا خرچ تو کرنا لیکن ریا کاری، یعنی نمود و نمائش کے لیے کرنا۔ یہ دونوں باتیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور ان کی مذمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہاں قرآن کریم میں ان دونوں باتوں کو کافروں کا شیوہ اور ان لوگوں کا وطیرہ بتایا گیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

2 ہر امت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دے گا کہ یا اللہ! ہم نے تو تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا، اب انھوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! یہ سچے ہیں۔ آپ ﷺ یہ گواہی اس قرآن کی وجہ سے دیں گے جو آپ پر نازل ہوا اور جس میں گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت بھی حسب ضرورت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک سخت مقام ہوگا، اس کا تصور ہی لرزہ براندام کر دینے والا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی خواہش ظاہر فرمائی، وہ سناتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: ''بس، اب کافی ہے۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (صحيح البخاري، حديث:5050) بعض لوگ کہتے ہیں کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لیے وہ ''شہید'' (گواہ) کے معنی ''حاضر و ناظر'' کے کرتے ہیں اور یوں نبی ﷺ کو ''حاضر و ناظر'' باور کراتے ہیں۔ لیکن نبی ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنا، یہ آپ کو اللہ کی

يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ع

جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ،[1] جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو،[2] ہاں اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے[3] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے

صفت میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے کیونکہ علم کے لحاظ سے ہر جگہ حاضر اور ہر چیز کا ناظر، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ''شہید'' کے لفظ سے ان کا استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ شہادت یقینی علم کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے اور قرآن میں بیان کردہ حقائق و واقعات سے زیادہ یقینی کس کا علم ہو سکتا ہے؟ اسی یقینی علم کی بنیاد پر خود امت محمدیہ کو بھی قرآن نے ﴿شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج22:78) ''تمام کائنات کے لوگوں پر گواہ'' کہا ہے۔ اگر گواہی کے لیے حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے تو پھر امت محمدیہ کے ہر فرد کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ بہر حال نبی ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ مشرکانہ اور بے بنیاد ہے۔

1 یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جبکہ ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دعوت میں شراب نوشی کے بعد جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو نشے میں قرآن کے الفاظ بھی امام صاحب غلط پڑھ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے جامع الترمذي، حديث: 3026) جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔ گویا اس وقت صرف نماز کے وقت کے قریب شراب نوشی سے منع کیا گیا۔ بالکل ممانعت اور حرمت کا حکم اس کے بعد نازل ہوا۔ (یہ شراب کی بابت دوسرا حکم ہے جو مشروط ہے)

2 یعنی ناپاکی کی حالت میں بھی نماز مت پڑھو۔ کیونکہ نماز کے لیے طہارت ضروری ہے۔

3 اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسافری کی حالت میں اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھ لو (جیسا کہ بعض نے کہا ہے) بلکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں تم مسجد کے اندر مت بیٹھو، البتہ مسجد کے اندر سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہو بعض صحابہ کے مکان اس طرح تھے کہ ہر صورت میں مسجد نبوی کے اندر سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ یہ رخصت ان ہی کے پیش نظر دی گئی ہے۔ (ابن كثير) ورنہ مسافر کا حکم آگے آرہا ہے۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿43﴾

آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ مل لو۔[1] بے شک اللہ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے ○

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿44﴾

کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ؟○

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿45﴾

اللہ تمھارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا بس ہے ○

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ

بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے[2] اور ہماری رعایت کر! (لیکن

---

1 بیمار سے مراد، وہ بیمار ہے جسے وضو کرنے سے نقصان ہوتا ہو اور بیماری میں اضافے کا اندیشہ ہو یا وضو نہ کر سکتا ہو۔ ② مسافر عام ہے، لمبا سفر کیا ہو یا مختصر۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمّم کرنے کی اجازت ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں یہ اجازت تو مقیم کو بھی حاصل ہے لیکن بیمار اور مسافر کو چونکہ اس قسم کی ضرورت عام طور پر پیش آتی تھی اس لیے بطور خاص ان کے لیے اجازت بیان کر دی گئی ہے۔ ③ قضائے حاجت سے آنے والا اور ④ بیوی سے مباشرت کرنے والا، ان کو بھی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ ہاتھ زمین پر مار کر کلائی تک دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لے۔ (کہنیوں تک ضروری نہیں) اور چہرے پر بھی پھیر لے «قَالَ فِي التَّيَمُّمِ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ» (مسند أحمد:263/4) نبی ﷺ نے تیمّم کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ دونوں ہتھیلیوں اور چہرے کے لیے ایک ہی مرتبہ مارنا ہے۔'' ﴿صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ سے مراد ''پاک مٹی'' ہے۔ زمین کی جنس سے ہر چیز نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی ہے۔ «جُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ» (صحيح مسلم، حديث:4-(522)) ''جب ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔'' جبکہ بعض نے صَعِید سے مراد وجه الارض لے کر ریت وغیرہ سے بھی تیمّم کو جائز قرار دیا ہے۔ دیکھیے زاد المعاد لابن القیم رحمہ اللہ۔

2 یہودیوں کی خباثتوں اور شرارتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ''ہم نے سنا'' کے ساتھ ہی کہہ دیتے لیکن ہم نافرمانی کریں گے، یعنی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ دل میں کہتے یا اپنے ساتھیوں سے کہتے یا شوخ چشمانہ جسارت کا ارتکاب کرتے ہوئے منہ پر کہتے۔ اسی طرح ﴿غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ (تیری بات نہ سنی جائے) یہ بددعا کے طور پر کہتے،

وَ طَعۡنًا فِی الدِّیۡنِ ؕ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَ اسۡمَعۡ وَ انۡظُرۡنَا لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَ اَقۡوَمَ ۙ وَ لٰکِنۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿46﴾

اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر وہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنیے اور ہمیں دیکھیے تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے انھیں لعنت کی ہے۔ پس وہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ○ [1]

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡہًا فَنَرُدَّہَا عَلٰۤی اَدۡبَارِہَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَہُمۡ کَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ﴿47﴾

اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انھیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں، [2] یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی، [3] اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے ○ [4]

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿48﴾

یقیناً اللہ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے [5] اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا ○ [6]

یعنی تیری بات مقبول نہ ہو۔ ﴿ رَاعِنَا ﴾ کی بابت دیکھیے سورۂ بقرہ آیت :104 کا حاشیہ۔

1 یعنی ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں پہلے گزر چکا ہے کہ یہود میں سے نبی ﷺ پر آپ کی حیات میں ایمان لانے والوں کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ یا یہ معنی ہیں کہ بہت ہی کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جبکہ ایمان نافع یہ ہے کہ سب باتوں پر ایمان لایا جائے۔

2 یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمھارے کرتوتوں کی پاداش میں یہ سزا دے سکتا ہے۔

3 یہ قصہ سورۂ اعراف میں آئے گا، کچھ اشارہ پہلے بھی گزر چکا ہے، یعنی تم بھی ان کی طرح ملعون قرار پا سکتے ہو۔

4 یعنی جب وہ کسی بات کا حکم کر دے تو نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ اسے روک ہی سکتا ہے۔

5 یعنی ایسے گناہ جن سے مومن توبہ کیے بغیر ہی مر جائیں، اللہ تعالیٰ اگر کسی کے لیے چاہے گا تو بغیر کسی قسم کی سزا دیے معاف فرما دے گا اور بہت سوں کو سزا کے بعد اور بہت سوں کو نبی ﷺ کی شفاعت پر معاف فرما دے گا۔ لیکن شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہوگا کیونکہ مشرک پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔

6 دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ○ ﴾ (لقمٰن 31:13) ''شرک ظلم عظیم ہے۔'' حدیث میں

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿49﴾

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿50﴾ ع 7/8 4

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿51﴾

کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے، کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا ○ [1]

دیکھو یہ لوگ اللہ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں [2] اور یہ (حرکت) صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہے ○ [3]

کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو بتوں کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں ○ [4]

اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ «أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ...» (جامع الترمذي، حديث:3020)

1 یہود اپنے منہ میاں مٹھو بنتے تھے، مثلاً: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں وغیرہ، اللہ نے فرمایا: تزکیہ کا اختیار بھی اللہ کو ہے اور اس کا علم بھی اسی کو ہے۔ فتیل کھجور کی گٹھلی کے کٹاؤ پر جو دھاگے یا سوت کی طرح نکلتا یا دکھائی دیتا ہے اس کو کہا جاتا ہے، یعنی اتنا سا ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔

2 یعنی مذکورہ دعوائے تزکیہ کر کے۔

3 یعنی ان کی یہ حرکت (اپنی پاکیزگی کا ادعاء) ان کے کذب وافترا کے لیے کافی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت اور اس کی شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا کہ اپنی مدح وتوصیف بالخصوص تزکیۂ نفوس کا دعویٰ کرنا صحیح اور جائز نہیں۔ اسی بات کو قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا: ﴿ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ○ ﴾ (النجم53:32) ''اپنے نفسوں کی پاکیزگی اور ستائش مت کرو، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم میں متقی کون ہے؟'' اسی طرح دوسروں کی بھی بلا ضرورت مدح وستائش کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ «أَنْ نَّحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْـمَدَّاحِينَ التُّرَابَ» (صحيح مسلم، حديث: 3002)) ''ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈال دیں۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ» ''افسوس ہے تجھ پر تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔'' پھر فرمایا کہ ''تم میں سے کسی نے کسی کی لامحالہ تعریف کرنی ہے تو اس طرح کہا کرے: أَحْسِبُهُ كَذَا۔ میں اسے اس طرح گمان کرتا ہوں۔ اللہ پر کسی کا تزکیہ بیان نہ کرے۔''

(صحيح البخاري، حديث:2662 و6061، و صحيح مسلم، حديث:65-(3000))

4 اس آیت میں یہودیوں کے ایک اور فعل پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ جبت

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿52﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے لعنت کی ہے اور جسے اللہ لعنت کردے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا ○

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿53﴾

کیا سلطنت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ کسی کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے ○ [1]

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿54﴾

یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے، [2] پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے ○

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾

پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے، [3] اور جہنم کا جلانا کافی ہے ○

(بت، کاہن یا ساحر) اور طاغوت (جھوٹے معبودوں) پر ایمان رکھتے اور کفار مکہ کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ ﴿الْجِبْتِ﴾ کے یہ سارے مذکورہ معنی کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے: «إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالطَّرْقَ وَالطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ» (سنن أبي داود، حديث:3907) ”پرندے اڑا کر، خط کھینچ کر، کنکریاں مار کر فال گیری کرنا اور بدشگونی لینا یہ جِبت سے ہیں۔“ یعنی یہ سب شیطانی کام ہیں اور یہود میں بھی یہ چیزیں عام تھیں۔ طاغوت کے ایک معنی شیطان بھی کیے گئے ہیں۔ دراصل معبودان باطل کی پرستش، شیطان ہی کی پیروی ہے۔ اس لیے شیطان بھی یقیناً طاغوت میں شامل ہے۔

1 یہ استفہام انکاری ہے، یعنی بادشاہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ یہود اتنے بخیل ہیں کہ لوگوں کو اور بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جس سے کھجور کی گٹھلی کا شگاف ہی پر ہو جاتا۔ نقیر اس داغ (شگاف) کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

2 ام (یا) بل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، یعنی بلکہ یہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر دوسروں میں آخری نبی کیوں بنایا؟ نبوت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے۔

3 یعنی بنی اسرائیل کو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اور آل میں سے ہیں، ہم نے نبوت بھی دی اور بڑی سلطنت و بادشاہی بھی۔ پھر بھی یہود کے یہ سارے لوگ ان پر ایمان نہیں لائے۔ کچھ ایمان لائے اور کچھ نے اعراض کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد! اگر یہ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ان کی تو تاریخ ہی نبیوں کی تکذیب سے بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ اپنی نسل کے نبیوں پر بھی یہ ایمان نہیں لائے۔ بعض نے ﴿اٰمَنَ

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿56﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، انھیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے [1] جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں، [2] یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کیے [3] ہم عنقریب انھیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے

بِہٖ ﴾ میں ''ہ'' کا مرجع نبی ﷺ کو بتلایا ہے، یعنی ان یہود میں سے کچھ نبی ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا۔ ان منکرین نبوت کا انجام جہنم ہے۔

1 یعنی جہنم میں اہل کتاب کے منکرین ہی نہیں جائیں گے بلکہ دیگر تمام کفار کا ٹھکانہ بھی جہنم ہی ہے۔

2 یہ جہنم کے عذاب کی سختی، تسلسل اور دوام کا بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول بعض آثار میں بتلایا گیا ہے۔ کھالوں کی یہ تبدیلی دن میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں مرتبہ عمل میں آئے گی اور مسند احمد کی روایت کی رو سے جہنمی جہنم میں اتنے فربہ ہو جائیں گے کہ ان کے کانوں کی لو سے پیچھے گردن تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت جتنا ہوگا، ان کی کھال کی موٹائی ستر بالشت اور داڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی۔

3 کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے لیے جو ابدی نعمتیں ہیں، ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جو اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنهُمْ.

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، یعنی لازم وملزوم ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے دوسرے مسلمانوں نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا، چنانچہ ان کی زندگیاں ایمان کے پھل، اعمال صالحہ سے مالا مال تھیں۔ اس دور میں بے عملی یا بدعملی کے ساتھ ایمان کا تصور ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس آج ایمان صرف زبانی جمع خرچ کا نام رہ گیا ہے۔ اعمال صالحہ سے دعوے داران ایمان کا دامن خالی ہے۔ هَدَانَا اللّٰهُ تَعَالٰی اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے عمل کرتا ہے جو اعمال صالحہ کی ذیل میں آتا ہے، مثلاً: راست بازی، امانت و دیانت، ہمدردی وغم گساری اور دیگر اخلاقی خوبیاں۔ لیکن ایمان کی دولت سے یہ محروم ہے تو اس کے یہ اعمال دنیا میں تو اس کی شہرت و نیک نامی کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں اور مفید بھی لیکن اخروی لحاظ سے اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ان کا سرچشمہ ایمان نہیں ہے جو اچھے اعمال کو عنداللہ بارآور بناتا ہے بلکہ صرف اور صرف دنیوی مفادات یا قومی اخلاق وعادات ان کی بنیاد ہے۔

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿57﴾

نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انھیں گھنی چھاؤں (اور پوری راحت) میں لے جائیں گے[1] ○

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿58﴾

اللہ تمھیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انھیں پہنچاؤ![2] اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو![3] یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمھیں اللہ کر رہا ہے۔[4] بے شک اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری

---

1 گھنی، گہری، عمدہ اور پاکیزہ چھاؤں جس کو ترجمہ میں ''پوری راحت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''جنت میں ایک درخت ہے جس کا سایہ اتنا ہے کہ ایک سوار سو سال میں بھی اسے طے نہیں کر سکے گا یہ شجرۃ الخلد ہے۔'' (مسند أحمد: 455/2 و أصله في صحيح البخاري، حديث: 3251)

2 اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں، جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان و کلید بردار چلے آ رہے تھے، نازل ہوئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف وغیرہ کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے، طلب فرمایا اور انھیں خانہ کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا: ''یہ تمھاری چابیاں ہیں آج کا دن وفا اور نیکی کا دن ہے۔'' (ابن کثیر) آیت کا یہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں۔ دونوں کو تاکید ہے کہ امانتیں انھیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں۔ اس میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوں۔ ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ یہ بحفاظت عند الطلب لوٹا دی جائیں۔ دوسرے عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیے جائیں، محض سیاسی بنیاد یا نسلی و وطنی بنیاد یا قرابت و خاندان کی بنیاد یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر عہدہ و منصب دینا (جبکہ وہ شخص اس منصب کے لیے اہل نہیں ہے) اس آیت کے خلاف ہے۔

3 اس میں حکام کو بطور خاص عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''حاکم جب تک ظلم نہ کرے، اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 2312)

4 یعنی امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرنا اور عدل وانصاف مہیا کرنا۔

الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ
فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾ ع 8 / 9 / 5

کرو رسول کی اور اپنے میں سے اختیار والوں کی۔ [1] پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمھیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت

---

1 ﴿ أُولِي الْاَمْرِ ﴾ ''اپنے میں سے اختیار والے'' سے مراد بعض کے نزدیک امراء و حکام اور بعض کے نزدیک علماء وفقہاء ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ ہی کی ہے کیونکہ ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ (الأعراف 7:54) ''خبردار مخلوق بھی اسی کی ہے، حکم بھی اسی کا ہے۔'' ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ (یوسف 12:40) ''حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔'' لیکن چونکہ رسول خالص منشا الٰہی کا ہی مظہر اور اس کی مرضیات کا نمائندہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النسآء 4:80) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث بھی اسی طرح دین کا ماخذ ہے جس طرح قرآن کریم۔ تاہم امراء و حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں۔ یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور نگہداشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امراء و حکام کی اطاعت اگرچہ ضروری ہے لیکن وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ بالتبع ہے اور اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی لیے ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ ﴾ کے بعد ﴿ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ تو کہا، کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل طور پر واجب ہیں۔ لیکن «أَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ» (أُولِي الْأَمْرِ کی اطاعت کرو) نہیں کہا۔ کیونکہ اولی الامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے اور حدیث میں بھی کہا گیا ہے: «لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ» (صحیح مسلم، حدیث: 39-(1840)) اور «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» (صحيح البخاري، حديث: 7145) «اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً» ''اللہ کی معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے، امام کی سمع واطاعت لازم ہے جب تک یہ معصیت نہ ہو۔'' یہی حال علماء وفقہاء کا بھی ہے۔ (اگر اولوالامر میں ان کو بھی شامل کیا جائے) یعنی ان کی اطاعت اس لیے کرنی ہوگی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرمودات بیان کرتے ہیں اور اس کے دین کی طرف ارشاد و ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء وفقہاء بھی دینی امور و معاملات میں حکام کی طرح یقیناً مرجع عوام ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت بھی صرف اس وقت تک کی جائے گی جب تک کہ عوام کو صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات بتلائیں لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں تو عوام کے لیے ان کی اطاعت بھی ضروری نہیں بلکہ انحراف کی صورت میں جانتے بوجھتے ان کی اطاعت کرنا سخت معصیت اور گناہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿60﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿61﴾

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ﷺ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿62﴾

اچھا ہے ○ [1]

کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انھیں بہکا کر دور ڈال دے ○

ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں ○ [2]

پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس آ کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور

1 اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد، قرآن کریم اور ﴿الرَّسُوْلِ﴾ سے مراد اب حدیث رسول ہے۔ یہ تنازعات کے ختم کرنے کے لیے ایک بہترین اصول بتلا دیا گیا ہے۔ اس اصول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تیسری شخصیت کی اطاعت واجب نہیں۔ جس طرح کہ تقلید شخصی معین کے قائلین نے ایک تیسری اطاعت کو بھی واجب قرار دے رکھا ہے اور اسی تیسری اطاعت نے جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے، مسلمانوں کو امت متحدہ کی بجائے امت منتشرہ بنا رکھا ہے اور ان کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔

2 یہ آیات ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو اپنا فیصلہ عدالت میں لے جانے کی بجائے سرداران یہود یا سرداران قریش کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ تاہم اس کا حکم عام ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے لیے ان دونوں کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف جاتے ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کا حال تو یہ ہوتا ہے: ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا﴾ ''کہ جب انھیں اللہ و رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ''ہم نے سنا اور اطاعت کی۔'' ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾ (النور 24:51) ''یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

میل ملاپ ہی کا تھا○[1]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴿63﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ پر بخوبی روشن ہے، آپ ان سے چشم پوشی کیجیے، انھیں نصیحت کرتے رہیے اور انھیں وہ بات کہیے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو○[2]

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾

ہم نے ہر رسول کو صرف اسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر وہ لوگ جب انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتا،[3] تو یقیناً وہ لوگ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے○

---

1 یعنی جب اپنے اس کرتوت کی وجہ سے عتاب الٰہی کا شکار ہو کر مصیبتوں میں پھنستے ہیں تو پھر آ کر کہتے ہیں کہ کسی دوسری جگہ جانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ وہاں سے ہم فیصلہ کروائیں یا آپ ﷺ سے زیادہ ہمیں وہاں انصاف ملے گا بلکہ مقصد صلح اور ملاپ کرانا تھا۔

2 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم ان کے دلوں کے تمام بھیدوں سے واقف ہیں (جس پر ہم انھیں جزا دیں گے) لیکن اے پیغمبر! آپ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے درگزر ہی فرمایئے اور وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے ان کے اندر کی اصلاح کی کوشش جاری رکھیے! جس سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کی سازش کو عفو و درگزر، وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے بھی ناکام بنانے کی سعی کی جانی چاہیے۔

3 مغفرت کے لیے بارگاہ الٰہی میں ہی توبہ و استغفار ضروری اور کافی ہے۔ لیکن یہاں ان کو کہا گیا کہ اے پیغمبر! تیرے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور تو بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتا۔ یہ اس لیے کہ چونکہ انھوں نے فصل خصومات (جھگڑوں کے فیصلے) کے لیے دوسروں کی طرف رجوع کر کے آپ ﷺ کا استخفاف کیا تھا۔ اس لیے اس کے ازالے کے لیے آپ کے پاس آنے کی تاکید کی۔ ظاہر بات ہے کہ اپنے پس منظر کے لحاظ سے بھی اور الفاظ کے اعتبار سے بھی اس ہدایت کا تعلق صرف آپ کی زندگی سے تھا، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ آج بھی روضۂ نبوی پر استغفار کے لیے حاضری ایسی ہی ہے جیسے آپ کی زندگی میں تھی۔ «اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ» اللہ تعالیٰ ایسی گمراہانہ تفسیر سے محفوظ رکھے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿65﴾

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! وہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں ○ [1]

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿66﴾

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجا لاتے اور اگر وہ وہی کریں جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لیے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو ○ [2]

---

1 اس آیت کی شان نزول میں ایک یہودی اور مسلمان کا واقعہ عموماً بیان کیا جاتا ہے جو بارگاہ رسالت سے فیصلے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانے گیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ لیکن سنداً یہ واقعہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی وضاحت کی ہے۔ صحیح واقعہ یہ ہے جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے، اور ایک آدمی کا کھیت سیراب کرنے والے نالے (کھال) کے پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا آپ نے صورت حال کا جائزہ لے کر جو فیصلہ دیا تو وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھا، جس پر دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث:4585) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات یا فیصلے سے اختلاف تو کجا، دل میں انقباض بھی محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ یہ آیت بھی منکرین حدیث کے لیے تو ہے ہی دیگر افراد کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے جو قول امام کے مقابلے میں حدیث صحیح سے انقباض ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ یا تو کھلے لفظوں میں اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس کی دور از کار تاویل کر کے یا ثقہ راویوں کو ضعیف باور کرا کے مسترد کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔

2 آیت میں انھی نافرمان قسم کے لوگوں کی عادت ردیئہ کی طرف اشارہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر انھیں حکم دیا جاتا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو جب یہ آسان باتوں پر عمل نہیں کر سکے تو اس پر عمل کس طرح کر سکتے تھے؟ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق ان کی بابت فرمایا ہے جو یقیناً واقعات کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سخت حکموں پر عمل تو یقیناً مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ بہت شفیق اور مہربان ہے، اس کے احکامات بھی آسان ہیں۔

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿67﴾
اور تب تو انھیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں ○

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿68﴾
اور یقیناً انھیں راہ راست دکھا دیں ○

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿69﴾
اور جو بھی اللہ کی اور رسول کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں ○ [1]

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿70﴾ ع 11/6
یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور کافی ہے اللہ جاننے والا ○

اس لیے اگر وہ ان حکموں پر چلیں جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور ثابت قدمی کا باعث ہو۔ کیونکہ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے کم ہو جاتا ہے۔ نیکی سے نیکی کا راستہ کھلتا اور بدی سے بدی متولد ہوتی ہے، یعنی اس کا راستہ کشادہ اور آسان ہوتا ہے۔

1 اللہ و رسول کی اطاعت کا صلہ بتلایا جا رہا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے: «اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» (صحيح البخاري، حديث:6168، وصحيح مسلم، حديث:165-(2640)) ”آدمی انھی کے ساتھ ہوگا جن سے اس کو محبت ہوگی۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جتنی خوشی اس فرمان رسول کو سن کر ہوئی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔“ کیونکہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت پسند کرتے تھے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہمیں اس سے فروتر مقام ہی ملے گا اور یوں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحبت و رفاقت اور دیدار سے محروم رہیں گے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ان کی تسلی کا سامان فرمایا۔ (ابن کثیر) بعض صحابہ کرام نے بطور خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں رفاقت کی درخواست کی «أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ» جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کثرت سے نفلی نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی «فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» (صحيح مسلم، حديث:226-(489)) ”پس تم کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرو۔“ علاوہ ازیں ایک اور حدیث ہے: «اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ» (جامع الترمذي، حديث:1209) ”راست باز، امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔“ صدیقیت، کمال ایمان و کمال اطاعت کا نام ہے، نبوت کے بعد اس کا مقام ہے، امت محمدیہ میں اس مقام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے ممتاز ہیں۔ اور اسی لیے بالاتفاق غیر انبیاء میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ہیں، صالح وہ ہے جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کامل طور پر ادا کرے اور ان میں کوتاہی نہ کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾

اے مسلمانو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، [1] پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے ہو کر نکل کھڑے ہو! ○

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿72﴾

اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس وپیش کرتے ہیں، [2] پھر اگر تمھیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا ○

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿73﴾

اور اگر تمھیں اللہ کا کوئی فضل [3] مل جائے تو اس طرح کہ گویا تمھارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی تھی ہی نہیں، [4] کہے گا: کاش! میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا ○ [5]

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿74﴾

پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ چکے ہیں، [6] انھیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پا لے یا غالب آجائے، یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے ○

---

1 ﴿حِذْرَكُمْ﴾ (اپنا بچاؤ اختیار کرو) اسلحہ اور سامان جنگ اور دیگر ذرائع سے۔

2 یہ منافقین کا ذکر ہے۔ پس وپیش کا مطلب، جہاد میں جانے سے گریز کرتے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔

3 یعنی جنگ میں فتح وغلبہ اور غنیمت۔

4 یعنی گویا وہ تمھارے اہل دین میں سے ہی نہیں بلکہ اجنبی ہے۔

5 یعنی مال غنیمت سے حصہ حاصل کرتا جو اہل دنیا کا سب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔

6 شَرٰی يَشْرِي کے معنی بیچنے کے بھی آتے ہیں اور خریدنے کے بھی۔ متن میں پہلا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے اس اعتبار سے ﴿فَلْيُقَاتِلْ﴾ کا فاعل ﴿الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ﴾ بنے گا لیکن اگر اس کے معنی خریدنے کے کیے جائیں تو اس صورت میں ﴿الَّذِيْنَ﴾ مفعول بنے گا اور ﴿فَلْيُقَاتِلْ﴾ کا فاعل، اَلْمُؤْمِنُ النَّافِرُ (راہ جہاد میں کوچ کرنے والے مومن) محذوف ہوگا۔ مطلب ہوگا، مومن ان لوگوں سے لڑیں جنھوں نے آخرت بیچ کر دنیا خرید لی، یعنی جنھوں نے دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر اپنے دین کو فروخت کر دیا۔ مراد منافقین اور کافر ہیں۔ (ابن کثیر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے)

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ
لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ
لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۭ﴿75﴾

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اوران ناتوان مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا ○ [1]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ
كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿76﴾ ع 10/6/7

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ [2] پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو! یقین مانو کہ شیطانی حیلہ (بالکل بودا اور) سخت کمزور ہے ○ [3]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے

---

1 ظالموں کی بستی سے مراد (نزول کے اعتبار سے) مکہ ہے۔ ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان کمزور لوگوں کو کفار سے نجات دلانے کے لیے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا کہ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم وستم کا شکار اور نرغۂ کفار میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو کافروں کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے جہاد کریں اور یہ جہاد اسی وقت مؤثر ہو سکتا ہے جب ایک نظم اور امیر کے ماتحت ہو۔

2 مومن اور کافر، دونوں کو جنگوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن دونوں کے مقاصد جنگ میں عظیم فرق ہے، مومن اللہ کے لیے لڑتا ہے، محض طلب دنیا یا ہوس ملک گیری کی خاطر نہیں۔ جبکہ کافر کا مقصد یہی دنیا اور اس کے مفادات ہوتے ہیں۔

3 مومنوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ طاغوتی مقاصد کے لیے حیلے اور مکر کمزور ہوتے ہیں، ان کے ظاہری اسباب کی فراوانی اور کثرت تعداد سے مت ڈرو تمھاری ایمانی قوت اور عزم جہاد کے مقابلے میں شیطان کے یہ حیلے نہیں ٹھہر سکتے۔

وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ‌ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً‌ ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ‌ ۚ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ‌ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ‌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿77﴾

ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکاۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب انھیں جنگ کا حکم دیا گیا تو اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ کا ڈر ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ [1] کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دی؟ [2] آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کی سود مندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیز گاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا ○

اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ

تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمھیں آ پکڑے گی، گو تم

---

1 مکے میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لیے مسلمانوں کی خواہش کے باوجود انھیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو باتوں کی تاکید کی جاتی رہی، ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویے کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ دوسرے یہ کہ نماز، زکاۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہو گئی تو پھر انھیں قتال کی اجازت دے دی گئی اور جب اجازت دے دی گئی تو بعض لوگوں نے کمزوری اور پست ہمتی کا اظہار کیا۔ اس پر آیت میں مکی دور کی ان کی آرزو یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ اب یہ مسلمان حکم جہاد سن کر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہیں جبکہ یہ حکم جہاد خود ان کی اپنی خواہش کے مطابق ہے۔

آیت قرآن میں تحریف: آیت کا پہلا حصہ جس میں كَفُّ أَيْدِي (لڑائی سے ہاتھ روکے رکھنے) کا حکم ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کی حالت میں ہاتھوں کو روک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک انتہائی غلط اور واہیات استدلال ہے۔ اس کے لیے ان صاحب نے آیت کے الفاظ میں بھی تحریف کی اور معنی میں بھی، یعنی لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریف سے کام لیا ہے۔ (دیکھیے صفدر اوکاڑوی کی کتاب ''مسئلہ تحقیق رفع یدین'' در مجموعہ رسائل اوکاڑوی) أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔ اس قسم کی گھٹیا حرکت کسی مسلمان عالم کے شایان شان نہیں۔

2 اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس حکم کو کچھ اور مدت کے لیے مؤخر کیوں نہ کر دیا، یعنی اجل قریب سے مراد موت یا فرض جہاد کی مدت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ﴿78﴾
مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؗ وَمَاۤ

مضبوط قلعوں میں ہو [1] اور اگر انھیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ [2] انھیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ انھیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں ○ [3]
تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے [4] اور جو

---

1 ایسے کمزور مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا فانی اور اس کا فائدہ عارضی ہے جس کے لیے تم کچھ مہلت طلب کر رہے ہو۔ اس کے مقابلے میں آخرت بہت بہتر اور پائیدار ہے جس کے تم اطاعت الٰہی کے صلے صلے میں حق دار ہو گے۔ دوسرے یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو، موت تو اپنے وقت پر آ کر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ، پھر جہاد سے گریز کا کیا فائدہ؟ مضبوط برجوں سے مراد مضبوط اور بلند و بالا فصیلوں والے قلعے ہیں۔
ملحوظہ: بعض مسلمانوں کا چونکہ یہ خوف بھی طبعی تھا۔ اسی طرح تاخیر کی خواہش بھی بطور اعتراض یا انکار نہ تھی بلکہ طبعی خوف کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا اور نہایت مضبوط دلائل سے انھیں سہارا اور حوصلہ دیا۔

2 یہاں سے پھر منافقین کی باتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سابقہ امت کے منکرین کی طرح انھوں نے بھی کہا کہ بھلائی (خوش حالی، غلے کی پیداوار، مال و اولاد کی فراوانی وغیرہ) اللہ کی طرف سے ہے اور برائی (قحط سالی، مال و دولت میں کمی وغیرہ) اے محمد! تیری طرف سے ہے، یعنی تیرے دین اختیار کرنے کے نتیجے میں یہ ابتلا آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جب ان کو بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ہے (ہم اس کے مستحق ہیں) اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں سے بدشگونی پکڑتے ہیں، (نعوذ باللہ ان کی نحوست کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔)'' (الأعراف 131:7)

3 یعنی بھلائی اور برائی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہے لیکن یہ لوگ قلت فہم و علم اور کثرت جہل و ظلم کی وجہ سے اس بات کو سمجھ نہیں پاتے۔

4 یعنی اس کے فضل و کرم سے ہے، یعنی کسی نیکی یا اطاعت کا صلہ نہیں ہے۔ کیونکہ نیکی کی توفیق بھی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ علاوہ ازیں اسکی نعمتیں اتنی بے پایاں ہیں کہ ایک انسان کی عبادت و طاعت اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اسی لیے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں جو بھی جائے گا، محض اللہ کی رحمت سے جائے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! «وَلَا أَنْتَ» آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، جب تک اللہ مجھے بھی اپنے دامان رحمت میں نہیں ڈھانک لے گا جنت میں نہیں جاسکوں گا۔'' (صحیح البخاري، حدیث:6463)

اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿79﴾

برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے،[1] ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ گواہ کافی ہے ○

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿80﴾

اس رسول کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿81﴾

وہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے، پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان کی ایک جماعت، جو بات آپ نے یا اس نے کہی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے،[2] ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے، تو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر بھروسا رکھیں، اللہ کافی کارساز ہے ○

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿82﴾

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ○[3]

---

1 یہ برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے۔ جیسا کہ ﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ سے واضح ہے لیکن یہ برائی کسی گناہ کی عقوبت یا اس کا بدلہ ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ تمھارے نفس سے ہے، یعنی تمھاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○﴾ (الشوریٰ 30:42) ”تمھیں جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمھارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف ہی فرما دیتا ہے۔“

2 یعنی یہ منافقین آپ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ راتوں کو ان کے برعکس باتیں کرتے اور سازشوں کے جال بنتے ہیں۔ آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں۔ ان کی باتیں اور سازشیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی کیونکہ آپ کا وکیل اور کارساز اللہ ہے۔

3 قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس میں غور و تدبر کی تاکید کی جا رہی ہے اور اس کی صداقت

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿83﴾

جہاں انھیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انھوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں [1] اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے ○

جانچنے کے لیے ایک معیار بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہوتا (جیسا کہ کفار کا خیال ہے) تو اس کے مضامین اور بیان کردہ واقعات میں تعارض و تناقض ہوتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کوئی چھوٹی سی کتاب نہیں ہے۔ ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے، جس کا ہر حصہ اعجاز و بلاغت میں ممتاز ہے۔ حالانکہ انسان کی بنائی ہوئی بڑی تصنیف میں زبان کا معیار اور اس کی فصاحت و بلاغت قائم نہیں رہتی۔ دوسرے، اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جنھیں اللہ علام الغیوب کے سوا کوئی اور بیان نہیں کر سکتا۔ تیسرے ان حکایات وقصص میں نہ باہمی تعارض و تضاد ہے اور نہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا کوئی جزئیہ قرآن کی کسی اصل سے ٹکراتا ہے۔ حالانکہ ایک انسان گزشتہ واقعات بیان کرے تو تسلسل کی کڑیاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تفصیلات میں تعارض و تضاد واقع ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے ان تمام انسانی کوتاہیوں سے مبرا ہونے کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ یقیناً کلام الٰہی ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

1 یہ بعض کمزور اور جلد باز مسلمانوں کا رویہ، ان کی اصلاح کی غرض سے بیان کیا جا رہا ہے۔ امن کی خبر سے مراد مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ہلاکت و شکست کی خبر ہے۔ (جس کو سن کر امن اور اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ پُر اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جو نقصان کا باعث بن سکتی ہے) اور خوف کی خبر سے مراد مسلمانوں کی شکست اور ان کے قتل و ہلاکت کی خبر ہے (جس سے مسلمانوں میں افسردگی پھیلنے اور ان کے حوصلے پست ہونے کا امکان ہوتا ہے) اس لیے انھیں کہا جا رہا ہے کہ اس قسم کی خبریں، چاہے امن کی ہوں یا خوف کی، انھیں سن کر عام لوگوں میں پھیلانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا دو یا اہل علم و تحقیق میں انھیں پہنچا دو تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو اس وقت اس سے مسلمانوں کا باخبر ہونا مفید ہے یا بےخبر رہنا انفع ہے؟ یہ اصول ویسے تو عام حالات میں بھی بڑا اہم اور نہایت مفید ہے لیکن عین حالت جنگ میں تو اس کی اہمیت و افادیت بہت ہی زیادہ ہے۔ استنباط کا مادہ نَبَطٌ ہے، نَبَطٌ اس پانی کو کہتے ہیں جو کنواں کھودتے وقت سب سے پہلے نکلتا ہے۔ اسی لیے استنباط تحقیق اور بات کی تہہ تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿84﴾

تو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے، ہاں ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے ○

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿85﴾

جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿86﴾

اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو، [1] بلاشبہ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ○

النصف

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿87﴾ ع

ع 11/11 8

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے (آنے) میں کوئی شک نہیں، اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا ○

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ

تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ

---

1 تَحِيَّةٌ اصل میں تَحْيِيَةٌ (تَفْعِلَةٌ) ہے۔ یاء کے یاء میں ادغام کے بعد تحيّة ہوگیا۔ اس کے معنی ہیں: اَلدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ ''درازیٔ عمر کی دعا'' یہاں یہ سلام کرنے کے معنی میں ہے۔ (فتح القدير) زیادہ اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں ورحمة اللہ کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمة اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ کہے تو پھر اضافے کے بغیر انھی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ (ابن كثير) ایک اور حدیث میں ہے کہ صرف السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں اس کے ساتھ ورحمة اللہ کہنے سے بیس نیکیاں اور وبرکاتہ بھی کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (مسند أحمد: 440،439/4) **یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ لیکن اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ایک تو ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ جبکہ ان کے سلام کے جواب میں صرف وعلیکم کہا جائے۔** (صحيح البخاري، حديث:6258، و صحيح مسلم، حديث:6-(2163))

اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿88﴾

ہو رہے ہو؟[1] انھیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ نے اوندھا کر دیا ہے۔[2] اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ کے گمراہ کیے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو، جسے اللہ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا ○[3]

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۙ﴿89﴾

ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک وہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ،[4] پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو انھیں پکڑو[5] اور قتل کرو جہاں بھی وہ ہاتھ لگ جائیں،[6] خبردار! ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا ○

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمھارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں

---

1 یہ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی تمھارے درمیان ان منافقین کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان منافقین سے مراد وہ ہیں جو احد کی جنگ میں مدینہ سے کچھ دور جا کر واپس آ گئے تھے کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ ان منافقین کے بارے میں اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ بن گئے، ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقین سے (بھی) لڑنا چاہیے۔ دوسرا گروہ اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔

2 ﴿كَسَبُوْا﴾ (اعمال) سے مراد، رسول کی مخالفت اور جہاد سے اعراض ہے ﴿اَرْكَسَهُمْ﴾ اوندھا کر دیا، یعنی جس کفر و ضلالت سے نکلے تھے، اسی میں مبتلا کر دیا، یا اس کے سبب ہلاک کر دیا۔

3 جس کو اللہ گمراہ کر دے، یعنی مسلسل کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دے، انھیں کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا۔

4 ہجرت (ترک وطن) اس بات کی دلیل ہوگی کہ اب یہ مخلص مسلمان بن گئے ہیں۔ اس صورت میں ان سے دوستی اور محبت جائز ہوگی۔

5 یعنی جب تمھیں ان پر قدرت و طاقت حاصل ہو جائے۔

6 حِل ہو یا حرم۔ (حدود حرم سے باہر کا علاقہ حِل کہلاتا ہے)

قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿90﴾

اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں [1] اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے، [2] پس اگر وہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمھاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں، [3] تو اللہ نے تمھارے لیے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی ○

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا

تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم

---

1 یعنی جن سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ لوگ، جو ایسی قوم سے ربط و تعلق رکھتے ہیں، یعنی ایسی قوم کے فرد ہیں یا اس کی پناہ میں ہیں جس قوم سے تمھارا معاہدہ ہے۔ دوسرے وہ جو تمھارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہیں کہ وہ اپنی قوم سے مل کر تم سے یا تم سے مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں، یعنی تمھاری حمایت میں لڑنا پسند کرتے ہیں نہ تمھاری مخالفت میں۔

2 یعنی یہ اللہ کا احسان ہے کہ ان کو لڑائی سے الگ کر دیا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کی حمایت میں لڑنے کا خیال پیدا کر دیتا تو یقیناً وہ بھی تم سے لڑتے۔ اس لیے اگر واقعی یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش رہیں تو تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام مت کرو۔

3 ﴿ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ ﴾ ''اگر یہ لوگ کنارہ کش رہیں۔'' ﴿ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ ﴾ ''تم سے نہ لڑیں۔'' ﴿ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ﴾ ''تمھاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں۔'' سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ تاکید اور وضاحت کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مقصد ان تین حالتوں اور شرطوں کو بیان کرنا ہے: ① الگ ہو جانا۔ ② تم سے نہ لڑنا۔ ③ صلح کے لیے درخواست دینا۔ تاکہ مسلمان ان کے بارے میں محتاط رہیں کیونکہ جو جنگ و قتال سے پہلے ہی علیحدہ ہیں اور ان کی یہ علیحدگی مسلمانوں کے مفاد میں بھی ہے، اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان اور احسان کے ذکر کیا ہے تو ان کے بارے میں چھیڑ چھاڑ کا رویہ یا غیر محتاط طرز عمل ان کے اندر بھی مخالفت و مخاصمت کا جذبہ بیدار کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے جب تک وہ مذکورہ حال پر قائم رہیں، ان سے مت لڑو! ﴿ السَّلَمَ ﴾ یہاں مسالمت، یعنی صلح کے معنی میں ہے۔

اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿91﴾ ع 12/4

سے بھی امن میں رہیں۔ [1] (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی [2] کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیے جاتے ہیں، پس اگر وہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمھیں صلح کی پیش کش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں، [3] تو انھیں پکڑو اور مارو جہاں کہیں بھی پالو! یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمھیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے ○ [4]

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـــًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـــًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ

کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں [5] مگر غلطی سے ہو جائے [6] (تو اور بات ہے) جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا ہے۔ [7] ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف

---

1 یہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے جو منافقین کا تھا۔ یہ مسلمانوں کے پاس آتے تو اسلام کا اظہار کرتے تاکہ مسلمانوں سے محفوظ رہیں، اپنی قوم کے پاس جاتے تو شرک و بت پرستی کرتے تاکہ وہ انھیں اپنا ہی ہم مذہب سمجھیں اور یوں دونوں سے مفادات حاصل کرتے۔

2 فتنہ سے مراد شرک بھی ہو سکتا ہے۔ ﴿اُرْكِسُوْا فِيْهَا﴾ اسی شرک میں لوٹا دیے جاتے۔ یا فتنہ سے مراد قتال ہے کہ جب انھیں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی طرف بلایا، یعنی لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

3 ﴿يُلْقُوْٓا﴾ اور ﴿يَكُفُّوْٓا﴾ کا عطف ﴿لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ پر ہے، یعنی سب نفی کے معنی میں ہیں، سب میں لَمْ لگے گا۔

4 اس بات پر کہ واقعی ان کے دلوں میں نفاق اور ان کے سینوں میں تمھارے خلاف بغض و عناد ہے، تب ہی تو وہ بہ ادنیٰ کوشش دوبارہ فتنے (شرک یا تمھارے خلاف آمادۂ قتال ہونے) میں مبتلا ہو گئے۔

5 یہ نفی، نہی کے معنی میں ہے جو حرمت کی متقاضی ہے، یعنی ایک مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا ممنوع اور حرام ہے، جیسے ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (الأحزاب 33:53) ''تمھارے یہ لائق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ۔'' یعنی حرام ہے۔

6 غلطی کے اسباب و وجوہ متعدد ہو سکتے ہیں۔ مقصد ہے کہ نیت اور ارادہ قتل کا نہ ہو۔ مگر بوجوہ قتل ہو جائے۔

7 یہ قتل خطا کا جرمانہ بیان کیا جا رہا ہے جو دو چیزیں ہیں۔ ایک بطور کفارہ و استغفار ہے، یعنی مسلمان غلام کی گردن

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ
بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ
اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ
تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿92﴾

کر دیں،[1] اور اگر مقتول تمھاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان، تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازمی ہے۔[2] اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے، جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (بھی ضروری ہے)،[3] پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو

آزاد کرنا اور دوسری چیز بطور حق العباد کے ہے اور وہ ہے، دِیَت (خون بہا۔) مقتول کے خون کے بدلے میں جو چیز مقتول کے وارثوں کو دی جائے، وہ دیت ہے۔ اور دیت کی مقدار احادیث کی رو سے سو اونٹ یا اس کے مساوی قیمت سونے، چاندی یا کرنسی کی شکل میں ہوگی۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ قتل عمد میں قصاص یا دیت مُغَلَّظَہ ہے اور دیت مغلظہ کی مقدار سو اونٹ ہے جو عمر اور وصف کے لحاظ سے تین قسم یا تین معیار کے ہوں گے۔ جبکہ قتل خطا میں صرف دیت ہے۔ قصاص نہیں ہے۔ اس دیت کی مقدار سو اونٹ ہے مگر معیار اخماسًا ہے۔ علاوہ ازیں اس دیت کی قیمت سنن ابی داود کی حدیث میں 800 سو دینار یا 8 ہزار درہم اور سنن ترمذی کی روایت میں بارہ ہزار درہم بتلائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قیمت دیت میں کمی بیشی اور مختلف پیشوں والوں کے اعتبار سے اس کی مختلف نوعیتیں مقرر فرمائی تھیں: (إرواء الغلیل:305/7) جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دیت (سو اونٹ) کی بنیاد پر اس کی قیمت ہر دور کے اعتبار سے مقرر کی جائے گی۔ (تفصیل کے لیے شروحات حدیث و کتب فقہ ملاحظہ ہوں)

1 معاف کر دینے کو صدقہ سے تعبیر کرنے سے مقصد معافی کی ترغیب دینا ہے۔

2 یعنی اس صورت میں دیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ اس کے وارث حربی کافر ہیں، اس لیے وہ مسلمان کی دیت لینے کے حق دار نہیں۔ بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس مسلمان نے اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ ہجرت نہیں کی، جبکہ ہجرت کی اس وقت بڑی تاکید تھی۔ اس کوتاہی کی وجہ سے اس کے خون کی حرمت کم ہے۔ (فتح القدیر)

3 یہ ایک تیسری صورت ہے، اس میں بھی وہی کفارہ اور دیت ہے جو پہلی صورت میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر مقتول معاہد (ذمی) ہو تو اس کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہوگی کیونکہ حدیث میں کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف بیان کی گئی ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس تیسری صورت میں بھی مقتول مسلمان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾

مہینے کے لگاتار روزے ہیں،[1] اللہ سے بخشوانے کے لیے اور اللہ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے ○

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کرڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہے،[2] اسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ○[3]

---

1 یعنی اگر گردن آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پہلی صورت اور اس آخری صورت میں دیت کے ساتھ مسلسل لگاتار (بغیر ناغہ کے) دو مہینے کے روزے ہیں۔ اگر درمیان میں ناغہ ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ضروری ہوں گے، البتہ عذر شرعی کی وجہ سے ناغہ ہونے کی صورت میں نئے سرے سے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے حیض، نفاس یا شدید بیماری، جو روزہ رکھنے میں مانع ہو۔ سفر کے عذر شرعی ہونے میں اختلاف ہے۔ (ابن کثیر)

2 یہ قتل عمد کی سزا ہے۔ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ (1) قتل خطا (جس کا ذکر ماقبل کی آیت میں ہے) (2) قتل شبہ عمد جو حدیث سے ثابت ہے۔ (3) قتل عمد جس کا مطلب ہے، ارادہ اور نیت سے کسی کو قتل کرنا اور اس کے لیے وہ آلہ استعمال کرنا جس سے فی الواقع عادتاً قتل کیا جاتا ہے، جیسے تلوار، خنجر وغیرہ۔ آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت وعید بیان کی گئی ہے، مثلاً: اس کی سزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہوگا۔ اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ احادیث میں بھی اس کی سخت مذمت اور اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

3 مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ بعض علماء مذکورہ سخت وعیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قائل نہیں لیکن قرآن وحدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (الفرقان25:70) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں۔ ہر گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، توبۃ النصوح سے اس کی معافی ممکن ہے۔ یہاں اس کی جو سزا جہنم بیان کی گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کی یہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ اس جرم پر اسے دے سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خلود (ہمیشہ جہنم میں رہنے) کا مطلب بھی مکث طویل (لمبی مدت) ہے کیونکہ جہنم میں خلود کافروں اور مشرکوں کے لیے ہی ہے۔ علاوہ ازیں قتل کا تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی بھی تلافی اور ازالہ فرما سکتا ہے اس طرح مقتول کو بھی بدلہ مل جائے گا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائے گی۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جارہے ہو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ [1] تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔ [2] پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تم ضرور تحقیق وتفتیش کرلیا کرو، بے شک اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے ○

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ

اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنیوالے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں، [3] اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے

---

1 احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کسی علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرارہا تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے نے سلام کیا، بعض صحابہ نے سمجھا کہ شاید وہ جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کررہا ہے، چنانچہ انھوں نے بغیر تحقیق کیے اسے قتل کرڈالا، اور بکریاں (بطور مال غنیمت) لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث:4591، و جامع الترمذي ، حديث :3030) بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں پہلے تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے (صحيح البخاري، حديث:6866) مطلب یہ تھا کہ اس قتل کا کوئی جواز نہیں تھا۔

2 یعنی تمھیں چند بکریاں، اس مقتول سے حاصل ہوگئیں، یہ کچھ بھی نہیں، اللہ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بہتر غنیمتیں ہیں جو اللہ ورسول کی اطاعت کی وجہ سے تمھیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں تو ان کا ملنا یقینی ہے۔

3 جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا صحابی) وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے ہم جہاد میں حصہ لینے سے مجبور ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گھر میں بیٹھ رہنے کی وجہ سے جہاد میں حصہ لینے والوں کے برابر ہم اجروثواب حاصل نہیں کرسکیں گے، درآں حالیکہ ہمارا گھر میں بیٹھ رہنا بطور شوق، یا جان کی حفاظت کے نہیں ہے بلکہ عذر کی وجہ سے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ (بغیر عذر کے) کا استثنا نازل فرمادیا، یعنی عذر کے ساتھ بیٹھ رہنے والے، مجاہدین کے ساتھ اجر میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ ''ان کو عذر نے روکا ہوا ہے۔''
(صحيح البخاري، حديث:2839)

الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿95﴾
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿96﴾ ع 13/5/10
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا
مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ
اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ
فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ
مَصِيْرًا ۙ﴿97﴾

والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے،[1] لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے ○
اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی۔ اور اللہ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○
جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟[2] یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔[3] فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے ○

---

1 یعنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو جو فضیلت حاصل ہوگی، جہاد میں حصہ نہ لینے والے اگرچہ اس سے محروم رہیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے دونوں کے ساتھ ہی بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے، یعنی اگر بقدر ضرورت آدمی جہاد میں حصہ لے لیں تو اس علاقے کے دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی یہ فرض ادا شدہ سمجھا جائے گا۔

2 یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن انھوں نے اپنے آبائی علاقے اور خاندان چھوڑ کر ہجرت کرنے سے گریز کیا جبکہ مسلمانوں کی قوت کو ایک جگہ مجتمع کرنے کے لیے ہجرت کا نہایت تاکیدی حکم مسلمانوں کو دیا جا چکا تھا، اس لیے جن لوگوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا، ان کو یہاں ظالم قرار دیا گیا ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم بتلایا گیا ہے۔ جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حالات و ظروف کے اعتبار سے اسلام کے بعض احکام کفر یا اسلام کے مترادف بن جاتے ہیں، جیسے اس موقع پہ ہجرت اسلام اور اس سے گریز کفر کے مترادف قرار پایا۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ ایسے دارالکفر سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل اور وہاں رہنا کفر اور اہل کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔

3 یہاں ﴿ الْاَرْضِ ﴾ سے مراد شان نزول کے اعتبار سے مکہ اور اس کا قرب و جوار ہے اور آگے ﴿ اَرْضُ اللّٰهِ ﴾ سے مراد مدینہ ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے، یعنی پہلی جگہ سے مراد أَرْضُ كُفَّارٍ ہوگی۔ جہاں اسلام پر عمل مشکل ہو

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿98﴾

مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں، جنھیں نہ تو کسی چارۂ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے ○[1]

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿99﴾

بہت ممکن ہے کہ اللہ ان سے درگزر کرے، اللہ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے ○

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿100﴾ ع 14 4 11

جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا، وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی،[2] اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا،[3] اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

اور أرض اللہ سے مراد ہر وہ جگہ ہو گی جہاں انسان اللہ کے دین پر عمل کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے جائے۔

1 یہ ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہجرت سے مستثنیٰ کرنے کا حکم ہے جو اس کے وسائل سے محروم اور راستے سے بھی بے خبر تھے۔ بچے اگرچہ شرعی احکام کے مکلّف نہیں ہوتے لیکن یہاں ان کا ذکر ہجرت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ بچے تک بھی ہجرت کریں یا پھر یہاں بچوں سے مراد قَرِيبُ الْبُلُوغَتْ بچے ہوں گے۔

2 اس میں ہجرت کی ترغیب اور مشرکین سے مفارقت اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ ﴿مُرٰغَمًا﴾ کے معنی جگہ، جائے قیام یا جائے پناہ ہے۔ اور ﴿سَعَةً﴾ سے رزق یا جگہوں اور ملکوں کی کشادگی و فراخی مراد ہے۔

3 اس میں نیت کے مطابق اجر و ثواب ملنے کی یقین دہانی ہے چاہے موت کی وجہ سے وہ اس عمل کے مکمل کرنے سے قاصر رہا ہو۔ جیسا کہ گزشتہ امتوں میں سے ایک سو افراد کے قاتل کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے، جو توبہ کے لیے نیکوں کی ایک بستی میں جا رہا تھا کہ راستے میں موت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نیکوں کی بستی کو بہ نسبت دوسری بستی کے قریب تر کر دیا جس کی وجہ سے اسے ملائکۂ رحمت اپنے ساتھ لے گئے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3470، و صحيح مسلم، حديث: 46-(2766)) اسی طرح جو شخص ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلے، راستے میں ہی اسے موت آ جائے تو اسے اللہ کی طرف سے ہجرت کا ثواب ضرور ملے گا، گو ابھی وہ ہجرت کے عمل کو پایۂ تکمیل تک بھی نہ پہنچا سکا ہو، جیسے حدیث میں بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ”عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔“ «وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى» ”آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔“ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی، پس اس کی ہجرت ان کے لیے ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿101﴾

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر تمھیں ستائیں گے، [1] یقیناً کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں ○

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۟ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ

جب تم ان میں ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمھارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمھارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تمھارے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر

سے ہجرت کی، پس اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس نیت سے اس نے ہجرت کی۔'' (صحیح البخاري، حدیث:1، و صحیح مسلم، حدیث:155-(1907)) یہ حکم عام ہے جو دین کے ہر کام کو شامل ہے، یعنی اس کو کرتے وقت اللہ کی رضا پیش نظر ہوگی تو وہ مقبول، ورنہ مردود ہوگا۔

1 اس میں حالت سفر میں نماز قصر کرنے (دوگانہ ادا کرنے) کی اجازت دی جا رہی ہے۔ ﴿ اِنْ خِفْتُمْ ﴾ ''اگر تمھیں ڈر ہو......'' غالب احوال کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس وقت پورا عرب دار الحرب بنا ہوا تھا۔ کسی طرف کا بھی سفر خطرات سے خالی نہیں تھا، یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ سفر میں خوف ہو تو قصر کی اجازت ہے، جیسے قرآن مجید میں اور بھی بعض مقامات پر اس قسم کی قیدیں بیان کی گئی ہیں جو اتفاقی، یعنی غالب احوال کے اعتبار سے ہیں، مثلاً: ﴿ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ (آل عمران 3:130) یا ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ﴾ (النور 24:33) ''تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے بچنا چاہیں۔'' چونکہ بچنا چاہتی تھیں، اس لیے اللہ نے اسے بیان فرما دیا۔ یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری پر آمادہ ہوں تو پھر تمھارے لیے یہ جائز ہے کہ تم ان سے بدکاری کروا لیا کرو۔ ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمْ ﴾ (النسآء 4:23) وغیرها من الآیات. بعض صحابہ کے ذہن میں بھی یہ اشکال آیا کہ اب تو امن ہے، ہمیں سفر میں نماز قصر نہیں کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کی طرف سے تمھارے لیے صدقہ ہے، اس کے صدقے کو قبول کرو۔'' (مسند أحمد:1/25و36، و صحیح مسلم، حدیث:4-(686) اور دیگر کتب حدیث)

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿102﴾

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

ہو جاؤ، تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں،[1] ہاں! اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمھیں تکلیف ہو بوجہٗ بارش یا بسبب بیمار ہو جانے کے، اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لیے رہو۔ یقیناً اللہ نے منکروں کے لیے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو[2] اور جب اطمینان پاؤ تو نماز

ملحوظہ: سفر کی مسافت اور ایام تعیین میں کافی اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے 3 فرسخ، یعنی 9 میل (ساڑھے بائیس کلومیٹر) والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (نیل الأوطار: 233/3) اسی طرح بہت سے محققین علمائے اہلحدیث اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ دوران سفر میں کسی ایک مقام پر تین یا چار دن سے زیادہ قیام کی نیت نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو پھر نماز قصر کی اجازت نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح)

1 اس آیت میں صلاۃ الخوف کی اجازت بلکہ حکم دیا جا رہا ہے۔ صلاۃ الخوف کے معنی ہیں: خوف کی نماز۔ یہ اس وقت مشروع ہے جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لیے تیار کھڑی ہوں اور ایک لمحے کی بھی غفلت مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہو سکتی ہو۔ ایسے حالات میں اگر نماز کا وقت ہو جائے تو صلاۃ الخوف پڑھنے کا حکم ہے، جس کی مختلف صورتیں حدیث میں بیان کی گئی ہیں، مثلاً: فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ دشمن کے بالمقابل کھڑا رہا تا کہ کافروں کو حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو اور ایک حصے نے آ کر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب یہ حصہ نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلے کی جگہ مورچہ زن ہو گیا اور مورچہ زن حصہ نماز کے لیے آ گیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں حصوں کو ایک ایک رکعت نماز پڑھائی، اس طرح آپ کی دو رکعت اور باقی فوجیوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ بعض میں آتا ہے کہ دو دو رکعات پڑھائیں، اس طرح آپ کی چار رکعت اور فوجیوں کی دو دو رکعت ہوئیں اور بعض میں آتا ہے کہ ایک رکعت پڑھ کر التحیات کی طرح بیٹھے رہے، فوجیوں نے کھڑے ہو کر اپنے طور پر ایک رکعت اور پڑھ کر دو رکعات پوری کیں اور دشمن کے سامنے جا کر ڈٹ گئے۔ دوسرے حصے نے آ کر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے انھیں بھی ایک رکعت پڑھائی اور التحیات میں بیٹھ گئے اور اس وقت تک بیٹھے رہے جب تک فوجیوں نے دوسری رکعت پوری نہیں کر لی، پھر ان کے ساتھ آپ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح آپ کی بھی دو رکعت اور فوج کے دونوں حصوں کی بھی دو رکعات ہوئیں۔ (دیکھیے کتب حدیث)

2 مراد یہی خوف کی نماز ہے، اس میں چونکہ تخفیف کر دی گئی ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿103﴾

قائم کرو! [1] یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے [2] ○

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ
ع 15 4 12 اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿104﴾ ع

ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہوکر بیٹھ نہ رہو! [3] اگر تمھیں بے آرامی ہوتی ہے تو انھیں بھی تمھاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے ہو، جو امیدیں انھیں نہیں، [4] اور اللہ دانا اور حکیم ہے ○

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿105﴾ ۙ

یقیناً ہم نے تمھاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا [5] ہے اور خیانت

---

1 اس سے مراد ہے کہ جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے تو پھر نماز کو اس کے اس طریقے کے مطابق پڑھنا ہے، جیسے عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔

2 اس میں نماز کو مقررہ وقت میں پڑھنے کی تاکید ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر وحج کے سوا اقامت کی حالت میں بغیر شرعی عذر وتنگی کے دو نمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کم ازکم ایک نماز غیر وقت میں پڑھی جائے گی جو اس آیت کے خلاف ہے۔

3 یعنی اپنے دشمن کا تعاقب کرنے میں کمزوری مت دکھاؤ بلکہ ان کے خلاف بھرپور جدوجہد کرو اور گھات لگا کر بیٹھو!

4 یعنی زخم تو تمھیں بھی اور انھیں بھی دونوں کو پہنچے ہیں لیکن ان زخموں پر تمھیں تو اللہ سے اجر کی امید ہے لیکن وہ اس کی امید نہیں رکھتے، اس لیے اجرِ آخرت کے حصول کے لیے جو محنت وکاوش تم کر سکتے ہو، وہ کافر نہیں کر سکتے۔

5 ان آیات (104 سے 113 تک) کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طُعْمَہ یا بَشِیر بنْ اُبَیْرِقْ نے ایک انصاری کی زرہ چرالی، جب اس کا چرچا ہوا اور اس کو اپنی چوری کے بے نقاب ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے وہ زرہ ایک یہودی کے گھر پھینک دی اور بنی ظفر کے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا، ان سب نے کہا کہ زرہ چوری کرنے والا فلاں یہودی ہے۔ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ بنی ابیرق نے زرہ چوری کر کے میرے گھر پھینک دی ہے۔ بنی ابیرق (طعمہ یا بشیر وغیرہ) ہشیار تھے اور نبی ﷺ کو باور کراتے رہے کہ چور یہودی ہی ہے اور وہ طُعْمَہ پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ نبی ﷺ بھی ان کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو گئے اور قریب تھا کہ اس انصاری کو چوری کے الزام سے بری کر کے یہودی

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿106﴾

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿107﴾

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

کرنیوالوں[1] کے حمایتی نہ بنو ○

اور اللہ سے بخشش مانگو![2] بے شک اللہ بخشش کرنے والا، مہربانی کرنیوالا ہے ○

اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغا باز گناہ گار اللہ کو اچھا نہیں لگتا ○

وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جبکہ اللہ کو ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں، اس وقت

پر چوری کی فردِ جرم عائد فرما دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ جس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ بھی بہ حیثیت ایک انسان کے غلط فہمی میں پڑ سکتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ پر فوراً صورتحال واضح ہو جاتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی حق کے پوشیدہ رہ جانے اور اس سے ادھر ادھر ہو جانے کا مرحلہ آ جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرما دیتا اور اس کی اصلاح فرما دیتا ہے جیسا کہ عصمت انبیاء کا تقاضا ہے۔ یہ وہ مقام عصمت ہے جو انبیاء کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

1 اس سے مراد وہی بنی ابیرق ہیں جنھوں نے چوری خود کی لیکن اپنی چرب زبانی سے یہودی کو چور باور کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ اگلی آیات میں بھی اِن کے اور اُن کے حمایتیوں کے غلط کردار کو نمایاں کر کے نبی ﷺ کو خبر دار کیا جا رہا ہے۔

2 یعنی بغیر تحقیق کیے آپ ﷺ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے، اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریقین میں سے جب تک کسی کی بابت پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے، اس کی حمایت و وکالت کرنا جائز نہیں، علاوہ ازیں اگر کوئی فریق دھوکے، فریب اور اپنی چرب زبانی سے عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گا، درآں حالیکہ وہ صاحب حق نہ ہو تو ایسے فیصلے کی عنداللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا: ''خبر دار! میں ایک انسان ہوں اور جس طرح میں سنتا ہوں، اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے ایک شخص اپنی دلیل و حجت پیش کرنے میں تیز طرار اور ہوشیار ہو اور میں اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، حالانکہ وہ حق پر نہ ہو اور اس طرح میں دوسرے مسلمان کا حق اسے دے دوں، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔'' (صحیح البخاري، حديث:2680و6967و7169، وصحيح مسلم، حديث:5-(1713))

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿108﴾

بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے ○

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾

ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ ○ [1]

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ
يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿110﴾

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، مہربانی کرنے والا پائے گا ○

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى
نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿111﴾

اور جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے [2] اور اللہ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے ○

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ
بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا
16 ع 8 13 مُّبِيْنًا ﴿112﴾ ع

اور جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمے تھوپ دے، اس نے بہت بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا ○ [3]

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ
طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا

اگر اللہ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تو تجھے بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا، [4] مگر دراصل یہ

---

1 یعنی جب اس گناہ کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ ہوگا تو کون اللہ کی گرفت سے اسے بچا سکے گا؟

2 اس مضمون کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17: 15) ''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یعنی کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، ہر نفس کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کما کر ساتھ لے گیا ہوگا۔

3 جس طرح بنو ابیرق نے کیا کہ چوری خود کی اور تہمت کسی اور پر دھر دی۔ یہ زجر و توبیخ عام ہے۔ جو بنو ابیرق کو بھی شامل ہے اور ان کو بھی جو ان کی سی بدخصلتوں کے حامل اور ان جیسے برے کاموں کے مرتکب ہوں گے۔

4 یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیاء علیہم السلام کے لیے فرمایا جاتا ہے جو انبیاء پر اللہ کے فضل خاص اور اس کی رحمت خاصہ کا مظہر ہے۔ ﴿ طَّاۗىِٕفَةٌ ﴾ (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنو ابیرق کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ

يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿114﴾

اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں، یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اللہ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا [1] اور اللہ کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے ○

ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، [2] ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے [3] اور جو شخص صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے [4] اسے ہم یقیناً بہت

اس شخص کو چوری کے الزام سے بری کر دیں گے، جو فی الواقع چور تھا۔

1 یہ دوسرے فضل واحسان کا تذکرہ ہے جو آپ ﷺ پر کتاب وحکمت (سنت) نازل فرما کر اور ضروری باتوں کا علم دے کر فرمایا گیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ......﴾ (الشوریٰ 52:42) ''اور اسی طرح وحی کی ہم نے تیری طرف ایک روح (قرآن) کی اپنے حکم سے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟'' ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (القصص 86:28) ''تجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تجھ پر کتاب اتاری جائے گی مگر تیرے رب کی رحمت سے (یہ کتاب اتاری گئی۔)'' ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ پر فضل واحسان فرمایا اور کتاب وحکمت بھی عطا فرمائی، ان کے علاوہ دیگر بہت سی باتوں کا آپ کو علم دیا گیا جن سے آپ بے خبر تھے۔ یہ بھی گویا آپ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہے کیونکہ جو خود عالم الغیب ہو، اسے تو کسی اور سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور جسے دوسرے سے معلومات حاصل ہوں، وحی کے ذریعے سے یا کسی اور طریقے سے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔

2 ﴿نَجْوٰىهُمْ﴾ (خفیہ مشورے) سے مراد وہ باتیں ہیں جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف یا ایک دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔

3 یعنی صدقہ خیرات، معروف (جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے) اور اصلاح بین الناس کے بارے میں مشورے، خیر پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ان امور کی فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے۔

4 کیونکہ اگر اخلاص (رضائے الٰہی کا مقصد) نہیں ہوگا تو بڑے سے بڑا عمل بھی نہ صرف ضائع جائے گا بلکہ وبال

بڑا ثواب دیں گے ○ [1]

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿115﴾ ع 17/3/14

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، [2] وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے ○

جان بن جائے گا۔ فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الرِّيَاءِ وَالنِّفَاقِ.

1 احادیث میں اعمال مذکورہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اللہ کی راہ میں حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بھی احد پہاڑ جتنا ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث:63-(1014)) نیک بات کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح رشتے داروں، دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا بہت بڑا عمل ہے۔ ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقات و خیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے۔ فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ قَالَ: وَ فَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ» (سنن أبي داود، حديث:4919، وجامع الترمذي، حديث:2509، ومسند أحمد:445,444/6) حتیٰ کہ صلح کرانے والے کو جھوٹ تک بولنے کی اجازت دے دی گئی تا کہ اسے ایک دوسرے کو قریب لانے کے لیے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے۔ «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا، وَيَقُولُ خَيْرًا» (صحيح البخاري، حديث:2692، وصحيح مسلم، حديث: 101-(2605)، وجامع الترمذي، حديث1938، وسنن أبي داود، حديث:4920) ''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اچھی بات پھیلاتا یا اچھی بات کرتا ہے۔''

2 ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی دین اسلام سے خروج ہے جس پر یہاں جہنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مومنین سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی گروہ مومنین موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو، اس لیے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کے نام ہیں، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر وضلال ہی ہے۔ بعض علماء نے سبیل المومنین سے مراد اجماع امت لیا، یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی مسئلے میں امت کے تمام ہم عصر علماء وفقہاء کا اتفاق یا کسی مسئلے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار اکثر علماء کے نزدیک کفر ہے۔ تاہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿116﴾

اسے اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ○

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ﴿117﴾

یہ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں [1] اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں ○ [2]

وقف لازم

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ﴿118﴾

جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے اللہ سے کہا تھا کہ تیرے بندوں میں سے میں مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں گا ○ [3]

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ

اور انھیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا [4] اور انھیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں، [5] اور ان سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت

صورت تو ملتی ہے۔ لیکن اجماع صحابہ کے بعد کسی مسئلے میں پوری امت کے اجماع و اتفاق کے دعوے تو بہت سے مسائل میں کیے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل جو واقعتاً اجماعی ہوں، عدیم النظیر ہیں، بہرحال اجماع شرعاً حجت ہے، اس لیے کہ صحیح حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث:2167)

1 ﴿اِنٰثًا﴾ (عورتیں) سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کے نام مؤنث تھے جیسے لات، عزیٰ، مناۃ، نائلہ وغیرہ یا مراد فرشتے ہیں کیونکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

2 بتوں، فرشتوں اور دیگر ہستیوں کی عبادت دراصل شیطان کی عبادت ہے کیونکہ شیطان ہی انسان کو اللہ کے در سے چھڑا کر دوسروں کے آستانوں اور چوکھٹوں پر جھکاتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

3 مقرر شدہ حصہ، مراد وہ نذر و نیاز بھی ہو سکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں مدفون اشخاص کے نام نکالتے ہیں اور جہنمیوں کا وہ کوٹہ بھی ہو سکتا ہے جنھیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔

4 یہ وہ باطل امیدیں ہیں جو شیطان کے وسوسوں اور دخل اندازی سے پیدا ہوتی اور انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔

5 یہ بحیرہ اور سائبہ جانوروں کی علامتیں اور صورتیں ہیں۔ مشرکین ان کو بتوں کے نام وقف کرتے تو شناخت کے لیے ان کے کان وغیرہ چیر دیا کرتے تھے۔

وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿119﴾

کو بگاڑ دیں،[1] سنو! جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا ○

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿120﴾

وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا۔ اور سبز باغ دکھاتا رہے گا، (مگر یاد رکھو!) شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں ○

اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿121﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے، جہاں سے انھیں چھٹکارا نہ ملے گا ○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾

اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں، ہم انھیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟ ○[2]

---

1 تَغْيِيرَ خَلْقِ اللهِ ''اللہ کی تخلیق کو بدلنا'' کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہی جس کا ابھی یہاں ذکر ہوا، یعنی کان وغیرہ کاٹنا، چیرنا، سوراخ کرنا، ان کے علاوہ اور کئی صورتیں ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، پتھر اور آگ وغیرہ اشیاء مختلف مقاصد کے لیے بنائی ہیں، لیکن مشرکین نے ان کے مقصد تخلیق کو بدل کر انھیں معبود بنا لیا۔ یا تغییر کا مطلب تغییر فطرت ہے، یا حلت وحرمت میں تبدیلی ہے وغیرہ۔ اسی تغییر میں مردوں کی نس بندی کر کے اور اسی طرح عورتوں کے آپریشن کر کے انھیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینا۔ میک اپ کے نام پر ابروؤں کے بال وغیرہ اکھاڑنا جو درحقیقت اپنی صورتوں کو مسخ کرنا ہے اور وشم (گودنا گدوانا) وغیرہ بھی شامل ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں جن سے بچنا ضروری ہے، البتہ جانوروں کو اس لیے خصی کرنا کہ ان سے زیادہ انتفاع ہو سکے یا ان کا گوشت زیادہ بہتر ہو سکے یا اسی قسم کا کوئی اور صحیح مقصد ہو تو جائز ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبیؐ کریم ﷺ نے خصی جانور قربانی میں ذبح فرمائے ہیں۔ اگر جانور کو خصی کرنے کا جواز نہ ہوتا تو آپ ان کی قربانی نہ کرتے، یہ استدلال اگرچہ محل نظر ہے لیکن استئناسًا پیش کیا گیا۔

2 شیطانی وعدے تو سراسر دھوکا اور فریب ہیں لیکن انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ سچوں کی بات کو کم مانتا ہے اور جھوٹوں کے پیچھے زیادہ چلتا ہے، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ شیطانی چیزوں کا چلن عام ہے اور ربانی کاموں کو اختیار کرنے والے ہر دور میں اور ہر جگہ کم ہی رہے ہیں اور کم ہی ہیں ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ ﴾ (سبا 34:13) ''میرے

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿123﴾

حقیقتِ حال نہ تو تمھاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہلِ کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے، جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے ○

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿124﴾

جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے، یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا ○ [1]

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿125﴾

باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے؟ جو اپنا منہ اللہ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیکو کار، ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کر رہا ہو اور ابراہیم کو اللہ نے اپنا دوست بنالیا ہے ○ [2]

شکر گزار بندے کم ہی ہیں۔''

1 جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے متعلق بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی خوش فہمیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کی کامیابی محض امیدوں اور آرزوؤں سے نہیں ملے گی۔ اس کے لیے تو ایمان اور عمل صالح کی پونجی ضروری ہے، اگر اس کے برعکس نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی، کفر ہوگا تو اسے ہر صورت میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی، وہاں کوئی ایسا دوست یا مددگار نہیں ہوگا جو برائی کی سزا سے بچا سکے۔ آیت میں اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی خطاب فرمایا ہے تاکہ وہ بھی یہود و نصاریٰ کی سی غلط فہمیوں، خوش فہمیوں اور عمل سے خالی آرزوؤں اور تمناؤں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔ لیکن افسوس مسلمان اس تنبیہ کے باوجود انھی خام خیالیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں سابقہ امتیں گرفتار ہوئیں۔ اور آج بے عملی اور بد عملی مسلمان کا بھی شعار بنی ہوئی ہے اور اس کے باوجود وہ امت مرحومہ کہلانے پر مصر ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ.

2 یہاں کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا جا رہا ہے۔ معیار یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے، محسن بن جائے اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے اور نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ ﴿ خَلِيْلًا ﴾ کے معنی ہیں کہ جس کے دل میں محبت اس طرح خالص اور راسخ ہو کہ اس میں کوئی خلل و نقص نہ ہو۔ خلیل (بروزن فعیل) بمعنی فاعل ہے، جیسے علیم بمعنی عالم اور بعض کہتے ہیں کہ بمعنی مفعول ہے، جیسے حبیب بمعنی محبوب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یقیناً اللہ کے محبّ بھی تھے اور محبوب بھی۔ (فتح القدیر) اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ نے مجھے

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾ ع 18/11/15

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے ○

آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، [1] آپ کہہ دیجیے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنھیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے [2] اور انھیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو [3] اور کمزور بچوں کے بارے میں [4] اور اس بارے میں

بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خلیل بنایا۔‘‘ (صحیح مسلم، حدیث:23-(532))

1 عورتوں کے بارے میں جو سوالات ہوتے رہتے تھے، یہاں سے ان کے جوابات دیے جا رہے ہیں۔

2 ﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ اس کا عطف ﴿اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ﴾ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بابت وضاحت فرماتا ہے اور کتاب اللہ کی وہ آیات وضاحت کرتی ہیں جو اس سے قبل یتیم لڑکیوں کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں۔ مراد ہے سورۂ نساء کی آیت:3 جس میں ان لوگوں کو اس بے انصافی سے روکا گیا ہے کہ وہ یتیم لڑکی سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی تو کر لیتے تھے لیکن مہر مثل دینے سے گریز کرتے تھے۔

3 اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں، ایک تو یہی جو مرحوم مترجم نے کیا ہے، اس میں فِي کا لفظ محذوف ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ عَنْ کا لفظ محذوف مان کر کیا گیا ہے، یعنی «تَرْغَبُونَ عَنْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ» ’’تمھیں ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو۔‘‘ رغب کا صلہ عن آئے تو معنی اعراض اور بے رغبتی کرنے کے ہوتے ہیں، جیسے ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ﴾ (البقرۃ2:130) ’’ملت ابراہیم سے بے رغبتی کون کر سکتا ہے۔‘‘ میں ہے یہ گویا دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ یتیم لڑکی بعض دفعہ بدصورت ہوتی تو اس کے ولی یا اس کے ساتھ وراثت میں شریک دوسرے ورثاء خود بھی اس کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتے اور کسی دوسری جگہ بھی اس کا نکاح نہ کرتے...... تاکہ کوئی اور شخص اس کے حصۂ جائیداد میں شریک نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی صورت کی طرح ظلم کی اس دوسری صورت سے بھی منع فرمایا۔

4 اس کا عطف ﴿يَتٰمَى النِّسَآءِ﴾ پر ہے، یعنی «وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ فِي الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ» ’’یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر جو پڑھا جاتا ہے (سورۂ نساء کی آیت:3) اور کمزور بچوں کی بابت جو پڑھا جاتا ہے اس سے مراد قرآن کا حکم ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ ہے جس میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ جبکہ زمانۂ جاہلیت میں صرف بڑے لڑکوں کو ہی وارث سمجھا جاتا تھا، چھوٹے کمزور بچے اور عورتیں وراثت سے محروم ہوتی تھیں۔ شریعت نے سب کو وارث قرار دیا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾

کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔ [1] تم جو نیک کام کرو، بلا شبہ اللہ اسے پوری طرح جاننے والا ہے ○

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿128﴾

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پروائی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ [2] صلح بہت بہتر چیز ہے، طمع ہر ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے۔ [3] اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیز گاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ پوری طرح خبردار ہے ○

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾

تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لیے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو [4] اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو

---

1 اس کا عطف بھی ﴿ يَتٰمَى النِّسَآءِ ﴾ پر ہے، یعنی کتاب اللہ کا یہ حکم بھی تم پر پڑھا جاتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔ یتیم بچی صاحب جمال ہو تب بھی اور بدصورت ہو تب بھی۔ دونوں صورتوں میں انصاف کرو۔ (جیسا کہ تفصیل گزری)

2 خاوند اگر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو ناپسند کرے اور اس سے دور رہنا (نُشُوز) اور اعراض کرنا معمول بنا لے یا ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں کسی کم تر خوب صورت بیوی سے اعراض کرے تو عورت اپنا کچھ حق چھوڑ کر (مہر سے یا نان ونفقہ سے یا باری سے) خاوند سے مصالحت کر لے تو اس مصالحت میں خاوند یا بیوی پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ صلح بہرحال بہتر ہے۔ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث:2593، وصحيح مسلم، حديث:47-(1463))

3 ﴿ الشُّحَّ ﴾ بخل اور طمع کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے، یعنی ہر نفس اپنے مفاد میں بخل اور طمع سے کام لیتا ہے۔

4 یہ ایک دوسری صورت ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا کیونکہ محبت، فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾

تو بے شک اللہ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے ○

اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا،[1] اللہ وسعت والا حکمت والا ہے ○

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿131﴾

زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو کہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بہت

محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو عنداللہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ جس طرح نبی ﷺ نے اس کا نہایت عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی محبت کی وجہ سے دوسری بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی ''محبوب بیوی'' کی طرح دوسری بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور انھیں معلقہ (درمیان میں لٹکی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں، نہ انھیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے: ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو (دوسری کو نظرانداز کیے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (نصف) ساقط ہوگا۔ (جامع الترمذي، حديث:1141)

1 یہ تیسری صورت ہے کہ کوشش کے باوجود اگر نباہ کی صورت نہ بنے تو پھر طلاق کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ ممکن ہے علیحدگی کے بعد مرد کو مطلوبہ صفات والی بیوی اور عورت کو مطلوبہ صفات والا مرد مل جائے۔ اسلام میں طلاق کو اگرچہ سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے «أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ» (سنن أبي داود، حديث:2178، ومشكاة المصابيح :978/2) ''طلاق ایسا حلال کام ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔'' اس کے باوجود اللہ نے اس کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ بعض دفعہ حالات ایسے موڑ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ قرآن وسنت کی نصوص سے یہ واضح ہے کہ یہ حق اسی وقت استعمال کرنا چاہیے جب نباہ کی کوئی صورت کسی طرح بھی نہ بن سکے۔

ملحوظہ: حدیث مذکور «أَبْغَضُ الْحَلَالِ....» کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (إرواء الغليل، حديث: 2040) تاہم عذر شرعی کے بغیر طلاق کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

بے نیاز اور قابلِ تعریف ہے ○

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿132﴾

اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کارساز کافی ہے ○

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿133﴾

اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اللہ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے[1] ○

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿134﴾ ع

19 ع 8 16

جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو (یاد رکھو کہ) اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا ثواب موجود ہے[2] اور اللہ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمھارے اپنے خلاف ہو، یا تمھارے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے،[3] وہ شخص اگر امیر ہو یا فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے،[4] اس لیے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر

---

1 یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ وکاملہ کا اظہار ہے جبکہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ○﴾ (محمد47:38) ''اگر تم پھر و گے تو وہ تمھاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''

2 جیسے کوئی شخص صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے جہاد کرے تو کتنی نادانی کی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں کا ثواب عطا فرمانے پر قادر ہے تو پھر اس سے ایک ہی چیز کیوں طلب کی جائے؟ انسان دونوں ہی کا طلب گار کیوں نہ بنے؟

3 اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل وانصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہا ہے، چاہے اس کی وجہ سے انھیں یا ان کے والدین اور رشتہ داروں کو نقصان ہی اٹھانا پڑے، اس لیے کہ حق سب پر حاکم ہے اور سب پر مقدم ہے۔

4 یعنی کسی مال دار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے نہ کسی فقیر کے فقر کا اندیشہ تمھیں سچی بات کہنے سے روکے

خَبِيْرًا ﴿135﴾

انصاف نہ چھوڑ دینا،[1] اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی[2] تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ○

بلکہ اللہ ان دونوں سے تمھارے زیادہ قریب اور مقدم ہے۔

1 یعنی خواہش نفس، عصبیت یا بغض تمھیں انصاف کرنے سے نہ روک دے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (المآئدة 5:8) ''تمھیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔''

2 ﴿تَلْوٗٓا﴾ لَيٌّ سے ہے جو تحریف اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلب شہادت میں تحریف و تغییر ہے اور اعراض سے مراد شہادت کا کتمان (چھپانا) اور اس کا ترک کرنا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ اس آیت میں عدل و انصاف کی تاکید اور اس کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً: ① ہر حال میں عدل کرو اس سے سرمو انحراف نہ کرو، کسی ملامت گر کی ملامت اور کوئی اور محرک اس میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ اس کے قیام میں تم ایک دوسرے کے معاون اور دست و بازو بنو۔ ② صرف اللہ کی رضا تمھارے پیش نظر ہو کیونکہ اس صورت میں تم تحریف، تبدیل اور کتمان سے گریز کرو گے اور تمھارا فیصلہ عدل کی میزان میں پورا اترے گا۔ ③ عدل و انصاف کی زد اگر تم پر یا تمھارے والدین یا دیگر قریبی رشتے داروں پر بھی پڑے، تب بھی تم پروا مت کرو اور اپنی اور ان کی رعایت کے مقابلے میں عدل کے تقاضوں کو اہمیت دو۔ ④ کسی مال دار کی اس کی تونگری کی وجہ سے رعایت نہ کرو اور کسی تنگ دست کے فقر سے خوف مت کھاؤ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس میں ہے؟ ⑤ فیصلے میں خواہش نفس، عصبیت اور دشمنی آڑے نہیں آنی چاہیے بلکہ ان سب کو نظر انداز کر کے بے لاگ عدل کرو۔

عدل کا یہ اہتمام جس معاشرے میں ہوگا، وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نکتے کو بھی خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تخمینہ لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے انھیں رشوت کی پیشکش کی تاکہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں، انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمھاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمھارے معاملے میں انصاف نہ کروں۔'' یہ سن کر انھوں نے کہا: ''اسی عدل کی وجہ سے آسمان و زمین کا یہ نظام قائم ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿136﴾

اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ[1] جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿137﴾ ۭ

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے، اللہ یقیناً انھیں نہ بخشے گا اور نہ انھیں راہ ہدایت سمجھائے گا ○[2]

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَۨا ﴿138﴾ ۙ

منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب یقینی ہے ○

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿139﴾ ۭ

جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں،[3] کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضے میں ہے ○[4]

---

1 ایمان والوں کو ایمان لانے کی تاکید تحصیل حاصل والی بات نہیں بلکہ کمال ایمان اور اس پر استقرار و اثبات کا حکم ہے، جیسے «اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ» کا مفہوم ہے۔

2 بعض مفسرین نے اس سے مراد یہود لیے ہیں۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کا انکار کیا، پھر حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی انکار کیا اور بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں، چونکہ مقصد ان کا مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا، اس لیے وہ بار بار اپنی مسلمانی کا ڈھونگ رچاتے تھے بالآخر کفر و ضلالت میں اتنے بڑھ گئے کہ ان کی ہدایت کی امید منقطع ہو گئی۔

3 جس طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ منافقین کافروں کے پاس جا کر یہی کہتے تھے کہ ہم تو حقیقت میں تمھارے ہی ساتھی ہیں، مسلمانوں سے تو ہم یوں ہی استہزا کرتے ہیں۔

4 یعنی عزت کافروں کے ساتھ موالات و محبت سے نہیں ملے گی کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزت

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۟ۙ﴿140﴾

اور اللہ تمھارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی (مجلس والوں) کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انھی جیسے ہو،[1] یقیناً اللہ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے ○

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۟ؑ﴿141﴾ ع 20/7/17

یہ لوگ تمھارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمھیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمھارے ساتھی نہیں، اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمھیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟[2] پس قیامت میں خود اللہ تمھارے درمیان فیصلہ

اپنے ماننے والوں ہی کو عطا فرماتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ (فاطر 35:10) ''جو عزت کا طالب ہے تو (اسے سمجھ لینا چاہیے کہ) عزت سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾ (المنفقون 63:8)، یعنی وہ نفاق کے ذریعے سے اور کافروں سے دوستی کے ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں، درآں حالیکہ یہ طریقہ ذلت وخواری کا ہے، عزت کا نہیں۔

1 یعنی منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں، جہاں آیات الٰہی کا استہزا کیا جاتا ہو بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گے، جیسے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔'' (مسند أحمد: 20/1 و 339/3) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ و رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل امراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں کیا جاتا ہے۔

2 یعنی ہم تم پر غالب آنے لگے تھے لیکن تمھیں اپنا ساتھی سمجھ کر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے تمھیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا۔ مطلب یہ کہ تمھیں غلبہ ہماری اس دوغلی پالیسی کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے جو ہم

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴿142﴾

کرے گا [1] اور اللہ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا ○ [2]

بے شک منافق اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ ان سے چالبازی کرنے والا ہے [3] اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، [4] صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں، [5] اور یاد

نے مسلمانوں میں ظاہری طور پر شامل ہو کر اپنائے رکھی لیکن در پردہ ان کو نقصان پہنچانے میں ہم نے کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی تا آنکہ تم ان پر غالب آ گئے۔ یہ منافقین کا قول ہے جو انھوں نے کافروں سے کہا۔

1 یعنی دنیا میں تم نے دھوکے اور فریب سے وقتی طور پر کچھ کامیابی حاصل کر لی لیکن قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان باطنی جذبات و کیفیات کی روشنی میں ہو گا جنھیں تم سینوں میں چھپائے ہوئے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو سینوں کے رازوں کو بھی خوب جانتا ہے اور پھر اس پر جو وہ سزا دے گا تو معلوم ہو گا کہ دنیا میں منافقت اختیار کر کے نہایت خسارے کا سودا کیا تھا جس پر جہنم کا دائمی عذاب بھگتنا ہو گا۔ «أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ».

2 یعنی غلبہ نہ دے گا۔ اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ① اہل اسلام کا یہ غلبہ قیامت والے دن ہو گا۔ ② حجت اور دلائل کے اعتبار سے کافر مسلمانوں پر غالب نہیں آ سکتے۔ ③ کافروں کا ایسا غلبہ نہیں ہو گا کہ مسلمانوں کی دولت و شوکت کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے اور وہ حرف غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے ہی محو ہو جائیں۔ ایک حدیث صحیح سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ ④ جب تک مسلمان اپنے دین کے عامل، باطل سے غیر راضی اور منکرات سے روکنے والے رہیں گے، کافر ان پر غالب نہ آ سکیں گے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں کہ ''یہ سب سے عمدہ معنی ہیں۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ﴾ (الشوریٰ 42:30) ''اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، سو تمھارے اپنے فعلوں کی وجہ سے۔'' (فتح القدیر) گویا مسلمانوں کی مغلوبیت ان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔

3 اس کی مختصر توضیح سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔

4 نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور اشرف ترین فرض ہے اور اس میں بھی وہ کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے تھے کیونکہ ان کا قلب ایمان، خشیت الٰہی اور خلوص سے محروم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عشاء اور فجر کی نماز بطور خاص ان پر بہت بھاری تھی جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ» (صحيح البخاري، قبل حديث: 564) ''منافق پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے زیادہ بھاری ہے۔''

5 یہ نماز بھی وہ صرف ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے پڑھتے تھے تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿143﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿144﴾

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿145﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا

الٰہی تو یونہی برائے نام کرتے ہیں ○ [1]

وہ درمیان میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف، [2] اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا ○

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صاف حجت قائم کرلو ○ [3]

منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں جائیں گے، [4] ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے ○

ہاں جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ پر کامل یقین

---

1 اللہ کا ذکر تو برائے نام کرتے ہیں یا نماز مختصر سی پڑھتے ہیں۔ «أَيْ لَا يُصَلُّونَ إِلَّا صَلَاةً قَلِيلَةً» جب نماز اخلاص، خشیت الٰہی اور خشوع سے خالی ہو تو اطمینان سے نماز کی ادائیگی نہایت گراں ہوتی ہے جیسا کہ ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○﴾ (البقرۃ 2:45) سے واضح ہے۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان (غروب کے قریب) ہو جاتا ہے تو اٹھتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے......'' (صحیح مسلم، حدیث:195-(622)، و الموطأ للإمام مالك :207/1)

2 کافروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ اور مومنوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ «ظاهرًا و باطنًا» وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ ظاہر ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہے تو باطن کافروں کے ساتھ اور بعض منافق تو کفر وایمان کے درمیان متحیر اور تذبذب ہی کا شکار رہتے تھے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو جفتی کے لیے دو ریوڑوں کے درمیان متردد رہتی ہے، (بکرے کی تلاش میں) کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے، کبھی دوسرے کی طرف۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 17-(2784))

3 یعنی اللہ نے تمھیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر تم دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمھیں بھی سزا دے۔ (معصیت الٰہی اور حکم عدولی کی وجہ سے)

4 جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہاویہ کہلاتا ہے۔ «أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا». منافقین کی مذکورہ عادات سے ہم سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بچائے۔

بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿146﴾
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ
وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿147﴾

رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں، [1] اللہ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا ○

اللہ تمھیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور با ایمان رہو، [2] اللہ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے ○ [3]

---

1 یعنی منافقین میں سے جو ان چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا، وہ جہنم میں جانے کی بجائے جنت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوگا۔

2 شکر گزاری کا مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عمل صالح کا اہتمام کرنا۔ یہ گویا اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ہے اور ایمان سے مراد اللہ کی توحید و ربوبیت پر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے۔

3 یعنی جو اس کا شکر کرے گا، وہ قدر کرے گا، جو دل سے ایمان لائے گا، وہ اس کو جان لے گا اور اس کے مطابق وہ بہترین جزا سے نوازے گا۔

الجزء السادس (6)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ
اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿148﴾
اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ
سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے[1] اور اللہ خوب سنتا جانتا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ، یا کسی برائی سے درگزر کرو،[2] پس یقیناً اللہ پوری معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے ○

---

1 شریعت نے تاکید کی ہے کہ کسی کے اندر برائی دیکھو تو اس کا چرچا نہ کرو بلکہ تنہائی میں اس کو سمجھاؤ، الا یہ کہ کوئی دینی مصلحت ہو۔ اسی طرح کھلے عام اور علی الاعلان برائی کرنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو برائی کا ارتکاب ویسے ہی ممنوع ہے، چاہے پردے کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا اسے برسرعام کیا جائے یہ مزید ایک جرم ہے اور اس کی وجہ سے اس برائی کا جرم بڑھ سکتا ہے۔ قرآن کے الفاظ مذکورہ دونوں قسم کی برائیوں کے اظہار سے ممانعت کو شامل ہیں اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی شخص کو اس کی کردہ یا ناکردہ حرکت پر برا بھلا کہا جائے، البتہ اس سے ایک استثنا ہے کہ ظالم کے ظلم کو تم لوگوں کے سامنے بیان کر سکتے ہو جس سے ایک فائدہ یہ متوقع ہے کہ شاید وہ ظلم سے باز آ جائے یا اس کی تلافی کی سعی کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے میرا پڑوسی ایذا دیتا ہے۔ آپ نے اولاً اسے صبر کی تلقین فرمائی، وہ پھر دو تین مرتبہ شکایت لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا: ”تم اپنا سامان نکال کر باہر راستے میں رکھ دو۔“ اس نے ایسا ہی کیا، چنانچہ جو بھی گزرتا اس سے پوچھتا، وہ پڑوسی کے ظالمانہ رویے کی وضاحت کرتا تو سن کر ہر رہ گزر اس پر لعنت ملامت کرتا۔ پڑوسی نے یہ صورتحال دیکھ کر معذرت کر لی اور اسے آئندہ کے لیے ایذا نہ پہنچانے کا وعدہ کر لیا اور اس سے اپنا سامان اندر رکھنے کی التجا کی۔ (سنن أبي داود، حديث:5153)

2 کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم یا برائی کا ارتکاب کرے تو شریعت نے اس حد تک بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ جس حد تک اس پر ظلم ہوا ہے۔ « اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ مَالَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ » (صحیح مسلم، حدیث:68-(2587)) ”آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو شخص جو کچھ کہیں اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے (بشرطیکہ) مظلوم (جسے پہلے گالی دی گئی) زیادتی نہ کرے۔“ لیکن بدلہ لینے کی اجازت کے ساتھ ساتھ معافی اور درگزر کو زیادہ پسند فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود باوجود قدرت کاملہ کے عفو و درگزر سے کام لینے والا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ 42:40) ”برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔“ اور حدیث میں بھی ہے: ”معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث:69-(2588)).

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ
وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ
سَبِيْلًا ۙ ﴿150﴾

جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿151﴾

یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں،[1] اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ
ع 21 11 1 اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿152﴾

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، یہ ہیں جنھیں اللہ ان کے پورے ثواب دے گا[2] اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ
كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ
مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

آپ سے اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائیں،[3] موسیٰ سے تو انھوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی کہ ہمیں کھلم کھلا

1 اہل کتاب کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ وہ بعض نبیوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں، جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ و حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسائیوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے والے یہ پکے کافر ہیں۔

2 یہ ایمانداروں کا شیوہ بتلایا کہ وہ سب انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ہیں کہ وہ کسی بھی نبی کا انکار نہیں کرتے۔ اس آیت سے بھی ''وحدت ادیان'' کی نفی ہوتی ہے جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اور وہ ان غیر مسلموں کو بھی نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ تمام رسولوں پر اور بالخصوص رسالت محمدیہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اگر اس آخری رسالت کا انکار ہوگا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ غیر معتبر اور نامقبول ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ کی آیت:62 کا حاشیہ)

3 یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے کر آئے، اسی طرح آپ بھی آسمان پر جا کر لکھا ہوا قرآن مجید لے کر آئیں۔ یہ مطالبہ محض عناد، جحود اور تعنّت کی بنا پر تھا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿153﴾

اللہ کو دکھا دے، پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آ پڑی، پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں، انھوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ (اور صریح دلیل) عنایت فرمائی ○

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿154﴾

اور ان کا قول لینے کے لیے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں جاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت قول و قرار لیے ○

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿155﴾

(یہ سزا تھی) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکامِ الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے، [1] اور اس سبب سے کہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے، حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اس لیے وہ قلیل ہی ایمان لاتے ہیں ○

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا ﴿156﴾

اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث ○ [2]

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح

---

1 تقدیری عبارت یوں ہوگی: فَبِنَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ یعنی ہم نے ان کے نقض میثاق، کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء وغیرہ کی وجہ سے ان پر لعنت کی یا سزا دی۔

2 اس سے مراد یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت ہے۔ آج بھی بعض نام نہاد محققین اس بہتان عظیم کو ایک ''حقیقت ثابتہ'' باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف نجار (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے معجزانہ ولادت کا انکار کرتے ہیں۔

مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿157﴾

عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا، حالانکہ نہ تو انھوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا [1] بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنادی گئی تھی۔ [2] یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انھیں حقیقتِ حال کا کوئی علم نہیں ہے وہ محض ظن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ [3] اتنا یقینی ہے کہ انھوں نے اسے قتل نہیں کیا ○

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا [4] اور اللہ بڑا

1 اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے نہ سولی چڑھانے میں۔ جیسا کہ ان کا منصوبہ تھا۔ اس کی مختصر وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت:55 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

2 اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے حواریوں کو جن کی تعداد 12 یا 17 تھی، جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شکل وصورت میری جیسی بنا دی جائے ایک نوجوان اس کے لیے تیار ہو گیا، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے آسمان پر اٹھالیا گیا۔ بعد میں یہودی آئے اور انھوں نے اس نوجوان کو لے جا کر سولی پر چڑھا دیا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ یہودی یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے، درآں حالیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے وہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

3 عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شخص کو قتل کرنے کے بعد ایک گروہ تو یہی کہتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جبکہ دوسرا گروہ جسے یہ اندازہ ہو گیا کہ مصلوب شخص عیسیٰ نہیں، کوئی اور ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور مصلوب ہونے کا انکار کرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے عیسیٰ کو آسمان پر جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو خود عیسائیوں کے درمیان ہوا۔ عیسائیوں کے نسطوریہ فرقے نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم کے لحاظ سے تو سولی دے دیے گئے لیکن لاہوت (خداوندی) کے اعتبار سے نہیں۔ ملکانیہ فرقے نے کہا کہ یہ قتل وصلب ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے مکمل طور پر ہوا ہے۔ (فتح القدیر) بہر حال وہ اختلاف، تردد اور شک کا شکار رہے۔

4 یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور متواتر صحیح احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ یہ احادیث صحیحین سمیت حدیث کی اکثر کتابوں میں بھی وارد ہیں۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3448، وصحیح مسلم، حدیث: 242-(155)) ان احادیث میں آسمان

حَكِيمًا ﴿158﴾ زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ○ [1]

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ

اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لاچکے، [2] اور قیامت کے دن

پر اٹھائے جانے کے علاوہ قیامت کے قریب ان کے نزول کا اور دیگر بہت سی باتوں کا تذکرہ ہے۔ امام ابن کثیر یہ تمام روایات ذکر کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے متواتر ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابو امامہ، نواس بن سمعان، عبداللہ بن عمرو بن العاص، مجمع بن جاریہ، ابی سریحہ اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان احادیث میں آپ کے نزول کی صفت اور جگہ کا بیان ہے، آپ دمشق میں منارہ شرقیہ کے پاس اس وقت اتریں گے جب فجر کی نماز کے لیے اقامت ہو رہی ہوگی، آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ معاف کر دیں گے، ان کے دور میں سب مسلمان ہو جائیں گے، دجال کا قتل بھی آپ کے ہاتھوں سے ہوگا اور یاجوج و ماجوج کا ظہور و فساد بھی آپ کی موجودگی میں ہوگا، بالآخر آپ ہی کی بددعا سے ان کی ہلاکت واقع ہوگی۔ (ملخصاً)

1 زبردست اور غالب ہے، اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو اس کی پناہ میں آ جائے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ حکیم بھی ہے، وہ جو فیصلہ بھی کرتا ہے حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

2 ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک اہل کتاب (نصاریٰ) ہیں اور مطلب یہ کہ ہر عیسائی موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ گو موت کے وقت کا ایمان نافع نہیں۔ لیکن سلف اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب ان کا دوبارہ دنیا میں نزول ہوگا اور وہ دجال کو قتل کر کے اسلام کا بول بالا کریں گے تو اس وقت جتنے یہودی اور عیسائی ہوں گے ان کو بھی قتل کر ڈالیں گے اور روئے زمین پر مسلمان کے سوا کوئی اور باقی نہ بچے گا اس طرح اس دنیا میں جتنے بھی اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پہلے ان پر ایمان لا کر اس دنیا سے گزر چکیں گے، خواہ ان کا ایمان کسی بھی ڈھنگ کا ہو۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ضرور ایک وقت آئے گا کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل بن کر نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھا دیں گے اور مال کی اتنی بہتات ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ (صدقہ خیرات لینے والا کوئی نہیں ہوگا) حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ ”اہل کتاب میں سے ہر ایک اپنی وفات یا حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے ضرور ان پر ایمان لائے گا۔“ (صحیح البخاري، حدیث:3448) یہ احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ انھیں تواتر کا درجہ حاصل ہے اور انھی متواتر صحیح روایات

شَهِيْدًا ۚ﴿159﴾

آپ ان پر گواہ ہوں گے [1] ○

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ﴿160﴾

جو نفیس چیزیں یہودیوں کے لیے حلال کی گئی تھیں، وہ ہم نے ان پر حرام کردیں ان کے ظلم کے باعث اور اللہ کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث ○ [2]

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿161﴾

اور سود جس سے منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کے باعث اور ان میں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لیے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
ع 22 10 2 الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿162﴾

لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں [3] اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں [4] اور زکاۃ کے ادا کرنے والے ہیں [5] اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے

کی بنیاد پر اہل سنت کے تمام مکاتب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دنیا میں ان کا نزول ہوگا اور دجال کا اور تمام ادیان کا خاتمہ فرما کر اسلام کو غالب فرمائیں گے۔ یاجوج ماجوج کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی موجودگی میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہی اس فتنے کا بھی خاتمہ ہوگا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔

1 یہ گواہی اپنی پہلی زندگی کے حالات سے متعلق ہوگی جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخر میں وضاحت ہے: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ (المآئدة 5:117) ''میں جب تک ان میں موجود رہا، ان کے حالات سے باخبر رہا۔''

2 یعنی ان کے ان جرائم و معاصی کی وجہ سے بطور سزا بہت سی حلال چیزیں ہم نے ان پر حرام کردی تھیں۔ (جن کی تفصیل سورۂ انعام 6:146 میں ہے)

3 ان سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہوگئے تھے۔

4 ان سے مراد بھی وہ اہل ایمان ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے یا پھر مہاجرین و انصار مراد ہیں، یعنی شریعت کا پختہ علم رکھنے والے اور کمال ایمان سے متصف لوگ ان معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔

5 اس سے مراد زکاۃ اموال ہے یا زکاۃ نفوس، یعنی اپنے اخلاق و کردار کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کرنا، یا دونوں ہی مراد ہیں۔

والے ہیں،[1] یہ ہیں جنھیں ہم بہت بڑے اجر عطا فرمائیں گے ○

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿163﴾

یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف[2] اور ہم نے داود کو زبور عطا فرمائی ○

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿164﴾

اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں[3] اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے[4] اور موسیٰ سے اللہ نے صاف طور پر

---

1 یعنی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نیز بعث بعد الموت اور عملوں پر جزا وسزا کا یقین رکھتے ہیں۔

2 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا اور یوں نبی ﷺ کی وحی رسالت سے بھی انکار کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر) جس میں مذکورہ قول کا رد کرتے ہوئے رسالت محمدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاۃُ وَالتَّحِيَّۃُ کا اثبات کیا گیا ہے۔

3 جن رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں ان کی تعداد 24 یا 25 ہے۔ ① آدم ② ادریس ③ نوح ④ ہود ⑤ صالح ⑥ ابراہیم ⑦ لوط ⑧ اسماعیل ⑨ اسحاق ⑩ یعقوب ⑪ یوسف ⑫ ایوب ⑬ شعیب ⑭ موسیٰ ⑮ ہارون ⑯ یونس ⑰ داود ⑱ سلیمان ⑲ الیاس ⑳ الیسع ㉑ زکریا ㉒ یحییٰ ㉓ عیسیٰ ㉔ ذوالکفل (اکثر مفسرین کے نزدیک) ㉕ محمد۔ صَلَوٰتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ

4 جن انبیاء ورسل کے نام اور واقعات قرآن میں بیان نہیں کیے گئے، ان کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک حدیث میں جو بہت مشہور ہے ایک لاکھ 24 ہزار اور ایک حدیث میں 8 ہزار تعداد بتلائی گئی ہے لیکن ان روایات میں کلام ہے۔ قرآن وحدیث سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار وحالات میں مبشرین ومنذرین (انبیاء) آتے رہے ہیں۔ بالآخر یہ سلسلۂ نبوت حضرت محمد ﷺ پر ختم فرما دیا گیا۔ آپ سے پہلے کتنے نبی آئے؟ ان کی صحیح تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تاہم محمد ﷺ کے بعد جتنے بھی دعوے داران نبوت ہو گزرے یا ہوں گے، سب دجال اور کذاب ہیں اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور امت

کلام کیا ○ [1]

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿165﴾

ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اورآگاہ کرنے والے، [2] تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اورالزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے۔ [3] اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے ○

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿166﴾

جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ بطور گواہ کافی ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿167﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿168﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، انھیں اللہ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انھیں کوئی راہ دکھائے گا ○ [4]

محمدیہ سے الگ ایک متوازی امت ہیں، جیسے امت بابیہ، بہائیہ اور امت مرزائیہ وغیرہ۔ اسی طرح مرزا قادیانی کو مسیح موعود ماننے والے لاہوری مرزائی بھی۔

1 یہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص صفت ہے جس میں وہ دوسرے انبیاء سے ممتاز ہیں۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت کی رو سے امام ابن کثیر نے اس صفت ہم کلامی میں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ کو بھی شریک مانا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر زیر آیت ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (البقرة 2:253)

2 ایمان والوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور کافروں کو اللہ کے عذاب اور بھڑکتی ہوئی جہنم سے ڈرانا۔

3 یعنی نبوت یا إنذار و تبشیر کا یہ سلسلہ ہم نے اس لیے قائم فرمایا کہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمیں تو تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾ (طٰهٰ 20:134) ''اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پیشتر تیری آیات کی پیروی کر لیتے۔''

4 کیونکہ مسلسل کفر اور ظلم کا ارتکاب کر کے انھوں نے اپنے دلوں کو سیاہ کر لیا ہے جس سے اب ان کی ہدایت و مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿169﴾

بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿170﴾

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے، پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمھارے لیے بہتری ہو، اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے،[1] اور اللہ دانا ہے حکمت والا ہے ○

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ[2] اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ

1 یعنی تمھارے کفر سے اللہ کا کیا بگڑے گا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (إبرٰهيم 14:8) ''اگر تم اور روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب کفر کا راستہ اختیار کر لیں تو وہ اللہ کا کیا بگاڑیں گے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ تو بے پروا تعریف کیا گیا ہے۔'' اور حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! اگر تمھارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمھارے اول و آخر اور انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان ہو تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث:55-(2577))

2 غُلُو کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہ انھیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معصوم بنا ڈالا اور ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نواز دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9:31) ''انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔'' یہ رب بنانا حدیث کے مطابق، ان کے حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔ در آں حالیکہ یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے لیکن اہل کتاب نے یہ حق بھی اپنے علماء وغیرہ کو دے دیا۔ نبی ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے پیش نظر اپنے بارے

اَلْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿171﴾

وقف لازم — ع 23/3

ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے حکم ہیں، جسے اس نے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح [1] ہیں، اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، [2] اس سے باز آجاؤ کہ تمھارے لیے بہتری ہے، اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا ○

میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا: «لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ»(صحيح البخاري، حديث:3445، و مسند أحمد:23/1و47)
”تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بڑھایا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔“ لیکن افسوس امت محمدیہ اس کے باوجود بھی اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکی جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمدیہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا جو دراصل عیسائیوں کا وتیرہ تھا۔ اسی طرح علماء وفقہاء کو بھی دین کا شارح اور مفسر ماننے کی بجائے ان کو شارع (شریعت سازی کا اختیار رکھنے والے) بنا دیا ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ سچ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ ......»(صحيح البخاري، حديث:7320، و صحيح مسلم، حديث: 6-(2669))”تم بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ ضرور پچھلی امتوں کی پیروی کرو گے۔“ یعنی ان کے قدم بہ قدم چلو گے۔

1 کلمة اللّٰه کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کن سے باپ کے بغیر ان کی تخلیق ہوئی اور یہ لفظ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچایا گیا۔ روح اللہ کا مطلب وہ نَفْخَه (پھونک) ہے جو حضرت جبریل نے اللہ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکا جسے اللہ تعالیٰ نے باپ کے نطفہ کے قائم مقام کر دیا۔ یوں عیسیٰ اللہ کا کلمہ بھی ہیں جو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی وہ روح ہیں جسے لے کر جبریل حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

2 عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، پھر جو اللہ مانتے ہیں وہ أَقَانِيمِ ثَلَاثَه (تین خداؤں) کے اور حضرت عیسیٰ کے ثَالِثُ ثَلَاثَه (تین میں سے ایک) ہونے کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تین خدا کہنے سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿172﴾

مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو،[1] اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے، اللہ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا ○

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿173﴾

پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کیے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انھیں اور زیادہ دے گا،[2] اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا،[3] انھیں المناک عذاب دے گا،[4] اور وہ اپنے لیے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی، دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے ○

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿174﴾

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آپہنچی[5] اور ہم نے تمھاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ہے[6] ○

---

1 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بعض لوگوں نے فرشتوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا تھا، اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو سب کے سب اللہ کے بندے ہیں اور اس سے انھیں قطعاً کوئی انکار نہیں ہے۔ تم انھیں اللہ یا اس کی الوہیت میں شریک کس بنیاد پر بناتے ہو؟

2 بعض نے اس ''زیادہ'' سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو شفاعت کا حق عطا فرمائے گا، یہ اذن شفاعت پا کر جن کی بابت اللہ چاہے گا یہ شفاعت کریں گے۔

3 یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت سے رکے رہے اور اس سے انکار و تکبر کرتے رہے۔

4 جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ○ ﴾ (المؤمن 40:60) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے استکبار (انکار و تکبر) کرتے ہیں، یقیناً ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

5 برہان، ایسی دلیل قاطع جس کے بعد کسی کو عذر کی گنجائش نہ رہے اور ایسی حجت جس سے ان کے شبہات زائل ہو جائیں، اسی لیے آگے اسے نور سے تعبیر فرمایا۔

6 اس سے مراد قرآن کریم ہے جو کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہدایت کا نور ہے۔ ضلالت کی پگڈنڈیوں میں صراط

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ؕ﴿175﴾

پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا، انھیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انھیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا ○

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ خود تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے [1] اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا۔ اگر اس کے اولاد نہ ہو، [2] پس اگر بہنیں دو ہوں تو انھیں کل چھوڑے ہوئے کا

مستقیم اور حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِین ہے، پس اس کے مطابق ایمان لانے والے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔

1 کَلاَلَہ کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ یا دادا نہ ہو اور اولاد بھی نہ ہو۔ یہاں پھر اس کی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں نے کلالہ اس شخص کو قرار دیا ہے جس کی صرف اولاد نہ ہو، یعنی باپ موجود ہو لیکن یہ صحیح نہیں۔ کلالہ کی پہلی تعریف ہی صحیح ہے کیونکہ باپ کی موجودگی میں بہن سرے سے وراثت ہی نہیں ہوتی۔ باپ اس کے حق میں حاجب بن جاتا ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر اس کی بہن ہو تو وہ اس کے نصف مال کی وارث ہوگی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ اولاد نہ ہونے کے ساتھ باپ دادا بھی نہ ہو، یوں اولاد کی نفی تو نص سے ثابت ہے اور باپ کی نفی اِشَارَۃُ النص سے ثابت ہو جاتی ہے۔

ملحوظہ: اولاد سے مراد بیٹی، بیٹا اور بیٹے کی اولاد ہے۔ اسی طرح بہن سے مراد سگی بہن یا علاتی (باپ شریک) بہن ہے (أیسر التفاسیر) احادیث سے ثابت ہے کہ اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء میں صرف بیٹی اور بہن ہے تو بیٹی کو نصف اور باقی بہن کو بوجہ عصبہ ہونے کے دے دیا جائے گا اور اگر پوتی بھی ہے تو بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس (چھٹا حصہ) اور بہن کو باقی مال بوجہ عصبہ ہونے کے دے دیا جائے گا۔ (فتح القدير و ابن كثير) اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اولاد موجود ہو تو بہن کو بحیثیت ذوی الفروض کچھ نہیں ملے گا۔ اب اگر وہ اولاد بیٹا ہو تو کسی اور حیثیت سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر بیٹی ہو تو بہن اس کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی۔

2 اسی طرح باپ بھی نہ ہو، اس لیے کہ باپ، بھائی سے قریب ہے، باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہی نہیں ہوتا اگر اس کلالہ عورت کا خاوند یا کوئی ماں شریک بھائی ہوگا تو ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا وارث بھائی قرار پائے گا۔ (ابن کثیر)

یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿176﴾ ع 24/5/4

دو تہائی ملے گا۔ [1] اور اگر کئی بہن بھائی، یعنی مرد عورتیں ملے جلے ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔ [2] اللہ تمھارے لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ○

آیاتھا: 120 (5) سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (112) رکوعاتھا: 16

سورۂ مائدہ مدنی ہے اس میں 120 آیات اور 16 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَہِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ

اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو، [3] تمھارے لیے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں [4] بجز ان کے

المنزل الثانی (2)

---

1 یہی حکم دو سے زائد بہنوں کی صورت میں بھی ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ کلالہ شخص کی دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو انھیں کل مال کا دو تہائی (2/3) حصہ ملے گا۔

2 یعنی کلالہ کے وارث مخلوط (مرد اور عورت دونوں) ہوں تو پھر ''ایک مرد، دو عورتوں کے برابر'' کے اصول پر ورثے کی تقسیم ہوگی۔

3 (عُقُوْدٌ) عَقْدٌ کی جمع ہے، جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں، اس کا استعمال کسی چیز میں گرہ لگانے کے لیے بھی ہوتا ہے اور پختہ عہد و پیمان کرنے کے لیے بھی۔ یہاں اس سے مراد احکام الٰہی ہیں جن کا اللہ نے انسانوں کو مکلّف ٹھہرایا ہے اور وہ عہد و پیمان اور معاملات بھی ہیں جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ دونوں کا ایفا ضروری ہے۔

4 ﴿بَہِیْمَۃٌ﴾ چوپائے (چار ٹانگوں والے جانور) کو کہا جاتا ہے، اس کا مادہ بھم، ابہام ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کی گفتگو اور عقل و فہم میں چونکہ ابہام ہے، اس لیے ان کو بَہِیمَۃ کہا جاتا ہے۔ ﴿الْاَنْعَامِ﴾ اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی چال میں نرمی ہوتی ہے۔ یہ بَہِیمَۃُ الْأَنْعَام نر اور مادہ مل کر آٹھ قسمیں ہیں، جن کی تفصیل سورۂ انعام، آیت: 124 میں آئے گی، علاوہ ازیں جو جانور وحشی کہلاتے ہیں، مثلاً: ہرن، نیل گائے وغیرہ جن کا عموماً شکار کیا جاتا ہے، یہ بھی حلال ہیں، البتہ حالت احرام میں ان کا اور دیگر جانوروں اور پرندوں کا شکار ممنوع ہے۔ سنت میں بیان کردہ اصول کی رو سے جو جانور ذوناب اور جو پرندے ذُو مِخْلَبْ نہیں ہیں، وہ سب حلال ہیں (سوائے ان کے جن کے بارے میں الگ نص آئی ہو جیسے گدھا وغیرہ) جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: 173 کے حاشیے میں تفصیل گزر چکی ہے۔ ذوناب کا مطلب ہے وہ جانور جو اپنے کچلی کے دانت سے اپنا شکار پکڑتا اور چیرتا ہو، مثلاً: شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا وغیرہ اور ذُو مِخلَب کا مطلب ہے وہ پرندہ جو اپنے پنجے کے ذریعے سے اپنے شکار پر جھپٹتا اور اسے پکڑتا ہو، مثلاً: شکرہ، باز، شاہین، عقاب وغیرہ۔

غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ①

جن کے نام پڑھ کر سنا دیے جائیں گے [1] مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا، یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے ○

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَلَا الۡہَدۡیَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ

وقف لازم

اے ایمان والو! اللہ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو، [2] نہ ادب والے مہینوں کی، [3] نہ حرم میں قربان ہونے والے اور پٹے پہنائے گئے جانوروں کی جو کعبے کو جا رہے ہوں [4] اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے ارادے سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں، [5] ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل

---

1 ان کی تفصیل آیت :2 میں آ رہی ہے۔

2 ﴿شَعَآئِرَ﴾ شَعِیرَۃ کی جمع ہے، اس سے مراد حرمات اللہ ہیں (جن کی تعظیم و حرمت اللہ نے مقرر فرمائی ہے) بعض نے اسے عام رکھا ہے اور بعض کے نزدیک یہاں حج و عمرے کے مناسک مراد ہیں، یعنی ان کی بے حرمتی اور بے توقیری نہ کرو۔ اسی طرح حج و عمرے کی ادائیگی میں کسی کے درمیان رکاوٹ بھی مت بنو کیونکہ یہ بھی بے حرمتی ہی ہے۔

3 ﴿الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ﴾ الشهر میں ال جنس کا ہے، لہٰذا حرمت کے تمام مہینے مراد ہیں، یعنی حرمت والے چاروں مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) کی حرمت برقرار رکھو اور ان میں قتال مت کرو۔ بعض نے اس سے صرف ایک مہینہ، یعنی ماہ ذوالحجہ (حج کا مہینہ) مراد لیا ہے۔ بعض نے اس حکم کو ﴿فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ﴾ (التوبة 5:9) سے منسوخ مانا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔ دونوں احکام کے اپنے اپنے دائرے ہیں جن میں تعارض نہیں۔

4 ھدی ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی یا عمرہ کرنے والے حرم میں قربان کرنے کے لیے ساتھ لے جاتے تھے۔ قلائد قَلَادَۃٌ کی جمع ہے جو گلے کے پٹے کو کہا جاتا ہے، یہاں حج یا عمرہ کے موقع پر قربان کیے جانے والے ان جانوروں کو مراد لیا گیا ہے جن کے گلوں میں علامت اور نشانی کے طور پر جوتے یا پٹے ڈال دیے جاتے تھے، پس قلائد سے مقصود وہی جانور ہوئے جنھیں حرم لے جایا جاتا تھا۔ یہ ہدی کی مزید تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی سے چھینا جائے نہ ان کے حرم تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔

5 یعنی حج و عمرے کی نیت سے یا تجارت و کاروبار کی غرض سے حرم جانے والوں کو مت روکو نہ انھیں تنگ کرو۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ احکام اس وقت کے ہیں جب مسلمان اور مشرک اکٹھے حج و عمرہ کرتے تھے لیکن جب آیت ﴿اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا یَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِہِمۡ ہٰذَا﴾ (التوبة 28:9) ’’مشرکین تو پلید ہیں، پس اس برس کے بعد وہ خانۂ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔‘‘ نازل ہوگئی تو مشرکین کی حد تک یہ حکم منسوخ ہو

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

سکتے ہو، [1] جن لوگوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا، ان کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ، [2] نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو، [3] اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو [4] اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو [5] اور جو کسی چوٹ لگنے سے مر گیا ہو [6] اور جو

گیا۔ بعض کے نزدیک یہ آیت محکم، یعنی غیر منسوخ ہے اور یہ حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ (فتح القدیر)

1 یہاں امر اباحت اور جواز بتلانے کے لیے ہے، یعنی جب تم احرام کھول دو تو شکار کرنا تمھارے لیے جائز ہے۔

2 یعنی گو تمھیں ان مشرکین نے 6 ہجری میں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا لیکن تم ان کے اس روکنے کی وجہ سے ان کے ساتھ زیادتی والا رویہ اختیار مت کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی حلم اور عفو کا سبق دیا جا رہا ہے۔

3 یہ ایک نہایت اہم اصول بیان کر دیا گیا ہے جو ایک مسلمان کے لیے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان اس اصول کو اپنا لیں!

4 یہاں سے ان محرمات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کا حوالہ سورت کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ آیت کا اتنا حصہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ (دیکھیے بقرہ، آیت: 173)

5 گلا کوئی شخص گھونٹ دے یا کسی چیز میں پھنس کر خود گلا گھٹ جائے، دونوں صورتوں میں مردہ جانور حرام ہے۔

6 کسی نے پتھر، لاٹھی یا کوئی اور چیز ماری جس سے وہ بغیر ذبح کیے مر گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں ایسے جانوروں کو کھا لیا جاتا تھا۔ شریعت نے منع کر دیا۔

بندوق کا شکار: بندوق کا شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ چند صدیوں قبل اس کی ایجاد ہوئی ہے، قرونِ اولیٰ میں اس کا وجود نہیں تھا۔ صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ بُنْدُقَه سے مارا ہوا جانور، مَوْقُوْذَة ہے۔ تو اس سے مراد غلیل ہے، غلیل میں پتھر رکھ کر مارا جاتا ہے، اس پتھر سے مرنے والا جانور یقیناً مَوْقُوْذَة ہے جسے اگر ذبح کرنے کا موقع نہیں ملا، تو وہ حرام ہوگا۔ لیکن بندوق کا چھرہ یا گولی، وہ جسم کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہے، اس لیے اس گولی یا چھرے سے ہلاک ہونے والا جانور امام شوکانی رحمہ اللہ، صاحب فقہ السنہ سابق مصری اور علامہ یوسف قرضاوی وغیرہ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ بسم اللہ پڑھ کر بندوق کا فائر کیا گیا ہو۔ لیکن دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ جسم پھاڑ کر پار ہو جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس

وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ

اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو [1] اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو [2] اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو [3] لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں، [4] اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو [5] اور یہ بھی کہ قرعے کے تیروں کے ذریعے

کی ہلاکت محض دباؤ کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ حَد، یعنی دھارے سے واقع ہو۔ اس لیے کہ صحیح بخاری، حدیث:5475 اور صحیح مسلم، حدیث:1929 میں نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: «مَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْهُ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَهُوَ وَقِيذٌ وَ زَادَ مُسْلِمٌ فَلَا تَأْكُلْهُ» ''جو تیر جانور کو دھار کی طرف سے لگے (اور اس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے) اسے کھالو اور جو دھار کی بجائے عرض تیر سے مرے، تو وہ موقوذہ ہے، اسے نہ کھاؤ۔'' اس حدیث کی رو سے یہ دیکھا جانا ضروری ہے کہ بندوق کے چھرے یا گولی سے جو ہلاکت ہوتی ہے، وہ محض دباؤ اور زور کی وجہ سے ہوتی ہے یا واقعی اس کی گولی، حد، یعنی دھار سے قتل کرنے کے مفہوم کو شامل ہے۔ اگر اول الذکر صورت ہے تو وہ شکار شدہ جانور مَوْقُوذَة، یعنی حرام ہوگا اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ واللہ أعلم بالصواب.

1 چاہے خود گرا ہو یا کسی نے پہاڑ وغیرہ سے دھکا دے کر گرایا ہو۔

2 ﴿النَّطِیْحَۃُ﴾ منطوحة کے معنی میں ہے، یعنی کسی نے اسے ٹکر ماردی اور بغیر ذبح کیے وہ مر گیا۔

3 یعنی شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ جیسے ذوناب (کچلیوں سے شکار کرنے والے درندوں میں سے کسی نے) اسے کھایا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں مر جانے کے باوجود ایسے جانور کو کھا لیا جاتا تھا۔

4 جمہور مفسرین کے نزدیک یہ استثنا مذکورہ جانوروں میں سے آخری پانچ کے لیے ہے، یعنی مُنْخَنِقَة، مَوْقُوذَة، مُتَرَدِّيَة، نَطِيحَة اور درندوں کا کھایا ہوا اگر تم انھیں اس حال میں پالو کہ ان میں زندگی کے آثار موجود ہوں اور پھر تم انھیں شرعی طریقے سے ذبح کر لو تو تمھارے لیے ان کا کھانا حلال ہوگا۔ زندگی کی علامت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پھڑکے اور ٹانگیں مارے۔ اگر چھری پھیرتے وقت یہ اضطراب وحرکت نہ ہو تو سمجھ لو یہ مردہ ہے۔ ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاٹا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذبح کے علاوہ نحر بھی مشروع ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لبّے پر چھری ماری جائے۔ اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے جبکہ اونٹ کے علاوہ دیگر جانوروں کے لیے ذبح اولیٰ ہے۔ جس سے نرخرہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہیں اور سارا خون بہہ جاتا ہے۔

5 مشرکین اپنے بتوں کے قریب پتھر یا کوئی چیز نصب کر کے ایک خاص جگہ بناتے تھے جسے ﴿النُّصُبِ﴾ (تھان یا آستانہ) کہتے تھے۔ اسی پر وہ بتوں کے نام نذر کیے گئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے، یعنی یہ ﴿وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ ہی کی ایک شکل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آستانوں، مقبروں اور درگاہوں پر، جہاں لوگ طلب حاجات کے لیے جاتے ہیں اور وہاں مدفون افراد کی خوشنودی کے لیے جانور (مرغا، بکرا وغیرہ) ذبح کرتے ہیں، ان کا کھانا حرام ہے یہ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ﴾ میں داخل ہیں یا پکی ہوئی دیگیں تقسیم کرتے ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے۔

وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

فال گیری کرو،[1] یہ سب بدترین گناہ ہیں، آج کفار تمھارے دین سے ناامید ہوگئے، خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا، آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہوجائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے ○[2]

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ؗ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تمام پاک چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں،[3] اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھا رکھا ہے، یعنی جنھیں تم تھوڑا بہت وہ سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ نے تمھیں دے رکھی ہے،[4]

---

1 ﴿تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ استقسام بالازلام کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک، تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرنا۔ دوسرے، تیروں کے ذریعے سے قسمت معلوم کرنا، پہلے معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ مشرکین جوئے وغیرہ میں ذبح شدہ جانور کی تقسیم کے لیے یہ تیر ہوتے تھے جس میں کسی کو کچھ مل جاتا، کوئی محروم رہ جاتا۔ دوسرے معنی کی رو سے مطلب یہ ہے کہ ازلام سے مراد تیر ہیں جن سے وہ کسی کام کا آغاز کرتے وقت فال لیا کرتے تھے۔ انھوں نے تین قسم کے تیر بنا رکھے تھے۔ ایک اِفْعَلْ (کر) دوسرے میں لَا تَفْعَلْ (نہ کر) اور تیسرے میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اِفْعَلْ والا تیر نکل آتا تو وہ کام کرلیا جاتا، لَا تَفْعَلْ والا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا تیر نکل آتا تو پھر دوبارہ فال نکالتے۔ یہ بھی کہانت اور اِسْتِمْدَاد لغَیْرِ اللّٰہِ کی شکل ہے، اس لیے اسے بھی حرام کردیا گیا۔

2 یہ بھوک کی اضطراری کیفیت میں مذکورہ محرمات کے کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مقصد اللہ کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو، صرف جان بچانا مطلوب ہو۔

3 اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو حلال ہیں۔ ہر حلال طیب ہے اور ہر حرام خبیث۔

4 جَوَارِح، جارِحَۃٌ کی جمع ہے جو کاسب (کمانے والا) کے معنی میں ہے یا زخمی کرنے والے کے، مراد شکاری کتا، باز، چیتا، شکرا اور دیگر شکاری پرندے اور درندے ہیں۔ ﴿مُكَلِّبِيْنَ﴾ فاعل سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ تم ان

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤ ع 1/5/5

پس جس شکار کو وہ تمھارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھا لو اور اس پر اللہ کا نام ذکر کر لیا کرو۔[1] اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○

کل پاکیزہ چیزیں آج تمھارے لیے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے[2] اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتیں بھی حلال ہیں[3] جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو، اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو، منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں ○

شکاری جانوروں کو شکار کے لیے تعلیم دینے والے ہو۔ یا یہ بقول بعض کے مفعول بہ الجوارح سے حال ہے اور اس کا مطلب ہے: شکار پر چھوڑنے سے پہلے ان کو شکار کے لیے سدھایا گیا ہو۔ سدھانے کا مطلب ہے جب اسے شکار پر چھوڑا جائے۔ تو دوڑتا ہوا جائے، جب روک دیا جائے تو رک جائے اور شکار سے کچھ بھی نہ کھائے بلکہ اپنے مالک کے لیے رکھے۔

1 ایسے سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔ ایک یہ کہ اسے شکار کے لیے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔ دوسری یہ کہ شکاری جانور شکار کر کے اپنے مالک کے لیے رکھ چھوڑے خود نہ کھائے حتی کہ اگر اس نے اسے مار بھی ڈالا ہو، تب بھی وہ مقتول شکار شدہ جانور حلال ہوگا بشرطیکہ اس کے شکار میں اس سدھائے اور شکار پر چھوڑے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کی شرکت نہ ہو۔ (صحيح البخاري، حديث:5483، و صحيح مسلم، حديث: 1-(1929))

2 اہل کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہوگا جس میں خون بہہ گیا ہو، گویا ان کا مشینی ذبیحہ حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں خون بہنے کی ایک بنیادی شرط مفقود ہے جبکہ بلاد مغرب (یورپ وغیرہ) میں آج کل مشینی ذبح ہی کا طریقہ ہے۔

3 اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاک دامنی کی قید ہے جو آج کل اکثر اہل کتاب کی عورتوں میں مفقود ہے۔ دوسرے، اس کے بعد فرمایا گیا: جو ایمان کے ساتھ کفر کرے، اس کے عمل برباد ہو گئے۔ اس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بہت ہی خسارے کا سودا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَ اَیۡدِیَكُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ اِلَی الۡكَعۡبَیۡنِ ؕ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا ؕ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو [1] اپنے سروں کا مسح کرو [2] اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو، [3] اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو، [4] ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجتِ ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے

ہوگا، نیز آج کل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں ایمان کو جو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں محتاج وضاحت نہیں۔ درآں حالیکہ ایمان کو بچانا فرض ہے۔ ایک جائز کام کے لیے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ لہٰذا اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح تب جائز ہوگا جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں، پاک دامنی اور ایمان کا ضائع نہ ہونا۔

1 ''منہ دھوؤ'' یعنی ایک ایک، دو دو یا تین تین مرتبہ دونوں ہتھیلیاں دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنے کے بعد جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ منہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے۔

2 مسح پورے سر کا کیا جائے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، اپنے ہاتھ آگے سے پیچھے گدی تک لے جائے، پھر وہاں سے آگے کو لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ اسی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لے۔ اگر سر پر پگڑی یا عمامہ ہو تو حدیث کی رو سے موزوں کی طرح، اس کے اوپر بھی مسح جائز ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 146) علاوہ ازیں ایک مرتبہ ہی اس طرح مسح کر لینا کافی ہے۔ امام شوکانی کے نزدیک سر کے کچھ حصے کا مسح کر لینا بھی کافی ہے لیکن امام ابن کثیر نے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ (ابن كثير) تاہم سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر مسح اور باقی سر پر پگڑی ہو تو پگڑی پر مسح بھی درست ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث: 81-(274) میں ہے۔

3 ﴿ اَرۡجُلَكُمۡ ﴾ کا عطف ﴿ وُجُوۡهَكُمۡ ﴾ پر ہے، یعنی اپنے پیر ٹخنوں تک دھوؤ اور اگر موزے یا جرابیں پہنی ہوئی ہیں (بشرطیکہ وضو کی حالت میں پہنی ہوں) تو حدیث کی رو سے پیر دھونے کی بجائے موزوں، جرابوں پر مسح بھی جائز ہے۔

ملحوظہ: ① اگر پہلے سے باوضو ہو تو نیا وضو کرنا ضروری نہیں، تاہم ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ ② وضو سے پہلے نیت فرض ہے۔ ③ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی بھی ضروری ہے۔ ④ ڈاڑھی کا خلال کیا جائے۔ ⑤ اعضاء کو ترتیب وار دھویا جائے۔ ⑥ ان کے درمیان وقفہ نہ کیا جائے، یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کے دھونے میں دیر نہ کی جائے بلکہ سب اعضاء تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھوئے جائیں۔ ⑦ اعضائے وضو میں سے کسی بھی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہوگا۔ ⑧ کوئی عضو بھی تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے، ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ (تفسير ابن كثير و فتح القدير و أيسر التفاسير)

4 جنابت سے مراد وہ حالت ناپاکی ہے جو احتلام یا ہم بستری کرنے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے اور اسی حکم میں حیض اور

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥

ملے ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو، [1] اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا [2] بلکہ اس کا ارادہ تمھیں پاک کرنے کا اور تمھیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے [3] تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو ○

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

تم پر اللہ کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انھیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا: ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہوجاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، [4] کسی قوم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے، [5] عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب

نفاس بھی داخل ہے۔ جب حیض یا نفاس کا خون بند ہو جائے تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے طہارت، یعنی غسل ضروری ہے، البتہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح القدير وأيسر التفاسير)

1 اس کی مختصر تشریح اور تیمّم کا طریقہ سورۂ نساء کی آیت: 43 میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ ایک سفر میں بیداء کے مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا جس کی وجہ سے وہاں رکنا پڑا اور کے رہنا پڑا۔ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کے پاس پانی نہ تھا اور تلاش ہوئی تو پانی دستیاب بھی نہیں ہوا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تیمّم کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آیت سن کر کہا کہ اے آل ابی بکر! تمھاری وجہ سے اللہ نے لوگوں کے لیے برکتیں نازل فرمائی ہیں اور یہ تمھاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے (تم لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔) (صحيح البخاري، حديث: 4607)

2 اسی لیے تیمّم کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔

3 اسی لیے حدیث میں وضو کرنے کے بعد دعا کرنے کی ترغیب ہے۔ مسنون دعاؤں کی کتاب حصن المسلم وغیرہ سے یہ دعا یاد کرلی جائے۔

4 5 پہلے جملے کی تشریح سورۂ نساء آیت: 135 میں اور دوسرے جملہ کی سورۂ مائدہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧

ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے ○

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨

اللہ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لیے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے ○

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ع 2/6 6

اے ایمان والو! اللہ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا[1] اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ○

نبیٔ کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو حدیث میں آتا ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا کہ اس عطیے پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی، چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو۔'' اور فرمایا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔'' (صحيح البخاري، حديث:2587، و صحيح مسلم، حديث:14-(1623)

1 اس کی شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً: اس اعرابی کا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپسی پر ایک درخت کے سائے میں آرام فرما تھے، تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس اعرابی نے تلوار پکڑ کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا کہ اے محمد! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے بلا تامل فرمایا: ''اللہ'' (اللہ بچائے گا) یہ کہنا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 2910) بعض کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبیٔ کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے خلاف، جبکہ آپ وہاں تشریف فرما تھے، دھوکہ اور فریب سے نقصان پہنچانے کی سازش تیار کی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے جو دو عامری شخص قتل ہو گئے تھے، ان کی دیت کی ادائیگی میں یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر سے حسب معاہدہ جو تعاون لینا تھا، اس کے لیے نبیٔ کریم ﷺ اپنے رفقاء سمیت وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے یہ سازش تیار کی کہ اوپر سے چکی کا پتھر آپ ﷺ پر گرا دیا جائے، جس کے

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا[1] اور انھی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے[2] اور اللہ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکاۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمھاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمھیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہ رہے ہیں، اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی تم میں سے جو انکاری ہو جائے تو وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا○

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں[3] اور جو کچھ نصیحت انھیں کی

متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا۔ ممکن ہے کہ ان سارے ہی واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو کیونکہ ایک آیت کے نزول کے کئی اسباب وعوامل ہو سکتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر و أیسرالتفاسیر و فتح القدیر)

1 جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ عہد اور میثاق پورا کرنے کی تاکید کی جو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے لیا اور انھیں قیام حق اور شہادت عدل کا حکم دیا اور انھیں وہ انعامات یاد کرائے جو ان پر ظاہراً اور باطناً ہوئے اور بالخصوص یہ بات کہ انھیں حق وصواب کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی تو اب اس مقام پر اس عہد کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور جس میں وہ ناکام رہے۔ یہ گویا بالواسطہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی کہیں بنی اسرائیل کی طرح عہد و میثاق کو پامال کرنا شروع نہ کر دینا۔

2 یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جبابرہ سے قتال کے لیے تیار ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں پر بارہ نقیب مقرر فرمادیے تاکہ وہ انھیں جنگ کے لیے تیار بھی کریں، ان کی قیادت و رہنمائی بھی کریں اور دیگر معاملات کا انتظام بھی کریں۔

3 یعنی اتنے انتظامات اور عہد مواعید کے باوجود بنی اسرائیل نے عہد شکنی کی جس کی بنا پر وہ لعنت الٰہی کے مورد بنے، اس لعنت کے دنیوی نتائج یہ سامنے آئے کہ ایک، ان کے دل سخت کر دیے گئے جس سے ان کے دل اثر پذیری سے محروم ہو گئے اور انبیاء کے وعظ و نصیحت ان کے لیے بے کار ہو گئے، دوسرے، یہ کہ وہ کلمات الٰہی میں تحریف کرنے

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬

گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے، [1] ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی، [2] ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں، [3] پس تو انھیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ، [4] بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ

اور جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں [5] ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا، انھوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے درمیان

لگ گئے۔ یہ تحریف لفظی اور معنوی دونوں طرح کی ہوتی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی عقل و فہم میں کجی آ گئی ہے اور ان کی جسارتوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں تک میں تصرف کرنے سے انھیں گریز نہیں۔ بدقسمتی سے اس قساوت قلبی اور کلمات الٰہی میں تحریف سے امت محمدیہ کے افراد بھی محفوظ نہیں رہے۔ مسلمان کہلانے والے عوام ہی نہیں خواص بھی، جہلاء ہی نہیں علماء بھی، ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی کی یاد دہانی ان کے لیے بیکار ہے، وہ سن کر ان سے ذرا اثر قبول نہیں کرتے اور جن غفلتوں اور کوتاہیوں کا وہ شکار ہیں، ان سے تائب نہیں ہوتے۔ اسی طرح اپنی بدعات، خود ساختہ مزعومات اور اپنی فقہی تاویل کے اثبات کے لیے کلام الٰہی میں تحریف کرنے میں بھی باک نہیں سمجھتے۔

1 یہ تیسرا نتیجہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے میں انھیں کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں رہی بلکہ بے عملی اور بدعملی ان کا شعار بن گئی اور وہ پستی کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے دل سلیم رہے نہ ان کی فطرت مستقیم۔

2 یعنی غدر، خیانت اور مکر، ان کے کردار کا جز بن گیا ہے جس کے نمونے ہر وقت آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔

3 یہ تھوڑے سے لوگ وہی ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔

4 عفو و درگزر کا یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اس کی جگہ حکم دیا گیا: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾(التوبۃ 29:9) ”ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔“ بعض کے نزدیک عفو و درگزر کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ایک اہم حکم ہے، حالات و واقعات کے مطابق اسے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس سے بھی بعض دفعہ وہ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں جن کے لیے قتال کا حکم ہے۔

5 ﴿ نَصٰرٰۤى ﴾ نَصرَانِي کی جمع ہے جو نَصرَان یا ناصرہ بستی کی طرف نسبت ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔ یہ بھی یہود کی طرح اہل کتاب ہیں، ان سے بھی اللہ نے عہد لیا لیکن انھوں نے بھی اس کی پروا نہیں کی، اس کے نتیجے میں ان کے دل بھی اثر پذیری سے خالی اور ان کے کردار کھوکھلے ہو گئے۔

الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ⑮

بغض وعداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی [1] اور جو کچھ یہ کرتے تھے عنقریب اللہ انھیں سب بتا دے گا ○
اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمھارے سامنے کتاب اللہ کی بکثرت ایسی باتیں ظاہر کر رہا ہے جنھیں تم چھپا رہے تھے [2] اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے ○ [3]

---

1 یہ عہد الٰہی سے انحراف اور بے عملی کی وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قیامت تک کے لیے مسلط کر دی گئی، چنانچہ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے شدید نفرت وعناد رکھتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے معبد میں عبادت نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ پر بھی یہ سزا مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ امت بھی کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے جن کے درمیان شدید اختلافات اور نفرت وعناد کی دیواریں حائل ہیں۔

2 یعنی انھوں نے تورات وانجیل میں جو تبدیلیاں اور تحریفات کیں، انھیں طشت از بام کیا اور جن کو وہ چھپاتے تھے، ظاہر کیا، جیسے سزائے رجم۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

3 نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان واؤ، برائے مغایرت مصداق نہیں مغایرت معنی کے لیے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے جس میں کہا جا رہا ہے: ﴿ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ ”کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے۔“ اگر نور اور کتاب یہ دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ يَهْدِي بِهِمَا اللّٰهُ ہوتے ”یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے سے ہدایت فرماتا ہے۔“ قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہو گیا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد ایک ہی چیز، یعنی قرآن کریم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نور سے نبی ﷺ اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جیسا کہ وہ اہل بدعت باور کراتے ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی بابت نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اور آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس خانہ ساز عقیدے کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے ساری کائنات پیدا کی، حالانکہ یہ حدیث، حدیث کے کسی بھی مستند مجموعے میں موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ» یہ روایت جامع الترمذي، حديث: 2155 اور سنن أبي داود، حديث: 4700 میں ہے۔ محدث البانی لکھتے ہیں فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ بِلَارَيْبٍ وَّهُوَ مِنَ الْأَدِلَّةِ الظَّاهِرَةِ عَلٰى بُطْلَانِ الْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ أَوَّلُ مَا خَلَقَ

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿16﴾

جس کے ذریعے سے اللہ انھیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے ○

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿17﴾

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ [1]

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں، [2] آپ کہہ دیجیے کہ پھر تمھیں تمھارے

اللّٰهُ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ! (تعلیقات المشکاۃ: 34/1) ''مشہور زبان زد حدیث جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، باطل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں سب سے پہلے قلم پیدا کرنے کا ذکر ہے۔'' (خلاصۂ ترجمہ)

1 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور ملکیت تامہ کا بیان فرمایا ہے۔ مقصد عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کا رد و ابطال ہے۔ حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کے قائل پہلے تو کچھ ہی لوگ تھے، یعنی ایک ہی فرقہ، یعقوبیہ کا یہ عقیدہ تھا لیکن اب تقریباً تمام عیسائی الوہیت مسیح کے کسی نہ کسی انداز سے قائل ہیں۔ اسی لیے مسیحیت میں اب عقیدۂ تثلیث یا اقانیم ثلاثہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بہرحال قرآن نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ کسی پیغمبر اور رسول کو الوہی صفات سے متصف قرار دینا کفر صریح ہے۔ اس کفر کا ارتکاب عیسائیوں نے حضرت مسیح کو اللہ قرار دے کر کیا، اگر کوئی اور گروہ یا فرقہ کسی اور پیغمبر کو بشریت و رسالت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرے گا تو وہ بھی اسی کفر کا ارتکاب کرے گا۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ الْفَاسِدَةِ

2 یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہا۔ اور اپنے آپ کو بھی ابناء اللہ (اللہ کے بیٹے) اور اس کا محبوب قرار دے لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے: اَتْبَاعُ اَبْنَاءِ اللّٰهِ یعنی ہم ''اللہ کے بیٹوں (عزیر و مسیح) کے پیروکار ہیں۔'' دونوں مفہوموں میں سے کوئی سا بھی مفہوم مراد لیا جائے، اس سے ان کے

بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ز وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ⑱

گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟ [1] نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے، [2] زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ ز فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ع ⑲ ع 3/8/7

اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمھارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آ پہنچا ہے۔ جو تمھارے لیے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمھاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری اور ڈر سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا [3] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ

اور یاد کرو موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا کہ

تفاخر اور اللہ کے بارے میں بے جا اعتماد کا، نیز بدعقیدگی کا اظہار ہوتا ہے جس کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

1 اس میں ان کے مذکورہ تفاخر کا بے بنیاد ہونا واضح کر دیا گیا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے یا محبوب ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ تم جو چاہو کرو، اللہ تعالیٰ تم سے باز پرس ہی نہیں کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے گناہوں کی پاداش میں سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ، محض دعووں کی بنیاد پر نہیں ہوتا اور نہ قیامت والے دن ہوگا بلکہ وہ تو ایمان، تقویٰ اور عمل دیکھتا ہے اور دنیا میں بھی اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتا ہے اور قیامت والے دن بھی اسی اصول پر فیصلہ ہوگا۔

2 تاہم یہ عذاب یا مغفرت کا فیصلہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہوگا، جس کی اس نے وضاحت فرما دی ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت اور اہل کفر و فسق کے لیے عذاب، تمام انسانوں کا فیصلہ اسی کے مطابق ہوگا۔ اے اہل کتاب! تم بھی اسی کی پیدا کردہ مخلوق، یعنی انسان ہو۔ تمھاری بابت فیصلہ دیگر انسانی مخلوق سے مختلف کیونکر ہوگا؟

3 حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو تقریباً 570 یا 600 سال کا فاصلہ ہے یہ زمانہ فترت کہلاتا ہے۔ اہل کتاب کو کہا جا رہا ہے کہ اس فترت کے بعد ہم نے اپنا آخری رسول ﷺ بھیج دیا ہے۔ اب تم یہ بھی نہ کہہ سکو گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر و نذیر پیغمبر ہی نہیں آیا۔

اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿20﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ

اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمھیں بادشاہ بنا دیا [1] اور تمھیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا [2] ○ اے میری قوم والو! اس مقدس زمین [3] میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے نام لکھ دی ہے [4] اور اپنی پشت کے

---

1 اس مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک تو اپنے اس احسان عظیم کا ذکر کیا جو اس نے انبیاء علیہم السلام کا وسیع سلسلہ ان کے اندر قائم کر کے بنی اسرائیل پر کیا، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ بیشتر انبیاء بنی اسرائیل ہی میں سے ہوئے جن کا سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم کر دیا گیا اور آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل سے ہوئے۔ دوسرے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے تمھیں بادشاہ بنا دیا۔ بادشاہ کا مطلب یہاں خود مختار بنانا ہے، یعنی تمھیں فرعون کی غلامی سے نجات عطا فرما کر، جس نے تمھیں ذلت وخواری میں مبتلا کر رکھا تھا، تمھیں آزاد اور اپنے معاملات کا خود مختار بنا دیا۔ تیسرے احسان کا ذکر آیت کے اگلے ٹکڑے میں ہے۔

2 یہ اشارہ ہے ان انعامات اور معجزات کی طرف، جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے، جیسے من وسلویٰ کا نزول، بادلوں کا سایہ، فرعون سے نجات کے لیے دریا سے راستہ بنا دینا وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانے میں فضیلت اور اونچے مقام کی حامل تھی لیکن پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و بعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہو گیا ہے۔ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران 110:3) ”تم بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے بنایا گیا ہے۔“ لیکن یہ بھی مشروط ہے اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ جو اسی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے: ﴿ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (آل عمران 110:3) ”تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس مقصد کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے خیر امت ہونے کا اعزاز برقرار رکھ سکے۔

3 بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن بیت المقدس تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی امارت مصر کے زمانے میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے تھے اور اس وقت سے بنی اسرائیل مصر ہی میں رہے، جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام انھیں راتوں رات (فرعون سے چھپ کر) مصر سے نکال نہیں لے گئے۔ اس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی حکمرانی تھی جو ایک جنگجو قوم تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بیت المقدس جا کر آباد ہونے کا عزم کیا تو اس کے لیے وہاں قابض عمالقہ سے جہاد ضروری تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور نصرت الٰہی کی بشارت بھی سنائی لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل عمالقہ سے لڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ (ابن کثیر)

4 اس سے مراد وہی فتح ونصرت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی صورت میں ان سے کر رکھا تھا۔

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿21﴾

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿22﴾

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿23﴾

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿24﴾

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿25﴾

بل رو گردانی نہ کرو [1] کہ پھر نقصان میں جا پڑو ○

انھوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! وہاں تو زورآور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے، ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم (بخوشی) چلے جائیں گے ○ [2]

دو شخصوں نے جو خداترس لوگوں میں سے تھے، جن پر اللہ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ، دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آجاؤ گے اور تم اگر مومن ہو تو تم اللہ ہی پر بھروسا رکھو ○ [3]

قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لیے تم اور تمھارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں ○ [4]

موسیٰ کہنے لگے: الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور اپنے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں اور ان

---

1 یعنی جہاد سے اعراض مت کرو۔

2 بنی اسرائیل عمالقہ کی بہادری کی شہرت سے مرعوب ہو گئے اور پہلے مرحلے پر ہی ہمت ہار بیٹھے۔ اور جہاد سے دست بردار ہو گئے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی کوئی پروا کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت پر یقین کیا۔ اور وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔

3 قوم موسیٰ میں سے صرف یہ دو شخص صحیح معنوں میں ایماندار نکلے جنھیں نصرت الٰہی پر یقین تھا، انھوں نے قوم کو سمجھایا کہ تم ہمت تو کرو، پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تمھیں غلبہ عطا فرماتا ہے۔

4 لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل نے بدترین بزدلی، سوءِ ادبی اور تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑے۔ اس کے برعکس جب جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو انھوں نے قلت تعداد و قلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصہ لینے کے لیے بھرپور عزم کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا۔ (صحيح البخاري،

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾ ع 4/7 8

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ وقف لازم

نافرمانوں میں جدائی ڈال دے ○ [1]

ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کردی گئی ہے، یہ اس زمین میں ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے، [2] اس لیے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا ○ [3]

آدم کے دونوں بیٹوں کا حال بھی انھیں کھرا کھرا سنا دو، [4] ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی [5] تو وہ

حدیث:3952 و 4609)

1 اس میں نافرمان قوم کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اظہار بھی ہے اور براءت کا اعلان بھی۔

2 یہ میدان تیہ کہلاتا ہے جس میں چالیس سال یہ قوم اپنی نافرمانی اور جہاد سے اعراض کی وجہ سے سرگرداں رہی۔ اس میدان میں اس کے باوجود ان پر من وسلوٰی کا نزول ہوا جس سے اکتا کر انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ روز روز ایک ہی کھانا کھا کر ہمارا جی بھر گیا ہے۔ اپنے رب سے دعا کر کہ وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور دالیں ہمارے لیے پیدا فرمائے۔ یہیں ان پر بادلوں کا سایہ ہوا، پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری ہوئے، اور اس طرح کے دیگر انعامات ہوتے رہے۔ چالیس سال بعد پھر ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ یہ بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے۔

3 پیغمبر، دعوت وتبلیغ کے باوجود جب دیکھتا ہے کہ میری قوم سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں جس میں اس کے لیے دین ودنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں ہیں تو فطری طور پر اس کو سخت افسوس اور دلی قلق ہوتا ہے۔ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حال ہوتا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے لیکن آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے کہا جارہا ہے کہ جب تو نے فریضۂ تبلیغ ادا کر دیا اور پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچا دیا اور اپنی قوم کو ایک عظیم الشان کامیابی کے نقطۂ آغاز پر لا کھڑا کیا۔ لیکن اب وہ اپنی کم ہمتی اور بد دماغی کے سبب تیری بات ماننے کو تیار نہیں تو تو اپنے فرض سے سبک دوش ہوگیا اور اب تجھے ان کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے موقع پر غمگینی تو ایک فطری چیز ہے لیکن مراد اس تسلی سے یہ ہے کہ تبلیغ ودعوت کے بعد اب تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

4 آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں کا نام ہابیل اور قابیل بتلایا جاتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

5 یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں، البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی۔ دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی، ایک

النصف

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾

کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا: اللہ تقویٰ والوں ہی کا عمل قبول کرتا ہے ○

لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾

گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا، میں تو اللہ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں ○

اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ ۚ

میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ اپنے سر پر رکھ لے [1] اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے، ظالموں کا یہی بدلہ ہے ○

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿30﴾

پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا ○ [2]

حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بدصورت تھی، جبکہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوبصورت تھی۔ اس وقت کے اصول کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن کے ساتھ اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا لیکن قابیل چاہتا تھا کہ وہ ہابیل کی بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ جو خوبصورت تھی، نکاح کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا، لیکن وہ نہ سمجھا، بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو بارگاہ الٰہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی قابیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی، یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی لیکن جیسا کہ بتایا گیا یہ بات ثابت نہیں ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی، ہابیل نے ایک عمدہ دنبے کی قربانی اور قابیل نے ایک سٹے کی، ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہو گیا۔

1 میرے گناہ کا مطلب، قتل کا وہ گناہ ہے جو مجھے اس وقت ہوتا جب میں تجھے قتل کرتا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے، مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ”اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔“ (صحيح البخاري، حديث:7083، و صحيح مسلم ، حديث:14-(2888))

2 چنانچہ حدیث میں آتا ہے: «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ كَانَ

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚۛ ﴿31﴾

پھر اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے، وہ کہنے لگا، ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہوگیا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟ پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہوگیا ○

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا[1] اور ان کے پاس ہمارے

أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ»(صحيح البخاري ، حديث:3335، و صحيح مسلم، حديث:27-(1677)) ''جو قتل بھی ظلماً ہوتا ہے، (قاتل کے ساتھ) اس کے خون ناحق کا بوجھ آدم کے اس پہلے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا کام شروع کیا۔'' امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''ظاہر بات یہ ہے کہ قابیل کو قتل ناحق کی سزا دنیا میں ہی فوری طور پر دے دی گئی تھی۔'' حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: «مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ عُقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لِصَاحِبِهِ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ»(سنن أبي داود، حديث:4902، و سنن ابن ماجه، حديث:4211، ومسند أحمد:36/5و 38) ''بغی (ظلم و زیادتی) اور قطع رحمی یہ دونوں گناہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکبین کو دنیا میں ہی جلد سزا دے دے، تاہم آخرت کی سزا اس کے علاوہ اس کے لیے ذخیرہ ہوگی جو انھیں وہاں بھگتنی ہوگی۔'' اور قابیل میں یہ دونوں گناہ جمع ہو گئے تھے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (ابن كثير)

1 اس قتل ناحق کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کے لیے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہیں تھا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن ربعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن (بصری) سے پوچھا: یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بنی اسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہیں تھے۔ (تفسير ابن كثير)

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿32﴾

بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے ○ [1]

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا

ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے، [2] یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری

---

1 اس میں یہود کو زجر و توبیخ ہے کہ ان کے پاس انبیاء دلائل و براہین لے کر آتے رہے لیکن ان کا رویہ ہمیشہ حد سے تجاوز کرنے والا ہی رہا۔ اس میں گویا نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کو قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی جو سازشیں کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ان کی ساری تاریخ ہی مکر و فساد سے بھری ہوئی ہے۔ آپ بہر حال اللہ پر بھروسا رکھیں جو خیر الماکرین ہے۔ تمام سازشیوں سے بہتر تدبیر کرنے والا۔

2 اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ عُکْل اور عُرَیْنَہ قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے، انھیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو نبی ﷺ نے انھیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا، چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہو گئے لیکن اس کے بعد انھوں نے اونٹوں کے رکھوالے اور چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ جب نبی ﷺ کو اس امر کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جو انھیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔ نبی ﷺ نے ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹ ڈالے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں (کیونکہ انھوں نے بھی چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا) پھر انھیں دھوپ میں ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہیں مر گئے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ انھوں نے چوری بھی کی، قتل بھی کیا، ایمان لانے کے بعد کفر بھی کیا اور اللہ و رسول کے ساتھ محاربہ بھی۔ (صحيح البخاري ، حديث:233، و صحيح مسلم ، حديث:9-(1671)) یہ آیت محاربہ کہلاتی ہے۔ اس کا حکم عام ہے، یعنی مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے۔ محاربہ کا مطلب ہے: کسی منظم اور مسلح جتھے کا اسلامی حکومت کے علاقے میں یا اس کے قریب صحرا وغیرہ میں راہ چلتے قافلوں اور افراد اور گروہوں پر حملے کرنا، قتل و غارت گری کرنا، سلب و نہب، اغوا اور آبروریزی کرنا وغیرہ اس کی جو 4 سزائیں بیان کی گئی ہیں، امام (خلیفہ وقت) کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے وہ دے دے۔ بعض لوگ کہتے ہیں: اگر محاربین نے قتل و سلب کیا اور دہشت گردی کی تو انھیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے گی اور جس نے صرف قتل کیا، مال نہیں لیا، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے قتل کیا اور مال بھی چھینا، اس کا ایک دایاں ہاتھ اور بایاں

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿33﴾
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا
عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿34﴾ ع 5/8/9
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا
اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿35﴾

اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○
ہاں جو لوگ اس سے پہلے توبہ کرلیں کہ تم ان پر قابو پالو [1] تو یقین مانو کہ اللہ بہت بڑی بخشش اور رحم وکرم والا ہے ○
مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو [2] اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمھارا بھلا ہو ○

پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور جس نے نہ قتل کیا نہ مال لیا، صرف دہشت گردی کی اسے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلی بات صحیح ہے کہ سزا دینے میں امام کو اختیار حاصل ہے۔ (فتح القدیر)

1 یعنی گرفتار ہونے سے پہلے اگر وہ توبہ کرکے اسلامی حکومت کی اطاعت کا اعلان کر دیں تو پھر انھیں معاف کر دیا جائے گا، مذکورہ سزائیں نہیں دی جائیں گی لیکن پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ سزاؤں کی معافی کے ساتھ انھوں نے قتل کرکے یا مال لوٹ کر یا آبروریزی کرکے بندوں پر جو دست درازی کی یہ جرائم بھی معاف ہو جائیں گے یا ان کا بدلہ لیا جائے گا، بعض علماء کے نزدیک یہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ ان کا قصاص لیا جائے گا۔ امام شوکانی اور امام ابن کثیر رحمہما اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ مطلقاً انھیں معاف کر دیا جائے گا اور اسی کو ظاہر آیت کا مُقتضا بتلایا ہے، البتہ گرفتاری کے بعد توبہ سے جرائم معاف نہیں ہوں گے۔ وہ مستحق سزا ہوں گے۔ (فتح القدیر وابن کثیر)

2 وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ ''اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو'' کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کرو جس سے تمھیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْوَسِيلَةَ: هِيَ الْقُرْبَةُ تَصْدُقُ عَلَى التَّقْوٰى وَعَلٰى غَيْرِهَا مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ الَّتِي يَتَقَرَّبُ الْعِبَادُ بِهَا إِلٰى رَبِّهِمْ» ''وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے، تقویٰ اور دیگر خصال خیر پر صادق آتا ہے جن کے ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں۔'' اسی طرح منہیات ومحرمات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اس لیے منہیات ومحرمات کا ترک بھی قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ لیکن جاہلوں نے اس حقیقی وسیلے کو چھوڑ کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے، البتہ حدیث میں اس مقام محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو آخرت میں نبی ﷺ کو عطا فرمایا جائے گا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: ''جو اذان کے بعد میرے لیے یہ دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث:614، وصحيح مسلم، حديث: 384) دعائے وسیلہ، جو اذان کے بعد پڑھنی مسنون ہے، یہ ہے۔ «اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿36﴾

یقین مانو کہ کافروں کے لیے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا فدیہ قبول کرلیا جائے، ان کے لیے تو دردناک عذاب ہی ہے ○ [1]

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿37﴾

وہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے، ان کے لیے تو دائمی عذاب ہے ○ [2]

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿38﴾

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ [3] اللہ کی طرف سے یہ عبرت ناک سزا، بدلہ ہے اس کا جو انھوں نے کیا، اور اللہ قوت وحکمت والا ہے ○

الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَاً الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ»

(صحيح البخاري ، حديث:614)

1 حدیث میں آتا ہے کہ ایک کافر سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا: ”کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرے گا؟“ وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بہت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا تو نے وہاں اس کی پروا نہیں کی اور اسے دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“

(صحيح البخاري، حديث:6557، و صحيح مسلم، حديث:51-(2805))

2 یہ آیت کافروں کے حق میں ہے کیونکہ مؤمنوں کو بالآخر سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

3 بعض فقہائے ظاہریہ کے نزدیک سرقے کا یہ حکم عام ہے۔ چوری تھوڑی سی چیز کی ہو یا زیادہ کی، اسی طرح وہ حرز (محفوظ جگہ) میں رکھی ہو یا غیر حرز میں، ہر صورت میں چوری کی سزا دی جائے گی، جبکہ دوسرے فقہاء اس کے لیے حرز اور نصاب کو ضروری قرار دیتے ہیں، پھر نصاب کی تعیین میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک نصاب ربع دینار (دینار کا چوتھا حصہ) یا تین درہم (یا ان کے مساوی قیمت کی چیز) ہے، اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح ہاتھ رسغ (پہنچوں) سے کاٹے جائیں گے، کہنی یا کندھے سے نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ (تفصیلات کے لیے کتب حدیث وفقہ اور تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے)

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿39﴾

جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے،[1] یقیناً اللہ معاف فرمانے والا، مہربانی کرنے والا ہے ○

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿40﴾

کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے؟ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ

اے رسول! آپ ان لوگوں سے غم زدہ نہ ہوں جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں، خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل با ایمان نہیں،[2] اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے، وہ کلمات کے اصلی موقع کو چھوڑ کر انھیں تبدیل کر دیا کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا[3] اور جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو آپ اس کے لیے الوہی

1 اس توبہ سے مراد عنداللہ قبول توبہ ہے، یہ نہیں کہ حاکم و قاضی کے پاس ثابت ہو جانے کے بعد توبہ سے چوری یا کسی اور قابل حد جرم کی سزا معاف ہو جائے گی۔

2 نبیٔ کریم ﷺ کو اہل کفر و شرک کے ایمان نہ لانے اور ہدایت کا راستہ نہ اپنانے پر جو قلق اور افسوس ہوتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو زیادہ غم نہ کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے تاکہ اس اعتبار سے آپ کو تسلی رہے کہ ایسے لوگوں کی بابت اللہ کے ہاں آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

3 آیت نمبر 41 تا 44 کی شان نزول میں دو واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک تو دو شادی شدہ یہودی زانیوں (مرد و عورت) کا۔ یہودیوں نے اپنی کتاب تورات میں تو ردوبدل کیا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی کئی باتوں پر عمل بھی نہیں کرتے تھے۔ انھی میں سے ایک حکم رجم بھی تھا جو ان کی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے لیے تھا اور اب بھی موجود ہے لیکن وہ چونکہ اس سزا سے بچنا چاہتے تھے، اس لیے آپس میں فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں اگر انھوں

یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔ اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑی سخت سزا ہے۝

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ

وہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے [1] اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں اگر وہ تمھارے پاس آئیں تو تمھیں اختیار ہے، خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کرو، خواہ ان کو ٹال دو اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی وہ

نے ہمارے ایجاد کردہ طریقے کے مطابق کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا کا فیصلہ کیا تو مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ دیا تو نہیں مانیں گے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں رجم کی بابت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور رسوا کرنا ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، جاؤ تورات لاؤ، تورات لا کر وہ پڑھنے لگے تو آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھ دیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: ہاتھ اٹھاؤ، ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم تھی۔ بالآخر انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہتے ہیں، تورات میں آیت رجم موجود ہے، چنانچہ دونوں زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، حديث: 6841، و صحيح مسلم، حديث: 26-(1699)) و دیگر کتب حدیث) ایک دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یہود کا ایک قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے یہودی قبیلے سے زیادہ معزز اور محترم سمجھتا تھا اور اسی کے مطابق اپنے مقتول کی دیت سو وسق اور دوسرے قبیلے کے مقتول کی پچاس وسق مقرر کر رکھی تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کے دوسرے قبیلے کو کچھ حوصلہ ہوا جس کے مقتول کی دیت نصف تھی اور اس نے دیت سو وسق دینے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان اس مسئلے پر لڑائی چھڑ جاتی لیکن ان کے سمجھدار لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے پر رضا مند ہو گئے اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مسند احمد میں ہے جس کی سند کو شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ مسند أحمد: 246/1) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے دونوں سبب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اور ان سب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا ہو۔ (ابن کثیر)

1 ﴿سَمّٰعُوْنَ﴾ کے معنی ''بہت زیادہ سننے والے'' اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، جاسوسی کرنے کے لیے زیادہ باتیں سننا یا دوسروں کی باتیں ماننے اور قبول کرنے کے لیے سننا۔ بعض مفسرین نے پہلے معنی مراد لیے ہیں اور بعض نے دوسرے۔

بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿42﴾

تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے ○

وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُکْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿43﴾ ع 6/9/10

تعجب کی بات ہے کہ وہ کیسے اپنے پاس تورات ہوتے ہوئے جس میں احکامِ الٰہی ہیں تم کو منصف بناتے ہیں، پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں، دراصل یہ ایمان و یقین والے ہیں ہی نہیں ○

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ ۚ یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰهِ وَکَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ

ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے، یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ کے ماننے والے [1] انبیاء [2] اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انھیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ [3] اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے، [4] اب تمھیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری

1 ﴿لِلَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ اس کا تعلق ﴿یَحْکُمُ﴾ سے ہے، یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلے کرتے تھے۔

2 ﴿اَسْلَمُوْا﴾ یہ ﴿النَّبِیُّوْنَ﴾ کی صفت بیان کی کہ وہ سارے انبیاء دین اسلام ہی کے پیروکار تھے جس کی طرف محمد ﷺ دعوت دے رہے ہیں، یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی رہا ہے۔ اسلام۔ جس کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ہر نبی نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی دعوت توحید واخلاص پیش کی۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○﴾ (الأنبیآء 21:25) ''ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔'' اسی کو قرآن میں ﴿الدِّیْنِ﴾ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ سورۂ شوریٰ کی آیت 13: ﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا ...... الآیة﴾ میں کہا گیا ہے جس میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو آپ سے قبل دیگر انبیاء کے لیے کیا تھا۔

3 چنانچہ انھوں نے تورات میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کیا جس طرح بعد میں لوگوں نے کیا۔

4 کہ یہ کتاب کمی بیشی سے محفوظ ہے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾

آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو،[1] جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں ○[2]

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾

اور ہم نے یہودیوں کے ذمے تورات میں یہ بات مقرر کردی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے،[3] پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے، اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے، وہی لوگ ظالم ہیں ○[4]

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے

---

1 یعنی لوگوں سے ڈر کر تورات کے اصل احکام پر پردہ مت ڈالو نہ دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے ان میں ردوبدل کرو۔

2 پھر تم کیسے ایمان کے بدلے کفر پر راضی ہو گئے ہو؟

3 جب تورات میں جان کے بدلے جان اور زخموں میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا تو پھر یہودیوں کے ایک قبیلے (بنو نضیر) کا دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرنا اور اپنے مقتول کی دیت دوسرے قبیلے کے مقتول کی بہ نسبت دوگنا رکھنے کا کیا جواز ہے؟ جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزری۔

4 یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس قبیلے نے مذکورہ فیصلہ کیا تھا، یہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے خلاف تھا اور اس طرح انھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا۔ گویا انسان اس بات کا مُکَلَّف ہے کہ وہ احکامات الٰہی کو اپنائے، اسی کے مطابق فیصلے کرے اور زندگی کے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو بارگاہ الٰہی میں ظالم متصور ہوگا، فاسق متصور ہوگا اور کافر متصور ہوگا، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تینوں لفظ استعمال کر کے اپنے غضب اور ناراضی کا بھرپور اظہار فرما دیا۔ اس کے بعد بھی انسان اپنے ہی خود ساختہ قوانین یا اپنی خواہشات ہی کو اہمیت دے تو اس سے زیادہ بدقسمتی کیا ہوگی؟

ملحوظہ: علمائے اصولیین نے لکھا ہے کہ پچھلی شریعت کا حکم اگر اللہ نے برقرار رکھا ہے تو ہمارے لیے بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس آیت میں بیان کردہ حکم غیر منسوخ ہے، اس لیے یہ بھی شریعت اسلامیہ ہی کے احکام ہیں جیسا کہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ (جان، بدلے جان کے) کے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿46﴾

پہلے کی کتاب، یعنی تورات کی تصدیق کرنیوالے تھے،[1] اور ہم نے انھیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت ونصیحت تھی، پارسا لوگوں کے لیے ○[2]

وَلْیَحْکُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کریں[3] اور جو اللہ

عموم سے دو صورتیں خارج ہوں گی کہ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کافر کو قتل کر دے تو قصاص میں اس کافر کے بدلے مسلمان کو، اسی طرح غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ بعض علماء نے النفس بالنفس کو غلام کے حوالے سے عام رکھا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباري، تحت حديث: 6878، و نيل الأوطار: 10/7 وغیرہ)

1 یعنی انبیائے سابقین کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اس کی تکذیب کرنے والے نہیں جو اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسی اللہ کے فرستادہ ہیں جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی تو اس کے باوجود بھی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ ان کی تکفیر اور تنقیص واہانت کی۔

2 یعنی جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ تھی۔ اسی طرح انجیل کے نزول کے بعد اب یہی حیثیت انجیل کو حاصل ہوگئی اور پھر قرآن کریم کے نزول کے بعد تورات وانجیل اور دیگر صحائف آسمانی پر عمل منسوخ ہوگیا اور ہدایت ونجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم رہ گیا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرما دیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فلاح وکامیابی اسی قرآن سے وابستہ ہے۔ جو اس سے جڑ گیا، سرخرو رہے گا۔ جو کٹ گیا ناکامی ونامرادی اس کا مقدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''وحدت ادیان'' کا فلسفہ یکسر غلط ہے، حق ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، متعدد نہیں۔ حق کے سوا دوسری چیزیں باطل ہیں۔ تورات اپنے دور کا حق تھی، اس کے بعد انجیل اپنے دور کا حق تھی، انجیل کے نزول کے بعد تورات پر عمل کرنا جائز نہیں تھا۔ اور جب قرآن نازل ہوگیا تو انجیل منسوخ ہوگئی، انجیل پر عمل کرنا جائز نہیں رہا اور صرف قرآن ہی واحد نظام عمل اور نجات کے لیے قابل عمل رہ گیا۔ اس پر ایمان لائے بغیر، یعنی نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تسلیم کیے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مزید ملاحظہ ہو، سورۂ بقرہ آیت: 62 کا حاشیہ۔

3 اہل انجیل کو یہ حکم اس وقت تک تھا، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ
الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً
وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ
اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

کے نازل کردہ ہی سے فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں ○
اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔[1] اس لیے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ فیصلہ کیجیے،[2] اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیے،[3] تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔[4] اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے

حضرت عیسیٰ کا دور نبوت بھی ختم ہو گیا اور انجیل کی پیروی کا حکم بھی۔ اب ایماندار وہی سمجھا جائے گا جو رسالت محمدی پر ایمان لائے گا اور قرآن کریم کا اتباع کرے گا۔

1 ہر آسمانی کتاب اپنے سے ماقبل کتاب کی مصدق رہی ہے جس طرح قرآن پچھلی تمام کتابوں کا مصدق ہے اور تصدیق کا مطلب ہے کہ یہ ساری کتابیں فی الواقع اللہ کی نازل کردہ ہیں۔ لیکن قرآن مصدق ہونے کے ساتھ ساتھ ﴿مُهَيْمِنًا﴾ ''محافظ، امین، شاہد اور حاکم'' بھی ہے، یعنی پچھلی کتابوں میں چونکہ تحریف و تغیر بھی ہوئی ہے، اس لیے قرآن کا فیصلہ ناطق ہوگا جس کو یہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح ہے۔ اور جس کو یہ باطل قرار دے وہ باطل ہے۔

2 اس سے پہلے آیت :42 میں نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ ان کے معاملات کے فیصلے کریں یا نہ کریں۔ آپ کی مرضی ہے لیکن اب اس کی جگہ یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے آپس کے معاملات میں بھی قرآن کریم کے مطابق فیصلے فرمائیں۔

3 یہ دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر لوگوں کی خواہشات اور آراء یا ان کے خود ساختہ مزعومات و افکار کے مطابق فیصلے کرنا گمراہی ہے جس کی اجازت جب پیغمبر کو نہیں ہے تو کسی اور کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟

4 اس سے مراد پچھلی شریعتیں ہیں جن کے بعض فروعی احکامات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک شریعت میں بعض چیزیں حرام تو دوسری میں حلال تھیں، بعض میں کسی مسئلے میں تشدید تھی تو دوسری میں تخفیف لیکن دین سب کا ایک، یعنی توحید پر مبنی تھا۔ اس لحاظ سے سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ اس مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:
«اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ» (صحيح البخاري، حديث:3443) ''انبیاء علاتی

جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿48﴾

کہ جو تمھیں دیا ہے اس میں تمھیں آزمائے ،[1] تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو، تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمھیں ہر وہ چیز بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو ○

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿49﴾

آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیجیے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجیے اوران سے ہوشیار رہیے کہ کہیں وہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھرادھر نہ کریں، اگر وہ لوگ منہ پھیرلیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انھیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے، بلاشبہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿50﴾ ع 7/7 11

کیاوہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟[2] یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم

بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اوران کا دین ایک ہے۔'' علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں تو مختلف ہوں باپ ایک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین ایک ہی تھا اور شریعتیں (دستور اور طریقے) مختلف تھیں لیکن شریعت محمدیہ کے بعد اب ساری شریعتیں بھی منسوخ ہوگئی ہیں اور اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک۔

1 یعنی نزول قرآن کے بعد اب نجات تو اگرچہ اسی سے وابستہ ہے لیکن اس راہ نجات کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جبر نہیں کیا ہے۔ ورنہ وہ چاہتا تو ایسا کرسکتا تھا لیکن اس طرح تمھاری آزمائش نہ ہوتی جبکہ وہ تمھیں آزمانا چاہتا ہے۔

2 اب قرآن اور اسلام کے سوا، سب جاہلیت ہے، کیا یہ اب بھی روشنی اور ہدایت (اسلام) کو چھوڑ کر جاہلیت ہی کے متلاشی اور طالب ہیں؟ یہ استفہام، انکار اور توبیخ کے لیے ہے اور فاء لفظ مقدر پر عطف ہے اور معنی ہیں: أَيُعْرِضُونَ عَنْ حُكْمِكَ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ وَيَتَوَلَّوْنَ عَنْهُ وَ يَبْتَغُونَ حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ ''کیا تیرے اس فیصلے سے جو اللہ نے تجھ پر نازل کیا ہے یہ اعراض کرتے اور پیٹھ پھیرتے ہیں اور جاہلیت کے طریقوں کے متلاشی ہیں۔'' (فتح القدیر) یہ آیت اور اس کے ہم معنی حدیث نبوی ﷺ جو آگے آرہی ہے، آج کے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو اسلامی ملکوں میں اسلامی تعلیمات کی بجائے جاہلیت جدیدہ کو اپنائے ہوئے ہیں اور اسی کو فروغ دے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿51﴾

وقف لازم

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا

کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ ○ [1]

اے ایمان والو! تم یہود ونصاری کو دوست نہ بناؤ [2] یہ تو آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ [3] تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انھی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا ○ [4]

آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے [5] وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں

رہے ہیں، چنانچہ اسلامی ملکوں میں اسلام محبوس ومحکوم ہے اور جاہلیت غالب اور حکمران۔ یہ ظالم اور اسلام سے منحرف حکمران اللہ کے ہاں کس طرح سرخرو ہوں گے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس پر ان کا یقین ہی نہیں ہے۔

1 حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ..... مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِّيُهْرِيقَ دَمَهُ» (صحيح البخاري، حديث:6882) ”اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی ہو اور جو ناحق کسی کا خون بہانے کا طالب ہو۔“

2 اس میں یہود ونصاریٰ سے موالات ومحبت کا رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور اس پر اتنی سخت وعید بیان فرمائی کہ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انھی میں سے سمجھا جائے گا۔ (مزید دیکھیے سورۂ آل عمران، آیت:28 اور آیت:118 کا حاشیہ)

3 قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کا اگرچہ آپس میں عقائد کے لحاظ سے شدید اختلاف اور باہمی بغض وعناد ہے لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون، بازو اور محافظ ہیں۔

4 ان آیات کی شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی دونوں ہی عہد جاہلیت سے یہود کے حلیف چلے آرہے تھے۔ جب بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو عبداللہ بن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ ادھر بنو قینقاع کے یہودیوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد فتنہ برپا کیا اور وہ کس لیے گئے، جس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے تو اپنے یہودی حلیفوں سے اعلان براءت کر دیا لیکن عبداللہ بن ابی نے اس کے برعکس یہودیوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

5 اس سے مراد نفاق ہے، یعنی منافقین یہودیوں سے محبت اور دوستی میں جلدی کر رہے ہیں۔

دَآئِرَۃٌ ؕ فَعَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ نٰدِمِیۡنَ ﴿52﴾

خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔[1] بہت ممکن ہے کہ اللہ فتح دے دے،[2] یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے[3]، پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر نادم ہونے لگیں گے ○

وَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ اِنَّہُمۡ لَمَعَکُمۡ ؕ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿53﴾

اور ایمان دار کہیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغے سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہوگئے ○

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۫ یُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوۡنَ

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے[4] تو اللہ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی،[5] وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی

1 یعنی مسلمانوں کو شکست ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی کچھ نقصان اٹھانا پڑے۔ یہودیوں سے دوستی ہوگی تو ایسے موقع پر ہمارے بڑے کام آئے گی۔

2 یعنی مسلمانوں کو۔

3 یہ یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کر دے یا اشارہ ہے بنو قریظہ کے قتل اور ان کی اولاد کے قیدی بنائے جانے اور بنو نضیر کی جلاوطنی وغیرہ کی طرف، جس کا وقوع مستقبل قریب ہی میں ہوا۔

4 قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کیونکہ اسے پہلے سے یہ معلوم تھا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے عرب قبائل اسلام سے مرتد ہو جائیں گے، لہٰذا ایسے ہی ہوا اور اس فتنۂ ارتداد کے خاتمے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو حاصل ہوا۔ رضي الله عنهم ورضوا عنه.

5 مرتدین کے مقابلے میں جس قوم کو اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا ان کی چار نمایاں صفات بیان کی جا رہی ہیں: ① اللہ سے محبت کرنا اور اس کا محبوب ہونا ② اہل ایمان کے لیے نرم اور کفار پر سخت ہونا ③ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ④ اور اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان صفات اور خوبیوں کا مظہر اتم تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مشرف فرمایا اور دنیا ہی میں اپنی رضامندی کی سند سے نواز دیا۔

لَوۡمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿54﴾

ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے،[1] یہ ہے اللہ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے ○

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رٰكِعُوۡنَ ﴿55﴾ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿56﴾ ع 8/6/12

(مسلمانو!) تمھارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں[2] جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں ○ اور جو شخص اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی ○[3]

---

1 یہ ان اہل ایمان کی چوتھی صفت ہے، یعنی اللہ کی اطاعت وفرماں برداری میں انھیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ ہوگی۔ یہ بھی بڑی اہم صفت ہے۔ معاشرے میں جن برائیوں کا چلن عام ہوجائے، ان کے خلاف نیکی پر استقامت اور اللہ کے حکموں کی اطاعت اس صفت کے بغیر ممکن نہیں۔ ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو برائی، معصیت الٰہی اور معاشرتی خرابیوں سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں لیکن اپنے اندر ملامت گروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پاتے۔ نتیجتاً وہ ان برائیوں کی دلدل سے نکل نہیں پاتے اور باطل سے بچنے کی توفیق سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مذکورہ صفات حاصل ہوجائیں تو یہ اللہ کا ان پر خاص فضل ہے۔

2 جب یہود ونصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو اب اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پھر وہ دوستی کن سے کریں؟ فرمایا کہ اہل ایمان کے دوست سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ہیں اور پھر ان کے ماننے والے اہل ایمان ہیں۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کی جارہی ہیں۔

3 یہ حِزۡبُ اللّٰهِ (اللہ کی جماعت) کی نشاندہی اور اس کے غلبے کی نوید سنائی جارہی ہے۔ حزب اللہ وہی ہے جس کا تعلق صرف اللہ، رسول اور مومنین سے ہو اور کافروں، مشرکوں اور یہود ونصاریٰ سے چاہے وہ ان کے قریبی رشتے دار ہوں، وہ محبت وموالات کا تعلق نہ رکھیں جیسا کہ سورۂ مجادلہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ''تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے ہوں، ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہوں۔'' پھر خوشخبری دی گئی کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جنھیں اللہ کی مدد حاصل ہے، انھیں ہی اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا......اور یہی حزب اللہ ہے، کامیابی جس کا مقدر ہے۔'' (سورۂ مجادلہ آخری آیت)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمھارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہوں، خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے یا کفار ہوں،[1] اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿58﴾

اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں۔[2] یہ اس لیے کہ وہ بے عقل ہیں ○

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

آپ کہہ دیجیے: اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ

---

1 اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں۔ یہاں پھر یہی تاکید کی گئی ہے کہ دین کو کھیل مذاق بنانے والے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اس لیے ان کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔

2 حدیث میں آتا ہے کہ جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے، تکبیر کے وقت پھر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے، جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ کر نمازیوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ الحديث (صحيح البخاري، حديث:608، وصحيح مسلم، حديث:16-(389)) شیطان ہی کی طرح شیطان کے پیروکاروں کو اذان کی آواز اچھی نہیں لگتی، اس لیے وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث رسول بھی قرآن کی طرح دین کا ماخذ اور اسی طرح حجت ہے کیونکہ قرآن نے نماز کے لیے ''نداء'' کا تو ذکر کیا ہے لیکن یہ ''نداء'' کس طرح دی جائے گی؟ اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہیں۔ یہ چیزیں حدیث سے ثابت ہیں جو اس کی حجیت اور ماخذ دین ہونے پر دلیل ہیں۔

حجیت حدیث کا مطلب: حدیث کے ماخذ دین اور حجت شرعیہ ہونے کا مطلب ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی نص سے ثابت ہونے والے احکام و فرائض پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہونے والے احکام کا ماننا بھی فرض، ان پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے، تاہم حدیث کا صحیح، مقبول، مرفوع اور متصل ہونا ضروری ہے۔ صحیح حدیث چاہے متواتر ہو یا آحاد، قولی ہو، فعلی ہو یا تقریری۔ یہ سب قابل عمل ہیں۔ حدیث کا خبر واحد کی بنیاد پر، یا قرآن سے زائد ہونے کی بنیاد پر ائمہ کے قیاس و اجتہادات کی بنیاد پر یا راوی کی عدم فقاہت کے دعوے کی بنیاد پر یا عقلی استحالے کی بنیاد پر یا اسی قسم کے دیگر دعاوی کی بنیاد پر رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ سب حدیث سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں جو مختلف گروہوں نے اس کے رد و انکار کے لیے اختیار کر رکھی ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿59﴾

ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ تم میں اکثر فاسق ہیں ○

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿60﴾

کہہ دیجیے کہ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برا بدلہ پانے والا اللہ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصے ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور جنھوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں ○ [1]

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿61﴾

اور جب تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر ہی کے ساتھ گئے بھی، اور یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اسے اللہ خوب جانتا ہے ○ [2]

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا

آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم وزیادتی کی طرف اور حرام مال کھانے کی

---

1 یعنی تم تو (اے اہل کتاب!) ہم سے یوں ہی ناراض ہو جبکہ ہمارا قصور اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم اللہ پر اور قرآن کریم اور اس سے قبل اتاری گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی قصور یا عیب ہے؟ یعنی یہ عیب اور مذمت والی بات نہیں جیسا کہ تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ استثناء منقطع ہے، البتہ ہم تمھیں بتلاتے ہیں کہ بدترین لوگ اور گمراہ ترین لوگ، جو نفرت اور مذمت کے قابل ہیں، کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوا اور جن میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنا دیا اور جنھوں نے طاغوت کی پوجا کی۔ اور اس آئینے میں تم اپنا چہرہ اور کردار دیکھ لو کہ یہ کن کی تاریخ ہے اور کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟

2 یہ منافقین کا ذکر ہے جو نبی ﷺ کی خدمت میں کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں اور اسی کفر کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں، آپ کی صحبت اور آپ کے وعظ ونصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا کیونکہ دل میں تو کفر چھپا ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے مقصد ہدایت کا حصول نہیں بلکہ دھوکہ اور فریب دینا ہوتا ہے تو پھر ایسی حاضری سے فائدہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿62﴾

طرف لپک رہے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں ○

لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿63﴾

انھیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک برا کام ہے جو وہ کر رہے ہیں ○ [1]

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ

وقف لازم

اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ [2] انھی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے

---

1 یہ علماء و مشائخ دین اور عباد و زہاد پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمھارے سامنے فسق و فجور اور حرام خوری کا ارتکاب کرتی ہے لیکن تم انھیں منع نہیں کرتے، ایسے حالات میں تمھاری یہ خاموشی بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کتنی اہمیت اور اس کے ترک پر کتنی سخت وعید ہے جیسا کہ احادیث میں بھی یہ مضمون وضاحت اور کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔

2 یہ وہی بات ہے جو سورۂ آل عمران کی آیت: 181 میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور اسے اللہ کو قرض حسن دینے سے تعبیر کیا تو ان یہودیوں نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے۔'' لوگوں سے قرض مانگ رہا ہے اور تعبیر کے اس حسن کو عناداً نظر انداز کر دیا جو اس میں پنہاں تھا، یعنی سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا، کوئی قرض نہیں ہے لیکن یہ اس کی کمال مہربانی ہے کہ وہ اس پر بھی خوب اجر عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ ایک ایک دانے کو سات سات سو دانے تک بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے قرض حسن سے اسی لیے تعبیر فرمایا کہ جتنا تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا تمھیں واپس لوٹائے گا۔ مَغْلُوْلَةٌ کے معنی بَخِيْلَةٌ (بخل والے) کیے گئے ہیں، یعنی یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعتاً بندھے ہوئے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے اسے اس نے روک رکھا ہے۔ (ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاتھ تو انھی کے بندھے ہوئے ہیں، یعنی بخیلی انھی کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ وہ واسع الفضل اور جزیل العطاء ہے، تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ نیز اس نے اپنی مخلوقات کے لیے تمام حاجات و ضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے، ہمیں رات یا دن کو، سفر میں اور حضر میں اور دیگر تمام احوال میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے یا پڑ سکتی ہے، سب وہی مہیا کرتا ہے۔ ﴿ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ○ ﴾ (ابرٰهیم 14: 34) ''تم نے جو کچھ اس سے مانگا، وہ اس نے تمھیں دیا، اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ تم گن نہیں سکتے، انسان ہی نادان اور نہایت ناشکرا ہے۔'' حدیث

مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿64﴾

اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو سرکشی اور کفر میں اور بڑھا دیتا ہے اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے،[1] یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں[2] اور اللہ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا ○

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿65﴾

اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے[3] تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انھیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے ○

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ

اور اگر وہ لوگ تورات و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اس کے پورے پابند

میں بھی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن خرچ کرتا ہے لیکن کوئی کمی نہیں آتی، ذرا دیکھو تو جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں وہ خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کمی نہیں آئی......''

(صحيح البخاري، حديث:7419، و صحيح مسلم، حديث:37-(993))

1 یعنی یہ جب بھی آپ کے خلاف کوئی سازش کرتے یا لڑائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باطل کر دیتا اور ان کی سازش کو انھی پر الٹا دیتا ہے اور ان کو ''چاہ کن را چاہ در پیش'' کی سی صورت حال سے دوچار کر دیتا ہے۔

2 ان کی عادت ثانیہ ہے کہ ہمیشہ زمین میں فساد پھیلانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں، درآں حالیکہ اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں فرماتا۔

3 یعنی وہ ایمان جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، ان میں سب سے اہم محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ہے، جیسا کہ ان پر نازل شدہ کتابوں میں بھی ان کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور اللہ کی معاصی سے بچتے، جن میں سب سے اہم وہ شرک ہے جس میں وہ مبتلا ہیں اور وہ جُحود ہے جو آخری رسول کے ساتھ وہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿66﴾ ع 9/10 13

رہتے [1] تو وہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے، [2] ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے، باقی ان میں سے بہت سے لوگوں کے برے اعمال ہیں ○ [3]

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے! اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی، [4] اور آپ

---

1 تورات اور انجیل کے پابند رہنے کا مطلب، ان کے ان احکام کی پابندی ہے جو ان میں انھیں دیے گئے، اور انھی میں ایک حکم آخری نبی پر ایمان لانا بھی تھا۔ اور ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ﴾ سے مراد تمام آسمانی کتب اور اللہ کی نازل کردہ وحی پر ایمان لانا ہے جن میں قرآن کریم بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کر لیتے۔

2 اوپر نیچے کا ایک مطلب یہ ہے کہ کثرت سے اور انواع واقسام کے رزق اللہ تعالیٰ مہیا فرماتا۔ یا اوپر سے مراد آسمان ہے، یعنی حسب ضرورت خوب بارشیں برساتا اور ''نیچے'' سے مراد زمین ہے، یعنی زمین اس بارش کو اپنے اندر جذب کر کے خوب پیداوار دیتی، نتیجتاً شادابی اور خوش حالی کا دور دورہ ہو جاتا۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الأعراف7:96) ''اگر بستی والے ایمان لائے ہوتے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہوتا تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔''

3 لیکن ان کی اکثریت نے ایمان کا یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر مصر اور رسالت محمدی سے انکار پر اڑے ہوئے ہیں۔ اسی اصرار اور انکار کو یہاں برے اعمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درمیانہ روش کی ایک جماعت سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے 8، 9 افراد ہیں جو یہود مدینہ میں سے مسلمان ہوئے۔

4 اس حکم کا مفاد یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، بلا کم وکاست اور بلا خوف لومۃ لائم آپ لوگوں تک پہنچا دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی ﷺ نے کچھ چھپا لیا، اس نے یقیناً جھوٹ کہا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4612، وصحيح مسلم، حديث: 287-(177)) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی جب سوال کیا گیا کہ تمھارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، «إِلَّا كِتَابُ اللهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ» (صحيح البخاري، حديث: 111) ''صرف اللہ کی کتاب ہے یا کتاب اللہ کی وہ فہم ہے جو کسی مسلمان آدمی کو عطا کی جائے یا جو اس صحیفے میں رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیثیں ہیں جو دیت، قیدیوں اور قتل سے متعلق ہیں۔'' اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کے ایک لاکھ یا ایک لاکھ چالیس ہزار کے جم غفیر میں فرمایا: ''تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟'' انھوں نے کہا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿67﴾

کو اللہ لوگوں سے بچالے گا، [1] بے شک اللہ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا ○

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿68﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تورات وانجیل کو اور جو کچھ تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ کرو، جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا، [2] تو آپ ان کافروں پر غمگین نہ ہوں ○

أَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ ''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام دیا اور ادا کر دیا اور خیر خواہی فرما دی۔'' آپ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے لوگوں کی طرف اسے سیدھا کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (تین مرتبہ) ''یعنی اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ۔'' (صحیح مسلم، حدیث:147-(1218))

1 یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقہ پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت بھی۔ دنیاوی اسباب کے تحت اس آیت کے نزول سے بہت قبل اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے چچا ابو طالب کے دل میں آپ کی طبعی محبت ڈال دی، اور وہ آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کا کفر پر قائم رہنا بھی انھی اسباب کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو شاید سرداران قریش کے دل میں ان کی وہ ہیبت وعظمت نہ رہتی جو ان کے ہم مذہب ہونے کی صورت میں آخر وقت تک رہی، پھر ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض سرداران قریش کے ذریعے سے، پھر انصار مدینہ کے ذریعے سے آپ کا تحفظ فرمایا، پھر جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب (پہرے وغیرہ) اٹھوا دیے۔ اس کے بعد بارہا سنگین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے حفاظت فرمائی، چنانچہ وحی کے ذریعے سے اللہ نے وقتاً فوقتاً یہودیوں کے مکر وکید سے مطلع فرما کر خاص خطرے کے مواقع پر بچایا اور گھمسان کی جنگوں میں کفار کے انتہائی پرخطر حملوں سے بھی آپ کو محفوظ رکھا۔ ذٰلِكَ مِنْ قُدْرَةِ اللهِ وَ قَدْرِهِ بِمَا شَاءَ وَلَا يُرَدُّ قَدْرَ اللهِ وَ قَضَاءَهُ أَحَدٌ وَلَا يَغْلِبُهُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت کے اندازے میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اندازے اور فیصلے کو نہ کوئی رد کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب علم والا ہے۔

2 یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے، یعنی جس طرح بعض اعمال واشیاء سے اہل ایمان کے ایمان وتصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تمرد سے کفر وطغیان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے، مثلاً: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿69﴾

مسلمان، یہودی، ستارہ پرست اور نصرانی کوئی ہو جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا○[1]

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾

ہم نے بالیقین بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا، جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انھوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا○

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿71﴾

اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہ ہوگی، پس اندھے بہرے بن بیٹھے، پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا، اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے بہرے ہو گئے،[2] اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے○

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے[3]، حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ

بَعِيْدٍ○﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ”فرما دیجیے: یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔ گرانی کے سبب ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔“ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا○﴾ (بنیٓ إسرآءیل 82:17) ”اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔“

1 یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت: 62 میں بیان ہوا ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔

2 یعنی سمجھے یہ تھے کہ کوئی سزا مترتب نہ ہوگی لیکن مذکورہ اصول الٰہی کے مطابق اس سزا کا ترتب ہو گیا کہ یہ حق کے دیکھنے سے مزید اندھے اور حق کے سننے سے مزید بہرے ہو گئے اور توبہ کے بعد پھر یہی عمل انھوں نے دہرایا ہے تو اس کی وہی سزا بھی دوبارہ واقع ہوئی۔

3 یہی مضمون آیت: 71 میں بھی گزر چکا ہے، یہاں اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر میں اس کا پھر ذکر فرمایا۔ اس

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ط اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿72﴾

اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا سب کا رب ہے،[1] یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گناہ گاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا ○[2]

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ م وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ

وقف لازم

وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہوگئے جنھوں نے کہا، اللہ تین میں سے تیسرا ہے،[3] دراصل اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود

میں ان کے اس فرقے کے کفر کا اظہار ہے جو حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کا قائل ہے۔

1 چنانچہ حضرت عیسیٰ، یعنی مسیح ابن مریم علیہما السلام نے عالم شیر خوارگی میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبکہ بچے اس عمر میں قوت گویائی نہیں رکھتے) سب سے پہلے اپنی زبان سے اپنی عبودیت ہی کا اظہار فرمایا: ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ قف اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○﴾ (مریم 30:19) ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے اس نے کتاب بھی عطا کی ہے۔'' حضرت مسیح نے یہ نہیں کہا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں۔ صرف یہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور عمر کہولت میں بھی وہ یہی دعوت دیں گے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ط ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○﴾ (آل عمران 51:3) ''یقیناً اللہ ہی میرا اور تمھارا رب ہے۔ اس لیے اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔'' یہ وہی الفاظ ہیں جو ماں کی گود میں بھی کہے تھے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ مریم 36:19) اور جب قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا، جس کی خبر صحیح احادیث میں دی گئی ہے اور جس پر اہل سنت کا اجماع ہے، تب بھی وہ نبی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلائیں گے، نہ کہ اپنی عبادت کی طرف۔

2 حضرت مسیح نے اپنی بندگی اور رسالت کا اظہار اللہ کے حکم اور مشیت سے اس وقت بھی فرمایا تھا جب وہ ماں کی گود میں، یعنی شیر خوارگی کی حالت میں تھے، پھر سن کہولت میں بھی یہ اعلان فرمائیں گے۔ اور ساتھ ہی شرک کی شناعت و قباحت بھی بیان فرما دی کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا جو اسے جہنم سے نکال لائے جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں۔

3 یہ عیسائیوں کے دوسرے فرقے کا ذکر ہے جو تین خداؤں کا قائل ہے، جن کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ ان کی تعبیر و تشریح میں اگرچہ خود ان کے مابین اختلاف ہے، تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ (معبود) قرار دے لیا ہے جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا: ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (المآئدۃ 116:5) ''کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو، اللہ کے سوا، معبود بنا لینا؟'' اس سے معلوم ہوا

وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿73﴾

نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے، انھیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا ○

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿74﴾

یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے ○

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿75﴾

مسیح ابن مریم نہیں ہے مگر ایک رسول، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں اور اس کی والدہ ایک نہایت راست باز عورت تھیں،[1] دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے،[2] آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں، پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ الٹے پھرے جاتے ہیں ○

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ

آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے،

کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام ان دونوں کو عیسائیوں نے الٰہ بنایا، اور اللہ تیسرا الٰہ ہوا، جو ثالث ثلاثہ (تین میں تیسرا) کہلایا۔ پہلے عقیدے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر قرار دیا۔

1 ﴿صِدِّیْقَةٌ﴾ کے معنی مومنہ اور ولیہ کے ہیں، یعنی وہ بھی حضرت مسیح پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبیّہ (پیغمبر) نہیں تھیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام سمیت، حضرت سارہ (ام اسحاق) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو نبیہ قرار دیا ہے۔ استدلال اس بات سے کیا ہے کہ اول الذکر دونوں سے فرشتوں نے آ کر گفتگو کی اور حضرت ام موسیٰ کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ یہ گفتگو اور وحی نبوت کی دلیل ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ دلیل ایسی نہیں جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے۔ قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے، وہ مرد تھے۔ (سورۂ یوسف 109:12 مزید دیکھیے سورۂ قصص 7:28 کا حاشیہ)

2 یہ حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام دونوں کی الوہیت (الٰہ ہونے) کی نفی اور بشریت کی دلیل ہے کیونکہ کھانا پینا، یہ انسانی حوائج وضروریات میں سے ہے۔ جو الٰہ ہو، وہ تو ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿76﴾
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ
قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا
وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿77﴾ ع 10/11/14
لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى
لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ
بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿78﴾
كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ

اللہ ہی خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ہے ○ [1]
کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو
اور زیادتی نہ کرو [2] اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی
پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا
بھی چکے ہیں [3] اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں ○
بنی اسرائیل کے کافروں پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی
لعنت کی گئی [4] اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے
اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے ○ [5]
آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے

---

1 یہ مشرکوں کی کم عقلی کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ ایسوں کو انھوں نے معبود بنا رکھا ہے جو کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان بلکہ نفع نقصان پہنچانا تو کجا، وہ تو کسی کی بات سننے اور کسی کا حال جاننے کی ہی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ قدرت صرف اللہ ہی کے پاس ہے، اس لیے حاجت روا مشکل کشا بھی صرف وہی ہے۔

2 یعنی اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جن کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، اس میں مبالغہ کر کے انھیں منصب نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز مت کرو، جیسے حضرت مسیح کے معاملے میں تم نے کیا۔ غلو ہر دور میں شرک اور گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ انسان کو جس سے عقیدت و محبت ہوتی ہے، وہ اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے۔ وہ امام اور دینی قائد ہے تو اس کو پیغمبر کی طرح معصوم سمجھنا اور پیغمبر کو خدائی صفات سے متصف ماننا عام بات ہے، بدقسمتی سے مسلمان بھی اس غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ انھوں نے بعض ائمہ کی شان میں بھی غلو کیا اور ان کی رائے اور قول حتیٰ کہ ان کی طرف منسوب فتویٰ اور فقہ کو بھی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترجیح دی۔

3 یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو جو ایک نبی کو الٰہ بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

4 یعنی زبور میں جو حضرت داود علیہ السلام پر اور انجیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اب یہی لعنت قرآن کریم کے ذریعے سے ان پر کی جا رہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت اور خیر سے دوری ہے۔

5 یہ لعنت کے اسباب ہیں: ① عصیان، یعنی واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کر کے انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی ② اور اعتدا، یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے انھوں نے حد سے تجاوز کیا۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿79﴾

تھے روکتے نہ تھے،[1] جو کچھ بھی وہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا○

1 اس پر مستزاد یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ جو بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ بعض مفسرین نے اسی ترک نہی عن المنکر کو عصیان اور اعتدا قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا بہت بڑا جرم اور لعنت وغضب الٰہی کا سبب ہے۔ حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں اس کی تاکید کرتے ہوئے کہا گیا ہے: «مَنْ رَّأَىٰ مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحيح مسلم، حديث: 78-(49)) ”تم میں سے جو شخص کسی منکر (برائی) کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: «إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ وَ هُمْ قَادِرُونَ عَلٰى أَنْ يُّنْكِرُوهُ فَلَا يُنْكِرُونَهُ ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ» (مسند أحمد:192/4) ”یقیناً اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل (گناہوں) کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ جب عام لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ برائی اپنے درمیان ہوتے دیکھیں اور وہ اس پر نکیر کرنے پر قادر بھی ہوں لیکن وہ اسے نشانۂ تنقید نہ بنائیں، جب ایسا ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب خاص اور عام سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔“ ایک دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی گئی ہے کہ تم عذاب الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہیں ہوں گی۔ (مسند أحمد:388/5، 389)

اس حقیقت کو نبی ﷺ نے ایک تمثیل کے ذریعے سے بھی واضح فرمایا۔

آپ نے فرمایا: ”اللہ کی حدوں میں مداہنت (نرمی اور درگزر) کرنے والے اور حدوں کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی سی ہے جنھوں نے (ایک دومنزلہ) کشتی میں سفر کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض کے حصے میں بالائی منزل اور بعض کے حصے میں نچلی منزل آئی۔ نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے بالائی منزل پر آتے اور بالانشینوں کے پاس سے گزرتے تو وہ تکلیف محسوس کرتے، چنانچہ نچلی منزل والوں نے کلہاڑا پکڑ کر کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیا تاکہ نیچے سے ہی پانی لے لیں اور اوپر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ سوراخ کرنے کی آواز سن کر اوپر والے آئے اور پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم پانی لینے اوپر جاتے ہیں تو تم ناگواری محسوس کرتے ہو، چنانچہ ہم نیچے ہی سوراخ کرنے لگے ہیں کیونکہ پانی کے بغیر تو چارہ نہیں۔ (نبی ﷺ نے فرمایا) اگر وہ اسی وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور سوراخ سے روک دیں تو وہ سوراخ کرنے والوں کو بھی بچا لیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچا لیں

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿80﴾

ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انھوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ○ [1]

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿81﴾

اگر انھیں اللہ پر اور نبی پر اور جو کچھ اس کی طرف نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو وہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ○ [2]

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا

یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے، [3] اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انھیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں دانش منداور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے

گے اور اگر وہ ان کو اپنے حال پر ہی چھوڑ دیں گے تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کر لیں گے۔" (صحيح البخاري، حديث:2686)

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہایت ضروری ہے جو نہ صرف منکرات سے باز رہنے والے ہوں بلکہ دوسروں کو بھی ان کے ارتکاب سے روکتے رہتے ہوں اور منکرات سے مفاہمت یا مداہنت کرنے والے نہ ہوں۔ ورنہ برائی سے مفاہمت یا اس کے معاملے میں مداہنت غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ أعاذنا الله منه.

1 یہ اہل کفر سے دوستانہ تعلق کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور اسی ناراضی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب ہے۔

2 اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر صحیح معنوں میں ایمان ہوگا، وہ کافروں سے کبھی دوستی نہیں کرے گا۔

3 اس لیے کہ یہودیوں کے اندر عناد و جُحُود، حق سے اعراض واستکبار اور اہل علم وایمان کی تنقیص کا جذبہ بہت پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے حتیٰ کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی بھی کئی مرتبہ سازش کی، آپ پر جادو بھی کیا اور ہر طرح نقصان پہنچانے کی مذموم سعی کی۔ اور اس معاملے میں مشرکین کا حال بھی یہی ہے۔

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾ | کہ وہ تکبر نہیں کرتے ○ [1]

1 ﴿ رُهْبَانًا ﴾ سے مراد نیک، عبادت گزار اور گوشہ نشین لوگ اور ﴿ قِسِّيْسِيْنَ ﴾ سے مراد علماء وخطباء ہیں، یعنی ان عیسائیوں میں علم وتواضع ہے، اس لیے ان میں یہودیوں کی طرح جود واستکبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دین مسیحی میں نرمی اور عفو ودرگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے حتیٰ کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوئی تمھارے دائیں رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی ان کو پیش کر دو، یعنی لڑو مت۔ ان وجوہ سے یہ مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ عیسائیوں کا یہ وصف یہودیوں اور دیگر مشرکوں کے مقابلے میں ہے اور دائمی حقیقت ہے، آج بھی جو دشمنی یہودیوں اور مشرکوں کو مسلمانوں سے ہے وہ بہرحال نصرانیوں کو نہیں ہے۔ تاہم جہاں تک نفس اسلام دشمنی کا تعلق ہے، اسلام کے خلاف یہ عناد عیسائیوں میں بھی موجود ہے، جیسا کہ صلیب و ہلال کی صدیوں پر محیط معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی مل کر سرگرم عمل ہیں۔ اسی لیے قرآن نے دونوں سے ہی دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اَلْجُزْءُ السَّابِعُ (7)

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾

اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ اُنھوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہم کو بھی اُن لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں ○

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿84﴾

اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اُس پر ایمان نہ لائیں، اور ہم اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کردے گا ○ [1]

1 حبشے میں، جہاں مسلمان مکی زندگی میں دو مرتبہ ہجرت کر کے گئے، اَصْحَمہ نجاشی کی حکومت تھی۔ یہ عیسائی مملکت تھی۔ یہ آیات حبشے میں رہنے والے عیسائیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تاہم روایات کی رو سے نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا جو انھوں نے جا کر اسے سنایا، نجاشی نے وہ مکتوب سن کر حبشے میں موجود مہاجرین اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور اپنے علماء اور عباد وزہاد (قسیسین) کو بھی جمع کر لیا، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم پڑھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت اور ان کی عبدیت و رسالت کا ذکر ہے جسے سن کر وہ بڑے متاثر ہوئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے کچھ علماء نبی ﷺ کے پاس بھیجے تھے، جب آپ نے انھیں قرآن پڑھ کر سنایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایمان لے آئے۔ (فتح القدیر) آیات میں قرآن کریم سن کر ان پر جو اثر ہوا اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کے ایمان لانے کا تذکرہ ہے، قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر اس قسم کے عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ﴾ (آل عمران 3:199) ''یقیناً اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں۔'' وغیرھا من الآیات اور حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ حبشے میں تمھارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی نماز پڑھو! چنانچہ ایک صحرا میں آپ نے اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا فرمائی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 1320، وصحیح مسلم، حدیث: 66-(952)) ایک اور حدیث میں ایسے اہل کتاب کی بابت جو نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے، بتلایا گیا ہے کہ انھیں دوگنا اجر ملے گا (صحیح البخاري، حدیث: 97)

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿85﴾

اِس لیے اُن کو اللہ اُن کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے ○

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿86﴾ ع 11/9

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿87﴾

اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی ہیں اُن کو حرام مت کرو [1] اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾

اور اللہ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں، اُن میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

1 حدیث میں آتا ہے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آ کر کہا کہ اے اللہ کے رسول! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو نفسانی شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے جس پر آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي للألباني: 232/3، حديث:3054) اسی طرح سبب نزول کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ زہد و عبادت کی غرض سے بعض حلال چیزوں سے (مثلاً: عورت سے نکاح کرنے، رات کے وقت سونے، دن کے وقت کھانے پینے سے) اجتناب کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں منع فرمایا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، ان کی بیوی کی شکایت پر آپ نے انھیں بھی اس کنارہ کشی سے روکا۔ (سنن أبي داود، حديث: 1369، و مسند أحمد: 268/6) بہر حال اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی بھی چیز کو حرام کر کے اس سے پرہیز کرنا جائز نہیں ہے، چاہے اس کا تعلق ماکولات و مشروبات سے ہو یا لباس سے ہو یا مرغوبات و جائز خواہشات سے۔
مسئلہ: اس طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے گا تو وہ حرام نہیں ہوگی، سوائے عورت کے، البتہ اس صورت میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور بعض کے نزدیک کفارہ ضروری نہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو بھی کفارۂ یمین ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتوائے ابن عباس و دیگر آثار سے، نیز اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کے قسم کا کفارہ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام کر لینا، یہ قسم کھانے کے مرتبے میں ہے جو کفارہ ادا کرنے کا

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

اللہ تمھاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے مؤاخذہ نہیں فرماتا لیکن مؤاخذہ اُس پر فرماتا ہے کہ تم جن قسموں کو مضبوط کر دو۔[1] اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے، اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو،[2] یا اُن کو کپڑا دینا[3] یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے[4] اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں،[5] یہ تمھاری قسموں

متقاضی ہے لیکن یہ استدلال احادیث صحیحہ کی موجودگی میں محل نظر ہے۔ فالصحيح ما قاله الشوكاني.

1 قسم، جس کو عربی میں حلف یا یمین کہتے ہیں جن کی جمع اَحلاف اور اَیمان ہے، تین قسم کی ہیں۔ ① لغو ② غموس ③ معقدہ۔

لغو: وہ قسم ہے جو انسان بات بات میں عادتاً بغیر ارادہ اور نیت کے کھاتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

غموس: وہ جھوٹی قسم ہے جو انسان دھوکا اور فریب دینے کے لیے کھائے۔ یہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبرالکبائر میں سے ہے، شرعاً اس کے لیے کفارہ نہیں۔

معقدہ: وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لیے ارادتاً اور نیتاً کھائے، ایسی قسم اگر توڑے گا تو اس کا وہ کفارہ ہے جو آگے آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔

2 اس کھانے کی مقدار میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، اس لیے اختلاف ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کرنے والے کے کفارہ کا ذکر ہے، ایک مد (تقریباً 10 چھٹانک) فی مسکین خوراک قرار دی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کفارۂ جماع ادا کرنے کے لیے 15 صاع کھجوریں دی تھیں جنھیں ساٹھ مسکینوں پر تقسیم کرنا تھا۔ ایک صاع میں 4 مد ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بغیر سالن کے دس مسکینوں کے لیے دس مد (چھ سیر یا چھ کلو) خوراک کفارہ ہوگی۔ (ابن کثیر)

3 لباس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بظاہر مراد جوڑا ہے جو نماز کے لیے ضروری ہے۔ بعض علماء خوراک اور لباس دونوں کے لیے عرف کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ (ابن کثیر)

4 بعض علماء قتل خطا کی دیت پر قیاس کرتے ہوئے لونڈی، غلام کے لیے ایمان کی شرط عائد کرتے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت میں عموم ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔

5 یعنی جس کو مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ روزے اس کی قسم کا کفارہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء پے در پے روزے رکھنے کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں طرح جائز ہیں۔

كَفَّارَةُ اَيۡمَانِكُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ ؕ وَ احۡفَظُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿89﴾

کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھو! اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿90﴾

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جُوا اور تھان (وغیرہ) اور پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو ○ [1]

اِنَّمَا يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّوۡقِعَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿91﴾

شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرا دے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے [2]، پس کیا تم باز آنے والے ہو ○

---

1 یہ شراب کے بارے میں تیسرا حکم ہے۔ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی لیکن یہاں اسے اور اس کے ساتھ، جوا، پرستش گاہوں یا تھانوں اور فال کے تیروں کو رِجس (پلید) اور شیطانی کام قرار دے کر صاف لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں شراب اور جوا کے مزید نقصانات بیان کر کے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ جس سے مقصود اہل ایمان کی آزمائش ہے، چنانچہ جو اہل ایمان تھے، وہ تو منشائے الٰہی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہو گئے۔ اور کہا: «اِنۡتَهَيۡنَا رَبَّنَا» ”اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔“ (مسند أحمد: 351/2) لیکن آج کل کے بعض ”دانشور“ کہتے ہیں کہ اللہ نے شراب کو حرام کہاں قرار دیا ہے؟

ع...... بریں عقل و دانش بباید گریست

یعنی شراب کو رِجس (پلیدی) اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم دینا، نیز اس اجتناب کو باعث فلاح قرار دینا، ان ”مجتہدین“ کے نزدیک حرمت کے لیے کافی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک پلید کام بھی جائز ہے، شیطانی کام بھی جائز ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اجتناب کا حکم دے، وہ بھی جائز ہے اور جس کی بابت کہے کہ اس کا ارتکاب عدم فلاح اور اس کا ترک فلاح کا باعث ہے، وہ بھی جائز ہے۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ○﴾ کیا خوب ”اجتہاد“ اور ”فہم قرآن“ ہے؟

2 یہ شراب اور جوا کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات ہیں جو محتاج وضاحت نہیں ہیں۔ اسی لیے شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے اور جوا بھی ایسی بری لت ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور پشتینی جاگیرداروں کو مفلس و قلاش بنا دیتی ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنۡهُمَا.

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿92﴾

اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔ اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ○

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا
ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
12 ع 7 2 الْمُحْسِنِيْنَ ﴿93﴾ ع

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اُس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو انھوں نے کھایا (پیا) جب کہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں، پھر پرہیز گاری کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں، پھر پرہیز کرتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں، اللہ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے ○ [1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ
مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ
اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى
بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿94﴾

اے ایمان والو! اللہ قدرے شکار سے تمھارا امتحان کرے گا [2] جن تک تمھارے ہاتھ اور تمھارے نیزے پہنچ سکیں گے [3] تا کہ اللہ معلوم کر لے کہ کون شخص اُس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اُس کے لیے دردناک سزا ہے ○

---

1 حرمت شراب کے بعد بعض صحابہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے کئی ساتھی جنگوں میں شہید یا ویسے ہی فوت ہو گئے۔ جبکہ وہ شراب پیتے رہے ہیں۔ تو اس آیت میں اس شبہے کا ازالہ کر دیا گیا کہ ان کا خاتمہ ایمان وتقویٰ پر ہی ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔

2 شکار عربوں کی معاش کا ایک اہم عنصر تھا، اس لیے حالت احرام میں اس کی ممانعت کر کے ان کا امتحان لیا گیا۔ خاص طور پر حدیبیہ میں قیام کے دوران کثرت سے شکار صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریب آتے لیکن انھی ایام میں ان 4 آیات کا نزول ہوا جن میں اس سے متعلقہ احکام بیان فرمائے گئے۔

3 قریب کا شکار یا چھوٹے جانور عام طور پر ہاتھ ہی سے پکڑ لیے جاتے ہیں اور دور کے یا بڑے جانوروں کے لیے تیر اور نیزے استعمال ہوتے تھے، اس لیے صرف ان دونوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے لیکن مراد یہ ہے کہ جس طرح بھی اور جس چیز سے بھی شکار کیا جائے، احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ

اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو، [1] اور جو شخص تم میں سے جان بوجھ کر شکار مارے گا [2] تو اُس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ اُس جانور کے برابر ہوگا جس کو اُس نے مارا ہے [3] جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر عادل شخص کر دیں [4]، خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبے تک پہنچایا جائے [5] اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اُس کے برابر روزے رکھ

1 امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سے مراد صرف ان جانوروں کا قتل لیا ہے جو ماکول اللحم ہیں، یعنی جو کھانے کے کام میں آتے ہیں۔ دوسرے بَرّی جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں، ماکول اور غیر ماکول دونوں قسم کے جانور اس میں شامل ہیں، البتہ ان موذی جانوروں کا قتل جائز ہے جن کا استثنا احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا۔ (صحیح مسلم، حدیث:67-(1198)، وموطأ للإمام مالك:328/1) حضرت نافع سے سانپ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے قتل میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اور امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ اور دیگر علماء نے بھیڑیے، درندے، چیتے اور شیر کو کلب عقور (کاٹنے والے کتے) میں شامل کر کے حالت احرام میں ان کے قتل کی بھی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

2 ''جان بوجھ کر'' کے الفاظ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ بغیر ارادہ کے، یعنی بھول کر قتل کر دے تو اس کے لیے فدیہ نہیں ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک بھول کر، یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔ ﴿مُّتَعَمِّدًا﴾ کی قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط نہیں ہے۔

3 مساوی جانور (یا اس جیسے جانور) سے مراد خلقت، یعنی قد و قامت میں مساوی ہونا ہے۔ قیمت میں مساوی ہونا نہیں ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، مثلاً: اگر ہرن کو قتل کیا ہے تو اس کی مثل (مساوی) بکری ہے۔ نیل گائے کی مثل گائے ہے وغیرہ، البتہ جس جانور کا مثل نہ مل سکتا ہو، وہاں اس کی قیمت بطور فدیہ لے کر مکہ پہنچا دی جائے گی۔

4 کہ مقتول جانور کی مثل (مساوی) فلاں جانور ہے اور اگر وہ غیر مِثلی ہے یا مثل دستیاب نہیں ہے تو اس کی اتنی قیمت ہے۔ اس قیمت سے غلہ خرید کر مکہ کے مساکین میں فی مسکین ایک مد کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ احناف کے نزدیک فی مسکین دو مد ہیں۔

5 یہ فدیہ، جانور یا اس کی قیمت، کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے۔ (فتح القدیر) یعنی ان کی تقسیم حرم مکہ کی حدود میں رہنے والے مساکین پر ہوگی۔

وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾

لیے جائیں [1] تا کہ اپنے کام کی سزا چکھے، اللہ نے گزشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا ○

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿96﴾

تمھارے لیے دریا کا شکار پکڑنا اور اُس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔ [2] تمھارے فائدے کے لیے اور مسافروں کے لیے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمھارے لیے حرام کیا گیا ہے، جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے ○

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآىِٕدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ

اللہ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینے کو بھی اور حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور اُن جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں [3] یہ اس لیے تا کہ تم

1 ﴿ اَوْ ﴾ (یا) تَخْيِير کے لیے ہے، یعنی کفارہ، اطعام مساکین ہو یا اس کے برابر روزے، دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا جائز ہے۔ مقتول جانور کے حساب سے طعام میں جس طرح کمی بیشی ہوگی، روزوں میں بھی کمی بیشی ہو گی، مثلاً: محرم (احرام والے) نے ہرن قتل کیا ہے تو اس کی مثل بکری ہے، یہ فدیہ حرم مکہ میں ذبح کیا جائے گا اگر یہ نہ ملے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق چھ مساکین کو کھانا یا تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر اس نے بارہ سنگھا، سانبھر، یا اس جیسا کوئی جانور قتل کیا ہے تو اس کی مثل گائے ہے، اگر یہ دستیاب نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو تو بیس مسکینوں کو کھانا یا بیس دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ یا ایسا جانور (شتر مرغ یا گورخر وغیرہ) قتل کیا ہے جس کی مثل اونٹ ہے تو اس کی عدم دستیابی کی صورت میں 30 مساکین کو کھانا یا 30 دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

2 ﴿ صَيْدُ ﴾ سے مراد زندہ جانور مچھلی وغیرہ جو سمندر سے شکار کیا جائے اور ﴿ طَعَامُهٗ ﴾ سے مراد سمندر کا وہ مردہ جانور مچھلی وغیرہ جو سمندر میں رہتا ہو اور وہیں پر مرجائے اور پھر اسے سمندر یا دریا باہر پھینک دے یا پانی کے اوپر آجائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی وضاحت ہے کہ سمندر کا مردار حلال ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر اور نیل الأوطار: 165/8 وغیرہ)

3 کعبہ کو بیت الحرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا، درخت کاٹنا وغیرہ حرام ہیں۔ اسی طرح اس میں اگر باپ کے قاتل سے بھی سامنا ہو جاتا تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے ﴿ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ ”لوگوں کے قیام اور گزران کا باعث“ قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے سے اہل مکہ کا نظم وانصرام بھی صحیح

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿97﴾

اس بات کا یقین کرلو کہ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے اندر کی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے اور بے شک اللہ سب چیزوں کو خوب جانتا ہے ○

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿98﴾

تم یقین جانو کہ اللہ سخت سزا دینے والا بھی ہے اور اللہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا بھی ہے ○

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿99﴾

رسول کے ذمے تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ سب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو ○

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ
13 ع 7 3 لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿100﴾ ع

آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو، [1] اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو! تاکہ تم کامیاب ہو ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿101﴾

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں اور اگر تم نزول قرآن کے زمانے میں ان باتوں کی بابت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، [2] سوالاتِ گزشتہ اللہ نے معاف کر

ہے اور ان کی معاشی ضروریات کی فراہمی کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) اور حرم میں جانے والے جانور ﴿الْهَدْيَ﴾ اور ﴿الْقَلَآىِٕدَ﴾ بھی ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ہیں کہ ان تمام چیزوں سے بھی اہل مکہ کو مذکورہ فوائد حاصل ہوتے تھے۔

1 ﴿الْخَبِيْثُ﴾ (ناپاک) سے مراد حرام، یا کافر یا گناہ گار یا ردی۔ ﴿الطَّيِّبُ﴾ (پاک) سے مراد حلال، یا مومن یا فرماں بردار اور عمدہ چیز ہے یا یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبث (ناپاکی) ہوگی وہ کفر ہو، فسق و فجور ہو، اشیاء و اقوال ہوں، کثرت کے باوجود وہ ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جن میں پاکیزگی ہو۔ یہ دونوں کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ خبث کی وجہ سے اس چیز کی منفعت اور برکت ختم ہو جاتی ہے جبکہ جس چیز میں پاکیزگی ہوگی اس سے اس کی منفعت اور برکت میں اضافہ ہوگا۔

2 یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت تھی۔ خود نبی ﷺ بھی صحابہ کو زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: ”مسلمانوں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام کر دی گئی، درآں حالیکہ اس سے قبل وہ حلال تھی۔“ (صحيح البخاري، حديث: 7289، وصحيح مسلم، حديث: 132-(2358))

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿102﴾
مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ

دیے اور اللہ بڑی مغفرت والا، بڑے حلم والا ہے ○
ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں، پھر اُن باتوں کے منکر ہو گئے ○ [1]
اللہ نے نہ بحیرہ کو جائز قرار دیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو [2] لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے ○

---

1 کہیں اس کوتاہی کے مرتکب تم بھی نہ ہو جاؤ۔ جس طرح ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔“ ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمھاری استطاعت میں نہ ہوتا۔“ (صحيح مسلم، حديث:1337، ومسند أحمد:255/1،وسنن أبي داود، حديث:1721، و سنن النسائي، حديث:2620، و سنن ابن ماجه، حديث:2885) اسی لیے بعض مفسرین نے عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس چیز کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے، پس وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے معاف کر دیا ہے، پس تم بھی ان کی بابت خاموش رہو، جس طرح وہ خاموش رہا۔ (ابن کثیر) ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس مفہوم کو بایں الفاظ بیان فرمایا: «ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِـهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ» (صحيح مسلم، حديث: 1337) ”تمھیں جن چیزوں کی بابت نہیں بتایا گیا، تم مجھ سے ان کی بابت سوال مت کرو، اس لیے کہ تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ان کا کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف بھی تھا۔“

2 یہ ان جانوروں کی قسمیں ہیں جو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ ان کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّب سے صحیح بخاری میں اس کی تفسیر حسب ذیل نقل کی گئی ہے: ”﴿بَحِيْرَةٍ﴾ وہ جانور جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لیے ہے، چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ ﴿سَآئِبَةٍ﴾ وہ جانور جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اسے نہ سواری کے لیے استعمال کرتے نہ بار برداری کے لیے۔ ﴿وَصِيْلَةٍ﴾ وہ اونٹنی جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی۔ (ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی، ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی) ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے اور ﴿حَامٍ﴾ وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوتے۔ (اور نسل کافی بڑھ جاتی) تو اس سے بھی بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے اور بتوں کے لیے چھوڑ دیتے اور اسے وہ حامی کہتے۔“ اسی روایت میں یہ

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿103﴾

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿104﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں اُن کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا اگرچہ اُن کے بڑے نہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہِ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اُس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں۔[1] اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے، پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم سب کرتے تھے ○

بات بھی بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بتوں کے لیے جانور آزاد چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ”میں نے اسے جہنم میں انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا۔“ (صحيح البخاري، حديث:4623) آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو اس طرح مشروع نہیں کیا ہے کیونکہ اس نے تو نذر و نیاز صرف اپنے لیے خاص رکھی ہے۔ بتوں کے لیے یہ نذر و نیاز کے طریقے مشرکوں نے ایجاد کیے ہیں اور بتوں اور معبودان باطلہ کے نام پر جانور چھوڑنے اور نذر و نیاز پیش کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی مشرکوں میں بلکہ بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی قائم و جاری ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

1 بعض لوگوں کے ذہن میں ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کر لی جائے تو کافی ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے۔ اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کر دے گا تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا؟ جبکہ قرآن نے ﴿اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ ”جب تم خود ہدایت پر چل رہے ہو“ کی شرط عائد کی ہے، اسی لیے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو انھوں نے فرمایا کہ لوگو! تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو، میں نے تو نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جب لوگ برائی ہوتے ہوئے دیکھ لیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔“ (مسند أحمد: 5/1، وجامع الترمذي، حديث:2168، و سنن أبي داود، حديث:4338) اس لیے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمھارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو تمھارے لیے یہ نقصان دہ نہیں ہے جبکہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿106﴾

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو وصیت کے وقت اپنے (مسلمانوں) میں سے[1] دو صاحبِ عدل گواہ بنا لے اور اگر تم حالت سفر میں ہو اور تمھیں موت آ لے تو دو غیر مسلموں کو بھی گواہ بنا سکتے ہو۔[2] اگر تمھیں کچھ شک پڑ جائے تو اُن دونوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو، پھر وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہیں کہ ہم (کسی ذاتی مفاد کی خاطر) شہادت کو بیچنے والے نہیں،[3] خواہ ہمارا کوئی رشتے دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور نیز یہ کہ ہم اللہ (کی خاطر) گواہی کو نہیں چھپائیں گے اور اگر ایسا کریں تو ہم مجرم ہیں ○

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ

پھر اگر یہ پتہ چل جائے کہ وہ دونوں گناہ میں ملوث ہو کر حق بات کو دبا گئے ہیں[4] تو اُن کی جگہ دو اور گواہ کھڑے ہوں جو پہلے دونوں (غیر مسلم) گواہوں سے اہل تر

مجتنب ہو، البتہ ایک صورت میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ترک جائز ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اندر اس کی طاقت نہ پائے اور اس سے اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اس صورت میں «فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» کے تحت اس کی گنجائش ہے۔ آیت بھی اس صورت کی متحمل ہے۔

1 ''اپنے میں سے ہوں۔'' کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ مُوصِي (وصیت کرنے والے) کے قبیلے سے ہوں۔ اسی طرح ﴿اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ میں دو مفہوم ہوں گے، یعنی مِنْ غَيْرِكُمْ سے مراد یا غیر مسلم (اہل کتاب) ہوں گے یا موصی کے قبیلے کے علاوہ کسی اور قبیلے سے۔

2 یعنی سفر میں کوئی ایسا شدید بیمار ہو جائے کہ جس سے زندہ بچنے کی امید نہ ہو تو وہ سفر میں دو عادل گواہ بنا کر جو وصیت کرنا چاہے، کر دے۔

3 یعنی مرنے والے (موصی) کے ورثاء کو شک پڑ جائے کہ ان اوصیاء نے مال میں خیانت یا تبدیلی کی ہے تو وہ نماز کے بعد، یعنی لوگوں کی موجودگی میں ان سے قسم لیں اور وہ قسم کھا کے کہیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں، یعنی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے ہیں۔

4 یعنی جھوٹی قسمیں کھائی ہیں۔

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿107﴾

ہوں [1] اور اُن لوگوں کی طرف سے ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہے، وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہیں کہ ہماری شہادت اُن پہلے گواہوں کی شہادت سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو بلاشبہ ہم ظالم ہیں ○

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿108﴾ ع 14/8/4

اس طریقے سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت دیا کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ کہیں اُن کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے اُن کی تردید نہ ہو جائے [2] اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس کے

1 ﴿اَلْاَوْلَيٰنِ﴾ اَوْلیٰ کا تثنیہ ہے، مراد ہے میت، یعنی مُوصِي (وصیت کرنے والے) کے قریب ترین دو رشتے دار۔ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ﴾ کا مطلب یہ ہے جن کے مقابلے پر گناہ کا ارتکاب ہوا تھا، یعنی جھوٹی قسم کا ارتکاب کر کے ان کو ملنے والا مال ہڑپ کر لیا تھا۔ ﴿اَلْاَوْلَيٰنِ﴾ یہ یا تو هُمَا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا ﴿يَقُوْمٰنِ﴾ یا ﴿فَاٰخَرٰنِ﴾ کی ضمیر سے بدل ہے، یعنی یہ دو قریبی رشتے دار، ان کی جھوٹی قسموں کے مقابلے میں اپنی قسم دیں گے۔

2 یہ اس فائدے کا ذکر ہے جو اس حکم میں پنہاں ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہ طریقہ اختیار کرنے میں اوصیاء صحیح صحیح گواہی دیں گے کیونکہ انھیں خطرہ ہوگا کہ اگر ہم نے خیانت یا دروغ گوئی یا تبدیلی کا ارتکاب کیا تو یہ کارروائیاں خود ہم پر الٹ سکتی ہیں۔ اس کی شان نزول میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ بنو سہم کا ایک آدمی، تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں گیا۔ وہاں سہمی کا انتقال ہو گیا اور یہ علاقہ ایسا تھا کہ وہاں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا، (جبکہ اس کے دونوں ساتھی عیسائی تھے) پس یہ دونوں ساتھی اس کا چھوڑا ہوا مال لے کر اس کے ورثاء کے پاس آئے اور سارا سامان ان کے سپرد کر دیا لیکن اس سامان میں چاندی کا ایک پیالہ موجود نہیں تھا جس میں سونے کے باریک نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے حلف لیا (انھوں نے جھوٹا حلف اٹھا لیا) پھر وہ پیالہ اس کے ورثاء نے مکے میں پالیا، استفسار پر ان لوگوں نے بتلایا کہ یہ پیالہ انھوں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ چنانچہ سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے حلف اٹھایا کہ وہ پیالہ ان (مرنے والے) کے رشتے دار کا ہے اور انھوں نے کہا کہ ان کی گواہی، ان (غیر مسلموں) کی گواہی سے زیادہ حق دار ہے، پس انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث:2780) سہمی کا نام بدیل بن ابی مریم تھا رضی اللہ عنہ۔ یہ تجارت کے لیے مذکورہ دو عیسائیوں کے ساتھ شام کے علاقے میں گئے تھے، جہاں اس وقت کوئی مسلمان نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے وہاں مرتے وقت اپنا سامان ورثاء تک پہنچانے کی ان دونوں کو وصیت کر دی لیکن انھوں نے خیانت سے کام لیا اور ایک پیالہ بیچ کر رقم دونوں نے مل کر کھالی۔ (مزید دیکھیے جامع الترمذي، حديث:3059)

احکام دھیان سے سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ○

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾

اللہ جس روز تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، [1] بے شک تو ہی پوشیدہ باتوں کو پورا جاننے والا ہے ○

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا

وقف لازم

جب کہ اللہ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمھاری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو روح القدس [2] سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے، گود میں بھی [3] اور بڑی عمر میں بھی اور جبکہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی، [4] اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے

1 انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا یا برا جو بھی معاملہ کیا، اس کا علم تو یقیناً انھیں ہوگا لیکن وہ اپنے علم کی نفی یا تو محشر کی ہولنا کیوں اور اللہ جل جلالہ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے کریں گے یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہوگا، علاوہ ازیں باطنی امور کا علم تو کلیتاً صرف اللہ ہی کو ہے۔ اسی لیے وہ کہیں گے: علام الغیوب تو تو ہی ہے نہ کہ ہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء ورسل عالم الغیب نہیں ہوتے، عالم الغیب صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کو جتنا کچھ بھی علم ہوتا ہے، اولاً تو اس کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جو فرائض رسالت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ثانیاً، ان سے بھی ان کو بذریعہ وحی ہی آگاہ کیا جاتا ہے، حالانکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ذاتی طور پر ہو، نہ کہ کسی کے بتلانے پر اور جس کو بتلانے پر کسی چیز کا علم حاصل ہوا سے عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔

2 اس سے مراد حضرت جبریل ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: 87 میں گزرا۔

3 گود میں اس وقت کلام کیا، جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے اس نومولود (بچے) کو لے کر اپنی قوم میں آئیں اور انھوں نے اس بچے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی کے عالم میں کلام کیا اور بڑی عمر میں کلام سے مراد، نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوت وتبلیغ ہے یا آسمان سے اترنے کے بعد سن کہولت میں لوگوں سے کلام کرنا مراد ہے۔

4 اس کی وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت: 48 میں گزر چکی ہے۔

فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٠﴾

سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے، پھر تم اُس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مُردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے [1] اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم اُن کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے، [2] پھر اُن میں جو کافر تھے، اُنھوں نے کہا تھا کہ یہ کھلے جادو کے سوا اور کچھ بھی نہیں ○ [3]

---

1 ان معجزات کا ذکر بھی مذکورہ سورت کی آیت:49 میں گزر چکا ہے۔

2 یہ اشارہ ہے اس سازش کی طرف جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی دینے کے لیے تیار کی تھی جس سے اللہ نے بچا کر انھیں آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورۂ آل عمران، آیت:54۔

3 ہر نبی کے مخالفین، آیاتِ الٰہی اور معجزات دیکھ کر انھیں جادو ہی قرار دیتے رہے ہیں، حالانکہ جادو تو شعبدہ بازی کا ایک فن ہے جس سے انبیاء علیہم السلام کو کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات قادرِ مطلق، اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت وطاقت کا مظہر ہوتے تھے کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے اور اس کی مشیت وقدرت سے ہوتے تھے۔ کسی نبی کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کوئی معجزہ صادر کر کے دکھا دیتا، اسی لیے یہاں بھی دیکھ لیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر معجزے کے ساتھ اللہ نے چار مرتبہ یہ فرمایا: ﴿ بِإِذْنِي ﴾ ''ہر معجزہ میرے حکم سے ہوا ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے مشرکین مکہ نے مختلف معجزات کے دکھانے کا مطالبہ کیا جس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل، آیت:91-93 میں ذکر کی گئی ہے تو اس کے جواب میں نبی ﷺ نے یہی فرمایا: «سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا» ''میرا رب پاک ہے (وہ تو اس کمزوری سے پاک ہے کہ وہ یہ چیزیں نہ دکھا سکے، وہ تو دکھا سکتا ہے لیکن اس کی حکمت اس کی مقتضی ہے یا نہیں؟ یا کب مقتضی ہو گی؟ اس کا علم اسی کو ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے) لیکن میں تو صرف بشر اور رسول ہوں۔'' یعنی میرے اندر یہ معجزات دکھانے کی اپنے طور پر طاقت نہیں ہے۔ بہر حال انبیاء کے معجزات کا جادو سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جادوگر اس کا توڑ مہیا کر لیتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہے کہ ملک بھر کے جمع شدہ بڑے بڑے جادوگر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا توڑ نہ کر سکے اور جب ان کو معجزہ اور جادو کا فرق واضح طور پر معلوم ہو گیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿111﴾

اور جب کہ میں نے حواریوں کو حکم دیا[1] کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، اُنھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم پورے فرماں بردار ہیں ○

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾

وہ وقت یاد کے قابل ہے جب کہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرمادے؟[2] آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو ○[3]

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿113﴾ ع

وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اُس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ○

---

1 ﴿الْحَوَارِيّٖنَ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی اور مددگار بنے، ان کی تعداد 12 بیان کی جاتی ہے۔ وحی سے مراد یہاں وہ وحی نہیں ہے جو بذریعہ فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی بلکہ یہ وحی الہام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کے دلوں میں القا کر دی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام کو اسی قسم کا الہام ہوا جسے قرآن نے وحی ہی سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے وحی کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام نبیہ تھیں، اس لیے کہ ان پر بھی اللہ کی طرف سے وحی آئی تھی، صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ وحی، وحیٔ الہام ہی تھی، جیسے یہاں ﴿اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ﴾ میں یہ وحی رسالت نہیں ہے۔

2 ﴿مَآئِدَةً﴾ ایسے برتن (سینی، پلیٹ یا ٹرے وغیرہ) کو کہتے ہیں جس میں کھانا ہو، اسی لیے دسترخوان بھی اس کا ترجمہ کرلیا جاتا ہے کیونکہ اس پر بھی کھانا چنا ہوتا ہے۔ سورت کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں اس کا ذکر ہے حَوَارِيِّين نے مزید اطمینان قلب کے لیے یہ مطالبہ کیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مشاہدے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔

3 یعنی یہ سوال مت کرو، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش کا سبب بن جائے کیونکہ حسب طلب معجزہ دکھائے جانے کے بعد اس قوم کی طرف سے ایمان نہ لانا عذاب کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں اس مطالبے سے روکا اور انھیں اللہ سے ڈرایا۔

قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنۡكَ‌ ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ۝114

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے، یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جائے [1] اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما دے اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے ○

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ مُنَزِّلُهَا عَلَيۡكُمۡ‌ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡكُمۡ فَاِنِّىۡۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ
15 ع 7 5 اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝115

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اُس کے بعد کفر کرے گا تو میں اُس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا ○ [2]

1 اسلامی شریعتوں میں عید کا مطلب یہ نہیں رہا ہے کہ قومی تہوار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت کے ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و مسرت کا اظہار کیا جائے، چراغاں کیا جائے اور جشن منایا جائے جیسا کہ آج کل اس کا یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کے مطابق تہوار منائے جاتے ہیں بلکہ آسمانی شریعتوں میں اس کی حیثیت ایک ملی تقریب کی ہوتی ہے جس کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تکبیر و تحمید کے زمزمے بلند کرے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید بنانے کی جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس سے ان کا مطلب یہی ہے کہ ہم تعریف و تمجید اور تکبیر و تحمید کریں۔ بعض اہل بدعت اس ''عید مائدہ'' سے ''عید میلاد'' کا جواز ثابت کرتے ہیں، حالانکہ اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے جسے اگر اسلام نے برقرار رکھنا ہوتا تو وضاحت کر دی جاتی۔ دوسرے، یہ پیغمبر کی زبان سے ''عید'' بنانے کی خواہش کا اظہار ہوا تھا اور پیغمبر بھی اللہ کے حکم سے شرعی احکام بیان کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ تیسرے، عید کا مفہوم و مطلب بھی وہ ہوتا ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ ''عید میلاد'' میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے، لہٰذا ''عید میلاد'' کے بدعت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اسلام میں صرف دو ہی عیدیں ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری عید نہیں ہے۔

2 یہ مائدہ (خوان طعام) آسمان سے اترا یا نہیں؟ اس کی بابت کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث نہیں۔ جمہور علماء (امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری سمیت) اس کے نزول کے قائل ہیں اور ان کا استدلال قرآن کے الفاظ ﴿ اِنِّىۡ مُنَزِّلُهَا عَلَيۡكُمۡ ﴾ سے ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً سچا ہے لیکن اسے اللہ کی طرف سے یقینی وعدہ قرار دینا اس

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿116﴾

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے اُن لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو![1] عیسیٰ عرض کریں گے کہ تو پاک ہے، مجھے کسی طرح لائق نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھے اُس کا علم ہوگا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور جو کچھ تیرے نفس میں ہے، میں اُس کو نہیں جانتا۔[2] تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے ○

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ

میں نے تو اُن سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے

لیے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اگلے الفاظ ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ﴾ اس وعدے کے مشروط ہونے کو ظاہر کرتے ہیں، اس لیے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط سن کر انھوں نے کہا کہ پھر ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جس کے بعد اس کا نزول نہیں ہوا۔ امام ابن کثیر نے ان آثار کی اسانید کو جو امام مجاہد اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ سے منقول ہیں، صحیح قرار دیا ہے جن میں نزول مائدہ کی نفی کی گئی ہے۔ نیز کہا ہے کہ ان آثار کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نزول مائدہ کی کوئی شہرت عیسائیوں میں ہے نہ ان کی کتابوں میں درج ہے، حالانکہ اگر یہ نازل ہوا ہوتا تو اسے ان کے ہاں مشہور بھی ہونا چاہیے تھا اور کتابوں میں بھی تواتر سے یا کم از کم آحاد سے نقل ہونا چاہیے تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

1 یہ سوال قیامت والے دن ہوگا اور مقصد اس سے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنا لینے والوں کو زجر و توبیخ ہے کہ جن کو تم معبود اور حاجت روا سمجھتے تھے، وہ تو خود اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ (معبود) بنایا ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (اللہ کے سوا معبود) صرف وہی نہیں ہیں جنھیں مشرکین نے پتھر یا لکڑی کی مورتیوں کی شکل میں بنا کر ان کی پوجا کی، جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست علماء اپنے عوام کو یہ باور کرا کے مغالطہ دیتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے نیک بندے بھی ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی بھی انداز سے عبادت کی، جیسے حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کی عیسائیوں نے کی۔

2 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتنے واضح الفاظ میں اپنی بابت علم غیب کی نفی فرما رہے ہیں۔

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿117﴾

مجھے حکم فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔[1] میں اُن پر گواہ رہا جب تک اُن میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی اُن پر نگران تھا[2] اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے ○

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿118﴾

اگر تُو اُن کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تُو اُن کو معاف فرما دے تو تُو زبردست ہے، حکمت والا ہے ○[3]

---

1 حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید و عبادت رب کی یہ دعوت عالم شیر خوارگی میں بھی دی جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے اور عمر جوانی و کہولت میں بھی۔

2 ﴿تَوَفَّیْتَنِیْ﴾ کا مطلب ہے جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ آل عمران کی آیت: 55 میں گزر چکی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پیغمبروں کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے انھیں عطا کیا جاتا ہے یا جسے وہ اپنی زندگی میں حواس کے ذریعے سے حاصل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا۔ جبکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جسے بغیر کسی کے بتلائے ہر چیز کا علم ہوتا ہے اور اس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہوتا ہے۔ یہ صفت علم اللہ کے سوا کسی اور کے اندر نہیں، اس لیے عالم الغیب صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے، اس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ میدان حشر میں نبی ﷺ کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو فرشتے ان کو پکڑ کر دوسری طرف لے جائیں گے، آپ فرمائیں گے کہ ان کو آنے دو یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے آپ کو بتلائیں گے «إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ» ''اے محمد! آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انھوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔'' جب آپ یہ سنیں گے تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا: «وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ» (صحيح البخاري، حديث:4625، وصحيح مسلم، حديث:58-(2860))

3 یعنی مطلب یہ کہ یا اللہ! ان کا معاملہ تیری مشیت کے سپرد ہے، اس لیے کہ تو ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ ہے، (جو چاہے کر سکتا ہے) اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہے۔ ﴿لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ ○﴾ (الأنبيآء 21:23) ''اللہ جو کچھ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی۔'' گویا آیت میں اللہ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی اور پھر ان دونوں باتوں کے حوالے سے عفو و مغفرت کی التجا بھی۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب و بلیغ آیت ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ نوافل میں اس آیت کو پڑھتے رہے، بار بار ہر رکعت میں اسے ہی پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ (مسند أحمد:149/5)

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿119﴾

اللہ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے اُن کا سچا ہونا اُن کے کام آئے گا،[1] اُن کو ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی اور خوش اور وہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ
16 5 6 وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿120﴾ ع

اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُن چیزوں کی جو اُن میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے ○

آیاتہا 165 (6) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (55) رکوعاتہا 20

سورۂ انعام مکی ہے اس میں 165 آیات اور 20 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ڛ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا،[2] پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں[3] ○

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى

وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا،[4] پھر ایک وقت

---

1 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں: «يَنْفَعُ الْمُوَحِّدِينَ تَوْحِيدُهُمْ» ''وہ دن ایسا ہوگا کہ صرف توحید ہی موحدین کو نفع پہنچائے گی۔''، یعنی مشرکین کی معافی اور مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

2 ﴿الظُّلُمٰتِ﴾ سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی یا کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی مراد ہے۔ نور کے مقابلے میں ظلمات کو جمع ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ ظلمات کے اسباب بھی بہت سے ہیں اور اس کی انواع بھی متعدد ہیں اور نور کا ذکر بطور جنس ہے جو اپنی تمام انواع کو شامل ہے۔ (فتح القدیر) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ ہدایت اور ایمان کا راستہ ایک ہی ہے، چار یا پانچ یا متعدد نہیں ہیں، اس لیے نور کو واحد ذکر کیا گیا ہے۔

3 یعنی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

4 یعنی تمھارے باپ آدم کو جو تمھاری اصل ہیں اور جن سے تم سب نکلے ہو۔ اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم جو خوراک اور غذائیں کھاتے ہو، سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور انھی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم مادر میں جا کر تخلیق انسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا تمھاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔

اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②

معین کیا [1] اور (دوسرا) معین وقت خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے، [2] پھر بھی تم شک رکھتے ہو ○ [3]

وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور وہی ہے معبودِ برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، وہ تمھارے پوشیدہ اور تمھارے ظاہر احوال کو جانتا ہے اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اُس کو بھی جانتا ہے ○ [4]

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④

اور اُن کے پاس کوئی نشانی بھی اُن کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اُس سے اعراض ہی کرتے ہیں ○

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤

اُنھوں نے اُس سچی کتاب کو بھی جھٹلایا جب کہ وہ اُن کے پاس پہنچی، سو جلد ہی اُن کو اُس چیز کی خبر مل جائے گی جس کے ساتھ یہ لوگ مذاق کیا کرتے تھے ○ [5]

---

1 یعنی موت کا وقت۔

2 یعنی آخرت کا وقت، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ گویا پہلی اجل سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی عمر ہے اور دوسری اجل مسمی سے مراد انسان کی موت سے لے کر وقوع قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے جس کے بعد وہ زوال وفنا سے دوچار ہو جائے گی اور ایک دوسری دنیا، یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

3 یعنی قیامت کے وقوع میں جیسا کہ کفار و مشرکین کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کیا جا سکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، دوبارہ بھی وہی اللہ تمھیں زندہ کرے گا۔ (سورۂ یٰس 79:36)

4 اہل سنت، یعنی سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو عرش پر ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے لیکن اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے، یعنی اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں، البتہ بعض گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور وہ اس آیت سے اپنے اس عقیدے کا اثبات کرتے ہیں لیکن یہ عقیدہ جس طرح غلط ہے یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کو آسمانوں اور زمین میں اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کی حکمرانی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کو معبود برحق سمجھا اور مانا جاتا ہے، وہ اللہ تمھارے پوشیدہ اور ظاہر اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو، سب کو جانتا ہے۔ (فتح القدير) اس کی اور بھی بعض توجیہات کی گئی ہیں جنھیں اہل علم تفسیروں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، مثلاً: تفسير الطبري و ابن كثير وغیرہ۔ (مزید ملاحظہ ہو، سورۂ اعراف، آیت: 180 کا حاشیہ)

5 یعنی اس اعراض اور تکذیب کا وبال انھیں پہنچے گا اس وقت انھیں احساس ہوگا کہ کاش! ہم اس کتاب برحق کی

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥

کیا اُنھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم اُن سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں؟ جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے اُن پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے اُن کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا [1] اور اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا○ [2]

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦

اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے، پھر اُس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے○ [3]

تکذیب اور اس کا استہزا نہ کرتے۔

1 یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، درآں حالیکہ وہ طاقت وقوت میں بھی تم سے کہیں زیادہ تھیں اور خوش حالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھ کر تھیں تو تمھیں ہلاک کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوش حالی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بہت کامیاب وکامران ہے۔ یہ استدراج وامہال کی وہ صورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے لیکن جب یہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوشحالیاں انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔

2 تاکہ انھیں بھی پچھلی قوموں کی طرح آزمائیں۔

3 یہ ان کے عناد وجُحُود اور مکابرۃ کا اظہار ہے کہ اتنے واضح نوشتۂ الٰہی کے باوجود وہ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور اسے ایک ساحرانہ کرتب قرار دیں گے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○﴾ (الحجر 15,14:15) ”اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں تب بھی کہیں گے: ہماری آنکھیں متوالی ہوگئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔“ ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ○﴾ (الطور 44:52) ”اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا ٹکڑا بھی دیکھ لیں تو کہیں گے

وَ قَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اُن کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا، پھر اُن کو ذرا مہلت نہ دی جاتی ○ [1]

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨

اور اگر ہم کسی فرشتے کو رسول بناتے تو بھی اُسے ہم انسانی شکل ہی میں اتارتے اور ہم اُنھیں اُسی شبہے میں ڈال

کہ تہ بہ تہ بادل ہیں۔'' یعنی عذاب الٰہی کی کوئی نہ کوئی ایسی توجیہ کرلیں گے کہ جس میں مشیت الٰہی کا کوئی دخل انھیں تسلیم کرنا نہ پڑے، حالانکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔

1 اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے وہ انسانوں ہی میں سے تھے اور بالعموم ہر قوم میں اسی کے ایک فرد کو وحی و رسالت سے نواز دیا جاتا تھا، چنانچہ اسی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو انسانوں ہی میں سے چن کر رسول مبعوث فرمایا لیکن کفار مکہ آپ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے لیے فرشتہ اتارا جائے یا خود فرشتے کو بطور رسول بھیجا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی بات کے حوالے سے فرمایا کہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی سے معجزہ طلب کرے اور وہ ان کو دکھا دیا جائے لیکن اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ دوسری بات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم ان کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو وہ ان کے پاس بصورت مرد، یعنی انسان کی شکل ہی میں آتا کیونکہ اصلی شکل میں یہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے اور جب وہ آدمی کی شکل میں آتا تو پھر یہی شبہ پیش کرتے جواب پیش کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں ہی کو نبی اور رسول بنایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمران 3:164) ''اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جبکہ انھی کی جانوں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا۔'' لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لیے حیرت و استعجاب کا باعث رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں، فرشتوں میں سے ہونا چاہیے گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی جیسا کہ آج کل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں۔ «فَتَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ» ''ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے ہیں۔'' اہل کفر و شرک، رسولوں کی بشریت کا انکار تو کر نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ ان کے خاندان، حسب و نسب ہر چیز سے واقف ہوتے تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کر دیتے۔ جبکہ آج کل کے اہل بدعت رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے کہ اگر ہم کافروں کے مطالبے پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے یا اس رسول کی تصدیق کے لیے ہم کوئی فرشتہ نازل کر دیتے (جیسا کہ یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے) اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لاتے تو انھیں مہلت دیے بغیر ہلاک کر دیا جاتا۔

دیتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں ○ [1]

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ ع 1/10/7

اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں اُن کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا، پھر جن لوگوں نے اُن سے مذاق کیا تھا اُن کو اُس عذاب نے آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

آپ فرما دیجیے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ○

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫

آپ کہہ دیجیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، اللہ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرما لیا ہے، [2] تم کو اللہ قیامت کے روز جمع کرے گا، اُس

1 یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کرتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ اگر اصل فرشتے کی شکل میں آتا تو انسان اسے نہ دیکھ پاتے یا انسان اس سے خوف زدہ ہو جاتے اور قریب و مانوس ہونے کی بجائے دور بھاگتے، اس لیے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا لیکن یہ تمھارے لیڈر پھر یہی اعتراض اور شبہ پیش کرتے کہ یہ تو انسان ہی ہے جو اس وقت بھی وہ رسول کی بشریت کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں تو پھر فرشتے کے بھیجنے کا بھی کیا فائدہ؟

2 جس طرح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش پر یہ لکھ دیا: «إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي» (صحیح البخاري، حدیث:7404، و صحیح مسلم ، حدیث:14-(2751)) ''یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔'' لیکن یہ رحمت قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہو گی، کافروں کے لیے رب سخت غضب ناک ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کی رحمت یقیناً عام ہے جس سے مومن اور کافر نیک اور بد، فرماں بردار اور نافرمان سب ہی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بھی روزی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بند نہیں کرتا لیکن اس کی رحمت کا یہ عموم صرف دنیا کی حد تک ہے۔ آخرت میں جو کہ دار الجزا ہے، وہاں اللہ کی صفت عدل کا کامل ظہور ہو گا جس کے نتیجے میں اہل ایمان دامان رحمت میں جگہ پائیں گے اور اہل کفر و فسق جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق ٹھہریں گے، اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○﴾ (الأعراف7:156) ''اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

اور اللہ ہی کی ملک ہے وہ سب کچھ جو رات میں اور دن میں رہتی ہیں اور وہی بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ○

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭

آپ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ کے سوا، جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا، میں کسی اور کو معبود قرار دوں؟[1] آپ فرما دیجیے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تُو شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا ○

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮

آپ کہہ دیجیے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ○[2]

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯

اور جس شخص سے اُس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے تو اُس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے ○[3]

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

اور اگر تجھ کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کا دُور کرنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو اللہ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ○[4]

---

1 ولی سے مراد یہاں معبود و کارساز ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے ورنہ عام دوست بنانا تو جائز ہے۔

2 یعنی اگر میں نے بھی رب کی نافرمانی کرتے ہوئے، اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالیا تو میں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکوں گا۔

3 جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران 3:185) ''جو آگ سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔'' اس لیے کہ کامیابی، خسارے سے بچ جانے اور نفع حاصل کر لینے کا نام ہے۔ اور جنت سے بڑھ کر نفع کیا ہوگا؟

4 یعنی نفع وضرر کا مالک، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس کے حکم وقضا کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: «اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿18﴾

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے،[1] اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے ○

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿19﴾ وقف لازم

آپ کہہ دیجیے: گواہی دینے کے لیے سب سے بڑی چیز کون ہے؟ آپ کہہ دیجیے: اللہ، وہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے،[2] اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اُن سب کو ڈراؤں،[3] کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجیے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمھارے شرک سے بیزار ہوں ○

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿20﴾ ع 2/10/8

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا ہے سو

لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (صحيح البخاري، حديث:7292، و صحيح مسلم، حديث: 137-(593)) ''جو چیز تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی۔'' نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ سمیت پڑھا کرتے تھے۔

1 یعنی تمام گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر لوگ اس کے سامنے بے بس ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے اور تمام کائنات اس کی مطیع ہے وہ اپنے ہر کام میں حکیم ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے، پس اسے معلوم ہے کہ اس کے احسان وعطا کا کون مستحق ہے اور کون غیر مستحق۔

2 یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا سب سے بڑا گواہ ہے، اس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں۔

3 ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اب جس کے پاس بھی یہ قرآن پہنچ جائے اگر وہ سچا متبع رسول ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف اسی طرح بلائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی اور اس طرح ڈرائے جس طرح آپ نے لوگوں کو ڈرایا۔ (ابن کثیر)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿21﴾

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿22﴾

وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ [1]

اور اُس سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا بتلائے، [2] ایسے بے انصافوں کو کامیابی نہ ہوگی ○ [3]

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمھارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے

---

1 ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ﴾ میں ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے منتظر بھی تھے، اس لیے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کررہے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ ۞ وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

’’اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے تاہم اگر علم ہے تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے۔‘‘

2 یعنی جس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑنے والا (نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا) سب سے بڑا ظالم ہے، اسی طرح وہ بھی بڑا ظالم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے سچے رسول کی تکذیب کرے۔ جھوٹے دعوائے نبوت پر اتنی سخت وعید کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ متعدد لوگوں نے ہر دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے کیے ہیں اور یوں یقیناً نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی کہ 30 جھوٹے دجال ہونگے، ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے۔ گذشتہ صدی میں بھی قادیان کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آج اس کے پیروکار اسے اس لیے سچا نبی اور بعض مسیح موعود مانتے ہیں کہ اسے ایک قلیل تعداد نبی مانتی ہے، حالانکہ کچھ لوگوں کا کسی جھوٹے کو سچا مان لینا، اس کی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صداقت کے لیے تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی ضرورت ہے۔ اور اس میدان میں یہ ہمیشہ کے لیے ناکام رہیں گے، اس لیے کہ قرآن وسنت کے واضح دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین والرسل ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا کوئی رسول نہیں ہے۔ اسی وجہ سے پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ یہ حقیقت ریکارڈ پر موجود ہے کہ مرزائیوں کے خلیفہ مرزا ناصر احمد قادیانی کو اپنا موقف واضح کرنے اور دلائل دینے کا بھرپور موقع فراہم کیا گیا مگر وہ بری طرح ناکام رہا اور باطل کا مقدر ہی ناکام ہونا ہے۔

3 جب یہ دونوں ہی ظالم ہیں تو نہ مُفْتَرِی (جھوٹ گھڑنے والا) کامیاب ہوگا اور نہ مُکَذِّب (جھٹلانے والا) اس لیے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے انجام پر اچھی طرح غور کرلے۔

تھے، کہاں گئے؟ ○

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿23﴾

پھر اُن کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی ہمارے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے ○ [1]

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾

ذرا دیکھو تو اُنھوں نے کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئے ○ [2]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ

اور اُن میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں [3] اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس سے کہ وہ اُس کو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے [4] اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں تو

---

1 فِتْنَة کے ایک معنی حجت اور ایک معنی معذرت کے کیے گئے ہیں۔ بالآخر یہ حجت یا معذرت پیش کر کے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔ اور امام ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں: ثُمَّ لَمْ يَكُنْ قِيلُهُمْ عِنْدَ فِتْنَتِنَا إِيَّاهُمْ اعْتِذَارًا مِّمَّا سَلَفَ مِنْهُمْ مِّنَ الشِّرْكِ بِاللهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا .... الخ. ''جب ہم انھیں سوال کی بھٹی میں جھونکیں گے تو دنیا میں انھوں نے جو شرک کیا، اس کی معذرت کے لیے یہ کہے بغیر ان کے لیے چارہ نہیں ہوگا کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔'' یہاں یہ اشکال پیش نہ آئے کہ وہاں تو انسانوں کے ہاتھ پیر گواہی دیں گے اور زبانوں پر تو مہریں لگا دی جائیں گی، پھر یہ انکار کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ دیا ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو یہ باہم مشورہ کر کے اپنے شرک کرنے سے ہی انکار کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا اس کی گواہی دیں گے اور پھر یہ اللہ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہوسکیں گے۔ (ابن کثیر) یعنی مشرکین پہلے پہل اپنے شرک کا انکار کریں گے، پھر ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔

2 لیکن وہاں انھیں اس کذب صریح کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جس طرح بعض دفعہ دنیا میں انسان ایسا محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے معبودان باطلہ بھی، جن کو وہ اللہ کا شریک اپنا حمایتی و مددگار اور سفارشی سمجھتے تھے، غائب ہوں گے اور وہاں ان پر شرکاء کی حقیقت واضح ہوگی لیکن وہاں اس خرابی کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

3 یعنی یہ مشرکین آپ کے پاس آ کر قرآن سنتے ہیں لیکن چونکہ مقصد طلب ہدایت نہیں، اس لیے بے فائدہ ہے۔

4 علاوہ ازیں مجازاۃً عَلٰی کُفْرِهِمْ. ان کے کفر کے نتیجے میں ان کے دلوں پر بھی ہم نے پردے ڈال دیے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿25﴾

بھی اُن پر کبھی ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں، صرف پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں ○ [1]

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾

اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور دور رہتے ہیں، [2] اور یہ لوگ اپنے آپ ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے ○ [3]

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿27﴾

اور اگر آپ اُس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں [4] تو کہیں گے: ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں، اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں ○ [5]

ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ، جس کی وجہ سے ان کے دل حق بات سمجھنے سے قاصر اور ان کے کان حق کو سننے سے عاجز ہیں۔

1 اب وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس گئے ہیں کہ بڑے سے بڑا معجزہ بھی دیکھ لیں، تب بھی ایمان لانے کی توفیق سے محروم رہیں گے اور ان کا عناد و جحود اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو پہلے لوگوں کی بے سند کہانیاں کہتے ہیں۔

2 یعنی عام لوگوں کو آپ ﷺ سے اور قرآن سے روکتے ہیں تاکہ وہ ایمان نہ لائیں اور خود بھی دور دور رہتے ہیں۔

3 لیکن لوگوں کو روکنا اور خود بھی دور رہنا، اس سے ہمارا یا ہمارے پیغمبر کا کیا بگڑے گا؟ اس طرح کے کام کر کے وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔

4 یہاں ﴿ لَوْ ﴾ کا جواب محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی ''تو آپ کو ہولناک منظر نظر آئے گا۔''

5 لیکن وہاں سے دوبارہ دنیا میں آنا ممکن ہی نہیں ہوگا کہ وہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کر سکیں۔ کافروں کی اس آرزو کا قرآن نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے، مثلاً: ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ○ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○ ﴾ (المؤمنون 23:108,107) ''اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال لے اگر ہم دوبارہ تیری نافرمانی کریں تو یقیناً ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسی میں ذلیل وخوار پڑے رہو، مجھ سے بات نہ کرو۔'' ﴿ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ ﴾ (السجدة 32: 12) ''اے ہمارے رب!

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿28﴾

بلکہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ اُن کے سامنے آ گئی ہے [1] اور اگر وہ لوگ پھر واپس بھیج دیے جائیں تب بھی وہ وہی کام کریں گے جس سے اُن کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً وہ بالکل جھوٹے ہیں ○ [2]

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿29﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہماری زندگی ہے اور ہم زندہ نہ کیے جائیں گے ○ [3]

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿30﴾ ع 10/3/9

اور اگر آپ اُس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ امرِ واقعی نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بے شک قسم ہمارے رب کی! اللہ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو ○ [4]

ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں، اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔''

1 ﴿بَلْ﴾ جو اِضراب (پہلی بات سے دوسری بات کی طرف منتقل ہونے) کے لیے آتا ہے۔ اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔

① ان کے لیے وہ کفر اور عناد و تکذیب ظاہر ہو جائے گی، جو اس سے قبل وہ دنیا یا آخرت میں چھپاتے تھے، یعنی جس کا انکار کرتے تھے، جیسے وہاں بھی ابتداءً کہیں گے: ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○﴾ ''ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔'' ② یا رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کا علم جو ان کے دلوں میں تھا لیکن اپنے پیروکاروں سے چھپاتے تھے۔ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ ③ یا منافقین کا وہ نفاق وہاں ظاہر ہو جائے گا جسے وہ دنیا میں اہل ایمان سے چھپاتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

2 یعنی دوبارہ دنیا میں آنے کی خواہش ایمان لانے کے لیے نہیں، صرف عذاب سے بچنے کے لیے ہے جو ان پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا اور جس کا وہ معائنہ کر لیں گے ورنہ اگر یہ دنیا میں دوبارہ بھیج دیے جائیں تب بھی یہ وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔

3 یہ بعث بَعْدَ الْمَوْتِ (مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے) کا انکار ہے جو کافر کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ہی دراصل ان کے کفر و عصیان کی سب سے بڑی وجہ ہے ورنہ اگر انسان کے دل میں صحیح معنوں میں اس عقیدۂ آخرت کی صداقت راسخ ہو جائے تو کفر و عصیان کے راستے سے فوراً تائب ہو جائے۔

4 یعنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراف کر لیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے لیکن وہاں اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ اب تو اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾

بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملاقات (کی حقیقت) کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب وہ معین وقت اُن پر اچانک آ پہنچے گا تو کہیں گے کہ ہائے افسوس! ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی، اور حالت اُن کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بوجھ اپنی کمر پر لادے ہوں گے، خوب سن لو کہ بُری ہوگی وہ چیز جس کو وہ لادیں گے ○ [1]

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿32﴾

اور دنیاوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو و لعب کے اور آخرت کا گھر متقیوں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو ○

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿33﴾

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتیں غم زدہ کرتی ہیں، سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ [2]

1 اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خسارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے، اپنی کوتاہیوں پر جس طرح نادم ہوں گے اور برے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لادے ہوں گے، آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے ﴿فَرَّطْنَا فِيْهَا﴾ میں ضمیر الساعۃ کی طرف راجع ہے، یعنی قیامت کی تیاری اور تصدیق کے معاملے میں جو کوتاہی ہم سے ہوئی۔ یا اَلصَّفْقَہ (سودا) کی طرف راجع ہے، جو اگرچہ عبارت میں موجود نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ نقصان (خسارہ) سودے میں ہی ہوتا ہے اور مراد اس سودے سے وہ ہے جو ایمان کے بدلے کفر خرید کر انھوں نے کیا، یعنی یہ سودا کر کے ہم نے سخت کوتاہی کی یا حَيَاۃ کی طرف راجع ہے، یعنی ہم نے اپنی زندگی میں برائیوں اور کفر و شرک کا ارتکاب کر کے جو کوتاہیاں کیں۔ (فتح القدیر)

2 نبی ﷺ کو کفار کی طرف سے اپنی تکذیب کی وجہ سے جو غم و حزن پہنچتا، اس کے ازالے اور آپ کی تسلی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تکذیب آپ کی نہیں۔ (آپ کو تو وہ صادق و امین مانتے ہیں) دراصل یہ آیات الٰہی کی تکذیب ہے اور یہ ایک ظلم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ جامع ترمذی کی روایت: 3064 میں ہے کہ ابوجہل نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! ہم تم کو نہیں بلکہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کی یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح روایات سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ کفار مکہ نبی ﷺ کی امانت و دیانت اور صداقت کے قائل تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کی رسالت پر

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ ﴿34﴾

اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں، اُن کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو اُنھوں نے اُس پر صبر ہی کیا، اُن کی تکذیب کی گئی اور اُن کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد اُن کو پہنچی [1] اور اللہ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں، [2] اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کی کچھ خبریں تو آ ہی چکی ہیں ○ [3]

وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

اور اگر آپ کو اُن کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سُرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو، پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اُن سب کو راہِ راست پر جمع کر دیتا، [4] سو

ایمان لانے سے گریزاں رہے۔ آج بھی جو لوگ نبی ﷺ کے حسن اخلاق، رفعت کردار اور امانت وصداقت کو تو خوب جھوم جھوم کر بیان کرتے اور اس موضوع پر فصاحت وبلاغت کے دریا بہاتے ہیں لیکن اتباع رسول ﷺ میں وہ انقباض محسوس کرتے، آپ کی بات کے مقابلے میں فقہ وقیاس اور اقوال ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ یہ کس کا کردار ہے جسے انھوں نے اپنایا ہوا ہے؟

1 نبی ﷺ کی مزید تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پیغمبر کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں جن کی تکذیب کی جاتی رہی ہے، پس آپ بھی ان کی اقتدا کرتے ہوئے اسی طرح صبر اور حوصلے سے کام لیں جس طرح انھوں نے تکذیب اور ایذا پر صبر سے کام لیا حتیٰ کہ آپ کے پاس بھی اسی طرح ہماری مدد آ جائے جس طرح پہلے رسولوں کی ہم نے مدد کی اور ہم اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے: ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ (المؤمن 51:40) ''یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور اہل ایمان کی مدد کریں گے۔'' ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي﴾ (المجادلة 21:58) ''اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔'' وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ. (مثلاً: الصّٰفّٰت 172,171:37)

2 بلکہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ آپ کافروں پر غالب ومنصور رہیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

3 جن سے واضح ہے کہ ابتدا میں گو ان کی قوموں نے انھیں جھٹلایا، انھیں ایذائیں پہنچائیں اور ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا لیکن بالآخر اللہ کی نصرت سے کامیابی وکامرانی اور نجات ابدی انھی کا مقدر بنی۔

4 نبی ﷺ کو معاندین وکافرین کی تکذیب سے جو گرانی اور مشقت ہوتی تھی، اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرما رہا

النصف

الْجٰهِلِيْنَ ﴿35﴾
آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے ○ [1]

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿36﴾
وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں [2] اور مُردوں کو اللہ زندہ کر کے اٹھائے گا، پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے ○

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿37﴾
اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن کے رب کی طرف سے اُن پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرما دے [3] لیکن اُن میں اکثر بے خبر ہیں ○ [4]

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ
اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے

ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے ہونا ہی تھا اور اللہ کے حکم کے بغیر آپ ان کو قبول اسلام پر آمادہ نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اگر آپ کوئی سرنگ کھود کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر بھی کوئی نشانی ان کو لا کر دکھا دیں تو اول تو آپ کے لیے ایسا کرنا محال ہے اور اگر بالفرض آپ ایسا کر دکھائیں بھی تو یہ ایمان لانے کے نہیں کیونکہ ان کا ایمان نہ لانا، اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت ہے جس کا مکمل احاطہ انسانی عقل و فہم نہیں کر سکتے، البتہ جس کی ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اختیار و ارادے کی آزادی دے کر آزما رہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو ہدایت کے ایک راستے پر لگا دینا مشکل کام نہ تھا، اس کے لیے لفظ کن سے پلک جھپکتے میں یہ کام ہو سکتا ہے۔

1 یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ حسرت و افسوس نہ کریں کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر سے ہے، اس لیے اسے اللہ ہی کے سپرد کر دیں، وہی اس کی حکمت و مصلحت کو بہتر سمجھتا ہے۔

2 اور ان کافروں کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے مُردوں کی ہوتی ہے جس طرح وہ سننے اور سمجھنے کی قدرت سے محروم ہیں، یہ بھی چونکہ اپنی عقل و فہم سے حق کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اس لیے یہ بھی مردہ ہی ہیں۔

3 یعنی ایسا معجزہ جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے، جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے فرشتہ اترے یا پہاڑ ان پر اٹھا کر بلند کر دیا جائے، جس طرح بنی اسرائیل پر کیا گیا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تو یقیناً ایسا کر سکتا ہے لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ پھر انسانوں کے ابتلا کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مطالبے پر اگر کوئی معجزہ دکھلایا جاتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو پھر فوراً انھیں اس کی دنیا ہی میں سخت سزا دے دی جاتی، یوں گویا اللہ کی اس حکمت میں بھی انھی کا دنیاوی فائدہ ہے۔

4 جو اللہ کے حکم و مشیت کی حکمت بالغہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔

بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿38﴾

قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتے ہیں اُن میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمھاری طرح کے گروہ نہ ہوں،[1] ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی،[2] پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے ○[3]

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو طرح طرح کی ظلمتوں میں بہرے گونگے ہو رہے ہیں، اللہ جس کو چاہے بے راہ کر دے اور وہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگا دے ○[4]

---

1 یعنی انھیں بھی اللہ نے اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح تمھیں پیدا کیا، اسی طرح انھیں روزی دیتا ہے جس طرح تمھیں دیتا ہے اور تمھاری ہی طرح وہ بھی اس کی قدرت وعلم کے تحت داخل ہیں۔

2 ﴿الْكِتٰبِ﴾ (دفتر) سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی وہاں ہر چیز درج ہے یا مراد قرآن ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل16: 89) ''ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔'' یہاں پر سیاق کے لحاظ سے پہلا معنی اقرب ہے۔

3 یعنی تمام مذکورہ گروہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اس سے علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح تمام انسانوں کو زندہ کر کے ان کا حساب کتاب لیا جائے گا، جانوروں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی زندہ کر کے ان کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ جس طرح ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا: کسی سینگ والی بکری نے اگر بغیر سینگ والی بکری پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو قیامت والے دن سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2582) بعض علماء نے حشر سے مراد صرف موت لی ہے، یعنی سب کو موت آئے گی۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں حشر سے مراد کفار کا حشر ہے۔ اور درمیان میں مزید جو باتیں آئی ہیں، وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہیں۔ اور حدیث مذکور (جس میں بکری سے بدلہ لیے جانے کا ذکر ہے) بطور تمثیل ہے جس سے مقصد قیامت کے حساب وکتاب کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔ یا یہ کہ حیوانات میں سے صرف ظالم اور مظلوم کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کو بدلہ دلا دیا جائے گا، پھر دونوں معدوم کر دیے جائیں گے۔ (فتح القدیر وغیرہ) اس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

4 آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والے چونکہ اپنے کانوں سے حق بات سنتے نہیں اور اپنی زبانوں سے حق بات بولتے نہیں، اس لیے وہ ایسے ہی ہیں جیسے گونگے اور بہرے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کفر وضلالت کی تاریکیوں میں بھی

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿40﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو ○

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿41﴾ ع 4/11/10

بلکہ خاص اُسی کو پکارو گے، پھر جس کے لیے تم پکارو گے اگر وہ چاہے تو اُس کو بھی ہٹا دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اُن سب کو بھول بھال جاؤ ○[1]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿42﴾

اور بلاشبہ ہم نے اور اُمتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے گزر چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے، سو ہم نے اُن کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ عاجزی سے گڑگڑائیں ○

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾

سو جب اُن کو ہماری سزا پہنچی تھی تو اُنھوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی؟ لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کے خیال میں آراستہ کر دیا ○[2]

گھرے ہوئے ہیں، اس لیے انھیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس سے ان کی اصلاح ہو سکے، پس ان کے حواس گویا مسلوب ہو گئے جن سے کسی حال میں وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، پھر فرمایا: تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لگا دے لیکن اس کا یہ فیصلہ یوں ہی الل ٹپ نہیں ہو جاتا بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، گمراہ اسی کو کرتا ہے جو خود گمراہی میں پھنسا ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کی وہ سعی کرتا ہے نہ نکلنے کو وہ پسند ہی کرتا ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت:26 کا حاشیہ)

1 ﴿اَرَءَيْتَكُمْ﴾ کے معنی اَخْبِرُوْنِي (مجھے بتلاؤ یا خبر دو) کے ہیں جبکہ کُمْ حرف خطاب ہے۔ اس مضمون کو بھی قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے (دیکھیے سورۂ بقرہ آیت: 165 کا حاشیہ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید انسانی فطرت کی آواز ہے۔ انسان ماحول یا آباء واجداد کی تقلید ناسدید میں مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا رہتا ہے اور غیر اللہ کو اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتا رہتا ہے، نذر و نیاز بھی انھی کے نام کی نکالتا ہے لیکن جب کسی ابتلا سے دوچار ہوتا ہے تو پھر یہ سب بھول جاتا ہے اور فطرت ان سب پر غالب آ جاتی ہے اور بے اختیار انسان پھر اسی ذات کو پکارتا ہے جس کو پکارنا چاہیے۔ کاش! لوگ اسی فطرت پر قائم رہیں کہ نجات اخروی تو مکمل طور پر اسی صدائے فطرت، یعنی توحید کے اختیار کرنے میں ہی ہے۔

2 قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو زنگ آلود کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کے عذاب بھی

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾

پھر جب وہ لوگ اُن چیزوں کو بھولے رہے جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں پر جو کہ اُن کو ملی تھیں وہ خوب اِترا گئے ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے ○

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿45﴾

پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے ○ [1]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

آپ کہہ دیجیے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تمھاری سماعت اور بصارت بالکل لے لے اور تمھارے دلوں پر مُہر کر دے تو اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دے دے۔

انھیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں، پھر ان کے ہاتھ طلب مغفرت کے لیے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے، ان کے دل اس کی بارگاہ میں نہیں جھکتے اور ان کے رخ اصلاح کی طرف نہیں مڑتے۔ بلکہ اپنی بداعمالیوں پر تاویلات وتوجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتی ہیں۔ اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لیے خوبصورت بنا دیا ہوتا ہے۔

1 اس میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم بعض دفعہ وقتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس میں خوب مگن ہو جاتی ہیں اور اپنی مادی خوش حالی وترقی پر اترانے لگ جاتی ہیں تو پھر ہم اچانک انھیں اپنے مؤاخذے کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ اِسْتِدْرَاج (ڈھیل دینا) ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند أحمد: 145/4) قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ دنیوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس فرد یا قوم کو یہ حاصل ہو تو وہ اللہ کی چہیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے، جیسا کہ بعض لوگ ایسا سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو انھیں ﴿اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○﴾ (الأنبيآء 21: 105) ”کہ یہ زمین، اس کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔“ کا مصداق قرار دے کر انھیں ”اللہ کے نیک بندے“ تک قرار دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا غلط ہے، گمراہ قوموں یا افراد کی دنیوی خوش حالی، ابتلا اور مہلت کے طور پر ہے نہ کہ یہ ان کے کفر ومعاصی کا انعام اور صلہ ہے۔

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿46﴾

آپ دیکھیے تو ہم کس طرح دلائل کومختلف انداز سے پیش کررہے ہیں، پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں ○ [1]

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿47﴾

آپ کہہ دیجیے کہ یہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے، خواہ اچانک یا اعلانیہ تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائے گا○ [2]

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿48﴾

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں [3]، پھر جو ایمان لے آئے اور اصلاح کر لے تو اُن لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے ○ [4]

---

1 آنکھیں، کان اور دل، یہ انسان کے نہایت اہم اعضاء و جوارح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کی وہ خصوصیات سلب کرلے جو اللہ نے ان کے اندر رکھی ہیں، یعنی سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی خصوصیات، جس طرح کافروں کے یہ اعضاء ان خصوصیات سے محروم ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ چاہے تو اعضاء کو ویسے ہی ختم کردے، وہ دونوں ہی باتوں پر قادر ہے، اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا مگر یہ کہ وہ خود کسی کو بچانا چاہے۔ آیات کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرنے کا مطلب ہے کبھی اِنْذَار و تَبْشِیر اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے اور کبھی کسی اور ذریعے سے۔

2 ﴿ بَغْتَةً ﴾ (اچانک) سے مراد رات اور ﴿ جَهْرَةً ﴾ (کھلم کھلا) سے دن مراد ہے جسے سورۂ یونس میں ﴿ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا ﴾ (یونس 11: 50) سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی دن کو عذاب آجائے یا رات کو۔ یا پھر ﴿ بَغْتَةً ﴾ وہ عذاب ہے جو اچانک بغیر تمہید اور مقدمات کے آجائے اور ﴿ جَهْرَةً ﴾ وہ عذاب جو تمہید اور مقدمات کے بعد آئے۔ یہ عذاب جو قوموں کی ہلاکت کے لیے آتا ہے۔ ان ہی پر آتا ہے جو ظالم ہوتی ہیں، یعنی کفر و طغیان اور معصیت الٰہی میں حد سے تجاوز کرجاتی ہیں۔

3 وہ اطاعت گزاروں کو ان نعمتوں اور اجر جزیل کی خوش خبری دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جنت کی صورت میں ان کے لیے تیار کررکھی ہے اور نافرمانوں کو ان عذابوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے جہنم کی صورت میں تیار کیے ہوئے ہیں۔

4 مستقبل (آخرت) میں پیش آنے والے حالات کا انھیں اندیشہ نہیں اور اپنے پیچھے دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے یا دنیا کی جو آسودگیاں وہ حاصل نہ کرسکے، اس پر وہ مغموم نہیں ہوں گے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا ولی اور کارساز وہ رب ہے جو دونوں ہی جہانوں کا رب ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿49﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اُن کو اس وجہ سے عذاب پہنچے گا کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں ○ [1]

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿50﴾ ع 5/9/11

آپ کہہ دیجیے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے۔ اُس کا اتباع کرتا ہوں [2]، آپ کہہ دیجیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہوسکتا ہے [3]۔ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟ ○

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿51﴾

اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی اُن کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا، اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں ○ [4]

---

1 یعنی ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ انھوں نے تکفیر وتکذیب کا راستہ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی پروا نہیں کی اور اس کے محارم ومناہی کا ارتکاب بلکہ اس کی حرمتوں کو پامال کیا۔

2 میرے پاس اللہ کے خزانے بھی نہیں (جس سے مراد ہر طرح کی قدرت وطاقت ہے) کہ میں تمھیں اللہ کے اذن ومشیت کے بغیر کوئی ایسا بڑا معجزہ صادر کر کے دکھا سکوں جیسا کہ تم چاہتے ہو جسے دیکھ کر تمھیں میری صداقت کا یقین ہو جائے۔ میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے میں تمھیں مطلع کر دوں، مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے ایسے خرق عادات امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے بالا ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اس میں حدیث بھی شامل ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا: «أَلَا! إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ» (مسند أحمد: 131/4، وسنن أبي داود، حديث: 4604، وصحيح الجامع الصغير، حديث: 2643) ''خبردار مجھے کتاب کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا۔'' یہ مثل حدیث رسول ﷺ ہی ہے۔

3 یہ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی اندھا اور بینا، گمراہ اور ہدایت یافتہ اور مومن وکافر برابر نہیں ہوسکتے۔

4 یعنی انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہوسکتا ہے، ورنہ جو بعث بعد الموت اور حشر ونشر پر یقین ہی نہیں رکھتے، وہ اپنے کفر وجحود پر ہی قائم رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں ان اہل کتاب کا اور کافروں کا اور مشرکوں کا رد بھی ہے جو اپنے آباء اور اپنے بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ نیز کارساز اور سفارشی نہیں ہوگا کا مطلب، یعنی ان کے لیے جو عذاب جہنم کے مستحق قرار پا چکے ہوں گے۔ ورنہ مومنوں کے لیے تو اللہ کے نیک بندے، اللہ کے حکم سے سفارش کریں

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿52﴾

اور اُن لوگوں کو (اپنے سے) دور نہ ہٹائیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اُسی کی رضا مندی چاہتے ہیں۔ اُن کے حساب سے آپ کے ذمے کچھ نہیں، اور نہ آپ کے حساب سے کچھ ان کے ذمے ہے، سو اگر آپ اُنھیں (اپنے سے) دور ہٹائیں گے تو آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ [1]

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿53﴾

اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کو دوسروں کے ذریعے سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں، کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ نے فضل کیا ہے۔ [2] کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ شکر گزاروں کو خوب

گے، یعنی شفاعت کی نفی اہل کفر و شرک کے لیے ہے اور اس کا اثبات ان کے لیے جو گناہ گار مومن و موحد ہوں گے، اس طرح دونوں قسم کی آیات میں کوئی تعارض بھی نہیں رہتا۔

1 یعنی یہ بے سہارا اور غریب مسلمان، جو بڑے اخلاص سے رات دن اپنے رب کو پکارتے ہیں، یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکین کے اس طعن یا مطالبہ سے کہ اے محمد! تمھارے اردگرد تو غرباء وفقراء کا ہی ہجوم رہتا ہے، ذرا انھیں ہٹاؤ تو ہم بھی تمھارے ساتھ بیٹھیں۔ ان غرباء کو اپنے سے دور نہ کرنا، بالخصوص جبکہ آپ کا کوئی حساب ان کے متعلق نہیں اور ان کا آپ کے متعلق نہیں اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ ظلم ہوگا جو آپ کے شایان شان نہیں۔ اس سے مقصد امت کو بھی سمجھانا ہے کہ بے وسائل مومن موحد لوگوں کو حقیر سمجھنا یا ان کی صحبت سے گریز کرنا اور ان سے وابستگی نہ رکھنا، یہ نادانوں کا کام ہے، اہل ایمان کا نہیں۔ اہل ایمان تو اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں، چاہے وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہوں۔

2 ابتدا میں اکثر غریب، غلام قسم کے لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے، اس لیے یہی چیز رؤسائے کفار کی آزمائش کا ذریعہ بن گئی اور وہ ان غریبوں کا مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا، انھیں تعذیب و اذیت سے بھی دوچار کرتے اور کہتے کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ مقصد ان کا یہ تھا کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی اللہ کا احسان ہوتا تو یہ سب سے پہلے ہم پر ہوتا جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (الأحقاف 46:11) ''اگر یہ بہتر چیز ہوتی تو اس کے قبول کرنے میں یہ ہم سے سبقت نہ کرتے۔'' یعنی ان ضعفاء کے مقابلے میں ہم پہلے مسلمان ہوتے۔

جانتا ہے ○ [1]

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿54﴾

اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو (یوں) کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہو، [2] تمھارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمے مقرر کر لیا ہے [3] کہ جو شخص تم میں سے برا کام کر بیٹھے جہالت سے، پھر وہ اُس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑی مغفرت کرنے والا ہے، بڑی رحمت والا ہے ○ [4]

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿55﴾ ع

6 ع 5 12

اسی طرح ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے ○

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ

---

1 یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، ٹھاٹھ باٹھ اور رئیسانہ کروفر وغیرہ نہیں دیکھتا، وہ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور اعمال کو دیکھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گزار بندے اور حق شناس کون ہیں؟ پس اس نے جن کے اندر شکر گزاری کی خوبی دیکھی، انھیں ایمان کی سعادت سے سرفراز کر دیا۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے: «إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحيح مسلم، حديث: 34-(2564) وسنن ابن ماجه، حديث: 4143) ”اللہ تعالیٰ تمھاری صورتیں اور تمھارے اموال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دل اور تمھارے عمل دیکھتا ہے۔“

2 یعنی ان پر سلام کر کے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکریم اور قدر افزائی کریں۔

3 اور انھیں خوشخبری دیں کہ تفضُّل و اِحسان کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار بندوں پر اپنی رحمت کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہو گیا تو اس نے عرش پر لکھ دیا: «إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي» (صحيح البخاري، حديث: 7404، و صحيح مسلم، حديث: 14-(2751).) ”میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔“

4 اس میں بھی اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کیونکہ ان ہی کی یہ صفت ہے کہ اگر نادانی سے یا بہ تقاضائے بشریت کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ گناہ پر اصرار اور دوام اور توبہ و انابت سے اعراض نہیں کرتے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾

اُن کی عبادت کروں جن کو اللہ کے سوا تم لوگ پکارتے ہو۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تمھاری خواہشات کی پیروی نہ کروں گا کیوں کہ اِس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہِ راست پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا ○ [1]

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿57﴾

آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے [2] اور تم اُس کی تکذیب کرتے ہو، جس چیز کی تم جلد بازی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے [3] جو حق ہی بیان کرتا ہے [4] اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے ○

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿58﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلد بازی کر رہے ہو تو میرے اور تمھارے درمیان معاملے کا فیصلہ [5] ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ خوب جانتا ہے ○

---

1 یعنی اگر میں بھی تمھاری طرح اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے، تمھاری خواہشات کے مطابق غیر اللہ کی عبادت شروع کر دوں تو یقیناً میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش، سب سے بڑی گمراہی ہے لیکن بدقسمتی سے یہ گمراہی اتنی ہی عام بھی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس میں مبتلا ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

2 مراد وہ شریعت ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ پر نازل کی گئی جس میں توحید کو اولین حیثیت حاصل ہے۔

3 تمام کائنات پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے تم جو چاہتے ہو کہ جلد ہی اللہ کا عذاب تم پر آ جائے تا کہ تمھیں میری صداقت یا کذب کا پتہ چل جائے تو یہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے تو تمھاری خواہش کے مطابق جلدی عذاب بھیج کر تمھیں متنبہ یا تباہ کر دے اور چاہے تو اس وقت تک تمھیں مہلت دے جب تک اس کی حکمت اس کی مقتضی ہو۔

4 ﴿یَقُصُّ﴾ قصص سے ہے، یعنی یَقُصُّ قَصَصَ الْحَقِّ ''حق باتیں بیان کرتا یا بتلاتا ہے'' یا قَصَّ اَثَرَہ ''کسی کے پیچھے لگنا، پیروی کرنا'' سے ہے، یعنی یَتَّبِعُ الْحَقَّ فِیمَا یَحْكُمُ بِهِ ''اپنے فیصلوں میں وہ حق کی پیروی کرتا ہے، یعنی حق کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔'' (فتح القدیر)

5 یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے طلب کرنے پر فوراً عذاب بھیج دیتا یا اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں یہ چیز دے دیتا تو پھر تمھاری خواہش کے مطابق عذاب بھیج کر جلد ہی فیصلہ کر دیا جاتا لیکن یہ معاملہ چونکہ کلیتًا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے،

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝59

اور اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) اُن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں ○ [1]

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمھاری روح کو قبض کر دیتا ہے [2] اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اُس کو جانتا ہے، پھر

اس لیے مجھے اس کا اختیار بالکل نہیں ہے کہ میں عذاب فوراً نازل کر دوں یا میری درخواست پر فوراً عذاب نازل ہو جائے۔

ضروری وضاحت: حدیث میں جو آتا ہے کہ ایک موقع پر اللہ کے حکم سے پہاڑوں کا فرشتہ نبی ﷺ کے خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ساری آبادی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان کچل دوں، آپ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اللہ کی عبادت کرنے والے پیدا فرمائے گا، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 3231، و صحيح مسلم، حديث: 111-(1795)) یہ حدیث آیت زیر وضاحت کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آیت میں عذاب طلب کرنے پر عذاب دینے کا اظہار ہے جبکہ اس حدیث میں مشرکین کے طلب کیے بغیر صرف ان کی ایذا دہی کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے جس پر نبی ﷺ نے ان کی نسلوں میں سے مسلمانوں کے پیدا ہونے کی امید ظاہر فرمائی۔ اس لیے ان کے لیے عذاب پسند نہیں فرمایا۔

1 ﴿كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے غیب کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں، اس لیے کفار و مشرکین اور معاندین کو کب عذاب دیا جائے؟ اس کا علم بھی صرف اسی کو ہے اور وہی اپنی حکمت کے مطابق اس کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ مفاتح الغیب پانچ ہیں: قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا بچہ، آئندہ کل میں پیش آنے والے واقعات اور موت کہاں آئے گی۔ ان پانچوں امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:4627)

2 یہاں نیند کو وفات سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی لیے اسے وفات اصغر اور موت کو وفات اکبر کہا جاتا ہے۔ (وفات کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ آل عمران کی آیت:55 کا حاشیہ)

لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۟ع

تم کو جگا اٹھاتا ہے [1] تا کہ میعاد معین تمام کر دی جائے [2] پھر اُسی کی طرف تم کو جانا ہے، [3] پھر وہ تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ○

7 ع 5 13

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۟

اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو اُس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے ○ [4]

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ

پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے۔ [5]

---

1 یعنی دن کے وقت روح واپس لوٹا کر زندہ کر لیتا ہے۔

2 یعنی یہ سلسلہ شب و روز اور وفات اصغر سے ہمکنار ہو کر دن کو پھر اٹھ کھڑے ہونے کا معمول انسان کی وفات اکبر تک جاری رہے گا۔

3 یعنی پھر قیامت والے دن زندہ ہو کر سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

4 یعنی اپنے اس مفوضہ کام میں اور روح کی حفاظت میں بلکہ وہ فرشتہ، مرنے والا اگر نیک ہوتا ہے تو اس کی روح ﴿ عِلِّيِّيْنَ ﴾ میں اور اگر بد ہوتا ہے تو ﴿ سِجِّيْنٌ ﴾ میں بھیج دیتا ہے۔

5 آیت میں ﴿ رُدُّوْۤا ﴾ ''لوٹائے جائیں گے'' کا مرجع بعض نے فرشتوں کو قرار دیا ہے، یعنی قبض روح کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ جاتے ہیں۔ اور بعض نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو بنایا ہے، یعنی سب لوگ حشر کے بعد اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے (پیش کیے جائیں گے) اور پھر وہ سب کا فیصلہ فرمائے گا۔ آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو رسل (جمع کے صیغے کے ساتھ) بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والا فرشتہ ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ﴾ (الزمر 39:42) ''اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔'' اور اس کی نسبت ایک فرشتے (ملک الموت) کی طرف بھی کی گئی ہے۔ ﴿ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ﴾ (السجدة 32:11) ''کہہ دو تمھاری روحیں وہ فرشتۂ موت قبض کرتا ہے جو تمھارے لیے مقرر کیا گیا ہے۔'' اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے اور اسی طرح سورۂ نساء، آیت:97 اور سورۂ انعام، آیت:93 میں بھی ہے، اس لیے اللہ کی طرف اس کی نسبت اس لحاظ

الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿62﴾

خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے گا ○

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿63﴾

آپ کہہ دیجیے وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے؟ تم اُس کو پکارتے ہو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے، کہ اگر تو ہم کو اُن سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿64﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تم کو اُن سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے، تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو ○

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾

آپ کہیے اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمھارے اوپر سے بھیج دے [1] یا تمھارے پاؤں تلے سے [2] یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمھارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے۔ [3] آپ دیکھیے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف انداز سے بیان

سے ہے کہ وہی اصل آمر (حکم دینے والا) بلکہ فاعل حقیقی ہے۔ متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ملک الموت کے مددگار ہیں، وہ رگوں، شریانوں، پٹھوں سے روح نکالنے اور اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے کاٹنے کا کام کرتے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ پھر آخر میں وہ روح قبض کر کے آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے۔ (تفسير روح المعاني:256/5) حافظ ابن کثیر، امام شوکانی ﷮اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے جیسا کہ سورۂ سجدہ کی آیت سے اور مسند أحمد:287/4 میں حضرت براء بن عازب ﷠ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور جہاں جمع کے صیغے میں ان کا ذکر ہے تو وہ اس کے اعوان و انصار ہیں۔ اور بعض آثار میں ملک الموت کا نام ''عزرائیل'' بتلایا گیا ہے۔ (تفسير ابن كثير) لیکن شیخ البانی ﷫ نے ان کی اسناد کو محل نظر قرار دیا ہے۔ دیکھیے تعليقات الألباني على العقيدة الطحاوية.

1 یعنی آسمان سے، جیسے بارش کی کثرت، ہوا، پتھر کے ذریعے سے عذاب، یا امراء و حکام کی طرف سے ظلم و ستم۔

2 جیسے دھنسایا جانا، طوفانی سیلاب، جس میں سب کچھ غرق ہو جائے، یا مراد ہے ماتحتوں، غلاموں اور نوکروں چاکروں کی طرف سے عذاب کہ وہ بددیانت اور خائن ہو جائیں۔

3 ﴿يَلْبِسَكُمْ﴾ أَيْ يَخْلِطَ أَمْرَكُمْ تمھارے معاملے کو خلط ملط یا مشتبہ کر دے جس کی وجہ سے تم گروہوں اور

کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جائیں ○

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿66﴾

اور آپ کی قوم[1] نے اس (قرآن) کو جھٹلایا، حالانکہ وہ (سراسر) حق ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا ہوں ○[2]

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿67﴾

ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا ○

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿68﴾

اور جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہوں تو اُن لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں ○[3]

جماعتوں میں بٹ جاؤ۔ ﴿وَيُذِيْقَ﴾ أَيْ يَقْتُلَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَتُذِيقَ كُلُّ طَائِفَةٍ الْأُخْرٰى أَلَمَ الْحَرْبِ ''تمھارا ایک، دوسرے کو قتل کرے۔ اس طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کو لڑائی کا مزہ چکھائے۔'' (أيسر التفاسير)
حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں: ① میری امت غرق کے ذریعے سے ہلاک نہ کی جائے ② قحط عام کے ذریعے سے اس کی تباہی نہ ہو ③ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں قبول فرمالیں۔ اور تیسری دعا سے مجھے روک دیا۔ (صحيح مسلم، حديث:20-(2890)) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ امت محمدیہ میں اِختلاف واِنشقاق واقع ہوگا اور اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی اور قرآن وحدیث سے اعراض ہوگا جس کے نتیجے میں عذاب کی اس صورت سے امت محمدیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ گویا اس کا تعلق اس سنت اللہ سے ہے جو قوموں کے اخلاق وکردار کے بارے میں ہمیشہ رہی ہے۔ جس میں تبدیلی ممکن نہیں ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○﴾ (فاطر35:43).

1 ﴿بِهٖ﴾ کا مرجع قرآن ہے یا عذاب۔ (فتح القدير)

2 یعنی مجھے اس امر کا مکلف نہیں کیا گیا ہے کہ میں تمھیں ہدایت کے راستے پر لگا کر ہی چھوڑوں۔ بلکہ میرا کام صرف دعوت وتبلیغ ہے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الكهف18:29) ''پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔''

3 آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿69﴾

اور جولوگ پرہیز گار ہیں اُن پر اُن (ظالموں) کے حساب میں کسی چیز کی ذمے داری نہیں [1] لیکن اُن کے ذمے نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی تقویٰ اختیار کریں ○ [2]

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے اُنھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور آپ اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح) نہ پھنس جائے [3] کہ کوئی غیر اللہ اُس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اُس سے نہ

جسے قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء، آیت نمبر: 140 میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو یا عملاً ان کا استخفاف کیا جا رہا ہو یا اہل بدعت و اہل زیغ اپنی تاویلات رکیکہ اور توجیہات سخیفہ کے ذریعے سے آیات الٰہی کو توڑ مروڑ رہے ہوں۔ ایسی مجالس میں غلط باتوں پر تنقید کرنے اور کلمۂ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے، بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔

1 ﴿مِنْ حِسَابِهِمْ﴾ کا تعلق آیات الٰہی کا استہزا کرنے والوں سے ہے، یعنی جو لوگ ایسی مجالس سے اجتناب کریں گے تو اِسْتِهْزَاء بآياتِ الله کا جو گناہ، استہزا کرنے والوں کو ملے گا، وہ اس گناہ سے محفوظ رہیں گے۔

2 یعنی اجتناب و علیحدگی کے باوجود وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کرتے رہیں، شاید وہ بھی اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں۔

3 ﴿تُبْسَلَ﴾ أَيْ لِئَلَّا تُبْسَلَ. بَسَل کے اصل معنی تو منع کے ہیں، اسی سے ہے شُجَاعٌ بَاسِلٌ۔ لیکن یہاں اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں: ① تُسْلَمَ ''سونپ دیے جائیں'' ② تُفْضَحَ ''رسوا کر دیا جائے'' ③ تُؤَاخَذَ ''مؤاخذہ کیا جائے'' ④ تُجَازٰی ''بدلہ دیا جائے'' امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سب کے معنی قریب قریب ایک ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انھیں اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو، جو اس نے کمایا، اس کے بدلے ہلاکت کے سپرد کر دیا جائے۔ یا رسوائی اس کا مقدر بن جائے یا وہ مؤاخذہ اور مجازات کی گرفت میں آ جائے۔ ان تمام مفاہیم کو فاضل مترجم نے ''پھنس نہ جائے'' سے تعبیر کیا ہے۔

8 10 14 يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾ ع

لیا جائے۔[1] یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے، اُن کے لیے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لیے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اُن کے کفر کے سبب ○

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ط قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾

آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے، اور کیا ہم الٹے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو اللہ نے ہدایت کر دی ہے، جیسے کوئی شخص ہو کہ اُس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو، اُس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اُس کو ٹھیک راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ۔[2] آپ کہہ دیجیے کہ یقینی بات ہے کہ راہِ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے،[3] اور ہم کو

1 دنیا میں انسان عام طور پر کسی دوست کی مدد یا کسی کی سفارش سے یا مالی معاوضہ دے کر چھوٹ جاتا ہے لیکن آخرت میں یہ تینوں ذریعے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ ہوگا جو انھیں اللہ کی گرفت سے بچا لے، نہ کوئی سفارشی ہوگا جو انھیں عذابِ الٰہی سے نجات دلا دے اور نہ کسی کے پاس معاوضہ دینے کے لیے کچھ ہوگا اگر بالفرض ہو بھی تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ دے کر چھوٹ جائے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔

2 یہ ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ان ساتھیوں سے بچھڑ جائے جو سیدھے راستے پر جا رہے ہوں۔ اور بچھڑ جانے والا جنگلوں میں حیران و پریشان بھٹکتا پھر رہا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔ یا جنات کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستے کی طرف مراجعت اس کے لیے ممکن نہ رہی ہو۔

3 مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک اختیار کر کے جو گمراہ ہو گیا ہے، وہ بھٹکے ہوئے راہی کی طرح ہدایت کی طرف نہیں آ سکتا۔ ہاں، البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقدر کر دی ہے تو یقیناً اللہ کی توفیق سے وہ راہ یاب ہو جائے گا۔ کیونکہ ہدایت پر چلا دینا اسی کا کام ہے، جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: ﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○﴾ (النحل 37:16) ''اگر تو ان کی ہدایت کی خواہش رکھتا ہے (تو کیا؟) بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دے، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔'' لیکن یہ ہدایت اور گمراہی اسی اصول کے تحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنایا ہوا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یوں ہی

یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگارِ عالم کے پورے فرماں بردار ہو جائیں ○

وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿72﴾

اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اُس سے ڈرو [1] اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ○

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿73﴾

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بافائدہ پیدا کیا [2] اور جس وقت [3] اللہ اتنا کہہ دے گا تو ہوجا، بس وہ ہو پڑے گا۔ اُس کی بات سچی ہے اور ساری حکومت خاص اُسی کی ہوگی جب کہ صُور میں پھونک ماری جائے گی، [4] وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں

جسے چاہے گمراہ اور جسے چاہے راہ یاب کر دے جیسا کہ اس کی وضاحت متعدد جگہ کی جا چکی ہے۔

1 ﴿ وَ اَنْ اَقِيْمُوا ﴾ کا عطف ﴿ لِنُسْلِمَ ﴾ پر ہے، یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں اور اس سے ڈریں۔ تسلیم وانقیادِ الٰہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقامت صلاۃ کا دیا گیا ہے جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقویٰ اور خشوع کے بغیر ممکن نہیں ﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ ﴾ (البقرة 2:45) ”نماز یقیناً بھاری ہے، مگر خشوع وخضوع کرنے والوں کے لیے نہیں۔“

2 حق کے ساتھ یا بافائدہ پیدا کیا، یعنی ان کو عبث اور بے فائدہ (کھیل کود کے طور پر) پیدا نہیں کیا بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اس اللہ کو یاد رکھا اور اس کا شکر ادا کیا جائے جس نے یہ سب کچھ بنایا۔

3 ﴿ يَوْمَ ﴾ فعل محذوف وَاذْكُرْ یا وَاتَّقُوا کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈرو! کہ اس کے لفظ کُن (ہو جا) سے وہ جو چاہے گا، ہو جائے گا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حساب کتاب کے کٹھن مراحل بھی بڑی سرعت کے ساتھ طے ہو جائیں گے لیکن کن کے لیے؟ ایمان داروں کے لیے۔ دوسروں کو تو یہ دن ہزار سال یا پچاس ہزار سال کی طرح بھاری لگے گا۔

4 ﴿ الصُّوْرِ ﴾ سے مراد وہ نرسنگا یا بگل ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ”اسرافیل اسے منہ میں لیے اور اپنی پیشانی جھکائے، حکم الٰہی کے منتظر کھڑے ہیں کہ جب انھیں کہا جائے تو اس میں پھونک دیں۔“ (ابن کثیر) ابوداود اور ترمذی میں ہے: «اَلصُّورُ قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيهِ» (سنن أبي داود، حديث:4742، و جامع الترمذي، حديث:3244) ”صور ایک قرن (نرسنگا) ہے جس میں پھونکا جائے گا۔“ بعض علماء کے نزدیک تین نفخے ہوں گے، نفخة الصعق جس سے تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، نفخة الفنا جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے، نفخة الانشاء

کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ○

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿74﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر [1] سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں ○

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿75﴾

اور ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں [2] ○

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿76﴾

پھر جب رات کی تاریکی اُن پر چھا گئی تو اُنھوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا [3] ○

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿77﴾

پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرے رب نے ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل

جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء آخری دو نفخوں کے ہی قائل ہیں۔

1 مؤرخین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے دو نام ذکر کرتے ہیں، آزر اور تارخ۔ ممکن ہے دوسرا نام لقب ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آزر آپ کے چچا کا نام تھا لیکن یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ قرآن نے آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے طور پر ذکر کیا ہے، لہٰذا یہی صحیح ہے۔

2 ﴿مَلَكُوْتَ﴾ مبالغے کا صیغہ ہے، جیسے رَغْبَةٌ سے رَغَبُوت اور رَهْبَةٌ سے رَهَبُوت اس سے مراد مخلوقات ہے جیسا کہ ترجمہ میں یہی مفہوم اختیار کیا گیا ہے۔ یا ربوبیت و الوہیت ہے، یعنی ہم نے اس کو یہ دکھلائی اور اس کی معرفت کی توفیق دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرش سے لے کر اسفل ارض تک کا ہم نے ابراہیم کو مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ (فتح القدیر)

3 یعنی غروب ہونے والے معبودوں کو پسند نہیں کرتا، اس لیے کہ غروب، تغیر حال پر دلالت کرتا ہے جو حادث ہونے کی دلیل ہے اور جو حادث ہو معبود نہیں ہو سکتا۔

ہو جاؤں گا ○

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿78﴾

پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا[1] کہ یہ میرا رب ہے، یہ تو سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں تمھارے شرک سے بیزار ہوں ○[2]

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿79﴾

میں اپنا رخ اُس کی طرف کرتا ہوں[3] جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

---

1 ﴿الشَّمْسَ﴾ (سورج) عربی میں مؤنث ہے لیکن اسم اشارہ مذکر ہے۔ مراد الطالع ہے، یعنی یہ طلوع ہونے والا سورج میرا رب ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ جس طرح کہ سورج پرستوں کو مغالطہ لگا اور وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اجرام سماویہ میں سورج سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن ہے اور انسانی زندگی کے بقا و وجود کے لیے اس کی اہمیت و افادیت محتاج وضاحت نہیں۔ اسی لیے مظاہر پرستوں میں سورج کی پرستش عام رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت لطیف پیرائے میں چاند سورج کے پجاریوں پر ان کے معبودوں کی بے حیثیتی کو واضح فرمایا۔

2 یعنی ان تمام چیزوں سے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو، میں بیزار ہوں، اس لیے کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کبھی طلوع ہوتے، کبھی غروب ہوتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہیں اور ان کا خالق کوئی اور ہے جس کے حکم کے یہ تابع ہیں۔ جب یہ خود مخلوق اور کسی کے تابع ہیں تو کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟
مشہور ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نمرود نے اپنے ایک خواب اور تعبیر بتانے والوں کی تعبیر کی وجہ سے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انھی ایام میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے انھیں ایک غار میں رکھا گیا تاکہ نمرود اور اس کے کارندوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ وہیں غار میں جب کچھ شعور آیا اور چاند سورج دیکھے تو یہ تأثرات ظاہر فرمائے لیکن یہ غار والی بات مستند نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم سے گفتگو اور مکالمے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں کی ہیں، اسی لیے آخر میں قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے بیزار ہوں۔ اور مقصد اس مکالمے سے معبودان باطل کی اصل حقیقت کی وضاحت تھی۔

3 رخ یا چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ چہرے سے ہی انسان کی اصل شناخت ہوتی ہے، مراد اس سے شخص ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبادت اور توحید سے مقصود، اللہ عز وجل ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿80﴾

اور اُن سے اُن کی قوم جھگڑا کرنے لگی،[1] آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ اُس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے اور میں اُن چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے، میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے ○

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿81﴾ وقف لازم

اور میں اُن چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے، حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے[2] اگر تم خبر رکھتے ہو ○

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ ع 9 12 15

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، اُنھی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں ○[3]

---

1 جب قوم نے توحید کا یہ وعظ سنا جس میں ان کے خود ساختہ معبودوں کی تردید بھی تھی تو انھوں نے بھی اپنے دلائل دینے شروع کیے جس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے بھی اپنے شرک کے لیے کچھ نہ کچھ دلائل تراش رکھے تھے۔ جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔ جتنے بھی مشرکانہ عقائد رکھنے والے گروہ ہیں، سب نے اپنے اپنے عوام کو مطمئن کرنے اور رکھنے کے لیے ایسے ''سہارے'' تلاش کر رکھے ہیں جن کو وہ ''دلائل'' سمجھتے ہیں یا جن سے کم از کم دام تزویر میں پھنسے ہوئے عوام کو جال میں پھنسائے رکھا جا سکتا ہے۔

2 یعنی مومن اور مشرک میں سے؟ مومن کے پاس تو توحید کے بھرپور دلائل ہیں، جبکہ مشرک کے پاس اللہ کی اتاری ہوئی دلیل کوئی نہیں، صرف اوہام باطلہ ہیں یا دور از کار تاویلات، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امن اور نجات کا مستحق کون ہوگا؟

3 آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے ظلم کا عام مطلب (کوتاہی، غلطی، گناہ، زیادتی وغیرہ) سمجھا جس سے وہ پریشان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں دی تھی، [1] ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، بڑا علم والا ہے ○

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ

اور ہم نے اُن کو اسحاق دیا اور یعقوب۔ [2] ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور اُن کی اولاد میں سے [3] داود کو اور سلیمان کو اور ایوب

کی خدمت میں آ کر کہنے لگے: أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ''ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ جس طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا تھا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾ (لقمٰن 31:13) ''یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4629) ظلم کا مطلب ہے، کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ پر رکھنا۔ اس اعتبار سے شرک یقیناً بڑا ظلم ہے۔

1 یعنی توحید الٰہی پر ایسی حجت اور دلیل، جس کا کوئی جواب ابراہیم کی قوم سے نہ بن پڑا۔ اور وہ بعض کے نزدیک یہ قول تھا: ﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور کہا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ ﴾.

2 یعنی بڑھاپے میں جبکہ وہ اولاد سے ناامید ہو گئے تھے جیسا کہ سورۂ ہود، آیت: 73,72 میں ہے، پھر بیٹے کے ساتھ ایسے پوتے کی بھی بشارت دی جو یعقوب ہوگا، جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ اس کے بعد ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا، اس لیے کہ یہ عقب (پیچھے) سے مشتق ہے۔

3 ﴿ذُرِّيَّتِهٖ﴾ میں ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ وہی اقرب ہیں، یعنی حضرت نوح کی اولاد میں سے داود اور سلیمان علیہما السلام کو۔ اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، اس لیے کہ ساری گفتگو انھی کے ضمن میں ہو رہی ہے لیکن اس صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ پھر ''لوط'' کا ذکر اس فہرست میں نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ذریت ابراہیم میں سے نہیں ہیں۔ وہ ان کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے، یعنی ابراہیم کے بھتیجے ہیں اور ابراہیم، لوط کے باپ نہیں، چچا ہیں۔ لیکن بطور تَغلِیب انھیں بھی ذریت ابراہیم میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال قرآن مجید میں ہے۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب کے آباء میں شمار کیا گیا ہے جبکہ وہ ان کے چچا تھے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 133)

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿84﴾

کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں ○

وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَاِلۡيَاسَ‌ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَۙ﴿85﴾

اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ [1] کو اور الیاس کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے ○

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَيُوۡنُسَ وَلُوۡطًا‌ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَۙ﴿86﴾

اور اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی ○

وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ‌ۚ وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴿87﴾

اور اُن کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو، [2] اور ہم نے اُن کو مقبول بنایا اور ہم نے اُن کو راہِ راست کی ہدایت کی ○

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ؕ وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴿88﴾

اللہ کی ہدایت وہ یہی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے ان کے سب اکارت ہو جاتے ○ [3]

---

1 عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر حضرت نوح یا حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں اس لیے کیا گیا ہے (حالانکہ ان کا باپ نہیں تھا) کہ بیٹی کی اولاد بھی آدمی کی ذریت ہی میں شمار ہوتی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ (اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) کو اپنا بیٹا فرمایا: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْـمُسْلِمِينَ» (صحیح البخاري، حدیث:2704.) ”میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے گا۔“ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

2 آباء سے اصول اور ذریات سے فروع مراد ہیں، یعنی ان کے اصول و فروع اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو ہم نے مقام اِجتباء اور ہدایت سے نوازا۔ اِجتِبَاء کے معنی ہیں: چن لینا اور اپنے خاص بندوں میں شمار کرنا اور ان کے ساتھ ملا لینا۔ یہ جَبَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ ”میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا۔“ سے مشتق ہے، پس اِجتِبَاء کا مطلب ہوگا، اپنے خاص بندوں میں ملا لینا۔ اِصطِفَاء، تخلیص اور اختیار بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں جس کے مفعول مُصطَفٰی (مُجتَبٰی)، مُخلَص اور مُختَار ہیں۔ (فتح القدیر)

3 اٹھارہ انبیاء کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے سارے اعمال برباد ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے مقام پر نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ
فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا
لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾

یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی، سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں [1] تو ہم نے اس کے لیے ایسے بہت سے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں ○ [2]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ
اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ
10 ع 8 16 اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿90﴾ ع

یہ ہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے، [3] آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، [4] یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے ○ [5]

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ
الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى

اور اُن لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، [6] آپ یہ کہہ دیجیے کہ وہ کتاب کس نے

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (الزمر 65:39) ”اے پیغمبر! اگر تو نے بھی شرک کیا تو تیرے سارے عمل برباد ہو جائیں گے۔“ حالانکہ پیغمبر شرک سے محفوظ ہوتے ہیں۔ مقصد امتوں کو شرک کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔

1 اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین، مشرکین اور کفار ہیں۔

2 اس سے مراد مہاجرین وانصار اور قیامت تک آنے والے ایماندار ہیں۔

3 اس سے مراد انبیاء مذکورین ہیں۔ ان کی اقتدا کا حکم مسئلہ توحید میں اور ان احکام وشرائع میں ہے جو منسوخ نہیں ہوئے۔ (فتح القدیر) کیونکہ اصول دین تمام شریعتوں میں ایک ہی رہے ہیں، گو شرائع اور مناہج میں کچھ کچھ اختلاف رہا جیسا کہ آیت: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ﴾ (الشوریٰ 13:42) سے واضح ہے۔

4 یعنی تبلیغ ودعوت کا کیونکہ مجھے اس کا وہ صلہ ہی کافی ہے جو آخرت میں عند اللہ ملے گا۔

5 جہان والے اس سے نصیحت حاصل کریں، پس یہ قرآن انھیں کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کرے گا اور ضلالت کی پگڈنڈیوں سے نکال کر ایمان کی صراط مستقیم پر گامزن کر دے گا بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے، ورنہ ع...... دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے...... والا معاملہ ہوگا۔

6 ﴿ قَدْرِ ﴾ کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور یہ کسی چیز کی اصل حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ اِرسالِ رُسُل اور اِنزالِ کُتُب کا انکار کرتے ہیں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انھیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے۔ علاوہ ازیں

لِلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝91

نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے؟ جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت ہے جس کو تم نے اُن متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے[1] جن کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے بڑے۔[2] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمایا

اسی عدم معرفت الٰہی کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کی معرفت سے بھی قاصر رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام کس طرح نازل ہو سکتا ہے؟ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ (یونس 10:2) ''کیا یہ بات لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کر کے اسے لوگوں کو ڈرانے پر مامور کر دیا ہے؟'' دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسراءیل 17:94) ''ہدایت آ جانے کے بعد لوگ اسے قبول کرنے سے اس لیے رک گئے کہ انھوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟'' اس کی کچھ تفصیل اس سے قبل آیت:8 کے حاشیے میں بھی گزر چکی ہے۔ آیت زیر وضاحت میں بھی انھوں نے اپنے اسی خیال کی بنیاد پر اس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو ان سے پوچھو! موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ (جس کو یہ بھی مانتے ہیں)

1 آیت کی مذکورہ تفسیر کے مطابق اب یہود سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اوراق میں رکھتے ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو، ظاہر کر دیتے ہو اور جن کو چاہتے ہو، چھپا لیتے ہو، جیسے رجم کا مسئلہ یا نبی ﷺ کی صفات کا مسئلہ ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یَجعلُونَہٗ اور یُبْدُونَہا صیغہ غائب کے ساتھ والی قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مکی آیت ہے۔ اس میں یہود سے خطاب کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور بعض مفسرین نے پوری آیت کو ہی یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت و رسالت کا جو انکار ہے اسے یہود کی ہٹ دھرمی، ضد اور عناد پر مبنی قول قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں۔ ایک پوری آیت کو یہود سے متعلق، دوسرے پوری آیت کو مشرکین سے متعلق اور تیسرے آیت کے ابتدائی حصے کو مشرکین سے متعلق اور ﴿ تَجْعَلُوْنَهٗ ﴾ سے یہود سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

2 یہود سے متعلق ماننے کی صورت میں اس کی تفسیر ہو گی کہ تورات کے ذریعے سے تمھیں بتائی گئیں، بصورت دیگر قرآن کے ذریعے سے۔

[1] پھر اُن کو اُن کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجیے ○

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾

اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی (بھی) حفاظت، یعنی پابندی کرتے ہیں ○

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿93﴾

اور اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اُس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے۔ اُسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں، اور اگر آپ اُس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، [2] اس سبب سے کہ

---

1 یہ ﴿مَنْ اَنْزَلَ﴾ (کس نے اتارا)، کا جواب ہے۔

2 ظَالِمٌ سے مراد ہر ظالم ہے اور اس میں کتاب الٰہی کا انکار کرنے والے اور جھوٹے مدعیان نبوت سب سے پہلے شامل ہیں۔ ﴿غَمَرٰتِ﴾ سے موت کی سختیاں مراد ہیں۔ ''فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔'' یعنی جان نکالنے کے لیے۔ ﴿اَلْیَوْمَ﴾ (آج) سے مراد قبض روح کا دن ہے اور یہی عذاب کے آغاز کا وقت بھی ہے جس کا مبدأ قبر ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔ ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے، یعنی دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے قبل، یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے، چاہے اسے کسی درندے نے کھا لیا ہو، اس کی لاش سمندر کی موجوں کی نذر ہوگئی ہو یا اسے جلا کر راکھ بنا دیا گیا یا قبر میں دفنا دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

تم اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگاتے تھے، اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے ○ [1]

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ
مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا
نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ
فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ
11 ع 4 17 عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿94﴾ ع

اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے [2] جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اُس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمھارے ہمراہ تمھارے اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمھارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمھارا آپس میں تعلق تو قطع ہو گیا اور وہ تمھارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا ○

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ

بے شک اللہ دانے کو اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے، [3] وہ جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے [4] اور وہ بے جان کو

1 اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگانے میں انزال کتب اور ارسال رسل کا انکار بھی ہے اور جھوٹا دعویٰ نبوت بھی ہے۔ اسی طرح نبوت و رسالت کا انکار و استکبار ہے۔ ان دونوں وُجوہ سے انھیں ذلت و رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔

2 ﴿فُرَادٰى﴾ فرد کی جمع ہے جس طرح سُکَارٰی، سَکْرَان کی اور کُسَالٰی، کَسْلَان کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ تم علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے میرے پاس آؤ گے۔ تمھارے ساتھ نہ مال ہو گا نہ اولاد اور نہ وہ معبود، جن کو تم نے اللہ کا شریک اور اپنا مددگار سمجھا ہوا تھا، یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی تمھیں فائدہ پہنچانے پر قادر نہ ہو گی۔ اگلے جملوں میں انھی امور کی مزید وضاحت ہے۔

3 یہاں سے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور کاریگری کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ دانے (حب) اور گٹھلی (نواۃ، جمع نوی) کو، جسے کاشت کار زمین کی تہ میں دبا دیتا ہے، پھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت اور انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔ زمین ایک ہوتی ہے، پانی بھی، جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، ایک ہی ہوتا ہے لیکن جس جس چیز کے وہ دانے یا گٹھلیاں ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کے درخت ان سے پیدا فرما دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی ہے، جو یہ کام کرتا ہو یا کر سکتا ہو؟

4 یعنی دانے اور گٹھلیوں سے درخت اگا دیتا ہے جس میں زندگی ہوتی ہے اور وہ بڑھتا، پھیلتا اور پھل یا غلہ دیتا ہے یا وہ خوشبودار، رنگ برنگ کے پھول ہوتے ہیں جن کو دیکھ یا سونگھ کر انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا یا نطفے اور انڈے سے انسان اور حیوانات پیدا کرتا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿95﴾

جاندار سے نکالنے والا ہے،[1] اللہ یہ ہے، سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو ○

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿96﴾

وہ صبح کا نکالنے والا ہے[2] اور اُس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے[3] اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔[4] یہ اُس ذات کے اندازے ہیں جو قادر ہے، بڑے علم والا ہے ○

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿97﴾

اور وہ ایسا ہے جس نے تمھارے لیے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم اُن کے ذریعے سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں راستہ معلوم کر سکو۔[5] بے شک ہم نے دلائل

---

1 یعنی حیوانات سے انڈے جو مردہ کے حکم میں ہیں۔ حَيٌّ اور مَيِّت کی تعبیر مومن اور کافر سے بھی کی گئی ہے، یعنی مومن کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کر دیتا ہے۔

2 اندھیرے اور روشنی کا خالق بھی وہی ہے۔ وہ رات کی تاریکی سے صبح روشن پیدا کرتا ہے جس سے ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔

3 یعنی رات کو تاریکیوں میں بدل دیتا ہے تا کہ لوگ روشنی کی تمام مصروفیات ترک کر کے آرام کر سکیں۔

4 یعنی دونوں کے لیے ایک حساب بھی مقدر ہے جس میں کوئی تغیر و اضطراب نہیں ہوتا بلکہ دونوں کی اپنی اپنی منزلیں ہیں، جن پر وہ گرمی اور سردی میں رواں رہتے ہیں جس کی بنیاد پر سردی میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی اور گرمی میں اس کے برعکس دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں جس کی تفصیل سورۂ یونس 5:10 ، سورۂ یٰسٓ 40:36 اور سورۂ اعراف 54:7 میں بھی بیان کی گئی ہے۔

5 ستاروں کا یہاں یہ ایک فائدہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ان کے دو مقصد اور ہیں جو سورۂ ملک، آیت:5 میں دوسرے مقام پر بیان کیے گئے ہیں۔ ایک آسمانوں کی زینت اور دوسرا مقصد شیطانوں کی مرمت۔ ﴿رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ یعنی شیطان آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں تو کل تین مقصد ہیں۔ بعض سلف کا قول ہے۔ مَنِ اعْتَقَدَ فِي هٰذِهِ النُّجُومِ غَيْرَ ثَلَاثٍ فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذَبَ عَلَى اللهِ ''ان تین باتوں کے علاوہ ان ستاروں کے بارے میں اگر کوئی شخص کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ملک میں جو علم نجوم کا چرچا ہے جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ بے بنیاد بھی ہے اور شریعت

خوب کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں ○

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿98﴾

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، پھر (ہر ایک کے لیے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سونپے جانے کی،[1] بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیے، اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ○

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا

اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا[2]، پھر ہم نے اس سے سرسبز شاخیں نکالیں[3] جن سے ہم تہ بہ تہ دانوں والے خوشے نکالتے ہیں[4] اور کھجوروں کے شگوفوں سے گچھے پیدا کرتے ہیں جو (پھل کی وجہ سے) جھکے ہوتے ہیں،[5]

کے خلاف بھی، چنانچہ ایک حدیث میں اسے جادو ہی کا ایک شعبہ (حصہ) بتلایا گیا ہے: «مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُومِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ» (حسنه الألباني في تحقيق سنن أبي داود، حديث:3905)

1 اکثر مفسرین کے نزدیک ﴿فَمُسْتَقَرٌّ﴾ سے رحم مادر اور ﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ سے صلب پدر مراد ہے۔(فتح القدیر، ابن کثیر)

2 یہاں سے اس کی ایک اور عجیب صنعت (کاریگری) کا بیان ہو رہا ہے، یعنی بارش کا پانی جس سے وہ ہر قسم کے نباتات پیدا فرماتا ہے۔

3 اس سے مراد وہ سبز شاخیں اور کونپلیں ہیں جو زمین میں دبے ہوئے دانے سے اللہ تعالیٰ زمین کے اوپر ظاہر فرماتا ہے، پھر وہ پودا یا درخت نشو ونما پاتا ہے۔

4 یعنی ان سبز شاخوں سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ جس طرح گندم اور چاول کی بالیاں ہوتی ہیں۔ مراد یہ سب غلہ جات ہیں، مثلاً: جو، جوار، باجرہ، مکئی، گندم اور چاول وغیرہ۔

5 ﴿قِنْوَانٌ﴾ قِنْوٌ کی جمع ہے، جیسے صِنْوٌ اور صِنْوَانٌ ہے، مراد خوشے ہیں۔ طَلْعٌ وہ گابھا یا گپھا ہے جو کھجور کی ابتدائی شکل ہے، یہی بڑھ کر خوشہ بنتا ہے اور پھر وہ رطب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ﴿دَانِيَةٌ﴾ سے مراد وہ خوشے ہیں جو قریب ہوں۔ اور کچھ خوشے دور بھی ہوتے ہیں جن تک ہاتھ نہیں پہنچتے۔ بطور امتنان دَانِيَة کا ذکر فرما دیا ہے، مطلب ہے: مِنْهَا دَانِيَةٌ وَّمِنْهَا بَعِيدَةٌ (کچھ خوشے قریب ہیں اور کچھ دور) مِنْهَا بَعِيدَةٌ محذوف ہے۔(فتح القدیر)

اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور انگوروں کے باغ اور زیتون [1] اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے۔ [2] ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اُس کے پکنے کو دیکھو، ان میں دلائل ہیں، [3] اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ○

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا
لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى
ع 12 6 18 عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے، حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور اُن لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلاسند تراش رکھی ہیں اور وہ پاک اور برتر ہے، اُن باتوں سے جو وہ کرتے ہیں ○

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ
وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے، حالانکہ اُس کی بیوی ہی نہیں اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا [4] اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ○

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

یہ ہے اللہ تمھارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، تو تم اُس کی عبادت کرو

---

1 ﴿جَنّٰتٍ﴾ زَیتون اور رُمّان یہ سب منصوب ہیں، جن کا عطف نبات پر ہے، یعنی فَأَخْرَجْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ...... یعنی بارش کے پانی سے ہم نے انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار پیدا کیے۔

2 یعنی بعض اوصاف میں یہ باہم ملتے جلتے ہیں اور بعض میں ملتے جلتے نہیں ہیں۔ یا ان کے پتے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ پھل نہیں ملتے، یا شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن مزے اور ذائقے میں باہم مختلف ہیں۔

3 یعنی مذکورہ تمام چیزوں میں خالق کائنات کے کمال قدرت اور اس کی حکمت و رحمت کے دلائل ہیں۔

4 یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اس لائق ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے، عبادت میں کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے لیکن لوگوں نے اس ذات واحد کو چھوڑ کر جنوں کو اس کا شریک بنا رکھا ہے، حالانکہ وہ خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ مشرکین عبادت تو بتوں کی یا قبروں میں مدفون اشخاص کی کرتے ہیں لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ انھوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جنات سے مراد شیاطین ہیں اور شیاطین کے کہنے سے ہی شرک کیا جاتا ہے، اس لیے گویا شیطان ہی کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ نساء 4:117 و سورۂ مریم 44:19 و سورۂ یٰسٓ 60:36 و سورۂ سبا 41:34)

وَّكِيْلٌ ﴿102﴾

اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے ○

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿103﴾

نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں [1] جب کہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے ○

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿104﴾

اب بلاشبہ تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے (حق کے) دلائل پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا، [2] اور میں تمھارا نگران نہیں ہوں [3] ○

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿105﴾

اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے

---

1 ﴿الْاَبْصَارُ﴾ بَصَر (نگاہ) کی جمع ہے یعنی انسان کی آنکھیں اللہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتیں۔ اور اگر اس سے مراد رؤیت بصری ہو تو اس کا تعلق دنیا سے ہوگا، یعنی دنیا کی آنکھ سے کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، تاہم یہ صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے، اس لیے معتزلہ کا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا، دنیا میں نہ آخرت میں، صحیح نہیں کیونکہ اس نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتی تھیں، جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ نے (شب معراج میں) اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے، اس نے قطعاً جھوٹ بولا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:4855) کیونکہ اس آیت کی رو سے پیغمبر سمیت کوئی بھی اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے، البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہوگا، جیسے دوسرے مقام پر قرآن نے اس کا اثبات فرمایا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○﴾ (القيامة 75: 22,21) ''کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' معلوم ہوا کہ آخرت میں اللہ کا دیدار ہوگا۔

2 ﴿بَصَآئِرُ﴾ بَصِيرَةٌ کی جمع ہے۔ جو اصل میں دل کی روشنی کا نام ہے۔ یہاں مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو قرآن نے جگہ جگہ اور بار بار بیان کیے ہیں اور جنھیں نبی ﷺ نے بھی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اپنا لے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے، نہیں اپنائے گا تو اسی کا نقصان ہے، جیسے فرمایا: ﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ (بني إسرآءيل 17: 15) اس کا مطلب بھی وہی ہے جو زیر وضاحت آیت کا ہے۔

3 بلکہ صرف مبلغ، داعی اور بشیر و نذیر ہوں۔ راہ دکھلانا میرا کام ہے، راہ پر چلا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

پڑھ لیا ہے [1] اور تا کہ ہم اس کو دانش مندوں کے لیے خوب ظاہر کر دیں ○

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿106﴾

آپ خود اُس طریق پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین سے کنارہ کیجیے ○

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿107﴾

اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے [2] اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر مختار ہیں ○ [3]

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

اور مت گالی دو اُن کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے، [4] ہم نے اِسی

---

1 یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے لگتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کہیں سے پڑھ کر اور سیکھ کر آیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ○ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا﴾ (الفرقان 25:4) ''کافروں نے کہا کہ یہ قرآن تو اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے جس پر دوسروں نے بھی اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ ایسا دعویٰ کر کے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ نیز انھوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے لکھ رکھا ہے......'' حالانکہ بات یہ نہیں ہے جس طرح یہ سمجھتے یا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ مقصد اس تفصیل سے سمجھ دار لوگوں کے لیے تبیین وتشریح ہے تا کہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔

2 اس نکتے کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ اللہ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور، اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے، تاہم اس نے اس پر انسانوں کو مجبور نہیں کیا کیونکہ جبر کی صورت میں انسان کی آزمائش نہ ہوتی، ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسے اختیارات ہیں کہ وہ چاہے تو کوئی انسان شرک کرنے پر قادر ہی نہ ہو سکے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ آیت:253 اور سورۂ انعام، آیت:35 کا حاشیہ)

3 یہ مضمون بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مقصد نبی ﷺ کی داعیانہ اور مبلغانہ حیثیت کی وضاحت ہے جو منصب رسالت کا تقاضا ہے اور آپ صرف اسی حد تک مکلّف تھے۔ اس سے زیادہ آپ کے پاس اگر اختیارات ہوتے تو آپ اپنے محسن چچا ابو طالب کو ضرور مسلمان کر لیتے جن کے قبول اسلام کی آپ شدید خواہش رکھتے تھے۔

4 یہ سد ذریعہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ اگر ایک مباح کام، اس سے بھی زیادہ بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہاں اس

مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿108﴾

طرح ہر طریقہ والوں کے لیے اُن کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے، پھر اپنے رب ہی کے پاس اُن کو جانا ہے سو وہ اُن کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے ○

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿109﴾

اور اُن لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ [1] اگر اُن کے پاس کوئی نشانی آ جائے [2] تو وہ ضرور ہی اُس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں سب اللہ کے قبضے میں ہیں [3] اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آ جائیں گی یہ لوگ تب بھی ایمان نہ لائیں گے ○

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿110﴾ ع 13/10/19

اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے [4] اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے ○

مباح کام کا ترک راجح بلکہ ضروری ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ''تم کسی کے ماں باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لیے گالی کا سبب بن جاؤ گے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 146-(90)) امام شوکانی لکھتے ہیں: یہ آیت سد ذرائع کے لیے اصل اصیل ہے۔ (فتح القدیر)

1 ﴿ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ «أَيْ حَلَفُوا أَيْمَانًا مُّؤَكَّدَةً» بڑی مؤکد قسمیں کھائیں۔

2 یعنی کوئی بڑا معجزہ جو ان کی خواہش کے مطابق ہو، جیسے عصائے موسیٰ، احیائے موتی اور ناقۂ ثمود وغیرہ۔

3 یعنی جس بڑی نشانی کا مطالبہ تم کر رہے ہو، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کا ظہور تمام تر اللہ کے اختیار اور اس کی مشیت پر ہے، وہ چاہے تو ان کے مطالبے پر نشانی نازل فرما دے، نہ چاہے تو کسی پیغمبر کے اندر اس کی طاقت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بعض مرسل روایات میں ہے کہ کفار مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ صفا پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے جس پر جبریل نے آ کر کہا کہ اگر اس کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے تو پھر انھیں ہلاک کر دیا جائے گا، لہٰذا آپ اگر چاہیں تو ان کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ ان میں سے توبہ کرنے والا توبہ کرے، نبیٔ اکرم ﷺ نے اسے پسند فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

4 اس کا مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تو اس کا وبال ان پر اس طرح پڑا کہ آئندہ بھی ان کے ایمان لانے کا امکان ختم ہو گیا۔ دلوں اور نگاہوں کے پھیر دینے کا یہی مطلب ہے۔ (ابن کثیر)

الجزء الثامن (8)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿111﴾

اور اگر ہم اُن کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے [1] اور اُن سے مُردے باتیں کرنے لگتے [2] اور ہم تمام چیزوں کو اُن کے روبرو لا کر جمع کر دیتے [3] تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے۔ ہاں، اگر اللہ چاہے (تو اور بات ہے) لیکن اُن میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں ○ [4]

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، [5] جو دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے

---

1 جیسا کہ وہ بار بار اس کا مطالبہ ہمارے پیغمبر سے کرتے ہیں۔

2 اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کر دیتے۔

3 دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نشانیاں وہ طلب کرتے ہیں، وہ سب ان کے روبرو پیش کر دیتے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز جمع ہو کر گروہ در گروہ یہ گواہی دے کہ پیغمبروں کا سلسلہ برحق ہے تو ان تمام نشانیوں اور مطالبوں کے پورا کر دینے کے باوجود یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے۔ اسی مفہوم کی یہ آیت بھی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○﴾ (یونس 10:96,97)

”جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔“

4 اور یہ جہالت کی باتیں ہی ان کے اور حق قبول کرنے کے درمیان حائل ہیں اگر جہالت کا پردہ اٹھ جائے تو شاید حق ان کی سمجھ میں آ جائے اور پھر اللہ کی مشیت سے حق کو اپنا بھی لیں۔

5 یہ وہی بات ہے جو مختلف انداز میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے، ان کی تکذیب کی گئی، انھیں ایذائیں دی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے صبر اور حوصلے سے کام لیا، آپ بھی ان دشمنانِ حق کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے پیروکار جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اور یہ وہ ہیں جو دونوں گروہوں میں سے سرکش، باغی اور متکبر قسم کے ہیں۔

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾

رہتے تھے[1] اور اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے[2] سو اُن لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اُس کو آپ رہنے دیجیے ○

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿113﴾

اور تاکہ اُس کی طرف اُن لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اُس کو پسند کر لیں اور تاکہ اُن اُمور کے مرتکب ہو جائیں جن کے وہ مرتکب ہو رہے ہیں ○[3]

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿114﴾

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں، حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اُس نے ایک کتابِ کامل تمھارے پاس بھیج دی ہے، اُس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کیے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اِس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں ○[4]

---

1 وحی، خفیہ بات کو کہتے ہیں، یعنی انسانوں اور جنوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو چالبازیاں اور حیلے سکھاتے ہیں تاکہ لوگوں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر سکیں۔ یہ بات عام مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ شیطانی کاموں میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں جس کی وجہ سے برائی بہت جلدی فروغ پا جاتی ہے۔

2 یعنی اللہ تعالیٰ تو ان شیطانی ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے پر قادر ہے لیکن وہ بالجبر ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا اس کے نظام اور اصول کے خلاف ہے جو اس نے اپنی مشیت کے تحت اختیار کیا ہے جس کی حکمتیں وہ بہتر جانتا ہے۔

3 یعنی شیطانی وساوس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی اسے پسند کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس حساب سے لوگوں کے اندر عقیدۂ آخرت کے بارے میں ضعف پیدا ہو رہا ہے، اسی حساب سے لوگ شیطانی جال میں پھنس رہے ہیں۔

4 آپ کو خطاب کر کے دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًاؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿115﴾

آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، [1] اُس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں [2] اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ○ [3]

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿116﴾

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ اُن کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں ○ [4]

---

1 اخبار و واقعات کے لحاظ سے سچا ہے اور احکام و مسائل کے اعتبار سے عادل ہے، یعنی اس کا ہر امر اور نہی عدل و انصاف پر مبنی ہے کیونکہ اس نے انھی باتوں کا حکم دیا ہے جن میں انسانوں کا فائدہ ہے اور انھی چیزوں سے روکا ہے جن میں نقصان اور فساد ہے۔ گو انسان اپنی نادانی یا اغوائے شیطانی کی وجہ سے اس حقیقت کو نہ سمجھ سکیں۔

2 یعنی کوئی ایسا نہیں جو رب کے کسی حکم میں تبدیلی کر دے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں۔

3 یعنی بندوں کے اقوال سننے والا اور ان کی ایک ایک حرکت و ادا کو جاننے والا ہے اور وہ اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔

4 قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا بھی واقعے کے طور پر ہر دور میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○﴾ (یوسف 103:12) ”آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ حق و صداقت کے راستے پر چلنے والے لوگ ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں جس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حق و باطل کا معیار، دلائل و براہین ہیں، لوگوں کی اکثریت و اقلیت نہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو اکثریت نے اختیار کیا ہوا ہو، وہ حق ہو اور اقلیت میں رہنے والے باطل پر ہوں بلکہ مذکورہ حقیقت قرآنی کی رو سے یہ زیادہ ممکن ہے کہ اہل حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں اور اہل باطل اکثریت میں جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی۔ اور اس جنتی فرقے کی نشانی آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ جو «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» ”میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا۔“ (سنن أبي داود، حديث: 4596، وجامع الترمذي، حديث: 2641 وقد حسنه الترمذي في بعض النسخ وأقره الألباني في شرح الطحاوية، حديث: 263) اسی طرح آج کل مغربی جمہوریت کا بڑا چرچا ہے، قرآن کے بیان کردہ اس اصول سے ”جمہوریت“ کی بھی نفی ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جمہوریت اکثریت کی رائے اور ان کی خواہشات کا نام ہے اور اکثریت گمراہوں کی ہے، اس لیے ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہی ہو سکتے ہیں، ہدایت یافتہ نہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾

یقیناً آپ کا رب اُن کو خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں ○

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾

سو (ذبح کرتے ہوئے) جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اُس میں سے کھاؤ! اگر تم اُس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو ○ [1]

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿119﴾

اور تمھارے لیے کیا وجہ ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حالانکہ اللہ نے اُن سب جانوروں کی تفصیل بتا دی ہے جن کو اس نے تم پر حرام کیا ہے، [2] مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے لوگ بغیر علم کے محض اپنی خواہشات کی بنا پر (دوسروں کو) گمراہ کرتے ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ حد سے نکل

---

1 یعنی جس جانور پر شکار کرتے وقت یا ذبح یا نحر کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھالو بشرطیکہ وہ ان جانوروں میں سے ہوں جن کا کھانا مباح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر عمداً ان موقعوں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیب نہیں، البتہ ایسی صورت کہ جس میں التباس (شک) ہو کہ ذبح کے وقت ذبح کرنے کے اہل شخص نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کچھ ایسے لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوا» (صحيح البخاري حديث:5507) ''تم اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔'' یعنی اس صورت میں یہ حکم ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی منڈیوں اور دکانوں سے ملنے والا گوشت حلال ہے۔ اگر کسی کو کوئی وہم اور التباس ہو تو وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔ البتہ جو مسلمان عمداً بسم اللہ نہ کہے اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

2 جس کی تفصیل اسی سورت میں آگے آرہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور سورتوں، نیز احادیث میں محرمات کی تفصیل بیان کردی گئی ہے۔ ان کے علاوہ باقی حلال ہیں اور حرام جانور عند الاضطرار سَدِّ رَمَق کی حد تک جائز ہیں۔

جانے والوں کو خوب جانتا ہے ○

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿120﴾

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور پوشیدہ گناہ کو بھی چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں اُن کو اُن کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی ○

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿121﴾ ع 14/11/1

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، بلاشبہ یہ نافرمانی ہے [1] اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کرتے رہیں۔ [2] اور اگر تم نے اُن لوگوں کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے ○

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿122﴾

ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اُس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔ [3]

1 یعنی جس جانور پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا، اس کا کھانا فسق اور ناجائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ''بھول جانے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا۔'' اور امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے تاہم امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ دونوں صورتوں میں حلال ہے چاہے وہ اللہ کا نام لے یا عمداً چھوڑ دے اور وہ ﴿ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ﴾ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

2 شیطان نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے سے یہ بات پھیلائی کہ یہ مسلمان اللہ کے ذبح کیے ہوئے جانور (مردہ) کو تو حرام اور اپنے ہاتھ سے ذبح شدہ کو حلال قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان اور اس کے دوستوں کے وسوسوں کے پیچھے مت لگو، جو جانور مردہ ہے، یعنی بغیر ذبح کیے مر گیا (سوائے سمندری میتہ کے کہ وہ حلال ہے) اس پر چونکہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

3 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو ﴿ مَيْتًا ﴾ (مردہ) اور مومن کو حَيٌّ (زندہ) قرار دیا ہے، اس لیے کہ کافر کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے اور مومن کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے سے زندہ فرما دیتا ہے جس سے زندگی کی راہیں اس کے لیے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ

اسی طرح کافروں کو اُن کے اعمال خوش نما معلوم ہوا کرتے ہیں ○

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿123﴾

اور اِسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تا کہ وہ لوگ وہاں فریب کریں [1] اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور اُن کو ذرا خبر نہیں ○ [2]

وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ (وقف لازم)

اور جب اُن کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے، [3] اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے؟ [4]

ایمان وہدایت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ کامیابی وکامرانی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾(البقرة2:257)، ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا﴾(ھود11 :24) اور ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ○ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ○ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ○ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾(فاطر35:19-22)

1 ﴿اَكٰبِرَ﴾ اکبر کی جمع ہے، مراد کافروں اور فاسقوں کے سرغنے اور کھڑپنچ ہیں کیونکہ یہی انبیاء اور داعیان حق کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور عام لوگ تو صرف ان کے پیچھے لگنے والے ہوتے ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے مخالفت حق میں بھی ممتاز ہوتے ہیں (یہی مضمون سورۂ سبا کی آیات:31 تا 33، سورۂ زخرف کی آیت: 23 اور سورۂ نوح کی آیت:22 وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔)

2 یعنی ان کی اپنی شرارت کا وبال اور اسی طرح ان کے پیچھے لگنے والے لوگوں کا وبال، انھی پر پڑے گا (مزید دیکھیے سورۂ عنکبوت کی آیت:13 اور سورۂ نحل کی آیت:25)

3 یعنی ان کے پاس بھی فرشتے وحی لے کر آئیں اور ان کے سروں پر بھی نبوت و رسالت کا تاج رکھا جائے۔

4 یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کی حکمت و مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے؟ مکے کا کوئی چودھری اور رئیس یا مکے کا دریتیم محمد رسول اللہ ﷺ ؟

بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿124﴾

عنقریب اُن لوگوں کو جنھوں نے جرم کیا ہے اُن کی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے پاس (پہنچ کر) ذلت نصیب ہوگی اور سخت عذاب (بھی) ○

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿125﴾

سو جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اُس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے،[1] اِسی طرح اللہ ایمان نہ لانے والوں پر (مخالفت حق کی) ناپاکی مسلط کر دیتا ہے ○[2]

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾

اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے اِن آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ○

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿127﴾

اُن لوگوں کے لیے اُن کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ اُن کے اعمال کی وجہ سے اُن کا (والی اور) سرپرست ہے ○[3]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ

اور جس روز اللہ تمام مخلوق کو جمع کرے گا، (کہے گا) اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں میں سے بہت سے اپنا لیے،[4] جو انسان اُن کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے

---

1 یعنی جس طرح زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح جس شخص کے سینے کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں توحید اور ایمان کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا سینہ اس کے لیے کھول دے۔

2 یعنی جس طرح سینہ تنگ کر دیتا ہے، اسی طرح رجس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ رجس سے مراد پلیدی یا عذاب یا شیطان کا تسلط ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

3 یعنی جس طرح دنیا میں اہل ایمان کفر وضلالت کے کج راستوں سے بچ کر ایمان وہدایت کی صراط مستقیم پر گامزن رہے، اب آخرت میں بھی ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا، ان کے نیک عملوں کی وجہ سے دوست اور کارساز ہے۔

4 یعنی انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو تم نے گمراہ کر کے اپنا پیرو کار بنا لیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسٓ میں

بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿128﴾

وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! (دنیا میں) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا[1] اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آ پہنچے جو تو نے ہمارے لیے معین فرمائی،[2] اللہ فرمائے گا کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہو (تو دوسری بات ہے)۔[3] بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا، بڑا علم والا ہے ○

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿129﴾ ع 15/8/2

اور اسی طرح ہم ظالموں کو ان کے اعمال کے سبب ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیں گے ○[4]

فرمایا: ''اے بنی آدم کیا میں نے تمھیں خبردار نہیں کر دیا تھا کہ تم شیطان کی پوجا مت کرنا، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور اس شیطان نے تمھاری ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر دیا ہے کیا پس تم سمجھتے نہیں؟'' (یٰسٓ 36:60-62)

1 جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا ان کو اپنا پیروکار بنا کر ان سے تلذذ حاصل کرنا ہے اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ شیطانوں نے گناہوں کو ان کے لیے خوبصورت بنا دیا جسے انھوں نے قبول کیا اور گناہوں کی لذت میں پھنسے رہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان ان غیبی خبروں کی تصدیق کرتے رہے جو شیاطین و جنات کی طرف سے کہانت کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں۔ یہ گویا جنات نے انسانوں کو بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی یا اٹکل پچو باتوں سے لطف اندوز ہوتے اور کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیاوی مفادات حاصل کرتے رہے۔

2 یعنی قیامت واقع ہو گئی جسے ہم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب جہنم تمھارا دائمی ٹھکانہ ہے۔

3 اور اللہ کی مشیت کفار کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہی ہے جس کی اس نے بار بار قرآن کریم میں وضاحت کی ہے۔ بنا بریں اس سے کسی کو مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ استثنا اللہ تعالیٰ کے مطلق ارادہ کے بیان کے لیے ہے جسے کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اگر وہ کفار کو جہنم سے نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے اس سے نہ وہ عاجز ہے نہ کوئی دوسرا روکنے والا۔ (أيسر التفاسير)

4 یعنی جہنم میں جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے کا ساتھی اور مددگار بنایا (جیسا کہ گذشتہ آیت میں گزرا) اسی طرح ہم ظالموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿130﴾

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے [1] جو تم سے میرے احکام بیان کرتے اور تمھیں آج کے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ سب عرض کریں گے کہ ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں، اور اُن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا اور وہ لوگ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ○ [2]

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿131﴾

یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کردے جب کہ اس بستی کے رہنے والے [3] (حق سے) بےخبر ہوں ○

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿132﴾

اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے سبب درجے ملیں گے اور آپ کا رب [4] اُن کے اعمال سے بےخبر نہیں ہے ○

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ

اور آپ کا رب بے نیاز ہے، رحمت والا ہے [5]۔ اگر وہ

ایک ظالم کو دوسرے ظالم پر ہم مسلط کردیتے ہیں اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک وتباہ کرتا ہے اور ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم کے ذریعے سے لے لیتے ہیں۔

1 رسالت ونبوت کے معاملے میں جنات انسانوں کے ہی تابع ہیں ورنہ جنات میں الگ نبی نہیں آئے، البتہ رسولوں کا پیغام پہنچانے والے اور منذرین جنات میں ہوتے رہے ہیں جو اپنی قوم کے جنوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور دیتے ہیں۔

2 میدان حشر میں کافر مختلف پینترے بدلیں گے، کبھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے (الأنعام 23:6) اور کبھی اقرار کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا، جیسے یہاں ان کا اقرار نقل کیا گیا ہے۔

3 یعنی رسولوں کے ذریعے سے جب تک اپنی حجت قائم نہیں کردیتا، ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ یہی بات سورۂ فاطر، آیت:24، وسورۂ نحل، آیت:26 وسورۂ بنی اسرائیل، آیت:15 اور سورۂ ملک، آیت:9,8 وغیرہ میں بیان کی گئی ہے۔

4 یعنی ہر انسان اور جن کے، ان کے باہمی درجات میں، عملوں کے مطابق، فرق وتفاوت ہوگا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جنتی اور جہنمی ہوں گے۔

5 وہ غنی (بے نیاز) ہے اپنی مخلوقات سے۔ ان کا محتاج ہے نہ ان کی عبادتوں کا ضرورت مند ہے، ان کا ایمان اس

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿133﴾

چاہے تو تم سب کو اُٹھا لے اور تمھارے بعد جس کو چاہے تمھاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے ○ [1]

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿134﴾

بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ لازمًا آنے والی چیز ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ○ [2]

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿135﴾

آپ یہ فرما دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں، [3] سو اب جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لیے نافع ہوگا۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے ○ [4]

کے لیے نفع مند ہے نہ ان کا کفر اس کے لیے ضرر رساں۔ لیکن اس شان غنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لیے رحیم بھی ہے، اس کی بے نیازی، اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

1 یہ اس کی بے پناہ قوت اور غیر محدود قدرت کا اظہار ہے۔ جس طرح پچھلی کئی قوموں کو اس نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کھڑا کیا، وہ اب بھی اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے تمھیں نیست و نابود کر دے اور تمھاری جگہ ایسی قوم پیدا کر دے جو تم جیسی نہ ہو۔ (مزید ملاحظہ ہو النسآء 4:133 و إبراھیم 14:19، 20 و فاطر 35:16، 17 و محمد 47:38)

2 اس سے مراد قیامت ہے۔ ''اور تم عاجز نہیں کر سکتے'' کا مطلب ہے کہ وہ تمھیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے چاہے تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو چکے ہو۔

3 یہ کفر اور معصیت پر قائم رہنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سخت وعید ہے جیسا کہ اگلے الفاظ سے بھی واضح ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○﴾ (ھود 11:121، 122) ''جو ایمان نہیں لاتے، ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ، ہم بھی عمل کرتے ہیں اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔''

4 جیسا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کر دکھایا، 8 ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور فتح کے بعد عرب قبائل فوج در فوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا اور یہ دائرہ پھر پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿136﴾

اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں اُن لوگوں نے اُن میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے،[1] پھر جو چیز اُن کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی[2] اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ اُن کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے[3] برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ○

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿137﴾

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں اُن کے معبودوں نے اُن کی اولاد کے قتل کرنے کو خوشنما بنا رکھا ہے[4] تاکہ وہ اُن کو برباد کریں اور تاکہ اُن کے دین کو اُن پر مشتبہ کر دیں[5] اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے[6] تو آپ اُن کو اور جو کچھ وہ غلط باتیں بنا رہے

---

1 اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ وعمل کا ایک نمونہ بتلایا گیا ہے جو انھوں نے اپنے طور پر گھڑ رکھے تھے۔ وہ زمینی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ اپنے خودساختہ معبودوں کے لیے مقرر کر لیتے۔ اللہ کے حصے کو مہمانوں، فقراء اور صلہ رحمی پر خرچ کرتے اور بتوں کے حصے کو بتوں کے مجاورین اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے، پھر اگر بتوں کے مقررہ حصے میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصے میں سے نکال کر اس میں شامل کر لیتے اور اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بتوں کے حصے میں سے نہ نکالتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے۔

2 یعنی اللہ کے حصے میں کمی کی صورت میں بتوں کے مقررہ حصے میں سے تو صدقات وخیرات نہ کرتے۔

3 ہاں اگر بتوں کے مقررہ حصے میں کمی ہو جاتی تو وہ اللہ کے مقررہ حصے سے لے کر بتوں کے مصالح اور ضروریات پر خرچ کر لیتے، یعنی اللہ کے مقابلے میں بتوں کی عظمت اور ان کا خوف ان کے دلوں میں زیادہ تھا جس کا مشاہدہ آج کے مشرکین کے رویے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

4 یہ اشارہ ہے ان کے بچیوں کے زندہ درگور کر دینے یا بتوں کی بھینٹ چڑھانے کی طرف۔

5 یعنی ان کے دین میں شرک کی آمیزش کر دیں۔

6 یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات اور قدرت سے ان کے ارادہ واختیار کی آزادی کو سلب کر لیتا تو پھر یقیناً یہ وہ کام نہ کرتے جو مذکور ہوئے لیکن ایسا کرنا چونکہ جبر ہوتا جس میں انسان کی آزمائش نہیں ہوسکتی تھی، جبکہ اللہ تعالیٰ انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دے کر آزمانا چاہتا ہے، اس لیے اللہ نے جبر نہیں فرمایا۔

وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖۗ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿138﴾

اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مویشی ہیں اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں اِن کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے اُن کے جن کو ہم چاہیں [1] اور مویشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی [2] اور مویشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب) محض اللہ پر افترا ہے۔ [3] عنقریب اللہ ان کو ان کے افترا کی سزا دے گا ○

وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿139﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مَردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ اور اگر وہ مُردہ ہے تو سب اس میں شریک ہیں۔ [4] عنقریب اللہ اُن کو اُن کی غلط بیانی کی سزا دے گا۔ [5] بلاشبہ وہ بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے ○

---

1 اس میں ان کی جاہلی شریعت اور اباطیل کی تین صورتیں اور بیان فرمائی ہیں۔ ﴿حِجْرٌ﴾ (بمعنی منع) اگرچہ مصدر ہے لیکن مفعول، یعنی مَحْجُورٌ (ممنوع) کے معنی میں ہے۔ یہ پہلی صورت ہے کہ یہ جانور یا فلاں کھیت کی پیداوار، ان کا استعمال ممنوع ہے۔ اسے صرف وہی کھائے گا جسے ہم اجازت دیں گے۔ یہ اجازت بتوں کے خادم اور مجاورین ہی کے لیے ہوتی۔

2 یہ دوسری صورت ہے کہ وہ مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیتے جن سے وہ بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے۔ جیسے بَحِيرَة، سَائِبَة وغیرہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ مائدہ 5:103 کا حاشیہ)

3 یہ تیسری صورت ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت صرف اپنے بتوں کا نام لیتے، اللہ کا نام نہ لیتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان جانوروں پر بیٹھ کر وہ حج کے لیے نہ جاتے۔ بہر حال یہ ساری صورتیں گھڑی ہوئی تو ان کی اپنی تھیں لیکن وہ اللہ پر افترا باندھتے، یعنی یہ باور کراتے کہ اللہ کے حکم سے ہی ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔

4 یہ ایک اور شکل ہے کہ جو جانور وہ اپنے بتوں کے نام وقف کرتے، ان میں سے بعض کے بارے میں کہتے کہ ان کا دودھ اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا زندہ بچہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے، عورتوں کے لیے حرام ہے۔ ہاں اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت برابر سمجھے جاتے۔

5 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو غلط بیانی کرتے ہیں اور اللہ پر افترا باندھتے ہیں، ان پر عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں سزا

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿140﴾

واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو محض حماقت سے بغیر علم کے قتل کر ڈالا اور جو رزق اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا، اللہ پر افترا باندھتے ہوئے اس کو (اپنے اوپر) حرام قرار دیا۔ بے شک وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے ○

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿141﴾

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو چھتریوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں [1] اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے، [2] اُن کے پھل کھاؤ جب وہ (درخت) پھل لائیں اور اُس میں جو حق واجب ہے، وہ اُس کے کاٹنے کے دن دیا کرو [3] اور حد سے [4]

دے گا۔ وہ اپنے فیصلوں میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے بارے میں پوری طرح علم رکھنے والا ہے اور اپنے علم وحکمت کے مطابق وہ جزاوسزا کا اہتمام فرمائے گا۔

1 ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ کا مادہ عرش ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں۔ مراد معروشات سے بعض درختوں کی وہ بیلیں ہیں جو ٹٹیوں (چھپروں، منڈیروں وغیرہ) پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور اور بعض ترکاریوں کی بیلیں ہیں۔ اور ﴿غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ وہ درخت ہیں جن کی بیلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں بلکہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں، جیسے خربوزہ اور تربوز وغیرہ کی بیلیں ہیں یا وہ تنے دار درخت ہیں جو بیل کی شکل میں نہیں ہوتے۔ یہ تمام بیلیں، درخت اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں، جن کے ذائقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور زیتون و انار، ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

2 اس کے لیے دیکھیے آیت:99 کا حاشیہ۔

3 یعنی جب کھیتی سے غلہ کاٹ کر صاف کر لو اور پھل درختوں سے توڑ لو تو اس کا حق ادا کرو۔ اس حق سے مراد بعض علماء کے نزدیک نفلی صدقہ ہے اور بعض کے نزدیک صدقہ واجبہ، یعنی عشر، دسواں حصہ (اگر زمین بارانی اور نہری ہو) یا نصف عشر، یعنی بیسواں حصہ (اگر زمین کنویں، ٹیوب ویل سے سیراب کی جاتی ہو۔)

4 یعنی صدقہ وخیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا

مت گزرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے ○[1]

وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿142﴾

اور مویشیوں میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے[2] (پیدا کیے) جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے، کھاؤ[3] اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو،[4] بلاشک وہ تمھارا صریح دشمن ہے ○

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

(پیدا کیے) آٹھ نر اور مادہ،[5] یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم،[6] آپ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ نے اُن

تعلق حکام سے ہے، یعنی صدقات و زکاۃ کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کرو اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کی رو سے زیادہ صحیح یہ بات لگتی ہے کہ کھانے میں اسراف مت کرو کیونکہ بسیار خوری عقل اور جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔ اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اس لیے سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا ہے جس سے واضح ہے کہ کھانے پینے میں بھی اعتدال بہت ضروری اور اس سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہے۔ آج کل مسلمانوں نے اس اسراف کو اپنی امارت کے اظہار کی علامت بنالیا ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

1 اس لیے اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے، صدقہ وخیرات دینے میں نہ کسی اور چیز میں۔ ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی مطلوب ومحبوب ہے اور اسی کی تاکید کی گئی ہے۔

2 ﴿حَمُوْلَةً﴾ (بوجھ اٹھانے والے) سے مراد اونٹ، گدھا اور خچر وغیرہ ہیں جو بار برداری کے کام میں آتے ہیں اور ﴿فَرْشًا﴾ سے مراد زمین سے لگے ہوئے جانور، جیسے بکری وغیرہ جس کا تم دودھ پیتے یا گوشت کھاتے ہو۔

3 یعنی پھلوں، کھیتوں اور چوپایوں سے۔ ان سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ان کو تمھارے لیے خوراک بنایا ہے۔

4 جس طرح مشرکین اس کے پیچھے لگ گئے اور حلال جانوروں کو بھی اپنے اوپر حرام کرلیا گویا اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کو حلال کرلینا، یہ شیطان کی پیروی ہے۔

5 یعنی أَنْشَأَ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ "اسی اللہ نے آٹھ زوج پیدا کیے۔" ﴿اَزْوَاجٍ﴾ زَوْجٌ کی جمع ہے۔ ایک ہی جنس کے نر اور مادہ کو زَوْج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے ایک ایک فرد کو بھی زَوْج کہہ لیا جاتا ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے کے لیے زوج ہوتا ہے۔ قرآن کے اس مقام پر بھی ازواج، افراد ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی 8 افراد اللہ نے پیدا کیے۔ جو باہم ایک دوسرے کا جوڑا ہیں۔ یہ نہیں کہ زوج (بمعنی جوڑے) پیدا کیے کیونکہ اس طرح تعداد 8 کی بجائے 16 ہو جائے گی جو آیت کے اگلے حصہ کے مطابق نہیں ہے۔

6 یہ ثَمَانِيَةَ سے بدل ہے اور مراد دو قسم سے نر اور مادہ ہے، یعنی بھیڑ سے نر اور مادہ اور بکری سے نر اور مادہ پیدا کیے

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿143﴾

دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اُس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں؟ [1] تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر سچے ہو ○ [2]

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿144﴾ ع 17/4/4

اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم [3] ، آپ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ نے اُن دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اُس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں؟ کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا؟ [4] تو اُس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے [5] تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھلاتا ○

(بھیڑ میں دنبہ چھترا بھی شامل ہے)

1 مشرکین جو بعض جانوروں کو اپنے طور پر ہی حرام کر لیتے تھے، اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا اس بچے کو جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو کسی کو بھی حرام نہیں کیا ہے۔

2 تمھارے پاس حرام قرار دینے کی کوئی یقینی دلیل ہے تو پیش کرو کہ بَحِیرہ ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ اس دلیل کی بنیاد پر حرام ہیں۔

3 یہ بھی ثمانیۃ سے بدل ہے اور یہاں بھی دو دو قسم سے دونوں کے نر اور مادہ مراد ہیں اور یوں یہ آٹھ قسمیں پوری ہو گئیں۔

4 یعنی تم جو بعض جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو، کیا جب اللہ نے ان کی حرمت کا حکم دیا تو تم اس کے پاس موجود تھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو ان کی حرمت کا کوئی حکم ہی نہیں دیا، یہ سب تمھارا افترا ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

5 یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔ حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا، اس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر وصیلہ اور حام وغیرہ جانور چھوڑنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث:4623، وصحيح مسلم، حديث:(2856)) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عمرو بن لحی، خزاعہ قبیلے کے سرداروں میں سے تھا جو جرہم قبیلے کے بعد خانہ کعبہ کا والی بنا تھا، اس نے سب سے پہلے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی اور حجاز میں بت قائم کر کے لوگوں کو ان کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور مشرکانہ رسمیں جاری کیں۔ (ابن كثير) بہر حال مقصود آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آٹھ قسم کے جانور پیدا کر کے بندوں

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿145﴾

آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے اُن میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اُس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو،[1] پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے ○

پر احسان فرمایا ہے، ان میں سے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر لینا، اللہ کے احسان کو رد کرنا بھی ہے اور شرک کا ارتکاب بھی۔

1 اس آیت میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اس کی ضروری تفصیل سورۂ بقرہ، آیت: 173 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔ یہاں یہ نکتہ مزید قابل وضاحت ہے کہ ان چار محرمات کا ذکر کلمہ حصر سے کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار قسموں کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ اور جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس سے قبل مشرکین کے جاہلانہ طریقوں اور ان کے رد کا بیان چلا آ رہا ہے۔ ان ہی میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا ہے جو انھوں نے اپنے طور پر حرام کر رکھے تھے، اس سیاق اور ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں تو اس سے مقصود مشرکین کے حرام کردہ جانوروں کی حلت ہے، یعنی وہ حرام نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے جن محرمات کا ذکر کیا ہے ان میں تو وہ شامل ہی نہیں ہیں اگر وہ حرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا بھی ذکر ضرور کرتا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ اگر یہ آیت مکی نہ ہوتی تو پھر یقیناً محرمات کا حصر قابل تسلیم تھا لیکن چونکہ اس کے بعد خود قرآن نے سورۂ مائدہ میں بعض اور محرمات کا ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے پرندوں اور درندوں کی حلت وحرمت معلوم کرنے کے لیے دو اصول بیان فرما دیے ہیں جن کی وضاحت بھی مذکورہ محولہ حاشیہ میں موجود ہے۔ ﴿ اَوْ فِسْقًا ﴾ کا عطف ﴿ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ ﴾ پر ہے، اس لیے منصوب ہے، معنی ہیں: أَيْ ذُبِحَ عَلَى الْأَصْنَامِ ''وہ جانور جو بتوں کے نام پر یا ان کے تھانوں پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیے جائیں۔'' یعنی ایسے جانوروں پر گو عند الذبح اللہ کا نام لیا جائے تب بھی حرام ہوں گے کیونکہ ان سے اللہ کا تقرب نہیں، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہے۔ فسق رب کی اطاعت سے خروج کا نام ہے۔ رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے اور صرف اسی کے تقرب و نیاز کے لیے کیا جائے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو یہی فسق اور شرک ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖؗ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿146﴾

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے[1] اور گائے اور بکری میں سے اُن دونوں کی چربیاں اُن پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو اُن کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔[2] اُن کی شرارت کے سبب ہم نے اُن کو یہ سزا دی[3] اور ہم یقیناً سچے ہیں ○[4]

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿147﴾

پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجیے کہ تمھارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے[5] اور اُس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا ○[6]

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔[7] اسی طرح جو لوگ اِن سے پہلے

---

1 ناخن والے جانور سے مراد وہ ہاتھ والے جانور ہیں جن کی انگلیاں پھٹی ہوئی، یعنی جدا جدا نہ ہوں، جیسے اونٹ، شترمرغ، بطخ، قاز وغیرہ۔ ایسے سب چرند پرند ان پر حرام تھے۔ گویا صرف وہ جانور اور پرندے ان کے لیے حلال تھے جن کے پنجے کھلے ہوں۔

2 یعنی جو چربی گائے یا بکری کی پشت پر ہو (یا دنبے کی چکتی ہو) یا انتڑیوں (یا اوجھ) یا ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ چربی کی یہ مقدار حلال تھی۔

3 یہ چیزیں ہم نے بطور سزا ان پر حرام کی تھیں، یعنی یہود کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ یہ چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی تھیں اور ہم تو ان کے اتباع میں ان کو حرام سمجھتے ہیں۔

4 اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود یقیناً اپنے مذکورہ دعوے میں جھوٹے ہیں۔

5 اس لیے تکذیب کے باوجود عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

6 یعنی مہلت دینے کا مطلب ہمیشہ کے لیے عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا نہیں ہے۔ وہ جب بھی عذاب دینے کا فیصلہ کرے گا تو پھر اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

7 یہ وہی مغالطہ ہے جو مشیت الٰہی اور رضائے الٰہی کو ہم معنی سمجھ لینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے، حالانکہ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔

حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿148﴾

ہو چکے ہیں اُنھوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ اُنھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔[1] آپ کہہ دیجیے کیا تمھارے پاس کوئی دلیل ہے تو اُس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔[2] تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل قیاس آرائی سے باتیں بناتے ہو ○

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿149﴾

آپ کہہ دیجیے: بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی۔ پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لے آتا ○

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿150﴾ ع 18/6/5

آپ کہہ دیجیے: اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر شہادت دیں کہ اللہ نے اِن چیزوں کو حرام کر دیا ہے،[3] پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو آپ اِس کی شہادت[4] نہ دیجیے اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کیجیے! جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں ○[5]

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

آپ کہہ دیجیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمھارے رب نے تم پر لازم فرما دیا ہے،[6] وہ یہ کہ

---

1 اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ اگر یہ شرک اللہ کی رضا کا مظہر تھا تو پھر ان پر عذاب کیوں آیا؟ عذاب الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضائے الٰہی اور چیز۔

2 یعنی اپنے دعوے پر تمھارے پاس دلیل ہے تو پیش کرو! لیکن ان کے پاس دلیل کہاں؟ وہاں تو صرف اوہام وظنون ہی ہیں۔

3 یعنی وہ جانور جن کو مشرکین حرام قرار دیے ہوئے تھے۔

4 کیونکہ ان کے پاس سوائے کذب وافترا کے کچھ نہیں۔

5 یعنی اس کا عدیل (برابر کا) ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں۔

6 یعنی حرام وہ نہیں ہیں جن کو تم نے بلا دلیل مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ، محض اپنے اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ کی بنیاد پر حرام قرار دے رکھا ہے بلکہ حرام تو وہ چیزیں ہیں جن کو تمھارے رب نے حرام کیا ہے کیونکہ تمھارا پیدا کرنے والا اور تمھارا

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿151﴾

اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ [1] اور ماں باپ کے ساتھ اِحسان کرو [2] اور اپنی اولاد کو مفلسی (کے ڈر) سے قتل مت کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو رزق دیتے ہیں [3] اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں اُن کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں، خواہ پوشیدہ اور جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ اُس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ، [4] یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ○

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو

پالنہار وہی ہے اور ہر چیز کا علم بھی اسی کے پاس ہے، اس لیے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال اور جس چیز کو چاہے حرام کرے، چنانچہ میں تمھیں ان باتوں کی تفصیل بتلاتا ہوں جن کی تاکید تمھارے رب نے کی ہے۔

1 ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا﴾ سے پہلے أَوْصَاكُمْ محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو تم شریک مت ٹھہراؤ۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے لیے معافی نہیں، مشرک پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ قرآن مجید میں یہ ساری چیزیں مختلف انداز سے بار بار بیان ہوئی ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی احادیث میں ان کو تفصیل اور وضاحت سے بیان فرما دیا ہے اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ لوگ شیطان کے بہکاوے میں آ کر شرک کا عام ارتکاب کرتے ہیں۔

2 اللہ تعالیٰ کی توحید و اطاعت کے بعد یہاں بھی (اور قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی) والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطاعت رب کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی نے والدین کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک کے تقاضے پورے نہیں کیے تو وہ رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے تقاضے بھی پورے کرنے میں ناکام رہے گا۔

3 زمانۂ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آج کل ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور و شور سے جاری ہے۔ یہ افراد یا حکومتیں سمجھتی ہیں کہ وسائل رزق ہمارے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہیں۔ قرآن اس کی نفی کر رہا ہے۔

4 یعنی قصاص کے طور پر نہ صرف جائز ہے بلکہ اگر مقتول کے وارث معاف نہ کریں تو یہ قتل نہایت ضروری ہے۔ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ (البقرۃ 2:179) ”قصاص میں تمھاری زندگی ہے۔“

اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿152﴾

کہ (اُس کے حق میں) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے [1] اور ناپ تول پوری پوری کرو، انصاف کے ساتھ، [2] ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے [3] اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ سے جو عہد کیا اُس کو پورا کرو، ان (باتوں) کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو ○

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

اور یہ کہ یہ (دین) [4] میرا سیدھا راستہ ہے۔ سو اِس راہ پر چلو [5] اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ

1 جس یتیم کی کفالت تمھاری ذمہ داری قرار پائے تو اس کی ہر طرح خیر خواہی کرنا تمھارا فرض ہے۔ اسی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے اس مال سے، یعنی وراثت میں سے اس کو حصہ ملا ہے، چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین اور جائیداد کی صورت میں، تاہم ابھی وہ اس کی حفاظت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے مال کی اس وقت تک پورے خلوص سے حفاظت کی جائے جب تک وہ بلوغت اور شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ یہ نہ ہو کہ کفالت کے نام پر اس کی عمر شعور سے پہلے ہی اس کے مال یا جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

2 ناپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت تو پورا ناپ یا تول کر لینا مگر دیتے وقت ایسا نہ کرنا بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم دینا، یہ نہایت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ قوم شعیب میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کے من جملہ اسباب میں سے تھی۔ آج کل یہ اخلاقی کمزوری بھی عام ہوتی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔

3 یہاں اس بات کے بیان سے یہ مقصد ہے کہ جن باتوں کی تاکید کر رہے ہیں، یہ ایسی نہیں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کا حکم ہی نہ دیتے، اس لیے کہ طاقت سے بڑھ کر ہم کسی کو مکلف ہی نہیں ٹھہراتے، اس لیے اگر نجات اخروی اور دنیا میں بھی عزت و سرفرازی چاہتے ہو تو ان احکام الٰہی پر عمل کرو اور ان سے گریز مت کرو۔

4 ﴿هٰذَا﴾ (یہ) سے مراد قرآن مجید یا دین اسلام یا وہ احکام ہیں جو بطور خاص اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ ہیں توحید، رسالت اور معاد۔ اور یہی اسلام کے اصول ثلاثہ ہیں جن کے گرد پورا دین گھومتا ہے، اس لیے جو بھی مراد لیا جائے مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

5 ﴿صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی یا قرآن کی یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں، اس لیے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہی ملت مسلمہ کی

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿153﴾

کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو ○

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿154﴾ ع

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور راہنمائی ہو اور رحمت ہو [1] تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں ○

19 ع 4 6

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿155﴾ لا

اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی، [2] سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو ○

وحدت واجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے، حالانکہ اسے تاکید کی گئی ہے کہ ’’دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔‘‘ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ 42:13) ’’دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو‘‘، یعنی اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ’’یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔‘‘ اور چند خطوط اس کی دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: ’’یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔‘‘ پھر نبی ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو زیر وضاحت ہے۔ (مسند أحمد: 1/435 احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے دیکھیے مسند أحمد: 4142 بتعلیق احمد شاکر رحمہ اللہ) بلکہ ابن ماجہ کی حدیث: 11 میں صراحت ہے کہ دو دو خط داہنے اور بائیں کھینچے، یعنی کل چار خطوط کھینچے اور انھیں شیطان کا راستہ بتلایا لیکن پھر بھی آج کل لوگ کہتے ہیں کہ حق کا راستہ ایک نہیں ہے چار ہیں اور چاروں ہی برحق ہیں ﴿ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ﴾ (یونس 10:32) ’’حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔‘‘

1 قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے جو متعدد جگہ دہرایا گیا ہے کہ جہاں قرآن کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں تورات کا اور جہاں تورات کا ذکر ہو وہاں قرآن کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں تورات کا اور اس کے اس وصف کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جس میں ان کی دینی ضروریات کی تمام باتیں تفصیل سے بیان کی گئی تھیں اور وہ ہدایت ورحمت کا باعث تھی۔

2 اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں دین و دنیا کی برکتیں اور بھلائیاں ہیں۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ﴿156﴾

کہیں تم لوگ یوں [1] نہ کہو کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے اُن پر نازل ہوئی تھی، اور ہم اُن کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے ○ [2]

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿157﴾

یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اُن سے بھی زیادہ راہِ راست پر ہوتے۔ سو اب تمھارے پاس تمھارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور راہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آ چکی ہے۔ [3] اب اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی اِن آیتوں کو جھٹلائے اور اِن سے (لوگوں کو) روکے۔ [4] ہم جلد ہی اُن لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں۔ اُن کے اِس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے ○

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا

کیا وہ لوگ صرف اِس بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آئیں یا اُن کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی (بڑی) نشانی آئے؟ [5] جس روز

1 یعنی یہ قرآن اس لیے اتارا تا کہ تم یہ نہ کہو۔ دو فرقوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

2 اس لیے کہ وہ ہماری زبان میں نہ تھی، چنانچہ اس عذر کو قرآن عربی میں اتار کر ختم کر دیا۔

3 گویا یہ عذر بھی تم نہیں کر سکتے۔

4 یعنی کتاب ہدایت و رحمت کے نزول کے بعد اب جو شخص ہدایت (اسلام) کا راستہ اختیار کر کے رحمت الٰہی کا مستحق نہیں بنتا بلکہ تکذیب و اعراض کا راستہ اپناتا ہے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ ﴿صَدَفَ﴾ جب لازمی ہو تو اس کے معنی اعراض کرنے کے کیے گئے ہیں اور متعدی ہو تو دوسروں کو روکنے کے ہیں۔

5 قرآن مجید کے نزول اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی ہے۔ اب بھی اگر یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یعنی ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے، اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کا رب ان کے پاس آئے، یعنی قیامت برپا ہو جائے اور وہ اللہ کے روبرو پیش کیے جائیں۔ اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے، جیسے قیامت کے قریب سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا تو اس قسم کی بڑی نشانی دیکھ کر یہ ایمان لائیں گے؟

اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿158﴾

آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا [1] یا اُس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ [2] آپ فرما دیجیے کہ تم منتظر رہو، ہم بھی منتظر ہیں ○ [3]

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿159﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، [4] آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، بس اُن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ اُن کو بتلا دے گا جو کچھ وہ (دنیا میں) کرتے رہے ○

اگلے جملے میں وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر یہ اس انتظار میں ہیں تو بہت ہی نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں کیونکہ بڑی نشانی کے ظہور کے بعد کافر کا ایمان اور فاسق و فاجر شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ صحیح حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج (مشرق کی بجائے) مغرب سے طلوع ہو، پس جب ایسا ہوگا اور لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔'' پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس وقت ایمان لانا کسی کو نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہوگا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4635)

1 یعنی کافر کا ایمان فائدہ مند اور مقبول نہیں ہوگا۔

2 اس کا مطلب ہے کہ کوئی گناہ گار مومن گناہوں سے توبہ کرے گا تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کے بعد عمل صالح غیر مقبول ہوگا جیسا کہ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

3 یہ ایمان نہ لانے والوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے لیے تہدید و وعید ہے۔ قرآن کریم میں یہی مضمون سورۂ محمد، آیت: 18 اور سورۂ مؤمن، آیت: 85,84 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

4 اس سے بعض لوگ یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں جو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض مشرکین مراد لیتے ہیں کہ کچھ مشرک ملائکہ کی، کچھ ستاروں کی، کچھ مختلف بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن یہ آیت عام ہے کفار و مشرکین سمیت وہ سب لوگ اس میں داخل ہیں جو اللہ کے دین کو اور رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے دین یا دوسرے طریقے کو اختیار کر کے تفرق و تحزّب کا راستہ اپناتے ہیں۔ ﴿شِیَعًا﴾ کے معنی فرقے اور گروہ۔ اور یہ بات ہر اس قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملے میں مجتمع تھی لیکن پھر ان کے مختلف افراد نے اپنے کسی بڑے کی رائے کو ہی مستند اور حرف آخر قرار دے کر اپنا راستہ الگ کر لیا، چاہے وہ رائے حق و صواب کے خلاف ہی ہو۔ (فتح القدیر)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿160﴾

جو شخص نیک کام کرے گا اُس کو اُس کے دس گنا ملیں گے [1] اور جو شخص برا کام کرے گا اُس کو اُس کے برابر ہی سزا ملے گی [2] اور اُن لوگوں پر ظلم نہ ہو گا ○

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿161﴾

آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے کہ وہ ایک مستحکم دین ہے جو طریقہ ہے ابراہیم کا جو اللہ کی طرف یکسو تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے ○

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿162﴾

آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے ○

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿163﴾

اُس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں ○ [3]

---

1 یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان ہے جو اہل ایمان کے ساتھ وہ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر عطا فرمائے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے ورنہ قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی سو گنا بلکہ بے حساب اور ان گنت ملے گا۔

2 یعنی جن گناہوں کی سزا مقرر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب کے بعد اس نے اس سے توبہ بھی نہیں کی یا اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب نہ آئیں یا اللہ نے اپنے فضل خاص سے اسے معاف نہیں فرما دیا (کیونکہ ان تمام صورتوں میں مجازات کا قانون بروئے عمل نہیں آئے گا) تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی برائی کی سزا دے گا اور اس کے برابر ہی دے گا۔

3 توحید الوہیت کی یہی دعوت تمام انبیاء نے دی جس طرح یہاں آخری پیغمبر کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ ''مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔'' دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔'' (الأنبیآء 25:21) چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہ اعلان فرمایا: ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○﴾ (یونس 72:10) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انھیں کہا کہ أَسْلِمْ (فرمانبردار ہو جا) تو انھوں نے فرمایا: ﴿ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ (البقرة 131:2) ''میں رب العالمین کے لیے مسلمان، یعنی فرمانبردار ہو گیا۔'' حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی: ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○﴾ (البقرة 132:2)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿164﴾

آپ فرما دیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لیے تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے،[1] اور جو شخص بھی کوئی (برا) عمل کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔[2] پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو بتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے ○[3]

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿165﴾ ع 20 نصف 11 7

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا[4] اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تمھیں اُن چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دی ہیں۔[5] بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے ○

''تمھیں موت اسلام ہی پر آنی چاہیے۔'' حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی: ﴿ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا ﴾ (یوسف 12: 101) ''مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھانا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ﴿ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ○ ﴾ (یونس 10: 84) ''اگر تم مسلمان ہو تو اسی اللہ پر بھروسا کرو۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا ﴿ وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○ ﴾ (المآئدة 5: 111) اسی طرح اور بھی انبیاء اور ان کے مخلص پیروکاروں نے اسی اسلام کو اپنایا جس میں توحید الوہیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ گو بعض بعض شرعی احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

1 یہاں رب سے مراد وہی الٰہ ماننا ہے جس کا انکار مشرکین کرتے رہے ہیں اور جو اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ لیکن مشرکین اس کی ربوبیت کو تو مانتے تھے۔ اور اس میں کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے لیکن اس کی الوہیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

2 یعنی اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا پورا اہتمام فرمائے گا اور جس نے، اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہوگا، اس کے مطابق جزا و سزا دے گا، نیکی پر اچھی جزا اور بدی پر سزا دے گا اور ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالے گا۔

3 اس لیے اگر تم اس دعوت توحید کو نہیں مانتے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت رہی ہے تو تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کیے جاتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں ہی ہمارا تمھارا فیصلہ ہوگا۔

4 یعنی حکمران بنا کر اختیارات سے نوازا۔ یا ایک کے بعد دوسرے کو اس کا وارث (خلیفہ) بنایا۔

5 یعنی فقر و غنا، علم و جہل، صحت اور بیماری، جس کو جو کچھ دیا ہے، اسی میں اس کی آزمائش ہے۔

اٰيَاتُهَا 206 (7) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (39) رُكُوْعَاتُهَا 24

سورۂ اعراف مکی ہے، اس میں 206 آیات اور 24 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ①

الٓمّٓصٓ ○

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ
حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②

یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اِس لیے بھیجی گئی ہے کہ آپ اِس کے ذریعے سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اِس سے بالکل تنگی نہ ہو [1] اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لیے ○

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا
تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ③

تم لوگ اُس (کتاب) کا اتباع کرو جو تمھارے رب کی طرف سے آئی ہے [2] اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو ○

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا
بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④

اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا، یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے ○ [3]

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ

سو جس وقت اُن پر ہمارا عذاب آیا اُس وقت اُن کے

1 یعنی اس کے ابلاغ سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کہیں کافر میری تکذیب نہ کریں اور مجھے ایذا نہ پہنچائیں، اس لیے کہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے یا حرج شک کے معنی میں ہے، یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں آپ اپنے سینے میں شک محسوس نہ کریں۔ یہ نہی بطور تعریض ہے اور اصل مخاطب امت ہے کہ وہ شک نہ کرے۔

2 جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، یعنی قرآن اور جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یعنی حدیث کیونکہ آپ نے فرمایا کہ ''میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔'' ان دونوں کا اتباع ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کا اتباع ضروری نہیں بلکہ ان کا انکار لازمی ہے جیسا کہ اگلے فقرے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی مت کرو جس طرح زمانۂ جاہلیت میں سرداروں، نجومیوں اور کاہنوں کی بات کو ہی اہمیت دی جاتی حتیٰ کہ حلال و حرام میں بھی ان کو سند تسلیم کیا جاتا تھا۔

3 ﴿قَآئِلُوْنَ﴾ قیلولہ سے ہے، جو دوپہر کے وقت استراحت (آرام کرنے) کو کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا عذاب اچانک ایسے وقتوں میں آیا جب وہ آرام و راحت کے لیے بے خبر بستروں میں آسودہ خواب یا حالتِ استراحت میں تھے۔

اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤

منہ سے سوائے اِس کے اور کوئی بات نہ نکلی کہ واقعی ہم ظالم تھے ○ [1]

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥

پھر ہم اُن لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے ○ [2]

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

پھر یقیناً ہم اپنے علم سے (اُن کے حالات) اُن کے روبرو بیان کر دیں گے۔ [3] اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے ○

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧

اور اُس روز (اعمال کا) وزن بھی برحق ہے، پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے ○

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے ○ [4]

---

1 لیکن عذاب آ جانے کے بعد ایسے اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ پہلے وضاحت گذر چکی ہے ﴿ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ (المؤمن 85:40) ”جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا ان کے لیے نفع مند نہیں ہوا۔“

2 امتوں سے پوچھا جائے گا کہ تمھارے پاس پیغمبروں نے آ کر تمھیں ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ اور پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا پیغام اپنی امتوں کو پہنچایا تھا؟ پیغمبر اس سوال کا جواب دیں گے کہ ہاں، اللہ! ہم نے تیرا پیغام ان کو پہنچا دیا تھا۔ جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔ جبکہ کفار کہہ دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی پیغام پہنچانے والا نہیں آیا، پھر امت محمدیہ انبیاء کے لیے ان کفار کے خلاف گواہی دے گی جیسا کہ سورۂ بقرہ 143:2 میں ذکر ہے اور دیکھیے صحیح البخاری، مع فتح الباري:216/8، حدیث:4487 جبکہ جہنم میں جانے کے بعد جب داروغۂ جہنم پوچھے گا تو پھر اقرار کریں گے کہ ہمارے پاس پیغمبر آئے تھے لیکن ہم پر کلمۂ عذاب ثابت ہو گیا تھا جیسا کہ سورۂ زمر 71:39 اور سورۂ ملک 10:67 میں ہے۔

3 ہم چونکہ ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کا علم رکھتے ہیں، اس لیے ہم پھر دونوں (امتیوں اور پیغمبروں) کے سامنے ساری باتیں بیان کریں گے اور جو جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، ان کے سامنے رکھ دیں گے۔

4 ان آیات میں وزن اعمال کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت والے دن ہوگا اور جسے قرآن کریم میں بھی متعدد

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ
فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ 10

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمھارے لیے اس میں سامانِ رزق پیدا کیا، تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو ○

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا
لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ 11

اور ہم نے تم کو پیدا کیا، [1] پھر ہم ہی نے تمھاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا ○

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ
وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ 12

حق تعالیٰ نے فرمایا تجھے کس بات نے سجدہ کرنے سے روکا۔ [2] جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا، کہنے لگا: میں اِس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا

جگہ اور احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ترازو میں اعمال تولے جائیں گے، جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا، وہ کامیاب ہوگا اور جس کا بدیوں والا پلڑا بھاری ہوگا، وہ ناکام ہوگا۔ یہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے جبکہ یہ اعراض ہیں، یعنی ان کا ظاہری وجود اور جسم نہیں ہے؟ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کو اجسام میں تبدیل فرما دے گا اور ان کا وزن ہوگا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ صحیفے اور رجسٹر تولے جائیں گے جن میں انسان کے اعمال درج ہوں گے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا۔ تینوں مسلکوں والوں کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صحیح احادیث وآثار موجود ہیں، اس لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں ہی باتیں صحیح ہوسکتی ہیں ممکن ہے کبھی اعمال، کبھی صحیفے اور کبھی صاحب عمل کو تولا جائے (دلائل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر) بہرحال میزان اور وزن اعمال کا مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار یا اس کی تاویل گمراہی ہے۔ اور موجودہ دور میں تو اس کے انکار کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں کہ بے وزن چیزیں بھی تولی جانے لگی ہیں۔ (مزید دیکھیے سورۂ انبیاء 47:21 کا حاشیہ)

1 ﴿ خَلَقْنٰكُمْ ﴾ میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے لیکن مراد ابوالبشر حضرت آدم ہیں۔

2 ﴿ اَلَّا تَسْجُدَ ﴾ میں لا زائد ہے، یعنی أَنْ تَسْجُدَ (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟) یا عبارت محذوف ہے، یعنی ''تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے۔'' (ابن كثير وفتح القدير) شیطان، فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ خود قرآن کی صراحت کے بموجب وہ جنات میں سے تھا۔ (الکھف 50:18) لیکن فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا مستقلاً حکم تھا۔ اسی لیے اس سے باز پرس بھی ہوئی اور اس پر عتاب بھی نازل ہوا اگر اسے حکم نہ ہوتا تو اس سے باز پرس ہوتی، نہ وہ راندۂ درگاہ قرار پاتا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬

ہے اور اِس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے ○ [1]

حق تعالیٰ نے فرمایا تُو آسمان سے اتر، [2] تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سونکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے ○ [3]

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭

اُس نے کہا کہ مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دیجیے ○

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮

اللہ نے فرمایا: تجھ کو مہلت دی گئی ○ [4]

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ

اس نے کہا چونکہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے [5] میں قسم

---

1 شیطان کا یہ عذر ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا آئینہ دار ہے۔ ایک تو اس کا یہ سمجھنا کہ افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جا سکتا، غلط ہے، اس لیے کہ اصل چیز تو اللہ کا حکم ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں افضل و غیر افضل کی بحث اللہ سے سرتابی ہے۔ دوسرا، اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے۔ لیکن اس نے اس شرف و عظمت کو نظر انداز کر دیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ نے انھیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے؟ تیسرا، نص کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا جو کسی بھی اللہ کو ماننے والے کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس کا قیاس بھی قیاس فاسد تھا۔ آگ، مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ آگ میں سوائے تیزی، بھڑکنے اور جلانے کے کیا ہے؟ جبکہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے، اس میں نبات و نمو، زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ یہ صفات آگ سے بہر حال بہتر اور زیادہ مفید ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''فرشتے نور سے، ابلیس آگ کی لپٹ سے اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:60-(2996))

2 ﴿مِنْهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کو قرار دیا ہے اور جنت آسمان کے اوپر ہے، اسی لیے مترجم رحمہ اللہ نے اس مفہوم کے مطابق آسمان ترجمہ کیا ہے۔

3 اللہ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام و تعظیم کا نہیں، ذلت و خواری کا مستحق ہے۔

4 اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مہلت عطا فرما دی جو اس کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق تھی جس کا پورا علم اسی کو ہے، تاہم ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کی وہ آزمائش کر سکے گا کہ کون رحمان کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا پجاری؟

5 گمراہ تو وہ اللہ کی تکوینی مشیت کے تحت ہوا لیکن اس نے اسے بھی مشرکوں کی طرح الزام بنا لیا جس طرح وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑯

کھاتا ہوں کہ میں اُن کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا ○

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰

پھر اُن پر حملہ کروں گا اُن کے آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی اور اُن کی دائیں جانب سے بھی اور اُن کی بائیں جانب سے بھی [1] اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائیں گے ○ [2]

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱

اللہ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا، جو شخص اُن میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا ○

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو، پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ اور اِس درخت کے پاس مت جاؤ، [3] ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ○

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا

پھر شیطان نے اُن دونوں کے دلوں میں وسوسہ [4] ڈالا

---

1 مطلب یہ ہے کہ ہر خیر اور شر کے راستے پر میں بیٹھوں گا۔ خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار کرنے کی ترغیب دوں گا۔

2 ﴿ شٰكِرِيْنَ ﴾ کے دوسرے معنی مُوَحِّدِينَ کے کیے گئے ہیں، یعنی اکثر لوگوں کو میں شرک میں مبتلا کر دوں گا۔ شیطان نے اپنا یہ گمان فی الواقع سچا کر دکھایا ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (سبا 20:34) ''شیطان نے اپنا گمان سچا کر دکھایا اور مومنوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب لوگ اس کے پیچھے لگ گئے۔'' اسی لیے احادیث میں شیطان سے پناہ مانگنے کی اور قرآن میں اس کے مکر و کید سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

3 یعنی صرف اس ایک درخت کو چھوڑ کر جہاں سے اور جتنا چاہو، کھاؤ۔ ایک درخت کا پھل کھانے کی پابندی آزمائش کے طور پر عائد کر دی۔

4 وَسْوَسَةٌ اور وِسْوَاس، زَلْزَلَةٌ اور زِلْزَال کے وزن پر ہے، پست آواز اور نفس کی بات، شیطان دل میں جو بری باتیں ڈالتا ہے، اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔

مَا وٗرِیَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَیۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِیۡنَ ﴿20﴾

تا کہ اُن کی شرم گاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں اُنھیں اُن کے سامنے کھول [1] دے اور کہنے لگا کہ تمھارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اِس لیے منع کیا ہے کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ ○

وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿21﴾

اور اُن دونوں کے روبرو قسم کھالی کہ یقین جانیے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ○ [2]

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلۡ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَكُمَا

سو اُن دونوں کو فریب سے (معصیت کی طرف) مائل [3] کر لیا، پس ان دونوں نے جب اُس درخت کو چکھا تو اُن کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے روبرو ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے [4] اور اُن کے رب نے اُن کو پکارا، کیا میں نے تم

---

1 یعنی شیطان کا مقصد اس بہکاوے سے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو اس لباس جنت سے محروم کر کے انھیں شرمندہ کرنا تھا جو انھیں جنت میں پہننے کے لیے دیا گیا تھا۔ ﴿سَوۡاٰتُهُمَا﴾ سَوْءَةٌ (شرم گاہ) کی جمع ہے۔ شرم گاہ کو سَوْءَةٌ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھا جاتا ہے۔

2 جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو حاصل تھیں، اس کے حوالے سے شیطان نے دونوں کو بہلایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ تمھیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا، اسی لیے اس درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی تاثیر ہی یہ ہے کہ جو اسے کھالیتا ہے، وہ فرشتہ بن جاتا ہے یا دائمی زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے، پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا جس سے حضرت آدم و حواء علیہما السلام متاثر ہو گئے، اس لیے کہ اللہ والے اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

3 تدلیة اور ادلاء کے معنی ہیں: کسی چیز کو اوپر سے نیچے چھوڑ دینا۔ یعنی شیطان نے ان کو ممنوعہ درخت کے پھل کی طرف راغب کر کے انھیں مرتبۂ علیا سے نیچے اتار لیا۔

4 یہ اس معصیت کا اثر ظاہر ہوا جو آدم و حواء علیہما السلام سے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر ہوئی اور پھر دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس سے قبل انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نورانی لباس ملا ہوا تھا جو اگرچہ غیر مرئی تھا لیکن ایک دوسرے کی شرم گاہ کے لیے ساتر (پردہ پوش) تھا۔ (ابن کثیر)

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿22﴾

دونوں کو اِس درخت سے روکا نہ تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمھارا صریح دشمن ہے؟ ○[1]

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾

دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○[2]

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿24﴾

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمھارے لیے ایک وقت تک زمین میں رہنے کی جگہ اور نفع حاصل کرنا ہے ○

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿25﴾ ع

ع 2 15 9

فرمایا: تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اُسی میں سے پھر نکالے جاؤ گے ○

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ

اے آدم کی اولاد! ہم نے تمھارے لیے لباس پیدا کیا جو تمھاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی

---

1 یعنی اس تنبیہ کے باوجود تم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے جال بڑے حسین اور دلفریب ہوتے ہیں اور جن سے بچنے کے لیے بڑی کاوش و محنت اور ہر وقت اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

2 توبہ واستغفار کے یہ وہی کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سیکھے جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: 37 میں اس کی طرف اشارہ ہے (دیکھیے مذکورہ آیت کا حاشیہ) گویا شیطان نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تو اس کے بعد وہ اس پر نہ صرف اڑ گیا بلکہ اس کے جواز واثبات میں عقلی وقیاسی دلائل دینے لگا۔ نتیجتاً وہ راندۂ درگاہ اور ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پایا اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار اور بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کا اہتمام کیا۔ تو اللہ کی رحمت ومغفرت کے مستحق قرار پائے، یوں گویا دونوں راستوں کی نشان دہی ہو گئی، شیطانی راستے کی بھی اور اللہ والوں کے راستے کی بھی۔ گناہ کر کے اس پر اترانا، اصرار کرنا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ''دلائل'' کے انبار فراہم کرنا، شیطانی راستہ ہے۔ اور گناہ کے بعد احساس ندامت سے مغلوب ہو کر بارگاہ الٰہی میں جھک جانا اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا، بندگان الٰہی کا راستہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿26﴾

ہے [1] اور تقویٰ کا لباس، [2] یہ اُس سے بڑھ کر ہے۔ [3] یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں ○

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿27﴾

اے اولادِ آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اُس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت میں کہ اُن کا لباس بھی اتروا دیا تاکہ وہ اُن کو اُن کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اُس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ [4] ہم نے شیطانوں کو اُن ہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○ [5]

1 ﴿سَوْاٰتِكُمْ﴾ جسم کے وہ حصے جنھیں چھپانا ضروری ہے، جیسے شرم گاہ اور ﴿رِيْشًا﴾ وہ لباس جو حسن و رعنائی کے لیے پہنا جائے۔ گویا لباس کی پہلی قسم ضروریات سے اور دوسری قسم تکملہ و اضافہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے لباس کے لیے سامان اور مواد پیدا فرمایا۔

2 اس سے مراد بعض کے نزدیک وہ لباس ہے جو مُتّقین قیامت والے دن پہنیں گے۔ بعض کے نزدیک ایمان، بعض کے نزدیک عمل صالح، خشیت الٰہی وغیرہ ہیں۔ مفہوم سب کا تقریبًا ایک ہے کہ ایسا لباس جسے پہن کر انسان تکبر کرنے کی بجائے، اللہ سے ڈرے اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کرے۔

3 حدیث: «إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهٖ» (جامع الترمذي، حديث: 2819) ''بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت ظاہر ہو۔'' اور حدیث: «إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ» (صحيح مسلم، حديث:91) ''یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔'' کی بنا پر عمدہ اور اچھا زیب و زینت والا لباس پہننا بہتر اور پسندیدہ ہے لیکن اگر ایک شخص عمدہ لباس پہننے کی طاقت کے باوجود اللہ کی رضا کے لیے لباس میں سادگی اختیار کرتا ہے تو اس صورت میں یہ بھی قابلِ ستائش ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ» (صحيح الجامع، حديث:2879 ، والسلسلة الصحيحة، حديث: 341) ''بذاذت ایمان کا حصہ ہے۔'' بذاذت کا مطلب، عاجزی و خاکساری کے نقطۂ نظر سے بیش قیمت لباس کی بجائے سادہ لباس پہننا ہے۔ (لباس کے بارے میں اسلامی ہدایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب ''لباس اور پردہ'' مطبوعہ دارالسلام)

4 اس میں اہل ایمان کو شیطان اور اس کے قبیلے، یعنی چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں وہ تمھاری غفلت اور سستی سے فائدہ اٹھا کر تمھیں بھی اس طرح فتنے اور گمراہی میں نہ ڈال دے جس طرح تمھارے ماں باپ (آدم وحوا علیہما السلام) کو اس نے جنت سے نکلوا دیا اور لباس جنت بھی اتروا دیا۔ بالخصوص جبکہ وہ نظر بھی نہیں آتے تو اس سے بچنے کا اہتمام اور فکر بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

5 یعنی بے ایمان قسم کے لوگ ہی اس کے دوست اور اس کے خاص شکار ہیں، تاہم اہل ایمان پر بھی وہ ڈورے

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَاؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾

اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اِسی طریق پر پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ ○ [1]

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ

آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کرنے کا [2] حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر سجدے کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو [3] اور اللہ کی عبادت اِس طور پر کرو کہ اُس عبادت کو

ڈالتا رہتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو شرک خفی، (ریا کاری) حتی کہ بعض کو شرک جلی میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اور یوں ان کو بھی ایمان کے بعد ایمان صحیح کی پونجی سے محروم کر دیتا ہے۔

1 اسلام سے قبل مشرکین بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت کو اختیار کر کے طواف کرتے ہیں جو اس وقت تھی جب ہمیں ہماری ماؤں نے جنا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اس کی یہ تاویل کرتے تھے کہ ہم نے جو لباس پہنا ہوتا ہے اس میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں، اس لیے اس لباس میں طواف کرنا مناسب نہیں، چنانچہ وہ لباس اتار کر طواف کرتے اور عورتیں بھی ننگی طواف کرتیں، صرف اپنی شرمگاہ پر کوئی کپڑا یا چمڑے کا ٹکڑا رکھ لیتیں۔ اپنے اس شرمناک فعل کے لیے دو عذر انھوں نے اور پیش کیے۔ ایک تو یہ کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس طرح ہی کرتے پایا ہے۔ دوسرا، یہ کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دے؟ یعنی تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جو اس نے نہیں کہی۔ اس آیت میں ان مقلدین کے لیے بڑی زجر و توبیخ ہے جو آباء پرستی، پیر پرستی اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہیں، جب انھیں بھی حق کی بات بتلائی جاتی ہے تو اس کے مقابلے میں یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے یہی کرتے آئے ہیں یا ہمارے امام اور پیر و شیخ کا یہی حکم ہے۔ یہی وہ خصلت ہے جس کی وجہ سے یہودی یہودیت پر، نصرانی نصرانیت پر اور بدعتی بدعتوں پر قائم رہے۔ (فتح القدیر)

2 انصاف سے مراد یہاں بعض کے نزدیک «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» یعنی توحید ہے۔

3 امام شوکانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”اپنی نمازوں میں اپنا رخ قبلے کی طرف کر لو، چاہے تم کسی بھی مسجد میں ہو۔“ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس سے استقامت بمعنی متابعت رسول مراد لی ہے اور اگلے جملے سے اخلاص للہ اور کہا ہے کہ ہر عمل کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرا یہ کہ، خالص رضائے الٰہی کے لیے ہو۔ آیت میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

تَعُوْدُوْنَ ﴿29﴾

خالص اللہ ہی کے واسطے رکھو۔ تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے ○

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿30﴾

بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی ہے۔ اُن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں ○

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ
3/6/10 ع اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾

اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو (لباس سے) آراستہ کرلیا کرو [1] اور کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ [2]

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں اُن چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے

---

1 آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اس کا سبب نزول بھی مشرکین کے ننگے طواف سے متعلق ہے، اس لیے انھیں کہا گیا کہ لباس پہن کر اللہ کی عبادت کرو اور طواف کرو۔ بعض کہتے ہیں زینت سے وہ لباس مراد ہے جو آرائش کے لیے پہنا جائے جس سے ان کے نزدیک نماز اور طواف کے وقت تزئین کا حکم نکلتا ہے۔ اس آیت سے نماز میں ستر عورت کے وجوب پر بھی استدلال کیا گیا ہے بلکہ احادیث کی رو سے ستر عورت (مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصے کو ڈھانپنا) ہر حال میں ضروری ہے، چاہے آدمی خلوت میں ہی ہو۔ (فتح القدير) جمعہ اور عید کے دن خوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے کہ یہ بھی زینت کا حصہ ہے۔ (ابن كثير)

2 اسراف (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہو، کھاؤ۔ جو چاہو پہنو! البتہ دو باتوں سے گریز کرو۔ اسراف اور تکبر سے۔'' (صحيح البخاري، قبل حديث: 5783) بعض سلف کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اس آدھی آیت میں ساری طب جمع فرمادی ہے۔ (ابن كثير)

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿32﴾

ہیں [1] (اور) قیامت کے دن تو خالص (انھی کے لیے ہوں گی۔) ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے لیے صاف صاف بیان کرتے ہیں ○

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے اُن تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں [2] اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو [3] اور اِس بات

1 مشرکین نے جس طرح طواف کے وقت لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا، اسی طرح بعض حلال چیزیں بھی بطور تقرب الٰہی اپنے اوپر حرام کر لی تھیں (جیسا کہ بعض صوفیاء بھی ایسا کرتے ہیں) نیز بہت سی حلال چیزیں اپنے بتوں کے نام وقف کر دینے کی وجہ سے حرام گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں کی زینت کے لیے (مثلاً: لباس وغیرہ) اور کھانے کی عمدہ چیزیں بنائی ہیں، انھیں کون حرام کرنے والا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حرام کر لینے سے اللہ کی حلال کردہ چیزیں حرام نہیں ہو جائیں گی، وہ حلال ہی رہیں گی۔ یہ حلال وطیب چیزیں اصلاً اللہ نے اہل ایمان ہی کے لیے بنائی ہیں۔ گو کفار بھی ان سے فیض یاب اور متمتع ہو لیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں وہ مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ بالتبع اور عارضی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تکوینی مشیت اور حکمت ہے، تاہم قیامت والے دن یہ نعمتیں صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی کیونکہ کافروں پر جس طرح جنت حرام ہوگی، اسی طرح ماکولات ومشروبات بھی حرام ہوں گے۔

2 علانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اڈوں پر جا کر بدکاری اور پوشیدہ سے مراد کسی ''گرل فرینڈ'' سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک اول الذکر سے مراد محارم سے نکاح کرنا ہے جو سخت ممنوع ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کسی ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے، جیسے فلمیں، ڈرامے، ٹی وی، وی سی آر، فحش اخبارات ورسائل، رقص وسرود اور مجروں کی محفلیں، عورتوں کی بے پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ اختلاط اور شادی کی رسموں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہر وغیرہ، یہ سب فواحش ظاہرہ ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ .

3 گناہ، اللہ کی نافرمانی کا نام ہے اور ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو تو برا سمجھے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 14-(2553)) بعض کہتے ہیں کہ گناہ وہ ہے جس کا اثر، کرنے والے کی اپنی ذات تک محدود ہو اور بغی یہ ہے کہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچیں، یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق کا مطلب، ناحق ظلم وزیادتی، مثلاً: لوگوں کا حق غصب کر لینا، کسی کا مال ہتھیا لینا، ناجائز مارنا پیٹنا اور سَبّ وشتم کر کے بے عزتی کرنا وغیرہ ہے۔

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾

کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اِس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں ○

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿34﴾

اور ہر گروہ کے لیے ایک میعاد معین ہے،[1] سو جس وقت اُن کی میعاد معین آ جائے گی اُس وقت ایک لمحہ نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ○

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿35﴾

اے اولادِ آدم! اگر تمھارے پاس پیغمبر آئیں، جو تم ہی میں سے ہوں، جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور (اپنی) اِصلاح کرے تو اُن لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○[2]

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿36﴾

اور جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھٹلائیں اور ان سے تکبر کریں۔ وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ○[3]

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

سو اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ

---

1 میعاد معین سے مراد وہ مہلت عمل ہے جو اللہ تعالیٰ ہر گروہ کو آزمانے کے لیے عطا فرماتا ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت و سرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مہلت بعض دفعہ ان کی پوری زندگیوں تک ممتد ہوتی ہے، یعنی دنیوی زندگی میں وہ گرفت نہیں فرماتا بلکہ صرف آخرت میں ہی وہ سزا دے گا ان کی اجل مسمی قیامت کا دن ہی ہے اور جن کو دنیا میں وہ عذاب سے دوچار کر دیتا ہے، ان کی اجل مسمی وہ ہے جب ان کا مؤاخذہ فرماتا ہے۔

2 یہ ان اہل ایمان کا حسن انجام بیان کیا گیا ہے جو تقویٰ اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے۔ قرآن نے ایمان کے ساتھ اکثر جگہ عمل صالح کا ذکر ضرور کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہوگا۔ اسی طرح عمل خیر بھی تب فائدہ مند ہوگا جب اس کے ساتھ ایمان ہوگا، یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان۔

3 اس میں اہل ایمان کے برعکس ان لوگوں کا برا انجام بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے احکام کی تکذیب اور ان کے مقابلے میں استکبار کرتے ہیں۔ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کا انجام بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کردار کو اپنائیں جس کا انجام اچھا ہے اور اس کردار سے بچیں جس کا انجام برا ہے۔

كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمۡ نَصِيۡبُهُمۡ
مِّنَ الۡكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا
يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ
تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا
عَنَّا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ
كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿37﴾

باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے ، اُن لوگوں کے نصیب کا لکھا ہوا تو ان کو مل ہی جائے گا ،[1] یہاں تک کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی جان قبض کرنے آئیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے کہ ہم میں سے سب غائب ہوگئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے ○

قَالَ ادۡخُلُوۡا فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ
قَبۡلِكُمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ فِى النَّارِ ؕ كُلَّمَا
دَخَلَتۡ اُمَّةٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا ؕ حَتّٰٓى
اِذَا ادَّارَكُوۡا فِيۡهَا جَمِيۡعًا ۙ قَالَتۡ
اُخۡرٰٮهُمۡ لِاُوۡلٰٮهُمۡ رَبَّنَا هٰٓؤُلَۤاءِ اَضَلُّوۡنَا
فَاٰتِهِمۡ عَذَابًا ضِعۡفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ

اللہ فرمائے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں[2] جنوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی، اُن کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی[3] یہاں تک کہ جب اُس میں سب جمع ہو جائیں گے[4] تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے[5] کہ اے ہمارے

---

1 اس کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی عمل، رزق اور عمر کے کیے گئے ہیں، یعنی ان کے مقدر میں جو عمر اور رزق ہے اسے پورا کر لینے اور جتنی عمر ہے، اسے گزار لینے کے بعد بالآخر موت سے ہمکنار ہوں گے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ○ مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ﴾ الآیۃ (یونس 10:69,70) ''جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے، دنیا کا چند روزہ فائدہ اٹھا کر، بالآخر ہمارے پاس ہی انھیں لوٹ کر آنا ہے۔''

2 ﴿ اُمَمٍ ﴾ اُمت کی جمع ہے۔ مراد وہ فرقے اور گروہ ہیں جو کفر وشقاق اور شرک وتکذیب میں ایک جیسے ہوں گے۔ ﴿ فِىۡ ﴾ بمعنی مع بھی ہو سکتا ہے، یعنی تم سے پہلے انسانوں اور جنوں میں جو گروہ تم جیسے یہاں آ چکے ہیں، ان کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ یا ان میں جا شامل ہو۔

3 ﴿ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا ﴾ ''اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔'' اُختٌ بہن کو کہتے ہیں۔ ایک جماعت (امت) کو دوسری جماعت (امت) کی بہن بہ اعتبار دین یا گمراہی کے کہا گیا، یعنی دونوں ہی ایک غلط مذہب کے پیرو یا گمراہ تھے یا جہنم کے ساتھی ہونے کے اعتبار سے ان کو ایک دوسری کی بہن قرار دیا گیا ہے۔

4 ﴿ ادَّارَكُوۡا ﴾ کے معنی ہیں تَدَارَكُوا جب ایک دوسرے کو ملیں گے اور باہم اکٹھے ہوں گے۔

5 اُخرٰی (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اُولیٰ (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے

لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾

پروردگار! ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب دوگنا دے۔ [1] اللہ فرمائے گا کہ سب ہی کے لیے دوگنا ہے، [2] لیکن تم کو خبر نہیں ○

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿39﴾ ع 4/8 11

اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں، سو تم بھی اپنی کمائی کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن سے تکبر کیا اُن کے لیے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے [3] اور نہ وہ لوگ کبھی جنت میں داخل ہو سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے [4]

والے ہیں۔ یا اُخریٰ سے أَتْبَاع (پیروکار) اور اُولیٰ سے مَتْبُوع لیڈر اور سردار ہیں۔ ان کا جرم چونکہ زیادہ شدید ہے کہ خود بھی راہ حق سے دور رہے اور دوسروں کو بھی کوشش کر کے اس سے دور رکھا، اس لیے یہ اپنے اتباع سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔

1 جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ جہنمی کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○﴾ (الأحزاب 33:67، 68) ''اے ہمارے رب! ہم تو اپنے سرداروں اور بڑوں کے پیچھے لگے رہے، پس انھوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کیا، اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان کو بڑی لعنت کر۔''

2 یعنی اب ایک دوسرے کو طعنے دینے، کوسنے اور ایک دوسرے پر الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی اپنی جگہ بڑے مجرم ہو اور تم سب ہی دوگنے عذاب کے مستحق ہو۔ أَتْبَاع اور مَتْبُوعِین کا یہ مکالمہ سورۂ سبا 34: 31، 32 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

3 اس سے بعض نے اعمال، بعض نے ارواح اور بعض نے دعا مراد لی ہے، یعنی ان کے عملوں یا روحوں یا دعا کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، یعنی اعمال اور دعا قبول نہیں ہوتی اور روحیں واپس زمین میں لوٹا دی جاتی ہیں (جیسا کہ مسند أحمد: 2/364، 365 کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے) امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں ہی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔

4 یہ تعلیق بالمحال ہے جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا ممکن نہیں، اسی طرح اہل کفر کا جنت میں داخلہ

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿40﴾
لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾

اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ○
اُن کے لیے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اور اُن کے اوپر (اُسی کا) اوڑھنا ہوگا[1] اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿42﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتاتے،[2] وہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ○

وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا

اور جو کچھ اُن کے دلوں میں (کینہ) ہوگا ہم اُس کو دُور کر دیں گے۔[3] اُن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور وہ

ممکن نہیں۔ اونٹ کی مثال بیان فرمائی، اس لیے کہ اونٹ عربوں میں متعارف تھا اور جسمانی اعتبار سے ایک بڑا جانور تھا۔ اور سوئی کا ناکہ (سوراخ) یہ اپنے باریک اور تنگ ہونے کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ ان دونوں کے ذکر نے اس تعلیق بالمحال کے مفہوم کو غایت درجے واضح کر دیا ہے۔ تعلیق بالمحال کا مطلب ہے، ایسی چیز کے ساتھ مشروط کر دینا جو ناممکن ہو، جیسے اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اب کسی چیز کے وقوع کو، اونٹ کے سوئی کے ناکے میں داخل ہونے کے ساتھ مشروط کر دینا، تعلیق بالمحال ہے۔

1 ﴿غَوَاشٍ﴾ غَاشِيَةٌ کی جمع ہے۔ ڈھانپ لینے والی، یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا ہوگا، یعنی اوپر سے بھی آگ نے ان کو ڈھانپا، یعنی گھیرا ہوگا۔

2 یہ جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ایمان اور عمل صالح، یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جو انسانی طاقت سے زیادہ ہوں اور انسان ان پر عمل کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں بلکہ ہر انسان ان کو بہ آسانی اپنا سکتا ہے اور ان کے مقتضیات کو بروئے عمل لا سکتا ہے۔

3 ﴿غِلٍّ﴾ اس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر یہ انعام بھی فرمائے گا کہ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض و عداوت کے جو جذبات ہوں گے، وہ دور کر دے گا، پھر ان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں آئینے کی طرح صاف ہو جائیں گے، کسی کے بارے میں دل میں کوئی کدورت اور عداوت نہیں رہے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجات و منازل کا جو تفاوت ہوگا، اس پر وہ ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے۔ پہلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو جنت اور

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾

لوگ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہمیں اس (مقام تک پہنچنے) کا راستہ دکھایا۔ اگر اللہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی اس کی راہ نہ پاتے۔ [1] واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے۔ اور اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ جو نیک اعمال تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں اِس جنت کے وارث بنائے گئے ہو ○ [2]

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو سچا پالیا ہے بھلا تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو سچا پایا؟ [3] وہ کہیں گے: ہاں، پھر ایک پکارنے

دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوں گی، ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دیا دلایا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انھیں جنت میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی۔ (صحيح البخاري، حديث:2440) جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی رنجشیں ہیں جو سیاسی رقابت میں ان کے درمیان ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''مجھے امید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ (ابن كثير)

1 یعنی یہ ہدایت جس سے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انھیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے۔ اگر یہ رحمت اور فضل الٰہی نہ ہوتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔ اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ رحمت الٰہی مجھے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ لے گی۔'' (صحيح البخاري، حديث:6463، وصحيح مسلم، حديث:71-(2816))

2 یہ تصریح پچھلی بات اور حدیث مذکور کے منافی نہیں، اس لیے کہ نیک عمل کی توفیق بھی بجائے خود اللہ کا فضل واحسان ہے۔

3 یہی بات نبی ﷺ نے جنگ بدر میں جو کافر مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنویں میں پھینک دی گئی

لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿44﴾

والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ کی مار ہو، اُن ظالموں پر ○

الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا‌ ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ‌ ﴿45﴾

وقف لازم باختلاف

جو اللہ کی راہ سے اعراض کرتے تھے اور اُس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے ○

وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ‌ ۚ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ بِسِيۡمٰٮهُمۡ‌ ۚ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ‌ ۚ لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ ﴿46﴾

اور اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی، [1] اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے، وہ لوگ [2] ہر ایک کو ان کے نشانات سے پہچانیں گے [3] اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے: السلام علیکم! ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اُس کے امیدوار ہوں گے ○ [4]

تھیں۔ انھیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو ہلاک ہو چکے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں انھیں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ اس وقت تم سے زیادہ سن رہے ہیں لیکن اب وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3981,3980، وصحيح مسلم، حديث: (2874)) مقتول کافروں کا یہ سننا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

1 ''ان دونوں کے درمیان'' سے مراد جنت دوزخ کے درمیان یا کافروں اور مومنوں کے درمیان ہے۔ ﴿حِجَابٌ﴾ (آڑ) سے وہ فصیل (دیوار) مراد ہے جس کا ذکر سورۂ حدید میں ہے: ﴿فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ﴾ (الحديد 13:57) ''پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا۔'' یہی اعراف کی دیوار ہے۔

2 یہ کون ہوں گے؟ ان کی تعیین میں مفسرین کے درمیان خاصا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں جہنم میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے مانع ہوں گی اور یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہونے تک وہ درمیان میں معلق رہیں گے۔

3 سِيمَا کے معنی علامت کے ہیں۔ جنتیوں کے چہرے روشن اور تروتازہ اور جہنمیوں کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اس طرح وہ دونوں قسم کے لوگوں کو پہچان لیں گے۔

4 یہاں ﴿يَطۡمَعُوۡنَ﴾ کے معنی بعض لوگوں نے يَعۡلَمُونَ کے کیے ہیں، یعنی ان کو علم ہوگا کہ وہ عنقریب جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾ ع 5/8 12

اور جب اُن کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف پھریں گی تو کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو اُن ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر ○

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿48﴾

اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو، جن کو ان کے نشانات سے پہچانیں گے، پکاریں گے اور کہیں گے کہ (آج) تمھاری جماعت اور تمھارا تکبر تمھارے کچھ کام نہ آیا ○ [1]

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿49﴾

کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ اِن پر [2] رحمت نہ کرے گا، اُن کو یوں حکم ہوگا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے ○

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿50﴾ ۙ

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو، جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ نے دونوں چیزیں کافروں کے لیے حرام کردی ہیں ○ [3]

---

1 یہ اہل دوزخ ہوں گے جن کو اصحاب الاعراف ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے اور وہ اپنے جتھے اور دوسری چیزوں پر جو گھمنڈ کرتے تھے، اس کے حوالے سے انھیں یاد دلائیں گے کہ یہ چیزیں تمھارے کچھ کام نہ آئیں۔

2 اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو دنیا میں غریب و مسکین اور مفلس و نادار قسم کے تھے جن کا استہزا مذکورہ متکبرین اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے محبوب ہوتے تو ان کا دنیا میں یہ حال ہوتا؟ پھر مزید جسارت کرتے ہوئے دعویٰ کرتے کہ قیامت والے دن بھی اللہ کی رحمت ہم پر ہوگی (جس طرح دنیا میں ہو رہی ہے) نہ کہ ان پر۔ بعض نے اس کا قائل اصحاب الاعراف کو بتلایا ہے اور بعض کہتے ہیں: جب اصحاب الاعراف جہنمیوں کو یہ کہیں گے کہ ''تمھارا جتھہ اور تمھارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمھارے کچھ کام نہ آیا۔'' تو اس وقت اللہ کی طرف سے جنتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ''یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔'' (تفسیر ابن کثیر)

3 جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ کھانے پینے کی نعمتیں قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی۔ ﴿خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الأعراف 7:32) یہاں اس کی مزید وضاحت جنتیوں کی زبان سے کردی گئی ہے۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿51﴾

جنھوں نے دنیا میں اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم (بھی) آج کے روز اُن کو ترک کر دیں گے جیسا کہ وہ اِس دن کو بھول گئے [1] اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾

اور ہم نے اُن لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علمِ کامل سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا ہے، [2] وہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لائے ہیں ○

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ

اُن لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اُس کے

---

1 حدیث میں آتا ہے، کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے کہے گا: ''کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیے تھے؟ تجھے عزت و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیے تھے؟ اور کیا تو سرداری کرتے ہوئے لوگوں سے چنگی وصول نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں؟ اے اللہ یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا۔ نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''پس جس طرح تو مجھے بھولا رہا، آج میں تجھے بھول جاتا ہوں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:2968) قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کو لہو ولعب بنانے والے وہی ہوتے ہیں جو دنیا کے فریب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں سے چونکہ آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف نکل جاتا ہے، اس لیے وہ دین میں بھی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں، اضافہ کر لیتے ہیں اور دین کے جس حصے کو چاہتے ہیں عملاً کالعدم کر دیتے ہیں یا انھیں کھیل کود کا رنگ دے دیتے ہیں، اس لیے دین میں اپنی طرف سے بدعات کا اضافہ کر کے انھی کو اصل اہمیت دینا (جیسا کہ اہل بدعت کا شیوہ ہے) یہ بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس سے دین کھیل کود بن کر رہ جاتا ہے اور احکام و فرائض پر عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

2 یہ اللہ تعالیٰ جہنمیوں کے ضمن میں ہی فرما رہا ہے کہ ہم نے تو اپنے علم کامل کے مطابق ایسی کتاب بھیج دی تھی جس میں ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان کی بدقسمتی، ورنہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے، وہ ہدایت و رحمت الٰہی سے فیض یاب ہوئے گویا ہم نے تو ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ ﴾ (بنی إسرآء یل 15:17) ''جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہیں کر دیتے، ہم عذاب نہیں دیتے۔'' کے مطابق اہتمام کر دیا تھا۔

تَاْوِيْلَهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ
قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا
مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ
غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿53﴾ ع 6/6 13

انجام کا انتظار ہے،[1] جس روز اُس کا انجام سامنے آئے گا اُس روز جو لوگ اُس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے، سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کر دے اور کیا ہم پھر واپس بھیجے جا سکتے ہیں تاکہ ہم لوگ اُن اعمال کے برخلاف، جن کو ہم کیا کرتے تھے دوسرے اعمال کریں۔ بے شک اُن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور وہ جو جو باتیں تراشتے تھے۔ سب گم ہو گئیں ○ [2]

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے،[3] پھر عرش پر قائم

1 ﴿ تَاْوِيْلَهٗ ﴾ کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام، یعنی کتاب الٰہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سو اب وہ انجام ان کے سامنے آ گیا۔

2 یعنی یہ جس انجام کے منتظر تھے، اس کے سامنے آ جانے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی۔ وہ معبود بھی ان سے گم ہو جائیں گے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ ان کی مدد کر سکیں گے نہ سفارش اور نہ عذاب جہنم سے چھڑا ہی سکیں گے۔

3 یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ سلسلۂ تخلیق اتوار سے شروع ہو کر جمعے تک جاری رہا، ہفتے کے دن عمل تخلیق قطع ہوا۔ اسی لیے اسے یَوم السَّبت کہا جاتا ہے کیونکہ سبت کے معنی قطع (کاٹنے) کے ہیں، یعنی اس دن تخلیق کا کام قطع ہو گیا، پھر اس دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن، جو طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے اور غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے۔ یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے؟ جس طرح کہ اللہ کے یہاں کے دن کی گنتی ہے یا جس طرح قیامت کے دن کے بارے میں آتا ہے۔ بظاہر یہ دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو اس وقت سورج چاند کا یہ نظام ہی نہیں تھا، آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد ہی یہ نظام قائم ہوا۔ دوسرا، یہ عالم بالا کا واقعہ ہے جس کو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اس لیے اس دن کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تو لفظ کُن سے سب کچھ پیدا کر سکتا تھا، اس کے باوجود اس نے ہر چیز کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا اس کی بھی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تاہم بعض علماء نے اس کی ایک حکمت لوگوں کو آرام، وقار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے۔ واللہ أعلم۔

عَلَى الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿54﴾

ہوا۔[1] وہ رات سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ رات اس دن کے پیچھے لپکی چلی آتی ہے[2] اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے ○

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر! اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ اُن لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں ○

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾

اور زمین کی اِصلاح کے بعد اس میں فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ سے ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے اس کو پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے ○[3]

---

1 اِسْتِوَاءٌ کے معنی علو اور استقرار کے ہیں سلف نے بلا کیف و بلا تشبیہ یہی معنی مراد لیے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بلند اور مستقر ہے۔ لیکن کس طرح، کس کیفیت کے ساتھ، اسے ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کیفیت کا ہمیں علم ہی نہیں۔ نہ کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے سکتے ہیں۔ نعیم بن حماد کا قول ہے کہ جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اس نے بھی کفر کیا اور جس نے اللہ کی، اپنے بارے میں بیان کردہ کسی بات کا انکار کیا، اس نے بھی کفر کیا اور اللہ کے بارے میں اس کی یا اس کے رسول کی بیان کردہ بات کو بیان کرنا، تشبیہ نہیں ہے، اس لیے جو باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں نص سے ثابت ہیں، ان پر بلا تاویل کیے اور بلا کیف و تشبیہ بیان کیے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ (ابن كثير)

2 ﴿حَثِيْثًا﴾ کے معنی ہیں: نہایت تیزی سے۔ اور مطلب ہے کہ ایک کے بعد دوسرا فوراً آ جاتا ہے، یعنی دن کی روشنی آتی ہے تو رات کی تاریکی فوراً کافور ہو جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن کا اجالا ختم ہو جاتا ہے اور سب دور و نزدیک سیاہی چھا جاتی ہے۔

3 ان آیات میں چار چیزوں کی تلقین کی گئی ہے: ① اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری اور خفیہ طریقے سے دعا کی جائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو (آواز پست رکھو) تم جس کو پکار رہے ہو، وہ بہرا ہے نہ غائب، وہ تمھاری دعائیں سننے والا اور قریب ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:6384، وصحيح مسلم، حديث:44-(2704)) ② دعا میں زیادتی نہ کی جائے، یعنی دُعا میں تکلف نہ کیا جائے اور بے جا شرطیں نہ

وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِہِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ کَذٰلِکَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿57﴾

اور وہ ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں،[1] یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں[2] تو ہم اُس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اُس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اُس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔[3] یوں ہی ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو○[4]

وَ الۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ ۚ وَ الَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا ؕ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ

اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے۔ اُس کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اُس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے،[5] اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے

لگائی جائیں جیسا کہ عبداللہ بن مغفل کے سامنے ان کے بیٹے نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں جب میں اس میں داخل ہو جاؤں۔ ابن مغفل نے فرمایا: بیٹے! اللہ سے جنت مانگ اور جہنم سے اللہ کی پناہ طلب کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «سَیَکُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ یَّعْتَدُونَ فِي الطُّهُورِ وَالدُّعَاءِ»(سنن أبي داود، حدیث:96) ”عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں زیادتی کریں گے۔“ ③ اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا جائے، یعنی اللہ کی نافرمانیاں کر کے فساد پھیلانے میں حصہ نہ لیا جائے۔ ④ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی۔ اس طریقے سے دعا کرنے والے محسنین ہیں۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان کے قریب ہے۔

1 اپنی ربوبیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ مزید مثالیں بیان فرما کر پھر اس سے اِحیاءِ مَوتٰی کا اثبات فرما رہا ہے۔ ﴿بُشْرًا﴾ بشیر کی جمع ہے۔ رحمت سے مراد یہاں مطر (بارش) ہے، یعنی بارش سے پہلے وہ ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی نوید ہوتی ہیں۔

2 بھاری بادل سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں۔

3 ہر قسم کے پھل جو رنگوں میں، ذائقوں میں، خوشبوؤں میں اور شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

4 جس طرح ہم پانی کے ذریعے سے مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ انواع واقسام کے غلے اور پھل پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن تمام انسانوں کو جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوں گے، ہم دوبارہ زندہ کریں گے، پھر ان کا حساب لیں گے۔

5 علاوہ ازیں یہ تمثیل بھی ہو سکتی ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّیِّبُ سے مراد سریع الفہم اور اَلْبَلَدُ الْخَبِیْثُ سے کند ذہن، وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل اور اس کے برعکس دل۔ قلب مومن یا قلب منافق یا پاکیزہ انسان اور ناپاک انسان۔ مومن،

ع 7 5 14

يَشْكُرُوْنَ ﴿58﴾ ع

بیان کرتے ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو قدر کرتے ہیں ○

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿59﴾

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمھارا معبود ہونے کے قابل نہیں، مجھ کو تمھارے لیے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ○

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿60﴾

اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھے صریح غلطی میں دیکھتے ہیں ○ [1]

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿61﴾

انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں ○

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھاری

پاکیزہ انسان اور وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل بارش کو قبول کرنے والی زمین کی طرح آیات الٰہی کو سن کر ایمان وعمل صالح میں مزید پختہ ہوتا ہے اور دوسرا دل اس کے برعکس شور زمین کی طرح ہے جو بارش کا پانی قبول ہی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی نکمی اور برائے نام ہوتی ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم وہدایت دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ اس کے جو حصے زرخیز تھے، انھوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چارہ اور گھاس خوب اگایا (بھرپور پیداوار دی) اور اس کے بعض حصے سخت تھے، جنھوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب نہیں ہوا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود بھی پیا۔ کھیتیوں کو بھی سیراب کیا اور کاشت کاری کی اور زمین کا کچھ حصہ بالکل چٹیل تھا جس نے پانی روکا اور نہ کچھ اگایا۔ پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا، اس سے اس نے نفع اٹھایا، پس خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھلایا اور مثال اس شخص کی بھی ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث:79.)

1 شرک اس طرح انسانی عقل کو ماؤف کر دیتا ہے کہ انسان کو ہدایت، گمراہی اور گمراہی، ہدایت نظر آتی ہے، چنانچہ قوم نوح کی بھی یہی قلب ماہیت ہوئی، ان کو حضرت نوح علیہ السلام جو اللہ کی توحید کی طرف اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے، نَعُوذُ بِاللّٰهِ گمراہ نظر آتے تھے ؎

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا — کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿62﴾

خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے اُن امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو نہیں ○

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿63﴾

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمھاری ہی جنس کا ہے، کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تا کہ تم ڈر جاؤ[1] اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
ع 8 6 15 بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿64﴾

سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے ہی رہے تو ہم نے نوح کو اور اُن کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اُن کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے ○[2]

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ

اور ہم نے قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا۔[3]

1 حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرنوں یا دس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آ رہے تھے، پھر سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم کے صالحین فوت ہو گئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں (عبادت خانے) قائم کر دیں اور ان کی تصویریں بھی وہاں لٹکا دیں، مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح ان کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الٰہی میں ان کی مشابہت اختیار کریں گے۔ جب کچھ وقت گزرا تو انھوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنا دیے اور پھر کچھ اور عرصہ گزرنے کے بعد یہ مجسمے بتوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی پوجا پاٹ شروع ہو گئی اور قوم نوح کے یہ صالحین وَدّ، سُوَاع، یَعُوق، یَغُوث اور نَسر معبود بنا لیے گئے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جنھوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا، کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کیا۔ بالآخر اہل ایمان کے سوا سب کو غرق کر دیا گیا۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ قوم نوح نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ انھی میں سے ایک آدمی نبی بن کر آ گیا ہے جو انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے؟ یعنی ان کے خیال میں نبوت کے لیے ان جیسا عام انسان موزوں نہیں۔

2 یعنی حق سے، حق کو دیکھتے تھے نہ اسے اپنانے کے لیے تیار تھے۔

3 یہ قوم عاد، عاد اولیٰ ہے جن کی رہائش یمن میں ریتلے پہاڑوں میں تھی اور اپنی قوت وطاقت میں بے مثال تھی۔ ان

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿65﴾

انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں، سو کیا تم نہیں ڈرتے ○

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿66﴾

اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے انھوں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں [1] اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں ○

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿67﴾

انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ○

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿68﴾

تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا امانت دار خیر خواہ ہوں ○

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾

اور کیا تم اِس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت، جو تمھاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے، اور تم وہ حالت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ (بھی دوسروں سے) زیادہ دیا، [2] سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ ○

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ

اُنھوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ

کی طرف حضرت ہود علیہ السلام جو اسی قوم کے ایک فرد تھے، نبی بن کر آئے۔

1 یہ کم عقلی ان کے نزدیک یہ تھی کہ بتوں کو چھوڑ کر، جن کی عبادت ان کے آباء واجداد سے ہوتی آ رہی تھی، اللہ واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔

2 ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا: ﴿لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ○﴾ (الفجر 89:8) ''اس جیسی قوت والی قوم پیدا نہیں کی گئی۔'' اپنی اسی قوت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اس نے کہا: ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ ''ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس نے انھیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ قوت والا ہے'' (حٰمٓ السجدة 41:15)

وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿70﴾

ہم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اُن کو چھوڑ دیں،[1] اگر تو سچا ہے تو جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتا ہے وہ لے آ ○[2]

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ

انھوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب[3] اور غضب آیا ہی چاہتا ہے، کیا تم مجھ سے ایسے

---

1 آباء واجداد کی تقلید، ہر دور میں گمراہی کی بنیاد رہی ہے۔ قوم عاد نے بھی یہی ''دلیل'' پیش کی اور شرک چھوڑ کر توحید کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی اپنے بڑوں کی تقلید کی یہ بیماری عام ہے۔ ان کا ایک طبقہ تو وہ ہے جو دین کا کچھ شعور رکھتا ہے۔ اور دینی علوم میں بھی اسے ایک حد تک دسترس حاصل ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی خاص فقہ اور متعین امام کی رائے کا پابند کر رکھا ہے۔ اور اس ''تقلید'' کو اپنے طور پر واجب قرار دیا ہوا ہے، حالانکہ سرے سے یہ حکم شرعی ہی نہیں ہے چہ جائیکہ یہ واجب ہو۔ اس تقلید نے ان مقلدین کو کئی سنتوں پر عمل کرنے سے روک رکھا ہے۔ کیونکہ وہ سنتیں ان کی فقہ میں درج نہیں ہیں یا ان کے امام کو ان کا پتہ نہیں چلا جس کی بنا پر ان کی کتب میں وہ ہے ہی نہیں۔ ایک دوسرا طبقہ وہ ہے جو دینی شعور اور دینی علوم سے ہی بے بہرہ ہے۔ اس کا تو مذہب ہی رسم و رواج پرستی ہے، چنانچہ یہ طبقہ شادی ہو یا مرگ، ہر موقع پر جاہلانہ رسموں کی پابندی کرتا ہے اور بدعات پر عمل کرنے کو فرائض وسنن سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ ان کے ہاں فرائض کا ترک عام ہے لیکن بدعات ورسومات کی پابندی کا غایت درجہ اہتمام۔ ''دلیل'' ان کی بھی یہی ہے کہ یہ کام ہمارے ''بڑے'' کرتے آئے ہیں۔ ﴿اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○﴾ (البقرة 2:170) ''اگرچہ ان کے باپ دادے کسی چیز کو نہیں سمجھتے تھے نہ وہ ہدایت پر ہی تھے۔'' هداهم الله تعالى.

2 جس طرح قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے جواب میں کہا تھا: ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○﴾ (الأنفال 8:32) ''اے اللہ! اگر یہ حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا، یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے۔'' یعنی شرک کرتے کرتے مشرک کی مت بھی ماری جاتی ہے۔ حالانکہ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ کہا جاتا: اے اللہ اگر یہ سچ ہے اور تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بہرحال قوم عاد نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اگر تو سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ جس عذاب سے وہ ڈراتا ہے، بھیج دے۔

3 ﴿رِجْسٌ﴾ کے معنی تو پلیدی اور عذاب کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رِجْزٌ سے مقلوب (بدلا ہوا) ہے۔ جس کے معنی عذاب کے ہیں۔ یا پھر رِجْسٌ یہاں ناراضی اور غضب کے معنی میں ہے۔ (ابن كثير)

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿71﴾

نا موں کے بارے میں جھگڑتے ہو [1] جن کو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے؟ اُن کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی، سو تم منتظر رہو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں ○

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿72﴾ ع 9 / 16

غرض ہم نے اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ○ [2]

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ

وقف لازم

اور ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ [3]

---

1 اس سے مراد وہ نام ہیں جو انھوں نے اپنے معبودوں کے رکھے ہوئے تھے، مثلاً: صداء، صمود، ہباء وغیرہ جیسے قوم نوح کے پانچ بت تھے جن کے نام اللہ نے قرآن میں ذکر کیے ہیں اور جیسے مشرکین عرب کے بتوں کے نام تھے۔ لات، عزٰی، منات، ہبل وغیرہ یا جیسے آج کل کے مشرکانہ عقائد و اعمال میں ملوث لوگوں نے نام رکھے ہوئے ہیں، مثلاً: ''داتا گنج بخش'' ''خواجہ غریب نواز'' ''بابا فرید شکر گنج'' ''مشکل کشا'' وغیرہ جن کے معبود یا مشکل کشا و گنج بخش وغیرہ ہونے کی ان لوگوں کے پاس سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

2 اس قوم پر بادِ تند کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جاری رہا جس نے ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور یہ عادی، جنھیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا، ان کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر پڑے نظر آتے تھے۔ (دیکھیے سورۂ حاقہ 69:6-8، سورۂ ہود 11: 56,53 اور سورۂ احقاف 46: 25,24 وغيرها من الآيات)

3 ﴿ثَمُوْدَ﴾ حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہائش پذیر تھے۔ 9 ہجری میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا ان کے مساکن اور وادی سے گزر ہوا جس پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''معذب قوموں کے علاقے سے گزرو تو روتے ہوئے، یعنی عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے ہوئے گزرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 433، وصحيح مسلم، حديث: 38-(2980)) ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ عاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ بعض روایات میں ہے، انھوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پتھر کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکال کر دکھائی جائے جسے نکلتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح نے ان سے عہد لیا کہ اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیے جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرما دی۔ (تفسير ابن أبي حاتم، وتفسير الطبري) اس اونٹنی کی بابت انھیں تاکید کر دی گئی کہ اسے بری نیت سے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے ورنہ عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے۔ لیکن ظالموں نے اس اونٹنی کو بھی قتل کر ڈالا، جس کے تین دن بعد انھیں چنگھاڑ (صَيْحَة، سخت چیخ اور رَجْفَة، زلزلہ) کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا جس سے وہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾

اُنھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں۔ تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمھارے لیے دلیل ہے، سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا ورنہ تمھیں دردناک عذاب آ پکڑے گا ○

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿74﴾

اور تم وہ وقت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو [1] اور پہاڑوں کو تراش تراش کر اُن میں گھر بناتے ہو، [2] سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ ○ [3]

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿75﴾

اُن کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انھوں نے غریب لوگوں سے جو کہ اُن میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کہ کیا تم کو اِس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کا رسول ہے؟ انھوں نے کہا: بلاشبہ ان کو جو کچھ دے کر بھیجا گیا ہم اس پر یقین رکھتے ہیں ○ [4]

اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

1 اس کا مطلب ہے کہ نرم زمین سے مٹی لے لے کر اینٹیں تیار کرتے ہو اور ان اینٹوں سے محل جیسے آج بھی بھٹوں پر اسی طرح مٹی سے اینٹیں تیار کی جاتی ہیں۔

2 یہ ان کی قوت، صلابت بدن اور مہارت فن کا اظہار ہے۔

3 یعنی ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو، نہ کہ کفران نعمت اور معصیت کا ارتکاب کر کے فساد پھیلاؤ۔

4 یعنی جو دعوت وہ لے کر آئے ہیں، وہ چونکہ فطرت کی آواز ہے، ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ صالح واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ جو ان کا سوال تھا، اس سے ان اہل ایمان نے تعرض ہی نہیں کیا کیونکہ ان کے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿76﴾

وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے ہوئے ہو، ہم تو اُس کے منکر ہیں[1] ○

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿77﴾

پس اُنھوں نے اُس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تو رسول ہے تو جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتا تھا، وہ لے آ ○

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿78﴾

پس اُن کو زلزلے نے آ پکڑا[2] اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے ○

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿79﴾

اُس وقت (صالح) اُن سے منہ موڑ کر چلے، اور فرمانے لگے[3] کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمھاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے ○

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

اور ہم نے لوط کو بھیجا[4] جب کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے

رسول من اللہ ہونے کو وہ بحث کے قابل ہی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ فی الواقع ان کی رسالت ایک مسلمہ حقیقت وصداقت تھی۔

1 اس معقول جواب کے باوجود وہ اپنے استکبار اور انکار پر اڑے رہے۔

2 یہاں ﴿الرَّجْفَةُ﴾ (زلزلے) کا ذکر ہے۔ دوسرے مقام پر صَيْحَة (چیخ) کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قسم کا عذاب ان پر آیا۔ اوپر سے سخت چیخ اور نیچے سے زلزلہ۔ ان دونوں عذابوں نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

3 یہ یا تو ہلاکت سے قبل کا خطاب ہے یا پھر ہلاکت کے بعد اسی طرح کا خطاب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر ختم ہونے کے بعد قلیب بدر میں پھینکے گئے مشرکین کی لاشوں سے خطاب فرمایا تھا۔

4 حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے تھے، پھر خود ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک علاقے میں نبی بنا کر بھیجا۔ یہ علاقہ اردن اور بیت المقدس کے درمیان تھا جسے سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ زمین سرسبز وشاداب تھی اور یہاں ہر طرح کے غلے اور پھلوں کی کثرت تھی۔ قرآن نے اس جگہ کو مُؤتَفِكَة یا مُؤتَفِكَات کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انھیں اولاً دعوت توحید دی، دوسری بڑی خرابی، قوم لوط میں تھی، یعنی مردوں کے ساتھ بدفعلی، اس کی شناعت وقباحت بیان فرمائی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم لوط نے کیا، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ پہلے قوم کو اس جرم کی خطرناکی سے آگاہ کیا جائے۔ لواطت کی سزا میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾

فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ○

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿81﴾

تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو [1] عورتوں کو چھوڑ کر [2] بلکہ تم تو حد ہی سے گزر گئے ہو ○ [3]

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿82﴾

اور اُن کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، سوائے اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ اِن لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنے پھرتے ہیں ○ [4]

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿83﴾

سو ہم نے لوط کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیا بجز اُن کی بیوی کے کہ وہ اُن ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ

زنا کی ہے، یعنی مجرم اگر شادی شدہ ہو تو رجم، غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑے۔ بعض کے نزدیک اس کی سزا رجم ہے چاہے مجرم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور بعض کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دینا چاہیے، البتہ امام ابوحنیفہ تعزیر کے قائل ہیں، حد مذکورہ کے نہیں۔ (تحفة الأحوذي: 625/4)

1 یعنی مردوں کے پاس تم اس بے حیائی کے کام کے لیے محض شہوت رانی کی غرض سے آتے ہو، اس کے علاوہ تمھاری اور کوئی غرض ایسی نہیں ہوتی جو موافق عقل ہو۔ یہ جرم سب سے پہلے اسی قوم نے شروع کیا تھا، حتیٰ کہ جانور بھی اس فعل قبیح سے اجتناب کرتے ہیں۔

2 جو قضائے شہوت کا اصل محل اور حصول لذت کی اصل جگہ ہے۔ یہ ان کی فطرت کے مسخ ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ نے مرد کی جنسی لذت کی تسکین کے لیے عورت کو اس کا محل اور موضع بنایا ہے اور ان ظالموں نے اس سے تجاوز کر کے مرد کی دبر کو اس کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

3 لیکن اب اسی فطرت صحیحہ سے انحراف اور حدود الٰہی سے تجاوز کو مغرب کی ''مہذب'' قوموں نے اختیار کر لیا ہے تو یہ انسانوں کا ''بنیادی حق'' قرار پا گیا ہے جس سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے، چنانچہ اب وہاں لواطت کو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ سرے سے جرم ہی نہیں رہا۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

4 یہ حضرت لوط کو بستی سے نکالنے کی علت ہے۔ باقی ان کی پاکیزگی کا اظہار تو حقیقت کے طور پر ہے اور مقصد ان کا یہ ہوا کہ یہ لوگ اس برائی سے بچنا چاہتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ہماری بستی ہی میں نہ رہیں یا استہزا اور تمسخر کے طور پر انھوں نے ایسا کہا۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ
10 ع 12 17 كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿84﴾ ع
وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا
الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

گئے تھے ○ [1]

اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ [2] برسایا، پس دیکھو تو سہی اُن مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ ○ [3]

اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ [4] اُنھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے، پس تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم کر کے مت دو [5] اور زمین میں

---

1 إِنَّهَا كَانَتْ مِنَ الْبَاقِينَ فِي عَذَابِ اللهِ، یعنی وہ ان لوگوں میں باقی رہ گئی جن پر اللہ کا عذاب آیا کیونکہ وہ بھی مسلمان نہیں تھی اور اس کی ہمدردیاں بھی مجرمین کے ساتھ تھیں۔ بعض نے اس کا ترجمہ ''ہلاک ہونے والوں میں سے'' کیا ہے۔ لیکن یہ لازمی معنی ہیں اصل معنی وہی ہیں۔

2 یہ خاص طرح کا مینہ کیا تھا؟ پتھروں کا مینہ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ○﴾ (ہود 11:82) ''ہم نے ان پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش برسائی۔'' اس سے پہلے فرمایا: ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ ''ہم نے اس بستی کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔''

3 یعنی اے محمد! دیکھیے تو سہی، جو لوگ علانیہ اللہ کی معاصی کا ارتکاب اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں، ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟

4 مدین حضرت ابراہیم کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا، پھر انھی کی نسل پر مبنی قبیلے کا نام بھی مدین اور جس بستی میں یہ رہائش پذیر تھے، اس کا نام بھی مدین پڑ گیا۔ یوں اس کا اطلاق قبیلے اور بستی دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ بستی حجاز کے راستے میں ''معان'' کے قریب ہے۔ انھی کو قرآن میں دوسرے مقام پر أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ (بن کے رہنے والے) بھی کہا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب نبی بنا کر بھیجے گئے۔ (دیکھیے سورۂ شعراء 26:176 کا حاشیہ)

ملحوظہ: ہر نبی کو اس قوم کا بھائی کہا گیا ہے، جس کا مطلب اسی قوم اور قبیلے کا فرد ہے، جس کو بعض جگہ رَسُولًا مِّنْهُمْ یا مِنْ أَنْفُسِهِمْ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور مطلب ان سب کا یہ ہے کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے چن لیتا ہے اور وحی کے ذریعے سے اس پر اپنی کتاب اور احکام نازل فرماتا ہے۔

5 دعوت توحید کے بعد، اس قوم میں ناپ تول میں کمی کی جو بڑی خرابی تھی، اس سے اسے منع فرمایا اور پورا پورا ناپ

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿85﴾

اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد، فساد مت پھیلاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم واقعی مومن ہو ○

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿86﴾

اور تم سڑکوں پر اِس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والے کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اُس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو۔[1] اور اُس وقت کو یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے، پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے ○

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿87﴾

اگر تم میں سے ایک گروہ اس (تعلیم) پر ایمان لے آیا ہے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ○ [2]

اور تول کر دینے کی تلقین کی۔ یہ کوتاہی بھی بہت خطرناک ہے جس سے اس قوم کی اخلاقی پستی اور گراوٹ کا پتہ چلتا ہے جس کے اندر یہ ہو۔ یہ بدترین خیانت ہے کہ پیسے پورے لیے جائیں اور چیز کم دی جائے۔ اسی لیے سورۂ مطففین میں ایسے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔

1 اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے اللہ کے راستے میں کجیاں تلاش کرنا۔ یہ ہر دور کے نافرمانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے جس کے نمونے آج کل کے متجددین اور فرنگیت زدہ لوگوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ. علاوہ ازیں راستے میں بیٹھنے کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: لوگوں کو ستانے کے لیے بیٹھنا، جیسے عام طور پر اوباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے۔ یا حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانے والے راستوں میں بیٹھنا تا کہ ان کے پاس جانے والوں کو روکیں اور ان سے انھیں بدظن کریں، جیسے قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے والوں سے کرتے تھے یا دین کے راستوں پر بیٹھنا اور اس راہ پر چلنے والوں کو روکنا۔ یوں لوٹ مار کی غرض سے ناکوں پر بیٹھنا تا کہ آنے جانے والوں کا مال سلب کر لیں۔ یا بعض کے نزدیک محصول اور چنگی وصول کرنے کے لیے ان کا راستوں پر بیٹھنا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سارے ہی مفہوم صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ یہ سب کچھ کرتے ہوں۔ (فتح القدیر)

2 یہ کفر پر صبر کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ان کے لیے تہدید اور سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اہل حق کا اہل باطل پر فتح و غلبہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ ○ ”پس تم بھی انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔“ (التوبۃ 9:52)

الجزء التاسع (9)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿88﴾

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ،[1] شعیب نے جواب دیا کہ کیا ہم تمھارے دین میں آجائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں ○[2]

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ

ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمھارے دین میں آجائیں۔ اس کے بعد کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی۔[3] اور ہم سے یہ ممکن نہیں کہ تمھارے دین میں واپس آجائیں، لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو۔[4] ہمارے رب کا

---

1 ان سرداروں کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ کیجیے کہ انھوں نے ایمان و توحید کی دعوت ہی کو رد نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر کے اللہ کے پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب پر واپس آجاؤ، نہیں تو ہم تمھیں یہاں سے نکال دیں گے۔ اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے کیونکہ انھوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی آبائی ملت کی طرف لوٹنے کی دعوت اس لحاظ سے تھی کہ وہ انھیں بھی نبوت اور تبلیغ و دعوت سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے، گو حقیقتاً ایسا نہ ہو۔ یا بطور تَغْلِیب انھیں بھی شامل کر لیا ہو۔

2 یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ہمزہ انکار کے لیے اور واؤ حالیہ ہے، یعنی کیا تم ہمیں اپنے مذہب کی طرف لوٹاؤ گے یا ہمیں اپنی بستی سے نکال دو گے، درآں حالیکہ ہم اس مذہب کی طرف لوٹنا اور اس بستی سے نکلنا پسند نہ کرتے ہوں؟ مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تم ہمیں ان میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرو۔

3 یعنی اگر ہم دوبارہ اس آبائی دین کی طرف لوٹ آئے جس سے اللہ نے ہمیں نجات دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ایمان و توحید کی دعوت دے کر اللہ پر جھوٹ باندھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری طرف سے ایسا ہو۔

4 اپنا عزم ظاہر کرنے کے بعد معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا، یعنی ہم تو اپنی رضامندی سے اب کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ ہاں، اگر اللہ چاہے تو بات اور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ مفروضے کے طور پر ہے، یعنی تمھارے جبر و اکراہ سے تو ہم کفر اختیار نہیں کر سکتے۔ ہاں، بالفرض اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی (معاذ اللہ) یہی ہو تو دوسری بات ہے۔

قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿89﴾

علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔[1] اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے ○[2]

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿90﴾

اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے ○[3]

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿91﴾ۚۖ

پس ان کو زلزلے نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے ○[4]

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ

جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔[5] جنھوں نے

---

1 کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت رکھے گا اور ہمارے اور کفر واہل کفر کے درمیان حائل رہے گا، ہم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے گا اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

2 اور اللہ جب فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ یہی ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو بچا کر مُکَذِّبِین اور مُسْتَکْبِرِین کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ گویا عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ ہے۔

3 اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا اور ناپ تول میں کمی نہ کرنا، یہ ان کے نزدیک خسارے والی بات تھی، درآں حالیکہ ان دونوں باتوں میں ان ہی کا فائدہ تھا۔ لیکن دنیا والوں کی نظر میں تو نفع عاجل (دنیا میں فوراً حاصل ہو جانے والا نفع) ہی سب کچھ ہوتا ہے جو ناپ تول میں ڈنڈی مار کر انھیں حاصل ہو رہا تھا، وہ اہل ایمان کی طرح آخرت کے نفع آجل (دیر میں ملنے والے نفع) کے لیے اسے کیوں چھوڑتے؟

4 یہاں ﴿الرَّجْفَةُ﴾ (زلزلہ) کا لفظ آیا ہے اور سورۂ ہود، آیت: 94 میں ﴿الصَّيْحَةُ﴾ (چیخ) کا لفظ ہے اور سورۂ شعراء، آیت: 189 میں ﴿الظُّلَّةِ﴾ (بادل کا سایہ) کے الفاظ ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب میں ساری ہی چیزوں کا اجتماع ہوا، یعنی سائے والے دن ان پر عذاب آیا۔ پہلے بادل نے ان پر سایہ کیا جس میں شعلے، چنگاریاں اور آگ کے بھبھوکے تھے، پھر آسمان سے سخت چیخ آئی اور زمین سے بھونچال، جس سے ان کی روحیں نکل گئیں اور بے جان لاشے ہو کر پرندوں کی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

5 یعنی جس بستی سے یہ اللہ کے رسول اور ان کے پیروکاروں کو نکالنے پر تلے ہوئے تھے، اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہونے کے بعد ایسے ہو گئے جیسے وہ یہاں رہتے ہی نہ تھے۔

الْخٰسِرِيْنَ ﴿92﴾
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ
اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ
11 ع فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿93﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ
اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَضَّرَّعُوْنَ ﴿94﴾
ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا
وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ
فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿95﴾

شعیب کو جھٹلایا تھا وہی خسارے میں پڑ گئے ○ [1]

اس وقت شعیب ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیے تھے اور میں نے تمھاری خیر خواہی کی۔ پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں ○ [2]

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف میں پکڑا، تاکہ وہ گڑگڑائیں ○ [3]

پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا [4] اور ان کو خبر بھی نہ تھی ○

---

1 یعنی خسارے میں وہی لوگ رہے جنھوں نے پیغمبر کی تکذیب کی، نہ کہ پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے۔ اور خسارہ بھی دونوں جہانوں میں۔ دنیا میں بھی ذلت کا عذاب چکھا اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ عذاب شدید ان کے لیے تیار ہے۔

2 عذاب و تباہی کے بعد جب وہ وہاں سے چلے تو انھوں نے وفور جذبات میں یہ باتیں کہیں۔ اور ساتھ ہی کہا کہ جب میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا تو اس کے باوجود اپنے کفر اور شرک پر ڈٹے رہے تو اب میں ایسے لوگوں پر افسوس کروں تو کیوں کروں؟

3 ﴿ بِالْبَاْسَآءِ ﴾ وہ تکلیفیں جو انسان کے بدن کو لاحق ہوں، یعنی بیماری اور ﴿ وَالضَّرَّآءِ ﴾ سے مراد فقر و تنگ دستی۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی بستی میں بھی ہم نے رسول بھیجا، انھوں نے اس کی تکذیب کی جس کی پاداش میں ہم نے ان کو بیماری اور محتاجی میں مبتلا کر دیا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑائیں۔

4 یعنی فقر و بیماری کے ابتلا سے بھی جب ان کے اندر رجوع الی اللہ کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تو ہم نے ان کی تنگ دستی کو خوش حالی سے اور بیماری کو صحت و عافیت سے بدل دیا تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ لیکن اس انقلاب حال سے بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور انھوں نے کہا کہ یہ تو ہمیشہ ہی سے ہوتا چلا آ رہا ہے کہ کبھی تنگی آ گئی، کبھی خوش حالی، کبھی بیماری تو کبھی صحت، کبھی فقیری تو کبھی امیری، یعنی تنگ دستی کا پہلا علاج ان کے لیے مؤثر ثابت ہوا، نہ

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿96﴾

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا ○

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿97﴾

کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ پڑے جس وقت وہ سوتے ہوں ○

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿98﴾

اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ پڑے جس وقت کہ وہ اپنے کھیلوں میں مشغول ہوں ○

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿99﴾ ع 12/6/2

کیا پس وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا ○ [1]

خوش حالی ان کے اصلاح احوال کے لیے کارگر ثابت ہوئی۔ وہ اسے لیل ونہار کی گردش ہی سمجھتے رہے اور اس کے پیچھے کارفرما قدرت الٰہی اور اس کے ارادے کو سمجھنے میں ناکام رہے تو پھر ہم نے انھیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ اسی لیے حدیث میں مومنوں کا معاملہ اس کے برعکس بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ آرام وراحت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور تکلیف پہنچنے پر صبر سے کام لیتے ہیں، یوں دونوں ہی حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر کا باعث ہوتی ہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2999.)

1 ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان وتقویٰ ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنا لیں تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، یعنی حسب ضرورت انھیں آسمان سے بارش مہیا فرماتا ہے اور زمین اس سے سیراب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے۔ نتیجتاً خوش حالی وفراوانی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں، پھر پتہ نہیں ہوتا کہ شب وروز کی کس گھڑی میں عذاب آ جائے اور ہنستی کھیلتی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈر بنا کر رکھ دے، اس لیے اللہ کی ان تدبیروں سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بے خوفی کا نتیجہ سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں۔ ﴿مَكْرَ﴾ کے مفہوم کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ آل عمران، آیت: 54 کا حاشیہ۔

اَوَ لَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿100﴾

اور کیا ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے، وہاں کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد ان واقعاتِ مذکورہ نے یہ بات نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان کو ہلاک کر ڈالیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں، پس وہ نہ سن سکیں ○ [1]

تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا‌ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ۚ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿101﴾

ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے، [2] پھر جس چیز کو انھوں نے ابتدا میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے، [3] اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے ○

---

1 یعنی گناہوں کے نتیجے میں عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر بھی قفل لگ جاتے ہیں، پھر بڑے بڑے عذاب بھی انھیں خوابِ غفلت سے بیدار نہیں کر پاتے۔ دیگر بعض مقامات کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کیا، ہم چاہیں تو تمھیں بھی تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیں اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز کے لیے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں، پھر انذار اور وعظ و نصیحت ان کے لیے بیکار ہو جاتے ہیں۔ آیت میں ہدایت تَبَیُّن (وضاحت) کے معنی میں ہے، اسی لیے لام کے ساتھ متعدی ہے۔ ﴿ اَوَ لَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ ﴾ یعنی کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔

2 جس طرح گزشتہ صفحات میں چند انبیاء کا ذکر گزرا۔ ﴿ بِالۡبَيِّنٰتِ ﴾ سے مراد دلائل و براہین اور معجزات دونوں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے جب تک ہم نے حجت تمام نہیں کر دی، ہم نے انھیں ہلاک نہیں کیا۔ کیونکہ ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴾ (بنيٓ إسراء يل 15:17) ''جب تک ہم رسول نہیں بھیج دیتے۔ عذاب نازل نہیں کرتے۔''

3 اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یوم میثاق کو جب ان سے عہد لیا گیا تھا تو یہ اللہ کے علم کے مطابق ایمان لانے والے نہ تھے، اس لیے جب ان کے پاس رسول آئے تو یہ لوگ ایمان نہیں لائے کیونکہ ان کی تقدیر میں ہی ایمان نہیں تھا جسے اللہ نے اپنے علم کے مطابق لکھ دیا تھا جس کو حدیث میں «فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ» ''ہر کسی کے لیے وہ کام آسان ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4949.) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿102﴾

اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا[1] اور ہم نے اکثر لوگوں کو فاسق ہی پایا ○

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿103﴾

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا،[2] مگر ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھیے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا؟ ○[3]

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿104﴾

اور موسیٰ نے فرمایا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں ○

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿105﴾ۭ

میرا فرضِ منصبی ہے کہ سچ کے سوا اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں، میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں،[4] سو تو بنی

جب پیغمبران کے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے۔ گویا ابتداءً جس چیز کی وہ تکذیب کر چکے تھے، یہی گناہ ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو اگلے جملے میں مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○﴾ (الأنعام 6:109,110) ”اور تمھیں کیا معلوم؟ یہ تو ایسے (بدبخت) ہیں کہ ان کے پاس نشانیاں بھی آ جائیں، تب بھی ایمان نہ لائیں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)“

1 اس سے بعض نے عہد اَلَسْتُ، جو عالم ارواح میں لیا گیا تھا، بعض نے عذاب ٹالنے کے لیے پیغمبروں سے جو عہد کرتے تھے، وہ عہد اور بعض نے عام عہد مراد لیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ اور یہ عہد شکنی، چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہو، فسق ہی ہے۔

2 یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو مذکورہ انبیاء کے بعد آئے جو جلیل القدر پیغمبر تھے، جنھیں فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دے کر بھیجا گیا تھا۔

3 یعنی انھیں غرق کر دیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

4 جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ رسول ہوں۔ اس معجزے اور بڑی دلیل کی تفصیل بھی آگے آ رہی ہے۔

اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے ○ [1]

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿106﴾

فرعون نے کہا: اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجیے! اگر آپ سچے ہیں ○

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿107﴾

پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکایک وہ صاف ایک اژدھا بن گیا ○

ع 13 9 3 وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿108﴾

اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا ○ [2]

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿109﴾

قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے، انھوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے ○ [3]

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿110﴾

یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمھاری سرزمین سے باہر کر دے تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ ○

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿111﴾

انھوں نے کہا کہ آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجیے ○

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿112﴾

کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر

---

1 بنی اسرائیل، جن کا اصل مسکن شام کا علاقہ تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر چلے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فرعون نے ان کو غلام بنا لیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا تھا، جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ فرعون اور اس کے درباری امراء نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ دوسرا مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ یہ اپنے آبائی مسکن میں جا کر عزت واحترام کی زندگی گزاریں اور اللہ کی عبادت کریں۔

2 یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دو بڑے معجزے انھیں عطا فرمائے تھے، اپنی صداقت کے لیے انھیں پیش کر دیا۔

3 معجزے دیکھ کر، ایمان لانے کی بجائے، فرعون اور اس کے درباریوں نے اسے جادو قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے جس سے اس کا مقصد تمھاری حکومت ختم کرنا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا زور اور اس کا عام چلن تھا، اس لیے انھوں نے معجزات کو جن میں سرے سے انسان کا دخل ہی نہیں ہوتا، خالص اللہ کی مشیت سے ظہور میں آتے ہیں، جادو بتایا۔ تاہم اس عنوان سے فرعون اور اس کے درباریوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قوم فرعون کو بہکانے کا موقع مل گیا۔

کر دیں ○ [1]

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿113﴾

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا اصلہ ملے گا؟ ○

قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿114﴾

فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے ○ [2]

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ﴿115﴾

ان ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ! خواہ آپ ڈالیے اور یا ہم ہی ڈالیں؟ ○ [3]

قَالَ اَلۡقُوۡا‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ

موسیٰ نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو، [4] پس جب انھوں نے ڈالا

---

1 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو بھی انھوں نے جادو سمجھا اور جادو کے ذریعے سے اس کا توڑ مہیا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری زمین سے نکال دے۔ پس ہم بھی اس جیسا جادو تیرے مقابلے میں لائیں گے، اس کے لیے کسی ہموار جگہ اور وقت کا ہم تعین کر لیں جس کی دونوں پابندی کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ نوروز کا دن اور چاشت کا وقت ہے، اس حساب سے لوگ جمع ہو جائیں۔'' (طٰہٰ 20:57-59)

2 جادوگر چونکہ طالب دنیا تھے، دنیا کمانے کے لیے ہی شعبدہ بازی کا فن سیکھتے تھے، اس لیے انھوں نے موقع غنیمت جانا کہ اس وقت تو بادشاہ کو ہماری ضرورت لاحق ہوئی ہے، کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کی جائے، چنانچہ انھوں نے اپنا مطالبہ اجرت، کامیابی کی صورت میں پیش کر دیا، جس پر فرعون نے کہا کہ اجرت ہی نہیں بلکہ تم میرے مقربین میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔

3 جادوگروں نے یہ اختیار اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرنے کی وجہ سے دیا۔ انھیں پورا یقین تھا کہ ہمارے جادو کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ، جسے وہ ایک کرتب ہی سمجھتے تھے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کا موقع دے بھی دیا تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، ہم اس کے کرتب کا توڑ بہر صورت مہیا کر لیں گے۔

4 لیکن موسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کی تائید انھیں حاصل تھی، اس لیے انھیں اپنے اللہ کی مدد کا یقین تھا، لہٰذا انھوں نے بغیر کسی خوف اور تامل کے جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم جو دکھانا چاہتے ہو، دکھاؤ! علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ جادوگروں کے پیش کردہ جادو کا توڑ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معجزانہ انداز میں پیش ہوگا تو یہ لوگوں کے لیے زیادہ متاثر کن ہوگا جس سے ان کی صداقت واضح تر ہوگی اور لوگوں کے لیے ایمان لانا آسان ہو جائے گا۔

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿116﴾

تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو دہشت زدہ کر دیا اور ایک طرح کا بہت بڑا جادو بنا لائے ○[1]

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿117﴾

اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال دیجیے! سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا ○[2]

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿118﴾

پس حق ظاہر ہو گیا اور انھوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا ○

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿119﴾

پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرے ○

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿120﴾

اور وہ جو ساحر تھے سجدے میں گر گئے ○

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿121﴾

کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر ○[3]

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿122﴾

جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے ○[4]

---

1 بعض آثار میں بتایا گیا ہے کہ یہ جادوگر 70 ہزار کی تعداد میں تھے۔ بظاہر یہ تعداد مبالغے سے خالی نہیں جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی میدان میں پھینکی جو دیکھنے والوں کو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ یہ گویا بزعم خویش بہت بڑا جادو تھا جو انھوں نے پیش کیا۔

2 لیکن یہ جو کچھ بھی تھا، ایک تخیل، شعبدہ بازی اور جادو تھا جو حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی ڈالتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا اور لاٹھی نے ایک خوفناک اژدھے کی شکل اختیار کر کے سب کچھ نگل لیا۔

3 جادوگروں نے، جو جادو کے فن اور اس کی اصل حقیقت کو جانتے تھے، یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ یہاں پیش کیا ہے، جادو نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی مدد ہی سے اس نے یہ معجزہ پیش کیا ہے۔ جس نے آن واحد میں ہم سب کے کرتبوں پر پانی پھیر دیا، چنانچہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ باطل، باطل ہے، چاہے اس پر کتنے ہی حسین غلاف چڑھا لیے جائیں اور حق، حق ہے، چاہے اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیے جائیں، تاہم حق کا ڈنکا بج کر رہتا ہے۔

4 سجدے میں گر کر انھوں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کیا جس سے فرعونوں کو مغالطہ ہو سکتا تھا کہ یہ سجدہ فرعون کو کیا گیا ہے جس کی ربوبیت کے وہ قائل تھے، اس لیے انھوں نے موسیٰ اور ہارون کا رب کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ سجدہ ہم جہانوں کے رب ہی کو کر رہے ہیں۔ لوگوں کے خود ساختہ کسی رب کو نہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿123﴾

فرعون کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بغیر اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بیشک یہ ایک سازش تھی جو تم نے اس شہر میں کی تا کہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو اب تم کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے ○ [1]

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿124﴾

میں تمھارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ○ [2]

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿125﴾ ۚ

انھوں نے جواب دیا کہ ہم مر کر اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے ○ [3]

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿126﴾ ع 14/18/4

اور تو نے ہم میں کون سا عیب دیکھا ہے، بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے، [4] جب وہ ہمارے پاس آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر

1 یہ جو کچھ ہوا، فرعون کے لیے بڑا حیران کن اور تعجب زا تھا، اس لیے اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا، اس نے یہی کہہ دیا کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو اور اس کا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ اچھا! اس کا انجام عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا۔

2 یعنی دایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ یا بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ، پھر یہی نہیں، سولی پر چڑھا کر تمھیں نشان عبرت بھی بنا دوں گا۔

3 اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا تو تجھے بھی اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس جرم کی سخت سزا دے گا، اس لیے کہ ہم سب کو مر کر اسی کے پاس جانا ہے، اس کی سزا سے کون بچ سکتا ہے؟ گویا فرعون کے عذاب دنیا کے مقابلے میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ موت تو ہمیں آنی ہی آنی ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا کہ موت سولی پر آئے یا کسی اور طریقے سے؟

4 یعنی تیرے نزدیک ہمارا یہی عیب ہے جس پر تو ہم سے ناراض ہو گیا ہے اور ہمیں سزا دینے پر تل گیا ہے، درآں حالیکہ یہ سرے سے عیب ہی نہیں ہے۔ یہ تو خوبی ہے، بہت بڑی خوبی کہ جب حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو کر آ گئی تو ہم نے اس کے مقابلے میں تمام دنیاوی مفادات ٹھکرا دیے اور حقیقت کو اپنا لیا، پھر انھوں نے اپنا روئے سخن فرعون سے پھیر کر اللہ کی طرف کر لیا اور اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہو گئے۔

صبر کا فیضان فرما[1] اور ہماری جان حالتِ اسلام پر نکال ○[2]

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿127﴾

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں،[3] اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کیے رہیں۔[4] فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور ہے ○[5]

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿128﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنا دے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں ○[6]

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ

قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں

---

1 تاکہ ہم تیرے اس دشمن کے عذاب کو برداشت کرلیں اور حق میں مُتَصَلِّب اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔

2 اس دنیاوی آزمائش سے ہمارے اندر ایمان سے انحراف آئے نہ کسی اور فتنے میں ہم مبتلا ہوں۔

3 یہ ہر دور کے مفسدین کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ والوں کو فسادی اور ان کی دعوت ایمان و توحید کو فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرعونیوں نے بھی یہی کہا۔

4 فرعون کو بھی اگرچہ دعوائے ربوبیت تھا، وہ کہا کرتا تھا: ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○﴾ (النّٰزعٰت 79:24) ''میں تمھارا بڑا رب ہوں''، لیکن دوسرے چھوٹے چھوٹے معبود بھی تھے جن کے ذریعے سے لوگ فرعون کا تقرب حاصل کرتے تھے۔

5 ہمارے اس انتظام میں یہ رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ قتلِ ابناء (بیٹوں کے قتل کرنے) کا یہ پروگرام دوبارہ فرعونیوں کے کہنے سے بنایا گیا۔ اس سے قبل بھی، جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی تھی، موسیٰ علیہ السلام کے بعد از ولادت خاتمے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد ان کو بچانے کی یہ تدبیر کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو خود فرعون کے محل میں پہنچوا کر اسی کی گود میں ان کی پرورش کروائی۔ ﴿ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ﴾

6 جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد حاصل کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے تو زمین کا اقتدار بالآخر تمھیں ہی ملے گا۔

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿129﴾ ع 15/3/5

رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی [1] اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ [2] موسیٰ نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمھارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنادے گا، پھر تمھارا طرزِ عمل دیکھے گا○ [3]

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿130﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿131﴾

اور ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں○ [4]
سو جب ان پر خوشحالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔ [5] یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے [6] لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے○

---

1 یہ ان مظالم کی طرف اشارہ ہے جو ولادت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ان پر ہوتے رہے۔

2 جادوگروں کے واقعے کے بعد ظلم وستم کا یہ نیا دور ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد شروع ہوا۔

3 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، بہت جلد اللہ تمھارے دشمن کو ہلاک کر کے زمین میں تمھیں اقتدار عطا فرمائے گا۔ اور پھر تمھاری آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ ابھی تو تکلیفوں کے ذریعے سے آزمائے جارہے ہو، پھر انعام واکرام کی بارش کر کے اور اختیار واقتدار سے بہرہ مند کر کے تمھیں آزمایا جائے گا۔

4 ﴿اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ سے مراد، فرعون کی قوم ہے۔ اور سنین سے قحط سالی، یعنی بارش کے فقدان اور درختوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی۔ مقصد اس آزمائش سے یہ تھا کہ اس ظلم اور استکبار سے باز آجائیں جس میں وہ مبتلا تھے۔

5 ﴿الْحَسَنَةُ﴾ (بھلائی) سے مراد غلے اور پھلوں کی فراوانی اور ﴿سَيِّئَةٌ﴾ (برائی) سے اس کے برعکس قحط سالی اور پیداوار میں کمی۔ حَسَنَة کا سارا کریڈٹ خود لے لیتے کہ یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور بدحالی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو قرار دیتے کہ یہ تم لوگوں کی نحوست کے اثرات ہمارے ملک پر پڑرہے ہیں۔

6 ﴿طٰٓئِرُ﴾ کے معنی ہیں ''اڑنے والا'' یعنی پرندہ۔ چونکہ پرندے کے بائیں یا دائیں اڑنے سے وہ لوگ نیک فالی یا بدفالی لیا کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ مطلق فال کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر یا شر، جو خوش حالی یا قحط سالی کی وجہ سے انھیں پہنچتا ہے، اس کے اسباب

وَ قَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا بِهٖ مِنۡ اٰيَةٍ لِّتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿132﴾

اور یوں کہتے کیسی ہی بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمھاری بات ہرگز نہ مانیں گے ○ [1]

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَ كَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿133﴾

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون، کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔ [2] سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی جرائم پیشہ ○

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ لَئِنۡ

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار اس کا سبب نہیں۔ ﴿طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ کا مطلب ہوگا کہ ان کی بدشگونی کا سبب اللہ کے علم میں ہے اور وہ ان کا کفر و انکار ہے نہ کہ کچھ اور، یا اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی وجہ ان کا کفر ہے۔

1 یہ اسی کفر و جحود کا اظہار ہے جس میں وہ مبتلا تھے اور معجزات و آیات الٰہی کو اب بھی وہ جادوگری باور کرتے یا کراتے تھے۔

2 ﴿الطُّوۡفَانَ﴾ سے سیلاب یا کثرت بارش، جس سے ہر چیز غرق ہوگئی یا کثرت اموات مراد ہے، جس سے ہر گھر میں ماتم برپا ہوگیا۔ ﴿وَالۡجَرَادَ﴾ ٹڈی کو کہتے ہیں، ٹڈی دَل کا حملہ فصلوں کی ویرانی کے لیے مشہور ہے۔ یہ ٹڈیاں ان کے غلوں اور پھلوں کی فصلوں کو کھا کر چٹ کر جاتیں۔ ﴿وَالۡقُمَّلَ﴾ سے مراد جوئیں ہیں جو انسان کے جسم، کپڑے اور بالوں میں ہوجاتی ہیں یا گھن کا کیڑا ہے جو غلے میں لگ جاتا ہے تو اس کے بیشتر حصے کو ختم کر دیتا ہے۔ جوؤں سے انسان کو گھن بھی آتی ہے اور اس کی کثرت سے سخت پریشانی بھی۔ اور جب یہ بطور عذاب ہوں تو اس سے لاحق ہونے والی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح گھن کا عذاب بھی معیشت کو کھوکھلا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ ﴿الضَّفَادِعَ﴾ ضِفۡدَعٌ کی جمع ہے، یہ مینڈک کو کہتے ہیں جو پانی اور جوہڑوں، چھپڑوں میں ہوتا ہے۔ یہ مینڈک ان کے کھانوں میں، بستروں میں، رکھے ہوئے غلوں میں غرض ہر جگہ اور ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہوگئے، جس سے ان کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا حرام ہوگیا۔ ﴿وَالدَّمَ﴾ سے مراد ہے پانی کا خون بن جانا، یوں پانی پینا ان کے لیے ناممکن ہوگیا۔ بعض نے خون سے مراد نکسیر کی بیماری لی ہے، یعنی ہر شخص کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ ﴿اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ یہ کھلے کھلے اور جدا جدا معجزے تھے، جو وقفے وقفے سے ان کے پاس آئے۔

كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿134﴾

کر دیجیے! جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے، اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے ○

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿135﴾

پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کے لیے جس تک (بہر حال) ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے، تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے ○ [1]

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿136﴾

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا، یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے ○ [2]

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ

اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے، [3] اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے [4] اور آپ کے رب کا

---

1 یعنی ایک عذاب آتا تو اس سے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے، ان کی دعا سے وہ ٹل جاتا تو ایمان لانے کی بجائے پھر اس کفر و شرک پر جمے رہتے، پھر دوسرا عذاب آ جاتا تو پھر اسی طرح کرتے۔ یوں کچھ کچھ وقفوں سے پانچ عذاب ان پر آئے۔ لیکن ان کے دلوں میں جو رعونت اور دماغوں میں جو تکبر تھا، وہ حق کی راہ میں ان کے لیے زنجیر پا بنا رہا اور اتنی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہے۔

2 اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے باوجود وہ ایمان لانے کے لیے اور خواب غفلت سے بیدار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بالآخر انھیں دریا میں غرق کر دیا گیا، جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

3 یعنی بنی اسرائیل کو، جن کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم روا رکھتا تھا۔ اس بنا پر وہ فی الواقع مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ مغلوب اور غلام تھے۔ لیکن جب اللہ نے چاہا تو اسی مغلوب اور غلام قوم کو زمین کا وارث بنا دیا۔ ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ (اٰل عمرٰن 3:26) ''اللہ جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلیل کر دے۔''

4 زمین سے مراد شام کا علاقہ فلسطین ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کے بعد بنی اسرائیل کو غلبہ عطا فرمایا، شام میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد اس وقت گئے جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے عمالقہ کو شکست

رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾ ربع

نیک وعدہ، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا [1] اور فرعون اور اس کی قوم جو (فیکٹریاں اور کارخانے) بناتے اور جو اونچی اونچی عمارتیں اور محلات وہ تعمیر کرتے تھے، سب کو ہم نے درہم برہم کردیا ○ [2]

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود مقرر کردیجیے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے ○ [3]

دے کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ ہموار کردیا۔ اور اللہ نے زمین کے ان حصوں میں برکتیں رکھیں، یعنی شام کے علاقے میں۔ جو معنوی اور ظاہری شادابی وخوش حالی میں بھی ممتاز ہے، یعنی ظاہری وباطنی دونوں قسم کی برکتوں سے یہ زمین مالا مال رہی ہے۔ ﴿مَشَارِقَ﴾ مشرق کی جمع اور ﴿مَغَارِبَهَا﴾ مغرب کی جمع ہے۔ حالانکہ مشرق اور مغرب ایک ایک ہی ہیں۔ جمع سے مراد اس ارض بابرکت کے مشرقی اور مغربی حصے ہیں، یعنی جہات مشرق ومغرب۔

1 یہ وعدہ وہی ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی آیت: 128، 129 میں فرمایا گیا ہے اور سورۂ قصص میں بھی۔ ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ○﴾ (القصص 28:5,6) ''ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قوت وطاقت دیں اور فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے ہیں۔'' اور یہ فضل و احسان اس صبر کی وجہ سے ہوا جس کا مظاہرہ انھوں نے فرعونی مظالم کے مقابلے میں کیا۔

2 مَصْنُوعَات سے مراد کارخانے، عمارتیں اور ہتھیار وغیرہ ہیں اور ﴿يَعْرِشُوْنَ﴾ ''جو وہ بلند کرتے تھے۔'' سے مراد اونچی اونچی عمارتیں بھی ہوسکتی ہیں اور انگوروں وغیرہ کے باغات بھی جو وہ چھپروں پر پھیلاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی شہری عمارتیں، ہتھیار اور دیگر سامان بھی تباہ کردیا اور ان کے باغات بھی۔

3 اس سے بڑی جہالت اور نادانی کیا ہوگی کہ جس اللہ نے انھیں فرعون جیسے بڑے دشمن سے نہ صرف نجات دی بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اسے اس کے لشکر سمیت غرق کردیا اور انھیں معجزانہ طریق سے دریا عبور کروایا۔ وہ دریا پار کرتے ہی اس اللہ کو بھول کر پتھر کے خود تراشیدہ معبود تلاش کرنے لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ پتھر کے یہ بت گائے کی شکل کے تھے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ
وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾
قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ
فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿140﴾

یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے ○ [1]

فرمایا: کیا اللہ کے سوا تمھارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے ○ [2]

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿141﴾ ع 16 12 6

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمھارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ○ [3]

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ
وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ
فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور مزید دس راتوں سے ان تیس راتوں کو پورا کیا۔ سو ان کے رب کی مقررہ مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی۔[4] اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: تم میری قوم میں میری

---

1 یعنی یہ مورتیوں کے پجاری جن کے حال نے تمھیں بھی دھوکے میں ڈال دیا، ان کا مقدر تباہی اور ان کا یہ فعل باطل اور خسارے کا باعث ہے۔

2 کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کیے اور تمھیں جہانوں پر فضیلت بھی عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمھارے لیے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں؟ یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشناسی میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ ہے۔

3 یہ وہی آزمائشیں ہیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں بھی گزرا اور سورۂ ابراہیم میں بھی آئے گا۔

4 فرعون اور اس کے لشکر کے غرق کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی کتاب انھیں دی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو، جو نبی تھے اور ان کے بھائی بھی، اپنا جانشین مقرر کر دیا تا کہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے رہیں اور انھیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿142﴾

جانشینی کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کی راہ پر مت چلنا○ [1]

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿143﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! تو مجھے (اپنا جمال) دکھا کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں، ارشاد ہوا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، [2] لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ [3] پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی،

---

1 حضرت ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور اصلاح کا کام ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں محض تذکیر وتنبیہ کے طور پر یہ نصیحتیں کیں، میقات سے یہاں مراد وقت معین ہے۔

2 جب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے اور وہاں اللہ نے ان سے براہ راست گفتگو کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا اور اپنے اس شوق کا اظہار ﴿ رَبِّ اَرِنِیْۤ ﴾ کہہ کر کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿ لَنْ تَرٰىنِیْ ﴾ ''تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔'' اس سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ نے کہا کہ لن نفی تابید (ہمیشہ کی نفی) کے لیے آتا ہے، اس لیے اللہ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ لیکن معتزلہ کا یہ مسلک صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے اور قواعد عربیہ کے بھی۔ متواتر، صحیح اور قوی روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے۔ تمام اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ اس نفی رؤیت کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ دنیا میں کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے اور حرف لَنْ نفی تابید کے لیے نہیں، تابید خارجی دلیل سے معلوم ہوتی ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرما دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکے۔

3 یعنی وہ پہاڑ بھی رب کی تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''قیامت والے دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے، (یہ بے ہوشی امام ابن کثیر کے بقول میدان محشر میں اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے نزول اجلال فرمائے گا) اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انھیں کوہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں میدان محشر کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔''

بے شک تیری ذات پاک ہے میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں ○ [1]

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾

اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے تمھیں تمام لوگوں پر امتیاز بخشا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو ○ [2]

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿145﴾

اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی، [3] تم ان کو قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں، [4] عنقریب تم لوگوں کو ان فاسقوں کا گھر دکھلاؤں گا ○ [5]

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر تمام نشان دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں، [6] اور اگر ہدایت

(صحيح البخاري، حديث:4638، وصحيح مسلم، حديث:160-(2373))

1 تیری عظمت وجلالت کا اور اس بات کا کہ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، دنیا میں تیرے دیدار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

2 یہ ہم کلامی کا دوسرا موقع تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشرف کیا گیا۔ اس سے قبل جب آگ لینے گئے تھے تو اللہ نے ہم کلامی سے نوازا تھا اور پیغمبری عطا فرمائی تھی۔

3 گویا تورات تختیوں کی شکل میں، عطا فرمائی گئی جس میں ان کے لیے دینی احکام، امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کی پوری تفصیل تھی۔

4 اللہ تعالیٰ کے احکام تمام ہی اچھے اور خوب تر ہوتے ہیں، مراد یہ کہ اس کے احکام پر عمل کرو جو نہایت اچھے اور خوب تر ہیں۔

5 مقام (دار) سے مراد یا تو انجام، یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمھیں حکمرانی عطا کروں گا اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت عمالقہ کی حکمرانی تھی۔ جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن كثير)

6 تکبر کا مطلب ہے اللہ کی آیات و احکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گردانا۔ یہ تکبر انسان کے لیے زیبا نہیں۔ کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر خالق کا مقابلہ کرنا اور اس کے احکام و ہدایات سے اعراض و غفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسی لیے تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس آیت میں تکبر

لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿146﴾

کا راستہ دیکھیں تو اس کو اختیار نہیں کرتے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو فوراً اختیار کرتے ہیں،[1] یہ اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے ○[2]

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿147﴾ ع 17/6/7

اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے سب اعمال ضائع ہوگئے۔ وہ جیسے عمل کرتے ہیں ان کو ویسا ہی بدلہ ملے گا ○[3]

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿148﴾ وقف لازم

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا وہ ایک جسم تھا جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی۔ کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ تو کوئی بات کرتا ہے اور نہ ان کو کوئی راہ ہی دکھا سکتا ہے، اس کو

کا نتیجہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں آیات الٰہی سے دور ہی رکھتا ہے، پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انھیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَاۗءَتْھُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○﴾ (یونس 10:96,97) ''جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی، وہ ایمان نہیں لائیں گے، چاہے ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آجائے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔''

1 اس میں احکام الٰہی سے اعراض کرنے والوں کی ایک اور عادت یا نفسیات کا بیان ہے کہ ہدایت کی کوئی بات ان کے سامنے آئے تو اسے تو نہیں مانتے، البتہ گمراہی کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اسے فوراً اپنا لیتے اور راہ عمل بنا لیتے ہیں۔ قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا ہر دور میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آج ہم بھی ہر جگہ اور ہر معاشرے میں حتیٰ کہ مسلمان معاشروں میں بھی یہی کچھ دیکھ رہے ہیں کہ نیکی منہ چھپائے پھر رہی ہے اور بدی کو ہر کوئی لپک لپک کر اختیار کر رہا ہے۔

2 یہ اس بات کا سبب بتلایا جا رہا ہے کہ لوگ نیکی کے مقابلے میں بدی کو اور حق کے مقابلے میں باطل کو کیوں زیادہ اختیار کرتے ہیں؟ یہ سبب ہے آیات الٰہی کی تکذیب اور ان سے غفلت و اعراض کا۔ یہ ہر معاشرے میں عام ہے۔

3 اس میں آیات الٰہی کی تکذیب اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ چونکہ ان کے عمل کی اساس عدل و حق نہیں، ظلم و باطل ہے، اس لیے ان کے نامۂ اعمال میں شر ہی شر ہوگا جس کی کوئی قیمت اللہ کے ہاں نہ ہوگی۔ ہاں، اس شر کا بدلہ ان کو وہاں ضرور دیا جائے گا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ
ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا
وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿149﴾
وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ
بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى
الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ
قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ
وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۡ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ

انھوں نے معبود قرار دیا اور وہ لوگ تھے ہی ظالم ○ [1]
اور جب نادم ہوئے [2] اور دیکھا کہ واقعی وہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں معاف نہ کیا تو ہم بالکل برباد ہو جائیں گے ○
اور جب موسیٰ غصے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد بری جانشینی کی، کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی؟ اور تورات کی تختیاں ڈال دیں [3] اور اپنے بھائی کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارون نے کہا، اے میرے ماں جائے! [4] ان لوگوں نے مجھے

---

1 موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے تو پیچھے سے سامری نامی شخص نے سونے کے زیورات اکٹھے کر کے ایک بچھڑا تیار کیا جس میں اس نے جبریل کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی بھی، جو اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی، شامل کر دی، جس میں اللہ نے زندگی کی تاثیر رکھی تھی، جس کی وجہ سے بچھڑا کچھ کچھ بیل کی آواز نکالتا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ فی الواقع گوشت پوست کا بچھڑا بن گیا تھا یا تھا وہ سونے کا ہی۔ لیکن کسی طریقے سے اس میں ہوا داخل ہوتی تو گائے، بیل کی سی آواز اس میں سے نکلتی۔ (ابن کثیر) اس آواز سے سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ تمھارا معبود تو یہ ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں اور وہ معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں۔ (یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ میں آئے گا۔)

2 ﴿سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ﴾ محاورہ ہے جس کے معنی نادم ہونا ہیں۔ یہ ندامت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ہوئی، جب انھوں نے آ کر اس پر ان کی زجر وتوبیخ کی، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ یہاں اسے مقدم اس لیے کر دیا گیا ہے کہ ان کا فعل اور قول اکٹھا ہو جائے۔ (فتح القدیر)

3 جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر دیکھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو سخت غضب ناک ہوئے اور جلدی میں تورات کی تختیاں بھی، جو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر عطا کی تھیں، نیچے ڈال دیں اور ایسی حالت میں یہ فعل سوء ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان کا تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا بلکہ دینی غیرت وحمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔

4 حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام آپس میں سگے بھائی تھے لیکن یہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے ''ماں جائے'' اس لیے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پہلو زیادہ ہے۔

الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿150﴾

کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالتے [1] تو تم دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دو [2] اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کرو ○ [3]

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿151﴾ ع 18/4/8

موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! میری خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾

بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ ان پر بہت جلد ان کے رب کا غضب (نازل) ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) [4] اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ○ [5]

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے، پھر اس کے بعد توبہ کی اور ایمان لے آئے تو تمھارا رب اس توبہ کے بعد

---

1 حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اپنا عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ قوم کو شرک جیسے جرم عظیم سے روکنے میں ناکام رہے۔ ایک اپنی کمزوری اور دوسرا بنی اسرائیل کا عناد اور سرکشی کہ وہ انھیں قتل تک کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے اور انھیں اپنی جان بچانے کے لیے خاموش ہونا پڑا، جس کی اجازت ایسے موقعوں پر اللہ نے دی ہے۔

2 میری ہی سرزنش کرنے سے دشمن خوش ہوں گے جبکہ یہ موقع تو دشمنوں کی سرکوبی اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کا ہے۔

3 اور ویسے بھی عقیدہ وعمل میں مجھے کس طرح ان کے ساتھ شمار کیا جا سکتا ہے؟ میں نے نہ شرک کا ارتکاب کیا، نہ اس کی اجازت دی، نہ اس پر خوش ہوا، صرف خاموش رہا اور اس کے لیے بھی میرے پاس معقول عذر موجود ہے، پھر میرا شمار ظالموں (مشرکوں) کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا مانگی۔

4 اللہ کا غضب یہ تھا کہ توبہ کے لیے قتل ضروری قرار پایا۔ اور اس سے قبل جب تک جیتے رہے، ذلت ورسوائی کے وہ مستحق قرار پائے۔

5 اور یہ سزا ان ہی کے لیے خاص نہیں ہے، جو بھی اللہ پر افترا کرتا ہے، اس کو ہم یہی سزا دیتے ہیں۔

رَّحِيْمٌ ﴿153﴾
وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ
الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ
لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾
وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا
لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ
وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ
مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا
مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ
وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
الْغٰفِرِيْنَ ﴿155﴾

گناہ معاف کر دینے والا، رحمت کرنے والا ہے[1] ○
اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے ان تختیوں کو اٹھا لیا، ان کے مضامین میں[2] ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں[3] ○
اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت کے لیے منتخب کیے، سو جب ان کو زلزلے نے آ پکڑا[4] تو موسیٰ عرض کرنے لگے کہ اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو

1 ہاں، جنھوں نے توبہ کر لی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بشرطیکہ خالص توبہ ہو۔

2 ﴿نُسْخَتِهَا﴾ فُعْلَة کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔ یہ اس اصل کو بھی کہتے ہیں جس سے نقل کیا جائے اور نقل شدہ کو بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں نسخہ سے مراد یا تو وہ اصل الواح ہیں جن پر تورات لکھی گئی تھی اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ تختیاں ڈالنے سے نہیں ٹوٹی تھیں کیونکہ آگے چل کر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ''تختیوں کو اٹھا لیا'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں۔ بہر حال اس کا مرادی مفہوم ''مضامین'' ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

3 تورات کو بھی، قرآن کریم کی طرح، انھی لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ اصل فائدہ آسمانی کتابوں سے ایسے ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں نے تو چونکہ اپنے کانوں کو حق کے سننے سے، آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے بند کیا ہوا ہوتا ہے، اس لیے اس چشمۂ فیض سے وہ بالعموم محروم ہی رہتے ہیں۔

4 ان ستر آدمیوں کی تفصیل اگلے حاشیے میں آ رہی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چنے اور انھیں کوہ طور پر لے گئے، جہاں پر انھیں کسی جرم کی وجہ سے بطور عذاب ہلاک کر دیا گیا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا......

ہی تو ہمارا سرپرست ہے، پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو ہی سب سے بہتر معاف کرنے والا ہے ○ [1]

وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

اور ہمارے لیے دنیا میں بھی نیکی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم نے تیری طرف رجوع کرلیا ہے۔ [2] اللہ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ [3]

1 بنی اسرائیل کے یہ ستر آدمی کون تھے اور کس جرم کی وجہ سے ہلاک کیے گئے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے احکام انھیں سنائے تو انھوں نے کہا: ہم کیسے یقین کرلیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے؟ ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں، اسے نہیں مانیں گے، چنانچہ انھوں نے ستر برگزیدہ آدمیوں کا انتخاب کیا اور انھیں کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا جسے ان لوگوں نے بھی سنا۔ لیکن وہاں انھوں نے ایک نیا مطالبہ کر دیا کہ ہم تو جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے بچھڑے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معذرت کے لیے کوہ طور پر لے جائے گئے تھے اور وہاں جا کر انھوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنھوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا لیکن انھیں اس سے منع نہیں کیا۔ ایک چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنھیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کے لیے چنا گیا تھا، وہاں جا کر انھوں نے اللہ سے دعائیں کیں۔ جن میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ ''یا اللہ! ہمیں تو وہ کچھ عطا فرما جو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا نہیں کیا اور نہ آئندہ وہ کسی کو عطا کرنا۔'' اللہ تعالیٰ کو یہ دعا پسند نہیں آئی، جس پر وہ زلزلے کے ذریعے سے ہلاک کر دیے گئے۔ زیادہ مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں اور اسے انھوں نے وہی واقعہ قرار دیا ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ، آیت:56 میں آیا ہے۔ جہاں ان پر صَاعِقه (بجلی کی کڑک) سے موت وارد ہونے کا ذکر ہے اور یہاں رجفة (زلزلے) سے موت کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے دونوں ہی عذاب آئے ہوں اوپر سے بجلی کی کڑک اور نیچے سے زلزلہ۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا و التجا کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے قبل اس وقت ہلاک کرتا جب یہ بچھڑے کی عبادت میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا۔

2 یعنی توبہ کرتے ہیں۔

3 یہ اس کی وسعت رحمت ہی ہے کہ دنیا میں صالح و فاسق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے 100 حصے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس

لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿156﴾

تو میں وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ○

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾ ع 19/6/9

جو لوگ اس رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ [1] وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں [2] اور پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے [3] ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ○ [4]

سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے 99 حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:19-(2752)، وسنن ابن ماجه، حدیث:4293)

1 یہ آیت بھی اس امر کی وضاحت کے لیے نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسالت محمدیہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں اور ایمان وہی معتبر ہے جس کی تفصیلات محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے بھی تصور ''وحدت ادیان'' کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

2 معروف وہ ہے جسے شریعت نے اچھا اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے برا قرار دیا ہے۔

3 یہ بوجھ اور طوق وہ ہیں جو پچھلی شریعت میں تھے، مثلاً: نفس کے بدلے نفس کا قتل ضروری تھا، (دیت یا معافی نہیں تھی) یا جس کپڑے کو نجاست لگ جاتی، اس کا قطع کرنا ضروری تھا، شریعت اسلامیہ نے اسے صرف دھونے کا حکم دیا۔ جس طرح قصاص میں دیت اور معافی کی بھی اجازت دی، اس طرح دیگر احکام میں بھی آسانی ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ ''مجھے آسان دین حنیفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔'' (مسند أحمد:266/5) لیکن افسوس! اس امت نے اپنے طور پر رسوم و رواج کے بہت سے بوجھ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور جاہلیت کے طوق زیب گلو کر لیے ہیں، جن سے شادی اور مرگ دونوں عذاب بن گئے ہیں۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰی۔

4 ان آخری الفاظ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ جو رسالت محمدیہ پر ایمان نہیں لائیں گے، وہ کامیاب

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿158﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو خود بھی اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ ○ [1]

نہیں، خاسر اور ناکام ہوں گے۔ علاوہ ازیں کامیابی سے مراد بھی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم رسالت محمدیہ پر ایمان نہ رکھتی ہو اور اسے دنیاوی خوش حالی و فراوانی حاصل ہو۔ جس طرح اس وقت مغربی اور یورپی اور دیگر بعض قوموں کا حال ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی یا کافر و مشرک ہونے کے باوجود مادی ترقی اور خوش حالی میں ممتاز ہیں۔ لیکن ان کی یہ ترقی عارضی و بطور امتحان و استدراج ہے۔ یہ ان کی اخروی کامیابی کی ضمانت یا علامت نہیں۔ اسی طرح ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ المائدہ کی آیت: 15 میں نور سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ (جیسا کہ وہاں بھی وضاحت کی گئی تھی) کیونکہ جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہ قرآن مجید ہی ہے، اس لیے اس ''نور'' سے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مراد نہیں ہے۔ ہاں، یہ الگ بات ہے کہ ہدایت کے لحاظ سے آپ کی صفات میں ایک صفت نور بھی ہے۔ جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ لیکن اس سے آپ کا نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰہِ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، جس طرح اہل بدعت یہ ثابت کرتے ہیں۔ اہل بدعت کا یہ عقیدہ عیسائیوں کے عقیدہ اِبْنِیت مسیح کے مشابہ اور اسی طرح باطل ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهُمَا (مزید دیکھیے سورہ مائدہ، آیت: 15 کا حاشیہ)

1 یہ آیت بھی رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیجیے کہ اے کائنات کے انسانو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یوں آپ پوری بنی نوع انسانی کے راہ نما اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں، نہ کسی اور مذہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔ اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپ کو ﴿النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ کہا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ امی کے معنی ہیں ان پڑھ، یعنی آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیے، کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے جو قرآن کریم پیش کیا، اس کے اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء عاجز آ گئے اور آپ نے جو تعلیمات پیش کیں، ان کی صداقت و حقانیت کی ایک دنیا معترف ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے ورنہ ایک امی نہ ایسا قرآن پیش کرسکتا ہے اور نہ

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ
وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿159﴾
وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ
اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ
مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ
اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ
وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿160﴾
وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ
وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿161﴾

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا

اور قومِ موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی اور اسی کے مطابق انصاف کرتی ہے ○ [1]

اور ہم نے انھیں بارہ قبیلوں کے لحاظ سے بارہ جماعتیں بنا دیا تھا، [2] اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو، پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا گھاٹ معلوم کر لیا۔ اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا اور کہا کہ کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کر رہے تھے ○

اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس بستی میں جا کر رہو اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور یہ کہتے جانا کہ ہمیں معاف کر دے اور سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہونا ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو اور زیادہ دیں گے ○

تو جو لوگ ان میں سے ظالم تھے، انھوں نے وہ بات ہی بدل دی جو ان سے کہی گئی تھی، پس ہم نے ان پر آسمان

ایسی تعلیمات بیان کر سکتا ہے جو عدل و انصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انھیں اپنائے بغیر دنیا حقیقی امن و سکون اور راحت و عافیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

1 اس سے مراد وہی چند لوگ ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ رضی اللہ عنہم

2 ﴿اَسْبَاطًا﴾ سِبط کی جمع ہے جس کے ایک معنی اولاد کی اولاد ہیں جبکہ یہاں اسباط قبائل کے معنی میں ہے، یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے معرض وجود میں آئے، ہر قبیلے پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نقیب (نگران) مقرر فرما دیا۔ ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾ (المآئدة 12:5) یہاں اللہ تعالیٰ ان بارہ قبیلوں کے بعض صفات میں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کی بنا پر ان کے الگ الگ گروہ ہونے کو بطور امتنان کے ذکر فرما رہا ہے۔

ع 20 5 10

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿162﴾ ع

سے ایک عذاب بھیج دیا کیونکہ وہ ظلم کیا کرتے تھے ○ [1]

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿163﴾

وقف لازم — النصف

اور آپ ان لوگوں سے،[2] اس بستی والوں کا[3] جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھیے جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جبکہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں، اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں، اس طرح ہم انھیں آزمائش میں ڈال رہے تھے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے ○ [4]

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

اور جب ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے؟[5] انھوں

---

1 160 تا 162 آیات میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، یہ وہ ہیں جو پارہ الم، سورۂ بقرہ کے آغاز میں بیان کی گئی ہیں۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمالی جائے۔

2 ﴿وَسْـَٔلْهُمْ﴾ میں ہم ضمیر سے مراد یہود ہیں، یعنی ان سے پوچھیے۔ اس میں یہودیوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس واقعے کا علم نبی کریم ﷺ کو بھی ہے جو آپ کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر آپ کو اس واقعے کا علم نہیں ہوسکتا تھا۔

3 اس بستی کی تعیین میں اختلاف ہے، کوئی اس کا نام ایلہ کوئی طبریہ کوئی ایلیاء اور کوئی شام کی کوئی بستی، جو سمندر کے قریب تھی، بتلاتا ہے۔ مفسرین کا زیادہ رجحان ''ایلہ'' کی طرف ہے جو مدین اور کوہ طور کے درمیان بحر قلزم کے ساحل پر تھی۔

4 ﴿حِيْتَانُهُمْ﴾ حوت (مچھلی) کی جمع ہے۔ ﴿شُرَّعًا﴾ شارع کی جمع ہے۔ معنی ہیں پانی کے اوپر ابھر ابھر کر آنے والیاں۔ یہ یہودیوں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں انھیں ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن بطور آزمائش ہفتے والے دن مچھلیاں کثرت سے آتیں اور پانی کے اوپر ظاہر ہو کر چلتی تھیں۔ اور جب یہ دن گزر جاتا تو اس طرح نہ آتیں۔ بالآخر یہودیوں نے ایک حیلہ کر کے حکم الٰہی سے تجاوز کیا کہ گڑھے کھود لیے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو پھر انھیں پکڑ لیتے۔

5 جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ اس بستی کے لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے: ایک ظالم جو حیلہ سازی سے ہفتے

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿164﴾

نے جواب دیا کہ تمھارے رب کے سامنے معذرت کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید وہ ڈر جائیں ○

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿165﴾

سو جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی [1] تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے ○ [2]

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿166﴾

یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا تم بندر ذلیل بن جاؤ ○ [3]

کے دن مچھلیوں کا شکار کرتے تھے، دوسرا گروہ جوان کو ایسا کرنے سے منع کرتا تھا اور تیسرا گروہ جو خود اگرچہ نیک تھا لیکن اس ظالم گروہ کو اس برائی سے منع نہیں کرتا تھا، یہاں پر اُمة سے مراد یہی تیسرا گروہ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین اس جماعت سے وہی نافرمان اور تجاوز کرنے والے مراد لیتے ہیں، جب ان کو وعظ کرنے والے نصیحت کرتے تو یہ کہتے کہ جب تمھارے خیال میں ہلاکت یا عذاب الٰہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ہمیں کیوں وعظ کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ایک تو اپنے رب کے سامنے معذرت پیش کرنے کے لیے تا کہ ہم تو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ معصیت الٰہی کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھنا اور پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی جرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوسکتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ حکم الٰہی سے تجاوز کرنے سے باز ہی آ جائیں۔ پہلی تفسیر کی رو سے یہ تین جماعتیں ہوئیں۔ ① نافرمان اور شکار کرنے والی جماعت ② وہ جماعت جو بالکل کنارہ کش ہوگئی، نہ وہ نافرمانوں میں تھی نہ منع کرنے والوں میں ③ وہ جماعت جو نافرمان بھی نہیں تھی۔ اور بالکل کنارہ کش بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ نافرمانوں کو منع کرتی تھی۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ دو جماعتیں ہوں گی۔ ایک نافرمانوں کی اور دوسری منع کرنے والوں کی۔

1 یعنی وعظ و نصیحت کی انھوں نے کوئی پروا نہیں کی اور نافرمانی پر اڑے رہے۔

2 یعنی وہ ظالم بھی تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انھیں جہنم کا ایندھن بنا لیا اور فاسق بھی کہ اللہ کے حکموں سے سرتابی کو انھوں نے اپنا شیوہ اور وتیرہ بنا لیا۔

3 ﴿عَتَوْا﴾ کے معنی ہیں، جنھوں نے اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ نجات پانے والے صرف وہی تھے جو منع کرتے تھے اور باقی دونوں عذاب الٰہی کی زد میں آئے؟ یا زد میں آنے والے صرف معصیت کار تھے؟ اور باقی دو جماعتیں نجات پانے والی تھیں؟ امام ابن کثیر نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿167﴾

اور وہ وقت یاد کرنا چاہیے کہ جب آپ کے رب نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیتا رہے گا،[1] بلاشبہ آپ کا رب جلد ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے ○[2]

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿168﴾

اور ہم نے زمین میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں۔ بعض ان میں سے نیک تھے اور بعض ان میں اور طرح کے یعنی بد تھے اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ باز آ جائیں ○[3]

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین بنے[4] جو کتاب یعنی تورات کے وارث ہوئے، وہ اس ادنیٰ دنیا کا سامان لے لیتے[5] اور کہتے تھے کہ ضرور ہماری

---

1 ﴿ تَاَذَّنَ ﴾ اِيْذَانِ بمعنی اعلام، (خبر دینا، جتلا دینا) سے باب تفعل ہے، یعنی وہ وقت بھی یاد کرو! جب آپ کے رب نے ان یہودیوں کو اچھی طرح باخبر کر دیا یا جتلا دیا تھا۔ ﴿ لَيَبْعَثَنَّ ﴾ میں لام قسم کے لیے ہے جو تاکید کے معنی کا فائدہ دیتا ہے، یعنی قسم کھا کر نہایت تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب میں مبتلا رکھیں گے، چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت و مسکنت اور غلامی و محکومی کی تاریخ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے۔ اسرائیل کی موجودہ حکومت قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ وہ قرآن ہی کے بیان کردہ استثنا ﴿ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کی مظہر ہے اور اس حقیقت کی مؤید ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے آل عمران، آیت: 112 کا حاشیہ)

2 یعنی اگر ان میں سے کوئی توبہ کر کے مسلمان ہو جائے گا تو وہ اس ذلت و سوء عذاب سے بچ جائے گا۔

3 اس میں یہود کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے اور ان میں سے بعض کے نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اور ان کو دونوں طریقوں سے آزمائے جانے کا بیان ہے کہ شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔

4 [خَلَفٌ] (لام پر فتح کے ساتھ) اولاد صالح کو اور [خَلْف] (لام کے سکون کے ساتھ) نالائق اولاد کو کہتے ہیں۔ اردو میں بھی ناخلف کی ترکیب نالائق اولاد کے معنی میں مستعمل ہے۔

5 ﴿ الْاَدْنٰى ﴾ دُنُوٌّ (قریب ہونا) سے ماخوذ ہے، یعنی قریب کا مال حاصل کرتے ہیں جس سے دنیا مراد ہے یا یہ

يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾

مغفرت ہو جائے گی،[1] حالانکہ اگر ان کے پاس پھر ویسا ہی سامان آنے لگے تو اس کو بھی لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب میں پختہ وعدہ نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں[2] اور اس کتاب میں جو کچھ تھا انھوں نے اس کو پڑھ بھی لیا[3] اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں، پھر کیا تم نہیں سمجھتے ○

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾

اور جو لوگ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے اور نماز قائم کرتے ہیں، ہم ایسے نیک کردار لوگوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے ○[4]

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین

دَنَاءَةٌ (حقارت) سے ماخوذ ہے جس سے مراد حقیر اور ردی مال ہے۔ مطلب دونوں سے ان کے دنیا کے مال ومتاع کے حرص کی وضاحت ہے۔

1 یعنی طالب دنیا ہونے کے باوجود مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ جیسے آج کل کے مسلمانوں کا بھی حال ہے۔

2 اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے باز نہیں آتے، مثلاً: وہی مغفرت کی بات، جو اوپر گزری۔

3 اس کا ایک دوسرا مفہوم مٹانا بھی ہوسکتا ہے، جیسے۔ دَرَسَتِ الرِّيحُ الْآثَارَ ''ہوا نے نشانات مٹا ڈالے۔'' یعنی کتاب کی باتوں کو مٹا ڈالا محو کر دیا، یعنی ان پر عمل ترک کر دیا۔

4 ان لوگوں میں سے جو تقویٰ کا راستہ اختیار کرلیں، کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں، جس سے مراد اصلی تورات ہے اور جس پر عمل کرتے ہوئے نبوت محمدی پر ایمان لے آئیں، نماز وغیرہ کی پابندی کریں تو اللہ ایسے مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ اس میں ان اہل کتاب (سیاق کلام سے یہاں بطور خاص یہود) کا ذکر ہے جو تقویٰ، تمسک بالکتاب اور اقامت صلاۃ کا اہتمام کریں اور ان کے لیے آخرت کی خوش خبری ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور رسالت محمدیہ پر ایمان لے آئیں۔ کیونکہ اب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں۔

اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ
تَتَّقُوۡنَ ﴿171﴾ ع 21/9/11

ہو گیا تھا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے اور کہا کہ جو کتاب ہم نے تمھیں دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ ○ [1]

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِيۡۤ اٰدَمَ مِنۡ
ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى
اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۛۚ
شَهِدۡنَا ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا

اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں۔ [2] تاکہ تم لوگ قیامت کے

---

1 یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے۔ تو انھوں نے پھر حسب عادت ان پر عمل کرنے سے انکار و اعراض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو بلند کر دیا کہ تم پر گرا کر تمھیں کچل دیا جائے گا، جس سے ڈرتے ہوئے انھوں نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رفع جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبے پر پیش آیا، جب انھوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کو ہمارے اوپر بلند کر کے دکھائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں مطلق پہاڑ کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے قبل سورۂ بقرہ، آیت: 63 اور آیت: 93 میں دو جگہ اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، وہاں اس کا نام صراحت کے ساتھ طور بتلایا گیا ہے۔

2 یہ عہد أَلَسْتُ کہلاتا ہے جو ﴿ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ﴾ سے بنی ہوئی ترکیب ہے۔ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا۔ اس کی تفصیل ایک صحیح حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ''میدان عرفات کے قریب نُعمان جگہ میں اللہ تعالیٰ نے اصلاب آدم سے عہد (میثاق) لیا۔ پس آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے پوچھا: ''کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟'' سب نے کہا ﴿ بَلٰى شَهِدۡنَا ﴾ ''کیوں نہیں۔ تیرے رب ہونے کی ہم سب گواہی دیتے ہیں۔'' (مسند أحمد: 272/1، والمستدرك للحاكم: 544/2 وصححه ووافقه الذهبي) امام شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں وإسناده لا مطعن فيه (فتح القدير) ''اس کی سند میں کوئی طعن نہیں۔'' نیز امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ عالم ذر کہلاتا ہے اس کی یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول اور کسی اور مفہوم کی طرف جانا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مرفوع حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر بھی محمول کرنا جائز نہیں ہے۔'' بہر حال اللہ کی ربوبیت کی یہ گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، اس کا ناک، کان کٹا نہیں ہوتا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1358، وصحيح مسلم،

عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿172﴾

روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے ○

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿173﴾

یا یوں کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے تو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈال دے گا؟ ○ [1]

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿174﴾

ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ ہماری طرف لوٹ آئیں ○

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿175﴾

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں، پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گم راہ لوگوں میں شامل ہو گیا ○ [2]

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس

حدیث:22-(2658)) اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین (فطری) سے گمراہ کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث:63-(2865)) یہ فطرت یا دین فطرت، یہی رب کی توحید اور اس کی نازل کردہ شریعت ہے جو اب اسلام کی صورت میں محفوظ اور موجود ہے۔

1 یعنی ہم نے یہ اخذ عہد اور اپنی ربوبیت کی گواہی اس لیے لی تاکہ تم یہ عذر پیش نہ کر سکو کہ ہم تو غافل تھے یا ہمارے باپ دادا شرک کرتے آئے تھے، یہ عذر قیامت والے دن بارگاہ الٰہی میں مسموع نہیں ہوں گے۔

2 مفسرین نے اسے کسی ایک متعین شخص سے متعلق قرار دیا ہے جسے کتاب الٰہی کا علم حاصل تھا لیکن پھر وہ دنیا اور شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو گیا۔ تاہم اس کی تعیین میں کوئی مستند بات مروی نہیں، اس لیے اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عام ہے اور ایسے افراد ہر امت اور ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، جو بھی اس صفت کا حامل ہو گا، وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔

كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾

کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے،[1] یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ ان واقعات کو بیان کر دیجیے تا کہ وہ لوگ کچھ سوچیں ○[2]

سَآءَ مَثَلَا ۨ الۡقَوۡمُ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاَنۡفُسَهُمۡ كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

ان لوگوں کی مثال بھی بری ہے[3] جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے رہے ○

مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِىۡ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۷۸﴾

جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے تو وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ○[4]

وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ۖ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۫ وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۫ وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰۤـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ

اور یقیناً ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں،[5] جن کے دل ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی

---

1 لَهَثٌ کہتے ہیں تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان باہر نکال کر ہانپنے کو۔ کتے کی یہ عادت ہے کہ وہ شکم سیر ہو یا بھوکا، تندرست ہو یا بیمار، تھکا ماندہ ہو یا توانا، ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپتا رہتا ہے۔ یہی حال ایسے شخص کا ہے، اسے وعظ کرو یا نہ کرو، اس کا حال ایک ہی رہے گا اور دنیا کے مال و متاع کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہے گی۔

2 اور اس قسم کے لوگوں سے عبرت حاصل کر کے گمراہی سے بچیں اور حق کو اپنائیں۔

3 ﴿مَثَلًا﴾ تَمۡیِیز ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی سَاءَ مَثَلًا مَّثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا

4 یہ اس کے قانون مشیت کا بیان ہے جس کی وضاحت پہلے دو تین مرتبہ کی جا چکی ہے۔ (دیکھیے بقرہ، آیت: 253 کا حاشیہ)

5 اس کا تعلق تقدیر سے ہے، یعنی ہر جن و انسان کی بابت اللہ کو علم تھا کہ وہ دنیا میں جا کر اچھے یا برے کیا عمل کرے گا، اس کے مطابق اس نے لکھ رکھا ہے۔ یہاں انھی دوزخیوں کا ذکر ہے جنھیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ والے ہی کام کرنے تھے۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کر کے بتا دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر یہ چیزیں اسی انداز میں ہوں جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا انجام برا ہے۔

الْغٰفِلُوْنَ ﴿179﴾
وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪
وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ
سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿180﴾

زیادہ گمراہ ہیں [1] اور یہی لوگ غافل ہیں ○
اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں، سوتم اللہ کو انھی
ناموں کے ساتھ پکارو، [2] اور ایسے لوگوں سے تعلق ہی نہ
رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، [3] ان

1 یعنی دل، آنکھ، کان یہ چیزیں اللہ نے اس لیے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے، اس کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سنے۔ لیکن جو شخص ان مشاعر سے یہ کام نہیں لیتا، وہ ان سے عدم انتفاع (فائدہ نہ اٹھانے) میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے، اس لیے کہ چوپایے تو پھر بھی اپنے نفع نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنے والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے مفید چیز کون سی ہے اور مضر کون سی؟ اسی لیے اگلے جملے میں انھیں غافل بھی کہا گیا ہے۔

2 ﴿اَلْحُسْنٰى﴾ اَحْسَن اسم تفضیل کی تانیث ہے۔ اللہ کے ان بہترین ناموں سے مراد اللہ کے وہ نام ہیں جن سے اس کی مختلف صفات، اس کی عظمت و جلالت اور اس کی قدرت و طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ان کی تعداد 99 (ایک کم سو) بتائی گئی۔ اور فرمایا کہ ''جو ان کو شمار کرے گا، جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ طاق ہے، طاق کو پسند فرماتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:6410، وصحيح مسلم، حديث:5-(2677)) شمار کرنے کا مطلب ہے، ان پر ایمان لانا یا ان کو گننا اور انھیں ایک ایک کر کے بطور تبرک اخلاص کے ساتھ پڑھنا یا ان کا حفظ کرنا، ان کے معانی کا جاننا اور ان سے اپنے کو متصف کرنا۔ (مرقاة شرح مشكاة:71/5) بعض روایات میں ان 99 ناموں کو تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں اور علماء نے انھیں مدرج قرار دیا ہے، یعنی راویوں کا اضافہ۔ وہ نبی ﷺ کی حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ نیز علماء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اللہ کے ناموں کی تعداد 99 میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ (ابن كثير و فتح القدير)

3 اِلْحَاد کے معنی ہیں کسی ایک طرف مائل ہونا۔ اسی سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو قبر کے گھڑے کے اندر ایک طرف بنائی جاتی ہے۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کج روی) کی تین صورتیں ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کر دی جائے۔ جیسے مشرکین نے کیا، مثلاً: اللہ کے ذاتی نام سے اپنے ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی نام عَزِیز سے عُزیٰ بنا لیا۔ ② یا اللہ کے ناموں پر اپنی طرف سے اضافے کر لینا، یعنی اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے نام گھڑ لینا جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے۔ ③ یا اس کے ناموں میں کمی کر دی جائے، مثلاً: اسے کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔ (فتح القدير) اللہ کے ناموں میں الحاد کی ایک صورت یہ بھی

لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی ○

ہے کہ ان میں تاویل، تعطیل یا تشبیہ سے کام لیا جائے۔ (أیسر التفاسیر) جس طرح معتزلہ، مُعطِّلَہ اور مُشَبِّہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سب سے بچ کر رہو۔

یعنی اللہ کے اسماء وصفات میں تاویل نہ کرو۔ جیسے کہا جائے کہ یَدٌ (ہاتھ) سے مراد قدرت ہے۔ یا استواء علی العرش کا مطلب اِستِیلاء (غلبہ) ہے، وغیرہ۔ بلکہ یہ ایمان رکھا جائے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ ہیں، جیسا کہ اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہیں، اس لیے کہ ہاتھ کو اگر قدرت کے معنی میں لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ میں نے آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (صٓ 75:38) تو حضرت آدم علیہ السلام کا یہ اختصاص ختم ہو جائے گا کیونکہ قدرت الٰہی سے تو ساری ہی مخلوق پیدا ہوئی ہے تو پھر حضرت آدم کی کیا خصوصیت ہوئی، جسے اللہ نے بطور خاص بیان فرمایا ہے؟ اس طرح سے ایک حقیقت کا انکار لازم آتا ہے۔

اِستَوٰی کے معنی ہیں صَعِدَ، عَلَا، اِرْتَفَعَ، اِسْتَقَرَّ (سلف سے یہ چاروں الفاظ منقول ہیں) جس کا مطلب عرش پر بلند ہونا اور اس پر استقرار پکڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود اور مستقر صرف عرش پر ہے، البتہ اس کا علم ہر جگہ ہے، اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید57:4) ''تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمھارے ساتھ ہے۔'' میں یہی معیت علمی اور احاطہ علمی مراد ہے نہ کہ معیت ذات۔ ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرة2:115) ''پس جس طرف بھی تم پھرو، ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے'' کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو محیط ہے، انسان جس طرف بھی اپنا رخ کر لے، اللہ تعالیٰ اس کو گھیر لینے والا ہے، وہ اس کے حیطہ قدرت سے باہر نہیں۔ اور بعض نے ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ سے مراد قبلہ لیا ہے۔ بہرحال اللہ کے عرش پر جلوہ گر ہونے کے دلائل قرآن وحدیث میں بکثرت ہیں، اس لیے سلف کا عقیدہ یہی ہے کہ اس پر ایمان رکھا جائے اور اس کی تاویل نہ کی جائے۔

تعطیل کا مطلب ہے اللہ کی صفات کو معانی ومطالب سے خالی اور معرا قرار دینا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسے سب سے بڑا الحاد کہا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جو اس کی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اسماء، صفات ہی سے مشتق ہیں اور وہی اس کے اوصاف ہیں اور انھی اوصاف کی وجہ سے وہ حسنٰی ہو سکتے ہیں اگر اسمائے الٰہی صرف الفاظ ہوں، ان کے معانی نہ ہوں تو وہ حسنٰی ہو سکتے ہیں اور نہ مدح وکمال پر دلالت کرنے والے، اس طرح اسمائے انتقام وغضب کا استعمال، رحمت واحسان کے موقع پر اور اسمائے رحمت واحسان کا استعمال، انتقام وغضب کے موقع پر جائز ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی بھی اس طرح نہیں کہتا اور نہ کہنا جائز ہی ہے کہ یا اللہ! مجھے بخش دے، اس لیے کہ تو مُنتقم ہے۔ یا، اے اللہ! مجھے عطا کر، اس لیے کہ تو ضار و مانع ہے۔ بلکہ جس طرح کی دعا کی جاتی ہے، اسی صفت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یا اللہ مجھے بخش دے، بے شک تو غفور ورحیم ہے، اے اللہ! مجھے عطا کر، کیونکہ تو وَھَّاب اور

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿181﴾ ع 22/10/12

اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے ○

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿182﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج عذاب کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ انھیں خبر بھی نہیں ہوگی ○

مُعْطِی ہے، وغیرہ، اس لیے اللہ نے اپنے کو قَوِيّ کہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ قوت والا ہے، عزیز ہے، یعنی عزت والا ہے، وہ علیم وقدیر ہے تو یقیناً وہ علم وقدرت سے موصوف ہے، وہ عظیم ہے تو مطلب ہے، عظمت والا۔ سمیع و بصیر ہے تو مطلب ہے سننے اور دیکھنے والا۔ وعلی ھذا القیاس دوسرے اسماء وصفات ہیں۔ علاوہ ازیں اگر اسمائے الٰہی معانی کے بغیر ہوں تو غفور رحیم اور شدید العقاب کے مابین کوئی فرق نہیں ہوگا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، وہ غفور رحیم بھی ہے اور شدید العقاب بھی۔ غفور رحیم ہے اہل ایمان وتقویٰ کے لیے اور شدید العقاب ہے نافرمانوں اور سرکشوں کے لیے۔ بہر حال یہ تعطیل بھی بڑی گمراہی ہے۔

تشبیہ کا مطلب ہے اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات جیسا قرار دینا۔ جیسے کہا جائے: اللہ کے عرش پر استوا کا مطلب ایسے ہی ہے جیسے مخلوق کا تخت وکرسی پر بیٹھنا اور مستوی ہونا یا اس کا ہاتھ فلاں کے ہاتھ کی طرح ہے وغیرہ۔ اس طرح کی تشبیہ اللہ کے وصف میں کمی کو مستلزم ہے جو اس کی عظمت وشان کے منافی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات جو قرآن حدیث میں بیان ہوئے ہیں، ان پر ایمان رکھا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے یقیناً متصف ہے جیسا کہ اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہے۔ تاہم ان کی کیفیت کیا ہے؟ اس کا ہمیں علم نہیں، اس لیے ہم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔ اس کا کوئی مثیل، نظیر، ہمسر اور مشابہ نہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا

ضروری وضاحت: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسئلہ صفات باری تعالیٰ میں سلف کا مسلک تفویض اور توقف کا تھا اور اسی اعتبار سے انھیں مفوضہ کہا گیا ہے۔ یہ بات ایک اعتبار سے صحیح اور ایک اعتبار سے غلط ہے۔ صحیح اس اعتبار سے کہ وہ صفات الٰہی اور ان کی حقیقت کا تو اثبات کرتے تھے، البتہ ان کی کیفیت کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے گویا کیفیت صفات میں ان کا مسلک توقف وتفویض کا تھا نہ کہ صفات الٰہی کی حقیقت اور ان کے معانی ومطالب کی وضاحت میں، اس لیے سلف کی بابت یہ باور کرانا کہ وہ صفات الٰہی کے معنی ومطلب پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے، یہ ان پر اتہام ہے اور اس اعتبار سے انھیں مفوضہ قرار دینا بھی غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿183﴾

اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ○ [1]

اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا سکتہ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿184﴾

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں، وہ تو صرف صاف صاف ڈرانے والے ہیں ○ [2]

اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿185﴾

اور کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر نظر نہیں کی اور نہ اس بات پر غور کیا کہ شاید ان کی موت کا وقت قریب ہو، [3] پھر قرآن کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ○ [4]

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿186﴾

جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے ○

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ

یہ لوگ آپ سے قیامت [5] کے متعلق سوال کرتے ہیں

ڈاکٹر شمس الدین افغانی رحمہ اللہ کی کتاب الماتریدیة: 125/2) سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ

1 یہ وہی اِسْتِدْرَاج و اِمْهَال ہے جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ افراد اور قوموں کو دیتا ہے، پھر جب اس کی مشیت مؤاخذہ کرنے کی ہوتی ہے تو کوئی اس سے بچانے پر قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

2 صَاحِبٌ سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کی بابت مشرکین کبھی ساحر اور کبھی مجنون (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمھارے عدم تفکر کا نتیجہ ہے۔ وہ تو ہمارا پیغامبر ہے جو ہمارے احکام پہنچانے والا اور ان سے غفلت و اعراض کرنے والوں کو ڈرانے والا ہے۔

3 مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر بھی اگر یہ غور کریں تو یقیناً یہ اللہ پر ایمان لے آئیں، اس کے رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت اختیار کر لیں اور انھوں نے جو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں، انھیں چھوڑ دیں اور اس بات سے ڈریں کہ انھیں موت اس حال میں آ جائے کہ وہ کفر پر قائم ہوں۔

4 حدیث سے مراد یہاں قرآن کریم ہے، یعنی نبی ﷺ کے انذار و تہدید اور قرآن کریم کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر انھیں ڈرانے والی چیز اور کیا ہو گی جو اللہ کی طرف سے نازل ہو اور پھر یہ اس پر ایمان لائیں؟

5 سَاعَةٌ کے معنی گھڑی (لمحہ یا پل) کے ہیں۔ قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اچانک اس طرح آ جائے گی کہ پل بھر میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی یا سرعت حساب کے اعتبار سے قیامت کی گھڑی کو ساعة سے

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿187﴾

وقف لازم

کہ وہ کب واقع ہوگی؟[1] آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے،[2] اسے اس کے وقت پر وہی ظاہر کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا،[3] وہ تم پر بالکل اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی پوری تحقیق کر چکے ہیں۔[4] آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿188﴾ ع 23/7/13

آپ فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا، میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لائیں[5] ○

تعبیر کیا گیا ہے۔

1 اَرْسٰی یُرْسِي کے معنی اثبات و وقوع کے ہیں، یعنی کب یہ قیامت ثابت یا واقع ہوگی؟

2 یعنی اس کا یقینی علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی کو، اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں، وہی اس کو اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

3 اس کے ایک دوسرے معنی ہیں۔ اس کا علم آسمان اور زمین والوں پر بھاری ہے کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفی چیز دلوں پر بھاری ہوتی ہے۔

4 ﴿حَفِيٌّ﴾ کہتے ہیں پیچھے پڑ کر سوال کرنے اور تحقیق کرنے کو، یعنی یہ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ نے رب کے پیچھے پڑ کر اس کی بابت ضروری علم حاصل کر رکھا ہے۔

5 یہ آیت اس بات میں کتنی واضح ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں۔ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن ظلم اور جہالت کی انتہا ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ کو عالم الغیب باور کراتے ہیں۔ حالانکہ بعض جنگوں میں آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ قوم کیسے فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا (کتب حدیث میں یہ واقعات بھی اور ذیل کے واقعات بھی درج ہیں) حضرت

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِیَسۡکُنَ اِلَیۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِیۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ اٰتَیۡتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۸۹﴾

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا [1] اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا [2] تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، [3] پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو [4] اس کو ہلکا سا حمل ٹھہر گیا تو وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی، [5] پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں

عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو نبی ﷺ پورا ایک مہینہ سخت مضطرب اور نہایت پریشان رہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، جسے آپ نے بھی تناول فرمایا اور صحابہ نے بھی حتی کہ بعض صحابہ تو کھانے کی سَمِّیَّتُ (زہریلے پن) سے وفات ہی پا گئے اور خود نبی ﷺ عمر بھر اس زہر کے اثرات محسوس فرماتے رہے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہے کہ آپ کو عدم علم کی وجہ سے تکلیف پہنچی، نقصان اٹھانا پڑا، جس سے قرآن کی بیان کردہ حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ ''اگر میں غیب جانتا ہوتا تو مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی۔''

1 یعنی حضرت آدم سے۔ اسی لیے ان کو انسان اول اور ابوالبشر کہا جاتا ہے۔

2 اس سے مراد حضرت حواء ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوج بنیں۔ ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، جس طرح کہ ﴿ مِنۡهَا ﴾ کی ضمیر سے، جو نفس واحدہ کی طرف راجع ہے، واضح ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ نساء، آیت: 1 کا حاشیہ)

3 یعنی اس سے اطمینان وسکون حاصل کرے، اس لیے کہ ایک جنس اپنے ہی ہم جنس سے صحیح معنوں میں مانوس اور قریب ہوسکتی ہے جو سکون حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ غیر سے اس سکون کا حصول ممکن ہی نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَجَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّرَحۡمَۃً ﴾ (الروم 30:21) ''اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم ہی میں سے (یا تمھاری جنس ہی میں سے) جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان اس نے پیار ومحبت رکھ دی۔'' یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے جو جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب وانس حاصل کرتے ہیں، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جو باہمی پیار میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا۔

4 یعنی یہ نسل انسانی اس طرح بڑھی اور آگے چل کر جب ان میں سے ایک زوج، یعنی میاں بیوی نے ایک دوسرے سے قربت کی۔ ﴿ تَغَشّٰهَا ﴾ کے معنی بیوی سے ہم بستری کرنا ہیں، یعنی وطی کرنے کے لیے ڈھانپا۔

5 یعنی حمل کے ابتدائی ایام میں حتیٰ کہ نطفے سے عَلَقَه اور عَلَقَه سے مُضۡغَه بننے تک حمل خفیف ہی رہتا ہے، محسوس بھی نہیں ہوتا اور عورت کو زیادہ گرانی بھی نہیں ہوتی۔

بیوی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے ○ [1]

فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ اٰتٰىهُمَا‌ ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿190﴾

سو جب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے، [2] پس اللہ بلند تر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ○

اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ‌ ۖ ﴿191﴾

کیا وہ ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں ○

وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَـصۡرًا وَّلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ﴿192﴾

وہ نہ تو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ○

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ‌ ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿193﴾

اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمھارے کہنے پر نہ چلیں [3] تمھارے لیے دونوں امر برابر ہیں، خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو ○

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اللہ کو چھوڑ کر جنھیں تم پکارتے ہو، بلاشبہ وہ بھی تم ہی جیسے

---

1 بوجھل ہو جانے سے مراد، جب بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے تو جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا جاتا ہے، والدین کے دل میں خطرات اور توہمات پیدا ہوتے جاتے ہیں (بالخصوص جب عورت کو اٹھرا کی بیماری ہو) تو انسانی فطرت ہے کہ خطرات میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ وہ دونوں اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور شکر گزاری کا عہد کرتے ہیں۔

2 شریک قرار دینے سے مراد یا تو بچے کا نام ایسا رکھنا ہے، مثلاً: امام بخش، پیراں دتہ، عبد شمس، بندہ علی وغیرہ، جس سے یہ اظہار ہوتا ہو کہ یہ بچہ فلاں بزرگ، فلاں پیر کی (نَعُوذُ بِاللّٰہِ) نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اپنے اس عقیدے کا اظہار کرے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں قبر پر گئے تھے جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ یا کسی مردہ کے نام کی نذر نیاز دے یا بچے کو کسی قبر پر لے جا کر اس کا ماتھا وہاں ٹکائے کہ ان کے طفیل بچہ ہوا ہے۔ یہ ساری صورتیں اللہ کا شریک ٹھہرانے کی ہیں جو بد قسمتی سے مسلمان عوام میں بھی عام ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرما رہا ہے۔

3 یعنی تمھاری بتلائی ہوئی بات پر عمل نہیں کریں گے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اگر تم ان سے رشد و ہدایت طلب کرو تو وہ تمھاری بات نہیں مانیں گے، نہ تمھیں کوئی جواب ہی دیں گے۔ (فتح القدیر)

عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿194﴾

بندے ہیں، [1] سو تم ان کو پکارو اگر سچے ہیں تو چاہیے کہ وہ تمھیں جواب دیں ○

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿195﴾

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہوں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں، [2] آپ کہہ دیجیے! تم اپنے سب شرکاء کو بلالو، پھر میرے خلاف تدبیر کرو پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو ○ [3]

اِنَّ وَلِیِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿196﴾

یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی کارسازی کرتا ہے ○

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿197﴾

اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھاری کچھ مدد نہیں کر سکتے، وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے ○ [4]

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ط

اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو اس کو نہ سنیں [5] اور

---

1 یعنی جب وہ زندہ تھے۔ بلکہ اب تو تم خود ان سے زیادہ کامل ہو، اب وہ دیکھ نہیں سکتے، تم دیکھتے ہو۔ وہ سن نہیں سکتے، تم سنتے ہو۔ وہ کسی کی بات سمجھ نہیں سکتے، تم سمجھتے ہو۔ وہ جواب نہیں دے سکتے، تم دیتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین، جن کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے، وہ بھی پہلے اللہ کے بندے، یعنی انسان ہی تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بتوں کی بابت صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث:4920)

2 یعنی اب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی دیکھنے، سننے، سمجھنے اور چلنے کی طاقت ختم ہو گئی۔ اب ان کی طرف منسوب یا تو پتھر یا لکڑی کی خود تراشیدہ مورتیاں ہیں یا گنبد، قبے اور آستانے ہیں جو ان کی قبروں پر بنا لیے گئے اور یوں استخواں فروشی کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔ ع ...... اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات ومنات۔

3 یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ تمھارے مددگار ہیں تو ان سے مدد طلب کر کے میرے خلاف تدبیر کرو۔

4 جو اپنی مدد آپ کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہووے دوسرے کا   بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

5 اس کا وہی مفہوم ہے جو آیت 193 کا ہے۔

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿198﴾
ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے ○

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿199﴾
آپ درگزر کو اختیار کریں[1] نیک کام کا حکم دیں[2] اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں ○[3]

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿200﴾
اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے،[4] بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ
یقیناً جو لوگ متقی ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں، پھر یکا یک

---

1 بعض علماء نے اس کے معنی کیے ہیں: خُذْ مَا عَفَا لَكَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ أَيْ مَا فَضَلَ، یعنی ”جو ضرورت سے زائد مال ہو، وہ لے لو“ اور یہ زکاۃ کی فرضیت سے قبل کا حکم ہے۔ (فتح الباري:388/8.) لیکن دوسرے مفسرین نے اس سے اخلاقی ہدایت، یعنی عفو و درگزر مراد لیا ہے اور امام ابن جریر اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عُیَیْنَہ بن حِصْن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر ان پر تنقید کرنے لگے کہ آپ ہمیں نہ پوری عطا دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہیں جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر کے مشیر حُر بن قیس نے (جو عیینہ کے بھتیجے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا تھا۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○﴾ ”درگزر کو اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔“ اور یہ بھی جاہلوں میں سے ہے۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درگزر فرما دیا۔ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ ”اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی کتاب کا حکم سن کر فوراً گردن خم کر دینے والے تھے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4642) اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ظلم کے مقابلے میں معاف کر دینے، قطع رحمی کے مقابلے میں صلہ رحمی اور برائی کے بدلے احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

2 ﴿بِالْعُرْفِ﴾ سے مراد معروف، یعنی نیکی ہے۔

3 یعنی جب آپ نیکی کا حکم دینے میں اتمام حجت کر چکیں اور پھر بھی وہ نہ مانیں تو ان سے اعراض فرما لیں اور ان کے جھگڑوں اور حماقتوں کا جواب نہ دیں۔

4 اور اس موقع پر اگر آپ کو شیطان اشتعال میں لانے کی کوشش کرے تو آپ اللہ سے پناہ طلب فرمائیں۔

مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ج
ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○ [1]

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾
اور جو شیاطین کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے لیے جاتے ہیں، پھر وہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے ○ [2]

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَيْتَهَاط قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْج هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
اور جب آپ ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ تم خود اپنی طرف سے کیوں نہیں بنا لاتے؟ آپ فرما دیجیے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے یہ روشن دلیلیں ہیں تمھارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ○ [3]

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو ○ [4]

---

1 اس میں اہل تقویٰ کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ شیطان سے چوکنا رہتے ہیں۔ ﴿طٰٓئِفٌ﴾ یا طَیف، اس تخیل کو کہتے ہیں جو دل میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔ یہاں اسے شیطانی وسوسے کے معنی میں استعمال کیا گیا کیونکہ وسوسۂ شیطانی بھی خیالی تصورات کے مشابہ ہے۔ (فتح القدیر)

2 یعنی شیطان کافروں کو گمراہی کی طرف کھینچے لے جاتے ہیں، پھر وہ کافر (گمراہی کی طرف جانے میں) یا شیطان ان کو لے جانے میں کمی کوتاہی نہیں کرتے، یعنی ﴿لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ کا فاعل کافر بھی بن سکتے ہیں اور اخوَانُ الْكُفَّارِ شیاطین بھی۔

3 مراد ایسا معجزہ ہے جو ان کے کہنے پر ان کی خواہش کے مطابق ظاہر کر کے دکھایا جائے۔ جیسے ان کے بعض مطالبات سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 93,90 میں بیان کیے گئے ہیں۔
﴿لَوْ لَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ کے معنی ہیں، تو اپنے پاس سے ہی کیوں نہیں بنا لاتا؟ اس کے جواب میں بتلایا گیا کہ آپ فرما دیں، معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے میں تو صرف وحی الٰہی کا پیروکار ہوں۔ ہاں البتہ یہ قرآن جو میرے پاس آیا ہے، یہ بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس میں تمھارے رب کی طرف سے بصائر (دلائل و براہین) اور ہدایت و رحمت ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایمان لانے والا ہو۔

4 یہ ان کافروں کو کہا جا رہا ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے وقت شور کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو کہتے تھے: ﴿لَا

وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ فِىۡ نَفۡسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيۡفَةً وَّدُوۡنَ الۡجَهۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿205﴾

اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے صبح وشام یاد کرتے رہواوران لوگوں میں سے نہ ہونا جوغفلت میں پڑے ہیں ○

اِنَّ الَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوۡنَهٗ وَلَهٗ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿206﴾ السجدۃ ع 24 18 14

یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اوراس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کوسجدہ کرتے ہیں ○

اٰیاتھا 75 (8) سُوۡرَةُ الۡاَنۡفَالِ مَدَنِيَّةٌ (88) رکوعاتھا 10

سورۂ انفال مدنی ہےاوراس کی 75 آیات اور 10 رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ ﴾ (حمٓ السجدة 26:41) ’’یہ قرآن مت سنو اور شور کرو۔‘‘ ان سے کہا گیا کہ اس کی بجائے تم اگر غور سے سنو اور خاموش رہو تو شاید اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت سے نواز دے۔ اور یوں تم رحمت الٰہی کے مستحق بن جاؤ۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے، چاہے نماز ہو یا غیر نماز، سب کو خاموشی سے قرآن سننے کا حکم ہے اور پھر وہ اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے جہری نمازوں میں مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو بھی اس قرآنی حکم کے خلاف باور کراتے ہیں۔ درآں حالیکہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ سے صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس لیے اول تو اس آیت کو صرف کفار کے متعلق ہی سمجھنا صحیح ہے، جیسا کہ اس کے مکی ہونے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے عام سمجھا جائے تب بھی اس عموم سے نبی ﷺ نے مقتدیوں کو خارج فرما دیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جہری نمازوں میں مقتدیوں کا سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح وقوی احادیث سے ثابت ہے۔ بنابریں جس طرح اور بعض عمومات قرآنی کی تخصیص احادیث کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے، مثلاً: آیت ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا ﴾ (النور 2:24) کے عموم سے شادی شدہ زانی کا اخراج اور ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ ﴾ (المائدة 38:5) کے عموم سے ایسے چور کا اخراج یا تخصیص جس نے رُبع دینار سے کم مالیت کی چیز چوری کی ہو یا چوری شدہ چیز، حرز میں نہ رکھی ہو وغیرہ۔ اسی طرح ﴿ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا ﴾ کے عمومی حکم سے مقتدی خارج ہوں گے اور ان کے لیے جہری نمازوں میں بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوگا، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے (جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں یہ احادیث بیان کی گئی ہیں)

یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ①

یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، [1] آپ فرما دیجیے کہ یہ غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں، [2] سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو ○ [3]

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ ②

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں، اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ○ [4]

---

1 ﴿اَلۡاَنۡفَالُ﴾ نَفَل کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں، یہ اس مال و اسباب کو کہا جاتا ہے جو کافروں کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے، جسے غنیمت بھی کہا جاتا ہے یا اسے نفل (زیادہ) اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو پچھلی امتوں پر حرام تھیں۔ یہ گویا امت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے یا اس لیے کہ یہ جہاد کے اجر سے (جو آخرت کو ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو بعض دفعہ دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔

2 یعنی اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔ اللہ کا رسول، اللہ کے حکم سے اسے تقسیم فرمائے گا۔ نہ کہ تم آپس میں جس طرح چاہو اسے تقسیم کر لو۔

3 اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ تینوں باتوں پر عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اس سے تقویٰ، اصلاح ذات البین اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے۔ خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور پر عمل نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ مال کی تقسیم میں باہمی فساد کا بھی شدید اندیشہ رہتا ہے، اس کے علاج کے لیے اصلاح ذات البین پر زور دیا۔ ہیرا پھیری اور خیانت کا بھی امکان رہتا ہے، اس کے لیے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کے باوجود بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مضمر ہے۔

4 ان آیات میں اہل ایمان کی 4 صفات بیان کی گئی ہیں: ① وہ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعت کرتے ہیں ② اللہ کا ذکر سن کر، اللہ کی جلالت و عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں ③ تلاوت قرآن سے ان کے ایمانوں میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے) ④ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا مطلب ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③
جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ④
یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے ○

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤
جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا تھا[1] جب کہ مومنوں کی ایک جماعت

ذات پر بھروسہ کرتے ہیں، یعنی اسباب سے اعراض وگریز بھی نہیں کرتے کیونکہ انھیں اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے، لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھ لیتے بلکہ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل کارفرما مشیت الٰہی ہی ہے، اس لیے جب تک اللہ کی مشیت نہیں ہوگی، یہ ظاہری اسباب کچھ نہیں کر سکیں گے اور اس یقین و اعتماد کی بنیاد پر پھر وہ اللہ کی مدد و اعانت حاصل کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے۔ آگے ان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لیے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ اور مغفرت و رحمت الٰہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ. (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شمار فرمالے)

جنگ بدر کا پس منظر: جنگ بدر، جو 2 ہجری میں ہوئی، کافروں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی۔ علاوہ ازیں یہ منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اچانک ہوئی۔ نیز بے سروسامانی کی وجہ سے بعض مسلمان ذہنی طور پر اس کے لیے تیار بھی نہیں تھے۔ مختصراً اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس آ رہا تھا، چونکہ مسلمانوں کا بھی بہت سا مال و اسباب ہجرت کی وجہ سے مکہ رہ گیا تھا یا کافروں نے چھین لیا تھا، نیز کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا بھی مقتضائے وقت تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور مسلمان اس نیت سے مدینہ سے چل پڑے۔ ابوسفیان کو بھی اس امر کی اطلاع مل گئی، چنانچہ انھوں نے ایک تو اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ دوسرے، مکہ اطلاع بھجوا دی جس کی بنا پر ابوجہل ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے بدر کی جانب چل پڑا، نبی ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے معاملہ رکھ دیا اور اللہ کا وعدہ بھی بتلایا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور لشکر) میں سے ایک چیز تمھیں ضرور حاصل ہوگی۔ تاہم پھر بھی لڑائی میں بعض صحابہ نے تردد کا اظہار اور تجارتی قافلے کے تعاقب کا مشورہ دیا، جبکہ دوسرے تمام صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنے میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

1 یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا ہوا تھا، پھر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کا مدینہ سے نکلنا اور آگے چل کر

اس کو ناپسند کرتی تھی ○ [1]

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝6

وہ اس حق کے بارے میں، اس کے بعد کہ وہ واضح ہو گیا تھا [2] آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لیے جا تا ہے اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں ○ [3]

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝7

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو! جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمھارے ہاتھ آجائے گی [4] اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمھارے ہاتھ آجائے [5] اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ○

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝8

تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں ○ [6]

تجارتی قافلے کی بجائے لشکر قریش سے مڈبھیڑ ہو جانا، گو بعض طبائع کے لیے ناگوار تھا لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا تھا۔

1 یہ ناگواری لشکر قریش سے لڑنے کے معاملے میں تھی، جس کا اظہار چند ایک افراد کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ طبعی خوف اور بے سروسامانی تھی۔ اس کا تعلق مدینہ سے نکلنے سے نہیں ہے۔

2 یعنی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے اور اب لشکر قریش ہی سامنے ہے جس سے لڑائی ناگزیر ہے۔

3 یہ بے سروسامانی کی حالت میں لڑنے کی وجہ سے یا طبعی خوف کی وجہ سے بعض مسلمانوں کی جو کیفیت تھی، اس کا اظہار ہے۔

4 یعنی یا تو تجارتی قافلے کو تم پالو گے، جس سے تمھیں بغیر لڑائی کے وافر مال واسباب مل جائے گا، بصورت دیگر لشکر قریش سے تمھارا مقابلہ ہوگا اور تمھیں غلبہ ہوگا اور مال غنیمت ملے گا۔

5 یعنی تجارتی قافلہ، تاکہ بغیر لڑے مال ہاتھ آجائے۔

6 لیکن اللہ اس کے برعکس یہ چاہتا تھا کہ لشکر قریش سے تمھاری جنگ ہو تاکہ کفر کی قوت وشوکت ٹوٹ جائے گو یہ امر مجرموں (مشرکوں) کے لیے ناگوار ہی ہو۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ⑨

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ نے تمھاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگا تار چلے آئیں گے ○[1]

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع 1/10 15

اور اللہ نے یہ امداد محض اس لیے کی کہ تمھیں خوش خبری ہو اور تاکہ اس سے تمھارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے[2] جو کہ زبردست حکمت والا ہے ○

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تمھیں تسکین دینے کے لیے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا[3] اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے[4] اور تمھارے دلوں کو

1 اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد 313 تھی جبکہ کافر اس سے 3 گنا (ہزار کے قریب) تھے، پھر مسلمان نہتے اور بے سروسامان تھے جبکہ کافروں کے پاس اسلحے کی بھی فراوانی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کا سہارا صرف اللہ ہی کی ذات تھی، جس سے وہ گڑگڑا کر مدد کی فریادیں کر رہے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ الگ ایک خیمے میں نہایت الحاح وزاری سے مصروف دعا تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3953 و 3957) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول کیں اور ایک ہزار فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل لگا تار مسلمانوں کی مدد کے لیے آ گئے۔

2 یعنی فرشتوں کا نزول تو صرف خوش خبری اور تمھارے دلوں کے اطمینان کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے تھی جو فرشتوں کے بغیر بھی تمھاری مدد کر سکتا تھا تاہم اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فرشتوں نے عملاً جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں فرشتوں نے عملی حصہ لیا اور کئی کافروں کو انھوں نے تہ تیغ کیا۔ (دیکھیے صحيح البخاري، حديث : 3995)

3 جنگ احد کی طرح جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی، جس سے ان کے دلوں کے بوجھ ہلکے ہو گئے اور اطمینان وسکون کی ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہو گئی۔

4 تیسرا انعام یہ کیا کہ بارش نازل فرما دی، جس سے ایک تو ریتلی زمین میں نقل وحرکت آسان ہو گئی۔ دوسرے، وضو وطہارت میں آسانی ہو گئی۔ تیسرے، اس سے شیطانی وسوسوں کا ازالہ فرما دیا گیا جو وہ اہل ایمان کے دلوں میں ڈال رہا تھا کہ تم اللہ کے نیک بندے ہوتے ہوئے بھی پانی سے دور ہو، دوسرے، جنابت کی حالت میں تم لڑو گے تو کیسے اللہ کی رحمت ونصرت تمھیں حاصل ہو گی؟ تیسرے، تم پیاسے ہو جبکہ تمھارے دشمن سیراب ہیں وغیرہ وغیرہ۔

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪
مضبوط کر دے اور تمھارے پاؤں جما دے ○[1]

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ⑫
اس وقت کو یاد کرو جب آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں،[2] سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو ○[3]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬
یہ اس بات کی سزا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭
سو یہ سزا چکھو اور جان لو کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب تیار ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ ⑮
اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدان جنگ میں مقابلہ کرو تو ان سے پیٹھ مت پھیرنا ○[4]

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ
اور جو شخص ان سے اس موقع پر پیٹھ پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف

---

1 یہ چوتھا انعام ہے جو دلوں اور قدموں کو مضبوط کر کے کیا گیا۔

2 یہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اور خاص اپنی طرف سے جس جس طریقے سے مسلمانوں کی بدر میں مدد فرمائی، اس کا بیان ہے۔

3 ﴿بَنَانٍ﴾ ہاتھوں اور پیروں کے پور، یعنی ان کی انگلیوں کے اطراف (کنارے) یہ اطراف کاٹ دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ ہاتھوں سے تلوار چلانے کے اور پیروں سے بھاگنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

4 ﴿زَحْفًا﴾ کے معنی ہیں ایک دوسرے کے مقابل اور دو بدو ہونا، یعنی مسلمان اور کافر جب ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے «اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ» ''ہلاک کر دینے والی سات چیزوں سے بچو!'' ان سات میں ایک «وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ» ''مقابلے والے دن پیٹھ پھیر جانا ہے۔'' (صحیح البخاري، حدیث:2766، وصحیح مسلم، حدیث:89)

فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿16﴾

پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے۔[1] باقی اور جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ○[2]

فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ ۪ وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبۡلِىَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿17﴾

سو تم نے انھیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا۔[3] اور جب آپ نے مٹھی بھر خاک پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی تھی[4] اور تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے،[5] بلاشبہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ○

ذٰلِكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوۡهِنُ كَيۡدِ

(ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات) یہ ہے کہ اللہ کافروں کی

---

1 گزشتہ آیت میں پیٹھ پھیرنے سے جو منع کیا گیا ہے، دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک تَحَرُّف کی اور دوسری تَحَیُّز کی۔ تحرف کے معنی ہیں، ایک طرف پھر جانا، یعنی لڑائی میں جنگی چال کے طور پر یا دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کی غرض سے لڑتا لڑتا ایک طرف پھر جائے، دشمن یہ سمجھے کہ شاید یہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ رہا ہے لیکن پھر وہ ایک دم پینترا بدل کر اچانک دشمن پر حملہ کر دے۔ یہ پیٹھ پھیرنا نہیں ہے بلکہ یہ جنگی چال ہے جو بعض دفعہ ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ تَحَیُّز کے معنی ملنے اور پناہ لینے کے ہیں۔ کوئی مجاہد لڑتا لڑتا تنہا رہ جائے تو بہ لطائف الحیل میدان جنگ سے ایک طرف ہو جائے تاکہ وہ اپنی جماعت کی طرف پناہ حاصل کرے اور اس کی مدد سے دوبارہ حملہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

2 یعنی مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ کوئی شخص میدان جنگ سے پیٹھ پھیرے گا، اس کے لیے یہ سخت وعید ہے۔

3 یعنی جنگ بدر کی ساری صورت حال تمھارے سامنے رکھ دی گئی ہے اور جس جس طرح اللہ نے تمھاری وہاں مدد فرمائی، اس کی وضاحت کے بعد تم یہ نہ سمجھ لینا کہ کافروں کا قتل، یہ تمھارا کارنامہ ہے۔ نہیں، بلکہ یہ اللہ کی اس مدد کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے تمھیں یہ طاقت حاصل ہوئی، اس لیے دراصل انھیں قتل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

4 جنگ بدر میں نبی ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کی طرف پھینکی تھی، جسے ایک تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے چہروں اور آنکھوں تک پہنچا دیا اور دوسرے، اس میں یہ تاثیر پیدا فرما دی کہ اس سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، یہ معجزہ بھی، جو اس وقت اللہ کی مدد سے ظاہر ہوا، مسلمانوں کی کامیابی میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے پیغمبر! کنکریاں بے شک آپ نے پھینکی تھیں لیکن اس میں تاثیر ہم نے پیدا کی تھی اگر ہم اس میں یہ تاثیر پیدا نہ کرتے تو یہ کنکریاں کیا کر سکتی تھیں؟ اس لیے یہ بھی دراصل ہمارا ہی کام تھا نہ کہ آپ کا۔

5 ﴿بَلَآءً﴾ یہاں نعمت کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی یہ تائید و نصرت، اللہ کا انعام ہے جو مومنوں پر ہوا۔

الْكٰفِرِيْنَ ﴿18﴾
اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿19﴾ ع 2/9/16

تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے ○ [1]
اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمھارے سامنے آموجود ہوا، [2] اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمھاری جمعیت تمھارے ذرا بھی کام نہ آسکے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿20﴾ ۖ ج

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس سے روگردانی مت کرو اور تم سنتے ہو ○

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿21﴾

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو دعوی تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں ○ [3]

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿22﴾

بے شک بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو ذرا نہیں سمجھتے ○ [4]

---

1 دوسرا مقصد اس کا کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا اور ان کی قوت وشوکت کو توڑنا تھا۔

2 ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش نے مکہ سے نکلتے وقت دعا کی تھی کہ ''یا اللہ ہم میں سے جو تیرا زیادہ نافرمان اور قاطع رحم ہے، کل تو اسے ہلاک کر دے۔'' اپنے طور پر وہ مسلمانوں کو قاطع رحم اور نافرمان سمجھتے تھے، اس لیے اس قسم کی دعا کی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرما دی تو اللہ تعالیٰ ان کافروں سے کہہ رہا ہے کہ تم فتح، یعنی حق اور باطل کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو وہ فیصلہ تو سامنے آچکا ہے، اس لیے اب تم کفر سے باز آجاؤ، تو تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر پھر تم دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے میں آؤ گے تو ہم بھی دوبارہ ان کی مدد کریں گے اور تمھاری جماعت، کثرت کے باوجود تمھارے کچھ کام نہ آئے گی۔

3 یعنی سن لینے کے باوجود عمل نہ کرنا، یہ کافروں کا طریقہ ہے، تم اس رویے سے بچو۔ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو بہرہ، گونگا، لایعقل اور بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے۔ ﴿الدَّوَآبِّ﴾ دَابَّةٌ کی جمع ہے، جو بھی زمین پر چلنے پھرنے والی چیز ہے وہ دَابّة ہے۔ مراد مخلوقات ہے، یعنی یہ سب سے بدتر ہیں جو حق کے معاملے میں بہرے، گونگے اور غیر عاقل ہیں۔

4 اسی بات کو قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ

وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ‌ؕ وَلَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿23﴾

اور اگر اللہ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتا [1] اور اگر ان کو اب سنا دے تو وہ ضرور بے رخی کرتے ہوئے روگردانی کریں گے ○ [2]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ‌ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّـهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿24﴾

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو، جب کہ رسول تم کو تمھاری حیات بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔ [3] اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے [4] اور بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے ○

وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا

اور تم اس فتنے سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع

وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا‌ؕ اُولٰۤـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ○﴾ (الأعراف 7:179) ''ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ (اللہ سے) بے خبر ہیں۔''

1 یعنی ان کے سماع کو نافع بنا کر ان کو فہم صحیح عطا فرما دیتا، جس سے وہ حق کو قبول کر لیتے اور اسے اپنا لیتے۔ لیکن چونکہ ان کے اندر خیر، یعنی حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ فہم صحیح سے ہی محروم ہیں۔

2 پہلے سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ اس دوسرے سماع سے مراد مطلق سماع ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ انھیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

3 ﴿لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ﴾ ایسی چیزوں کی طرف جس سے تمھیں زندگی ملے۔ بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے کہ اس میں تمھاری زندگی کا سروسامان ہے۔ بعض نے قرآن کے اوامر و نواہی اور احکام شرعیہ مراد لیے ہیں، جن میں جہاد بھی آ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی بات مانو، اور اس پر عمل کرو، اسی میں تمھارے لیے زندگی ہے۔

4 یعنی موت وارد کر کے، جس کا مزہ ہر نفس کو چکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تمھیں موت آ جائے، اللہ اور رسول کی بات مان لو اور اس پر عمل کر لو۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے جس طرح قریب ہے اس میں اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان اس کی مشیت کے بغیر کسی چیز کو پا نہیں سکتا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے کہ مسلمان دشمن کی کثرت سے خوف زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں

مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿25﴾

نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں [1] اور یہ جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿26﴾

اور اس حالت کو یاد کرو! جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ اور تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک نہ لے جائیں، سو اللہ نے تمھیں رہنے کی جگہ دی اور تمھیں اپنی نصرت سے قوت دی اور تمھیں نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم شکر کرو ○ [2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿27﴾

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خیانت مت کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت مت کرو اور تم جانتے ہو ○ [3]

کے درمیان حائل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں موجود خوف کو امن سے بدل دیا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں (فتح القدير) امام ابن جریر رحمہ اللہ کے بیان کردہ مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے، جن میں دین پر ثابت قدمی کی دعائیں کرنے کی تاکید کی گئی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم کے دل، ایک دل کی طرح رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، انھیں جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے۔'' پھر آپ نے یہ دعا پڑھی: «اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ» (صحيح مسلم، حديث: 2654) اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔'' بعض روایات میں «ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ» (جامع الترمذي، حديث: 2140) کے الفاظ ہیں۔ ''اے اللہ! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔''

1 اس سے مراد یا تو بندوں کا ایک دوسرے پر تسلط ہے جو بلا تخصیص، عام و خاص پر ظلم کرتے ہیں یا وہ عام عذاب ہیں جو کثرت بارش یا سیلاب وغیرہ ارضی و سماوی آفات کی صورت میں آتے ہیں اور نیک و بد سب ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں یا بعض احادیث میں امر بالمعروف و نهي عن المنكر کے ترک کی وجہ سے عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے، وہ مراد ہے۔

2 اس میں مکی زندگی کے شدائد و خطرات کا بیان اور اس کے بعد مدنی زندگی میں مسلمان جس آرام و راحت اور آسودگی سے بفضل الٰہی ہمکنار ہوئے، اس کا تذکرہ ہے۔

3 اللہ رسول کے حقوق میں خیانت یہ ہے کہ جلوت میں اللہ اور رسول ﷺ کا تابع دار بن کر رہے اور خلوت میں اس کے برعکس معصیت کار۔ اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ فرائض میں سے کسی فرض کا ترک اور نواہی میں سے کسی

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ ع 3/9 17

اور تم اس بات کو جان لو کہ تمھارے اموال اور تمھاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے۔ [1] اور اس بات کو بھی جان لو کہ اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمھارے لیے حق وباطل میں امتیاز کرنے والی چیز دے گا اور تم سے تمھارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ [2]

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾

اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجیے! جب کافر لوگ آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں، یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں، [3] اور

بات کا ارتکاب کیا جائے۔ اور ﴿ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ ﴾ کا مطلب ایک شخص دوسرے کے پاس جو امانت رکھواتا ہے اس میں خیانت نہ کرے۔ نبی ﷺ نے بھی امانت کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهُ» (مسند أحمد:135/3 وقال الألباني حديث جيد، تعليقات الألباني على المشكاة:17/1) ''اس کا ایمان نہیں، جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین نہیں، جس کے اندر عہد کی پابندی کا احساس نہیں۔''

1 مال اور اولاد کی محبت ہی عام طور پر انسان کو خیانت پر اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریز پر مجبور کرتی ہے، اس لیے ان کو فتنہ (آزمائش) قرار دیا گیا ہے، یعنی اس کے ذریعے سے انسان کی آزمائش ہوتی ہے کہ ان کی محبت میں امانت اور اطاعت کے تقاضے پورے کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ پورے کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہے، بصورت دیگر ناکام۔ اس صورت میں یہی مال اور اولاد اس کے لیے عذاب الٰہی کا باعث بن جائیں گے۔

2 تقویٰ کا مطلب ہے، اوامر الٰہی کی مخالفت اور اس کے مناہی کے ارتکاب سے بچنا۔ اور فرقان کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: ایسی چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی بدولت دل مضبوط، بصیرت تیز تر اور ہدایت کا راستہ واضح تر ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر، جب عام انسان التباس و اشتباہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں، صراط مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں فتح و نصرت اور نجات و مخرج بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔ اور سارے ہی معانی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ تقویٰ سے یقیناً یہ سارے ہی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ تکفیر سیئات، مغفرت ذنوب اور فضل عظیم بھی حاصل ہوتا ہے۔

3 یہ اس سازش کا تذکرہ ہے جو رؤسائے مکہ نے ایک رات دار الندوہ میں تیار کی تھی اور بالآخر یہ طے پایا تھا کہ

وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے ○ [1]

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿31﴾

اور جب ان کافروں پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کلام سن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ دیں، یہ تو کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ○

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿32﴾

اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ ○

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾

اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے [2] اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں ○ [3]

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا

اور ان میں کیا بات ہے کہ ان کو اللہ سزا نہ دے، حالانکہ وہ لوگ مسجدِ حرام سے روکتے ہیں، جب کہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی بھی نہیں۔ اس کے متولی تو صرف متقی لوگ

مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کو نبی ﷺ کے قتل پر مامور کیا جائے تا کہ کسی ایک کو قتل کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بلکہ دیت دے کر جان چھوٹ جائے۔

1 چنانچہ اس سازش کے تحت ایک رات یہ نوجوان نبی ﷺ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ آپ باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور آپ نے گھر سے باہر نکلتے وقت مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے نکل گئے، کسی کو آپ کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں لگا، حتیٰ کہ آپ غارِ ثور میں پہنچ گئے۔ یہ کافروں کے مقابلے میں اللہ کی تدبیر تھی جس سے بہتر تدبیر کوئی نہیں کر سکتا۔ (مکر کے معنی کے لیے دیکھیے: آل عمران، آیت: 54 کا حاشیہ)

2 یعنی پیغمبر کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا، اس لحاظ سے آپ کا وجودِ گرامی بھی ان کے حفظ و امان کا سبب تھا۔

3 اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آئندہ مسلمان ہو کر استغفار کریں گے یا یہ کہ طواف کرتے وقت مشرکین غُفْرَانَكَ

الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا
مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿35﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا
ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۥ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿36﴾

ہی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ○ [1]
اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا
اور تالیاں بجانا۔ [2] سو اپنے کفر کے سبب اس عذاب کا
مزہ چکھو ○
بیشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کر رہے
ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو
خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں
باعثِ حسرت ہو جائیں گے۔ پھر مغلوب ہو جائیں گے
اور کافر لوگ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ○ [3]

رَبَّنَا غُفْرَانَكَ کہا کرتے تھے۔

1 یعنی وہ مشرکین اپنے آپ کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) کا متولی سمجھتے تھے اور اس اعتبار سے جس کو چاہتے طواف کی اجازت دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے، چنانچہ مسلمانوں کو بھی وہ مسجد حرام میں آنے سے روکتے تھے۔ درآں حالیکہ وہ اس کے متولی ہی نہیں تھے، تَحَكُّمًا (زبردستی) بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے متولی تو متقی افراد ہی بن سکتے ہیں نہ کہ مشرک۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے، اس سے مراد فتح مکہ ہے جو مشرکین کے لیے عذاب الیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل کی آیت میں جس عذاب کی نفی ہے، جو پیغمبر کی موجودگی یا استغفار کرتے رہنے کی وجہ سے نہیں آتا، اس سے مراد عذاب استیصال اور ہلاکت کلی ہے۔ عبرت وتنبیہ کے طور پر چھوٹے موٹے عذاب اس کے منافی نہیں۔

2 مشرکین جس طرح بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے، اسی طرح طواف کے دوران وہ انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹیاں اور ہاتھوں سے تالیاں بجاتے۔ اس کو بھی وہ عبادت اور نیکی تصور کرتے تھے، جس طرح آج بھی جاہل صوفی مسجدوں اور آستانوں میں رقص کرتے، ڈھول پیٹتے اور دھمالیں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی ہماری نماز اور عبادت ہے۔ ناچ ناچ کر ہم اپنے یار (اللہ) کو منالیں گے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ

3 جب قریش مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ اصحاب مکہ واپس گئے۔ ادھر سے ابوسفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لے کر وہاں پہنچ چکے تھے تو کچھ لوگ، جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، ابوسفیان اور جن کا اس تجارتی سامان میں حصہ تھا، ان کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ وہ اس مال کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے استعمال کریں۔ مسلمانوں نے ہمیں بڑا سخت نقصان پہنچایا ہے، اس لیے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انھی لوگوں یا اسی قسم کا کردار اپنانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿37﴾ ع 9/18

تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے [1] اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے، پس ان سب کو ایک اکٹھا ڈھیر کردے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے یہی لوگ پورے خسارے میں ہیں ○

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿38﴾

آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ لوگ باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیے جائیں گے، [2] اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو سابقین یعنی کفار کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے ○ [3]

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ

یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کرلیں لیکن ان کے حصے میں سوائے حسرت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

1 یہ علیحدگی یا تو آخرت میں ہوگی کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دیا جائے گا، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○﴾ (یٰسٓ 59:36) ''اے گناہ گارو! آج الگ ہو جاؤ۔'' یعنی نیک لوگوں سے۔ اور مجرموں، یعنی کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو اکٹھا کر کے سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پھر اس کا تعلق دنیا سے ہے اور لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی کافر اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جو مال خرچ کر رہے ہیں، ہم ان کو ایسا کرنے کا موقع دیں گے تاکہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے، کافر کو مومن سے اور منافق کو مخلص سے علیحدہ کردے۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے۔ کفار کے ذریعے سے ہم تمھاری آزمائش کریں گے، وہ تم سے لڑیں گے اور ہم انھیں ان کے مال بھی لڑائی پر خرچ کرنے کی قدرت دیں گے تاکہ خبیث، طیب سے ممتاز ہو جائے، پھر وہ خبیث کو ایک دوسرے سے ملا دے گا، یعنی سب کو جمع کر دے گا۔ (ابن کثیر)

2 باز آجانے کا مطلب، مسلمان ہونا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے: ''جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنا لیا، اس سے اس کے ان گناہوں کی باز پرس نہیں ہوگی جو اس نے جاہلیت میں کیے ہوں گے اور جس نے اسلام لا کر بھی برائی نہ چھوڑی، اس سے اگلے پچھلے سب عملوں کا مؤاخذہ ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6921، وصحيح مسلم حديث: 189-(120)) ایک اور حدیث میں ہے: «اَلْإِسْلَامُ يَجُبُّ مَا قَبْلَهُ» (مسند أحمد: 199/4) ''اسلام ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

3 یعنی اگر وہ اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جلد یا بہ دیر عذاب الٰہی کے مورد بن کر رہیں گے۔

الدِّیۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ
بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿39﴾
وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰىكُمۡ ؕ
نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَ نِعۡمَ النَّصِیۡرُ ﴿40﴾

رہے۔[1] اور دین اللہ ہی کا ہوجائے،[2] پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے○[3]
اور اگر یہ رُوگردانی کریں[4] تو یقین رکھیں کہ اللہ تمھارا رفیق ہے،[5] وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے○[6]

1 ﴿فِتۡنَةٌ﴾ سے مراد شرک ہے یا شرک و کفر کی قوت، یعنی اس وقت تک جہاد جاری رکھو، جب تک شرک اور شرک کی قوت کا خاتمہ نہ ہوجائے۔
2 یعنی اللہ کی توحید کا پھریرا چاردانگ عالم میں لہرا جائے۔
3 یعنی تمھارے لیے ان کا ظاہری اسلام ہی کافی ہے، باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کردو کیونکہ اس کو ظاہر و باطن ہر چیز کا علم ہے۔
4 یعنی اسلام قبول نہ کریں اور اپنے کفر اور تمھاری مخالفت پر مصر رہیں۔
5 یعنی تمھارے دشمنوں پر تمھارا مددگار اور تمھارا حامی و محافظ ہے۔
6 پس کامیاب بھی وہی ہوگا جس کا مولیٰ اللہ ہو اور غالب بھی وہی ہوگا جس کا مددگار وہ ہو۔

وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿41﴾

جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو [1] اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، [2] اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتاری ہے، [3] جو دن حق و باطل کی جدائی کا تھا [4] جس دن دو فوجیں بھڑ گئی تھیں۔ [5] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

1 غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو کافروں سے لڑائی کے نتیجے میں مسلمانوں کو حاصل ہو۔ پہلی امتوں میں اس کے لیے یہ طریقہ تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کافروں سے حاصل کردہ سارا مال ایک جگہ ڈھیر کر دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر بھسم کر ڈالتی۔ لیکن امت مسلمہ کے لیے یہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ اور جو مال بغیر لڑائی کے صلح کے ذریعے یا جزیہ وخراج سے وصول ہو، اسے فیٔ کہا جاتا ہے۔ کبھی غنیمت کو بھی فیٔ سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔
﴿ مِّنۡ شَیۡءٍ ﴾ سے مراد جو کچھ بھی ہو، یعنی تھوڑا ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا معمولی، سب کو جمع کر کے اس کی تقسیم حسب ضابطہ کی جائے گی۔ کسی سپاہی کو اس میں سے کوئی چیز تقسیم سے قبل اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

2 اللہ کا لفظ تو بطور تبرک، نیز اس لیے ہے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ مراد اللہ اور اس کے رسول کے حصے سے ایک ہی ہے، یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں بھی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔ پانچواں حصہ، جسے عربی میں خُمُس کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ حصہ اپنی ضروریات، ازواج مطہرات کی ضروریات اور مسلمانوں کے مفاد عامہ میں لگاتے تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: «وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَیْکُمْ» (سنن النسائي، حديث: 4143 وصححه الألباني في صحيح سنن النسائي، حديث: 4149، ومسند أحمد: 319/5.) یعنی ''میرا جو پانچواں حصہ ہے وہ بھی مسلمانوں کے مصالح پر ہی خرچ ہوتا ہے۔'' دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کا، پھر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ خمس حسب ضرورت خرچ کیا جائے گا۔

3 اس نزول سے مراد فرشتوں کا اور آیات الٰہی (معجزات وغیرہ) کا نزول ہے جو بدر میں ہوا۔

4 بدر کی جنگ 2 ہجری 17 رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس دن کو یوم الفرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ تھی اور مسلمانوں کو فتح وغلبہ دے کر واضح کر دیا گیا کہ اسلام حق ہے اور کفر وشرک باطل ہے۔

5 یعنی مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿42﴾

جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے [1] اور قافلہ تم سے بہت نیچا تھا۔ [2] اگر تم آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم وقتِ معین پر پہنچنے میں مختلف ہو جاتے۔ [3] تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو، دلیل پر (یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔ [4] بے شک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِىْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿43﴾

جب کہ اللہ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی، اگر وہ آپ کو زیادہ دکھاتا تو تم بزدل ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے، لیکن اللہ نے بچالیا، وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے ○ [5]

---

1 ﴿الدُّنْيَا﴾ دُنُوٌّ سے ہے بمعنی قریب۔ مراد ہے وہ کنارہ جو مدینہ شہر کے قریب تھا۔ ﴿الْقُصْوٰى﴾ کہتے ہیں دور کو۔ کافر اس کنارے پر تھے جو مدینہ سے نسبتاً دور تھا۔

2 اس سے مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام سے مکہ جا رہا تھا اور جسے حاصل کرنے کے لیے ہی دراصل مسلمان اس طرف آئے تھے۔ یہ پہاڑ سے بہت دور مغرب کی طرف نشیب میں تھا جبکہ بدر کا مقام، جہاں جنگ ہوئی، بلندی پر تھا۔

3 یعنی اگر جنگ کے لیے باقاعدہ دن اور تاریخ کا ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ یا اعلان ہوتا تو یقین تھا کہ تم لڑائی کی تاریخ میں مختلف ہو جاتے لیکن چونکہ اس جنگ کا ہونا اللہ نے لکھ رکھا تھا، اس لیے ایسے اسباب پیدا کر دیے گئے کہ دونوں فریق بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل بغیر پیشگی وعدہ وعید کے صف آرا ہو جائیں۔

4 یہ علت ہے اللہ کی اس تقدیری مشیت کی جس کے تحت بدر میں فریقین کا اجتماع ہوا تاکہ جو ایمان پر زندہ رہے تو وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ اسلام حق ہے کیونکہ اس کی حقانیت کا مشاہدہ وہ بدر میں کر چکا ہے اور جو کفر کے ساتھ ہلاک ہو تو وہ بھی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کیونکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین کا راستہ گمراہی اور باطل کا راستہ ہے۔

5 اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی دکھائی اور وہی تعداد آپ نے صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمائی، جس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے اگر اس کے برعکس کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو صحابہ میں پست ہمتی پیدا ہونے اور باہمی اختلاف کا اندیشہ تھا۔ لیکن اللہ نے ان دونوں باتوں سے بچالیا۔

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿44﴾ ع 5/7

جبکہ اس نے بوقت ملاقات انھیں تمھاری نگاہوں میں بہت کم دکھایا اور تمھیں ان کی نگاہوں میں بہت کم دکھایا [1] تا کہ اللہ اس کام کو انجام تک پہنچا دے جو مقرر ہو چکا تھا [2] اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿45﴾ ج

اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تا کہ تمھیں کامیابی حاصل ہو ○ [3]

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿46﴾ ج

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ [4]

---

1 تا کہ وہ کافر بھی تم سے خوف کھا کر پیچھے نہ ہٹیں۔ پہلا واقعہ خواب کا تھا اور یہ دکھلانا عین قتال کے وقت تھا، جیسا کہ الفاظ قرآنی سے واضح ہے۔ تاہم یہ معاملہ ابتدا میں تھا۔ لیکن جب باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی تو پھر کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت:13 سے معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں زیادہ دکھانے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ کثرت دیکھ کر ان کے اندر مسلمانوں کا خوف اور دہشت بیٹھ جائے، جس سے ان کے اندر بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہو، اس کے برعکس پہلے کم دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ لڑنے سے گریز نہ کریں۔

2 اس سب کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے معرکۂ حق و باطل واقع ہونے کا جو فیصلہ کیا ہوا تھا، وہ پورا ہو جائے، اس لیے اس نے اس کے اسباب پیدا فرما دیے۔

3 اب مسلمانوں کو لڑائی کے وہ آداب بتائے جا رہے ہیں جن کو دشمن سے مقابلے کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلی بات ثبات قدمی اور استقلال ہے تاہم اس سے تَحَرُّف اور تَحَیُّز کی وہ دونوں صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ثبات قدمی کے لیے بھی تحرف یا تحیز ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تا کہ مسلمان اگر تھوڑے ہوں تو اللہ کی مدد کے طالب رہیں اور اگر مسلمان تعداد میں زیادہ ہوں تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب اور غرور پیدا نہ ہو بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر ہی رہے۔

4 تیسری ہدایت، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، ظاہر بات ہے ان نازک حالات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کتنی سخت خطرناک ہو سکتی ہے، اس لیے ایک مسلمان کے لیے ویسے تو ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ تاہم میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے اور اس موقع پر تھوڑی سی بھی نافرمانی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿47﴾

ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خود نمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے،[1] جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے ○

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿48﴾ ع 6/4/2

جبکہ شیطان ان کے اعمال انھیں خوشنما کر کے دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آ سکتا، میں خود بھی تمھارا حمایتی ہوں، لیکن جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا میں تو تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔[2] میں اللہ سے ڈرتا ہوں،[3] اور اللہ سخت عذاب والا ہے[4] ○

بن سکتی ہے۔ چوتھی ہدایت کہ آپس میں تنازع اور اختلاف نہ کرو، اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور پانچویں ہدایت کہ صبر کرو، یعنی جنگ میں کتنی بھی شدت آ جائے اور تمھیں کتنے بھی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ نبی ﷺ نے بھی ایک حدیث میں فرمایا: ''لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو، تاہم جب کبھی دشمن سے لڑائی کا موقع پیدا ہو جائے تو صبر کرو (جم کر لڑو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:2966)

1 مشرکین مکہ جب اپنے قافلے کی حفاظت اور لڑائی کی نیت سے نکلے تو بڑے اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے نکلے، مسلمانوں کو اس کافرانہ شیوے سے روکا گیا ہے۔

2 مشرکین جب مکہ سے روانہ ہوئے تو انھیں اپنے حریف قبیلے بنی بکر بن کنانہ سے اندیشہ تھا کہ وہ پیچھے سے انھیں نقصان نہ پہنچائے، چنانچہ شیطان سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر آیا جو بنی بکر بن کنانہ کے ایک سردار تھے اور انھیں نہ صرف فتح و غلبہ کی بشارت دی بلکہ اپنی حمایت کا بھی پورا یقین دلایا۔ لیکن جب ملائکہ کی صورت میں امداد الٰہی اسے نظر آئی تو ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔

3 اللہ کا خوف تو اس کے دل میں کیا ہونا تھا؟ تاہم اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ کی خاص مدد حاصل ہے۔ مشرکین ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔

4 ممکن ہے یہ شیطان کے کلام کا حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانفہ ہو، یعنی ماقبل سے الگ مستقل جملہ۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿49﴾

جبکہ منافق کہہ رہے تھے اور وہ بھی جن کے دلوں میں روگ تھا[1] کہ انھیں تو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے[2] جو بھی اللہ پر بھروسہ کرے اللہ بلاشک و شبہ غلبے والا اور حکمت والا ہے ○[3]

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾

کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور سرینوں پر مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم جلنے کا عذاب چکھو ○[4]

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۙ ﴿51﴾

یہ ان کاموں کا بدلہ ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے ہیں، بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○[5]

---

1 اس سے مراد یا تو وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مسلمانوں کے بارے میں انھیں شک تھا اگر چہ وہ منافق نہ تھے یا اس سے مراد مشرکین ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ میں رہنے والے یہودی مراد ہوں۔

2 یعنی ان کی تعداد تو دیکھو اور سروسامان کا جو حال ہے، وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن یہ مقابلہ کرنے چلے ہیں مشرکین مکہ سے جو تعداد میں بھی ان سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر طرح کے سامان حرب اور وسائل سے مالا مال بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال دیا ہے۔ اور یہ موٹی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

3 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان اہل دنیا کو اہل ایمان کے عزم وثبات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جن کا توکل اللہ کی ذات پر ہے جو غالب ہے، یعنی اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ بے سہارا نہیں چھوڑتا اور حکیم بھی ہے اس کے ہر فعل میں حکمت بالغہ ہے جس کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں۔

4 بعض مفسرین نے اسے جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی بابت قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف آتے تو مسلمان ان کے چہروں پر تلواریں مارتے، جس سے بچنے کے لیے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے تو فرشتے ان کی دبروں پر تلواریں مارتے۔ لیکن یہ آیت عام ہے جو ہر کافر و مشرک کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں (یا دبروں، یعنی چوتڑوں) پر مارتے ہیں، جس طرح سورۂ انعام میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ﴾ (الأنعام 6:93) ''فرشتے ان کو مارنے کے لیے ہاتھ دراز کرتے ہیں۔'' اور بعض کے نزدیک فرشتوں کی یہ مار قیامت والے دن جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے ہوگی اور داروغہ جہنم کہے گا: ''تم جلنے کا عذاب چکھو۔''

5 یہ ضرب و عذاب تمھارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ تو عادل

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝52

مثل فرعونیوں کے حال کے اور ان سے پہلے کے لوگوں کے، [1] کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا، پس اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں پکڑ لیا، یقیناً اللہ قوت والا اور سخت عذاب والا ہے ○

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝53

یہ اس لیے کہ اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی [2] اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝54

مثل حالت فرعونیوں کے اور ان سے پہلے کے لوگوں کے کہ انھوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹلائیں۔ پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انھیں برباد کیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا۔ یہ سارے ظالم تھے ○ [3]

ہے جو ہر قسم کے ظلم و جور سے پاک ہے۔ حدیث قدسی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم حرام کیا ہے اور تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جو میں نے شمار کر کے رکھے ہوئے ہیں، پس جو اپنے اعمال میں بھلائی پائے، اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ (صحيح مسلم ، حديث: 55-(2577))

1 ﴿ كَدَاْبِ ﴾ کے معنی ہیں عادت۔ کاف تشبیہ کے لیے ہے، یعنی ان مشرکین کی عادت یا حال، اللہ کے پیغمبروں کے جھٹلانے میں، اسی طرح ہے جس طرح فرعون اور اس سے قبل دیگر مکذبین کی عادت یا حال تھا۔

2 اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم کفران نعمت کا راستہ اختیار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے اعراض کر کے اپنے احوال و اخلاق کو نہیں بدل لیتی، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اپنی نعمتیں سلب فرما لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ گویا تبدیلی کا مطلب یہی ہے کہ قوم گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کرے۔

3 یہ اس بات کی تاکید ہے جو پہلے گزری، البتہ اس میں ہلاکت کی صورت کا اضافہ ہے کہ انھیں غرق کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ واضح کر دیا کہ اللہ نے ان کو غرق کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ (حم السجدة 41 : 46) ”تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿55﴾

تمام جانداروں سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں، پھر وہ ایمان نہ لائیں ○ [1]

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾

جن سے آپ نے عہد و پیمان کرلیا پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور وہ (ذرا) نہیں ڈرتے ○ [2]

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾

پس اگر آپ انھیں لڑائی میں (موجود) پائیں تو انھیں ایسی عبرت ناک سزا دیں کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں [3] تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿58﴾ ع 7/10/3

اور اگر آپ کو کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی سطح پر ان کا معاہدہ ان کے آگے پھینک دو، [4] اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○ [5]

---

1 شَرُّ النَّاسِ (لوگوں میں سب سے بدتر) کے بجائے انھیں ﴿شَرَّ الدَّوَآبِّ﴾ کہا گیا ہے۔ جو لغوی معنی کے لحاظ سے تو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال چوپایوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا کافروں کا تعلق انسانوں سے ہی نہیں۔ کفر کا ارتکاب کر کے وہ جانور بلکہ جانوروں میں بھی سب سے بدتر جانور بن گئے ہیں۔

2 یہ مذکورہ کافروں ہی کی ایک عادت بیان کی گئی ہے کہ ہر بار نقض عہد کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے عواقب سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ کو مراد لیا ہے، جن سے رسول اللہ ﷺ کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ کافروں کی مدد نہیں کریں گے لیکن انھوں نے اس کی پاسداری نہیں کی۔

3 ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ﴾ کا مطلب ہے کہ ان کو ایسی مار مار کہ جس سے ان کے پیچھے، ان کے حامیوں اور ساتھیوں میں بھگدڑ مچ جائے حتی کہ وہ آپ کی طرف اس اندیشے سے رخ ہی نہ کریں کہ کہیں ان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو ان کے پیش رووں کا ہوا ہے۔

4 خیانت سے مراد ہے، معاہد قوم سے نقض عہد کا خطرہ۔ اور ﴿عَلٰى سَوَآءٍ﴾ "برابری کی حالت میں" کا مطلب ہے کہ انھیں باقاعدہ مطلع کیا جائے کہ آئندہ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ تاکہ دونوں فریق اپنے اپنے طور پر اپنی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، کوئی ایک فریق لاعلمی اور مغالطے میں نہ مارا جائے۔

5 یعنی یہ نقض عہد اگر مسلمانوں کی طرف سے بھی ہو تو یہ خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ جب معاہدے کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کی سرزمین کے قریب اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی رومیوں پر حملہ کر دیا جائے۔

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا ؕ اِنَّهُمۡ لَا يُعۡجِزُوۡنَ ﴿59﴾

کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے۔ یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے ○

وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿60﴾

تم ان (کافروں) کے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے (فراہم کرنے) کی تیاری کرو[1] کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے ساتھ اوروں کو بھی، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں خوب جانتا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمھارا حق نہ مارا جائے گا ○

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿61﴾

اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تُو بھی اس کی طرف مائل ہو جا اور اللہ پر بھروسا رکھ،[2] یقیناً وہ بہت سننے والا جاننے والا ہے ○

ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے علم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات آئی تو انھوں نے اسے غدر سے تعبیر فرمایا اور ایک حدیث رسول بیان فرما کر اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا، جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ (مسند أحمد: 111/4، وسنن أبي داود، حديث: 2759، وجامع الترمذي، حديث: 1580)

1 ﴿قُوَّةٍ﴾ کی تفسیر نبی ﷺ نے رَمْيٌ (پھینکنے) سے کی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1917. ودیگر کتب حدیث)۔ نبی ﷺ کے دور میں رَمْيٌ کی شکل تیر اندازی، منجنیق وغیرہ کے ذریعے سے پتھر کی گولہ باری وغیرہ تھی اور یہ اس دور میں بہت بڑے جنگی ہتھیار تھے، جس طرح گھوڑے جنگ کے لیے ناگزیر ضرورت تھی اور ہے، جبکہ آج کے دور میں رَمْيٌ (پھینکنے) کی مزید جدید شکلیں وجود میں آئی ہیں، لہٰذا ﴿وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ کے تحت آج کل کے رَمْيٌ والے جنگی ہتھیاروں مشین گن، میزائل اور علاوہ ازیں ٹینک، بم اور جنگی جہاز اور بحری جنگ کے لیے آبدوزیں وغیرہ کی تیاری نہایت ضروری ہے۔

2 یعنی اگر حالات جنگ کی بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن بھی مائل بہ صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکہ اور فریب ہو، تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، یقیناً اللہ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کو کافی ہے۔ لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو، مسلمان قوت و وسائل میں ممتاز ہوں اور کافر کمزور اور ہزیمت خوردہ تو اس صورت میں صلح کی بجائے کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا ضروری ہے۔ (سورۂ محمد 35:47) ﴿وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الأنفال 39:8)

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾

اگر وہ تجھ سے دغا بازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تجھے کافی ہے، اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے ○

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿63﴾

ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تُو اگر سارے کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے [1] وہ غالب حکمتوں والا ہے ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿64﴾ ع 8/6/4

اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو بھی جو تیری پیروی کر رہے ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى

اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلائیے [2] اگر تم

---

1 ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنوں پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعے سے مدد فرمائی، وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی، اسے محبت و الفت میں تبدیل فرما دیا۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایک دوسرے کے جانثار بن گئے، پہلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے، اب آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو اس طرح ختم کر کے، باہم پیار اور محبت پیدا کر دینا، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کارفرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر خرچ کر دیے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت:103 ﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ﴾ میں بھی فرمایا ہے اور نبی ﷺ نے بھی غنائم حنین کے موقع پر انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے جماعت انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں ہدایت نصیب فرمائی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے تمھیں میرے ذریعے سے خوش حال کر دیا اور تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں آپس میں جوڑ دیا۔'' نبی ﷺ جو بات کہتے، انصار اس کے جواب میں یہی کہتے۔ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمَنُّ ''اللہ اور اس کے رسول کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث:4330، وصحيح مسلم، حديث:1061)

2 تَحْرِيْضٌ کے معنی ہیں ترغیب میں مبالغہ کرنا، یعنی خوب رغبت دلانا اور شوق پیدا کرنا، چنانچہ اس کے مطابق نبی ﷺ جنگ سے قبل صحابۂ کرام ﷺ کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے۔ جیسا کہ بدر کے موقع پر، جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آ موجود ہوئے، آپ نے فرمایا: ''ایسی جنت میں

الۡقِتَالِ ؕ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿65﴾

میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے، تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے [1] اس لیے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں ○

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿66﴾

اچھا اب اللہ تمھارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے، [2] اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ [3]

مَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ

نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس (جنگی) قیدی آتے جب تک کہ وہ زمین (یعنی میدان جنگ)

جانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' ایک صحابی عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' اس پر انھوں نے بخ بخ کہا، یعنی خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانے والوں میں سے ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: ''تم اس میں جانے والوں میں سے ہو گے۔'' چنانچہ انھوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور چند کھجوریں جو ان کے پاس تھیں نکال کر کھانے لگے لیکن جلد ہی اپنے پاس سے تمام کھجوریں پھینک دیں اور کہا: ''ان کے کھانے تک میں زندہ رہا، یہ تو طویل زندگی ہوگی۔'' پھر آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے لگے حتیٰ کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ (صحيح مسلم، حديث:1901.)

1 یہ مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ تمھارے ثابت قدمی سے لڑنے والے 20 مجاہد دو سو پر اور سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے، اس لیے مسلمان تھوڑے ہوں، تب بھی گھبرانا نہیں چاہیے۔

2 پچھلا حکم صحابہ پر گراں گزرا کیونکہ اس کا مطلب تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے میں، 20 دو سو کے مقابلے میں اور سو ایک ہزار کے مقابلے میں کافی ہیں اور جب کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو تو میدانِ جنگ سے بھاگنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرما کر ایک اور دس کا تناسب کم کر کے ایک اور دو کا تناسب کر دیا۔ (صحيح البخاري، حديث:4653) اب اس تناسب پر کفر کے سامنے ثابت قدم رہنا ضروری ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگنا حرام ہے اور اگر کفار دو چند سے زیادہ ہوں تو بھاگنا گناہ نہیں لیکن لڑنا اور جمے رہنا بہر حال افضل ہے۔

3 یہ کہہ کر صبر و ثبات قدمی کی اہمیت بیان فرما دی کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے اس کا اہتمام ضروری ہے۔

الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿67﴾

میں خوب خون ریزی نہ کرلے۔تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے [1] اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ○

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾

اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی [2] تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس (کے بدلے) میں تمھیں کوئی بہت بڑی سزا ہوتی ○

---

1 جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنا لیے گئے۔ یہ کفرو اسلام کا چونکہ پہلا معرکہ تھا، اس لیے قیدیوں کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ ان کی بابت احکام پوری طرح واضح نہیں تھے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ جواز کی حد تک دونوں ہی باتوں کی گنجائش تھی۔ اسی لیے دونوں ہی باتیں زیر غور آئیں۔ لیکن بعض دفعہ جواز و عدم جواز سے قطع نظر حالات وظروف کے اعتبار سے زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں بھی ضرورت زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی تھی۔ لیکن جواز کو سامنے رکھتے ہوئے کم تر صورت اختیار کر لی گئی، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ مشورے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ مشورہ دیا کہ کفر کی قوت وشوکت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ کفر اور کافروں کے سرغنے ہیں، یہ آزاد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زیادہ سازشیں کریں گے۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی رائے اس کے برعکس یہ تھی کہ فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے اور اس مال سے آئندہ جنگ کی تیاری کی جائے۔ نبی ﷺ نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا جس پر یہ اور اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں۔ ﴿حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ کا مطلب ہے کہ اگر ملک میں کفر کا غلبہ ہے (جیسا کہ اس وقت عرب میں کفر کا غلبہ تھا) تو کافروں کی خوں ریزی کر کے کفر کی قوت کو توڑنا ضروری ہے۔ اس نکتے کو نظر انداز کر کے تم نے جو فدیہ قبول کیا ہے تو گویا زیادہ بہتر صورت کو چھوڑ کر کم تر صورت کو اختیار کیا ہے جو تمھاری غلطی ہے۔ بعد میں جب کفر کا غلبہ ختم ہو گیا تو قیدیوں کے بارے میں امام وقت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کر دے، فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لے اور چاہے تو ان کو غلام بنا لے، حالات وظروف کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔

2 اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ لکھی ہوئی بات کیا تھی؟ بعض نے کہا کہ اس سے مال غنیمت کی حلت مراد ہے، یعنی چونکہ یہ نوشتہ تقدیر تھا کہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال ہو گا، اس لیے تم نے فدیہ لے کر ایک جائز کام ہی کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فدیہ لینے کی وجہ سے تمھیں عذاب عظیم پہنچتا۔ بعض نے اہل بدر کی مغفرت اس سے مراد لی ہے،

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿69﴾ ع 5/5

پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے، خوب کھاؤ پیو [1] اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿70﴾

اے نبی! جو قیدی آپ (لوگوں) کے قبضے میں ہیں، ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا [2] تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمھیں دے گا [3] اور تمھارے گناہ بھی معاف فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾

اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا خیال کریں گے تو یہ تو اس سے پہلے خود اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں آخر اس نے انھیں گرفتار کرا دیا [4] اور اللہ علم و حکمت والا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا [5] اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور مدد کی، [6] یہ سب آپس میں ایک

بعض نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو عذاب میں مانع ہونا مراد لیا ہے وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر)

1 اس میں مال غنیمت کی حلت و پاکیزگی کو بیان کر کے فدیے کا جواز بیان فرما دیا گیا۔ جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ "لکھی ہوئی بات" سے مراد شاید یہی حلت غنائم ہے۔

2 یعنی ایمان و اسلام لانے کی نیت اور اسے قبول کرنے کا جذبہ۔

3 یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمھیں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کے بعد عطا فرما دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو ان قیدیوں میں تھے، مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اللہ نے انھیں دنیوی مال و دولت سے بھی خوب نوازا۔

4 یعنی زبان سے تو اظہار اسلام کر دیں لیکن مقصد دھوکہ دینا ہو تو اس سے قبل انھوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے کیا حاصل کیا؟ یہی کہ وہ مسلمانوں کے قیدی بن گئے، اس لیے آئندہ بھی اگر وہ شرک کے راستے پر قائم رہے تو اس سے مزید ذلت و رسوائی کے سوا انھیں کچھ اور حاصل نہیں ہوگا۔

5 یہ صحابہ اولین مہاجرین کہلاتے ہیں جو فضیلت میں صحابہ میں اول نمبر پر ہیں۔

6 یہ انصار کہلاتے ہیں۔ یہ فضیلت میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ
وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى
يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي
الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿72﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي
الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ ﴿73﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ

دوسرے کے رفیق ہیں [1] اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی، تمھارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں، [2] ہاں، اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے [3] مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ جن کے اور تمھارے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہے، [4] تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے ○

کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ اور زبردست فساد برپا ہو جائے گا ○ [5]

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی

---

1 یعنی ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرما دیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی قرار پائے۔ (بعد میں وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا)

2 یہ صحابہ کی تیسری قسم ہے جو مہاجرین و انصار کے علاوہ ہیں۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے ہی علاقوں اور قبیلوں میں مقیم رہے، اس لیے فرمایا کہ تمھاری حمایت یا وراثت کے وہ مستحق نہیں۔

3 مشرکین کے خلاف اگر ان کو تمھاری مدد کی ضرورت پیش آ جائے تو پھر ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔

4 ہاں، اگر وہ تم سے ایسی قوم کے خلاف مدد کے خواہش مند ہوں کہ تمھارے اور ان کے درمیان صلح کا اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے تو پھر ان مسلمانوں کی حمایت کے مقابلے میں، معاہدے کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔

5 یعنی جس طرح کافر ایک دوسرے کے دوست اور حامی ہیں، اسی طرح اگر تم نے بھی ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی حمایت اور کافروں سے عدم موالات نہ کی تو پھر بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ اور وہ یہ کہ مومن اور کافر کے باہمی اختلاط اور محبت و موالات سے دین کے معاملے میں اشتباہ اور مداہنت پیدا ہو گی۔ بعض نے ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ سے وارث ہونا مراد لیا ہے، یعنی کافر ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر تم وراثت میں کفر و ایمان کو نظر انداز کر کے محض قرابت کو سامنے رکھو گے تو اس سے بڑا فتنہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿74﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿75﴾ ع 10 6

راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے جگہ دی اور مدد پہنچائی۔ وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ○[1]

اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمھارے ساتھ ہو کر جہاد کیا، پس وہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں[2] اور رشتے ناطے والے اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں،[3] بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

اٰيَاتُهَا 129 (9) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (113) رُكُوْعَاتُهَا 16

سورۂ توبہ[4] مدنی ہے، اس میں 129 آیات اور 16 رکوع ہیں۔

اور فساد پیدا ہوگا۔

1 یہ مہاجرین وانصار کے انھی دو گروہوں کا تذکرہ ہے، جو پہلے بھی گزرا ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر ان کی فضیلت کے سلسلے میں ہے۔ جبکہ پہلے ان کا ذکر آپس میں ایک دوسرے کی حمایت ونصرت کا وجوب بیان کرنے کے لیے تھا۔

2 یہ ایک چوتھے گروہ کا ذکر ہے جو فضیلت میں پہلے دو گروہوں کے بعد اور تیسرے گروہ سے، جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی، پہلے ہے۔

3 اخوت یا حلف کی بنیاد پر وراثت میں جو حصہ دار بنتے تھے، اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اب وارث صرف وہی ہوں گے جو نسبی اور سسرالی رشتوں میں منسلک ہوں گے۔ اللہ کی کتاب یا اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اصل حکم یہی تھا۔ لیکن اخوت کی بنیاد پر صرف عارضی طور پر ایک دوسرے کا وارث بنا دیا گیا تھا، جو اب ضرورت ختم ہونے پر غیر ضروری ہو گیا اور اصل حکم نافذ کر دیا گیا۔

4 وجہ تسمیہ: مفسرین نے اس کے متعدد نام ذکر کیے ہیں لیکن زیادہ مشہور دو ہیں۔ ایک توبہ، اس لیے کہ اس میں بعض مومنین کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرا نام براءت ہے، اس لیے کہ اس میں مشرکین سے براءت کا اعلان عام ہے۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ درج نہیں ہے۔ اس کی بھی متعدد وجوہات کتب تفسیر میں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ ان دونوں کے مضامین میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ سورت گویا سورۂ انفال کا تتمہ یا بقیہ ہے۔ غالباً اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں کروائی اور آپ کی متابعت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس میں بسم اللہ تحریر نہیں کی۔ یہ سات بڑی سورتوں میں ساتویں بڑی سورت ہے جنھیں سبع طوال کہا جاتا ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۭ①
فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ②
وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

[1] اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے صاف جواب ہے ان مشرکوں کے لیے جن سے تم نے (صلح کا) معاہدہ کیا تھا○ پس (اے مشرکو!) تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو، [2] جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ (بھی یاد رہے) کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ○ [3] اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن [4] صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی، اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے۔ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری

1 فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کو قرآن کریم کی یہ آیات اور یہ احکام دے کر بھیجا تا کہ وہ مکے میں ان کا عام اعلان کر دیں۔ انھوں نے آپ کے فرمان کے مطابق اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا عریاں طواف نہیں کرے گا بلکہ آئندہ سال سے کسی مشرک کو بیت اللہ کے حج کی ہی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاري، حدیث:369، وصحیح مسلم، حدیث:(1347))

2 یہ اعلان براءت ان مشرکین کے لیے تھا جن سے غیر مؤقت معاہدہ تھا یا چار مہینے سے کم کا تھا یا جن سے چار مہینے سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ ان سب کو 4 مہینے مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انھیں یہاں رہنے کی اجازت ہوگی، بصورت دیگر ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ 4 مہینے کے بعد ہمارے ملک سے نکل جائیں، اگر دونوں صورتوں میں سے وہ کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے، جن سے لڑنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا تا کہ جزیرۂ عرب کفر و شرک کی تاریکیوں سے صاف ہو جائے۔

3 یعنی یہ مہلت اس لیے نہیں دی جا رہی ہے کہ فی الحال تمھارے خلاف کارروائی ممکن نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد صرف تمھاری بھلائی اور خیر خواہی ہے تا کہ جو توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہے، وہ مسلمان ہو جائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تمھاری بابت اللہ کی جو تقدیر و مشیت ہے، اسے تم ٹال نہیں سکتے اور اللہ کی طرف سے مسلط ذلت و رسوائی سے تم بچ نہیں سکتے۔

4 صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر (10 ذوالحجہ) کا دن ہے (صحیح البخاري، حدیث: 4657، وصحیح مسلم، حدیث:1347، و جامع الترمذي، حدیث: 957) اسی

كَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۙ﴿۳﴾

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔـا وَّ لَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴﴾

فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ

دے دیجیے ○

بجز ان مشرکوں کے جن سے تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انھوں نے تمھیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمھارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو،[1] بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ○

پھر جب حرمت والے مہینے[2] گزر جائیں تو تم مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو،[3] انھیں گرفتار کرو،[4] ان کا محاصرہ

دن منٰی میں اعلان براءت سنایا گیا۔ 10 ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اسی لیے کہا گیا کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کیے جاتے ہیں۔ عمرہ چونکہ حج اصغر ہے، اس لیے اس سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جو حج جمعہ والے دن آئے، وہ حج اکبر ہوتا ہے، یہ بے اصل بات ہے۔

1 یہ مشرکین کی چوتھی قسم ہے۔ ان سے جتنی مدت کا معاہدہ تھا، اس مدت تک انھیں رہنے کی اجازت دے دی گئی کیونکہ انھوں نے معاہدے کی پاسداری کی اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی اس کی پاسداری کو ضروری قرار دیا گیا۔

2 ان حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی چار مہینے ہیں جو حرمت والے ہیں، یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور اعلان براءت 10 ذوالحجہ کو کیا گیا۔ اس اعتبار سے گویا اعلان کے بعد 50 دن کی مہلت انھیں دی گئی۔ کیونکہ حرمت والے مہینوں کے گزرنے کے بعد مشرکین کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں أَشۡهُرِ حُرُم سے مراد وہ حرمت والے مہینے نہیں ہیں بلکہ 10 ذوالحجہ سے لے کر 10 ربیع الثانی تک کے 4 مہینے مراد ہیں۔ انھیں أَشۡهُرِ حُرُم اس لیے کہا گیا ہے کہ اعلان براءت کی رو سے ان چار مہینوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں تھی۔ اعلان براءت کی رو سے یہ تفسیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

3 بعض مفسرین نے اس حکم کو عام رکھا ہے، یعنی حِلّ یا حَرَم میں، جہاں بھی پاؤ قتل کرو۔ اور بعض مفسرین نے ﴿وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ ۚ فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ﴾ (البقرة 2:191.) ’’مسجد حرام کے پاس ان سے مت لڑو یہاں تک کہ وہ خود تم سے لڑیں، اگر وہ لڑیں تو پھر تمھیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔‘‘ اس آیت سے تخصیص کی ہے اور صرف حدود حَرَم سے باہر حِلّ میں قتل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

4 یعنی انھیں قیدی بنا لو یا قتل کر دو۔

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع

کرلو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو، [1] ہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو۔ [2] یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تُو اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے، پھر تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دے [3] ۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے علم ہیں ○ [4]

---

1 یعنی اس بات پر اکتفا نہ کرو کہ وہ تمھیں کہیں ملیں تو تم کارروائی کرو۔ بلکہ جہاں جہاں ان کے حصار، قلعے اور پناہ گاہیں ہیں، ان کا محاصرہ کرلو اور ہر جگہ ان کی گھات میں رہو حتیٰ کہ تمھاری اجازت کے بغیر ان کے لیے نقل و حرکت ممکن نہ رہے۔

2 یعنی کوئی کارروائی ان کے خلاف نہ کی جائے کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ گویا قبول اسلام کے بعد اقامت صلاۃ اور ادائے زکاۃ کا اہتمام ضروری ہے اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ترک کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ کے خلاف، اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جہاد کیا۔ اور فرمایا «وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ» (صحيح البخاري، حديث: 1400، وصحيح مسلم، حديث: 20) "اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کریں گے۔" یعنی نماز تو پڑھیں لیکن زکاۃ ادا کرنے سے گریز کریں۔

3 اس آیت میں مذکورہ حربی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو، یعنی اسے اپنی حفظ و امان میں رکھو تا کہ کوئی مسلمان اسے قتل نہ کر سکے۔ اور تا کہ اسے اللہ کی باتیں سننے اور اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے، ممکن ہے اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے۔ لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی امان کی پاسداری آخر تک کرنی ہے، جب تک وہ اپنے مستقر تک بخیریت واپس نہیں پہنچ جاتا، اس کی جان کی حفاظت تمھاری ذمہ داری ہے۔

4 یعنی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ کی رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ ممکن ہے اللہ اور رسول کی باتیں ان کے علم میں آئیں اور وہ مسلمانوں کا اخلاق و کردار دیکھیں تو اسلام کی حقانیت و صداقت کے وہ قائل ہو جائیں۔ جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے کافر مدینہ آتے جاتے رہے تو انھیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے مشاہدے سے اسلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦

مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے عہد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے،[1] جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے معاہدہ نبھاؤ، بلاشبہ اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے ○[2]

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧

ان کے وعدوں کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو نہ یہ قرابت داری کا خیال کریں نہ عہد و پیمان کا،[3] اپنی زبانوں سے تو تمھیں پرچا رہے ہیں لیکن ان کے دل نہیں مانتے ان میں سے اکثر تو فاسق ہیں ○

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨

انھوں نے اللہ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس کی راہ سے روکا۔ بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں ○

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩

یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتہ داری کا یا عہد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے، یہ ہیں ہی حد سے گزرنے والے ○[4]

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ

اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ دیتے رہیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں،[5] ہم تو

1 یہ استفہام نفی کے لیے ہے، یعنی جن مشرکین سے تمھارا معاہدہ ہے، ان کے علاوہ اب کسی سے معاہدہ باقی نہیں رہا ہے۔

2 یعنی عہد کی پاسداری، اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ امر ہے، اس لیے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔

3 ﴿ كَيْفَ ﴾ پھر بطور تاکید، نفی کے لیے ہے۔ ﴿ اِلًّا ﴾ کے معنی قرابت (رشتہ داری) اور ﴿ ذِمَّةً ﴾ کے معنی عہد کے ہیں، یعنی ان مشرکین کی زبانی باتوں کا کیا اعتبار جبکہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر یہ تم پر غالب آجائیں تو کسی قرابت اور عہد کا پاس نہیں کریں گے۔ بعض مفسرین کے نزدیک پہلا کیف مشرکین کے لیے ہے اور دوسرے سے یہودی مراد ہیں کیونکہ ان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ اور یہ وتیرہ یہودیوں ہی کا رہا ہے۔

4 بار بار وضاحت سے مقصود مشرکین اور یہود کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے نقاب کرنا ہے۔

5 نماز، توحید و رسالت کے اقرار کے بعد اسلام کا سب سے اہم رکن ہے جو اللہ کا حق ہے، اس میں اللہ کی عبادت

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

جاننے والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان فرما رہے ہیں ○

اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمھارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سردارانِ کفر سے بھڑ جاؤ، ان کی قسمیں [1] کوئی چیز نہیں، ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں ○

تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے کیوں تیار نہیں ہوتے [2]

کے مختلف پہلو ہیں۔ اس میں دست بستہ قیام ہے، رکوع و سجود ہے، دعا و مناجات ہے، اللہ کی عظمت و جلالت کا اور اپنی عاجزی و بے کسی کا اظہار ہے۔ عبادت کی یہ ساری صورتیں اور قسمیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ نماز کے بعد دوسرا اہم فریضہ زکاۃ ہے، جس میں عبادتی پہلو کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ زکاۃ سے معاشرے کے اور اس کے قبیلے کے ضرورت مند، مفلس و نادار اور معذور و محتاج لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی شہادت کے بعد ان ہی دو چیزوں کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 25، وصحيح مسلم، حديث: 22) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: «وَمَنْ لَّمْ یُزَكِّ فَلَا صَلَاةَ لَهُ» (جامع العلوم والحِكَم: 150/1) ''جس نے زکاۃ نہیں دی، اس کی نماز بھی نہیں۔''

1 ﴿ اَیْمَانَ ﴾ یَمِین کی جمع ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں۔ ﴿ اَىِٕمَّةَ ﴾ امام کی جمع ہے۔ مراد پیشوا اور لیڈر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ عہد توڑ دیں اور دین میں طعن کریں تو ظاہری طور پر یہ قسمیں بھی کھائیں تو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ کفر کے ان پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ ممکن ہے اس طرح اپنے کفر سے یہ باز آ جائیں۔ اس سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ ذمی (اسلامی مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم) اگر نقض عہد نہیں کرتا، البتہ دین اسلام میں طعن کرتا ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن نے ان سے قتال کے لیے دو چیزیں ذکر کی ہیں، اس لیے جب تک دونوں چیزوں کا صدور نہیں ہوگا، وہ قتل کا مستحق نہیں ہوگا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر علماء، طعن فی الدین کو بھی نقض عہد قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک اس میں دونوں ہی چیزیں آ جاتی ہیں، لہٰذا اس ذمی کا قتل جائز ہے، اسی طرح نقض عہد کی صورت میں بھی قتل جائز ہے۔ (فتح القدير)

2 ﴿ اَلَا ﴾ حرف تحضیض ہے، جس سے رغبت دلائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دے رہا ہے۔

وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿13﴾

جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کی فکر میں ہیں [1] اور پہلے پہل انھوں نے خود ہی تم سے چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ [2] کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم ایمان دار ہو ○

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿14﴾

ان سے تم جنگ کرو اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں عذاب دے گا، انھیں ذلیل و رسوا کرے گا، تمھیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا ○

وَيُذۡهِبۡ غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿15﴾

اور ان کے دل کا غم و غصہ دور کرے گا، [3] اور اللہ جس پر چاہتا ہے توجہ فرماتا ہے۔ اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے ○

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے، [4] حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا [5] اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول

1 اس سے مراد دارالندوہ کی وہ مشاورت ہے جس میں رؤسائے مکہ نے نبی ﷺ کے جلا وطن کرنے، قید کرنے یا قتل کرنے کی تجویزوں پر غور کیا۔

2 اس سے مراد یا تو بدر کی جنگ میں مشرکین مکہ کا رویہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے گئے۔ لیکن اس کے باوجود کہ انھوں نے دیکھ لیا کہ وہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کرتے اور چھیڑ خانی کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بالآخر جنگ ہو کر رہی۔ یا اس سے مراد قبیلہ بنی بکر کی وہ امداد ہے جو قریش نے ان کی کی، جبکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف قبیلے خزاعہ پر چڑھائی کی تھی، درآں حالیکہ قریش کی یہ امداد معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔

3 یعنی جب مسلمان کمزور تھے تو یہ مشرکین ان پر ظلم و ستم کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے بڑے دکھی اور مجروح تھے۔ جب تمھارے ہاتھوں وہ قتل ہوں گے اور ذلت و رسوائی ان کے حصے میں آئے گی تو فطری بات ہے کہ اس سے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے اور دلوں کا غصہ فرو ہوگا۔

4 یعنی بغیر امتحان اور آزمائش کے۔

5 گویا جہاد کے ذریعے سے امتحان لیا گیا۔

ع 2 10 8 وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿16﴾

اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔[1] اللہ خوب خبر دار ہے جو تم کر رہے ہو ○[2]

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿17﴾

لائق نہیں کہ مشرک اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، جب کہ وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں،[3] ان کے اعمال غارت واکارت ہیں، اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں ○[4]

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿18﴾

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نمازوں کے پابند ہوں۔ زکاۃ دیتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، توقع ہے کہ یہی لوگ یقیناً ہدایت یافتہ ہیں ○[5]

---

1 ﴿وَلِيْجَةً﴾ گہرے اور دلی دوست کو کہتے ہیں مسلمانوں کو چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے اور دوستانہ تعلقات رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا، لہٰذا یہ بھی آزمائش کا ایک ذریعہ تھا، جس سے مخلص مومنوں کو دوسروں سے ممتاز کیا گیا۔

2 مطلب یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے ہی ہر چیز کا علم ہے۔ لیکن جہاد کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مخلص اور غیر مخلص، فرماں بردار اور نافرمان بندے نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں، جنھیں ہر شخص دیکھ اور پہچان لیتا ہے۔

3 ﴿مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ سے مراد مسجد حرام ہے۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ و مرکز ہے یا عربوں میں واحد کے لیے بھی جمع کا استعمال جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (مسجد حرام) کو تعمیر یا آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر و شرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ جیسے وہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے: «لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ---إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ»(صحيح مسلم، حديث:1185) یا اس سے مراد وہ اعتراف ہے جو ہر مذہب والا کرتا ہے کہ میں یہودی، نصرانی، صابی یا مشرک ہوں۔ (فتح القدير)

4 یعنی ان کے وہ عمل جو بظاہر نیک لگتے ہیں، جیسے طواف و عمرہ اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ کیونکہ ایمان کے بغیر یہ اعمال ایسے درخت کی طرح ہیں جو بے ثمر ہیں یا ان پھولوں کی طرح ہیں جن میں خوشبو نہیں ہے۔

5 جس طرح حدیث میں بھی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا «إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ»(جامع الترمذي، حديث:3093) ”جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد میں پابندی سے آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔“ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم صحیح احادیث میں بھی یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ وقف لازم

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں [1] ہوسکتے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○ [2]

میں یہاں بھی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نماز، زکاۃ اور خشیت الٰہی ہے۔ جس سے نماز، زکاۃ اور تقویٰ کی اہمیت واضح ہے۔

1 مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے، اس پر انھیں بڑا فخر تھا اور اس کے مقابلے میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم سقایت حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو! اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں۔ بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں، چاہے وہ صورۃً خیر ہی ہو۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت کے جملے ﴿ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ بعض روایات میں اس کا سبب نزول مسلمانوں کی آپس میں ایک گفتگو کو بتلایا گیا ہے کہ ایک روز منبر نبوی کے قریب کچھ مسلمان جمع تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد میرے نزدیک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ مسجد حرام کو آباد کرنا ہے۔ تیسرے نے کہا بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ان تمام عملوں سے بہتر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں اس طرح باہم تکرار کرتے ہوئے سنا تو انھیں ڈانٹا اور فرمایا کہ منبر رسول کے پاس آوازیں اونچی مت کرو۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ راوی حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی اس گفتگو کی بابت استفسار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 111-(1879)) جس میں گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ، سب سے زیادہ اہمیت وفضیلت والے عمل ہیں۔ گفتگو کے حوالے سے اصل اہمیت وفضیلت تو جہاد کی بیان کرنی تھی لیکن ایمان باللہ کے بغیر چونکہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں، اس لیے پہلے اسے بیان کیا گیا۔ بہر حال اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر سے بڑھ کر عمل ہے۔ دوسرا، یہ معلوم ہوا کہ اس کا سبب نزول مشرکین کے مزعومات فاسدہ کے علاوہ خود مسلمانوں کا بھی اپنے اپنے طور پر بعض عملوں کو بعض پر زیادہ اہمیت دینا تھا جبکہ یہ کام شارع کا ہے نہ کہ مومنوں کا۔ مومنوں کا کام تو ہر اس بات پر عمل کرنا ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے انھیں بتلائی جائے۔

2 یعنی یہ لوگ چاہے کیسے بھی دعوے کریں، حقیقت میں ظالم ہیں، یعنی مشرک ہیں، اس لیے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس ظلم کی وجہ سے یہ ہدایت الٰہی سے محروم ہیں، اس لیے ان کا اور مسلمانوں کا، جو ہدایت الٰہی سے بہرہ ور

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿20﴾

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں ○

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿21﴾

انھیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت اور رضامندی کی اور جنتوں کی، ان کے لیے وہاں دائمی نعمتیں ہیں ○

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿22﴾

وہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑا اجر ہے ○[1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے عزیز رکھیں، تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا تو وہی ظالم ہے ○[2]

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں، تمھارے کنبے قبیلے اور

ہیں، آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

1 ان آیات میں ان اہل ایمان کی فضیلت بیان کی گئی جنھوں نے ہجرت کی اور اپنی جان مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ فرمایا: اللہ کے ہاں انھی کا درجہ سب سے بلند ہے اور یہی کامیاب ہیں، یہی اللہ کی رحمت و رضامندی اور دائمی نعمتوں کے مستحق ہیں نہ کہ وہ جو خود اپنے منہ میاں مٹھو بنتے اور اپنے آبائی طور طریقوں کو ہی ایمان باللہ کے مقابلے میں عزیز رکھتے ہیں۔

2 یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ آل عمران، آیت: 28-118 و سورۂ مائدہ، آیت: 51 اور سورۂ مجادلہ، آیت: 22) یہاں جہاد و ہجرت کے موضوع کے ضمن میں بھی چونکہ اس کی اہمیت واضح ہے، اس لیے اسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے، یعنی جہاد و ہجرت میں تمھارے لیے تمھارے باپوں اور بھائیوں وغیرہ کی محبت آڑے نہ آئے کیونکہ اگر وہ ابھی تک کافر ہیں تو پھر وہ تمھارے دوست ہو ہی نہیں سکتے بلکہ وہ تو تمھارے دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے محبت کا تعلق رکھو گے تو یاد رکھو تم ظالم قرار پاؤ گے۔

وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ
فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ
بِاَمْرِهٖ ط وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
3/8/9 الْفٰسِقِيْنَ ع ﴿24﴾
لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ لا
وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ لا اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ
مُّدْبِرِيْنَ ج ﴿25﴾
ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

تمھارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنھیں تم پسند کرتے ہو (اگر یہ ساری چیزیں) تمھیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم (سے عذاب کے) آنے کا انتظار کرو۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ [1]

یقیناً اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمھیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمھیں اپنی کثرت پر ناز ہوگیا تھا، لیکن اس نے تمھیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے ○

پھر اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں

---

1 اس آیت میں بھی اس مضمون ماسبق کو بڑے مؤکد انداز میں بیان کیا گیا ہے ﴿عَشِيْرَتُكُمْ﴾ اسم جمع ہے، وہ قریب ترین رشتے دار جن کے ساتھ آدمی زندگی کے شب و روز گزارتا ہے، یعنی کنبہ، قبیلہ۔ ﴿اقْتَرَفْتُمُوْهَا﴾ کسب (کمائی) کے معنی کے لیے آتا ہے۔ ﴿تِجَارَةٌ﴾ سودے کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں جس سے مقصد نفع کا حصول ہو۔ ﴿كَسَادَ﴾ مندے کو کہتے ہیں، یعنی سامان فروخت موجود ہو لیکن خریدار نہ ہوں یا اس چیز کا وقت گزر چکا ہو، جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے۔ دونوں صورتیں مندے کی ہیں۔ ﴿مَسٰكِنَ﴾ سے مراد وہ گھر ہیں جنھیں انسان موسم کے شدائد و حوادث سے بچنے، آبرومندانہ طریقے سے رہنے سہنے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے تعمیر کرتا ہے، یہ ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں اور ان کی اہمیت و افادیت بھی ناگزیر اور قلوب انسانی میں ان سب کی محبت بھی طبعی ہے (جو مذموم نہیں) لیکن اگر ان کی محبت اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مانع ہو جائے تو یہ بات اللہ کو سخت ناپسندیدہ اور اس کی ناراضی کا باعث ہے۔ اور یہ وہ فسق (نافرمانی) ہے جس سے انسان اللہ کی ہدایت سے محروم ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ آخری الفاظ تہدید سے واضح ہے۔ احادیث میں نبی ﷺ نے بھی اس مضمون کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے، مثلاً: ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یارسول اللہ! مجھے آپ، اپنے نفس کے سوا، ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تک میں تمھارے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اس وقت تک تم مومن نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''پس واللہ! اب آپ

وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿26﴾

پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنھیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ اور ان کفار کا یہی بدلہ تھا ○

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿27﴾

پھر اس کے بعد بھی اللہ جس پر چاہے گا توجہ فرمائے گا [1] اور اللہ ہی بخشش و مہربانی کرنے والا ہے ○

مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اے عمر! اب (بات بن گئی)۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6632) ایک دوسری روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں، جب تک میں اس کو، اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ، محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 14، وصحيح مسلم، حديث:70-(44)) ایک اور حدیث میں جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جب تم بَيْعِ عِينَه (کسی کو مدت معینہ کے لیے چیز ادھار دے کر، پھر اس سے کم نقد قیمت پر خرید لینا) اختیار کر لو گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی و قانع ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط فرما دے گا جس سے تم اس وقت تک نہ نکل سکو گے، جب تک اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے۔'' (سنن أبي داود، حديث:3462، ومسند أحمد: 42/2)

1 ﴿حُنَيْنٍ﴾ مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں ہوازن اور ثقیف رہتے تھے، یہ دونوں قبیلے تیر اندازی میں مشہور تھے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے تھے جس کا علم رسول اللہ ﷺ کو ہوا تو آپ 12 ہزار کا لشکر لے کر ان قبیلوں سے جنگ کے لیے حنین تشریف لے گئے، یہ فتح مکہ کے 19,18 دن بعد، شوال کا واقعہ ہے۔ مذکورہ قبیلوں نے بھرپور تیاری کر رکھی تھی اور مختلف کمین گاہوں میں تیر اندازوں کو مقرر کر دیا تھا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ عجب پیدا ہو گیا کہ آج کم از کم قلت کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہوں گے، یعنی اللہ کی مدد کی بجائے اپنی کثرت تعداد پر اعتماد زیادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عجب اور یہ کلمہ پسند نہیں آیا۔ نتیجتاً جب ہوازن کے تیر اندازوں نے مختلف کمین گاہوں سے مسلمانوں کے لشکر پر یک بارگی تیر اندازی کی تو اس غیر متوقع اور اچانک تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان میں صرف رسول اللہ ﷺ اور سو کے قریب مسلمان رہ گئے۔ آپ مسلمانوں کو پکار رہے تھے: ''اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔'' کبھی یہ رجز یہ کلمہ پڑھتے: «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ» پھر آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو (جو نہایت بلند آواز تھے) حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے آواز دیں، چنانچہ ان کی ندا سن کر مسلمان سخت پشیمان ہوئے اور دوبارہ میدان میں آ گئے اور پھر اس طرح جم کر لڑے کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کی بھی مدد پھر اس طرح حاصل ہوئی کہ ایک تو ان پر سکینت نازل فرمائی گئی، جس سے ان کے دلوں سے دشمن کا خوف دور ہو گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿28﴾

اے ایمان والو! بیشک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں [1] وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں [2] اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے تمہیں دولت مند کردے گا، [3] اللہ علم و حکمت والا ہے ○

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو

دوسرے، فرشتوں کا نزول ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے چھ ہزار کافروں کو قیدی بنایا (جنھیں بعد میں نبی ﷺ کی درخواست پر چھوڑ دیا گیا) اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ جنگ کے بعد ان کے بہت سے سردار بھی مسلمان ہوگئے۔ یہاں 3 آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا مختصراً ذکر فرمایا ہے۔

1 مشرک کے نجس (پلید، ناپاک) ہونے کا مطلب، عقائد و اعمال کے لحاظ سے ناپاک ہونا ہے۔ بعض کے نزدیک مشرک ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہے۔ کیونکہ وہ طہارت (صفائی و پاکیزگی) کا اس طرح اہتمام نہیں کرتا، جس کا حکم شریعت نے دیا ہے لیکن پہلی بات ہی درست ہے۔

2 یہ وہی حکم ہے جو نو ہجری میں اعلان براءت کے ساتھ کیا گیا تھا، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے۔ ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی ﷺ کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد، پورا حرم ہے، یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اپنے دور حکومت میں یہود و نصاریٰ کو بھی مسلمانوں کی مسجدوں میں داخلے سے ممانعت کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (ابن کثیر)

3 مشرکین کی ممانعت سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی ہے، یہ متاثر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مفلسی (کاروبار کی کمی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمہیں غنی کردے گا، چنانچہ فتوحات کی وجہ سے کثرت سے مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا اور پھر بتدریج سارا عرب بھی مسلمان ہوگیا اور حج کے موسم میں حاجیوں کی ریل پیل پھر اسی طرح ہوگئی جس طرح پہلے تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہوگئی اور جو مسلسل روز افزوں ہی ہے۔

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ
الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى
يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿29﴾ ع 4/5 10
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ
النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ
بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿30﴾
اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿31﴾

حرام نہیں جانتے، نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں ○ [1]

یہود کہتے ہیں: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں: مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انھیں غارت کرے وہ کدھر بہکے جارہے ہیں ○

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے [2] اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی، حالانکہ انھیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے ○

---

1 مشرکین سے قتال عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود ونصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جارہا ہے (اگر وہ اسلام نہ قبول کریں) یا پھر وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کرلیں۔ ﴿الْجِزْيَةَ﴾ ایک متعین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں۔ اس کے بدلے میں ان کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمے داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔ یہود ونصاریٰ باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، ان کی بابت کہا گیا کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اس سے یہ واضح کردیا گیا کہ انسان جب تک اللہ پر اس طرح ایمان نہ رکھے جس طرح اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بتلایا ہے، اس وقت تک اس کا ایمان باللہ قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ ان کے ایمان باللہ کو غیر معتبر اس لیے قرار دیا گیا کہ یہود ونصاریٰ نے حضرت عزیر وحضرت مسیح علیہما السلام کی ابنیت (بیٹا ہونے کا) اور الوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا تھا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے۔

2 اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہوجاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود ونصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انھوں نے ان کو رب بنالیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ لیکن یہ بات تو ہے نا کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انھوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کردیا، اس کو حرام ہی سمجھا۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿32﴾

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں ○ [1]

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿33﴾

اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام ادیان پر غالب کر دے [2] اگرچہ مشرک برا مانیں ○

النّصف

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ

اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں [3] اور

یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔'' (صحيح سنن الترمذي للألباني:247/3، حديث:3095) کیونکہ حرام وحلال کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے، جنھوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو تحلیل وتحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن وحدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

1 یعنی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، یہود ونصاریٰ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جدال وافترا سے اسے مٹا دیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو یا چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دے۔ پس جس طرح یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کا مٹانا بھی ناممکن ہے۔ وہ تمام دینوں پر غالب آ کر رہے گا۔ جیسا کہ اگلے جملے میں اللہ نے فرمایا۔ کافر کے لغوی معنی ہیں، چھپانے والا۔ اسی لیے رات کو بھی ''کافر'' کہا جاتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اندھیروں میں چھپا لیتی ہے۔ کاشت کار کو بھی ''کافر'' کہتے ہیں کیونکہ وہ غلے کے دانوں کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ گویا کافر بھی اللہ کے نور کو چھپانا چاہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کفر ونفاق اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض وعناد چھپائے ہوئے ہیں، اس لیے انھیں کافر کہا جاتا ہے۔

2 دلائل وبراہین کے لحاظ سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے۔ تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انھیں دنیوی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اور اب بھی مسلمان اگر اپنے دین کے عامل بن جائیں تو ان کا غلبہ یقینی ہے، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب وفاتح ہو گا۔ شرط یہی ہے کہ مسلمان واقعی حزب اللہ بن جائیں۔

3 ﴿اَحْبَارَ﴾ حبر کی جمع ہے۔ یہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقے سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا

النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿34﴾

جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے ○ [1]

يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿35﴾

جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا۔ پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو ○

ہو۔ خوبصورت اور منقش کپڑے کو ثوب محبر کہا جاتا ہے، مراد علمائے یہود ہیں۔ ﴿رُهۡبَانَ﴾ رَاھِب کی جمع ہے جو رھبة سے مشتق ہے۔ اس سے مراد علمائے نصاریٰ ہیں، بعض کے نزدیک یہ صوفیائے نصاریٰ ہیں۔ علماء کے لیے ان کے ہاں قِسِّيۡسِيۡنَ کا لفظ ہے۔ یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحریف وتغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے۔ دوسرے، اس طرح لوگوں سے مال اینٹھتے، جو ان کے لیے باطل اور حرام تھا۔ بدقسمتی سے علمائے مسلمین کی اکثریت کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی ﷺ کی پیش گوئی کا مصداق ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ» (صحيح البخاري، حديث:7320) صحیح البخاري، کتاب الاعتصام میں نبی ﷺ کا یہ فرمان اس باب کے عنوان کے تحت ذکر ہے کہ ”تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے۔“ اور اسی باب میں یہ پوری حدیث بھی ہے۔

1 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زکاۃ کے حکم سے پہلے کا حکم ہے۔ زکاۃ کا حکم نازل ہونے کے بعد زکاۃ کو اللہ تعالیٰ نے مال کی طہارت کا ذریعہ بنا دیا ہے، اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ جس مال سے زکاۃ ادا کر دی جائے، وہ کنز نہیں ہے اور جس مال سے زکاۃ ادا نہ کی جائے، وہ کنز (خزانہ) ہے جس پر یہ قرآنی وعید ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ”جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا قیامت والے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنا دیا جائے گا، جس سے اس کے دونوں پہلوؤں کو، پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا۔ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک اس کا یہی حال رہے گا اس کے بعد جنت یا جہنم میں اسے لے جایا جائے گا۔“ (صحیح مسلم، حدیث:24-(987)) یہ بگڑے ہوئے علماء اور صوفیاء کے بعد بگڑے ہوئے اہل سرمایہ ہیں تینوں طبقے عوام کے بگاڑ میں سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اَللّٰهُمَّ احۡفَظۡنَا مِنۡهُمۡ ایک عربی شاعر نے کیا ٹھیک کہا ہے۔

وَهَلۡ أَفۡسَدَ الدِّينَ إِلَّا الۡمُلُوكُ وَأَحۡبَارُ سَوۡءٍ وَّرُهۡبَانُهَا

بادشاہ (حکمران)، علمائے سوء اور صوفیاء، دین میں خرابی کے ذمے دار صرف یہ تین طبقے ہیں۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿36﴾

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار (مہینے) حرمت کے ہیں۔ [1] یہی درست دین ہے، [2] تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو [3] اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں [4] اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ○

اِنَّمَا النَّسِىۡٓءُ زِيَادَةٌ فِى الۡكُفۡرِ يُضَلُّ بِهِ

مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے، [5] اس سے

---

1 ﴿ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں، جن میں چار حرمت والے ہیں جن میں قتال و جدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔ اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی۔ سال بارہ مہینوں کا ہے، جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب، جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4662، وصحيح مسلم، حديث:29-(1679)) زمانہ اسی حالت پر آ گیا ہے کا مطلب، مشرکین عرب مہینوں میں جو تاخیر و تقدیم کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اس کا خاتمہ ہے۔

2 یعنی ان مہینوں کا اسی ترتیب سے ہونا، جو اللہ نے رکھی ہے اور جن میں چار حرمت والے ہیں۔ اور یہی حساب صحیح اور ان کا عدد مکمل ہے۔ اور اب یہ گھوم گھما کر اسی ترتیب پر آ گئے ہیں جو ابتدائے کائنات کے وقت تھی۔

3 یعنی ان حرمت والے مہینوں میں قتال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے۔

4 لیکن حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد، الا یہ کہ وہ لڑنے پر مجبور کر دیں، پھر حرمت والے مہینوں میں بھی تمھارے لیے لڑنا جائز ہوگا۔

5 ﴿ اَلنَّسِىۡٓءُ ﴾ کے معنی، پیچھے کرنے کے ہیں۔ عربوں میں بھی حرمت والے مہینوں میں قتال و جدال اور لوٹ مار کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسلسل تین مہینے، ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، قتل و غارت سے اجتناب، ان کے لیے بہت مشکل تھا، اس لیے اس کا حل انھوں نے یہ نکال رکھا تھا کہ جس حرمت والے مہینے میں وہ قتل و غارت گری کرنا چاہتے، اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہوگا، مثلاً: محرم کے مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے، اس طرح حرمت والے مہینوں میں وہ تقدیم و تاخیر اور ادل بدل کرتے رہتے تھے۔ اس کو نسیئ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ کفر میں زیادتی ہے کیونکہ

اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُحِلُّوۡنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوۡنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوۡا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿37﴾ ع 5/8/11

وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں تاکہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں [1] پھر اسے حلال بنا لیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے، ان کے لیے ان کے برے کام خوشنما بنا دیے گئے ہیں اور قوم کفار کی اللہ راہنمائی نہیں فرماتا ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انۡفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴿38﴾

اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین سے لگے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا ہی کی زندگانی پر ریجھ گئے ہو۔ سنو! دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یونہی سی ہے ○

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔـا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿39﴾

اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمھیں اللہ دردناک سزا دے گا اور تمھارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا، تم اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے [2] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اس ادل بدل سے مقصود لڑائی اور دنیاوی مفادات کے حصول کے سوا کچھ نہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے خاتمے کا اعلان یہ کہہ کر فرما دیا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت میں آ گیا ہے، یعنی اب آئندہ مہینوں کی یہ ترتیب اسی طرح رہے گی جس طرح ابتدائے کائنات سے چلی آ رہی ہے۔

1 یعنی ایک مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دینے سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینے حرمت والے رکھے ہیں، ان کی گنتی پوری رہے، یعنی گنتی پوری کرنے میں اللہ کی موافقت کرتے تھے لیکن اللہ نے قتال وجدال اور غارت گری سے جو منع کیا تھا، اس کی انھیں کوئی پروا نہ تھی بلکہ انھی ظالمانہ کارروائیوں کے لیے ہی وہ ادل بدل کرتے تھے۔

2 روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اس کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ شوال 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ موسم سخت گرمی کا تھا اور سفر بہت لمبا تھا۔ بعض مسلمانوں اور منافقین پر یہ حکم گراں گزرا، جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انھیں زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ یہ غزوہ تبوک کہلاتا ہے جس میں لڑائی ہوئی نہیں۔ 20 روز مسلمان ملک شام کے قریب تبوک میں رہ کر واپس

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿40﴾

اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہ کرو گے تو کوئی پروا نہیں اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ اسے کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے،[1] پھر اللہ نے اس پر اپنی طرف سے تسکینِ (قلب) نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں،[2] اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند و بالا تو اللہ ہی کا کلمہ ہے،[3] اللہ غالب ہے خوب حکمت والا ہے ○

آ گئے۔ اس کو جیش العسرۃ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس لمبے سفر میں اس لشکر کو کافی دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ﴿ اثَّاقَلْتُمْ ﴾ یعنی سستی کرتے اور پیچھے رہنا چاہتے ہو۔ اس کا مظاہرہ بعض لوگوں کی طرف سے ہوا لیکن اس کو منسوب سب کی طرف کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

1 جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہ لی تھی اور اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' اس کی تفصیل حدیث میں یوں آتی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر ان مشرکین نے (جو ہمارے تعاقب میں ہیں) اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا» (صحيح البخاري، حديث:4663.) ''اے ابوبکر! تمھارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے؟'' یعنی اللہ کی مدد اور اس کی معیت جن کے شامل حال ہے۔

2 یہ مدد کی وہ دو صورتیں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی گئی۔ ایک سکینت، دوسری فرشتوں کی تائید۔

3 کافروں کے کلمے سے شرک اور کلمۃ اللہ سے توحید مراد ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ ایک شخص بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے لڑتا ہے، ایک قبائلی عصبیت وحمیت میں لڑتا ہے، اور ایک ریاکاری کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا ''جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، وہ فی سبیل اللہ ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:123، وصحيح مسلم، حديث:149-(1904))

انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا
بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾

ہلکے بھی نکلو اور بوجھل بھی [1] اور راہِ رب میں اپنے مال وجان سے جہاد کرو، یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا
لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ
الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا
لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿42﴾ ع 6 5 12

اگر جلد وصول ہونے والا مال واسباب ہوتا [2] اور سفر بھی ہلکا ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے [3] لیکن ان پر تو دوری اور دراز کی مشکل پڑ گئی۔ اب تو وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں قوت وطاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکلتے، وہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، [4] اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں ○

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى
يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿43﴾

اللہ تجھے معاف فرمادے، تو نے انھیں کیوں اجازت دے دی؟ بیشتر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ ظاہر ہوجاتے اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لیتا ○ [5]

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے

---

1 اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر، خوشی سے یا ناخوشی سے، غریب ہو یا امیر، جوان ہو یا بوڑھا، پیادہ ہو یا سوار، عیال دار ہو یا اہل وعیال کے بغیر، وہ پیش قدمی کرنے والوں میں سے ہو یا پیچھے لشکر میں شامل۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیت کا حمل تمام معانی پر ہوسکتا ہے، اس لیے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ''تم کوچ کرو، چاہے نقل وحرکت تم پر بھاری ہو یا ہلکی۔'' اور اس مفہوم میں مذکورہ تمام مفاہیم آجاتے ہیں۔

2 یہاں سے ان لوگوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جنھوں نے عذر معذرت کر کے نبی ﷺ سے اجازت لے لی تھی، درآں حالیکہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر نہیں تھا۔ ﴿عَرَضًا﴾ سے مراد، جو دنیوی منافع سامنے آئیں، مطلب ہے، مالِ غنیمت۔

3 یعنی آپ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد ہوتے۔ لیکن سفر کی دوری نے انھیں حیلے تراشنے پر مجبور کردیا۔

4 یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر کیونکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

5 یہ نبی کریم ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ جہاد میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والوں کو تو نے کیوں یہ تحقیق کیے بغیر کہ اس کے پاس معقول عذر بھی ہے یا نہیں، اجازت دے دی؟ لیکن اس توبیخ میں بھی پیار کا پہلو غالب ہے، اس لیے اس کوتاہی پر معافی کی وضاحت پہلے کردی گئی ہے۔ یاد رہے! یہ تنبیہ اس لیے کی گئی ہے کہ اجازت دینے میں عجلت کی

وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿44﴾

تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے،[1] اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ○

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿45﴾

یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنھیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں ○[2]

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ

اگر ان کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لیے سامان کی تیاری کر رکھتے[3] لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا

گئی اور پورے طور پر تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ورنہ تحقیق کے بعد ضرورت مندوں کو اجازت دینے کی آپ کو اجازت حاصل تھی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ (النور 24:62) ''جب یہ لوگ تجھ سے اپنے بعض کاموں کی وجہ سے اجازت مانگیں تو جس کو تو چاہے، اجازت دے دے۔'' ''جس کو چاہے'' کا مطلب یہ ہے جس کے پاس معقول عذر ہو، اسے اجازت دینے کا حق تجھے حاصل ہے۔

1 یہ مخلص ایمان داروں کا کردار بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کی تو عادت یہ ہے کہ وہ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اور بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔

2 یہ ان منافقین کا بیان ہے جنھوں نے جھوٹے حیلے تراش کر رسول کریم ﷺ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ ان کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی عدم ایمان نے انھیں جہاد سے گریز پر آمادہ کیا ہے۔ اگر ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوتا تو نہ جہاد سے یہ بھاگتے نہ شکوک وشبہات ان کے دلوں میں پیدا ہوتے۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ اس جہاد میں شرکت کے معاملے میں مسلمانوں کی چار قسمیں تھیں۔ پہلے وہ مسلمان جو بلا تامل تیار ہو گئے۔ دوسرے، وہ جنھیں ابتداءً تردد ہوا اور ان کے دل ڈولے لیکن پھر جلد ہی اس تردد سے نکل آئے۔ تیسرے، وہ جو ضعف اور بیماری یا سواری اور سفر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے فی الواقع جانے سے معذور تھے اور جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تھی۔ (ان کا ذکر آیت: 91، 92 میں ہے) چوتھی قسم، وہ جو محض کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے۔ اور جب نبی ﷺ واپس آئے تو انھوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو توبہ اور سزا کے لیے پیش کر دیا۔ ان کے علاوہ باقی منافقین اور ان کے جاسوس تھے۔ یہاں مسلمانوں کے پہلے گروہ اور منافقین کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کی باقی تین قسموں کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

3 یہ انھی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے جنھوں نے جھوٹ بول کر اجازت حاصل کی تھی کہ اگر وہ جہاد میں

وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿46﴾

پسند ہی نہ تھا، اس لیے انھیں حرکت سے ہی روک دیا[1] اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی رہو[2] ○

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾

اگر تم میں (شامل ہو کر) نکلتے بھی تو تمھارے لیے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے[3] بلکہ تمھارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے[4] ان کے لیے باتیں سننے والے (جاسوس) خود تم میں موجود ہیں،[5] اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿48﴾

یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تیرے لیے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا[6] اگرچہ ان کو

جانے کا ارادہ رکھتے تو یقیناً اس کے لیے تیاری کرتے۔

1 ﴿فَثَبَّطَهُمْ﴾ کے معنی ہیں، پیچھے رہنا ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا گیا، پس وہ سست ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ (أيسر التفاسير) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں ان کی شرارتیں اور سازشیں تھیں، اس لیے اللہ کی تقدیری مشیت یہی تھی کہ وہ نہ جائیں۔

2 یہ یا تو اسی مشیت الٰہی کی تعبیر ہے جو تقدیراً لکھی ہوئی تھی۔ یا بطور ناراضی اور غضب کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اچھا ٹھیک ہے تم عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کی صف میں شامل ہو کر ان کی طرح گھروں میں بیٹھ رہو۔

3 یہ منافقین اگر اسلامی لشکر کے ساتھ شریک ہوتے تو یہ غلط رائے اور مشورے دے کر مسلمانوں میں انتشار ہی کا باعث بنتے۔

4 اِيضَاعٌ کے معنی ہوتے ہیں، اپنی سواری کو تیزی سے دوڑانا۔ مطلب یہ ہے کہ چغل خوری وغیرہ کے ذریعے سے تمھارے اندر فتنہ برپا کرنے میں وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے اور فتنے سے مطلب اتحاد کو پارہ پارہ کر دینا اور ان کے مابین باہمی عداوت و نفرت پیدا کر دینا ہے۔

5 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی جاسوسی کرنے والے کچھ لوگ مومنین کے ساتھ بھی لشکر میں موجود تھے جو منافقین کو مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔

6 اسی لیے اس نے گزشتہ اور آئندہ امور کی تمھیں اطلاع دے دی ہے اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ منافقین جو ساتھ

ناگوار ہی گزرا ○ [1]

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿49﴾

ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجیے مجھے فتنے میں نہ ڈالیے، آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے ○ [2]

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿50﴾

آپ کو اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انھیں برا لگتا ہے اور کوئی برائی پہنچ جائے تو وہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی سے درست کرلیا تھا، پھر تو بڑے ہی اتراتے ہوئے لوٹتے ہیں ○ [3]

قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ

آپ کہہ دیجیے کہ ہمیں سوائے اس کہ جو اللہ نے ہمارے

نہیں گئے تو تمھارے حق میں اچھا ہی ہوا اگر یہ جاتے تو یہ یہ خرابیاں ان کی وجہ سے پیدا ہوتیں۔

1 یعنی یہ منافقین تو جب سے آپ مدینہ میں آئے ہیں، آپ کے خلاف فتنے تلاش کرنے اور معاملات کو بگاڑنے میں سرگرم رہے ہیں حتیٰ کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح وغلبہ عطا فرما دیا جو ان کے لیے بہت ہی ناگوار تھا۔ اسی طرح جنگ احد کے موقع پر بھی ان منافقین نے راستے سے ہی واپس ہو کر مشکلات پیدا کرنے کی اور اس کے بعد بھی ہر موقع پر بگاڑ کی کوششیں کرتے رہے حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا اور اکثر عرب مسلمان ہو گئے جس پر کف حسرت وافسوس مل رہے ہیں۔

2 ''مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے تو مجھے بغیر اجازت رکنے پر سخت گناہ ہو گا۔ اس اعتبار سے فتنہ، گناہ کے معنی میں ہو گا، یعنی مجھے گناہ میں نہ ڈالیے، دوسرا مطلب فتنے کا، ہلاکت ہے، یعنی مجھے ساتھ لے جا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ کہا جاتا ہے کہ جدّ بن قیس (منافق) نے کہا کہ مجھے ساتھ نہ لے جائیں، روم کی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہ کر سکوں گا۔ اس پر نبی ﷺ نے رخ پھیر لیا اور اجازت دے دی۔ بعد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فتنے میں تو وہ گر چکے ہیں۔'' یعنی جہاد سے پیچھے رہنا اور اس سے گریز کرنا، بجائے خود ایک فتنہ اور سخت گناہ کا کام ہے جس میں یہ ملوث ہی ہیں۔ اور مرنے کے بعد جہنم انھیں گھیر لینے والی ہے، جس سے فرار کا کوئی راستہ ان کے لیے نہیں ہو گا۔

3 سیاق کلام کے اعتبار سے ﴿حَسَنَةٌ﴾ سے یہاں کامیابی اور غنیمت اور ﴿مُصِيۡبَةٌ﴾ سے ناکامی، شکست اور اسی قسم کے نقصانات جو جنگ میں متوقع ہوتے ہیں، مراد ہیں۔ اس میں ان کے اس خبث باطنی کا اظہار ہے جو منافقین کے دلوں میں تھا، اس لیے کہ مصیبت پر خوش ہونا اور بھلائی حاصل ہونے پر رنج وتکلیف محسوس کرنا، غایت عداوت کی دلیل ہے۔

هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾

حق میں لکھ رکھا ہے کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی۔ وہ ہمارا کارساز اور مولا ہے۔ مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ○ [1]

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿52﴾

کہہ دیجیے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ایک ہے، [2] اور ہم تمھارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تمھیں اپنے پاس سے کوئی سزا دے یا ہمارے ہاتھوں سے، [3] پس ایک طرف تم منتظر رہو دوسری جانب تمھارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں ○

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿53﴾

کہہ دیجیے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا، [4] یقیناً تم فاسق لوگ ہو ○

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ

کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس

---

1 یہ منافقین کے جواب میں مسلمانوں کے صبر وثبات اور حوصلے کے لیے فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کی طرف سے مقدر کام ہر صورت میں ہونا ہے اور جو بھی مصیبت یا بھلائی ہمیں پہنچتی ہے، اسی تقدیر الٰہی کا حصہ ہے تو انسان کے لیے مصیبت کا برداشت کرنا آسان اور اس کے حوصلے میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔

2 یعنی کامیابی یا شہادت، ان دونوں میں سے جو چیز بھی ہمیں حاصل ہو، ہمارے لیے حسنہ (بھلائی) ہے۔

3 یعنی ہم تمھارے بارے میں دو برائیوں میں سے ایک برائی کا انتظار کر رہے ہیں کہ یا تو آسمان سے اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یا ہمارے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ تمھیں (قتل کرنے یا قیدی بننے وغیرہ قسم کی) سزائیں دے۔ وہ دونوں باتوں پر قادر ہے۔

4 ﴿اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ﴾ یہ امر ہے۔ اور یہاں یہ شرط اور جزا کے معنی میں ہے، یعنی اگر تم خرچ کرو گے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یا یہ امر بمعنی خبر ہے، یعنی جو کچھ تم نے خوشی یا ناخوشی سے خرچ کیا ہے وہ ہرگز قبول نہیں ہوگا، مطلب یہ ہے کہ دونوں باتیں برابر ہیں، خرچ کرو یا نہ کرو۔ اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تب بھی نامقبول ہے۔ کیونکہ قبولیت کے لیے ایمان شرط اول ہے اور وہی تمھارے اندر مفقود ہے اور ناخوشی سے خرچ کیا ہوا مال، اللہ کے ہاں ویسے ہی مردود ہے، اس لیے کہ وہاں قصد صحیح موجود نہیں ہے جو قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (التوبۃ 9:80) ''آپ

اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿54﴾

کے سوا نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور بڑی کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں ○ [1]

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿55﴾

پس آپ کو ان کے مال و اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں۔ [2] اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انھیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے [3] اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں ○ [4]

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ

اور وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یقیناً وہ تمھی میں

ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔'' (یعنی دونوں باتیں برابر ہیں)

1 اس میں ان کے صدقات کے عدم قبول کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک ان کا کفر و فسق۔ دوسرا، کاہلی سے نماز پڑھنا، اس لیے کہ وہ اس پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ان کی سزا سے انھیں کوئی خوف ہے۔ کیونکہ رجا اور خوف، یہ بھی ایمان کی علامت ہے جس سے یہ محروم ہیں۔ اور تیسرا کراہت سے خرچ کرنا۔ اور جس کام میں دل کی رضا نہ ہو، وہ قبول کس طرح ہوسکتا ہے؟ بہرحال یہ تینوں وجوہات ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک وجہ بھی عمل کی نامقبولیت کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ تینوں وجوہات جہاں جمع ہو جائیں تو اس عمل کے مردود بارگاہ الٰہی ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

2 اس لیے کہ یہ سب بطور آزمائش ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ڏ لِنَفْتِنَهُمْ ﴾ (طٰہٰ 20:131) ''اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تاکہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:55,56) ''کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں ہم جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔'' یعنی یہ آل اولاد اور مال و دولت بطور آزمائش ہیں نہ کہ فضل الٰہی کے طور پر۔

3 امام ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری نے اس سے زکاۃ اور انفاق فی سبیل اللہ مراد لیا ہے، یعنی ان منافقین سے زکاۃ و صدقات تو (جو وہ مسلمان ظاہر کرنے کے لیے دیتے ہیں) دنیا میں قبول کر لیے جائیں تاکہ اس طریقے سے ان کو مالی مار بھی دنیا میں دی جائے۔

4 ان کی موت کفر ہی کی حالت میں آئے گی، اس لیے کہ وہ اللہ کے پیغمبر کو صدق دل سے ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے کفر و نفاق پر ہی بدستور قائم و مصر ہیں۔

مِّنۡكُمۡ وَلٰكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ﴿56﴾

سے ہیں، حالانکہ وہ دراصل تمھارے نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں ○ [1]

لَوۡ يَجِدُوۡنَ مَلۡجَاً اَوۡ مَغٰرٰتٍ اَوۡ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوۡا اِلَيۡهِ وَهُمۡ يَجۡمَحُوۡنَ ﴿57﴾

اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غار یا کوئی بھی سر گھسانے کی جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کر الٹے بھاگ چھوٹیں ○ [2]

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ‌ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ﴿58﴾

ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں، [3] اگر انھیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے ○ [4]

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ﴿59﴾ ع 7/17/13

اگر وہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دیے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے، اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی، بے شک ہم تو اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ○

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ

صدقات (زکاۃ و خیرات) صرف فقیروں [5] اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان

---

1 اس ڈر اور خوف کی وجہ سے جھوٹی قسمیں کھا کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم میں سے ہی ہیں۔

2 یعنی نہایت تیزی سے دوڑ کر وہ ان پناہ گاہوں میں چلے جائیں، اس لیے کہ تم سے ان کا جتنا کچھ بھی تعلق ہے، وہ محبت و خلوص پر نہیں، عناد، نفرت اور کراہت پر ہے۔

3 یہ ان کی ایک اور بہت بڑی کوتاہی کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو (نعوذ باللہ) صدقات و غنائم کی تقسیم میں غیر منصف باور کراتے، جس طرح ابن ذی الخویصرہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ تقسیم فرما رہے تھے کہ اس نے کہا: ''انصاف سے کام لیجیے!'' آپ نے فرمایا: ''افسوس ہے تجھ پر! اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا؟'' (صحيح البخاري، حديث:3610، وصحيح مسلم، حديث:148-(1064))

4 گویا اس الزام تراشی کا مقصد محض مالی مفادات کا حصول تھا کہ اس طرح ان سے ڈرتے ہوئے انھیں زیادہ حصہ دیا جائے یا وہ مستحق ہوں یا نہ ہوں، انھیں حصہ ضرور دیا جائے۔

5 اس آیت میں اس طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے صدقات کے مستحق لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ صدقات

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿60﴾

لوگوں کے لیے جن کی دل جوئی مقصود ہوتی ہے اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہ رو مسافروں کے لیے، [1] فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب علم وحکمت والا ہے ○

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ

ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان (کا کچا) ہے، آپ کہہ دیجیے کہ یہ کان

سے مراد یہاں صدقات واجبہ، یعنی زکاۃ ہے۔ آیت کا آغاز ﴿اِنَّمَا﴾ سے کیا گیا ہے جو قصر کے صیغوں میں سے ہے اور الصدقات میں لام تعریف جنس کے لیے ہے، یعنی ان صدقات کی جنس ان آٹھ قسموں میں مقصور ہے جن کا ذکر آیت میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور پر صدقے کی رقم کا استعمال صحیح نہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ان آٹھوں مصارف پر تقسیم کرنا ضروری ہے یا ان میں سے جس مصرف یا مصارف پر امام یا زکاۃ ادا کرنے والا، مناسب سمجھے، حسب ضرورت خرچ کر سکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ پہلی رائے کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ وغیرہما دوسری رائے کے۔ اور یہ دوسری رائے ہی زیادہ صحیح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کی رو سے زکاۃ کی رقم آٹھوں مصارف پر خرچ کرنا ضروری ہے، یعنی اقتضائے ضرورت اور مصالح دیکھے بغیر رقم کے آٹھ حصے کر کے آٹھوں جگہ پر کچھ کچھ رقم خرچ کی جائے۔ جبکہ دوسری رائے کے مطابق ضرورت اور مصالح کا اعتبار ضروری ہے، جس مصرف پر رقم خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت یا مصالح کسی ایک مصرف پر خرچ کرنے کے مقتضی ہوں تو وہاں ضرورت اور مصالح کے لحاظ سے زکاۃ کی رقم خرچ کی جائے گی، چاہے دوسرے مصارف پر خرچ کرنے کے لیے رقم نہ بچے۔ اس رائے میں جو معقولیت ہے، وہ پہلی رائے میں نہیں ہے۔

1 ان مصارف ثمانیہ کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔ ① فقیر اور مسکین چونکہ قریب قریب ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی ہوتا ہے، یعنی فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ لیا جاتا ہے، اس لیے ان کی الگ الگ تعریف میں خاصا اختلاف ہے۔ تاہم دونوں کے مفہوم میں یہ بات تو قطعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجات وضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم اور وسائل سے محروم ہوں، ان کو فقیر اور مسکین کہا جاتا ہے ② مسکین کی تعریف میں ایک حدیث آتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسکین وہ گھومنے پھرنے والا نہیں ہے جو ایک ایک یا دو دو لقمے یا کھجور کے لیے گھر گھر پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے، نہ اسے غریب اور فقیر سمجھا جاتا ہے کہ لوگ مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 1479، و صحیح مسلم، حدیث: 101-(1039)) حدیث میں گویا اصل مسکین شخص مذکور کو قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مسکین کی یہ تعریف بھی نقل کی گئی ہے کہ جو گداگر ہو، گھوم پھر

بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿61﴾

(کا کچا) ہونا ہی تمھارے لیے بہتر ہے،[1] وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہلِ ایمان ہیں یہ ان کے لیے رحمت ہے، رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

کر اور لوگوں کے پیچھے پڑ کر مانگتا ہو۔ اور فقیر وہ ہے جو نادار ہونے کے باوجود سوال سے بچے اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے (ابن کثیر) ③ ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ﴾ سے مراد حکومت کے وہ اہل کار ہیں جو زکاۃ و صدقات کی وصولی و تقسیم اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں ④ ﴿الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ ایک تو وہ کافر ہے جو کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر یہ امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ دوسرے، وہ نومسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ تیسرے، وہ افراد بھی ہیں جن کو امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے اور اس طرح وہ قریب کے کمزور مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صورتیں تالیف قلب کی ہیں جن پر زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ چاہے مذکورہ افراد مال دار ہی ہوں۔ احناف کے نزدیک یہ مصرف ختم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حالات وظروف کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ ⑤ گردنیں آزاد کرانے میں۔ بعض علماء نے اس سے صرف مکاتب غلام مراد لیے ہیں۔ اور دیگر علماء نے مکاتب وغیر مکاتب ہر قسم کے غلام مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ⑥ ﴿وَالْغٰرِمِيْنَ﴾ سے ایک تو وہ مقروض مراد ہیں جو اپنے اہل وعیال کے نان ونفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے میں لوگوں کے زیر بار ہو گئے اور ان کے پاس نقد رقم بھی نہیں ہے اور ایسا سامان بھی نہیں ہے جسے بیچ کر وہ قرض ادا کر سکیں۔ دوسرے وہ ذمہ دار اصحاب ضمانت ہیں جنھوں نے کسی کی ضمانت دی اور پھر وہ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پا گئے یا کسی کی فصل تباہ یا کاروبار خسارے کا شکار ہو گیا اور اس بنیاد پر وہ مقروض ہو گیا۔ ان سب افراد کی زکاۃ کی مد سے امداد کرنا جائز ہے ⑦ ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے مراد جہاد ہے، یعنی جنگی سامان وضروریات اور مجاہد (چاہے وہ مالدار ہی ہو) پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح بعض علماء کے نزدیک تبلیغ و دعوت بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیونکہ اس سے بھی مقصد، جہاد کی طرح، اعلائے کلمۃ اللہ ہے ⑧ ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ سے مراد مسافر ہے، یعنی اگر کوئی مسافر، سفر میں مستحق امداد ہو گیا ہے تو چاہے وہ اپنے گھر یا وطن میں صاحب حیثیت ہی ہو، اس کی امداد زکاۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے۔

1 یہاں سے پھر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ کے خلاف ایک ہرزہ سرائی انھوں نے یہ کی کہ یہ کان کا کچا (ہلکا)

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ج
وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ
الثلثة
كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾

محض تمھیں خوش کرنے کے لیے تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول راضی کرنے کے زیادہ مستحق تھے ○

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِيْهَا ط ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿63﴾

کیا یہ نہیں جانتے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لیے یقیناً دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسوائی ہے ○

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط قُلِ
اسْتَهْزِءُوْا ج اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا
تَحْذَرُوْنَ ﴿64﴾

منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں انھیں بتلا دے۔ کہہ دیجیے کہ تم مذاق اڑاتے رہو، یقیناً اللہ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دبک رہے ہو ○

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ
وَنَلْعَبُ ط قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ
كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿65﴾

اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجیے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمھارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ ○ [1]

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط
اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ

تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے، [2] اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی

ہے، مطلب ہے کہ یہ ہر ایک کی بات سن لیتا ہے (یہ گویا آپ کے حلم و کرم اور عفو و صفح کی صفت سے ان کو دھوکہ ہوا) اللہ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا پیغمبر شر و فساد کی کوئی بات نہیں سنتا جو بھی سنتا ہے، تمھارے لیے اس میں خیر اور بھلائی ہے۔

1 منافقین آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے، مومنین کا استہزا کرتے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتے جس کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے بعض مسلمانوں کو اور پھر رسول اللہ ﷺ کو ہو جاتی۔ لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہنسی مذاق کے لیے کیا تمھارے سامنے اللہ اور اس کی آیات اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر مقصد تمھارا آپس میں ہنسی مذاق ہی ہوتا تو اس میں اللہ، اس کی آیات اور رسول کا ذکر درمیان میں کیوں آتا؟ یہ یقیناً تمھارے اس خبث اور نفاق کا اظہار ہے جو آیات الٰہی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمھارے دلوں میں موجود ہے۔

2 یعنی تم جو ایمان لائے تھے اللہ اور رسول کے استہزا کے بعد اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے تم کافر ہو گئے ہو۔

ع 8/7 14 طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿66﴾

کرلیں [1] تو کچھ لوگوں کو سنگین سزا بھی دیں گے کیونکہ وہ (واقعی) مجرم ہیں ○ [2]

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ‌ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ‌ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿67﴾ وقف لازم

تمام منافق مرد و عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں، [3] یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں، [4] یہ اللہ کو بھول گئے اللہ نے انھیں بھلا دیا۔ [5] بے شک منافق ہی فاسق و بدکردار ہیں ○

وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ‌ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ۚ وَلَهُمۡ

اللہ ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی انھیں کافی ہے، ان پر اللہ کی پھٹکار ہے، اور ان ہی

---

1 اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جنھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انھوں نے توبہ کر لی اور مخلص مسلمان بن گئے۔

2 یہ وہ لوگ ہیں جنھیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور کفر و نفاق پر اڑے رہے۔ اسی لیے اس عذاب کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ وہ مجرم تھے۔

3 منافقین جو حلف اٹھا کر مسلمانوں کو باور کراتے تھے کہ ''ہم تم ہی میں سے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ ایمان والوں سے ان کا کیا تعلق؟ البتہ یہ سب منافق، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی ہیں، یعنی کفر و نفاق میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ آگے ان کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جو مومنین کی صفات کے بالکل الٹ اور برعکس ہیں۔

4 اس سے مراد بخل ہے، یعنی مومن کی صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور منافق کی اس کے برعکس بخل، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔

5 یعنی اللہ بھی ان سے ایسا معاملہ کرے گا کہ گویا اس نے انھیں بھلا دیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلۡيَوۡمَ نَنۡسٰكُمۡ كَمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا﴾ (الجاثیة 45:34) ''آج ہم تمھیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم ہماری ملاقات کے اس دن کو بھولے ہوئے تھے۔'' مطلب یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے دنیا میں اللہ کے احکامات کو چھوڑے رکھا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل و کرم سے محروم کر کے چھوڑے رکھے گا۔ نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی ترک و چھوڑ دینے کے ہوتا ہے جبکہ نسیان بمعنی بھولنے اور یاد نہ رہنے کے، اس سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ (فتح القدیر)

عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿68﴾
كَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡكُمۡ قُوَّةً وَّاَكۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ؕ فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِهِمۡ فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِكُمۡ كَمَا اسۡتَمۡتَعَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ بِخَلَاقِهِمۡ وَخُضۡتُمۡ كَالَّذِىۡ خَاضُوۡا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿69﴾

کے لیے دائمی عذاب ہے ○
(منافقو! تمھارا حال) مثل ان لوگوں کے ہے جو تم سے پہلے تھے،[1] تم سے وہ زیادہ قوت والے اور زیادہ مال واولاد والے تھے، پس انھوں نے اپنے حصے سے خوب (دنیوی) فائدہ اٹھایا اور تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا[2] جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جس طرح کہ انھوں نے کی تھی۔[3] ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہوگئے۔ یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں ○[4]

اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَوۡمِ

کیا انھیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں، یعنی

---

1 یعنی تمھارا مآل بھی اعمال اور انجام کے اعتبار سے امم ماضیہ کے کافروں جیسا ہی ہے۔ اب غائب کی بجائے، منافقین سے خطاب کیا جارہا ہے۔

2 ﴿بِخَلَاقِهِمۡ﴾ کا دوسرا ترجمہ دنیوی حصہ بھی کیا گیا ہے، یعنی تمھاری تقدیر میں دنیا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے، وہ برت لو، جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے اپنا حصہ برتا اور پھر موت یا عذاب سے ہمکنار ہوگئے۔

3 یعنی آیات الٰہی اور اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے۔ یا دوسرا مفہوم ہے کہ دنیا کے اسباب اور لہو ولعب میں جس طرح وہ مگن رہے، تمھارا ابھی یہی حال ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد اہل کتاب، یعنی یہود ونصاریٰ ہیں۔ جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ضرور متابعت کروگے۔ بالشت بہ بالشت، ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی ضرور گھسوگے۔ لوگوں نے پوچھا، کیا اس سے آپ کی مراد اہل کتاب ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟'' (صحيح البخاري، حديث:7320، و صحيح مسلم، حديث:6-(2669)) البتہ ہاتھ بہ ہاتھ کے الفاظ ان میں نہیں ہیں۔ یہ تفسیر طبری میں منقول ایک اثر میں ہیں۔

4 ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات و عادات کے حامل ہیں، مُشَبَّهِين بھی اور مُشَبَّه بِهِمْ بھی، یعنی جس طرح وہ خاسر و نامراد رہے، تم بھی اسی طرح رہوگے۔ حالانکہ وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس کے باوجود وہ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے تو تم، جو ان سے ہر لحاظ سے کم ہو، کس طرح اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہو۔

نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝70

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

وقف لازم

قومِ نوح، عاد، ثمود، قومِ ابراہیم، اہلِ مدین اور اہلِ مؤتفکات، یعنی الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والوں کی،[1] ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے،[2] اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انھوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا○[3]

مومن مرد وعورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں،[4] وہ بھلائیوں کا حکم دیتے

---

1 یہاں ان چھ قوموں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا مسکن ملک شام رہا ہے۔ یہ بلادِ عرب کے قریب ہے اور ان کی کچھ باتیں انھوں نے شاید آباء واجداد سے سنی بھی ہوں۔ قومِ نوح، جو طوفان میں غرق کر دی گئی۔ قومِ عاد، جو قوت وطاقت میں ممتاز ہونے کے باوجود بادِ تند سے ہلاک کر دی گئی۔ قومِ ثمود، جسے آسمانی چیخ سے ہلاک کیا گیا۔ قومِ ابراہیم، جس کے بادشاہ نمرود بن کنعان بن کوش کو مچھر سے مروا دیا گیا۔ اصحابِ مدین (حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم) جنھیں چیخ، زلزلہ اور بادلوں کے سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ اور اہلِ موتفکات، اس سے مراد قومِ لوط ہے جن کی بستی کا نام ''سدوم'' تھا۔ ائتکاف کے معنی ہیں انقلاب، الٹ پلٹ دینا۔ ان پر ایک تو آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ دوسرے، ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر نیچے پھینکا گیا جس سے پوری بستی اوپر نیچے ہوگئی اس اعتبار سے انھیں اصحاب مؤتفکات کہا جاتا ہے۔

2 ان سب قوموں کے پاس ان کے پیغمبر، جو ان ہی کی قوم کے ایک فرد ہوتے تھے، آئے۔ لیکن انھوں نے ان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ بلکہ تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا، جس کا نتیجہ بالآخر عذابِ الٰہی کی شکل میں نکلا۔

3 یعنی یہ عذاب، ان کے ظلم پر استمرار اور دوام کا نتیجہ ہے۔ یوں ہی بلا وجہ عذابِ الٰہی کا شکار نہیں ہوئے۔

4 منافقین کی صفاتِ مذمومہ کے مقابلے میں مومنین کی صفاتِ محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت، وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون وغم خوار ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ «اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»(صحيح البخاري، حديث:481، وصحيح مسلم، حديث:(2585)) ''مومن، مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔'' دوسری حدیث میں فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى»(صحيح البخاري، حديث:6011، وصحيح مسلم، حديث:66-(2586)) ''مومنوں کی مثال، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے، رحم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کا شکار ہو جاتا ہے

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ
وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿71﴾
وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ
جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ
جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ
اَكۡبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿72﴾ ع 9/6 15

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ

اور برائیوں سے روکتے ہیں،[1] نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں،[2] یہی لوگ ہیں جن پر اللہ بہت جلد رحم فرمائے گا بے شک اللہ غلبے والا خوب حکمت والا ہے ○

ان ایماندار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات[3] کا جو ان ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے،[4] یہی زبردست کامیابی ہے ○

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو،[5]

اور بیدار رہتا ہے۔''

1 یہ اہل ایمان کی دوسری خاص صفت ہے۔ معروف وہ ہے جسے شریعت نے معروف (نیکی اور بھلائی) اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے منکر (برا) قرار دیا ہے، نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا یا برا کہیں۔

2 نماز، حقوق اللہ میں نمایاں ترین عبادت ہے اور زکاۃ، حقوق العباد کے لحاظ سے، امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ان دونوں کا بطور خاص تذکرہ کر کے فرما دیا گیا کہ وہ ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

3 جو موتی اور یاقوت سے تیار کیے گئے ہوں گے۔ ﴿عَدۡنٍ﴾ کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔ ایک معنی ہمیشگی کے ہیں۔

4 حدیث میں بھی آتا ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں کے بعد اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی کی صورت میں ملے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 6549، وصحيح مسلم، حديث: 2829)

5 اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ نبی ﷺ کے بعد اس کی مخاطب آپ کی امت ہے۔ کافروں کے ساتھ منافقین سے بھی جہاد کرنے کا جو حکم ہے، اس کی بابت اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہی ہے کہ اگر منافقین کا نفاق اور ان کی سازشیں بے نقاب ہو جائیں تو ان سے بھی اسی طرح جہاد کیا جائے، جس طرح کافروں سے کیا جاتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ انھیں زبان سے وعظ و نصیحت کی جائے۔ یا وہ اخلاقی جرائم کا ارتکاب کریں تو ان پر حدود نافذ کی جائیں۔ تیسری رائے یہ ہے کہ جہاد کا حکم کفار سے متعلق ہے اور سختی کرنے کا منافقین سے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آراء میں آپس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں، اس لیے کہ حالات و ظروف کے مطابق ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔

وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿73﴾
يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا ‌ۚ وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ۚ فَاِنۡ يَّتُوۡبُوۡا يَكُ خَيۡرًا لَّهُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ يَّتَوَلَّوۡا يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَمَا لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿74﴾

اور ان پر سخت ہو جاؤ[1] ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے جو نہایت بدترین جگہ ہے ○[2]

وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا، حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں[3] اور انھوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔[4] وہ صرف اسی بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے دولت مند کر دیا[5] اگر وہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ انھیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا ○

1 غِلۡظَةٌ رأفت کی ضد ہے، جس کے معنی نرمی اور شفقت کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے غلظت کے معنی سختی اور قوت سے دشمنوں کے خلاف اقدام ہے۔ محض زبان کی سختی مراد نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے ہی خلاف ہے، اسے آپ اختیار کر سکتے تھے نہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کا حکم آپ کو مل سکتا تھا۔

2 جہاد اور سختی کے حکم کا تعلق دنیا سے ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔

3 مفسرین نے اس کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں، جن میں منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ جسے بعض مسلمانوں نے سن لیا اور انھوں نے آ کر نبی ﷺ کو بتلایا لیکن آپ کے استفسار پر مکر گئے بلکہ حلف تک اٹھا لیا کہ انھوں نے ایسی بات نہیں کی۔ جس پر یہ آیت اتری۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔

4 اس کی بابت بھی بعض واقعات نقل کیے گئے ہیں، مثلاً: تبوک سے واپسی پر منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک سازش کی جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے کہ دس بارہ منافقین ایک گھاٹی میں آپ کے پیچھے لگ گئے جہاں رسول اللہ ﷺ باقی لشکر سے الگ تقریباً تنہا گزر رہے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ پر حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں گے اس کی اطلاع وحی کے ذریعے سے آپ کو دے دی گئی، جس سے آپ نے بچاؤ کر لیا۔

5 مسلمانوں کی ہجرت کے بعد، مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وہاں تجارت اور کاروبار کو

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿75﴾

ان میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے اور پکی طرح نیکوکاروں میں ہو جائیں گے ○

فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿76﴾

لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا تو وہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا ○ [1]

فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿77﴾

پس اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملنے کے دن تک کیونکہ انھوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کا خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے ○

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿78﴾

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ غیب کی تمام باتوں سے خبردار ہے ○ [2]

بھی فروغ ملا اور اہل مدینہ کی معاشی حالت بہت اچھی ہوگئی۔ منافقین مدینہ کو بھی اس سے خوب فائدہ حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہی فرما رہا ہے کہ کیا ان کو اس بات کی ناراضی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے غنی بنا دیا ہے؟ یعنی یہ ناراضی اور غضب والی بات تو نہیں بلکہ ان کو تو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے انھیں فقر و تنگ دستی سے نکال کر خوش حال بنا دیا۔

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اس لیے ہے کہ اس غنا اور تونگری کا ظاہری سبب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی بنی تھی، ورنہ حقیقت میں غنی بنانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی تھا، اس لیے آیت میں من فضله واحد کی ضمیر ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا۔

1 اس آیت کو بعض مفسرین نے ایک صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی منافقین کا ایک اور کردار بیان کیا گیا ہے۔

2 اس میں ان منافقین کے لیے سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پروا نہیں کرتے۔ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے۔ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہے۔

اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۷۹﴾

جولوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنھیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں، پس یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں [1] اور اللہ ان (مذاق اڑانے والوں) کا مذاق اڑاتا ہے [2] اور انھی کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ

تو ان کے لیے استغفار کر یا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے تو بھی اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا [3] یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے، [4] ایسے فاسق لوگوں کو رب کریم ہدایت

1 ﴿اَلۡمُطَّوِّعِيۡنَ﴾ کے معنی ہیں، صدقات واجبہ کے علاوہ اپنی خوشی سے مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔ (جهد) کے معنی محنت و مشقت کے ہیں، یعنی وہ لوگ جو مال دار تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی محنت و مشقت سے کمائے ہوئے تھوڑے سے مال میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آیت میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنگ وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں سے چندے کی اپیل فرماتے تو مسلمان آپ کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے حسب استطاعت اس میں حصہ لیتے۔ کسی کے پاس زیادہ مال ہوتا، وہ زیادہ صدقہ دیتا جس کے پاس تھوڑا ہوتا، وہ تھوڑا دیتا۔ یہ منافقین دونوں قسم کے مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے۔ زیادہ دینے والوں کی بابت کہتے کہ اس کا مقصد ریاکاری اور نمود و نمائش ہے اور تھوڑا دینے والوں کو کہتے کہ تیرے اس مال سے کیا بنے گا؟ یا اللہ تعالیٰ تیرے اس صدقے سے بے نیاز ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4668، و صحيح مسلم، حديث: 72-(1018)) یوں وہ منافقین مسلمانوں کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے۔

2 یعنی مومنین سے استہزا کا بدلہ انھیں اس طرح دیتا ہے کہ ان سے اپنی شان کے لائق استہزا کرتا ہے اور انھیں ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ یا یہ بددعا ہے اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسی طرح استہزا کا معاملہ کرے جس طرح یہ مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے ہیں۔ (فتح القدير)

3 ستر (70) کا عدد مبالغے اور تکثیر کے لیے ہے، یعنی تو کتنی ہی کثرت سے ان کے لیے استغفار کر لے، اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر ان کو معافی مل جائے گی۔

4 یہ عدم مغفرت کی علت بیان کر دی گئی ہے تاکہ لوگ کسی کی سفارش کی امید پر نہ رہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر یہ زاد آخرت کسی کے پاس نہیں ہوگا تو ایسے کافروں اور نافرمانوں کی کوئی

10 ع 8 16 الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿80﴾
فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ
رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا
بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ
وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ؕ قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ
اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿81﴾
فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا ۚ
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿82﴾
فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ

نہیں دیتا ○ [1]
پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں [2] انھوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا ناپسند کیا اور انھوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجیے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے۔ کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے ○ [3]
پس انھیں چاہیے کہ بہت کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں [4] بدلے میں اس کے جو وہ کرتے تھے ○
پس اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت [5] کی طرف لوٹا کر

شفاعت ہی نہیں کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے شفاعت کی اجازت ہی نہیں دے گا۔

1 اس ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جو انسان کو مطلوب (ایمان) تک پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ ہدایت بمعنی رہنمائی، یعنی راستے کی نشان دہی۔ اس کا اہتمام تو دنیا میں ہر مومن و کافر کے لیے کر دیا گیا ہے ﴿اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا ○﴾ (الدهر 3:76) ﴿وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ○﴾ (البلد 10:90) ”اور ہم نے اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیے ہیں۔“

2 یہ ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک میں نہیں گئے اور جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کر لی۔ ﴿خِلٰفَ﴾ کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت، یعنی رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد آپ کے پیچھے یا آپ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔

3 یعنی اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ جہنم کی آگ کی گرمی کے مقابلے میں، دنیا کی گرمی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا 70 واں حصہ ہے، یعنی جہنم کی آگ کی شدت دنیا کی آگ سے 69 حصے زیادہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:3265) اَللّٰهُمَّ احۡفَظۡنَا مِنۡهَا.

4 ﴿قَلِيۡلًا﴾ اور ﴿كَثِيۡرًا﴾ یا تو مصدریت (یعنی ضِحۡكًا قَلِيلاً اور بُكَاءً كَثِيرًا) یا ظرفیت (یعنی زَمَانًا قَلِيلاً وَّزَمَانًا كَثِيرًا) کی بنیاد پر منصوب ہیں۔ اور امر کے دونوں صیغے بمعنی خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہنسیں گے تھوڑا اور روئیں گے بہت زیادہ۔

5 منافقین کی جماعت مراد ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت تبوک سے مدینہ واپس لے آئے جہاں یہ پیچھے رہ جانے والے منافقین بھی ہیں۔

فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿83﴾

واپس لے آئے، پھر وہ آپ سے میدانِ جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں [1] تو آپ کہہ دیجیے کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔ تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا [2] پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو ○ [3]

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿84﴾

ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ [4] یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک

1 یعنی کسی اور جنگ کے لیے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کریں۔

2 یہ آئندہ ساتھ نہ لے جانے کی علت ہے کہ تم پہلی مرتبہ ساتھ نہیں گئے، لہٰذا اب تم اس لائق نہیں کہ تمھیں کسی بھی جنگ میں ساتھ لے جایا جائے۔

3 یعنی اب تمھاری اوقات یہی ہے کہ تم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو کہ عورتیں جنگ میں شرکت نہیں کرتیں۔ انھیں گھروں کی چار دیواری تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے تاکہ ان کے اس رنج وملال اور حسرت میں مزید اضافہ ہو جو انھیں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے تھا۔ (اگر تھا)

4 یہ آیت نبی ﷺ کی طرف سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس کا حکم عام ہے۔ ہر شخص جس کی موت کفر ونفاق پر ہو، وہ اس میں شامل ہے۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ (جو مسلمان اور باپ ہی کے ہم نام تھے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک تو آپ (بطور تبرک) اپنی قمیص عنایت فرما دیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنا دوں۔ دوسرے، آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ آپ نے قمیص بھی عنایت فرما دی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا ہے، آپ کیوں اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے (روکا نہیں ہے۔) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں فرمائے گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لیے استغفار کر لوں گا۔'' چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھا دی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آئندہ کے لیے منافقین کے حق میں دعائے مغفرت اور نماز جنازہ کی قطعی ممانعت فرما دی۔ (صحيح البخاري، حديث:4670، و صحيح مسلم، حديث:3-(2774))

بدکار بے اطاعت رہے ہیں ○ [1]

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿85﴾

آپ ان کے مال واولاد سے تعجب نہ کرنا، اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انھیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں ○

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿86﴾

جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ آپ کے پاس آ کر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں ہی میں چھوڑ دیجیے ○ [2]

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿87﴾

یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ریجھ گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اب یہ کچھ نہیں سمجھتے ○ [3]

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

لیکن خود رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ بھلائیوں

---

1 یہ نماز جنازہ اور دعائے مغفرت نہ کرنے کی علت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا خاتمہ کفر وشرک پر ہو، ان کی نہ نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب نبی ﷺ قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کو دفنایا جا چکا ہے، چنانچہ آپ نے اسے قبر سے نکلوایا اور اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب دہن تھوکا، اپنی قمیص اسے پہنائی۔ (صحيح البخاري، حديث:1270، وصحيح مسلم، حديث:2-(2773)) جس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہوگا، اسے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

2 یہ انھی منافقین کا ذکر ہے جنھوں نے حیلے تراش کر پیچھے رہنا پسند کیا۔ ﴿ اُولُوا الطَّوْلِ ﴾ سے مراد ہے، صاحب حیثیت، مال دار طبقہ، یعنی اس طبقے کو پیچھے تو نہیں رہنا چاہیے تھا کیونکہ اس کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ ﴿ الْقٰعِدِيْنَ ﴾ سے مراد بعض مجبوریوں کے تحت گھروں میں رک جانے والے افراد ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کو خَوَالِفَ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو خَالِفَةٌ کی جمع ہے، یعنی ''پیچھے رہنے والی عورتیں۔''

3 دلوں پر مہر لگ جانا، یہ مسلسل گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے، اس کے بعد انسان

لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ ۫ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿88﴾
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ
تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ
الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿89﴾ ع 11/9/17
وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ
لَهُمۡ وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ
سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ
اَلِيۡمٌ ﴿90﴾

والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ○
انھی کے لیے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے
نہریں جاری ہیں، جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔
یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ [1]
بادیہ نشینوں میں سے بھی کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے
(تمھارے پاس) آئے کہ انھیں رخصت دے دی جائے
اور وہ لوگ بھی (گھروں میں) بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ
اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ اب تو ان میں
جتنے کفار ہیں انھیں دردناک عذاب ہوگا ○ [2]

لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الۡمَرۡضٰى وَلَا
عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ مَا يُنۡفِقُوۡنَ

ضعیفوں اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ
کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتا ہے۔

1 ان منافقین کے برعکس اہل ایمان کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں انھیں اپنی جانوں کی پروا ہے اور نہ مالوں کی۔ ان کے نزدیک اللہ کا حکم سب پر بالاتر ہے۔ انھی کے لیے خیرات ہیں، یعنی آخرت کی بھلائیاں اور جنت کی نعمتیں۔ اور بعض کے نزدیک دین و دنیا کے منافع۔ اور یہی لوگ فلاح یاب اور فوز عظیم کے حامل ہوں گے۔

2 ان معذوروں کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شہر سے دور رہنے والے وہ اعرابی ہیں جنھوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کی۔ دوسری قسم ان میں وہ تھی جنھوں نے آکر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹھے رہے۔ اس طرح گویا آیت میں منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور عذاب الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں اور مِنۡهُمۡ سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے اور بیٹھ رہنے والے دونوں مراد ہوں گے اور دوسرے مفسرین نے ﴿الۡمُعَذِّرُوۡنَ﴾ سے مراد ایسے بادیہ نشین مسلمان لیے ہیں جنھوں نے معقول عذر پیش کر کے اجازت لی تھی۔ اور مُعَذِّرُونَ ان کے نزدیک اصل میں مُعۡتَذِرُونَ ہے۔ تاء کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے اور معتذر کے معنی ہیں، واقعی عذر رکھنے والا۔ اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے میں منافقین کا جو بغیر عذر پیش کیے بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصے میں جو وعید ہے، اسی دوسرے گروہ کے لیے ہے۔ (واللّٰه أعلم)

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ؕ مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ مِنۡ سَبِيۡلٍ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۙ﴿91﴾

اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں، ایسے نیکو کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے ○[1]

وَّلَا عَلَى الَّذِيۡنَ اِذَا مَاۤ اَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ ۖ تَوَلَّوۡا وَّ اَعۡيُنُهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوۡا مَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ﴿92﴾

ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انھیں سواری مہیا کر دیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میں تو تمھاری سواری کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا، تو وہ رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انھیں خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی میسر نہیں ○[2]

اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ وَ هُمۡ اَغۡنِيَآءُ ۚ رَضُوۡا

الزام تو (درحقیقت) ان لوگوں پر ہے جو باوجود دولت مند ہونے کے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔

---

1 اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو واقعی معذور تھے اور ان کا عذر بھی واضح تھا، مثلاً: ① ضعیف و ناتواں، یعنی بوڑھے قسم کے لوگ اور نابینا یا لنگڑے وغیرہ معذورین بھی اسی ذیل میں آ جاتے ہیں۔ بعض نے ان کو بیماروں میں شامل کیا ہے۔ ② بیمار ③ جن کے پاس جہاد کے اخراجات نہیں تھے اور بیت المال بھی ان کے اخراجات کا متحمل نہیں تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی سے مراد ہے، جہاد کی ان کے دلوں میں تڑپ ہے، مجاہدین سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے عداوت اور حتی الامکان اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے محسنین، اگر جہاد میں شرکت کرنے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

2 یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جن کے پاس اپنی سواریاں بھی نہیں تھیں اور نبی ﷺ نے بھی انھیں سواریاں پیش کرنے سے معذرت کی، جس پر انھیں اتنا صدمہ ہوا کہ بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ گویا مخلص مسلمان، جو کسی بھی لحاظ سے معقول عذر رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کہ ہر ظاہر و باطن سے باخبر ہے، ان کو جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان معذورین کے بارے میں جہاد میں شریک لوگوں سے فرمایا کہ ''تمھارے پیچھے مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمھارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں۔'' صحابہ کرام نے پوچھا: مدینے میں ہوتے ہوئے؟ آپ نے فرمایا: قَلِيۡلًا وَّزَمَانًا كَثِيۡرًا (صحيح البخاري، حديث:2839، وصحيح مسلم، حديث: 159-(1911)) ''ہاں! کیونکہ عذر نے ان کو وہاں روک دیا ہے۔''

بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿93﴾	یہ خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں اور ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے لہٰذا اب وہ کچھ نہیں جانتے ○ [1]

1 یہ منافقین ہیں جن کا تذکرہ آیت :87,86 میں گزرا۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر مخلص مسلمانوں کے مقابلے میں ہوا ہے «تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا» کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ ﴿الْخَوَالِفِ﴾ خَالِفَةٌ کی جمع ہے (پیچھے رہنے والی) مراد عورتیں، بچے، معذور اور شدید بیمار اور بوڑھے ہیں جو جنگ میں شرکت سے معذور ہیں۔ ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کا مطلب ہے وہ نہیں جانتے کہ پیچھے رہنا کتنا بڑا جرم ہے، ورنہ شاید وہ رسول ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ
قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا
اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ
وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿94﴾

یہ لوگ تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجیے عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے، یقیناً اللہ ہم کو تمھاری خبر دے چکا ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمھاری کارگزاری دیکھ لیں گے، پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تم کو بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے ○

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ
لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ
رِجْسٌ ز وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿95﴾

ہاں وہ اب تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے جنھیں وہ کیا کرتے تھے ○

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا
عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿96﴾

وہ اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہوجاؤ۔ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہوجاؤ تو اللہ تو ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا ○ [1]

---

1 ان تین آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک کے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی بخیریت واپسی پر اپنے عذر پیش کر کے ان کی نظروں میں وفادار بننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم ان کے پاس آوگے تو یہ عذر پیش کریں گے، تم ان سے کہہ دو کہ ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اصل حالات سے ہمیں باخبر کر دیا ہے۔ اب تمھارے جھوٹے عذروں کا ہم اعتبار کس طرح کر سکتے ہیں؟ البتہ ان عذروں کی حقیقت مستقبل قریب میں مزید واضح ہو جائے گی، تمھارا عمل، جسے اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور رسول کی نظر بھی اس پر ہے، تمھارے عذروں کی حقیقت کو خود بے نقاب کر دے گا۔ اور اگر تم رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو پھر بھی فریب اور مغالطہ دینے میں کامیاب رہے تو بالآخر ایک وقت آئے گا ہی، جب تم ایسی ذات کی بارگاہ میں حاضر کیے جاؤ گے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو خوب جانتی ہے۔ اسے تو تم بہر صورت دھوکا نہیں دے سکتے، وہ اللہ تمھارا سارا کچا چٹھا تمھارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ تمھارے لوٹنے پر یہ قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض، یعنی درگزر کر دو۔ پس تم انھیں ان کی حالت پر

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿97﴾

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں [1] اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم ہی نہ ہو جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے [2] ہیں اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے ○

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿98﴾

اور ان دیہاتیوں میں سے بعض [3] ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ سمجھتے ہیں [4] اور تم مسلمانوں کے واسطے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں، [5]

چھوڑ دو۔ یہ لوگ اپنے عقائد واعمال کے لحاظ سے پلید ہیں، انھوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا بدلہ جہنم ہی ہے۔ تیسری آیت میں فرمایا: یہ تمھیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ لیکن ان نادانوں کو یہ پتہ نہیں کہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو انھوں نے جس فسق، یعنی اطاعت الٰہی سے گریز وفرار کا راستہ اختیار کیا ہے اس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی کیوں کر ہو سکتا ہے؟

1 مذکورہ آیات میں ان منافقین کا تذکرہ تھا جو مدینہ شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور کچھ منافقین وہ بھی تھے جو بادیہ نشین، یعنی مدینہ کے باہر دیہاتوں میں رہتے تھے، دیہات کے ان باشندوں کو اعراب کہا جاتا ہے جو اعرابی کی جمع ہے۔ شہریوں کے اخلاق وکردار کے مقابلے میں جس طرح ان کے اخلاق وکردار میں درشتی اور کھردرا پن زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں جو کافر ومنافق تھے وہ کفر ونفاق میں بھی شہریوں سے زیادہ سخت اور احکام شریعت سے زیادہ بے خبر تھے۔ اس آیت میں انھی کا تذکرہ اور ان کے اسی کردار کی وضاحت ہے۔ بعض احادیث سے بھی ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً: ایک موقع پر کچھ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا: «أَتُقَبِّلُونَ صِبْيَانَكُمْ» ''کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''ہاں'' انھوں نے کہا: ''واللہ! ہم تو بوسہ نہیں دیتے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''اگر اللہ نے تمھارے دلوں سے رحم وشفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے؟'' (صحيح البخاري، حديث:5998، وصحيح مسلم، حديث:2317)

2 اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ شہر سے دور رہتے ہیں اور انھیں اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سننے کا موقع نہیں ملتا۔

3 اب ان دیہاتیوں کی دو قسمیں بیان کی جا رہی ہیں یہ پہلی قسم ہے۔

4 ﴿مَغْرَمًا﴾ تاوان اور جرمانے کو کہتے ہیں، یعنی ایسا خرچ ہو جو انسان کو نہایت ناگواری سے ناچار کرنا پڑ جاتا ہے۔

5 ﴿الدَّوَآئِرَ﴾ دَائِرَةٌ کی جمع ہے، گردش زمانہ، یعنی مصائب وآلام، یعنی وہ منتظر رہتے ہیں کہ مسلمان زمانے کی گردشوں، یعنی مصائب کا شکار ہوں۔

برا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے [1] اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ○

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٩٩﴾ ع 12/10/1

اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں، [2] یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بے شک ان کے لیے موجب قربت ہے، ان کو اللہ ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ [3] اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں [4] اللہ ان سب

---

1 یہ بددعا یا خبر ہے کہ زمانے کی گردش ان ہی پر پڑے یا ان ہی پر پڑے گی کیونکہ وہی اس کے مستحق ہیں۔

2 یہ اعراب کی دوسری قسم ہے جن کو اللہ نے شہر سے دور رہنے کے باوجود، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اس ایمان کی بدولت ان سے وہ جہالت بھی دور فرما دی جو بدویت کی وجہ سے اہل بادیہ میں عام طور پر ہوتی ہے، چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کردہ مال کو جرمانہ سمجھنے کی بجائے، اللہ کے قرب کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کی طرف جو صدقہ دینے والوں کے بارے میں آپ کا تھا، یعنی آپ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صدقہ لانے والے کے لیے آپ نے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِي أَوْفٰى» (صحيح البخاري، حديث: 1497، وصحيح مسلم، حديث: 176-(1078)) ''اے اللہ! ابو اوفی کی آل پر رحمت نازل فرما۔''

3 یہ خوش خبری ہے کہ اللہ کا قرب انھیں حاصل ہے اور اللہ کی رحمت کے وہ مستحق ہیں۔

4 اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک مہاجرین کا جنھوں نے دین کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر مکہ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آ گئے۔ دوسرے انصار کا جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔ انھوں نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت فرمائی اور مدینہ آنے والے مہاجرین کی بھی خوب پذیرائی اور تواضع کی۔ اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں ان دونوں گروہوں کے سابقون اولون کا ذکر فرمایا ہے، یعنی دونوں گروہوں میں سے وہ افراد جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی۔ اس کی تعریف

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿100﴾

سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے [1] یہ بڑی کامیابی ہے ○

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔۛ مَرَدُوْا عَلَى

اور کچھ تمھارے گردوپیش والے دیہاتیوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے [2]

میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سابقون اولون وہ ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، یعنی تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہونے والے مہاجرین و انصار۔ بعض کے نزدیک یہ وہ صحابہ ہیں جو حدیبیہ میں بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ بعض کے نزدیک یہ اہل بدر ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو خلوص اور احسان کے ساتھ ان مہاجرین و انصار کے پیروکار ہیں۔ اس گروہ سے مراد بعض کے نزدیک تابعین ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے مشرف ہوئے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے، یعنی قیامت تک جتنے بھی انصار و مہاجرین سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان ہیں، وہ اس میں شامل ہیں۔ ان میں تابعین بھی آجاتے ہیں۔

1 اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ رضا اور غضب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جیسے اس کی شان کے لائق ہیں، تاہم قرآن کریم کے ان الفاظ اور دیگر نصوص کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں قبول فرمالیں، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرما دیا اور وہ ان پر ناراض نہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت کیوں دی جاتی؟ جو اس آیت میں دی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رضائے الٰہی موقت اور عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت نے مرتد ہو جانا تھا بالخصوص تعیین نام کے ساتھ مُبَشَّرِينَ بِالْجَنَّةِ (جیسا کہ ایک باطل ٹولے کا عقیدہ ہے) تو اللہ تعالیٰ انھیں جنت کی بشارت سے نہ نوازتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ نے ان کی ساری لغزشیں معاف فرما دیں تو اب تنقیص و تنقید کے طور پر ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کرنا کسی مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی محبت اور پیروی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور بغض و عناد رضائے الٰہی سے محرومی کا باعث ہے۔ ﴿فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○﴾ (الأنعام 6:81) ”پس (محبت اور عداوت رکھنے والے) دونوں گروہوں میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے اگر تمھیں علم ہو۔“

2 مَرَد اور تَمَرَّدَ کے اصل لغوی معنی ہیں۔ نرمی، سپاٹ ہونا اور تجرد، چنانچہ اس شاخ کو جو بغیر پتے کے ہو، وہ گھوڑا جو بغیر بال کے ہو، وہ لڑکا جس کے چہرے پر بال نہ ہوں، ان سب کو اَمْرَد کہا جاتا ہے اور شیشے کو۔ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ أَيْ مُجَرَّدٌ کہا جاتا ہے۔ ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ کے معنی ہوں گے۔ تَجَرَّدُوا لِلنِّفَاقِ گویا انھوں نے نفاق کے لیے

النِّفَاقِ ۟ لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ۚ﴿101﴾

ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے، [1] ان کو ہم جانتے ہیں ہم ان کو دوہری سزا دیں گے، [2] پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے ○

وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿102﴾

اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں [3] جنھوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور کچھ برے۔ [4] اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ [5] بلاشبہ اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿103﴾

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں اور ان کے لیے دعا کیجیے، [6] بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب

اپنے آپ کو خالص اور تنہا کرلیا، یعنی اس پر ان کا اصرار اور استمرار ہے۔

1 کتنے واضح الفاظ میں نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی ہے۔ کاش اہل بدعت کو قرآن سمجھنے کی توفیق نصیب ہو!

2 اس سے مراد بعض کے نزدیک دنیا میں ہی دوہری سزا ہے۔

3 یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جو بغیر عذر کے محض تساہل کی وجہ سے تبوک میں نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے بلکہ بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، اور اعتراف گناہ کرلیا۔

4 بھلے سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو جہاد میں پیچھے رہ جانے سے پہلے وہ کرتے رہے ہیں جن میں مختلف جنگوں میں شرکت بھی ہے اور ''کچھ برے'' سے مراد یہی تبوک کے موقع پر ان کا پیچھے رہنا ہے۔

5 اللہ تعالیٰ کی طرف سے امید، یقین کا فائدہ دیتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رجوع فرما کر ان کے اعتراف گناہ کو توبہ کے قائم مقام قرار دے کر انھیں معاف فرمادیا۔

6 یہ عام ہے۔ جرم کا اعتراف کرنے والے مذکورہ صحابۂ کرام اور تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ نبی ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرمادیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ زکاۃ وصدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت و پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں صدقے کو صدقہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے۔ جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دعا کرنے کا حکم دیا، اور آپ اس کے مطابق دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس حکم کے عموم سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکاۃ کی وصولی امام وقت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو حضرت ابوبکر صدیق

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾

اطمینان ہے اور اللہ خوب سنتا ہے خوب جانتا ہے ○ کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے [1] اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے ○

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾ۚ

کہہ دیجیے کہ تم عمل کیے جاؤ تمھارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے) اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تم کو تمھارا سب کیا ہوا بتلا دے گا ○ [2]

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے [3]

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

1 صدقات قبول فرماتا ہے کا مطلب (بشرطیکہ وہ حلال کمائی سے ہو) اس میں اضافہ فرماتا ہے۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھارے صدقے کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ ایک کھجور کے برابر صدقہ (بڑھ بڑھ کر) احد پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1410، وجامع الترمذي، حديث:662)

2 یہاں رؤیت (دیکھنا) سے مراد علم ہے، یعنی تمھارے عملوں کو اللہ تعالیٰ ہی نہیں دیکھتا بلکہ ان کا علم اللہ کے رسول اور مومنوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ (یہ منافقین ہی کے ضمن میں کہا جا رہا ہے) اس مفہوم کی آیت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ یہاں مومنین کا بھی اضافہ ہے جن کو اللہ کے رسول کے بتلانے سے اور خود بھی حالات کے دیکھنے سے علم ہو جاتا ہے۔

3 غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے تین گروہ تھے ایک تو منافق تھے، دوسرے وہ جو بلا عذر پیچھے رہ گئے تھے یہ دو قسم کے لوگ تھے، دونوں مخلص مسلمان تھے، اس لیے دونوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ ایک گروہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھ دیگر 6 افراد کا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس مدینہ آئے تو ان ساتوں صحابہ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا، رسول اللہ ﷺ کا گزر جب ان کے پاس سے ہوا تو ان کو ستونوں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھ کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ سفر تبوک سے پیچھے رہ جانے والے لوگ ہیں، انھوں نے اپنے آپ کو اس لیے باندھا ہے کہ آپ ان کی معذرت قبول فرما کر انھیں اپنے دست مبارک سے کھول دیں۔ آپ نے فرمایا: میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کھولنے کا حکم نازل نہیں

وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿106﴾

ان کو سزا دے گا[1] یا ان کی توبہ قبول کر لے گا، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے ○

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿107﴾

اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو پہلے ہی سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے،[2] اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں ○[3]

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى

آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔[4] البتہ جس مسجد کی

ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ آیت: ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا ﴾ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھول دیا۔ انھوں نے قبولِ توبہ کی خوشی میں اپنا مال بھی آپ کی خدمت میں بطور صدقہ پیش کر دیا، جسے آپ نے لینے سے انکار کر دیا جس پر آیت: ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ نازل ہوئی، چنانچہ آپ نے ان کا مال بھی لے کر صدقہ کر دیا۔ (تفسیر الطبري و تفسیر ابن أبي حاتم) دوسرا ان مخلص مسلمانوں کا گروہ تھا، جنھوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا۔ تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اس آیت میں اسی گروہ کا ذکر ہے جن کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ (یہ تین افراد تھے، جن کا ذکر آگے آ رہا ہے)

1 اگر وہ اپنی غلطی پر مصر رہے۔

2 اس میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک مسجد بنائی۔ اور نبی ﷺ کو یہ باور کرایا کہ بارش، سردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور جانے میں دقت پیش آتی ہے۔ ان کی سہولت کے لیے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ آپ وہاں چل کر نماز پڑھیں تاکہ ہمیں برکت حاصل ہو۔ آپ اس وقت تبوک کے لیے پابہ رکاب تھے، آپ نے واپسی پر نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن واپسی پر وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اصل مقاصد کو بے نقاب کر دیا کہ اس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، کفر پھیلانا، مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا، اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لیے کمین گاہ مہیا کرنا چاہتے ہیں۔

3 یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر وہ نبی ﷺ کو فریب دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر و فریب سے بچا لیا اور فرمایا کہ ان کی نیت صحیح نہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں، اس میں جھوٹے ہیں۔

4 یعنی اے نبی! آپ اس مسجد میں کبھی بھی نماز نہ پڑھیں، چنانچہ آپ نے نہ صرف یہ کہ وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے چند ساتھیوں کو بھیج کر وہ مسجد ڈھا دی اور اسے ختم کر دیا۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جو مسجد اللہ کی

التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡهِ ؕ فِیۡهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾

بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں ، [1] اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں [2] اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے ○

اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی تَقۡوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٍ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانۡهَارَ بِهٖ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو، رکھی ہو، پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے، [3] اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت ہی نہیں دیتا ○

عبادت کی بجائے، مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی غرض سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار ہے، حاکم وقت اس کو ڈھا دے تاکہ مسلمانوں میں تفریق وانتشار پیدا نہ ہو۔

1 اس سے مراد کون سی مسجد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مسجد قبا اور بعض نے مسجد نبوی ﷺ قرار دیا ہے۔ سلف کی ایک جماعت دونوں کی قائل رہی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت سے اگر مسجد قبا مراد ہے تو بعض احادیث میں مسجد نبوی کو ﴿ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی ﴾ کا مصداق قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ اگر مسجد قبا کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ اول یوم سے ہی اس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے تو مسجد نبوی تو بطریق اولیٰ اس صفت کی حامل اور اس کی مصداق ہے۔

2 حدیث میں آتا ہے کہ اس سے مراد اہل قبا ہیں۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری طہارت کی تعریف فرمائی ہے، تم کیا کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم پانی کے ساتھ استنجا کرتے ہیں۔ (سنن أبي داود، حديث: 44 ،وابن كثير) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی قدیم مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی غرض سے تعمیر کی گئی ہوں، نیز صالحین کی جماعت اور ایسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے جو مکمل وضو کرنے اور طہارت و پاکیزگی کا صحیح صحیح اہتمام کرنے والے ہوں۔

3 اس میں مومن اور منافق کے عمل کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ مومن کا عمل اللہ کے تقویٰ پر اور اس کی رضامندی کے لیے ہوتا ہے جبکہ منافق کا عمل ریاکاری اور فساد پر مبنی ہوتا ہے، جو اس حصہ زمین کی طرح ہے جس کے نیچے سے وادی کا پانی گزرتا ہے اور مٹی کو ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ وہ حصہ نیچے سے کھوکھلا رہ جاتا ہے جس پر کوئی تعمیر کر لی جائے تو فوراً گر پڑے گی۔ ان منافقین کا مسجد بنانے کا عمل بھی ایسا ہی ہے جو انھیں جہنم میں ساتھ لے گرے گا۔

لَا يَزَالُ بُنۡيَانُهُمُ الَّذِيۡ بَنَوۡا رِيۡبَةً فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَقَطَّعَ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع
13
11
2

ان کی یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کی بنیاد پر کانٹا بن کر کھٹکتی رہے گی، ہاں مگر ان کے دل ہی اگر پاش پاش ہو جائیں [1] تو خیر، اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے ○

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِي التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ ؕ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ الَّذِيۡ بَايَعۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۱﴾

بلا شبہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ [2] وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے، [3] تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ، [4] اور یہ بڑی کامیابی ہے ○

اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ

وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے (یا راہ حق میں سفر کرنے والے)، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی

---

1 دل پاش پاش ہو جائیں، کا مطلب موت سے ہم کنار ہونا ہے، یعنی موت تک یہ عمارت ان کے دلوں میں مزید شک و نفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بنی رہے گی جس طرح کہ بچھڑے کے پجاریوں میں بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی۔

2 یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل و کرم کا بیان ہے کہ اس نے مومنوں کو، ان کے جان و مال کے عوض، جو انھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے، جنت عطا فرما دی جبکہ یہ جان و مال بھی اسی کا عطیہ ہے، پھر قیمت اور معاوضہ بھی جو عطا کیا، یعنی جنت، وہ نہایت ہی بیش قیمت ہے۔

3 یہ اسی سودے کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچا وعدہ پچھلی کتابوں میں بھی اور قرآن میں بھی کیا ہے۔ اور اللہ سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

4 یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے لیکن یہ خوشی اسی وقت منائی جا سکتی ہے جب مسلمان کو بھی یہ سودا منظور ہو، یعنی اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے انھیں دریغ نہ ہو۔

الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿112﴾

حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں [1] اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری سنا دیجیے ○ [2]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿113﴾

پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں ○ [3]

وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ‌ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ‌ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدے کے سبب سے تھا جو انھوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا، پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ

---

1 یہ انھی مومنوں کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں جن کی جانوں اور مالوں کا سودا اللہ نے کر لیا ہے۔ وہ توبہ کرنے والے، یعنی گناہوں اور فواحش سے، پابندی سے اپنے رب کی عبادت کرنے والے، زبان سے اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے والے اور دیگر ان صفات کے حامل ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ سِيَاحَةٌ سے مراد اکثر مفسرین نے روزے لیے ہیں اور اسی کو ابن کثیر نے صحیح ترین اور مشہور ترین قول قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے۔ ایک حسن حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، «سِيَاحَةُ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ» (سنن أبي داود، حديث: 2486) ”میری امت کی سیاحت، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا ہی ہے تو اس کے لیے بہترین عمل جہاد ہے جس میں ہر وقت موت انسان کے تعاقب میں رہتی ہے۔ جب موت ہر وقت انسان کے سامنے رہے تو کون لذتوں میں الجھنا پسند کرتا ہے؟ بہرحال سیاحت سے زمین کی سیاحت مراد نہیں ہے جس طرح کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ اسی طرح اللہ کی عبادت کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں، غاروں اور سنسان بیابانوں میں جا کر ڈیرے لگا لینا بھی اس سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ رہبانیت اور جوگی پن کا ایک حصہ ہے جو اسلام میں نہیں ہے، البتہ فتنوں کے ایام میں اپنے دین کو بچانے کے لیے شہروں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں جا کر رہنے کی اجازت حدیث میں دی گئی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 19)

2 مطلب یہ ہے کہ مومن کامل وہ ہے جو قول وعمل میں اسلام کی تعلیمات کا عمدہ نمونہ ہو اور ان چیزوں سے بچنے والا ہو جن سے اللہ نے اسے روک دیا ہے اور یوں اللہ کی حدوں کو پامال نہیں بلکہ ان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ ایسے ہی کامل مومن خوشخبری کے مستحق ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے قرآن میں ﴿اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کے الفاظ میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اعمال صالحہ کی قدرے تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

3 اس کا شان نزول صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ جب نبی ﷺ کے چچا ابو طالب کا آخری وقت آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس گئے جبکہ ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”چچا جان! لَا إِلٰهَ

لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ ﴿114﴾

کا دشمن ہے تو وہ اس سے بالکل بے تعلق ہو گئے،[1] واقعی ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے[2] ○

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًۢا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮهُمۡ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمۡ مَّا يَتَّقُوۡنَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿115﴾

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بعد میں گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچیں[3] بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ○

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿116﴾

بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، اور تمھارا اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے ○

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ

اللہ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی، جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا

اِلَّا اللّٰہُ پڑھ لیں تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے حجت پیش کر سکوں۔'' ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے مذہب سے انحراف کرو گے؟ (مرتے وقت یہ کیا کرنے لگے ہو؟) تو ابوطالب نے آخری بات یہ کہی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے روک نہیں دیا جائے گا، میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔'' جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:1360) اور آیت ﴿ اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ ﴾ (القصص 28:56) بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب فرمائی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند أحمد:355/5) اور نبی ﷺ نے اپنی مشرک قوم کے لیے جو دعا فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ» ''یا اللہ! میری قوم بے علم ہے، اس کی مغفرت فرما دے۔'' یہ آیت کے منافی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب ان کے لیے ہدایت کی دعا ہے، یعنی وہ میرے مقام و مرتبہ سے ناآشنا ہے، اسے ہدایت سے نواز دے تاکہ وہ مغفرت کی اہل ہو جائے۔ اور زندہ کفار و مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنی جائز ہے۔

1 یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی جب یہ بات واضح ہو گئی کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے اور جہنمی ہے تو انھوں نے اس سے اظہار براءت کر دیا اور اس کے بعد مغفرت کی دعا نہیں کی۔

2 اور ابتدا میں باپ کے لیے مغفرت کی دعا بھی اپنے اسی مزاج کی نرمی اور حلیمی کی وجہ سے کی تھی۔

3 جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے سے روکا تو بعض صحابہ کو جنھوں نے ایسا کیا تھا، یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ایسا کر کے انھوں نے گمراہی کا کام تو نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب تک بچنے والے کاموں

مِنۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ
مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡۚ إِنَّهُۥ بِهِمۡ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿117﴾
وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُواْ حَتَّىٰٓ إِذَا
ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلۡأَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ

ساتھ دیا، [1] اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ [2] پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے ○ اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔ [3] یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان

کی وضاحت نہیں فرمادیتا، اس وقت تک اس پر مؤاخذہ بھی نہیں فرماتا نہ اسے گمراہی قرار دیتا ہے، البتہ جب ان کاموں سے نہیں بچتا جن سے روکا جاچکا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے، اس لیے جن لوگوں نے اس حکم سے قبل اپنے فوت شدہ مشرک رشتے داروں کے لیے مغفرت کی دعائیں کی ہیں ان سے مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ انھیں مسئلے کا اس وقت علم ہی نہیں تھا۔

1 جنگ تبوک کے سفر کو ''تنگی کا وقت'' قرار دیا، اس لیے کہ ایک تو موسم سخت گرمی کا تھا۔ دوسرے، فصلیں تیار تھیں۔ تیسرے، سفر خاصا لمبا تھا اور چوتھے، وسائل کی بھی کمی تھی۔ اسی لیے اسے جَيْشُ الْعُسْرَةِ (تنگی کا لشکر) کہا جاتا ہے۔ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی، توبہ قبول فرمائی۔'' توبہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پہلے گناہ یا غلطی کا ارتکاب ہو۔ اس کے بغیر بھی رفع درجات کے لیے توبہ ہوتی ہے۔ یہاں مہاجرین وانصار کے اس پہلے گروہ کی توبہ اسی مفہوم میں ہے جنھوں نے بلاتامل (سوچے سمجھے بغیر) نبی ﷺ کے حکم جہاد پر لبیک کہا۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ کچھ لغزشیں اور غیر شعوری کوتاہیاں ان سے سرزد ہو گئی ہوں، اس لیے توبہ کا ذکر فرمایا اور نبی ﷺ کو ملانے سے غرض ان صحابۂ کرام کی عظمت و مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر اللباب)

2 یہ اس دوسرے گروہ کا ذکر ہے جسے مذکورہ وجوہ سے ابتداءً تردد ہوا۔ لیکن پھر جلد ہی وہ اس کیفیت سے نکل آیا اور بخوشی جہاد میں شریک ہوا۔ دلوں میں تزلزل سے مراد دین کے بارے میں کوئی تزلزل یا شبہ نہیں ہے بلکہ مذکورہ دنیاوی اسباب کی وجہ سے شریک جہاد ہونے میں جو تذبذب اور تردد تھا، وہ مراد ہے۔

3 ﴿خُلِّفُوْا﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿مُرْجَوْنَ﴾ کا ہے، یعنی جن کا معاملہ مؤخر اور ملتوی کر دیا گیا تھا اور پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ تین صحابہ تھے۔ کعب بن مالک، مُرارہ بن رَبیع اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہم یہ تینوں نہایت مخلص مسلمان تھے۔ اس سے قبل غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ اس غزوۂ تبوک میں صرف تساہلاً شریک نہیں ہوئے۔ بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سوچا کہ ایک غلطی (پیچھے رہنے کی) تو ہو ہی گئی ہے۔ لیکن اب منافقین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹا عذر پیش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے، چنانچہ حاضر خدمت ہو کر اپنی غلطی کا صاف اعتراف کر لیا اور اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نبی ﷺ نے ان کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے گا، تاہم اس دوران میں آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان تینوں افراد سے تعلق قائم رکھنے حتی کہ بات چیت تک کرنے سے روک دیا۔ اور چالیس راتوں کے بعد انھیں حکم دیا

عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾ ع 14 8 3

پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے [1] اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی توبہ کرسکیں۔ [2] بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو [3] ○

مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ

مدینے کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں [4] اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں، [5] یہ اس سبب سے کہ [6] ان کو اللہ کی راہ میں

گیا کہ وہ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں، چنانچہ بیویوں سے بھی جدائی عمل میں آ گئی مزید دس دن گزرے تو توبہ قبول کر لی گئی اور مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (اس واقعے کی پوری تفصیل حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: (صحيح البخاري، حديث: 4418، وصحيح مسلم، حديث: 53-(2769))

1 یہ ان ایام کی کیفیت کا بیان ہے جس سے سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے انھیں گزرنا پڑا۔

2 یعنی پچاس دن کے بعد اللہ نے ان کی آہ وزاری اور توبہ قبول فرمائی۔

3 سچائی ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابہ کی غلطی نہ صرف معاف فرما دی بلکہ ان کی توبہ کو قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾ اس لیے مومنین کو حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تقویٰ (اللہ کا خوف) ہوگا، وہ سچا بھی ہوگا اور جو جھوٹا ہوگا، سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔

4 جنگ تبوک میں شرکت کے لیے چونکہ عام منادی کر دی گئی تھی، اس لیے معذورین، بوڑھے اور دیگر شرعی عذر رکھنے والوں کے سوا، سب کے لیے اس میں شرکت ضروری تھی لیکن پھر بھی جو سُکان مدینہ یا حوالیٔ مدینہ میں سے اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔

5 یعنی یہ بھی ان کے لیے زیبا نہیں کہ خود اپنی جانوں کا تو تحفظ کر لیں اور رسول اللہ ﷺ کی جان کے تحفظ کا انھیں خیال نہ ہو۔ بلکہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے سے زیادہ ان کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

6 ﴿ذٰلِكَ﴾ سے پیچھے نہ رہنے کی علت بیان کی جا رہی ہے، یعنی انھیں اس لیے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ کی راہ میں انھیں جو پیاس، تھکاوٹ اور بھوک پہنچے گی یا ایسے اقدامات، جن سے کافروں کے غیظ و غضب میں اضافہ ہوگا،

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ
الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا
كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿120﴾
وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا
يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ
اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿121﴾
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ
لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ
لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ
15 ع 4 4 اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿122﴾

جو پیاس لگی اور جو تکان پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجب غیظ بنا ہو[1] اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی،[2] ان سب پر ان کے نام نیک کام لکھا گیا، یقیناً اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ○

اور جو کچھ چھوٹا بڑا انھوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے،[3] یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تا کہ اللہ ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے ○

اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تا کہ وہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تا کہ وہ ڈر جائیں ○[4]

اسی طرح دشمنوں کے آدمیوں کو قتل یا ان کو قیدی بناؤ گے، یہ سب کے سب کام عمل صالح لکھے جائیں گے، یعنی عمل صالح صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی مسجد میں یا کسی ایک گوشے میں بیٹھ کر نوافل، تلاوت اور ذکر الٰہی وغیرہ کرے بلکہ جہاد میں پیش آنے والی ہر تکلیف اور پریشانی حتیٰ کہ وہ کارروائیاں بھی جن سے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا ہو یا غیظ بھڑکے، ان میں سے ہر ایک چیز اللہ کے ہاں عمل صالح لکھی جائے گی، اس لیے محض شوق عبادت میں بھی جہاد سے گریز صحیح نہیں، چہ جائیکہ بغیر عذر کے ہی آدمی جہاد سے جی چرائے؟

1 اس سے مراد پیادہ یا گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہو کر ایسے علاقوں سے گزرنا ہے کہ ان کے قدموں کی چاپوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے دشمن کے دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے اور ان کی آتش غیظ بھڑک اٹھے۔

2 ﴿ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا ﴾ (دشمن سے کوئی چیز لیتے ہیں یا ان کی خبر لیتے ہیں) سے مراد، ان کے آدمیوں کو قتل یا قیدی کرتے ہیں یا انھیں شکست سے دوچار کرتے اور مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔

3 پہاڑوں کے درمیان کے میدان اور پانی کی گزرگاہ کو وادی کہتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق وادیاں اور علاقے ہیں، یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی خرچ کرو گے اسی طرح جتنے بھی میدان یا علاقے طے کرو گے، (جہاد میں تھوڑا یا زیادہ سفر کرو گے) یہ سب نیکیاں تمھارے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی جن پر اللہ تعالیٰ اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

4 بعض مفسرین کے نزدیک اس کا تعلق بھی حکم جہاد سے ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی آیات میں جب پیچھے رہنے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿123﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا

اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمھارے آس پاس [1] ہیں اور ان کو تمھارے اندر سختی پانا چاہیے۔ [2] اور یہ یقین رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے ○

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو

والوں کے لیے سخت وعید اور زجر وتوبیخ بیان کی گئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے محتاط ہو گئے اور جب بھی جہاد کا مرحلہ آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ آیت میں انھیں حکم دیا گیا کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہوتا کہ جس میں ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ تبوک میں ضروری تھا) بلکہ ایک گروہ کی ہی شرکت کافی ہے۔ ان کے نزدیک ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا﴾ کا مخاطب پیچھے رہ جانے والا گروہ ہے، یعنی ایک گروہ جہاد پر چلا جائے وَتَبْقٰى طَآئِفَةٌ (یہ محذوف ہوگا) ''اور ایک گروہ پیچھے رہے۔'' جو دین کا علم حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آئیں تو انھیں بھی احکام دین سے آگاہ کر کے انھیں ڈرائیں۔ دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان، اس کی ترغیب اور طریقے کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت یا قبیلے میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑیں اور مدارس ومراکز علم میں جا کر اسے حاصل کریں اور پھر آکر اپنی قوم میں وعظ ونصیحت کریں۔ دین میں تفقہ حاصل کرنے کا مطلب اوامر ونواہی کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ اوامر الٰہی کو بجالا سکے اور نواہی سے دامن کشاں رہے اور اپنی قوم کے اندر بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔

1 اس میں کافروں سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ اَلْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے جزیرۂ عرب میں آباد مشرکین سے قتال کیا، جب ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر اور حضرموت وغیرہ اقالیم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا اور عرب کے سارے قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمایا اور 9 ہجری میں رومیوں سے قتال کے لیے تبوک تشریف لے گئے جو اس وقت بلاد اسلامیہ سے قریب تھا اور اب الحمد للہ یہ سعودی عرب میں شامل ہے۔ اسی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال فرمایا اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔

2 یعنی کافروں کے لیے، مسلمانوں کے دلوں میں نرمی نہیں۔ سختی ہونی چاہیے جیسا کہ ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح 29:48) ''وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔'' صحابہ کی صفت بیان کی گئی۔ اسی طرح ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المآئدة 54:5) ''وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر۔'' اہل ایمان کی صفت ہے۔

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿124﴾

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿125﴾

اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿126﴾

وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ

زیادہ کیا ہے،[1] سو جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں ○[2]

اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے ○[3]

اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں،[4] پھر بھی نہ توبہ کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں ○

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے

---

1 اس سورت میں منافقین کے کردار کی جو نقاب کشائی کی گئی ہے، یہ آیات اس کا بقیہ اور تتمہ ہیں۔ اس میں بتلایا جا رہا ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت یا اس کا کوئی حصہ نازل ہوتا اور ان کے علم میں بات آتی تو وہ استہزا اور مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

2 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو بھی سورت اترتی ہے اس سے اہل ایمان کے ایمان میں ضرور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ایمان کے اضافے پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جس طرح کہ محدثین کا مسلک ہے۔

3 روگ سے مراد نفاق اور آیات الٰہی کے بارے میں شکوک وشبہات ہیں۔ فرمایا: ''البتہ یہ سورت منافقین کو ان کے نفاق اور خبث میں اور بڑھاتی ہے اور وہ اپنے کفر ونفاق میں اس طرح پختہ تر ہو جاتے ہیں کہ انھیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ہے۔'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ ''ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ظالموں کے خسارے میں اضافہ ہی فرماتا ہے۔'' (بنی إسرآء یل 17:82) یہ گویا ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ جس سے لوگوں کے دل ہدایت پاتے ہیں۔ وہی باتیں ان کی ضلالت و ہلاکت کا باعث ثابت ہوتی ہیں جس طرح کسی شخص کا مزاج اور معدہ بگڑ جائے تو وہی غذائیں، جن سے لوگ قوت اور لذت حاصل کرتے ہیں، اس کی بیماری میں مزید بگاڑ اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔

4 ﴿يُفۡتَنُوۡنَ﴾ کے معنی ہیں: آزمائے جاتے ہیں۔ آفت سے مراد یا تو آسمانی آفات ہیں، مثلاً: قحط سالی وغیرہ (مگر یہ بعید ہے) یا جسمانی بیماریاں اور تکالیف ہیں یا غزوات ہیں جن میں شرکت کے موقع پر ان کی آزمائش ہوتی تھی۔ سیاق کلام کے اعتبار سے یہ مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾

ہیں، [1] اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، اس وجہ سے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں ○ [2]

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿128﴾

تمھارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمھاری جنس سے ہیں [3] جن کو تمھاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے [4] جو تمھاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، [5] ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں ○ [6]

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ

پھر اگر وہ روگردانی کریں [7] تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، [8] اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں

---

1 یعنی ان کی موجودگی میں سورت نازل ہوتی جس میں منافقین کی شرارتوں اور سازشوں کی طرف اشارہ ہوتا تو پھر یہ دیکھ کر مسلمان انھیں دیکھ تو نہیں رہے، خاموشی سے کھسک جاتے۔

2 یعنی آیات الٰہی میں غور وتدبر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں کو خیر اور ہدایت سے پھیر دیا ہے۔

3 سورت کے آخر میں مسلمانوں پر نبی ﷺ کی صورت میں جو احسان عظیم فرمایا گیا، اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آپ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ تمھاری جنس، یعنی جنس بشریت سے ہیں (وہ نور یا کچھ اور نہیں) جیسا کہ فسادِ عقیدہ کے شکار لوگ عوام کو اس قسم کے گورکھ دھندے میں پھنساتے ہیں۔

4 عَنَتٌّ ایسی چیزیں جن سے انسان کو تکلیف ہو، اس میں دنیاوی مشقتیں اور اخروی عذاب دونوں آجاتے ہیں۔ اس پیغمبر پر تمھاری ہر قسم کی تکلیف و مشقت گراں گزرتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ ''میں آسان دین حنیفی دے کر بھیجا گیا ہوں۔'' (مسند أحمد:266/5و233/6) ایک اور حدیث میں فرمایا: «إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ» ''بے شک یہ دین آسان ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:39)

5 تمھاری ہدایت اور تمھاری دنیوی واخروی منفعت کے خواہش مند ہیں۔ اور تمھارا جہنم میں جانا پسند نہیں فرماتے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ ''میں تمھیں تمھاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی نار جہنم میں داخل ہوتے ہو۔'' (صحيح البخاري، حديث:6483)

6 یہ آپ کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ صفات کی مظہر ہیں۔ یقیناً آپ صاحب خلق عظیم ہیں۔ ﷺ

7 یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دین رحمت سے۔

8 جو کفر و اعراض کرنے والوں کے مکر و کید سے مجھے بچا لے گا۔

ع 16 7 5

الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾

نے اسی پر بھروسا کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے ○ [1]

اٰيَاتُهَا: 109 (10) سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ (51) رُكُوْعَاتُهَا: 11

سورۂ یونس مکی [2] ہے، اس کی 109 آیات اور 11 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾

الٓرٰ۔ یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں ○ [3]

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢﴾

کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب [4] ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ [5] ملے گا۔ کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے ○ [6]

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بلاشبہ تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

---

1 حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ ...... الْعَظِيْمِ ○﴾ صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہموم (فکر و مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (سنن أبي داود، حديث:5081)

2 یہ سورت مکی ہے، البتہ اس کی دو آیات اور بعض نے تین آیات کو مدنی قرار دیا ہے۔ (فتح القدير)

3 ﴿الْحَكِيْمِ﴾ کتاب، یعنی قرآن مجید کی صفت ہے۔ اس کے ایک تو وہی معنی ہیں جو ترجمے میں اختیار کیے گئے ہیں۔ اس کے اور بھی کئی معنی کیے گئے ہیں، مثلاً: اَلْمُحْكَمُ یعنی حلال و حرام اور حدود و احکام میں محکم (مضبوط) ہے۔ حکیم بمعنی حاکم، یعنی اختلافات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب۔ حکیم بمعنی محکوم فیہ، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔ سارے مفہوم ہی اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

4 ان کے تعجب کرنے پر استفہامِ انکار ہے جس میں توبیخ کا پہلو بھی شامل ہے، یعنی اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی ایک آدمی کو وحی و رسالت کے لیے چن لیا کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ صحیح معنوں میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا تو فرشتہ یا جن ہوتا، اور دونوں ہی صورتوں میں رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا، اس لیے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کی بجائے وحشت محسوس کرتے۔ دوسرے، ان کے لیے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر ہم کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجتے تو پھر وہی اعتراض آتا کہ یہ تو ہماری طرح کا ہی انسان ہے، اس لیے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

5 ﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کا مطلب، جنت، بلند مرتبہ، اجر حسن اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو ایک مومن آگے بھیجتا ہے۔

6 کافروں کو جب انکار کے لیے کوئی اور بات نہیں سوجھتی تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیتے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ۔

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

چھ روز میں پیدا کردیا پھر عرش پر قائم ہوا [1] وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ [2] اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنے والا نہیں، [3] یہی اللہ تمھارا رب ہے سوتم اس کی عبادت کرو، [4] کیا تم پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے ○

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④

تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے، اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، انصاف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ان کے کفر کی وجہ سے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا ○ [5]

---

1 اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 84:7 کا حاشیہ۔

2 یعنی آسمان وزمین کی تخلیق کر کے اس نے ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساری کائنات کا نظم وتدبیر وہ اس طرح کررہا ہے کہ کبھی کسی کا آپس میں تصادم نہیں ہوا، ہر چیز اس کے حکم پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہے۔

3 مشرکین و کفار جو اصل مخاطب تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت بھی صرف انھی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الأنبیآء 28:21) ﴿لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○﴾ (النجم 26:53) ﴿وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ○﴾ (طٰه 109:20) مزید دیکھیے سورۂ سبا 23:34، سورۂ نبا 38:78 اور آیت الکرسی۔

4 یعنی ایسا اللہ جو کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا مدبر و منتظم بھی۔ علاوہ ازیں تمام اختیارات کا بھی کلی طور پر وہی مالک ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

5 اس آیت میں قیامت کے وقوع، بارگاہ الٰہی میں سب کی حاضری، اور جزا و سزا کا بیان ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا جس میں اللہ کے عدل وانصاف کا اہتمام ہوگا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک شخص، جو اللہ کا سخت نافرمان ہوتا ہے، وہ عیش وعشرت اور آرام کی

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤

وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا[1] اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو[2]۔ اللہ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں ○

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥

بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں ○

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں ○

زندگی گزار کر دنیا سے چلا جاتا ہے اور دنیا میں اسے کوئی سزا نہیں ملتی۔ اسی طرح ایک نیک آدمی کو اس کی نیکیوں کی جزا دنیا میں نہیں ملتی۔ قیامت والے دن ہر نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا ملے گی۔ اگر جزا و سزا کا یہ دن نہ ہوتا، تو یقیناً ظلم ہوتا، کہ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا ہی نہ ملتی، جبکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

1 ﴿ضِيَآءً﴾ ضَوْءٌ کے ہم معنی ہے۔ مضاف یہاں محذوف ہے۔ ذَاتَ ضِيَاءٍ وَّالْقَمَرَ ذَا نُوْرٍ، سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنایا۔ یا پھر انھیں مبالغے پر محمول کیا جائے گویا کہ یہ بذات خود ضیا اور نور ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کی تدبیر کے ذکر کے بعد بطور مثال کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کا تعلق تدبیر کائنات سے ہے، جس میں سورج اور چاند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سورج کی حرارت و تپش اور اس کی روشنی کس قدر ناگزیر ہے، اس سے، ہر باشعور آدمی واقف ہے۔ اسی طرح چاند کی نورانیت کا جو لطف اور اس کے فوائد ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ حکماء کا خیال ہے کہ سورج کی روشنی بالذات ہے اور چاند کی نورانیت بالعرض ہے جو سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔ (فتح القدیر) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

2 یعنی ہم نے چاند کی چال کی منزلیں مقرر کر دی ہیں ان منزلوں سے مراد وہ مسافت ہے جو وہ ایک رات اور ایک دن میں اپنی مخصوص حرکت یا چال کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہ 28 منزلیں ہیں۔ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے جس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ چودھویں شب یا چودھویں منزل پر وہ مکمل (بدر کامل) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سکڑنا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں چھپا رہتا ہے۔ اور پھر ہلال بن کر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو، یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی مہینے اور سال بنتے ہیں جن سے

اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ⑧
اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ‌ۚ تَجۡرِىۡ مِنۡ
تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ⑨
دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ
فِيۡهَا سَلٰمٌ‌ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ⑩ ع 1/15/6

ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے ○ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ہدایت کرے گا،[1] نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ○ ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی: ''سبحان اللہ''[2] اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا ''السلام علیکم''[3] اور ان کی اخیر بات یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے ○

وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُمۡ
بِالۡخَيۡرِ لَقُضِىَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ‌ؕ فَنَذَرُ
الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ

اور اگر اللہ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ طالب خیر کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔[4] سو ہم ان لوگوں کو جن کو

تمھیں ہر چیز کا حساب کرنے میں آسانی رہتی ہے، یعنی سال 12 مہینے کا، مہینہ 29، 30 دن کا۔ ایک دن 24 گھنٹے، یعنی رات اور دن کا۔ جو ایام استوا میں 12، 12 گھنٹے اور سردی گرمی میں کم وبیش ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازل قمر سے وابستہ نہیں۔ دینی منافع بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طلوع ہلال سے حج، صیام رمضان، أَشْهُرِ حُرُمْ، عیدین اور دیگر عبادات کی تعیین ہوتی ہے جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

1 اس کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے سبب، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کے لیے پل صراط سے گزرنا آسان فرما دے گا، اس صورت میں یہ ''با'' سَبَبِیَّت کے لیے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کے لیے ایک نور مہیا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ چلیں گے جیسا کہ سورۂ حدید میں اس کا ذکر آتا ہے۔

2 یعنی اہل جنت، اللہ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ''اہل جنت کی زبانوں پر تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہوگا جس طرح سانس الہام کیا جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 18-(2835))، یعنی جس طرح بے اختیار سانس کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد و تسبیح الٰہی کے ترانے رہیں گے۔

3 یعنی ایک دوسرے کو اس طرح سلام کریں گے، نیز فرشتے بھی انھیں سلام عرض کریں گے۔

4 اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح انسان خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے، اللہ کے پیغمبروں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کے اس مطالبے کے مطابق ہم جلدی عذاب بھیج دیتے تو کبھی کے

یَعۡمَهُوۡنَ ﴿11﴾

ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ○

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿12﴾

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا[1] ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لیے اسی طرح خوش نما بنا دیا گیا ہے[2] ○

یہ موت اور ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم مہلت دے کر انھیں پورا موقع دیتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس طرح انسان اپنے لیے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے جنھیں ہم قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لیے اور اپنی اولاد وغیرہ کے لیے بددعائیں کرتا ہے، جنھیں ہم اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے تو ہلاکت مانگ رہا ہے مگر اس کے دل میں ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بددعاؤں کے مطابق انھیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں، تو پھر جلد ہی یہ لوگ موت اور تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''تم اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال اور ماتحتوں کے لیے بددعائیں مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری بددعائیں، اس گھڑی کو پا لیں جس میں اللہ کی طرف سے دعائیں قبول کی جاتی ہیں، پس وہ تمھاری بددعائیں قبول فرما لے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 3009، وسنن أبي داود، حدیث: 1532)

1 یہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے بلکہ بہت سے اللہ کے ماننے والے بھی اس کوتاہی کا عام ارتکاب کرتے ہیں کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہو رہی ہے، دعائیں کی جا رہی ہیں، توبہ و استغفار کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ کڑا وقت نکال دیتا ہے تو پھر بارگاہ الٰہی میں دعا و تضرع سے بھی غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ نے ان کی دعائیں قبول کر کے انھیں جس ابتلا اور مصیبت سے نجات دی، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق انھیں نصیب نہیں ہوتی۔

2 یہ تزئین عمل بطور آزمائش اور مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، وسوسوں کے ذریعے سے شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور انسان کے اس نفس کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے جو انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ ﴿اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ (یوسف 12:53) ''بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔'' تاہم اس

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جب کہ انھوں نے ظلم کیا، حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے، اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ○ [1]

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭

پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا [2] تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو ○

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں [3] جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجیے۔[4] آپ یوں کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں [5] بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں ○ [6]

کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ یہاں معنی یہ ہوئے کہ ان کے لیے دعا سے اعراض، شکر الٰہی سے غفلت اور شہوات وخواہشات کے ساتھ اشتغال کو مزین کر دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

1 یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح تم بھی ہلاکت سے دوچار ہو سکتے ہو۔

2 ﴿خَلٰٓئِفَ﴾ خَلِيفَةٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: گزشتہ امتوں کا جانشین یا ایک دوسرے کا جانشین۔

3 یعنی جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

4 مطلب یہ ہے کہ یا تو اس قرآن مجید کی جگہ قرآن ہی دوسرا لائیں یا پھر اس میں ہماری حسب خواہش تبدیلی کر دیں۔

5 یعنی مجھ سے دونوں باتیں ممکن نہیں، میرے اختیار ہی میں نہیں۔

6 یہ اس کی مزید تاکید ہے۔ میں تو صرف اسی بات کا پیرو ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کا میں ارتکاب کروں گا تو یوم عظیم کے عذاب سے میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯

آپ یوں کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تم کو اس کی اطلاع دیتا [1] کیونکہ اس سے پہلے تو ایک بڑے حصہ عمر تک میں تم میں رہ چکا ہوں، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے ○ [2]

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰

سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلائے ، یقیناً ایسے مجرموں کو فلاح نہ ہوگی ○

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر [3] ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں [4] اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ [5] آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، [6]

---

1 یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہتا تو میں نہ انھیں پڑھ کر سناتا نہ تمھیں اس کی کوئی اطلاع ہی ہوتی۔ بعض نے ﴿ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ﴾ کے معنی کیے ہیں۔ أَعْلَمَكُمْ بِهِ عَلٰى لِسَانِي کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بابت کچھ نہ بتلاتا۔

2 اور تم بھی جانتے ہو کہ دعوائے نبوت سے قبل چالیس سال میں نے تمھارے اندر گزارے ہیں۔ کیا میں نے کسی استاذ سے کچھ سیکھا ہے؟ اسی طرح تم میری امانت وصداقت کے بھی قائل رہے ہو۔ کیا اب یہ ممکن ہے کہ میں اللہ پر افترا باندھنا شروع کر دوں؟ مطلب ان دونوں باتوں کا یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے نہ میں نے کسی سے سن یا سیکھ کر اسے بیان کیا ہے اور نہ یوں ہی جھوٹ موٹ اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

3 یعنی اللہ کی عبادت سے تجاوز کر کے نہ کہ بالکلیہ اللہ کی عبادت ترک کر کے کیونکہ مشرکین اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے اور غیر اللہ کی بھی۔

4 جبکہ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو بدلہ اور اپنے نافرمانوں کو سزا دینے پر قادر ہو۔

5 یعنی ان کی سفارش سے اللہ ہماری ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ ہماری بگڑی بنا دیتا ہے یا ہمارے دشمن کی بنی ہوئی بگاڑ دیتا ہے، یعنی مشرکین بھی اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان کو نفع وضرر میں مستقل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

6 یعنی اللہ کو تو اس بات کا علم نہیں کہ اس کا کوئی شریک بھی ہے یا اس کی بارگاہ میں سفارشی بھی ہوں گے؟ گویا یہ

وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ○ [1]

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲

اور تمام لوگ ایک ہی امت کے تھے پھر انھوں نے اختلاف پیدا کر لیا [2] اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا ○ [3]

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ⑳

ع 2 10 7

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی؟ [4] سو آپ فرما دیجیے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے [5] سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں ○

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ

اور جب ہم لوگوں کو اس امر کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت

مشرکین اللہ کو خبر دیتے ہیں کہ تجھے کو خبر نہیں۔ لیکن ہم تجھے بتلاتے ہیں کہ تیرے شریک بھی ہیں اور سفارشی بھی ہیں جو اپنے عقیدت مندوں کی سفارش کریں گے۔

1 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کی یہ باتیں بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے۔

2 یعنی یہ شرک، لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے پہل اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تمام لوگ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقے پر تھے اور وہ اسلام ہے جس میں توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے پہلے تمام لوگ اسی توحید پر قائم رہے، قوم نوح نے اختلاف کر کے شرک شروع کیا، چنانچہ لوگوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا شروع کر دیا۔

3 یعنی اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دینا ہے، اسی طرح اس نے مخلوق کے لیے ایک وقت موعود کا تعین نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ان کے مابین اختلافات کا فیصلہ اور مومنوں کو سعادت مند اور کافروں کو عذاب ومشقت میں مبتلا کر چکا ہوتا۔

4 اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح معجزہ ہے، جیسے قوم ثمود کے لیے اونٹنی کا ظہور ہوا۔ ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا یا مکے کے پہاڑوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نہریں اور باغات بنانے کا یا اور اس قسم کا کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلایا جائے۔

5 یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی خواہشات کے مطابق وہ معجزے تو ظاہر کر کے دکھلا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو وہ فوراً ہلاک کر دیتا ہے، اس لیے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ کسی قوم کے لیے اس کی خواہشات کے مطابق معجزے ظاہر کر دینا، اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اس بات کا علم بھی صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزے اگر ان کو نہ دکھائے گئے تو انھیں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسی لیے آگے فرمایا: ”تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔“

مَسَّتۡهُمۡ اِذَا لَهُمۡ مَّكۡرٌ فِيۡۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَكۡرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡكُرُوۡنَ ﴿21﴾

پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں [1] تو وہ فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں چالیں چلنے لگتے ہیں، [2] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ چال چلنے میں تم سے زیادہ تیز ہے، [3] بالیقین ہمارے فرشتے تمھاری سب چالوں کو لکھ رہے ہیں ○

هُوَ الَّذِيۡ يُسَيِّرُكُمۡ فِي الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنۡتُمۡ فِي الۡفُلۡكِ ۚ وَجَرَيۡنَ بِهِمۡ بِرِيۡحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِيۡحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِيۡطَ بِهِمۡ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَيۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ

وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے، [4] یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں، ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب گھر گئے، [5] (اس وقت)

---

1 مصیبت کے بعد نعمت کا مطلب ہے تنگی، قحط سالی اور آلام و مصائب کے بعد رزق کی فراوانی، اسباب معیشت کی ارزانی، صحت و عافیت اور فراغت و خوش حالی وغیرہ۔

2 اس کا مطلب ہے کہ وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر اور ان پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی یہ ان کی وہ بری تدبیر ہے جو وہ اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں۔

3 یعنی اللہ کی تدبیر، ان سے کہیں زیادہ تیز ہے جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہے، وہ جب چاہے ان کی گرفت کر سکتا ہے، فوراً ابھی اور اگر اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہو تو بعد میں بھی۔ ﴿مَّكۡرٌ﴾ عربی زبان میں لغوی لحاظ سے شر والی خفیہ تدبیر اور حکمت عملی کو کہتے ہیں لیکن فاعل اور مقصد کے اعتبار سے اچھی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ مکر کی نسبت اللہ کی طرف ہو جائے تو اس کا مطلب اچھی خفیہ تدبیر ہے۔ یہاں اللہ کی عقوبت اور گرفت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

4 ﴿يُسَيِّرُكُمۡ﴾ وہ تمھیں چلاتا یا چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ ''خشکی میں'' یعنی اس نے تمھیں قدم عطا کیے جن سے تم چلتے ہو، سواریاں مہیا کیں جن پر سوار ہو کر دور دراز کے سفر کرتے ہو۔ ''اور سمندر میں'' یعنی اللہ نے تمھیں کشتیاں اور جہاز بنانے کی عقل اور سمجھ دی، تم نے وہ بنائیں اور ان کے ذریعے سے سمندروں کا سفر کرتے ہو۔

5 ﴿اُحِيۡطَ بِهِمۡ﴾ کا مطلب ہے، جس طرح دشمن کسی قوم یا شہر کا احاطہ، یعنی محاصرہ کر لیتا ہے اور پھر وہ دشمن کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں، اسی طرح وہ جب سخت ہواؤں کے تھپیڑوں اور تلاطم خیز موجوں میں گھر جاتے ہیں اور موت ان کو سامنے نظر آتی ہے۔

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿22﴾

سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں [1] کہ اگر تو ہم کو اس سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے ○

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

پھر جب اللہ ان کو بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں [2] اے لوگو! یہ تمھاری سرکشی تمھارے لیے وبال ہونے والی ہے [3] دنیاوی زندگی

---

1 یعنی پھر وہ دعا میں غیر اللہ کی ملاوٹ نہیں کرتے جس طرح عام حالات میں کرتے ہیں۔ عام حالات میں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ بھی اللہ کے بندے ہیں، انھیں بھی اللہ نے اختیارات سے نواز رکھا ہے اور انھی کے ذریعے سے ہم اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں لیکن جب اس طرح شدائد میں گھر جاتے ہیں تو یہ سارے شیطانی فلسفے بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ یاد رہ جاتا ہے اور پھر صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی فطرت میں اللہ واحد کی طرف رجوع کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہو کر اس جذبے یا فطرت کو دبا دیتا ہے لیکن مصیبت میں یہ جذبہ ابھر آتا ہے اور یہ فطرت عود کر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توحید، فطرت انسانی کی آواز اور اصل چیز ہے جس سے انسان کو انحراف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے انحراف فطرت سے انحراف ہے جو سراسر گمراہی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مشرکین جب اس طرح مصائب میں گھر جاتے تو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کی بجائے، صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے، چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کے بارے میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آ گئی جس پر ملاح نے کشتی میں سوار لوگوں سے کہا کہ آج اللہ واحد سے دعا کرو، تمھیں اس طوفان سے اس کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے۔ اور یہی بات محمد (ﷺ) کہتے ہیں، چنانچہ انھوں نے فیصلہ کر لیا اگر یہاں سے میں زندہ بچ کر نکل گیا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کر لوں گا، چنانچہ یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ (سنن النسائي، حديث:4072، وسنن أبي داود، حديث:2683 وذكره الألباني في الصحيحة، حديث:1723) لیکن افسوس! امت محمدیہ کے عوام اس طرح شرک میں پھنسے ہوئے ہیں کہ شدائد و آلام میں بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے، فوت شدہ بزرگوں کو ہی مشکل کشا سمجھتے اور انھی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ آہ! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا

2 یہ انسان کی اسی ناشکری کی عادت کا ذکر ہے جس کا تذکرہ ابھی آیت:12 میں بھی گزرا، اور قرآن میں اور بھی متعدد مقامات پر اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

3 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم یہ ناشکری اور سرکشی کر لو، چار روزہ متاع زندگی سے فائدہ اٹھا کر بالآخر تمھیں ہمارے ہی

فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿23﴾

کے (چند) فائدے ہیں، پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمھارا کیا ہوا تم کو بتلا دیں گے ○

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿24﴾

پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات، جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہوکر نکلی، یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے۔ تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کردیا[1] کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں ○

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿25﴾

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے ○

لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿26﴾

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں بھی[2] اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

پاس آنا ہے، پھر ہم تمھیں، جو کچھ تم کرتے رہے ہوگے، بتلائیں گے، یعنی ان کو سزا دیں گے۔

1 ﴿حَصِيۡدًا﴾ فعیل بمعنی مفعول ہے أَيْ مَحْصُودًا یعنی ایسی کھیتی جسے کاٹ کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہو اور کھیت صاف ہو گیا ہو۔ دنیا کی زندگی کو اس طرح کھیتی سے تشبیہ دے کر اس کے عارضی پن اور ناپائیداری کو واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی بھی بارش کے پانی سے نشوونما پاتی اور سرسبز و شاداب ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اسے کاٹ کر فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

2 اس ﴿زِيَادَةٌ﴾ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن حدیث میں اس کی تفسیر دیدار باری تعالیٰ سے کی گئی ہے جس سے اہل جنت کو جنت اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد مشرف کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث:181)

وَالَّذِيۡنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثۡلِهَا ۙ وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿27﴾

اور جن لوگوں نے بدکام کیے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی [1] اور ان پر ذلت چھائے گی، ان کو اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ [2] گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیے گئے ہیں۔ [3] یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا مَكَانَكُمۡ اَنۡتُمۡ وَشُرَكَآؤُكُمۡ ۚ فَزَيَّلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿28﴾

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے [4] پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو [5] پھر ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے [6] اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری

---

1 گزشتہ آیت میں اہل جنت کا تذکرہ تھا، اس میں بتلایا گیا تھا کہ انھیں ان کے نیک عملوں کی جزا کئی گنا ملے گی اور پھر مزید دیدار الٰہی سے نوازے جائیں گے۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ملے گا۔ ﴿السَّيِّاٰتِ﴾ سے مراد کفر و شرک اور اس کے ساتھ دیگر معاصی ہیں۔

2 جس طرح کہ اہل ایمان کو بچانے والا اللہ تعالیٰ ہو گا وہ انھیں اس روز اپنے فضل خاص سے نوازے گا۔ علاوہ ازیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو بھی شفاعت کی اجازت دے گا جن کی شفاعت وہ قبول فرمائے گا۔

3 یہ مبالغہ ہے کہ ان کے چہرے اتنے سخت سیاہ ہوں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے چہرے تر و تازہ اور روشن ہوں گے جس طرح سورۂ آل عمران 106:3 ﴿يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ﴾. سورۂ عبس 80:38-41 اور سورۂ قیامہ 75:22-24 میں ہے۔

4 ﴿جَمِيۡعًا﴾ سے مراد شروع سے آخر تک کے تمام اہل زمین انسان اور جنات ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا۔ جس طرح کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ○﴾ (الکہف 18:47) ''ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

5 ان کے مقابلے میں اہل ایمان کو دوسری طرف کر دیا جائے گا، یعنی اہل ایمان اور اہل کفر و شرک دونوں کو الگ الگ ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا، جیسے فرمایا: ﴿وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ○﴾ (یٰسٓ 36:59) ﴿يَوۡمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ○﴾ (الروم 30:43) ''اس دن لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔'' یعنی دو گروہوں میں۔ أَيْ يَصِيرُونَ صِدْعَيْنِ (ابن کثیر) ''لوگ دو گروہوں میں ہو جائیں گے۔''

6 یعنی دنیا میں ان کے درمیان آپس میں جو خصوصی تعلق تھا، وہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ ایک دوسرے کے دشمن بن

عبادت نہیں کرتے تھے ○

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿29﴾

سو ہمارے تمھارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر، کہ ہم کو تمھاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ○ [1]

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿30﴾ ع

النصف 3 ع 10 8

اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کیے ہوئے کاموں کی جانچ کر لے گا [2] اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھا کرتے تھے سب ان سے غائب ہو جائیں گے ○ [3]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿31﴾

آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ

جائیں گے اور ان کے معبودین اس بات کا انکار کریں گے کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے، ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے۔

1 یہ انکار کی وجہ ہے کہ ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہیں، تم کیا کچھ کرتے تھے اور ہم جھوٹ بول رہے ہوں تو ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ کافی ہے، اس کی گواہی کے بعد کسی اور ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ مشرکین جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے، وہ محض پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں (جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کو جائز ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات تو بتوں کے لیے ہیں) بلکہ وہ عقل و شعور رکھنے والے افراد ہی ہوتے تھے جن کے مرنے کے بعد لوگ ان کے مجسمے اور بت بنا کر پوجنے شروع کر دیتے تھے۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے جس کی تصریح صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد، انسان کتنا بھی نیک ہو حتیٰ کہ نبی و رسول ہو، اسے دنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے متبعین اور عقیدت مند اسے مدد کے لیے پکارتے ہیں، اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں، اس کی قبر پر میلے ٹھیلے کا انتظام کرتے ہیں لیکن وہ بے خبر ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا انکار ایسے لوگ قیامت والے دن کریں گے۔ یہی بات سورۂ احقاف 46:5،6 میں بھی بیان کی گئی ہے۔

2 یعنی جان لے گا یا مزہ چکھ لے گا۔

3 یعنی کوئی معبود اور ''مشکل کشا'' وہاں کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کی مشکل کشائی پر قادر نہیں ہوگا۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿32﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿34﴾

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى

''اللہ''[1] تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ ○
سو یہ ہے اللہ جو تمھارا رب حقیقی ہے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھیرے جاتے ہو؟ ○[2]
اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے، تمام فاسق لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے ○[3]
آپ یوں کہیے کہ کیا تمھارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی پیدا کرے، آپ خود ہی کہیے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ ○[4]
آپ کہہ دیجیے کہ تمھارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا

---

1 اس آیت سے بھی واضح ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی مالکیت، خالقیت، ربوبیت اور اس کے مدبر الامور ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ اس کی الوہیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم کا ایندھن قرار دیا۔ آج کل کے بہت سے مدعیان ایمان بھی اسی توحید الوہیت کے منکر ہیں۔ ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾. (هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى)

2 یعنی رب اور الٰہ (معبود) تو یہی ہے جس کے بارے میں تمھیں خود اعتراف ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور مدبر وہی ہے، پھر اس معبود کو چھوڑ کر جو تم دوسرے معبود بنائے پھرتے ہو، وہ گمراہی کے سوا کیا ہے؟ تمھاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟ تم کہاں پھرے جاتے ہو؟

3 یعنی جس طرح یہ مشرکین تمام تر اعتراف کے باوجود اپنے شرک پر قائم ہیں اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اسی طرح تیرے رب کی یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ یہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو ہدایت اور ایمان انھیں کس طرح نصیب ہو سکتا ہے؟ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○﴾ (الزمر 39:71) ''لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔''

4 مشرکین کے شرک کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے لیے ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتلاؤ جنھیں تم اللہ کا شریک گردانتے ہو، کیا انھوں نے اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے؟ یا دوبارہ اسے پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ پہلی مرتبہ بھی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور روز قیامت دوبارہ وہی سب کو زندہ کرے گا تو پھر تم ہدایت کا راستہ چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو؟

الۡحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَقِّ ؕ اَفَمَنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَقِّ اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى‌ ۚ فَمَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ﴿35﴾

راستہ بتاتا ہو؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے۔[1] تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے،[2] پس تم کو کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ ○[3]

وَمَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا‌ ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡـئًا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿36﴾

اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں۔ یقیناً گمان، حق کی معرفت میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا[4] یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے ○[5]

وَمَا كَانَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ اَنۡ يُّفۡتَـرٰى مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ تو (ان کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں[6] اور سب کتابوں کی

---

1 یعنی بھٹکے ہوئے مسافرین راہ کو راستہ بتانے والا اور دلوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ان کے شرکاء میں سے کوئی ایسا نہیں جو یہ کام کر سکے۔

2 یعنی پھر پیروی کے لائق کون ہے؟ وہ شخص جو دیکھتا سنتا اور لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟ یا وہ جو اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے خود راستے پر چل بھی نہیں سکتا، جب تک کہ دوسرے لوگ اسے راستے پر نہ ڈال دیں یا ہاتھ پکڑ کر نہ لے جائیں؟

3 یعنی تمھاری عقلوں کو کیا ہوگیا ہے؟ تم کس طرح اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر ٹھہرائے جا رہے ہو؟ اور اللہ کے ساتھ تم دوسروں کو بھی شریک عبادت بنا رہے ہو؟ جبکہ ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبود مانا جائے اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے لیے خاص مانی جائیں۔

4 لیکن بات یہ ہے کہ لوگ محض اٹکل پچو باتوں پر چلنے والے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلے میں اوہام وخیالات اور ظن وگمان کی کوئی حیثیت نہیں۔قرآن میں ظن، یقین اور گمان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔

5 یعنی اس ہٹ دھرمی کی وہ سزا دے گا کہ دلائل نہ رکھنے کے باوجود، یہ محض اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ کے پیچھے لگے رہے اور عقل وفہم سے ذرا کام نہ لیا۔

6 جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل فرمائی تھیں۔

مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿37﴾ قف

تفصیل بیان کرنے والا ہے،[1] اس میں کوئی بات شک کی نہیں[2] کہ رب العالمین کی طرف سے ہے ○[3]

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿38﴾

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے ہو ○[4]

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿39﴾

بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے۔[5] اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں[6] جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح انھوں نے بھی جھٹلایا تھا، سو دیکھ لیجیے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ ○[7]

---

1 یعنی حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تفصیل بیان کرنے والا۔

2 اس کی تعلیمات میں، اس کے بیان کردہ قصص و واقعات میں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں۔

3 یہ سب باتیں واضح کرتی ہیں کہ یہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو ماضی اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔

4 ان تمام حقائق و دلائل کے بعد بھی اگر تمھارا دعویٰ یہی ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا گھڑا ہوا ہے، تو وہ بھی تمھاری ہی طرح کا ایک انسان ہے، تمھاری زبان بھی اسی کی طرح عربی ہے۔ وہ تو ایک ہے، تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم دنیا بھر کے ادیبوں، فصحاء و بلغاء کو اور اہل علم و اہل قلم کو جمع کر لو اور اس قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل بنا کر پیش کر دو۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج تک باقی ہے، اس کا جواب نہیں ملا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن، کسی انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فی الواقع کلام الٰہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اترا ہے۔

5 یعنی قرآن پر تدبر اور اس کے معانی پر غور کیے بغیر اس کی تکذیب پر تل گئے جس طرح مقلدین کا حال ہوتا ہے۔

6 یعنی قرآن نے جو پچھلے واقعات اور مستقبل کے امکانات بیان کیے ہیں، اس کی پوری سچائی اور حقیقت بھی ان پر واضح نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہی تکذیب شروع کر دی یا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے قرآن پر کماحقہ تدبر کیے بغیر ہی اس کی تکذیب کر دی حالانکہ اگر وہ صحیح معنوں میں اس پر تدبر کرتے اور ان امور پر غور کرتے جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یقیناً اس کے فہم اور معانی کے دروازے ان پر کھل جاتے۔ اس صورت میں تاویل کے معنی، قرآن کریم کے اسرار و معارف اور لطائف و معانی کے واضح ہو جانے کے ہوں گے۔

7 یہ ان کفار و مشرکین کو تنبیہ و تہدید ہے۔ کہ تمھاری طرح پچھلی قوموں نے بھی آیات الٰہی کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یُّؤۡمِنُ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿40﴾ ع 10/9

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے ○ [1]

وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّیۡ عَمَلِیۡ وَلَكُمۡ عَمَلُكُمۡ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿41﴾

اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا عمل اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمھارے عمل سے بری ہوں ○ [2]

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡكَ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿42﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگائے بیٹھے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو؟ ○ [3]

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّنۡظُرُ اِلَیۡكَ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِی الۡعُمۡیَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿43﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کو تک رہے ہیں۔ پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو؟ ○ [4]

کا کیا انجام ہوا؟ اگر تم اس تکذیب سے باز نہ آئے تو تمھارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

1 وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے؟ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ اور گمراہی کا مستحق کون ہے؟ اس کے لیے گمراہی کا راستہ چوپٹ کھول دیتا ہے۔ وہ عادل ہے، اس کے کسی کام میں ظلم کا شائبہ نہیں۔ جو جس بات کا مستحق ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ چیز اس کو عطا کر دیتا ہے۔

2 یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو پھر آپ یہ کہہ دیں کہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے، سو وہ میں کر چکا ہوں۔ اب نہ تم میرے عمل کے ذمے دار ہو، نہ میں تمھارے عمل کا۔ سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے یا برے عمل کی باز پرس ہوگی۔ یہ وہی بات ہے جو ﴿قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ○ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ○﴾ (اَلۡكٰفِرُون 2,1:109) میں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں کہی تھی: ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرۡنَا بِكُمۡ﴾ (الممتحنة 4:60) ”بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بھی ہم تمھارے ساتھ انکار کرتے ہیں۔“

3 یعنی ظاہری طور پر وہ قرآن تو سنتے ہیں لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں، اس لیے انھیں اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب بہرا غیر عاقل بھی ہو کیونکہ عقل مند بہرہ پھر بھی اشاروں سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ان کی مثال تو غیر عاقل بہرے کی طرح ہے جو بالکل ہی بے بہرہ رہتا ہے۔

4 اسی طرح بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں لیکن مقصد ان کا بھی چونکہ کچھ اور ہوتا ہے، اس لیے انھیں بھی اس طرح

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿44﴾

یہ یقینی بات ہے کہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ○ [1]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿45﴾

اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ ان کو جمع کرے گا کہ گویا وہ (دنیا میں) سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے [2] اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کو کھڑے ہوں [3]۔ واقعی خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے ○

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ

اور جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے

کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک اندھے کو نہیں ہوتا۔ بالخصوص وہ اندھا جو بصارت کے ساتھ بصیرت سے بھی محروم ہو کیونکہ بعض اندھے جنھیں دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، وہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہونے کے باوجود بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اندھا جو دل کی بصیرت سے بھی محروم ہو۔ مقصد ان باتوں سے نبی ﷺ کی تسلی ہے۔ جس طرح ایک حکیم اور طبیب کو جب معلوم ہو جائے کہ مریض علاج کرانے میں سنجیدہ نہیں اور وہ میری ہدایات اور علاج کی پروا نہیں کرتا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور وہ اس پر اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔

1 یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انھیں ساری صلاحیتوں سے نوازا ہے، آنکھیں بھی دی ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں، کان دیے ہیں جن سے سن سکتے ہیں، عقل و بصیرت دی ہے جن سے حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے وہ حق کا راستہ نہیں اپناتے تو پھر یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے۔

2 یعنی محشر کی سختیاں دیکھ کر انھیں دنیا کی ساری لذتیں بھول جائیں گی اور دنیا کی زندگی انھیں ایسے معلوم ہوگی گویا وہ دنیا میں ایک آدھ گھڑی ہی رہے ہیں۔ ﴿لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا○﴾ (النّٰزعٰت 46:79) ''وہ (دنیا میں) ٹھہرے ہی نہیں مگر دن کا ایک پچھلا حصہ یا اس کا پہلا حصہ۔''

3 محشر میں مختلف حالتیں ہوں گی، جنھیں قرآن میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک وقت یہ بھی ہوگا جب ایک دوسرے کو پہچانیں گے، بعض مواقع ایسے آئیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام دھریں گے، اور بعض موقعوں پر ایسی دہشت طاری ہوگی کہ ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ○﴾ (المؤمنون 101:23)

شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿46﴾

دیں، سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے، پھر اللہ ان کے سب افعال پر گواہ ہے[1] ○

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿47﴾

اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، سو جب ان کا وہ رسول آجاتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے،[2] اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ○

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو ○

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ

آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے تو کسی نفع اور ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔ ہر امت

کہ ''آپس میں ایک دوسرے کی رشتہ داریوں کا پتہ ہوگا اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔''

1 اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم ان کفار کے بارے میں جو وعدہ کر رہے ہیں کہ اگر انھوں نے کفر وشرک پر اصرار جاری رکھا تو ان پر بھی اسی طرح عذاب الٰہی آسکتا ہے۔ جس طرح پچھلی قوموں پر آیا، ان میں سے بعض اگر ہم آپ کی زندگی میں بھیج دیں تو یہ بھی ممکن ہے، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اگر آپ اس سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیے گئے، تب بھی کوئی بات نہیں، ان کافروں کو بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ ان کے سارے اعمال واحوال کی ہمیں اطلاع ہے، وہاں یہ ہمارے عذاب سے کس طرح بچ سکیں گے؟ یعنی دنیا میں تو ہماری مخصوص حکمت کی وجہ سے ممکن ہے کہ عذاب سے بچ جائیں لیکن آخرت میں تو ان کے لیے ہمارے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا کیونکہ قیامت کے وقوع کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہاں اطاعت گزاروں کو ان کی اطاعت کا صلہ اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانی کی سزا دی جائے۔

2 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہر امت میں ہم رسول بھیجتے رہے۔ اور جب رسول اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کر چکتا تو پھر ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتے، یعنی پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے اور دوسروں کو ہلاک کر دیتے کیونکہ ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:15) ''اور ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔'' اور اس فیصلے میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا تھا کیونکہ ظلم تو تب ہوتا جب بغیر گناہ کے ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا بغیر حجت تمام کیے ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا۔ (فتح القدیر) دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی قیامت والے دن ہر امت جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگی تو اس امت میں بھیجا گیا رسول بھی ساتھ ہوگا۔ سب کے اعمال نامے بھی ہوں گے اور فرشتے بھی بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اور یوں ہر امت اور اس کے رسول کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حدیث میں

أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿49﴾

کے لیے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں ○ [1]

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿50﴾

آپ فرما دیجیے کہ یہ تو بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں ○ [2]

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿51﴾

کیا پھر جب وہ آ ہی پڑے گا اس پر ایمان لاؤ گے۔ ہاں اب مانا! [3] حالانکہ تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے ○

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو

آتا ہے کہ امت محمدیہ کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ''ہم اگرچہ سب کے بعد آنے والے ہیں لیکن قیامت کو سب سے آگے ہوں گے، اور تمام مخلوقات سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 22-(856)) (تفسير ابن كثير)

1 یہ مشرکین کے عذاب الٰہی مانگنے پر کہا جارہا ہے کہ میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، چہ جائیکہ کہ میں کسی دوسرے کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں۔ ہاں، یہ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مشیت کے مطابق ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ نے ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے، اس وقت موعود تک وہ مہلت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

تنبیہ: یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ جب افضل الخلائق، سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تو آپ کے بعد انسانوں میں اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجت برآری اور مشکل کشائی پر قادر ہو؟ اسی طرح خود اللہ کے پیغمبر سے مدد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، ''یا رسول اللہ مدد'' اور ''أَغِثْنِي يَا رَسُولَ اللهِ'' وغیرہ الفاظ سے استغاثہ و استعانت کرنا، کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت اور اس قسم کی دیگر واضح تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ یہ شرک کی ذیل میں آتا ہے۔ فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ هٰذَا

2 یعنی عذاب تو ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے جس سے دل نفرت کرتے اور طبیعتیں انکار کرتی ہیں، پھر یہ اس میں کیا خوبی دیکھتے ہیں کہ اسے جلدی طلب کرتے ہیں؟

3 لیکن عذاب آنے کے بعد ماننے کا کیا فائدہ؟

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿52﴾

تو تمھارے کیے کا بدلہ ملا ہے ○

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ
اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿53﴾ ع 5 13 10

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے؟ [1] آپ فرما دیجیے کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی وہ واقعی سچ ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ○

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿54﴾

اور اگر ہر جان کے پاس جس نے ظلم کیا ہے، اتنا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تب بھی اس کو دے کر اپنی جان بچانے لگے [2] اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا ○

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾

یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن بہت سے لوگ علم ہی نہیں رکھتے ○

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿56﴾

وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے [3] ○

---

1 یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ یہ معاد و قیامت اور انسانوں کے مٹی ہو جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا ایک برحق بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجیے کہ تمھارا مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا، اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں کر سکتا، اس لیے یقیناً یہ ہو کر رہے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی نظیر قرآن میں مزید صرف 2 آیتیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ قسم کھا کر معاد کے وقوع کا اعلان کریں۔ (ایک سورۂ سبا 3:34 اور دوسرے سورۂ تغابن 7:64)

2 یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لیے آمادہ ہوگا۔ لیکن وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ مطلب یہ ہے کہ عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

3 ان آیات میں آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ، وعدۂ الٰہی کے برحق ہونے، زندگی اور موت پر اس کے اختیار اور اس کی بارگاہ میں سب کی حاضری کا بیان ہے جس سے مقصد گزشتہ باتوں ہی کی تائید و توضیح ہے کہ جو ذات اتنے اختیارات کی مالک ہے، اس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے؟ اور اس نے حساب کتاب کے لیے جو ایک دن مقرر کیا ہوا ہے، اسے کون ٹال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ ایک دن ضرور

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے [1] اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے [2] اور راہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے ○ [3]

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿58﴾

آپ کہہ دیجیے کہ بس لوگوں کو اللہ کے انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔ [4] وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کرر ہے ہیں ○

آئے گا اور ہر نیک و بد کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔

1 یعنی جو قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ہے۔ وعظ کے اصل معنی ہیں، عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا ترہیب سے۔ اور واعظ کی مثال، طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم وصحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس طرح قرآن بھی ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

2 یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور عقائد حقہ کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ اور کفر و نفاق کی جو گندگی و پلیدی ہوتی ہے، اسے صاف کرتا ہے۔

3 یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ ویسے تو یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انھی کے لیے اسے ہدایت و رحمت قرار دیا گیا ہے، اس مضمون کو قرآن کریم میں (سورۂ بنی اسرائیل 17:82 اور سورۂ حٰمٓ سجدہ 41:44) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ نیز ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○﴾ (البقرۃ 2:2 کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں)

4 خوشی، اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے، یعنی ان کے دلوں میں فرحت اور اطمینان کی کیفیت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوشی کے اظہار کے لیے جلسے جلوسوں کا، چراغاں کا اور اس قسم کے دیگر غلط کاموں اور اسراف بے جا کا اہتمام کرو جیسا کہ آج کل اہل بدعت اس آیت سے ''جشن عید میلاد'' اور اس کی غلط رسوم کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ﴿59﴾

آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمھارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔[1] آپ پوچھیے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا ہی کرتے ہو؟ ○

وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿60﴾ ع

اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے؟[2] واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے[3] لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ○[4]

6 7 11

وَمَا تَكُوۡنُ فِىۡ شَاۡنٍ وَّمَا تَتۡلُوۡا مِنۡهُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ ؕ وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿61﴾

اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتابِ مبین میں ہے ○[5]

---

1 اس سے مراد وہی بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے ناموں پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے جس کی تفصیل سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔

2 یعنی قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان سے کیا معاملہ فرمائے گا۔

3 کہ وہ انسانوں کا دنیا میں فوراً مواخذہ نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی نعمتیں بلاتفریق مومن و کافر، سب کو دیتا ہے۔ یا جو چیزیں انسانوں کے لیے مفید اور ضروری ہیں، انھیں حلال اور جائز قرار دیا ہے، انھیں حرام نہیں کیا۔

4 یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے یا اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں۔

5 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی انسانوں پر اس کی نظر ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۂ انعام 6:59 میں گزر چکا ہے کہ ''اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنھیں وہی

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾

یاد رکھو اللہ کے دوستوں [1] پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں [2] ○

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿63﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ○

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي

ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی [3] اور آخرت میں بھی

جانتا ہے۔ اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے، اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اسی طرح سورۂ انعام 38:6 اور سورۂ ہود 6:11 میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جب واقعہ یہ ہے کہ وہ آسمان وزمین میں موجود اشیاء کی حرکتوں کو جانتا ہے تو وہ انسانوں اور جنوں کی ان حرکات واعمال سے کیوں کر بے خبر رہ سکتا ہے جو اللہ کی عبادت کے مکلّف اور مامور بہ ہیں؟

1 نافرمانوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کا ذکر فرما رہا ہے اور وہ ہیں اولیاء اللہ۔ اولیاء ولی کی جمع ہے، جس کے معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے، وہ سچے اور مخلص مومن جنھوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔ اسی لیے اگلی آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرمائی، جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایمان وتقویٰ ہی اللہ کے قرب کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے، اس لحاظ سے ہر مومن متقی اللہ کا ولی ہے۔ لوگ ولایت کے لیے اظہار کرامت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے بنائے ہوئے ولیوں کے لیے جھوٹی سچی کرامتیں مشہور کرتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کرامت ولایت کے لیے نہ لازم ہے اور نہ اس کے لیے شرط۔ یہ ایک الگ چیز ہے اگر کسی سے کرامت ظاہر ہو جائے تو اللہ کی مشیت ہے، اس میں اس بزرگ کی مشیت شامل نہیں ہے۔ لیکن کسی متقی مومن اور متبع سنت سے کرامت کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کی ولایت میں کوئی شک نہیں۔

2 ﴿خَوْفٌ﴾ کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم ﴿يَحْزَنُوْنَ﴾ کا ماضی سے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انھوں نے زندگی خدا خوفی کے ساتھ گزاری ہوتی ہے، اس لیے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان پر نہیں ہوگا، جس طرح دوسروں کو ہوگا بلکہ وہ اپنے ایمان وتقویٰ کی وجہ سے اللہ کی رحمت وفضل خاص کے امیدوار اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے والے ہوں گے۔ اسی طرح دنیا میں وہ جو کچھ چھوڑ گئے ہوں گے یا دنیا کی لذتیں انھیں حاصل نہ ہو سکی ہوں گی، ان پر انھیں کوئی حزن وملال نہیں ہوگا۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مطلوبہ چیزیں انھیں نہ ملیں، اس پر وہ غم وحزن کا مظاہرہ نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی قضا وتقدیر ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں کوئی کدورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل قضائے الٰہی پر مسرور ومطمئن رہتے ہیں۔

3 دنیا میں خوشخبری سے مراد رؤیائے صادقہ ہیں یا وہ خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ایک مومن کو دیتے ہیں

الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿64﴾

خوش خبری ہے اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے ○

وَ لَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا ؕ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿65﴾ وقف لازم

اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں تمام تر غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ سنتا جانتا ہے ○

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَکَآءَ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿66﴾

یاد رکھو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں کس چیز کی اتباع کر رہے ہیں۔ محض بے سند خیال کی اتباع کر رہے ہیں اور محض اٹکلیں لگا رہے ہیں ○ [1]

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡهِ وَ النَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿67﴾

وہ ایسا ہے جس نے تمھارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے، تحقیق اس میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو سنتے ہیں ○

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿68﴾

وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں [2] اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ [3] تمھارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا

جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

1 یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ محض ظن وتخمین اور رائے وقیاس کی کرشمہ سازی ہے۔ آج اگر انسان اپنے قوائے عقل وفہم کو صحیح طریقے سے استعمال میں لائے تو یقیناً اس پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جس طرح وہ آسمان وزمین کی تخلیق میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسرے کیوں کر اس کے شریک ہو سکتے ہیں؟

2 اور جو کسی کا محتاج نہ ہو، اسے اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اولاد تو سہارے کے لیے ہی ہوتی ہے اور جب وہ سہارے کا محتاج نہیں تو پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت؟

3 جب آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کی ہے تو ہر چیز اسی کی مملوک اور غلام ہوئی، پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اولاد

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾ ط
مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا
الثلثة 7 (10)ع 12 يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾ ع
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ م اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ
يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ
وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ
فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا

تم علم نہیں رکھتے ○
آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں،[1] وہ کامیاب نہ ہوں گے ○[2]
یہ دنیا میں تھوڑا سا نفع اٹھانا ہے پھر ہمارے پاس ان کو آنا ہے پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھائیں گے ○
اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنایئے جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور احکام الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسا ہے۔ تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ

کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جسے کچھ مدد اور سہارے کی ضرورت ہو، نیز اولاد کا ہونا خود محتاجی کی دلیل ہے اور جس کا حکم آسمان و زمین کی ہر چیز پر چلتا ہو، اسے کیا ضرورت لاحق ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اولاد کی ضرورت وہ شخص بھی محسوس کرتا ہے جو اپنے بعد مملوکات کا وارث دیکھنا یا بنانا پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو فنا ہی نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ازلی اور قدیم ہے، اس لیے اللہ کے لیے اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○﴾ (مریم 19: 91,90) ”اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں رحمٰن کی اولاد ہے، قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔“

1 اِفْتِرَاء کے معنی جھوٹی بات کہنے کے ہیں۔ اس کے بعد مزید ”جھوٹ“ کا اضافہ تاکید کے لیے ہے۔

2 اس سے واضح ہے کہ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی، یعنی اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچ جانا ہے محض دنیا کی عارضی خوش حالی، کامیابی نہیں جیسا کہ بہت سے لوگ کافروں کی عارضی خوش حالی سے مغالطے کا اور شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ ”یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش کر لیں پھر ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے۔“ یعنی یہ دنیا کا عیش، آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل اور تھوڑا سا ہے جو شمار میں نہیں۔ اس کے بعد انھیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑے گا، اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کافروں، مشرکوں اور اللہ کے نافرمانوں کی دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقیاں، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ قومیں کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ یہ مادی کامیابیاں، ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہیں جو اسباب ظاہری کے مطابق ہر اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہیں جو اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی طرح محنت کرے گی، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ علاوہ ازیں یہ عارضی کامیابیاں اللہ کے قانون مہلت کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی وضاحت ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿71﴾

کرلو [1] پھر تمھاری تدبیر تمھاری گھٹن کا باعث نہیں ہونی چاہیے۔ [2] پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو ○

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿72﴾

پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا، [3] میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمے ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں ○ [4]

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾

سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے [5] پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو جانشیں بنایا [6] اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہیے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ڈرائے جا چکے تھے ○

---

1 یعنی جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کی مدد بھی حاصل کرلو، (اگر وہ تمھارے زعم کے مطابق تمھاری مدد کر سکتے ہیں)

2 ﴿غُمَّةً﴾ کے دوسرے معنی ہیں، ابہام اور پوشیدگی، یعنی میرے خلاف تمھاری تدبیر واضح اور غیر مبہم ہونی چاہیے۔

3 کہ جس کی وجہ سے تم یہ تہمت لگا سکو کہ دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو مال و دولت کا اکٹھا کرنا ہے۔

4 حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ گو شرائع مختلف اور مناہج متعدد رہے۔ جیسا کہ آیت: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المآئدۃ 48:5) سے واضح ہے۔ لیکن دین سب کا اسلام تھا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ نمل 44:27 و 91، سورۂ بقرہ 132,131:2، سورۂ یوسف 101:12، سورۂ یونس 84:10، سورۂ اعراف 126:7، سورۂ مائدہ 44:5 و 111 اور سورۂ انعام 163,162:6)

5 یعنی قوم نوح نے تمام تر وعظ و نصیحت کے باوجود تکذیب کا راستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا اور باقی سب کو حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کو بھی غرق کر دیا۔

6 یعنی زمین میں ان بچنے والوں کو پچھلے لوگوں کا جانشین بنایا، پھر انسانوں کی آئندہ نسل انھی لوگوں بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ ان بیٹوں کے نام تھے، حام، سام اور یافث۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿74﴾

پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے [1] پس جس چیز کو انھوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے۔ [2] اللہ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ○ [3]

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿76﴾

پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو، [4] فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ [5] سو انھوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ مجرم قوم تھے ○ [6]
پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے ○ [7]

---

1 یعنی ایسے دلائل و معجزات لے کر آئے جو اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ واقعی یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

2 لیکن یہ امتیں رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں محض اس لیے کہ جب اول اول یہ رسول ان کے پاس آئے تو فوراً بغیر غور و فکر کیے، ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ پہلی مرتبہ کا انکار ان کے لیے مستقل حجاب بن گیا۔ اور وہ یہی سوچتے رہے کہ ہم تو پہلے انکار کر چکے ہیں، اب اس کو کیا ماننا؟ نتیجتاً ایمان سے وہ محروم رہے۔

3 یعنی جس طرح ان گزشتہ قوموں پر ان کے کفر و تکذیب کی وجہ سے مہریں لگتی رہی ہیں اسی طرح آئندہ بھی جو قوم رسولوں کو جھٹلائے گی اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گی، ان کے دلوں پر مہر لگتی رہے گی اور وہ ہدایت سے اسی طرح محروم رہے گی جس طرح گزشتہ قومیں محروم رہیں۔

4 رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے، درآں حالیکہ رسول کے تحت میں وہ بھی آ جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا شمار جلیل القدر رسولوں میں ہوتا ہے، اس لیے خصوصی طور پر ان کا الگ ذکر فرمایا۔

5 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات، بالخصوص نو آیات بینات، جن کا ذکر اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل 17:101 میں کیا ہے، مشہور ہیں۔

6 یعنی چونکہ وہ بڑے بڑے جرائم اور گناہوں کے عادی تھے، اس لیے انھوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے ساتھ بھی استکبار کا معاملہ کیا کیونکہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا اور گناہوں پر اصرار بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی جرأت پیدا کر دیتا ہے۔

7 جب انکار کے لیے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جادو

قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿77﴾

موسیٰ نے کہا: کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمھارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے، حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے ○ [1]

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿78﴾

وہ لوگ کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقے سے ہٹاؤ جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے [2] اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے ○

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿79﴾

اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو ○

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿80﴾

پھر جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ○

فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿81﴾

سو جب انھوں نے ڈالا تو موسیٰ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے، [3] اللہ فسادیوں کا کام درست

ہے، حالانکہ جادو تو سراسر دھوکا اور فریب ہے، انبیاء علیہم السلام کا اس سے کیا تعلق؟

1 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ذرا سوچو تو سہی، حق کی دعوت اور صحیح بات کو تم جادو کہتے ہو، بھلا یہ جادو ہے؟ جادوگر تو کامیاب ہی نہیں ہوتے، یعنی مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے اور ناپسندیدہ انجام سے بچنے میں وہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ اور میں تو اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ کی مدد حاصل ہے اور اس کی طرف سے مجھے معجزات اور آیات بینات عطا کی گئی ہیں مجھے سحر و ساحری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اللہ کے عطا کردہ معجزات کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟

2 یہ منکرین کی دیگر کٹ حجتیاں ہیں جو دلائل سے عاجز آ کر پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہمیں ہمارے آباء واجداد کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو، دوسرے یہ کہ ہمیں جاہ وریاست حاصل ہے، اسے ہم سے چھین کر خود اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس لیے ہم تو کبھی بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے، یعنی تقلید آباء پر اصرار اور دنیوی جاہ و مرتبت کی خواہش نے انھیں ایمان لانے سے روکے رکھا۔ اس کے بعد آگے وہی قصہ ہے کہ فرعون نے ماہر جادوگروں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا جیسا کہ سورۂ اعراف 7:115-126 میں گزرا اور سورۂ طٰہٰ 20:65-70 میں بھی اس کی کچھ تفصیل آئے گی۔

3 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بھلا جھوٹ بھی سچ کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ جادوگروں نے، چاہے وہ اپنے فن

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿82﴾ ع 8 12 13

فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهِمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ‌ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿83﴾

نہیں کرتا۔ ○ [1]

اور اللہ حق کو اپنے فرمان سے [2] ثابت کر دیتا ہے، گو مجرم لوگ برا ہی مانیں ○

پس موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند آدمی ہی ایمان لائے [3] وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف نہ پہنچائے [4] اور یقیناً فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا، اور وہ حد سے بڑھا ہوا تھا ○ [5]

میں کتنے ہی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، جو کچھ پیش کیا، وہ جادو ہی تھا اور نظر کی شعبدہ بازی ہی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پھینکا تو اس نے ساری شعبدہ بازیوں کو آن واحد میں ختم کر دیا۔

1 اور یہ جادوگر بھی مفسدین تھے۔ جنھوں نے محض دنیا کمانے کے لیے جادوگری کا فن سیکھا ہوا تھا اور جادو کے کرتب دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل فساد کو کس طرح سنوار سکتا تھا؟

2 یا کلمات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں میں اتارتا رہا ہے جو پیغمبروں کو وہ عطا فرماتا تھا۔ یا وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کے ہاتھوں سے صادر ہوتے تھے یا اللہ کا وہ حکم ہے جو وہ لفظ کُنۡ سے صادر فرماتا ہے۔

3 ﴿ قَوۡمِهٖ ﴾ کی ضمیر کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ آیت میں ضمیر سے پہلے انھی کا ذکر ہے، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائے۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے، یعنی فرعون کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تو ایک رسول اور نجات دہندہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں انھیں مل گئے اور اس اعتبار سے سارے بنی اسرائیل (سوائے قارون کے) ان پر ایمان رکھتے تھے، اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ ﴿ ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ ﴾ سے مراد فرعون کی قوم سے تھوڑے سے لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ انھی میں سے اس کی بیوی (حضرت آسیہ) بھی ہیں۔

4 قرآن کریم کی یہ صراحت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ فرعون کی قوم میں سے تھے کیونکہ انھی کو فرعون اور اس کے درباریوں اور حکام سے تکلیف پہنچائے جانے کا ڈر تھا۔ بنی اسرائیل، ویسے تو فرعون کی غلامی و محکومی کی ذلت ایک عرصے سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا نہ انھیں اس وجہ سے مزید تکالیف کا اندیشہ تھا۔

5 اور ایمان لانے والے اس کے اسی ظلم و ستم کی عادت سے خوف زدہ تھے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿84﴾

اور موسیٰ نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو ○ [1]

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿85﴾

انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کے واسطے فتنہ نہ بنا ○

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿86﴾

اور ہم کو اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے ○ [2]

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿87﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انھی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو [3] اور نماز کے پابند رہو اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں ○

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ

اور موسیٰ نے عرض کیا: اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (اسی

---

1 بنی اسرائیل، فرعون کی طرف سے جس ذلت و رسوائی کا شکار تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی اس میں کمی نہیں آئی، اس لیے وہ سخت پریشان تھے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انھوں نے یہ تک کہہ دیا، اے موسیٰ! جس طرح تیرے آنے سے پہلے ہم فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے تکلیفوں میں مبتلا تھے، تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں کہا تھا کہ امید ہے کہ میرا رب جلد ہی تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم صرف ایک اللہ سے مدد چاہو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ اعراف 7:128،129) یہاں بھی حضرت موسیٰ نے انھیں تلقین کی کہ اگر تم اللہ کے سچے فرمانبردار ہو تو اسی پر توکل کرو، اس لیے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

2 اللہ پر توکل کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دعائیں بھی کیں۔ اور یقیناً اہل ایمان کے لیے یہ ایک بہت بڑا ہتھیار بھی ہے اور سہارا بھی۔

3 اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ہی مسجدیں بنا لو اور ان کا رخ اپنے قبلے (بیت المقدس) کی طرف کر لو۔ تاکہ تمھیں عبادت کرنے کے لیے باہر کنیسوں وغیرہ میں جانے کی ضرورت ہی نہ رہے، جہاں تمھیں فرعون کے کارندوں کے ظلم و ستم کا ڈر رہتا ہے۔

رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۸۸﴾

واسطے دیے ہیں) کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست ونابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے [1] سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں ○ [2]

قَالَ قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا فَاسۡتَقِیۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم ثابت قدم رہو [3] اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں ○ [4]

---

1 جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم پر وعظ ونصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور اس طرح معجزات دیکھ کر بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی تو پھر ان کے حق میں بددعا فرمائی جسے اللہ نے یہاں نقل فرمایا ہے۔

2 یعنی اگر یہ ایمان لائیں بھی تو عذاب دیکھنے کے بعد لائیں گے جو ان کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔ یہاں ذہن میں یہ اشکال نہیں آنا چاہیے کہ پیغمبر تو ہدایت کی دعا کرتے ہیں نہ کہ ہلاکت کی بددعا، اس لیے کہ دعوت وتبلیغ اور ہر طرح سے اتمام حجت کے بعد جب یہ واضح ہو جائے کہ اب ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے تو پھر آخری چارۂ کار یہی رہ جاتا ہے کہ اس قوم کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اللہ کی مشیت ہی سے پیغمبر کی زبان پر بددعا جاری ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر اپنی قوم کے بارے میں بددعا فرمائی: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا○﴾ (نوح 71:26) ''اے رب زمین پر ایک کافر کو بھی بسا نہ رہنے دے۔'' اس لیے کہ اگر تو ان کو باقی چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور خود ان سے پیدا ہونے والی نسل کافر وفاجر ہوگی۔

3 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اپنی بددعا پر قائم رہنا، چاہے اس کے ظہور میں تاخیر ہو جائے کیونکہ تمھاری دعا تو یقیناً قبول کر لی گئی ہے لیکن ہم اسے عملی جامہ کب پہنائیں گے؟ یہ خالص ہماری مشیت وحکمت پر موقوف ہے، چنانچہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس بددعا کے چالیس سال بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک کی گئی اور بددعا کے مطابق فرعون جب ڈوبنے لگا تو اس وقت اس نے ایمان لانے کا اعلان کیا جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ تم اپنی تبلیغ ودعوت، بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی اور اس کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی جدوجہد جاری رکھو۔

4 یعنی جو لوگ اللہ کی سنت، اس کے قانون، اور اس کی مصلحتوں اور حکمتوں کو نہیں جانتے، تم ان کی طرح مت ہونا بلکہ اب انتظار اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومصلحت کے مطابق جلد یا بدیر اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا کیونکہ وہ

وَجٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ وَجُنُوۡدُهٗ بَغۡیًا وَّعَدۡوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَهُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۰﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا [1] پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادے سے چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا [2] تو کہنے لگا کہ میں اس ذات پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○

آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَکُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۹۱﴾

(جواب دیا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا ○ [3]

فَالۡیَوۡمَ نُنَجِّیۡکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَکَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾ ع 9 10 14

سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں [4] اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ○

وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

1 یعنی سمندر کو پھاڑ کر اس میں خشک راستہ بنا دیا۔ (جس طرح کہ سورۂ بقرہ 2:50 میں گزرا اور مزید تفصیل سورۂ شعراء میں آئے گی) اور تمھیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔

2 یعنی اللہ کے حکم سے معجزانہ طریق پر بنے ہوئے خشک راستے پر، جس پر چل کر موسیٰ اور ان کی قوم نے سمندر پار کیا تھا، فرعون اور اس کا لشکر بھی سمندر پار کرنے کی غرض سے چلنا شروع ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جو میری غلامی سے نجات دلانے کے لیے راتوں رات لے آیا تو اسے دوبارہ قید غلامی میں لایا جائے۔ جب فرعون اور اس کا لشکر اس سمندری راستے میں داخل ہو گیا تو اللہ نے سمندر کو حسب سابق جاری ہو جانے کا حکم دے دیا۔ نتیجتاً فرعون سمیت سب کے سب غرق دریا ہو گئے۔

3 اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اب ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت تو نافرمانیوں اور فساد انگیزیوں میں مبتلا رہا۔

4 جب فرعون غرق ہو گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا، اس نے اس کی لاش کو باہر خشکی پر پھینک دیا جس کا مشاہدہ پھر سب نے کیا۔ مشہور ہے کہ آج بھی یہ لاش مصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿93﴾	اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ سوانھوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔[1] یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ○
فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿94﴾	پھر اگر آپ اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ○[2]
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿95﴾	اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، کہیں آپ خسارہ پانے والوں میں سے نہ ہو جائیں ○[3]
اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾	یقیناً وہ لوگ جن کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے ○

1 یعنی ایک تو اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے آپس میں اختلاف شروع کر دیا، پھر یہ اختلاف بھی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ علم آ جانے کے بعد کیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اختلاف محض عناد اور تکبر کی بنیاد پر تھا۔

2 یہ خطاب یا تو عام انسانوں کو ہے یا پھر نبی ﷺ کے واسطے سے امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کیونکہ نبی ﷺ کو تو وحی کے بارے میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ''جو کتاب پڑھتے ہیں، ان سے پوچھ لیں۔'' کا مطلب ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں، (تورات وانجیل وغیرہ) یعنی جن کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں ان سے اس قرآن کی بابت معلوم کریں کیونکہ ان میں اس کی نشانیاں اور آخری پیغمبر کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

3 یہاں بھی دراصل نبی ﷺ کو مخاطب کر کے امت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تکذیب کا راستہ خسران اور تباہی کا راستہ ہے۔

وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَ لِيۡمَ ﴿97﴾

گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ○ [1]

فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿98﴾

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا سوائے یونس کی قوم کے۔ [2] جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ○ [3]

---

1 یہ وہی لوگ ہیں جو کفر و معصیت الٰہی میں اتنے غرق ہو چکے ہوتے ہیں کہ کوئی وعظ ان پر اثر نہیں کرتا اور کوئی دلیل ان کے لیے کارگر نہیں ہوتی، اس لیے کہ نافرمانیاں کر کر کے قبول حق کی فطری استعداد و صلاحیت کو انھوں نے ختم کر لیا ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں اگر کھلتی ہیں تو اس وقت جب عذاب الٰہی ان کے سروں پر آ جاتا ہے، تب وہ ایمان اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ ﴿فَلَمۡ يَكُ يَنۡفَعُهُمۡ اِيۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا﴾ (المؤمن 40:85) ”جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے انھیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔“

2 لَوۡلَا یہاں تخصیص کے لیے، هَلَّا کے معنی میں ہے، یعنی جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا، ان میں کوئی ایک بستی بھی ایسی کیوں نہ ہوئی جو ایسا ایمان لاتی جو اس کے لیے فائدے مند ہوتا، ہاں صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی ہوئی ہے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو اللہ نے اس سے عذاب دور کر دیا۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ و دعوت سے ان کی قوم متاثر نہیں ہو رہی تو انھوں نے اپنی قوم میں اعلان کر دیا کہ فلاں فلاں دن تم پر عذاب آ جائے گا اور خود وہاں سے نکل گئے۔ جب عذاب بادل کی طرح ان پر امڈ آیا تو وہ بچوں، عورتوں حتیٰ کہ جانوروں سمیت ایک میدان میں جمع ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و انکسار اور توبہ و استغفار شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان سے عذاب ٹال دیا، حضرت یونس علیہ السلام آنے جانے والے مسافروں سے اپنی قوم کا حال معلوم کرتے رہتے تھے، انھیں جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب ٹال دیا ہے تو انھوں نے اپنی تکذیب کے بعد اس قوم میں جانا پسند نہیں کیا بلکہ ان سے ناراض ہو کر وہ کسی اور طرف روانہ ہو گئے جس پر وہ کشتی کا واقعہ پیش آیا (جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔) (فتح القدیر)، البتہ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ قوم یونس ایمان کب لائی؟ عذاب دیکھ کر لائی، جبکہ ایمان لانا نافع نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قانون سے مستثنیٰ کر کے اس کے ایمان کو قبول کر لیا۔ یا ابھی عذاب نہیں آیا تھا، یعنی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم نے قوم یونس کا اِلَّا کے ساتھ جو استثنا کیا ہے وہ پہلی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ

3 قرآن نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے، اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی، اس لیے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًاؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿99﴾

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے،[1] تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں ○

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿100﴾

حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا اللہ کے حکم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اللہ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے ○[2]

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿101﴾

آپ کہہ دیجیے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیاں اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں ○

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿102﴾

سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں آپ فرما دیجیے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○[3]

بعض مفسرین کے خیال میں اخروی عذاب ان سے ختم نہیں کیا گیا۔ لیکن جب قرآن نے یہ وضاحت کر دی کہ دنیوی عذاب ایمان لانے کی وجہ سے ٹالا گیا تھا تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے کیونکہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان کی بنیاد پر ہی ہونا ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس اپنے ایمان پر قائم رہی ہوگی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی، البتہ بصورت دیگر عذاب سے بچنا صرف دنیا کی حد تک ہی ہوگا۔

1 لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ یہ اس کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے جسے مکمل طور پر وہی جانتا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ مشیت الٰہی، جو حکمت بالغہ اور مصلحت راجحہ پر مبنی ہے، اس کی مقتضی نہیں، اس لیے آگے فرمایا کہ آپ لوگوں کو زبردستی ایمان لانے پر کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟ جبکہ آپ کے اندر اس کی طاقت ہے نہ اس کے آپ مکلّف ہی ہیں۔

2 گندگی سے مراد عذاب یا کفر ہے، یعنی جو لوگ اللہ کی آیات پر غور نہیں کرتے، وہ کفر میں ہی مبتلا رہتے ہیں اور یوں عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

3 یعنی یہ لوگ جن پر کوئی دلیل اور دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی، لہذا ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾

10 ع 11 15

پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے، اسی طرح ہمارے ذمے ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں ○

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿104﴾

آپ کہہ دیجیے [1] کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، [2] لیکن ہاں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھاری جان قبض کرتا ہے۔ [3] اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں ○

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿105﴾

اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر (اس) دین کی طرف کر لینا، [4] اور کبھی مشرکوں میں سے نہ ہونا ○

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿106﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے، پھر اگر ایسا کیا تو تم اس وقت ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ○ [5]

ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جائے جس سے پچھلی امتیں گزر چکی ہیں، یعنی اہل ایمان کو بچا کر (جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت ہے) باقی سب کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اگر اسی بات کا انتظار ہے تو ٹھیک ہے، تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔

1 اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ میرا طریقہ اور مشرکین کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

2 یعنی اگر تم میرے دین کے بارے میں شک کرتے ہو، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے اور یہی دین حق ہے نہ کہ کوئی اور، تو یاد رکھو کہ میں ان معبودوں کی کبھی اور کسی حال میں عبادت نہیں کروں گا جن کی تم کرتے ہو۔

3 یعنی موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے جب وہ چاہے تمھیں ہلاک کر سکتا ہے کیونکہ انسانوں کی جانیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

4 ﴿حَنِيْفًا﴾ کے معنی ہیں: یک سو ہونا، یعنی ہر دین کو چھوڑ کر صرف دین اسلام کو اپنانا اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونا۔

5 یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو آپ پکاریں گے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں تو یہ ظلم کا

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿107﴾

اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں، [1] وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کر دے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے ○

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ﴿108﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمھارے پاس حق تمھارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے، [2] اس لیے جو شخص راہِ راست پر آجائے سو وہ اپنے واسطے راہِ راست پر آئے گا [3] اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا [4] اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ○ [5]

ارتکاب ہوگا۔ ظلم کے معنی ہیں: «وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ» ''کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔'' عبادت چونکہ صرف اس اللہ کا حق ہے جس نے تمام کائنات بنائی ہے اور تمام اسباب حیات بھی وہی مہیا کرتا ہے تو اس مستحق عبادت ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، عبادت کا نہایت ہی غلط استعمال ہے، اسی لیے شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی ﷺ کو ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔

1 خیر کو یہاں فضل سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھلائی کا معاملہ فرماتا ہے، اعمال کے اعتبار سے اگرچہ بندے اس کے مستحق نہیں لیکن یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ اعمال سے قطع نظر کرتے ہوئے، انسانوں پر پھر بھی رحم و کرم فرماتا ہے۔

2 حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے جس میں توحید الٰہی اور رسالت محمدیہ پر ایمان نہایت ضروری ہے جیسا کہ اس نکتے کی وضاحت اس سے قبل متعدد مرتبہ کی جا چکی ہے۔

3 یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہوگا جو قیامت والے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا۔

4 یعنی اس کا نقصان اور وبال اسی پر پڑے گا جو قیامت کو جہنم کی آگ میں جلے گا۔ گویا کوئی ہدایت کا راستہ اپنائے گا تو اس سے کوئی اللہ کی طاقت میں اضافہ نہیں ہو جائے گا اور اگر کوئی کفر و ضلالت کو اختیار کرے گا تو اس سے اللہ کی حکومت و طاقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو جائے گا۔ گویا ایمان و ہدایت کی ترغیب اور کفر و ضلالت سے بچنے کی تاکید و ترہیب، دونوں سے مقصد انسانوں ہی کی بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ کی اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔

5 یعنی یہ ذمہ داری مجھے نہیں سونپی گئی ہے کہ میں ہر صورت میں تمھیں مسلمان بنا کر چھوڑوں بلکہ میں تو صرف بشیر اور

وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع 11/6 16

اور آپ اس کی اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجیے [1] یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے ○ [2]

آیاتها 123 (11) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ (52) رکوعاتها 10

سورۂ ہود مکی [3] ہے، اس کی 123 آیات اور 10 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿١﴾

الٓرٰ، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں۔ [4] پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں [5] ایک حکیم

نذیر اور مبلغ اور داعی ہوں۔ میرا کام صرف اہل ایمان کو خوشخبری دینا، نافرمانوں کو اللہ کے عذاب اور اس کے مؤاخذے سے ڈرانا اور اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ کرنا ہے۔ کوئی اس دعوت کو مان کر ایمان لاتا ہے تو ٹھیک ہے، کوئی نہیں مانتا تو میں اس بات کا مکلّف نہیں ہوں کہ اس سے زبردستی منوا کر چھوڑوں۔

1 اللہ تعالیٰ جس چیز کی وحی کرے، اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، جس کا امر کرے، اسے عمل میں لائیں، جس سے روکے، رک جائیں اور کسی چیز میں کوتاہی نہ کریں۔ اور وحی کی اطاعت و اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، مخالفین کی طرف سے جو ایذائیں پہنچیں اور تبلیغ و دعوت کی راہ میں جن دشواریوں سے گزرنا پڑے، ان پر صبر کریں اور ثابت قدمی سے سب کا مقابلہ کریں۔

2 کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے، اس کی قدرت و طاقت بھی وسیع ہے اور اس کی رحمت بھی عام ہے، اس لیے اس سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

3 اس سورت میں بھی ان قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات الٰہی اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں اور اللہ کی زمین سے حرف غلط کی طرح مٹ گئیں اور اوراق تاریخ پر عبرت کا نمونہ بنی موجود ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ (کیا بات ہے) آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے سورۂ ہود، وَاقِعَه، وَالْمُرْسَلَات، عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ اور إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وغیرہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔“ (جامع الترمذي، حديث: 3297، وصحيح جامع الترمذي للألباني: 343/3)

4 یعنی الفاظ و نظم کے اعتبار سے اتنی محکم اور پختہ ہیں کہ ان کی ترکیب اور معنی میں کوئی خلل نہیں۔

5 پھر اس میں احکام و شرائع، مواعظ و قصص، عقائد و ایمانیات اور آداب و اخلاق جس طرح وضاحت اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، پچھلی کتابیں اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

باخبر کی طرف سے ○ [1]

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ ۙ﴿۲﴾

یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ ○

وَّ اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤۡتِ کُلَّ ذِیۡ فَضۡلٍ فَضۡلَہٗ ؕ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ ﴿۳﴾

اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اسی کی طرف متوجہ ہو، وہ تم کو وقتِ مقرر تک اچھا سامان [2] (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو تمھارے لیے ایک بڑے دن [3] کے عذاب کا اندیشہ ہے ○

اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴﴾

تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے ○

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَہُمۡ لِیَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡہُ ؕ اَلَا حِیۡنَ یَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِیَابَہُمۡ ۙ

یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کیے دیتے ہیں تا کہ اپنی باتیں اس (اللہ) سے چھپا سکیں۔ [4] سن رکھو جس وقت

---

1 یعنی اپنے اقوال میں حکیم ہے، اس لیے اس کی طرف سے نازل کردہ باتیں حکمت سے خالی نہیں اور وہ خبیر بھی ہے، یعنی تمام معاملات اور ان کے انجام سے باخبر ہے، اس لیے اس کی باتوں پر عمل کرنے سے ہی انسان برے انجام سے بچ سکتا ہے۔

2 یہاں اس سامان دنیا کو جس کو قرآن نے عام طور پر "متاع غرور" دھوکے کا سامان کہا ہے، یہاں اسے "متاع حسن" قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آخرت سے غافل ہو کر متاع دنیا سے استفادہ کرے گا، اس کے لیے یہ متاع غرور ہے کیونکہ اس کے بعد اسے برے انجام سے دوچار ہونا ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھائے گا، اس کے لیے یہ چند روزہ سامان زندگی متاع حسن ہے کیونکہ اس نے اسے اللہ کے احکام کے مطابق برتا ہے۔

3 بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

4 اس کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، اس لیے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے، تاہم صحیح بخاری (تفسیر سورۂ ہود) میں بیان کردہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غلبۂ حیا کی وجہ سے قضائے حاجت اور بیوی سے ہم بستری کے وقت برہنہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اس لیے ایسے موقعوں پر وہ شرم گاہ کو چھپانے کے لیے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ رات کو اندھیرے میں جب وہ بستروں میں اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے تھے، تو اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا

یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ⑤

وہ اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں تب بھی وہ ان کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے۔ بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں بھی جانتا ہے ○

اوران کی چھپی اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ شرم وحیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اورافراط بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ جس ذات کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں اس سے تو پھر بھی وہ نہیں چھپ سکتے تو پھر اس طرح کے تکلف کا کیا فائدہ؟

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥

زمین میں چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمے ہیں،[1] وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے[2] کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے ○

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦

اللہ ہی وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا[3] تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے،[4] اگر آپ ان سے کہیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ (فوراً) جواب دیں گے کہ یہ تو نرا صاف صاف جادو ہی ہے ○

---

1 یعنی وہ کفیل اور ذمے دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری۔ ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔

2 مُسْتَقَر اور مُسْتَوْدَع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک منتہائے سیر (زمین میں چل پھر کر جہاں اس کے چلنے کی انتہا ہو) مستقر ہے اور جس کو ٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے۔ بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور باپ کی صلب مستودع ہے اور بعض کے نزدیک زندگی میں انسان یا حیوان جہاں رہائش پذیر ہو، وہ اس کا مستقر ہے اور جہاں وفات پا جائے، وہ مستودع ہے۔ (تفسير ابن كثير) امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد زمین پر محلِ استقرار اور مستودع سے مراد رحم مادر یا جو اس کے قائم مقام ہو جیسے انڈا وغیرہ ہے اور مستقر سے مراد زمین کے اوپر استقرار مراد لینے کے لیے انھوں نے آیت کریمہ: ﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○﴾ سے استدلال کیا ہے۔ بہرحال جو بھی مطلب لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے مستقر و مستودع کا علم ہے، اس لیے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے اور ذمے دار ہے اور وہ اپنی ذمے داری پوری کرتا ہے۔

3 یہی بات صحیح احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیر لکھی، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 16-(2653) نیز دیکھیے صحيح البخاري، حديث:3191)

4 یعنی یہ آسمان و زمین یوں ہی عبث اور بلا مقصد نہیں بنائے بلکہ اس سے مقصود انسانوں (اور جنوں) کی آزمائش ہے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے؟

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا: کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے، اس لیے کہ اچھا عمل

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۟ؑ ⑧

اور اگر ہم ان سے عذاب کو گنی چنی مدت تک کے لیے پیچھے ڈال دیں تو وہ ضرور پکار اٹھیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روکے ہوئے ہے، سنو! جس دن وہ ان کے پاس آئے گا پھر ان سے ٹلنے والا نہیں، پھر تو جس کی ہنسی اڑا رہے تھے وہ انھیں گھیر لے گی ○ [1]

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨

اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے اس سے لے لیں تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے ○ [2]

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ

اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی

وہ ہوتا ہے جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا، پھر وہ چاہے کتنا بھی زیادہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ (ابن کثیر)

1 یہاں استعجال (جلد طلب کرنے) کو استہزا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ استعجال، بطور استہزا ہی ہوتا تھا۔ بہر حال مقصود یہ سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، اس کی گرفت کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ (فتح القدیر)

اُمَّةٌ کے مختلف مفہوم: آیت میں اُمَّةٌ کا لفظ آیا ہے۔ یہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اُمٌّ سے مشتق ہے، جس کے معنی قصد کے ہیں۔ یہاں اس کے معنی اس وقت اور مدت کے ہیں جو نزول عذاب کے لیے مقصود ہے۔ (فتح القدیر) سورۂ یوسف کی آیت: 45 ﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ﴾ میں بھی بمعنی مدت و وقت ہے اس کے علاوہ جن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے، ان میں ایک امام و پیشوا ہے، جیسے ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً ﴾ (النحل 16:120) ملت اور دین ہے، جیسے ﴿ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ ﴾ (الزخرف 43:23) جماعت اور طائفہ ہے، جیسے ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ ﴾ (القصص 28:23) ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ ﴾ (الأعراف 7:159) وغیرہ۔ وہ مخصوص گروہ یا قوم ہے، جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہو۔ ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ﴾ (یونس 10:47) اس کو امت دعوت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح پیغمبر پر ایمان لانے والوں کو بھی امت یا امت اتباع یا امت اجابت کہا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

2 انسانوں میں عام طور پر جو مذموم صفات پائی جاتی ہیں اس میں اور اگلی آیت میں ان کا بیان ہے۔ ناامیدی کا

فَخُوْرٌ ﴿10﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿11﴾

رہیں، [1] یقیناً وہ بڑا ہی اترانے والا شیخی خور ہے ○ [2]
سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ انھی لوگوں کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا [3] اجر بھی ○

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ﴿12﴾

پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے آپ کا دل تنگ ہے، صرف ان (کافروں) کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا، سن لیجیے! آپ تو صرف ڈرانے والے ہی ہیں [4] اور ہر چیز کا ذمے دار اللہ ہے ○

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے جواب

تعلق مستقبل سے ہے اور ناشکری کا ماضی و حال سے۔

1 یعنی سمجھتا ہے کہ سختیوں کا دور گزر گیا ہے، اب اسے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

2 یعنی جو کچھ اس کے پاس ہے، اس پر اتراتا اور دوسروں پر فخر و غرور کا اظہار کرتا ہے، تاہم ان صفات مذمومہ سے اہل ایمان اور صاحب اعمال صالحہ مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

3 یعنی اہل ایمان، راحت و فراغت ہو یا تنگی اور مصیبت، دونوں حالتوں میں اللہ کے احکام کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، اس میں اس کے لیے بہتری کا پہلو ہوتا ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر (اجر کا باعث) ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتر (اجر و ثواب کا باعث) ہے یہ امتیاز ایک مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2999) ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ''مومن کو جو بھی فکر و غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اسے کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی غلطیاں معاف فرما دیتا ہے۔'' (مسند أحمد: 4/3) سورۂ معارج کی آیات: 19۔ 22 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

4 مشرکین نبی ﷺ کی بابت کہتے رہتے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا یا اس کی طرف کوئی خزانہ کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔ (الفرقان 25: 7،8) ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا: ''ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ آپ

مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑬

دیجیے کہ پھر تم بھی اس کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو ○[1]

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭

پھر اگر وہ تمھاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟ ○[2]

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ⑮

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا (جاتا) ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں، یعنی دنیا میں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انھیں کوئی کمی نہیں کی جاتی ○

کی بابت جو باتیں کہتے ہیں، ان سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔'' (الحجر 15:97) اس آیت میں انھی باتوں کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ شاید آپ کا سینہ تنگ ہو اور کچھ باتیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں اور وہ مشرکین پر گراں گزرتی ہیں، ممکن ہے آپ وہ انھیں سنانا پسند نہ کریں۔ آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ آپ ہر صورت میں کیے جائیں۔

1 امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بنایا ہوا قرآن ہے تو اس کی نظیر پیش کر کے دکھلا دو اور تم جس کی چاہو، مدد حاصل کر لو لیکن تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ فرمایا: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا○﴾ (بنی إسرآءیل 17:88) ''اعلان کر دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو وہ سب اس کا مثل نہیں لا سکیں گے، گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج دیا کہ پورا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو۔ جیسا کہ اس مقام پر ہے، پھر تیسرے نمبر پر چیلنج دیا کہ چلو ایک سورت بنا کر پیش کر دو جیسا کہ سورۂ یونس کی آیت: 39 اور سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ یونس، آیت: 39 کے تحت)

2 یعنی کیا اس کے بعد بھی کہ تم اس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہو، یہ ماننے کے لیے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، آمادہ نہیں ہو اور نہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو؟

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿16﴾

ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انھوں نے دنیا میں بنایا ہے سب اکارت جائے گا اور جو عمل وہ کرتے رہے سب برباد ہونے والے ہیں ○ [1]

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ

کیا وہ شخص جو اپنے رب کی جانب سے روشن دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ ہو جو اسے پڑھ کر سنائے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوا اور رحمت ہے (اوروں کے برابر ہوسکتا ہے؟) [2]

---

1 یہ دو آیات کفار اور مشرکین کے بارے میں ہیں کیونکہ آخر میں ﴿ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ﴾ ہے، یعنی ان کے لیے آخرت میں آگ ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کفار یہاں دنیا طلبی کے لیے صدقہ، خیرات وغیرہ کرتے ہیں جن کا تعلق رفاہِ عامہ سے ہے انھیں ان کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیا جاتا ہے۔ جبکہ بعض علمائے تفسیر نے ان آیات کو عام مانا ہے اور ان میں منافق اور ریا کار کو بھی شامل کیا ہے کہ ان کے اعمال بھی آخرت میں اکارت جائیں گے۔ واضح رہے کہ اگر اس آیت کو عام رکھا جائے تو ﴿ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ﴾ میں تفصیل کی جائے گی کہ کفار اور منافقین کے لیے تو جہنم کی آگ دائمی ہے جبکہ مسلمان گناہ گار سزا کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے اور بعض کو اللہ تعالیٰ معاف بھی فرما دے گا۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں (سورۂ بنی اسرائیل، آیات: 18-21 اور سورۂ شوریٰ، آیت: 20) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

2 منکرین اور کافرین کے مقابلے میں اہل فطرت اور اہل ایمان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ "اپنے رب کی طرف سے دلیل" سے مراد وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہے الٰہ واحد کا اعتراف اور اسی کی عبادت۔ جس طرح کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں......" (صحيح البخاري، حديث:1359، وصحيح مسلم، حديث:22-(2658)) ﴿ يَتْلُوْهُ ﴾ کے معنی ہیں، اس کے پیچھے، یعنی اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو، گواہ سے مراد قرآن یا محمد ﷺ ہیں جو اس فطرت صحیحہ کی طرف دعوت دیتے اور اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تورات بھی جو پیشوا بھی ہے اور رحمت کا سبب بھی ہے، یعنی یہ کتاب موسیٰ بھی قرآن پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو منکر و کافر ہے اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر قائم ہے، اس پر ایک گواہ (قرآن یا پیغمبر اسلام) بھی ہے، اسی طرح اس سے قبل نازل ہونے والی کتاب تورات، میں بھی اس کے لیے پیشوائی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور وہ ایمان لے آتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہوسکتے ہیں؟ یعنی

فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿17﴾

یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں [1] اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے، [2] پس تو اس میں کسی قسم کے شک میں نہ رہ، یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوتے ○ [3]

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿18﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ [4] یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا، خبردار رہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر ○ [5] جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے

یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک مومن ہے اور دوسرا کافر۔ ایک ہر طرح کے دلائل سے لیس ہے دوسرا بالکل خالی ہے۔

1 یعنی جن کے اندر مذکورہ اوصاف پائے جائیں گے وہ قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں گے۔

2 تمام فرقوں سے مراد روئے زمین پر پائے جانے والے مذاہب ہیں، یہودی، عیسائی، زرتشتی، بدھ مت، مجوسی اور مشرکین و کفار وغیرہ جو بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت کے جس یہودی یا عیسائی نے بھی میرے بارے میں سنا اور پھر مجھ پر ایمان نہیں لایا، وہ جہنم میں جائے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: (153)) یہ مضمون اس سے قبل سورۂ بقرہ، آیت 62 اور سورۂ نساء، آیت 150۔152 میں بھی گزر چکا ہے۔

3 یہ وہی مضمون ہے جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○﴾ (یوسف 12:103) ''تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔'' ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾ (سبا 34:20) ''ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا، مومنوں کے ایک گروہ کے سوا، سب اس کے پیروکار بن گئے۔''

4 یعنی جن کو اللہ نے کائنات میں تصرف کرنے کا یا آخرت میں شفاعت کا اختیار نہیں دیا ہے، ان کی بابت یہ کہا جائے کہ اللہ نے انھیں یہ اختیار دیا ہے۔

5 حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے کہ ''قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن سے اس کے گناہوں کا اقرار و اعتراف کروائے گا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو نے فلاں گناہ بھی کیا تھا، فلاں بھی کیا تھا، وہ مومن کہے گا کہ ہاں، میرے رب، اور یہ بندہ سمجھ بیٹھے گا کہ بس ہلاک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے ان گناہوں پر دنیا میں بھی پردہ

عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲
اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ
وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ
يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا
يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ⑳
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉑
لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ
الْاَخْسَرُوْنَ ㉒
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ㉓
مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ
وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ

وقف لازم

ہیں [1] یہی آخرت کے منکر ہیں ○
نہ یہ لوگ دنیا میں اللہ کو عاجز کر سکے اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے، ان کو دُگنا عذاب دیا جائے گا، نہ یہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے ○ [2]
یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنا نقصان آپ کرلیا اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا جو انھوں نے گھڑ رکھا تھا ○
بیشک یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہوں گے ○
یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے کام بھی نیک کیے اور اپنے پالنے والے کی طرف جھکتے رہے، وہی جنت میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں ○
دونوں فرقوں یعنی مومن اور کافر کی مثال اندھے، بہرے اور دیکھنے، سننے والے جیسی ہے۔ [3] کیا یہ دونوں مثال

ڈالے رکھا تھا، جا آج بھی انھیں معاف کرتا ہوں...... لیکن دوسرے لوگ یا کافروں کا معاملہ ایسا ہوگا کہ انھیں گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ یہ گواہی دیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔'' (صحيح البخاري، حديث:2441)

1 یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے، اس میں کجیاں تلاش کرتے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرتے ہیں۔

2 یعنی ان کا حق سے اعراض اور بغض اس انتہا پر پہنچا ہوا تھا کہ یہ اسے سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کو کان اور آنکھیں تو دی تھیں لیکن انھوں نے ان سے حق کی بات نہ سنی اور نہ دیکھی۔ گویا ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الأحقاف 26:46) ''نہ ان کے کانوں نے انھیں کوئی فائدہ پہنچایا، نہ ان کی آنکھوں اور دلوں نے۔'' کیونکہ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کے دیکھنے سے اندھے بنے رہے، جس طرح کہ وہ جہنم میں داخل ہوتے ہوئے کہیں گے: ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (الملك 10:67) ''اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو آج جہنم میں نہ جاتے۔''

3 پچھلی آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بدبختوں، دونوں گروہوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس

ع 2 16 2 أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿24﴾

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿25﴾
اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿26﴾
فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ
اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ

میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ○
یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمھیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ○
کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو،[1] مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے ○[2]
اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں[3] اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے پنچ[4]

میں دونوں کی مثال بیان فرما کر حقیقت کو مزید واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور دوسرے کی مثال دیکھنے اور سننے والے کی طرح۔ کافر دنیا میں حق کا روئے زیبا دیکھنے سے اندھا تو آخرت میں نجات سے محروم، اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بہرا بنتا ہے، اسی لیے ایسی باتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں۔ اس کے برعکس مومن سمجھ دار، حق کو دیکھنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے، چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے، دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شبہات کا ازالہ کرتا اور باطل سے اجتناب کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِىْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○﴾ (الحشر 59:20) ''جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں۔'' ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا: ''اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اندھیرے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندے اور مردے برابر نہیں۔'' (فاطر 35: 19۔22)

1 یہ وہی دعوت توحید ہے جو ہر نبی نے آکر اپنی اپنی قوم کو دی۔ جس طرح فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○﴾ (الأنبياء 21:25) ''جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔''

2 یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لائے اور اس دعوت توحید کو نہیں اپنایا تو عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکو گے۔

3 یہ وہی شبہ ہے جس کی پہلے کئی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا اجتماع ناممکن اور قابل تعجب تھا، جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول ﷺ سے انکار کرتے ہیں۔

4 حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتدا میں اس کو اپنانے والے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے جنھیں معاشرے میں بے نوا اور کم تر سمجھا جاتا تھا اور صاحب حیثیت اور خوش حال طبقہ اس سے محروم رہتا۔ حتیٰ کہ یہ چیز پیغمبروں کے پیروکاروں کی علامت بن گئی، چنانچہ جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی

الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿27﴾

لوگوں کے [1] اور کوئی نہیں جو بے سوچ سمجھے (تمھاری پیروی کر رہے ہیں)، ہم تو تمھاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے بلکہ ہم تو تمھیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں ○

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿28﴾

نوح نے کہا: میری قوم والو! مجھے بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس سے کوئی رحمت عطا کی ہو، [2] پھر وہ تمھاری نگاہوں میں [3] نہ آئی تو کیا میں زبردستی اسے تمھارے گلے مڑھ دوں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو ○ [4]

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

میری قوم والو! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔ [5] میرا ثواب تو صرف اللہ ہی کے ہاں ہے، نہ میں ایمان

بابت باتیں پوچھیں تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ ''اس کے پیروکار معاشرے کے معزز سمجھے جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟'' تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ''کمزور لوگ۔'' جس پر ہرقل نے کہا ''رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7) قرآن کریم میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خوش حال متکبر طبقہ ہی سب سے پہلے پیغمبروں کی تکذیب کرتا رہا ہے۔ (الزخرف 23:43) اور یہ اہل ایمان کی دنیوی حیثیت تھی جس کے اعتبار سے اہل کفر انھیں حقیر اور کم تر سمجھتے تھے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حق کے پیروکار معزز اور اشراف ہیں چاہے وہ مال و دولت کے اعتبار سے فروتر ہی ہوں اور حق کا انکار کرنے والے حقیر اور بے حیثیت ہیں چاہے وہ دنیوی اعتبار سے مال دار ہی ہوں۔

1 اہل ایمان چونکہ اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے، اس لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موٹی عقل والے ہیں کہ اللہ کا رسول انھیں جس طرف موڑ دیتا ہے، یہ مڑ جاتے ہیں جس چیز سے روک دیتا ہے، رک جاتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی خوبی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے لیکن اہل کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی ''عیب'' ہے۔

2 ﴿ بَيِّنَةٍ ﴾ سے مراد ایمان و یقین ہے اور رحمت سے مراد نبوت۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو سرفراز کیا تھا۔

3 یعنی تم اس کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے، چنانچہ تم نے نہ اس کی قدر پہچانی اور نہ اسے اپنانے پر آمادہ ہوئے بلکہ اس کی تکذیب اور رد کے درپے ہو گئے۔

4 جب یہ بات ہے تو یہ ہدایت و رحمت تمھارے حصے میں کس طرح آ سکتی ہے؟

5 تاکہ تمھارے دماغوں میں یہ شبہ نہ آ جائے کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو دولت دنیا اکٹھا کرنا ہے۔ میں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿29﴾	داروں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں، [1] انھیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو ○ [2]
وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿30﴾	میری قوم کے لوگو! اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کون کر سکتا ہے؟ [3] کیا تم کچھ بھی غور وفکر نہیں کرتے ○
وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿31﴾	میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، (سنو!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمھاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں انھیں اللہ کوئی نعمت دے گا ہی نہیں، [4] ان کے دل میں جو ہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر میں

تو یہ کام صرف اللہ کے حکم پر اور اسی کی رضا کے لیے کر رہا ہوں، وہی مجھے اس کا اجر بھی دے گا۔

1 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے بھی معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو حضرت نوح علیہ السلام سے اپنی مجلس یا اپنے قرب سے دور رکھنے کا مطالبہ کیا تھا، جس طرح رؤسائے مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا مطالبہ کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیات نازل فرمائی تھیں: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ (الأنعام 52:6) ’’اے پیغمبر! ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کرنا جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔‘‘ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾ (الکهف 28:18) ’’اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑے رکھیے! جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں، اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں، آپ کی آنکھیں ان سے (گزر کر کسی اور کی طرف) تجاوز نہ کریں۔‘‘

2 یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا اور پھر انھیں قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا، یہ تمھاری جہالت ہے۔ یہ لوگ تو اس لائق ہیں کہ انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے نہ کہ دور دھتکارا جائے۔

3 گویا ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا، اللہ کے غضب اور ناراضی کا باعث ہے۔

4 بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں ایمان کی صورت میں خیر عظیم عطا کر رکھا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بلند مرتبے سے ہمکنار ہوں گے۔ گویا تمھارا

ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں ہو جائے گا ○ [1]

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿32﴾

(قوم کے لوگوں نے) کہا: اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔ [2] اب اگر تو سچا ہے تو جس چیز سے ہمیں ڈرا دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ ○ [3]

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿33﴾

نوح نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور ہاں تم اسے ہرانے والے نہیں ہو ○ [4]

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿34﴾ؕ

تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، اگر اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو، [5] وہی تم سب کا پروردگار ہے [6] اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

ان کو حقیر سمجھنا ان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں، البتہ تم ہی عند اللہ مجرم ٹھہرو گے کہ اللہ کے نیک بندوں کو، جن کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے، تم حقیر اور فرومایہ سمجھتے ہو۔

1 کیونکہ میں اگر ان کی بابت ایسی بات کہوں گا جس کا مجھے علم نہیں اور اسے صرف اللہ جانتا ہے تو یہ ظلم ہوگا۔

2 لیکن اس کے باوجود ہم ایمان نہیں لائے۔

3 یہ وہی حماقت ہے جس کا ارتکاب گمراہ قومیں کرتی آئی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر سے کہتی رہی ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا کر ہمیں تباہ کروا دے، حالانکہ ان میں عقل ہوتی تو وہ کہتیں کہ اگر تو سچا ہے اور واقعی اللہ کا رسول ہے تو ہمارے لیے بھی دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سینہ بھی کھول دے تاکہ ہم اسے اپنا لیں۔

4 یعنی عذاب کا آنا خالص اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ نہیں ہے کہ جب میں چاہوں، تم پر عذاب آ جائے، تاہم جب اللہ عذاب کا فیصلہ کر لے گا یا بھیج دے گا تو پھر اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

5 اِغْوَاءَ بمعنی اِضْلَال (گمراہ کرنا) ہے، یعنی تمہارا کفر و جحود اگر اس مقام پر پہنچ چکا ہے، جہاں سے کسی انسان کا پلٹ کر آنا اور ہدایت کو اپنا لینا، ناممکن ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمہاری گمراہی اور ہلاکت کا ارادہ کر لیا ہے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو اب اگر میں تمہاری خیر خواہی بھی کرنی چاہوں، یعنی ہدایت پر لانے کی اور زیادہ کوششیں کروں تو یہ کوشش اور خیر خواہی تمہارے لیے مفید نہیں کیونکہ تم گمراہی کے آخری مقام پر پہنچ چکے ہو۔

6 ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ تمہیں تمہارے عملوں کی جزا دے گا۔ نیکوں کو ان کے نیک عمل کی جزا اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ
فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تُجْرِمُوْنَ ﴿35﴾ ع ع 3 11 3
وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ
قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ
بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾ ۚۖ
وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا
تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ
مُّغْرَقُوْنَ ﴿37﴾
وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو ○ [1]

نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی اب ایمان لائے گا ہی نہیں، پس تو ان کے کاموں پر غمگین نہ ہو ○ [2]

اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر [3] اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں ○ [4]

وہ (نوح) کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان

---

1 بعض مفسرین کے نزدیک یہ مکالمہ قوم نوح اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن میرا گھڑا ہوا ہے اور میں اللہ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹا ہوں تو یہ میرا جرم ہے، اس کی سزا میں ہی بھگتوں گا۔ لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو جس سے میں بری ہوں، اس کا بھی تمھیں پتہ ہے؟ اس کا وبال تو مجھ پر نہیں، تم پر ہی پڑے گا، کیا اس کی بھی تمھیں کچھ فکر ہے؟

2 جب نوح علیہ السلام مسلسل ساڑھے نو سو سال دعوت و تبلیغ کرتے رہے لیکن اس کے باوجود قوم کی تکذیب اور ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی یہاں تک کہ مطالبۂ عذاب کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو یہ وحی کی کہ آپ کی قوم میں سے جو ایمان لے آئے وہ تو لے آئے ہیں ان کے بعد اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اور نوح علیہ السلام کو قوم سے کلیتًا مایوس کر دیا تو پھر نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ یارب! زمین پر ایک کافر بھی بسنے والا نہ رہنے دے۔

3 ''ہماری آنکھوں کے سامنے'' اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہیں لیکن اس طرح آنکھیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہیں، یعنی آنکھ ثابت ہے، اس کی کیفیت کا ہمیں پتہ نہیں۔ اور ''ہماری وحی سے'' کا مطلب، اس کے طول وعرض وغیرہ کی جو کیفیات ہم نے بتلائی ہیں، اس طرح اسے بنا۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے کشتی کے طول وعرض، اس کی منزلوں اور کس قسم کی لکڑی اور دیگر سامان اس میں استعمال کیا گیا، اس کی تفصیل بیان کی ہے جو ظاہر بات ہے کہ کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

4 بعض نے اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے کو لیا ہے جو مومن نہیں تھے اور غرق ہونے والوں میں سے تھے۔ بعض نے اس سے غرق ہونے والی پوری قوم مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی مہلت طلب مت کرنا کیونکہ اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آ گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے جلدی نہ کریں،

مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿38﴾
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿39﴾
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿40﴾

کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے،[1] وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو ○
تمھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہمیشگی کی سزا[2] اتر آئے ○
یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا،[3] ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے) جوڑے (یعنی) دو (جانور، ایک نر اور ایک مادہ) سوار کر لے[4] اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی، سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے،[5] اور سب ایمان والوں کو بھی،[6] اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے ○[7]

وقت مقرر میں یہ سب غرق ہو جائیں گے۔ (فتح القدیر)

1 مثلاً: کہتے کہ نوح! نبوت کے بعد اب بڑھئی بن گئے ہو؟ یا اے نوح! خشکی میں کشتی کس لیے تیار کر رہے ہو؟

2 اس سے مراد جہنم کا دائمی عذاب ہے جو اس دنیوی عذاب کے بعد ان کے لیے تیار ہے۔

3 اس سے بعض نے روٹی پکانے والے تنور، بعض نے مخصوص جگہیں، مثلاً: جزیرہ میں ایک چشمہ جسے عین الوردہ کہا جاتا ہے اور بعض نے سطح زمین مراد لی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی آخری مفہوم کو ترجیح دی ہے، یعنی ساری زمین ہی چشموں کی طرح ابل پڑی یہاں تک کہ تنور بھی، اوپر آسمان سے بھی خوب پانی برسا۔

4 اس سے مراد مذکر اور مؤنث، یعنی نر اور مادہ ہے۔ اس طرح ہر ذی روح مخلوق کا جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نباتات بھی رکھے گئے تھے۔ واللہ أعلم.

5 یعنی جن کا غرق ہونا اللہ کے ہاں طے ہے۔ اس سے مراد اگر سارے کفار ہیں تو یہ ﴿احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ﴾ سے استثنا ہے اور اگر اس سے مراد نوح علیہ السلام کی بیوی واعلة اور بیٹا بنام کنعان یا یام ہے، جو دونوں کافر تھے تو پھر یہ استثنا ﴿اَهْلَكَ﴾ سے ہے، یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کر لے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی بات سبقت کر گئی ہے۔

6 یعنی سب اہل ایمان کو کشتی میں سوار کر لے۔

7 بعض نے ان کی کل تعداد (مرد اور عورت ملا کر) 80 اور بعض نے اس سے بھی کم بتلائی ہے۔ ان میں حضرت

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿41﴾

نوح نے کہا: اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے،[1] یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے ○

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ٰنِ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿42﴾

وہ کشتی انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں جارہی تھی[2] اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو ایک کنارے پر تھا، پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں میں شامل نہ رہ ○[3]

نوح علیہ السلام کے تین بیٹے، جو ایمان لانے والوں میں شامل تھے، سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں اور چوتھی بیوی یام کی تھی جو کافر تھا لیکن اس کی بیوی مسلمان ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار تھی۔ (ابن کثیر)

1 یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا پانی کی سطح پر چلنا اور اسی کے نام پر اس کا ٹھہرنا ہے۔ اس سے ایک مقصد اہل ایمان کو تسلی اور حوصلہ دینا بھی تھا کہ بلا خوف وخطر کشتی میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ہی اس کشتی کا محافظ اور نگران ہے، اسی کے حکم سے چلے گی اور اسی کے حکم سے ٹھہرے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ اے نوح! ''جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں آرام سے بیٹھ جائیں تو کہو۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○﴾ (المؤمنون 29,28:23) ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔'' بعض علماء نے کشتی یا سواری پر بیٹھتے وقت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ اور حدیث سے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ○ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○﴾ (الزخرف 14,13:43) تا آخر دعا پڑھنا بھی ثابت ہے۔

2 یعنی جب زمین پر پانی تھا، حتیٰ کہ پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے، اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ جیسی موجوں میں رواں دواں تھی۔ ورنہ اتنے طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا: ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ○ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ○﴾ (الحاقة 12,11:69) ﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ○ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ○﴾ (القمر 14,13:54) ''اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی میں سوار کر لیا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔''

3 یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام ''یام'' تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہوجا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾

اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آجاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا،[1] نوح نے کہا: آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہوگیا ○[2]

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾

فرمادیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا[3] اور اے آسمان! بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا[4] اور کشتی ''جودی'' نامی[5] پہاڑ پر جا لگی اور فرمادیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو ○[6]

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿45﴾

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے، یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے ○[7]

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ

اللہ نے فرمایا: اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے،[8]

---

1 اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کرلوں گا، وہاں پانی کیوں کر پہنچ سکے گا؟

2 باپ بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی کی زد میں لے لیا۔

3 نگلنا، کا استعمال حیوان کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی خوراک کو نگل جاتا ہے۔ یہاں پانی کے خشک ہونے کو نگل جانے سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ پانی بتدریج خشک نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ کے حکم سے زمین نے سارا پانی دفعتاً اس طرح اپنے اندر نگل لیا جس طرح حیوان لقمہ نگل جاتا ہے۔

4 یعنی تمام کافروں کو غرق آب کر دیا گیا۔

5 ﴿الْجُوْدِيِّ﴾ پہاڑ کا نام ہے جو بقول بعض، موصل کے قریب ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی اسی کے قریب آباد تھی۔

6 ﴿بُعْدًا﴾ یہ ہلاکت اور لعنت الٰہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں بطور خاص غضب الٰہی کی مستحق بننے والی قوموں کے لیے اسے کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

7 حضرت نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ان خطرات واحوال کو دیکھتے ہوئے بیٹا ایمان قبول کر لے گا، اس لیے اس کے بارے میں یہ استدعا کی یا شفقت پدری کے جذبے سے مغلوب ہو کر بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی۔

8 حضرت نوح علیہ السلام نے قرابت نسبی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنا بیٹا قرار دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد پر

عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﷴ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿46﴾

اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں، [1] تجھے ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو، [2] میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے نہ ہو ○ [3]

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا
لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ
وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿47﴾

نوح نے کہا: اے میرے رب! میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو، اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ○ [4]

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ
عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ
سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

فرما دیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر [5] جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر [6] اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی

قرابت دینی کے اعتبار سے اس بات کی نفی فرمائی کہ وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس لیے کہ ایک نبی کا اصل گھرانہ تو وہی ہے جو اس پر ایمان لائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو چاہے وہ نبی کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بیوی، وہ نبی کے گھرانے کا فرد نہیں۔

1 یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرما دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں ہوگا، اسے اللہ کے عذاب سے اللہ کا پیغمبر بھی بچانے پر قادر نہیں۔ آج کل لوگ پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں سے وابستگی کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ جب عمل صالح کے بغیر نبی سے نسبی قرابت بھی کام نہیں آتی تو یہ وابستگیاں کیا کام آ سکتی ہیں؟

2 اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے علم ہوتا کہ ان کی درخواست کی پذیرائی نہیں ہوگی تو یقیناً وہ اس سے پرہیز فرماتے۔

3 یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو نصیحت ہے جس کا مقصد ان کو اس بلند مقام پر فائز کرنا ہے جو انبیاء کرام کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہے۔

4 جب حضرت نوح علیہ السلام یہ بات جان گئے کہ ان کا سوال واقع کے مطابق نہیں تھا تو فوراً اس سے رجوع فرما لیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و مغفرت کے طالب ہوئے۔

5 یہ اترنا کشتی سے یا اس پہاڑ سے ہے جس پر کشتی جا کر ٹھہر گئی تھی۔

6 اس سے مراد یا تو وہ گروہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یا آئندہ ہونے والے وہ گروہ ہیں

اَلِيْمٌ ﴿48﴾

جنھیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ○[1]

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿49﴾

ع 4 14 4

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں انھیں اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم،[2] اس لیے آپ صبر کرتے رہیے (یقین مانیے) کہ انجامِ کار پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے ○[3]

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿50﴾

اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا،[4] اس نے کہا: میری قوم والو! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تم تو صرف بہتان باندھ

جو ان کی نسل سے ہونے والے تھے۔ اگلے فقرے کے پیشِ نظر یہی دوسرا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

1 یہ وہ گروہ ہیں جو کشتی میں بچ جانے والوں کی نسل سے قیامت تک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو دنیا کی چند روزہ زندگی گزارنے کے لیے ہم دنیا کا ساز و سامان ضرور دیں گے لیکن بالآخر عذاب الیم سے دوچار ہوں گے۔

2 یہ نبی ﷺ سے خطاب ہے اور آپ سے علم غیب کی نفی کی جا رہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے ہم آپ کو خبردار کر رہے ہیں ورنہ آپ اور آپ کی قوم ان سے لاعلم تھی۔

3 یعنی آپ کی قوم آپ کی جو تکذیب کر رہی ہے اور آپ کو ایذائیں پہنچا رہی ہے، اس پر صبر سے کام لیجیے، اس لیے کہ ہم آپ کے مددگار ہیں اور حسن انجام آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے، جو تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں۔ عاقبت دنیا و آخرت کے اچھے انجام کو کہتے ہیں۔ اس میں متقین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ ابتدا میں چاہے انھیں کتنا بھی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے، تاہم بالآخر اللہ کی مدد و نصرت اور حسن انجام کے مستحق وہی ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○ ﴾ (المؤمن 51:40) ''یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانیٔ دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ وہ مظفر و منصور ہوں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب اور برتر رہے گا۔''

4 بھائی سے مراد انھی کی قوم کا ایک فرد۔

رہے ہو ○ [1]

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿51﴾

اے میری قوم ! میں تم سے اس تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں مانگتا ، میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے ○ [2]

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿52﴾

اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تا کہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمھاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھا دے [3] اور تم مجرم بن کر مت روگردانی کرو ○ [4]

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾

انھوں نے کہا: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں ○ [5]

---

1 یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔

2 اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو بغیر اجرت اور لالچ کے تمھیں اللہ کی طرف بلا رہا ہے، وہ تمھارا خیر خواہ ہے۔ آیت میں ﴿يٰقَوْمِ﴾ سے دعوت کا ایک طریق کار معلوم ہوتا ہے، یعنی بجائے یہ کہنے کے ''اے کافرو!'' ''اے مشرکو!'' ''اے میری قوم!'' سے مخاطب کیا گیا ہے۔

3 حضرت ہود علیہ السلام نے توبہ و استغفار کی تلقین اپنی امت، یعنی اپنی قوم کو کی اور اس کے وہ فوائد بیان فرمائے جو توبہ و استغفار کرنے والی قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں اور بھی بعض مقامات پر یہ فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ نوح: 11) اور اسی طرح سورۂ طلاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ الآية (الطلاق 65: 3,2) ''جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتی۔'' توبہ و استغفار وہی شخص کرتا ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہوتا ہے۔

4 یعنی میں تمھیں جو دعوت دے رہا ہوں، اس سے اعراض اور اپنے کفر پر اصرار مت کرو۔ ایسا کرو گے تو اللہ کی بارگاہ میں مجرم اور گناہ گار بن کر پیش ہو گے۔

5 ایک نبی دلائل و براہین کی پوری قوت اپنے ساتھ رکھتا ہے لیکن شپرہ چشموں کو وہ نظر نہیں آتے قوم ہود نے بھی

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾

بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے آسیب پہنچا کر دیوانہ کر دیا ہے [1]۔ اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں جنھیں تم شریک بنا رہے ہو ○ [2]

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾

اچھا تم سب مل کر میرے حق میں بدی کر لو اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو ○ [3]

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿56﴾

میرا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہے، جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے، جتنے بھی (زمین پر) چلنے پھرنے والے ہیں سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے ہے۔ [4] یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے ○ [5]

اسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم بغیر دلیل کے محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو کس طرح چھوڑ دیں؟

1 یعنی تو جو ہمارے معبودوں کی توہین اور گستاخی کرتا ہے کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معبودوں نے ہی تیری اس گستاخی پر تجھے کچھ کر دیا ہے۔ اور تیرا دماغ ماؤف ہو گیا ہے، جیسے آج کل کے نام نہاد مسلمان بھی اس قسم کے توہمات کا شکار ہیں جب انھیں کہا جاتا ہے کہ یہ فوت شدہ اشخاص اور بزرگ کچھ نہیں کر سکتے تو کہتے ہیں کہ یہ ان کی شان میں گستاخی ہے اور خطرہ ہے کہ اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کا وہ بیڑا غرق کر دیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ وَالْأَكَاذِيْبِ.

2 یعنی میں ان تمام بتوں اور معبودوں سے بیزار ہوں اور تمھارا یہ عقیدہ کہ انھوں نے مجھے کچھ کر دیا ہے، بالکل غلط ہے، ان کے اندر یہ قدرت ہی نہیں کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔

3 اور اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں ہے بلکہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بت کچھ کر سکتے ہیں تو لو! میں حاضر ہوں، تم اور تمھارے معبود سب مل کر میرے خلاف کچھ کر کے دکھاؤ۔

4 یعنی جس ذات کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ و تصرف ہے، وہ وہی ذات ہے جو میرا اور تمھارا رب ہے، میرا توکل اسی پر ہے۔ مقصد ان الفاظ سے حضرت ہود علیہ السلام کا یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان پر بھی اللہ ہی کا قبضہ و تصرف ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے، وہ کسی کا کچھ نہیں کر سکتے۔

5 یعنی وہ جو توحید کی دعوت دے رہا ہے یقیناً یہ دعوت ہی صراط مستقیم ہے، اسی پر چل کر نجات اور کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہو اور اس صراط مستقیم سے اعراض و انحراف تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْــًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿57﴾

پس اگر تم روگردانی کرو تو کرو میں تو تمھیں وہ پیغام پہنچا چکا جو دے کر مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا تھا۔[1] میرا رب تمھارے قائم مقام اور لوگوں کو کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے،[2] یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ○[3]

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿58﴾

اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا فرمائی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچا لیا ○[4]

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿59﴾

یہ تھی قومِ عاد، جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی[5] نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش نافرمان کے حکم کی تابعداری کی ○[6]

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ

دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے

1 یعنی اس کے بعد میری ذمے داری ختم اور تم پر حجت تمام ہو گئی۔

2 یعنی تمھیں تباہ کر کے تمھاری زمینوں اور املاک کا وہ دوسروں کو مالک بنا دے تو وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ وہ اپنی مشیت و حکمت کے مطابق ایسا کرتا رہتا ہے۔

3 یقیناً وہ مجھے تمھارے مکر و فریب اور سازشوں سے بھی محفوظ رکھے گا اور شیطانی چالوں سے بھی بچائے گا۔ علاوہ ازیں ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق اچھی اور بری جزا بھی دے گا۔

4 سخت عذاب سے مراد وہی اَلرِّيْحُ الْعَقِيْمُ تیز آندھی کا عذاب ہے جس کے ذریعے سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا اور جس سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا گیا۔

5 عاد کی طرف صرف ایک نبی حضرت ہود علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھوں نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اس سے یا تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک رسول کی تکذیب، یہ تمام رسولوں کی تکذیب ہے کیونکہ تمام رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم اپنے کفر و انکار میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام کے بعد اگر ہم اس قوم میں متعدد رسول بھی بھیجتے تو یہ قوم ان سب کی تکذیب ہی کرتی۔ اور اس سے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ وہ کسی بھی رسول پر ایمان لے آتی۔

6 یعنی اللہ کے پیغمبروں کی تو تکذیب کی لیکن جو لوگ اللہ کے حکموں سے سرکشی کرنے والے اور نافرمان تھے، ان کی اس قوم نے پیروی کی۔

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ
اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ؑ ﴿60﴾
وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ
فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ
رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿61﴾

ع 5 (11) 5 وقف لازم

دن بھی،[1] دیکھ لو، قومِ عاد نے اپنے رب سے کفر کیا، ہود کی قومِ عاد پر دوری ہو[2] ○

اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،[3] اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں،[4] اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا ہے[5] اور اسی نے اس زمین میں تمھیں بسایا ہے،[6] پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے ○

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ
هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا
وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ

انھوں نے کہا: اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے، کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ

---

1 ﴿ لَعْنَةً ﴾ کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری، امورِ خیر سے محرومی اور لوگوں کی طرف سے ملامت و بیزاری۔ دنیا میں یہ لعنت اس طرح کہ اہل ایمان میں ان کا ذکر ہمیشہ ملامت و بیزاری کے انداز میں ہوگا اور قیامت میں اس طرح کہ وہاں عَلٰى رُءُوسِ الْأَشْهَادِ ذلت و رسوائی سے دوچار اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔

2 ﴿ بُعْدًا ﴾ کا یہ لفظ رحمت سے دوری اور لعنت ہلاکت کے معنی کے لیے ہے جیسا کہ اس سے قبل بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔

3 ﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ ﴾ عطف ہے ما قبل پر، یعنی وَأَرْسَلْنَا إِلٰى ثَمُوْدَ ہم نے ثمود کی طرف بھیجا۔ یہ قوم تبوک اور مدینہ کے درمیان مدائن صالح (حجر) میں رہائش پذیر تھی اور یہ قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہاں بھی ثمود کا بھائی کہا ہے، یعنی یہ انھی کے خاندان اور قبیلے کا ایک فرد ہے جسے بعض جگہ ﴿ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (آل عمران 3:174) سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی انھی کی جانوں میں سے ایک رسول مطلب ہے انسانوں میں سے۔

4 حضرت صالح علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی جس طرح کہ تمام انبیاء کا طریق رہا ہے۔

5 یعنی ابتداءً تمھیں زمین سے پیدا کیا، وہ اس طرح کہ تمھارے باپ آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور سلسلۂ نسل انسانی آدم سے چلا، یوں تمام انسانوں کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو کچھ کھاتے ہو، سب زمین ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں جا کر وجود انسانی کا باعث ہوتا ہے۔

6 یعنی تمھارے اندر زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کی، جس سے تم رہائش کے لیے مکان تعمیر کرتے،

مُرِيْبٍ ﴿62﴾

دادا کرتے چلے آئے، ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے ○ [1]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿63﴾

اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! ذرا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا کی ہو، [2] پھر اگر میں نے اس کی نافرمانی کر لی [3] تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو ○ [4]

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

اور اے میری قوم والو! یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے ایک معجزہ ہے، اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ

خوراک کے لیے کاشت کاری کرتے اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لیے صنعت وحرفت سے کام لیتے ہو۔

1 یعنی پیغمبر اپنی قوم میں چونکہ اخلاق و کردار اور امانت و دیانت میں ممتاز ہوتا ہے، اس لیے قوم کی اس سے اچھی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اسی اعتبار سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان سے یہ کہا۔ لیکن دعوت توحید دیتے ہی ان کی امیدوں کا یہ مرکز ان کی آنکھوں کا کانٹا بن گیا اور اس دین میں شک کا اظہار کیا جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام انھیں بلا رہے تھے، یعنی دین توحید۔ گویا توحید کا درس ہر دور کے لوگوں کے لیے جرعۂ تلخ ہی رہا ہے۔

2 ﴿بَيِّنَةٍ﴾ سے مراد کھلی دلیل اور رحمت سے مراد نبوت ہے۔ جیسا کہ پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔ علاوہ ازیں بینہ سے مراد وہ معجزہ یا معجزات بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے پیغمبر کے ذریعے سے پیغمبر کی تصدیق و تائید کے لیے ظاہر کرواتا ہے۔ یہ حجت و برہان اور نبوت اگرچہ یقینی اور متحقق الوقوع تھی لیکن حضرت صالح علیہ السلام نے اسے یہاں شک کے لفظ (اگر) میں بیان کیا ہے تو یہ دراصل مخاطب قوم کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ شک میں مبتلا تھی ورنہ حضرت صالح علیہ السلام کو کوئی شک نہیں تھا۔ (فتح القدير)

3 نافرمانی سے مراد یہ ہے کہ اگر میں تمھیں حق کی طرف اور الٰہ واحد کی عبادت کی طرف بلانا چھوڑ دوں جیسا کہ تم چاہتے ہو۔

4 یعنی اگر میں ایسا کروں تو تم مجھے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچا سکتے، البتہ اس طرح تم میرے نقصان و خسارے میں ہی اضافہ کرو گے۔

قَرِيْبٌ ﴿64﴾

ورنہ جلد ہی عذاب تمھیں پکڑ لے گا ○ [1]

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿65﴾

پھر بھی ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے، اس پر صالح نے کہا کہ اچھا تم اپنے گھروں میں تین دن تک تو رہ سہ لو، یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے ○ [2]

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىٕذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿66﴾

پھر جب ہمارا (عذاب کا) حکم آ پہنچا [3] تو ہم نے صالح کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس (عذاب) سے بھی بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ یقیناً تیرا رب نہایت قوی اور غالب ہے ○

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿67﴾

اور ظالموں کو بڑے زور کی چنگھاڑ نے آ دبوچا، [4] پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے ○ [5]

---

1 یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کہنے پر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پہاڑ یا ایک چٹان سے برآمد فرمائی۔ اسی لیے اسے ﴿ نَاقَةُ اللّٰهِ ﴾ (اللہ کی اونٹنی) کہا گیا ہے کیونکہ یہ خالص اللہ کے حکم سے معجزانہ طور پر (خلاف عادت طریقے سے) ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی بابت انھیں تاکید کر دی گئی تھی کہ اسے ایذا نہ پہنچانا، ورنہ تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔

2 لیکن ان ظالموں نے اس زبردست معجزے کے باوجود نہ صرف ایمان لانے سے گریز کیا بلکہ حکم الٰہی سے صریح سرتابی کرتے ہوئے اونٹنی کو مار ڈالا، جس کے بعد انھیں تین دن کی مہلت دے دی گئی کہ تین دن کے بعد تمھیں عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دیا جائے گا۔

3 اس سے مراد وہی عذاب ہے جو وعدے کے مطابق چوتھے دن آیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے سوا سب کو ہلاک کر دیا گیا۔

4 یہ عذاب ﴿ الصَّيْحَةُ ﴾ (چیخ، زور کی کڑک) کی صورت میں آیا، بعض کے نزدیک یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی اور بعض کے نزدیک آسمان سے آئی تھی جس سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی، اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہی بھونچال (رَجْفَةٌ) بھی آیا، جس نے سب کچھ تہ و بالا کر دیا جیسا کہ سورۂ اعراف 7:78 کے الفاظ ہیں: ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ﴾ یعنی بھونچال زلزلے نے ان کو پکڑ لیا۔

5 جس طرح پرندہ مرنے کے بعد زمین پر سینے اور منہ کے بل پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ موت سے ہم کنار ہو کر منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَاؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿68﴾

ایسے کہ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے،[1] آگاہ رہو کہ قوم ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو! ان ثمودیوں پر پھٹکار ہے ○

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًاؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿69﴾

اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے[2] اور سلام کہا،[3] انھوں نے بھی جوابِ سلام دیا[4] اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے ○[5]

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةًؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍؕ ﴿70﴾

اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی اس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو انھیں انجان پا کر دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے،[6] انھوں نے کہا: ڈرو نہیں ہم تو قومِ لوط کی

1 ان کی بستی یا خود یہ لوگ یا دونوں ہی، اس طرح حرف غلط کی طرح مٹا دیے گئے، گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔

2 یہ دراصل حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصے کا ایک حصہ ہے۔ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی یا بقول بعض برادرزاد تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی بحیرۂ مردار کے جنوب مشرق میں تھی جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں مقیم تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تو ان کی طرف فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اور انھیں بیٹے کی بشارت دی۔

3 یعنی سَلَّمْنَا عَلَيْكَ سَلَامًا ''ہم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔''

4 جس طرح پہلا سلام ایک فعل مقدر کے ساتھ منصوب تھا۔ اسی طرح یہ سلام مبتدا یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے، عبارت ہوگی۔ أَمْرُكُمْ سَلَامٌ یا عَلَيْكُمْ سَلَامٌ.

5 حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور کھانے پینے کی ان کو حاجت نہیں بلکہ انھوں نے انھیں انسان سمجھ کر فوراً مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو حاضر خدمت کر دیا جائے۔

6 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انھیں خوف محسوس ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ چیز معروف تھی کہ آئے ہوئے مہمان اگر ضیافت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کسی اچھی نیت سے نہیں آئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا بچھڑا بھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے۔

وَ امْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا
بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿71﴾
قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا
بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿72﴾

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ
وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿73﴾

طرف بھیجے گئے ہیں ○ [1]
اس کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی، [2] تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی ○
وہ کہنے لگی: ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے ہیں یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے! ○ [3]
فرشتوں نے کہا: کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ [4] اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، [5] بیشک اللہ بڑا قابلِ تعریف اور

1 اس خوف کو فرشتوں نے محسوس کیا یا تو ان آثار سے جو ایسے موقعوں پر انسان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں یا اپنی گفتگو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اظہار فرمایا جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: ﴿اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ○﴾ (الحجر 15:52) ''ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔'' چنانچہ فرشتوں نے کہا: ڈرو نہیں، آپ جو سمجھ رہے ہیں، ہم وہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف جا رہے ہیں۔

2 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ اہلیہ کیوں ہنسیں؟ بعض کہتے ہیں کہ قوم لوط کی فساد انگیزیوں سے وہ بھی آگاہ تھیں، ان کی ہلاکت کی خبر سے انھوں نے مسرت ظاہر کی۔ بعض کہتے ہیں: اس لیے ہنسی آئی کہ دیکھو آسمانوں سے ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ قوم غفلت کا شکار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر ہے۔ اور اس ہنسنے کا تعلق اس بشارت سے ہے جو فرشتوں نے اس بوڑھے جوڑے کو دی۔ واللہ أعلم.

3 یہ اہلیہ حضرت سارہ تھیں، جو خود بھی بوڑھی تھیں اور ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے، اس لیے تعجب ایک فطری امر تھا جس کا اظہار ان سے ہوا۔

4 یہ استفہام ہے اور اس سے مقصود نہی ہے، یعنی تو اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر تعجب نہ کر کیونکہ اس کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب عادیہ ہی کا محتاج ہے، وہ تو جو چاہے، اس کے لفظ کُنْ (ہو جا) سے معرض وجود میں آ جاتا ہے۔

5 حضرت ابراہیم کی اہلیہ محترمہ کو یہاں فرشتوں نے ''اہل بیت'' سے یاد کیا اور دوسرے ان کے لیے جمع مذکر مخاطب (عَلَيْكُمْ) کا صیغہ استعمال کیا۔ جس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوگئی کہ ''اہل بیت'' میں انسان کی بیوی شامل ہوتی ہے۔ دوسری، یہ کہ ''اہل بیت'' کے لیے لفظ أَهْلٌ کی وجہ سے جو اسم جمع ہے اور واحد و جمع کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ جمع

بڑی شان والا ہے ○

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿74﴾

جب ابراہیم کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگے ○ [1]

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿75﴾

یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے، نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے ○

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿76﴾

اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجیے، آپ کے رب کا حکم آپہنچا ہے، اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب ضرور آنے والا ہے ○ [2]

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿77﴾

جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن [3] ہے ○

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ

اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آپہنچی، وہ تو پہلے ہی

مذکر کے صیغے کا استعمال بھی جائز ہے جیسا کہ سورۂ احزاب، آیت:33 میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا ہے اور انھیں جمع مذکر کے صیغے سے مخاطب بھی کیا ہے۔

1 اس مجادلے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ جس بستی کو تم ہلاک کرنے جا رہے ہو، اسی میں حضرت لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں جس پر فرشتوں نے کہا: ''ہم جانتے ہیں کہ لوط علیہ السلام بھی وہاں رہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے۔'' (العنکبوت 29:32)

2 یہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اب اس بحث و تکرار کا کوئی فائدہ نہیں، اسے چھوڑیے! اللہ کا وہ حکم (ہلاکت کا) آچکا ہے، جو اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ اور اب یہ عذاب نہ کسی کے مجادلے سے رکے گا نہ کسی کی دعا سے ٹلے گا۔

3 حضرت لوط علیہ السلام کی اس سخت پریشانی کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے نوعمر نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے جو بے ریش تھے جس سے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی عادت قبیحہ کے پیش نظر سخت خطرہ محسوس کیا کیونکہ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آنے والے یہ نوجوان، مہمان نہیں ہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو اس قوم کو ہلاک کرنے کے لیے ہی آئے ہیں۔

قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿78﴾

سے بدکاریوں میں مبتلا تھی،[1] لوط نے کہا: اے قوم کے لوگو! یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمھارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں،[2] اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں؟ ○[3]

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿79﴾

انھوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تو ہماری اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے ○[4]

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿80﴾

لوط نے کہا: کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا ○[5]

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ

اب فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے

---

1 اغلام بازی کے ان مریضوں کو پتہ چلا کہ چند خوبرو نوجوان لوط علیہ السلام کے گھر آئے ہیں تو دوڑے ہوئے آئے اور انھیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تا کہ ان سے اپنی غلط خواہشات پوری کریں۔

2 یعنی تمھیں اگر جنسی خواہش ہی کی تسکین مقصود ہے تو اس کے لیے میری اپنی بیٹیاں موجود ہیں، جن سے تم نکاح کرلو اور اپنا مقصد پورا کرلو۔ یہ تمھارے لیے ہر طرح سے بہتر ہے۔ بعض نے کہا کہ بنات سے مراد عام عورتیں ہیں اور انھیں اپنی لڑکیاں اس لیے کہا ہے کہ پیغمبر اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے لیے عورتیں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور اپنا مقصد پورا کرو! (ابن کثیر)

3 یعنی میرے گھر آئے مہمانوں کے ساتھ زیادتی اور زبردستی کر کے مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا سمجھدار نہیں ہے جو میزبانی کے تقاضوں اور اس کی نزاکت کو سمجھ سکے؟ اور تمھیں اپنے برے ارادوں سے روک سکے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ساری باتیں اس بنیاد پر کیں کہ وہ ان فرشتوں کو فی الواقع نووارد مسافر اور مہمان ہی سمجھتے رہے، اس لیے وہ بجا طور پر ان کی حفاظت کو اپنی عزت و وقار کے لیے ضروری سمجھتے رہے۔ اگر ان کو پتہ چل جاتا یا وہ عالم الغیب ہوتے تو ظاہر بات ہے کہ انھیں یہ پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی جو انھیں ہوئی اور جس کا نقشہ یہاں قرآن مجید نے کھینچا ہے۔

4 یعنی ایک جائز اور فطری طریقے کو انھوں نے بالکل رد کر دیا اور غیر فطری کام اور بے حیائی پر اصرار کیا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قوم اپنی اس بے حیائی کی عادت خبیثہ میں کتنی آگے جا چکی تھی اور کس قدر اندھی ہو گئی تھی۔

5 ﴿قُوَّةً﴾ سے اپنے دست و بازو اور اپنے وسائل کی قوت یا اولاد کی قوت مراد ہے اور رکن شدید (مضبوط آسرا) سے خاندان، قبیلہ یا اسی قسم کا کوئی مضبوط سہارا مراد ہے، یعنی نہایت بے بسی کے عالم میں آرزو کر رہے ہیں کہ کاش!

يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿81﴾

بھیجے ہوئے ہیں، ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں، پس تو اپنے گھر والوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔ تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے، بجز تیری بیوی کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح بالکل قریب نہیں ○ [1]

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿82﴾

پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو زیر وزبر کر دیا اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے ○

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿83﴾ ع

تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور وہ ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے ○ [2]

النصف ع 7 15 7

میرے اپنے پاس کوئی قوت ہوتی یا کسی خاندان اور قبیلے کی پناہ اور مدد مجھے حاصل ہوتی تو آج مجھے مہمانوں کی وجہ سے یہ ذلت و رسوائی نہ ہوتی، میں ان بد قماشوں سے نمٹ لیتا اور مہمانوں کی حفاظت کر لیتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی یہ آرزو اللہ تعالیٰ پر توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ ظاہری اسباب کے مطابق ہے۔ اور توکل علی اللہ کا صحیح مفہوم و مطلب بھی یہی ہے کہ پہلے تمام ظاہری اسباب و وسائل بروئے کار لائے جائیں اور پھر اللہ پر توکل کیا جائے۔ یہ توکل کا نہایت غلط مفہوم ہے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے جو کچھ کہا، ظاہری اسباب کے اعتبار سے بالکل بجا کہا۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کا پیغمبر جس طرح عالم الغیب نہیں ہوتا، اسی طرح وہ مختار کل بھی نہیں ہوتا (جیسا کہ آج کل لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے) اگر نبی دنیا میں اس طرح کے اختیارات سے بہرہ ور ہوتے تو یقیناً حضرت لوط علیہ السلام اپنی بے بسی کا اور اس آرزو کا اظہار نہ کرتے جو انھوں نے مذکورہ الفاظ میں کی۔

1 جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی اور ان کی قوم کی سرکشی کا مشاہدہ کر لیا تو بولے: اے لوط! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تک تو کیا، اب یہ تجھ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب رات کے ایک حصے میں، سوائے بیوی کے، اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جا! صبح ہوتے ہی اس بستی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

2 اس آیت میں ﴿ هِيَ ﴾ کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک وہ نشان زدہ کنکریلے پتھر ہیں اور ﴿ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ سے مراد قوم لوط ہے کہ یہ نشان زدہ پتھر ان ظالموں سے دور نہیں۔ یا ﴿ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ سے مراد اس امت کے ظالم ہیں، یعنی پتھروں کا عذاب ان ظالموں سے بھی دور نہیں یا هِيَ ضمیر کا مرجع قوم لوط کی بستی ہے جو ہلاک کی گئی اور وہ ان کفار سے دور نہیں بلکہ وہ شام اور مدینہ کے درمیان ہے۔ مقصد ان کو ڈرانا ہے کہ تمھارا حشر بھی ویسا ہو سکتا ہے جس سے گزشتہ قومیں دوچار ہوئیں۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿84﴾

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿85﴾

اور ہم نے مدین والوں [1] کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو، [2] میں تو تمھیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں [3] اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف (بھی) ہے ○ [4]

اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو [5] اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ ○ [6]

---

1 مدین کی تحقیق کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف، آیت:85 کا حاشیہ۔

2 توحید کی دعوت دینے کے بعد، اس قوم میں جو نمایاں اخلاقی خرابی (ناپ تول میں کمی کی) تھی، اس سے انھیں منع فرمایا۔ ان کا معمول یہ بن چکا تھا کہ جب ان کے پاس فروخت کنندہ (بائع) اپنی چیز لے کر آتا تو اس سے ناپ اور تول میں زیادہ لیتے اور جب خریدار (مشتری) کو کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ میں کمی کر کے دیتے اور تول میں بھی ڈنڈی مار لیتے۔

3 یہ اس منع کرنے کی علت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل کر رہا ہے اور اس نے تمھیں آسودگی اور مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر تم یہ قبیح حرکت کیوں کرتے ہو؟

4 یہ دوسری علت ہے کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو پھر اندیشہ ہے کہ قیامت والے دن کے عذاب سے تم نہ بچ سکو۔ گھیرنے والے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کوئی گناہ گار مؤاخذۂ الٰہی سے بچ سکے گا نہ بھاگ کر کہیں چھپ سکے گا۔

5 انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد توحید، یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے، پھر اس کے بعد قوم کے اندر جو بھی خرابی ہوتی ہے اس کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ جیسا کہ شعیب علیہ السلام نے اولاً دعوت توحید پیش کی اس کے بعد اس اخلاقی خرابی سے منع کیا جو ان کے اندر تھی اور وہ حقوق العباد سے متعلق تھی۔ اول الذکر کی طرف لفظ ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور آخر الذکر کے لیے ﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ﴾ سے اشارہ کیا گیا اور اب تاکید کے طور پر انھیں انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کا حکم دیا جا رہا ہے اور لوگوں کو چیزیں کم کر کے دینے سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی ایک بہت بڑا جرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ مطففین میں بھی اس جرم کی شناعت و قباحت اور اس کی اخروی سزا بیان فرمائی ہے:
﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○﴾ (المطففين 83:1-3) ''ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں۔''

6 اللہ کی نافرمانی سے، بالخصوص شرک کر کے اور وہ گناہ کر کے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے یہاں ناپ تول کی

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿86﴾

اللہ کا حلال کیا ہوا جو بچ رہے تمھارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو،[1] میں تم پر کچھ نگہبان (اور داروغہ) نہیں ہوں ○[2]

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿87﴾

انھوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! کیا تیری نماز[3] تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں جو کچھ چاہیں اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں[4] تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے ○[5]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ

شعیب نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے،[6]

کمی بیشی میں ہے، زمین میں یقیناً فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے انھیں منع کیا گیا، اس لیے حقوق العباد کی ادائیگی بھی نہایت ضروری ہے۔

1 ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ ﴾ سے مراد وہ نفع ہے جو ناپ تول میں کسی قسم کی کمی کیے بغیر، دیانت داری کے ساتھ سودا دینے کے بعد حاصل ہو۔ یہ چونکہ حلال وطیب ہے اور خیر وبرکت بھی اسی میں ہے، اس لیے اللہ کا بقیہ قرار دیا گیا ہے۔

2 یعنی میں تمھیں صرف تبلیغ کر سکتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔

3 صَلَاةٌ سے مراد عبادت، دین یا تلاوت ہے۔

4 اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک زکاۃ وصدقات ہیں جس کا حکم ہر آسمانی مذہب میں دیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم سے زکاۃ وصدقات کا اخراج، اللہ کے نافرمانوں پر نہایت شاق گزرتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم اپنی محنت و لیاقت سے مال کماتے ہیں تو اس کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں ہم پر پابندی کیوں ہو؟ اور اس کا کچھ حصہ ایک مخصوص مد کے لیے نکالنے پر ہمیں مجبور کیوں کیا جائے؟ اسی طریقے سے کمائی اور تجارت میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کی پابندی بھی ایسے لوگوں پر نہایت گراں گزرتی ہے، ممکن ہے ناپ تول میں کمی سے روکنے کو بھی انھوں نے اپنے مالی تصرفات میں دخل اندازی سمجھا ہو۔ اور ان الفاظ میں اس سے انکار کیا ہو۔ دونوں ہی مفہوم اس کے صحیح ہیں۔

5 حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے یہ الفاظ انھوں نے بطور استہزا کہے۔

6 ﴿ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ کا دوسرا مفہوم نبوت بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴿88﴾

میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمھاری مخالفت کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمھیں روک رہا ہوں،[1] میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے ہی کا ہے۔[2] میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے،[3] اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہو ○

وَ یٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْۤ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ﴿89﴾

اور اے میری قوم! میرے خلاف ضد تمھارے لیے اس بات کا باعث نہ ہو جائے کہ تمھیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آ جائے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پیش آ چکا ہے، اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں ○[4]

وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿90﴾

تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توجہ کرو، یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ○

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ﴿91﴾

انھوں نے کہا: اے شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں[5] اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں،[6] اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھے

---

1 یعنی جس کام سے میں تمھیں روکوں، تم سے مخالفت کر کے، وہ میں خود کروں ایسا نہیں ہو سکتا۔

2 میں تمھیں جس کام کے کرنے یا جس سے رکنے کا حکم دیتا ہوں، اس سے مقصد اپنی مقدور بھر، تمھاری اصلاح ہی ہے۔

3 یعنی حق تک پہنچنے کا جو میرا ارادہ ہے، وہ اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے، اس لیے تمام معاملات میں میرا بھروسہ اسی پر ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

4 یعنی ان کی جگہ تم سے دور نہیں یا اس سبب میں تم سے دور نہیں جو ان کے عذاب کا موجب بنا۔

5 یہ بات انھوں نے تحقیر اور استہزا کے طور پر جھوٹ کہتے ہوئے کہی ورنہ شعیب علیہ السلام کی باتیں ان کے لیے نا قابلِ فہم نہیں تھیں یا حقیقتاً ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں کیونکہ وہ آپ کے کلام کی طرف شدت نفرت کی وجہ سے توجہ ہی نہیں دیتے تھے۔ (تفسیر اللباب) اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے کرتے ان کے ذہن اس قدر مسخ ہو چکے تھے کہ خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام کی سیدھی اور فصیح باتیں بھی ان کے ذہن میں نہ آتی تھیں، حالانکہ شعیب علیہ السلام نہ کسی غیر زبان میں گفتگو کرتے تھے اور نہ ان کا اندازِ بیان ہی پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا۔

6 اور بعض کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے انھیں کمزور کہا کہ وہ خود تنہا مخالفین سے مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔

سنگسار کر دیتے،[1] اور ہم پر تمھارا دباؤ تو ہے ہی نہیں ○[2]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿92﴾

انھوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تمھارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہیں کہ تم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے،[3] یقیناً میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو سب کو گھیرے ہوئے ہے ○

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿93﴾

اور اے میری قوم کے لوگو! اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں، تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور کون ہے جو جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں ○[4]

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ

جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ (تمام) مومنوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات

یہ کمزوری جسمانی لحاظ سے تھی جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بینائی کمزور تھی یا وہ نحیف و لاغر جسم کے تھے لیکن یہ بات درست نہیں۔ (تفسیر اللباب)

1 حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ کہا جاتا ہے کہ باقی کفار کے مقابلے میں کمزور اور تعداد میں کم تھا لیکن وہ قبیلہ چونکہ کفر و شرک میں اپنی ہی قوم کے ساتھ تھا، اس لیے اپنے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے اس قبیلے کا لحاظ، بہر حال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے اور انھیں نقصان پہنچانے میں مانع تھا۔

2 لیکن چونکہ تیرے قبیلے کی حیثیت بہر حال ہمارے دلوں میں موجود ہے، اس لیے ہم درگزر سے کام لے رہے ہیں۔

3 کہ تم مجھے تو میرے قبیلے کی وجہ سے تکلیف نہیں پہنچا رہے ہو لیکن جس اللہ نے مجھے منصب نبوت سے نوازا ہے، اس کی کوئی عظمت اور اس منصب کا کوئی احترام تمھارے دلوں میں نہیں ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنِّي (مجھ سے زیادہ ذی عزت) کی بجائے ﴿اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (اللہ سے زیادہ ذی عزت) کہا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبی کی توہین، دراصل اللہ کی توہین ہے۔ ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ﴾ میں ''ہ'' ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی کی پروا نہ کر کے اور ان کی باتوں پر عمل نہ کر کے تم نے اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی تم نے کوئی پروا نہیں کی۔

4 جب انھوں نے دیکھا کہ یہ قوم اپنے کفر و شرک پر مصر ہے اور وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا تو کہا: اچھا تم اپنی ڈگر پر چلتے رہو، عنقریب تمھیں جھوٹے سچے کا اور اس بات کا کہ رسوا کن عذاب کا مستحق کون ہے؟

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿94﴾
بخشی اور ظالموں کو سخت چنگھاڑ نے آ پکڑا [1] جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ○

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَاؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿95﴾ ع 12/8
گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، آگاہ رہو مدین والوں کے لیے بھی ویسی ہی دوری ہو جیسی دوری ثمود کو ہوئی ○ [2]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿96﴾
اور یقیناً ہم نے ہی موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا ○ [3]

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿97﴾
فرعون اور اس کے سرداروں [4] کی طرف، پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی حکم درست تھا ہی نہیں ○ [5]

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَؕ
وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو

علم ہو جائے گا۔

1 اس چیخ سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور اس کے معاً بعد ہی بھونچال بھی آیا جیسا کہ سورۂ اعراف، آیت:91 اور سورۂ عنکبوت، آیت:37 میں ہے۔

2 یعنی لعنت، پھٹکار، اللہ کی رحمت سے محرومی اور دوری۔

3 آیاتٌ سے تورات اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے وہ عظیم اور کھلے معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے۔ جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیات سے، آیات تسعة (نو نشانیاں) اور سلطان مبین (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے۔ عصا، اگرچہ آیات تسعة میں شامل ہے لیکن یہ معجزہ چونکہ نہایت ہی عظیم الشان تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

4 مَلَأٌ قوم کے اشراف اور ممتاز قسم کے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ (اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے) فرعون کے ساتھ اس کے دربار کے ممتاز لوگوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اشراف قوم ہی ہر معاملے کے ذمے دار ہوتے تھے اور قوم ان ہی کے پیچھے چلتی تھی۔ اگر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو یقیناً فرعون کی ساری قوم ایمان لے آتی۔

5 ﴿بِرَشِيْدٍ﴾ مُرْشِدُ کے معنی میں ہے، یعنی خیر کی طرف راہنمائی کرنے والا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذُو رُشْد رشد والا کے معنی میں ہے، یعنی بات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رشد و ہدایت والی تھی لیکن اسے ان لوگوں نے رد کر دیا اور فرعون کی بات جو رشد و ہدایت سے دور تھی، اس کی انھوں نے پیروی کی۔

وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿98﴾

دوزخ میں جا کھڑا کرے گا، [1] وہ بہت ہی برا گھاٹ [2] ہے جس پر لا کھڑے کیے جائیں گے ○

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿99﴾

ان پر تو اس دنیا میں بھی لعنت چپکا دی گئی اور قیامت کے دن بھی [3] برا انعام ہے جو دیا گیا ○ [4]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿100﴾

بستیوں کی یہ بعض خبریں جنھیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض (کی فصل) کٹ گئی ہے ○ [5]

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ

ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا [6] لیکن خود انھوں نے ہی اپنے آپ پر ظلم کیا، [7] اور جب تیرے رب کا حکم آ گیا تو ان کے ان معبودوں نے انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا جنھیں

---

1 یعنی فرعون، جس طرح دنیا میں ان کا رہبر اور پیش رو تھا، قیامت والے دن بھی یہ آگے آگے ہی ہوگا اور اپنی قوم کو اپنی قیادت میں جہنم میں لے کر جائے گا۔

2 ﴿اَلْوِرْدُ﴾ پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں، جہاں سے پانی پیا جاتا ہے مراد جہنم ہے۔ ﴿اَلْمَوْرُوْدُ﴾ وہ مقام جس پر پینے کے لیے آیا جاتا ہے، یعنی یہ گھاٹ بری جگہ ہے جس پر ورود ہوتا ہے۔ مراد جہنم ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا

3 لعنت سے مراد پھٹکار اور رحمت الٰہی سے دوری و محرومی ہے، گویا دنیا میں بھی وہ رحمت الٰہیہ سے محروم اور آخرت میں بھی اس سے محروم ہی رہیں گے، اگر ایمان نہ لائے۔

4 ﴿اَلرِّفْدُ﴾ انعام اور عطیے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں لعنت کو رفد کہا گیا ہے۔ اسی لیے اسے برا انعام قرار دیا گیا۔ ﴿اَلْمَرْفُوْدُ﴾ سے مراد وہ انعام جو کسی کو دیا جائے۔ یہ الرفد کی تاکید ہے۔

5 ﴿قَآئِمٌ﴾ سے مراد وہ بستیاں جو اپنی چھتوں پر قائم ہیں اور ﴿حَصِيْدٌ﴾ بمعنی محصود سے مراد وہ بستیاں جو کٹی ہوئی کھیتیوں کی طرح نابود ہو گئیں، یعنی جن گزشتہ بستیوں کے واقعات ہم بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض تو اب بھی موجود ہیں جن کے آثار و کھنڈرات نشان عبرت ہیں اور بعض بالکل ہی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئیں اور ان کا وجود صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا ہے۔

6 ان کو عذاب اور ہلاکت سے دوچار کر کے۔

7 کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے۔

رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾

وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے، بلکہ ان کے معبودوں نے ان کی تباہی و بربادی میں کچھ اضافہ ہی کیا ○ [1]

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾

تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے، بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت [2] سخت ہے ○

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿103﴾

یقیناً اس میں [3] ان لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہے جو قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ، وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے ○ [4]

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿104﴾ ؕ

اسے ہم جو ملتوی کرتے ہیں تو وہ صرف ایک مدت معین تک ہے ○ [5]

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ

جس دن وہ آجائے گی مجال نہ ہوگی کہ اللہ کی اجازت

---

1 جبکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ انھیں نقصان سے بچائیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو واضح ہو گیا کہ ان کا یہ عقیدہ فاسد تھا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔

2 یعنی جس طرح گزشتہ بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا، آئندہ بھی وہ ظالموں کی اسی طرح گرفت کرنے پر قادر ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ» ''اللہ تعالیٰ یقیناً ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔'' پھر نبی ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

(صحيح البخاري، حديث: 4686، وصحيح مسلم، حديث: 2583))

3 یعنی مؤاخذۂ الٰہی میں یا ان واقعات میں جو عبرت و موعظت کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

4 یعنی حساب اور بدلے کے لیے۔ اور اول سے آخر تک، تمام لوگ جمع ہوں گے، کوئی باقی نہیں رہے گا، جیسے فرمایا: ﴿وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ (الكهف 18:47) ''ہم ان کو اکٹھا کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔'' فرشتے بھی، انبیاء و رسل بھی اور مخلوقات عالم بھی، جیسے انسان، جن، چرند و پرند اور دیگر حیوانات اور پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔

5 یعنی قیامت کے دن میں تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت معین کیا ہوا ہے۔ جب وہ وقت مقرر آجائے گا تو ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہوگی۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿105﴾

کے بغیر کوئی بات بھی کر [1] لے، سو ان میں کوئی بد بخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ○

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿106﴾

لیکن جو بد بخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے، وہاں چیخیں گے چلائیں گے ○

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان وزمین برقرار رہیں۔ [2] سوائے اس وقت کے جو تمھارا رب

---

1 گفتگو نہ کرنے سے مراد، کسی کو اللہ تعالیٰ سے بحث وتکرار کی یا شفاعت کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔ طویل حدیث شفاعت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ» (صحيح البخاري، حديث:806، وصحيح مسلم، حديث: 299-(182)) ''اس دن انبیاء کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہ ہوگی اور انبیاء کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ! ہمیں بچالے، ہمیں بچالے۔''

2 ان الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب دائمی نہیں ہے بلکہ مؤقت ہے، یعنی اس وقت تک رہے گا، جب تک آسمان وزمین رہیں گے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ یہاں ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کے الفاظ اہل عرب کے روزمرہ اور محاورے کے مطابق کہے گئے ہیں۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کا دوام ثابت کرنا مقصود ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ «هٰذَا دَائِمٌ دَوَامَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ» ''یہ چیز اسی طرح ہمیشہ رہے گی جس طرح آسمان وزمین کا دوام ہے۔'' اسی محاورے کو قرآن کریم میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کفر وشرک جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جس کو قرآن نے متعدد جگہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان وزمین سے مراد، جنس ہے، یعنی دنیا کے آسمان وزمین اور ہیں جو فنا ہو جائیں گے لیکن آخرت کے آسمان وزمین ان کے علاوہ اور ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (إبراهيم 14:48) ''اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے)۔'' اور آخرت کے یہ آسمان و زمین، جنت اور دوزخ کی طرح ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہی آسمان وزمین مراد ہے، نہ کہ دنیا کے آسمان و زمین جو فنا ہو جائیں گے۔ (ابن كثير) ان دونوں مفہوموں میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لے لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور وہ اشکال پیدا نہیں ہوتا جو مذکور ہوا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے ہیں جنھیں اہل علم ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (فتح القدير)

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿107﴾
وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ
مَجْذُوْذٍ ﴿108﴾
فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ
مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ
قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ
9 ع 14 مَنْقُوْصٍ ﴿109﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ
فِيْهِ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

چاہے۔[1] یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے ○
لیکن جو نیک بخت کیے گئے وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہے مگر جو تیرا پروردگار چاہے[2] یہ کبھی ختم نہ ہونے والی بخشش ہے ○[3]
اس لیے آپ ان چیزوں سے شک شبہ میں نہ رہیں جنھیں وہ لوگ پوج رہے ہیں، ان کی پوجا تو اس طرح ہے جس طرح ان کے باپ دادوں کی اس سے پہلے تھی۔ ہم ان سب کو ان کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کمی کے دینے والے ہی ہیں ○[4]
یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا[5] اگر پہلے ہی آپ کے رب کی بات صادر نہ

1 اس استثنا کے بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ صحیح مفہوم یہی ہے کہ یہ استثنا ان گناہ گاروں کے لیے ہے جو اہل توحید و اہل ایمان ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس سے ماقبل آیت میں ﴿شَقِيٌّ﴾ کا لفظ عام، یعنی کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہوگا اور ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ سے عاصی مومنوں کا استثنا ہو جائے گا۔ اور مَاشَآءَ میں مَا، مَنْ کے معنی میں ہے۔

2 یہ استثنا بھی عُصَاۃِ اہل ایمان کے لیے ہے، یعنی دیگر جنتیوں کی طرح یہ نافرمان مومن ہمیشہ جنہم میں نہیں رہے ہوں گے بلکہ ابتدا میں ان کا کچھ عرصہ جہنم میں گزرا ہوگا اور پھر انبیاء اور اہل ایمان کی سفارش سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے یہ باتیں ثابت ہیں۔

3 ﴿غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ کے معنی ہیں: غَيْرَ مَقْطُوعٍ، یعنی نہ ختم ہونے والی عطا۔ اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن گناہ گاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، یہ دخول عارضی نہیں، ہمیشہ کے لیے ہوگا اور تمام جنتی ہمیشہ اللہ کی عطا اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوگا۔

4 اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وہ مستحق ہوں گے، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

5 یعنی کسی نے اس کتاب کو مانا اور کسی نے نہیں مانا۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا آیا ہے، کچھ لوگ ان پر ایمان لانے والے ہوتے اور دوسرے تکذیب کرنے والے، اس لیے آپ اپنی تکذیب سے نہ گھبرائیں۔

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿110﴾

ہوگئی ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ کردیا جاتا،[1] انھیں تو اس میں سخت شبہ ہے ○

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ط اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿111﴾

یقیناً ان میں سے ہر ایک کو آپ کا رب اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بیشک وہ جو کچھ کر رہے ہیں ان اعمال سے وہ باخبر ہے ○

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ط اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿112﴾

پس آپ جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے نہ بڑھنا،[2] اللہ تمھارے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے ○

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ لا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿113﴾

دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمھیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی[3] اور اللہ کے سوا تمھارا اور کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ تم مدد کیے جاؤ گے ○

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ

دن کے دونوں سروں (صبح اور شام کے اوقات) میں نماز

---

1 اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر کیا ہوا نہ ہوتا تو وہ انھیں فوراً اہلاک کر ڈالتا۔

2 اس آیت میں نبیٔ کریم ﷺ اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے جو دشمن کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ ''استقامت'' نہایت جامع لفظ ہے جو شریعت کے پورے نظام کی پابندی سے عبارت ہے اور یہ پابندی نہایت کٹھن ہے، اسی صعوبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: «شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَّأَخَوَاتُهَا» ''سورۂ ہود اور اس کے نظائر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔'' دوسرے طُغْیان، یعنی بغي (حد سے بڑھ جانے) سے روکا گیا ہے، یعنی شریعت نے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان کی پابندی کرو اور اُن سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرو، یہ اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعت کردار کے لیے بہت ضروری ہے حتیٰ کہ یہ تجاوز دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں ہے۔

3 اس کا مطلب ہے کہ ظالموں کے ساتھ نرمی اور مداہنت کرتے ہوئے ان سے مدد حاصل مت کرو۔ اس سے ان کو یہ تأثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری باتوں کو بھی پسند کرتے ہو۔ اس طرح یہ تمھارا ایک بڑا جرم بن جائے گا جو تمھیں بھی ان کے ساتھ نارِ جہنم کا مستحق بنا سکتا ہے۔ اس سے ظالم حکمرانوں کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی ممانعت نکلتی ہے۔ اِلَّا یہ کہ مصلحت عامہ یا دینی منافع متقاضی ہوں۔ ایسی صورت میں دل سے نفرت رکھتے ہوئے ان سے ربط و تعلق کی اجازت ہوگی جیسا کہ بعض احادیث سے واضح ہے۔

الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿114﴾

قائم کیجیے اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی [1]، یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ [2] یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے ○

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿115﴾

آپ صبر کرتے رہیے، یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ○

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿116﴾

پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنھیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی، [3] ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے، جسم میں انھیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ گناہ گار تھے ○ [4]

---

1 ''دونوں سروں'' سے بعض نے صبح اور مغرب، بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا وقت مراد لیا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ آیت معراج سے قبل نازل ہوئی ہو جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں، ایک طلوع شمس سے قبل اور ایک غروب سے قبل اور رات کے پچھلے پہر میں نماز تہجد، پھر نماز تہجد امت سے معاف کر دی گئی اور بعض کے مطابق اس کا وجوب آپ ﷺ سے بھی ساقط کر دیا گیا۔ (ابن كثير) والله أعلم.

2 جس طرح کہ احادیث میں بھی اسے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، مثلاً: پانچ نمازیں، جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک، ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 16-(233)) ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بتلاؤ! اگر تمھارے کسی کے دروازے پر بڑی نہر ہو، وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے بعد اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح پانچ نمازیں ہیں، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 528، وصحيح مسلم، حديث: 283-(667))

3 یعنی گزشتہ امتوں میں سے ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو اہل شر اور اہل منکر کو شر، مُنکَرات اور فساد سے روکتے؟ پھر فرمایا: ایسے لوگ ہوتے تو تھے لیکن بہت تھوڑے۔ جنھیں ہم نے اس وقت نجات دے دی، جب دوسروں کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔

4 یعنی یہ ظالم اپنے ظلم پر قائم اور اپنی مدہوشیوں میں مست رہے حتیٰ کہ عذاب نے انھیں آ لیا۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿117﴾

آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر دے جب کہ وہاں کے لوگ نیکو کار ہوں ○

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿118﴾

اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنائے رکھتا، وہ تو برابر اختلاف کرتے ہی رہیں گے ○

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿119﴾

مگر جن پر آپ کا رب رحم فرمائے، اسی لیے تو اس نے انھیں پیدا کیا ہے،[1] اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ○[2]

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿120﴾

رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لیے ○

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى

ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے طور پر عمل

---

1 ''اسی لیے'' کا مطلب بعض نے اختلاف اور بعض نے رحمت لیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے انسانوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو دین حق سے اختلاف کا راستہ اختیار کرے گا، وہ آزمائش میں ناکام اور جو اسے اپنا لے گا، وہ کامیاب اور رحمت الٰہی کا مستحق ہوگا۔

2 یعنی اللہ کی تقدیر اور قضا میں یہ بات ثبت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور جنت و جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑیں، جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرے کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟ جہنم نے کہا: میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت کا مظہر ہے، تیرے ذریعے سے میں جس پر چاہوں اپنا رحم کروں۔ اور جہنم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو میرے عذاب کا مظہر ہے تیرے ذریعے سے میں جس کو چاہوں سزا دوں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھر دے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی۔ اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ○﴾ (ق 30:50) کا نعرہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ ''بس، بس، تیری عزت کی قسم!'' (صحيح البخاري، حديث: 4850، وصحيح مسلم، حديث: (2846) و37- (2848))

مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿121﴾
وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿122﴾
وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ
الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا
10 14 10 ع رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿123﴾

کیے جاؤ، ہم بھی عمل میں مشغول ہیں ○
اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ○ [1]
آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ ہی کو ہے، تمام کاموں کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور تم جو کچھ کرر ہے ہو اس سے تمھارا رب غافل نہیں ہے ○

اٰيَاتُهَا 111 (12) سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ (53) رُكُوْعَاتُهَا 12

سورۂ یوسف مکی ہے، اس میں 111 آیات اور 12 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿1﴾
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿2﴾
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ

الٓرٰ، یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○
یقیناً ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا کر نازل فرمایا ہے تا کہ تم سمجھ سکو ○ [2]
ہم آپ کے سامنے بہترین بیان [3] پیش کرتے ہیں اس

---

1 یعنی عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ حسن انجام کس کے حصے میں آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے، چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور پورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیرنگین آ گیا۔

2 آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب وہ کتاب اسی زبان میں نازل ہو جس کو وہ سمجھ سکیں۔ قرآن کریم کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے، اس لیے قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔ علاوہ ازیں عربی زبان اپنی فصاحت و بلاغت اور اعجاز اور ادائے معانی کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بہتر زبان ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اشرف الکتب (قرآن مجید) کو اشرف اللغات (عربی) میں اشرف الرسل (حضرت محمد ﷺ) پر اشرف الملائکہ (جبرائیل) کے ذریعے سے نازل فرمایا اور مکہ، جہاں اس کا آغاز ہوا، دنیا کا اشرف ترین مقام ہے اور جس مہینے میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی وہ بھی اشرف ترین مہینہ رمضان ہے۔ اور اس پر ایمان لانے والی امت کو بھی خیر امت قرار دیا گیا ہے۔

3 ﴿الْقَصَصِ﴾ یہ مصدر ہے، معنی ہیں کسی چیز کے پیچھے لگنا، مطلب بہترین واقعہ ہے۔ یہ اخبار ماضیہ کا واقعی اور حقیقی بیان ہے اور اس واقعے میں حسد کا انجام، صبر کا بہترین نتیجہ، تائید الٰہی کی کرشمہ سازیاں، نفس امارہ کی شورشیں اور سرکشیوں کا نتیجہ اور دیگر انسانی عوارض و حوادث کا نہایت دلچسپ بیان اور بڑے عبرت انگیز پہلو ہیں، اس لیے اسے

بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ④ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑤

قرآن سے جو ہم نے آپ کی جانب وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے ○ [1] جب یوسف [2] نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جی میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو [3] (خواب میں) دیکھا ہے کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں ○ یعقوب نے کہا: پیارے بچے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں، [4] شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے ○ [5]

قرآن نے احسن القصص ''بہترین بیان'' سے تعبیر کیا ہے۔

1 قرآن کریم کے ان الفاظ سے بھی واضح ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے خبر قرار نہ دیتا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں کیونکہ آپ پر وحی کے ذریعے سے ہی یہ سچا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نہ کسی کے شاگرد تھے کہ کسی استاذ سے سیکھ کر بیان فرما دیتے، نہ کسی اور سے ہی ایسا تعلق تھا کہ جس سے سن کر تاریخ کا یہ واقعہ اپنی اہم جزئیات کے ساتھ آپ نشر کر دیتے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے سے آپ پر نازل فرمایا ہے جیسا کہ اس مقام پر صراحت کی گئی ہے۔

2 یعنی اے محمد! اپنی قوم کے سامنے یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ باپ یعقوب علیہ السلام تھے جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اور حدیث میں بھی یہ نسب بیان کیا گیا ہے: «اَلْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ» (مسند أحمد:96/2)

3 بعض مفسرین نے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں جو گیارہ ہی تھے اور چاند سورج سے مراد ماں اور باپ ہیں اور خواب کی تعبیر چالیس یا اسی سال کے بعد اس وقت سامنے آئی جب یہ سارے بھائی اپنے والدین سمیت مصر گئے اور وہاں یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے جیسا کہ یہ تفصیل سورت کے آخر میں آئے گی۔

4 یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگا لیا کہ ان کا یہ بیٹا عظمت شان کا حامل ہوگا، اس لیے انھیں اندیشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کر کے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں، بنابریں انھوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرما دیا۔

5 یہ بھائیوں کے مکر و فریب کی وجہ بیان فرما دی کہ شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے، اس لیے وہ انسانوں کو بہکانے، گمراہ کرنے اور انھیں حسد و بغض میں مبتلا کرنے میں ہر وقت کوشاں اور تاک میں رہتا ہے، چنانچہ یہ شیطان

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥ ع 1/6 11

اور اسی طرح [1] تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا [2] اور یعقوب کے گھر والوں کو بھی، [3] جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا اور پردادا یعنی ابراہیم و اسحاق کو بھی اپنی بھرپور نعمت دی، یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمت والا ہے ○

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦

یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں [4] ہیں ○

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ⑧

جب کہ انھوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی [5] بہ نسبت ہمارے، باپ کو بہت زیادہ پیارا ہے، حالانکہ ہم (طاقتور) جماعت [6] ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں [7] ○

کے لیے بڑا اچھا موقع ہوگا کہ وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کے دلوں میں حسد و بغض کی آگ بھڑکا دے جیسا کہ فی الواقع بعد میں اس نے ایسا ہی کیا اور یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔

1 یعنی جس طرح تجھے تیرے رب نے نہایت عظمت والا خواب دکھانے کے لیے چن لیا، اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدگی بھی عطا کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ ﴿تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ کے اصل معنی باتوں کی تہ تک پہنچنا ہے۔ یہاں خواب کی تعبیر مراد ہے۔

2 اس سے مراد نبوت ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ یا وہ انعامات ہیں جن سے مصر میں یوسف علیہ السلام نوازے گئے۔

3 اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، ان کی اولاد وغیرہم ہیں، جو بعد میں انعامات الٰہی کے مستحق بنے۔

4 یعنی اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صداقت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ان بھائیوں کے نام اور ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

5 ”اس کا بھائی“ سے مراد بنیامین ہے اور یہ ان کے سگے بھائی تھے۔

6 یعنی ہم دس بھائی طاقتور جماعت اور اکثریت میں ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین صرف دو ہیں، اس کے باوجود باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

7 یہاں ﴿ضَلٰلٍ﴾ سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باپ سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے زیادہ

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ⑨

یوسف کو تو مار ہی ڈالو یا اسے کسی (نامعلوم) جگہ پھینک دو کہ تمھارے والد کا رخ صرف تمھاری طرف ہی ہو جائے۔ اس کے بعد تم نیک ہو جانا ○ [1]

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩

ان میں سے ایک نے کہا: یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنویں (کی تہ) میں ڈال آؤ کہ [2] اسے کوئی (آتا جاتا) قافلہ اٹھالے جائے اگر تمھیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو ○ [3]

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪

انھوں نے کہا: ابا! آخر آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں ○ [4]

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫

کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب کھائے پیے اور کھیلے، [5] اس کی حفاظت کے ہم ذمے دار ہیں ○

محبت کی صورت میں صادر ہوئی۔

1 اس سے مراد تائب ہو جانا ہے، یعنی کنویں میں ڈال کر یا قتل کر کے اللہ سے اس گناہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔

2 ﴿ الْجُبِّ ﴾ کنویں کو اور ﴿ غَيٰبَتِ ﴾ سے یہاں مراد اس کی تہ اور گہرائی ہے۔ کنواں ویسے بھی گہرا ہی ہوتا ہے اور اس میں گری ہوئی چیز کسی کو نظر نہیں آتی۔ جب اس کے ساتھ کنویں کی گہرائی کا بھی ذکر کیا تو گویا مبالغے کا اظہار کیا۔

3 یعنی آنے جانے والے نو وارد مسافر، جب پانی کی تلاش میں کنویں پر آئیں گے تو ممکن ہے کسی کے علم میں آجائے کہ کنویں میں کوئی انسان گرا ہوا ہے اور وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ تجویز ایک بھائی نے از راہ شفقت پیش کی۔ قتل کے مقابلے میں یہ تجویز واقعتاً ہمدردی کے جذبات ہی کی حامل ہے۔

4 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہوگی اور باپ نے انکار کر دیا ہوگا۔

5 کھیل اور تفریح کا رجحان انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لیے جائز کھیل اور تفریح پر اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں بھی پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی ان کی اجازت ہے لیکن مشروط، یعنی ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جن میں شرعی قباحت ہو نہ وہ محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ بنیں، چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کود کی حد تک کوئی اعتراض نہیں کیا، البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کود میں مدہوش ہو اور اسے بھیڑیا کھا جائے کیونکہ وہاں کے کھلے میدانوں اور

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬

(یعقوب نے) کہا: اسے تمھارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ تمھاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے ○

قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

انھوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی (زورآور) جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل نکمے [1] ہی ہوئے ○

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑮

پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ اسے غیر آباد گہرے کنویں کی تہ میں پھینک دیں، ہم نے اس (یوسف) کی طرف وحی کی کہ یقیناً (وقت آ رہا ہے کہ) تو انھیں اس ماجرے کی خبر اس حال میں دے گا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں [2] ○

وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ⑯

اور عشاء کے وقت (وہ سب) اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے ○

قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ

اور کہنے لگے کہ ابا جی! ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا پس اسے بھیڑیا

صحراؤں میں بھیڑیے عام تھے۔

1 یہ باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑیا یوسف کو کھا جائے۔

2 قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انھوں نے یوسف کو کنویں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور حوصلے کے لیے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بلند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی اپنی حاجت لے کر تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انھیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کا سنگ دلانہ معاملہ کیا تھا جسے سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ یوسف علیہ السلام اس وقت اگرچہ بچے تھے لیکن جو بچے، نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن میں بھی وحی آ جاتی ہے، جیسے عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام وغیرہما پر آئی۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿17﴾

کھا گیا، آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے، گو ہم بالکل سچے ہی ہوں[1] ○

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾

اور یوسف کے کُرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے، باپ نے کہا: یوں نہیں بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے، پس صبر ہی بہتر ہے[2] اور تمھاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے[3] ○

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿19﴾

اور ایک قافلہ آیا اور انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا اور کہنے لگا: واہ واہ! خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے،[4] انھوں نے اسے مالِ

---

1 یعنی اگر ہم ثقہ اور اہل صدق ہوتے، تب بھی یوسف کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہ کرتے، اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متہم اور مشکوک افراد کی سی ہے، اب آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کر لیں گے؟

2 کہتے ہیں کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے یوسف کی قمیص خون میں لت پت کر لی اور یہ بھول گئے کہ بھیڑیا اگر یوسف کو کھاتا تو قمیص کو بھی تو پھٹنا تھا، قمیص ثابت کی ثابت ہی تھی جس کو دیکھ کر، علاوہ ازیں یوسف علیہ السلام کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا ہے جو تم بیان کر رہے ہو بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنالی ہے، تاہم چونکہ جو ہونا تھا، ہو چکا تھا، یعقوب علیہ السلام اس کی تفصیل سے بے خبر تھے، اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سہارا نہ تھا۔

3 منافقین نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انھوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افہام وارشاد کے جواب میں فرمایا تھا: «وَاللهِ! لَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ، فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُونَ» (صحيح البخاري، حديث:2661) ”اللہ کی قسم! میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جس سے یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا اور انھوں نے فَصَبْرٌ جَمِيلٌ کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا تھا۔“ یعنی میرے لیے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

4 ﴿وَارِدَ﴾ اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے کے لیے پانی کا انتظام کرتا ہے۔ یہ وارد (قافلے کے لیے پانی لانے والا) جب کنویں پر آیا اور اپنا ڈول نیچے لٹکایا تو یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی پکڑ لی، وارد نے ایک خوش شکل بچہ دیکھا تو اسے اوپر کھینچ لیا اور بڑا خوش ہوا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ⑳ ع 2/14/12

تجارت قرار دے کر چھپا [1] دیا اور اللہ اس سے باخبر تھا جو وہ کر رہے تھے ○ [2]

اور انھوں [3] نے اسے بہت ہی ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہموں پر ہی بیچ ڈالا، وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے ○ [4]

---

1 ﴿ بِضَاعَةً ﴾ سامان تجارت کو کہتے ہیں ﴿ اَسَرُّوْهُ ﴾ کا فاعل کون ہے؟ یعنی یوسف کو سامان تجارت سمجھ کر چھپانے والا کون ہے؟ بعض نے برادران یوسف کو فاعل قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ڈول کے ساتھ یوسف بھی کنویں سے باہر نکل آئے تو وہاں یہ بھائی بھی موجود تھے، تاہم انھوں نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا، یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور یوسف علیہ السلام نے بھی قتل کے اندیشے سے اپنا بھائی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ بھائیوں نے انھیں فروختنی قرار دیا تو خاموش رہے اور اپنا فروخت ہونا پسند کر لیا، چنانچہ اس وارد نے اہل قافلہ کو خوش خبری سنائی کہ ایک بچہ فروخت ہو رہا ہے۔ مگر یہ بات سیاق سے میل کھاتی نظر نہیں آتی۔ اور بعض نے اَسَرُّوْهُ کا فاعل وارد اور اس کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے کہ انھوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کنویں سے نکلا ہے کیونکہ اس طرح تمام اہل قافلہ اس ''سامان تجارت'' میں شریک ہو جاتے بلکہ اہل قافلہ کو انھوں نے جا کر یہ بتلایا کہ کنویں کے مالکوں نے یہ بچہ ان کے سپرد کیا ہے تاکہ اسے وہ مصر جا کر بیچ دیں۔ مگر اقرب ترین بات یہ ہے کہ اہل قافلہ نے بچے کو سامان تجارت قرار دے کر چھپا لیا کہ کہیں اس کے عزیز و اقارب اس کی تلاش میں نہ آ پہنچیں۔ اور یوں لینے کے دینے پڑ جائیں کیونکہ بچہ ہونا اور کنویں میں پایا جانا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ کہیں قریب ہی کا رہنے والا ہے اور کھیلتے کودتے آ گرا ہے۔

2 یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا، اللہ کو اس کا علم تھا لیکن اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے ہونے دیا کہ تقدیر الٰہی بروئے کار آئے۔ علاوہ ازیں اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اشارہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بتلا رہا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ یقیناً ایذا پہنچا رہے ہیں اور میں انھیں اس سے روکنے پر قادر بھی ہوں لیکن میں اسی طرح انھیں مہلت دے رہا ہوں جس طرح برادران یوسف کو مہلت دی تھی۔ اور پھر بالآخر میں نے یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت پر جا بٹھایا اور اس کے بھائیوں کو عاجز و لاچار کر کے اس کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ اے پیغمبر! ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے اور یہ سرداران قریش آپ کے اشارۂ ابرو اور جنبش لب کے منتظر ہوں گے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وقت جلد ہی آ پہنچا۔

3 بھائیوں نے یا دوسری تفسیر کی رو سے اہل قافلہ نے بیچا۔

4 کیونکہ گری پڑی چیز انسان کو یوں ہی بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے، اس لیے چاہے وہ کتنی بھی قیمتی ہو، اس کی صحیح

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝21

مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی [1] سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنالیں، یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم [2] جمادیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھادیں، اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں ○

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝22

اور جب (یوسف) پختگی کی عمر کو پہنچ گئے تو ہم نے اسے قوتِ فیصلہ اور علم دیا، [3] ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝23

اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے، یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی: لو آجاؤ۔ یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا [4] ○

قدر و قیمت انسان پر واضح نہیں ہوتی۔

1 کہا جاتا ہے کہ مصر پر اس وقت ریان بن ولید حکمران تھا اور یہ عزیز مصر جس نے یوسف کو خریدا، اس کا وزیر خزانہ تھا۔ واللہ أعلم.

2 یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو کنویں سے ظالم بھائیوں سے نجات دی، اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ایک معقول اچھا ٹھکانہ عطا کیا۔

3 یعنی نبوت یا نبوت سے قبل کی دانائی اور قوت فیصلہ۔

4 یہاں سے یوسف علیہ السلام کا ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی جس کو اس کے خاوند نے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اکرام و احترام کے ساتھ رکھے، وہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور انھیں دعوت گناہ دینے لگی جسے یوسف علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿24﴾

اس عورت نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف اس کا[1] قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے،[2] یوں ہی ہوا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔[3] بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا ○

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿25﴾

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے[4] اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا، تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے ○[5]

---

1 یہ ترجمہ ان مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ جنھوں نے اسے لَوْ لَا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے قصد ہی نہیں کیا جبکہ بعض دیگر مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کیے ہیں کہ قصد تو یوسف علیہ السلام نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیاری نہیں تھا۔ دوسرے، یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے، اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے (فتح القدیر، ابن کثیر) مگر پہلا معنی ہی راجح ہے کہ یوسف علیہ السلام بھی اس کا قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھے ہوتے، یعنی انھوں نے اپنے رب کی برہان دیکھ رکھی تھی، اس لیے عزیز مصر کی بیوی کا قصد ہی نہیں کیا بلکہ دعوت گناہ ملتے ہی پکار اٹھے: معاذ اللہ...... الخ، یوں کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔

2 یہاں بعض کی تفسیر کی بنا پر لَوْ لَا کا جواب محذوف ہے، لَفَعَلَ مَاهَمَّ بِهِ یعنی اگر یوسف علیہ السلام رب کی برہان نہ دیکھتے تو جو قصد کیا تھا، کر گزرتے۔ یہ برہان کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی ایسی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے داعیے کے دبانے اور رد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے۔

3 یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو برہان دکھا کر، برائی یا اس کے ارادے سے بچا لیا، اسی طرح ہم نے اسے ہر معاملے میں برائی اور بے حیائی کی باتوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا کیونکہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

4 جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت برائی کے ارتکاب پر مصر ہے تو وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، یوسف علیہ السلام کے پیچھے انھیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔

5 یعنی خاوند کو دیکھتے ہی خود معصوم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف کو قرار دے کر ان کے لیے سزا بھی تجویز کر دی،

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿26﴾

یوسف نے کہا: یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی،[1] اور عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی دی[2] کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے ○

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾

اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے پھٹا ہوا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے ○

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿28﴾

سو جب خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیٹھ کی جانب سے پھٹا ہوا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے، بیشک تمھاری چال بازی بہت بڑی ہے ○[3]

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ

یوسف اب اس بات کو جانے دو،[4] اور (اے عورت!) تو

حالانکہ صورت حال اس کے برعکس تھی، مجرم خود تھی جبکہ یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ اور اس برائی سے بچنے کے خواہش مند اور اس کے لیے کوشاں تھے۔

1 یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ عورت تمام الزام ان پر دھر رہی ہے تو صورت حال واضح کر دی اور کہا کہ مجھے برائی پر مجبور کرنے والی یہی ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے باہر دروازے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔

2 یہ انھی کے خاندان کا کوئی سمجھ دار آدمی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا۔ فیصلے کو یہاں شہادت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا کیونکہ معاملہ ابھی تحقیق طلب تھا۔ بعض نے کہا کہ گواہی دینے والا شیر خوار بچہ تھا لیکن یہ بات مستند روایات سے ثابت نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 3436، و صحيح مسلم، حديث: 8-(2550) میں تین شیر خوار بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم، حدیث: (3005) میں اصحاب الاخدود میں سے بھی ایک عورت کے بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ ان صحیح احادیث میں شاہد یوسف کے بچے ہونے کی صراحت نہیں ہے، اس لیے جن روایات میں شاہد یوسف کو بھی معجزانہ طور پر گہوارے میں بولنے والے بچوں میں شمار کیا گیا ہے، وہ صحیح نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے۔ السلسلة الضعيفة للألباني: 273,272/2، حديث: 880)

3 یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا۔ اس سے مراد وہی مخاطب عورت یا عورتیں تھیں، اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر تمام عورتوں کو مکر و فریب کا پتلا باور کرانا درست نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ اس جملے سے ہر ہر عورت کے بارے میں یہ تأثر دیتے ہیں۔

4 یعنی اس کا چرچا مت کرو۔

ع 3/9/13 لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــِٕيْنَ ﴿29﴾ ع
وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ
تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ
اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ
وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ
مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ
فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ
وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿31﴾

اپنے گناہ سے توبہ کر، بیشک تو گناہ گاروں میں سے ہے ○ [1]
اور شہر کی عورتوں میں (چرچا) ہونے لگا کہ عزیز کی بیوی
اپنے (جوان) غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے بہلانے
پھسلانے میں لگی رہتی ہے، اس کے دل میں یوسف کی محبت
بیٹھ گئی ہے، ہمارے خیال میں تو وہ صریح گمراہی میں ہے ○ [2]
اس نے جب ان (عورتوں) کی پر فریب مکارانہ باتیں
سنیں تو انھیں بلوا بھیجا [3] اور ان کے لیے ایک مجلس
مرتب [4] کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی۔ اور کہا:
اے یوسف! ان کے سامنے چلے آؤ، [5] ان عورتوں نے
جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ
لیے، [6] اور زبان سے نکل گیا کہ حاشاللہ! یہ انسان تو

---

1 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر پر یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی واضح ہوگئی تھی۔

2 گو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو اسے نظر انداز کرنے کی تلقین کی اور یقیناً آپ نے اس کی پاسداری کی، اس کے باوجود یہ واقعہ کسی نہ کسی طریقے سے زنان مصر میں اس کا چرچا عام ہوگیا، عورتیں تعجب کرنے لگیں کہ عشق کرنا ہی تھا تو کسی صاحب حیثیت سے کیا جاتا، یہ کیا اپنے ہی غلام پر یہ عورت فریفتہ ہوگئی، یہ تو اس کی بہت ہی نادانی ہے۔

3 زنان مصر کی غائبانہ باتوں اور طعن و ملامت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ان عورتوں کو بھی یوسف علیہ السلام کے بے مثال حسن و جمال کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ اور وہ اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتی تھیں، چنانچہ وہ اپنے اس مکر (خفیہ تدبیر) میں کامیاب ہوگئیں اور امرأۃ العزیز نے یہ بتلانے کے لیے کہ میں جس پر فریفتہ ہوئی ہوں، محض ایک غلام یا عام آدمی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باطن کے ایسے حسن سے آراستہ ہے کہ اسے دیکھ کر نقد دل و جان ہار جانا کوئی انہونی بات نہیں، ان عورتوں کی ضیافت کا اہتمام کیا اور انھیں دعوت طعام دی۔

4 یعنی ایسی نشست گاہیں بنائیں جن میں تکیے لگے ہوئے تھے جیسا کہ آج کل عربوں اور افغانیوں میں ایسی فرشی نشست گاہیں عام ہیں حتیٰ کہ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں بھی ان کا اہتمام ہے۔

5 یعنی یوسف علیہ السلام کو پہلے گھر کے اندر رکھا، جب سب عورتوں نے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں تو امرأۃ العزیز (زلیخا) نے یوسف علیہ السلام کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

6 یعنی حسن یوسف علیہ السلام کی جلوہ آرائی دیکھ کر ایک تو ان کی عظمت و جلالت شان کا اعتراف کیا اور دوسرے، ان پر

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَىِٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿32﴾

نہیں، یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے ○ [1]
اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں، [2] میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا، اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بیشک یہ بہت ہی بے عزت ہوگا ○ [3]

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿33﴾

یوسف نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے، اگر تو نے ان کا مکروفریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں میں جا ملوں گا ○ [4]

بے خودی و وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ چھریاں اپنے ہی ہاتھوں پر چلا لیں، جس سے ان کے ہاتھ زخمی اور خون آلودہ ہو گئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 259-(162))

1 اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتے شکل وصورت میں انسان سے بہتر یا افضل ہیں بلکہ ان عورتوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ عالم شباب میں ہونے کے باوجود اور اپنی صاحب حیثیت مالکہ کے تقاضے کے باوصف وہ آمادۂ گناہ نہ ہوئے تو انھوں نے یہی سمجھا کہ جنسی خواہشات سے مبرا تو فرشتے ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بھی ایک معزز فرشتہ ہے انسان نہیں۔

2 جب امرأۃ العزیز نے دیکھا کہ اس کی چال کامیاب رہی ہے اور عورتیں یوسف علیہ السلام کے جلوۂ حسن آرا سے مبہوت و مدہوش ہو گئیں تو کہنے لگی کہ اس کی ایک جھلک سے تمھارا یہ حال ہو گیا ہے تو کیا تم اب بھی مجھے اس کی محبت میں گرفتار ہونے پر طعنہ زنی کرو گی؟ یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔

3 عورتوں کی یہ مدہوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہو گیا اور شرم وحیا کے سارے حجاب دور کر کے اس نے اپنے برے ارادے کا ایک مرتبہ پھر اظہار کیا۔

4 یوسف علیہ السلام نے یہ دعا اپنے دل میں کی، اس لیے کہ ایک مومن کے لیے دعا بھی ایک ہتھیار ہے۔ حدیث میں آتا ہے، سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایک

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿34﴾

اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیے، یقیناً وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿35﴾ ع 4/6 14

پھر ان تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انھیں یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لیے قید خانے میں رکھیں ○ [1]

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿36﴾

اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں ○ [2]

ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ و منصب کی بھی حامل ہو لیکن وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو ''اللہ سے ڈرتا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 660، و صحيح مسلم، حديث: 91-(1031))

1 عفت و پاک دامنی واضح ہو جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کو حوالۂ زندان کرنے میں یہی مصلحت ان کے پیش نظر ہو سکتی تھی کہ عزیز مصر یوسف علیہ السلام کو اپنی بیوی سے دور رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ دوبارہ یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ وہ ایسا ارادہ رکھتی تھی۔

2 یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے متعلق تھے۔ ایک شراب پلانے پر مامور تھا اور دوسرا نان بائی تھا۔ کسی حرکت پر دونوں کو پسِ دیوارِ زنداں کر دیا (جیل میں ڈال دیا) گیا۔ یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت، تقویٰ و راست بازی اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے جیل میں دیگر تمام قیدیوں سے ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم اور ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھا تو قدرتی طور پر یوسف علیہ السلام کی طرف انھوں نے رجوع کیا اور کہا: ہمیں آپ محسنین میں سے نظر آتے ہیں، یعنی قیدیوں سے احسان کرنے والے ہیں۔ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلائیں۔ محسن کے ایک معنی بعض نے یہ بھی کیے ہیں کہ خواب کی تعبیر آپ اچھی کر لیتے ہیں۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿37﴾

یوسف نے کہا: تمھیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمھارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمھیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے،[1] میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں ○[2]

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿38﴾

میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے دین کا،[3] ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں،[4] ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کا یہ خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ○

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ﴿39﴾

اے میرے قید خانے کے ساتھیو![5] کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں[6] یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟ ○

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً

اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی

1 یعنی میں جو تعبیر بتلاؤں گا، وہ کاہنوں اور نجومیوں کی طرح ظن وتخمین پر مبنی نہیں ہوگی جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے بلکہ میری تعبیر یقینی علم پر مبنی ہوگی جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا ہے جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔

2 یہ نیا کلام ہے جس میں یہ الہام اور علم الٰہی (جن سے آپ کو نوازا گیا) کی وجہ بھی ضمناً شامل ہے کہ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات مجھ پر ہوئے۔

3 اجداد کو بھی آباء کہا، اس لیے کہ وہ بھی آباء ہی ہیں، پھر ترتیب میں بھی جد اعلیٰ (ابراہیم علیہ السلام) پھر جد اقرب (اسحاق علیہ السلام) اور پھر باپ (یعقوب علیہ السلام) کا ذکر کیا۔

4 وہی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین تعلیم اور دعوت ہوتی تھی۔

5 قید خانے کے ساتھی اس لیے قرار دیا کہ یہ سب ایک عرصے سے جیل میں محبوس چلے آ رہے تھے۔

6 یہ تفرق ذوات، صفات اور عدد کے لحاظ سے ہے، یعنی وہ رب جو ذات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفرق، صفات میں ایک دوسرے سے مختلف اور تعداد میں باہم متنافی ہیں۔ وہ بہتر ہیں یا وہ اللہ، جو اپنی ذات وصفات میں متفرد ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے؟ (فتح القدیر)

سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿40﴾

نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی،[1] فرمانروائی صرف اللہ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست[2] ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○[3]

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿41﴾

اے میرے قید خانے کے رفیقو![4] تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا،[5] لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کھائیں گے،[6] تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا ○[7]

---

1 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو تم نے نام رکھے ہیں یہ خالی نام ہی ہیں ان کے مسمّٰی نہیں ہیں اگرچہ تم یہ باطل عقیدہ رکھتے ہو کہ ان کے مسمیات ہیں، یعنی وہ جن کو تم معبود قرار دیتے ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان معبودوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں، مثلاً: خواجہ غریب نواز، گنج بخش، کرنی والا، کرماں والا وغیرہ یہ سب تمھارے خود ساختہ ہیں، صرف نام ہیں اور حقیقت میں ان کے لیے کوئی حقِ الوہیت وعبادت نہیں۔

2 یہی دین جس کی طرف میں تمھیں بلا رہا ہوں جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، درست اور قیم ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

3 جس کی وجہ سے اکثر لوگ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں ﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○﴾ (یوسف 12:106) ”اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت مشرک ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ○﴾ (یوسف 12:103) ”اے پیغمبر! تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“

4 توحید کا وعظ کرنے کے بعد اب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرما رہے ہیں۔

5 یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے کو انگور کا شیرہ تیار کرتے ہوئے دیکھا تھا، تاہم آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین نہیں کی تاکہ مرنے والا پہلے ہی غم وحزن میں مبتلا نہ ہو جائے۔

6 یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو خواب میں سر پر روٹیاں اٹھائے دیکھا تھا۔

7 یعنی تقدیر الٰہی میں پہلے سے یہ بات ثبت ہے اور جو تعبیر میں نے بتلائی ہے، لامحالہ واقع ہو کر رہے گی جیسا کہ

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ؕ۴۲ ع 5/7/15

اور جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا، پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے ہی میں کاٹے ○ [1]

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۴۳

بادشاہ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی فربہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں سبز اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو ○

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ۴۴

انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو اڑتے اڑاتے پریشان خواب ہیں اور ایسے شوریدہ پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں ○ [2]

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۴۵

ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا اسے مدت کے بعد یاد آ گیا اور کہنے لگا میں تمھیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا مجھے

حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خواب، جب تک اس کی تعبیر نہ کی جائے، پرندے کے پاؤں پر ہے۔ جب اس کی (صحیح) تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔“ (مسند أحمد: 10/4)

1 ﴿بِضْعَ﴾ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ ایوب علیہ السلام آزمائش میں اور یوسف علیہ السلام قید خانے میں سات سال رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال رہا۔ اور بعض کے نزدیک یوسف علیہ السلام بارہ سال اور بعض کے نزدیک چودہ سال قید خانے میں رہے۔ واللہ أعلم.

2 ﴿اَضْغَاثُ﴾ ضِغْثٌ کی جمع ہے جس کے معنی گھاس کے گٹھے کے ہیں۔ ﴿اَحْلَامٍ﴾ حِلْمٌ (بمعنی خواب) کی جمع ہے۔ اضغاث احلام کے معنی ہوں گے خواب ہائے پریشان یا خیالات منتشرہ، جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ یہ خواب اس بادشاہ کو آیا، عزیز مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خواب کے ذریعے سے یوسف کی رہائی عمل میں لانی تھی، چنانچہ بادشاہ کے درباریوں اور مُعَبِّرین نے اس خواب پریشاں کی تعبیر بتلانے سے عجز کا اظہار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ درباروالوں کے اس قول کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں

جانے کی اجازت دیجیے ○ [1]

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿46﴾

اے یوسف! اے بہت بڑے سچے! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی پتلی گائیں کھارہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بھی بالکل خشک ہیں تاکہ میں واپس جاکر ان لوگوں سے کہوں تاکہ وہ سب جان لیں ○

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿47﴾

یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگاتار حسب عادت غلہ بویا کرنا، اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے ○

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿48﴾

اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے، وہ اس غلے کو کھاجائیں گے جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا، [2] سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم محفوظ

تھے نہ اس کی انھوں نے نفی کی، انھوں نے صرف اس خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

1 یہ قید کے دو ساتھیوں میں سے ایک نجات پانے والا تھا جسے یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا تاکہ میری بھی رہائی کی صورت بن سکے۔ اسے اچانک یاد آیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں تمھیں آکر اس کی تعبیر بتلاتا ہوں، چنانچہ وہ نکل کر سیدھا یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور خواب کی تفصیل بتلاکر اس کی تعبیر کی بابت پوچھا۔ ﴿فَاَرْسِلُوْنِ﴾ (تم مجھے بھیجو) جمع کا صیغہ بادشاہ کے لیے بطور تعظیم استعمال کیا یا بادشاہ سمیت دربار میں موجود درباریوں کو مخاطب کرکے یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔

2 یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی نوازا تھا، اس لیے وہ اس خواب کی تہ تک فوراً پہنچ گئے۔ انھوں نے موٹی تازہ سات گایوں سے ایسے سات سال مراد لیے جن میں خوب پیداوار ہوگی اور سات دبلی پتلی گایوں سے اس کے برعکس سات سال خشک سالی کے۔ اسی طرح سات سبز خوشوں سے مراد لیا کہ زمین خوب پیداوار دے گی اور سات خشک خوشوں کا مطلب یہ ہے کہ ان سات سالوں میں زمین کی پیداوار نہیں ہوگی۔ اور پھر اس کے لیے تدبیر بھی بتلائی کہ سات سال تم متواتر کاشتکاری کرو اور جو غلہ تیار ہو، اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی سنبھال کر رکھو تاکہ ان میں غلہ

کر کے رکھو گے ○ [1]

ثُمَّ يَأْتِي مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿49﴾ ع 7/16

اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور وہ اس میں (شیرۂ انگور بھی) خوب نچوڑیں گے ○ [2]

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿50﴾

اور بادشاہ نے کہا: یوسف کو میرے پاس لاؤ، [3] جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ [4] ان کے حیلے کو (صحیح طور پر) جاننے والا میرا پروردگار ہی ہے ○

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ

بادشاہ نے پوچھا: اے عورتو! اس وقت کا صحیح واقعہ

زیادہ محفوظ رہے، پھر جب سات سال قحط کے آئیں گے تو یہ غلہ تمھارے کام آئے گا جس کا ذخیرہ تم اب کرو گے۔

1 ﴿تُحْصِنُوْنَ﴾ سے مراد وہ دانے ہیں جو دوبارہ کاشت کے لیے محفوظ کر لیے جاتے ہیں، یعنی بیج۔

2 یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد پھر خوب بارش ہوگی جس کے نتیجے میں کثرت سے پیداوار ہوگی اور تم انگوروں سے اس کا شیرہ نچوڑو گے، زیتون سے تیل نکالو گے اور جانوروں سے دودھ دوہو گے۔ خواب کی اس تعبیر کو خواب سے کیسی لطیف مناسبت حاصل ہے جسے صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسا صحیح وجدان، ذوق سلیم اور ملکۂ راسخہ عطا فرمادے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔

3 مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص تعبیر دریافت کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے تعبیر بتلائی تو وہ اس تعبیر سے اور یوسف علیہ السلام کی بتلائی ہوئی تدبیر سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگالیا کہ یہ شخص جسے ایک عرصے سے حوالۂ زنداں کیا ہوا ہے، غیر معمولی علم وفضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے، چنانچہ بادشاہ نے انھیں دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

4 یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے تو انھوں نے اس طرح محض عنایت شاہی سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفعت کردار بہت ضروری ہے۔

نَفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿51﴾

کیا ہے؟ جب تم داؤ فریب کر کے یوسف کو اس کی دلی منشا سے بہکانا چاہتی تھیں، انھوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں [1] پائی، پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو حق سچ واضح ہو گیا ہے۔ میں نے ہی اسے ورغلایا تھا اس کے جی سے، اور یقیناً وہ سچوں میں سے ہے ○ [2]

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿52﴾

(یوسف نے کہا) یہ اس واسطے کہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی [3] اور یہ بھی کہ اللہ دغا بازوں کے ہتھکنڈے چلنے نہیں دیتا ○ [4]

---

1 بادشاہ کے استفسار پر تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔

2 اب امرأۃ العزیز (زلیخا) کے لیے بھی یہ اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں رہا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہے اور یہ پیش دستی میری ہی طرف سے ہوئی تھی، اس فرشتہ صفت انسان کا اس لغزش سے کوئی تعلق نہیں۔

3 بعض مفسرین کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کا قول ہے اور یہ انھوں نے اس وقت کہا جب جیل میں ان کو یہ ساری تفصیل بتلائی گئی یا بقول بعض، بادشاہ کے پاس جا کر انھوں نے یہ کہا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی عزیز مصر کی بیوی ہی کا قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یوسف کی غیر موجودگی میں بھی اسے غلط طور پر متہم کر کے خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی بلکہ امانت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش تو ضرور کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنے خاوند کی خیانت نہیں کی اور کسی بڑے گناہ میں واقع نہیں ہوئی۔ حافظ ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اسے سیاق و معانی کے اعتبار سے انسب و الیق قرار دیا ہے۔

4 اسے حضرت یوسف کے قول کا حصہ سمجھا جائے تو مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو ان کے مکر و فریب میں ہمیشہ کے لیے کامیاب نہیں ہونے دیتا بلکہ ان کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے، بالآخر جیت حق اور اہل حق ہی کی ہوتی ہے، گو عارضی طور پر اہل حق کو آزمائشوں سے گزرنا پڑے، (جیسے خود یوسف کو بھی قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی) تاہم ذلت و رسوائی انھی کا مقدر بنی جو خیانت کار تھے اور جنھوں نے ان کی پشت پناہی کر کے یوسف علیہ السلام کو پس دیوار زنداں رکھا۔ اور اسے زلیخا کا قول ہی سمجھا جائے تب بھی مفہوم واضح ہے کہ اس نے اعتراف کیا کہ مکر و فن کا ارتکاب کرنے والے بالآخر ناکام ہی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی عارضی کامیابی کو ناکامی سے دوچار کر کے دائمی ذلت و خسارے میں بدل دیتا ہے۔

الجزء الثالث عشر (13)

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿53﴾

میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی۔ [1] بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے، [2] مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے، [3] یقیناً میرا پالنے والا، بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے ○

وَ قَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿54﴾

بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کرلوں، [4] پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں ○ [5]

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ

(یوسف نے) کہا: آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجیے [6]

---

1 اسے اگر یوسف علیہ السلام کا قول تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ برائی سے میرا بچ نکلنا اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے تھا۔ اور اگر یہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو وہ حقیقت پر مبنی گفتگو کر رہی ہے کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام کو بہلانے اور پھسلانے کا اعتراف کرلیا۔

2 یہ اس نے اپنی غلطی کی توجیہ یا اس کی علت بیان کی کہ انسان کا نفس ہی ایسا ہے کہ اسے برائی پر ابھارتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔

3 یعنی نفس کی شرارتوں سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔

4 جب بادشاہ (ریان بن ولید) پر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کے ساتھ ان کے کردار کی رفعت اور پاک دامنی بھی واضح ہوگئی تو اس نے حکم دیا کہ انھیں میرے سامنے پیش کرو میں انھیں اپنے لیے منتخب کرنا، یعنی اپنا مصاحب اور مشیر خاص بنانا چاہتا ہوں۔

5 ﴿مَکِیۡنٌ﴾ مرتبہ والا ﴿اَمِیۡنٌ﴾ امور مملکت کے لیے قابل اعتماد اور راز دان۔

6 ﴿خَزَآئِنِ﴾ خِزَانَۃٌ کی جمع ہے۔ خزانہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ زمین کے خزانوں سے مراد وہ گودام ہیں جہاں غلہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں (خواب کی تعبیر کی رو سے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں اس سے نمٹنے کے لیے مناسب انتظامات کیے جاسکیں اور غلے کی معقول مقدار بچا کر رکھی جاسکے۔ عام حالات میں اگرچہ عہدہ و منصب کی طلب جائز نہیں ہے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اقدام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں اور ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں تو وہ اپنی اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کرسکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام نے

عَلِيْمٌ ﴿55﴾
وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ
مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ
نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ﴿57﴾ ع 7/8 1
وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ
فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿58﴾

میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں ○ [1]
اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک کا قبضہ دے دیا کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے، [2] ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے ○ [3]
یقیناً ایمان داروں اور پرہیزگاروں کا اخروی اجر بہت ہی بہتر ہے ○
یوسف کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس گئے تو اس نے انھیں پہچان لیا اور انھوں نے اسے نہ پہچانا ○ [4]

تو سرے سے عہدہ و منصب طلب ہی نہیں کیا، البتہ جب بادشاہ مصر نے انھیں اس کی پیشکش کی تو پھر ایسے عہدے کی خواہش کی جس میں انھوں نے ملک اور قوم کی خدمت کا پہلو نمایاں دیکھا۔

1 ﴿ حَفِيْظٌ ﴾ میں اس کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ اسے کسی بھی غیر ضروری مصرف میں خرچ نہیں کروں گا ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ اس کو جمع کرنے اور خرچ کرنے اور اس کے رکھنے اور نکالنے کے طریقوں کا بخوبی عالم ہوں۔

2 یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف علیہ السلام کرتے اور سرزمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہتے وہ رہتے پورا مصر ان کے زیر نگیں تھا۔

3 یہ گویا اجر تھا ان کے اس صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انھوں نے کیا اور اس ثابت قدمی کا جو امرأة العزیز (زلیخا) کی دعوت گناہ کے مقابلے میں اختیار کی اور اس اولوالعزمی کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ یوسف علیہ السلام کا یہ منصب وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ عزیز مصر فائز تھا جس کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی مذموم سعی کی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ یوسف علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے کہ عزیز مصر جس کا نام اطفیر تھا فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کی بیوی (زلیخا) کا نکاح یوسف علیہ السلام سے ہو گیا اور دو بچے بھی ہوئے ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام میشا تھا، افرائیم ہی نون (یوشع کے والد) اور ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت کے والد تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، اس لیے نکاح والی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس عورت سے جس کردار کا مظاہرہ ہوا اس کے ہوتے ہوئے ایک نبی کے حرم سے اس کی وابستگی نہایت نامناسب بات لگتی ہے۔

4 یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حالی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط سالی شروع ہو گئی جس نے ملک مصر کے تمام علاقوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے جہاں یوسف علیہ السلام کے

وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾

اور جب اس نے ان کے لیے سامان تیار کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمھارے باپ سے ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں ○ [1]

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾

پس اگر تم اسے میرے پاس لے کر نہ آئے تو میری طرف سے تمھیں کوئی ناپ بھی نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا ○ [2]

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾

انھوں نے کہا: اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت پھسلائیں گے اور پوری کوشش کریں گے ○ [3]

وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ

اور اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ [4] ان کی پونجی انھی کی بوریوں میں رکھ دو [5] کہ جب لوٹ کر اپنے اہل وعیال

والد یعقوب علیہ السلام اور بھائی رہائش پذیر تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے حسن تدبیر سے اس قحط سالی سے نمٹنے کے جو انتظامات کیے تھے وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے کے لیے آ رہے تھے۔ یوسف علیہ السلام کی یہ شہرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غلہ فروخت کر رہا ہے، چنانچہ باپ کے حکم پر یہ برادران یوسف علیہ السلام بھی گھر کی پونجی لے کر غلے کے حصول کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے جہاں یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے جنھیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔

1 یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے باتیں پوچھیں تو انھوں نے جہاں اور سب کچھ بتایا یہ بھی بتا دیا کہ ہم دس بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے دو علاتی بھائی (دوسری ماں سے) اور بھی ہیں ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہو گیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہوا ہے اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ناپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر مدارات بھی خوب کرتا ہوں۔

2 ترغیب کے ساتھ یہ دھمکی ہے کہ اگر گیارہویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمھیں غلہ ملے گا نہ میری طرف سے اس خاطر مدارات کا اہتمام ہوگا۔

3 یعنی ہم اپنے باپ کو اس بھائی کے لانے کے لیے پھسلائیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔

4 فِتْيَانٌ (نوجوانوں) سے مراد یہاں وہ نوکر چاکر اور خادم وغلام ہیں جو دربار شاہی میں مامور تھے۔

5 اس سے مراد وہ پونجی ہے جو غلہ خریدنے کے لیے برادران یوسف علیہ السلام ساتھ لائے تھے۔ رِحَالٌ (کجاوے) سے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿62﴾

میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں ○

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿63﴾

جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے ہم سے تو غلے کا پیمانہ روک لیا گیا۔[1] اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجیے کہ ہم پیمانہ بھر کر لائیں ہم اس کی نگہبانی کے ذمے دار ہیں ○

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿64﴾

(یعقوب نے) کہا: کہ مجھے تو اس کی بابت تمھارا بس ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا،[2] بس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے[3] ○

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ

جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو انھوں نے اپنا سرمایہ موجود پایا جوان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے: اے ہمارے باپ ہمیں اور کیا چاہیے۔[4] دیکھیے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو

مراد ان کا سامان ہے۔ پونجی چپکے سے ان کے سامانوں میں اس لیے رکھوا دی کہ ممکن ہے دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس مزید پونجی نہ ہو تو یہی پونجی لے کر آ جائیں۔

1 مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے غلہ بنیامین کے بھیجنے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں جائے گا تو غلہ نہیں ملے گا، اس لیے اسے ضرور ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں دوبارہ بھی اسی طرح غلہ مل سکے جس طرح اس دفعہ ملا ہے۔ اور اس طرح کا اندیشہ نہ کریں جو یوسف علیہ السلام کو بھیجتے ہوئے کیا تھا ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

2 یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا وہ سامنے ہے۔ اب میں تمھارا کس طرح اعتبار کروں؟

3 تاہم چونکہ غلے کی ضرورت شدید تھی، اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

4 یعنی بادشاہ کے اس حسن سلوک کے بعد کہ اس نے ہماری خاطر تواضع بھی خوب کی اور ہماری پونجی بھی واپس کر دی اور ہمیں کیا چاہیے؟

كَيْلٌ يَّسِيْرٌ﴿65﴾

رسد لادیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کا پیمانہ زیادہ لائیں گے۔ [1] یہ ناپ تو بہت آسان ہے [2] ○

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴿66﴾

(یعقوب نے) کہا: میں تو اسے ہرگز ہرگز تمھارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پہنچادو گے، سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔ [3] جب انھوں نے پکا قول قرار دے دیا تو انھوں نے کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے ○

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ

اور (یعقوب نے) کہا: اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ کئی جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا۔ [4] میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو

---

1 کیونکہ فی کس ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا غلہ دیا جاتا تھا بنیامین کی وجہ سے ایک اونٹ کی بھرتی مزید ملتی۔

2 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے لیے ایک اونٹ کی مزید بھرتی کوئی مشکل بات نہیں ہے آسان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ذٰلِكَ کا اشارہ اس غلے کی طرف ہے جو ساتھ لائے تھے اور ﴿يَسِيْرٌ﴾ بمعنی قلیل ہے، یعنی جو غلہ ہم ساتھ لائے ہیں قلیل ہے بنیامین کے ساتھ جانے سے ہمیں کچھ غلہ اور مل جائے گا تو اچھی ہی بات ہے ہماری ضرورت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہو سکے گی۔

3 یعنی تمھیں اجتماعی مصیبت پیش آجائے یا تم سب ہلاک یا گرفتار ہو جاؤ جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو تو اور بات ہے اس صورت میں تم معذور ہو گے۔

4 جب بنیامین سمیت گیارہ بھائی مصر جانے لگے تو یہ ہدایت دی کیونکہ ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے جو قد و قامت اور شکل و صورت میں بھی ممتاز ہوں جب اکٹھے ایک ہی جگہ یا ایک ساتھ کہیں سے گزریں تو عموماً انھیں لوگ تعجب یا حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی چیز نظر لگنے کا باعث بنتی ہے، چنانچہ انھیں نظر سے بچانے کے لیے بطور تدبیر یہ حکم دیا۔ ''نظر کا لگ جانا حق ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:5740، وصحيح مسلم، حديث: 42-(2188)) اور نبی ﷺ نے نظر سے بچنے کے لیے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے ہیں، مثلاً: فرمایا: ''جب تمھیں کوئی چیز اچھی لگے تو بَارَكَ اللّٰهُ فِيهِ کہو۔'' (موطأ إمام مالك: 428/2، وهداية الرواة للألباني: 281/4، حديث: 4487) جس کی نظر لگے اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا یہ پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو۔ (حوالۂ مذکور)

تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿67﴾

تم سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔[1] میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے ○

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ ع 8/11/2

جب وہ انھی راستوں سے گئے جن کا حکم ان کے والد نے انھیں دیا تھا، کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے وہ اس سے انھیں ذرا بھی بچا لے مگر یعقوب کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) تھا جسے اس نے پورا کر لیا،[2] بلاشبہ وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○[3]

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿69﴾

یہ سب، جب یوسف کے پاس پہنچ گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں، پس یہ جو کچھ کرتے رہے اس کا کچھ رنج نہ کر ○[4]

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ

پھر جب انھیں ان کا سامان اسباب ٹھیک ٹھاک کر کے

اسی طرح ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ پڑھنا قرآن سے ثابت ہے۔ (الكهف 18:39) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کو نظر کے لیے بطور دم پڑھنا چاہیے۔ (جامع الترمذي، حديث:2058)

1 یعنی یہ تاکید بطور ظاہری اسباب احتیاط اور تدبیر کے ہے جسے اختیار کرنے کا انسانوں کو حکم دیا گیا ہے، تاہم اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضا میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ ہو گا وہی جو اس کی قضا کے مطابق اس کا حکم ہو گا۔

2 یعنی اس تدبیر سے اللہ کی تقدیر کو ٹالا نہیں جا سکتا تھا، تاہم یعقوب علیہ السلام کے جی میں جو (نظر لگ جانے کا) اندیشہ تھا اس کے پیش نظر انھوں نے ایسا کہا۔

3 یعنی یہ تدبیر وحی الٰہی کی روشنی میں تھی اور یہ عقیدہ بھی کہ حذر (احتیاطی تدبیر) قدر کو نہیں بدل سکتی اللہ تعالیٰ کے سکھلائے ہوئے علم پر مبنی تھا جس سے اکثر لوگ بے بہرہ ہیں۔

4 بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ یوں بنیامین جب اکیلے رہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے انھیں تنہا الگ ایک کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں ان سے باتیں کیں اور انھیں پچھلی باتیں بتلا کر کہا کہ ان بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا اس پر رنج نہ کر اور بعض کہتے ہیں کہ بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کرنا تھا اس سے بھی انھیں آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔ (ابن كثير)

فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ⑦⓪

دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں پانی پینے کا پیالہ [1] رکھ دیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! [2] تم لوگ تو چور ہو ○ [3]

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ⑦①

انھوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمھاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ ○

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ⑦②

جواب دیا کہ شاہی پیمانہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا۔ اس وعدے کا میں ضامن ہوں ○ [4]

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ⑦③

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں ○ [5]

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ⑦④

انھوں نے کہا: اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے؟ ○ [6]

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ⑦⑤

جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے پایا جائے وہی اس کا بدلہ ہے۔ [7] ہم تو ایسے ظالموں

---

1 مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ ﴿السِّقَايَةَ﴾ (پانی پینے کا برتن) سونے یا چاندی کا تھا پانی پینے کے علاوہ غلہ ناپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا۔ اسے چپکے سے بنیامین کے سامان میں رکھ دیا گیا۔

2 ﴿الْعِيْرُ﴾ اصلاً ان اونٹوں، گدھوں یا خچروں کے قافلے کو کہا جاتا ہے جن پر غلہ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔ یہاں مراد أصحابُ العِیر، یعنی قافلے والے ہیں۔

3 چوری کی یہ نسبت اپنی جگہ صحیح تھی کیونکہ مُنَادِی یوسف علیہ السلام کے اس سوچے سمجھے منصوبے سے آگاہ نہیں تھا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارا حال تو چوروں کا سا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ بادشاہ کی رضامندی کے بغیر تمھارے سامان کے اندر ہے۔

4 یعنی میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تفتیش سے قبل ہی جو شخص یہ جام شاہی ہمارے حوالے کر دے گا تو اسے انعام یا اجرت کے طور پر اتنا غلہ دیا جائے گا جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

5 برادران یوسف علیہ السلام چونکہ اس منصوبے سے بے خبر تھے جو یوسف علیہ السلام نے تیار کیا تھا، اس لیے قسم کھا کر انھوں نے اپنے چور ہونے کی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی نفی کی۔

6 یعنی اگر تمھارے سامان میں وہ شاہی پیالہ مل گیا تو پھر اس کی کیا سزا ہوگی؟

7 یعنی چور کو کچھ عرصے کے لیے اس شخص کے سپرد کر دیا جاتا تھا جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی۔ یہ یعقوب علیہ السلام

کو یہی سزا دیا کرتے ہیں ○ [1]

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿76﴾

پس یوسف نے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی، اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، پھر اس پیانے کو اپنے بھائی کے سامان سے نکالا۔ [2] ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔ [3] اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا [4] مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کردیں [5]، ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے ○ [6]

قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

انھوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔ [7]

کی شریعت میں سزا تھی جس کے مطابق یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سزا تجویز کی۔

1 یہ قول بھی برادران یوسف ہی کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کے مُصَاحِبِین کا قول ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم بھی ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ لیکن آیت کا اگلا ٹکڑا کہ ''بادشاہ کے دین میں وہ اپنے بھائی کو پکڑ نہ سکتے تھے'' اس قول کی نفی کرتا ہے۔

2 پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی آخر میں بنیامین کا سامان دیکھا تا کہ انھیں شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

3 یعنی ہم نے وحی کے ذریعے سے یوسف کو یہ تدبیر سمجھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو، جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔ (فتح القدير)

4 یعنی بادشاہ کا مصر میں جو قانون اور دستور رائج تھا اس کی رو سے بنیامین کو اس طرح روکنا جائز نہیں تھا، اس لیے انھوں نے اہل قافلہ ہی سے پوچھا کہ بتلاؤ! اس جرم کی کیا سزا ہو؟

5 جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی عنایات اور مہربانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا۔

6 یعنی ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے، اس لیے کوئی صاحب علم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ذات، یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

7 یہ انھوں نے اپنی پاکیزگی و شرافت کے اظہار کے لیے کہا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ان کے سگے اور حقیقی بھائی نہیں تھے علاتی بھائی تھے۔ بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام کی چوری کے لیے دور از کار باتیں نقل کی ہیں جو کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو تو نہایت بااخلاق اور باکردار باور کرایا اور

يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝٧٧

یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا۔ کہا کہ تم بدتر جگہ میں ہو [1] اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ○

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٧٨

انھوں نے کہا کہ اے عزیز مصر [2] اس کے والد بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں ○ [3]

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝٧٩ ع ۱۱/۳

یوسف نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے ○ [4]

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا

جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ [5] ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا: تمھیں معلوم نہیں کہ تمھارے والد نے تم سے اللہ کی قسم

یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو کمزور کردار کا اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے انھیں چور ثابت کرنے کی کوشش کی۔

1 یوسف علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یوسف کی طرف چوری کے انتساب میں صریح کذب بیانی کا ارتکاب کیا۔

2 یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اس لیے کہا کہ اس وقت عزیز مصر یوسف علیہ السلام ہی تھے۔

3 باپ تو یقیناً بوڑھے ہی تھے لیکن یہاں ان کا اصل مقصد بنیامین کو چھڑانا تھا۔ ان کے ذہن میں وہی یوسف علیہ السلام والی بات تھی کہ کہیں ہمیں پھر دوبارہ بنیامین کے بغیر باپ کے پاس نہ جانا پڑے اور باپ ہم سے کہیں کہ تم نے میرے بنیامین کو بھی یوسف علیہ السلام کی طرح کہیں گم کر دیا، اس لیے یوسف علیہ السلام کے احسانات کے حوالے سے یہ بات کی کہ شاید وہ یہ احسان بھی کر دیں کہ بنیامین کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیں۔

4 یہ جواب اس لیے دیا کہ یوسف علیہ السلام کا اصل مقصد تو بنیامین ہی کو روکنا تھا۔

5 کیونکہ بنیامین کو چھوڑ کر جانا ان کے لیے نہایت کٹھن مرحلہ تھا وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے، اس لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟

فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿80﴾

لے کر پختہ قول قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کوتاہی کر چکے ہو، پس میں تو اس سرزمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں [1] یا اللہ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ○ [2]

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿81﴾

تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ ابا جی! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہم جانتے تھے۔ [3] ہم کچھ غیب کی حفاظت کرنے والے نہ تھے ○ [4]

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿82﴾

آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرما لیں جہاں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں ○ [5]

---

1 اس بڑے بھائی نے اس صورت حال میں باپ کا سامنا کرنے کی اپنے اندر سکت اور ہمت نہیں پائی تو صاف کہہ دیا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خود والد صاحب تفتیش کر کے میری بے گناہی کا یقین نہ کر لیں اور مجھے آنے کی اجازت نہ دے دیں۔

2 اللہ میرے لیے معاملے کا فیصلہ کر دے۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرح یوسف علیہ السلام (عزیز مصر) بنیامین کو چھوڑ دے اور میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت عطا کر دے کہ میں بنیامین کو تلوار، یعنی طاقت کے ذریعے سے چھڑوا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔

3 یعنی ہم نے جو عہد کیا تھا کہ ہم بنیامین کو بہ حفاظت واپس لے آئیں گے تو یہ ہم نے اپنے علم کے مطابق عہد کیا تھا بعد میں جو واقعہ پیش آ گیا اور جس کی وجہ سے بنیامین کو ہمیں چھوڑنا پڑا یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم نے چوری کی جو سزا بیان کی تھی کہ چور کو ہی چوری کے بدلے میں رکھ لیا جائے تو یہ سزا ہم نے اپنے علم کے مطابق ہی تجویز کی تھی اس میں کسی قسم کی بدنیتی شامل نہیں تھی۔ لیکن پھر یہ اتفاق کی بات تھی کہ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو مسروقہ کٹورا بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔

4 یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ہم بے خبر تھے۔

5 ﴿الْقَرْيَةَ﴾ سے مراد مصر ہے جہاں وہ غلہ لینے گئے تھے مطلب اہل مصر ہیں۔ اسی طرح ﴿وَالْعِيْرَ﴾ سے مراد

قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِيَنِىۡ بِهِمۡ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿83﴾

(یعقوب نے) کہا: یہ تو نہیں، بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنالی [1]، پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ قریب ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس ہی پہنچادے۔ [2] وہ ہی علم وحکمت والا ہے ○

وَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوۡسُفَ وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿84﴾

پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسف! [3] ان کی آنکھیں بوجہ رنج وغم کے سفید ہو چکی تھیں [4] اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے ○

قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ ﴿85﴾

بیٹوں نے کہا: واللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں ○ [5]

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿86﴾

انھوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں، مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے ○ [6]

أصحابُ العِير، یعنی اہل قافلہ ہیں۔ آپ مصر جا کر اہل مصر سے اور اس قافلہ والوں سے جو ہمارے ساتھ آیا ہے پوچھ لیں کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ سچ ہے اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

1 یعقوب علیہ السلام چونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی وحی کے ذریعے سے انھیں حقیقت واقعہ سے آگاہ نہیں فرمایا، اس لیے وہ یہی سمجھے کہ میرے ان بیٹوں نے جس طرح اس سے قبل یوسف کے معاملے میں اپنی طرف سے بات گھڑ کر بیان کی تھی اب پھر اسی طرح انھوں نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے۔ بنیامین کے ساتھ انھوں نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس کا یقینی علم تو یعقوب علیہ السلام کے پاس نہیں تھا، تاہم یوسف کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے ان کی طرف سے یعقوب علیہ السلام کے دل میں بجا طور پر شکوک وشبہات تھے۔

2 اب پھر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم صبر کے ساتھ امید کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔ ﴿جَمِيۡعًا﴾ سے مراد یوسف بنیامین اور وہ بڑا بیٹا ہے جو مارے شرم کے وہیں مصر میں رک گیا تھا کہ یا تو والد صاحب مجھے اسی طرح آنے کی اجازت دے دیں یا پھر میں کسی طریقے سے بنیامین کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

3 یعنی اس تازہ صدمے نے یوسف کی جدائی کے قدیم صدمے کو بھی تازہ کر دیا۔

4 یعنی آنکھوں کی سیاہی مارے غم کے سفیدی میں بدل گئی تھی۔

5 ﴿حَرَضًا﴾ اس جسمانی عارضے یا ضعف عقل کو کہتے ہیں جو بڑھاپے یا پے در پے صدمات کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتا ہے یوسف علیہ السلام کے ذکر سے بھائیوں کی آتش حسد پھر بھڑک اٹھی اور اپنے باپ کو یہ کہا۔

6 اس سے مراد یا تو وہ خواب ہے جس کی بابت انھیں یقین تھا کہ اس کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور وہ یوسف کو سجدہ

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﮮ

میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو [1] اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں ○ [2]

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﮯ

پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے [3] تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔ [4] ہم حقیر پونجی لائے ہیں، پس آپ ہمیں پورے غلے کا ناپ دیجیے [5] اور ہم پر خیرات کیجیے، [6] اللہ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے ○

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﮰ

(یوسف نے) کہا: جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟ ○ [7]

کریں گے یا ان کا یہ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ موجود ہے اور اس سے زندگی میں ضرور ملاقات ہوگی۔

1 چنانچہ اسی یقین سے سرشار ہو کر انھوں نے اپنے بیٹوں کو یہ حکم دیا۔

2 جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ○﴾ (الحجر 56:15) ’’گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔‘‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو سخت سے سخت حالات میں بھی صبر و رضا کا اور اللہ کی رحمت وَاسِعَہ کی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

3 یہ تیسری مرتبہ ان کا مصر جانا ہے۔

4 یعنی غلہ لینے کے لیے ہم جو ثمن (قیمت) لے کر آئے ہیں وہ نہایت قلیل اور حقیر ہے۔

5 یعنی ہماری حقیر پونجی کو نہ دیکھیں ہمیں اس کے بدلے میں پورا ناپ دیں۔

6 یعنی ہماری حقیر پونجی قبول کر کے ہم پر احسان اور خیرات کریں۔ اور بعض مفسرین نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ہمارے بھائی بنیامین کو آزاد کر کے ہم پر احسان فرمائیں۔

7 جب انھوں نے نہایت عاجزی کے انداز میں صدقہ و خیرات یا بھائی کی رہائی کی اپیل کی تو ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے ضعف اور بیٹے کی جدائی کے صدمے کا بھی ذکر کیا جس سے یوسف کا دل بھر آیا آنکھیں نمناک ہو گئیں اور انکشاف حال پر مجبور ہو گئے، تاہم بھائیوں کی زیادتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اخلاق کریمانہ کا بھی اظہار فرما دیا کہ یہ کام تم نے ایسی حالت میں کیا جب تم جاہل اور نادان تھے۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ
وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ
مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿90﴾

انھوں نے کہا: (واقعی) تو ہی یوسف ہے۔ [1] جواب دیا کہ ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل وکرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا ○ [2]

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ
كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿91﴾

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطاکار تھے ○ [3]

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ
لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿92﴾

جواب دیا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ [4] اللہ تمھیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے ○

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ
يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾ ع 10 14 4

میرا یہ کرتہ تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں [5] اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ ○ [6]

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ

جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو یوسف

---

1 بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف کا تذکرہ سنا جسے انھوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام شخص یوسف ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف علیہ السلام کے قصے کا اسے کس طرح علم ہوسکتا ہے؟ چنانچہ انھوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف ہی تو نہیں؟

2 سوال کے جواب میں اقرار واعتراف کے ساتھ اللہ کے احسان کا ذکر اور صبر وتقویٰ کے نتائج حسنہ بھی بیان کر کے بتلا دیا کہ تم نے تو میرے ساتھ جو کرنا چاہا کیا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی بلکہ مصر کی فرماں روائی بھی عطا فرما دی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

3 بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔

4 یوسف علیہ السلام نے بھی پیغمبرانہ عفو ودرگزر سے کام لیتے ہوئے فرما دیا کہ جو ہوا سو ہوا۔ آج تمھیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں یہی الفاظ ارشاد فرما کر انھیں معاف فرما دیا تھا۔

5 قمیص کے چہرے پر پڑنے سے آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا معجزے اور کرامت کے طور پر تھا۔

6 یہ یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصر آنے کی دعوت دی۔

رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾
کی خوشبوآ رہی ہے اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا قرار نہ دو ○ [1]

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾
وہ کہنے لگے کہ واللہ آپ اپنے اسی پرانے خبط [2] میں مبتلا ہیں ○

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾
جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتہ ڈالا، اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے، [3] کہا: کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ○ [4]

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِــِٕيْنَ ﴿97﴾
انھوں نے کہا: اباجی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجیے بیشک ہم قصوروار ہیں ○

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿98﴾
کہا: اچھا میں جلد ہی تمھارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا، [5] وہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے ○

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ
جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے

---

1 ادھر یہ قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اور ادھر یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعجاز کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگ گئی۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے پیغمبر بے خبر ہوتا ہے چاہے بیٹا اپنے شہر کے کسی کنویں ہی میں کیوں نہ ہو؟ اور جب اللہ انتظام فرما دے تو پھر مصر جیسے دور دراز کے علاقے سے بھی بیٹے کی خوشبو آ جاتی ہے۔

2 ضَلٰلٌ سے مراد محبت و جنون کی وہ وارفتگی ہے جو یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے: ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی، یعنی یوسف کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسف کی محبت دل سے نہیں گئی۔

3 یعنی جب وہ خوش خبری دینے والا آ گیا اور آ کر وہ قمیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دی تو اس سے معجزانہ طور پر ان کی بینائی بحال ہو گئی۔

4 کیونکہ میرے پاس ایک ذریعہ علم وحی بھی ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو حالات سے حسب مشیت و مصلحت آگاہ کرتا رہتا ہے۔

5 فی الفور مغفرت کی دعا کرنے کی بجائے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، مقصد یہ تھا کہ رات کے پچھلے پہر میں جو اللہ کے خاص بندوں کا اللہ کی عبادت کرنے کا خاص وقت ہوتا ہے اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کروں گا۔

وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿99﴾

اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی [1] اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ ○

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿100﴾

اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ [2] کو اونچا بٹھایا اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ [3] تب کہا کہ ابا جی! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے [4] میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا [5] اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا، [6] اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔ [7] میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اور

---

1 یعنی عزت واحترام کے ساتھ انھیں اپنے پاس جگہ دی اور ان کا خوب اکرام کیا۔

2 بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سوتیلی ماں اور سگی خالہ تھیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کی حقیقی ماں بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہو گئی تھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی وفات کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر لیا تھا۔ یہی خالہ اب یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر گئی تھیں۔ (فتح القدیر) لیکن امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یوسف کی والدہ فوت نہیں ہوئی تھیں اور وہی حقیقی والدہ ساتھ تھیں۔ (ابن کثیر) اور یہی حق ہے۔

3 بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ادب و تعظیم کے طور پر یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ لیکن ﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ زمین پر یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، یعنی یہ سجدہ سجدہ ہی کے معنی میں ہے، تاہم یہ سجدہ سجدۂ تعظیمی ہے سجدۂ عبادت نہیں اور سجدۂ تعظیمی یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ اسلام میں شرک کے سد باب کے لیے سجدۂ تعظیمی کو بھی حرام کر دیا گیا ہے اور اب سجدۂ تعظیمی بھی کسی کے لیے جائز نہیں حتیٰ کہ سر جھکا کر ملنا بھی صحیح نہیں۔

4 یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا۔ اتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شاہی پر بٹھایا اور والدین سمیت تمام بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا۔

5 اللہ کے احسانات میں کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ اخلاق نبوی ہے۔

6 مصر جیسے متمدن علاقے کے مقابلے میں کنعان کی حیثیت ایک صحرا کی تھی، اس لیے اسے بَدْو سے تعبیر کیا۔

7 یہ بھی اخلاق کریمانہ کا ایک نمونہ ہے کہ بھائیوں کو ذرا مورد الزام نہیں ٹھہرایا اور شیطان کو اس کارستانی کا باعث قرار دیا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿101﴾

وہ بہت علم وحکمت والا ہے ○

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے کچھ حکومت عطا فرمائی [1] اور مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی۔ [2] اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی اور کارساز ہے تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے ○ [3]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿102﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ تو آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انھوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے ○ [4]

---

1 یعنی ملک مصر کی فرماں روائی عطا فرمائی جیسا کہ تفصیل گزری۔

2 حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے جن پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا اور خاص خاص باتوں کا علم انھیں عطا کیا جاتا تھا، چنانچہ اس علم نبوت کی روشنی میں پیغمبر خوابوں کی تعبیر بھی صحیح طور پر کر لیتے تھے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اس فن تعبیر میں خصوصی ملکہ حاصل تھا جیسا کہ قید کے ساتھیوں کے خواب کی اور سات موٹی گائیوں کے خواب کی تعبیر پہلے گزری۔ خواب کی تعبیر کا یہ ملکہ اب بھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

3 اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر جو احسانات کیے انھیں یاد کر کے اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا تذکرہ کر کے دعا فرما رہے ہیں کہ جب مجھے موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس سے مراد یوسف علیہ السلام کے آباء و اجداد ابراہیم و اسحاق علیہما السلام وغیرہ مراد ہیں۔ بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی، حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔

4 یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ جبکہ انھیں کنویں میں پھینک آئے یا مراد یعقوب علیہ السلام ہیں، یعنی ان کو یہ کہہ کر کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور یہ اس کی قمیص ہے جو خون میں لت پت ہے۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم تھا۔ لیکن یہ نفی مطلق علم کی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو آگاہ فرما دیا۔ یہ نفی مشاہدے کی ہے کہ اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی آپ کا رابطہ و تعلق نہیں رہا ہے جن سے آپ نے سنا ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو اس واقعۂ غیب کی خبر دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح علم غیب اور مشاہدے کی نفی فرمائی ہے۔ (مثلاً:

وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿103﴾
وَمَا تَسۡـَٔلُهُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا
ع 11/11 5 ذِكۡرٌ لِّـلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿104﴾
وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿105﴾
وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ
مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿106﴾

گو آپ لاکھ چاہیں لیکن اکثر لوگ ایمان دار نہ ہوں گے ○ [1]
آپ ان سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے۔ [2]
یہ تو تمام دنیا کے لیے نری نصیحت ہی نصیحت ہے ○ [3]
آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں ○ [4]
ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں ○ [5]

ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران 44,7:3، سورۂ قصص 46,45:28، سورۂ صٓ 70,69:38)

1 یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پچھلے واقعات سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے نجات ابدی کے مستحق بن جائیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے کیونکہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات تو سنتے ہیں لیکن عبرت پذیری کے لیے نہیں صرف دلچسپی اور لذت کے لیے، اس لیے وہ ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

2 کہ جس سے ان کو یہ شبہ ہو کہ یہ دعوائے نبوت تو صرف پیسے جمع کرنے کا بہانہ ہے۔

3 تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ اب دنیا کے لوگ اگر اس سے آنکھیں پھیرے رکھیں اور اس سے ہدایت حاصل نہ کریں تو لوگوں کا قصور اور ان کی بدقسمتی ہے قرآن تو فی الواقع اہل دنیا کی ہدایت اور نصیحت ہی کے لیے آیا ہے؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

4 آسمان و زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک خالق و صانع ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا ایسا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا ہے لیکن ان میں کبھی آپس میں ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوا ہے۔ لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتے ہیں ان پر غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

5 یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان و زمین کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں اور یوں اکثر لوگ مشرک ہیں، یعنی ہر دور میں لوگ توحید ربوبیت کے تو قائل رہے ہیں لیکن توحید الوہیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آج کے قبر پرستوں کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿107﴾

کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب آ جائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ بے خبر ہی ہوں ○

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿108﴾

آپ کہہ دیجیے: میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے فرماں بردار اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ [1] اور اللہ پاک ہے [2] اور میں مشرکوں میں سے نہیں ○

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿109﴾

آپ سے پہلے ہم نے بستیوں والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے۔ [3] کیا زمین میں چل پھر کر انھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے ○

حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے [4] اور یہ

مدفون بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انھیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں اور عبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجالاتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

1 یعنی یہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے بلکہ ہر پیغمبر کی راہ رہی ہے اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار پورے یقین اور دلائل شرعی کے ساتھ لوگوں کو بلاتے ہیں۔

2 یعنی میں اس کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، مثیل یا وزیر و مشیر یا اولاد اور بیوی ہو۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

3 یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ تمام رسول مرد ہی ہوئے ہیں عورتوں میں سے کسی کو رسالت و نبوت کا مقام نہیں ملا۔ اسی طرح ان انبیائے کرام کا تعلق قریہ سے تھا جو قصبہ اور شہر کو شامل ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل بادیہ (صحرا نشینوں) میں سے نہیں تھا کیونکہ اہل بادیہ نسبتاً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں اور شہری ان کی نسبت نرم، دھیمے اور با اخلاق ہوتے ہیں اور یہ خوبیاں نبوت کے لیے ضروری ہیں۔

4 یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں ہوئی کہ اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قَدۡ كُذِبُوۡا جَآءَهُمۡ نَصۡرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۱۰﴾

خیال کرنے لگے کہ انھیں جھوٹ کہا گیا۔[1] فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی[2] جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی۔[3] بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گناہ گاروں سے واپس نہیں کیا جاتا ○

لَقَدۡ كَانَ فِيۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى وَلٰكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِيۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ

ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے، یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، ہر

---

1 ظن بمعنی یقین، گمان غالب اور خیال و وسوسہ کے لیے آتا ہے یہاں ﴿ ظَنُّوْٓا ﴾ کے فاعل کے بارے میں اختلاف ہے اگر اس کا فاعل رسول یا مومن ہیں تو ﴿ ظَنُّوْٓا ﴾ بمعنی خیال و وسوسہ ہے اور ﴿ كُذِبُوْا ﴾ (مخفف) کا نائب فاعل بھی یہی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان پیغمبروں یا ان کے ماننے والوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ ان سے یوں ہی عذاب کا جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے عذاب شاید تاخیر سے آئے یا ہمارے بعد آئے۔ یاد رہے کہ محض ایسے وسوسے کا پیدا ہو جانا ایمان کے منافی نہیں ہے اور اگر کُذِّبوا مشدد ہے تو پھر ظَنُّوا بمعنی یقین یا گمان غالب ہے، فاعل رسول ہیں اور کُذِّبوا کا نائب فاعل بھی رسول ہیں اور معنی یہ ہے کہ رسولوں نے یقین کیا کہ قوم کی طرف سے ان کی تکذیب کی گئی ہے۔ یہ عائشہ ؓ کا قول ہے جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 4695 میں ہے۔ بعض نے ﴿ وَظَنُّوْٓا ﴾ کا فاعل قوم، یعنی کفار کو قرار دیا ہے، یعنی کفار عذاب کی دھمکی پر پہلے تو ڈرے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں ہے۔ (جیسا کہ پیغمبر کی طرف سے دعویٰ ہو رہا ہے) اور نہ آتا نظر ہی آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب نبیٔ کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کی قوم پر عذاب میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی قوموں پر بھی عذاب میں بڑی بڑی تاخیر روا رکھی گئی ہے اور اللہ کی مشیت و حکمت کے مطابق انھیں خوب خوب مہلت دی گئی حتیٰ کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید انھیں عذاب کی بس یوں ہی دھمکی دے دی گئی ہے۔

2 جب ان کی مایوسی اس خطرناک اندیشے اور وسوسے تک پہنچ گئی تو فوراً ہماری مدد ان کے پاس پہنچ گئی اور ان کے دلوں سے شبہات کے کانٹے نکل گئے۔ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قانون مہلت کا بیان ہے جو وہ نافرمانوں کو دیتا ہے حتیٰ کہ اس بارے میں وہ اپنے پیغمبروں کی خواہش کے برعکس بھی زیادہ سے زیادہ مہلت عطا کرتا ہے جلدی نہیں کرتا یہاں تک کہ بعض دفعہ پیغمبر کے ماننے والے بھی عذاب سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

3 یہ نجات پانے والے اہل ایمان ہی ہوتے تھے۔

كُلِّ شَيۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿111﴾ ع 12 7 6

چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ [1]

اٰيَاتُهَا 43 (13) سُوۡرَةُ الرَّعۡدِ مَدَنِيَّةٌ (96) رُكُوۡعَاتُهَا 6

سورۂ رعد مدنی ہے، اس میں 43 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿1﴾

الٓمّٓرٰ یہ قرآن کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے، سب حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ○

اَللّٰهُ الَّذِيۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجۡرِيۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم انھیں دیکھ رہے ہو، پھر وہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے [2] اسی نے سورج اور چاند کو ماتحتی میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک میعادِ معین پر گشت کر رہا ہے، [3] وہی کام کی

---

1 یعنی یہ قرآن جس میں یہ قصۂ یوسف اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں کوئی گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضروری باتوں کی تفصیل ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت۔

2 ﴿اِسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ﴾ کا مفہوم اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا ہے۔ محدثین کا یہی مسلک ہے وہ اس کی تاویل نہیں کرتے، جیسے بعض دوسرے گروہ اس میں اور دیگر صفات الٰہی میں تاویل کرتے ہیں، تاہم محدثین کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت نہ بیان کی جا سکتی ہے اور نہ اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ﴾ (الشوریٰ 11:42) ''اس کی مثل کوئی چیز ہے ہی نہیں۔'' امام مالک کا مشہور قول ہے: «اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُومٌ وَالْكَيْفُ مَجْهُولٌ وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ» (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة: 441/3 و مجموع الفتاوىٰ لابن تيميه: 365/5، 309/13) یعنی ''اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا واجب اور اس کی بابت سوال کرنا بدعت ہے۔''

3 اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک وقت مقرر تک، یعنی قیامت تک اللہ کے حکم سے چلتے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالشَّمۡسُ تَجۡرِيۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ○﴾ (یٰس 38:36) ''اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چل رہا ہے یہ غالب جاننے والے کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔'' دوسرے معنی یہ ہیں کہ چاند اور سورج دونوں اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں مکمل کر لیتا ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ﴾ (یٰس 39:36) ''ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔'' سات بڑے بڑے

لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

تدبیر کرتا ہے وہ اپنے نشانات کھول کھول کر بیان کر رہا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو ○

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

اسی نے زمین پھیلا کر بچھا دی ہے اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کر دی ہیں۔[1] اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کر دیے ہیں،[2] وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے۔ یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ

اور زمین میں مختلف ٹکڑے ایک دوسرے سے لگتے لگاتے ہیں[3] اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیت ہیں اور

سیارے ہیں جن میں سے دو چاند اور سورج ہیں۔ یہاں صرف ان دو کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہی دو سب سے زیادہ بڑے اور اہم ہیں۔ جب یہ دونوں بھی اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو دوسرے سیارے تو بطریق اولیٰ اس کے تابع ہیں۔ اور جب یہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو یہ معبود نہیں ہو سکتے، معبود تو وہی ہے جس نے ان کو مسخر کیا ہوا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 41: 37) ”سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا اگر تم صرف اس کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔“ ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ﴾ (الأعراف 7: 54) ”سورج چاند اور تارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔“

1 زمین کے طول و عرض کا اندازہ بھی عام لوگوں کے لیے مشکل ہے اور بلند و بالا پہاڑوں کے ذریعے سے زمین میں میخیں گاڑ دی ہیں نہروں، دریاؤں اور چشموں کا ایسا سلسلہ قائم کیا کہ جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتے ہیں اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور ذائقے بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔

2 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان میں نر اور مادہ دونوں بنائے جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔ دوسرا مطلب (جوڑے جوڑے کا) یہ ہے کہ میٹھا اور کھٹا، سرد اور گرم، سیاہ اور سفید اور ذائقہ دار و بدذائقہ، اس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد قسمیں پیدا کیں۔

3 ﴿مُتَجٰوِرٰتٌ﴾ ایک دوسرے کے قریب اور متصل، یعنی زمین کا ایک حصہ شاداب اور زرخیز ہے۔ خوب پیداوار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زمین شور ہے جس میں کسی قسم کی بھی پیداوار نہیں ہوتی۔

صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

کھجوروں کے درخت ہیں، شاخ دار اور بعض ایسے ہیں جو بے شاخ [1] ہیں سب ایک ہی پانی پلائے جاتے ہیں، پھر بھی ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں [2] اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤

اگر تجھے تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے؟ [3] یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور یہی ہیں جو جہنم کے رہنے والے ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ○

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥

اور وہ تجھ سے سزا کی طلبی میں جلدی کر رہے ہیں راحت سے پہلے ہی، یقیناً ان سے پہلے سزائیں بطور مثال گزر چکی ہیں [4] اور بے شک تیرا رب البتہ بخشنے والا ہے لوگوں کے بے جا ظلم پر بھی۔ [5] اور یہ بھی یقینی بات ہے

---

1 ﴿ صِنْوَانٌ ﴾ کے ایک معنی: درخت ایک دوسرے سے متصل اور ملے ہوئے اور ﴿ غَيْرُ صِنْوَانٍ ﴾ کے جدا جدا، متفرق کے کیے گئے ہیں۔ دوسرے معنی ﴿ صِنْوَانٌ ﴾ ایک درخت، جس کی جڑ ایک اور شاخیں کئی ہوں۔ اور ﴿ غَيْرُ صِنْوَانٍ ﴾ جو اس طرح نہ ہو بلکہ ایک ہی جڑ اور ایک ہی تنے والا ہو کوئی شاخیں نہ ہوں۔

2 یعنی زمین بھی ایک، پانی، ہوا بھی ایک لیکن پھل اور غلہ مختلف قسم کے اور ان کے ذائقے اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔

3 یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اس کے لیے دوبارہ اس چیز کا بنانا کوئی مشکل کام نہیں لیکن کفار یہ عجیب بات کہتے ہیں کہ دوبارہ ہم کیسے پیدا کیے جائیں گے؟

4 یعنی عذاب الٰہی سے قوموں اور بستیوں کی تباہی کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں اس کے باوجود یہ عذاب جلدی مانگتے ہیں؟ یہ کفار کے جواب میں کہا گیا جو کہتے تھے کہ اے پیغمبر! اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔

5 یعنی لوگوں کے ظلم و معصیت کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنی تاخیر کرتا ہے کہ معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس کے حلم و کرم اور عفو و درگزر کا نتیجہ ہے ورنہ اگر وہ فوراً مواخذہ کرنے اور عذاب دینے پر آجائے تو روئے زمین پر کوئی انسان ہی باقی نہ رہے۔ ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ﴾ (فاطر 35:45) ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب مواخذہ (دارو گیر)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦ ع
اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا

کہ تیرا رب بڑی سخت سزا دینے والا بھی ہے ○ [1]
اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ بات یہ ہے کہ آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں [2] اور ہر قوم کے لیے ہادی ہے ○ [3]
مادہ اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے [4]

فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا۔“

1 یہ اللہ کی دوسری صفت کا بیان ہے تا کہ انسان صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ رکھے اس کے دوسرے پہلو کو بھی دیکھتا رہے کیونکہ ایک ہی رخ اور ایک ہی پہلو کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بہت سی چیزیں اوجھل رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں جہاں اللہ کی صفت رحیمی وغفوری کا بیان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری صفت انتقام وعذاب کا بیان بھی ملتا ہے جیسا کہ یہاں بھی ہے تا کہ رجا (امید) اور خوف دونوں پہلو سامنے رہیں کیونکہ اگر امید ہی امید سامنے رہے تو انسان معصیت الٰہی پر دلیر ہو جاتا ہے اور اگر خوف ہی خوف ہر وقت دل ودماغ پر مسلط رہے تو اللہ کی رحمت سے مایوسی ہو جاتی ہے اور دونوں ہی باتیں غلط اور انسان کے لیے تباہ کن ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: «اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ» ”ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔“ یعنی دونوں باتوں کے درمیان اعتدال وتوازن کا نام ایمان ہے۔ انسان اللہ کے عذاب کے خوف سے بے پروا ہو، نہ اس کی رحمت سے مایوس۔ (اس مضمون کے لیے دیکھیے: سورۂ انعام 47:6، سورۂ اعراف 167:7، سورۂ حجر 50،49:15)

2 ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات وضروریات اور اپنی مشیت ومصلحت کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے۔ لیکن کافر اپنے حسب منشا معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں، جیسے کفار مکہ نبی ﷺ کو کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں وغیرہ وغیرہ جب ان کی خواہش کے مطابق معجزہ صادر کر کے نہ دکھایا جاتا تو کہتے کہ اس پر کوئی نشان (معجزہ) نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! تیرا کام صرف انذار وتبلیغ ہے، وہ تو کرتا رہ۔ کوئی مانے نہ مانے، اس سے تجھے کوئی غرض نہیں، اس لیے کہ ہدایت دینا یہ ہمارا کام ہے۔ تیرا کام راستہ دکھانا ہے اس راستے پر چلا دینا یہ تیرا نہیں، ہمارا کام ہے۔

3 یعنی ہر قوم کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہادی ضرور بھیجا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قوموں نے ہدایت کا راستہ اپنایا یا نہیں اپنایا۔ لیکن سیدھے راستے کی نشاندہی کرنے کے لیے پیغمبر ہر قوم کے اندر ضرور آیا۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○﴾ (فاطر 24:35) ”ہر امت میں ایک ڈرانے والا ضرور آیا ہے۔“

4 رحم مادر میں کیا ہے نر ہے یا مادہ خوب صورت ہے یا بدصورت نیک ہے یا بد، طویل العمر ہے یا قصیر العمر؟ یہ سب باتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

تَغِيۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ ؕ وَكُلُّ
شَیۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ ⑧
عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ ⑨
سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ
بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ
بِالنَّهَارِ ⑩
لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ
خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا
مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ
سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ
دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ⑪
هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا
وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ ⑫
وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ مِنۡ
خِيۡفَتِهٖ ۚ وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ

اور رحم جو کچھ کم کرتے ہیں اور زیادہ کرتے ہیں،[1] ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے ○[2]

ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے سب سے بڑا اور بلند و بالا ○

تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور اسے بآواز بلند کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ پر یکساں ہیں ○

اس کے پہرے دار[3] انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔ کسی قوم کی حالت اللہ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔[4] اللہ جب کسی قوم کے ساتھ سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور سوائے اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں ○

وہ اللہ ہی ہے جو تمھیں بجلی کی چمک ڈرانے اور امید دلانے کے لیے دکھاتا ہے[5] اور بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے ○[6]

گرج اس کی تسبیح و تعریف کرتی ہے اور فرشتے بھی، اس کے خوف سے۔[7] وہی آسمان سے بجلیاں گراتا ہے

---

1 اس سے مراد حمل کی مدت ہے جو عام طور پر تو 9 مہینے ہوتی ہے لیکن گھٹتی بڑھتی بھی ہے کسی وقت یہ مدت 10 مہینے اور کسی وقت 8،7 مہینے ہو جاتی ہے اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

2 یعنی کسی کی زندگی کتنی ہے؟ اسے رزق سے کتنا حصہ ملے گا؟ اس کا پورا اندازہ اللہ کو ہے۔

3 ﴿مُعَقِّبٰتٌ﴾ مُعَقِّبَۃٌ کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آ جاتے ہیں شام کے جاتے ہیں تو دن کے آ جاتے ہیں۔

4 اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورۂ انفال 8:53 کا حاشیہ۔

5 جس سے راہ گیر مسافر ڈرتے ہیں اور گھروں میں مقیم کسان اور کاشت کار اس سے برکت و منفعت کی امید رکھتے ہیں۔

6 بھاری بادلوں سے مراد وہ بادل ہیں جن میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔

7 جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:44) "ہر چیز اللہ کی

بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬

اور جس پر چاہتا ہے اس پر ڈال دیتا ہے۔[1] کفار اللہ کی بابت لڑ جھگڑ رہے ہیں اور اللہ سخت قوت والا ہے ○[2]

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭

اسی کو پکارنا حق ہے۔[3] جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں،[4] ان منکروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے ○[5]

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ⑮ السجدة

السّجدة 2

اللہ ہی کے لیے زمین اور آسمانوں کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام ○[6]

تسبیح بیان کرتی ہے۔'' (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت:44 کا حاشیہ)

1 یعنی اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے ہلاک کر ڈالتا ہے۔

2 ﴿الْمِحَالِ﴾ کے معنی قوت مؤاخذہ اور تدبیر وغیرہ کے کیے گئے ہیں، یعنی وہ بڑی قوت والا نہایت مؤاخذہ کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے۔

3 یعنی خوف اور امید کے وقت اسی ایک اللہ کو پکارنا صحیح ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا اور قبول فرماتا ہے یا دعوت، عبادت کے معنی میں ہے، یعنی اسی کی عبادت حق اور صحیح ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں کیونکہ کائنات کا خالق مالک اور مدبر صرف وہی ہے، اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

4 یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آ جا، ظاہر بات ہے کہ پانی ایک بے شعور مائع چیز ہے، اسے پتہ ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ مشرک، اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں، انھیں نہ یہ پتہ ہے کہ کوئی انھیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے۔ اور نہ اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔

5 اور بے فائدہ بھی ہے کیونکہ اس سے ان کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔

6 اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کا بیان ہے کہ ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے اور ہر چیز اس کے ماتحت اور اس کے

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ⑯

آپ پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ کہہ دیجیے! اللہ۔[1] کہہ دیجیے! کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔[2] کہہ دیجیے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟[3] کیا جنھیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں، انھوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے کہ ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہوگئی ہو، کہہ دیجیے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے، وہ اکیلا ہے[4] اور زبردست غالب ہے ○

سامنے سجدہ ریز ہے، چاہے مومنوں کی طرح خوشی سے کرے یا مشرکوں کی طرح ناخوشی سے۔ اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ ○ ﴾ (النحل16: 48) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے ان کے سائے داہنے اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔'' اس سجدے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یا دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ کافر سمیت تمام مخلوق اللہ کے حکم کے تابع ہے، کسی میں اس سے سرتابی کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صحت دے، بیمار کرے، غنی کر دے یا فقیر بنا دے، زندگی دے یا موت سے ہمکنار کرے۔ ان تکوینی احکام میں کسی کافر کو بھی مجال انکار نہیں۔

1 یہاں تو پیغمبر کی زبان سے اقرار ہے۔ لیکن قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ مشرکین کا جواب بھی یہی ہوتا تھا۔

2 یعنی جب تمھیں اقرار و اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا رب اللہ ہے جو تمام اختیارات کا بلا شرکت غیرے مالک ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر ایسوں کو کیوں اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہو جو اپنی بابت بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔

3 یعنی جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح موحد اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ موحد کا دل توحید کی بصیرت سے معمور ہے، جبکہ مشرک اس سے محروم ہے۔ موحد کی آنکھیں ہیں، وہ توحید کا نور دیکھتا ہے اور مشرک کو یہ نور توحید نظر نہیں آتا، اس لیے وہ اندھا ہے۔ اسی طرح جیسے اندھیرے اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ کا پجاری جس کا دل نورانیت سے بھرا ہوا ہے اور ایک مشرک جو جہالت و توہمات کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے، برابر نہیں ہو سکتے۔

4 یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ یہ کسی شبہے کا شکار ہوگئے ہوں بلکہ یہ مانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿17﴾

اسی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے۔ [1] پھر پانی کے ریلے نے اوپر چڑھے جھاگ کو اٹھالیا، [2] اور اس چیز میں بھی جس کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں زیور یا سازوسامان کے لیے، اسی طرح کے جھاگ ہیں، [3] اسی طرح اللہ حق وباطل کی مثال بیان فرماتا ہے، [4] اب جھاگ تو ناکارہ ہوکر چلا جاتا ہے [5] لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے، [6] اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے ○ [7]

1 ﴿بِقَدَرِهَا﴾ (اپنے اندازے کے مطابق) کا مطلب ہے۔ نالے، یعنی وادی (دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ) کے لیے جتنا پانی مقدر تھا اتنا اس نے لے لیا، یعنی نزول قرآن کو، جو ہدایت اور بیان کا جامع ہے، بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے، اس لیے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے۔ اور وادیوں کو تشبیہ دی ہے دلوں کے ساتھ، اس لیے کہ وادیوں (نالوں) میں پانی جا کر ٹھہرتا ہے جس طرح قرآن اور ایمان مومنوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔

2 اس جھاگ سے جو پانی کے اوپر آجاتا ہے اور جو مضمحل ہو جاتا ہے اور ہوائیں جسے اڑا لے جاتی ہیں کفر مراد ہے جو جھاگ ہی کی طرح اڑ جانے والا اور ختم ہو جانے والا ہے۔

3 یہ دوسری مثال ہے کہ تانبے، پیتل، سیسے یا سونے چاندی کو زیور یا سامان وغیرہ بنانے کے لیے آگ میں تپایا جاتا ہے تو اس پر بھی جھاگ آجاتا ہے۔ اس جھاگ سے مراد میل کچیل ہے جو ان دھاتوں کے اندر ہوتا ہے۔ آگ میں تپانے سے وہ جھاگ کی شکل میں اوپر آجاتا ہے، پھر یہ جھاگ بھی دیکھتے دیکھتے ختم ہوجاتا ہے اور دھات اصلی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔

4 یعنی جب حق اور باطل کا آپس میں اجتماع اور ٹکراؤ ہوتا ہے تو باطل کو اسی طرح ثبات اور دوام نہیں ہوتا جس طرح سیلابی ریلے کا جھاگ پانی کے ساتھ دھاتوں کا جھاگ، جن کو آگ میں تپایا جاتا ہے، دھاتوں کے ساتھ باقی نہیں رہتا بلکہ مضمحل اور ختم ہو جاتا ہے۔

5 یعنی اس سے کوئی نفع نہیں ہوتا کیونکہ جھاگ پانی یا دھات کے ساتھ باقی رہتا ہی نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ بیٹھ جاتا ہے یا ہوائیں اسے اڑا لے جاتی ہیں۔ باطل کی مثال بھی جھاگ ہی کی طرح ہے۔

6 یعنی پانی اور سونا چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ یہ باقی رہتی ہیں جن سے لوگ متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حق باقی رہتا ہے جس کے وجود کو بھی زوال نہیں اور جس کا نفع بھی دائمی ہے۔

7 یعنی بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، جیسے یہاں دو مثالیں بیان فرمائیں اور

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿18﴾ ع

النصف 2 11 8

جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کی، ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کی حکم برداری نہ کی اگر ان کے لیے زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی ہو تو وہ سب کچھ اپنے بدلے میں دے دیں۔ [1] پھر بھی چھٹکارا کہاں؟ یہی ہیں جن کے لیے برا حساب ہے [2] اور جن کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے ○

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿19﴾ لا

کیا وہ ایک شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو، [3] نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں ○ [4]

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ

جو اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں [5] اور قول و قرار

اسی طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔ اسی طرح سورۂ نور 40,39:24 میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے مثالوں کے ذریعے سے لوگوں کو بہت سی باتیں سمجھائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

1 یہ مضمون اس سے قبل بھی دو تین جگہ گزر چکا ہے۔

2 کیونکہ ان سے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب لیا جائے گا اور ان کا معاملہ «مَنْ نُّوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ» (صحيح البخاري، حديث:6536) ''جس سے حساب میں جرح کی گئی (اس کا بچنا مشکل ہوگا)، وہ عذاب سے دوچار ہو کر ہی رہے گا'' کا آئینہ دار ہوگا۔ اسی لیے آگے فرمایا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

3 یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت و صداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا اندھا ہو، یعنی اسے قرآن کی صداقت میں شک ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام، انکار کے لیے ہے، یعنی یہ دونوں اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح جھاگ اور پانی یا سونا، تانبا اور اس کی میل کچیل برابر نہیں ہو سکتے۔

4 یعنی جن کے پاس قلب سلیم اور عقل صحیح نہ ہو اور جنھوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کے زنگ سے آلودہ اور اپنی عقلوں کو خراب کر لیا ہو، وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل کر ہی نہیں سکتے۔

5 یہ ان اہل دانش کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ اللہ کے عہد سے مراد، اس کے احکام (اوامر و نواہی) ہیں جنھیں وہ بجا لاتے ہیں۔ یا وہ عہد ہے جو عہد اَلَسْتُ کہلاتا ہے جس کی تفصیل (سورۂ اعراف 172:7) کے حاشیے میں

الْمِيْثَاقَ ﴿20﴾

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿21﴾

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿22﴾

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ

کو توڑتے نہیں ○ [1]

اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں [2] اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں ○

اور وہ اپنے رب کی رضا مندی کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں، [3] اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں [4] اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں [5] اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے ہیں، [6] ان ہی کے لیے عاقبت کا گھر ہے ○ [7]

ہمیشہ رہنے کے باغات [8] جہاں وہ خود جائیں گے اور ان

گزر چکی ہے۔

1 اس سے مراد وہ باہمی معاہدے اور وعدے ہیں جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں یا وہ جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان ہیں۔

2 یعنی رشتوں اور رحموں کو توڑتے نہیں ہیں بلکہ ان کو جوڑتے اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔

3 اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ صبر کی ایک قسم ہے۔ تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے۔ اللہ کی اطاعت میں لذتوں اور مفادات کی قربانی دینی پڑتی ہے، یہ صبر کی تیسری قسم ہے۔ اہل دانش تینوں قسم کا صبر کرتے ہیں۔

4 ان کی حدود و مواقیت، خشوع و خضوع اور اعتدال ارکان کے ساتھ، نہ کہ اپنے من مانے طریقے سے۔

5 یعنی جہاں جہاں اور جب جب بھی خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اپنوں اور بیگانوں میں خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔

6 یعنی ان کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آتا ہے تو وہ اس کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں یا عفو و درگزر اور صبر جمیل سے کام لیتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 34:41) ''برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا ہو (اگر تم ایسا کرو گے) تو وہ شخص جو تمھارا دشمن ہے ایسا ہو جائے گا گویا وہ تمھارا گہرا دوست ہے۔''

7 یعنی جو ان اعلیٰ اخلاق کے حامل اور مذکورہ خوبیوں سے متصف ہوں گے ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔

8 ﴿عَدْنٍ﴾ کے معنی ہیں اقامت، یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات۔

اٰبَآىِٕهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِهِمۡ وَالۡمَلٰٓىِٕكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ۚ﴿23﴾

کے باپ داداؤں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو صالح ہوں گے،[1] ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے ○

سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ؕ﴿24﴾

(کہیں گے کہ) تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا (بدلہ) ہے اس دارِ آخرت کا ○

وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡۤءُ الدَّارِ ﴿25﴾

اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انھیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے ○[2]

اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ وَفَرِحُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَا

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔[3] یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہو گئے،[4] حالانکہ دنیا

---

1 یعنی اس طرح نیک قرابت داروں کو آپس میں جمع کر دے گا تا کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتیٰ کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرما دے گا تا کہ وہ اپنے قرابت دار کے ساتھ جمع ہو جائے۔ فرمایا:
﴿وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَ مَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ﴾
(الطور 52:21) ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ان کے عملوں سے ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔“ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ صالح رشتے داروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرما دے گا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایمان کی پونجی نہیں ہوگی تو وہ جنت میں نہیں جائے گا، چاہے اس کے دوسرے نہایت قریبی رشتے دار جنت میں چلے گئے ہوں کیونکہ جنت میں داخلہ حسب ونسب کی بنیاد پر نہیں ایمان و عمل کی بنیاد پر ہوگا «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحیح مسلم، حدیث:38-(2699)) ”جسے اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔“

2 یہ نیکوں کے بعد بروں کا حشر بیان فرما دیا تا کہ انسان اس حشر سے بچنے کی کوشش کرے۔

3 جب کافروں اور مشرکوں کے لیے یہ کہا کہ ان کے لیے برا گھر ہے تو ذہن میں یہ اشکال آ سکتا ہے کہ دنیا میں تو انھیں ہر طرح کی آسائشیں اور سہولتیں مہیا ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے فرمایا کہ دنیوی اسباب اور رزق کی کمی بیشی یہ اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت ومشیت، جس کو صرف وہی جانتا ہے، کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم۔ رزق کی فراوانی، اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے اور کمی کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے۔

4 کسی کو اگر دنیا کا مال زیادہ مل رہا ہے، باوجود یہ کہ وہ اللہ کا نافرمان ہے تو یہ مقام فرحت ومسرت نہیں کیونکہ یہ

ع 3 8 9

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿26﴾	آخرت کے مقابلے میں نہایت (حقیر) پونجی ہے ○ [1]
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿27﴾	کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جواب دے دیجیے کہ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکے اسے راستہ دکھا دیتا ہے ○
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿28﴾	جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے ○ [2]
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾	جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے خوشحالی ہے [3] اور بہترین ٹھکانا ○
كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ	اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا ہے [4] جس

استدراج ہے مہلت ہے، پتہ نہیں کب یہ مہلت ختم ہو جائے اور اللہ کی پکڑ کے شکنجے میں آ جائے۔

1 حدیث میں آتا ہے کہ ''دنیا کی حیثیت، آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے تو دیکھے سمندر کے پانی کے مقابلے میں اس کی انگلی میں کتنا پانی آیا ہے؟'' (صحیح مسلم، حدیث: 55-(2858)) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے ایک مردہ بچے کے پاس سے ہوا تو اسے کان سے پکڑ کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مردہ تمھارے نزدیک حقیر ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2-(2957))

2 اللہ کے ذکر سے مراد اس کی توحید کا بیان ہے جس سے مشرکوں کے دلوں میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے یا اس کی عبادت، تلاوت قرآن، نوافل اور دعا و مناجات ہے جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے یا اس کے احکام و فرامین کی اطاعت و بجا آوری ہے جس کے بغیر اہل ایمان و تقویٰ بے قرار رہتے ہیں۔

3 ﴿طُوْبٰى﴾ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: خیر، حسنیٰ، کرامت، رشک، جنت میں مخصوص درخت یا مخصوص مقام وغیرہ۔ مفہوم سب کا ایک ہی ہے، یعنی جنت میں اچھا مقام اور اس کی نعمتیں اور لذتیں۔

4 جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لیے بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے، ان کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی جس طرح آپ کی کی گئی اور جس طرح تکذیب کے نتیجے میں وہ قومیں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں، انھیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہیے۔

قَبۡلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتۡلُوَا۠ عَلَيۡهِمُ الَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَهُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ بِالرَّحۡمٰنِ ؕ قُلۡ هُوَ رَبِّىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ آپ انھیں ہماری طرف سے جو وحی آپ پر اتری ہے پڑھ کر سنائیے، یہ اللہ رحمٰن کے منکر ہیں،[1] آپ کہہ دیجیے کہ میرا پالنے والا تو وہی ہے، اس کے سوا درحقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں،[2] اسی کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میرا رجوع ہے ○

وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ الۡمَوۡتٰى ؕ بَلۡ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِيۡعًا ؕ اَفَلَمۡ يَايۡـَٔسِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا تُصِيۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِيۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰى يَاۡتِىَ وَعۡدُ اللّٰهِ ؕ

اگر (بالفرض) قرآن کے ساتھ پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین کی (بڑی، بڑی) مسافتیں قطع کی جاتیں یا مردوں سے باتیں کروائی جاتیں (پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے)، بات یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے،[3] تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دل جمعی نہیں کہ اگر اللہ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے۔ کفار کو تو ان کے کفر کے بدلے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی سخت سزا پہنچتی رہے گی یا ان

---

1 مشرکین مکہ رحمٰن کے لفظ سے بڑا بدکتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے الفاظ لکھے گئے تو انھوں نے کہا: یہ رَحۡمٰنٌ رَّحِيۡمٌ کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ آپ بِاسۡمِكَ اللّٰهُمَّ لکھیں جو ہم جانتے ہیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 93-(1784))

2 یعنی رحمٰن ہی میرا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

3 امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہر آسمانی کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے، جس طرح کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ’’حضرت داود علیہ السلام سواریوں پر زین ڈالنے اور تیار کرنے کا حکم دیتے اور سواریوں پر زین ڈالے جانے سے قبل ہی ایک مرتبہ قرآن پڑھ لیتے۔‘‘ (صحيح البخاري، حديث: 3417) یہاں ظاہر بات ہے قرآن سے مراد زبور ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر پہلے کوئی آسمانی کتاب ایسی نازل ہوئی ہوتی کہ جس سے پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین کی مسافت طے ہو جاتی یا مردے بلوا دیے جاتے تو قرآن کریم کے اندر یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ موجود ہوتی کیونکہ یہ اعجاز و بلاغت میں پچھلی تمام کتابوں سے فائق ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعے سے یہ معجزات ظاہر ہوتے، تب بھی یہ کفار ایمان نہ لاتے کیونکہ ایمان لانا نہ لانا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، معجزوں پر نہیں، اسی لیے فرمایا: سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

ع 4/5/10 اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿31﴾

وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَاَمۡلَيۡتُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۟ فَكَيۡفَ كَانَ عِقَابِ ﴿32﴾

اَفَمَنۡ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ ۚ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلۡ سَمُّوۡهُمۡ ؕ اَمۡ تُنَبِّـــُٔوۡنَهٗ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ بِظَاهِرٍ مِّنَ الۡقَوۡلِ ؕ بَلۡ زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مَكۡرُهُمۡ وَصُدُّوۡا عَنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿33﴾

کے مکانوں کے قریب نازل ہوتی رہے گی [1] تاوقتیکہ وعدۂ الٰہی آپہنچے۔ [2] یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

یقیناً آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا اور میں نے بھی کافروں کو ڈھیل دی تھی، پھر انھیں پکڑ لیا تھا، پس میرا عذاب کیسا رہا؟ ○ [3]

آیا وہ اللہ جو کہ نگہبانی کرنے والا ہے ہر شخص کی، اس کے کیے ہوئے اعمال پر [4] (انھیں چھوڑ دے گا)، ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں، کہہ دیجیے: ذرا ان کے نام تو لو، [5] کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں، یا صرف اوپری اوپری باتیں بنا رہے ہو، [6] بات اصل یہ ہے کہ کفر کرنے والوں کے لیے ان کے مکر سجا دیے

1 جو ان کے مشاہدے یا علم میں ضرور آئے گی تاکہ وہ عبرت پکڑ سکیں۔

2 یعنی قیامت واقع ہو جائے یا اہل اسلام کو قطعی فتح وغلبہ حاصل ہو جائے۔

3 حدیث میں بھی آتا ہے: «إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ» ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے جاتا ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔'' اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ ○﴾ (هود 11 : 102) ''اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظلم کی مرتکب بستیوں کو پکڑتا ہے۔ یقیناً اس کی پکڑ بہت ہی الم ناک اور سخت ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4686، وصحيح مسلم، حديث:61-(2583))

4 یہاں اس کا جواب محذوف ہے، یعنی کیا وہ ان معبودان باطل کے برابر ہو سکتا ہے جن کی یہ عبادت کرتے ہیں جو کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر، نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ عقل وشعور سے بہرہ ور ہیں۔

5 یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تاکہ انھیں پہچان سکیں، اس لیے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے، اس لیے آگے فرمایا: کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں، یعنی ان کا وجود ہی نہیں، اس لیے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا، اس پر تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

6 یہاں ظَاهِرٌ ظن (غیر حقیقی بات) کے معنی میں ہے، یعنی یا یہ صرف ان کی ظنی (خلافِ حقیقت) باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کی عبادت اس گمان پر کرتے ہو کہ یہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم نے ان کے نام بھی معبود رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ ''یہ تمھارے اور تمھارے باپوں کے رکھے ہوئے نام ہیں، جن کی کوئی دلیل اللہ نے

لَهُمۡ عَذَابٌ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّاقٍ ﴿34﴾

مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِيۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلۡكَ عُقۡبَى الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ۖ وَّعُقۡبَى الۡكٰفِرِيۡنَ النَّارُ ﴿35﴾

گئے ہیں،[1] اور وہ صحیح راہ سے روک دیے گئے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ دکھانے والا کوئی نہیں ○[2]

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے،[3] اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے[4] اور انھیں اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی بھی نہیں ○

اس جنت کی صفت جس کا وعدہ پرہیز گاروں کو دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس کا میوہ ہمیشگی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام پرہیز گاروں کا،[5] اور کافروں کا انجام کار دوزخ ہے ○

نہیں اتاری۔ یہ صرف گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔‘‘ (النجم 23:53)

1 مکر سے مراد ان کے وہ غلط عقائد و اعمال ہیں جن میں شیطان نے ان کو پھنسا رکھا ہے، شیطان نے گمراہیوں پر بھی حسین غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

2 جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا﴾ (المآئدة 41:5) ’’جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے تو تو اللہ سے اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰى هُدٰىهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِيۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ○﴾ (النحل 37:16) ’’اگر تم ان کی ہدایت کی خواہش رکھتے ہو تو (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے وہ گمراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔‘‘

3 اس سے مراد قتل اور اسیری ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں ان کافروں کے حصے میں آتی ہے۔

4 جس طرح نبی ﷺ نے بھی لعان کرنے والے جوڑے سے فرمایا تھا: «أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ» (صحیح مسلم، حدیث: 4-(1493)) ’’دنیا کا عذاب، عذاب آخرت سے بہت ہلکا ہے۔‘‘ علاوہ ازیں دنیا کا عذاب (جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی ہو) عارضی اور فانی ہے اور آخرت کا عذاب دائمی ہے اسے زوال و فنا نہیں۔ مزید برآں جہنم کی آگ، دنیا کی آگ کی نسبت 69 گنا تیز ہے۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں، اس لیے عذاب کے سخت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

5 اہل کفار کے انجام بد کے ساتھ اہل ایمان کا حسن انجام بیان فرما دیا تاکہ جنت کے حصول میں رغبت اور شوق پیدا ہو۔ اس مقام پر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے جنت کی نعمتوں، لذتوں اور ان کی خصوصی کیفیات پر مشتمل احادیث بیان فرمائی

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿36﴾

جنھیں ہم نے کتاب دی ہے [1] وہ تو جو کچھ آپ پر اتارا جاتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں [2] اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں کے منکر ہیں۔ [3] آپ اعلان کر دیجیے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور اسی کی جانب میرا لوٹنا ہے ○

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿37﴾ ع 5/6 11

اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان اتارا ہے۔ [4] اگر آپ نے ان کی خواہشوں [5] کی پیروی کر لی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے [6] تو اللہ کے سامنے آپ کو کوئی حمایتی ملے گا اور نہ بچانے والا ○ [7]

ہیں، جنھیں وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

1 اس سے مراد مسلمان ہیں اور مطلب ہے جو قرآن کے مقتضا پر عمل کرتے ہیں۔

2 یعنی قرآن کے صدق کے دلائل و شواہد دیکھ کر مزید خوش ہوتے ہیں۔

3 اس سے مراد یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین ہیں۔ بعض کے نزدیک کتاب سے مراد تورات و انجیل ہے، ان میں سے جو مسلمان ہوئے، وہ خوش ہوتے ہیں اور انکار کرنے والے وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے۔

4 یعنی جس طرح آپ سے پہلے رسولوں پر کتابیں مقامی زبانوں میں نازل کیں، اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی زبان میں اتارا، اس لیے کہ آپ کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں جن کی زبان عربی ہے۔ اگر یہ قرآن کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو سمجھ میں نہ آنے کا بہانہ بنا کر قبول ہدایت کے لیے اسے عذر بنا لیتے۔ ہم نے قرآن کو عربی میں اتار کر یہ عذر ہی دور کر دیا۔

5 اس سے مراد اہل کتاب کی بعض وہ خواہشیں ہیں جو وہ چاہتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان انھیں اختیار کریں، مثلاً: بیت المقدس کو ہمیشہ کے لیے قبلہ بنائے رکھنا اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کرنا، وغیرہ۔

6 اس سے مراد وہ علم ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ کو عطا کیا گیا جس میں اہل کتاب کے معتقدات کی حقیقت بھی آپ پر واضح کر دی گئی۔

7 یہ دراصل امت کے اہل علم کو تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح احکام کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں اگر وہ ایسا کریں گے تو انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿38﴾
يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾

ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا،[1] کسی رسول سے نہیں ہوسکتا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی اجازت کے لے آئے،[2] ہر مقررہ وعدے کی ایک لکھت ہے ○[3]
اللہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے ○[4]

---

1 یعنی آپ سمیت جتنے بھی رسول اور نبی آئے، سب بشر ہی تھے، جن کا خاندان اور قبیلہ تھا اور بیوی بچے تھے، وہ فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق بلکہ جنس بشر ہی میں سے تھے کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان سے مانوس ہونا اور ان کے قریب ہونا مشکل تھا جس سے ان کو بھیجنے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا اور اگر وہ فرشتے بشری جامے میں آتے تو یہ لوگ پھر بھی اسی اشتباہ میں پڑ جاتے جس میں وہ اب پڑے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بہ حیثیت جنس کے بشر ہی تھے بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے، مذکورہ آیت میں ﴿اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً﴾ سے رہبانیت اور ضبط تولید کی تردید بھی ہوتی ہے۔

2 یعنی معجزات کا صدور رسولوں کے اختیار میں نہیں کہ جب ان سے مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے صادر کر کے دکھا دیں بلکہ یہ کلیتًا اللہ کے اختیار میں ہے، وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ معجزے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس طرح اور کب دکھایا جائے؟

3 یعنی اللہ نے جس چیز کا بھی وعدہ کیا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت موعود پر اس کا وقوع ہو کر رہے گا، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت: لِكُلِّ كِتَابٍ أَجَلٌ ہے۔ اور مطلب ہے کہ ہر وہ امر جسے اللہ نے لکھ رکھا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، یعنی معاملہ کفار کے ارادے اور منشا پر نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

4 اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ وہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس نے جو تقدیر لکھ رکھی ہے، اس میں وہ محو و اثبات کرتا رہتا ہے، اسی کے پاس لوح محفوظ ہے۔ اس کی تائید بعض احادیث و آثار سے ہوتی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”آدمی گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، دعا ہی سے تقدیر بدل جاتی ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔“ (مسند أحمد: 277/5) بعض صحابہ سے یہ دعا منقول ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا أَشْقِيَاءَ فَامْحُهُ وَاكْتُبْنَا سُعَدَاءَ، وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا سُعَدَاءَ فَأَثْبِتْنَا فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ» حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دوران طواف روتے

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾

ان سے کیے ہوئے وعدوں میں سے کوئی اگر ہم آپ کو دکھا دیں یا آپ کو ہم فوت کر لیں تو آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ حساب تو ہمارے ذمے ہی ہے ○

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿41﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے؟ کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں،[1] اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں،[2] وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ○

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿42﴾

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنی مکاری میں کمی نہ کی تھی، لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں،[3] جو شخص جو کچھ کر رہا ہے اللہ کے علم میں ہے۔[4] کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لیے ہے ○

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ

یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ آپ جواب دیجیے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا کافی ہے[5]

ہوئے یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً أَوْ ذَنْبًا فَامْحُهُ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَآءُ وَتُثْبِتُ، وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ فَاجْعَلْهُ سَعَادَةً وَّمَغْفِرَةً» (ابن كثير) ''اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر بدبختی اور گناہ لکھا ہے تو اسے مٹا دے، اس لیے کہ تو جو چاہے مٹائے اور جو چاہے باقی رکھے، تیرے پاس ہی لوح محفوظ ہے، پس تو بدبختی کو سعادت اور مغفرت سے بدل دے۔'' اس مفہوم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو آتا ہے: «جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ» (صحيح البخاري، حديث: 5076) ''اے ابوہریرہ! جس سے تو دوچار ہونے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔'' اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ محو و اثبات بھی منجملہ قضا و تقدیر ہی کے ہے۔ (فتح القدير)

1 یعنی عرب کی سرزمین مشرکین پر بتدریج تنگ ہو رہی ہے اور اسلام کو غلبہ و عروج حاصل ہو رہا ہے۔

2 یعنی کوئی اللہ کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا۔

3 یعنی مشرکین مکہ سے قبل بھی لوگ رسولوں کے مقابلے میں مکر کرتے رہے ہیں لیکن اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر اور حیلہ کارگر نہیں ہوا، اسی طرح آئندہ بھی ان کا کوئی مکر اللہ کی مشیت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔

4 وہ اس کے مطابق جزا اور سزا دے گا، نیک کو اس کی نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

5 پس وہ جانتا ہے کہ میں اس کا سچا رسول اور اس کے پیغام کا داعی ہوں اور تم جھوٹے ہو۔

ع 6/6 12

عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿43﴾

اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے ○ [1]

اٰيَاتُهَا 52 (14) سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ (72) رُكُوْعَاتُهَا 7

سورۂ ابراہیم مکی ہے، اس میں 52 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿1﴾

الٓرٰ! یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں، [2] ان کے پروردگار کے حکم سے، [3] زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف ○

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِۨ ۙ﴿2﴾

وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔ اور کافروں کے لیے تو سخت عذاب کی خرابی ہے ○

---

1 مراد جنس کتاب کا علم ہے، مثلاً: تورات اور انجیل، یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری وغیرہم رضی اللہ عنہم، یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عرب کے مشرکین اہم معاملات میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے اور ان سے پوچھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ اہل کتاب جانتے ہیں، تم ان سے پوچھ لو۔ بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حاملین علم کتاب مسلمان ہیں۔ اور بعض نے کتاب سے مراد لوح محفوظ لی ہے، یعنی جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ۔ مگر پہلا مفہوم زیادہ درست ہے۔

2 جس طرح دوسرے مقام پر بھی اللہ نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (الحدید57:9) ”وہی ذات ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل فرماتی ہے تا کہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔“ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرة2: 257) ”اللہ ایمان داروں کا دوست ہے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔“

3 یعنی پیغمبر کا کام ہدایت کا راستہ دکھانا ہے لیکن اگر کوئی اس راستے کو اختیار کر لیتا ہے تو یہ صرف اللہ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے کیونکہ اصل ہادی وہی ہے۔ اس کی مشیت اگر نہ ہو تو پیغمبر کتنا بھی وعظ ونصیحت کر لے، لوگ ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس کی متعدد مثالیں انبیائے سابقین میں موجود ہیں اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود شدید خواہش کے اپنے مہربان چچا ابوطالب کو مسلمان نہ کر سکے۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ③

جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ [1] یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں ○ [2]

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

ہم نے ہر ہر رسول کو اس کی قومی زبان ہی میں بھیجا ہے تا کہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔ [3] اب اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے چاہے راہ دکھا دے، وہ بڑا زبردست حکمت والا ہے ○ [4]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

(یاد رکھو جب کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تو اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال [5] اور انھیں اللہ کے احسانات یاد دلا۔ [6] اس میں ہر ایک صبر

---

1 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے مین میکھ نکالتے اور انھیں مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض وخواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔

2 اس لیے کہ ان میں مذکورہ متعدد خرابیاں جمع ہوگئی ہیں، مثلاً: آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں کجی تلاش کرنا۔

3 پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو قومی زبان میں بھیجا تا کہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

4 لیکن اس بیان وتشریح کے باوجود ہدایت اسے ملے گی جسے اللہ چاہے گا۔

5 یعنی جس طرح اے محمد! ہم نے آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی تا کہ آپ اپنی قوم کو کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔ اسی طرح ہم نے موسیٰ کو معجزات ودلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ انھیں کفر وجہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کریں۔ آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے یا وہ نو معجزات ہیں جن کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں کیا گیا ہے۔

6 اَيَّامُ اللّٰهِ سے مراد اللہ کے وہ احسانات ہیں جو بنی اسرائیل پر کیے گئے جن کی تفصیل پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ یا ایام وقائع کے معنی میں ہے، یعنی وہ واقعات ان کو یاد دلا جن سے وہ گزر چکے ہیں جن میں ان پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں بھی آ رہا ہے۔

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤
شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں ○ [1]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥ ع 1/6 13

جس وقت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے وہ احسانات یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں، جبکہ اس نے تمھیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمھیں بڑے دکھ پہنچاتے تھے۔ تمھارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمھاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے، اس میں تمھارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش تھی ○ [2]

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦

اور جب تمھارے پروردگار نے تمھیں آگاہ [3] کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بیشک میں تمھیں زیادہ [4] دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے ○ [5]

---

1 صبر اور شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اور ایمان کی تکمیل کے لیے مدد و معاون ہیں، اس لیے یہاں صرف ان دو کا تذکرہ کیا گیا ہے دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ ﴿صَبَّارٍ﴾ "بہت صبر کرنے والا۔" ﴿شَكُوْرٍ﴾ "بہت شکر کرنے والا۔" اور صبر کو شکر پر مقدم کیا ہے، اس لیے کہ شکر، صبر کا نتیجہ ہے۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ ہی اس کے لیے بہتر ہے اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر اسے کوئی خوشی پہنچے وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 64-(2999))

2 یعنی جس طرح یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی، اس سے نجات اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اسی لیے بعض مترجمین نے ﴿بَلَآءٌ﴾ کا ترجمہ آزمائش اور بعض نے احسان کیا ہے۔

3 ﴿تَاَذَّنَ﴾ کے معنی ہیں: أَعْلَمَكُمْ بِوَعْدِهِ لَكُمْ اس نے اپنے وعدے کے ساتھ تمھیں آگاہ اور خبردار کر دیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قسم کے معنی میں ہو، یعنی جب تمھارے رب نے اپنی عزت و جلال اور کبریائی کی قسم کھا کر کہا۔ (ابن کثیر)

4 نعمت پر شکر کرنے پر مزید انعامات سے نوازوں گا۔

5 اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفران نعمت (ناشکری) اللہ کو سخت ناپسند ہے جس پر اس نے سخت عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بھی فرمایا کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاوندوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 4-(885))

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑧

موسیٰ نے کہا کہ اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں[1] والا ہے ○

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا

کیا تمھارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں؟ یعنی قوم نوح کی اور عاد وثمود کی اور ان کے بعد والوں کی جنھیں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے لیکن انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبا لیے[2] اور صاف کہہ دیا کہ جو

1 مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی شکر گزاری کرے گا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ ناشکری کرے گا تو اللہ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ تو بے نیاز ہے۔ سارا جہان ناشکر گزار ہو جائے تو اس کا کیا بگڑے گا؟ جس طرح حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَ آخِرَكُمْ وَ إِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ» (صحیح مسلم، حدیث: 55-(2577)) ”اے میرے بندو! اگر تمھارے اول اور آخر اور اسی طرح تمام انسان اور جن، اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو (کوئی بھی نافرمان نہ رہے) تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول و آخر اور تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول و آخر اور انسان و جن، سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں، پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔“ فَسُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى شَأْنُهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ.

2 مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں، مثلاً: ① انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں رکھ لیے اور کہا کہ ہمارا تو صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمھاری رسالت کے منکر ہیں۔ ② انھوں نے اپنی انگلیوں کے ساتھ اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خاموش رہو اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔ ③ انھوں

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨

کچھ تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہمیں تو اس میں بڑا بھاری شبہ ہے [1] ○

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩

ان کے رسولوں نے انھیں کہا کہ کیا حق تعالیٰ کے بارے میں تمھیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تو تمھیں اس لیے بلا رہا ہے کہ تمھارے تمام گناہ معاف فرما دے، [2] اور ایک مقرر وقت تک تمھیں مہلت عطا فرمائے، انھوں نے کہا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان [3] ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ [4] اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو [5] ○

نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر استہزا اور تعجب کے طور پر رکھ لیے جس طرح کوئی شخص ہنسی ضبط کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ ④ انھوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔ ⑤ بطور غیظ وغضب کے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لے لیے۔ جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے: ﴿عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾ (آل عمران 3: 119) ''وہ تم پر اپنی انگلیاں غیظ وغضب سے کاٹتے ہیں۔'' امام شوکانی اور امام طبری رحمہما اللہ نے اسی آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔

1 ﴿مُرِيْبٍ﴾ یعنی ایسا شک کہ جس سے نفس سخت قلق اور اضطراب میں مبتلا ہے۔

2 یعنی تمھیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمان وزمین کا خالق ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایمان وتوحید کی دعوت بھی صرف اس لیے دے رہا ہے کہ تمھیں گناہوں سے پاک کر دے۔ اس کے باوجود تم اس خالق ارض وسما کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس کی دعوت سے تمھیں انکار ہے؟

3 یہ وہی اشکال ہے جو کافروں کو پیش آتا رہا کہ انسان ہو کر کس طرح کوئی وحیٔ الٰہی اور نبوت ورسالت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ اور یہی اشکال بہ انداز دگر آج کل کے بعض مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر بشر نہیں نور تھے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی

4 یہ دوسری رکاوٹ ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کس طرح چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کرتے رہے ہیں؟ جبکہ تمھارا مقصد ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا کر الٰہ واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔

5 دلائل ومعجزات تو ہر نبی کے ساتھ ہوتے تھے اس سے مراد ایسی دلیل یا معجزہ ہے جس کے دیکھنے کے وہ آرزومند

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿11﴾

ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔[1] اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمھیں لا دکھائیں[2] اور ایمان داروں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ○[3]

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ
ع 2 6 14 وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿12﴾

آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سجھائی ہیں۔ واللہ! جو ایذائیں تم ہمیں دو گے ہم ان پر صبر ہی کریں گے۔ توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں ○[4]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿13﴾

کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمھیں ملک بدر کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں ہی کو غارت کر دیں گے ○[5]

ہوتے تھے، جیسے مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ سے مختلف قسم کے معجزات طلب کیے تھے جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل میں آئے گا۔

1 رسولوں نے پہلے اشکال کا جواب دیا کہ یقیناً ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں لیکن تمھارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی بعض انسانوں کو وحی و رسالت کے لیے چن لیتا ہے اور تم سب میں سے یہ احسان اللہ نے ہم پر فرمایا ہے۔

2 ان کے حسب منشا معجزے کے سلسلے میں رسولوں نے جواب دیا کہ معجزے کا صدور ہمارے اختیار میں نہیں یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

3 یہاں مومنین سے مراد اولاً خود انبیاء ہیں، یعنی ہمیں سارا بھروسہ اللہ پر ہی رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ آگے فرمایا: ''آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں۔''

4 کہ وہی کفار کی شرارتوں اور سفاہتوں سے بچانے والا ہے۔

5 جیسے اور بھی کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے ان بندوں

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭

اور ان کے بعد ہم خود تمھیں اس زمین میں بسائیں گے [1] ، یہ ہے ان کے لیے جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھیں اور میری وعید سے خوفزدہ رہیں ○ [2]

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ⑮

اور انھوں نے فیصلہ طلب کیا [3] اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا ○

کے حق میں جو رسول ہیں کہ بے شک وہ منصور اور کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا۔'' ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے۔''

1 یہ مضمون بھی اللہ نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الأنبيآء 21:105) ''ہم نے لکھ دیا زبور میں، نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین کے وارث ہوں گے میرے صالح بندے۔'' (مزید دیکھیے: سورۃ الأعراف 7:128-137) چنانچہ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائی، آپ کو بادل نخواستہ مکے سے نکلنا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکائے کھڑے سزا کے منتظر تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ کہہ کر چند ایک کے سوا سب کو معاف فرما دیا۔ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

2 جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ ﴾ (النّٰزعٰت 79:40,41) ''جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو اس نے خواہش سے روکے رکھا، یقیناً جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔'' ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○ ﴾ (الرحمن 55:46) ''جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

3 اس کا فاعل ظالم مشرک بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے بالآخر اللہ سے فیصلہ طلب کیا، یعنی اگر یہ رسول سچے ہیں تو یا اللہ ہم کو اپنے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دے، جیسے مشرکین مکہ نے کہا: ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ﴾ (الأنفال 8:32) ''اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کر دے۔'' یا جس طرح جنگ بدر کے موقع پر بھی مشرکین مکہ نے اسی قسم کی آرزو کی تھی جس کا ذکر اللہ نے سورۂ انفال آیت:19 میں کیا ہے۔ یا اس کا فاعل رسول اللہ ﷺ ہوں کہ انھوں نے اللہ سے فتح و نصرت کی دعائیں کیں جنھیں اللہ نے قبول کیا۔

مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ
صَدِيْدٍ ۙ﴿16﴾
يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ
الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ
وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿17﴾
مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ
كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ
عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى
شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿18﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ
جَدِيْدٍ ۙ﴿19﴾
وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿20﴾
وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ

اس کے سامنے دوزخ ہے جہاں وہ پیپ کا پانی پلایا جائے گا ○ [1]

جسے بمشکل گھونٹ گھونٹ پیے گا، پھر بھی اسے گلے سے اتار نہ سکے گا اور اسے ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مرنے والا نہیں، [2] پھر اس کے پیچھے بھی سخت عذاب ہے ○

ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا، ان کے اعمال مثل اس راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔ [3] جو بھی انھوں نے کیا اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، یہی دور کی گمراہی ہے ○

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو بہترین تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے ○

اللہ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں ○ [4]

سب کے سب اللہ کے سامنے روبرو کھڑے ہوں گے۔ [5]

---

1 ﴿صَدِيْدٍ﴾ پیپ اور خون جو جہنمیوں کے گوشت اور ان کی کھالوں سے بہا ہو گا۔ بعض احادیث میں اسے «عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ» (مسند أحمد:171/5) ''جہنمیوں کے جسم سے نچوڑا ہوا۔'' کہا گیا ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ یہ صدید اتنا گرم اور کھولتا ہوا ہو گا کہ ان کے منہ کے قریب پہنچتے ہی ان کے چہرے کی کھال جھلس کر گر پڑے گی اور اس کا ایک گھونٹ پیتے ہی اس کے پیٹ کی آنتیں پاخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

2 یعنی انواع و اقسام کے عذاب چکھ چکھ کر وہ موت کی آرزو کرے گا لیکن موت وہاں کہاں؟ وہاں تو اسی طرح دائمی عذاب ہو گا۔

3 قیامت والے دن کافروں کے عملوں کا بھی یہی حال ہو گا کہ اس کا کوئی اجر و ثواب انھیں نہیں ملے گا۔

4 یعنی اگر تم نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمھیں ہلاک کر کے تمھاری جگہ نئی مخلوق پیدا کر دے۔ (یہی مضمون اللہ نے سورۂ فاطر 35:15-17، سورۂ محمد 47:38، سورۂ مائدہ 5:54 اور سورۂ نساء 4:133 میں بھی بیان کیا ہے۔)

5 یعنی سب میدان محشر میں اللہ کے روبرو ہوں گے کوئی کہیں چھپ نہ سکے گا۔

اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿21﴾ ع 3/9 15

اس وقت کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمھارے تابعدار تھے تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ہم سے دور کرسکنے والے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی ضرور تمھاری رہنمائی کرتے، اب تو ہم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ہی برابر ہے ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں ○ [1]

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ

اور جب کام کا فیصلہ کردیا جائے گا تو شیطان [2] کہے گا کہ اللہ نے تو تمھیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کیے تھے ان کا خلاف کیا، [3] میرا تم پر کوئی دباؤ تو تھا ہی نہیں، [4] ہاں میں نے تمھیں پکارا اور تم نے میری مان لی، [5] پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے آپ ہی کو

1 بعض کہتے ہیں کہ جہنمی آپس میں کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لیے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے، آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں، چنانچہ وہ روئیں گے اور خوب آہ وزاری کریں گے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ملی، چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں، پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پس اس وقت وہ کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع وفزع، اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ ان کی باہمی گفتگو جہنم کے اندر ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کو اور بھی کئی جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (سورۂ مؤمن 48,47:40، سورۂ اعراف 39,38:7، سورۂ احزاب 33:66-68) اس کے علاوہ وہ آپس میں جھگڑیں گے بھی اور ایک دوسرے پر گمراہ کرنے کا الزام دھریں گے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جھگڑا میدان حشر میں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل اللہ تعالیٰ نے (سورۂ سبا 34:31-33) میں بیان فرمائی ہے۔

2 یعنی اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے تو شیطان جہنمیوں سے کہے گا۔

3 اللہ نے جو وعدے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے کیے تھے کہ نجات میرے پیغمبروں پر ایمان لانے میں ہے، وہ حق تھے ان کے مقابلے میں میرے وعدے تو سراسر دھوکا اور فریب تھے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا: ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○﴾ (النسآء 120:4) ''شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے لیکن شیطان کے یہ وعدے اور آرزوئیں محض دھوکا ہیں۔''

4 دوسرا یہ کہ میری باتوں میں کوئی دلیل و حجت نہیں ہوتی تھی، نہ میرا کوئی دباؤ تم پر تھا۔

5 ہاں میری صرف دعوت اور پکار تھی، تم نے میری بے دلیل پکار کو تو مان لیا اور پیغمبروں کی دلیل و حجت سے بھرپور

اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿22﴾

ملامت کرو، [1] نہ میں تمھارا فریادرس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے، [2] میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے، [3] یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ○ [4]

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿23﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں انھیں ہمیشگی ہوگی اپنے رب کے حکم سے، [5] جہاں ان کا خیر مقدم سلام سے ہوگا ○ [6]

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿24﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی، مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنیاں آسمان میں ہیں ○

باتوں کو رد کر دیا۔

1 اس لیے کہ قصور سارا تمھارا اپنا ہی ہے، تم نے عقل وشعور سے ذرا کام نہ لیا، دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کر دیا اور مجرد دعوے کے پیچھے لگے رہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی۔

2 یعنی نہ میں تمھیں اس عذاب سے نکلوا سکتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اور نہ تم اس قہر وغضب سے مجھے بچا سکتے ہو جو اللہ کی طرف سے مجھ پر ہے۔

3 مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک گردانتے رہے تو تمھاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی تھی اور اس کی تدبیر بھی وہی کرتا رہا بھلا اس کا کوئی شریک کیوں کر ہو سکتا تھا؟

4 بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ بھی شیطان ہی کا ہے اور یہ اس کے مذکورہ بیان کا تتمہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا کلام مِنْ قَبْلُ پر ختم ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مستقلاً کلام ہے۔

5 یہ اہل شقاوت واہل کفر کے مقابلے میں اہل سعادت اور اہل ایمان کا تذکرہ ہے۔ ان کا ذکر ان کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر اہل ایمان والا کردار اپنانے کا شوق ورغبت پیدا ہو۔

6 یعنی آپس میں ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں فرشتے بھی ہر ہر دروازے سے داخل ہو ہو کر انھیں سلام عرض کیا کریں گے۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿25﴾

جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا[1] ہے، اور اللہ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿26﴾

اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں ○[2]

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ﴿27﴾ ع 4/6 16

ایمان والوں کو اللہ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی،[3] ہاں ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے ○

---

1 اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو گرمی ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ ﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ سے اسلام یا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ اور ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ سے کھجور کا درخت مراد ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 72، وصحيح مسلم، حديث: 63-(2811))

2 ﴿كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ﴾ سے مراد کفر اور ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ﴾ سے حنظل (اندرائن) کا درخت مراد ہے جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جاتی ہے، یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں، نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔

3 اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ "موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......﴾ کا (صحيح البخاري، حديث: 4699، وصحيح مسلم، حديث: 73-(2871)) ایک اور حدیث میں ہے کہ "جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے، وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے اسے جہنم کا ٹھکانہ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی جگہ تیرے لیے جنت میں ٹھکانہ بنا دیا ہے، پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو قیامت تک سرسبز کر دیا جاتا ہے۔" (صحيح مسلم، حديث: 70-(2870)) ایک اثر میں ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے: مَنْ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿28﴾

کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنھوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا○[1]

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ﴿29﴾

یعنی دوزخ میں جس میں یہ سب جائیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے○

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿30﴾

انھوں نے اللہ کے ہمسر بنا لیے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ خیر مزے کر لو تمھاری بازگشت تو آخر جہنم ہی ہے○[2]

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾

میرے ایمان دار بندوں سے کہہ دیجیے کہ نمازوں کو قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور محبت○[3]

رَّبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَّبِيُّكَ؟ ''تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا پیغمبر کون ہے؟'' پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے: رَبِّيَ اللّٰهُ ''میرا رب اللہ ہے۔'' وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ ''میرا دین اسلام ہے۔'' وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ ''اور میرے پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔'' (تفسير ابن كثير)

1 اس کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4700) جنھوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کروایا، تاہم اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور لوگوں کے لیے نعمت الٰہیہ بنا کر بھیجا، پس جس نے اس نعمت کی قدر کی، اسے قبول کیا، اس نے شکر ادا کیا، وہ جنتی ہو گیا اور جس نے اس نعمت کو رد کر دیا اور کفر اختیار کیے رکھا، وہ جہنمی قرار پایا۔

2 یہ تہدید و توبیخ ہے کہ دنیا میں تم جو کچھ چاہو کر لو مگر کب تک؟ بالآخر تمھارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

3 نماز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر اور تعدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے جس طرح کہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ انفاق کا مطلب ہے کہ زکاۃ ادا کی جائے، اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے اور دیگر ضرورت مندوں پر احسان کیا جائے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی ذات اور اپنی ضروریات پر تو بلا دریغ

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ﴿32﴾

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمھاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمھارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمھارے اختیار میں کر دی ہیں [1] ○

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ﴿33﴾

اسی نے تمھارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں [2] اور رات دن کو بھی تمھارے کام میں لگا رکھا ہے [3] ○

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ

اسی نے تمھیں تمھاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے

خوب خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جہاں نہ خرید و فروخت ممکن ہوگی نہ کوئی دوستی ہی کسی کے کام آئے گی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ﴾ (البقرة 2:254) ''اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے قبل (اللہ کی راہ میں) خرچ کر لو جس میں کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور سفارش ہی کام آئے گی۔''

1 اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر جو انعامات کیے ان میں بعض کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا: آسمان کو چھت اور زمین کو بچھونا بنایا۔ آسمان سے بارش نازل فرما کر مختلف قسم کے درخت اور فصلیں اگائیں جن میں لذت و قوت کے لیے میوے اور فروٹ بھی ہیں اور انواع و اقسام کے غلے بھی جن کے رنگ اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ذائقے، خوشبو اور فوائد بھی مختلف ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کو خدمت میں لگا دیا کہ وہ تلاطم خیز موجوں پر چلتے ہیں، انسانوں کو بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور سامان تجارت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ زمینوں اور پہاڑوں سے چشمے اور نہریں جاری کر دیں تاکہ تم بھی سیراب ہو اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرو۔

2 یعنی مسلسل چلتے رہتے ہیں، کبھی ٹھہرتے نہیں رات کو، نہ دن کو۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں لیکن کبھی ان کا باہمی تصادم اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

3 رات اور دن، ان کا باہمی تفاوت جاری رہتا ہے۔ کبھی رات، دن کا کچھ حصے لے کر لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن، رات کا کچھ حصہ لے کر لمبا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کائنات کے آغاز سے چل رہا ہے، اس میں یک سر مو فرق نہیں آیا۔

تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ع ﴿34﴾

ہی رکھا ہے۔[1] اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انھیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔[2] یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے ○[3]

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿35﴾

ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد ہے جب انھوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنادے،[4] اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے ○

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿36﴾

اے میرے پالنے والے معبود! انھوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے،[5] پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی

---

1 یعنی اس نے تمھاری ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں جو تم اس سے طلب کرتے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں جیسے تم طلب کرتے ہو، وہ بھی دیتا ہے اور جسے نہیں مانگتے لیکن اسے پتہ ہے کہ وہ تمھاری ضرورت ہے، وہ بھی دیتا ہے۔ غرض تمھیں زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

2 یعنی اللہ کی نعمتیں ان گنت ہیں انھیں کوئی حیطہ شمار میں ہی نہیں لا سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے۔ ایک اثر میں حضرت داود علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا: ''اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جبکہ شکر بجائے خود تیری طرف سے مجھ پر ایک نعمت ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے داود! اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جبکہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ یا اللہ! میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔'' (تفسیر ابن کثیر)

3 اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غفلت کی وجہ سے انسان اپنے نفس کے ساتھ ظلم اور بے انصافی کرتا ہے۔ بالخصوص کافر جو بالکل ہی اللہ سے غافل ہے۔

4 ''اس شہر'' سے مراد مکہ ہے۔ دیگر دعاؤں سے قبل یہ دعا کی کہ اسے امن والا بنادے، اس لیے کہ امن ہوگا تو لوگ دوسری نعمتوں سے بھی صحیح معنوں میں متمتع ہو سکیں گے، ورنہ امن وسکون کے بغیر تمام آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود خوف اور دہشت کے سائے انسان کو مضطرب اور پریشان رکھتے ہیں، جیسے آج کل کے عام معاشروں کا حال ہے۔ سوائے سعودی عرب کے۔ وہاں اس دعا کی برکت سے اور اسلامی حدود کے نفاذ سے آج بھی ایک مثالی امن قائم ہے۔ صَانَهَا اللّٰهُ عَنِ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ یہاں انعامات الٰہیہ کے ضمن میں اسے بیان فرما کر اشارہ کر دیا کہ قریش جہاں اللہ کے دیگر انعامات سے غافل ہیں۔ اس خصوصی انعام سے بھی غافل ہیں کہ اس نے انھیں مکہ جیسے امن والے شہر کا باشندہ بنایا۔

5 صَنَم دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ① وہ جثہ جو چاندی، پیتل، لکڑی یا پتھر وغیرہ سے بنایا جائے، مشرکین

معاف اور کرم کرنے والا ہے ۞

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿37﴾

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد [1] اس بے کھیتی کے جنگل میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں، [2] پس تو کچھ لوگوں [3] کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ اور انھیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما [4] تاکہ یہ شکر گزاری کریں ۞

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿38﴾

اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ظاہر کریں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں [5] ۞

اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لیے اس کی پوجا کرتے تھے۔② اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جائے وہ بھی صنم ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں: ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں مراد یہی دوسرا معنیٰ ہے۔ (مفردات ألفاظ القرآن:493، مادہ صنم) گمراہ کرنے کی نسبت ان اصنام کی طرف کی اس لیے کہ یہ گمراہی کے اسباب و بواعث ہیں۔

1 ﴿ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ ﴾ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے، یعنی بعض اولاد کو جو کہ اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صلبی بیٹے تھے جن میں سے صرف اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا۔ (فتح القدير)

2 عبادات میں سے صرف نماز کا ذکر کیا، جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے۔

3 یہاں بھی مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ کہ کچھ لوگ، مراد اس سے مسلمان ہیں، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ کس طرح دنیا بھر کے مسلمان مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے علاوہ بھی سارا سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم ﴿ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ ﴾ (لوگوں کے دلوں) کہتے تو عیسائی، یہودی، مجوسی اور دیگر تمام لوگوں کے دل بھی مکہ کی طرف مائل ہوتے اور اس کی طرف ازدحام کرتے۔ لیکن مِنَ النَّاسِ کہہ کر اس دعا کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔ (ابن کثير)

4 اس دعا کی تاثیر بھی دیکھ لی جائے کہ مکہ جیسی بے آب و گیاہ سرزمین میں، جہاں کوئی پھل دار درخت نہیں، دنیا بھر کے پھل اور میوے نہایت فراوانی کے ساتھ مہیا ہیں اور حج کے موقع پر بھی جبکہ پچاس ساٹھ لاکھ افراد مزید وہاں پہنچ جاتے ہیں، پھلوں کی فراوانی میں کوئی کمی نہیں آتی وَهٰذَا مِنْ لُّطْفِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَكَرَمِهٖ وَرَحْمَتِهٖ وَبَرَكَتِهٖ اِسْتِجَابَةً لِدُعَاءِ خَلِيْلِهٖ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دعاؤں کی مذکورہ ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مانگی، جبکہ پہلی دعا (امن والا بنا دے) اس وقت مانگی، جب اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچے اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ (ابن کثير)

5 مطلب یہ ہے کہ میری دعا کے مقصد کو تو بخوبی جانتا ہے اس شہر والوں کے لیے دعا سے اصل مقصد تیری رضا ہے تو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ
اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ
الدُّعَآءِ ﴿39﴾

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اسحاق عطا فرمائے۔ کچھ شک نہیں کہ میرا پالنہار (اللہ) دعاؤں کا سننے والا ہے ○

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿40﴾

اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی،[1] اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما ○

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ
ع 6 7 18 يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۧ ﴿41﴾

اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش[2] اور دیگر مومنوں کو بھی جس دن حساب ہونے لگے ○

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ
الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ
فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ ﴿42﴾

ناانصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھ وہ تو انھیں اس دن تک مہلت دیے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ○[3]

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

وہ اپنے سر اوپر اٹھائے دوڑ بھاگ کر رہے ہوں گے،[4]

تو ہر چیز کی حقیقت کو خوب جانتا ہے، آسمان وزمین کی کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں۔ (ابن کثیر)

1 اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی دعا مانگی، جیسے اس سے قبل بھی اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی یہ دعا مانگی کہ انھیں اصنام کو پوجنے سے بچا کر رکھنا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے دین کے داعیوں کو اپنے گھر والوں کی ہدایت اور ان کی دینی تعلیم وتربیت سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ تبلیغ ودعوت میں انھیں اولیت دینی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر محمد ﷺ کو بھی حکم دیا: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 214:26) ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔“

2 ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جبکہ ابھی ان پر اپنے باپ کا عَدُوُّ اللّٰهِ (اللہ کا دشمن) ہونا واضح نہیں ہوا تھا، جب یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اظہار براءت کر دیا، اس لیے کہ مشرکین کے لیے دعا کرنا جائز نہیں، چاہے وہ قرابت قریبہ ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

3 یعنی، قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے۔ اگر دنیا میں اللہ نے کسی کو زیادہ مہلت دے دی اور اس کے مرنے تک اس کا مؤاخذہ نہیں کیا تو قیامت کے دن تو وہ مؤاخذہ الٰہی سے نہیں بچ سکے گا، جو کافروں کے لیے اتنا ہولناک دن ہو گا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

4 ﴿ مُهْطِعِيْنَ ﴾ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ مُهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ﴾ (القمر 8:54) ”بلانے والے کی طرف دوڑیں گے۔“ ﴿ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ ﴾ ”حیرت سے اپنے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔“

اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿43﴾

خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی اور ان کے دل اڑے اور گرے ہوئے خالی ہوں گے ○ [1]

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿44﴾

لوگوں کو اس دن سے ہوشیار کر دے جب کہ ان کے پاس عذاب آ جائے گا، اور ظالم کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں بہت تھوڑے قریب کے وقت کی ہی مہلت دے کہ ہم تیری تبلیغ مان لیں اور تیرے پیغمبروں کی تابعداری میں لگ جائیں۔ کیا تم اس سے پہلے بھی قسمیں نہیں کھا رہے تھے؟ کہ تمھارے لیے دنیا سے ٹلنا ہی نہیں ○ [2]

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿45﴾

اور کیا تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے سہتے نہ تھے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کیا تم پر وہ معاملہ کھلا نہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کچھ کیا۔ ہم نے تو تمھارے سمجھانے کو بہت سی مثالیں بیان کر دی تھیں ○ [3]

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿46﴾

یہ اپنی اپنی چالیں چل رہے ہیں اور اللہ کو ان کی تمام چالوں کا علم ہے [4] اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں ○ [5]

---

1 جو ہولناکیاں وہ دیکھیں گے اور جو فکر اور خوف اپنے بارے میں انھیں ہوگا ان کے پیش نظر ان کی آنکھیں ایک لحظہ کے لیے بھی پست نہیں ہوں گی اور کثرت خوف سے ان کے دل گرے ہوئے اور خالی ہوں گے۔

2 یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ کوئی حساب کتاب اور جنت و دوزخ نہیں اور دوبارہ کسے زندہ ہونا ہے۔

3 یعنی عبرت کے لیے ہم نے تو ان پچھلی قوموں کے واقعات بیان کر دیے ہیں جن کے گھروں میں اب تم آباد ہو اور ان کے کھنڈرات بھی تمھیں دعوت غور و فکر دے رہے ہیں۔ اگر تم ان سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے سے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تمھاری مرضی، پھر تم بھی اسی انجام کے لیے تیار رہو۔

4 یہ جملہ حالیہ ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ جو کیا وہ کیا، درآں حالیکہ انھوں نے باطل کے اثبات اور حق کے رد کرنے کے لیے مقدور بھر حیلے اور مکر کیے اور اللہ کو ان تمام چالوں کا علم ہے، یعنی اس کے پاس درج ہے جس کی وہ ان کو جزا دے گا۔

5 کیونکہ اگر پہاڑ ٹل گئے ہوتے تو اپنی جگہ برقرار نہ ہوتے، جبکہ سب پہاڑ اپنی اپنی جگہ ثابت اور برقرار ہیں۔ یہ اِنْ نافیہ کی صورت میں ہے۔ دوسرے معنی اِنْ مُخَفَّفَه مِنَ الْـمُـثَقَّلَه کے لیے کیے گئے ہیں، یعنی یقیناً ان کے مکر تو اتنے بڑے تھے کہ

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿47﴾

آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے نبیوں سے وعدہ خلافی کرے گا،[1] اللہ بڑا ہی غالب اور بدلہ لینے والا ہے ○[2]

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿48﴾

جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان[3] بھی، اور سب کے سب اللہ واحد، غلبے والے کے روبرو ہوں گے ○

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿49﴾

آپ اس دن گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ زنجیروں میں ملے جلے ایک جگہ جکڑے ہوئے ہوں گے ○

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿50﴾

ان کے لباس گندھک کے ہوں گے[4] اور آگ ان کے چہروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی ○

پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان کے مکروں کو کامیاب نہیں ہونے دیا، جیسے مشرکین کے اللہ کے لیے دعوائے ولد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○ ﴾ (مریم 19: 90، 91) ”قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر کہ انھوں نے کہا: رحمٰن (اللہ) کی اولاد ہے۔“

1 یعنی اللہ نے اپنے رسولوں سے دنیا اور آخرت میں مدد کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً سچا ہے، اس سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

2 یعنی اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہے۔

3 امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ تبدیلی صفات کے لحاظ سے ہو یا ذات کے لحاظ سے، یعنی یہ آسمان و زمین ذاتاً موجود ہوتے ہوئے اپنے صفات کے اعتبار سے بدل جائیں گے یا ذات کے لحاظ سے تبدیلی آئے گی، نہ یہ زمین رہے گی نہ یہ آسمان۔ زمین بھی کوئی اور ہوگی اور آسمان بھی کوئی اور۔ حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا عَلَمٌ لِّأَحَدٍ» (صحیح مسلم، حدیث: 2790) ”قیامت والے دن لوگ سفید بھوری زمین پر اکٹھے ہوں گے جو میدہ کی روٹی کی طرح ہوگی۔ اس میں کسی کا کوئی جھنڈا (یا علامتی نشان) نہیں ہوگا۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جب یہ آسمان و زمین بدل دیے جائیں گے تو پھر لوگ اس دن کہاں ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”صراط پر“ یعنی پل صراط پر۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2791) ایک یہودی کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ ”لوگ اس دن پل کے قریب اندھیرے میں ہوں گے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 34-(315))

4 جو آگ سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ جہنمیوں کو یہ لباس بھی اسی لیے پہنایا جائے گا تا کہ وہ آگ کی پوری شدت کا

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿51﴾

یہ اس لیے کہ اللہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دے، بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿52﴾ ع 7/11/19

یہ (قرآن)[1] تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ ہوشیار کردیے جائیں اور بخوبی معلوم کرلیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقلمند لوگ سوچ سمجھ لیں ○

آیاتھا: 99 (15) سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (54) رکوعاتھا: 6

سورۂ حجر مکی ہے، اس کی 99 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿1﴾

الٓرٰ، یہ کتاب الٰہی اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں ○ [2]

مزہ چکھیں۔ علاوہ ازیں آگ نے ان کے چہروں کو بھی ڈھانپا ہوا ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے۔ جاہلیت کی چار خصلتیں میری امت نہیں چھوڑے گی: ① خاندانی شرف وفضل پر فخر ② نسبوں میں طعن ③ ستاروں کے ذریعے سے بارش کی طلب (ان کی نقل وحرکت کو بارش کا سبب سمجھنا) ④ اور نوحہ وماتم کرنا۔ اور فرمایا: نوحہ (بین) کرنے والی عورت نے اگر وفات سے قبل توبہ نہ کی تو اس پر گندھک کی شلوار اور خارش والی قمیص ہوگی۔" (صحیح مسلم، حدیث:934)

1 یہ اشارہ قرآن کی طرف ہے یا پچھلی تفصیلات کی طرف جو ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا ﴾ سے بیان کی گئی ہیں۔

2 کتاب اور قرآن مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا۔ جس طرح ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (المآئدۃ 5:15) میں نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کریم کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے، یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت عظمت وشان والا ہے۔

الجزءُ الرابعَ عشر (14)

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②
وہ بھی وقت ہوگا کہ کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے ○[1]

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③
آپ انھیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جھوٹی) امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجیے یہ خود جان لیں گے ○[2]

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④
کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے مقررہ نوشتہ تھا ○

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤
کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے رہتا ہے ○[3]

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ؕ
انھوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر اُتارا گیا ہے یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے ○

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦
اگر تو سچا ہی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا ○[4]

1　یہ آرزو کب کریں گے؟ موت کے وقت، جب فرشتے انھیں جہنم کی آگ دکھاتے ہیں یا جب جہنم میں چلے جائیں گے یا اس وقت جب گناہ گار ایمانداروں کو کچھ عرصہ بطور سزا جہنم میں رکھنے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا یا میدانِ محشر میں، جہاں حساب کتاب ہو رہا ہوگا اور کافر دیکھیں گے کہ مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو آرزو کریں گے کہ کاش! وہ بھی مسلمان ہوتے۔ ﴿رُبَمَا﴾ رُبَّ/ رُبَمَا اصل میں تو تقلیل کے لیے ہے لیکن کبھی تکثیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے یا سیاقِ کلام کے لحاظ سے کبھی تقلیل کے لیے اور کبھی تکثیر کے لیے استعمال ہوتا ہے اگر بمعنی تقلیل ہے تو مطلب یہ ہے کہ بعض مواقع پر وہ مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے اور اگر تکثیر کے لیے ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ آرزو ہر موقع پر ہوتی رہے گی لیکن وہ آرزو کثرت سے کریں یا قلت سے اس کا انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

2　یہ کفار کے لیے تہدید و توبیخ ہے کہ یہ اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آرہے ہیں تو انھیں چھوڑ دیجیے، یہ دنیاوی لذتوں سے محظوظ ہولیں اور اپنی امیدوں کی دنیا میں غافل رہیں۔ عنقریب انھیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

3　جس بستی کو بھی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں تو بے وقت نہیں ہلاک کرتے بلکہ ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوتا ہے، اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دے دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے تو انھیں ہلاک کر دیا جاتا ہے، پھر وہ اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوتے۔

4　یہ کافروں کے کفر و عناد کا بیان ہے کہ وہ نبی ﷺ کو دیوانہ کہتے اور کہتے کہ اگر تو (اے محمد!) سچا ہے تو ہمارے

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧

ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں اور اس وقت وہ مہلت دیے گئے نہیں ہوتے ○ [1]

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨

ہم ہی نے اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ○ [2]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩

ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھی اپنے رسول بھیجے ○

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪

اور (لیکن) جو بھی رسول ان کے پاس آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے ○ [3]

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫

گناہ گاروں کے دلوں میں ہم اسی طرح یہی رچا دیا کرتے ہیں ○ [4]

پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔ مطلب یہ کہ وہ تیری رسالت کی تصدیق کریں یا ہمیں ہلاک کر دیں۔

1 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے ہم حق کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں، یعنی جب ہماری حکمت ومشیت عذاب بھیجنے کی مقتضی ہوتی ہے تو پھر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور پھر وہ مہلت نہیں دیے جاتے، فوراً اہلاک کر دیے جاتے ہیں۔

2 یعنی اس کو دست برد زمانہ سے اور تحریف وتغییر سے بچانا یہ ہمارا کام ہے، چنانچہ قرآن آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ اترا تھا، گمراہ فرقے اپنے اپنے گمراہانہ عقائد کے اثبات کے لیے اس کی آیات میں معنوی تحریف تو کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں لیکن پچھلی کتابوں کی طرح یہ لفظی تحریف اور تغییر سے محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں اہل حق کی ایک جماعت بھی تحریفات معنوی کا پردہ چاک کرنے کے لیے ہر دور میں موجود رہی ہے جو ان کے گمراہانہ عقائد اور غلط استدلالات کے تار و پود بکھیرتی رہی ہے اور آج بھی وہ اس محاذ پر سرگرم عمل ہے۔ علاوہ ازیں یہاں مُنزَّل وحی کو ''ذکر'' (نصیحت) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قرآن کریم کو محفوظ کیا گیا ہے اسی طرح نبی ﷺ کی سیرت کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات کو بھی محفوظ کر کے، قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم اور سیرت نبوی کے حوالے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور کسی اور پیغمبر کے فرامین کو حاصل نہیں ہوا۔

3 نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی، ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔

4 یعنی کفر اور رسولوں کا استہزا ہم مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں یا رچا دیتے ہیں، یہ نسبت اللہ نے اپنی طرف اس لیے کی کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے گو ان کا یہ فعل ان کی مسلسل معصیت کے نتیجے میں اللہ کی مشیت سے رونما ہوا۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬

وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً اگلوں کا طریقہ گزرا ہوا ہے ○ [1]

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭

اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور وہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں ○

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ ع 1/15/1

تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے ○ [2]

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯

یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں [3] اور دیکھنے والوں کے لیے اسے سجا دیا ہے ○

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰

اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ○ [4]

---

1 یعنی ان کے ہلاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو اللہ نے جاری کر رکھا ہے کہ تکذیب واستہزا کے بعد وہ قوموں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ اللہ کا قدیم لوگوں میں طریقہ گزر چکا ہے کہ وہ مجرموں کے دلوں میں کفر وشرک داخل کرتا ہے۔

2 یعنی ان کا کفر وعناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو رہا ایک طرف، اگر خود ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور یہ ان دروازوں سے آسمان پر آئیں جائیں، تب بھی انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے اور رسولوں کی تصدیق نہ کریں بلکہ یہ کہیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آسمان پر آ جا رہے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

3 ﴿بُرُوْجًا﴾ بُرجٌ کی جمع ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں۔ اسی سے تَبَرُّجٌ ہے جو عورت کے اظہار زینت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آسمان کے ستاروں کو بُروج کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ بُروج سے مراد شمس وقمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں جو ان کے لیے مقرر ہیں۔ اور یہ 12 ہیں، حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ عرب ان سیاروں کی منزلوں کے ذریعے سے موسم کا حال معلوم کرتے تھے۔ لیکن یاد رہے کہ ان سے انسانوں کے متعلق تغیر پذیر ہونے والے واقعات وحوادث جاننے کا دعویٰ کرنا باطل ہے، جیسے آج کل بھی جاہلوں میں اس کا خاصا چرچا ہے۔ اور لوگوں کی قسمتوں کو ان کے ذریعے سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ ان کا کوئی تعلق دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات وحوادث سے نہیں ہوتا، جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف مشیت الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برجوں یا ستاروں کا ذکر اپنی قدرت اور بے مثال صنعت کے طور پر کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ واضح کیا ہے کہ یہ آسمان کی زینت بھی ہیں۔

4 ﴿رَجِيْمٍ﴾ مَرْجُوْمٌ کے معنی میں ہے۔ رجم کے معنی سنگسار کرنے، یعنی پتھر مارنے کے ہیں۔ شیطان کو رجیم اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جب آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا تو آسمان سے شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ کر گرتے،

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱

ہاں! مگر جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگتا ہے ○ [1]

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲

اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اور اس پر مضبوط پہاڑ ڈال دیے ہیں، اور اس میں ہم نے ہر چیز ایک معین مقدار سے اگا دی ہے ○ [2]

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ⑳

اور اسی میں ہم نے تمھاری روزیاں بنادی ہیں [3] اور ان کی بھی جنھیں تم روزی دینے والے نہیں ہو ○ [4]

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫

اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے

پھر رجیم ہونے کے ساتھ ملعون و مردود ہونا بھی لازم آتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ہم نے آسمانوں کی حفاظت فرمائی ہر شیطان رجیم سے، یعنی ان ستاروں کے ذریعے سے کیونکہ شیطان کو یہ مار کر قتل کر دیا جاتا ہے یا اسے بدحواس و پاگل کر دیا جاتا ہے یا وہ بچ کر واپس زمین پر آ جاتا ہے۔

1 اس کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں پر چوری چھپے باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں جن پر شہاب ثاقب ٹوٹ کر گرتے ہیں جن سے کچھ تو جل مر جاتے ہیں اور کچھ بچ جاتے ہیں اور بعض سن آتے ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اسے سن کر اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں، اللہ کے حکم کے سامنے عجز و مسکنت کے اظہار کے طور پر گویا وہ کسی چٹان پر زنجیر کی آواز ہے، پھر جب فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تمھارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے جو کہا، حق کہا اور وہ بلند اور بڑا ہے (اسکے بعد اللہ کا وہ فیصلہ اوپر سے نیچے تک یکے بعد دیگرے سنایا جاتا ہے۔) اس موقع پر شیطان چوری چھپے بات سنتے ہیں۔ اور یہ چوری چھپے بات سننے والے، ایک دوسرے کے اوپر آسمان دنیا تک چڑھے ہوتے ہیں اور وہ ایک آدھ کلمہ سن لیتے ہیں انکو تو شہابِ ثاقب مارا جاتا ہے، اکثر دفعہ دوسرے کو بات منتقل کر دینے سے پہلے ہلاک ہو جاتا ہے اور کبھی اپنے نیچے والے کو بات پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے دوست نجومی یا کاہن کے کان میں پھونک دیتا ہے، وہ اسکے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بیان کرتا ہے۔“ (مُلخصاً. صحيح البخاري، تفسير سورة الحجر)

2 ﴿مَّوْزُوْنٍ﴾ بمعنی معلوم یا بہ اندازہ، یعنی حسب ضرورت۔

3 ﴿مَعَايِشَ﴾ مَعِيشَةٌ کی جمع ہے، یعنی زمین میں تمھاری معیشت اور گزران کے لیے بے شمار اسباب و وسائل پیدا کر دیے۔

4 اس سے مراد نوکر چاکر، غلام اور جانور ہیں، یعنی جانوروں کو تمھارے تابع کر دیا ہے، جن پر تم سواری بھی کرتے ہو، سامان بھی لاد کر لے جاتے ہو اور انھیں ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہو۔ اور غلام لونڈیاں جن سے تم خدمت گزاری کا

وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿21﴾

پاس ہیں، [1] اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ انداز ے سے اتارتے ہیں ○

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿22﴾

اور ہم بوجھل ہوائیں [2] بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برسا کر وہ تمھیں پلاتے ہیں اور تم اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو ○ [3]

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿23﴾

ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی بالآخر وارث ہیں ○

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿24﴾

اور تم میں سے آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے بھی ہمارے علم میں ہیں ○

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿25﴾ ع 2/10/2

آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ بڑی حکمتوں والا بڑے علم والا ہے ○

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ ﴿26﴾

یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی (بدبودار) کھنکھناتی مٹی سے پیدا فرمایا ہے ○ [4]

کام لیتے ہو۔ یہ اگرچہ سب تمھارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، تم نہیں ہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم ان کے رازق ہو اگر تم انھیں کھانا نہیں دو گے تو بھوکے مر جائیں گے۔

1 جمہور نے یہاں خزائن سے مراد بارش لی ہے کیونکہ بارش ہی پیداوار اور معیشت کا ذریعہ ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد تمام کائنات کے خزانے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ حسب مشیت و ارادہ عدم سے وجود میں لاتا رہتا ہے۔

2 ہواؤں کو بوجھل اس لیے کہا کہ یہ ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن میں پانی ہوتا ہے۔ جس طرح لِقْحَۃٌ حاملہ اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس نے پیٹ میں بچہ اٹھایا ہوتا ہے۔

3 یعنی یہ پانی جو ہم اتارتے ہیں، اسے تم ذخیرہ کر کے رکھنے پر بھی قادر نہیں ہو۔ یہ ہماری ہی قدرت و رحمت ہے کہ ہم اس پانی کو چشموں، کنوؤں اور نہروں کے ذریعے سے محفوظ رکھتے ہیں، ورنہ اگر ہم چاہیں تو پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں کہ چشموں اور کنوؤں سے پانی لینا تمھارے لیے ممکن نہ رہے، جس طرح بعض علاقوں میں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ

4 مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ خشک مٹی، ﴿ تُرَابٍ ﴾ بھیگی ہوئی ﴿ طِيْنٍ ﴾ گوندھی

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾

اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ [1] سے پیدا کیا ○

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿28﴾

اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں ○

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿29﴾

تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا ○ [2]

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿30﴾

چنانچہ تمام فرشتوں نے سب کے سب نے سجدہ کر لیا ○

اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿31﴾

مگر ابلیس کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت کرنے سے (صاف) انکار کر دیا ○

قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿32﴾

(اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ ○

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿33﴾

وہ بولا کہ میں ایسا نہیں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا

ہوئی بدبودار ﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ جب یہ خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگے تو ﴿صَلْصَالٍ﴾ اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو "فَخَّار" (ٹھیکری) کہلاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خاکی کا پتلا ﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ (گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار مٹی) سے بنایا گیا، جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا تو ﴿صَلْصَالٍ﴾ ہو گیا۔ تو اس میں روح پھونکی گئی، اسی ﴿صَلْصَالٍ﴾ کو قرآن میں دوسری جگہ ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ (فَخَّار کی مانند) کہا گیا ہے: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○﴾ (الرحمٰن 55:14) ''پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔''

1 جنّ کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ سورۂ رحمٰن میں جنات کی تخلیق ﴿مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ سے بتلائی گئی ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہی کہا گیا ہے: «خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ، وَخُلِقَ الْجَآنُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ» (صحيح مسلم، حديث: 2996) اس اعتبار سے لو والی آگ یا آگ کے شعلے کا ایک ہی مطلب ہوگا۔

2 سجدے کا یہ حکم بطور تعظیم تھا، عبادت کے طور پر نہیں۔ اور یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا، اس لیے اس کے وجوب میں

ہے ○ [1]

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۙ﴿34﴾

فرمایا: اب تو بہشت سے نکل جا کیوں کہ تو راندۂ درگاہ ہے ○

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿35﴾

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت کے دن تک ○

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿36﴾

کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے اس دن تک ڈھیل دے کہ لوگ دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں ○

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۙ﴿37﴾

فرمایا کہ اچھا تو ان میں سے ہے جنھیں مہلت ملی ہے ○

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿38﴾

روزِ مقرر کے وقت تک کی ○

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿39﴾

(شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا ○

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾

سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے ہیں ○

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿41﴾

ارشاد ہوا کہ ہاں یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ ہے ○ [2]

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿42﴾

میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں، [3] لیکن ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں ○

کوئی شک نہیں تھا، تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

1 شیطان نے انکار کی وجہ آدم علیہ السلام کا خاکی اور بشر ہونا بتلایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اور بشر کو اس کی بشریت کی بنا پر حقیر اور کم تر سمجھنا یہ شیطان کا فلسفہ ہے جو اہل حق کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اہل حق انبیاء کی بشریت کے منکر نہیں، اس لیے کہ ان کی بشریت کو خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں بشریت سے ان کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

2 یعنی تم سب کو بالآخر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، جس نے میری اور میرے رسولوں کی اطاعت ہوگی، میں انھیں اچھی جزا دوں گا اور جو شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ہوگا اسے سخت سزا دوں گا جو جہنم کی صورت میں تیار ہے۔

3 یعنی میرے نیک بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے ایسا گناہ نہیں ہوگا کہ جس کے بعد وہ نادم اور تائب نہ ہوں کیونکہ وہی گناہ انسان کی ہلاکت کا باعث ہے کہ جس کے بعد انسان کے اندر ندامت کا احساس اور توبہ وانابت الی اللہ کا داعیہ پیدا نہ ہو۔ ایسے

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿43﴾ | یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے ○ [1]
لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ | جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے
ع 19 3 جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾ | ان کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے ○ [2]
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿45﴾ | پرہیزگار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ○ [3]
اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿46﴾ | سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ ○ [4]

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿47﴾ | ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے، [5] وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے

گناہ کے بعد ہی انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور بالآخر دائمی تباہی و ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فوراً توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1 یعنی جتنے بھی تیرے پیروکار ہوں گے، سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

2 یعنی ہر دروازہ مخصوص قسم کے لوگوں کے لیے خاص ہوگا، مثلاً: ایک دروازہ یہودیوں کے لیے، ایک عیسائیوں کے لیے، اسی طرح ایک ایک دروازہ صابیوں، مجوسیوں، مشرکوں، منافقوں کے لیے اور ایک عاصی موحدین کے لیے ہوگا، موحدین کو بالآخر بخش دیا جائے گا جبکہ دوسرے لوگ کبھی بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر) یا سات دروازوں سے مراد سات درجے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ پہلا درجہ جہنم ہے، دوسرا لظی، پھر اسی طرح حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ھاویہ اور سب سے اوپر والا درجہ موحدین کے لیے ہوگا۔ جنھیں کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد یا سفارش پر نکال لیا جائے گا۔ دوسرے میں یہودی، اسی طرح بالترتیب نصرانی، صابئ، مجوسی، مشرکین اور منافقین ہوں گے۔ سب سے اوپر والے درجے کا نام جہنم ہے اس کے بعد اسی ترتیب سے نام ہیں۔ (فتح القدیر)

3 جہنم اور اہل جہنم کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ جنت میں جانے کی ترغیب ہو۔ متقین سے مراد شرک سے بچنے والے موحدین ہیں اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان جو تمام معاصی سے بچتے رہے۔ ﴿جَنّٰتٍ﴾ سے مراد باغات اور ﴿عُيُوْنٍ﴾ سے نہریں مراد ہیں۔ یہ باغات اور نہریں یا تو تمام متقین کے لیے ہوں گی یا ہر ایک کے لیے الگ الگ باغات اور نہریں یا ایک ایک باغ اور نہر ہوگی۔

4 سلامتی ہر قسم کی آفات سے اور امن ہر قسم کے خوف سے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا فرشتے اہل جنت کو سلامتی کی دعا دیں گے۔ یا اللہ کی طرف سے ان کی سلامتی اور امن کا اعلان ہوگا۔

5 دنیا میں ان کے درمیان جو آپس میں حسد اور بغض و عداوت کے جذبات رہے ہوں گے، وہ ان کے سینوں سے نکال دیے جائیں گے اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے دل آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿48﴾
نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿49﴾
وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿50﴾
وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿51﴾ وقف لازم
اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿52﴾
قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿53﴾
قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿54﴾
قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿55﴾
قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿56﴾
قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿57﴾

کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ○
نہ تو وہاں انھیں کوئی تکلیف چھوسکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے ○
میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں ○
اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے ○
انھیں ابراہیم کے مہمانوں کا (بھی) حال سنادو ○
کہ جب انھوں نے ان کے پاس آکر سلام کہا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو تو تم سے ڈر لگتا ہے ○ [1]
انھوں نے کہا: ڈرو نہیں، ہم تجھے ایک صاحب فہم فرزند کی بشارت دیتے ہیں ○
کہا: کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو! یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ ○
انھوں نے کہا: ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں ○ [2]
کہا: اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بھکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں ○ [3]
پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمھارا ایسا کیا اہم

---

1 ابراہیم علیہ السلام کو ان فرشتوں سے ڈر اس لیے محسوس ہوا کہ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کا تیار کردہ بھنا ہوا بچھڑا نہیں کھایا جیسا کہ سورۂ ہود میں تفصیل گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کو بھی غیب کا علم نہیں ہوتا اگر پیغمبر عالم الغیب ہوتے تو ابراہیم سمجھ جاتے کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ فرشتے انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔

2 کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں وہ ہر بات پر قادر ہے، کوئی بات اس کے لیے ناممکن نہیں۔

3 یعنی اولاد کے ہونے پر میں جو تعجب اور حیرت کا اظہار کر رہا ہوں تو صرف اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کر رہا ہوں، یہ بات نہیں ہے کہ میں اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہوں۔ رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿58﴾
اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿59﴾
اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ
ع 16 4 الْغٰبِرِيْنَ ﴿60﴾
فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿61﴾
قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿62﴾
قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ﴿63﴾
وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿64﴾
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ
اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿65﴾
وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ

کام ہے؟ ○ [1]
انھوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ○
مگر خاندان لوط کہ ہم ان سب کو تو ضرور بچالیں گے ○
سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے اسے رکنے اور باقی رہ
جانے والوں میں مقرر کر دیا ہے ○
جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس پہنچے ○
تو انھوں نے کہا: تم لوگ تو کچھ انجان سے معلوم ہو رہے ہو ○ [2]
انھوں نے کہا: نہیں بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں
جس میں یہ لوگ شک شبہ کر رہے تھے ○ [3]
ہم تو تیرے پاس (صریح) حق لائے ہیں اور ہم ہیں بھی
بالکل سچے ○ [4]
اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصہ میں
چل دے اور آپ ان کے پیچھے رہنا، [5] اور (خبردار) تم
میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمھیں
حکم کیا جا رہا ہے وہاں چلے جانا ○
اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ صبح

1 غالباً ابراہیم علیہ السلام نے قرائن سے اندازہ لگا لیا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں آئے ہیں بلکہ ان کی آمد کا مقصد کوئی اور بھی ہے، چنانچہ انھوں نے یہ پوچھا۔

2 یہ فرشتے حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام کے لیے بالکل انجان تھے، اس لیے انھوں نے ان کے اجنبی ہونے کی بات کی۔

3 یعنی عذاب الٰہی جس کے آنے میں تیری قوم کو شک ہے۔

4 اس صریح حق سے بھی عذاب مراد ہے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے، اس لیے انھوں نے کہا: ہم ہیں بھی بالکل سچے، یعنی عذاب کی جو بات ہم کر رہے ہیں، اس میں سچے ہیں۔ اب اس قوم کی تباہی کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔

5 تاکہ کوئی مومن پیچھے نہ رہے تو ان کو آگے کرتا رہے۔

هٰٓؤُلَآءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿66﴾
ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی ○ [1]

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿67﴾
اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے ○ [2]

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِۙ ﴿68﴾
(لوط نے) کہا: یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو ○ [3]

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿69﴾
اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو ○

قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿70﴾
وہ بولے: کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کی ٹھیکیداری) سے منع نہیں کر رکھا؟ ○ [4]

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ؕ﴿71﴾
(لوط نے) کہا: اگر تمھیں کرنا ہی ہے تو یہ میری بچیاں موجود ہیں ○ [5]

---

1 یعنی لوط علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہونے تک ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی یا ﴿دَابِرَ﴾ سے مراد وہ آخری آدمی ہے جو باقی رہ جائے گا، فرمایا: وہ بھی صبح ہونے تک ہلاک کر دیا جائے گا۔

2 ایک طرف تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر لیا تھا، دوسری طرف یہ حال تھا کہ جب قوم لوط کو پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو اپنی امرد پرستی کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور خوشی خوشی لوط کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ ان نوجوانوں کو ان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے بے حیائی کا ارتکاب کر کے اپنی تسکین کر سکیں۔

3 لوط علیہ السلام نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مہمان ہیں انھیں میں کس طرح تمھارے سپرد کر سکتا ہوں، اس میں تو میری رسوائی ہے۔

4 انھوں نے ڈھٹائی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے لوط! تو ان اجنبیوں کا کیا لگتا ہے؟ اور کیوں ان کی حمایت کرتا ہے؟ کیا ہم نے تجھے منع نہیں کیا ہے کہ اجنبیوں کی حمایت نہ کیا کر یا ان کو اپنا مہمان نہ بنایا کر! یہ ساری گفتگو اس وقت ہوئی جبکہ لوط علیہ السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ اجنبی مہمان اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور وہ اسی ناہنجار قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں جو ان کے ساتھ بدفعلی کے لیے مصر تھی جیسا کہ سورۂ ہود میں یہ تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں ان کے فرشتے ہونے کا ذکر پہلے آ گیا ہے۔

5 یعنی ان سے تم نکاح کر لو یا پھر اپنی قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کہا، یعنی تم ان عورتوں سے نکاح کر و یا جن کے حبالۂ عقد میں عورتیں ہیں، وہ ان سے اپنی خواہش پوری کریں۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾
تیری عمر کی قسم! وہ تو اپنی بدمستی میں سرگرداں تھے ○ [1]

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿73﴾
پس سورج نکلتے نکلتے انھیں ایک بڑے زور کی آواز نے پکڑ لیا ○ [2]

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿74﴾
بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر تلے کر دیا [3] اور ان لوگوں پر کھنگر والے پتھر [4] برسائے ○

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿75﴾
بلاشبہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے [5] اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿76﴾
یہ بستی ایسی راہ پر ہے جو برابر چلتی رہتی (عام گزرگاہ) ہے ○ [6]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿77﴾
اور اس میں ایمان داروں کے لیے بڑی نشانی ہے ○

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿78﴾
ایکہ بستی کے رہنے والے بھی بڑے ظالم تھے ○ [7]

---

1 اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب فرما کر ان کی زندگی کی قسم کھا رہا ہے جس سے آپ کا شرف وفضل واضح ہے، تاہم کسی اور کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حاکم مطلق ہے، وہ جس کی چاہے قسم کھائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح شراب کے نشے میں دھت انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ اپنی بدمستی اور گمراہی میں اتنے سرگرداں تھے کہ لوط علیہ السلام کی اتنی معقول بات کی طرف ذرا توجہ نہیں کی۔

2 ایک چنگھاڑ نے، جبکہ سورج طلوع ہو رہا تھا، ان کا خاتمہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زوردار آواز حضرت جبرائیل کی تھی۔

3 کہا جاتا ہے کہ ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر اوپر آسمان تک لے جایا گیا اور وہاں سے ان کو الٹا کر زمین پر پھینک دیا گیا۔ یوں اوپر والا حصہ نیچے اور نچلا حصہ اوپر کر کے تہ و بالا کر دیا گیا اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد محض اس بستی کا چھتوں سمیت زمین بوس ہو جانا ہے۔

4 اس کے بعد ان پر کھنگر قسم کے مخصوص پتھر برسائے گئے۔ اس طرح تین قسم کے عذابوں سے انھیں دوچار کر کے نشان عبرت بنا دیا گیا۔

5 گہری نظر سے جائزہ لینے اور غور وفکر کرنے والوں کو مُتَوَسِّمِینَ کہا جاتا ہے۔ مُتَوَسِّمِینَ کے لیے اس واقعے میں عبرت کے پہلو اور نشانیاں ہیں۔

6 مراد شاہراہ عام ہے، یعنی قوم لوط کی بستیاں مدینے سے شام کو جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہیں۔ اس راستے پر آنے جانے والے کو انھی بستیوں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔

7 ﴿الْاَيْكَةِ﴾ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ اس بستی میں گھنے درخت ہونے کی وجہ سے انھیں ﴿اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ﴾

وقف لازم ع 5 (19) 5

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿79﴾ؕ

جن سے آخر ہم نے انتقام لے ہی لیا۔ یہ دونوں شہر کھلے (عام) راستے پر ہیں [1] ○

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿80﴾ۙ

اور حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ○ [2]

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿81﴾ۙ

اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی عطا فرمائیں، تاہم وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے ○ [3]

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿82﴾

یہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے، بے خوف ہو کر ○ [4]

(بن یا جنگل والے) کہا گیا ہے۔ مراد اس سے قوم شعیب ہے اور ان کا زمانہ لوط علیہ السلام کے بعد ہے اور ان کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستیوں کے قریب ہی تھا۔ اسے مدین کہا جاتا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام پڑ گیا تھا۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے، رہزنی ان کا شیوہ اور کم تولنا اور کم ناپنا ان کا وتیرہ تھا، ان پر جب عذاب آیا تو ایک تو بادل ان پر سایہ فگن ہو گیا، پھر چنگھاڑ اور بھونچال نے مل کر ان کو ہلاک کر دیا۔

1 ﴿لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ کے معنی بھی شاہراہ عام کے ہیں، جہاں سے شب و روز لوگ گزرتے ہیں۔ دونوں شہر سے مراد قوم لوط کا شہر (سدوم) اور قوم شعیب کا مسکن (مدین) مراد ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہی تھے۔

2 ﴿الْحِجْرِ﴾ صالح کی قوم (ثمود) کی بستیوں کا نام تھا۔ انھیں أَصْحَابُ الْحِجْر (حجر والے) کہا گیا ہے۔ یہ بستی مدینہ اور تبوک کے درمیان تھی۔ (آج کل اس بستی کے قریب "اَلْعُلَا" نام کا ایک بڑا شہر آباد ہے۔ اور حجر "مدائن صالح" کے نام سے معروف ہے) انھوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔" یہ اس لیے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب ایسے ہی ہے جیسے سارے پیغمبروں کی تکذیب۔

3 ان نشانیوں میں وہ اونٹنی بھی تھی جو ان کے کہنے پر ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی لیکن ظالموں نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔

4 یعنی بغیر کسی خوف یا احتیاج کے پہاڑ تراش لیا کرتے تھے۔ 9 ہجری میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بستی سے گزرے تو آپ نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ "روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گزرو۔" (صحيح البخاري، حديث:4419، وصحيح مسلم، حديث:39-(2980)) اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے اس بستی کے کنوؤں سے پانی لیا اور اس سے آٹا گوندھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پانی پھینک دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ (صحيح مسلم، حديث:2981)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿83﴾
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ
لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿85﴾
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿86﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ
وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿87﴾
لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾

آخر انھیں بھی صبح ہوتے ہوتے چنگھاڑ نے آدبوچا ○[1]
پس ان کی کسی تدبیر وعمل نے انھیں کوئی فائدہ نہ دیا ○
ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے،[2] اور قیامت ضرور ضرور آنے والی ہے، پس تو حسن و خوبی (اور اچھائی) سے درگزر کرلے ○
یقیناً تیرا پروردگار ہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے ○
یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں[3] کہ دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن بھی دے رکھا ہے ○
آپ ہرگز اپنی نظریں اس چیز کی طرف نہ دوڑائیں جس سے ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو بہرہ مند کر رکھا ہے، نہ ان پر آپ افسوس کریں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں ○[4]

---

1 صالح علیہ السلام نے انھیں کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا، چنانچہ چوتھے روز ان پر یہ عذاب آ گیا۔

2 حق سے مراد وہ فوائد و مصالح ہیں جو آسمان و زمین میں موجود ہیں۔ یا حق سے مراد محسن (نیکوکار) کو اس کی نیکی کا اور بدکار کو اس کی برائی کا بدلہ دینا ہے۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تاکہ وہ بروں کو ان کی برائیوں کا اور نیکوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دے۔'' (النجم 53:31)

3 ﴿سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں اور جو ہر نماز اور نماز کی ہر رکعت میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (مثانی کے معنی بار بار دہرانے کے کیے گئے ہیں) حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4703) ایک اور حدیث میں فرمایا: «أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ» (صحيح البخاري، حديث: 4704) سورۂ فاتحہ قرآن کا ایک جز ہے، اس لیے قرآن عظیم کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔

4 یعنی ہم نے سورۂ فاتحہ اور قرآن عظیم جیسی نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں، اس لیے دنیا اور اس کی زینتیں اور ان مختلف قسم کے اہل دنیا کی طرف نظر نہ دوڑائیں جن کو دنیائے فانی کی عارضی چیزیں ہم نے دی ہیں۔ اور وہ جو آپ کی

وَ قُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿89﴾
اور کہہ دیجیے کہ میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ○

كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿90﴾
جیسے کہ ہم نے ان قسمیں کھانے والوں پر اتارا○ [1]

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿91﴾
جنھوں نے اس کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ○

فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿92﴾
قسم ہے تیرے پالنے والے کی ! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ○

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾
ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے ○

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿94﴾
پس آپ [2] اس حکم کو جو آپ کو کیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجیے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے ○

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿95﴾
آپ سے جو لوگ مسخرا پن کرتے ہیں ان کی سزا کے لیے

تکذیب کرتے ہیں، اس پر غم نہ کھائیں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں، یعنی ان کے لیے نرمی اور محبت کا رویہ اپنائیں۔ اس محاورہ کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پاس بلاتا ہے تو اپنے بازوؤں، یعنی پروں کو کھول لیتا ہے، بچے جب پروں کے نیچے آ جاتے ہیں تو پھر پرندہ اپنے پروں کو ان کے اوپر جھکا لیتا ہے۔ یوں یہ ترکیب نرمی، پیار و محبت کا رویہ اپنانے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔

1 بعض مفسرین کے نزدیک ﴿ اَنْزَلْنَا ﴾ کا مفعول اَلْعَذَاب محذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تمھیں کھول کر ڈرانے والا ہوں عذاب سے، مثل اس عذاب کی جو ﴿ الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ پر نازل ہوا۔ ﴿ الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ کون ہیں؟ جنھوں نے کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کی قوم مراد ہے، جنھوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، اس کے بعض حصے کو شعر، بعض کو سحر (جادو) بعض کو کہانت اور بعض کو اساطیر الاولین (پہلوں کی کہانیاں) قرار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿ الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ سے اہل کتاب اور قرآن سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ انھوں نے ان آسمانی کتابوں کو متفرق اجزاء میں تحریف کر کے بانٹ دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنھوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ صالح اور ان کے گھر والوں کو رات کے اندھیرے میں قتل کر دیں گے۔ ﴿ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ﴾ (النمل 27:49) ''انھوں نے اللہ کے نام پر آپس میں قسمیں کھائیں کہ ہم ضرور اسے اور اس کے گھر والوں کو رات میں قتل کریں گے۔'' اور آسمانی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ﴿ عِضِيْنَ ﴾ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اس کی بعض باتوں پر ایمان رکھنا اور بعض کے ساتھ کفر کرنا۔

2 ﴿ فَاصْدَعْ ﴾ کے معنی ہیں کھول کر بیان کرنا، اس آیت کے نزول سے قبل آپ چھپ کر تبلیغ فرماتے تھے، اس کے بعد آپ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ (فتح القدير)

اَلَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ‌ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۝96

ہم کافی ہیں ○ جو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کرتے ہیں انھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ○

وَلَقَدۡ نَـعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَۙ ۝97

ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ○

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَۙ ۝98

آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں ○

ع 6 20 وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَـقِيۡنُ ۝99 ع

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے[1] ○

اٰیاتھا 128 (16) سُوۡرَةُ النَّحۡلِ مَكِّيَّةٌ (70) رکوعاتھا 16

سورۂ نحل مکی ہے، اس کی 128 آیات اور 16 رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ‌ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ‏ ۝1

اللہ کا حکم آ پہنچا، اب اس کی جلدی نہ مچاؤ،[2] تمام پاکی اس کے لیے ہے وہ برتر ہے ان سب سے جنھیں یہ اللہ کے نزدیک شریک بتلاتے ہیں ○

يُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا

وہی فرشتوں کو اپنی وحی[3] دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے[4] اتارتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ

---

1 مشرکین آپ کو ساحر، مجنون اور کاہن وغیرہ کہتے جس سے بشری جبلت کی وجہ سے آپ کبیدہ خاطر ہوتے، اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ حمد وثنا کریں، نماز پڑھیں اور اپنے رب کی عبادت کریں، اس سے آپ کو قلبی سکون بھی ملے گا اور اللہ کی مدد بھی حاصل ہو گی، سجدے سے یہاں نماز اور یقین سے مراد موت ہے۔

2 اس سے مراد قیامت ہے، یعنی وہ قیامت قریب آ گئی ہے جسے تم دور سمجھتے تھے، پس جلدی نہ مچاؤ یا وہ عذاب مراد ہے جسے مشرکین طلب کرتے تھے۔ اسے مستقبل کی بجائے ماضی کے صیغے سے بیان کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے۔

3 روح سے مراد وحی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا‌ ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ﴾ (الشوریٰ 52:42) ”اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے وحی کی، اس سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے...... الخ۔“

4 مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَـتَهٗ﴾

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② | کر دو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، پس تم مجھ سے ڈرو ○

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ | اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا [1] وہ اس سے بری ہے جو شرک کرتے ہیں ○

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ | اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا ○ [2]

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ | اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمھارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے منافع ہیں [3] اور تمھارے کھانے کے کام آتے ہیں ○

وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ | اور ان میں تمھاری رونق بھی ہے جب چرا کر لاؤ تب بھی اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی ○ [4]

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ | اور وہ تمھارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم جانوں کی مشقت کے بغیر پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔

(الأنعام 6:124) ''اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں اپنی رسالت رکھے۔'' ﴿يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ○﴾ (المؤمن 40:15) ''وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وحی ڈالتا، یعنی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات والے (قیامت کے) دن سے لوگوں کو ڈرائے۔''

1 یعنی محض تماشے اور کھیل کود کے طور پر نہیں پیدا کیا بلکہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ ہے جزا و سزا جیسا کہ ابھی تفصیل گزری۔

2 یعنی ایک پانی سے جو ایک جاندار کے اندر سے نکلتا ہے جسے منی کہا جاتا ہے۔ اسے مختلف اطوار سے گزار کر ایک مکمل صورت دی جاتی ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے اور ماں کے پیٹ سے نکال کر اس دنیا میں لاتا ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے لیکن جب اسے شعور آتا ہے تو اسی رب کے معاملے میں جھگڑتا، اس کا انکار کرتا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

3 اسی احسان کے ساتھ دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ چوپائے (اونٹ، گائے اور بکریاں) بھی اسی نے پیدا کیے، جن کے بالوں اور اون سے تم گرم کپڑے تیار کر کے گرمی حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہو، مثلاً: ان سے دودھ حاصل کرتے ہو، اونٹوں پر سواری کرتے اور سامان لادتے ہو، گائے بیل کے ذریعے سے ہل چلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔

4 ﴿تُرِيْحُوْنَ﴾ جب شام کو چراگاہوں سے گھر لاؤ، ﴿تَسْرَحُوْنَ﴾ جب صبح چرانے کے لیے لے جاؤ، ان دونوں وقتوں میں یہ لوگوں کی نظروں میں آتے ہیں اور تمھارے لیے ان میں حسن و جمال کا ایک اچھا منظر ہوتا ہے۔ ان دونوں اوقات کے علاوہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے یا باڑوں میں بند رہتے ہیں۔

لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑦ | یقیناً تمھارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے ○

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑧ | گھوڑوں کو، خچروں کو اور گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔[1] اور بھی وہ ایسی بہت چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمھیں علم بھی نہیں ○[2]

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ⑨ ع 1/9/7 | درمیانی راہ اللہ کی طرف پہنچنے والی ہے۔[3] اور بعض ٹیڑھی راہیں ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست

1 یعنی ان کی پیدائش کا اصل مقصد اور فائدہ تو ان پر سواری کرنا ہے، تاہم یہ زینت کے اسباب بھی ہیں۔ گھوڑے کا خچر اور گدھوں کے ساتھ یکجا ذکر کرنے سے امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر۔ علاوہ ازیں کھانے والے چوپایوں کا پہلے ذکر آ چکا ہے، اس لیے اس آیت میں جن تین جانوروں کا ذکر ہے، یہ صرف رکوب (سواری) کے لیے ہیں لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ صحیح احادیث سے گھوڑے کی حلت ثابت ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے: « أَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ »(صحيح البخاري، حديث:5520، وصحيح مسلم ، حديث:36-(1941)) علاوہ ازیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی موجودگی میں خیبر اور مدینہ میں گھوڑا ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو: (صحيح مسلم، حديث:37-(1941)، و مسند أحمد: 356/3، و سنن أبي داود، حديث:3789) اسی لیے جمہور علماء، ائمۂ ثلاثہ اور سلف وخلف کی اکثریت گھوڑے کی حلت کی قائل ہے۔ (تفسير ابن كثير) علاوہ ازیں خود حنفی فقہی کتابوں میں گھوڑے کی حلّت کی صراحت موجود ہے۔ یہاں گھوڑے کا ذکر محض سواری کے ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا غالب ترین استعمال اسی مقصد کے لیے ہے، وہ ساری دنیا میں ہمیشہ اتنا گراں اور قیمتی ہوا کرتا ہے کہ خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت ہی نادر ہے۔ بھیڑ بکری کی طرح اس کو خوراک کے لیے ذبح نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو بلا دلیل حرام ٹھہرا دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کے دو شاگرد ابویوسف اور محمد بن حسن اس کی حلت کے قائل ہیں اور امام صاحب نے بھی آخر میں رجوع کر لیا تھا۔ (مظاہر حق، ردالمختار) پھر معلوم نہیں بعض حنفی حضرات گھوڑے کی حلّت سے کیوں انکار کرتے ہیں؟

2 زمین کے زیریں حصے میں، اسی طرح سمندر میں اور بے آب و گیاہ صحراؤں اور جنگلوں میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرماتا رہتا ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، علاوہ ازیں اس میں انسان کی بنائی ہوئی وہ چیزیں بھی آ جاتی ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے دماغ اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسی کی پیدا کردہ چیزوں کو مختلف انداز میں جوڑ کر وہ تیار کرتا ہے، مثلاً: بس، کار، ریل گاڑی، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور اس طرح کی بے شمار چیزیں اور جو مستقبل میں متوقع ہیں۔

3 اس کے ایک دوسرے معنی ہیں ''اور اللہ ہی پر ہے سیدھی راہ''، یعنی اس کا بیان کرنا، چنانچہ اس نے اسے بیان فرما

پر لگا دیتا ○ [1]

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩

وہی تمھارے فائدے کے لیے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اُگے ہوئے درختوں کو تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو ○

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪

اسی سے وہ تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے بے شک ان لوگوں کے لیے تو اس میں نشانی [2] ہے جو غور وفکر کرتے ہیں ○

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫

اسی نے رات دن اور سورج چاند کو تمھارے تابع کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کے لیے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں ○ [3]

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬

اور بھی بہت سی چیزیں طرح طرح کے رنگ روپ کی اس نے تمھارے لیے زمین پر پھیلا رکھی ہیں۔ بے شک نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ○ [4]

دیا اور ہدایت اور ضلالت دونوں کو واضح کر دیا، اسی لیے آگے فرمایا کہ بعض راہیں ٹیڑھی ہیں، یعنی گمراہی کی ہیں۔

1 لیکن اس میں چونکہ جبر ہوتا اور انسان کی آزمائش نہ ہوتی، اس لیے اللہ نے اپنی مشیت سے سب کو مجبور نہیں کیا بلکہ دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے۔

2 اس میں بارش کے وہ فوائد بیان کیے گئے ہیں جو ہر شخص کے مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہیں وہ محتاج وضاحت نہیں۔ نیز ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

3 کہ کس طرح رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، چاند اور سورج کس طرح اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں رہتے ہیں اور ان میں کبھی فرق واقع نہیں ہوتا، ستارے کس طرح آسمان کی زینت اور رات کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے دلیل راہ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔

4 یعنی زمین میں اللہ نے جو معدنیات، نباتات، جمادات اور حیوانات اور ان کے منافع اور خواص پیدا کیے ہیں، ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭

اور دریا بھی اسی نے تمھارے بس میں کر دیے ہیں کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے اپنے پہننے کے زیورات نکال سکو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس میں پانی چیرتی ہوئی (چلتی) ہیں اور اس لیے بھی کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور ہوسکتا ہے کہ تم شکر گزاری بھی کرو ○ [1]

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮

اور اس نے زمین میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیے ہیں تا کہ تمھیں ہلا نہ دے، [2] اور نہریں اور راہیں بنا دیں تا کہ تم منزل مقصود کو پہنچو ○ [3]

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ⑯

اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں ○

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کرسکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے ○ [4]

---

1 اس میں سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو انسان کے تابع کر دینے کے بیان کے ساتھ، اس کے تین فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سے مچھلی کی شکل میں تازہ گوشت کھاتے ہو (اور مچھلی مردہ بھی ہو تب بھی حلال ہے۔ علاوہ ازیں حالت احرام میں بھی اس کا شکار کرنا حلال ہے۔) دوسرے، اس سے تم موتی، سیپیاں اور جواہر نکالتے ہو جن سے تم زیور بناتے ہو۔ تیسرے، اس میں تم کشتیاں اور جہاز چلاتے ہو جن کے ذریعے سے تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہو، تجارتی سامان بھی لاتے، لے جاتے ہو، جس سے تمھیں اللہ کا فضل حاصل ہوتا ہے جس پر تمھیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

2 یہ پہاڑوں کا فائدہ بیان کیا جا رہا ہے اور اللہ کا ایک احسان عظیم بھی کیونکہ اگر زمین ہلتی رہتی تو اس میں سکونت ممکن ہی نہ رہتی۔ اس کا اندازہ ان زلزلوں سے کیا جا سکتا ہے جو چند سیکنڈوں اور لمحوں کے لیے آتے ہیں لیکن کس طرح وہ بڑی بڑی مضبوط عمارتوں کو پیوند زمین اور شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

3 نہروں کا سلسلہ بھی عجیب ہے، کہاں سے وہ شروع ہوتی ہیں اور کہاں کہاں، دائیں بائیں، شمال جنوب، مشرق مغرب ہر جہت کو سیراب کرتی ہیں۔ اسی طرح راستے بنائے جن کے ذریعے سے تم منزل مقصود پر پہنچتے ہو۔

4 ان تمام نعمتوں سے توحید کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ اللہ تو ان تمام چیزوں کا خالق ہے لیکن اس کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، انھوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ نہیں بلکہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں، پھر بھلا خالق اور مخلوق کس طرح

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿18﴾

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اسے نہیں کرسکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿19﴾

اور جو کچھ تم چھپاؤ اور ظاہر کرو اللہ سب کچھ جانتا ہے ○ [1]

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿20﴾

اور جن جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں ○ [2]

اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿21﴾ ع 2/12/8

مردے ہیں زندہ نہیں، [3] انھیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے ○ [4]

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿22﴾

تم سب کا معبود صرف اللہ اکیلا ہے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل منکر ہیں اور وہ خود تکبر سے بھرے ہوئے ہیں ○ [5]

برابر ہوسکتے ہیں؟ جبکہ تم نے انھیں معبود بنا کر اللہ کا برابر ٹھہرا رکھا ہے۔ کیا تم ذرا نہیں سوچتے؟

1 اور اس کے مطابق وہ قیامت والے دن جزا اور سزا دے گا۔ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

2 اس آیت میں مزید وضاحت ہے، یعنی صفت کمال (خالقیت) کی نفی کے ساتھ صفت نقصان، یعنی کمی (مخلوق ہونے) کا اثبات بخلاف آیت ﴿ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ﴾ کے کیونکہ اس میں صرف صفت کمال کی نفی کی گئی ہے۔ (فتح القدیر)

3 اس آیت میں مردہ سے مراد، فوت شدہ صالح وغیر صالح لوگ ہیں جن کی یہ مشرک لوگ عبادت کرتے تھے کیونکہ مرنے کے بعد اٹھایا جانا (جس کا انھیں شعور نہیں) جمادات کے بجائے ذی عقل جانداروں، انسانوں، جنوں (خواہ صالح ہوں یا غیر صالح) ہی پر صادق آسکتا ہے۔ ان کو صرف مردہ ہی نہیں کہا بلکہ مزید وضاحت فرما دی کہ ''وہ زندہ نہیں ہیں۔'' اس سے قبر پرستوں کا بھی دو طرح سے واضح رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ قبروں میں مدفون مردہ نہیں، زندہ ہیں۔ اور ہم زندوں کو ہی پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ موت وارد ہونے کے بعد دنیوی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی نہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق ہی باقی رہتا ہے۔

4 پھر ان سے نفع کی اور ثواب وجزا کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

5 یعنی ایک الٰہ کا ماننا منکرین اور مشرکین کے لیے بہت مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○ ﴾ (ص 5:38) ''اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔'' دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 45:39) ''جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین آخرت کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔''

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿23﴾

بیشک اللہ ہر اس چیز کو جسے وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں، بخوبی جانتا ہے۔ وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○[1]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾

ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں ○[2]

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ
وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿25﴾ ع 3/4 9

اسی کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصے دار ہوں گے جنھیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔ دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں ○[3]

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، (آخر) اللہ نے ان (کے منصوبوں) کی عمارتوں کو جڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان (کے سروں) پر (ان کی) چھتیں اوپر سے گر پڑیں،[4] اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آ گیا جہاں

---

1 اِسْتِکْبَار کا مطلب ہوتا ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے صحیح اور حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر و کمتر سمجھنا۔ کبر کی یہی تعریف حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث:147-(91)) یہ کبر و غرور اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ» (صحیح مسلم، حدیث:147-(91)) ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر ہوگا۔“

2 یعنی اعراض اور استہزا کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مکذبین جواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نہیں اتارا اور یہ محمد (ﷺ) ہمیں جو پڑھ کر سناتا ہے، وہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو کہیں سے سن کر بیان کرتا ہے۔

3 یعنی ان کی زبانوں سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے نکلوائی تاکہ وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنائیں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بار بھی اٹھانا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے۔“ (سنن أبي داود، حدیث:4609)

4 اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد نمرود یا بخت نصر ہے جس نے آسمان پر چڑھنے کے لیے ایک بلند عمارت

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿27﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

کا انھیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔○ [1]
پھر قیامت والے دن بھی اللہ انھیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے، [2] جنھیں علم دیا گیا تھا وہ پکار اٹھیں گے [3] کہ آج تو کافروں کو رسوائی اور برائی چمٹ گئی○
وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، فرشتے جب ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں اس وقت وہ جھک جاتے ہیں کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے۔ [4] کیوں نہیں! اللہ خوب

تعمیر کی جس پر چڑھ کر مکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی عمارت کو گرا دیا۔ بعض مفسرین کے خیال میں یہ ایک تمثیل ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برباد ہوں گے جس طرح کسی کے مکان کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں اور وہ چھت سمیت گر پڑے۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت عام ہے اور اس سے مقصود ان قوموں کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنے گھروں سمیت تباہ ہو گئے، مثلاً: قوم عاد و قوم لوط وغیرہ۔

1 جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾ (الحشر 2:59) ''پس اللہ (کا عذاب) ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔''

2 یعنی یہ تو وہ عذاب تھے جو دنیا میں ان پر آئے اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انھیں اس طرح ذلیل و رسوا کرے گا کہ ان سے پوچھے گا: تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جو تم نے میرے لیے ٹھہرا رکھے تھے اور جن کی وجہ سے تم مومنوں سے لڑتے جھگڑتے تھے۔

3 یعنی جن کو دین کا علم تھا وہ دین کے پابند تھے وہ جواب دیں گے۔

4 یہ مشرک ظالموں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ صلح کی بات ڈالتے ہیں، یعنی سمع وطاعت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے۔ جس طرح میدان محشر میں اللہ کے روبرو بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○﴾ (الأنعام 23:6) ''اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے۔'' دوسرے مقام پر فرمایا: ''جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کر (اپنے پاس جمع کرے گا) تو اللہ کے سامنے بھی یہ اسی طرح (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔'' (المجادلة 18:58)

بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿28﴾

جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے ○ [1]

فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ فَلَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿29﴾

پس اب تو ہمیشگی کے طور پر تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، [2] پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا ○

وَقِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوۡا خَيۡرًا ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ ؕ وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِيۡنَ ۙ﴿30﴾

اور پرہیز گاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے، اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے، اور کیا ہی خوب پرہیز گاروں کا گھر ہے ○

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡزِى اللّٰهُ الۡمُتَّقِيۡنَ ۙ﴿31﴾

ہمیشگی والے باغات جہاں وہ جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جو کچھ یہ طلب کریں گے وہاں ان کے لیے موجود ہوگا۔ پرہیز گاروں کو اللہ اسی طرح بدلے عطا فرماتا ہے ○

الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿32﴾

وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں، کہتے ہیں کہ تمھارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے، [3] جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے ○ [4]

---

1 فرشتے جواب دیں گے: کیوں نہیں! یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمھاری تو ساری عمر ہی برائیوں میں گزری ہے اور اللہ کے پاس تمھارے سارے عملوں کا ریکارڈ محفوظ ہے، تمھارے اس انکار سے اب کیا بنے گا!

2 امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی موت کے فوراً بعد ان کی روحیں جہنم میں چلی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبر میں رہتے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جسم و روح میں بُعد کے باوجود ان میں ایک گونہ تعلق پیدا کر کے ان کو عذاب دیتا ہے۔ (اور صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے۔) پھر جب قیامت برپا ہوگی تو ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹ آئیں گی اور ہمیشہ کے لیے یہ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

3 ان آیات میں ظالم مشرکوں کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ کا کردار اور ان کا حسن انجام بیان فرمایا گیا ہے۔

4 سورۂ اعراف کی آیت: 43 کے زیر تحت یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا جب تک اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔ لیکن یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلے جنت میں داخل ہو

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿33﴾

کیا یہ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے؟[1] ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔[2] ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا[3] بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○[4]

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ
4/9/10 مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿34﴾ ع

پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انھیں مل گئے اور جس کی ہنسی اڑاتے تھے اس نے ان کو گھیر لیا ○[5]

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ

مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے، نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے۔ یہی فعل ان سے پہلے کے لوگوں کا رہا۔ تو رسولوں پر تو صرف کھلم کھلا

جاؤ تو ان میں دراصل کوئی منافات نہیں کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لیے اعمال صالحہ ضروری ہیں، یعنی عمل صالح، اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، اس لیے عمل کی اہمیت بھی بجائے خود مسلّم ہے، اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل ہی نہیں سکتی، اس لیے حدیث مذکور کا مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور عمل کی اہمیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحيح مسلم، حديث:34-(2564)) ''اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔''

1 یعنی کیا یہ بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے یا رب کا حکم (عذاب یا قیامت) آجائے۔

2 یعنی اس طرح سرکشی اور معصیت ان سے پہلے لوگوں نے اختیار کیے رکھی جس پر وہ غضب الٰہی کے مستحق بنے۔

3 اس لیے کہ اللہ نے تو ان کے لیے کوئی عذر ہی باقی نہیں چھوڑا۔ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ان پر حجت تمام کر دی۔

4 یعنی رسولوں کی مخالفت اور ان کی تکذیب کر کے خود ہی انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

5 یعنی جب رسول ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ کا عذاب آجائے گا تو یہ استہزا کے طور پر کہتے کہ جا اپنے اللہ سے کہہ وہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کر دے، چنانچہ اس عذاب نے انھیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے،

عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿35﴾
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ
فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ
حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿36﴾
اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

پیغام کا پہنچا دینا ہے ○ [1]
ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی، [2] پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○

گو آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند رہے ہیں لیکن اللہ

پھر اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ان کے پاس نہیں رہا۔

1 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطے کا ازالہ فرمایا ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں ان چیزوں سے روک کیوں نہیں دیتا؟ وہ اگر چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ نہیں روکتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی رضا کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہے کا ازالہ ''رسولوں کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔'' کہہ کر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمھیں ان مشرکانہ امور سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ اسی لیے وہ ہر قوم میں رسول بھیجتا اور کتابیں نازل کرتا رہا ہے اور ہر نبی نے آ کر سب سے پہلے اپنی قوم کو شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ شرک کریں کیونکہ اگر اسے یہ پسند ہوتا تو اس کی تردید کے لیے وہ رسول کیوں بھیجتا؟ لیکن اس کے باوجود اگر تم نے رسولوں کی تکذیب کر کے شرک کا راستہ اختیار کیا اور اللہ نے اپنی مشیت تکوینیہ کے تحت قہراً وجبراً تمھیں اس سے نہیں روکا تو یہ تو اس کی اس حکمت و مصلحت کا ایک حصہ ہے جس کے تحت اس نے انسانوں کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے کیونکہ اس سے ان کی آزمائش مقصود ہے۔ ہمارے رسول ہمارا پیغام تم تک پہنچا کر یہی سمجھاتے رہے کہ اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرو بلکہ اللہ کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرو! ہمارے رسول یہی کچھ کر سکتے تھے جو انھوں نے کیا۔ اور تم نے شرک کر کے آزادی کا غلط استعمال کیا جس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

2 مذکورہ شبہے کے ازالے کے لیے مزید فرمایا کہ ہم نے تو ہر امت میں رسول بھیجا اور یہ پیغام ان کے ذریعے سے پہنچایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو لیکن جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی، انھوں نے اس کی پرواہی نہ کی۔

لَا يَهۡدِیۡ مَنۡ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿37﴾

اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کردے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے ○ [1]

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا عَلَیۡهِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿38﴾ ۙ

وہ لوگ بڑی سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو اللہ زندہ نہیں کرے گا۔ [2] کیوں نہیں ضرور زندہ کرے گا یہ تو اس کا برحق لازمی وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ○ [3]

لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیۡ یَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡهِ وَلِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ کَانُوۡا کٰذِبِیۡنَ ﴿39﴾

اس لیے بھی کہ یہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے تھے اسے اللہ صاف کردے اور اس لیے بھی کہ خود کافر اپنا جھوٹا ہونا جان لیں ○ [4]

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ

لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿40﴾ ع 5/6 11

ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے ○ [5]

---

1 اس میں اللہ فرما رہا ہے: اے پیغمبر! تیری خواہش یقیناً یہی ہے کہ یہ سب ہدایت کا راستہ اپنالیں لیکن قوانین الٰہیہ کے تحت جو گمراہ ہوگئے ہیں، ان کو تو ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتا، یہ تو اپنے آخری انجام کو پہنچ کر ہی رہیں گے، جہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

2 کیونکہ مٹی میں مل جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا انھیں مشکل اور ناممکن نظر آتا تھا۔ اسی لیے رسول جب انھیں بعث بعد الموت کی بابت کہتا ہے تو اسے جھٹلاتے ہیں، اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس، یعنی دوبارہ زندہ نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں، قسمیں بھی بڑی تاکید اور یقین کے ساتھ۔

3 اسی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب ومخالفت کرتے ہوئے دریائے کفر میں ڈوب جاتے ہیں۔

4 یہ وقوع قیامت کی حکمت وعلت بیان کی جارہی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے اور اہل حق اور اہل تقویٰ کو اچھی جزا اور اہل کفر وفسق کو ان کے برے عملوں کی سزا دے گا۔ نیز اس دن اہل کفر پر بھی یہ بات واضح ہوجائے گی کہ وہ قیامت کے عدم وقوع پر جو قسمیں کھاتے تھے، ان میں وہ جھوٹے تھے۔

5 یعنی لوگوں کے نزدیک قیامت کا ہونا کتنا بھی مشکل یا ناممکن ہو مگر اللہ کے لیے تو کوئی مشکل نہیں، اسے زمین و آسمان ڈھانے کے لیے مزدوروں، انجینئروں اور مستریوں اور دیگر آلات ووسائل کی ضرورت نہیں۔ اسے تو صرف لفظ ﴿ کُنۡ ﴾ کہنا ہے، اس کے لفظ ﴿ کُنۡ ﴾ سے پلک جھپکنے میں قیامت برپا ہوجائے گی۔ ﴿ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا کَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ﴾ (النحل 16: 77) ''قیامت کا معاملہ پلک جھپکنے یا اس سے بھی کم مدت میں واقع ہوجائے گا۔''

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ وقف لازم

جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا ہے [1] ہم انھیں بہتر سے بہتر ٹھکانا دنیا میں عطا فرمائیں گے [2] اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے، [3] کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے ○

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿42﴾

وہ جنھوں نے دامنِ صبر نہ چھوڑا اور اپنے پالنے والے ہی پر بھروسہ کرتے رہے ○

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿43﴾

آپ سے پہلے بھی ہم انسانوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے، پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو ○ [4]

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿44﴾ النصف

دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں ○

---

1 ہجرت کا مطلب ہے اللہ کے دین کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن، اپنے رشتے دار اور دوست احباب چھوڑ کر ایسے علاقے میں چلے جانا جہاں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے۔ اس آیت میں ان ہی مہاجرین کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، یہ آیت عام ہے جو تمام مہاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاؤں سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے زیادہ تھی جن میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ (دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم) رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

2 اس سے رزق طیب اور بعض نے مدینہ مراد لیا ہے جو مسلمانوں کا مرکز بنا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قولوں میں منافات نہیں ہے، اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے کاروبار اور گھربار چھوڑ کر ہجرت کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی انھیں ان کا نعم البدل عطا فرما دیا۔ رزق طیب بھی دیا اور پورے عرب پر انھیں اقتدار و تمکن عطا فرمایا۔

3 کہا گیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب مہاجرین وانصار کے وظیفے مقرر کیے تو ہر مہاجر کو وظیفہ دیتے ہوئے فرماتے: هٰذَا مَا وَعَدَكَ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا ''یہ وہ ہے جس کا اللہ نے تجھ سے دنیا میں وعدہ کیا ہے۔'' وَمَا ادَّخَرَ لَكَ فِي الْآخِرَةِ أَفْضَلُ ''اور آخرت میں تیرے لیے جو ذخیرہ ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔'' (ابن کثیر)

4 ﴿اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ سے مراد اہل کتاب ہیں جو پچھلے انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے، وہ انسان ہی تھے، اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر انسان ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ تم

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ
یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۙ﴿45﴾
اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِیْنَ ۙ﴿46﴾
اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ
لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿47﴾
اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ
یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآىِٕلِ
سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿48﴾
وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

بدترین داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر (ایسی طرف سے) عذاب آجائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو ○

یا انھیں چلتے پھرتے پکڑ لے [1] ۔ وہ کسی صورت میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ○

یا انھیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے، [2] پس یقیناً تمھارا پروردگار اعلیٰ شفقت اور انتہائی رحم والا ہے ○ [3]

کیا انھوں نے اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا؟ کہ اس کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ کے سامنے سربسجود ہیں اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں ○ [4]

یقیناً آسمانوں اور زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ

ان کی بشریت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کر دو۔ اگر تمھیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء بشر تھے یا ملائکہ؟ وہ بھی سب انسان ہی تھے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں؟ (مزید دیکھیے: سورۂ انبیاء 7:21 کا حاشیہ)

1 اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں، مثلاً: ① جب تم تجارت اور کاروبار کے لیے سفر پر جاؤ ② جب تم کاروبار کو فروغ دینے کے لیے مختلف حیلے اور طریقے اختیار کرو ③ یا رات کو آرام کرنے کے لیے اپنے بستروں پر جاؤ۔ یہ تَقَلُّبُ کے مختلف مفہوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان صورتوں میں بھی تمھارا مؤاخذہ کر سکتا ہے۔

2 ﴿ تَخَوُّفٍ ﴾ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ہی دل میں عذاب اور مؤاخذے کا ڈر ہو۔ جس طرح بعض دفعہ انسان کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو خوف محسوس کرتا ہے کہ کہیں اللہ میری گرفت نہ کر لے، چنانچہ بعض دفعہ اس طرح بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔

3 کہ وہ گناہوں پر فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور اس مہلت سے بہت سے لوگوں کو توبہ و استغفار کی توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

4 اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت شان کا بیان ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی اور مطیع ہے۔ جمادات ہوں یا حیوانات یا جن و انسان اور ملائکہ۔ ہر وہ چیز جس کا سایہ ہے جو دائیں بائیں جھکتا ہے تو وہ صبح و شام اپنے سائے کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ

مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿49﴾
يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا
يُؤْمَرُوْنَ ﴿50﴾ السجدة
وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا
هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿51﴾
وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ
وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿52﴾

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا
مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿53﴾

ع 6 10 12 — السجدۃ 3

کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے ○
اور اپنے رب سے جوان کے اوپر ہے، کپکپاتے رہتے ہیں [1]
اور جو حکم مل جائے اس کی تعمیل کرتے ہیں ○ [2]
اللہ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ معبود تو صرف وہی
اکیلا ہے، [3] پس تم سب صرف میرا ہی ڈر خوف رکھو ○
آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور
اسی کی عبادت لازم ہے، [4] کیا پھر تم اس کے سوا اوروں
سے ڈرتے ہو؟ ○
تمھارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ کی دی ہوئی
ہیں، [5] اب بھی جب تمھیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو
اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو ○ [6]

کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔(ابن کثیر)

1 اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

2 اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ جس کا حکم دیا جاتا ہے، بجالاتے ہیں جس سے منع کیا جاتا ہے، اس سے دور رہتے ہیں۔

3 کیونکہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود ہے ہی نہیں۔ اگر آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا تھا، یہ فساد اور خرابی کا شکار ہو چکا ہوتا ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الأنبیآء 21:22)، اس لیے ثَنَوِيَّتُ (دو خداؤں) کا عقیدہ جس کے مجوسی حامل رہے ہیں یا تَعَدُّدِ اِلٰہ (بہت سارے معبودوں) کا عقیدہ جس کے اکثر مشرکین قائل رہے ہیں، یہ سب باطل ہیں۔ جب کائنات کا خالق ایک ہے اور وہی بلا شرکت غیرے تمام کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔

4 اسی کی عبادت و اطاعت دائمی اور لازم ہے۔ ﴿وَاصِبًا﴾ کے معنی ہمیشگی کے ہیں ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ○﴾ (الصّٰفّٰت 37:9) ''اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کا۔'' اور اس کا وہی مطلب ہے جو دوسرے مقامات پر بیان کیا گیا ہے ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ○﴾ (الزمر 39:2،3) ''پس اللہ کی عبادت کرو اسی کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے، خبردار! اسی اللہ کے لیے خالص بندگی ہے۔''

5 جب سب نعمتوں کا دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو پھر عبادت کسی اور کی کیوں؟

6 اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب و وجدان کی گہرائیوں میں راسخ ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آجاتا ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گھرے ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾

اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں ○

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ط فَتَمَتَّعُوْا قف فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾

کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔ [1] اچھا کچھ فائدہ اٹھالو آخرکار تمھیں معلوم ہو ہی جائے گا ○ [2]

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ط تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿56﴾

اور جسے جانتے بوجھتے بھی نہیں، اس کا حصہ ہماری دی ہوئی چیزیں مقرر کرتے ہیں، [3] واللہ! تمھارے اس بہتان کا سوال تم سے ضرور ہی کیا جائے گا ○ [4]

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ لا وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿57﴾

اور وہ اللہ سبحانہ کے لیے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں اور اپنے لیے وہ جو اپنی خواہش کے مطابق ہو ○ [5]

---

1 لیکن انسان بھی کتنا ناشکرا ہے کہ تکلیف (بیماری، تنگ دستی اور نقصان وغیرہ) کے دور ہوتے ہی وہ پھر رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے، یا اترانے اور اکڑنے لگتا ہے۔ (ھود 11:10) یا کہتا ہے: یہ تو میرے علم و ہنر کا نتیجہ ہے (الزمر 39:49) یا کہتا ہے: میں تو نعمتوں کا ہی مستحق تھا۔ (حٰمٓ السجدة 41:50)

2 یہ اس طرح ہی ہے جیسے اس سے قبل فرمایا تھا: ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ○﴾ (ابراھیم 14:30) ''چندروزہ زندگی میں فائدہ اٹھالو! بالآخر تمھارا ٹھکانا جہنم ہے۔'' یعنی یہ زجر و توبیخ اور تہدید ہے۔

3 یعنی جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا اور معبود سمجھتے ہیں، وہ پتھر کی مورتیاں ہیں یا جنات و شیاطین ہیں جن کی حقیقت کا ان کو علم ہی نہیں۔ اسی طرح قبروں میں مدفون لوگوں کی حقیقت بھی کوئی نہیں جانتا لیکن ان ظالم لوگوں نے ان کی حقیقت سے ناآشنا ہونے کے باوجود انھیں اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کے لیے بھی (نذر و نیاز کے طور پر) حصہ مقرر کرتے ہیں بلکہ اللہ کا حصہ رہ جائے تو بے شک رہ جائے، ان کے حصے میں کمی نہیں کرتے جیسا کہ سورۂ انعام 6:136 میں بیان کیا گیا ہے۔

4 تم جو اللہ پر افترا کرتے ہو کہ اس کا شریک یا شرکاء ہیں، اس کی بابت قیامت والے دن تم سے پوچھا جائے گا۔

5 عرب کے بعض قبیلے (خزاعہ اور کنانہ) فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، یعنی ایک ظلم تو یہ کیا کہ اللہ کی اولاد قرار دی، جبکہ اس کی کوئی اولاد نہیں، پھر اولاد بھی مؤنث جسے وہ اپنے لیے پسند ہی نہیں کرتے، اللہ کے لیے اسے پسند کیا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○﴾ (النجم 53:21،22) ''کیا تمھارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔'' یہاں فرمایا کہ تم تو یہ خواہش رکھتے ہو کہ بیٹے ہوں، بیٹی کوئی نہ ہو۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿58﴾

ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے ○

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿59﴾

اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں!○[1]

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿60﴾ ع 7 10 13

آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بری مثال ہے،[2] اللہ کے لیے تو بہت ہی بلند صفت ہے، وہ بڑا ہی غالب اور باحکمت ہے ○[3]

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ

اگر لوگوں کے گناہ پر اللہ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا،[4] لیکن وہ تو انھیں ایک

---

1 یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے جو مذکور ہوا اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ کیسا برا یہ فیصلہ کرتے ہیں! یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔ نہیں، اللہ کے نزدیک لڑکے لڑکی میں اس حوالے سے کوئی تمیز نہیں ہے نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے۔ یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویے کی وضاحت مقصود ہے جو انھوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کیا تھا، درآں حالیکہ اللہ کی برتری اور فوقیت کے وہ قائل بھی تھے جس کا منطقی نتیجہ تو یہ تھا کہ جو چیز یہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اللہ کے لیے بھی اسے تجویز نہ کرتے لیکن انھوں نے اس کے برعکس کیا۔ یہاں صرف اسی ناانصافی کی وضاحت کی گئی ہے۔

2 یعنی کافروں کے برے اعمال بیان کیے گئے ہیں، انھی کے لیے بری مثال یا صفت ہے، یعنی جہل اور کفر کی صفت۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی جو بیوی اور اولاد یہ ٹھہراتے ہیں، یہ بری مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

3 یعنی اس کی ہر صفت مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً: اس کا علم وسیع ہے، اس کی قدرت لامتناہی ہے، اس کی جود و عطا بے نظیر ہے۔ وعلی هذا القياس یا یہ مطلب ہے کہ وہ قادر ہے، خالق ہے، رازق اور سمیع و بصیر ہے وغیرہ (فتح القدیر) یا بری مثال کا مطلب نقص، کوتاہی ہے اور مثل اعلیٰ کا مطلب کمال مطلق ہر لحاظ سے اللہ کے لیے ہے۔ (ابن کثیر)

4 یہ اس کا حلم ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مؤاخذہ ہی کرتا ہے، حالانکہ اگر ارتکاب معصیت کے ساتھ ہی وہ مؤاخذہ کرنا شروع کر دے تو ظلم و معصیت اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے کیونکہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیے جاتے ہیں، تاہم آخرت میں نیک لوگ عنداللہ سرخرو رہیں گے جیسا کہ حدیث میں وضاحت آتی ہے: «إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا، أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ، ثُمَّ بُعِثُوا عَلٰى

يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿61﴾

وقت مقرر تک ڈھیل دیتا ہے،[1] جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ○

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿62﴾

اور وہ اپنے لیے جو ناپسند رکھتے ہیں اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں[2] اور ان کی زبانیں جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے۔[3] نہیں نہیں، دراصل ان کے لیے آگ ہے اور وہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں ○[4]

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾

واللہ! ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی اپنے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کے بد اعمال ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیے[5]، وہ شیطان آج بھی ان کا رفیق بنا ہوا ہے[6] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

أَعْمَالِهِمْ» (صحيح البخاري، حديث:7108، وصحيح مسلم، حديث:84-(2879))

1 اللہ تعالیٰ انھیں ایک خاص وقت تک مہلت دیتا ہے اور اس میں کئی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دوسری یہ کہ ان کی اولاد جو اللہ کے علم کے مطابق پیدا ہونی ہے وہ پیدا ہو جائے۔

2 یعنی بیٹیاں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

3 یہ ان کی دوسری خرابی کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرتے ہیں لیکن ان کی زبانیں یہ جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کا انجام اچھا ہے، ان کے لیے بھلائیاں ہیں اور دنیا کی طرح ان کی آخرت بھی اچھی ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں ہے، نہ یہ ممکن ہی ہے۔

4 یعنی یقیناً ان کا انجام اچھا نہیں، برا ہے اور وہ ہے جہنم کی آگ، جس میں وہ دوزخیوں کے پیش رو، یعنی پہلے جانے والے ہوں گے۔ فَرَطٌ کے یہی معنی حدیث سے بھی ثابت ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ» (صحيح البخاري، حديث:6575، وصحيح مسلم، حديث:2290) ''میں حوض کوثر پر تمھارا پیش رو ہوں گا۔'' ﴿مُّفْرَطُوْنَ﴾ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ انھیں جہنم میں ڈالنے کے بعد چھوڑ کر فراموش کر دیا جائے گا۔

5 جس کی وجہ سے انھوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی جس طرح اے پیغمبر! قریش مکہ تیری تکذیب کر رہے ہیں۔

6 ﴿اَلْيَوْمَ﴾ سے یا تو زمانہ دنیا مراد ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے یا اس سے مراد یوم آخرت ہے کہ وہاں بھی یہ ان کا ساتھی ہوگا اور اس کا ساتھی ہونا فائدہ کی بجائے نقصان و حرمان کا باعث ہے۔ یا ﴿وَلِيُّهُمُ﴾ میں هُمْ کا مرجع کفار مکہ ہیں، یعنی یہی شیطان جس نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا، آج وہ ان کفار مکہ کا دوست ہے اور انھیں

وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿64﴾

اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو کھول دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں [1] اور یہ ایمان داروں کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے ○

وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿65﴾ ع 8/5/14

اور اللہ آسمان سے پانی برسا کر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنیں ○

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً‌ ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ﴿66﴾

تمھارے لیے تو چوپایوں [2] میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمھیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے سہتا پچتا ہے ○ [3]

وَمِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿67﴾

اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو [4] اور عمدہ روزی بھی۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لیے تو اس میں بہت بڑی نشانی ہے ○

تکذیب رسالت پر مجبور کر رہا ہے۔

1 اس میں نبی ﷺ کے فرائض منصبیہ کو بیان کیا گیا ہے کہ عقائد و احکام شرعیہ کے سلسلے میں یہود و نصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلاف ہے، اس کی اس طرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہو جائے تا کہ لوگ حق کو اختیار اور باطل سے اجتناب کریں۔

2 ﴿الۡاَنۡعَامِ﴾ (چوپائے) سے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری مراد ہوتے ہیں۔

3 یہ چوپائے جو کچھ کھاتے ہیں، معدے میں جاتا ہے، اسی خوراک سے دودھ، خون، گوبر اور پیشاب بنتا ہے۔ خون، رگوں میں اور دودھ تھنوں میں اسی طرح گوبر اور پیشاب اپنے اپنے مخرج میں منتقل ہو جاتا ہے اور دودھ میں نہ خون کی رنگت شامل ہوتی ہے نہ گوبر پیشاب کی بدبو۔ سفید اور شفاف دودھ باہر آتا ہے جو نہایت آسانی سے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔

4 یہ آیت اس وقت اتری تھی جب شراب حرام نہیں تھی، اس لیے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن اس میں ﴿سَكَرًا﴾ کے بعد ﴿وَّرِزۡقًا حَسَنًا﴾ ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شراب رزق حسن نہیں ہے، نیز یہ سورت مکی ہے۔ جس میں شراب کے بارے میں ناپسندیدگی کا اشارہ ہے، پھر مدنی سورتوں میں بتدریج اس کی حرمت نازل ہوگئی۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿68﴾

آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات [1] ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اوران میں جو لوگ چھپر بناتے ہیں، اپنے گھر بنا ○

ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿69﴾

اور ہرطرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے مشروب نکلتا ہے [2] جس کے رنگ مختلف ہیں [3] اور جس میں لوگوں کے لیے شفا [4] ہے، غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے ○

---

1 وحی سے مراد الہام اور وہ سمجھ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طبعی ضروریات کی تکمیل کے لیے حیوانات کو بھی عطا کی ہے۔

2 شہد کی مکھی پہلے پہاڑوں میں، درختوں میں، انسانی عمارتوں کی بلندیوں پر اپنا مسدس خانہ اور چھتہ اس طرح بناتی ہے کہ درمیان میں کوئی شگاف نہیں رہتا، پھر وہ باغوں، جنگلوں، وادیوں اور پہاڑوں میں گھومتی پھرتی ہے اور ہر قسم کے اچھے پھلوں کا جوس اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہے اور پھر انھی راہوں سے، جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے، واپس لوٹتی ہے اور اپنے چھتے میں آ کر بیٹھ جاتی ہے، جہاں اس کے پیٹ سے وہ شہد نکلتا ہے جسے قرآن نے ''شراب'' سے تعبیر کیا ہے، یعنی مشروب روح افزا۔

3 کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی نیلا اور کوئی زرد رنگ کا۔ جس قسم کے پھلوں اور کھیتوں سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے، اسی حساب سے اس کا رنگ اور ذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔

4 ﴿شِفَآءٌ﴾ میں تنوین تعظیم کے لیے ہے تعمیم کے لیے نہیں، یعنی شہد میں بیماری یا بیماریوں کے لیے عظیم شفا ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً ہر بیماری کا علاج ہے۔ علمائے طب نے بھی صراحت کی ہے کہ شہد یقیناً ایک شفا بخش قدرتی مشروب ہے۔ لیکن مخصوص بیماریوں کے لیے نہ کہ ہر بیماری کے لیے جبکہ بعض نے اسے عموم پر رکھا ہے، یعنی ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو حلوا (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔ (صحيح البخاري، حديث:5614) ایک دوسری روایت میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزوں میں شفا ہے۔ فصد کھلوانے (پچھنے لگانے) میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث:5683) حدیث میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ ''اسہال (دست) کے مرض میں آپ ﷺ نے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیا جس سے دستوں میں اضافہ ہوگیا، آ کر بتلایا گیا تو دوبارہ آپ ﷺ نے شہد پلانے کا مشورہ دیا جس سے مزید دست آنے لگے (اور گھر والے سمجھے کہ شاید مرض میں اضافہ ہوگیا ہے) پھر نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا اور اسے شہد پلا، چنانچہ تیسری مرتبہ شہد پلایا تو

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۛ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
قَدِيْرٌ ۧ 70 ع 5 15

اللہ ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے وہی پھر تمھیں فوت کرے گا، تم میں ایسے بھی ہیں جو بدترین عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے بوجھنے کے بعد بھی نہ جانیں۔[1] بے شک اللہ سب کچھ جانتا قدرت والا ہے ○

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ 71

اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں فضیلت دے رکھی ہے، پس جنھیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے ماتحت غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ اور یہ اس میں برابر ہو جائیں،[2] تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو رہے ہیں![3] ○

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۙ 72

اللہ نے تمھارے لیے تم میں سے ہی تمھاری بیویاں پیدا کیں اور تمھاری بیویوں سے تمھارے لیے تمھارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمھیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا پھر بھی لوگ باطل پر ایمان لائیں گے؟[4] اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے؟ ○

اسے شفائے کاملہ حاصل ہوگئی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5716، وصحيح مسلم، حديث: 91-(2217))

1 جب انسان طبعی عمر سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر اس کا حافظہ بھی کمزور ہو جاتا اور بعض دفعہ عقل بھی ماؤف اور وہ نادان بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہی ارذل العمر ہے جس سے نبی ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے۔

2 یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اتنا مال اور اسباب دنیا نہیں دیتے کہ وہ تمھارے برابر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کب یہ پسند کرے گا کہ تم کچھ لوگوں کو جو اللہ ہی کے بندے اور غلام ہیں، اللہ کا شریک اور اس کے برابر قرار دے دو، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشی لحاظ سے انسانوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری نظام کے مطابق ہے۔ اسے جبری قوانین کے ذریعے سے ختم نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے، یعنی معاشی مساوات کی غیر فطری کوشش کے بجائے ہر کسی کو معاشی میدان میں کسب معاش کے لیے مساوی طور پر دوڑ دھوپ کے مواقع میسر ہونے چاہئیں۔

3 کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز نکالتے ہیں اور یوں کفران نعمت کرتے ہیں۔

4 یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان انعامات کا تذکرہ کر کے جو آیت میں مذکور ہیں، سوال کر رہا ہے کہ سب کچھ دینے والا تو اللہ ہے لیکن یہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں کا ہی کہنا مانتے ہیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿73﴾

اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے انھیں کچھ بھی تو روزی نہیں دے سکتے اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں ○ [1]

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں مت بناؤ، [2] اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾

اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملکیت کا، جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک اور شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول روزی دے رکھی ہے جس میں سے وہ چھپے کھلے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟ [3] اللہ ہی کے لیے سب تعریف ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ○

---

1 یعنی اللہ کو چھوڑ کر عبادت بھی ایسے لوگوں کی کرتے ہیں جن کے پاس کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔

2 جس طرح مشرکین مثالیں دیتے ہیں کہ بادشاہ سے ملنا ہو یا اس سے کوئی کام ہو تو کوئی براہ راست بادشاہ سے نہیں مل سکتا، اسے پہلے بادشاہ کے مقربین سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر بادشاہ تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کی ذات بھی بہت اعلیٰ اور اونچی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ہم ان معبودوں کو ذریعہ بناتے ہیں یا بزرگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اللہ کو اپنے پر قیاس مت کرو نہ اس قسم کی مثالیں دو، اس لیے کہ وہ تو واحد ہے، اس کی کوئی مثال ہی نہیں ہے، پھر بادشاہ نہ تو عالم الغیب ہے، نہ حاضر و ناظر، نہ سمیع و بصیر کہ وہ بغیر کسی ذریعے کے رعایا کے حالات وضروریات سے آگاہ ہو جائے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر چیز کا علم رکھتا ہے، رات کی تاریکیوں میں ہونے والے کاموں کو بھی دیکھتا ہے اور ہر ایک کی فریاد سننے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایک انسانی بادشاہ اور حاکم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تقابل اور موازنہ؟

3 یہ غلام اور آزاد کی مثال ہے کہ پہلا شخص غلام اور دوسرا آزاد ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو جب یہ دونوں مخلوق ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمھارے معبودان باطلہ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور تمھارے معبودان باطلہ مخلوق۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے۔ پہلا کافر اور دوسرا مومن ہے۔ یہ برابر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ أَصنام (مَعْبُودَانِ بَاطِلَه) اور عابد الصنم کی مثال ہے، پہلے سے مراد اصنام اور دوسرے سے عابد الصنم ہے۔ (فتح القدیر)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ
اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ
عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ
بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ
ع 10 6 16 بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (76) ع
وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ
اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ
اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (77)
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ

اللہ دو شخصوں کی ایک مثال بیان فرماتا ہے [1] جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے کہیں بھی اسے بھیجے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے [2] اور ہے بھی سیدھی راہ پر برابر ہو سکتے ہیں؟ ○

آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ [3] اور قیامت کا امر تو ایسا ہی ہے، جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ [4]

اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، [5] اسی نے تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے [6] کہ تم شکر گزاری

---

1 یہ ایک اور مثال ہے جس میں مزید وضاحت ہے۔

2 اور کام کرنے پر قادر ہے کیونکہ ہر بات بولتا اور سمجھتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر، یعنی دین قویم اور سیرت صالحہ پر، یعنی افراط وتفریط سے پاک۔ جس طرح یہ دونوں اشخاص برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور وہ چیزیں جن کو لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، برابر نہیں ہو سکتے۔

3 یعنی آسمان وزمین میں جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں اور وہ بے شمار ہیں، ان کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں یا آسمان وزمین کے غیب سے مراد قیامت کا علم ہے کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس لیے عبادت کے لائق بھی صرف ایک اللہ ہے نہ کہ وہ اصنام یا زندہ وفوت شدہ اشخاص جن کو کسی چیز کا علم نہیں، نہ وہ کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر ہی قادر ہیں۔

4 یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ یہ وسیع وعریض کائنات اس کے حکم سے پلک جھپکنے میں بلکہ اس سے بھی کم لمحے میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ بات بطور مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے کیونکہ اس کی قدرت غیر متناہی ہے جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے، اس کے ایک لفظ کُنْ سے وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تو یہ قیامت بھی اس کے کُنْ (ہو جا) کہنے سے برپا ہو جائے گی۔

5 ﴿شَیْـًٔا﴾ سیاقِ نفی میں واقع نکرہ ہے جس سے تعمیم مستفاد ہے، یعنی تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، نہ سعادت و شقاوت کو، نہ فائدے اور نقصان کو۔

6 تا کہ کانوں کے ذریعے سے تم آوازیں سنو، آنکھوں کے ذریعے سے چیزوں کو دیکھو اور دل، یعنی عقل (کیونکہ

تَشۡكُرُوۡنَ ﴿78﴾
اَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿79﴾

کرو ○ [1]
کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہوکر فضا میں ہیں جنھیں بجز اللہ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں، [2] بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں ○

عقل کا مرکز دل ہے) دی جس سے چیزوں کے درمیان تمیز کرسکو اور نفع ونقصان پہچان سکو، جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے، ان قویٰ وحواس میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ جب انسان شعور اور بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کی یہ صلاحیتیں بھی قوی ہوجاتی ہیں حتیٰ کہ پھر کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔

1 یعنی یہ صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا کی ہیں کہ انسان ان اعضاء وجوارح کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے۔ ان سے اللہ کی عبادت واطاعت کرے۔ یہی اللہ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل کے ذریعے سے بھی وہ میرا زیادہ قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث:6502)

اس حدیث کا بعض لوگ غلط مفہوم لے کر اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات کا حامل باور کراتے ہیں یا حلول کا کفریہ عقیدہ اختیار کرتے ہیں، حالانکہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی اطاعت وعبادت اللہ کے لیے خالص کرلیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور اپنی آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے، جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے۔ وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اگر اطاعت الٰہی سے وہ خدائی اختیارات کا حامل ہوجاتا یا حلول ہوتا تو پھر اسے اللہ سے سوال کرنے کی اور اس سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ جبکہ اس حدیث میں کہا جا رہا ہے کہ میں اس کا سوال سنتا اور اسے پناہ دیتا ہوں، یعنی وہ سوال بھی اللہ ہی سے کرتا ہے اور پناہ بھی اسی سے ہی مانگتا ہے، یعنی مانگنے والا محتاج اور الگ ہے اور جس سے مانگ رہا ہے وہ اللہ کی ذات اعلیٰ برتر وبالا اور الگ ہے۔

2 یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پرندوں کو اس طرح اڑنے کی اور ہواؤں کو انھیں اپنے دوش پر اٹھائے رکھنے کی طاقت بخشی۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿80﴾

اور اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھروں میں سکونت کی جگہ بنادی ہے اور اسی نے تمھارے لیے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنادیے ہیں جنھیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو، اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن بھی [1] اور ان کی اون اور پشم اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدے کی چیزیں بنائیں ○ [2]

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿81﴾

اللہ ہی نے تمھارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے سائے بنائے ہیں [3] اور اسی نے تمھارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں اور اسی نے تمھارے لیے کُرتے بنائے ہیں جو تمھیں گرمی سے بچائیں اور ایسے کُرتے بھی جو تمھیں لڑائی کے وقت کام آئیں۔ [4] وہ اسی طرح اپنی پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے کہ تم حکم بردار بن جاؤ ○

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿82﴾

پھر بھی اگر یہ منہ موڑے رہیں تو آپ پر صرف کھول کر تبلیغ کردینا ہی ہے ○

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿83﴾ ع 11/7/17

یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے منکر ہورہے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں ○ [5]

---

1 یعنی چمڑے کے خیمے جنھیں تم سفر میں آسانی کے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو اور جہاں ضرورت پڑتی ہے اسے تان کر موسم کی شدتوں سے اپنے کو محفوظ کرلیتے ہو۔

2 أَصْوَاف، صُوفٌ کی جمع۔ بھیڑ کی اون۔ أَوْبَار، وَبَرٌ کی جمع، اونٹ کے بال أَشْعَار، شَعْرٌ کی جمع۔ بکری کے بال۔ ان سے کئی قسم کی چیزیں تیار ہوتی ہیں جن سے انسان کو مال بھی حاصل ہوتا ہے اور ان سے ایک وقت تک فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔

3 یعنی درخت جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

4 یعنی اون اور روئی کے کُرتے جو عام پہننے میں آتے ہیں اور لوہے کی زرہیں اور خود جو جنگوں میں پہنی جاتی ہیں۔

5 یعنی اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں پیدا کرنے والا اور ان کو استعمال میں لانے کی صلاحیتیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر بھی اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ناشکری کرتے ہیں، یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿84﴾

اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے [1] پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کرنے کا کہا جائے گا ○

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿85﴾

اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں گے پھر نہ تو ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ ڈھیل دیے جائیں گے ○ [2]

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿86﴾

اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنھیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، پس وہ انھیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو ○ [3]

الثلثة

1 یعنی ہر امت پر اس امت کا پیغمبر گواہی دے گا کہ انھیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے: (آیت:89 اور سورۂ نساء 41:4 کا حاشیہ) ان کافروں کو عذر پیش کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر یا حجت ہوگی ہی نہیں۔ نہ ان سے کفر سے رجوع کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ اس کی ضرورت بھی اس وقت پیش آتی ہے جب کسی کو گنجائش دینا مقصود ہو اور اب اس کا وقت نہیں یا معنی یہ کہ ان سے عتاب دور نہیں کیا جائے گا۔ ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ○﴾ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ انھیں اپنے رب کو راضی کرنے کا نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ موقع تو ان کو دنیا میں دیا جا چکا ہے جو دارالعمل ہے۔ آخرت تو دارالعمل نہیں، وہ تو دارالجزا ہے، وہاں تو اس چیز کا بدلہ ملے گا جو انسان دنیا سے کر کے گیا ہوگا، وہاں کچھ کرنے کا موقع کسی کو نہیں ملے گا۔

2 ہلکا نہ کرنے کا مطلب، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا، عذاب اور مسلسل بلا توقف عذاب ہوگا۔ اور نہ ڈھیل ہی دیے جائیں گے، یعنی ان کو فوراً لگاموں سے پکڑ کر اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا کیونکہ آخرت عمل کی جگہ نہیں، جزا کا مقام ہے۔

3 معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والے اپنے اس دعوے میں جھوٹے تو نہیں ہوں گے لیکن وہ شرکاء جن کو یہ اللہ کا شریک گردانتے تھے، کہیں گے: یہ جھوٹے ہیں۔ یہ یا تو شرکت کی نفی ہے، یعنی ہمیں اللہ کا شریک ٹھہرانے میں یہ جھوٹے ہیں، بھلا اللہ کا شریک کون ہو سکتا ہے؟ یا اس لیے انھیں جھوٹا قرار دیں گے کہ وہ ان کی عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ جس طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ اس بات کو بیان فرمایا ہے، مثلاً: ﴿فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○﴾ (یونس 29:10) ”ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے۔“ (مزید دیکھیے: الأحقاف 46 : 6,5، مریم 82,81:19،

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿87﴾

اس دن وہ سب اللہ کے سامنے اطاعت کا اقرار پیش کریں گے اور جو بہتان بازی کیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائے گی ○

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿88﴾

جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انھیں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے،[1] یہ بدلہ ہوگا ان کی فتنہ پردازیوں کا ○

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿89﴾ ع

ع 12 6 18

اور جس دن ہم ہر امت میں انھی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے[2] اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے،[3] اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے ○

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ

بے شک اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رقرابت داروں کو امداد دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے

العنکبوت 25:29، الکهف 52:18 وغیرها من الآیات.) ایک یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے تمھیں اپنی عبادت کرنے کے لیے کبھی نہیں کہا تھا، اس لیے تم ہی جھوٹے ہو۔ یہ شرکاء اگر حجر و شجر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں قوت گویائی عطا فرمائے گا، جنات و شیاطین ہوں گے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے اور اگر اللہ کے نیک بندے ہوں گے جس طرح کہ متعدد صلحاء و اتقیاء اور اولیاء اللہ کو لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح کسی معبود کی خوف و رجا کے جذبات کے ساتھ کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو میدان محشر میں ہی بری فرما دے گا اور ان کی عبادت کرنے والوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا سوال اور ان کا جواب سورۂ مائدہ کے آخر میں مذکور ہے۔

1 جس طرح جنت میں اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے، اسی طرح جہنم میں کفار کے عذاب میں تفاوت ہو گا جو گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ہوں گے، ان کا عذاب دوسروں کی نسبت شدید تر ہوگا۔

2 یعنی ہر نبی اپنی امت پر گواہی دے گا اور نبی ﷺ اور آپ کی امت اجابت کے لوگ انبیاء کی بابت گواہی دیں گے کہ یہ سچے ہیں، انھوں نے یقیناً تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4487، 4582)

3 ﴿الْكِتٰبَ﴾ سے مراد اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی تشریحات (احادیث) ہیں۔ اپنی احادیث کو بھی اللہ کے رسول ﷺ نے ''کتاب اللہ'' قرار دیا ہے جیسا کہ قصۂ عسیف وغیرہ میں ہے (ملاحظہ ہو صحیح البخاري،

الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿90﴾

کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے،[1] وہ خود تمھیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو ○

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول و قرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو، حالانکہ تم

حدیث:6859) اور ہر چیز کے لیے تبیان، یعنی بیان ہے کا مطلب ہے، ماضی اور مستقبل کی وہ خبریں جن کا علم ضروری اور مفید ہے۔ اسی طرح حرام و حلال کی تفصیلات اور وہ باتیں جن کے دین و دنیا اور معاش و معاد کے معاملات میں انسان محتاج ہیں۔ قرآن و حدیث دونوں میں یہ سب چیزیں واضح کر دی گئی ہیں۔

1 عدل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں، یعنی اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں، یعنی کسی معاملے میں بھی افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی کیونکہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو ہے جو سخت مذموم ہے اور تفریط، دین میں کوتاہی ہے یہ بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ اِحْسَان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تَفَضُّل کے ہیں، یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا، مثلاً: کسی کام کی مزدوری سو روپے طے ہے لیکن دیتے وقت 20,10 روپے زیادہ دے دینا، طے شدہ سو روپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے۔ مزید 20,10 روپے یہ احسان ہے۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوش گواری اور اپنائیت و فدائیت کے جذبات نشو و نما پاتے ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام، عمل واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قرب خصوصی حاصل ہوتا ہے۔ احسان کے ایک تیسرے معنی اخلاص عمل اور حسن عبادت ہے جس کو حدیث میں «أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ» ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ رشتے داروں کا حق ادا کرنا، یعنی ان کی امداد کرنا اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے اور احادیث میں اس کی نہایت تاکید بیان کی گئی ہے۔ عدل و احسان کے بعد اس کا الگ سے ذکر، یہ بھی صلہ رحمی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔ ﴿الْفَحْشَآءِ﴾ سے مراد بے حیائی کے کام ہیں۔ آج کل بے حیائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی اور آرٹ قرار پا گیا ہے یا ''تفریح'' کے نام پر اس کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے، تاہم محض خوشنما لیبل لگا لینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی، اسی طرح شریعت اسلامیہ نے زنا اور اس کے مقدمات کو، رقص و سرود، بے پردگی اور فیشن پرستی کو اور مرد و زن کے بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت اور دیگر اس قسم کی خرافات کو بے حیائی ہی قرار دیا ہے، ان کا کتنا بھی اچھا نام رکھ لیا جائے، مغرب سے درآمد شدہ یہ خباثتیں جائز قرار نہیں پا سکتیں۔ ﴿الْمُنْكَرِ﴾ ہر وہ کام ہے جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اور ﴿الْبَغْيِ﴾ کا مطلب ظلم و زیادتی کا ارتکاب۔ ایک حدیث میں

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿91﴾

اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو، [1] تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے ○

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿92﴾

اور اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا، [2] کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ، [3] اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہوجائے۔ [4] بات صرف یہی ہے کہ اس عہد سے اللہ تمھیں آزما رہا ہے۔ یقیناً اللہ تمھارے لیے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کردے گا جس میں تم اختلاف کررہے تھے ○

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ

اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی گروہ بنادیتا لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، یقیناً

بتلایا گیا ہے کہ قطع رحمی اور ﴿ الْبَغْيِ ﴾ یہ دونوں جرم اللہ کو اتنے ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجه، حديث:4211)

1 قسم، ایک تو وہ ہے جو کسی عہد و پیمان کے وقت اسے مزید پختہ کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو انسان اپنے طور پر کسی وقت کھالیتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ یہاں آیت میں اول الذکر قسم مراد ہے کہ تم نے قسم کھا کر اللہ کو ضامن بنالیا ہے۔ اب اسے نہیں توڑنا بلکہ اس عہد و پیمان کو پورا کرنا ہے جس پر تم نے قسم کھائی ہے کیونکہ ثانی الذکر قسم کی بابت تو حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ ''کوئی شخص کسی کام کی بابت قسم کھالے، پھر وہ دیکھے کہ زیادہ خیر دوسری چیز میں ہے (قسم کے خلاف کرنے میں ہے) تو وہ بہتری والے کام کو اختیار کرے اور قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔'' (صحيح مسلم، حديث:1650) نبی ﷺ کا عمل بھی یہی تھا۔ (صحيح البخاري، حديث:6649، و صحيح مسلم، حديث7-(1649))

2 یعنی مؤکد بہ حلف عہد کو توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عورت سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ تمثیل ہے۔

3 یعنی دھوکا اور فریب دینے کا ذریعہ بناؤ۔

4 ﴿ اَرْبٰى ﴾ کے معنی اکثر کے ہیں، یعنی جب تم دیکھو کہ اب تم زیادہ ہوگئے ہو تو اپنے زعم کثرت میں حلف توڑ دو، جبکہ قسم اور معاہدے کے وقت وہ گروہ کمزور تھا لیکن کمزوری کے باوجود وہ مطمئن تھا کہ معاہدے کی وجہ سے ہمیں نقصان

يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسۡـَٔلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿93﴾

تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں باز پرس کی جانے والی ہے ○

وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا وَتَذُوۡقُوا السُّوۡٓءَ بِمَا صَدَدۡتُّمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ۚ وَلَكُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿94﴾

اور تم اپنی قسموں کو آپس کی دغابازی کا بہانہ نہ بناؤ۔ پھر تو تمھارے قدم اپنی مضبوطی کے بعد ڈگمگا جائیں گے اور تمھیں سخت سزا برداشت کرنا پڑے گی کیونکہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمھیں بڑا سخت عذاب ہوگا ○ [1]

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اِنَّمَا عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿95﴾

تم اللہ کے عہد کو تھوڑے مول کے بدلے نہ بیچ دیا کرو۔ یاد رکھو اللہ کے پاس کی چیز ہی تمھارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم میں علم ہو ○

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجۡزِيَنَّ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿96﴾

تمھارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے باقی ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو ہم بھلے اعمال کا بہترین بدلہ ضرور عطا فرمائیں گے ○

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً‌ ۚ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿97﴾

جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ [2] اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انھیں ضرور ضرور دیں گے ○

نہیں پہنچایا جائے گا۔ لیکن تم غدر اور نقض عہد کر کے نقصان پہنچاؤ۔ زمانۂ جاہلیت میں اخلاقی پستی کی وجہ سے اس قسم کی عہد شکنی عام تھی، مسلمانوں کو اس اخلاقی پستی سے روکا گیا ہے۔

1 مسلمانوں کو دوبارہ مذکورہ عہد شکنی سے روکا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری اس اخلاقی پستی سے کسی کے قدم ڈگمگا جائیں اور کافر تمھارا یہ رویہ دیکھ کر قبول اسلام سے رک جائیں اور یوں تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے مجرم اور سزا کے مستحق بن جاؤ۔ بعض مفسرین نے أَيْمَانٌ، يَمِينٌ (بمعنی قسم) کی جمع سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت مراد لی ہے، یعنی نبی کی بیعت توڑ کر پھر مرتد نہ ہو جانا، تمھارے ارتداد کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی قبول اسلام سے رک جائیں گے اور یوں تم دگنے عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ (فتح القدیر)

2 ﴿حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (بہتر زندگی) سے مراد دنیا کی زندگی ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک مومن جب عمل صالح اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں پاکیزہ زندگی

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ
الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿98﴾

قرآن پڑھنے کے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو ○ [1]

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿99﴾

ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا ○

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ
ع 13 11 19 وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿100﴾ ع

ہاں اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں ○

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾

اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نازل فرماتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تو تو بہتان باز ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں ○ [2]

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ
بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

کہہ دیجیے کہ اسے آپ کے رب کی طرف سے جبرائیل حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں [3] تاکہ ایمان والوں کو

عطا فرما دیتا ہے، پاک زندگی میں حلال روزی، قناعت، سچی عزت، سکون واطمینان، دل کی تونگری، اللہ کی محبت اور لذت سبھی چیزیں شامل ہیں، یعنی ایمان اور عمل صالح سے اخروی زندگی ہی نہیں بلکہ دینوی زندگی بھی نہایت سکھ اور چین سے گزرے گی جو ایک کافر و نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی بلکہ وہ ایک گونہ قلق و اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ (طٰہٰ 20:124)
”جس نے میری یاد سے اعراض کیا، اس کا گزران تنگی والا ہوگا۔“

1 خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب ساری امت ہے، یعنی تلاوت کے آغاز میں أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ پڑھا جائے۔

2 یعنی ایک حکم منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتے ہیں جس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کے مطابق وہ احکام میں ردوبدل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ یہ کلام اے محمد! تیرا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اکثر لوگ بے علم ہیں، اس لیے یہ نسخ کی حکمتیں اور مصلحتیں کیا جانیں۔ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۂ بقرہ 2:106 کا حاشیہ)

3 یعنی یہ قرآن محمد ﷺ کا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے جبریل علیہ السلام جیسے پاکیزہ شخص نے سچائی کے ساتھ رب کی طرف سے اتارا ہے، جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ (الشعرآء 26:193،194)

وَّ بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

اللہ استقامت عطا فرمائے [1] اور مسلمانوں کے لیے تو یہ ہدایت اور بشارت ہے ○ [2]

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اسے تو ایک آدمی سکھاتا ہے، [3] اس کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے ○ [4]

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے انھیں اللہ کی طرف سے بھی راہنمائی نہیں ہوتی اور ان کے لیے المناک عذاب ہیں ○

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جھوٹ افترا تو وہی باندھتے ہیں جنھیں اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا۔ یہی لوگ جھوٹے ہیں ○ [5]

''اسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) تیرے دل پر لے کر اترا ہے۔''

1 اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناسخ اور منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں۔ علاوہ ازیں نسخ کے مصالح بھی جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثبات قدمی اور ایمان میں رسوخ پیدا ہوتا ہے۔

2 اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے کیونکہ قرآن بھی بارش کی طرح ہے جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خاروخس کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ مومن کا دل طاہر اور شفاف ہے جو قرآن کی برکت سے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کا دل زمین شور کی طرح ہے جو کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے، جہاں قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔

3 بعض غلام تھے جو تورات و انجیل سے واقف تھے، پہلے وہ عیسائی یا یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے ان کی زبان بھی غیر فصیح تھی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فلاں غلام، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرآن سکھاتا ہے۔

4 اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ جس آدمی یا آدمیوں کا نام لیتے ہیں وہ تو عربی زبان بھی فصاحت کے ساتھ نہیں بول سکتے جبکہ قرآن تو ایسی صاف عربی زبان میں ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز بیان میں بے نظیر ہے اور چیلنج کے باوجود اس کی مثل ایک سورت بھی بنا کر پیش نہیں کی جا سکتی، دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عرب اس شخص کو عجمی (گونگا) کہتے ہیں جو فصیح و بلیغ زبان بولنے سے قاصر ہو اور غیر عربی کو بھی عجمی کہا جاتا ہے کہ عجمی زبانیں بھی فصاحت و بلاغت میں عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

5 اور ہمارا پیغمبر تو ایمانداروں کا سردار اور ان کا قائد ہے، وہ کس طرح اللہ پر افترا باندھ سکتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿106﴾

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو [1] مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انھی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○ [2]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿107﴾

یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ کافر لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا ○ [3]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿108﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں ○ [4]

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿109﴾

کچھ شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ○

طرف سے اس پر نازل نہ ہوئی ہو اور وہ یوں ہی کہہ دے کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، اس لیے جھوٹا ہمارا پیغمبر نہیں، یہ خود جھوٹے ہیں جو قرآن کے مُنَزَّل من اللہ ہونے کے منکر ہیں۔

1 اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کر لے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر لاگو ہوں گے۔ قاله القرطبي (فتح القدير)

2 یہ ارتداد کی سزا ہے کہ وہ غضب الٰہی اور عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے اور اس کی دنیوی سزا قتل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ بقرہ 2:217 و 256 کا حاشیہ)

3 یہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے (مرتد ہو جانے) کی علت ہے کہ انھیں ایک تو دنیا محبوب ہے۔ دوسرے، اللہ کے ہاں یہ ہدایت کے قابل ہی نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی ان کا دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کو فراموش کر دینا ہی ہے۔ انسان جب اللہ کو فراموش کر دیتا ہے تو پھر سرتاپا گناہوں میں ڈوب جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بطور سزا کے ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جس کے بعد ہدایت کا راستہ اس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔ یہ دراصل انسان کے اپنے ہی عمل کا نتیجہ ہے۔

4 پس یہ وعظ ونصیحت کی باتیں سنتے ہیں نہ انھیں سمجھتے ہیں اور نہ وہ نشانیاں ہی دیکھتے ہیں جو انھیں حق کی طرف لے جانے والی ہیں بلکہ یہ ایسی غفلت میں مبتلا ہیں جس نے ہدایت کے راستے ان کے لیے مسدود کر دیے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ
بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ
14 ع 10 20 اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿110﴾
يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ
نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿111﴾
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً
مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ
كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ
فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿112﴾

جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا بے شک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انھیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا ہے ○[1]
جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے لڑتا جھگڑتا آئے گا[2] اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا ○[3]
اللہ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن و اطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آ رہی تھی۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو ان کے کرتوتوں کا بدلہ تھا ○[4]

---

1 یہ مکے کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبول اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہے۔ بالآخر انھیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو اپنے خویش و اقارب، وطن مالوف اور مال و جائیداد سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی کا مرحلہ آیا تو مردانہ وار لڑے اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور پھر اس کی راہ کی شدتوں اور الم ناکیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لیے غفور ورحیم ہے، یعنی رب کی مغفرت ورحمت کے حصول کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی ضرورت ہے جیسا کہ مذکورہ مہاجرین نے ایمان وعمل کا عمدہ نمونہ پیش کیا تو رب کی رحمت ومغفرت سے وہ شادکام ہوئے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ

2 یعنی کوئی اور کسی کی حمایت میں آگے نہیں آئے گا نہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیوی نہ کوئی اور بلکہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ بھائی بھائی سے، بیٹے ماں باپ سے، خاوند بیوی سے بھاگے گا۔ ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی جو اسے دوسرے سے بے پروا کر دے گی۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ○﴾ (عبس 37:80)
''ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہوگا جو اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہوگا۔''

3 یعنی نیکی کے ثواب میں کمی کر دی جائے اور برائی کے بدلے میں زیادتی کر دی جائے، ایسا نہیں ہوگا، کسی پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہیں ہوگا۔ برائی کا اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا کسی برائی کا ہوگا، البتہ نیکی کی جزا اللہ تعالیٰ خوب بڑھا چڑھا کر دے گا اور یہ اس کے فضل وکرم کا مظاہرہ ہوگا جو قیامت والے دن اہل ایمان کے لیے ہوگا۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

4 اکثر مفسرین نے اس قریہ (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے، یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿113﴾

ان کے پاس انھی میں سے رسول پہنچا، پھر بھی انھوں نے اسے جھٹلایا، پس انھیں عذاب نے آ دبوچا[1] اور وہ تھے ہی ظالم ○

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿114﴾

جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمھیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ○[2]

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿115﴾

تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے حرام ہیں،[3] پھر اگر کوئی شخص بے بس کر دیا جائے نہ وہ خواہشمند ہو اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ○

وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لیے بددعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ سَبْعًا كَسَبْعِ يُوسُفَ» (صحيح البخاري، حديث:1007، و صحيح مسلم، حديث:2798) یعنی اے اللہ! ان پر اس طرح قحط سالی مسلط کر دے جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے کے امن کو خوف سے اور خوش حالی کو بھوک سے بدل دیا حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں اور درختوں کے پتے کھا کر انھیں گزارہ کرنا پڑا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کفران نعمت کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہو گا، وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں۔ اس کے اس عموم سے جمہور مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے، گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے۔ وَالْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ.

1 اس عذاب سے مراد وہی خوف اور بھوک کا عذاب ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے یا اس سے مراد کافروں کا وہ قتل ہے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔

2 اس کا مطلب یہ ہوا کہ حلال و طیب چیزوں سے تجاوز کر کے حرام اور خبیث چیزوں کا استعمال اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔ اسی طرح ناجائز کاروبار اور حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنا بھی کفران نعمت ہے۔ علاوہ ازیں اللہ پر عدم اعتماد اور عدم توکل کی علامت ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا.

3 ان محرمات کا ذکر تین مرتبہ (البقرة 2:173، المآئدة 5:3، الأنعام 6:145 میں) پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہ چوتھا مقام ہے جہاں اللہ نے اسے پھر بیان فرمایا ہے۔ اس میں لفظ ﴿اِنَّمَا﴾ حصر کے لیے ہے لیکن یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ | کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ

اضافی ہے، یعنی مخاطبین کے عقیدے اور خیال کو سامنے رکھتے ہوئے حصر لایا گیا ہے۔ ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں، البتہ ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ان میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔ اس کی ضروری تشریح گزشتہ مقامات پر کی جا چکی ہے، تاہم اس میں ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے) جو چوتھی قسم ہے۔ اس کے مفہوم میں تاویلات رکیکہ اور توجیہات بعیدہ سے کام لے کر شرک کے لیے چور دروازہ تلاش کیا جاتا ہے، اس لیے اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔

جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لیے اسے ذبح کیا جائے اور ذبح کرتے وقت نام بھی اسی بت یا بزرگ کا لیا جائے، بزعم خویش جس کو راضی کرنا مقصود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کا نام لے کر ہی کیا جائے جس طرح کہ قبر پرستوں میں یہ سلسلہ عام ہے۔ وہ جانوروں کو بزرگوں کے لیے نامزد تو کرتے ہیں، مثلاً: یہ بکرا فلاں پیر کا ہے، یہ گائے فلاں پیر کی ہے، یہ جانور گیارہویں کے لیے، یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کو وہ بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں بلکہ جائز ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ہے اور یوں شرک کا راستہ کھول دیا گیا ہے، حالانکہ فقہاء نے اس دوسری صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ بھی ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ میں داخل ہے، چنانچہ حاشیۂ بیضاوی میں ہے: "ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے، حرام ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے، اس لیے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اگر غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔" اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے "کسی حاکم اور اسی طرح کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تعظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا، اس لیے کہ وہ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہے اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو اور علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے۔" (كتاب الذبائح طبع قديم:1277ھ، ص:277 و فتاوٰی شامي:203/5 مطبع ميمنيه مصر) البتہ بعض فقہاء اس دوسری صورت کو مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مدلول اور اس میں داخل نہیں سمجھتے، البتہ اشتراک علت (تقرب لغیر اللہ) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں۔ گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف استدلال واحتجاج کے طریقے میں اختلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہ دوسری صورت ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (جو بتوں کے پاس یا تھانوں پر ذبح کیے جائیں) میں بھی داخل ہے جسے سورۃ المائدہ میں محرمات میں

لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿116﴾

لو، [1] سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں ○

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿117﴾

انھیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لیے ہی دردناک عذاب ہے ○

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿118﴾

اور یہودیوں پر جو کچھ ہم نے حرام کیا تھا اسے ہم پہلے ہی سے آپ کو سنا چکے ہیں، [2] ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ
15 ع 9 21 بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿119﴾

جو لوگ جہالت سے برے عمل کر لیں، پھر توبہ کر لیں اور اصلاح بھی کر لیں تو پھر آپ کا رب بلاشک وشبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے ○

ذکر کیا گیا ہے اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آستانوں، درباروں اور تھانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں، اس لیے کہ وہاں ذبح کرنے کا یا وہاں لے جا کر تقسیم کرنے کا مقصد تقرب لغیر اللہ (اللہ کے سوا دوسروں کی رضا اور تقرب حاصل کرنا) ہی ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ ''ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا نہیں، پھر آپ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی تو آپ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔'' (سنن أبي داود، حديث:3313) اس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے ہٹائے جانے کے بعد بھی غیر آباد آستانوں پر جا کر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ ان آستانوں اور درباروں پر جا کر ذبح کیے جائیں جو پرستش اور نذرونیاز کے لیے مرجع عوام ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

1 یہ اشارہ ہے ان جانوروں کی طرف جو وہ بتوں کے نام وقف کر کے ان کو اپنے لیے حرام کر لیتے تھے، جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ۔ (دیکھیے: المآئدة 103:5 اور الأنعام 6:139-141 کے حواشی)

2 دیکھیے: سورۂ انعام 146:6 کا حاشیہ، نیز سورۂ نساء 160:4 میں بھی اس کا ذکر ہے۔

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

بے شک ابراہیم پیشوا[1] اور اللہ کے فرمانبردار اور یک طرفہ مخلص تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ○

شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰٮهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۲۱﴾

اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انھیں اپنا برگزیدہ کر لیا تھا اور انھیں راہِ راست سجھا دی تھی ○

وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ؕ﴿۱۲۲﴾

ہم نے اسے دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور بے شک وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں ہیں ○

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾

پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں[2] جو مشرکوں میں سے نہ تھے ○

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَى الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

ہفتے کے دن کی عظمت تو صرف ان لوگوں کے ذمے ہی ضروری کی گئی تھی جنھوں نے اس میں اختلاف کیا تھا،[3] بات یہ ہے کہ آپ کا پروردگار خود ہی ان میں ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا ○

---

1 ﴿اُمَّةً﴾ کے معنی پیشوا اور قائد کے بھی ہیں جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے اور امت بمعنی امت بھی ہے، اس اعتبار سے ابراہیم علیہ السلام کا وجود ایک امت کے برابر تھا۔ (امت کے معانی کے لیے سورۂ ہود 11:8 کا حاشیہ دیکھیے)

2 ﴿مِلَّةَ﴾ کے معنی ہیں: ایسا دین جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ باوجود اس بات کے کہ آپ تمام انبیاء سمیت اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جس سے ابراہیم کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے اصول میں تمام انبیاء کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی ہے جس میں رسالت کے ساتھ توحید و معاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

3 اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا تھا لیکن بنی اسرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتے کا دن تعظیم و عبادت کے لیے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! انھوں نے جو دن پسند کیا ہے، وہی دن ان کے لیے رہنے دو۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ تعظیم کے لیے ہفتے میں کوئی ایک دن متعین کر لو۔ جس کی تعیین میں ان کے درمیان اختلاف ہوا، پس یہود نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہفتے کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔ اور جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے اتوار کا دن یہودیوں کی مخالفت کے جذبے

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿125﴾

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے،[1] یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے ○[2]

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿126﴾

اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمھیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کرلو تو بیشک صابروں کے لیے یہی بہتر ہے ○[3]

سے اپنے لیے مقرر کیا تھا، اسی طرح عبادت کے لیے انھوں نے اپنے کو یہودیوں سے الگ رکھنے کے لیے صخرہ بیت المقدس کی شرقی جانب کو بطور قبلہ اختیار کیا۔ جمعے کا دن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیے جانے کا ذکر حدیث میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، حديث: 876، و صحيح مسلم ، حديث: 20-(855))

1 اس میں تبلیغ و دعوت کے اصول بیان کیے گئے ہیں جو حکمت، موعظۂ حسنہ اور رفق و ملائمت پر مبنی ہیں۔ حکمت سے مراد قرآن و حدیث ہیں کیونکہ یہ اللہ کی نازل کردہ باتیں ہیں، ان سے زیادہ پر حکمت بات اور کوئی نہیں ہو سکتی گویا دعوت کی اصل بنیاد صرف اور صرف قرآن و حدیث ہونی چاہیے نہ کہ اقوال الرجال یا فلسفیانہ اصول و استدلالات۔ موعظۂ حسنہ سے مراد وہ زجر و توبیخ اور تہدید و وعید ہے جو قرآن کریم میں اللہ کے نافرمانوں کے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ قصص و واقعات ہیں جو تکذیب کا راستہ اختیار کرنے والی قوموں سے متعلق ہیں تاکہ لوگ انھیں سن کر عبرت پکڑیں اور اس برے انجام سے بچنے کی سعی کریں جن سے پچھلی قومیں صرف اللہ کے دین سے اعراض کرنے کی وجہ سے دوچار ہوئیں۔ جدال بالاحسن (اچھے طریقے سے جدال) کا مطلب ہے کہ بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو عام حالات میں یہ کام نرمی اور پیار محبت سے کیا جائے جس میں سب و شتم اور طعن و تشنیع نہ ہو، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (العنکبوت 46:29) ''اہل کتاب سے بحث و مناظرہ اچھے انداز سے کرو۔'' یعنی لہجے میں تلخی اور تندی ہو نہ بدتمیزی و ناشائستگی۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے بھی اللہ نے ان کو نرمی کے ساتھ گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی تھی ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○﴾ (طٰہٰ 44:20) ''تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔''

2 اس لیے مذکورہ اصولوں کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی نیا طریقہ اختیار کرنے کی، اسی طرح تبلیغ و دعوت کے بعد زیادہ فکرمندی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہدایت کے راستے پر چلا دینے کا کام صرف اللہ کا ہے، یہ کسی داعی یا پیغمبر کے اختیار میں نہیں۔

3 اس میں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو ورنہ یہ خود ظالم ہو جائے گا، تاہم معاف کر دینے اور

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿127﴾

آپ صبر کریں بغیر توفیقِ الٰہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو مکروفریب یہ کرتے رہتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں ○[1]

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿128﴾ ع

16
9
22

یقین مانو کہ اللہ پرہیز گاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے ○

صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔

1 اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تیرا حامی و ناصر ہے، وہ تجھے ان کے شر کے مقابلے میں کافی ہے اور وہی تجھے ان پر غالب کرنے والا اور کامیابی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ ﴿ضَيْقٍ﴾ (بالفتح) اور ضِيق (بالکسر) دونوں طرح صحیح ہے۔ (أيسر التفاسير)

الجزء الخامس عشر (15) المنزل الرابع (4)

اٰیَاتُھَا: 111 (17) سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّۃٌ (50) رُکُوۡعَاتُھَا: 12

سورۂ بنی اسرائیل مکی 1 ہے،اس میں 111 آیات اور 12 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ

پاک ہے[2] وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات کے کچھ ہی حصے[3] میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ[4] تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے[5] رکھی ہے، اس لیے

1 یہ سورت مکی ہے۔ اسے سورۂ اسراء بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں نبی ﷺ کے اسرا (رات کو مسجد اقصیٰ لے جانے) کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ کہف، سورۂ مریم اور سورۂ بنی اسرائیل یہ عتاق اول میں سے ہیں اور میرے تلاد میں سے ہیں۔" (صحيح البخاري، حديث:4708) عِتَاق، عتیق (قدیم) کی جمع ہے اور تلاد تالد کی جمع ہے۔ تالد بھی قدیم مال کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورتیں ان قدیم سورتوں میں سے ہیں جو مکے میں اول اول نازل ہوئیں اور میری قدیم حفظ کردہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہر رات کو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسند أحمد:68/6 و122، وجامع الترمذي، حديث:3405، وصححه الألباني في الصحيحة:240/2، حديث:641)

2 ﴿سُبۡحٰنَ﴾ سَبَّحَ يُسَبِّحُ کا اسم مصدر ہے۔ معنی ہیں: أُنَزِّهُ اللّٰهَ تَنْزِيهًا یعنی "میں اللہ کی ہر نقص سے تنزیہ اور براءت بیان کرتا ہوں۔" عام طور پر اس کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو، اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ تو لفظ کُنۡ سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پابندیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔

3 ﴿اَسۡرٰی﴾ کے معنی ہوتے ہیں، رات کو لے جانا۔ آگے ﴿لَیۡلًا﴾ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رات کی قلت واضح ہو جائے، اسی لیے وہ نکرہ ہے اور اس میں تنوین تقلیل کے لیے ہے، یعنی رات کے ایک حصے یا تھوڑے سے حصے میں، یعنی چالیس راتوں کا یہ دور دراز کا سفر پوری رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔ یہ نبی ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔

4 ﴿الۡاَقۡصَا﴾ دور تر کو کہتے ہیں، یعنی مسجد بیت المقدس جو القدس یا ایلیا (قدیم نام) شہر میں ہے اور فلسطین میں واقع ہے۔ مکے سے القدس تک کی مسافت 40 دن کی ہے، اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ، یعنی دور تر مسجد کہا گیا ہے۔

5 یہ علاقہ قدرتی نہروں اور پھلوں کی کثرت اور انبیاء کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے۔

السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں ،[1] یقیناً اللہ ہی خوب سننے والا دیکھنے والا ہے ○

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ② ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ③

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنادیا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا ○ اے ان لوگوں کی اولاد! جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا، وہ ہمارا بڑا ہی شکرگزار بندہ تھا ○[2]

1 یہ اس سیر کا مقصد ہے تاکہ ہم اپنے اس بندے کو عجائبات اور آیات کبریٰ دکھائیں۔ جن میں سے ایک آیت اور معجزہ یہ سفر بھی ہے کہ اتنا لمبا سفررات کے ایک قلیل حصے میں ہوگیا۔ نبیٔ کریم ﷺ کو جو معراج ہوئی، یعنی آسمانوں پر لے جایا گیا، وہاں مختلف آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں اور سدرۃ المنتہی پر، جو عرش سے نیچے ساتویں آسمان پر ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے نماز اور دیگر چیزیں عطا کیں۔ جس کی تفصیلات صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں اور صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک امت کے تمام علماء وفقہاء اس بات کے قائل چلے آرہے ہیں کہ یہ معراج بجسدہ العنصري، حالت بیداری میں ہوئی ہے۔ یہ خواب یا روحانی سیر اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ حالت بیداری کا مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسرا کہلاتا ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے، یہاں پہنچنے کے بعد نبی ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے معراج کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ سورۂ نجم میں کیا گیا ہے اور باقی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر اس پورے سفر کو ''معراج'' سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج، سیڑھی کو کہتے ہیں۔ یہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ: «عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ» ''مجھے آسمان پر لے جایا یا چڑھایا گیا'' سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس سفر کا یہ دوسرا حصہ پہلے سے بھی زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے، اس لیے معراج کا لفظ ہی زیادہ مشہور ہو گیا۔ اس کی تاریخ میں اختلاف ہے، تاہم اس میں اتفاق ہے کہ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں: ایک سال قبل اور بعض کہتے ہیں: کئی سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح مہینے اور اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ کوئی ربیع الاول کی 17 یا 27 کوئی رجب کی 27 اور بعض کوئی اور مہینہ اور اس کی تاریخ بتلاتے ہیں۔ (فتح القدیر) لیکن معراج یقینی ہے اور قبل از ہجرت ہوئی ہے لیکن مہینے کی تعیین ثابت نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات، ایک تحقیقی جائزہ'' مطبوعہ دارالسلام، لاہور)

2 طوفان نوح کے بعد نسل انسانی نوح کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو کشتیٔ نوح میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے، اس لیے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا کہ تمھارا باپ، نوح اللہ کا بہت شکرگزار بندہ تھا تم بھی اپنے

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④

ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کردیا تھا کہ تم زمین میں دوبار فساد برپا کروگے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کروگے ○

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤

ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم نے تمھارے مقابلے پر اپنے بندے بھیج دیے جو بڑے ہی لڑاکے تھے، پس وہ تمھارے گھروں کے اندر تک پھیل گئے اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا ○[1]

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥

پھر ہم نے ان پر تمھیں غلبہ دے کر تمھارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمھاری مدد کی اور تمھیں بڑے جتھے والا بنادیا ○[2]

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦

اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے، پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تاکہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں۔ اور جس جس

باپ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور ہم نے جو محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کا انکار کر کے کفرانِ نعمت مت کرو!

1 یہ اشارہ ہے اس ذلت وتباہی کی طرف جو بابل کے فرماں روا بخت نصر کے ہاتھوں، مسیح عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یروشلم میں نازل ہوئی۔ اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنا لیا اور یہ اس وقت ہوا جب انھوں نے اللہ کے نبی شعیا علیہ السلام کو قتل یا ارمیا علیہ السلام کو قید کیا اور تورات کے احکام کی خلاف ورزی اور معاصی کا ارتکاب کر کے فساد في الأرض کے مجرم بنے۔ بعض کہتے ہیں کہ بخت نصر کی بجائے جالوت کو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطور سزا مسلط کیا جس نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے حتیٰ کہ طالوت کی قیادت میں حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا جیسا کہ سورۂ بقرہ 2:251 میں اس کا ذکر ہے۔

2 یعنی بخت نصر یا جالوت کے قتل کے بعد ہم نے تمھیں پھر مال اور دولت، بیٹوں اور جاہ وحشمت سے نوازا جبکہ یہ ساری چیزیں تم سے چھن چکی تھیں۔ اور تمھیں پھر زیادہ جتھے والا اور طاقت ور بنادیا۔

چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں ○ [1]

وقف لازم عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَ جَعَلۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا ﴿۸﴾

امید ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم کرے۔ ہاں! اگر تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں [2] گے اور ہم نے منکروں کا قید خانہ جہنم کو بنا رکھا ہے ○ [3]

اِنَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَہۡدِیۡ لِلَّتِیۡ ہِیَ اَقۡوَمُ وَ یُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا کَبِیۡرًا ۙ﴿۹﴾

یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ○

وَّ اَنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ اَعۡتَدۡنَا
ع 1 10 1 لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۰﴾ ع

اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

وَ یَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَہٗ بِالۡخَیۡرِ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ﴿۱۱﴾

اور انسان برائی کی دعائیں مانگنے لگتا ہے بالکل اس کی اپنی بھلائی کی دعا کی طرح، انسان ہے ہی بڑا جلد باز ○ [4]

---

1 یہ دوسری مرتبہ انھوں نے فساد برپا کیا کہ زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کے درپے رہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا کر ان سے بچا لیا۔ اس کے نتیجے میں پھر رومی بادشاہ ٹیٹس کو اللہ نے ان پر مسلط کر دیا، اس نے یروشلم پر حملہ کر کے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیے اور بہت سوں کو قیدی بنا لیا، ان کے اموال لوٹ لیے، مذہبی صحیفوں کو پاؤں تلے روندا اور بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو تاراج کیا اور انھیں ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جلاوطن کر دیا۔ اور یوں ان کی ذلت و رسوائی کا خوب خوب سامان کیا۔ یہ تباہی 70ء میں ان پر آئی۔

2 یہ انھیں تنبیہ کی کہ اگر تم نے اصلاح کر لی تو اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے۔ جس کا مطلب دنیا و آخرت کی سرخ روئی اور کامیابی ہے اور اگر دوبارہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے تم نے فساد فی الارض کا ارتکاب کیا تو ہم پھر تمھیں اسی طرح ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیں گے جیسے اس سے قبل دو مرتبہ ہم تمھارے ساتھ یہ معاملہ کر چکے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ یہود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور وہی کردار رسالت محمدیہ کے بارے میں دہرایا جو رسالت موسوی اور رسالت عیسوی میں ادا کر چکے تھے جس کے نتیجے میں یہ یہودی تیسری مرتبہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے اور بصد رسوائی انھیں مدینے اور خیبر سے نکلنا پڑا۔

3 یعنی اس دنیا کی رسوائی کے بعد آخرت میں جہنم کی سزا اور اس کا عذاب الگ ہے جو وہاں انھیں بھگتنا ہوگا۔

4 انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ ہے، اس لیے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لیے اسی طرح بددعا کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے اپنے رب سے دعائیں کرتا ہے۔ یہ تو رب کا فضل و کرم ہے کہ وہ اس کی بددعاؤں کو

وَ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ اٰیَتَیۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَ جَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ مُبۡصِرَۃً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا ﴿12﴾

ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) نشانیاں بنایا ہے، رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور اس لیے بھی کہ تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو [1] اور ہر ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرما دیا ہے [2] ○

وَ کُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلۡقٰىہُ مَنۡشُوۡرًا ﴿13﴾

ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے [3] اور بروزِ قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامۂ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پا لے گا ○

اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ﴿ؕ14﴾

لے! خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے ○

قبول نہیں کرتا۔ یہی مضمون سورۂ یونس 10:11 میں گزر چکا ہے۔

1 یعنی رات کو بے نور، یعنی تاریک کر دیا تاکہ تم آرام کر سکو اور تمھاری دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش کے ذریعے سے تم رب کا فضل تلاش کرو۔ علاوہ ازیں رات اور دن کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کر سکو، اس حساب کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔ اگر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات یا دن ہی دن رہتا تو تمھیں آرام و سکون کا یا کاروبار کرنے کا موقع نہ ملتا اور اسی طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ رہتا۔

2 یعنی انسان کے لیے دین اور دنیا کی ضروری باتیں سب کھول کر ہم نے بیان کر دی ہیں تاکہ ان سے انسان فائدہ اٹھائیں، اپنی دنیا بھی سنواریں اور آخرت کی بھی فکر اور اس کے لیے تیاری کریں۔

3 ﴿طٰٓئِرَہٗ﴾ کے معنی پرندے کے ہیں اور ﴿عُنُقِہٖ﴾ کے معنی گردن کے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے طائر سے مراد انسان کے عمل لیے ہیں۔ ﴿طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ﴾ کا مطلب ہے، اس کے اچھے یا برے عمل، جس پر اس کو اچھی یا بری جزا دی جائے گی، گلے کے ہار کی طرح اس کے ساتھ ہوں گے، یعنی اس کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے، اللہ کے ہاں اس کا پورا ریکارڈ محفوظ ہوگا۔ قیامت والے دن اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے طائر سے مراد انسان کی قسمت لی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق پہلے سے لکھ دی ہے جسے سعادت مند اور اللہ کا مطیع ہونا تھا وہ اللہ کو معلوم تھا اور جسے نافرمان ہونا تھا وہ بھی اس کے علم میں تھا، یہی قسمت (سعادت مندی یا بدبختی، عقل، عمر، عمل اور رزق) ہر انسان کے ساتھ گلے کے ہار کی طرح چمٹی ہوئی ہے۔ اسی کے مطابق اس کے عمل ہوں گے اور قیامت

مَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿15﴾

جو راہِ راست حاصل کر لے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لیے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے اس کا بوجھ اسی کے اوپر ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا [1] اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں ○ [2]

والے دن اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

1 البتہ جو ضَالٌّ (گمراہ) مُضِلٌّ (گمراہ کرنے والے) بھی ہوں گے، انھیں اپنی گمراہی کے بوجھ کے ساتھ، ان کے گناہوں کا بار بھی (بغیر ان کے گناہوں میں کمی کیے) اٹھانا پڑے گا جو ان کی کوششوں سے گمراہ ہوئے ہوں گے جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات اور احادیث سے واضح ہے۔ یہ دراصل ان کے اپنے ہی گناہوں کا بار ہو گا جو دوسروں کو گمراہ کر کے انھوں نے کمایا ہوگا۔

2 بعض مفسرین نے اس سے صرف دنیوی عذاب مراد لیا ہے، یعنی آخرت کے عذاب سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے لیکن قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے پوچھے گا کہ کیا تمھارے پاس میرے رسول نہیں آئے تھے؟ جس پر وہ اثبات میں جواب دیں گے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارسال رسل اور انزال کتب کے بغیر وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا، تاہم اس کا فیصلہ کہ کس قوم یا کس فرد تک اس کا پیغام نہیں پہنچا، قیامت والے دن وہ خود ہی فرمائے گا، وہاں یقیناً کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا۔ اسی طرح بہرا، پاگل، فاتر العقل اور زمانۂ فترت میں فوت ہونے والے لوگوں کا مسئلہ ہے، ان کی بابت بعض روایات میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجے گا اور وہ انھیں کہیں گے کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ اگر وہ اللہ کے اس حکم کو مان کر جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو جہنم ان کے لیے گل وگلزار بن جائے گی، بصورت دیگر انھیں گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسند أحمد: 24/4، وصحیح ابن حبان (ابن بلبان): 356/16 علامہ البانی نے صحیح الجامع الصغیر، حدیث: 881 میں اسے ذکر کیا ہے۔) لیکن بہت سے محدثین کے نزدیک اس کے برعکس اہل فترت کے جہنم میں جانے کی روایت صریح بھی ہے اور اس کے مخالف بھی۔ چھوٹے بچوں کی بابت اختلاف ہے۔ مسلمانوں کے بچے تو جنت میں ہی جائیں گے، البتہ کفار ومشرکین کے بچوں میں اختلاف ہے، کوئی توقف کا، کوئی جنت میں جانے کا اور کوئی جہنم میں جانے کا قائل ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میدان محشر میں ان کا امتحان لیا جائے گا جو اللہ کے حکم کی اطاعت اختیار کرے گا، وہ جنت میں اور جو نافرمانی کرے گا، جہنم میں جائے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اس سے متضاد روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ کیجیے مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ (ملاحظہ ہو صحیح البخاري مع فتح الباري: 312/3، حدیث: 1385)

وَ اِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّہۡلِکَ قَرۡیَۃً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِیۡہَا فَفَسَقُوۡا فِیۡہَا فَحَقَّ عَلَیۡہَا الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰہَا تَدۡمِیۡرًا ﴿16﴾

اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے متکبر خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں ○[1]

وَ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿17﴾

ہم نے نوح کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کیں[2] اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ○

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ عَجَّلۡنَا لَہٗ فِیۡہَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَہٗ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلٰىہَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿18﴾

جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا یعنی فوری فائدہ ہی کا ہو تو اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہیں سرِ دست دیتے ہیں، پھر اس کے لیے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ برے حالوں دھتکارا ہوا داخل ہوگا ○[3]

وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ﴿19﴾

اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے، وہ کرتا بھی ہو اور وہ مومن بھی ہو، پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدردانی کی جائے گی ○[4]

1 اس میں وہ اصول بتلایا گیا ہے جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوش حال متکبر طبقہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور پھر دوسرے لوگ انھی کی تقلید کرتے ہیں، یوں اس قوم میں اللہ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ مستحق عذاب قرار پا جاتی ہے۔

2 وہ بھی اسی اصول ہلاکت کے تحت ہی ہلاک ہوئیں۔

3 یعنی دنیا کے ہر طالب کو دنیا نہیں ملتی، صرف اسی کو ملتی ہے جس کو ہم چاہیں، پھر اس کو بھی اتنی دنیا نہیں ملتی جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی ہم اس کے لیے فیصلہ کریں۔ لیکن اس دنیا طلبی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب اور اس کی رسوائی ہے۔ اس لیے انسان کو آخرت کا طالب بننا چاہیے نہ کہ طالب دنیا، جس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔

4 اللہ تعالیٰ کے ہاں قدردانی کے لیے تین چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں: ① ارادۂ آخرت، یعنی اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی ② ایسی کوشش جو اس کے لائق ہو، یعنی سنت کے مطابق ③ ایمان کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی عمل بھی قابل التفات نہیں، یعنی قبولیت عمل کے لیے ایمان کے ساتھ اخلاص اور سنت نبوی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَهٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ⑳

ہر ایک کو ہم مسلسل نوازتے ہیں انھیں بھی اور انھیں بھی تیرے پروردگار کے انعامات میں سے۔ تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے ○[1]

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ وَلَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكۡبَرُ تَفۡضِيۡلًا ㉑

دیکھیے! ان میں سے ایک کو دوسرے پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے ○[2]

لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ㉒ ع

ع 2/12/2

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا ورنہ بدحال اور بے کس ہو کر بیٹھ رہے گا ○

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ㉓

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا وہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا ○[3]

---

1 یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلاتفریق مومن اور کافر، طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں۔ اللہ کی نعمتیں کسی سے بھی روکی نہیں جاتیں۔

2 تاہم دنیا کی یہ چیزیں کسی کو کم، کسی کو زیادہ ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا ہے، تاہم آخرت میں درجات کا یہ تفاضل زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر جہنم میں جائیں گے۔

3 اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہے، یعنی ربوبیت الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ احادیث میں بھی اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب واضح کر دیا گیا ہے، پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے ''ہوں'' تک کہنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا ہے کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور، بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں، جبکہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض ومتصرف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوانی کے دیوانے جذبات اور بڑھاپے کے سرد وگرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔

وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیۡ صَغِيۡرًا ﴿24﴾

اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا [1] اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما جیسے انھوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے ○

رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا ﴿25﴾

جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اسے تمھارا رب بخوبی جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو تو بخشنے والا ہے ○

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿26﴾

اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو [2] اور اسراف اور بے جا خرچ، یعنی فضول خرچی سے بچو ○

اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ﴿27﴾

بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے ○ [3]

ان حالات میں والدین کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی ضروری ہے، تاہم اللہ کے ہاں سرخ رو وہی ہوگا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا۔ اور ہر وقت اور ہر حال میں والدین کی خدمت واطاعت کا فریضہ کما حقہ ادا کرے گا۔

1 پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سایۂ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لیے اپنے بازو پست کر دیتا ہے، یعنی تو بھی والدین کے ساتھ اسی طرح اچھا اور پُرشفقت معاملہ کرنا اور ان کی اسی طرح کفالت کرنا جس طرح انھوں نے بچپن میں تیری کی۔ یا یہ معنی ہیں کہ جب پرندہ اڑنے اور بلند ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے بازو پھیلا لیتا اور جب نیچے اترتا ہے تو بازوؤں کو پست کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے بازوؤں کے پست کرنے کے معنی والدین کے سامنے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے کے ہوں گے۔

2 قرآن کریم کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ غریب رشتے داروں، مساکین اور ضرورت مند مسافروں کی امداد کرکے ان پر احسان نہیں جتلانا چاہیے کیونکہ یہ ان پر احسان نہیں ہے بلکہ مال کا وہ حق ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب مال کے مالوں میں مذکورہ ضرورت مندوں کا رکھا ہے، اگر صاحب مال یہ حق ادا نہیں کرے گا تو عنداللہ مجرم ہوگا، یعنی یہ حق کی ادائیگی ہے، نہ کہ کسی پر احسان۔ علاوہ ازیں رشتے داروں کے پہلے ذکر سے ان کی اولویت اور احقیت بھی واضح ہوتی ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے جس کی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔

3 ﴿تَبۡذِيۡرًا﴾ کی اصل بذر (بیج) ہے جس طرح زمین میں بیج ڈالتے ہوئے کسی خاص موقع وجگہ کو نہیں دیکھا جاتا

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿28﴾

اور اگر تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے اپنے رب کی اس رحمت کی جستجو میں جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہیے کہ عمدگی اور نرمی سے انھیں سمجھا دے ○[1]

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿29﴾

اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا درماندہ بیٹھ جائے ○[2]

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿30﴾ ع 3/8/3

یقیناً تیرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ۔[3] یقیناً وہ اپنے

بلکہ جدھر پڑے سو پڑے۔ تبذیر (فضول خرچی) بھی یہی ہے کہ انسان اپنا مال بیج کی طرح اڑاتا پھرے اور خرچ کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کرے اور بعض کہتے ہیں کہ تبذیر کے معنی ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں چاہے تھوڑا ہی ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں ہی صورتیں تبذیر میں آ جاتی ہیں۔ اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرتکب کو شیطان سے مماثلت تامہ ہے اور شیطان کی مماثلت سے بچنا، چاہے وہ کسی ایک ہی خصلت میں ہو، انسان کے لیے واجب ہے، پھر شیطان کو کَفُور (بہت ناشکرا) کہہ کر مزید بچنے کی تاکید کر دی ہے کہ اگر تم شیطان کی مماثلت اختیار کرو گے تو تم بھی اس کی طرح کَفُور (بہت ناشکرے) قرار دیے جاؤ گے۔ (فتح القدیر)

1 یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے، جس کے دور ہونے کی اور کشائش رزق کی تو اپنے رب سے امید رکھتا ہے۔ اگر تجھے غریب رشتے داروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں سے اعراض کرنا، یعنی اظہار معذرت کرنا پڑے تو نرمی اور عمدگی کے ساتھ معذرت کر، یعنی جواب بھی دیا جائے تو نرمی اور پیار و محبت کے لہجے میں نہ کہ ترشی اور بداخلاقی کے ساتھ جیسا کہ عام طور پر لوگ ضرورت مندوں اور غریبوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

2 گزشتہ آیت میں انکار کرنے کا ادب بیان فرمایا۔ اب انفاق کا ادب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور دیگر مالی حقوق واجبہ بھی ادا نہ کرے اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ملوم، یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ہارا اور پچھتانے والا) محسور، اسے کہتے ہیں جو چلنے سے عاجز ہو چکا ہو۔ فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ، یہ کنایہ ہے بخل سے اور ''نہ اسے بالکل ہی کھول دے۔'' یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔ ﴿مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ لَفٌّ و نَشْر مُرَتَّب ہے، یعنی ملوم، بخل کا اور محسور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔

3 اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی ہے کہ ان کے پاس اگر وسائل رزق کی فراوانی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام نہیں ہے بلکہ یہ رزق کی وسعت یا کمی، اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مصلحت سے ہے جسے صرف

بندوں سے باخبر اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے ○

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ﴿۳۱﴾

اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے ○ [1]

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾

خبردار! زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی اور بہت ہی بری راہ ہے ○ [2]

وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَ مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾

اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرنا [3] اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے، پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے،

وہی جانتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قارون بنا دے اور اپنوں کو اتنا ہی دے کہ جس سے بہ مشکل وہ اپنا گزارہ کر سکیں۔ یہ اس کی مشیت ہے۔ جس کو وہ زیادہ دے، وہ اس کا محبوب نہیں اور قُوتِ لَا یَمُوت کا مالک اس کا مبغوض نہیں۔

1 یہ حکم سورۂ انعام 151:6 میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا اقرار دیا وہ یہی ہے: «أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ»(صحيح البخاري، حديث: 4761، و صحيح مسلم، حديث: 141-(86)) ''کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' آج کل قتل اولاد کی ایک دوسری شکل کا گناہ نہایت منظم طریقے سے اور خاندانی منصوبہ بندی کے حسین عنوان سے پوری دنیا میں ہو رہا ہے اور مرد حضرات ''بہتر تعلیم و تربیت'' کے نام پر اور خواتین اپنے ''حسن'' کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہی ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

2 اسلام میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے، اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کر لے، پھر شرعی طریقے سے جرم ثابت ہو جائے تو اسے اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ پتھر مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ زنا کے قریب مت جاؤ، یعنی اس کے دواعی اور اسباب سے بھی بچ کر رہو، مثلاً: غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط و کلام کی راہیں پیدا کرنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا، وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جا سکے۔

3 حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن و سکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی اور مرتد کو قتل کرنا بھی حق کے ساتھ قتل کرنا ہے۔

بیشک وہ مدد کیا گیا ہے ○ [1]

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۖ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿34﴾

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے پر جو یتیم کے حق میں بہت بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ جائے [2] اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہونے والی ہے ○ [3]

وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿35﴾

اور جب ناپنے لگو تو بھرپور پیمانے سے ناپو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ یہی بہتر ہے [4] اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے ○

وَلَا تَقۡفُ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۤـئِكَ كَانَ عَنۡهُ

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت [5] پڑ۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے

1 یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ حق یا غلبہ یا طاقت دی گئی ہے کہ وہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں یا اس سے دیت لے لیں یا معاف کر دیں۔ اور اگر قصاص ہی لینا ہے تو اس میں زیادتی نہ کریں کہ ایک کے بدلے میں دو، تین یا چار کو مار دیں یا اس کا مثلہ کر کے یا عذاب دے دے کر ماریں، مقتول کا وارث منصور ہے، یعنی امراء و حکام کو اس کی مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ زیادتی کا ارتکاب کر کے اللہ کی ناشکری کی جائے۔

2 کسی کی جان کو ناجائز طریقے سے ضائع کرنے کی ممانعت کے بعد اتلاف مال (مال کے ضائع کرنے) سے روکا جا رہا ہے اور اس میں یتیم کا مال سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے فرمایا کہ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کو ایسے طریقے سے استعمال کرو جس میں اس کا فائدہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ سوچے سمجھے بغیر ایسے کاروبار میں لگا دو کہ وہ ضائع یا خسارے سے دوچار ہو جائے۔ یا اس کے عمر شعور کو پہنچنے سے پہلے ہی تم اسے اڑا ڈالو۔

3 عہد سے وہ میثاق بھی مراد ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور وہ بھی جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے اور نقض عہد کی صورت میں باز پرس ہوگی۔

4 اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے۔ علاوہ ازیں لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں بھی ناپ تول میں دیانت داری مفید ہے۔

5 قَفَا یَقْفُو کے معنی ہیں: پیچھے لگنا، یعنی جس چیز کا علم نہیں، اس کے پیچھے مت لگو، یعنی بدگمانی مت کرو، کسی کی ٹوہ میں مت رہو، اسی طرح جس چیز کا علم نہیں، اس پر عمل مت کرو۔

مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾
وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ
تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَ لَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾
کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنۡدَ رَبِّکَ مَکۡرُوۡہًا ﴿۳۸﴾

ذٰلِکَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤی اِلَیۡکَ رَبُّکَ مِنَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ
وَ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ جَہَنَّمَ
مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۳۹﴾

اَفَاَصۡفٰىکُمۡ رَبُّکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ
الۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا ؕ اِنَّکُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا
عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾ ع 4 10 4
وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِیَذَّکَّرُوۡا ؕ وَ مَا

پوچھ گچھ کی جانے والی ہے ○ [1]
اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو تُو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے ○ [2]
ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے ○ [3]
یہ بھی منجملہ اس وحی کے ہے جو تیری جانب تیرے رب نے حکمت سے اتاری ہے تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا کہ ملامت خوردہ اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے ○
کیا بیٹوں کے لیے تو اللہ نے تمھیں چھانٹ لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو لڑکیاں بنالیا؟ بے شک تم بہت بڑا بول بول رہے ہو ○
ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طرح سے بیان [4] فرما دیا

1 یعنی جس چیز کے پیچھے تم پڑو گے اس کے متعلق کان سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے سنا تھا، آنکھ سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے دیکھا تھا اور دل سے سوال ہوگا کیا اس نے جانا تھا؟ کیونکہ یہی تینوں اعضاء علم کا ذریعہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن قوت گویائی عطا فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا۔

2 اترا کر اور اکڑ کر چلنا، اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ قارون کو اسی بنا پر اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (القصص 28:81) حدیث میں آتا ہے: ''ایک شخص نہایت قیمتی جوڑا پہنے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5789، وصحيح مسلم، حديث: 50-(2088)) اللہ تعالیٰ کو تواضع اور عاجزی پسند ہے۔ تواضع اختیار کرنے والے کو اللہ بلندی عطا فرماتا ہے۔

3 یعنی جو باتیں مذکور ہوئیں، ان میں جو بری ہیں، جن سے منع کیا گیا ہے، وہ ناپسندیدہ ہیں۔

4 ہر ہر طرح کا مطلب ہے، وعظ و نصیحت، دلائل و بینات، ترغیب و ترہیب اور امثال و واقعات، ہر طریقے سے بار بار سمجھایا گیا ہے تا کہ وہ سمجھ جائیں لیکن وہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب ہونے کی بجائے اس سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں، اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن جادو، کہانت اور شاعری ہے، پھر وہ اس قرآن سے کس طرح راہ یاب ہوں؟

یَزِیۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿41﴾

کہ لوگ سمجھ جائیں لیکن اس سے انھیں تو نفرت ہی بڑھتی ہے ○

قُلۡ لَّوۡ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰى ذِى الۡعَرۡشِ سَبِيۡلًا ﴿42﴾

کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے ○ [1]

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ﴿43﴾

جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے وہ پاک اور بالاتر، بہت دور اور بہت بلند ہے ○ [2]

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿44﴾

ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ [3] وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے ○

---

1 اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ وقوت حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا جبکہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، کوئی بااختیار ہستی ہی نہیں، کوئی نافع وضار ہی نہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ اب تک اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے اور یہ مشرکین جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، انھیں بھی وہ اللہ کے قریب کر چکے ہوتے۔

2 یعنی واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی بابت جو کہتے ہیں کہ اس کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور بہت بلند ہے۔

3 یعنی سب اسی کے مطیع اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہیں۔ گو ہم ان کی تسبیح وتحمید کو نہ سمجھ سکیں۔ یہی بات دیگر آیات قرآنی میں بھی بیان کی گئی ہے، مثلاً: داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: ﴿ اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ○﴾ (ص 18:38) ”ہم نے پہاڑوں کو داود کے تابع کر دیا، بس وہ شام کو اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی تسبیح (پاکی) بیان کرتے ہیں۔“ بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ﴾ (البقرة 74:2) ”اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔“ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (بعض دفعہ) کھانے سے تسبیح کی آواز سنتے جبکہ کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3579) ایک اور حدیث سے ثابت ہے کہ چیونٹیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ (صحیح البخاري،

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ (45)

تو جب قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں ○ [1]

وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ (46)

اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور جب تو صرف ایک اللہ ہی کا ذکر اس قرآن میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں ○ [2]

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ (47)

جس غرض سے وہ لوگ اسے سنتے ہیں ان (کی نیتوں) سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ جب یہ آپ کی طرف کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی اور جب یہ مشورہ کرتے ہیں

حدیث:3019، وصحيح مسلم، حدیث:148-(2241))اس طرح کھجور کے جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اسے آپ نے چھوڑ دیا تو بچے کی طرح اس سے رونے کی آواز آئی۔(صحيح البخاري، حدیث:3584) مکے میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا۔(صحيح مسلم، حدیث:2-(2277))ان آیات وصحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات ونباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے جسے گو ہم نہ سمجھ سکیں مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد تسبیح دلالت ہے، یعنی یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

"ہر چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔" لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ تسبیح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔

1 ﴿مَّسْتُوْرًا﴾ بمعنی اسم فاعل سَاتِرٌ (مانع اور حائل) ہے یا اپنی اصل پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ حجاب ایسا ہے جو مَسْتُورٌ عَنِ الْأَبْصَارِ (آنکھوں سے اوجھل) ہے پس وہ اسے دیکھتے نہیں۔ اس کے ذریعے سے ان کے اور ہدایت کے درمیان حجاب ہے۔

2 ﴿اَكِنَّةً﴾ کِنان کی جمع ہے، پردہ۔ ﴿وَقْرًا﴾ کانوں میں ثقل یا ڈاٹ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اللہ کی توحید سے تو انھیں اتنی نفرت ہے کہ اسے سن کر تو بھاگ ہی کھڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے عناد، جمود اور تمرد کے نتیجے میں بطور سزا ان کے دلوں

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ﴿48﴾

وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ﴿49﴾

قُلۡ كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِيۡدًا ﴿50﴾

اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ‌ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ يُّعِيۡدُنَا‌ ؕ قُلِ الَّذِىۡ فَطَرَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ۚ فَسَيُنۡغِضُوۡنَ اِلَيۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ‌ ؕ قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ﴿51﴾

تب بھی جب کہ ظالم کہتے ہیں کہ تم اس شخص کی تابع داری میں لگے ہوئے ہو جس پر جادو [1] کر دیا گیا ہے ○

دیکھیں تو سہی، آپ کے لیے کیا کیا مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ بہک رہے ہیں۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا ○ [2]

انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور (مٹی ہوکر) ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کر دیے جائیں گے ○

جواب دیجیے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا ○ [3]

یا کوئی اور ایسی مخلوق جو تمھارے دلوں میں بہت ہی سخت معلوم ہو، [4] پھر وہ یہ پوچھیں کہ کون ہے جو دوبارہ ہماری زندگی لوٹائے؟ آپ جواب دے دیں کہ وہی اللہ جس نے تمھیں اول بار پیدا کیا، اس پر وہ اپنے سر ہلا ہلا کر [5] آپ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے کب؟ تو آپ جواب دے دیں کہ کیا عجب کہ وہ قریب ہی آن لگی ہو ○ [6]

پر پردے ڈال دیے۔

1 یعنی نبی ﷺ کو یہ سحر زدہ سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے قرآن سنتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

2 کبھی ساحر، کبھی مسحور، کبھی مجنون اور کبھی کاہن کہتے ہیں، پس اس طرح گمراہ ہو رہے ہیں، ہدایت کا راستہ انھیں کس طرح ملے؟

3 جو مٹی اور ہڈیوں سے زیادہ سخت ہے اور جس میں زندگی کے آثار پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔

4 یعنی اس سے بھی زیادہ سخت چیز جو تمھارے علم میں ہو، وہ بن جاؤ، پھر بھی اللہ تعالیٰ تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

5 أَنۡغَضَ يُنۡغِضُ کے معنی ہیں: سر ہلانا، یعنی استہزا کے طور پر سر ہلا کر وہ کہیں گے کہ یہ دوبارہ زندگی کب ہوگی؟

6 قریب کا مطلب ہے، واقع ہونے والی چیز کیونکہ كُلُّ مَا هُوَ آتٍ، فَهُوَ قَرِيبٌ "ہر وقوع پذیر ہونے والی چیز، قریب

یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِہٖ وَ تَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿52﴾ ع 5/12/5

جس دن وہ تمھیں بلائے گا[1] تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیلِ ارشاد کرو گے اور گمان کرو گے کہ (دنیا میں) تمھارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہے ○[2]

وَ قُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿53﴾

اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں[3] کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے۔[4] بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ○

رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ

تمھارا رب تم سے بہ نسبت تمھارے بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر وہ چاہے تو

ہے۔'' اور ﴿عَسٰی﴾ اللہ کے کلام میں یقینی اور واجب الوقوع ہوتا ہے، یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔

1 ''بلائے گا'' کا مطلب ہے قبروں سے زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا، تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے یا اسے پہچانتے ہوئے اس کے پاس حاضر ہو جاؤ گے۔

2 وہاں یہ دنیا کی زندگی بالکل تھوڑی معلوم ہوگی، ﴿کَاَنَّہُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَہَا لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوۡ ضُحٰہَا ○﴾ (النّٰزِعٰت 46:79) یعنی جب قیامت کو دیکھ لیں گے تو دنیا کی زندگی انھیں ایسے لگے گی گویا اس میں ایک شام یا ایک صبح رہے ہیں۔ اسی مضمون کو دیگر مقامات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: طٰہٰ 20:102-104، الروم 30:55، المؤمنون 23:112-114) بعض کہتے ہیں کہ پہلا نفخہ ہوگا تو سب مردے قبروں میں زندہ ہو جائیں گے، پھر دوسرے نفخے پر میدانِ محشر میں حساب کتاب کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا اور اس فاصلے میں انھیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا، وہ سو جائیں گے۔ دوسرے نفخے پر اٹھیں گے تو کہیں گے: ''افسوس! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا ہے؟'' (یٰسٓ 36:52) (دیکھیے: فتح القدیر) پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

3 یعنی آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، اچھے کلمات بولیں، اسی طرح کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اگر مخاطبت کی ضرورت پیش آ جائے تو ان سے بھی مشفقانہ اور نرم لہجے میں گفتگو کریں۔

4 زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان، جو تمھارا کھلا اور ازلی دشمن ہے، تمھارے درمیان آپس میں فساد ڈلوا سکتا ہے یا کفار و مشرکین کے دلوں میں تمھارے لیے زیادہ بغض و عناد پیدا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان شاید اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چلوا دے (اور وہ اس مسلمان بھائی کو جا لگے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے) پس وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔'' (صحیح البخاري، حدیث:7072، وصحیح مسلم، حدیث:126-(2617))

وَكِيْلًا ﴿54﴾

تمھیں عذاب دے۔[1] ہم نے آپ کو ان کا ذمے دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا ○[2]

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿55﴾

آسمان وزمین میں جو بھی ہے آپ کا رب سب کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے[3] اور داود کو زبور ہم نے عطا فرمائی ہے ○

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿56﴾

کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جنھیں تم معبود سمجھ رہے ہو انھیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں ○

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿57﴾

جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے اللہ کے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں،[4] بات بھی یہی ہے

---

1 اگر خطاب مشرکین سے ہو تو رحم کے معنی قبول اسلام کی توفیق کے ہوں گے اور عذاب سے مراد شرک پر ہی موت ہے جس پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہو تو رحم کے معنی ہوں گے کہ وہ کفار سے تمھاری حفاظت فرمائے گا اور عذاب کا مطلب ہے کفار کا مسلمانوں پر غلبہ وتسلط۔

2 کہ آپ انھیں ضرور کفر کی دلدل سے نکالیں یا ان کے کفر پر جمے رہنے پر آپ سے باز پرس ہو۔

3 یہ مضمون ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ﴾ (البقرة 2:253) میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ کفار مکہ کے جواب میں یہ مضمون دہرایا گیا ہے جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لیے یہ محمد (ﷺ) ہی ملا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی کو رسالت کے لیے منتخب کرنا اور کسی ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دینا، یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

4 آیت میں ﴿الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ سے ان مشرکین کا رد ہے جو مجسموں کی اس خیال سے عبادت کرتے تھے کہ یہ فرشتوں کی تصویریں ہیں، اسی طرح ان اہل کتاب کا بھی رد ہے جو عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی الوہیت کے قائل تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سے کہو کہ تم انھیں پکارو جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ سے مراد وہ جنات ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں اس کی تفسیر میں ہے: كَانَ نَاسٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعْبُدُونَ نَاسًا مِّنَ الْجِنِّ فَأَسْلَمَ الْجِنُّ وَتَمَسَّكَ هٰؤُلَاءِ بِدِينِهِمْ» (صحيح البخاري، حديث: 4714) ”کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، پس وہ جن مسلمان ہو

کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے ○

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا نَحۡنُ مُہۡلِکُوۡہَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡہَا عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ کَانَ

جتنی بھی بستیاں ہیں ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یا تو انھیں ہلاک کر دینے والے ہیں یا سخت تر سزا دینے

گئے لیکن یہ لوگ جنوں کے (سابقہ) دین پر ہی قائم رہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:
''وہ لوگ جو جنوں کی عبادت کرتے تھے، بدستور جنوں کی عبادت پر قائم رہے جبکہ جن یہ بات پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ (اعمال صالحہ کے ذریعے سے تقرب) تلاش کرنے والے ہو گئے تھے۔'' (فتح الباري:505/8، تحت حديث:4714)

اس بات کی تائید اگلی آیت سے بھی ہو رہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ خود تو اپنے رب کا قرب تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ صفات جمادات (پتھروں) میں نہیں ہو سکتیں۔ ان دونوں آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ (اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے) وہ صرف پتھر کی مورتیاں ہی نہیں تھیں بلکہ وہ اللہ کے بندے بھی تھے جن میں سے کچھ فرشتے، کچھ صالحین، کچھ انبیاء اور کچھ جنات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی بابت فرمایا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے، نہ کسی سے تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ کسی کی حالت بدل سکتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرب کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنات کی عبادت کرتے تھے، پس وہ جن تو مسلمان ہو گئے لیکن ان کے پجاری اس بات سے بے خبر رہے (صحيح البخاري، حديث: 4715، و صحيح مسلم، حديث: 3030)

مطلب یہ ہے کہ جنوں کے پجاری تو جنوں سے پناہ طلب کرتے اور ان سے خوف اور امید وابستہ کرتے تھے لیکن خود ان جنوں کا (مسلمان ہونے کے بعد) یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کے قرب کی تلاش میں رہتے، اس کے عذاب سے ڈرتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے۔ اس میں گویا مشرکوں کی بابت کہا گیا ہے کہ ان کی عقل وفہم کی نارسائی کا یہ حال ہے کہ یہ ایسے جنوں کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں جو خود اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کے قرب کی تلاش میں رہتے ہیں۔

''وسیلہ'' سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جن کے ذریعے سے اللہ کی رضامندی اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابو وائل، حسن، عبداللہ بن کثیر، امام سدی، ابن زید اور دیگر ائمۂ تفسیر نے وسیلے کے معنی ہی قربت کے کیے ہیں، یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ عملوں کے ذریعے سے اس کا قرب حاصل کرنا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهٰذَا الَّذِي قَالَهُ هٰؤُلَاءِ الْأَئِمَّةُ لَاخِلَافَ بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِيهِ ...... وَالْوَسِيلَةُ هِيَ الَّتِي يُتَوَصَّلُ بِهَا إِلَى تَحْصِيلِ الْمَقْصُودِ (تفسير ابن كثير: 74/2) ''ان ائمہ نے جو کچھ کہا ہے، اس

ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿58﴾ والے ہیں۔ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ [1]

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ ہمیں نشانات (معجزات) کے نازل کرنے سے روک صرف

کی بابت مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں...... وسیلہ ایسی ہی چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے مقصود تک پہنچا جا سکے۔''

ظاہر بات ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اعمال صالحہ ہی ہے، اس لیے اعمال صالحہ ہی اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ نہ کہ وہ جسے قبر پرست بیان کرتے ہیں کہ فوت شدہ اشخاص کے نام کی نذر و نیاز دو، ان کی قبروں پر غلاف چڑھاؤ اور میلے ٹھیلے جماؤ اور ان سے استمداد و استغاثہ کرو کیونکہ یہ وسیلہ نہیں، یہ تو ان کی عبادت ہے جو شرک ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ اسی طرح ایک وسیلہ یہ بھی ہے کہ کسی زندہ نیک شخص یا بزرگ سے دعا کروائی جائے، جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قحط سالی دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پکڑا، یعنی ان سے بارش کی دعا کروائی اور یہ فرمایا: «اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ، فَيُسْقَوْنَ»(صحيح البخاري، حديث: 1010) ''اے اللہ! پہلے ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرواتے تھے (جب وہ زندہ تھے) تو تُو ہم پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرما دیتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں بطور وسیلہ (دعا کے لیے) پیش کر رہے ہیں، پس اے اللہ! (ان کی دعا قبول فرما کر) ہم پر بارش نازل فرما۔ (راوی کہتا ہے) کہ اس پر بارش ہو جاتی۔'' اگر فوت شدہ بزرگوں سے وسیلے کے طور پر دعا کروانی جائز ہوتی تو صحابۂ کرام قحط سالی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کرتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ زندہ بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کو وسیلہ پکڑا، یعنی ان سے دعا کروائی، یہ وسیلہ جائز ہے، چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں۔

''کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے، اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، بشرطیکہ جس سے درخواست کی جائے وہ زندہ ہو...... لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مردہ ہو یا غائب تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں۔ اور مردوں سے مدد مانگنا ان بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔'' (تفسير روح المعاني: 183/4) آیت میں ﴿يَدْعُوْنَ﴾ کا مفعول محذوف ہے۔ تقدیری عبارت ہے: «أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَهُمْ آلِهَةً يَبْتَغُونَ» ...... الخ ''یہ لوگ جن کو معبود سمجھ کر (مدد کے لیے) پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں......'' (فتح الباري: 506/8، تحت حديث: 4715)

1 کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے، جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے کہ ہم کافروں کی ہر بستی کو یا تو موت کے ذریعے سے ہلاک کر دیں گے اور بستی سے مراد بستی کے

بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿59﴾

اسی کی ہے کہ اگلے لوگ انھیں جھٹلا چکے ہیں۔ [1] ہم نے ثمودیوں کو واضح نشانی کے طور پر اونٹنی دی لیکن انھوں نے اس پر ظلم کیا، [2] ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانات بھیجتے ہیں ○

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿60﴾ ع 6/8/6

اور یاد کرو جب کہ ہم نے آپ سے فرمادیا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے۔ [3] جو رؤیا (عینی رؤیت) ہم نے آپ کو دکھائی تھی وہ لوگوں کے لیے صاف آزمائش ہی تھی اور اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن

باشندگان ہیں اور ہلاکت کی وجہ ان کا کفر وشرک اور ظلم وطغیان ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہلاکت قیامت سے قبل وقوع پذیر ہوگی، ورنہ قیامت کے دن تو بلاتفریق ہر بستی ہی شکست وریخت کا شکار ہوجائے گی۔

1 یہ آیت اس وقت اتری جب کفار مکہ نے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنادیا جائے یا مکے کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹادیے جائیں تاکہ وہاں کاشت کاری ممکن ہوسکے جس پر اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے سے پیغام بھیجا کہ ان کے مطالبات ہم پورے کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو پھر ان کی ہلاکت یقینی ہے، پھر انھیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ نبی ﷺ نے بھی اسی بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تاکہ یہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔ (مسند أحمد:258/1 وقال أحمد شاكر في تعليقه على المسند:258/1، حديث: 2333 إسناده صحيح) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق نشانیاں اتار دینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ لیکن ہم اس سے گریز اس لیے کررہے ہیں کہ پہلی قوموں نے بھی اپنی خواہش کے مطابق نشانیاں مانگیں جو انھیں دکھادی گئیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائیں جس کے نتیجے میں وہ ہلاک کردی گئیں۔

2 قوم ثمود کا بطور مثال تذکرہ کیا کیونکہ ان کی خواہش پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی ظاہر کرکے دکھائی گئی تھی لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا جس پر تین دن کے بعد ان پر عذاب آگیا۔

3 یعنی لوگ اللہ کے غلبہ وتصرف میں ہیں اور جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا نہ کہ وہ جو وہ چاہیں گے یا مراد اہل مکہ ہیں کہ وہ اللہ کے زیر اقتدار ہیں، آپ بے خوفی سے تبلیغ رسالت کیجیے، وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، ہم ان سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ یا جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر جس طرح اللہ نے کفار مکہ کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا، اس کو واضح کیا جارہا ہے۔

میں لعنت کی گئی ہے۔[1] ہم انھیں ڈرا رہے ہیں لیکن یہ ڈرانا انھیں اور بڑی سرکشی میں بڑھا رہا ہے ○[2]

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ۚ﴿61﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ○

قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿62﴾

اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کی سوائے بہت تھوڑے لوگوں کے،[3] جڑ کاٹ ڈالوں گا ○

قَالَ اذۡهَبۡ فَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿63﴾

ارشاد ہوا کہ جا ان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہے ○

وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ

ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بہکا سکے بہکا[4] لے

---

1 صحابہ و تابعین نے اس رؤیا کی تفسیر بیداری کی عینی رؤیت سے کی ہے اور مراد اس سے معراج کا واقعہ ہے جو بہت سے کمزور لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گیا اور وہ مرتد ہو گئے۔ اور درخت سے مراد زَقُّوم (تھوہر) کا درخت ہے جس کا مشاہدہ نبی ﷺ نے معراج کی رات جہنم میں کیا۔ ﴿الۡمَلۡعُوۡنَةَ﴾ سے مراد کھانے والے، یعنی ملعون جہنمی اَلشَّجَرَةُ الْمَلْعُونُ آكِلُهَا (أيسر التفاسير) جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ○ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ○﴾ (الدخان 44:43،44) ''زقوم کا درخت، سخت گناہ گاروں کا کھانا ہے۔''

2 یعنی کافروں کے دلوں میں جو خبث و عناد ہے، اس کی وجہ سے نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے ان کی سرکشی و طغیانی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

3 یعنی اس پر غلبہ حاصل کرلوں گا اور اسے جس طرح چاہوں گا، گمراہ کرلوں گا، البتہ تھوڑے سے لوگ میرے داؤ سے بچ جائیں گے۔ آدم علیہ السلام و ابلیس کا یہ قصہ اس سے قبل (سورۂ بقرہ 2:34-36، سورۂ اعراف 7:11-18 اور سورۂ حجر 15:29-39 میں) گزر چکا ہے۔ یہاں چوتھی مرتبہ اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ کہف 18:50، سورۂ طٰہٰ 20:116، 117 اور سورۂ صٓ 38:73-85 میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔

4 آواز سے مراد پرفریب دعوت یا گانے، موسیقی اور لہو ولعب کے دیگر آلات ہیں جن کے ذریعے سے شیطان بکثرت لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اسی طرح قوالی ہے جس کے ذریعے سے دینی شعور سے بے بہرہ مذہبی عوام کو خوب گمراہ کیا جا رہا ہے۔

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿64﴾

اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا [1] اور ان کے مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا [2] اور انھیں (جھوٹے) وعدے دے لے۔ [3] ان سے جتنے بھی وعدے شیطان کے ہوتے ہیں سب کے سب سراسر فریب ہیں ○ [4]

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿65﴾

بلاشبہ میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں۔ [5] اور تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے ○ [6]

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿66﴾

تمھارا پروردگار وہ ہے جو تمھارے لیے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ وہ تم پر بہت ہی مہربان ہے ○ [7]

---

1 ان لشکروں سے مراد انسانوں اور جنوں کے وہ سوار اور پیادے لشکر ہیں جو شیطان کے چیلے اور اس کے پیروکار ہیں اور شیطان ہی کی طرح انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں یا مراد ہے ہر ممکن ذرائع جو شیطان گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

2 مال میں شیطان کی مشارکت کا مطلب حرام ذریعے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا ہے اور اسی طرح مویشیوں کو بتوں کے ناموں پر وقف کر دینا، مثلاً: بحیرہ، سائبہ وغیرہ۔ اور اولاد میں شرکت کا مطلب زناکاری، عبداللات اور عبدالعزیٰ وغیرہ نام رکھنا، غیر اسلامی طریقے سے ان کی تربیت کرنا کہ وہ برے اخلاق و کردار کے حامل ہوں، ان کو تنگ دستی کے خوف سے ہلاک یا زندہ درگور کر دینا، اولاد کو مجوسی، یہودی اور نصرانی وغیرہ بنانا اور بغیر مسنون دعا پڑھے بیوی سے ہم بستری کرنا وغیرہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔

3 کہ کوئی جنت دوزخ نہیں ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے وغیرہ۔

4 ﴿غُرُوْرًا﴾ (فریب) کا مطلب ہوتا ہے غلط کام کو اس طرح مزین کر کے دکھانا کہ وہ اچھا اور درست لگے۔

5 بندوں کی نسبت اپنی طرف کی، یہ بطور شرف اور اعزاز کے ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خاص بندوں کو شیطان بہکانے میں ناکام رہتا ہے۔

6 یعنی جو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اسی پر اعتماد اور توکل کرتا ہے تو اللہ بھی اس کا دوست اور کارساز بن جاتا ہے۔

7 یہ اس کا فضل اور رحمت ہی ہے کہ اس نے سمندر کو انسانوں کے تابع کر دیا ہے اور وہ اس پر کشتیاں اور جہاز چلا کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے اور کاروبار کرتے ہیں، نیز اس نے ان چیزوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی جن میں بندوں کے لیے منافع اور مصالح ہیں۔

وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاہُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىکُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ کَفُوۡرًا ﴿67﴾

اور سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی جنھیں تم پکارتے تھے سب گم ہوجاتے ہیں صرف اللہ باقی رہ جاتا ہے، پھر جب وہ تمھیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ○[1]

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ وَکِیۡلًا ﴿68﴾

تو کیا تم اس سے بے خوف ہوگئے ہو کہ تمھیں خشکی کی طرف لے جا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی آندھی بھیج دے،[2] پھر تم اپنے لیے کوئی نگہبان نہ پا سکو ○

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ یُّعِیۡدَکُمۡ فِیۡہِ تَارَۃً اُخۡرٰی فَیُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیۡحِ فَیُغۡرِقَکُمۡ بِمَا کَفَرۡتُمۡ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ عَلَیۡنَا بِہٖ تَبِیۡعًا ﴿69﴾

کیا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے ہو کہ اللہ پھر تمھیں دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور تم پر تیز و تند، یعنی طوفانی ہواؤں کے جھونکے بھیج دے اور تمھارے کفر کی وجہ سے تمھیں غرق کردے، پھر تم اپنے لیے اس کے بدلے کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا نہ پاؤ ○[3]

وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ

یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی[4] اور انھیں خشکی

---

1 یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے، مثلاً: دیکھیے سورۂ یونس 10:22،23 اور ان کے حواشی۔

2 یعنی سمندر سے نکلنے کے بعد تم جو اللہ کو بھول جاتے ہو تو کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ خشکی میں بھی تمھاری گرفت کر سکتا ہے، تمھیں وہ زمین میں دھنسا سکتا ہے یا پتھروں کی بارش کر کے تمھیں ہلاک کر سکتا ہے، جس طرح بعض گزشتہ قوموں کو اس نے اس طرح ہلاک کیا۔

3 ﴿قَاصِفًا﴾ ایسی تند و تیز سمندری ہوا جو کشتیوں کو توڑ دے۔ ﴿تَبِیۡعًا﴾ انتقام لینے والا، پیچھا کرنے والا، یعنی تمھارے ڈوب جانے کے بعد ہم سے پوچھے کہ تو نے ہمارے بندوں کو کیوں ڈبویا؟ مطلب یہ ہے کہ کیا تمھیں ایک مرتبہ سمندر سے بخیریت نکلنے کے بعد دوبارہ سمندر میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ اور وہاں وہ تمھیں گرداب بلا میں نہیں پھنسا سکتا؟

4 یہ شرف اور فضل، بحیثیت انسان کے، ہر انسان کو حاصل ہے چاہے مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔ جس طرح کی شکل و صورت، قد و قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو دی گئی ہے، جس کے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس

وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ
عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ﴿70﴾ ع 7/10/7

اور تری کی سواریاں [1] دیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں [2] دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا فرمائی ○ [3]

يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ‌ۚ فَمَنۡ اُوۡتِىَ
كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَاُولٰۤـئِكَ يَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ
وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿71﴾

جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا سمیت [4] بلائیں گے، پھر جن کا بھی اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ تو شوق سے اپنا نامۂ اعمال پڑھنے لگیں گے اور دھاگے کے برابر، یعنی ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیے جائیں گے ○ [5]

سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط و صحیح، مفید و مضر اور حسین و قبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔ اسی عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا اور انھیں اپنے تابع رکھتا ہے۔ اسی عقل و شعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔

1 خشکی میں وہ گھوڑوں، خچروں، گدھوں، اونٹوں اور اپنی تیار کردہ سواریوں (ریلیں، گاڑیاں، بسیں، ہوائی جہاز، سائیکل اور موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور اسی طرح سمندر میں کشتیاں اور جہاز ہیں جن پر وہ سوار ہوتا ہے اور سامان لاتا لے جاتا ہے۔

2 انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل اس نے پیدا کیے ہیں اور ان میں جو جو لذتیں، ذائقے اور قوتیں رکھی ہیں۔ انواع و اقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ و مرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرح مرکبات و مشروبات اور خمیرے اور معجونات، انسان کے علاوہ کس اور مخلوق کو حاصل ہیں؟

3 مذکورہ تفصیل سے انسان کی بہت سی مخلوقات پر فضیلت اور برتری واضح ہے۔

4 اِمَامٌ کے معنی پیشوا، لیڈر اور قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پیغمبر ہے، یعنی ہر امت کو اس کے پیغمبر کے حوالے سے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے آسمانی کتاب مراد ہے جو انبیاء کے ساتھ نازل ہوتی، یعنی اے اہل تورات! اے اہل انجیل! اور اے اہل قرآن! وغیرہ کہہ کے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں: یہاں ''امام'' سے مراد نامۂ اعمال ہے، یعنی ہر شخص کو جب بلایا جائے گا تو اس کا نامۂ اعمال اس کے ساتھ ہو گا اور اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی رائے کو امام ابن کثیر اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

5 ﴿فَتِيۡلًا﴾ اس جھلی یا تاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے، یعنی ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔

وَمَنۡ كَانَ فِیۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰی فَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰی وَاَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿72﴾

اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا رہے گا ○ [1]

وَاِنۡ كَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَهٗ ۖۗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِیۡلًا ﴿73﴾

یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے ہیں تاکہ آپ اس وحی کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا دلی دوست بنا لیتے ○

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَیۡهِمۡ شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا ﴿74﴾ۙ

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے ○ [2]

اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا ﴿75﴾

(اگر ایسا ہوتا) تو پھر ہم زندگی میں بھی آپ کو دوہرے عذاب کا مزا چکھاتے اور موت کے بعد بھی دوہرے عذاب کا۔ [3] پھر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتے ○

وَاِنۡ كَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿76﴾

یہ تو آپ کے قدم اس سرزمینِ مکہ سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ آپ کو اس سے نکال دیں۔ [4] پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت ہی کم ٹھہر پاتے ○ [5]

---

1 ﴿اَعۡمٰی﴾ (اندھا) سے مراد دل کا اندھا ہے، یعنی جو دنیا میں حق کے دیکھنے، سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے محروم رہا، وہ آخرت میں اندھا، یعنی رب کے خصوصی فضل و کرم سے محروم رہے گا۔

2 اس میں اس عصمت کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اگرچہ نبی ﷺ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ نے آپ کو ان سے بچایا اور آپ ذرا بھی ان کی طرف نہیں جھکے۔ یہ مقام عصمت و تحفظ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

3 اس سے معلوم ہوا کہ سزا قدر و منزلت کے مطابق ہوتی ہے۔

4 یہ اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو نبی ﷺ کو مکے سے نکالنے کے لیے قریش مکہ نے تیار کی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔

5 یعنی اگر اپنے منصوبے کے مطابق یہ آپ کو مکے سے نکال دیتے تو یہ بھی اس کے بعد زیادہ دیر نہ رہتے، یعنی عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿77﴾

ایسا ہی دستور ان کا تھا جو آپ سے پہلے رسول ہم نے بھیجے [1] اور آپ ہمارے دستور میں کبھی ردوبدل نہ پائیں گے ○ [2]

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿78﴾

نماز قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک [3] اور فجر کے وقت قرآن پڑھنا بھی، یقیناً فجر کے وقت قرآن پڑھنا فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے ○ [4]

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى

رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت

---

1 یعنی یہ دستور پرانا چلا آ رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے بھی برتا جاتا رہا ہے کہ جب ان کی قوموں نے انھیں اپنے وطن سے نکال دیا یا انھیں نکلنے پر مجبور کر دیا تو پھر وہ قومیں بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں۔

2 چنانچہ اہل مکہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی میدان بدر میں وہ عبرت ناک ذلت وشکست سے دوچار ہوئے اور چھ سال بعد 8 ہجری میں مکہ ہی فتح ہوگیا اور اس ذلت وہزیمت کے بعد وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

3 ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ کے معنی زوال (آفتاب ڈھلنے) کے اور ﴿غَسَقِ﴾ کے معنی تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن، نماز کے معنی میں ہے۔ اس کو قرآن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آجاتا ہے۔ جس کی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں اور جوامت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہیں۔

4 یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن کے فرشتوں اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4717) ایک اور حدیث میں ہے کہ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود خوب جانتا ہے: ''تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟'' فرشتے کہتے ہیں کہ ''جب ہم ان کے پاس گئے تھے، اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 555، و صحيح مسلم، حديث: 210-(632))

اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾

کریں، [1] یہ آپ کے لیے نفل ہے [2] عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا ○ [3]

وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴿۸۰﴾

اور دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے جہاں بھی لے جائے سچائی کے ساتھ اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکالے تو سچائی کے ساتھ اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرما دے ○ [4]

---

1 تہجد ہجود سے ہے اور بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ اضداد میں سے ہے جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور رات کو بیدار رہنے کے بھی۔ یہاں اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ھُجود کے اصل معنی تو رات کے سونے کے ہی ہیں لیکن تفعُّل میں جانے سے اس میں تَجنُّب کے معنی پیدا ہو گئے، جیسے تَاَثُّم کے معنی ہیں: گناہ سے اجتناب کرنا یا بچنا۔ اسی طرح تَھَجُّدُ کے معنی ہوں گے: سونے سے بچنا اور مُتَھَجِّدُ وہ ہو گا جو رات کو سونے سے بچا اور قیام کیا۔ بہرحال تہجد کا مفہوم عشاء کے بعد رات کے کسی حصے میں نوافل پڑھنا ہے۔ عموماً ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ بالعموم رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ زیادہ افضل ہے۔

2 بعض نے اس کے معنی کیے ہیں یہ ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لیے خاص ہے، اس طرح وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر تہجد بھی اسی طرح فرض تھی جس طرح پانچ نمازیں فرض تھیں، البتہ امت کے لیے تہجد کی نماز فرض نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿ نَافِلَةً ﴾ (زائد) کا مطلب یہ ہے کہ یہ تہجد کی نماز آپ ﷺ کے رفع درجات کے لیے زائد چیز ہے کیونکہ آپ تو مغفور الذنب ہیں جبکہ امتیوں کے لیے یہ اور دیگر اعمال خیر کَفَّارۂ سَیِّئات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ﴿ نَافِلَةً ﴾ نافلہ ہی ہے، یعنی نہ آپ ﷺ پر فرض تھی نہ آپ کی امت پر۔ یہ ایک زائد عبادت ہے جس کی فضیلت یقیناً بہت ہے اور اس وقت اللہ اپنی عبادت سے بڑا خوش ہوتا ہے، تاہم یہ نماز فرض و واجب نہ نبی ﷺ پر تھی اور نہ آپ کی امت پر ہی فرض ہے۔

3 یہ وہ مقام ہے جو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ وہ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہو گا۔

4 بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ آپ کو مدینے میں داخل ہونے اور مکے سے نکلنے کا مسئلہ درپیش تھا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: مجھے سچائی کے ساتھ موت دینا اور سچائی کے ساتھ قیامت والے دن اٹھانا۔ بعض کہتے ہیں کہ مجھے قبر میں سچا داخل کرنا اور قیامت کے دن جب قبر سے اٹھائے تو سچائی کے ساتھ قبر سے نکالنا، وغیرہ۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ دعا ہے، اس لیے اس کے عموم میں یہ سب باتیں آ جاتی ہیں۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿81﴾

اور آپ اعلان کر دیں کہ حق آ گیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا۔ یقیناً باطل تھا بھی نیست و نابود ہونے والا ○ [1]

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾

یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا ○ [2]

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿83﴾

اور انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے ○ [3]

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿84﴾ ع 9/7/9

کہہ دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عامل ہے جو پوری ہدایت کے راستے پر ہیں انھیں تمھارا رب ہی بخوبی جاننے [4] والا ہے ○

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ

اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں،

---

1 حدیث میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بت تھے، آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ چھڑی کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔'' اور ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ○ ﴾ (سبا 34:49) ''حق آ گیا اور باطل پہلی بار ابھر سکا نہ دوبارہ ہی ابھرے گا۔'' پڑھتے جاتے۔ (صحیح البخاري، حدیث:4720، و صحیح مسلم، حدیث :87-(1781))

2 اس مفہوم کی آیت سورۂ یونس 10:57 میں گزر چکی ہے، اس کا حاشیہ ملاحظہ فرما لیا جائے۔

3 اس میں انسان کی اس حالت و کیفیت کا ذکر ہے جس میں وہ عام طور پر خوش حالی کے وقت اور تکلیف کے وقت مبتلا ہوتا ہے۔ خوش حالی میں وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور تکلیف میں مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں اس سے مختلف ہوتا ہے۔ (دیکھیے: سورۂ ہود 11:9-11 کے حواشی)

4 اس میں مشرکین کے لیے تہدید و وعید ہے اور اس کا وہی مفہوم ہے جو سورۂ ہود 11:121، 122 کا ہے ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○ ﴾ شَاكِلَةٌ کے معنی نیت، دین، طریقے اور مزاج وطبیعت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں کافر کے لیے ذم اور مومن کے لیے مدح کا پہلو ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر انسان ایسا عمل کرتا ہے جو اس کے اس اخلاق و کردار پر مبنی ہوتا ہے جو اس کی عادت وطبیعت ہوتی ہے۔

رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿85﴾
آپ جواب دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے ○ [1]

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿86﴾
اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی آپ کی طرف ہم نے اتاری ہے سب لے جائیں [2] پھر آپ کو اس کے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی میسر نہ آسکے ○ [3]

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿87﴾
سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، [4] یقیناً آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہے ○

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿88﴾
کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور تمام جن مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں ○ [5]

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا
ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لیے ہر طرح سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگ انکار سے

---

1 ﴿الرُّوحُ﴾ وہ لطیف شے ہے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہودیوں نے بھی ایک مرتبہ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا تو یہ آیت اتری۔ (صحيح البخاري، حديث:4721، وصحيح مسلم، حديث:32-(2794)) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمھارا علم، اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے اور یہ روح جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کا علم تو اللہ نے انبیاء سمیت کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ بس اتنا سمجھو کہ یہ میرے رب کا امر (حکم) ہے۔ یا میرے رب کی شان میں سے ہے جس کی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔

2 یعنی وحی کے ذریعے سے جو تھوڑا بہت علم دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بھی سلب کر لے، یعنی دل سے محو کر دے یا کتاب سے ہی مٹا دے۔

3 جو دوبارہ اس وحی کو آپ کی طرف لوٹا دے۔

4 کہ اس نے نازل کردہ وحی کو سلب نہیں کیا یا وحی الٰہی سے آپ کو مشرف فرمایا۔

5 قرآن مجید سے متعلق یہ چیلنج اس سے قبل بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہ چیلنج آج تک تشنۂ جواب ہے اور قیامت تک تشنۂ جواب ہی رہے گا۔

كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

باز نہیں آتے ○ [1]

وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًا ۙ﴿۹۰﴾

انھوں نے کہا [2] کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردے ○

اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا تَفۡجِيۡرًا ۙ﴿۹۱﴾

یا آپ کے لیے کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان آپ بہت سی نہریں جاری کر دکھائیں ○

اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰۤـئِكَةِ قَبِيۡلًا ۙ﴿۹۲﴾

یا آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیں جیسا کہ آپ کا گمان ہے یا آپ خود اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں ○ [3]

اَوۡ يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيۡنَا كِتٰبًا نَّقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾ ع 10/9/10

یا آپ کے اپنے لیے کوئی سونے [4] کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں، [5] آپ جواب دے دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں ○ [6]

---

1 یہ مفہوم اس سورت کی آیت: 41 میں بھی گزر چکا ہے۔

2 ایمان لانے کے لیے قریش مکہ نے یہ مطالبات پیش کیے۔

3 یعنی ہمارے روبرو آکر کھڑے ہو جائیں اور ہم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

4 ﴿زُخۡرُفٍ﴾ کے اصل معنی زینت کے ہیں۔ مُزَخرَف مزین چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے معنی سونے کے ہیں۔

5 یعنی ہم میں سے ہر شخص اسے صاف صاف خود پڑھ سکتا ہو۔

6 مطلب یہ ہے کہ میرا رب تو ہر طرح کی طاقت رکھتا ہے، وہ چاہے تو تمھارے مطالبے آن واحد میں لفظ کُنۡ سے پورے فرما دے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو (تمھاری طرح) ایک بشر ہی ہوں۔ کیا کوئی بشر ان چیزوں پر قادر ہے؟ جو مجھ سے ان کا مطالبہ کرتے ہو۔ ہاں، اس کے ساتھ میں اللہ کا رسول بھی ہوں لیکن رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، سو وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔ لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانا یہ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿94﴾

لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ○ [1]

قُلۡ لَّوۡ کَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوۡلًا ﴿95﴾

آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے ○ [2]

قُلۡ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ ؕ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿96﴾

کہہ دیجیے کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔ [3] وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ اور انھیں بخوبی دیکھنے والا ہے ○

وَمَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ وَنَحۡشُرُهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ

اللہ جس کی راہنمائی کرے تو وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ راہ سے بھٹکا دے تو ناممکن ہے کہ تو ان کا رفیق اس کے سوا کسی اور کو پائے، [4] ایسے لوگوں کا ہم بروزِ قیامت اوندھے

رسالت کا حصہ نہیں ہے، البتہ اگر اللہ چاہے تو صدق رسالت کے لیے معجزہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر اگر معجزے دکھانے شروع کر دیے جائیں تو یہ سلسلہ تو کہیں بھی جا کر نہیں رک سکے گا، ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق نیا معجزہ دیکھنے کا آرزومند ہوگا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا، تبلیغ و دعوت کا اصل کام ٹھپ ہو جائے گا، اس لیے معجزات کا صدور صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے اور اس کی مشیت اس حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ میں بھی اس کی مشیت میں دخل اندازی کر ہی نہیں سکتا۔

1 یعنی کسی بشر کا رسول ہونا، کفار و مشرکین کے لیے سخت تعجب کی بات تھی، وہ یہ بات مانتے ہی نہیں تھے کہ ہمارے جیسا انسان جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح انسانی رشتوں میں منسلک ہے، وہ رسول بن جائے۔ یہی استعجاب ان کے ایمان میں مانع رہا۔

2 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب زمین میں انسان بستے ہیں تو ان کی ہدایت کے لیے رسول بھی انسان ہی ہوں گے۔ غیر انسان رسول، انسانوں کی ہدایت کا فریضہ کیسے سرانجام دے۔ ہاں! اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ان کے لیے رسول بھی یقیناً فرشتے ہی ہوتے۔

3 یعنی میرے ذمے جو تبلیغ و دعوت تھی، وہ میں نے پہنچا دی، اس بارے میں میرے اور تمھارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے کیونکہ ہر چیز کا فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔

4 میری تبلیغ و دعوت سے کون ایمان لاتا ہے، کون نہیں، یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام صرف تبلیغ ہی ہے۔

عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿97﴾

منہ حشر کریں گے،[1] درآں حالیکہ وہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے،[2] ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی وہ بجھنے لگے گی ہم ان پر اسے اور بھڑکا دیں گے ○

النصف

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿98﴾

یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور یہ بات کہنے کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزے ہو جائیں گے پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ ○[3]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿99﴾

کیا انھوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے،[4] اسی نے ان کے لیے ایک ایسا وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک و شبہ سے یکسر خالی ہے،[5] لیکن

---

1 حدیث میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب کا اظہار کیا کہ اوندھے منہ کس طرح حشر ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس اللہ نے ان کو پیروں سے چلنے کی قوت عطا کی ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انھیں منہ کے بل چلا دے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4760، و صحيح مسلم، حديث:2806)

2 یعنی جس طرح وہ دنیا میں حق کے معاملے میں اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، قیامت والے دن بطور جزا اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے۔

3 یعنی جہنم کی یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ انھوں نے ہماری نازل کردہ آیات کی تصدیق نہیں کی اور کائنات میں پھیلی ہوئی تکوینی آیات پر غور و فکر نہیں کیا جس کی وجہ سے انھوں نے وقوع قیامت اور بعث بعد الموت کو محال خیال کیا اور کہا کہ ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد ہمیں ایک نئی پیدائش کس طرح مل سکتی ہے؟

4 اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، وہ ان جیسوں کی پیدائش یا دوبارہ انھیں زندگی دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ یہ تو آسمان و زمین کی تخلیق سے زیادہ آسان ہے، ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن 40:57) ''آسمان اور زمین کی پیدائش انسانوں کی تخلیق سے زیادہ بڑا اور مشکل کام ہے۔'' اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے (سورۂ احقاف 46:33 میں اور سورۂ یٰسٓ 36:81،82) میں بھی بیان فرمایا ہے۔

5 اس ﴿اَجَلًا﴾ (وقت مقرر) سے مراد موت یا قیامت ہے۔ یہاں سیاق کلام کے اعتبار سے قیامت مراد لینا زیادہ صحیح ہے، یعنی ہم نے انھیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ○﴾ (ہود 11:104) ''ہم ان کے معاملے کو ایک وقت مقرر تک کے لیے مؤخر کر رہے ہیں۔''

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ؑ 100

ظالم لوگ انکار کیے بغیر رہتے ہی نہیں ○

کہہ دیجیے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاؤ تو تم اس وقت بھی ان کے خرچ ہو جانے [1] کے خوف سے ان کو روکے رکھتے اور انسان ہے ہی تنگ دل ○

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْــَٔـلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا 101

ہم نے موسیٰ کو نو معجزے [2] بالکل صاف صاف عطا فرمائے، تُو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ! میرے

---

1 ﴿ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ﴾ کا مطلب ہے۔ خَشْيَةَ أَنْ يُّنْفِقُوا فَيَفْتَقِرُوا ''اس خوف سے کہ خرچ کر کے فقیر ہو جائیں گے۔'' حالانکہ یہ خزانۂ الٰہی ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔ لیکن چونکہ انسان تنگ دل واقع ہوا ہے، اس لیے بخل سے کام لیتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ○ ﴾ (النسآء 4: 53) یعنی ان کو اگر بادشاہی میں سے کچھ حصہ مل جائے تو یہ لوگوں کو کچھ نہ دیں۔ نقیر کھجور کی گٹھلی کی پشت میں جو نکتہ یا داغ سا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، تل برابر بھی کسی کو نہ دیں۔ یہ تو اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے خزانوں کے منہ لوگوں کے لیے کھولے ہوئے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے: ''اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن خرچ کرتا ہے لیکن اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو سہی، جب سے آسمان وزمین اس نے پیدا کیے ہیں، کس قدر خرچ کیا ہوگا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں (وہ بھرے کے بھرے ہیں۔)'' (صحیح البخاري، حدیث: 74 9، و صحیح مسلم، حدیث: 37-(993))

2 وہ نو معجزے یہ ہیں: ہاتھ کا سفید ہونا، لاٹھی کا سانپ بن جانا، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، جَرَادٌ (ٹڈی دل) قُمَّلٌ (کھٹمل، جوئیں) ضَفَادِعٌ (مینڈک) اور خون۔ امام حسن بصری کہتے ہیں کہ قحط سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ لاٹھی کا جادوگروں کی شعبدہ بازی کو نگل جانا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ بھی معجزات دیے گئے تھے، مثلاً: لاٹھی کا پتھر پر مار کر اس سے بارہ چشمے ظاہر ہونا، بادلوں کا سایہ ہونا، من وسلویٰ وغیرہ۔ لیکن یہاں آیات تسعہ سے صرف وہی نو معجزات مراد ہیں جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انفلاق بحر (سمندر کا پھٹ کر راستہ بن جانا) کو بھی ان نو معجزات میں شمار کیا ہے، قحط سالی اور نقص ثمرات کو ایک معجزہ شمار کیا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت (3144) میں آیات تسعہ کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے۔ لیکن سنداً وہ روایت ضعیف ہے، اس لیے آیات تسعہ سے مراد یہی مذکورہ معجزات ہیں۔

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآٮِٕرَ‌ ۚ وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾

خیال میں تو تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے ○
موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں، اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً ہلاکت زدہ ہے ○

فَاَرَادَ اَنۡ يَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِيۡعًا ۙ‏ ﴿۱۰۳﴾

آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انھیں زمین سے ہی اکھیڑ دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا ○

وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا ؕ‏ ﴿۱۰۴﴾

اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اس سرزمین [1] پر تم رہو سہو۔ ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے ○

وَبِالۡحَـقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَـقِّ نَزَلَ‌ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا‌ ۘ‏ ﴿۱۰۵﴾ وقف لازم

اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ بھی حق کے ساتھ اترا۔ [2] ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا [3] بنا کر بھیجا ہے ○

وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا‏ ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا [4] ہے کہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود بھی

---

1 اس سرزمین سے مراد شام و مصر ہے کہ بنی اسرائیل چالیس سال میدان تیہ میں گزار کر فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس کی شہادت سورۂ اعراف 137:7 وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے اور پھر داود اور سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں مصر کے وارث بھی بن گئے۔

2 یعنی بحفاظت آپ تک پہنچ گیا، اس میں راستے میں کوئی کمی بیشی اور کوئی تبدیلی اور آمیزش نہیں کی گئی، اس لیے کہ اس کو لانے والا فرشتہ شَدِیدُ الْقُوٰی ، الأَمِینُ ، مَکِین اور مُطَاعٌ ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

3 ﴿مُبَشِّرًا﴾ اطاعت گزاروں کے لیے اور ﴿وَنَذِيْرًا﴾ نافرمانوں کے لیے۔

4 ﴿فَرَقْنٰهُ﴾ کے ایک دوسرے معنی بَيَّنَّاهُ وَ أَوْضَحْنَاهُ ''ہم نے اسے کھول کر اور وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔'' بھی کیے گئے ہیں۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿107﴾

اسے بتدریج نازل فرمایا ○

کہہ دیجیے: تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں [1] ○

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿108﴾

اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ بلاشک وشبہ پورا ہوکر رہنے والا ہی ہے [2] ○

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿109﴾

السجدة 4

اور وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع وخضوع بڑھا دیتا ہے [3] ○

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ

کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں، [4] نہ تو تُو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس

---

1 یعنی وہ علماء جنھوں نے نزول قرآن سے قبل کی کتب پڑھی ہیں اور وہ وحی کی حقیقت اور رسالت کی علامات سے واقف ہیں، وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں، اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ انھیں آخری رسول کی پہچان کی توفیق دی اور قرآن و رسالت پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی۔

2 مطلب یہ ہے کہ یہ کفار مکہ جو ہر چیز سے ناواقف ہیں اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ پروا نہ کریں، اس لیے کہ جو اہل علم ہیں اور وحی و رسالت کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ قرآن سن کر وہ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوگئے ہیں۔ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے اور رب کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

3 ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑنے کا دوبارہ ذکر کیا کیونکہ پہلا سجدہ اللہ کی تعظیم وتنزیہ کے لیے اور بطور شکر تھا اور قرآن سن کر جو خشیت ورقت ان پر طاری ہوئی اور اس کی تاثیر واعجاز سے جس درجہ وہ متاثر ہوئے، اس نے دوبارہ انھیں سجدہ ریز کر دیا۔

4 جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ کے لیے اللہ کا صفاتی نام ''رحمٰن'' یا ''رحیم'' نامانوس تھا اور بعض آثار میں آتا ہے کہ بعض مشرکین نے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یارحمٰن یارحیم کے الفاظ سنے تو کہا کہ ہمیں تو یہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾
وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا
وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ
لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾ ع 12 11 12

کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے ○ [1]
اور یہ کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک و ساجھی رکھتا ہے نہ وہ کمزور ہے کہ کوئی اس کا حمایتی ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہے ○

اٰیَاتُھَا: 110 (18) سُوۡرَۃُ الۡکَھۡفِ مَکِّیَّۃٌ (69) رُکُوۡعَاتُھَا: 12

سورۂ کہف [2] مکی ہے، اس میں 110 آیات اور 12 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ
وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿ٜ۱﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
تمام تعریفیں اسی اللہ کے لائق ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کجی

---

1 اس کی شان نزول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ کر رہتے تھے، جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو آواز قدرے بلند فرما لیتے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو اور اللہ کو سب وشتم کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی آواز کو اتنا اونچا نہ کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ آواز اتنی پست کرو کہ صحابہ بھی نہ سن سکیں۔ (صحيح البخاري، حديث:7490، و صحيح مسلم، حديث:446) خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے قراءت کر رہے ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے پوچھا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جس سے مصروف مناجات تھا، وہ میری آواز سن رہا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتوں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اپنی آواز قدرے بلند کرو۔'' اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اپنی آواز کچھ پست رکھو'' (سنن أبي داود، حديث:1329) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل) یعنی صلاۃ سے مراد دعا ہے جو درمیانی آواز سے مانگی جائے، آواز زیادہ اونچی ہو نہ بالکل پست۔ صلاۃ کے لغوی معنی دعا بھی ہیں۔ یا کل بول کر جز مراد لیا ہے۔

2 کھف کے معنی غار کے ہیں۔ اس میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورۂ کہف کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات کی فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ جو ان کو یاد کرے اور پڑھے گا، وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (صحيح مسلم، حديث:809) صحیح مسلم میں اول وآخر کی دونوں روایتیں ہیں۔ لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے پہلی دس آیات والی روایت کو محفوظ اور راجح قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 123/2، حديث:582، و رياض الصالحين، تحقيق شيخ ألباني، ص:393) اور جو اس کی تلاوت جمعے کے

نہیں رکھی ○ [1]

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴿2﴾

بلکہ تمام ٹھیک ٹھاک رکھا تاکہ اپنے پاس [2] کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا دے کہ ان کے لیے بہترین بدلہ ہیں ○

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ﴿3﴾

جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ○

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۗ﴿4﴾

اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے ○ [3]

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿5﴾

درحقیقت نہ تو خود انھیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ دادوں کو۔ یہ تہمت [4] بڑی بری ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ نرا جھوٹ بک رہے ہیں ○

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ

پس اگر یہ لوگ اس بات [5] پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان

دن کرے گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی۔ (المستدرك للحاكم:368/2، وصححه الألباني في صحيح الجامع الصغير:1104/2، حديث:6470) اس کے پڑھنے سے گھر میں سکینت وبرکت نازل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سورۂ کہف پڑھی، گھر میں گھوڑا بھی تھا، وہ بدکنا شروع ہو گیا، انھوں نے غور سے اوپر کی طرف دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انھیں ایک بادل نظر آیا جس نے انھیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی نے اس واقعے کا ذکر جب نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''(قرآن) پڑھا کرو۔ قرآن پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:5011، وصحيح مسلم، حديث:241-(795))

1 یا کوئی کجی اور راہ اعتدال سے انحراف اس میں نہیں رکھا بلکہ اسے قیم، یعنی سیدھا رکھا۔ یا قیم کے معنی، بندوں کے دینی و دنیوی مصالح کی رعایت وحفاظت کرنے والی کتاب۔

2 ﴿مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ جو اس اللہ کی طرف سے صادر اور نازل ہونے والا ہے۔

3 جیسے یہودیوں، عیسائیوں اور بعض مشرکین (کے خیال میں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) کا عقیدہ ہے۔

4 اس کلمہ (تہمت) سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جو نرا جھوٹ ہے۔

5 ﴿بِهٰذَا الْحَدِيْثِ﴾ (اس بات) سے مراد قرآن کریم ہے۔ کفار کے ایمان لانے کی جتنی شدید خواہش نبی ﷺ رکھتے تھے اور ان کے اعراض وگریز سے آپ کو جو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس میں آپ کی اسی کیفیت اور جذبے کا اظہار ہے۔

يُّؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ⑥
کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے؟ ○

اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ⑦
روئے زمین پر جو کچھ ہے [1] ہم نے اسے زمین کی رونق کا باعث بنایا ہے تا کہ ہم انھیں آزمالیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے ○

وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا ⑧
اس پر جو کچھ ہے ہم اسے ضرور ایک ہموار صاف میدان کرڈالنے والے ہیں ○ [2]

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨
کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے؟ ○ [3]

اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ⑩
ان چند نوجوانوں نے جب غار میں پناہ لی تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کو آسان کردے ○ [4]

---

1 روئے زمین پر جو کچھ ہے، حیوانات، جمادات، نباتات، معدنیات اور دیگر مدفون خزانے یہ سب دنیا کی زینت اور اس کی رونق ہیں۔

2 ﴿صَعِيۡدًا﴾ سطح زمین ﴿جُرُزًا﴾ بالکل ہموار، جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو، یعنی ایک وقت آئے گا کہ یہ دنیا اپنی تمام تر رونقوں سمیت فنا ہو جائے گی اور روئے زمین ایک چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی، اس کے بعد ہم نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

3 یعنی یہ واحد بڑی اور عجیب نشانی نہیں ہے۔ بلکہ ہماری ہر نشانی ہی عجیب ہے۔ یہ آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کا نظام، شمس و قمر اور کواکب کی تسخیر، رات اور دن کا آنا جانا اور دیگر بے شمار نشانیاں کیا کم تعجب انگیز ہیں۔ ﴿الۡكَهۡفِ﴾ اس غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں ہوتا ہے۔ ﴿وَالرَّقِيۡمِ﴾ بعض کے نزدیک اس بستی کا نام ہے جہاں سے یہ نوجوان گئے تھے، بعض کہتے ہیں: اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار واقع تھا۔ بعض کہتے ہیں: رقیم بمعنی مرقوم ہے اور یہ ایک تختی ہے لوہے یا سیسے کی، جس میں اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اسے رقیم اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس پر نام تحریر ہیں۔ حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے اس کے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے اب (الرقیب) کہا جاتا ہے جو مرور زمانہ کے سبب (الرقیم) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

4 یہ وہی نوجوان ہیں جنھیں اصحاب کہف کہا گیا، (تفصیل آگے آ رہی ہے) انھوں نے جب اپنے دین کو بچاتے

فَضَرَبۡنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمۡ فِی الۡكَهۡفِ سِنِیۡنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾

پس ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال تک اسی غار میں پردے ڈال دیے ○ [1]

ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَیُّ الۡحِزۡبَیۡنِ اَحۡصٰی لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع 1/12/13

پھر ہم نے انھیں اٹھا کھڑا کیا تا کہ ہم یہ معلوم کرلیں کہ دونوں گروہوں میں سے اس انتہائی مدت کو جو انھوں نے گزاری کس نے خوب [2] یاد رکھا ہے ○

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡیَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَ زِدۡنٰهُمۡ هُدًی ﴿۱۳﴾

ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرمارہے ہیں۔ یہ چند نوجوان [3] اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے

ہوئے غار میں پناہ لی تو یہ دعا مانگی۔ اصحاب کہف کے اس قصے میں نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے، آج کل کے نوجوانوں کا بیشتر وقت فضولیات میں برباد ہوتا ہے اور اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ کاش! آج کے مسلمان نوجوان ''در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری'' کے مصداق اپنی جوانیوں کو اللہ کی عبادت میں صرف کریں۔

1 یعنی کانوں پر پردے ڈال کر ان کے کانوں کو بند کر دیا تا کہ باہر کی آوازوں سے ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انھیں گہری نیند سلا دیا۔

2 ان دو گروہوں سے مراد کون ہیں؟ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ اصحاب کہف ہی میں سے دو گروہ ہیں جن کو اپنی نیند کی مقدار کا صحیح علم نہ ہوسکا، یہی قول راجح ہے اور آیت:19 سے اس کی تائید ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ عالم الغیب نہیں ہوتے۔ جبکہ بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ ایک حزب سے مراد اصحاب کہف اور دوسرے حزب سے شہر والے جن کے زمانے میں اصحاب کہف جگائے گئے۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں جماعتیں کافر تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ مومنوں کی جماعتیں تھیں۔ (روح المعاني، تفسیر اللباب، القرطبي)

3 اب اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ یہ نوجوان، بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا، دقیانوس، جو لوگوں کو بتوں کی عبادت کرنے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دینے کی ترغیب دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نوجوانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور کائنات کا رب ہے۔ ﴿اَلۡفِتۡیَةُ﴾ جمع قلت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد 9 یا اس سے بھی کم تھی۔ یہ الگ ہو کر کسی ایک جگہ اللہ واحد کی عبادت کرتے، آہستہ آہستہ لوگوں میں ان کے عقیدۂ توحید کا چرچا ہوا تو بادشاہ تک بات پہنچ گئی اور اس نے انھیں اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے پوچھا تو وہاں انھوں نے برملا اللہ کی توحید بیان کی۔ بالآخر پھر بادشاہ اور اپنی مشرک قوم کے ڈر سے اپنے دین کو بچانے کے لیے آبادی سے دور ایک پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو گئے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کردی اور وہ تین سو نو (309) سال وہاں سوئے رہے۔

وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰـهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿14﴾

ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی ○

ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے [1] تھے جب وہ راہ حق میں اٹھ کھڑے ہوئے [2] اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں اگر ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کہی [3] ○

هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡ لَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ﴿ؕ15﴾

یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ان کی عبادت پر یہ کوئی صاف دلیل کیوں پیش نہیں کرتے، اللہ پر جھوٹ افترا باندھنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟ ○

وَ اِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَی الۡکَهۡفِ یَنۡشُرۡ لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ یُهَیِّیٔۡ لَکُمۡ مِّنۡ اَمۡرِکُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿16﴾

جبکہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہوگئے تو اب تم کسی غار میں [4] جا بیٹھو، تمھارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمھارے لیے تمھارے کام میں سہولت مہیا کر دے گا ○

وَ تَرَی الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ کَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَ اِذَا غَرَبَتۡ

آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقتِ طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک (ہٹ) جاتا ہے اور بوقت غروب

---

1 یعنی ہجرت کرنے کی وجہ سے اپنے خویش و اقارب کی جدائی اور عیش و راحت کی زندگی سے محرومی کا جو صدمہ انھیں اٹھانا پڑا، ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا تا کہ وہ ان شدائد کو برداشت کر لیں۔ نیز حق گوئی کا فریضہ بھی جرأت اور حوصلے سے ادا کر سکیں۔

2 اس قیام سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک وہ طلبی ہے جو بادشاہ کے دربار میں ان کی ہوئی اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر انھوں نے توحید کا یہ وعظ بیان کیا، بعض کہتے ہیں کہ شہر سے باہر آپس میں ہی کھڑے ایک دوسرے کو توحید کی وہ بات سنائی جو فرداً فرداً اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالی گئی اور یوں اہل توحید باہم اکٹھے ہو گئے۔

3 ﴿شَطَطًا﴾ کے معنی جھوٹ، ظلم، حد سے تجاوز کرنے اور حق سے دور ہونے کے ہیں۔

4 یعنی جب تم نے اپنی قوم کے معبودوں سے کنارہ کشی کر لی ہے تو اب جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ یہ اصحاب کہف نے آپس میں کہا، چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے، جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور

تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِیۡ فَجۡوَةٍ
مِّنۡهُ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ
فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ
وَلِیًّا مُّرۡشِدًا ﴿17﴾ ع 2/5 14

ان کی بائیں جانب سے کترا کر نکل جاتا ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں۔ [1] یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ [2] اللہ جس کی رہبری فرمائے وہ راہ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور راہنما پاسکیں ○ [3]

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَیۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمۡ
ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَکَلۡبُهُمۡ
بَاسِطٌ ذِرَاعَیۡهِ بِالۡوَصِیۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ
عَلَیۡهِمۡ لَوَلَّیۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ
رُعۡبًا ﴿18﴾

آپ خیال کریں گے کہ وہ بیدار ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں، [4] ہم خود ہی دائیں بائیں ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، [5] ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر آپ ان پر جھانکیں تو ضرور بھاگتے ہوئے ان سے پیٹھ پھیر لیں اور ضرور ان کے خوف سے بھر دیے جائیں ○ [6]

وَکَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِیَتَسَآءَلُوۡا بَیۡنَهُمۡ ؕ قَالَ

اسی طرح ہم نے انھیں جگا کر اٹھا دیا [7] کہ آپس میں

ہوئی تو تلاش کیا گیا لیکن وہ اسی طرح ناکام رہے جس طرح نبی ﷺ کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک پہنچ جانے کے باوجود، جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ موجود تھے، ناکام رہے تھے۔

1 یعنی سورج طلوع کے وقت دائیں جانب کو اور غروب کے وقت بائیں جانب کو کترا کے نکل جاتا اور یوں دونوں وقتوں میں ان پر دھوپ نہ پڑتی، حالانکہ وہ غار میں کشادہ جگہ پر محو استراحت تھے۔ ﴿فَجۡوَةٍ﴾ کے معنی ہیں کشادہ جگہ۔

2 یعنی سورج کا اس طرح نکل جانا کہ باوجود کھلی جگہ ہونے کے وہاں دھوپ نہ پڑے، اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

3 جیسے دقیانوس بادشاہ اور اس کے پیروکار ہدایت سے محروم رہے تو کوئی انھیں راہ یاب نہیں کر سکا۔

4 ﴿اَیۡقَاظًا﴾ یَقِظٌ (ق کے کسرے اور ضمے کے ساتھ) کی جمع اور ﴿رُقُوۡدٌ﴾ رَاقِدٌ کی جمع ہے۔ وہ بیدار اس لیے محسوس ہوتے تھے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں، جس طرح جاگنے والے شخص کی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زیادہ کروٹیں بدلنے کی وجہ سے وہ بیدار بیدار نظر آتے تھے۔

5 تاکہ ان کے جسموں کو مٹی نہ کھا جائے۔

6 یہ ان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جا سکے۔

7 یعنی جس طرح ہم نے انھیں اپنی قدرت سے سلا دیا تھا، اسی طرح تین سو نو سال کے بعد ہم نے انھیں اٹھا دیا اور

قَآىِٕلٌ مِّنۡهُمۡ کَمۡ لَبِثۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالُوۡا رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ ؕ فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَکُمۡ بِوَرِقِکُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَةِ فَلۡیَنۡظُرۡ اَیُّهَاۤ اَزۡکٰی طَعَامًا فَلۡیَاۡتِکُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ وَ لۡیَتَلَطَّفۡ وَ لَا یُشۡعِرَنَّ بِکُمۡ اَحَدًا ﴿19﴾

پوچھ گچھ کرلیں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھئی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ [1] کہنے لگے کہ تمھارے ٹھہرے رہنے کا بخوبی علم اللہ ہی کو ہے۔ [2] اب تو تم اپنے میں سے کسی کو اپنے یہ چاندی کے سکے دے کر شہر بھیجو۔ وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے، [3] پھر اسی میں سے تمھارے کھانے کے لیے لے آئے اور وہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمھاری خبر نہ ہونے دے ○ [4]

اِنَّهُمۡ اِنۡ یَّظۡهَرُوۡا عَلَیۡکُمۡ یَرۡجُمُوۡکُمۡ اَوۡ یُعِیۡدُوۡکُمۡ فِیۡ مِلَّتِهِمۡ وَ لَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿20﴾

اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں گے تو تمھیں سنگسار کردیں گے یا تمھیں پھر اپنے دین میں لوٹالیں گے اور پھر اس وقت تم کبھی بھی ہرگز فلاح نہیں پاؤ گے ○ [5]

وَ کَذٰلِکَ اَعۡثَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ لِیَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ

ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کردیا [6]

اس حال میں اٹھایا کہ ان کے جسم اسی طرح صحیح تھے جس طرح تین سو سال قبل سوتے وقت تھے، اسی لیے آپس میں ایک دوسرے سے انھوں نے سوال کیا۔

1 گویا جس وقت وہ غار میں داخل ہوئے، صبح کا پہلا پہر تھا اور جب بیدار ہوئے تو دن کا آخری پہر تھا، یوں وہ سمجھے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے بھی کم، دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔

2 تاہم کثرت نوم کی وجہ سے وہ سخت تردد میں رہے اور بالآخر معاملہ اللہ کے سپرد کردیا کہ وہی صحیح مدت جانتا ہے۔

3 بیدار ہونے کے بعد خوراک، جو انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے، کا سروسامان کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔

4 احتیاط اور نرمی کی تاکید اسی اندیشے کے پیش نظر کی، جس کی وجہ سے وہ شہر سے نکل کر ایک ویرانے میں آئے تھے۔ اسے تاکید کی کہ کہیں اس کے رویے سے شہر والوں کو ہمارا علم نہ ہوجائے اور کوئی نئی افتاد ہم پر نہ آپڑے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

5 یعنی آخرت کی جس کامیابی کے لیے ہم نے یہ صعوبت، مشقت برداشت کی، ظاہر بات ہے کہ اگر اہل شہر نے ہمیں مجبور کر کے پھر آبائی دین کی طرف لوٹا دیا تو ہمارا اصل مقصد ہی فوت ہوجائے گا، ہماری محنت بھی برباد جائے گی اور ہم نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔

6 یعنی جس طرح ہم نے انھیں سلایا اور جگایا، اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کردیا۔ یہ آگاہی اس

اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿21﴾

کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔[1] جبکہ وہ اپنے امر میں آپس میں اختلاف کر رہے تھے[2] کہنے لگے: ان کے غار پر ایک عمارت بنالو۔[3] ان کا رب ہی ان کے حال کا زیادہ عالم ہے۔[4] جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے غار پر مسجد بنالیں گے ○[5]

طرح ہوئی کہ جب اصحاب کہف کا ایک ساتھی چاندی کا وہ سکہ لے کر شہر گیا، جو تین سو سال قبل کے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا تھا اور وہ سکہ اس نے ایک دکاندار کو دیا تو وہ حیران ہوا، اس نے ساتھ کی دکان والے کو دکھایا، وہ بھی دیکھ کر حیران ہوا، جبکہ اصحاب کہف کا ساتھی یہ کہتا رہا کہ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں اور کل ہی یہاں سے گیا ہوں لیکن اس ”کل“ کو تین صدیاں گزر چکی تھیں، لوگ کس طرح اس کی بات مان لیتے؟ لوگوں کو شبہ گزرا کہ کہیں اس شخص کو مدفون خزانہ نہ ملا ہو۔ شدہ شدہ بات بادشاہ یا حاکم مجاز تک پہنچی اور اس ساتھی کی مدد سے وہ غار تک پہنچا اور اصحاب کہف سے ملاقات کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں وفات دے دی۔ (ابن کثیر)

1 یعنی اصحاب کہف کے اس واقعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کا وعدۂ الٰہی سچا ہے۔ منکرین کے لیے اس واقعے میں اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ موجود ہے۔

2 ﴿ اِذْ ﴾ یا تو ظرف ہے ﴿ اَعْثَرْنَا ﴾ کا، یعنی ہم نے انھیں اس وقت ان کے حال سے آگاہ کیا، جب وہ بعث بعد الموت یا وقوع قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے یا ﴿ لِيَعْلَمُوْٓا ﴾ کا، یعنی تاکہ وہ جان لیں جب وہ اس معاملے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

3 یہ کہنے والے کون تھے، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت کے اہل ایمان تھے، بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی تھے، جب جا کر انھوں نے ملاقات کی اور اس کے بعد اللہ نے انھیں پھر وفات دے دی تو بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک عمارت بنادی جائے۔

4 جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بابت صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

5 یہ غلبہ حاصل کرنے والے اہل ایمان تھے یا اہل کفر وشرک؟ امام شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن کثیر نے اس کے بارے میں واللہ أعلم (اللہ ہی خوب جانتا ہے) کہنے کے بعد فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ بات کہنے والے فرماں روا اور ارباب اختیار تھے اور کیا ان کا یہ فعل محمود ہے؟ یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ صالحین کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَّسَاجِدَ» (صحیح البخاري، حدیث:1330، وصحیح مسلم، حدیث:529) ”اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر

سَیَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَۃٌ رَّابِعُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَۃٌ سَادِسُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَۃٌ وَّثَامِنُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِہِمۡ مَّا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا قَلِیۡلٌ ۬ۙ فَلَا تُمَارِ فِیۡہِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا ۪ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِیۡہِمۡ مِّنۡہُمۡ اَحَدًا ﴿22﴾ ع 3/5 15

کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا،[1] غیب کی باتوں میں اٹکل (کے تیر تکے) چلاتے ہیں،[2] (نشانہ دیکھے بغیر پتھر چلا دینے کی طرح) کچھ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔[3] آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو بخوبی جاننے والا ہے، انھیں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں،[4] پس آپ ان کے مقدمے میں صرف سرسری گفتگو ہی کریں[5] اور ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ

لعنت فرمائے، جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔'' صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ ''پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، میں تمھیں اس سے روکتا ہوں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:532) عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عراق میں دانیال علیہ السلام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ اسے لوگوں سے مخفی رکھا جائے (چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔) (تفسیر ابن کثیر)

1 یہ کہنے والے اور ان کی مختلف تعداد بتلانے والے عہد رسالت کے مومن اور کافر تھے اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب تھے جو کتب سماویہ سے آگاہی اور علم کا دعویٰ رکھتے تھے۔

2 یعنی علم ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے، جس طرح بغیر دیکھے کوئی پتھر مارے، یہ بھی اسی طرح اٹکل پچو باتیں کر رہے ہیں۔

3 اللہ تعالیٰ نے صرف تین قول بیان فرمائے، پہلے دو قولوں کو ﴿رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ﴾ (ظن وتخمین) کہہ کر ان کو کمزور رائے قرار دیا اور اس تیسرے قول کا ذکر اس کے بعد کیا جس سے بعض اہل تفسیر نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ انداز اس قول کی صحت کی دلیل ہے اور فی الواقع ان کی تعداد اتنی ہی تھی۔ (ابن کثیر)

4 بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے: میں بھی ان کم لوگوں میں سے ہوں جو یہ جانتے ہیں کہ اصحاب کہف کی تعداد کتنی تھی؟ وہ صرف سات تھے جیسا کہ تیسرے قول میں بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

5 یعنی صرف ان ہی باتوں پر اکتفا کریں جن کی اطلاع آپ کو وحی کے ذریعے سے کر دی گئی ہے۔ یا تعیین عدد میں بحث وتکرار نہ کریں، صرف یہ کہہ دیں کہ اس تعیین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

کریں ○ [1]

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ۙ﴿23﴾

اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا ○

اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۫ وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ وَ قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ﴿24﴾

مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا۔ [2] اور جب بھی بھولے، اپنے پروردگار کی یاد کرلیا کرنا [3] اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی راہنمائی کرے گا ○ [4]

وَلَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿25﴾

وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو سال اور زیادہ گزارے ○ [5]

---

1 یعنی بحث کرنے والوں سے ان کی بابت کچھ نہ پوچھیں، اس لیے کہ جس سے پوچھا جائے، اس کو پوچھنے والے سے زیادہ علم ہونا چاہیے، جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ کے پاس تو پھر بھی یقینی علم کا ایک ذریعہ (وحی) موجود ہے، جبکہ دوسروں کے پاس ظنون واوہام کے سوا کچھ نہیں۔

2 مفسرین کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی ﷺ سے تین باتیں پوچھی تھیں، روح کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کون تھے؟ کہتے ہیں کہ یہی سوالات اس سورت کے نزول کا سبب بنے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں کل جواب دوں گا لیکن اس کے بعد 15 دن تک جبریل وحی لے کر نہیں آئے، پھر جب آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان شاء اللہ کہنے کا یہ حکم دیا۔ آیت میں کل (غد) سے مراد مستقبل ہے، یعنی جب بھی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی کام کرنے کا عزم کرو تو ان شاء اللہ ضرور کہا کرو کیونکہ انسان کو تو پتہ نہیں کہ وہ جس بات کا عزم ظاہر کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ کی مشیت سے ملتی ہے یا نہیں؟

3 یعنی اگر کلام یا وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آ جائے ان شاء اللہ کہہ لو یا پھر رب کو یاد کرنے کا مطلب اس کی تسبیح وتحمید اور اس سے استغفار ہے، اس لیے کہ نسیان بوجہٗ شیطان ہے اور اللہ کے ذکر سے بات یاد آ جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

4 یعنی میں جس کا عزم ظاہر کر رہا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید کام کی طرف میری رہنمائی فرما دے۔

5 جمہور مفسرین نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ شمسی حساب سے 300 اور قمری حساب سے 309 سال بنتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ انھی لوگوں کا قول ہے جو ان کی مختلف تعداد بتلاتے تھے، جس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے ”اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے۔“ جس کا مطلب وہ مذکورہ مدت کی نفی لیتے ہیں۔ لیکن جمہور کی

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿26﴾

آپ کہہ دیں: اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے، آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے، کیا ہی خوب دیکھنے والا ہے وہ اور کیا ہی خوب سننے والا ہے۔[1] سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ○

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ړ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ڡ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿27﴾

تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب وحی کی گئی ہے اسے پڑھتا رہ،[2] اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، تو اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا ○[3]

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ

اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں۔ اس کی رضامندی اور خوشنودی چاہتے ہیں۔ خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں[4] کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے

تفسیر کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب یا کوئی اور، اس بتلائی ہوئی مدت سے اختلاف کرے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ جب اس نے تین سو نو سال مدت بتلائی ہے تو یہی صحیح ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے؟

1 یہ اللہ کی صفت بصارت وسماعت کی وضاحت ہے۔

2 ویسے تو یہ حکم عام ہے کہ جس چیز کی بھی وحی آپ کی طرف کی جائے، اس کی تلاوت فرمائیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ لیکن اصحاب کہف کے قصے کے خاتمے پر اس حکم سے مراد یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں لوگ جو چاہیں، کہتے پھریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ اور جتنا کچھ بیان فرما دیا ہے، وہی صحیح ہے، وہی لوگوں کو پڑھ کر سنا دیجیے، اس سے زیادہ دیگر باتوں کی طرف دھیان نہ دیجیے۔

3 یعنی اگر اسے بیان کرنے سے گریز وانحراف کیا یا اس کے کلمات میں تغیر وتبدیلی کی کوشش کی تو اللہ سے آپ کو بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن اصل مخاطب امت ہے۔

4 یہ وہی حکم ہے جو اس سے قبل (سورۃ الأنعام 6:52) میں گزر چکا ہے۔ مراد ان سے وہ صحابۂ کرام ہیں جو غریب اور کمزور تھے جن کے ساتھ بیٹھنا اشراف قریش کو گوارا نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، ابن مسعود، ایک ہذیل قبیلے کا صحابی اور دو صحابہ اور تھے رضی اللہ عنہم۔ قریش مکہ نے

الثلثة

ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿28﴾

میں لگ جا۔[1] دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے ○[2]

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿29﴾

اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمھارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انھیں گھیر لیں گی۔ اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا جو چہرے بھون دے گا، بڑا ہی برا پانی ہے اور بڑی بری آرام گاہ، یعنی دوزخ ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿30﴾

یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے ○[3]

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ

ان کے لیے ہمیشگی والی جنتیں ہیں، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے[4] اور وہ سبز رنگ کے نرم و باریک

خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بات سنیں، نبی ﷺ کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 46-(2413))

1 یعنی ان کو دور کر کے آپ اصحاب شرف و اہل ثروت کو اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں؟

2 ﴿ فُرُطًا ﴾ بمعنی افراط ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا معاملہ اسراف و حد سے تجاوز والا ہے اور اگر بمعنی تفریط ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ ان کا کام تفریط اور تضییع پر مبنی ہے، جس کا نتیجہ ضیاع اور ہلاکت ہے۔

3 قرآن کے انداز بیان کے مطابق جہنمیوں کے ذکر کے بعد اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگوں کے اندر جنت حاصل کرنے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

4 زمانۂ نزولِ قرآن اور اس سے ماقبل رواج تھا کہ بادشاہ، رؤساء اور سرداران قبائل اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنتے تھے، جس سے ان کی امتیازی حیثیت نمایاں ہوتی تھی۔ اہل جنت کو بھی جنت میں کڑے پہنائے جائیں گے۔

سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّكِـِٕيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآٮِٕكِ‌ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع 4/9 16

اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے،[1] وہاں تختوں کے اوپر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے ○

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّحَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ؕ ﴿۳۲﴾

اور انھیں ان دو شخصوں کا حال بھی سنا دے[2] جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے اور جنھیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا[3] تھا اور دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی لگا رکھی تھی ○[4]

كِلۡتَا الۡجَـنَّتَيۡنِ اٰتَتۡ اُكُلَهَا وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـًٔـا ۙ وَّفَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ ﴿۳۳﴾

دونوں باغ اپنا پھل خوب لائے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ کی[5] اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی ○[6]

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ

الغرض اس کے پاس میوے تھے، ایک دن اس نے

1 ﴿سُنۡدُسٍ﴾ باریک ریشم اور ﴿اِسۡتَبۡرَقٍ﴾ موٹا ریشم۔ دنیا میں مردوں کے لیے سونا اور ریشمی لباس ممنوع ہیں، جو لوگ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں ان محرمات سے اجتناب کریں گے، انھیں جنت میں یہ ساری چیزیں میسر ہوں گی۔ وہاں کوئی چیز ممنوع نہیں ہوگی بلکہ اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے، وہ موجود ہوگی۔ ﴿وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ○﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:31) ''جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب جنت میں موجود ہے۔''

2 مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو شخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے لیے بطور مثال ان کا تذکرہ کیا ہے یا واقعی دو شخص ایسے تھے؟ اگر تھے تو یہ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں یا اہل مکہ میں سے تھے، ان میں ایک مومن اور دوسرا کافر تھا۔

3 جس طرح چار دیواری کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے، اس طرح ان باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے، جو باڑ اور چار دیواری کا کام دیتے تھے۔

4 یعنی دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی جس سے غلہ جات کی فصلیں حاصل کی جاتی تھیں۔ یوں دونوں باغ غلے اور میووں کے جامع تھے۔

5 یعنی اپنی پیداوار میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے بلکہ بھرپور پیداوار دیتے تھے۔

6 تاکہ باغوں کو سیراب کرنے میں کوئی انقطاع واقع نہ ہو۔ یا بارانی علاقوں کی طرح بارش کے محتاج نہ رہیں۔

يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكۡثَرُ مِنۡكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿34﴾

باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی [1] سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے [2] کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں ○

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ‌ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ﴿35﴾

اور وہ اپنے باغ میں گیا اور تھا بھی اپنی جان پر ظلم کرنے والا۔ کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کرسکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہوجائے ○

وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىۡ لَاَجِدَنَّ خَيۡرًا مِّنۡهَا مُنۡقَلَبًا‏ ﴿36﴾

اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں اس لوٹنے کی جگہ اس سے بھی زیادہ [3] بہتر پاؤں گا ○

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرۡتَ بِالَّذِىۡ خَلَقَكَ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ سَوّٰٮكَ رَجُلًا ؕ‏ ﴿37﴾

اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس ہستی کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنادیا ○ [4]

---

1 یعنی باغوں کے مالک نے، جو کافر تھا، اپنے ساتھی سے کہا جو مومن تھا۔

2 ﴿نَفَرًا﴾ (جتھے) سے مراد اولاد پیروکار اور نوکر چاکر ہیں۔

3 یعنی وہ کافر عجب اور غرور میں ہی مبتلا نہیں ہوا بلکہ اس کی مدہوشی اور مستقبل کی حسین اور لمبی امیدوں نے اسے اللہ کی گرفت اور مکافاتِ عمل سے بالکل غافل کردیا۔ علاوہ ازیں اس نے قیامت کا ہی انکار کردیا، پھر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیامت برپا ہوئی بھی تو وہاں بھی حسن انجام میرا مقدر ہوگا۔ جن کا کفر وطغیان حد سے تجاوز کرجاتا ہے، وہ مست مئے پندار ہوکر ایسے ہی متکبرانہ دعوے کرتے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:50) ”اگر مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی میرے لیے اچھائیاں ہی ہیں۔“ ﴿اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ○﴾ (مریم 19:77) ”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور دعویٰ کیا کہ آخرت میں بھی مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا۔“

4 اس کی یہ باتیں سن کر اس کے مومن ساتھی نے اس کو وعظ وتبلیغ کے انداز میں سمجھایا کہ تو اپنے خالق کے ساتھ کفر کا ارتکاب کررہا ہے، جس نے تجھے مٹی اور قطرۂ پانی (منی) سے پیدا کیا۔ ابو البشر آدم علیہ السلام چونکہ مٹی سے بنائے گئے تھے، اس لیے انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی، پھر قریبی سبب وہ نطفہ بنا جو باپ کی صلب سے نکل کر رحم مادر میں گیا،

لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ
اَحَدًا ﴿38﴾
وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ
اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ
مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿39﴾ۚ
فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ
وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ
فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿40﴾ۙ

لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے، میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا ○ [1]
جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو یہ کیوں نہ کہا کہ ماشاء اللہ: لاقوۃ الا باللہ۔ [2] اگر تو مجھے مال واولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے ○
تو بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی بہتر دے [3] اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے ○ [4]

وہاں نو مہینے اس کی پرورش کی، پھر اسے پورا انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالا۔ بعض کے نزدیک مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے، وہ سب زمین سے، یعنی مٹی سے ہی حاصل ہوتی ہے، اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے جو عورت کے رحم میں جا کر انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں بھی ہر انسان کی اصل مٹی ہی قرار پاتی ہے۔ ناشکرے انسان کو اس کی اصل یاد دلا کر اسے اس کے خالق اور رب کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تو اپنی حقیقت اور اصل پر غور کر اور پھر رب کے ان احسانات کو دیکھ کہ تجھے اس نے کیا کچھ بنا دیا اور اس عمل تخلیق میں کوئی اس کا شریک اور مددگار نہیں ہے، یہ سب کچھ کرنے والا صرف اور صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کو ماننے کے لیے تو تیار نہیں ہے۔ آہ، کس قدر یہ انسان ناشکرا ہے؟ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○﴾ (بنی إسرآء یل 17: 67)

1 یعنی میں تیری طرح کی بات نہیں کروں گا بلکہ میں تو اللہ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ساتھی مشرک ہی تھا۔

2 اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت سرکشی اور غرور کا مظاہرہ کرنے کی بجائے یہ کہا ہوتا، مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، یعنی جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہے تو اسے باقی رکھے اور چاہے تو فنا کر دے، اسی لیے بعض سلف نے کہا کہ جس کو اپنا مال، اولاد یا حال اچھا لگے تو وہ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔ (تفسیر ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی میں خوش کن چیز دیکھے تو اسے برکت کی دعا دے کیونکہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ (سنن ابن ماجه، حديث:3509، وصحيح الجامع الصغير، حديث:4020)

3 دنیا میں یا آخرت میں۔ یا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں۔

4 ﴿حُسْبَانًا﴾ غُفران اور بُطلان کی طرح مصدر ہے حساب کے معنی میں ہے، یعنی وہ مقدار جس کا حساب اللہ نے کیا ہے اور اسے مقدر کیا ہے اور وہ ہے اس باغ کی تخریب کا فیصلہ۔ زجاج نے کہا: یہ حساب سے ہے، یعنی حساب

اَوۡ یُصۡبِحَ مَآؤُهَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿41﴾

یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈ لائے ○[1]

وَاُحِیۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ یُقَلِّبُ کَفَّیۡهِ عَلٰی مَاۤ اَنۡفَقَ فِیۡهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوۡشِهَا وَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّیۡۤ اَحَدًا ﴿42﴾

اور اس کے (سارے) پھل گھیر لیے گئے،[2] پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے لگا[3] اور وہ باغ تو اوندھا الٹا پڑا تھا،[4] اور وہ (شخص) یہ کہہ رہا تھا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا○[5]

وَلَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا کَانَ مُنۡتَصِرًا ﴿43﴾

اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اٹھی[6] کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا○

هُنَالِكَ الۡوَلَایَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ هُوَ خَیۡرٌ ثَوَابًا وَّخَیۡرٌ عُقۡبًا ﴿44﴾ ع 5 13 17

یہیں سے ثابت ہے کہ اختیارات[7] صرف اللہ برحق ہی کے لیے ہیں وہ ثواب دینے اور انجام کے اعتبار سے

کا عذاب اور وہ تیرے کرتوتوں کا حساب ہے، یعنی آسمانی عذاب کے ذریعے سے وہ محاسبہ کر لے۔ اور یہ جگہ جہاں اس وقت سرسبز و شاداب باغ ہے، چٹیل اور چکنا میدان بن جائے۔

1 اس پانی کو اتنی گہرائی میں کر دے کہ پانی کا حصول ہی ناممکن ہو جائے۔ اور جہاں پانی زیادہ گہرائی میں چلا جائے تو پھر وہاں بڑے بڑے ہارس پاور کی موٹریں اور مشینیں بھی پانی کو اوپر کھینچ لانے میں ناکام رہتی ہیں۔

2 یہ عبارت ہے ہلاکت وفنا سے، یعنی اس کا سارا باغ ہلاک کر ڈالا گیا۔

3 یعنی باغ کی تعمیر واصلاح اور کاشت کاری کے اخراجات پر کف افسوس ملنے لگا۔ ہاتھ ملنا کنایہ ہے ندامت سے۔

4 یعنی جن چھتوں، چھپروں پر انگوروں کی بیلیں تھیں، وہ سب زمین پر آ رہیں اور انگوروں کی ساری فصل تباہ ہوگئی۔

5 اب اسے احساس ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اس کے احکام کا انکار کرنا اور اس کے مقابلے میں سرکشی کسی طرح بھی ایک انسان کے لیے زیبا نہیں لیکن اب حسرت وافسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

6 جس جتھے پر اس کو ناز تھا، وہ بھی اس کے کام نہیں آیا نہ وہ خود ہی اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی انتظام کر سکا۔

7 ﴿الۡوَلَایَةُ﴾ کے معنی موالات اور نصرت کے ہیں، یعنی اس مقام پر مومن و کافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کی مدد کرنے پر اور اس کے عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر اس موقع پر بڑے بڑے سرکش اور جبار بھی اظہار ایمان پر مجبور ہو جاتے ہیں، گو اس وقت کا ایمان نافع اور مقبول نہیں۔ جس طرح قرآن نے فرعون کی بابت نقل کیا ہے کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا: ﴿اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ

بہت [1] ہی بہتر ہے ○

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿45﴾

ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اس سے زمین کا سبزہ ملا جلا (نکلا) ہے، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ [2]

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

مال واولاد تو دنیا ہی کی زینت ہے، [3] اور (ہاں) البتہ باقی رہنے والی نیکیاں [4] تیرے رب کے نزدیک ازروئے

بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○﴾ (یونس 10:90) ''میں اس اللہ پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں۔'' دوسرے کفار کی بابت فرمایا گیا: ''جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، ان کا انکار کرتے ہیں۔'' (المؤمن 40:84) اگر ولایت، واؤ کے کسرے کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی حکم اور اختیارات کے ہیں جیسا کہ ترجمے میں یہی معنی اختیار کیے گئے ہیں۔ (ابن کثیر)

1 یعنی وہی اپنے دوستوں کو بہتر بدلہ دینے والا اور حسن عاقبت سے مشرف کرنے والا ہے۔

2 اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو کھیتی کی ایک مثال کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی میں لگے ہوئے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برستی ہے تو پانی سے مل کر کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، پودے اور درخت حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی سوکھ جاتی ہے۔ پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے یا فصل پک جانے کے سبب۔ تو پھر ہوائیں اس کو اڑائے پھرتی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا کبھی اسے دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب جھکا دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے بلبلے یا کھیتی ہی کی طرح ہے جو اپنی چند روزہ بہار دکھا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اور یہ سارے تصرفات اس ہستی کے ہاتھ میں ہیں جو ایک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ مثال قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے (مثلاً: سورۂ یونس 10:24، سورۂ زمر 39:21، سورۂ حدید 57:20 وغیرھا من الآیات)

3 اس میں ان اہل دنیا کا رد ہے جو دنیا کے مال واسباب، قبیلہ وخاندان اور آل اولاد پر فخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ چیزیں تو دنیائے فانی کی عارضی زینت ہیں۔ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ اسی لیے اس سے آگے فرمایا کہ آخرت میں کام آنے والے عمل تو وہ ہیں جو باقی رہنے والے ہیں۔

4 ﴿اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ (باقی رہنے والی نیکیاں) کون سی یا کون کون سی ہیں؟ کسی نے نماز کو، کسی نے تحمید وتسبیح اور تکبیر وتہلیل کو اور کسی نے بعض اور اعمال خیر کو اس کا مصداق قرار دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے اور تمام

وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿46﴾
ثواب اور آئندہ کی اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں ○

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿47﴾
اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے [1] اور زمین کو تُو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے، پھر ہم ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے ○ [2]

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿48﴾
اور سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ [3] حاضر کیے جائیں گے، انھیں کہا جائے گا: یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے جس طرح ہم نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا لیکن تم تو اسی خیال میں رہے کہ ہم ہرگز تمھارے لیے کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کریں گے ○

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا
اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیے جائیں گے، پس تُو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے

نیکیوں کو شامل ہے۔ تمام فرائض و واجبات اور سنن ونوافل سب باقیات صالحات ہیں بلکہ مَنْهِيَّات (منع کردہ چیزوں) سے اجتناب بھی ایک عمل صالح ہے، جس پر عنداللہ اجر وثواب کی امید ہے۔

1 یہ قیامت کی ہولناکیوں اور بڑے بڑے واقعات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کو چلائیں گے کا مطلب ہے، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑ جائیں گے۔ ﴿وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○﴾ (القارعة 5:101) ”اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون۔“ (مزید دیکھیے: سورۂ طور 10,9:52، سورۂ نمل 88:27 اور سورۂ طٰہٰ 20:105-107) زمین سے جب پہاڑ جیسی مضبوط چیزیں ختم ہو جائیں گی تو مکانات، درخت اور اسی طرح کی دیگر چیزیں کس طرح اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گی؟ اسی لیے آگے فرمایا: ”تو زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا۔“

2 یعنی اولین وآخرین، چھوٹے بڑے، کافر ومومن سب کو جمع کریں گے، کوئی زمین کی تہ میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ قبر سے نکل کر کسی جگہ چھپ سکے گا۔

3 ﴿صَفًّا﴾ عُرِضُوا کی ضمیر مرفوع سے حال ہے اور صف اگرچہ مفرد ہے لیکن اس سے مراد جمع ہی ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے: أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةُ صَفٍّ، ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ ”اہل جنت کی 120 صفیں ہوں گی جن میں سے 80 صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں سے۔“ (جامع الترمذي، حديث: 2546) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مفرد ہی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک ہی صف میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

مَا لِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿49﴾ ع 6/5 18

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿50﴾

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے: ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا عمل شمار کیے بغیر نہیں چھوڑا اور جو کچھ انھوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہیں کرے گا ○

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا،[1] اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی،[2] کیا پھر بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کے دشمن ہیں۔[3] ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدلہ ہے ○[4]

میں نے انھیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت

---

1 قرآن کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ شیطان فرشتہ نہیں تھا، فرشتہ اگر ہوتا تو حکم الٰہی سے سرتابی کی اسے مجال ہی نہ ہوتی کیونکہ فرشتوں کی صفت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○﴾ (التحریم 66:6) ''وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔'' اس صورت میں یہ اشکال رہتا ہے، اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر اللہ کے حکم کا وہ مخاطب ہی نہیں تھا کیونکہ اس کے مخاطب تو فرشتے تھے، انھی کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے علاوہ شیطان کو بھی مستقلاً حکم تھا اور سجدۂ آدم کے حکم کے ساتھ اس کا مخاطب کیا جانا قطعی ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ (الأعراف 12:7) ''جب میں نے تجھے حکم دے دیا تو پھر تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا؟''

2 ﴿فَفَسَقَ﴾ کے معنی ہوتے ہیں نکلنا، چوہا جب اپنے بل سے نکلتا ہے تو کہتے ہیں۔ فَسَقَتِ الْفَأْرَةُ مِنْ جُحْرِهَا (چوہا اپنے بل سے نکل آیا) شیطان بھی سجدۂ تعظیم وتحیہ کا انکار کر کے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔

3 یعنی کیا تمھارے لیے یہ صحیح ہے کہ تم ایسے شخص کو اور اس کی ذریت کو دوست بناؤ جو تمھارے باپ آدم کا دشمن، تمھارا دشمن اور تمھارے رب کا نافرمان ہے اور اللہ کو چھوڑ کر اس شیطان کی اطاعت کرو؟

4 یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کی دوستی کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اور اس کی دوستی جو اختیار کی ہے تو یہ بہت ہی برا بدل ہے، جسے ان ظالموں نے اپنایا ہے۔

وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِہِمۡ ۪ وَمَا کُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّیۡنَ عَضُدًا ﴿51﴾

موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش میں،[1] اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا زورِ بازو بنانے والا بھی نہیں ○ [2]

وَیَوۡمَ یَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡہُمۡ فَلَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَہُمۡ وَجَعَلۡنَا بَیۡنَہُمۡ مَّوۡبِقًا ﴿52﴾

اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمھارے خیال میں جو میرے شریک تھے انھیں پکارو! یہ پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا، ہم ان کے درمیان ہلاکت کا سامان کر دیں گے ○ [3]

وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ مُّوَاقِعُوۡہَا وَلَمۡ یَجِدُوۡا عَنۡہَا مَصۡرِفًا ﴿53﴾ ع 7/4 19

اور مجرم لوگ جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے ○ [4]

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ؕ وَکَانَ

ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کے لیے بیان کر دی ہیں لیکن انسان تمام

---

1 یعنی آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کی تدبیر میں بلکہ خود ان شیاطین کی پیدائش میں میں نے ان سے یا ان میں سے کسی ایک سے کوئی مدد حاصل نہیں کی، یہ تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے، پھر تم اس شیطان اور اس کی ذریت کی پوجا یا ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور میری عبادت و اطاعت سے تمھیں گریز کیوں ہے؟ جبکہ یہ مخلوق ہیں اور میں ان سب کا خالق ہوں۔

2 اور میں ان کو مددگار بھی کیسے بناؤں، جبکہ یہ میرے بندوں کو گمراہ کر کے میری جنت اور میری رضا سے روکتے ہیں۔

3 ﴿مَّوۡبِقًا﴾ کے ایک معنی حجاب (پردے اور آڑ) کے ہیں، یعنی ان کے درمیان پردہ اور فاصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ ان کے مابین آپس میں عداوت ہوگی، نیز اس لیے کہ عرصۂ محشر میں یہ ایک دوسرے کو نہ مل سکیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں پیپ اور خون کی مخصوص وادی ہے جس کے ذریعے سے ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ مَہۡلِك (جائے ہلاکت یا ہلاکت) کیا ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے، یعنی یہ مشرک اور ان کے مزعومہ معبود، یہ ایک دوسرے کو مل ہی نہیں سکیں گے کیونکہ ان کے درمیان ہلاکت کا سامان اور ہولناک چیزیں ہوں گی۔

4 جس طرح بعض روایات میں ہے کہ کافر ابھی چالیس سال کی مسافت پر ہوگا تو جب جہنم کو دیکھ لے گا تو یقین کر لے گا کہ جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ (مسند أحمد:3/75)

الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا ﴿54﴾
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ
الۡهُدٰی وَیَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ
تَاۡتِیَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِیۡنَ اَوۡ یَاۡتِیَهُمُ
الۡعَذَابُ قُبُلًا ﴿55﴾
وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ
وَمُنۡذِرِیۡنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا
بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ وَاتَّخَذُوۡۤا
اٰیٰتِیۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا هُزُوًا ﴿56﴾

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ
عَنۡهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا

چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے ○ [1]

لوگوں کے پاس ہدایت آ چکنے کے بعد انھیں ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ انھیں بھی پیش آئے [2] یا ان کے سامنے کھلم کھلا عذاب آ موجود ہو ○ [3]

ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبریاں سنا دیں اور ڈرا دیں۔ کافر لوگ باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس سے حق کو لڑکھڑا دیں۔ انھوں نے میری آیتوں کو اور جس چیز سے ڈرایا جائے اسے مذاق بنا ڈالا ○ [4]

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے

---

1 یعنی ہم نے انسانوں کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن میں ہر طریقہ استعمال کیا ہے، وعظ و تذکیر، امثال و واقعات اور دلائل و براہین، علاوہ ازیں انھیں بار بار اور مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ سخت جھگڑالو ہے، اس لیے وعظ و نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور نہ دلائل و براہین اس کے لیے کارگر۔

2 یعنی تکذیب کی صورت میں ان پر بھی اسی طرح عذاب آئے، جیسے پہلے لوگوں پر آیا۔

3 یعنی یہ اہل مکہ ایمان لانے کے لیے ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہیں۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد ایمان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یا اس کے بعد ایمان لانے کا ان کو موقع ہی کب ملے گا؟

4 اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا تکذیب کی بدترین قسم ہے۔ اسی طرح باطل کے ذریعے سے جدال، یعنی باطل طریقے اختیار کر کے حق کو باطل ثابت کرنے کی سعی کرنا بھی نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی مجادلہ بالباطل کی ایک صورت یہ ہے جو کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی رسالت کا انکار کر دیتے رہے کہ تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو ﴿مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا﴾ (یٰسٓ 15:36) ہم تمھیں رسول کس طرح تسلیم کر لیں؟ ﴿لِیُدۡحِضُوۡا﴾ کے اصل معنی پھسلنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: دَحَضَتْ رِجْلُهُ (اس کا پیر پھسل گیا) یہاں سے یہ کسی چیز کے زوال (ٹلنے) اور بطلان کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ کہتے ہیں: دَحَضَتْ حُجَّتُهُ دُحُوضًا أَي بَطَلَتْ (اس کی حجت باطل ہو گئی) اس لحاظ سے اَدْحَضَ يُدْحِضُ کے معنی ہوں گے: باطل کرنا۔ (فتح القدير)

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿57﴾

اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے بھول جائے، بیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے، گو تو انھیں ہدایت کی طرف بلاتا رہے، لیکن وہ کبھی بھی ہدایت نہیں پائیں گے ○ [1]

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿58﴾

تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے، وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بیشک انھیں جلد ہی عذاب کردے بلکہ ان کے لیے ایک وعدے کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ نہیں پائیں گے ○ [2]

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿59﴾ ع 8/6/20

یہ ہیں وہ بستیاں جنھیں ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر غارت کردیا اور ان کی تباہی کی بھی ہم نے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی ○ [3]

---

1 یعنی ان کے اس ظلم عظیم کی وجہ سے کہ انھوں نے رب کی آیات سے اعراض کیا اور اپنے کرتوتوں کو بھولے رہے، ان کے دلوں پر ایسے پردے اور ان کے کانوں پر ایسے بوجھ ڈال دیے گئے ہیں، جس سے قرآن کا سمجھنا، سننا اور اس سے ہدایت قبول کرنا ان کے لیے ناممکن ہوگیا۔ ان کو کتنا بھی ہدایت کی طرف بلالو، یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

2 یعنی یہ تو رب غفور کی رحمت ہے کہ وہ گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پاداش عمل میں ہر شخص ہی عذاب الٰہی کے شکنجے میں کسا ہوتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ جب مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور ہلاکت کا وہ وقت آجاتا ہے، جو اللہ نے مقرر کیا ہوا ہوتا ہے تو پھر فرار کا کوئی راستہ اور بچاؤ کی کوئی سبیل ان کے لیے نہیں رہتی۔ ﴿مَوْئِلًا﴾ کے معنی ہیں: جائے پناہ، راہ فرار۔

3 اس سے مراد عاد، ثمود اور شعیب علیہ السلام اور لوط علیہ السلام وغیرہ کی قومیں ہیں جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں ہی تھیں۔ انھیں بھی اگرچہ ان کے ظلم کے سبب ہی ہلاک کیا گیا لیکن ہلاکت سے پہلے انھیں پورا موقع دیا گیا اور جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا ظلم وطغیان اس حد کو پہنچ گیا ہے، جہاں سے ہدایت کے راستے بالکل مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے خیر اور بھلائی کی امید باقی نہیں رہی تو پھر ان کی مہلت عمل ختم اور تباہی کا وقت شروع ہوگیا، پھر انھیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ یا اہل دنیا کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیا گیا۔ یہ دراصل اہل مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿60﴾

اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان [1] سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں [2] کے سنگم پر پہنچوں۔ یا پھر میں عرصۂ دراز تک چلتا رہوں گا [3] ○

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿61﴾

جب وہ دونوں دریا کے سنگم پر پہنچے، تو وہاں اپنی مچھلی بھول گئے، جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا ○

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿62﴾

جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لا ہمارا ناشتہ دے ہمیں تو اپنے اس سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی ○

آخری پیغمبر اور اشرف الرسل محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر رہے ہو، تم یہ نہ سمجھنا کہ تمھیں جو مہلت مل رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں کوئی پوچھنے والا نہیں؟ بلکہ یہ مہلت تو سنت اللہ ہے جو ایک وقت موعود تک ہر فرد، گروہ اور قوم کو وہ عطا کرتا ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور تم اپنے کفر و عناد سے باز نہیں آؤ گے تو پھر تمھارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

1 نوجوان سے مراد یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔

2 اس مقام کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی ہے، تاہم قرائن کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آ کر ملتے اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مقامات جن کا ذکر مفسرین نے کیا ہے ان پر سرے سے مجمع البحرین کی تعبیر ہی صادق نہیں آتی۔

3 ﴿حُقُبًا﴾ کے ایک معنی 70 یا 80 سال اور دوسرے معنی غیر معین مدت کے ہیں۔ یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی جب تک میں مجمع البحرین (جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں) نہیں پہنچ جاؤں گا، چلتا رہوں گا اور سفر جاری رکھوں گا، چاہے کتنا بھی عرصہ لگ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس سفر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ایک موقع پر ان سے ایک آدمی نے پوچھا: لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ جملہ پسند نہیں آیا، اس لیے کہ انھوں نے اس کا علم اللہ کی طرف سپرد نہیں کیا۔ اور وحی کے ذریعے سے انھیں مطلع کیا کہ ہمارا ایک بندہ (خضر) ہے جو تجھ سے بھی بڑا عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ! اس سے ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں، وہیں ہمارا وہ بندہ بھی ہو گا۔ نیز فرمایا کہ مچھلی ساتھ لے جاؤ، جہاں مچھلی تمھاری ٹوکری (زنبیل) سے نکل کر غائب ہو جائے تو سمجھ لینا کہ یہی مقام ہے (صحيح البخاري، حدیث: 4725) چنانچہ اس حکم کے مطابق انھوں نے ایک مچھلی لی اور سفر شروع کر دیا۔

قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ‌ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ‌ۖ عَجَبًا ﴿63﴾

اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا؟ جبکہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس مچھلی نے ایک انوکھے طور پر دریا میں اپنا راستہ کر لیا ○ [1]

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ‌ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۙ﴿64﴾

موسیٰ نے کہا: یہی تھا وہ مقام جس کی تلاش میں ہم تھے، چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے دیکھتے واپس [2] لوٹے ○

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿65﴾

سو وہاں انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے [3] کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے خاص رحمت [4] عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم [5] سکھا

---

1 یعنی مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بنا دیا۔ یوشع علیہ السلام نے مچھلی کو سمندر میں جاتے اور راستہ بنتے ہوئے دیکھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔ حتیٰ کہ آرام کر کے وہاں سے پھر سفر شروع کر دیا، اس دن اور اس کے بعد رات سفر کر کے جب دوسرے دن موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوئی تو اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ لاؤ بھئی ناشتہ، ناشتہ کر لیں۔ اس نے کہا: مچھلی تو جہاں ہم نے پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کیا تھا، وہاں زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی اور وہاں عجب طریقے سے اس نے اپنا راستہ بنایا تھا، جس کا میں آپ سے تذکرہ کرنا بھول گیا۔ اور شیطان نے مجھے بھلا دیا۔

2 موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کے بندے! جہاں مچھلی نے زندہ ہو کر غائب ہونا تھا، وہی تو ہمارا مطلوبہ مقام تھا جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے ہیں، چنانچہ اپنے نشانات قدم دیکھتے ہوئے پیچھے لوٹے اور اسی مجمع البحرین پر واپس آ گئے۔ ﴿قَصَصًا﴾ کے معنی ہیں: پیچھے لگنا، پیچھے پیچھے چلنا، یعنی نشانات قدم کو دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

3 اس بندے سے مراد خضر ہیں جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحت ہے۔ خضر کے معنی سرسبز اور شاداب کے ہیں، یہ ایک مرتبہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین ان کے نیچے سے سرسبز ہو کر لہلہانے لگا، اسی وجہ سے ان کا نام خضر پڑ گیا (صحيح البخاري، حديث:3402)

4 رحمت سے بعض مفسرین نے وہ خصوصی انعامات مراد لیے ہیں جو اللہ نے اپنے اس خاص بندے پر فرمائے اور اکثر مفسرین نے اس سے مراد نبوت لی ہے۔

5 اس سے علم نبوت کے علاوہ جس سے موسیٰ علیہ السلام بھی بہرہ ور تھے، بعض تکوینی امور کا علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے

رکھا تھا ○

قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿66﴾

اس سے موسیٰ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے وہ نیک علم سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے ○

قَالَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿67﴾

اس نے کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے ○

وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿68﴾

اور جس چیز کی حقیقت کا آپ کو علم ہی [1] نہ ہو اس پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں ○

قَالَ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِىۡ لَكَ اَمۡرًا ﴿69﴾

موسیٰ نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا ○

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِىۡ فَلَا تَسۡـئَلۡنِىۡ عَنۡ
ع 9 11 21 شَىۡءٍ حَتّٰۤى اُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرًا ﴿70﴾

اس نے کہا: اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلنے پر ہی اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کہ کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں ○

فَانۡطَلَقَا ۙ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيۡنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ اَهۡلَهَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡــًٔـا اِمۡرًا ﴿71﴾

پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، خضر نے اس کے تختے توڑ دیے، موسیٰ نے کہا: کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں کہ کشتی والوں کو ڈبو دیں، یہ تو

صرف خضر علیہ السلام کو نوازا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی وہ علم نہیں تھا۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض صوفیاء دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو، جو نبی نہیں ہوتے، علم لدنی سے نوازتا ہے، جو بغیر استاذ کے محض مبدأ فیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ باطنی علم، شریعت کے ظاہری علم سے، جو قرآن و حدیث کی صورت میں موجود ہے، مختلف بلکہ بعض دفعہ اس کے مخالف اور معارض ہوتا ہے لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ خضر علیہ السلام کی بابت تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو علم خاص دیے جانے کی صراحت کر دی ہے، جبکہ کسی اور کے لیے ایسی صراحت کہیں نہیں اگر اس کو عام کر دیا جائے تو پھر ہر شعبدہ باز اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، چنانچہ اس طبقے میں یہ دعوے عام ہی ہیں، اس لیے ایسے دعوؤں کی کوئی حیثیت نہیں۔

1 یعنی جس کا پورا علم نہ ہو۔

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿72﴾

آپ نے (بڑی) خطرناک بات کردی ○ [1]

خضر نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا ○

قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿73﴾

موسیٰ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے اور مجھے میرے کام میں تنگی میں نہ ڈالیے ○ [2]

فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّۃًۢ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا نُّکۡرًا ﴿74﴾

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ وہ ایک لڑکے [3] کو ملے، خضر نے اسے مار ڈالا، موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک بے گناہ کی جان لی اور وہ بھی کسی کے خون کے بدلے میں نہیں، یہ تو آپ نے بڑی ہی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی ○ [4]

---

1 موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اس علم خاص کی خبر نہیں تھی جس کی بنا پر خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختے توڑ دیے تھے، اس لیے صبر نہ کر سکے اور اپنے علم وفہم کے مطابق اسے نہایت ہولناک کام قرار دیا۔ ﴿ اِمۡرًا ﴾ کے معنی ہیں الداهية العظيمة ''بڑا ہیبت ناک کام۔''

2 یعنی میرے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں، سختی کا نہیں۔

3 ﴿ غُلٰمًا ﴾ سے مراد بالغ جوان بھی ہوسکتا ہے اور نابالغ بچہ بھی۔

4 ﴿ نُّکۡرًا ﴾ فَظِيعًا مُّنْكَرًا لَّا يُعْرَفُ فِي الشَّرْعِ ایسا بڑا برا کام جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں: أَنْكَرُ مِنَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ، پہلے کام (کشتی کے تختے توڑنے) سے زیادہ برا کام، اس لیے کہ قتل ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ ممکن نہیں۔ جبکہ کشتی کے تختے اکھیڑ دینا، ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں، پہلے کام سے کم تر أَقَلُّ مِنَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ اس لیے کہ ایک جان کو قتل کرنا سارے کشتی والوں کو ڈبو دینے سے کم تر ہے۔ (فتح القدير) لیکن پہلا مفہوم ہی انسب ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو جو علم شریعت حاصل تھا، اس کی رو سے خضر علیہ السلام کا یہ کام بہرحال خلاف شرع تھا، جس کی وجہ سے انھوں نے اعتراض کیا اور اسے نہایت برا کام قرار دیا، تاہم خضر علیہ السلام امر الٰہی کی وجہ سے اس کے کرنے کے پابند تھے اور موسیٰ علیہ السلام اس سے بے خبر تھے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ
مَعِيَ صَبْرًا ﴿75﴾

وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے ○

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا
تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾

موسیٰ نے جواب دیا: اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف سے (حد) عذر[1] کو پہنچ چکے ○

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ
اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا
فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ
فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ
اَجْرًا ﴿77﴾

پھر دونوں چلے، ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کیا، انھوں نے ان کی مہمان نوازی سے صاف انکار کر دیا،[2] پس دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی۔ اس نے اسے ٹھیک اور درست[3] کر دیا، موسیٰ کہنے لگے: اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے ○[4]

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ
بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿78﴾

اس نے کہا: بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان،[5] اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا

---

1 یعنی اب اگر سوال کروں تو اپنی مصاحبت کے شرف سے مجھے محروم کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اس لیے کہ آپ کے پاس معقول عذر ہوگا۔

2 یعنی یہ بخیلوں اور لئیموں کی بستی تھی کہ مہمانوں کی مہمان نوازی سے ہی انکار کر دیا، درآں حالیکہ مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی کرنا ہر شریعت وقوم کی اخلاقی تعلیمات کا اہم حصہ رہا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی مہمان نوازی اور اکرامِ ضیف کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ» (صحيح البخاري، حديث: 6476، و صحيح مسلم، حديث: 14-(48)، قبل حديث: 1727) ”جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت وتکریم کرے۔“

3 خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو ہاتھ لگایا اور اللہ کے حکم سے وہ معجزانہ طور پر سیدھی ہوگئی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث: (4726) سے واضح ہے۔

4 موسیٰ علیہ السلام جو اہل بستی کے رویے سے پہلے ہی کبیدہ خاطر تھے، خضر علیہ السلام کے اس بلا معاوضہ احسان پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ جب ان بستی والوں نے ہماری مسافرت اور ضرورت مندی کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا تو یہ لوگ کب اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے؟

5 خضر علیہ السلام نے کہا کہ موسیٰ! یہ تیسرا موقع ہے کہ تو صبر نہیں کر سکا اور اب خود تیرے کہنے کے مطابق میں تجھے ساتھ

دوں گا جس پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا ○ [1]

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿79﴾

کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کرلیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو جبراً ضبط کرلیتا تھا○

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿80﴾

اور اس لڑکے کے ماں باپ ایمان دار تھے۔ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انھیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کردے ○

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿81﴾

اس لیے ہم نے چاہا کہ انھیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت و

رکھنے سے معذور ہوں۔

1 لیکن جدائی سے قبل خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت سے انھیں آگاہ اور باخبر کرنا ضروری خیال کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کسی مغالطے کا شکار نہ رہیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ علم نبوت اور ہے جس سے انھیں نوازا گیا ہے اور بعض تکوینی امور کا علم اور ہے جو اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت، جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، خضر علیہ السلام کو دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق انھوں نے جو کام کیے ان میں بعض شریعت موسوی کی رو سے جائز نہیں تھے اور اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بجا طور پر ان پر خاموش نہیں رہ سکے تھے۔ انھی تکوینی امور کی انجام دہی کی وجہ سے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ خضر علیہ السلام انسانوں میں سے نہیں تھے اور اسی لیے وہ ان کی نبوت و رسالت یا ولایت کی بحث میں نہیں پڑتے کیونکہ یہ سارے مناصب تو انسانوں کے ساتھ ہی خاص رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بعض تکوینی امور سے مطلع کر کے ان کے ذریعے سے وہ کام کروالے تو اس میں بھی کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ جب وہ صاحب وحی خود اس امر کی وضاحت کردے کہ میں نے یہ کام اللہ کے حکم ہی سے کیے ہیں تو گو بظاہر وہ خلاف شریعت ہی نظر آتے ہوں لیکن جب ان کا تعلق ہی تکوینی امور سے ہے تو وہاں جواز اور عدم جواز کی بحث ہی غیر ضروری ہے۔ جیسے تکوینی احکامات کے تحت کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی مرتا ہے، کسی کا کاروبار تباہ ہو جاتا ہے، قوموں پر عذاب آتا ہے، ان میں سے بعض کام بعض دفعہ باذن الٰہی فرشتے ہی کرتے ہیں تو جس طرح یہ امور آج تک کسی کو خلاف شریعت نظر نہیں آئے۔ اسی طرح خضر علیہ السلام کے ذریعے سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا تعلق بھی چونکہ امور تکوینیہ سے ہے، اس لیے انھیں شریعت کی ترازو میں تولنا ہی غیر صحیح ہے، البتہ چونکہ جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام نبی تھے اور یہی راجح ہے اور اب وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کسی شخص کا اس قسم کا دعویٰ ہرگز صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہوگا

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي
الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ
اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ
اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ
رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ
تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ﴿82﴾ 10 ع 12 1

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا
عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ﴿83﴾

پیارا والا بچہ عنایت فرمائے ○

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آ کر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا، [1] یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ○

آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ یہ لوگ دریافت کر رہے ہیں، [2] آپ کہہ دیجیے کہ میں ان کا تھوڑا سا حال تمھیں

جیسا کہ خضر علیہ السلام سے منقول ہے کیونکہ خضر علیہ السلام کا معاملہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے، اس لیے مجال انکار نہیں لیکن اب جو بھی اس قسم کا دعویٰ یا عمل کرے گا، اس کا انکار لازمی اور ضروری ہے کیونکہ اب وہ یقینی ذریعۂ علم موجود نہیں ہے جس سے اس کے دعوے اور عمل کی حقیقت واضح ہو سکے۔

1 خضر کی نبوت کے قائلین کی یہ دوسری دلیل ہے جس سے وہ نبوت خضر کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ کسی بھی غیر نبی کے پاس اس قسم کی وحی نہیں آتی کہ وہ اتنے اتنے اہم کام کسی اشارۂ غیبی پر کر دے، نہ کسی غیر نبی کا ایسا اشارۂ غیبی قابل عمل ہی ہے۔ نبوت خضر کی طرح حیات خضر بھی ایک حلقے میں مختلف فیہ ہے اور حیات خضر کے قائلین بہت سے لوگوں کی ملاقاتیں خضر سے ثابت کرتے ہیں اور پھر ان سے ان کے اب تک زندہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن جس طرح خضر کی زندگی پر کوئی نص شرعی نہیں ہے، اسی طریقے سے لوگوں کے مکاشفات یا حالت بیداری یا نوم میں خضر سے ملنے کے دعوے بھی قابل تسلیم نہیں۔ جب ان کا حلیہ ہی مستند ذریعے سے منقول نہیں ہے تو ان کی شناخت کس طرح ممکن ہے؟ اور کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ جن بزرگوں نے ملنے کے دعوے کیے ہیں، واقعی ان کی ملاقات خضر علیہ السلام ہی سے ہوئی ہے، خضر کے نام سے انھیں کسی نے دھوکے اور فریب میں مبتلا نہیں کیا۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم کی حدیث کی رُو سے خضر علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث: 2537 اور یہی حق ہے کہ خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اس کے بارے میں اچھی تفصیل روح المعانی میں مذکورہ آیات کے تحت ہے۔

2 یہ مشرکین کے اس تیسرے سوال کا جواب ہے جو یہودیوں کے کہنے پر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے۔ ذوالقرنین کے لفظی معنی دو سینگوں والے کے ہیں۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ فی الواقع اس کے سر پر دو سینگ تھے یا اس

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾

ہم نے اسے زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے [1] سامان بھی عنایت کر دیے تھے ○

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾

وہ ایک راہ کے پیچھے لگا ○ [2]

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا اور اسے ایک

(پڑھ کر سناتا ہوں ○)

لیے کہ اس نے مشرق میں جا کر طلوع شمس کی جگہ پر قرنِ شمس کو دیکھا اور پھر مغرب میں جا کر غروب شمس کی جگہ میں قرنِ شمس کا مشاہدہ کیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر پر بالوں کی دو لٹیں تھیں، قرن بالوں کی لٹ کو بھی کہتے ہیں، یعنی دو لٹوں یا دو مینڈھیوں، دو زلفوں والا۔ قدیم مفسرین نے بالعموم اس کا مصداق سکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن جدید مفسرین جدید تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس پر جو دادِ تحقیق دی ہے اور اس شخص کی دریافت میں جو محنت و کاوش کی ہے، وہ نہایت قابل قدر ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے: ① اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمران تھا، جس کو اللہ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ ② وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے۔ ③ اس نے وہاں یاجوج ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک نہایت محکم بند تعمیر کیا۔ ④ وہ عادل، اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا۔ ⑤ وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمران ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس اور عرب کَیخَسرو کے نام سے پکارتے ہیں، اس کا دورِ حکمرانی، 539 قبل مسیح ہے، نیز فرماتے ہیں کہ 1838ء میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن 1/:399-430 طبع قدیم) واللہ أعلم بالصواب.

1 ﴿سَبَبًا﴾ کے اصلی معنی رسی کے ہیں، اس کا اطلاق ایسے ذریعے اور وسیلے پر ہوتا ہے جو حصول مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے ﴿سَبَبًا﴾ کے معنی ہیں، ہم نے اسے ایسے ساز و سامان اور وسائل مہیا کیے جن سے کام لے کر اس نے فتوحات حاصل کیں، دشمنوں کا غرور خاک میں ملایا اور ظالم حکمرانوں کو نیست و نابود کیا۔

2 دوسرے سبب کے معنی راستے کے کیے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے وسائل سے مزید وسائل تیار اور مہیا کیے، جس طرح اللہ کے پیدا کردہ لوہے سے مختلف قسم کے ہتھیار اور اسی طرح دیگر خام مواد سے بہت سی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿86﴾

دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا[1] اور اس چشمے کے پاس ایک قوم کو بھی پایا، ہم نے فرما دیا[2] کہ اے ذوالقرنین! یا تو تُو انھیں تکلیف پہنچائے یا ان کے بارے میں تو کوئی بہترین روش اختیار کرے ○[3]

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿87﴾

اس نے کہا کہ جو ظلم کرے گا اسے تو ہم بھی اب سزا دیں گے،[4] پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے سخت تر عذاب دے گا ○

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿88﴾

ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس کے لیے تو بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی ہی کا حکم دیں گے ○

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿89﴾

پھر وہ اور راہ کے پیچھے لگا ○[5]

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا

یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتا پایا کہ ان کے لیے ہم نے اس سے

---

1 ﴿عَيْنٍ﴾ سے مراد ''چشمہ یا سمندر'' ہے۔ ﴿حَمِئَةٍ﴾ ''کیچڑ، دلدل یا گرم'' ﴿وَجَدَ﴾ (پایا) یعنی دیکھا یا محسوس کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین جب مغربی جہت میں ملک پر ملک فتح کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں آخری آبادی تھی وہاں گدلے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو نیچے سے سیاہ معلوم ہوتا تھا، اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا سورج اس چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ ساحل سمندر سے یا دور سے جس کے آگے حد نظر تک کچھ نہ ہو، غروب شمس کا نظارہ کرنے والوں کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں یا زمین میں ڈوب رہا ہے، حالانکہ وہ اپنے مقام آسمان پر ہی ہوتا ہے۔

2 ﴿قُلْنَا﴾ ''ہم نے کہا'' بذریعۂ وحی، اسی سے بعض علماء نے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور جو ان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت کے پیغمبر کے ذریعے سے ہم نے اس سے کہا۔

3 یعنی ہم نے اس قوم پر غلبہ دے کر اختیار دے دیا کہ چاہے تو اسے قتل کرے یا قیدی بنا لے یا فدیہ لے کر یا بطور احسان چھوڑ دے۔

4 یعنی جو کفر و شرک پر جما رہے گا، اسے ہم سزا دیں گے، یعنی پچھلی غلطیوں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

5 یعنی اب مغرب سے مشرق کی طرف سفر اختیار کیا۔

سِتْرًا ۙ﴿90﴾
كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿91﴾
ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿92﴾
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿93﴾
قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿94﴾

اور کوئی اوٹ نہیں بنائی ○ [1]

واقعہ ایسا ہی ہے اور ہم نے اس کے پاس کی کل خبروں کا احاطہ [2] کر رکھا ہے ○

وہ پھر ایک سفر کے سامان میں لگا ○ [3]

یہاں تک کہ جب دو دیواروں [4] کے درمیان پہنچا ان دونوں کے اس طرف اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی ○ [5]

انھوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین ! [6] یاجوج ماجوج اس ملک میں (بڑے بھاری) فسادی ہیں، [7] تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں؟ (اس شرط پر کہ)

---

1 یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو مشرقی جانب کی آخری آبادی تھی، اسی کو مطلع الشمس کہا گیا ہے۔ جہاں اس نے ایسی قوم دیکھی جن کے مکانات نہیں تھے اور وہ میدانوں اور صحراؤں میں بسیرا کیے ہوئے تھی۔ ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ اور اوٹ نہیں تھی، یعنی وہاں پر کوئی درخت، پہاڑ اور عمارتیں نہیں تھیں جو ان پر سورج کے شعاعوں کے پڑنے سے مانع ہوتیں۔

2 یعنی ذوالقرنین کی بابت ہم نے جو بیان کیا ہے وہ اسی طرح ہے کہ پہلے وہ منتہائے مغرب اور پھر منتہائے مشرق میں پہنچا اور ہمیں اس کی تمام صلاحیتوں، اسباب و وسائل اور دیگر تمام باتوں کا پورا علم ہے۔

3 یعنی اب اس کا رخ کسی اور طرف کو ہو گیا۔

4 اس سے مراد دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے، ان کے درمیان کھائی تھی جس سے یاجوج وماجوج اس طرف کی آبادی میں آجاتے اور اودھم مچاتے اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کرتے۔

5 یعنی اپنی زبان کے سوا کسی اور کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔

6 ذوالقرنین سے یہ خطاب یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوا ہو گا یا اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی اسباب و وسائل مہیا فرمائے تھے، انھی میں مختلف زبانوں کا علم بھی تھا اور یوں یہ خطاب براہ راست تھا۔

7 یاجوج وماجوج نہایت فسادی قومیں ہیں اور حدیث صحیح کے مطابق نسل انسانی میں سے ہیں اور ان کی تعداد، دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں زیادہ ہو گی اور زیادہ انھی سے جہنم بھرے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 6530، وصحيح مسلم، حديث:379-(222))

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿95﴾

آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں ○ اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو دے رکھا ہے وہی بہتر ہے، تم صرف قوت طاقت[1] سے میری مدد کرو۔ میں تم میں اور ان میں مضبوط حجاب بنا دیتا ہوں ○

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿96﴾ؕ

مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار برابر کر دی[2] تو حکم دیا کہ آگ تیز جلاؤ تاوقتیکہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل آگ کر دیا، تو فرمایا: میرے پاس لاؤ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں ○[3]

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿97﴾

پس نہ تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت تھی اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے ○

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ

کہا: یہ صرف میرے رب کی مہربانی ہے ہاں جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اسے زمین دوز کر دے گا،[4] بیشک

---

1 قوت سے مراد، یعنی تم مجھے تعمیراتی سامان اور رجالِ کار مہیا کرو۔

2 ﴿بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾، یعنی دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان جو خلا تھا، اسے لوہے کی چھوٹی چھوٹی چادروں سے پر کر دیا۔

3 ﴿قِطْرًا﴾ پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ یا لوہا، یعنی لوہے کی چادروں کو خوب گرم کر کے ان پر پگھلا ہوا لوہا، تانبا یا سیسہ ڈالنے سے وہ پہاڑی درہ یا راستہ ایسا مضبوط ہو گیا کہ اسے عبور کر کے یا توڑ کر یاجوج وماجوج کا ادھر دوسری انسانی آبادیوں میں آنا ناممکن ہو گیا۔

4 یعنی یہ دیوار اگرچہ بڑی مضبوط بنا دی گئی جس کے اوپر چڑھ کر یا اس میں سوراخ کر کے یاجوج وماجوج کا ادھر آنا ممکن نہیں ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دے گا، اس وعدے سے مراد قیامت کے قریب یاجوج وماجوج کا ظہور ہے جیسا کہ احادیث میں ہے، مثلاً: ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس دیوار میں تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3346، وصحيح مسلم، حديث: 2-(2880)) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ وہ ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں

حَقًّا ﴿98﴾

میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے ○

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿99﴾

اس دن ہم انھیں آپس میں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا پس سب کو اکٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے ○

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿100﴾

اس دن ہم جہنم کو (بھی) کافروں کے سامنے لا کھڑا کر دیں گے ○

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ
11 ع 19 2 وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿101﴾

جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور (امر حق) سن بھی نہیں سکتے تھے ○

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿102﴾

کیا کافر یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنا لیں گے؟ (سنو) ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے ○ [1]

جب کھلنے کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کا بڑا کہہ دیتا ہے کہ کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ اسے پہلے کی طرح کر دیتا ہے۔ لیکن جب اللہ کی مشیت ان کے خروج کی ہوگی تو پھر وہ کہیں گے کل ان شاء اللہ اس کو کھود یں گے اور پھر دوسرے دن وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلائیں گے حتیٰ کہ لوگ قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے جو خون آلودہ لوٹیں گے، بالآخر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں میں ایسا کیڑا پیدا فرما دے گا جس سے ان کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔ (مسند أحمد: 511/2، وجامع الترمذي، حديث: 3153، وسلسلة الأحاديث الصحيحه للألباني: 313/4) صحیح مسلم میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ یاجوج وماجوج کا ظہور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا۔ (صحيح مسلم، حديث 110-(2937)) جس سے ان حضرات کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ تاتاریوں کا مسلمانوں پر حملہ یا منگول ترک جن میں سے چنگیز بھی تھا یا روسی یا چینی قومیں یہی یاجوج وماجوج ہیں جن کا ظہور ہو چکا۔ یا مغربی قومیں ان کا مصداق ہیں کہ پوری دنیا میں ان کا غلبہ وتسلط ہے۔ یہ سب باتیں غلط ہیں کیونکہ ان کے غلبے سے سیاسی غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ قتل وغارت گری اور شر وفساد کا وہ عارضی غلبہ ہے جس کا مقابلہ کرنے کی طاقت مسلمانوں میں نہیں ہوگی، تاہم پھر وبائی مرض سے سب کے سب آن واحد میں لقمۂ اجل بن جائیں گے۔

1 ﴿ اَفَحَسِبَ ﴾ بمعنی ظَنَّ (گمان کیا) ہے اور ﴿ عِبَادِيْ ﴾ ''میرے بندوں'' سے مراد ملائکہ، مسیح علیہ السلام اور دیگر صالحین ہیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح شیاطین وجنات ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور استفہام زجر وتوبیخ کے لیے ہے، یعنی غیر اللہ کے یہ پجاری کیا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر اور میرے بندوں

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿103﴾

کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمھیں بتا دوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ ○

اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿104﴾

وہ ہیں کہ جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں ○ [1]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا ﴿105﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا، [2] اس لیے ان کے اعمال غارت ہو گئے پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے ○ [3]

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوۡا

حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیونکہ انھوں نے کفر کیا

کی عبادت کر کے ان کی حمایت سے میرے عذاب سے بچ جائیں گے؟ یہ ناممکن ہے، ہم نے تو ان کافروں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں جانے سے ان کو وہ بندے نہیں روک سکیں گے جن کی یہ عبادت کرتے اور ان کو اپنا حمایتی سمجھتے ہیں۔

1 یعنی اعمال ان کے ایسے ہیں جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں لیکن بزعم خویش سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ اس سے مراد کون ہیں؟ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ صحیح بخاری (حدیث: 4728) میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں، یہ قول راجح ہے، اس کی تائید مابعد والی آیت سے بھی ہو رہی ہے، یعنی مصداق اول تو کفار ہی ہیں، پھر اس کے عموم میں خوارج، اہل بدعت اور ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جس کے اندر مذکورہ صفات ہوں گی۔ آگے ایسے ہی لوگوں کی بابت مزید وعیدیں بیان کی جا رہی ہیں۔

2 رب کی آیات سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ آیات تشریعی ہیں جو اس نے اپنی کتابوں میں نازل کیں اور پیغمبروں نے ان کی تبلیغ و توضیح کی۔ اور رب کی ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی اور دوبارہ جی اٹھنے سے انکار ہے۔

3 یعنی ہمارے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو گی یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہیں کریں گے کہ جس میں ان کے اعمال تولے جائیں، اس لیے کہ اعمال تو ان موحدین کے تولے جائیں گے جن کے نامۂ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی جبکہ ان کے نامۂ اعمال حسنات سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿106﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ
لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿107﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿108﴾

اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق بنایا ○
جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً
ان کے لیے الفردوس [1] کے باغات کی مہمانی ہے ○
جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی
ان کا ارادہ ہی نہ ہوگا ○ [2]

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ
الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ
جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿109﴾

کہہ دیجیے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے [3] لکھنے
کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی
باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم
اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں ○

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ
رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ

آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ [4]
(ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود
صرف ایک ہی معبود ہے [5] تو جسے بھی اپنے پروردگار

حدیث میں آتا ہے کہ ''قیامت والے دن موٹا تازہ آدمی آئے گا، اللہ کے ہاں اس کا اتنا وزن بھی نہیں ہوگا جتنا مچھر کے پر کا ہوتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث:4729)

1 ﴿الْفِرْدَوْسِ﴾ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جب بھی تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا اعلیٰ اور اوسط حصہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث:7423)

2 یعنی اہل جنت، جنت اور اس کی نعمتوں سے کبھی نہ اکتائیں گے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کریں۔

3 کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے کلمات، اس کی حکمتیں اور وہ دلائل و براہین ہیں جو اس کی وحدانیت پر دال ہیں۔ انسانی عقلیں ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بن جائیں اور سارے سمندر بلکہ ان کی مثل اور بھی سمندر ہوں، وہ سب سیاہی میں بدل جائیں، قلم گھس جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں ضبط تحریر میں نہیں آسکیں گی۔

4 اس لیے میں بھی رب کی باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

5 البتہ مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحیٔ الٰہی آتی ہے۔ اسی وحی کی بدولت میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین

بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿110﴾ ع 12 9 3

سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت[1] میں کسی کو بھی شریک نہ کرے ○

اٰیَاتُہَا: 98 (19) سُوۡرَۃُ مَرۡیَمَ مَکِّیَّۃٌ (44) رُکُوۡعَاتُہَا: 6

سورۂ مریم[2] مکی ہے، اس میں 98 آیات اور 6 رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کٓہٰیٰعٓصٓ ﴿1﴾

کٓہٰیٰعٓصٓ ○

ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿2﴾

یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا[3] پر کی تھی ○

اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿3﴾

جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی ○ [4]

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَہَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَکُنۡۢ

کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے،[5] لیکن میں

کے متعلق اللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ باتیں بیان کی ہیں جن پر مرورِ ایام کی دبیز تہیں پڑی ہوئی تھیں یا ان کی حقیقت افسانوں میں گم ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں اس وحی میں سب سے اہم حکم یہ دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہے۔

1 عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس لیے کہ بدعت اور شرک دونوں ہی حَبۡطِ اعمال (عملوں کے ضائع ہونے) کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

2 ہجرت حبشہ کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور اس کے مُصاحبین اور امراء کے سامنے جب سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا تو ان سب کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور نجاشی نے کہا کہ یہ قرآن اور عیسیٰ علیہ السلام جو لے کر آئے ہیں، یہ سب ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں۔ (فتح القدیر)

3 زکریا علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ بڑھئی تھے اور یہی پیشہ ان کا ذریعۂ آمدنی تھا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2379)

4 خفیہ خفیہ دعا اس لیے کی کہ ایک تو یہ اللہ کو زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں تضرع وانابت اور خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ انھیں بیوقوف نہ قرار دیں کہ یہ بڈھا اب بڑھاپے میں اولاد مانگ رہا ہے جبکہ اولاد کے تمام ظاہری امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

5 یعنی جس طرح لکڑی آگ سے بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح میرا سر بالوں کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے مراد ضعف وکبر (بڑھاپے) کا اظہار ہے۔

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④

کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا ○ [1]

وَاِنِّىۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِىَ مِنۡ وَّرَآءِىۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ⑤

مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔ [2] میری بیوی بھی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے [3] وارث عطا فرما ○

يَّرِثُنِىۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥

جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنالے ○

يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسۡمُهٗ يَحۡيٰى ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا ⑦

اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا ○ [4]

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا وَّقَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡكِبَرِ عِتِيًّا ⑧

زکریا کہنے لگے: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، میری بیوی بانجھ اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں ○ [5]

---

1 اور اسی لیے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود تجھ سے اولاد مانگ رہا ہوں۔

2 اس ڈر سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا کوئی وارث میری مسند وعظ وارشاد نہیں سنبھالے گا تو میرے قرابت داروں میں اور تو کوئی اس مسند کا اہل نہیں ہے۔ نتیجتاً میرے قرابت دار بھی تیرے راستے سے گریز وانحراف نہ اختیار کر لیں۔

3 ''اپنے پاس سے'' کا مطلب یہی ہے کہ گو ظاہری اسباب اس کے ختم ہو چکے ہیں لیکن تو اپنے فضل خاص سے مجھے اولاد سے نواز دے۔

4 اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دعا قبول فرمائی بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرما دیا۔

5 ﴿ عَاقِرًا ﴾ اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو شروع ہی سے بانجھ ہو۔ یہاں یہ دوسرے معنوں میں ہی ہے کیونکہ کَانَتۡ سے دوام مستفاد ہے۔ جس کے جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی آ جائے اور سوکھ جائے، اسے ﴿ عِتِيًّا ﴾ کہتے ہیں۔ مراد بڑھاپے کا آخری درجہ ہے جس میں ہڈیاں اکڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری بیوی تو جوانی سے ہی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی آخری درجے پر پہنچ چکا ہوں، اب اولاد کیسے ممکن ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا کی اہلیہ کا نام اشاع بنت فاقود بن میل ہے اور یہ حنہ (والدۂ مریم) کی بہن ہیں۔ اس قول کے اعتبار سے یحیٰی مریم کے خالہ زاد ہوئے۔ اور قُتَيۡبِي کہتے ہیں کہ اشاع بھی عمران کی دختر ہیں جو حضرت مریم کے والد تھے۔ یوں یحیٰی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام آپس میں

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔا ⑨

ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا، تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جبکہ کچھ نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں ○ [1]

قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّيۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩

کہنے لگے: میرے پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے، ارشاد ہوا کہ تیرے لیے علامت یہ ہے کہ باوجود صحیح سالم ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا ○ [2]

فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ⑪

اب زکریا اپنے حجرے [3] سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آ کر انھیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو ○ [4]

خالہ زاد بھائی ہوئے۔ ایک صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر) لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تاریخی اعتبار سے پہلی بات صحیح ہے کیونکہ عمران کی مریم کے سوا کوئی اور اولاد نہیں تھی۔ اور حدیث معراج میں جو یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو خالہ زاد کہا گیا ہے تو وہ مجاز متعارف کی شکل میں ہے، یعنی نبی ﷺ نے بطریق توسع مریم کی خالہ کو عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ قرار دیا ہے اور اس قسم کا توسع عام بول چال میں شائع ہے۔ (قصص القرآن: 26/4) واللّٰہ أعلم.

1 فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کا تعجب دور کرنے کے لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بیٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کے مطابق یقیناً تجھے بیٹا ملے گا اور یہ اللہ کے لیے قطعاً مشکل کام نہیں ہے کیونکہ جب وہ تجھے نیست سے ہست کر سکتا ہے تو تجھے ظاہری اسباب سے ہٹ کر بیٹا بھی دے سکتا ہے۔

2 ﴿لَيَالٍ﴾ سے دنوں سمیت راتیں مراد ہیں کیونکہ سورۂ آل عمران، آیت: 41 میں ﴿اَيَّامٍ﴾ (دن) کے لفظ ہیں۔ اور ﴿سَوِيًّا﴾ کا مطلب ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک، تندرست ہوں گے، یعنی ایسی کوئی بیماری نہیں ہو گی جو تجھے بولنے سے روک دے۔ لیکن اس کے باوجود تیری زبان سے گفتگو نہ ہو سکے تو سمجھ لینا کہ خوش خبری کے دن قریب آ گئے ہیں۔

3 ﴿الۡمِحۡرَابِ﴾ سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ حَرۡبٌ سے ہے جس کے معنی لڑائی کے ہیں۔ گویا عبادت گاہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرنا ایسے ہے گویا وہ شیطان سے لڑ رہا ہے۔

4 صبح وشام اللہ کی تسبیح سے مراد عصر اور فجر کی نماز ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان دو وقتوں میں اللہ کی تسبیح وتحمید اور تنزیہ کا خصوصی اہتمام کرو۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿12﴾

اے یحییٰ! میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے [1] اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرمادی ○ [2]

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿13﴾

اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی، [3] وہ پرہیزگار شخص تھا ○

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿14﴾

اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا وہ سرکش اور گناہ گار نہ تھا ○ [4]

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿15﴾ ع 1 15 4

اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا ○ [5]

---

1 یعنی اللہ نے زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا اور جب وہ کچھ بڑا ہوا، گو ابھی بچہ ہی تھا، اسے اللہ نے کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے، یعنی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ کتاب سے مراد بالاتفاق تورات ہے۔

2 ﴿الْحُكْمَ﴾ سے مراد دانائی، عقل، شعور، کتاب میں درج احکام دینیہ کی سمجھ، علم و عمل کی جامعیت یا نبوت مراد ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ حکم میں یہ ساری ہی چیزیں داخل ہوں۔

3 ﴿حَنَانًا﴾ شفقت، مہربانی، یعنی ہم نے اس کو والدین اور اقرباء پر شفقت و مہربانی کرنے کا جذبہ اور اسے نفس کی آلائشوں اور گناہوں سے پاکیزگی و طہارت بھی عطا کی۔

4 یعنی اپنے ماں باپ کی یا اپنے رب کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں والدین کے لیے شفقت و محبت کا اور ان کی اطاعت و خدمت اور حسن سلوک کا جذبہ اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے تو یہ اس کا خاص فضل و کرم ہے اور اس کے برعکس جذبہ یا رویہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

5 تین مواقع انسان کے لیے خطرناک ہوتے ہیں۔ ① جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے کہ شیطان اسے چوکا لگاتا ہے۔ ② جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ ③ اور جب اسے قبر سے زندہ کرکے اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے کو میدان حشر کی ہولناکیوں میں گھرا ہوا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان تینوں جگہوں میں اس کے لیے ہماری طرف سے سلامتی اور امان ہے۔ بعض اہل بدعت اس آیت سے یوم ولادت پر ''عید میلاد'' کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ لیکن کوئی ان سے پوچھے تو پھر یوم وفات پر ''عید وفات'' یا ''عید ممات'' بھی منانی ضروری ہوئی کیونکہ جس طرح یوم ولادت کے لیے ''سلام'' ہے یوم وفات کے لیے بھی سلام ہے۔ اگر محض لفظ ''سلام'' سے ''عید میلاد'' کا اثبات ممکن ہے تو پھر اسی لفظ سے ''عید وفات'' کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ لیکن یہاں وفات کی عید تو کجا، سرے سے وفات و ممات ہی کا انکار ہے، یعنی وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے نص قرآنی کا تو انکار کرتے ہی ہیں، خود اپنے استدلال کی رو سے بھی آیت کے ایک جز کو تو مانتے ہیں اور اسی آیت کے دوسرے جز سے ان ہی کے استدلال کی

وقف لازم

وَ اذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا ﴿16﴾

اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ بیان کیجیے جبکہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مکان میں آئیں ○

فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا ۚ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿17﴾

اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کرلیا،[1] پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح (فرشتے) کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا ○[2]

قَالَتۡ اِنِّيۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا ﴿18﴾

یہ کہنے لگیں: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے ○

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿19﴾

اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں ○

قَالَتۡ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِيۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِيۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ﴿20﴾

کہنے لگیں: بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار رہوں ○

ربع

روشنی میں جو ثابت ہوتا ہے، اس کا انکار ہے۔ ﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ﴾ (البقرة 2:85) ''کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟''

1 یہ علیحدگی اور حجاب (پردہ) اللہ کی عبادت کی غرض سے تھا تا کہ انھیں کوئی نہ دیکھے اور یکسوئی حاصل رہے یا طہارت حیض کے لیے۔ اور مشرقی مکان سے مراد بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔

2 ﴿رُوۡحَنَا﴾ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، جنھیں کامل انسانی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا گیا، حضرت مریم نے جب دیکھا کہ ایک شخص بے دھڑک اندر آ گیا ہے تو ڈر گئیں کہ یہ بری نیت سے نہ آیا ہو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں تیرے رب کا قاصد ہوں اور یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے پاکیزہ لڑکا عطا فرمائے گا۔

نافع اور ابوعمرو کی قراءت میں لِیَھَبَ صیغہ غائب ہے۔ متکلم کا صیغہ جو موجودہ قراءت میں ہے، اس لیے بولا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے باذن اللہ ان کو حمل ٹھہر گیا تھا، اس لیے ہبہ کا انتساب اپنی طرف کرلیا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو اور یہاں حکایۃً نقل ہوا ہو۔ اس اعتبار سے کلام کا یہ معنی ہوگا: أَرْسَلَنِي، يَقُولُ لَكِ: أَرْسَلْتُ رَسُولِي إِلَيْكِ لِأَهَبَ لَكِ (أيسر التفاسير) یعنی اللہ نے مجھے تیرے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میں نے تیری طرف اپنا قاصد یہ بتلانے کے لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں گا۔'' اس طرح حذف اور تقدیر کلام قرآن میں کئی جگہ ہے۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا ﴿21﴾

اس نے کہا: بات تو یہی ہے، [1] لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں [2] گے اور اپنی خاص رحمت، [3] یہ تو ایک طے شدہ بات ہے ○ [4]

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿22﴾

پس وہ حمل سے ہوگئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں ○

فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿23﴾

پھر دردِ زہ اسے ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا اور کہنے لگی: اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی ○ [5]

فَنَادٰٮهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿24﴾

اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو، تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے ○

وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے

---

1 یعنی یہ بات تو صحیح ہے کہ تجھے جائز طریقے سے یا ناجائز طریقے سے کسی بشر نے نہیں چھوا۔

2 یعنی میں اسبابِ عادیہ کا محتاج نہیں ہوں، میرے لیے یہ بالکل آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرتِ تخلیق کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے تمھارے باپ آدم کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمھاری ماں حواء کو صرف مرد سے، عورت کے بغیر اور تمام مخلوقات کو مرد و عورت سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے چوتھی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے صرف عورت کے بطن سے بغیر مرد کے پیدا کر دینا۔ ہم تخلیق کی چاروں صورتوں پر قادر ہیں۔

3 اس سے مراد نبوت ہے جو اللہ کی رحمتِ خاص ہے اور ان کے لیے بھی جو اس نبوت پر ایمان لائیں گے۔

4 یہ اسی کلام کا تتمہ ہے جو جبریل علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے نقل کیا ہے، یعنی یہ اعجازی تخلیق تو اللہ کے ہاں طے شدہ اور مقدر شدہ ہے۔

5 موت کی آرزو اس ڈر سے کی کہ میں بچے کے مسئلے پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکوں گی، جبکہ میری بات کی کوئی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا۔ اور یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ و زاہدہ کے طور پر ہے اور اس کے بعد لوگوں کی نظروں میں بدکار ٹھہروں گی۔

عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿25﴾
تروتازہ پکی کھجوریں گرادے گا ○ [1]

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿26﴾
اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ، [2] اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے تو کہہ [3] دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی ○

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔـا فَرِيًّا ﴿27﴾
اب عیسیٰ کو لیے ہوئے وہ اپنی قوم کے پاس آئیں۔ سب کہنے لگے: مریم تو نے بڑی بری حرکت کی ○

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿28﴾
اے ہارون کی بہن! [4] نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی ○

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿29﴾
مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ سب کہنے لگے کہ لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟ ○

قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ڜ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿30﴾
بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے ○ [5]

---

1 ﴿سَرِيًّا﴾ چھوٹی نہر یا پانی کا چشمہ، یعنی بطور کرامت اور خرق عادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاؤں تلے پینے کے لیے پانی کا اور کھانے کے لیے ایک سوکھے ہوئے درخت میں پکی ہوئی تازہ کھجوروں کا انتظام کر دیا۔ ندا دینے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جنھوں نے وادی کے نیچے سے آواز دی اور کہا جاتا ہے کہ سَرِيٌّ بمعنی سردار ہے اور اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور انھوں نے یا جبریل نے حضرت مریم کو نیچے سے آواز دی تھی۔

2 یعنی کھجوریں کھا، چشمے کا پانی پی اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔

3 یہ کہنا بھی اشارے سے تھا، زبان سے نہیں۔

4 ہارون سے مراد ان کا کوئی عینی یا علاتی بھائی ہے یا مریم علیہا السلام کی برادری میں کوئی شخص ہے جس کی طرف اس کی نسبت کر دی ہے۔ بعض اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون لیتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کی وجہ نیکی میں مشابہت بتاتے ہیں لیکن یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس ہارون سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی نہیں اور اس سے مراد مریم کے (عینی یا علاتی یا برادری کے) بھائی ہیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 2135، وجامع الترمذي مع التحفة: 477/8، و تفسير الطبري)

5 یعنی ازل میں اللہ نے میرے لیے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا۔

وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿31﴾

اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے [1] جہاں بھی میں ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکاۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں ○

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿32﴾

اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے [2] اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا ○ [3]

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿33﴾

اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی سلام ہے ○

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿34﴾

یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ ابنِ مریم کا، یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں ○ [4]

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

اللہ کے لیے اولاد کا ہونا لائق نہیں، وہ تو بالکل پاک ذات ہے، وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا

---

1 اللہ کے دین میں ثابت قدم یا ہر چیز میں زیادتی، علو اور کامیابی میرا مقدر ہے یا لوگوں کے لیے نافع، معلم خیر یا معروف کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا۔ (فتح القدیر)

2 صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر سے بھی واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ایک اعجازی شان کی حامل ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح ﴿ بَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ ﴾ ''ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا'' کہتے، یہ نہ کہتے کہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔

3 اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں باپ کا خدمت گزار اور اطاعت شعار نہیں ہوتا، اس کی فطرت میں سرکشی اور قسمت میں بدبختی لکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گفتگو اٰتٰنِي، جَعَلَنِي ماضی کے صیغوں میں کی ہے، حالانکہ ان تمام باتوں کا تعلق مستقبل سے تھا کیونکہ ابھی تو وہ شیرخوار بچے ہی تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ اللہ کی تقدیر کے ایسے اٹل فیصلے تھے کہ گو ابھی یہ معرض ظہور میں نہیں آئے تھے لیکن ان کا وقوع اسی طرح یقینی تھا جس طرح ماضی کے گزرے ہوئے واقعات شک وشبہ سے بالا ہوتے ہیں۔

4 یعنی یہ ہیں وہ صفات جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام متصف تھے نہ کہ ان صفات کے حامل جو نصاریٰ نے غلو کر کے ان کے بارے میں باور کرائیں اور نہ ایسے جو یہودیوں نے تفریط وتنقیص سے کام لیتے ہوئے ان کی بابت کہا۔ اور یہی حق بات ہے جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں۔

فَيَكُوْنُ ؕ﴿35﴾

ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے [1] ○

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿36﴾

میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ ہی ہے ۔تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے ○

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿37﴾

پھر یہ فرقے [2] آپس میں اختلاف کرنے لگے، پس کافروں کے لیے ''ویل'' ہے ایک بڑے (سخت) دن کی حاضری سے [3] ○

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾

کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جبکہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے ! [4] لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ○

وقف لازم

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ

تو انھیں اس رنج وافسوس کے دن [5] کا ڈر سنا دے جبکہ

---

1 جس اللہ کی یہ شان اور قدرت ہو اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسی طرح اس کے لیے بغیر باپ کے پیدا کر دینا کون سا مشکل امر ہے۔ گویا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت سے انکار کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ کی قدرت وطاقت کے منکر ہیں۔

2 یہاں الاحزاب سے مراد اہل کتاب کے فرقے اور خود عیسائیوں کے فرقے ہیں۔ جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ وہ جادوگر اور ولد الزنا، یا یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ نصاریٰ کے مختلف فرقے ہوئے، ایک فرقے نے کہا کہ وہ اللہ ہے، دوسرے نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا ہے، تیسرے فرقے نے کہا: وہ تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں۔ اور یہ فرقے، ملکانیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ ہیں، پھر ان میں مزید فرقے بنتے گئے۔ آج کے زمانے میں ان کے مشہور ترین فرقے ملکیہ، یعنی کیتھولک، یعقوبیہ، یعنی ارتھوڈکس اور اعتراضیہ، یعنی پروٹسٹنٹ ہیں۔ پس یہودیوں نے تفریط اور تقصیر کی اور عیسائیوں نے افراط وغلو۔ (أیسر التفاسیر، فتح القدیر)

3 ان کافروں کے لیے جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس طرح اختلاف اور افراط وتفریط کا ارتکاب کیا، قیامت والے دن جب وہاں حاضر ہوں گے، ہلاکت ہے۔

4 یہ تعجب کے صیغے ہیں، یعنی دنیا میں تو یہ حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے رہے لیکن آخرت میں یہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والے ہوں گے؟ لیکن وہاں یہ دیکھنا سننا کس کام کا؟

5 روز قیامت کو یوم حسرت کہا، اس لیے کہ اس روز سب ہی حسرت کریں گے۔ بدکار حسرت کریں گے کہ کاش! انھوں نے برائیاں نہ کی ہوتیں اور نیکوکار اس بات پر حسرت کریں گے کہ انھوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کمائیں؟

وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿39﴾

کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا،[1] اور یہ لوگ غفلت اور بے ایمانی ہی میں رہ جائیں گے ○

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿40﴾ ع 2/25 5

خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری طرف لوٹا کر لائے جائیں گے ○

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿41﴾

اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کیجیے بیشک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے ○[2]

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿42﴾

جبکہ انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں ○

يٰاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿43﴾

میرے مہربان باپ! آپ دیکھیے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں[3] ،تو آپ میری ہی مانیں

---

1 یعنی حساب کتاب کر کے صحیفے لپیٹ دیے جائیں گے اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس کے بعد موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، جنتیوں اور دوزخیوں دونوں سے پوچھا جائے گا، اسے پہچانتے ہو، یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے، پھر ان کے سامنے اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے اہل جنت! تمھارے لیے جنت کی زندگی ہمیشہ کے لیے ہے، اب موت نہیں آئے گی۔ دوزخیوں سے کہا جائے گا: اے دوزخیو! تمھارے لیے یہ دوزخ کا عذاب دائمی ہے، اب موت نہیں آئے گی۔(صحيح البخاري، حديث:4730، و صحيح مسلم، حديث:43-(2850))

2 ﴿صِدِّيْقًا﴾ صِدْقٌ ''سچائی'' سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت راست باز، یعنی جس کے قول وعمل میں مطابقت اور راست بازی اس کا شعار ہو۔ صدیقیت کا یہ مقام، نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے ہر نبی اور رسول بھی اپنے وقت کا سب سے بڑا راست باز اور صداقت شعار ہوتا ہے، اس لیے وہ صدیق بھی ہوتا ہے، تاہم ہر صدیق، نبی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں حضرت مریم کو صدیقہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ وطہارت اور راست بازی میں بہت اونچے مقام پر فائز تھیں، تاہم نبیہ نہیں تھیں۔ امت محمدیہ میں بھی صدیقین ہیں۔ اور ان میں سرفہرست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیاء کے بعد امت میں خیر البشر ہیں۔

3 جس سے مجھے اللہ کی معرفت اور اس کا یقین حاصل ہوا، بعث بعد الموت اور غیر اللہ کے پجاریوں کے لیے دائمی عذاب کا علم ہوا۔

	میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا ○ [1]
يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِيًّا ﴿44﴾	میرے ابا جان! آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم والے اللہ کا بڑا ہی نافرمان ہے ○ [2]
يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّيۡطٰنِ وَلِيًّا ﴿45﴾	ابا جی! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذابِ الٰہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں ○ [3]
قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا ﴿46﴾	اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے؟ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک مدتِ دراز تک مجھ سے الگ رہ ○ [4]
قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ ؕ	کہا: اچھا تم پر سلام ہو، [5] میں تو اپنے پروردگار سے تمھاری

---

1 جو آپ کو سعادت ابدی اور نجات سے ہمکنار کر دے گی۔

2 یعنی شیطان کے وسوسے اور اس کے بہکاوے سے آپ جو ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو سننے دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچانے کی قدرت تو یہ دراصل شیطان ہی کی پرستش ہے۔ جو اللہ کا نافرمان ہے اور دوسروں کو بھی اللہ کا نافرمان بنا کر ان کو اپنے جیسا ہی بنانے پر تلا رہتا ہے۔

3 اگر آپ اپنے شرک وکفر پر باقی رہے اور اسی حال میں آپ کو موت آگئی تو عذاب الٰہی سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ یا دنیا میں ہی آپ عذاب کا شکار نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر ہمیشہ کے لیے راندۂ بارگاہ الٰہی ہو جائیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب واحترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے، نہایت شفقت اور پیار کے لہجے میں باپ کو توحید کا وعظ سنایا۔ لیکن توحید کا یہ سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے، مشرک کے لیے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے، چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت درشتی اور تلخی کے ساتھ موحد بیٹے کو کہا کہ اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔

4 ﴿مَلِيًّا﴾، دراز مدت، ایک عرصہ۔ دوسرے معنی اس کے صحیح وسالم کے کیے گئے ہیں، یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ تڑوا لینا۔

5 یہ سلام تحیہ نہیں ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرتا ہے بلکہ ترک مخاطبت کا اظہار ہے، جیسے ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ○﴾ (الفرقان 25:63) ''جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔'' میں اہل ایمان اور بندگان الٰہی کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ بِيۡ حَفِيًّا ﴿47﴾
وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
وَاَدۡعُوۡا رَبِّيۡ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ
رَبِّيۡ شَقِيًّا ﴿48﴾

بخشش کی دعا کرتا رہوں گا،[1] وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے ○
میں تو تمھیں بھی اور جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو انھیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں محروم نہ رہوں گا ○

فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ
اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا
جَعَلۡنَا نَبِيًّا ﴿49﴾
وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ
3 ع 10 6 لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا ﴿50﴾ ع
وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مُوۡسٰۤى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا

جب ابراہیم ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انھیں اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے،[2] اور دونوں کو نبی بنا دیا ○
اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں[3] عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا ○[4]
اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر بھی کیجیے جو چنا ہوا[5] اور رسول

---

1 یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت ابراہیم کو اپنے باپ کے بارے میں پوری طرح واضح نہیں ہوسکا تھا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے، جب ان پر یہ بات خوب واضح ہوگئی تو آپ نے دعا کا سلسلہ موقوف کر دیا۔ (التوبۃ 9: 114)

2 یعقوب علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کے بیٹے، یعنی ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بھی بیٹے کے ساتھ اور بیٹے ہی کی طرح کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام توحید الٰہی کی خاطر باپ کو، گھر کو اور اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر دیار قدس کی طرف ہجرت کر گئے تو ہم نے انھیں اسحاق و یعقوب علیہما السلام سے نوازا تاکہ ان کی انس و محبت، باپ کی جدائی کا صدمہ بھلا دے۔

3 یعنی نبوت کے علاوہ بھی اور بہت سی رحمتیں ہم نے انھیں عطا کیں، مثلاً: مال، مزید اولاد اور پھر اسی سلسلہ نسب میں عرصہ دراز تک نبوت کے سلسلے کو جاری رکھنا، یہ سب سے بڑی رحمت تھی جو ان پر ہوئی۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء یا جدُّ الانبیاء کہلاتے ہیں۔

4 ﴿لِسَانَ صِدۡقٍ﴾ سے مراد ثنائے حسن اور ذکر جمیل ہے۔ لسان کی اضافت، صدق کی طرف کی اور پھر اس کا وصف علو بیان کیا جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ بندوں کی زبانوں پر جو ان کا ذکر جمیل رہتا ہے تو وہ واقعی اس کے مستحق ہیں، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ تمام ادیان سماویہ کو ماننے والے بلکہ مشرکین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں اور نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ یہ نبوت و اولاد کے بعد ایک اور انعام ہے جو ہجرت فی سبیل اللہ کی وجہ سے انھیں حاصل ہوا۔

5 مُخۡلَصٌ، مُصۡطَفٰی اور مُجۡتَبٰی تینوں الفاظ کا مفہوم ایک ہے، یعنی رسالت و پیامبری کے لیے چنا ہوا، پسندیدہ

وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ﴿51﴾
اور نبی تھا ○

وَنَادَيۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰهُ نَجِيًّا ﴿52﴾
ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور راز گوئی کرتے ہوئے اسے قریب کرلیا ○

وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِيًّا ﴿53﴾
اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا ○

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ﴿54﴾
اس کتاب میں اسماعیل کا واقعہ بھی بیان کیجیے وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی ○

وَكَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا ﴿55﴾
وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکاۃ کا حکم دیتا تھا، اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول ○

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِدۡرِيۡسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿56﴾
اور اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجیے، وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا ○

وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿57﴾
ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھالیا ○ [1]

شخص، رسول، بمعنی مرسل ہے (بھیجا ہوا) اور نبی کے معنی، اللہ کا پیغام لوگوں کو سنانے والا یا وحیٔ الٰہی کی خبر دینے والا، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے کہ اللہ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے چن لیتا ہے اور اسے اپنی وحی سے نوازتا ہے، اسے رسول اور نبی کہا جاتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے اہل علم میں ایک بحث یہ چلی آرہی ہے کہ آیا ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ فرق کرنے والے بالعموم کہتے ہیں کہ صاحب شریعت یا صاحب کتاب کو رسول اور نبی کہا جاتا ہے اور جو پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبر کی کتاب یا شریعت کے مطابق ہی لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا رہا، وہ صرف نبی ہے، رسول نہیں، تاہم قرآن کریم میں ان کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوا ہے اور بعض جگہ معطوفاً بھی آئے ہیں، مثلاً: سورۂ حج 52:22 میں۔

1 کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی تھے اور نوح علیہ السلام کے یا ان کے والد کے دادا تھے، انھوں نے ہی سب سے پہلے کپڑے سیئے۔ رفعت مکان سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ سمجھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انھیں بھی آسمان پر اٹھالیا گیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ اس مفہوم کے لیے صریح نہیں ہیں اور کسی صحیح حدیث میں بھی یہ بیان نہیں ہوا، البتہ اسرائیلی روایات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ملتا ہے جو اس مفہوم کے اثبات کے لیے کافی نہیں، اس لیے زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد مرتبت کی وہ بلندی ہے جو نبوت سے سرفراز کر کے انھیں عطا کی گئی۔ واللہ أعلم.

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ز وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ز وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ط اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا السجدة ﴿58﴾

السجدة 5

یہی وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ نے فضل و کرم کیا جو اولادِ آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں چڑھا لیا تھا، اور اولادِ ابراہیم اور یعقوب سے اور ہماری طرف سے راہ یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے۔ ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑگڑاتے گر پڑتے تھے ○ [1]

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا لا ﴿59﴾

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انھوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا ○ [2]

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا لا ﴿60﴾

سوائے ان کے جو توبہ کر لیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی ○ [3]

---

1 گویا اللہ کی آیات کو سن کر رقت اور بکا کی کیفیت کا طاری ہو جانا اور عظمت الٰہی کے آگے سجدہ ریز ہو جانا، بندگانِ الٰہی کی خاص علامت ہے۔ سجدۂ تلاوت کی مسنون دعا یہ ہے: سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ (سنن أبي داود، حديث: 1414، وجامع الترمذي، حديث: 580، وسنن النسائي، حديث: 1130) بعض روایات میں اضافہ ہے: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (عون المعبود: 203/2، تحت حديث: 1411)

2 انعام یافتہ بندگانِ الٰہی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ان کے برعکس اللہ کے احکام سے غفلت و اعراض کرنے والے ہیں۔ نماز کے ضائع کرنے سے مراد یا تو بالکلیہ نماز کا ترک ہے جو کفر ہے یا ان کے اوقات کو ضائع کرنا ہے، یعنی وقت پر نماز نہ پڑھنا، جب جی چاہا، نماز پڑھ لی یا بلا عذر دائماً ایک پڑھ لینا اور اکٹھی کر کے پڑھنا یا کبھی دو پڑھ لینا اور تین چھوڑ دینا، کبھی چار چھوڑ دینا اور کبھی پانچوں نمازیں چھوڑ دینا۔ یہ بھی تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں جس کا مرتکب سخت گناہ گار اور آیت میں بیان کردہ وعید کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ ﴿غَيًّا﴾ کے معنی ہلاکت، انجام بد کے ہیں یا جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

3 یعنی جو توبہ کر کے ترک صلاۃ اور اتباع شہوات سے باز آ جائیں اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کر

جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿61﴾	ہمیشگی والی جنتوں میں جن کا غائبانہ وعدہ [1] اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہی ہے ○
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿62﴾	وہ لوگ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام ہی سلام سنیں گے، [2] ان کے لیے وہاں صبح وشام ان کا رزق ہوگا ○ [3]
تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿63﴾	یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انھیں بناتے ہیں جو متقی ہوں ○
وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ ﴿64﴾	ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے، [4] ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں، تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ○
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا	آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب

پس تو ایسے لوگ مذکورہ انجام بد سے محفوظ اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

1 یعنی یہ ان کے ایمان ویقین کی پختگی ہے کہ انھوں نے جنت کو دیکھا بھی نہیں، صرف اللہ کے غائبانہ وعدے پر ہی اس کے حصول کے لیے ایمان وتقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔

2 یعنی فرشتے بھی انھیں ہر طرف سے سلام کریں گے اور اہل جنت بھی آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کریں گے۔

3 صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، وہاں انھیں تھوک آئے گا نہ رینٹ اور نہ بول وبراز، ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کے مِجمرو ں (عوددانوں) کا ایندھن عود، یعنی خوشبودار لکڑی ہوگی۔ ان کا پسینہ کستوری (کی طرح) ہوگا۔ ہر جنتی کی دو بیویاں ہوں گی، ان کی پنڈلیوں کا گودا ان کے گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا، ان کے حسن وجمال کی وجہ سے۔ ان میں باہم بغض اور اختلاف نہیں ہوگا، ان کے دل، ایک دل کی طرح ہوں گے، صبح وشام اللہ کی تسبیح کریں گے۔(صحیح البخاري، حدیث:3245، و صحیح مسلم، حدیث:17-(2834))

4 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام سے زیادہ اور جلدی جلدی ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی، جس پر یہ آیت اتری۔(صحیح البخاري، حدیث:4731)

فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ
لَهٗ سَمِيًّا ﴿65﴾ ع 4 15 7
وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ
حَيًّا ﴿66﴾
اَوَلَا يَذۡكُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ
وَلَمۡ يَكُ شَيۡـًٔـا ﴿67﴾
فَوَرَبِّكَ لَنَحۡشُرَنَّهُمۡ وَالشَّيٰطِيۡنَ ثُمَّ
لَنُحۡضِرَنَّهُمۡ حَوۡلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿68﴾

کارب وہی ہے۔ تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا۔ کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ اور بھی ہے؟ ○ [1]

انسان کہتا [2] ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ ○ [3]

کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا؟ حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟ ○ [4]

تیرے پروردگار کی قسم! ہم انھیں اور شیطانوں کو جمع کر کے ضرور ضرور جہنم کے ارد گرد گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے حاضر کر دیں گے ○ [5]

---

1 یعنی نہیں ہے، جب اس کی مثل کوئی اور نہیں تو پھر عبادت بھی کسی اور کی جائز نہیں۔

2 انسان سے مراد یہاں کافر ہے کیونکہ مابعد استفہام انکار و استہزا کے لیے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿الۡاِنۡسَانُ﴾ میں اَلْ جنس کے لیے ہے۔ اگرچہ یہ بات جنس میں سے بعض نے کہی ہے، یعنی کافروں نے جو قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں لیکن کبھی جنس کے بعض کا عمل سب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

3 استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی جب میں بوسیدہ اور مٹی میں رل مل جاؤں گا تو مجھے دوبارہ کس طرح نیا وجود عطا کر دیا جائے گا؟ یعنی ایسا ممکن نہیں۔

4 اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونے کے ہم نے انسان کو پیدا کر دیا تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیوں کر مشکل ہو گا؟ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ اسے پیدا کرنا؟ انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اسے خدا فراموش بنا دیا ہے۔

5 ﴿جِثِيًّا﴾ جاثٍ کی جمع ہے جَثَا يَجْثُو سے۔ جاثٍ گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ حال ہے، یعنی ہم دوبارہ انھی کو نہیں بلکہ ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنھوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے، پھر ہم ان سب کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ محشر کی ہولناکیوں اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ یہ اس کے لائق نہیں۔ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے، حالانکہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ اس کا میری تکذیب کرنا تو یہ ہے کہ وہ میری بابت یہ کہتا ہے کہ اللہ ہرگز مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا، حالانکہ میرے لیے پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور اس کا مجھے ایذا پہنچانا یہ ہے کہ وہ

ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ﴿69﴾

پھر ہم ہر ہر گروہ سے انھیں الگ نکال کھڑا کریں گے جو ان میں سے رحمٰن کے مقابلے میں بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے ○ [1]

ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِيۡنَ هُمۡ اَوۡلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿70﴾

پھر ہم انھیں بھی خوب جانتے ہیں جو جہنم کے داخلے کے زیادہ سزاوار ہیں ○ [2]

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ﴿71﴾

تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصل شدہ امر ہے ○

ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ﴿72﴾

پھر ہم پرہیزگاروں کو تو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے ○ [3]

کہتا ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں یکتا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4974)

1 ﴿عِتِيًّا﴾ بھی عَتَا، يَعْتُو سے عاتٍ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں بہت سرکش اور متمرد۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گمراہ فرقے کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو ہم الگ کر لیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دیں گے کیونکہ یہ قائدین دوسرے جہنمیوں کے مقابلے میں سزا و عقوبت کے زیادہ سزاوار ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

2 ﴿صِلِيًّا﴾ مصدر سماعی ہے صَلِيَ يَصْلٰى کے معنی ہیں: آگ میں داخل ہونا، جلنا، یعنی جہنم میں داخل ہونے اور اس میں جلنے کے کون زیادہ مستحق ہیں، ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

3 اس کی تفسیر صحیح احادیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا، جس میں سے ہر مومن و کافر کو گزرنا ہوگا۔ مومن تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکتے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گزر جائیں گے یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی، تاہم پل عبور کر لیں گے، کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنھیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا۔ لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ''جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم حلال کرنے کے لیے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1251، و صحيح مسلم، حديث: 150-(2632)) یہ قسم وہی ہے جسے اس آیت میں ﴿حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا﴾ ''قطعی فیصل شدہ امر'' کہا گیا ہے، یعنی اس کا ورود جہنم میں صرف پل پر سے گزرنے کی حد تک ہی ہوگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن كثير و أيسر التفاسير)

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ خَيۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا ﴿73﴾

جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں: بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے اور کس کی مجلس شاندار ہے؟ ○ [1]

وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّرِءۡيًا ﴿74﴾

ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو سازوسامان اور نام ونمود میں [2] ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں ○

قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا ﴿75﴾

کہہ دیجیے: جو گمراہی میں ہوتا ہے اللہ رحمٰن اس کو خوب لمبی مدت دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں جن کا وعدہ کیے جاتے ہیں، یعنی عذاب یا قیامت کو، اس وقت ان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون برے مرتبے والا اور کس کا جتھا کمزور ہے ○ [3]

وَيَزِيۡدُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا هُدًى ؕ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ

اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ ہدایت میں بڑھاتا ہے، [4] اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے

1 یعنی قرآنی دعوت کا مقابلہ یہ کفار مکہ فقراء مسلمین اور اغنیائے قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانوں کے باہمی موازنے سے کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب رضی اللہ عنہم جیسے فقیر لوگ ہیں، ان کا دارالشوریٰ دارارقم ہے۔ جبکہ کافروں میں ابوجہل، نضر بن حارث، عتبہ اور شیبہ وغیرہ جیسے رئیس اور مالدار لوگ ہیں، ان کی اجتماع گاہ (دارالندوہ) بہت عمدہ ہے۔

2 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر فخر وناز کیا جائے یا ان کو دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس تھیں لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انھیں ہلاک کر دیا گیا، دنیا کا یہ مال واسباب انھیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔

3 علاوہ ازیں یہ چیزیں گمراہوں اور کافروں کو مہلت کے طور پر بھی ملتی ہیں، اس لیے یہ کوئی معیار نہیں۔ اصل اچھے برے کا پتہ تو اس وقت چلے گا، جب مہلت عمل ختم ہو جائے گی اور اللہ کا عذاب انھیں آ گھیرے گا یا قیامت برپا ہو جائے گی۔ لیکن اس وقت کا علم کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

4 اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح قرآن سے، جن کے دلوں میں کفر وشرک اور ضلالت کا روگ ہے، ان کی شقاوت وضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان و ہدایت میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔

ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ مَّرَدًّا ﴿76﴾

لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں ○ [1]

اَفَرَءَيۡتَ الَّذِيۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿77﴾

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو مال واولاد ضرور ہی دی جائے گی ○

اَطَّلَعَ الۡغَيۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ﴿78﴾

کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ○

كَلَّا ؕ سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾

ہر گز نہیں، یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اسے ضرور لکھ لیں گے، اور اس کے لیے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے ○

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ﴿80﴾

یہ جن چیزوں کو کہہ رہا ہے اسے ہم اس کے بعد لے لیں گے۔ اور یہ (تو بالکل) اکیلا ہی ہمارے سامنے حاضر ہو گا ○ [2]

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ﴿81﴾

انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کے لیے باعثِ عزت ہوں ○

---

1 اس میں فقراء مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار و مشرکین جن مال و اسباب پر فخر کرتے ہیں، وہ سب فنا کے گھاٹ اتر جانے والے ہیں اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو، یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر و ثواب تمھیں اپنے رب کے ہاں ملے گا اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمھاری طرف لوٹے گا۔

2 ان آیات کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا والد عاص بن وائل جو اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا۔ اس کے ذمے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا قرضہ تھا جو آہن گری کا کام کرتے تھے۔ خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہیں کرے گا، میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا۔ انھوں نے کہا کہ یہ کام تو تُو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: کیا میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ اس نے کہا: ہاں، تجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس نے کہا: اچھا پھر ایسے ہی سہی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا تو وہاں میں یہ رقم ادا کر دوں گا۔ (صحيح البخاري، حديث:4732، وصحيح مسلم، حديث:35-(2795)) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہو گی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ یہ صرف تعلیاں اور آیات الٰہی کا استہزا و تمسخر ہے، یہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں، یعنی مرنے کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا، نہ مال ساتھ ہو گا نہ اولاد اور نہ کوئی جتھہ، البتہ عذاب ہو گا جو اس کے لیے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے لیے ہم بڑھاتے رہیں گے۔

كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَ يَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ﴿82﴾ ع 5/17/8

لیکن ایسا ہرگز ہونا نہیں، وہ تو ان کی پوجا سے منکر ہو جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن [1] بن جائیں گے ○

اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ تَؤُزُّهُمۡ اَزًّا ۙ﴿83﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں کے پاس شیطانوں کو بھیجتے ہیں جو انھیں خوب اُکساتے ہیں ○ [2]

فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمۡ عَدًّا ۚ﴿84﴾

تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر ہم تو خود ہی ان کے لیے مدت شماری کر رہے ہیں ○ [3]

يَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِيۡنَ اِلَى الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ۙ﴿85﴾

جس دن ہم پرہیز گاروں کو اللہ رحمٰن کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے ○

وَّنَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرۡدًا ۘ﴿86﴾ وقف لازم

اور گناہ گاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے ○ [4]

لَا يَمۡلِكُوۡنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ۘ﴿87﴾ وقف لازم

کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے ان کے جنھوں نے اللہ رحمٰن کی طرف سے کوئی قول قرار لے لیا ہے ○ [5]

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ؕ﴿88﴾

ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے ○

---

1 ﴿عِزًّا﴾ کا مطلب ہے: عزت کا باعث اور مددگار اور ﴿ضِدًّا﴾ کے معنی ہیں: دشمن، جھٹلانے والے اور ان کے مخالف، یعنی یہ معبودان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے ان کے دشمن، ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف ہوں گے۔

2 یعنی گمراہ کرتے، بہکاتے اور معصیت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

3 اور جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو یہ لوگ عذاب الٰہی کے مورد بن جائیں گے۔ آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

4 ﴿وَفۡدًا﴾ بعض کے نزدیک وَافِدٌ کی جمع ہے جیسے رَكْبٌ رَاكِبٌ کی جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ انھیں اونٹوں، گھوڑوں پر سوار کرا کے نہایت عزت واحترام سے جنت کی طرف لے جایا جائے گا ﴿وَفۡدًا﴾ کی تفسیر اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار کرانے کی مرفوعاً وموقوفاً مروی ہے لیکن ان روایات میں سے کوئی روایت ثابت نہیں، دیکھیے: (الاستيعاب في بيان الأسباب) ﴿وِرۡدًا﴾ کے معنی پیدل یا پیاسے۔ اس کے برعکس مجرمین کو بھوکا پیاسا جہنم میں ہانک دیا جائے گا۔

5 قول وقرار (عہد) کا مطلب ایمان وتقویٰ ہے، یعنی اہل ایمان وتقویٰ میں سے جن کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، وہی شفاعت کریں گے، ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿89﴾
یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو ○

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿90﴾
قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ○

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿91﴾
کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے ○ [1]

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿92﴾
شانِ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے ○

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿93﴾
آسمانوں اور زمین جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں ○ [2]

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿94﴾
ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے ○ [3]

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿95﴾
یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں ○ [4]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿96﴾
بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کر دے گا ○ [5]

---

1 ﴿ اِدًّا ﴾ کے معنی بہت بھیانک معاملہ اور دَاهِيَةٌ ''بھاری چیز اور بڑی مصیبت'' کے ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ کی اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے آسمان و زمین پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔

2 جب سب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور یہ اس کے لائق بھی نہیں ہے۔

3 یعنی آدم سے لے کر صبح قیامت تک جتنے بھی انسان اور جن ہیں، سب کو اس نے گن رکھا ہے، سب اس کے قابو اور گرفت میں ہیں، کوئی اس سے مخفی ہے نہ مخفی رہ ہی سکتا ہے۔

4 یعنی کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوگا، نہ مال ہی وہاں کچھ کام آئے گا۔ ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 26:88) ''اس دن نہ مال نفع دے گا، نہ بیٹے۔'' ہر شخص کو تنہا اپنا اپنا حساب دینا پڑے گا اور جن کی بابت انسان دنیا میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے وہاں حمایتی اور مددگار ہوں گے، وہاں سب غائب ہو جائیں گے۔ کوئی کسی کی مدد کے لیے حاضر نہیں ہوگا۔

5 یعنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کر دے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی (نیک) بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ جبریل علیہ السلام کو کہتا ہے: میں فلاں بندے سے محبت

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿97﴾

ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا ہے [1] کہ تو اس کے ذریعے سے پرہیز گاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو [2] لوگوں کو ڈرا دے ○

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿98﴾ ع

ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں، کیا ان میں سے ایک کی بھی آہٹ تو پاتا ہے۔ یا ان کی آواز کی بھنک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے ○ [3]

اٰيَاتُهَا 135 (20) سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ (45) رُكُوْعَاتُهَا 8

سورۂ طٰہٰ [4] مکی ہے، اس کی 135 آیات اور 8 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰهٰ ﴿1﴾

طٰہٰ ○

کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، پس جبریل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے، پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث:6040)

1 قرآن کو آسان کرنے کا مطلب اس زبان میں اتارنا ہے جس کو پیغمبر جانتا تھا، یعنی عربی زبان میں، پھر اس کے مضمون کا کھلا ہوا، واضح اور صاف ہونا ہے۔

2 ﴿لُدًّا﴾، ”اَلَدّ کی جمع“ کے معنی شدید جھگڑالو کے ہیں، مراد کفار و مشرکین ہیں۔

3 ﴿تُحِسُّ﴾ کے معنی ہیں اَلْإِدْرَاكُ بِالْحِسِّ حس کے ذریعے سے ادراک حاصل کرنا، یعنی کیا تو ان کو آنکھوں سے دیکھ سکتا یا ہاتھوں سے چھو سکتا ہے، یعنی استفہام انکاری ہے، یعنی ان کا وجود ہی دنیا میں نہیں ہے کہ تو انھیں دیکھ یا چھو سکے۔ ﴿رِكْزًا﴾ صوت خفی کو کہتے ہیں، یعنی ان کی ہلکی سی آواز ہی تجھے کہیں سے سنائی دے سکے۔

4 عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں ان میں صحیح وہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی: «اللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ» ”اے اللہ! ان دو آدمیوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرما، ابوجہل یا عمر بن الخطاب کے ذریعے سے۔“ دوسری روایت میں ہے: «فَغَدَا عُمَرُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ» ”تو صبح ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اسلام لے آئے۔“ (جامع الترمذي، حديث:3681 و 3683، وهداية الرواية، حديث:5990) بعض تاریخ و سیر کی روایات میں اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں سورۂ طٰہٰ کا سننا اور اس سے متاثر ہونا بھی مذکور ہے۔ (فتح القدير) لیکن سنداً یہ ثابت نہیں، یہ واقعہ سنن الدارقطني کے علاوہ امام احمد کی فضائل الصحابة:279/1 (371) میں مذکور ہے۔

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ②
ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے ○ [1]

اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ③
بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے ○

تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ④
اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے ○

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ⑤
جو رحمٰن ہے، عرش پر قائم ہے ○ [2]

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ⑥
جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان اور (نمناک زمین) کے نیچے کی ہر ایک چیز ہے ○ [3]

وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ⑦
اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے ○ [4]

---

1 اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے نہیں اتارا کہ تو ان کے کفر پر فرط تاسف اور ان کے عدم ایمان پر حسرت سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لے اور غم میں پڑ جائے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ○﴾ (الکہف 18: 6) ”پس اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں تو کیا تو ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالے گا؟“ بلکہ ہم نے تو قرآن کو نصیحت اور یاد دہانی کے لیے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں ہماری توحید کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے، واضح اور نمایاں ہو جائے۔ گویا یہاں شَقَآءٌ، عَنَآءٌ اور تَعَبٌ کے معنی میں ہے، یعنی تکلیف اور تھکاوٹ۔

2 بغیر کسی حد بندی اور کیفیت بیان کرنے کے جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے لیکن کس طرح اور کیسے؟ یہ کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ (مزید دیکھیے، سورۂ بقرہ 2:29، سورۂ اعراف 7:54، سورۂ رعد 13:2 اور سورۂ زمر 39:67 کے حواشی)

3 ﴿الثَّرٰى﴾ کے معنی ہیں زمین کی گیلی تہ۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں جو کچھ ہے وہ بھی اسی کے لیے ہے۔

4 یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دعا اونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے۔ ﴿اَخۡفٰى﴾ یا تو ماضی کا صیغہ ہے، اس صورت میں اس کے معنی ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے، یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے اور یا اسم تفضیل کا صیغہ ہے، ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ⑧

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں ○ [1]

وقف لازم

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨

اور کیا تجھے موسیٰ کا قصہ بھی معلوم ہے؟ ○

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩

جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمھارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس سے راستے کی اطلاع پاؤں ○ [2]

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ؕ ⑪

جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی [3] اے موسیٰ! ○

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ

یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے [4]

---

1 یعنی معبود بھی وہی ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہے اور بہترین نام بھی اسی کے ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ نہ معبود اس کے سوا کوئی اور ہے اور نہ اس جیسے اسمائے حسنیٰ ہی کسی کے ہیں۔ پس اسی کی صحیح معرفت حاصل کر کے، اسی سے ڈرا جائے، اسی سے محبت رکھی جائے، اسی پر ایمان لایا اور اسی کی اطاعت کی جائے تاکہ انسان جب اس کی بارگاہ میں واپس جائے تو وہاں شرمسار نہ ہو بلکہ اس کی رحمت و مغفرت سے شادکام اور اس کی رضا سے سعادت مند ہو۔

2 یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی بیوی کے ہمراہ (جو ایک قول کے مطابق شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں) اپنی والدہ کی طرف واپس مصر جا رہے تھے، اندھیری رات تھی اور راستہ بھی نامعلوم۔ اور بعض مفسرین کے بقول بیوی کی زچگی کا وقت بالکل قریب تھا اور انھیں حرارت کی ضرورت تھی۔ یا سردی کی وجہ سے گرمی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتنے میں دور سے انھیں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ گھر والوں سے، یعنی بیوی سے (یا بعض کہتے ہیں: خادم اور بچہ بھی تھا اسی لیے جمع کا لفظ استعمال فرمایا) کہا: تم یہاں ٹھہرو! شاید میں آگ کا کوئی شعلہ وہاں سے لے آؤں یا کم از کم وہاں سے راستے کی نشان دہی ہی ہو جائے۔

3 موسیٰ علیہ السلام جب آگ والی جگہ پر پہنچے تو وہاں ایک درخت سے (جیسا کہ سورۂ قصص 30:28 میں صراحت ہے) آواز آئی۔

4 جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ وادئ مقدس طویٰ میں پہنچے اور اس میں تواضع کا اظہار اور شرف و تکریم کا پہلو زیادہ ہے، تاہم اس کے دو پہلو ہیں۔ یہ حکم وادی کی تعظیم کے لیے تھا یا اس لیے کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات ننگے پیر ہونے کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کے اندر زیادہ جذب ہو سکیں۔ واللہ أعلم بعض کہتے ہیں کہ وہ ایسے گدھے کی

الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿12﴾
کیونکہ تو پاک میدان طُویٰ میں ہے ○ [1]

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿13﴾
اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے [2] اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن ○

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿14﴾
بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں پس تو میری ہی عبادت کر، [3] اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ ○ [4]

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ﴿15﴾
قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو ○

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا
پس اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک نہ

کھال کے بنے ہوئے تھے جو غیر مدبوغ تھی کیونکہ جانور کی کھال دباغت (رنگنے) کے بعد ہی پاک ہوتی ہے مگر یہ قول محل نظر ہے۔ شاید اسی وجہ سے یہود جوتیوں سمیت نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ «خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِم وَلَا فِي خِفَافِهِمْ» ''یہود کی مخالفت کرو (جوتوں سمیت نماز پڑھا کرو)، اس لیے کہ وہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔'' لہٰذا اگر جوتے پاک ہوں تو اس میں نماز پڑھنا مشروع ہے۔

1 ﴿طُوًى﴾ وادی کا نام ہے، اسے بعض قراء نے طاء کے ضمے اور تنوین سے پڑھا ہے اور بعض نے طاء کے ضمے کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ (تفسير اللباب)

2 یعنی نبوت و رسالت اور ہم کلامی کے لیے۔ اور یہ دونوں شرف، اس وقت تیرے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

3 یعنی تکلیفات شرعیہ میں یہ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم ہے جس کا ہر انسان مکلّف ہے۔ اور وہ یہ کہ عبادت صرف اسی کا حق ہے۔

4 عبادت کے بعد نماز کا خصوصی حکم دیا، حالانکہ عبادت میں نماز بھی شامل تھی، یہ اس لیے کہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔ ﴿لِذِكْرِيْ﴾ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تا کہ تو مجھے یاد کرے، اس لیے کہ یاد کرنے کا طریقہ عبادت ہے اور عبادات میں نماز کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی تجھے یاد آ جائے کہ تیرے ذمے نماز ہے تو نماز پڑھ، یعنی اگر کسی وقت نماز کے بارے میں نسیان، ذہول یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ۔ جس طرح کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے پڑھ لے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 597، و صحيح مسلم، حديث:315-(684))

وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا ○[1]

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰

اے موسیٰ! تیرے اس دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ○

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱

جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے ہیں ○

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲

فرمایا: اے موسیٰ! اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے ○

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳

ڈالتے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی ○

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑

فرمایا: بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اسی پہلی سی صورت میں دوبارہ لا دیں گے ○[2]

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ㉒

اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہو کر نکلے گا، لیکن بغیر کسی عیب (اور روگ) کے[3] یہ دوسرا معجزہ ہے ○

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ㉓

یہ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں ○

ع 1 24 10 اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ㉔

اب تو فرعون کی طرف جا اس نے بڑی سرکشی مچا رکھی ہے ○[4]

---

1 اس لیے کہ آخرت پر یقین کرنے سے یا اس کے ذکر و مراقبے سے گریز، دونوں ہی باتیں ہلاکت کا باعث ہیں۔

2 یہ موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا گیا جو عصائے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

3 ''بغیر عیب اور روگ کے'' کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا اس طرح سفید اور چمک دار ہو کر نکلنا کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ برص کے مریض کی چمڑی سفید ہو جاتی ہے بلکہ یہ دوسرا معجزہ ہے، جو ہم تجھے عطا کر رہے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر ان دونوں معجزوں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ﴾ (القصص 32:28) ''پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔''

4 فرعون کا ذکر اس لیے کیا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی سرکشی و طغیانی بھی بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ وہ دعویٰ کرنے لگا تھا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○﴾ (النّٰزعٰت 24:79) ''میں تمھارا بلند تر رب ہوں۔''

قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِىۡ صَدۡرِىۡ ﴿25﴾	موسیٰ نے کہا: اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لیے کھول دے ○
وَيَسِّرۡ لِىۡۤ اَمۡرِىۡ ﴿26﴾	اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے ○
وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِىۡ ﴿27﴾	اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے ○
يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِىۡ ﴿28﴾	تا کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں ○
وَاجۡعَلۡ لِّىۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِىۡ ﴿29﴾	اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے کر دے ○
هٰرُوۡنَ اَخِى ﴿30﴾	(یعنی) میرے بھائی ہارون کو ○
اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِىۡ ﴿31﴾	تو اس سے میری کمر کس دے ○
وَاَشۡرِكۡهُ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ﴿32﴾	اور اسے میرا شریک کار کر دے ○ [1]
كَىۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ﴿33﴾	تا کہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں ○
وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ﴿34﴾	اور بکثرت تیری یاد کریں ○ [2]
اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ﴿35﴾	بیشک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ○ [3]

1 کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے شاہی محل میں زیر پرورش تھے تو کھجور یا موتی کی بجائے آگ کا انگارہ لے کر منہ میں ڈال لیا تھا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں کچھ لکنت پیدا ہوگئی۔ (ابن کثیر) جب اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر میرا پیغام پہنچاؤ تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دو باتیں آئیں، ایک تو یہ کہ وہ بڑا جابر اور متکبر بادشاہ ہے بلکہ رب ہونے تک کا دعویدار ہے۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی قوم کا ایک آدمی مارا گیا تھا جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکلنا پڑا تھا، یعنی ایک فرعون کی بڑائی اور سرکشی کا خوف اور دوسرا، اپنے ہاتھوں ہونے والے واقعہ کا اندیشہ۔ اور ان دونوں پر زائد تیسری بات، زبان میں لکنت۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! ''میرا سینہ کھول دے تا کہ میں رسالت کا بوجھ اٹھا سکوں، میرے کام کو آسان فرما دے، یعنی جو مہم مجھے درپیش ہے اس میں میری مدد فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ فرعون کے سامنے میں پوری وضاحت سے تیرا پیغام پہنچا سکوں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اپنا دفاع بھی کر سکوں۔ اس کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ میرے بھائی ہارون کو (کہتے ہیں کہ یہ عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے) بطور معین اور مددگار میرا وزیر اور شریک کار بنا دے۔'' ﴿وَزِيۡرًا﴾ مُوَازِرٌ کے معنی میں ہے، یعنی بوجھ اٹھانے والا۔ جس طرح ایک وزیر بادشاہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور امور مملکت میں اس کا مشیر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہارون علیہ السلام میرا مشیر اور بوجھ اٹھانے والا ساتھی ہو۔

2 یہ دعاؤں کی علت بیان کی کہ اس طرح ہم تبلیغ رسالت کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح اور تیرا ذکر بھی زیادہ کر سکیں۔

3 یعنی تجھے سارے حالات کا علم ہے اور بچپن میں جس طرح تو نے ہم پر احسان کیے، اب بھی اپنے احسانات سے

قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ﴿36﴾

اللہ نے فرمایا: موسیٰ تیرے تمام سوالات پورے کر دیے گئے ○ [1]

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰٓى ﴿37﴾

ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے ○ [2]

اِذۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰٓى ﴿38﴾

جبکہ ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جس کا ذکر اب کیا جا رہا ہے ○

اَنِ اقۡذِفِيۡهِ فِى التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّىۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ ﴿39﴾ وقف لازم

کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے، پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا، [3] اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی۔ [4] تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے [5] کی جائے ○

ہمیں محروم نہ رکھ۔

1 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کی لکنت کو بھی دور فرما دیا تھا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ پوری لکنت دور کرنے کی دعا نہیں کی تھی، اس لیے کچھ باقی رہ گئی تھی۔ باقی رہا فرعون کا یہ کہنا: ﴿ وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ ○ ﴾ (الزخرف 52:43) ''یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا۔'' یہ فرعون کی طرف سے ان کی تنقیص کے طور پر کہی اور گزشتہ کیفیت کے اعتبار سے ہے۔ (أيسر التفاسير)

2 قبولیت دعا کی خوشخبری کے ساتھ مزید تسلی اور حوصلے کے لیے اللہ تعالیٰ بچپن کے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے قتل کے اندیشے سے اللہ کے حکم (القائے الٰہی) سے انھیں، جب وہ شیر خوار بچے تھے، تابوت میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا۔

3 مراد فرعون ہے جو اللہ کا بھی دشمن اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا، یعنی لکڑی کا وہ تابوت تیرتا ہوا جب شاہی محل کے کنارے پہنچا تو اسے باہر نکال کر دیکھا گیا تو اس میں ایک معصوم بچہ تھا جسے فرعون نے اپنی بیوی کی خواہش پر پرورش کے لیے شاہی محل میں رکھ لیا۔

4 یعنی فرعون کے دل میں ڈال دی یا عام لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی۔

5 چنانچہ اللہ کی قدرت کا اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا کمال اور کرشمہ دیکھیے کہ جس بچے کی خاطر فرعون بے شمار بچوں کو قتل کروا چکا ہے تا کہ وہ زندہ نہ رہے، اسی بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی گود میں پلوا رہا ہے اور ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے لیکن اس کی اجرت بھی اسی دشمن موسیٰ علیہ السلام سے وصول کر رہی ہے۔ فَسُبۡحَانَ ذِي الۡجَبَرُوتِ وَالۡمَلَكُوتِ وَالۡكِبۡرِيَاءِ وَالۡعَظَمَةِ.

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى
مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ
عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَقَتَلْتَ نَفْسًا
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ
فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ۙ ثُمَّ
جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿40﴾

(یاد کر) جبکہ تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو میں اسے بتا دوں جو اس کی نگہبانی کرے،[1] اس تدبیر سے ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا[2] اس پر بھی ہم نے تجھے غم سے بچا لیا، غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزما لیا۔[3] پھر تو کئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا،[4] پھر تقدیر الٰہی کے مطابق اے موسیٰ! تو آیا○[5]

1 یہ اس وقت ہوا جب ماں نے تابوت سمندر میں پھینک دیا تو بیٹی سے کہا: ذرا دیکھتی رہو، یہ کہاں کنارے لگتا ہے اور کیا معاملہ اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ جب اللہ کی مشیت سے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پہنچ گئے، شیر خوارگی کا عالم تھا، چنانچہ دودھ پلانے والی عورتوں اور آیاؤں کو بلایا گیا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہ پیتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی، بالآخر اس نے کہا: میں تمھیں ایسی عورت بتلاتی ہوں جو تمھاری یہ مشکل دور کر دے گی، انھوں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ وہ اپنی ماں کو، جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، بلا لائی۔ جب ماں نے بیٹے کو چھاتی سے لگایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی تدبیر و مشیت سے غٹا غٹ دودھ پینا شروع کر دیا۔

2 یہ ایک دوسرے احسان کا ذکر ہے، جب موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ایک فرعونی صرف گھونسا مارنے سے مر گیا، جس کا ذکر سورۂ قصص میں آئے گا۔

3 ﴿فُتُوْنًا﴾ دُخول اور خُروج کی طرح مصدر ہے، یعنی ابتلیناك ابتلاءً "ہم نے تجھے خوب آزمایا۔" یا یہ جمع ہے فتنہ کی، جیسے حجرۃ کی حجور اور بدرۃ کی بدور جمع ہے، یعنی ہم نے تجھے کئی مرتبہ یا بار بار آزمایا یا آزمائشوں سے نکالا، مثلاً: جو سال بچوں کے قتل کا تھا، تجھے پیدا کیا، تیری ماں نے تجھے سمندر کی موجوں کے سپرد کر دیا، تمام دایاؤں کا دودھ تجھ پر حرام کر دیا، تو نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی جس پر اس نے تیرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تیرے ہاتھوں قبطی کا قتل ہو گیا وغیرہ۔ ان تمام مواقع آزمائش میں ہم ہی تیری مدد اور چارہ سازی کرتے رہے۔

4 یعنی فرعونی کے غیر ارادی قتل کے بعد تو یہاں سے نکل کر مدین چلا گیا اور وہاں کئی سال رہا۔

5 یعنی ایسے وقت میں تو آیا جو وقت میں نے اپنے فیصلے اور تقدیر میں تجھ سے ہم کلامی اور نبوت کے لیے لکھا ہوا تھا۔ یا ﴿قَدَرٍ﴾ سے مراد عمر کی مقدار ہے، یعنی عمر کے اس مرحلے میں آیا جو نبوت کے لیے موزوں ہے، یعنی چالیس سال کی عمر میں۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿41﴾
اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرما لیا ○

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿42﴾
اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جا، اور خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا ○ [1]

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿43﴾
تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے ○

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿44﴾
اسے نرمی [2] سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے ○

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿45﴾
دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے ○

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿46﴾
جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو میں اب تمھارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا ○ [3]

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿47﴾
تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، ان کی سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند [4] ہو جائے ○

---

1 اس میں داعیان الی اللہ کے لیے بڑا سبق ہے کہ انھیں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

2 یہ وصف بھی داعیان کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ سختی سے لوگ بدکتے اور دور بھاگتے ہیں اور نرمی سے قریب آتے اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔

3 تم فرعون کو جا کر جو کہو گے اور اس کے جواب میں جو وہ کہے گا، میں وہ سنتا اور تمھارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا رہوں گا اور میں تمھاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا، اس لیے اس کے پاس جاؤ، تردد کی کوئی ضرورت نہیں۔

4 یہ سلامِ تحیہ نہیں ہے جسے مسلمان ایک دوسرے کو کہتے ہیں بلکہ امن و سلامتی کی طرف دعوت ہے، جیسے نبی ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام مکتوب میں لکھا تھا: «أَسْلِمْ تَسْلَمْ» ''اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا۔'' اسی طرح مکتوب کے شروع میں آپ نے «وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى» بھی تحریر فرمایا، (ابن کثیر) اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مکتوب یا مجلس میں مخاطب کرنا ہو تو اسے انھی الفاظ سے خطاب کیا جائے، اس لیے کہ

اِنَّا قَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰى مَنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿48﴾

ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے ○

قَالَ فَمَنۡ رَّبُّكُمَا يٰمُوۡسٰى ﴿49﴾

فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ ○

قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿50﴾

جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص شکل وصورت عنایت فرمائی پھر راہ سجھا دی ○ [1]

قَالَ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰى ﴿51﴾

اس نے کہا: اچھا یہ تو بتاؤ اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہونا ہے ○ [2]

قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ فِىۡ كِتٰبٍ‌ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىۡ وَلَا يَنۡسَى ﴿52﴾

جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ○ [3]

الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَكَ لَـكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿53﴾

اسی نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمھارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے، پھر اس (برسات) کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں ○

اس میں دعوت ہے۔

1 مثلاً: جو شکل وصورت انسان کے مناسب حال تھی وہ اسے جو جانوروں کے مطابق تھی، وہ جانوروں کو عطا فرمائی۔ ''راہ سجھائی'' کا مطلب ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سہن، کھانے پینے اور بود و باش کا طریقہ سمجھا دیا، اس کے مطابق ہر مخلوق سامان زندگی فراہم کرتی اور حیات مستعار کے دن گزارتی ہے۔

2 فرعون نے بات کا رخ دوسری طرف پھیرنے کے لیے یہ سوال کیا، یعنی پہلے لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے، ان کا حال کیا ہوگا؟

3 موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: (ان کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے، البتہ) ان کا علم میرے رب کو ہے جو اس کے پاس کتاب میں موجود ہے وہ اس کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا، پھر اس کا علم اس طرح ہر چیز کو محیط ہے کہ اس کی نظر سے کوئی چھوٹی بڑی چیز اوجھل نہیں ہو سکتی، نہ اسے نسیان ہی لاحق ہوتا ہے جبکہ مخلوق کے علم میں دونوں نقص موجود ہیں۔ ایک تو ان کا علم محیط کل نہیں بلکہ ناقص ہے۔ دوسرے، علم کے بعد وہ بھول بھی سکتے ہیں، میرا رب ان دونوں نقصوں سے پاک ہے۔ آگے رب کی مزید صفات بیان کی جارہی ہیں۔

ع 2/30/11

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿54﴾

تم خود کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔[1] کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لیے[2] بہت سی نشانیاں ہیں ○

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿55﴾

اسی زمین میں سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب[3] کو نکال کھڑا کریں گے ○

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿56﴾

ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا ○

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿57﴾

کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے ○[4]

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿58﴾

اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے، پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے،[5] کہ نہ ہم اس کا خلاف کریں اور نہ

---

1 یعنی ان انواع واقسام کی پیداوار میں کچھ چیزیں تمھاری خوراک اور لذت وفرحت کا سامان ہیں اور کچھ تمھارے چوپایوں اور جانوروں کے لیے ہیں۔

2 ﴿النُّهٰى﴾ نُهيَةٌ کی جمع ہے، بمعنی عقل، ﴿لِّاُولِي النُّهٰى﴾ عقل والے۔ عقل کو نُهيَه اور عقل مند کو ذُو نُهيَه، اس لیے کہا جاتا ہے کہ بالآخر انھی کی رائے پر معاملہ انتہا پذیر ہوتا ہے یا اس لیے کہ یہ نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں، يَنْهَوْنَ النَّفْسَ عَنِ الْقَبَائِحِ (فتح القدير)

3 بعض روایات میں دفنانے کے بعد تین لپیں (یا بکے) مٹی ڈالتے وقت اس آیت کا پڑھنا نبی ﷺ سے منقول ہے۔ لیکن سنداً یہ روایات ضعیف ہیں، تاہم آیت کے بغیر تین لپیں ڈالنے والی روایت، جو ابن ماجہ میں ہے، صحیح ہے، اس لیے دفنانے کے بعد دونوں ہاتھوں سے تین تین مرتبہ مٹی ڈالنے کو علماء نے مستحب قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سنن ابن ماجه، حديث:1565، وإرواء الغليل:200/3، حديث:751)

4 جب فرعون کو دلائل واضحہ کے ساتھ وہ معجزات بھی دکھلائے گئے، جو عصا اور ید بیضا کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے تو فرعون نے اسے جادو کا کرتب سمجھا اور کہنے لگا: اچھا تُو ہمیں اس جادو کے زور سے ہماری زمین سے نکالنا چاہتا ہے؟

5 ﴿مَوْعِدًا﴾ مصدر ہے یا اگر ظرف ہے تو زمان اور مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ کوئی جگہ اور دن مقرر کر لے۔

تو، صاف میدان میں مقابلہ ہو ○ [1]

قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿59﴾

موسیٰ نے جواب دیا کہ زینت اور جشن کے دن [2] کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں ○

فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿60﴾

پس فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈے جمع کیے پھر آ گیا ○ [3]

قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ﴿61﴾

موسیٰ نے ان سے کہا: تمھاری شامت آ چکی، اللہ پر جھوٹ اور افترا نہ باندھو کہ وہ تمھیں عذابوں سے ملیامیٹ کر دے، یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا جس نے جھوٹی بات گھڑی ○ [4]

فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوٰى ﴿62﴾

پس یہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چھپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے ○ [5]

قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ﴿63﴾

کہنے لگے: یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمھارے بہترین مذہب کو برباد کریں ○ [6]

---

1 ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فریقین سہولت سے پہنچ سکیں۔

2 اس سے مراد "نوروز" یا کوئی اور سالانہ میلے یا جشن کا دن ہے جسے وہ عید کے طور پر مناتے تھے۔

3 یعنی مختلف شہروں سے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے اجتماع گاہ میں آ گیا۔

4 جب فرعون اجتماع گاہ میں جادوگروں کو مقابلے کی ترغیب دے رہا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا اظہار کر رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلے سے پہلے انھیں وعظ کیا اور ان کے موجودہ رویے پر انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

5 موسیٰ علیہ السلام کے وعظ سے ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا اور بعض چپکے چپکے کہنے لگے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں والی نہیں، پیغمبرانہ لگتی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا۔

6 [مُثۡلٰى] طَرِيۡقَةٌ کی صفت ہے۔ یہ اَمۡثَلُ کی تانیث ہے، افضل کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی اپنے "جادو" کے زور سے غالب آ گئے تو سادات و اشراف اس کی طرف مائل ہو جائیں گے جس سے ہمارے

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿64﴾

تو تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھا نہ رکھو، پھر صف بندی کر کے آؤ۔ جو آج غالب آ گیا وہی بازی لے گیا ○

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿65﴾

کہنے لگے کہ اے موسیٰ! یا تو تُو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں ○

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿66﴾

جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔[1] اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں ○[2]

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿67﴾

پس موسیٰ نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا ○

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿68﴾

ہم نے فرمایا: کچھ خوف نہ کر یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا ○[3]

وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ

اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نگل جائے، انھوں نے جو کچھ بنایا

اقتدار کے خاتمے اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔ علاوہ ازیں ہمارا بہترین طریقہ یا مذہب، اسے بھی یہ ختم کر دیں گے، یعنی اپنے مشرکانہ مذہب کو بھی انھوں نے ''بہترین'' قرار دیا جیسا کہ آج بھی ہر باطل مذہب اور فرقے کے پیروکار اسی زعم فاسد میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے سچ فرمایا: ﴿ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○﴾ (الروم 30:32) ''ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے، اس پر ریجھ رہا ہے۔''

1 موسیٰ علیہ السلام نے انھیں پہلے اپنا کرتب دکھانے کے لیے کہا تا کہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد سے جو فرعون جمع کر کے لے آیا ہے اور اسی طرح ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں۔ دوسرے، ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیاں، جب معجزۂ الٰہی سے چشم زدن میں ﴿هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ ہو جائیں گی تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں ہے، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے کہ آن واحد میں اس کی ایک لاٹھی ہمارے سارے کرتبوں کو نگل گئی۔

2 قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لاٹھیاں حقیقتاً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ جادو کے زور سے ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے مسمریزم کے ذریعے سے نظر بندی کر دی جاتی ہے، تاہم اس کا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ عارضی اور وقتی طور پر دیکھنے والوں پر ایک دہشت طاری ہو جاتی ہے، گو شے کی حقیقت تبدیل نہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جادو کتنا بھی اونچے درجے کا ہو، وہ شے کی حقیقت تبدیل نہیں کر سکتا۔

3 اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اگر موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا تو یہ ایک طبعی چیز تھی جو کمال نبوت کے

اَلسّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿69﴾

ہے یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا ○

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿70﴾

اب تو تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے ○

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿71﴾

فرعون کہنے لگا کہ کیا میری اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمھارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، (سن لو) میں تمھارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے [1] کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا، اور تمھیں پوری طرح معلوم ہو

منافی ہے نہ عصمت کے کیونکہ نبی بھی بشر ہی ہوتا ہے اور بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ وہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں جس طرح نبی ﷺ پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے، اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ اس سے کارِ نبوت متاثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت فرماتا ہے اور جادو سے وحی یا فریضۂ رسالت کی ادائیگی کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ خوف اس لیے ہو کہ میری لاٹھی ڈالنے سے قبل ہی کہیں لوگ ان کرتبوں اور شعبدہ بازیوں سے متاثر نہ ہو جائیں لیکن اغلب ہے کہ یہ خوف اس لیے ہوا کہ ان جادوگروں نے بھی جو کرتب دکھایا، وہ لاٹھیوں کے ذریعے سے ہی دکھایا، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی لاٹھی ہی تھی جسے انھوں نے زمین پر پھینکنا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنے والے اس سے شبہے اور مغالطے میں نہ پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ دونوں نے ایک ہی قسم کا جادو پیش کیا، اس لیے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا جادو ہے کون سا معجزہ؟ کون غالب ہے کون مغلوب؟ گویا جادو اور معجزے کا جو فرق واضح کرنا مقصود ہے، وہ مذکورہ مغالطے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بسا اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھ پر کس نوعیت کا معجزہ ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ خود معجزہ کو ظاہر کرنے پر قدرت تو دور کی بات ہے، یہ تو محض اللہ کا کام ہے کہ وہ انبیاء کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے، بہر حال موسیٰ علیہ السلام کے اس اندیشے اور خوف کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ کسی بھی لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ہی غالب رہے گا، اس جملے سے طبعی خوف اور دیگر اندیشوں، سب کا ہی ازالہ فرما دیا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

1 ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ (الٹے سیدھے) کا مطلب ہے سیدھا ہاتھ تو بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ تو سیدھا پاؤں۔

قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالَّذِىۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ‌ؕ اِنَّمَا تَقۡضِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ؕ‏ ﴿72﴾

جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے ○ انھوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آ چکیں اور اس اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے [1] اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر، تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے وہ اسی دنیوی [2] زندگی ہی میں ہے ○

اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَـغۡفِرَلَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنَ السِّحۡرِ‌ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى‏ ﴿73﴾

الثلثة

ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے [3] اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے ○ [4]

---

1 یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب ﴿وَالَّذِىۡ فَطَرَنَا﴾ کا عطف ﴿مَا جَآءَنَا﴾ پر ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اسے قسم قرار دیا ہے، یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آ چکیں۔

2 یعنی تیرے بس میں جو کچھ ہے، وہ کر لے، ہمیں معلوم ہے کہ تیرا بس صرف اس دنیا میں ہی چل سکتا ہے۔ جبکہ ہم جس پروردگار پر ایمان لائے ہیں اس کی حکمرانی تو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ہے۔ مرنے کے بعد ہم تیری حکمرانی اور تیرے ظلم وستم سے تو بچ جائیں گے کیونکہ جسموں سے روح کے نکل جانے کے بعد تیرا اختیار ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہم اپنے رب کے نافرمان رہے تو ہم مرنے کے بعد بھی رب کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے، وہ ہمیں سخت عذاب دینے پر قادر ہے۔ رب پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کی زندگی میں جو عظیم انقلاب آنا اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی پر جس طرح یقین ہونا چاہیے اور پھر اس عقیدہ و ایمان پر جو تکلیفیں آئیں، انھیں جس حوصلہ وصبر اور عزم و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے، جادوگروں نے اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا کہ ایمان لانے سے قبل کس طرح وہ فرعون سے انعامات اور دنیاوی جاہ و منصب کے طالب تھے لیکن ایمان لانے کے بعد کوئی ترغیب وتحریص انھیں متزلزل کر سکی نہ تشدید و تعذیب کی دھمکیاں انھیں ایمان سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

3 دوسرا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ”ہماری وہ غلطیاں بھی معاف فرما دے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں تیرے مجبور کرنے پر ہم نے عمل جادو کی صورت میں کیں۔“ اس صورت میں ﴿وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا﴾ کا عطف۔ ﴿خَطٰيٰنَا﴾ پر ہو گا۔

4 یہ فرعون کے الفاظ ﴿وَلَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰى ○﴾ کا جواب ہے کہ اے فرعون! تو جو سخت ترین عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ہمیں اجر وثواب ملے گا، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿74﴾

بات یہی ہے کہ جو بھی گناہ گار بن کر اللہ کے ہاں حاضر ہوگا اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی ○[1]

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿75﴾

اور جو بھی اس کے پاس ایماندار ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے۔ اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں ○

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿76﴾ ع 3 22 12

ہیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہے ○[2]

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ڏ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿77﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل،[3] اور ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لے،[4] پھر نہ تجھے کسی کے آپکڑنے کا خطرہ ہوگا نہ ڈر ○[5]

---

1 یعنی عذاب سے تنگ آ کر موت کی آرزو کریں گے تو موت نہیں آئے گی اور رات دن عذاب میں مبتلا رہنا، کھانے پینے کو زقوم جیسا تلخ درخت اور جہنمیوں کے جسموں سے نچڑا ہوا خون اور پیپ ملنا، یہ کوئی زندگی ہوگی؟ اَللّٰھُمَّ أَجِرْنَا مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ!

2 جہنمیوں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جو جنت کی پر آسائش زندگی ملے گی، اس کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے، یعنی اعمال صالحہ اختیار اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کریں گے، اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ عقیدہ وعمل کے مجموعے کا نام ہے۔

3 جب فرعون ایمان بھی نہیں لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

4 اس کی تفصیل سورۂ شعراء میں آئے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے دریا میں لاٹھی ماری، جس سے دریا میں گزرنے کے لیے خشک راستہ بن گیا۔

5 خطرہ فرعون اور اس کے لشکر کا اور ڈر پانی میں ڈوبنے کا۔

فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ ﴿78﴾

فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو دریا ان سب پر چھا گیا جیسا کچھ چھا جانے والا تھا ○ [1]

وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿79﴾

فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا ○ [2]

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ قَدۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ عَدُوِّكُمۡ وَوٰعَدۡنٰكُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنَ وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ﴿80﴾

اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی دائیں طرف کا وعدہ [3] کیا اور تم پر من وسلوٰی اتارا ○ [4]

كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَلَا تَطۡغَوۡا فِيۡهِ فَيَحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبِىۡ ۚ

تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ، اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو، [5] ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور

---

1 یعنی اس خشک راستے پر جب فرعون اور اس کا لشکر چلنے لگا تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ حسب سابق رواں دواں ہو جا، چنانچہ وہ خشک راستہ چشم زدن میں پانی کی موجوں میں تبدیل ہو گیا اور فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا، ﴿فَغَشِيَهُمۡ﴾ کے معنی ہیں عَلَاهُمْ وَأَصَابَهُمْ سمندر کا پانی ان پر غالب آ گیا۔ ﴿مَا غَشِيَهُمۡ﴾ یہ تکرار تعظیم و تہویل، یعنی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے۔ یا اس کے معنی ہیں: ''سمندر کے پانی نے ان کو ڈھانپ لیا'' جیسا کہ آپ نے اس کا قصہ سن لیا۔

2 اس لیے کہ سمندر میں غرق ہونا ان کا مقدر تھا۔

3 ﴿وَوٰعَدۡنٰكُمۡ﴾ میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تمھیں، یعنی تمھارے نمائندے بھی ساتھ لے کر آئیں تاکہ تمھارے سامنے ہی ہم موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوں یا ضمیر جمع اس لیے لائی گئی کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو بلانا بنی اسرائیل ہی کی خاطر اور انھی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تھا۔

4 ﴿الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى﴾ کے نزول کا واقعہ، سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ ﴿الۡمَنَّ﴾ کوئی سفید سی میٹھی چیز تھی جو آسمان سے نازل ہوتی تھی اور ﴿وَالسَّلۡوٰى﴾ سے مراد بٹیر پرندے ہیں جو کثرت سے ان کے پاس آتے اور وہ حسب ضرورت انھیں پکڑ کر پکاتے اور کھا لیتے۔ (ابن کثیر)

5 طُغۡيَانٌ کے معنی ہیں: تجاوز کرنا یعنی حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف تجاوز مت کرو یا اللہ کی نعمتوں کا انکار کر کے یا کفران نعمت کا ارتکاب کر کے یا منعم کی نافرمانی کر کے حد سے تجاوز نہ کرو، ان تمام مفہومات پر طغیان کا لفظ صادق آتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طغیان کا مفہوم ہے، ضرورت و حاجت سے زیادہ پرندے پکڑنا، یعنی حاجت کے مطابق پرندے پکڑو اور اس سے تجاوز مت کرو۔

وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ هَوٰى ﴿81﴾
جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ یقیناً تباہ ہوا ○[1]

وَاِنِّىۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰى ﴿82﴾
ہاں بیشک میں انھیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں ○[2]

وَمَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿83﴾
اے موسیٰ! تجھے اپنی قوم سے (غافل کر کے) کون سی چیز جلدی لے آئی؟ ○

قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿84﴾
کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے ہیں، اور میں نے اے رب! تیری طرف جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو جائے ○[3]

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿85﴾
فرمایا: ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انھیں سامری نے بہکا دیا ہے ○[4]

فَرَجَعَ مُوۡسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ
پس موسیٰ سخت غضبناک ہو کر رنج کے ساتھ واپس لوٹے، اور کہنے لگے کہ اے میری قوم والو! کیا تم سے

---

1 دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ''ہاویہ'' یعنی جہنم میں گرا۔ ''ہاویہ'' جہنم کا نچلا حصہ ہے، یعنی جہنم کی گہرائی والے حصے کا مستحق ہو گیا۔

2 یعنی مغفرت الٰہی کا مستحق بننے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ کفر و شرک اور معاصی سے توبہ، ایمان، عمل صالح اور راہ راست پر چلتے رہنا، یعنی استقامت حتیٰ کہ ایمان ہی پر اسے موت آئے، ورنہ ظاہر بات ہے کہ توبہ و ایمان کے بعد اگر اس نے پھر شرک و کفر کا راستہ اختیار کر لیا حتیٰ کہ موت بھی اسے کفر و شرک پر ہی آئے تو مغفرت الٰہی کے بجائے عذاب کا مستحق ہو گا۔

3 سمندر پار کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اسرائیل کے سربرآوردہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے لیکن حصول رضا کی خاطر ساتھیوں سے آگے نکل کر طور پر پہنچ گئے، سوال کرنے پر جواب دیا: مجھے تو تیری رضا کی طلب اور اس کی جلدی تھی۔ وہ لوگ میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پیچھے آ رہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ میرے قریب ہی ہیں اور میری واپسی کے منتظر ہیں۔

4 موسیٰ علیہ السلام کے بعد سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجنے پر لگا دیا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو دی کہ سامری نے تو تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فتنے میں ڈالنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے، اور اس گمراہی کا سبب سامری ہی تھا جیسا کہ ﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ○﴾ سے واضح ہے۔

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿86﴾

تمھارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا تھا؟[1] کیا اس کی مدت تمھیں لمبی معلوم ہوئی ؟[2] بلکہ تمھارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمھارے پروردگار کا غضب نازل ہو کہ تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا ○[3]

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿87﴾

انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا۔[4] بلکہ ہم پر زیورات قوم کے جو بوجھ لاد دیے گئے تھے انھیں ہم نے ڈال دیا، اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیے ○

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿88﴾

پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا، یعنی بچھڑے کا بت، جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی پھر کہنے لگے کہ یہی تمھارا بھی معبود ہے[5] اور موسیٰ کا بھی، لیکن موسیٰ بھول گیا ہے ○

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ

کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا

---

1 اس سے مراد جنت کا یا فتح وظفر کا وعدہ ہے اگر وہ دین پر قائم رہے یا تورات عطا کرنے کا وعدہ ہے جس کے لیے طور پر انھیں بلایا گیا تھا۔

2 کیا اس عہد کو مدت دراز گزر گئی تھی کہ تم بھول گئے اور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

3 قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی طور سے واپسی تک وہ اللہ کی اطاعت وعبادت پر قائم رہیں گے۔

4 یعنی ہم نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یہ غلطی ہم سے اضطراری طور پر ہوگئی، آگے اس کی وجہ بیان کی۔

5 ﴿زِيْنَةِ﴾ سے زیورات اور ﴿الْقَوْمِ﴾ سے قوم فرعون مراد ہے۔ کہتے ہیں یہ زیورات انھوں نے فرعونیوں سے عاریتًا لیے تھے، اسی لیے انھیں ﴿اَوْزَارًا﴾ ''وِزْرٌ کی جمع بوجھ'' کہا گیا ہے کیونکہ یہ ان کے لیے جائز نہیں تھے، چنانچہ انھیں جمع کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، سامری نے بھی جو (مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کی طرح) گمراہ تھا، کچھ ڈالا، (اور وہ مٹی تھی جیسا کہ آگے صراحت ہے) پھر اس نے تمام زیورات کو تپا کر اس طرح کا بچھڑا بنا دیا کہ جس میں ہوا کے اندر، باہر آنے جانے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس آواز سے اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) تو گمراہ ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ سے ملنے کے لیے طور پر گئے ہیں، جبکہ تمھارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود تو یہ ہے۔

ع 4 13/13 وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾	جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے ○ [1]
وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾	اور ہارون نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا: اے میری قوم والو! اس بچھڑے سے تو صرف تمھاری آزمائش کی گئی ہے، تمھارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمٰن ہی ہے، پس تم سب میری تابعداری کرو۔ اور میری بات مانتے چلے جاؤ○ [2]
قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾	انھوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے ○ [3]
قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ﴿٩٢﴾	موسیٰ کہنے لگے: اے ہارون! انھیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا○
اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾	کہ تو میرے پیچھے نہ آیا، کیا تو بھی میرے حکم کا نافرمان بن بیٹھا○ [4]
قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾	ہارون نے کہا: اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ، اور سر کے بال نہ کھینچ، مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ (نہ) فرمائیں [5] کہ تو نے بنی اسرائیل

1 اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت و نادانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنا بھی نہیں پتہ چلا کہ یہ بچھڑا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ جبکہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سننے پر، نفع و نقصان پہنچانے پر اور حاجت برآری پر قادر ہو۔

2 ہارون علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا جب یہ قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔

3 اسرائیلیوں کو یہ گوسالہ اتنا اچھا لگا کہ ہارون علیہ السلام کی بات کی بھی پروا نہیں کی اور اس کی تعظیم و عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

4 یعنی اگر انھوں نے تیری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا تو تجھ کو فوراً میرے پیچھے کوہ طور پر آ کر مجھے بتلانا چاہیے تھا۔ تو نے بھی میرے حکم کی پروا نہیں کی، یعنی جانشینی کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔

5 موسیٰ علیہ السلام قوم کو شرک کی گمراہی میں دیکھ کر سخت غضب ناک تھے اور سمجھتے تھے کہ شاید اس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی، جن کو وہ اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے، مداہنت کا بھی دخل ہو، اس لیے سخت غصے میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿95﴾
قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿96﴾
قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ

میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا ○ [1]
موسیٰ نے پوچھا: سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ ○
اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انھیں دکھائی نہیں دی، تو میں نے فرستادۂ الٰہی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی اسے اس میں ڈال دیا۔ [2] اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی ○
کہا: اچھا جا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ مجھے نہ چھونا، [3] اور ایک اور بھی وعدہ تیرے

اور سر پکڑ کر انھیں جھنجھوڑنا اور پوچھنا شروع کیا، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے انھیں اتنا سخت رویہ نہ اپنانے کی درخواست کی۔

1 سورۂ اعراف 7:150 میں ہارون علیہ السلام کا جواب یہ نقل ہوا ہے کہ ''قوم نے مجھے کمزور خیال کیا اور میرے قتل کے درپے ہوگئی۔'' جس کا مطلب یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمے داری پوری طرح نبھائی اور انھیں سمجھانے اور گوسالہ پرستی سے روکنے میں مداہنت اور کوتاہی نہیں کی۔ لیکن معاملے کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ ہارون علیہ السلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں آپس میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ جاتے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ خود وہاں موجود نہ تھے، اس لیے اس صورت حال کی نزاکت سے بے خبر تھے، اسی بنا پر ہارون علیہ السلام کو انھوں نے سخت سست کہا۔ لیکن پھر وضاحت پر وہ اصل مجرم کی طرف متوجہ ہوئے، اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور اور باطل چیزوں کو بھی برداشت کر لینا چاہیے کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام نے نہ ایسا کیا ہی ہے، نہ ان کے قول کا یہ مطلب ہی ہے۔

2 جمہور مفسرین نے ﴿الرَّسُوْلِ﴾ سے مراد جبریل علیہ السلام لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جبریل کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھ لی، جس میں کچھ خرق عادت اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے پگھلے ہوئے زیورات یا بچھڑے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلنی شروع ہوگئی جو ان کے فتنے کا باعث بن گئی۔

3 یعنی عمر بھر تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھ سے دور رہو، مجھے نہ چھونا، اس لیے کہ اسے چھوتے ہی چھونے والا بھی اور یہ سامری بھی دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے، اس لیے جب یہ کسی انسان کو دیکھتا تو فوراً چیخ اٹھتا کہ ﴿لَا مِسَاسَ﴾ کہا جاتا ہے کہ پھر یہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا، جہاں جانوروں کے ساتھ اس کی زندگی گزری اور یوں

وَانۡظُرۡ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا‌ ؕ لَـنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَــنَنۡسِفَنَّهٗ فِى الۡيَمِّ نَسۡفًا ﴿97﴾

ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا،[1] اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے ○ [2]

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ﴿98﴾

اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے ○

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ‌ ۚ وَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ‌ۖ‌ۚ ﴿99﴾

اسی طرح ہم تیرے[3] سامنے پہلے کے گزرے ہوئے حالات بیان فرما رہے ہیں اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں ○ [4]

مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ۙ ﴿100﴾

اس سے جو منہ پھیر لے گا[5] وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لادے ہوئے ہوگا ○ [6]

عبرت کا نمونہ بنا رہا۔ گویا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو شخص جتنا زیادہ حیلہ وفن اور مکر وفریب اختیار کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی اسی حساب سے شدید تر اور نہایت عبرت ناک ہوگی۔

1 یعنی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر صورت بھگتنا پڑے گا۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے آثار ختم کرنا بلکہ ان کا نام ونشان تک مٹا ڈالنا، چاہے ان کی نسبت کتنی ہی مقدس ہستیوں کی طرف ہو، توہین نہیں جیسا کہ اہل بدعت، قبر پرست اور تعزیہ پرست باور کراتے ہیں بلکہ یہ توحید کا منشا اور دینی غیرت کا تقاضا ہے۔ جیسے اس واقعے میں اس ﴿ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ ﴾ کو نہیں دیکھا گیا جس سے ظاہری طور پر روحانی برکات کا مشاہدہ بھی کیا گیا، اس کے باوجود اس کی پروا نہیں کی گئی، اس لیے کہ وہ شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔

3 یعنی جس طرح ہم نے فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے، اسی طرح انبیائے ماسبق کے حالات ہم آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے باخبر ہوں اور ان میں جو عبرت کے پہلو ہوں، انھیں لوگوں کے سامنے نمایاں کریں تاکہ لوگ اس کی روشنی میں صحیح رویہ اختیار کریں۔

4 نصیحت (ذکر) سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس سے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا، ہدایت اختیار کرتا اور نجات و سعادت کا راستہ اپناتا ہے۔

5 یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس میں جو کچھ درج ہے، اس پر عمل نہیں کرے گا۔

6 یعنی گناہ عظیم اس لیے کہ اس کا نامۂ اعمال، نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پر ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ﴿101﴾

جس میں ہمیشہ ہی رہے گا، [1] اور ان کے لیے قیامت کے دن (بڑا) برا بوجھ ہے ○

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚۖ﴿102﴾

جس دن صور [2] پھونکا جائے گا اور گناہ گاروں کو ہم اس دن (دہشت کی وجہ سے) نیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے ○

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿103﴾

وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے [3] ہوں گے کہ ہم تو (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے ○

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ؑ﴿104﴾ ع 5 15 14

جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم باخبر ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ [4] والا کہہ رہا ہوگا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے ○

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۙ﴿105﴾

وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں، تو آپ کہہ دیں کہ انھیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ○

---

1 جس سے وہ بچ نہ سکے گا، نہ بھاگ ہی سکے گا۔

2 ﴿ الصُّوْرِ ﴾ سے مراد وہ قرن (نرسنگا) ہے، جس میں اسرافیل اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ (مسند أحمد: 192/2) ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسرافیل نے قرن کا لقمہ بنایا ہوا ہے، (اسے منہ لگائے کھڑا ہے) پیشانی جھکائی یا موڑی ہوئی ہے، رب کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مار دے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2431) اسرافیل علیہ السلام کے پہلے نفخے سے سب پر موت طاری ہو جائے گی اور دوسرے نفخے سے بحکم الٰہی سب زندہ اور میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ آیت میں یہی دوسرا نفخہ مراد ہے۔

3 شدت ہول اور دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے باتیں کریں گے۔

4 یعنی سب سے زیادہ عاقل اور سمجھ دار، یعنی دنیا کی زندگی انھیں چند دن بلکہ گھڑی دو گھڑی کی محسوس ہوگی۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴾ (الروم 55:30) ''جس دن قیامت برپا ہوگی، کافر قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔'' یہی مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ فاطر 37:35، سورۂ مؤمنون 23:112-114 اور سورۂ نازعات 46:79 وغیرہ۔ مطلب یہی ہے کہ فانی زندگی کو باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دی جائے۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿106﴾
لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿107﴾

اور زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر کے چھوڑے گا ○
جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اونچ نیچ ○

يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿108﴾

جس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں [1] گے جس میں کوئی کجی نہ ہوگی [2] اور اللہ رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے کھسر پھسر کے تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا ○ [3]

يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿109﴾

اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے ○ [4]

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿110﴾

جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا ○ [5]

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ

تمام چہرے اس زندہ اور قائم ذات کے سامنے کمال

---

1 یعنی جس دن اونچے نیچے پہاڑ، وادیاں، فلک بوس عمارتیں، سب صاف ہو جائیں گی، سمندر اور دریا خشک ہو جائیں گے اور ساری زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی، پھر ایک آواز آئے گی جس کے پیچھے سارے لوگ لگ جائیں گے، یعنی جس طرف وہ داعی بلائے گا، جائیں گے۔

2 یعنی اس داعی سے ادھر ادھر نہیں ہوں گے۔

3 یعنی مکمل سناٹا ہوگا سوائے قدموں کی آہٹ اور کھسر پھسر کے کچھ سنائی نہیں دے گا۔

4 یعنی اس دن کسی کی سفارش کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، سوائے ان کے جن کو رحمٰن شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور وہ بھی ہر کسی کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ صرف ان کی سفارش کریں گے جن کی بابت سفارش کو اللہ پسند فرمائے گا۔ اور یہ کون لوگ ہوں گے؟ صرف اہل توحید، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ یہ مضمون قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے، مثلاً: سورۂ نجم 26:53، سورۂ انبیاء 28:21، سورۂ سبا 23:34، سورۂ نبا 38:78 اور آیت الکرسی۔

5 گزشتہ آیت میں شفاعت کے لیے جو اصول بیان فرمایا گیا ہے، اس میں اس کی وجہ اور علت بیان کر دی گئی ہے کہ چونکہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی کی بابت پورا علم نہیں ہے کہ کون کتنا بڑا مجرم ہے؟ اور وہ اس بات کا مستحق ہے بھی یا نہیں کہ اس کی سفارش کی جا سکے اس لیے اس بات کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا کہ کون کون لوگ انبیاء و صلحاء کی سفارش کے مستحق ہیں؟ کیونکہ ہر شخص کے جرائم کی نوعیت و کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔

مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿111﴾	عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے، یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لاد لیا ○ [1]
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿112﴾	اور جو نیک اعمال کرے اور ایمان دار بھی ہو تو نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہوگا نہ حق تلفی کا ○ [2]
وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿113﴾	اسی طرح ہم نے تجھ پر عربی قرآن نازل فرمایا ہے اور طرح طرح سے اس میں ڈر کا بیان سنایا ہے تاکہ لوگ پرہیز گار بن جائیں [3] یا ان کے لیے سوچ سمجھ تو پیدا کرے ○ [4]
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿114﴾	پس اللہ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ ہے۔ [5] تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے، [6] اور یہ

---

1 اس لیے کہ اس روز اللہ تعالیٰ مکمل انصاف فرمائے گا اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دلائے گا حتیٰ کہ اگر ایک سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری پر ظلم کیا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے: «لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''ہر صاحب حق کو اس کا حق قیامت کو دینا پڑے گا۔'' ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''«إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ»'' ''ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2578 و 2582، و مسند أحمد: 235/2 و 323/3) سب سے نامراد وہ شخص ہوگا جس نے شرک کا بوجھ اپنے اوپر لاد رکھا ہوگا، اس لیے کہ شرک ظلم عظیم بھی ہے اور ناقابل معافی بھی۔

2 بے انصافی یہ ہے کہ اس پر دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے اور حق تلفی یہ ہے کہ نیکیوں کا اجر کم دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں وہاں نہیں ہوں گی۔

3 یعنی گناہ، محرمات اور فواحش کے ارتکاب سے باز آ جائیں۔

4 یعنی اطاعت اور قرب حاصل کرنے کا شوق یا پچھلی امتوں کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا کر دے۔

5 جس کا وعدہ اور وعید حق ہے، جنت دوزخ حق ہے اور اس کی ہر بات حق ہے۔

6 جبریل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے اور سناتے تو نبی ﷺ بھی جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کہیں کچھ

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿115﴾ ع 6/11/15
وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿116﴾

دعا کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا ○ [1]
ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا ○ [2]
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا، اس نے صاف انکار کر دیا ○

حصہ بھول نہ جائیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور تاکید کی کہ پہلے غور سے وحی کو سنیں، اس کو یاد کرانا اور دل میں بٹھا دینا یہ ہمارا کام ہے جیسا کہ سورۂ قیامہ میں اس کی وضاحت ہے۔

1 یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادتیٔ علم کی دعا فرماتے رہیں۔ اس میں علماء کے لیے بھی نصیحت ہے کہ وہ فتویٰ میں پوری تحقیق اور غور سے کام لیں، جلد بازی سے بچیں اور علم میں اضافے کی صورتیں اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ علاوہ ازیں علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے۔ قرآن میں اسی کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے حاملین کو علماء۔ دیگر چیزوں کا علم، جو انسان کسب معاش کے لیے حاصل کرتا ہے، وہ سب فن ہیں، ہنر ہیں اور صنعت و حرفت ہیں۔ نبی کریم ﷺ جس علم کے لیے دعا فرماتے تھے، وہ وحی و رسالت ہی کا علم ہے جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے جس سے انسان کا ربط و تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا، اس کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی اور اللہ کی رضا و عدم رضا کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جو آپ پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَايَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ» (سنن ابن ماجه، حديث: 251) ''اے اللہ! مجھے میرے علم سے نفع عطا فرما اور مجھے نفع بخش علم عطا کر اور میرے علم میں اضافہ فرما اور ہر حال میں تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

2 نسیان، (بھول جانا) ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور ارادے کی کمزوری، یعنی فقدان عزم۔ یہ بھی انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں کمزوریاں ہی شیطان کے وسوسوں میں پھنس جانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر ان کمزوریوں میں اللہ کے حکم سے بغاوت و سرکشی کا جذبہ اور اللہ کی نافرمانی کا عزم مصمم شامل نہ ہو تو بھول اور ضعفِ ارادہ سے ہونے والی غلطی عصمت و کمال نبوت کے منافی نہیں کیونکہ اس کے بعد انسان فوراً نادم ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جھک جاتا اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ آدم علیہ السلام نے بھی کیا) آدم علیہ السلام کو اللہ نے سمجھایا تھا کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، یہ تمھیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ یہی وہ بات ہے جسے یہاں عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے قریب جانے، یعنی اس سے کچھ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ اس درخت کے قریب نہیں جائیں گے۔ لیکن جب شیطان نے اللہ کی قسمیں کھا کر انھیں یہ باور کرایا کہ اس کا پھل تو یہ تاثیر رکھتا ہے کہ جو کھا لیتا ہے، اسے حیات جاوداں اور دائمی بادشاہت مل جاتی ہے۔ تو ارادے پر قائم نہ رہ سکے اور اس فقدان عزم کی وجہ سے شیطانی وسوسے کا شکار ہو گئے۔

فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿117﴾

تو ہم نے کہا: اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے ○ [1]

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿118﴾

یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا ○

وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿119﴾

اور نہ تو یہاں پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے ○

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿120﴾

لیکن شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا، کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور بادشاہت بتلاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو ○

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿121﴾

چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا، پس ان کے ستر کھل گئے اور بہشت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، پس بہک گیا ○ [2]

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿122﴾

پھر اس کے رب نے نوازا اس کی طرف توجہ فرمائی اور اس کی راہنمائی کی ○ [3]

---

1 یہ شَقاءٌ محنت ومشقت کے معنی میں ہے، یعنی جنت میں کھانے پینے، لباس اور مسکن کی جو سہولتیں بغیر کسی محنت کے حاصل ہیں۔ جنت سے نکل جانے کی صورت میں ان چاروں چیزوں کے لیے محنت ومشقت کرنی پڑے گی جس طرح کہ ہر انسان کو دنیا میں ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ علاوہ ازیں صرف آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ تو محنت ومشقت میں پڑ جائے گا۔ دونوں کو نہیں کہا گیا، حالانکہ درخت کا پھل کھانے والے آدم اور حوا علیہما السلام دونوں ہی تھے، اس لیے کہ اصل مخاطب آدم ہی تھے۔ نیز بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے، عورت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس محنت ومشقت سے بچا کر گھر کی ملکہ کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن آج کی مغرب زدہ عورت کو یہ ''اعزاز الٰہی'' ''طوق غلامی'' نظر آتا ہے جس سے آزاد ہونے کے لیے وہ بے قرار اور مصروف جہد ہے آہ! اغوائے شیطانی بھی کتنا مؤثر اور اس کا جال بھی کتنا حسین اور دلفریب ہے۔

2 یعنی درخت کا پھل کھا کر نافرمانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مطلوب یا راہ راست سے بہک گیا۔

3 اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے مذکورہ عصیان کا صدور نبوت سے قبل ہوا اور نبوت سے اس کے بعد آپ کو نوازا گیا۔ لیکن ہم نے گزشتہ صفحے میں اس ''معصیت'' کی جو حقیقت بیان کی ہے، وہ عصمت کے منافی نہیں رہتی کیونکہ ایسا سہو ونسیان، جس کا تعلق تبلیغ رسالت اور تشریع سے نہ ہو بلکہ ذاتی افعال سے ہو

قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًۢا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقٰى ﴿123﴾

فرمایا: تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمھارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا ○

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى ﴿124﴾

اور ہاں جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی،[1] اور ہم اسے بروزِ قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے ○[2]

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِىۡۤ اَعۡمٰى وَقَدۡ كُنۡتُ بَصِيۡرًا ﴿125﴾

وہ کہے گا کہ الٰہی! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا ○

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى ﴿126﴾

(جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جائے گا ○

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰى ﴿127﴾

ہم ایسا ہی بدلہ ہر اس شخص کو دیا کرتے ہیں جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے، اور بیشک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور (بہت) دیرپا ہے ○

اوراس میں بھی اس کا سبب ضعف ارادہ ہوتو یہ دراصل وہ معصیت ہی نہیں ہے جس کی بنا پر انسان غضب الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔ اس پر جو معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے تو محض ان کی عظمت شان اور مقام بلند کی وجہ سے کہ بڑوں کی معمولی غلطی کو بھی بڑا سمجھ لیا جاتا ہے، جس طرح مشہور ہے کہ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ ''نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے حق میں برائیاں متصور ہوتی ہیں۔'' اس لیے آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے اس کے بعد اسے نبوت کے لیے چن لیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ندامت اور توبہ کے بعد ہم نے اسے پھر مقام اجتبا پر فائز کر دیا جو پہلے انھیں حاصل تھا۔ ان کو زمین پر اتارنے کا فیصلہ ہماری مشیت اور حکمت و مصلحت پر مبنی تھا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہمارا عتاب ہے جو آدم پر نازل ہوا ہے۔

1 اس تنگی سے بعض نے عذاب قبر اور بعض نے وہ قلق و اضطراب، بے چینی اور بے کلی مراد لی ہے جس میں اللہ کی یاد سے غافل بڑے بڑے دولت مند مبتلا رہتے ہیں۔

2 اس سے مراد فی الواقع آنکھوں سے اندھا ہونا ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے بصیرت سے محرومی مراد ہے، یعنی وہاں اس کو کوئی ایسی دلیل نہیں سوجھے گی جسے پیش کر کے وہ عذاب سے چھوٹ سکے۔ لیکن پہلی بات راجح ہے۔

اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع 7 13 16

کیا ان کی رہبری اس بات نے بھی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک کر دی ہیں جن کے رہنے سہنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ؕ

اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے مقرر شدہ اور وقت معین کردہ نہ ہوتا تو اسی وقت عذاب آ چمٹتا ○ [1]

فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴿۱۳۰﴾

پس ان کی باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بیان کرتا رہ، سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے، رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ، [2] بہت ممکن ہے کہ تو راضی ہو جائے ○ [3]

---

1 یعنی یہ مکذبین اور مشرکین مکہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی رہائش گاہوں سے گزر کر آتے جاتے ہیں انھیں ہم اسی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں، جن کے عبرت ناک انجام میں اہل عقل و دانش کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کیے ہوئے انھی کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ وہ اتمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مہلت کے لیے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے، کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ تو فوراً انھیں عذاب الٰہی آ چمٹتا اور یہ ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے۔ مہلت عمل ختم ہو جانے کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

2 بعض مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور وہ اس سے پانچ نمازیں مراد لیتے ہیں۔ طلوع شمس سے قبل فجر، غروب سے قبل عصر، رات کی گھڑیوں سے مغرب وعشاء اور ﴿ اَطۡرَافَ النَّهَارِ ﴾ سے ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ ظہر کا وقت انہار اول کا طرف آخر اور نہار آخر کا طرف اول ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان اوقات میں ویسے ہی اللہ کی تسبیح و تحمید مراد ہے جس میں نماز، تلاوت، ذکر اذکار، دعا و مناجات اور نوافل سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کی تکذیب سے بددل نہ ہوں۔ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا، ان کی گرفت فرمالے گا۔

3 یہ متعلق ہے ﴿ فَسَبِّحۡ ﴾ سے، یعنی ان اوقات میں تسبیح کریں، یہ امید رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں آپ کو وہ

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّ اَبۡقٰى ﴿131﴾

اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائشِ دنیا کی دے رکھی ہیں تاکہ انھیں اس میں آزمالیں [1] تیرے رب کا دیا ہوا ہی (بہت) بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ [2]

وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـئَلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿132﴾

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتا رہ اور خود بھی اس پر جما رہ، [3] ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے ○

وَقَالُوۡا لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿133﴾

انھوں نے کہا کہ یہ نبی ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لایا؟ [4] کیا ان کے پاس اگلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں پہنچی؟ ○ [5]

مقام و درجہ حاصل ہو جائے گا جس سے آپ راضی ہو جائیں۔

1 یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۂ آل عمران 3:196,197، سورۂ حجر 15:87، 88 اور سورۂ کہف 18:7 وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔

2 اس سے مراد آخرت کا اجر و ثواب ہے جو دنیا کے مال و اسباب سے بہتر بھی ہے اور اس کے مقابلے میں باقی رہنے والا بھی۔ حدیث ایلا میں آتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سروسامانی کا یہ عالم کہ گھر میں چمڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا: عمر کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کس طرح آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کا، باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں، یہ حال ہے؟ فرمایا: ''عمر! کیا تم اب تک شک میں ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے آرام کی چیزیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔'' یعنی آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاري، حدیث:4913، و صحیح مسلم، حدیث:30-(1479))

3 اس خطاب میں ساری امت نبی ﷺ کے تابع ہے، یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید کرتا رہے۔

4 یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانی، جیسے ثمود کے لیے اونٹنی ظاہر کی گئی تھی۔

5 ان سے مراد تورات، انجیل اور زبور وغیرہ ہیں، یعنی کیا ان میں نبی ﷺ کی صفات موجود نہیں ہیں جن سے ان کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کیا ان کے پاس پچھلی قوموں کے یہ حالات نہیں پہنچے کہ انھوں نے

وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰى ﴿134﴾
قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا ۚ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ﴿135﴾ ع 8 7 17

اور اگر ہم اس سے [1] پہلے ہی انھیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً وہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے ○
کہہ دیجیے: ہر ایک (انجام کا) منتظر ہے [2] پس تم بھی انتظار میں رہو۔ ابھی قطعاً جان لوگے کہ راہ راست والے کون ہیں اور کون راہ یافتہ ہیں ○ [3]

جب اپنی حسب خواہش معجزے کا مطالبہ کیا اور وہ انھیں دکھا دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تو انھیں ہلاک کر دیا گیا۔

1 مراد آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

2 یعنی مسلمان اور کافر دونوں اس انتظار میں ہیں کہ دیکھو کفر غالب رہتا ہے یا اسلام غالب آتا ہے؟

3 اس کا علم تمھیں اس سے ہو جائے گا کہ اللہ کی مدد سے کامیاب اور سرخرو کون ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ کامیابی مسلمانوں کے حصے میں آئی جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام ہی سیدھا راستہ اور اس کے حاملین ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اٰیَاتُھَا: 112 (21) سُوْرَةُ الْاَنْۢبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ (73) رُکُوْعَاتُھَا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ
غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ ①
مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا
اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۙ ②
لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ
السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③
قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ
هُوَ شَاعِرٌ ۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ

سورۂ انبیاء مکی ہے، اس میں 112 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا [1] پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ○ [2]

ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نئی نصیحت آتی ہے اسے وہ کھیل کود میں ہی سنتے ہیں ○ [3]

ان کے دل بالکل غافل ہیں اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تم ہی جیسا انسان ہے، پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھے جادو میں آ جاتے ہو ○ [4]

پیغمبر نے کہا: میرا پروردگار ہر اس بات کو جو زمین و آسمان میں ہے بخوبی جانتا ہے، وہ بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ○ [5]

(اتنا ہی نہیں) بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پراگندہ خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے ازخود اسے گھڑ لیا ہے بلکہ یہ شاعر [6]

---

1 وقت حساب سے مراد قیامت ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے، قریب ہے۔ اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لیے قیامت ہے۔ علاوہ ازیں گزرے ہوئے زمانے کے لحاظ سے بھی قیامت قریب ہے کیونکہ جتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ باقی رہ جانے والا زمانہ اس سے کم ہے۔

2 یعنی اس کی تیاری سے غافل، دنیا کی زینتوں میں گم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔

3 یعنی قرآن جو وقتاً فوقتاً حسب حالات وضروریات نیا نیا اترتا رہتا ہے، وہ اگرچہ انھی کی نصیحت کے لیے اترتا ہے لیکن وہ اس سے کھیل اور استہزا کرتے ہوئے سنتے ہیں، یعنی اس میں تدبر، غور وفکر نہیں کرتے۔

4 یعنی نبی کا بشر ہونا ان کے لیے ناقابل قبول ہے، پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ تو جادوگر ہے، تم اس کے جادو میں دیکھتے بھالتے کیوں پھنستے ہو؟

5 وہ تمام بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کے اعمال سے واقف ہے، تم جو جھوٹ بکتے ہو، اسے سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمھیں دے رہا ہوں، اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

6 ان سرگوشی کرنے والے ظالموں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کہا کہ یہ قرآن تو پریشان خواب کی طرح پراگندہ افکار

الْاَوَّلُوْنَ ⑤

ہے، ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لائے جیسے کہ پہلے پیغمبر بھیجے گئے تھے ○ [1]

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجاڑی سب ایمان سے خالی تھیں۔تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے ○ [2]

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے سبھی مرد [3] تھے جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو ○ [4]

کا مجموعہ بلکہ اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے بلکہ یہ شاعر ہے اور یہ قرآن کتاب ہدایت نہیں، شاعری ہے، یعنی کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں ہے۔ ہر روز ایک نیا پینترا بدلتے اور نئی سے نئی الزام تراشی کرتے ہیں۔

1 یعنی جس طرح ثمود کے لیے اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور ید بیضا وغیرہ۔

2 یعنی ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، یہ نہیں ہوا کہ ان کی حسب خواہش معجزہ دکھلانے پر وہ ایمان لے آئی ہوں بلکہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں، جس کے نتیجے میں ہلاکت ان کا مقدر بنی تو کیا اگر اہل مکہ کو ان کی خواہش کے مطابق کوئی نشانی دکھلا دی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بھی تکذیب وعناد کے راستے پر ہی بدستور گامزن رہیں گے۔ آیت میں ﴿قَرْيَةٍ﴾ بستی سے مراد (اهل القرية) بستی کے باشندے ہیں۔

3 یہ ان کا رد ہے جو کہتے تھے کہ یہ تو تمہاری طرح بشر ہے۔ فرمایا: آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے گئے ہیں وہ مرد ہی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ رسالت مَردوں کے ساتھ ہی خاص رہا ہے۔

4 ﴿اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ ”اہل علم“ سے مراد اہل کتاب ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے، ان سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء جو ہو گزرے ہیں، وہ انسان تھے یا غیر انسان؟ وہ تمہیں بتلائیں گے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے۔ اس سے بعض حضرات ”تقلید“ کا اثبات کرتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ ”تقلید یہ ہے کہ ایک معین شخص اور اس کی طرف منسوب ایک معین فقہ کو مرجع بنایا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ دوسرا، یہ کہ بغیر دلیل کے اس کی بات کو تسلیم کیا جائے۔“ جبکہ آیت میں اہل الذکر سے مراد کوئی متعین شخص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ عالم ہے جو تورات وانجیل کا علم رکھتا تھا۔ اس سے تقلید شخصی یا تقلید مطلق کا اثبات ہوتا ہے یا ان کی نفی؟ اس میں تو علماء کی طرف رجوع کرنے کی تاکید ہے جو عوام کے لیے ناگزیر ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے۔ نہ کہ کسی ایک ہی شخصیت کا دامن پکڑ لینے کا حکم۔ علاوہ ازیں تورات وانجیل منصوص کتابیں تھیں یا انسانوں کی خود ساختہ فقہیں؟ اگر وہ آسمانی کتابیں تھیں تو مطلب یہ ہوا کہ علماء کے ذریعے سے نصوص شریعت معلوم کریں جو آیت کا صحیح مفہوم ہے۔ اور اگر وہ کسی ایک شخص یا ایک استاذ اور اس کے شاگردوں کے

وَ مَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِيۡنَ ⑧

ہم نے انھیں ایسے جسّد نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ○ [1]

ثُمَّ صَدَقۡنٰهُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَيۡنٰهُمۡ وَمَنۡ نَّشَآءُ وَ اَهۡلَكۡنَا الۡمُسۡرِفِيۡنَ ⑨

پھر ہم نے ان سے کیے ہوئے سب وعدے سچے کیے انھیں اور جن جن کو ہم نے چاہا نجات عطافرمائی اور حد سے نکل جانے والوں کو غارت کردیا ○ [2]

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ كِتٰبًا فِيۡهِ ذِكۡرُكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ⑩ ع

یقیناً ہم نے تمھاری جانب ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمھارا تذکرہ ہے، کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے؟ ○

وَكَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ كَانَتۡ ظَالِمَةً وَّ اَنۡشَاۡنَا بَعۡدَهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ⑪

اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کردیں [3] جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کردیا ○

فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَرۡكُضُوۡنَ ؕ ⑫

جب انھوں نے ہمارے عذاب کا احساس کرلیا تو اس سے بھاگنے لگے ○ [4]

لَا تَرۡكُضُوۡا وَارۡجِعُوۡۤا اِلٰى مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِيۡهِ

بھاگ دوڑ نہ کرو [5] اور جہاں تمھیں آسودگی دی گئی تھی

اقوال کا مجموعہ تھیں تو پھر یقیناً فقہی تقلید کا جواز اس آیت سے نکل آتا ہے لیکن کیا وہ آسمانی کتابیں واقعی آراء الرجال کا مجموعہ ہی تھیں؟

1 یہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت ہی کی دلیل دی جارہی ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور وہ وفات بھی پاتے تھے، اگر وہ بشر نہ ہوتے تو ان چیزوں میں ان کا معاملہ دوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا۔ اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: سورۂ بنی اسرائیل آیت: 95 اور سورۂ کہف، آیت: 110۔

2 یعنی وعدے کے مطابق نبیوں کو اور اہل ایمان کو نجات عطا کی اور حد سے تجاوز کرنے والے، یعنی کفار و مشرکین کو ہم نے ہلاک کردیا۔

3 ﴿قَصَمۡنَا﴾ کے معنی ہیں: توڑ پھوڑ کر رکھ دینا اور کَمۡ صیغۂ تکثیر ہے، یعنی کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کردیا توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ”قوم نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کردیں۔“ (بنیٓ إسرآءیل 17:17)

4 احساس کے معنی ہیں: حواس کے ذریعے سے ادراک کرلینا، یعنی جب انھوں نے عذاب یا اس کے آثار کو آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ لیا یا کڑک گرج کی آواز سن کر معلوم کرلیا تو اس سے بچنے کے لیے بھاگنے لگے۔ رَکۡضٌ کے معنی ہوتے ہیں کہ آدمی گھوڑے وغیرہ پر بیٹھ کر اس کو دوڑانے کے لیے ایڑ لگائے۔ یہیں سے یہ بھاگنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

5 یہ فرشتوں نے یا مومنوں نے استہزا کے طور پر کہا۔

وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬

وہیں واپس لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف [1] جاؤ تا کہ تم سے سوال تو کر لیا جائے ○ [2]

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭

کہنے لگے: ہائے ہماری خرابی! بے شک ہم ظالم تھے ○

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮

پھر تو ان کا یہی قول رہا [3] یہاں تک کہ ہم نے انھیں جڑ سے کٹے ہوئے (کھیت) اور بجھی پڑی آگ (کی طرح) کر دیا ○ [4]

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو طنز اور مذاق کھیلتے ہوئے نہیں بنایا ○ [5]

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰

اگر ہم یوں ہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اسے اپنے پاس ہی سے بنا لیتے [6] اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے ○ [7]

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ

بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں، پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے [8]، اور تم جو باتیں

---

1 یعنی جو نعمتیں اور آسائشیں تمھیں حاصل تھیں جو تمھارے کفر اور سرکشی کا باعث تھیں اور وہ مکانات جن میں تم رہتے تھے اور جن کی خوبصورتی اور پائیداری پر فخر کرتے تھے ان کی طرف پلٹو۔

2 اور عذاب کے بعد تمھارا حال احوال تو پوچھ لیا جائے کہ تم پر یہ کیا بیتی، کس طرح بیتی اور کیوں بیتی؟ یہ سوال بطور طنز اور استہزا کے ہے، ورنہ ہلاکت کے شکنجے میں کسے جانے کے بعد وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہی کب رہتے تھے؟

3 یعنی جب تک زندگی کے آثار ان کے اندر رہے، وہ اعتراف ظلم کرتے رہے۔

4 ﴿حَصِيْدًا﴾ کٹی ہوئی کھیتی کو اور خمود آگ کے بجھ جانے کو کہتے ہیں، یعنی بالآخر وہ کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح راکھ کا ڈھیر ہو گئے، کوئی تاب و توانائی اور حس و حرکت ان کے اندر نہ رہی۔

5 بلکہ اس کے کئی مقاصد اور حکمتیں ہیں، مثلاً: بندے میرا ذکر و شکر کریں، نیکوں کو نیکیوں کی جزا اور بدوں کو بدیوں کی سزا دی جائے وغیرہ۔

6 یعنی اپنے پاس ہی سے کچھ چیزیں کھیل کے لیے بنا لیتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے۔ اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی اور پھر اس میں ذی روح اور ذی شعور مخلوق بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

7 ''اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔'' عربی اسلوب کے اعتبار سے یہ زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس ترجمہ کے کہ ''ہم کرنے والے ہی نہیں۔'' (فتح القدیر)

8 یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے درمیان جو تصادم ہے، اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں، چنانچہ ہم حق کو باطل پر یا سچ کو

مِمَّا تَصِفُوْنَ ⑱
وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ
عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا
يَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ ⑲
يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ⑳

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ
يُنْشِرُوْنَ ㉑
لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ
فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

بناتے ہو وہ تمھارے لیے باعثِ خرابی ہیں ○ [1]
آسمانوں اور زمین میں جو ہے اسی اللہ کا ہے [2] اور جو اس کے پاس ہے [3] وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں ○
وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے ○
کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے جنھیں معبود بنا رکھا ہے وہ زندہ کر دیتے ہیں ○ [4]
اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے [5]، پس اللہ عرش کا رب (ہر) اس

جھوٹ پر یا خیر کو شر پر مارتے ہیں، جس سے شر، باطل اور جھوٹ کا کچومر نکل جاتا ہے اور وہ چشم زدن میں نابود ہو جاتا ہے۔ دَمْغ، سر کی ایسی چوٹ کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ جائے۔ زَھَقَ کے معنی: ختم یا ہلاک و تلف ہو جانے کے ہیں۔

1 یعنی رب کی طرف تم جو بے سروپا باتیں منسوب کرتے یا اس کی بابت باور کراتے ہو، (مثلاً: یہ کائنات ایک کھیل ہے، ایک کھلنڈرے کا شوق فضول ہے وغیرہ) یہ تمھاری ہلاکت کا باعث ہے کیونکہ اسے کھیل تماشہ سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تامل اور خوف محسوس نہیں کرتے جس کا نتیجہ بالآخر تمھاری بربادی اور ہلاکت ہی ہے۔

2 سب اسی کی ملک اور اسی کے غلام ہیں، پھر جب تم کسی غلام کو اپنا بیٹا اور کسی لونڈی کو بیوی بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے مملوکین اور غلاموں میں سے بعض کو بیٹا اور بعض کو بیوی کس طرح بنا سکتا ہے؟

3 اس سے مراد فرشتے ہیں، وہ بھی اس کے غلام اور بندے ہیں، ان الفاظ سے ان کا شرف و اکرام بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اس کی بارگاہ کے مقربین ہیں۔ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔

4 استفہام انکاری ہے، یعنی نہیں کر سکتے، پھر وہ ان کو جو کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے اللہ کا شریک کیوں ٹھہراتے اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

5 یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کا ارادہ و شعور اور مرضی کارفرما ہوتی اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا، دونوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے۔

يَصِفُوْنَ ﴿22﴾

وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں ○

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿23﴾

وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں ○

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿24﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، ان سے کہہ دو: لاؤ اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ ہے میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے اگلوں کی دلیل۔[1] بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے، پس اسی وجہ سے منہ موڑے ہوئے ہیں ○

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿25﴾

تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو ○[2]

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿26﴾

(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمٰن کی اولاد ہے (غلط ہے) اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں ○

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾

کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں ○[3]

جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کارفرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو دینے والا کوئی نہیں۔

1 ﴿ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ﴾ سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب آسمانی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں، سب میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت و ربوبیت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ مشرکین اس حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور بدستور اس توحید سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

2 یعنی تمام پیغمبر بھی یہی توحید کا پیغام لے کر آئے۔

3 اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ بیٹیاں نہیں، اس کے ذی عزت بندے اور اس کے فرماں بردار ہیں۔ علاوہ ازیں بیٹے، بیٹیوں کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب عالم پیری میں ضعف

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿28﴾
وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ ع 2/19
اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو، [1] وہ تو خود ہیبتِ الٰہی سے لرزاں وترساں ہیں ○
اور ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں، [2] ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○
کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا [3] کہ آسمان وزمین باہم ملے جلے تھے، پھر ہم نے انھیں جدا کیا [4] اور ہر زندہ چیز

واضمحلال کا آغاز ہو جاتا ہے تو اس وقت اولاد سہارا بن جاتی ہے، اسی لیے اولاد کو عصائے پیری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بڑھاپا، ضعف واضمحلال، ایسے عوارض ہیں جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے، اس لیے اسے اولاد کی یا کسی بھی سہارے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

1 اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء وصالحین کے علاوہ فرشتے بھی سفارش کریں گے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن یہ سفارش انھی کے حق میں ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش اپنے نافرمان بندوں کے لیے نہیں، صرف گناہ گار مگر فرماں بردار بندوں، یعنی اہل ایمان وتوحید ہی کے لیے پسند فرمائے گا۔

2 یعنی ان فرشتوں میں سے بھی اگر کوئی الٰہ ہونے کا دعویٰ کر دے تو ہم اسے بھی جہنم میں پھینک دیں گے۔ یہ شرطیہ کلام ہے جس کا وقوع ضروری نہیں۔ مقصد، شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہے، جیسے ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○﴾ (الزخرف 81:43) ''کہہ دیجیے کہ اگر رحمٰن کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوں گا۔'' ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر 65:39) ''(اے پیغمبر!) اگر تو بھی شرک کرے تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے۔'' یہ سب مشروط ہیں جن کا وقوع غیر ضروری ہے۔

3 اس سے رؤیت عینی نہیں رؤیت قلبی مراد ہے، یعنی کیا انھوں نے غور وفکر نہیں کیا؟ یا انھوں نے جانا نہیں؟

4 ﴿رَتْقًا﴾ کے معنی: بند کے اور فَتْقٌ کے معنی: پھاڑنے، کھولنے اور الگ الگ کرنے کے ہیں، یعنی آسمان وزمین، ابتدائے امر میں باہم ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔ ہم نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا، آسمانوں کو اوپر کر دیا اور زمین کو اپنی جگہ پر رہنے دیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿30﴾

کو ہم نے پانی سے پیدا کیا[1] کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے؟ ○

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿31﴾

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیے تاکہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے،[2] اور ہم نے اس میں[3] کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں ○

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿32﴾

آسمان کو محفوظ چھت[4] بھی ہم ہی نے بنایا ہے۔ لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے ○

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿33﴾

وہ اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔[5] ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتا پھرتا ہے[6] ○

---

1 اس سے مراد اگر بارش اور چشموں کا پانی ہے، تب بھی واضح ہے کہ اس سے روئیدگی ہوتی اور ہر ذی روح کو حیاتِ نو ملتی ہے اور اگر مراد نطفہ ہے تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں کہ ہر زندہ چیز کے وجود کا باعث وہ قطرۂ آب ہے جو نر کی صلب سے نکلتا اور مادہ کے رحم میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔

2 یعنی اگر زمین پر یہ بڑے بڑے پہاڑ نہ ہوتے تو زمین میں جنبش اور لرزش ہوتی رہتی جس کی وجہ سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے زمین مسکن اور مستقر بننے کی صلاحیت سے محروم رہتی۔ ہم نے پہاڑوں کا بوجھ اس پر ڈال کر اسے ڈانواڈول ہونے سے محفوظ کر دیا۔

3 اس سے مراد زمین یا پہاڑ ہیں، یعنی زمین میں کشادہ راستے بنا دیے یا پہاڑوں میں درے رکھ دیے جس سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنا جانا آسان ہوگیا۔ ﴿ یَهْتَدُوْنَ ﴾ کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے: تاکہ وہ ان کے ذریعے سے اپنی معاش کے مصالح و مفادات حاصل کرسکیں۔

4 ﴿سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ محفوظ چھت، جس طرح خیمے اور قبے کی چھت ہوتی ہے۔ یا اس معنی میں محفوظ کہ ان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے، ورنہ آسمان زمین پر گر پڑیں تو زمین کا سارا نظام تہ و بالا ہوسکتا ہے۔ یا شیاطین سے محفوظ، جیسے فرمایا: ﴿وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ○﴾ (الحجر 15:17) ''ہم نے ان (آسمانوں) کی ہر شیطان مردود سے حفاظت کی۔''

5 یعنی رات کو آرام اور دن کو معاش کے لیے بنایا، سورج کو دن کی نشانی چاند کو رات کی نشانی بنایا تاکہ مہینوں اور سالوں کا حساب کیا جاسکے جو انسان کی اہم ضروریات میں سے ہے۔

6 جس طرح پیراک سطح آب پر تیرتا ہے، اسی طرح چاند اور سورج اپنے اپنے مدار پر تیرتے، یعنی رواں دواں رہتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿34﴾

آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے ○ [1]

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿35﴾

ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ ہم بطریقِ امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں [2] اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ [3]

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿36﴾

یہ منکرین تجھے جب بھی دیکھتے ہیں تو تمھارا مذاق ہی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کرتا ہے؟ اور وہ خود ہی رحمٰن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں ○ [4]

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿37﴾

انسان جلد باز مخلوق ہے میں تمھیں اپنی نشانیاں ابھی ابھی دکھاؤں گا تم مجھ سے جلدی نہ کرو ○ [5]

---

1 یہ کفار کے جواب میں ہے جو نبی ﷺ کی بابت کہتے تھے کہ ایک دن اسے مر ہی جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موت تو ہر انسان کو آنی ہے اور اس اصول سے یقیناً محمد رسول اللہ ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں کیونکہ وہ بھی انسان ہی ہیں اور ہم نے کسی انسان کے لیے بھی دوام اور ہمیشگی نہیں رکھی ہے۔ لیکن کیا یہ بات کہنے والے خود نہیں مریں گے؟ اس سے صنم پرستوں کی بھی تردید ہوگئی جو دیوتاؤں کی اور انبیاء و اولیاء کی زندگی کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِي تُعَارِضُ الْقُرْآنَ وَ السُّنَّةَ.

2 یعنی کبھی مصائب و آلام سے دوچار کر کے اور کبھی دنیا کے وسائل فراواں سے بہرہ ور کر کے۔ کبھی صحت و فراخی کے ذریعے سے اور کبھی تنگی و بیماری کے ذریعے سے، کبھی تونگری دے کر اور کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے ہم آزماتے ہیں تاکہ ہم دیکھیں کہ شکر گزاری کون کرتا ہے اور ناشکری کون؟ صبر کون کرتا ہے اور ناصبری کون؟ شکر اور صبر رضائے الٰہی کا اور کفرانِ نعمت اور ناصبری غضب الٰہی کا موجب ہے۔

3 وہاں تمھارے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دیں گے۔ اول الذکر لوگوں کے لیے بھلائی اور دوسروں کے لیے برائی ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ ﴾ (الزلزال 99:8،7)

4 اس کے باوجود یہ رسول اللہ ﷺ کا استہزا و مذاق اڑاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ○ ﴾ (الفرقان 25:41) ''جب (اے پیغمبر!) یہ کفار مکہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟''

5 یہ کفار کے مطالبۂ عذاب کے جواب میں ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت میں عجلت اور جلد بازی ہے، اس لیے وہ پیغمبر

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿38﴾

کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتا دو کہ یہ وعدہ کب ہے ○

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿39﴾

کاش! یہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے چہروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ [1]

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿40﴾

(ہاں ہاں!) وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آ جائے گی اور انھیں ہکا بکا کر دے گی [2]، پھر نہ تو یہ لوگ اسے ٹال سکیں گے اور نہ ذرا سی بھی مہلت دیے جائیں گے ○ [3]

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿41﴾ ع 3/12/3

اور تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا گیا پس ہنسی کرنے والوں ہی کو اس چیز نے گھیر لیا جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے ○ [4]

سے بھی جلدی مطالبہ کرنے لگ جاتا ہے کہ اپنے اللہ سے کہہ کر ہم پر فوراً عذاب نازل کروا دے۔ اللہ نے فرمایا: جلدی مت کرو، میں عنقریب اپنی نشانیاں تمھیں دکھاؤں گا۔ ان نشانیوں سے مراد عذاب بھی ہوسکتا ہے اور صداقت رسول ﷺ کے دلائل و براہین بھی۔

1 اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر یہ جان لیتے تو پھر عذاب کا جلدی مطالبہ نہ کرتے یا یقیناً جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے یا کفر پر قائم نہ رہتے بلکہ ایمان لے آتے۔

2 یعنی انھیں کچھ سجھائی نہیں دے گا کہ وہ کیا کریں؟

3 کہ وہ توبہ و اعتذار کا اہتمام کرلیں۔

4 رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین کے استہزا اور تکذیب سے بد دل نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تجھ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، بالآخر وہی عذاب ان پر الٹ پڑا، یعنی اس نے انھیں گھیر لیا، جس کا وہ استہزا اڑایا کرتے تھے اور جس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد تھا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا﴾ (الأنعام 6:34) ”تجھ سے پہلے بھی رسول جھٹلائے گئے، پس انھوں نے تکذیب پر اور ان تکلیفوں پر جو انھیں دی گئیں، صبر کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔“ رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے ساتھ کفار و مشرکین کے لیے اس میں تہدید و وعید بھی ہے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿42﴾

ان سے پوچھیے کہ رحمٰن (کے عذاب) سے، دن اور رات تمھاری حفاظت کون کرتا ہے؟[1] بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے پھرے ہوئے ہیں ○

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿43﴾

کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں جو انھیں مصیبتوں سے بچالیں۔ وہ تو خود اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی انھیں ہماری رفاقت ہی نصیب ہے ○[2]

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾

بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے سروسامان دیے یہاں تک کہ ان پر طویل مدت گزر گئی۔[3] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں،[4] اب کیا وہی غالب ہیں؟ ○[5]

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿45﴾

کہہ دیجیے: میں تو تمھیں اللہ کی وحی کے ساتھ آگاہ کر رہا ہوں مگر بہرے لوگ بات نہیں سنتے جبکہ انھیں آگاہ کیا جائے ○[6]

---

1 یعنی تمھارے جو کرتوت ہیں، وہ تو ایسے ہیں کہ دن یا رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آسکتا ہے؟ اس عذاب سے دن اور رات میں تمھاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب الٰہی سے تمھاری حفاظت کر سکے؟

2 اس کے معنی ہیں: وَلَا هُمْ يُجَارُوْنَ مِنْ عَذَابِنَا ''نہ وہ ہمارے عذاب سے ہی محفوظ ہیں۔'' یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور اللہ کے عذاب سے بچنے پر قادر نہیں ہیں، پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہونی ہے اور وہ انھیں عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟

3 یعنی ان کی یا ان کے آباء و اجداد کی زندگیاں اگر عیش و راحت میں گزر گئیں تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں؟ اور آئندہ بھی انھیں کچھ نہیں ہوگا؟ نہیں بلکہ یہ چند روزہ زندگی کا آرام تو ہمارے اصول مہلت کا ایک حصہ ہے، اس سے کسی کو دھوکا اور فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

4 یعنی ارض کفر بتدریج گھٹ رہی ہے اور دولت اسلام وسعت پذیر ہے۔ کفر کے پیروں تلے سے زمین کھسک رہی ہے اور اسلام کا غلبہ بڑھ رہا ہے اور مسلمان علاقے پر علاقہ فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔

5 یعنی کیا وہ کافر کفر کو سمٹتا اور اسلام کو بڑھتا ہوا دیکھ کر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب ہیں؟ استفہام انکاری ہے، یعنی وہ غالب نہیں، مغلوب ہیں۔ فاتح نہیں، مفتوح ہیں۔ معزز و سرفراز نہیں، ذلت و خواری ان کا مقدر ہے۔

6 یعنی وحی (قرآن وسنت) سنا کر انھیں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں اور یہی میری ذمہ داری اور منصب ہے۔ لیکن جن

وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿46﴾

اگر انھیں تیرے رب کے کسی عذاب کا جھونکا بھی لگ جائے تو پکار اٹھیں کہ ہائے ہماری بدبختی! یقیناً ہم گناہ گار تھے ○[1]

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿47﴾

اور قیامت کے دن ہم (لوگوں کے اعمال تولنے کے لیے) میزان عدل قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے ○[2]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ

یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ وہارون کو فیصلے کرنے والی

لوگوں کے کانوں کو اللہ نے حق کے سننے سے بہرا کر دیا، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور دلوں پر مہر لگا دی، ان پر اس قرآن کا اور وعظ ونصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

1 یعنی عذاب کا ایک ہلکا سا جھپٹا اور تھوڑا حصہ بھی پہنچے گا تو پکار اٹھیں گے اور اعترافِ ظلم کرنے لگ جائیں گے۔

2 ﴿اَلْمَوَازِيْنَ﴾ مِیزَانٌ (ترازو) کی جمع ہے۔ وزن اعمال کے لیے قیامت والے دن یا تو کئی ترازوئیں ہوں گی یا ترازو تو ایک ہی ہوگی، محض تَفْخِیم شان کے لیے یا تعدد اعمال کے اعتبار سے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال تو اعراض ہیں، یعنی ان کا کوئی ظاہری وجود یا جسم تو ہے نہیں، پھر وزن کس طرح ہوگا؟ یہ سوال آج سے قبل تک تو شاید کوئی اہمیت رکھتا ہو۔ لیکن آج سائنسی ایجادات نے اسے سمجھنا ممکن بنا دیا ہے، اب ان ایجادات کے ذریعے سے اعراض کا اور بے وزن چیزوں کا وزن بھی تولا جانے لگا ہے۔ جب انسان اس بات پر قادر ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ان اعمال کا جو اعراض ہیں وزن کرنا کون سا مشکل امر ہے، اس کی تو شان ہی ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ ان اعراض کو وہ اجسام میں بدل دے اور پھر وزن کرے جیسا کہ احادیث میں بعض اعمال کے مجسم ہونے کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً: صاحب قرآن کے لیے قرآن ایک خوش شکل نوجوان کی شکل میں آئے گا، وہ پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں قرآن ہوں جسے تو راتوں کو (قیام اللیل میں) بیدار رہ کر اور دن کو پیاسا رہ کر پڑھا کرتا تھا۔ (مسند أحمد: 352,348/5، وسنن ابن ماجه، حديث: 3781) اسی طرح مومن کی قبر میں عمل صالح ایک خوش رنگ اور معطر نوجوان کی شکل میں آئے گا اور کافر ومنافق کے پاس اس کے برعکس شکل میں۔ (مسند أحمد: 287/4) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 7:7 کا حاشیہ۔ ﴿اَلْقِسْطَ﴾ مصدر اور ﴿اَلْمَوَازِيْنَ﴾ کی صفت ہے۔ معنی ہیں ذَوَاتُ قِسط انصاف والی ترازو یا ترازوئیں۔

وَضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾

اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ و نصیحت والی نورانی کتاب عطا فرمائی ہے ○ [1]

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿49﴾

وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت (کے تصور) سے کانپتے رہتے ہیں ○ [2]

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿50﴾ ع

اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟ ○ [3]

رکوع 4 / 9 / 4

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ ج

یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی [4] اور ہم اس کے احوال سے بخوبی [5] واقف تھے ○

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿52﴾

جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ ○ [6]

---

1 یہ تورات کی صفات بیان کی گئی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اس میں بھی متقین کے لیے ہی نصیحت تھی، جیسے قرآن کریم کو بھی ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○﴾ (البقرۃ 2:2) کہا گیا ہے کیونکہ جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تو آسمانی کتاب ان کے لیے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ کس طرح بنے؟ نصیحت یا ہدایت کے لیے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔

2 یہ متقین کی صفات ہیں، جیسے سورۂ بقرہ کے آغاز میں اور دیگر مقامات پر بھی متقین کی صفات کا تذکرہ ہے۔

3 یہ قرآن جو یاددہانی حاصل کرنے والے کے لیے ذکر اور نصیحت اور خیر و برکت کا حامل ہے، اسے بھی ہم نے ہی اتارا ہے۔ تم اس کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو جبکہ تمھیں اعتراف ہے کہ تورات اللہ کی طرف سے ہی نازل کردہ کتاب ہے۔

4 ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو رشد (ہدایت یا ہوش مندی) دینے کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو عطائے تورات سے پہلے کا ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے قبل ہی ہوش مندی عطا کر دی تھی۔

5 یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے۔

6 ﴿التَّمَاثِيْلُ﴾ تِمْثَالٌ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو بہو نقل کو کہتے ہیں، جیسے پتھر کا مجسمہ یا کاغذ اور دیوار وغیرہ پر کسی کی تصویر۔ یہاں مراد وہ مورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ ﴿عٰكِفُوْنَ﴾ عُكُوفٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک کر جم کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا اور

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾

سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ○ [1]

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾

آپ نے فرمایا: پھر تو تم اور تمھارے باپ دادا سبھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ○

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾

کہنے لگے: کیا آپ ہمارے پاس سچ مچ حق لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں ○ [2]

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۡ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾

آپ نے فرمایا: نہیں درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمان وزمین کا مالک ہے جس نے انھیں پیدا کیا ہے، میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں ○ [3]

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿57﴾

اور اللہ کی قسم میں تمھارے معبودوں کے ساتھ جب تم علیحدہ پیٹھ پھیر کر چل دو گے ایک چال چلوں گا ○ [4]

یکسوئی اور انہماک سے اس کی طرف لو لگاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم وعبادت اور ان کے تھانوں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔ یہ تماثیل (مورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں بھی آج کل عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں اور دکانوں میں بطور تبرک آویزاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں سمجھ عطا فرمائے۔

1 جس طرح آج بھی جہالت وخرافات میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بدعات ورسومات جاہلیہ سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انھیں کس طرح چھوڑیں جبکہ ہمارے آباء واجداد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور یہی جواب وہ حضرات دیتے ہیں جو نصوص کتاب وسنت سے اعراض کر کے اپنے امام اور ان کی طرف منسوب فقہ سے چمٹے رہنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

2 یہ اس لیے کہا کہ انھوں نے اس سے قبل توحید کی یہ آواز ہی نہیں سنی تھی انھوں نے سوچا، پتہ نہیں، ابراہیم (علیہ السلام) ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟

3 یعنی میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جس کا علم ویقین (مشاہدہ) مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ تمھارا معبود یہ مورتیاں نہیں بلکہ وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔

4 یہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں عزم کیا اور بعض کو مخاطب کر کے کہا۔ بعض کہتے ہیں کہ آہستہ سے کہا، جسے بعض لوگوں نے سن لیا۔ واللہ أعلم. كَيْدَ (خفیہ تدبیر) سے مراد یہاں وہ عملی سعی ہے جو وہ زبانی وعظ کے بعد تَغْيِيرِ منکر کے عملی اہتمام کی شکل میں کرنا چاہتے تھے، یعنی بتوں کی توڑ پھوڑ۔

فَجَعَلَهُمۡ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيۡرًا لَّهُمۡ لَعَلَّهُمۡ اِلَيۡهِ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿58﴾

پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا یہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں ○ [1]

قَالُوۡا مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿59﴾

کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے ○ [2]

قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ﴿60﴾

بولے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ○ [3]

قَالُوۡا فَاۡتُوۡا بِهٖ عَلٰۤى اَعۡيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡهَدُوۡنَ ﴿61﴾

سب نے کہا: اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھیں ○ [4]

قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ﴿62﴾

کہنے لگے: اے ابراہیم! کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ○

قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿63﴾

آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں ○ [5]

---

1 چنانچہ وہ جس دن اپنی عید یا کوئی جشن منا رہے تھے، ساری قوم اس کے لیے باہر چلی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے موقع غنیمت جان کر انھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف ایک بڑا بت چھوڑ دیا، مفسرین کہتے ہیں کہ کلہاڑی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی تاکہ وہ اس سے پوچھیں۔

2 یعنی جب وہ جشن سے فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ معبود تو ٹوٹے پڑے ہیں تو کہنے لگے: یہ کوئی ظالم شخص ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔

3 ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

4 یعنی اس کو سزا ملتی ہوئی دیکھیں تاکہ آئندہ کوئی اور یہ کام نہ کرے۔ یا یہ معنی ہیں کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ انھوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بت توڑتے ہوئے دیکھا یا ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔

5 چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہوگا، اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول کر بتلا سکتے ہیں تو ذرا ان سے پوچھو تو سہی۔ یہ بطور تعریض اور تَبۡکِیت کے انھوں نے کہا تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو نہ کسی چیز سے آگاہی کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا،

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿64﴾
پس یہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے اور کہنے لگے: واقعی ظالم تو تم ہی ہو ○ [1]

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ
پھر اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے (اور کہنے لگے کہ)

نہ اس پر اللہ کا اطلاق ہی صحیح ہے۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ ﴾ کو لفظ کذب سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے، دو اللہ کے لیے، ایک ﴿ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴾ اور دوسرا یہی۔ اور تیسرا حضرت سارہ (اپنی بیوی) کو بہن کہنا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3358) زمانۂ حال کے بعض مفسرین نے اس صحیح حدیث کو قرآن کے خلاف باور کر کے اس کا انکار کر دیا ہے اور اس کی صحت پر اصرار کو غلو اور روایت پرستی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انھیں جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ظاہری شکل کے لحاظ سے ان کو کذب سے خارج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ گو یہ کذب اللہ کے ہاں قابل مؤاخذہ نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ ہی کے لیے بولے گئے ہیں۔ دراں حالیکہ کوئی گناہ کا کام اللہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر کذب ہونے کے باوجود وہ حقیقتاً کذب نہ ہو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے عَصٰی اور غَوٰی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، حالانکہ خود قرآن میں ہی ان کے فعلِ اکلِ شجر کو نسیان اور ارادے کی کمزوری کا نتیجہ بھی بتلایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے دو پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ مِن وَجہٍ اس میں استحسان اور من وجہ ظاہری قباحت کا پہلو ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اس پہلو سے ظاہری طور پر کذب ہی ہے کہ یہ واقعے کے خلاف تھا، بتوں کو انھوں نے خود توڑا تھا۔ لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا۔ لیکن چونکہ مقصد ان کا تعریض اور اثبات توحید تھا، اس لیے حقیقت کے اعتبار سے ہم اسے جھوٹ کی بجائے اتمام حجت کا ایک طریق اور مشرکین کی بے عقلی کے اثبات و اظہار کا ایک انداز کہیں گے۔ علاوہ ازیں حدیث میں ان کذبات کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے، وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جا کر سفارش کرنے سے اس لیے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے۔ درآں حالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں، یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی۔ گویا حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت والے دن، خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہو گی۔

1 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے وہ سوچ میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کو لاجواب ہو کر کہنے لگے: واقعی ظالم تو تم ہی ہو، جو اپنی جان سے دفع مضرت پر اور نقصان پہنچانے والے کا ہاتھ پکڑنے پر قادر نہیں، وہ مستحق عبادت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ معبودوں کی عدم حفاظت پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور ترک حفاظت پر ایک دوسرے کو ظالم کہا۔

مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿65﴾

یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والے نہیں ○ [1]

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿66﴾

(اللہ کے خلیل نے) اسی وقت فرمایا: افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان؟ ○

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾

تُف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمھیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟ ○ [2]

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿68﴾

کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے ○ [3]

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾

ہم نے فرما دیا: اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی اور آرام کی چیز بن جا ○

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿70﴾

گو انھوں نے ابراہیم کا برا چاہا لیکن ہم نے انھیں ناکام بنا دیا ○

---

1 پھر اے ابراہیم! تو ہمیں یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ ان سے پوچھو: اگر یہ بول سکتے ہیں جبکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بولنے کی طاقت سے محروم ہیں۔

2 یعنی جب وہ خود ان کی بے بسی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تو پھر ان کی بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے بسوں کی تم عبادت کرتے ہو؟

3 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یوں اپنی حجت تمام کر دی اور ان کی ضلالت و سفاہت کو ایسے طریقے سے ان پر واضح کر دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے تو چونکہ وہ توفیق ہدایت سے محروم تھے اور کفر و شرک نے ان کے دلوں کو بے نور کر دیا تھا، اس لیے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے، الٹا ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سخت اقدام کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انھیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کر دی، چنانچہ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ منجنیق کے ذریعے سے پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلامتی بن جا۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ٹھنڈی کے ساتھ "سلامتی" نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ بہرحال یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے جو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہکتی آگ کے گل و گلزار بن جانے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ کی مشیت سے ظاہر ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے بندے کو دشمنوں کی سازش سے بچا لیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾

اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی ○ [1]

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿72﴾

اور ہم نے اسے اسحٰق عطا فرمایا اور یعقوب اس پر مزید [2] اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا ○

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿73﴾ ۙۚ

اور ہم نے انھیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکاۃ دینے کی وحی کی، اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے ○

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿74﴾ ۙ

اور ہم نے لوط کو بھی حکم اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ اور تھے بھی وہ بدترین گناہ گار ○

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ ع 5 25 5

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا بے شک وہ نیکوکار لوگوں میں سے تھا ○ [3]

1 اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ملک شام ہے۔ جسے شادابی اور پھلوں اور نہروں کی کثرت نیز انبیاء کا مسکن ہونے کے لحاظ سے بابرکت کہا گیا ہے۔

2 ﴿نَافِلَةً﴾ زائد کو کہتے ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف بیٹے کے لیے دعا کی تھی، ہم نے بغیر دعا کے مزید پوتا بھی عطا کر دیا۔

3 حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو بھی علم و حکمت، یعنی نبوت سے نوازا۔ یہ جس علاقے میں نبی بنا کر بھیجے گئے، اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین کے بحیرۂ مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا۔ جس کا بڑا حصہ اب بحیرہ مردار کا جز ہے۔ ان کی قوم لواطت جیسے فعل شنیع، گزر گاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا، انھیں تنگ کرنا اور ریزے پھینکنا وغیرہ میں بدنام تھی جسے اللہ نے یہاں خبائث (پلید کاموں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے، یعنی انھیں بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

وَنُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿76﴾	نوح کے اس وقت کو یاد کیجیے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی، ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی ○
وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿77﴾	اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی، یقیناً وہ برے لوگ تھے، پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا ○
وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿78﴾	اور داود اور سلیمان کو یاد کیجیے جبکہ وہ کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چر چُگ گئی تھیں، اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے ○
فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ	ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔[1] ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا اور داود کے تابع ہم نے

1 مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں رات کو جا گھسیں اور اس کی کھیتی چر چگ گئیں۔ حضرت داود علیہ السلام نے، جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران بھی تھے، فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والا لے لے تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کچھ عرصے کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں، وہ ان سے انتفاع کرے اور کھیتی بکریوں والے کے سپرد کر دی جائے تاکہ وہ کھیتی کی آب پاشی اور دیکھ بھال کر کے اسے صحیح کرے، جب وہ اس حالت میں آ جائے جو بکریوں کے چرنے سے پہلے تھی تو کھیتی، کھیتی والے کو اور بکریاں، بکریوں والے کو واپس کر دی جائیں۔ پہلے فیصلے کے مقابلے میں دوسرا فیصلہ اس لحاظ سے زیادہ بہتر تھا کہ اس میں کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم ہونا نہیں پڑا۔ جبکہ پہلے فیصلے میں بکریوں والا اپنی بکریوں سے محروم کر دیا گیا تھا، تاہم اللہ نے حضرت داود علیہ السلام کی بھی تعریف کی اور فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو (داود اور سلیمان علیہما السلام دونوں کو) علم و حکمت سے نوازا تھا۔ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کسی ایک معاملے میں دو الگ الگ (متضاد) فیصلہ کرنے والے دو مجتہد بیک وقت دونوں مصیب نہیں ہو سکتے، ان میں ضرور ایک مصیب (درست فیصلہ کرنے والا) ہوگا اور دوسرا مخطی (غلط فیصلہ کرنے والا)، البتہ یہ الگ بات ہے کہ مجتہد مخطی عنداللہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اسے ایک اجر ملے گا۔ کما في الحديث (فتح القدير)

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿79﴾

پہاڑ کر دیے تھے جو تسبیح کرتے [1] تھے اور پرند بھی۔ [2] اور ہم ہی کرنے والے تھے ○ [3]

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿80﴾

اور ہم نے اسے تمھارے لیے لباس بنانے کی کاریگری سکھائی تاکہ لڑائی کے ضرر سے تمھارا بچاؤ ہو۔ [4] کیا تم شکر گزار بنو گے؟ ○

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿81﴾

ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا [5] جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی، اور ہم ہر چیز سے باخبر اور دانا ہیں ○

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ

اسی طرح سے بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے۔

---

1 اس سے مراد یہ نہیں کہ پہاڑ ان کی تسبیح کی آواز سے گونج اٹھتے تھے (کیونکہ اس میں تو کوئی اعجاز ہی باقی نہیں رہتا) ہر کہ ومہ کی اونچی آواز سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہو سکتی ہے بلکہ مطلب حضرت داود علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں کا بھی تسبیح پڑھنا ہے۔ نیز یہ مجازاً نہیں حقیقتاً تھا۔

2 یعنی پرندے بھی داود علیہ السلام کی پرسوز آواز سن کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے۔ ﴿وَالطَّيْرَ﴾ یا تو مفتوح ہے اور اس کا عطف ﴿الْجِبَالَ﴾ پر ہے یا پھر یہ مرفوع ہے اور خبر محذوف کا مبتدا ہے، یعنی وَالطَّيْرُ مُسَخَّرَاتٌ مطلب یہ ہے کہ پرندے بھی داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیے گئے تھے۔ (فتح القدیر)

3 یعنی یہ تفہیم، ایتائے حکم اور تسخیر، ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے، اس لیے ان میں کسی کو تعجب کرنے کی یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

4 یعنی لوہے کو ہم نے داود علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا، وہ اس سے جنگی لباس، لوہے کی زرہیں تیار کرتے تھے جو جنگ میں تمھاری حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی زرہیں بنتی تھیں لیکن وہ سادہ بغیر کنڈوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں۔ حضرت داود علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے کنڈے دار اور حلقے والی زرہیں بنائیں۔ (ابن کثیر)

5 یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیے گئے تھے، اسی طرح ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی گئی تھی۔ وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت لمحوں اور ساعتوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔ بابرکت زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔

حٰفِظِيْنَ ﴿82﴾

اور اس کے سوا بھی بہت سے کام کرتے تھے،[1] ان کے نگہبان ہم ہی تھے ○[2]

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿83﴾

ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ○

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿84﴾

تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ اسے تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ اپنی خاص مہربانی[3] سے ان کے ساتھ ویسے ہی اور، تاکہ سچے بندوں کے لیے سبب نصیحت ہو ○

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل،[4] یہ سب صابر

1 جنات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہر نکال لاتے، اسی طرح دیگر عمارتی کام، جو آپ چاہتے، کرتے تھے۔

2 یعنی جنوں کے اندر جو سرکشی اور فساد کا مادہ ہے، اس سے ہم نے سلیمان کی حفاظت کی اور وہ ان کے آگے سرتابی کی مجال نہیں رکھتے تھے۔

3 قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے۔ (صٓ 44:38) اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا جن میں انھوں نے صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں، اس کی مستند تفصیل تو نہیں ملتی، تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و دولت اور اولاد وغیرہ سے نوازا ہوا تھا، بطور آزمائش اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سب نعمتیں چھین لیں حتیٰ کہ جسمانی صحت سے بھی محروم اور بیماریوں میں گھر کر رہ گئے۔ بالآخر کہا جاتا ہے کہ 18 سال کی آزمائشوں کے بعد بارگاہ الٰہی میں دعا کی، اللہ نے دعا قبول فرمائی اور صحت کے ساتھ مال و اولاد پہلے سے دوگنا عطا فرمائے۔ اس کی کچھ تفصیل صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ملتی ہے۔ (صحیح ابن حبان:4/244، ومجمع الزوائد:8/381) شکوہ شکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے، جس کا اظہار حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا، البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ''ہم نے قبول کرلی'' کے الفاظ استعمال فرمائے۔

4 ذُو الْکِفْل کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں؟ بعض ان کی نبوت کے اور بعض ولایت کے قائل ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان کی بابت توقف اختیار کیا ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ واللہ أعلم.

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿85﴾ لوگ تھے ○

وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿86﴾

ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ یہ سب لوگ نیک تھے ○

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿87﴾

مچھلی والے [1] کو یاد کرو! جبکہ وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھیروں [2] کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تُو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں ہو گیا ○

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾

تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں [3] ○

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿89﴾

اور زکریا کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے ○

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى

تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا [4]

---

1 مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انھیں عذاب الٰہی کی دھمکی دے کر اللہ کے حکم کے بغیر ہی وہاں سے چل دیے تھے جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی اور انھیں مچھلی کا لقمہ بنا دیا، اس کی کچھ تفصیل سورۂ یونس میں گزر چکی ہے اور کچھ سورۂ صافات میں آئے گی۔

2 ﴿الظُّلُمٰتِ﴾ ظُلْمَةٌ کی جمع ہے، بمعنی اندھیرا۔ حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھیروں میں گھر گئے۔ رات کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔

3 ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اسے اندھیروں سے اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور جو بھی مومن ہمیں اس طرح شدائد اور مصیبتوں میں پکارے گا، ہم اسے نجات دیں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس مسلمان نے بھی ان الفاظ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○﴾ کے ساتھ کسی معاملے کے لیے دعا مانگی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا ہے۔“ (جامع الترمذي، حديث: 3505 وصححه الألباني)

4 حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لیے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورۂ آل عمران 3:38-41 اور سورۂ مریم 19:1-15 میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾

اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔[1] یہ (بزرگ) لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے ○[2]

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

اور وہ پاک دامن عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پس ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور خود اسے اور اس کے لڑکے کو تمام جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا ○[3]

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾

یہ تمھاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے،[4] اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، پس تم میری ہی عبادت کرو ○

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ ع 18 6

مگر لوگوں نے آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کر لیں، سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں ○[5]

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾

پھر جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ ہم تو اس کے

---

1 یعنی وہ بانجھ اور نا قابل اولاد تھی، ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ فرما کر اسے نیک بچہ عطا فرمایا۔

2 گویا قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: الحاح وزاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا و مناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، خوف و طمع کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع وخضوع کا اظہار۔

3 یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

4 ﴿اُمَّةً﴾ سے مراد یہاں دین یا ملت ہے، یعنی تمھارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین ہے دین توحید جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی اور ملت، ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہم انبیاء کی جماعت اولاد علات ہیں، (جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں) ہمارا دین ایک ہی ہے۔'' (ابن کثیر)

5 یعنی دین توحید اور عبادت رب کو چھوڑ کر مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو مشرکین اور کفار کا ہو گیا اور انبیاء ورسل کے ماننے والے بھی احزاب بن گئے، کوئی یہودی ہو گیا، کوئی عیسائی، کوئی کچھ اور۔ اور بدقسمتی سے یہ فرقہ بندیاں خود مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں اور یہ بھی بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان سب کا فیصلہ، جب یہ بارگاہ الٰہی میں لوٹ کر جائیں گے تو وہیں ہو گا۔

لکھنے والے ہیں ○

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿95﴾

اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس پر لازم ہے کہ وہاں کے لوگ پلٹ کر نہیں آئیں گے ○ [1]

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿96﴾

یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ○ [2]

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿97﴾

اور سچا وعدہ قریب آ لگے گا اس وقت کافروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی [3] کہ ہائے افسوس! ہم اس حال سے غافل تھے بلکہ فی الواقع ہم قصوروار تھے ○

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿98﴾

تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے۔ تم سب دوزخ میں جانے والے ہو ○ [4]

---

1 ﴿حَرٰمٌ﴾ واجب کے معنی میں ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ یا پھر ﴿لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ میں (لا) زائد ہے، یعنی جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس کا دنیا میں پلٹ کر آنا حرام ہے۔

2 یاجوج وماجوج کی ضروری تفصیل سورۂ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں قیامت کے قریب ان کا ظہور ہوگا اور اتنی تیزی اور کثرت سے یہ ہر طرف پھیل جائیں گے کہ ہر اونچی جگہ سے یہ دوڑتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ ان کی فساد انگیزیوں اور شرارتوں سے اہل ایمان سخت پریشان ہوں گے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ساتھ لے کر کوہ طور پر پناہ گزیں ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کی لاشوں کی سڑاند اور بدبو ہر طرف پھیلی ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے، پھر ایک زوردار بارش نازل فرمائے گا جس سے ساری زمین صاف ہو جائے گی۔ (یہ ساری تفصیلات صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)

3 یعنی یاجوج وماجوج کے خروج کے بعد قیامت کا وعدہ، جو برحق ہے، بالکل قریب آ جائے گا اور جب یہ قیامت برپا ہوگی تو شدت ہولناکی کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

4 یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لات ومنات اور عزیٰ وہبل کی پوجا کرتے تھے۔ یہ سب پتھر کی مورتیاں تھیں۔ جو جمادات، یعنی غیر عاقل تھیں، اسی لیے آیت میں ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کے الفاظ ہیں اور عربی میں ''ما'' غیر عاقل کے لیے آتا ہے، یعنی کہا جا رہا ہے کہ تم بھی اور تمھارے یہ معبود بھی جن کی مورتیاں بنا کر تم نے

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿99﴾
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿100﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿101﴾ ۙ
لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿102﴾ ۚ
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ

اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے، اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ [1]
یہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے ○ [2]

بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے۔ وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے ○ [3]
وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے۔ اور اپنی من بھاتی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ○
وہ بڑی گھبراہٹ [4] (بھی) انھیں غمگین نہ کر سکے گی اور

عبادت کے لیے رکھی ہوئی ہیں، سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ پتھر کی مورتیوں کا اگرچہ کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ وہ تو غیر عاقل اور بے شعور ہیں۔ لیکن انھیں پجاریوں کے ساتھ جہنم میں صرف مشرکوں کو مزید ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا کہ جن معبودوں کو تم اپنا سہارا سمجھتے تھے، وہ بھی تمھارے ساتھ ہی جہنم میں اس کا ایندھن ہیں۔

1 یعنی اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو بااختیار ہوتے اور تمھیں جہنم میں جانے سے روک لیتے۔ لیکن وہ تو خود بھی جہنم میں بطور عبرت کے جا رہے ہیں۔ تمھیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ نتیجتاً عابد و معبود دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

2 یعنی سارے کے سارے شدت غم والم سے چیخ اور چلا رہے ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سن سکیں گے۔

3 بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا تھا یا مشرکین کی طرف سے پیدا کیا جا سکتا تھا جیسا کہ فی الواقع کیا جاتا ہے کہ عبادت تو حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام فرشتوں اور بہت سے صالحین کی بھی کی جاتی ہے تو کیا یہ بھی اپنے عابدین کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو اللہ کے نیک بندے تھے جن کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کے لیے نیکی، یعنی سعادت ابدی یا بشارت جنت ٹھہرائی جا چکی ہے۔ یہ جہنم سے دور ہی رہیں گے۔ انھی الفاظ سے یہ مفہوم بھی واضح طور پر نکلتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں یہ خواہش رکھتے ہوں گے کہ ان کی قبروں پر بھی قبے بنیں اور لوگ انھیں قاضی الحاجات سمجھ کر ان کے نام کی نذر و نیاز دیں اور ان کی پرستش کریں، یہ بھی پتھر کی مورتیوں کی طرح جہنم کا ایندھن ہوں گے کیونکہ غیر اللہ کی پرستش کے داعی ﴿سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى﴾ میں یقیناً نہیں آتے۔

4 بڑی گھبراہٹ سے موت یا صور اسرافیل مراد ہے یا وہ لمحہ جب دوزخ اور جنت کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ دوسری بات، یعنی صور اسرافیل اور قیام قیامت سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

فرشتے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہی تمھارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیے جاتے رہے ○

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں [1] جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے ○

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

یقیناً ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے [2] (ہی) ہوں گے ○

---

1 یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر لپیٹ کر رکھ دیتا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ (الزمر 39:67) ''آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔'' سجل کے معنی صحیفے اور رجسٹر کے ہیں۔ ﴿لِلْكُتُبِ﴾ میں لام بمعنی علیٰ ہے اور کتب بمعنی مکتوب (تحریر) ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لیے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسان ہے، اسی طرح اللہ کے لیے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

2 ﴿الزَّبُوْرِ﴾ سے مراد یا تو زبور ہی ہے اور ﴿الذِّكْرِ﴾ سے مراد پند و نصیحت، جیسا کہ ترجمہ میں درج ہے یا پھر زبور سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اور اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ زمین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک جنت ہے اور بعض کے نزدیک ارض کفار، یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے، وہ دنیا میں بااقتدار اور سرخرو رہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے، اس وعدۂ الٰہی کے مطابق زمین کا اقتدار انھی کے پاس ہوگا، اس لیے مسلمانوں کی محرومیٔ اقتدار کی موجودہ صورت کسی اشکال کا باعث نہیں بنی چاہیے۔ یہ وعدہ مشروط ہے صالحیت عباد کے ساتھ۔ اور إِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ کے مطابق جب مسلمان اس خوبی سے محروم ہو گئے تو اقتدار سے بھی محروم کر دیے گئے۔ اس میں گویا حصول اقتدار کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہ ہے صالحیت، یعنی اللہ رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کے حدود و ضابطوں پر کاربند رہنا۔

اِنَّ فِیۡ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ﴿106﴾

عبادت گزار بندوں کے لیے تو اس میں یقیناً ایک بڑا پیغام ہے ○[1]

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿107﴾

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے ○[2]

قُلۡ اِنَّمَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـھُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَھَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿108﴾

کہہ دیجیے: میرے پاس تو بس وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے تو کیا تم بھی اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہو؟ ○[3]

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُکُمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ

پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تمھیں یکساں

---

1 ﴿فِیۡ ھٰذَا﴾ سے مراد وہ وعظ وتنبیہ ہے جو اس سورت میں مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے۔ بلاغ سے مراد کفایت و منفعت ہے، یعنی وہ کافی اور مفید ہے۔ یا اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں مسلمانوں کے لیے منفعت اور کفایت ہے۔ عابدین سے مراد خشوع وخضوع سے اللہ کی عبادت کرنے والے اور شیطان اور خواہشات نفس پر اللہ کی اطاعت کو ترجیح دینے والے ہیں۔

2 اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا، اس نے گویا اس رحمت کو قبول کر لیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا، نتیجتاً دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار ہو گا اور چونکہ آپ کی رسالت پورے جہان کے لیے ہے، اس لیے آپ پورے جہان کے لیے رحمت بن کر، یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس اعتبار سے بھی نبی ﷺ کو جہان والوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے کہ آپ کی وجہ سے یہ امت بالکلیہ تباہی و بربادی سے محفوظ کر دی گئی، جیسے پچھلی قومیں اور امتیں حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی رہیں، امت محمدیہ (جو امت اجابت اور امت دعوت دونوں کے اعتبار سے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے) پر اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا۔ «إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَّإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً» (صحيح مسلم، حديث: 2599) اسی طرح غصے میں کسی مسلمان کو لعن طعن کرنے کو بھی قیامت والے دن رحمت کا باعث قرار دینے کی اللہ سے دعا کرنا بھی، آپ کی رحمت کا حصہ ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 4659، ومسند أحمد: 437/5، وسلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 1758) اسی لیے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ» (صحيح الجامع الصغير: 463/1، حديث: 2345) ''میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں جو اللہ کی طرف سے اہل جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے۔''

3 اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اصل رحمت توحید کو اپنا لینا اور شرک سے بچ جانا ہے۔

وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿109﴾

طور پر خبردار کر دیا ہے۔[1] مجھے علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور ○[2]

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿110﴾

البتہ اللہ تو کھلی اور ظاہر بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے ○

وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿111﴾

مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہے ○

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ﴿112﴾ ع 19

خود نبی نے کہا:[3] اے رب! انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو ○[4]

اٰيَاتُهَا 78 (22) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (103) رُكُوْعَاتُهَا 10

سورۂ حج[5] مدنی ہے، اس میں 78 آیات اور 10 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿1﴾

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے ○

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ

جس دن تم اسے دیکھ لوگے، ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلاتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیاں

---

1 یعنی جس طرح میں جانتا ہوں کہ تم میری دعوت توحید و اسلام سے منہ موڑ کر میرے دشمن ہو، اسی طرح تمھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی تمھارا دشمن ہوں اور ہماری تمھاری آپس میں کھلی جنگ ہے۔

2 اس وعدے سے مراد قیامت ہے یا غلبۂ اسلام و مسلمین کا وعدہ یا وہ وعدہ جب اللہ کی طرف سے تمھارے خلاف جنگ کرنے کی مجھے اجازت دی جائے گی۔

3 یعنی اس وعدۂ الٰہی میں تاخیر، میں نہیں جانتا کہ تمھاری آزمائش کے لیے ہے یا ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے مہلت دینا ہے۔

4 یعنی میری بابت جو تم مختلف باتیں کرتے رہتے ہو یا اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو، ان سب باتوں کے مقابلے میں وہ رب ہی مہربانی کرنے والا اور وہی مدد کرنے والا ہے۔

5 اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس کا کچھ حصہ مکی اور کچھ مدنی ہے۔ (فتح القدیر) یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں دو سجدے ہیں۔ (سنن أبي داود، حديث: 1402)

حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

اپنے حمل گرا دیں گی اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے ○ [1]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

بعض لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور وہ بھی بے علمی کے ساتھ اور سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں ○ [2] جس پر (قضائے الٰہی) لکھ دی گئی [3] ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ

لوگو! اگر تمھیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو

---

1 آیت مذکور میں جس زلزلے کا ذکر ہے، جس کے نتائج دوسری آیت میں بتلائے گئے ہیں۔ جس کا مطلب لوگوں پر سخت خوف، دہشت اور گھبراہٹ کا طاری ہونا ہے، یہ قیامت سے قبل ہوگا اور اس کے ساتھ ہی دنیا فنا ہو جائے گی۔ یا یہ قیامت کے بعد اس وقت ہوگا جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بہت سے مفسرین پہلی رائے کے قائل ہیں جبکہ بعض مفسرین دوسری رائے کے۔ اور اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ذریت سے ہزار میں سے 999 جہنم کے لیے نکال دے۔ یہ بات سن کر حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، صرف عذاب کی شدت ہوگی۔ یہ بات صحابہ پر بڑی گراں گزری، ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ نبی ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: (گھبراؤ نہیں) یہ 999 یاجوج وماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہوگا، تمھاری (تعداد) لوگوں میں اس طرح ہوگی، جیسے سفید رنگ کے بیل کے پہلو میں، کالے بال یا کالے رنگ کے بیل کے پہلو میں سفید بال ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھائی یا تہائی یا نصف ہو گے، جسے سن کر صحابہ نے بطور مسرت کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ (صحيح البخاري، حديث:4741) پہلی رائے بھی بے وزن نہیں ہے۔ بعض ضعیف احادیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے، اس لیے زلزلہ اور اس کی کیفیات سے مراد اگر فزع اور ہولناکی کی شدت ہے (اور بظاہر یہی ہے) تو سخت گھبراہٹ اور ہولناکی کی یہ کیفیت دونوں موقعوں پر ہی ہوگی، اس لیے دونوں ہی رائیں صحیح ہو سکتی ہیں کیونکہ دونوں موقعوں پر لوگوں کی کیفیت ایسی ہوگی، جیسی اس آیت میں اور صحیح بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔

2 مثلاً: یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے یا اس کی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

3 یعنی شیطان کی بابت تقدیر الٰہی میں یہ بات ثبت ہے۔

الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمۡ ؕ وَ نُقِرُّ فِى الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَيۡـًٔا ؕ وَتَرَى الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ

سوچو ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔ [1] یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں، [2] اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں، [3] پھر تمھیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں، پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو، تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لیے جاتے ہیں [4] اور بعض بے غرض عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے۔ [5] تو دیکھتا ہے کہ زمین (بنجر اور) خشک ہے، پھر جب ہم اس

---

1 یعنی نطفے (قطرۂ منی) سے چالیس روز کے بعد ﴿ عَلَقَةٍ ﴾ گاڑھا خون اور اس سے ﴿ مُّضۡغَةٍ ﴾ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے ﴿ مُّخَلَّقَةٍ ﴾ سے وہ بچہ مراد ہے جس کی پیدائش واضح اور شکل وصورت نمایاں ہو جائے ایسے بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے اور تکمیل کے بعد اس کی ولادت ہوتی ہے اور ﴿ غَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ ﴾ اس کے برعکس جس کی شکل وصورت واضح ہو نہ اس میں روح پھونکی جائے اور قبل از وقت ہی وہ ساقط ہو جائے۔ صحیح احادیث میں بھی رحم مادر کی ان کیفیات کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ نطفہ چالیس دن کے بعد عَلَقَة (گاڑھا خون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد یہ مضغہ (لوتھڑا یا گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے، یعنی چار مہینے کے بعد نفخ روح ہوتا ہے اور بچہ ایک واضح شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6594، وصحيح مسلم، حديث: 1-(2643))

2 یعنی اس طرح ہم اپنا کمال قدرت تخلیق تمھارے لیے بیان کرتے ہیں۔

3 یعنی جس کو ساقط کرنا نہیں ہوتا۔

4 یعنی عمر أشد سے پہلے ہی۔ عمر اَشُدّ سے مراد بلوغت یا کمال عقل وکمال قوت وتمیز کی عمر ہے جو 30 سے 40 سال کے درمیان کی عمر ہے۔

5 اس سے مراد بڑھاپے میں قوائے انسانی میں ضعف وانحطاط کے ساتھ عقل وحافظہ کا کمزور ہو جانا اور یادداشت اور عقل وفہم میں بچے کی طرح ہو جانا ہے جیسے سورۂ یٰس 36:68 میں ﴿ وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِى الۡخَلۡقِ ﴾ اور سورۂ تین 95:5 میں ﴿ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَ ۝ ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ⑤

پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے ○ [1]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ⑦

اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے۔ جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یقیناً اللہ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧

بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں ○

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اپنی کروٹ موڑنے والا بن کر [2] اس لیے کہ اللہ کی راہ سے

---

1 یہ احیائے موتی (مردوں کے زندہ کرنے) پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ پہلی دلیل، جو مذکور ہوئی، یہ تھی کہ جو ذات ایک حقیر قطرۂ پانی سے اس طرح ایک انسانی پیکر تراش سکتی اور ایک حسین وجود عطا کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اسے مختلف مراحل سے گزارتی ہوئی بڑھاپے کے ایسے اسٹیج پر پہنچا سکتی ہے جہاں اس کے جسم سے لے کر اس کی ذہنی و دماغی صلاحیتیں تک، سب ضعف و انحطاط کا شکار ہو جائیں۔ کیا اس کے لیے اسے دوبارہ زندگی عطا کر دینا مشکل ہے؟ یقیناً جو ذات انسان کو ان مراحل سے گزار سکتی ہے، وہی ذات مرنے کے بعد بھی اسے دوبارہ زندہ کر کے ایک نیا قالب اور نیا وجود بخش سکتی ہے دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین بنجر اور مردہ ہوتی ہے لیکن بارش کے بعد یہ کس طرح زندہ اور شاداب اور انواع و اقسام کے غلے، میوہ جات اور رنگ برنگ کے پھولوں سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انسانوں کو بھی ان کی قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: اللہ تعالیٰ انسانوں کو جس طرح پیدا فرمائے گا، اس کی کوئی نشانی مخلوقات میں سے بیان فرمائیے! نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارا گزر ایسی وادی سے ہوا ہے جو خشک اور بنجر ہو، پھر دوبارہ اسے لہلہاتا ہوا دیکھا ہو؟'' اس نے کہا: ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''بس اسی طرح انسانوں کا جی اٹھنا ہوگا۔'' (مسند أحمد: 11/4، وسنن ابن ماجه، حديث: 180)

2 ﴿ثَانِيَ﴾ اسم فاعل ہے۔ موڑنے والا۔ عِطْف کے معنی پہلو کے ہیں۔ یہ ﴿يُّجَادِلُ﴾ سے حال ہے۔ اس میں اس شخص کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے کہ وہ تکبر اور اعراض کرتے ہوئے اپنی گردن موڑتے ہوئے پھرتا ہے، جیسے دوسرے مقامات پر اس کیفیت کو ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: ﴿وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ (لقمٰن 31:7) ﴿لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ (المنفقون 63:5) ﴿اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ (بنی إسرآء يل 17:83)

لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ ع 1/10/8

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

بہکادے، اسے دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جہنم میں جلنے کا عذاب چکھائیں گے ○

یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے تھے۔ یقین مانو کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں [1]، انھوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھالیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے ○

اللہ کے سوا انھیں پکارا کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع۔ یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے ○

اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، یقیناً برے والی ہیں اور برے ساتھی ○ [2]

---

1 ﴿حَرْفٍ﴾ کے معنی ہیں: کنارہ۔ ان کناروں پر کھڑا ہونے والا، غیر مستقر ہوتا ہے، یعنی اسے قرار وثبات نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک وریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے، اس کا حال بھی یہی ہے، اسے دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات پر رہتی ہے، ملتے رہیں تو ٹھیک ہے بصورت دیگر وہ پھر دین آبائی، یعنی کفر وشرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو سچے مسلمان ہوتے اور ایمان ویقین سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ عُسر ویُسر کو دیکھے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے اور تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں ایک مذبذب شخص کا واقعہ بھی اسی طرح کا بیان کیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4742) کہ ایک شخص مدینے آتا، اگر اس کے گھر بچے ہوتے، اسی طرح جانوروں میں برکت ہوتی تو کہتا، یہ دین اچھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا، یہ دین برا ہے۔ بعض روایات میں یہ وصف نو مسلم اعرابیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباري)

2 بعض مفسرین کے نزدیک ﴿يَدْعُوْا﴾ يقول کے معنی میں ہے، یعنی غیر اللہ کا پجاری قیامت والے دن کہے گا کہ جس کا نقصان، اس کے نفع سے قریب تر ہے، وہ والی اور ساتھی یقیناً برا ہے، یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہاں اس کی امیدوں کے محل گر جائیں گے اور یہ معبود، جن کی بابت اس کا خیال تھا کہ وہ اللہ کے عذاب سے اسے بچائیں گے، اس کی شفاعت کریں گے، وہاں خود وہ معبود بھی، اس کے ساتھ ہی جہنم کا ایندھن بنے ہوں

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭

جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے تو اللہ ضرور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، یقیناً اللہ جو ارادہ کرے اسے کر کے رہتا ہے ○

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮

جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اپنے رسول کی مدد دونوں جہان میں نہ کرے گا وہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ کر کاٹ لے (اپنے حلق میں پھندا پھانس لے) پھر دیکھ لے کہ اس کی چالاکیوں سے وہ بات ہٹ جاتی ہے جو اسے تڑپا[1] رہی ہے؟ ○

گے۔ مولیٰ کے معنی ولی اور مددگار کے اور عشیر کے معنی ہم نشین، ساتھی اور قرابت دار کے ہیں۔ مددگار اور ساتھی تو وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے لیکن یہ معبود خود گرفتار عذاب ہوں گے یہ کسی کے کیا کام آئیں گے؟ اس لیے انھیں برا والی اور برا ساتھی کہا گیا۔ ان کی عبادت ضرر ہی ضرر ہے، نفع کا تو اس میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے، پھر یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا: ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○﴾ (سبا 23:34) ”بے شک ہم (اللہ کے ماننے والے) یا تم (اس کا انکار کرنے والے) ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔“ ظاہر بات ہے کہ ہدایت پر وہی ہیں جو اللہ کو ماننے والے ہیں۔ لیکن اسے واضح الفاظ میں کہنے کی بجائے کنائے اور استفہام کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو سامع کے لیے زیادہ مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ یا اس کا تعلق دنیا سے ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ غیر اللہ کو پکارنے سے فوری نقصان تو اس کا یہ ہوا کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہ اقرب نقصان ہے۔ اور آخرت میں تو اس کا نقصان متحقق (ثابت) ہی ہے۔

1 اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ ایسا شخص جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد نہ کرے کیونکہ اس کے غلبہ و فتح سے اسے تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے گھر کی چھت پر رسی لٹکا کر اور اپنے گلے میں اس کا پھندا لے کر رسی کو کاٹ ڈالے، یعنی اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خودکشی اسے غیظ و غضب سے بچا لے جو وہ محمد ﷺ کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے۔ اس صورت میں ﴿السَّمَآءِ﴾ سے مراد گھر کی چھت ہوگی۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ ایک رسہ لے کر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو وحی یا مدد آتی ہے، اس کا سلسلہ ختم کر دے، (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے پہلے مفہوم کو اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے دوسرے مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے اور سیاق سے یہی دوسرا مفہوم زیادہ قریب لگتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯

ہم نے اسی طرح اس قرآن کو واضح آیتوں میں اتارا ہے جسے اللہ چاہے ہدایت نصیب فرماتا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

ایمان دار اور یہودی اور صابی اور نصرانی اور مجوسی [1] اور مشرکین [2] ان سب کے درمیان قیامت کے دن خود اللہ فیصلے کر دے گا، [3] اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ○ [4]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ

کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور [5] اور

---

1 ﴿الْمَجُوْسَ﴾ سے مراد آتش پرست ہیں جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک ظلمت کا خالق ہے جسے وہ اہرمن کہتے ہیں، دوسرا نور کا جسے وہ یزداں کہتے ہیں۔

2 ان میں مذکورہ گمراہ فرقوں کے علاوہ جتنے بھی اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں، سب آ گئے۔

3 ان میں سے حق پر کون ہے، باطل پر کون؟ یہ تو ان دلائل سے واضح ہو جاتا ہے جو اللہ نے اپنے قرآن میں نازل فرمائے ہیں اور اپنے آخری پیغمبر کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا، ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الفتح 28:48) یہاں فیصلے سے مراد وہ جزا ہے جو اللہ تعالیٰ باطل پرستوں کو قیامت والے دن دے گا، اس جزا سے بھی واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟

4 یہ فیصلہ محض حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہوگا بلکہ عدل و انصاف کے مطابق ہوگا کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔

5 بعض مفسرین نے اس سجدے سے ان تمام چیزوں کا احکام الٰہی کے تابع ہونا مراد لیا ہے، کسی میں مجال نہیں کہ وہ حکم الٰہی سے سرتابی کر سکے۔ ان کے نزدیک وہ سجدۂ اطاعت و عبادت مراد نہیں جو صرف عقلاء کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ بعض مفسرین نے اسے مجاز کی بجائے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ ہر مخلوق اپنے اپنے انداز سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے، مثلاً: ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ سے مراد فرشتے ہیں، ﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ سے ہر قسم کے حیوانات، انسان، جنات، چوپائے اور پرندے اور دیگر اشیاء ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے انداز سے سجدہ اور تسبیح الٰہی کرتی ہیں۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنی إسرآء یل 44:17) سورج، چاند اور ستاروں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین ان کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، تم ان کو سجدہ کرتے ہو، یہ تو اللہ کو سجدہ کرنے والے اور اس کے ماتحت ہیں، اس لیے تم انھیں سجدہ مت کرو، اس ذات کو سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔ (حٰمٓ السجدۃ 37:41) صحیح حدیث میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”جانتے ہو، سورج

وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿18﴾

السجدة 6

بہت سے انسان بھی۔[1] ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے،[2] اور جسے اللہ ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں،[3] اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ج ﴿19﴾

یہ دونوں[4] اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے والے ہیں، پس کافروں کے لیے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کاٹے جائیں گے، اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا ○

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ؕ ﴿20﴾

جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں پگھل

کہاں جاتا ہے؟'' میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے، پھر اسے (طلوع ہونے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اسے کہا جائے گا: واپس لوٹ جا، یعنی جہاں سے آیا وہیں چلا جا تو یہ مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3199، وصحيح مسلم، حديث: 250-(159)) اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے خواب میں اپنے ساتھ درخت کو سجدہ کرتے دیکھا۔ (جامع الترمذي، حديث: 579، وتحفة الأحوذي: 159/3، حديث: 579، وسنن ابن ماجه، حديث: 1053) اور پہاڑوں اور درختوں کے سجدے میں ان کے سایوں کا دائیں بائیں پھرنا یا جھکنا بھی شامل ہے۔ جس کی طرف اشارہ سورۂ رعد 13:15 اور سورۂ نحل 16:48،49 میں بھی کیا گیا ہے۔

1 یہ سجدۂ اطاعت وعبادت ہی ہے جس کو انسانوں کی ایک بڑی تعداد کرتی ہے اور اللہ کی رضا کی مستحق قرار پاتی ہے۔

2 یہ وہ ہیں جو سجدۂ اطاعت سے انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں، ورنہ تکوینی احکام، یعنی سجدۂ انقیاد میں تو انھیں بھی مجال انکار نہیں۔ (تکوینی احکام سے مراد مرض، موت اور مصائب وآلام وغیرہ ہیں جن میں انسان بے بس ہیں)

3 کفر اختیار کرنے کا نتیجہ ذلت ورسوائی اور آخرت کا دائمی عذاب ہے جس سے بچا کر کافروں کو عزت دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

4 ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ﴾ یہ دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد مذکورہ گمراہ فرقے اور اس کے مقابلے میں دوسرا فرقہ مسلمان لیا ہے۔ یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں، مسلمان تو اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت علی البعث کے قائل ہیں جبکہ دوسرے اللہ کے بارے میں مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ اس ضمن میں جنگ بدر میں لڑنے والے مسلمان اور کافر بھی آجاتے ہیں جس کے آغاز میں مسلمانوں میں ایک طرف حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں کافروں میں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿21﴾
كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ
2 ع 12 9 اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿22﴾ ع

جائیں گی ○
اور (ان کی) سزا کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں ○
یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو! ○ [1]

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
وَّ لُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿23﴾
وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ج وَهُدُوْٓا
اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿24﴾

ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سچے موتی بھی۔ وہاں ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا ○ [2]
ان کو پاکیزہ بات کی راہنمائی کردی گئی [3] اور قابلِ (صد) تعریف راہ کی ہدایت کردی گئی ○ [4]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ
جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ
وَالْبَادِ ط وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے [5] اور اس حرمت والی مسجد سے بھی جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے مساوی کردیا ہے وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے ہوں، [6] جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ

تھے (صحيح البخاري، حديث: 4744) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہی مفہوم صحیح اور آیت کے مطابق ہیں۔

1 اس میں جہنمیوں کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے جو انھیں وہاں بھگتنا ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

2 جہنمیوں کے مقابلے میں یہ اہل جنت کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کو مہیا کی جائیں گی۔

3 یعنی جنت ایسی جگہ ہے جہاں پاکیزہ باتیں ہی ہوں گی، وہاں بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں ہوگی۔

4 یعنی ایسی جگہ کی طرف جہاں ہر طرف اللہ کی حمد اور اس کی تسبیح کی صدائے دل نواز گونج رہی ہوگی۔ اگر اس کا تعلق دنیا سے ہو تو مطلب قرآن اور اسلام کی طرف رہنمائی ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آتی ہے۔

5 روکنے والوں سے مراد کفار مکہ ہیں جنھوں نے 6 ہجری میں مسلمانوں کو مکہ جا کر عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا تھا۔

6 اس میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام سے مراد خاص مسجد (خانہ کعبہ) ہی ہے یا پورا حرم مکہ کیونکہ قرآن میں بعض جگہ پورے حرم مکی کے لیے بھی مسجد حرام کا لفظ بولا گیا ہے، یعنی جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ جہاں تک خاص مسجد حرام کا تعلق

ع 3/3 10

نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿25﴾ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ

کرے [1] ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے ○ [2] اور جبکہ ہم نے ابراہیم کو کعبہ کی جگہ مقرر کردی [3] اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک [4] نہ کرنا اور میرے گھر کو

ہے، اس کی بابت تو یہ بات متفقہ ہے کہ اس میں مقیم وغیر مقیم، ملکی اور آفاقی سب کا حصہ مساوی ہے، یعنی بلا تخصیص و تفریق ہر شخص رات اور دن کے کسی بھی حصے میں عبادت کر سکتا ہے۔ کسی کے لیے بھی کسی مسلمان کو عبادت سے روکنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جن علماء نے مسجد حرام سے مراد پورا حرم لیا ہے، ان کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ پورا حرم مکی سب مسلمانوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مکانوں اور زمینوں کا کوئی مالک نہیں۔ اسی لیے ان کی خرید وفروخت اور ان کو کرائے پر دینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ جو شخص بھی کسی جگہ سے حج یا عمرے کے لیے مکہ جائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے ٹھہر جائے، وہاں رہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹھہرنے سے کسی کو نہ روکیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مکانات اور زمینیں مِلک خاص ہو سکتی ہیں اور ان میں مالکانہ تصرفات، یعنی بیچنا، کرائے پر دینا جائز ہے، البتہ وہ مقامات جن کا تعلق مناسک حج سے ہے، مثلاً: منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے میدان یہ وقف عام ہیں، ان میں کسی کی ملکیت جائز نہیں۔ یہ مسئلہ قدیم فقہاء کے درمیان خاصا مختلف فیہ رہا ہے، تاہم آج کل تقریباً تمام کے تمام علماء ہی ملکیت خاص کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ سرے سے اختلافی ہی نہیں رہا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے بھی امام ابوحنیفہ اور فقہاء کا مسلک مختار اسی کو قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: معارف القرآن: 253/6)

1 اِلْحَادٌ کے لفظی معنی تو کج روی کے ہیں۔ یہاں یہ عام ہے، کفر وشرک سے لے کر ہر قسم کے گناہ کے لیے حتیٰ کہ بعض علماء الفاظ قرآنی کے پیش نظر اس بات تک کے قائل ہیں کہ حرم میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کر لے گا، (چاہے اس پر عمل نہ کر سکے) تو وہ بھی اس وعید میں شامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محض ارادے پر مؤاخذہ نہیں ہوگا جیسا کہ دیگر نصوص سے واضح ہے، تاہم ارادہ اگر عزمِ مصمم کی حد تک ہو تو پھر قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ (فتح القدیر)

2 یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جو مذکورہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔

3 یعنی بیت اللہ کی جگہ بتلا دی اور وہاں ہم نے ذریت ابراہیم علیہ السلام کو جا ٹھہرایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کی ویرانی کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلی مسجد جو زمین میں بنائی گئی، مسجد حرام ہے اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔“ (صحيح مسلم، حديث: 1-(520)، و مسند أحمد: 150/5 و166-167)

4 یہ خانہ کعبہ کی تعمیر کی غرض بیان کی کہ اس میں صرف میری ہی عبادت کی جائے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مشرکین نے اس میں جو بت سجا رکھے ہیں جن کی وہ یہاں آ کر عبادت کرتے ہیں۔ یہ ظلم صریح ہے کہ جہاں صرف اللہ کی عبادت

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿26﴾

طواف، قیام، رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا[1] ○

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿27﴾

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے، لوگ تیرے پاس پیادہ پا بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی،[2] دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں[3] گے ○

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا

اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں[4] اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں، یعنی جانوروں پر جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں،[5] پس تم آپ بھی

کرنی چاہیے تھی، وہاں بتوں کی عبادت کی جاتی ہے۔

1 کفر، بت پرستی اور دیگر گندگیوں اور نجاستوں سے۔ یہاں ذکر صرف نماز پڑھنے والوں اور طواف کرنے والوں کا کیا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادات خانہ کعبہ کے ساتھ خاص ہیں۔ نماز میں رخ اسی کی طرف ہوتا ہے اور طواف صرف اسی کے گرد کیا جاتا ہے۔ لیکن اہل بدعت نے اب بہت سی قبروں کا طواف بھی ایجاد کر لیا ہے اور بعض نمازوں کے لیے ''قبلہ'' بھی کوئی اور۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا.

2 جو چارے کی قلت اور سفر کی دوری اور تھکاوٹ سے لاغر اور کمزور ہو جائیں گے۔

3 یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مکہ کے پہاڑ کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ نحیف سی صدا دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی جس کا مشاہدہ حج اور عمرے میں ہر حاجی اور مُعْتَمِر کرتا ہے۔

4 یہ فائدے دینی بھی ہیں کہ نماز، طواف اور مناسک حج و عمرہ کے ذریعے سے اللہ کی مغفرت و رضا حاصل کی جائے۔ اور دنیوی بھی کہ تجارت اور کاروبار سے مال و اسباب دنیا بھی میسر آجائے۔

5 ﴿بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ''پالتو چوپایوں'' سے مراد اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ دنبے) ہیں، ان پر اللہ کا نام لینے کا مطلب ان کو ذبح کرنا ہے جو اللہ کا نام لے کر ہی کیا جاتا ہے اور ایام معلومات سے مراد، ذبح کے ایام ''ایام تشریق'' ہیں جو یوم النحر (10 ذوالحجہ) اور تین دن اس کے بعد ہیں، یعنی 12،11 اور 13 ذوالحجہ تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر ایام معلومات سے عشرۂ ذوالحجہ اور ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں، تاہم یہاں معلومات جس سیاق میں آیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایام تشریق مراد ہیں۔ واللہ أعلم.

گویا سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ میں ﴿اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ اور یہاں آیت میں مذکور ﴿اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ دونوں سے مراد ایام تشریق ہوئے کیونکہ ﴿اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: «اَلْأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ، وَهِيَ أَرْبَعَةُ أَيَّامٍ: يَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَةٌ

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿28﴾	کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ ○
ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ	پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں [1] اور اپنی نذریں پوری

بَعْدَهُ» (تفسير ابن كثير) یعنی ایام معدودات (گنتی کے چند دن) سے مراد ایام تشریق، یعنی یوم النحر 10 ذوالحجہ، پھر تین دن اس کے بعد ہیں۔ 13,12,11 ذوالحجہ۔ اور فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتاب ''ہدایہ'' میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ایام تشریق تین دن ہیں 13,12,11 (ملاحظہ ہو، كتاب الأضحية، ص: 430 ،آخرين، طبع لکھنؤ) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''غنية الطالبين'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایام معدودات کی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے (ص: 570 مطبوعہ لاہور 1309ھ) پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ یَوْمُ النَّحْر (قربانی کے دن، 10 ذوالحجہ) کے علاوہ ایام تشریق تین دن ہیں، یعنی 13,12,11 ذوالحجہ جن میں ذکر الٰہی بالخصوص فرض نمازوں کے بعد اور دیگر اوقات میں تکبیرات کہی جاتی ہیں: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ایام تشریق قربانی کے دن بھی ہیں جن میں قربانی کی جا سکتی ہے، چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ» (مسند أحمد:82/4، وصحيح ابن حبان:368/8، وتفسير ابن كثير، تفسير سورة الحج، و نصب الراية: 504/4، وسنن الدارقطني: 284/4، طبع جدید، والسنن الكبرىٰ، للبيهقي:29/8، طبع جدید) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سارے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ سورۂ حج اور سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہے کہ ''امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مسلک راجح ہے کہ قربانی کا وقت 10 ذوالحجہ سے ایام تشریق کے آخری دن (13 ذوالحجہ) تک ہے۔'' بعض حضرات نے حدیث مذکور کہ ''ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' کو منقطع قرار دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے بعض طرق موصول بھی ہیں۔ بنا بریں محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔ اسی لیے شیخ البانی نے اسے صحیح الجامع الصغیر (834/2، حديث :4537) میں درج کیا ہے، الجامع الصغير کے شارح علامہ مناوی نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (فيض القدير:4485/9) حافظ ہیثمی نے بھی اس کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد:251/3 صاحب الفتح الربانی نے اس کے انقطاع کی تردید اور اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔ الفتح الرباني:94/13 شیخ البانی نے الصحيحة میں اس کے تمام طرق پر بحث کر کے اس کو دیگر شواہد کی بنا پر قابل حجت گردانا ہے۔ (الصحيحة:617/5) زادالمعاد کے محقق نے اپنی تعلیق میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (زاد المعاد، بتحقيق شعيب الْأَرْنَؤُوط :318/2) (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (كتاب الأم للامام الشافعي، 142/2، طبع مصر:1973ء، ونيل الأوطار: 142، وموارد الظمآن في زوائد ابن حبان:325/3)

1 یعنی 10 ذوالحجہ کو جمرۂ کبریٰ (یا عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد حاجی کو تحلل اول (یا اصغر) حاصل ہو جاتا ہے، جس کے بعد وہ احرام کھول دیتا ہے اور بیوی سے مباشرت کے سوا دیگر وہ تمام کام اس کے لیے جائز ہو جاتے ہیں،

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿29﴾
ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ
الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا
الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ
الزُّوْرِ ﴿30﴾

کریں [1] اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں ○ [2]
یہ ہمارا حکم ہے اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں [3] کی تعظیم کرے
اس کے اپنے لیے اس کے رب کے پاس بہتری ہے۔
اور تمھارے لیے چوپائے، یعنی جانور حلال کردیے گئے
بجز ان کے جو تمھارے سامنے بیان کیے گئے ہیں، [4] پس
تمھیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے [5] اور جھوٹی
بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے ○ [6]

جو حالت احرام میں ممنوع ہوتے ہیں۔ میل کچیل دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ پھر وہ بالوں، ناخنوں وغیرہ کو صاف کرلے، تیل، خوشبو استعمال کرلے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لے وغیرہ۔

1 اگر کوئی مانی ہوئی ہو، جیسے لوگ مان لیتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے مقدس گھر کی زیارت نصیب فرمائی تو ہم فلاں نیکی کا کام کریں گے۔

2 ﴿الْعَتِيْقِ﴾ کے معنی قدیم کے ہیں، مراد خانہ کعبہ ہے کہ حلق یا تقصیر کے بعد طواف افاضہ کرلے جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں اور یہ حج کا رکن ہے جو وقوف عرفہ اور جمرۂ عقبہ (یا کبریٰ) کو کنکریاں مارنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ جبکہ طواف قدوم بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع سنت مؤکدہ (یا واجب) ہے۔ جو اکثر اہل علم کے نزدیک عذر سے ساقط ہوجاتا ہے، جیسے حائضہ عورت سے بالاتفاق ساقط ہوجاتا ہے۔ (أیسر التفاسیر)

3 ان حرمتوں سے مراد وہ مناسک حج ہیں جن کی تفصیل ابھی گزری۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کی اس طرح ادائیگی ہے جس طرح بتلایا گیا ہے، یعنی ان کی خلاف ورزی کرکے ان حرمتوں کو پامال نہ کرے۔

4 ''جو بیان کیے گئے ہیں'' کا مطلب ہے جن کا حرام ہونا بیان کردیا گیا ہے، جیسے آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ الآیة (المائدۃ 5:3) میں تفصیل ہے۔

5 ﴿الرِّجْسَ﴾ کے معنی گندگی اور پلیدی کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد لکڑی، لوہے یا کسی اور چیز کے بنے ہوئے بت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ نجاست ہے اور اللہ کے غضب اور عدم رضا کا باعث، اس سے بچو!

6 جھوٹی بات میں، جھوٹی بات کے علاوہ جھوٹی قسم بھی ہے، جس کو حدیث میں شرک اور عقوق والدین (ماں باپ کی نافرمانی) کے بعد تیسرے نمبر پر کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے اور سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اللہ جن چیزوں سے پاک ہے، وہ اس کی طرف منسوب کی جائیں، مثلاً: اللہ کی اولاد ہے، فلاں بزرگ اللہ کے اختیارات میں شریک ہے یا فلاں کام پر اللہ کس طرح قادر ہوگا، جیسے کفار بعث بعد الموت پر تعجب کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کرتے

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿31﴾

اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے [1] اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے اور سنو! اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اُچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی ○ [2]

ذٰلِكَ ۫ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿32﴾

یہ سن لیا، اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے تو فی الحقیقت یہ دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے ○ [3]

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

ان (چوپایوں) میں تمھارے لیے ایک مقرر وقت تک کا فائدہ

ہیں۔ یا اپنی طرف سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر لینا، جیسے مشرکین بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، یہ سب جھوٹ ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ (مذکورہ جانوروں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: المآئدۃ 5:103 کا حاشیہ)

1 ﴿حُنَفَآءَ﴾ حنیف کی جمع ہے۔ جس کے مصدری معنی ہیں: مائل ہونا، ایک طرف ہونا، یک رخا ہونا، یعنی شرک سے توحید کی طرف اور کفر و باطل سے اسلام اور دین حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ یا ایک طرفہ ہو کر خالص اللہ کی عبادت کرتے ہوئے۔

2 یعنی جس طرح بڑے پرندے، چھوٹے جانوروں کو نہایت تیزی سے جھپٹا مار کر انھیں نوچ کھاتے ہیں یا ہوائیں کسی کو دور دراز جگہوں پر پھینک دیں اور کسی کو اس کا سراغ نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں تباہی اس کا مقدر ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ سلامت فطرت اور طہارت نفس کے اعتبار سے طہر و صفا کی بلندی پر فائز ہوتا ہے اور جوں ہی وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو بلندی سے پستی میں اور صفائی سے گندگی اور کیچڑ میں پھینک لیتا ہے۔

3 ﴿شَعَآئِرَ﴾ شَعِيرَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں، جیسے جنگ میں ایک شعار (مخصوص لفظ بطور علامت) اختیار کر لیا جاتا ہے جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اس اعتبار سے شعائر اللہ وہ ہیں، جو اعلام دین، یعنی اسلام کے نمایاں امتیازی احکام ہیں، جن سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخص قائم ہوتا ہے اور دوسرے اہل مذاہب سے الگ پہچان لیا جاتا ہے۔ صفا، مروہ پہاڑیوں کو بھی اسی لیے شعائر اللہ کہا گیا ہے کہ مسلمان حج و عمرے میں ان کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ یہاں حج کے دیگر مناسک، خصوصاً قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کا استحسان اور استسمان ہے، یعنی عمدہ اور موٹا تازہ جانور قربان کرنا۔ اس تعظیم کو دل کا تقویٰ قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ دل کے ان افعال سے ہیں جن کی بنیاد تقویٰ ہے۔

4 ع 8 11 مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ع ﴿33﴾
وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا
اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ
الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ
اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿34﴾

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي
الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿35﴾

ہے[1] پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے ○ [2] اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تا کہ وہ ان چوپائے، یعنی جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں۔[3] سمجھ لو کہ تم سب کا معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے! ○ انھیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل تھرا جاتے ہیں، انھیں جو برائی پہنچے اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے بھی دیتے رہتے ہیں ○

1 وہ فائدہ، سواری، دودھ، مزید نسل اور اون وغیرہ کا حصول ہے۔ وقت مقرر سے مراد نحر (ذبح کرنا) ہے، یعنی ذبح ہونے تک تمھیں ان سے مذکورہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور سے، جب تک وہ ذبح نہ ہو جائے، فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک ہدی (قربانی) کا جانور اپنے ساتھ ہانکے لے جا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس نے کہا: یہ حج کی قربانی ہے، آپ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1690)

2 حلال ہونے سے مراد جہاں ان کا ذبح کرنا حلال ہوتا ہے، یعنی یہ جانور، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد بیت اللہ اور حرم مکی میں پہنچتے ہیں اور وہاں اللہ کے نام پر ذبح کر دیے جاتے ہیں، پس مذکورہ فوائد کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسے ہی حرم کے لیے هَدي ہوتے ہیں تو حرم میں پہنچتے ہی ذبح کر دیے جاتے ہیں اور فقراء مکہ میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

3 ﴿مَنْسَكًا﴾ نَسَكَ يَنْسُكُ کا مصدر ہے، معنی ہیں: اللہ کے تقرب کے لیے قربانی کرنا، ذبیحة (ذبح شدہ جانور) کو بھی نسیکة کہا جاتا ہے، جس کی جمع نُسُك ہے۔ اس کے معنی اطاعت وعبادت کے بھی ہیں کیونکہ رضائے الٰہی کے لیے جانور کی قربانی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسی لیے غیر اللہ کے نام پر یا ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے۔ یا مَنْسِك (سین کی فتح یا کسرے کے ساتھ) اسم ظرف ہے۔ موضِعُ نحر (ذبح کرنے کی جگہ) یا موضع عبادت. اسی سے مناسک حج ہے، یعنی وہ جگہیں، جہاں حج کے اعمال وارکان ادا کیے جاتے ہیں، جیسے عرفات، مزدلفہ، منٰی اور مکہ۔ مطلق ارکان واعمال حج کو بھی مناسک کہہ لیا جاتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم پہلے بھی ہر مذہب والوں کے لیے ذبح کا یا عبادت کا طریقہ مقرر کرتے آئے ہیں تا کہ وہ اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ ہمارا نام لیں، یعنی بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کریں یا ہمیں یاد رکھیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿36﴾

اور قربانی کے اونٹ [1] ہم نے تمھارے لیے اللہ کے نشانات مقرر کردیے ہیں ان میں تمھارے لیے نفع ہے، پس انھیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، [2] پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں [3] اسے (خود بھی) کھاؤ [4] اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ، [5] اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمھارے

1 ﴿الْبُدْنَ﴾ بَدَنَةٌ کی جمع ہے چونکہ عام طور پر اس مقصد کے لیے اس کی تسمین کی جاتی ہے اور وہ موٹا تازہ ہوتا ہے، اس لیے بَدَنَةٌ کہا جاتا ہے۔ فربہ جانور۔ بعض اہل لغت کے نزدیک اس کا اطلاق اونٹ گائے دونوں پر ہوتا ہے جبکہ بعض دیگر اہل لغت نے اسے صرف اونٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ جو شخص جمعہ کو پہلی ساعت میں آیا۔ اسے ایک بَدَنَة (اونٹ) کا ثواب ملے گا اور جو دوسری ساعت میں آیا اسے بَقَرة (گائے) کا ثواب ملے گا۔ (صحيح البخاري، حديث:881، وصحيح مسلم، حديث :850) اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں: « اَلْبَدَنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَّ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ » ''اونٹ سات افراد کی طرف سے کافی ہے اور گائے بھی سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث:350(1318)) البتہ مناسکِ حج کے حوالے سے کافی ہونے میں گائے اونٹ کے حکم میں ہے۔ (صحيح مسلم، حديث :353-(1318))، وتفسير القرطبي، روح المعاني، المصباح المنير للفيومي)۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور گائے جو قربانی کے لیے لیے جائیں، یہ بھی شعائر اللہ، یعنی اللہ کے ان احکام میں سے ہیں جو مسلمانوں کے لیے خاص اور ان کی علامت ہیں۔

2 ﴿صَوَآفَّ﴾ مَصْفُوفَةً (صف بستہ، یعنی کھڑے ہوئے) کے معنی میں ہے۔ اونٹ کو اسی طرح کھڑے کھڑے نحر کیا جاتا ہے کہ اگلا بایاں پاؤں اس کا بندھا ہوا اور تین پاؤں پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔

3 یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائے۔ تب اسے کاٹنا شروع کرو کیونکہ زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانا ممنوع ہے: «مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ» (سنن أبي داود، حديث: 2858، وجامع الترمذي، حديث: 1480، وسنن ابن ماجه، حديث: 3216) ''جس جانور سے اس حال میں گوشت کاٹا جائے کہ وہ زندہ ہو تو وہ (کاٹا ہوا گوشت) مردہ ہے۔''

4 بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے ہے، یعنی قربانی کا گوشت کھانا، قربانی کرنے والے کے لیے واجب، یعنی ضروری ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے، یعنی اگر کھا لیا جائے تو مستحب (پسندیدہ) ہے اور اگر کوئی نہ کھائے بلکہ سب کا سب تقسیم کردے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

5 ﴿الْقَانِعَ﴾ کے ایک معنی سائل کے اور دوسرے معنی قناعت کرنے والے کے کیے گئے ہیں، یعنی وہ جو سوال نہ کرے اور ﴿الْمُعْتَرَّ﴾ کے معنی بعض نے بغیر سوال کے قصداً سامنے آنے والے کے کیے ہیں۔ اور بعض نے قانع

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿37﴾

ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو ○
اللہ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمھارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمھارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی راہنمائی کے شکریے میں اس کی بڑائیاں بیان کرو، اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے! ○

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ

سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ ہٹا دیتا

کے معنی سائل اور معتر کے معنی زائر، یعنی ملاقاتی کے کیے ہیں۔ بہر حال اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک اپنے لیے، دوسرا ملاقاتیوں اور رشتے داروں کے لیے اور تیسرا سائلین اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کے لیے۔ جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمھیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو، ذخیرہ کرو۔'' دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ''پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔'' ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ''پس کھاؤ، کھلاؤ اور صدقہ کرو۔'' (صحیح البخاري، حدیث:5569، وصحیح مسلم، حدیث:1971، وسنن أبي داود، حدیث:2812، وجامع الترمذي، حدیث: 1510، وسنن ابن ماجه، حدیث:3160، وسنن النسائي، حدیث:4436) بعض علماء دو حصے کرنے کے قائل ہیں۔ نصف اپنے لیے اور نصف صدقے کے لیے، وہ اس سے ماقبل گزرنے والی آیت: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ○﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت کسی بھی آیت یا حدیث سے اس طرح کے دو یا تین برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں نکلتا بلکہ ان میں مطلقاً کھانے کھلانے کا حکم ہے، اس لیے اس اطلاق کو اپنی جگہ برقرار رہنا چاہیے اور کسی برابر تقسیم کا پابند نہیں بنانا چاہیے، البتہ قربانی کی کھالوں کی بابت اتفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے استعمال میں لاؤ یا صدقہ کر دو، اسے بیچنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مسند أحمد:15/4) تاہم بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے کھال خود بیچ کر اس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت دی ہے۔ (ابن کثیر)

ایک ضروری وضاحت: قرآن کریم میں یہاں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں آیا ہے، جس سے منکرین حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہی ہے۔ یہ دیگر مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ قربانی کرنے کا مطلق حکم بھی دوسرے مقام پر موجود ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○﴾ (الکوثر 108:2) ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔'' اس کی تبیین وتشریح (عملی) نبی ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ آپ خود

ع 5 5 12

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿38﴾
اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿39﴾

ہے۔[1] کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ کو ہرگز پسند نہیں ○ جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انھیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔[2] بے شک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے ○

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ
اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ
اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

وہ لوگ جنھیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا رب فقط اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو راہبوں کے عبادت خانے[3]

مدینے میں 10 ذوالحجہ کو قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی قربانی کرنے کی تاکید کرتے رہے، چنانچہ صحابہ بھی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ نے قربانی کی بابت جہاں دیگر بہت سی ہدایات دیں، وہاں یہ بھی فرمایا: ”10 ذوالحجہ کو ہم سب سے پہلے (عید کی) نماز پڑھیں اور اس کے بعد جا کر جانور ذبح کریں گے، فرمایا: ”جس نے نماز (عید) سے قبل اپنی قربانی کر لی، اس نے گوشت کھانے میں جلدی کی، اس کی قربانی نہیں ہوئی۔“ (صحيح البخاري، حديث: 968، و صحيح مسلم، حديث: 7-(1961)) اس سے بھی واضح ہے کہ قربانی کا حکم ہر مسلمان کے لیے ہے وہ جہاں بھی ہو کیونکہ حاجی تو عیدالاضحیٰ کی نماز ہی نہیں پڑھتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم غیر حاجیوں کے لیے ہی ہے، تاہم دکھلاوے کی نیت سے کئی کئی قربانیاں کرنے کا رواج بھی خلاف سنت ہے۔ حدیث کے مطابق پورے گھر کے افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔ صحابہ کا عمل اسی کے مطابق تھا۔ (جامع الترمذي، حديث: 1505، و سنن ابن ماجه، حديث: 3147)

1 جس طرح 6 ہجری میں کافروں نے اپنے غلبے کی وجہ سے مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیا، اللہ تعالیٰ نے دو سال کے بعد ہی کافروں کے اس غلبے کو ختم فرما کر مسلمانوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹا دیا اور مسلمانوں کو ان پر غالب کر دیا۔

2 اکثر سلف کا قول ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے جہاد کا حکم دیا گیا ہے جس کے دو مقصد یہاں بیان کیے گئے ہیں۔ مظلومیت کا خاتمہ اور اعلائے کلمۃ اللہ، اس لیے کہ مظلومین کی مدد اور ان کی دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زورآور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلہ لوگوں کو جینے ہی نہ دیں جس سے زمین فساد سے بھر جائے۔ اسی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشش نہ کی جائے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبے سے بھی دنیا کا امن و سکون اور اللہ کا نام لینے والوں کے لیے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ بقرہ، آیت: 251 کا حاشیہ)

3 ﴿صَوَامِعُ﴾ (صَوْمَعَةٌ کی جمع) سے چھوٹے گرجے اور ﴿بِيَعٌ﴾ (بِيعَةٌ کی جمع) سے بڑے گرجے، ﴿صَلَوٰتٌ﴾

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿40﴾

اور گرجے اور یہود کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھا دیے جاتے جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے ○

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿41﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکاۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔[1] تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے ○ [2]

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿42﴾

اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود بھی جھٹلا چکے ہیں ○

سے یہودیوں کے عبادت خانے اور ﴿مَسٰجِدُ﴾ سے مسلمانوں کی عبادت گاہیں مراد ہیں۔

1 اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں، جنھیں خلافت راشدہ اور قرن اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انھوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست رکھا تو ان کی بدولت ان حکومتوں میں امن و سکون بھی رہا، رفاہیت و خوش حالی بھی رہی اور مسلمان سربلند اور سرفراز بھی رہے۔ آج بھی سعودی عرب کی حکومت میں ان چیزوں کا کچھ اہتمام ہے تو اس کی برکت سے وہ اب بھی امن و خوشحالی کے اعتبار سے دنیا کی بہترین اور مثالی مملکت ہے، آج کل اسلامی ملکوں میں فلاحی مملکت کے قیام کا بڑا غلغلہ اور شور ہے اور ہر آنے جانے والا حکمران اس کے دعوے کرتا ہے۔ لیکن ہر اسلامی ملک میں بدامنی، فساد، قتل و غارت اور ادبار و پستی اور زبوں حالی روز افزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے کی بجائے مغرب کے جمہوری اور لادینی نظام کے ذریعے سے فلاح و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو آسمان میں تھگلی لگانے اور ہوا کو مٹھی میں لینے کے مترادف ہے۔ جب تک مسلمان مملکتیں قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلاۃ و زکاۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کریں گی اور اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست نہیں رکھیں گی، وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

2 یعنی ہر بات کا مرجع اللہ کا حکم اور اس کی تدبیر ہی ہے اس کے حکم کے بغیر کائنات میں کوئی پتہ بھی نہیں ہلتا، چہ جائیکہ کوئی اللہ کے احکام اور ضابطوں سے انحراف کر کے حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿43﴾
وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى
فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿44﴾
فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ
ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ز
وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿45﴾

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ
قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ
بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ
تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿46﴾

اور قوم ابراہیم اور قوم لوط ○

اور مدین والے بھی (اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلا چکے ہیں)۔ موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں، پس میں نے کافروں کو مہلت دی پھر پکڑ [1] لیا، پس میرا عذاب کیسا ہوا؟ ○ [2]

بہت سی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے تہ و بالا کر دیا اس لیے کہ وہ ظالم تھیں، پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنویں بیکار پڑے ہیں اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں ○

کیا انھوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی جو ان کے دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان (واقعات) کو سن لیتے، بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ○ [3]

---

1 اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ اگر آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ نئی بات نہیں ہے۔ پچھلی قومیں بھی اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کچھ کرتی رہی ہیں اور میں بھی انھیں مہلت دیتا رہا، پھر جب ان کا وقت مہلت ختم ہو گیا تو انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اس میں تعریض و کنایہ ہے مشرکین مکہ کے لیے کہ تکذیب کے باوجود تم ابھی تک مؤاخذۂ الٰہی سے بچے ہوئے ہو تو یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے جو وہ ہر قوم کو دیا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار نہیں کرتی تو پھر اسے ہلاک یا مسلمانوں کے ذریعے سے مغلوب اور ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

2 یعنی کس طرح میں نے انھیں اپنی نعمتوں سے محروم کر کے عذاب و ہلاکت سے دوچار کر دیا۔

3 اور جب کوئی قوم ضلالت کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ عبرت پذیری کی صلاحیت بھی کھو بیٹھے تو ہدایت کی بجائے گزشتہ قوموں کی طرح تباہی اس کا بھی مقدر بن کر رہتی ہے۔ آیت میں فعل تعقل کا انتساب دل کی طرف کیا گیا ہے جس سے استدلال کیا گیا ہے کہ عقل کا محل قلب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں محل عقل دماغ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ فہم و ادراک کے حصول میں قلب اور دماغ دونوں کا آپس میں بڑا گہرا ربط و تعلق ہے۔ (فتح القدير، أيسر التفاسير)

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿47﴾	اور عذاب کو آپ سے جلدی طلب کر رہے ہیں اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا۔ ہاں، البتہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمھاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے ○ [1]
وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿48﴾ ع 6 10 13	بہت سی ظلم کرنے والی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی پھر آخر انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○ [2]
قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ ﴿49﴾	اعلان کر دو کہ لوگو! میں تمھیں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہی ہوں ○ [3]
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	پس جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں

---

1 اس لیے یہ لوگ تو اپنے حساب سے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک دن بھی ہزار سال کا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اگر کسی کو ایک دن (24 گھنٹے) کی مہلت دے تو ہزار سال، نصف یوم کی مہلت دے تو پانچ سو سال، 6 گھنٹے (جو 24 گھنٹے کا چوتھائی ہے) مہلت دے تو ڈھائی سو سال کا عرصہ عذاب کے لیے درکار ہے۔ وَهَلُمَّ جَرًّا۔ اس طرح اللہ کی طرف سے کسی کو ایک گھنٹے کی مہلت مل جانے کا مطلب کم وبیش چالیس سال کی مہلت ہے، (أيسر التفاسير) ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ہزار سال برابر ہیں، اس لیے تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ جلدی مانگتے ہیں، وہ دیر کرتا ہے، تاہم یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اور بعض نے اسے آخرت پر محمول کیا ہے کہ شدت ہولناکی کی وجہ سے قیامت کا ایک دن ہزار سال بلکہ بعض کو پچاس ہزار سال کا لگے گا۔ اور بعض نے کہا کہ آخرت کا دن واقعی ہزار سال کا ہوگا۔ (مزید دیکھیے: السجدة 5:32 اور المعارج 4:70 کا حاشیہ)

2 اسی لیے یہاں قانون مہلت کو پھر بیان کیا ہے کہ میری طرف سے عذاب میں کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے، تاہم میری گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا نہ کہیں فرار ہو سکتا ہے۔ اسے لوٹ کر بالآخر میرے ہی پاس آنا ہے۔

3 یہ کفار و مشرکین کے مطالبۂ عذاب پر کہا جا رہا ہے کہ میرا کام تو اِنذار و تَبْشِير ہے۔ عذاب بھیجنا، یہ اللہ کا کام ہے، وہ جلدی گرفت فرمالے یا اس میں تاخیر کرے، وہ اپنی حسب مشیت و مصلحت یہ کام کرتا ہے۔ جس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس خطاب کے اصل مخاطب اگرچہ اہل مکہ ہیں لیکن چونکہ آپ پوری نوع انسانی کے لیے رہبر اور رسول بن کر آئے تھے، اس لیے خطاب ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اس میں قیامت تک ہونے والے وہ کفار و مشرکین آگئے جو اہل مکہ کا سا رویہ اختیار کریں گے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿50﴾	ان ہی کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی ○
وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿51﴾	اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو پست کرنے کے درپے رہتے ہیں [1] وہی دوزخی ہیں ○
وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ﴿52﴾	ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھی بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، پس شیطان کی ملاوٹ اللہ دور کر دیتا ہے، پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے۔ [2] اللہ دانا اور باحکمت ہے ○
لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ	یہ اس لیے کہ شیطانی ملاوٹ کو اللہ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن

---

1 ﴿ مُعٰجِزِيْنَ ﴾ کا مطلب ہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دیں گے، تھکا دیں گے اور ہم ان کی گرفت کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے، اس لیے کہ وہ بعث بعد الموت اور حساب کتاب کے منکر تھے۔

2 ﴿ تَمَنّٰۤى ﴾ کے ایک معنی ہیں: آرزو کی یا دل میں خیال کیا۔ دوسرے معنی ہیں پڑھا یا تلاوت کی۔ اسی اعتبار سے اُمْنِيَّةٌ کا ترجمہ آرزو، خیال یا تلاوت ہوگا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوگا، اس کی آرزو میں شیطان نے رکاوٹیں ڈالیں تاکہ وہ پوری نہ ہوں۔ اور رسول و نبی کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایمان لے آئیں، شیطان رکاوٹیں ڈال کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایمان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مفہوم ہوگا کہ جب بھی اللہ کا رسول یا نبی وحی شدہ کلام پڑھتا اور اس کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس کی قراءت و تلاوت میں اپنی باتیں ملانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بابت لوگوں کے دلوں میں شبہے ڈالتا اور مین میکھ نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کی رکاوٹوں کو دور فرما کر یا تلاوت میں ملاوٹ کی کوشش کو ناکام فرما کر یا شیطان کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ فرما کر اپنی بات کو یا اپنی آیات کو محکم (پکا) فرما دیتا ہے۔ اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شیطان کی یہ کارستانیاں صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں ہیں، آپ سے پہلے جو رسول اور نبی آئے، سب کے ساتھ ہی یہی کچھ کرتا آیا ہے۔ تاہم آپ گھبرائیں نہیں، شیطان کی ان شرارتوں اور سازشوں سے جس طرح ہم پچھلے انبیاء کو بچاتے رہے ہیں، یقیناً آپ بھی محفوظ رہیں گے اور شیطان کے عَلَى الرَّغْمِ اللہ تعالیٰ اپنی بات کو پکا کر کے رہے گا۔ یہاں بعض مفسرین نے الغرانیق العُلٰی (جھوٹے معبودوں کی تعریف) کا قصہ بیان کیا ہے جو محققین کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے اسے یہاں پیش کرنے کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھی گئی ہے۔

قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ﴿53﴾

کے دل سخت ہیں۔[1] بے شک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں ○

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿54﴾

اور اس لیے بھی کہ جنھیں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے رب ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں۔[2] یقیناً اللہ ایمان داروں کی راہِ راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی ہے ○[3]

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿55﴾

کافر اس وحیٔ الٰہی میں ہمیشہ شک شبہ ہی کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اچانک ان کے سروں پر قیامت آجائے یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آجائے جو منحوس ہے ○[4]

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی[5] وہی ان میں

---

1 یعنی شیطان یہ حرکتیں اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرے اور اس کے جال میں وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ونفاق کا روگ ہوتا ہے یا گناہ کر کے ان کے دل سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔

2 یعنی یہ القائے شیطانی، جو دراصل اغوائے شیطانی ہے، اگر اہل نفاق وشک اور اہل کفر وشرک کے حق میں فتنے کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف جو علم ومعرفت کے حامل ہیں، ان کے ایمان ویقین میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ بات، یعنی قرآن حق ہے جس سے ان کے دل بارگاہ الٰہی میں جھک جاتے ہیں۔

3 دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ ان کی رہنمائی حق کی طرف کر دیتا ہے اور اس کے قبول اور اتباع کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔ باطل کی سمجھ بھی ان کو دے دیتا ہے اور اس سے انھیں بچا بھی لیتا ہے اور آخرت میں سیدھے راستے کی رہنمائی یہ ہے کہ انھیں جہنم کے عذاب الیم وعظیم سے بچا کر جنت میں داخل فرمائے گا اور وہاں اپنی نعمتوں اور دیدار سے انھیں نوازے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

4 ﴿يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴾ ''بانجھ دن'' سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ اسے عقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں ہوگا جس طرح عقیم اس کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ یا اس لیے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی رحمت نہیں ہوگی، گویا ان کے لیے خیر سے خالی ہوگا۔ جس طرح بادِ تند کو جو بطور عذاب کے آتی رہی ہے ﴿الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ﴾ کہا گیا ہے، ﴿اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ○﴾ (الذّٰریٰت 41:51) ''جب ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی۔'' یعنی ایسی ہوا جس میں کوئی خیر تھی نہ بارش کی نوید۔

5 یعنی دنیا میں تو عارضی طور پر بطور امتحان یا بطور انعام لوگوں کو بھی بادشاہتیں اور اختیار واقتدار مل جاتا ہے۔ لیکن

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿56﴾
فیصلے فرمائے گا۔ ایمان اور نیک عمل والے تو نعمتوں سے بھرے باغوں میں ہوں گے ○

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿57﴾ ع
اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کے لیے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں ○

ع 7/9 14

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿58﴾
اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا پھر وہ شہید کردیے گئے یا اپنی موت مر[1] گئے اللہ انھیں بہترین رزق عطا فرمائے گا۔[2] اور بے شک اللہ روزی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے ○[3]

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿59﴾
انھیں اللہ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں گے،[4] بے شک اللہ علم اور بردباری[5] والا ہے ○

آخرت میں کسی کے پاس بھی کوئی بادشاہت اور اختیار نہیں ہوگا۔ صرف ایک اللہ کی بادشاہی اور اس کی فرماں روائی ہوگی، اسی کا مکمل اختیار اور غلبہ ہوگا، ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ○﴾ (الفرقان 25:26) ''بادشاہی اس دن ثابت ہے واسطے رحمٰن کے اور یہ دن کافروں پر سخت بھاری ہوگا۔'' ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○﴾ (المؤمن 40:16) اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ ''آج کس کی بادشاہی ہے؟'' پھر خود ہی جواب دے گا ''ایک اللہ غالب کی۔''

1 یعنی اسی ہجرت کی حالت میں موت آگئی یا شہید ہو گئے۔

2 یعنی جنت کی نعمتیں جو ختم ہوں گی نہ فنا۔

3 کیونکہ وہ بغیر حساب کے، بغیر استحقاق کے اور بغیر سوال کے دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان بھی جو ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسی کے دیے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اس لیے اصل رازق وہی ہے۔

4 کیونکہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی: ''جنھیں آج تک کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اور دیکھنا سننا تو کجا، کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا۔'' (صحیح البخاري ، حدیث: 4779) بھلا ایسی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو کر کون خوش نہیں ہوگا؟

5 ﴿لَعَلِيْمٌ﴾ وہ نیک عمل کرنے والوں کے درجات اور ان کے مراتب استحقاق کو جانتا ہے۔ ﴿حَلِيْمٌ﴾ (بردبار ہے) کفر و شرک کرنے والوں کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کا فوری مؤاخذہ نہیں کرتا۔

ذٰلِكَ ج وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿60﴾

بات یہی ہے،[1] اور جس نے بدلہ لیا اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا، پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ خود اس کی مدد فرمائے گا۔[2] بے شک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے ○[3]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿61﴾

یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے[4] اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ○

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿62﴾

یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے[5] اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے ○

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ز

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا

---

1 یعنی یہ کہ مہاجرین سے بطور خاص شہادت یا طبعی موت پر ہم نے جو وعدہ کیا ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔

2 عقوبت اس سزا یا بدلے کو کہتے ہیں جو کسی فعل کی جزا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو جس سے زیادتی کی گئی ہے، اسے بقدر زیادتی بدلہ لینے کا حق ہے۔ لیکن اگر بدلہ لینے کے بعد جبکہ ظالم اور مظلوم دونوں برابر سرابر ہو چکے ہوں، ظالم، مظلوم پر پھر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد فرماتا ہے، یعنی یہ شبہ نہ ہو کہ مظلوم نے معاف کر دینے کی بجائے بدلہ لے کر غلط کام کیا ہے، نہیں بلکہ اس کی بھی اجازت اللہ ہی نے دی ہے، اس لیے آئندہ بھی وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہے گا۔

3 اس میں پھر معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ درگزر کرنے والا ہے، تم بھی درگزر سے کام لو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بدلہ لینے میں۔ جو بقدر ظلم ظالم ہوگا۔ جتنا ظلم کیا جائے گا، اس کی اجازت چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لیے اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ وہ معاف ہے۔ بلکہ اسے ظلم اور سَيِّئَه بطور مشاکلت کے کہا جاتا ہے، ورنہ انتقام یا بدلہ سرے سے ظلم یا سیئہ ہی نہیں ہے۔

4 یعنی جو اللہ اس طرح کام کرنے پر قادر ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے جن بندوں پر ظلم کیا جائے ان کا بدلہ وہ ظالموں سے لے۔

5 اس لیے اس کا دین حق ہے، اس کی عبادت حق ہے، اس کے وعدے حق ہیں، اس کا اپنے اولیاء کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا حق ہے، وہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں حق ہے۔

فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ
خَبِيۡرٌ ﴿63﴾ۚ
لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنَّ
ع 8 7 15 اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿64﴾
اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى
الۡاَرۡضِ وَالۡفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ؕ
وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى
الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿65﴾
وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاكُمۡ ز ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ
يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ﴿66﴾

ہے، پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بیشک اللہ مہربان اور باخبر ہے [1] ○
آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے [2] اور یقیناً اللہ، وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا ○
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمھارے بس میں کر دی ہیں [3] اور اس کے فرمان سے پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی، وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے، [4] بے شک اللہ لوگوں پر شفقت ونرمی کرنے والا اور مہربان ہے [5] ○
اسی نے تمھیں زندگی بخشی، پھر وہی تمھیں مار ڈالے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا، بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے [6] ○

---

1 ﴿لَطِيۡفٌ﴾ ''باریک بین'' ہے، اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے یا لطف کرنے والا ہے، یعنی اپنے بندوں کو روزی پہنچانے میں لطف وکرم سے کام لیتا ہے۔ ﴿خَبِيۡرٌ﴾ ''وہ ان باتوں سے باخبر ہے'' جن میں اس کے بندوں کے معاملات کی تدبیر اور اصلاح ہے۔ یا ان کی ضروریات وحاجات سے آگاہ ہے۔

2 پیدائش کے لحاظ سے بھی، ملکیت کے اعتبار سے بھی اور تصرف کرنے کے اعتبار سے بھی، اس لیے سب مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں کیونکہ وہ غنی، یعنی بے نیاز ہے۔ اور جو ذات سارے کمالات اور اختیارات کا منبع ہے، ہر حال میں تعریف کی مستحق بھی وہی ہے۔

3 مثلاً: جانور، نہریں، درخت اور دیگر بے شمار چیزیں جن کے منافع سے انسان بہرہ ور اور لذت یاب ہوتا ہے۔

4 یعنی اگر وہ چاہے تو آسمان زمین پر گر پڑے جس سے زمین پر موجود ہر چیز تباہ ہو جائے۔ ہاں قیامت والے دن اس کی مشیت سے آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔

5 اسی لیے اس نے مذکورہ چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور آسمان کو بھی ان پر گرنے نہیں دیتا۔ تابع (مسخر) کرنے کا مطلب ہے کہ ان تمام چیزوں سے انتفاع اس کے لیے ممکن یا آسان کر دیا گیا ہے۔

6 یہ بحیثیت جنس کے ہے۔ بعض افراد کا اس ناشکری سے نکل جانا اس کے منافی نہیں کیونکہ انسانوں کی اکثریت میں یہ کفر وجحود پایا جاتا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿67﴾

ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے، جسے وہ بجالانے والے ہیں،[1] پس انھیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کرنا چاہیے[2] اور آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلایئے۔ یقیناً آپ ٹھیک ہدایت ہی پر ہیں ○[3]

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿68﴾

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھنے لگیں تو آپ کہہ دیں کہ تمھارے اعمال سے اللہ بخوبی واقف ہے ○

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿69﴾

تمھارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ آپ کرے گا ○[4]

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿70﴾

کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے۔ اللہ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے ○[5]

---

1 یعنی ہر زمانے میں ہم نے لوگوں کے لیے ایک شریعت مقرر کی، جو بعض چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتی، جس طرح تورات، امت موسیٰ علیہ السلام کے لیے، انجیل امت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعت تھی اور اب قرآن امت محمدیہ کے لیے شریعت اور ضابطۂ حیات ہے۔

2 یعنی اللہ نے آپ کو جو دین اور شریعت عطا کی ہے، یہ بھی مذکورہ اصول کے مطابق ہی ہے، ان سابقہ شریعت والوں کو چاہیے کہ اب آپ کی شریعت پر ایمان لے آئیں نہ کہ اس معاملے میں آپ سے جھگڑیں۔

3 یعنی آپ ان کے جھگڑے کی پروا نہ کریں بلکہ ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں کیونکہ اب صراط مستقیم پر صرف آپ ہی گامزن ہیں، یعنی پچھلی شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں۔

4 یعنی بیان اور اظہار حجت کے بعد بھی اگر یہ جدال و منازعت سے باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارے اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن فرمائے گا، پس اس دن واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ کیونکہ وہ اس کے مطابق سب کو جزا دے گا۔

5 اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور مخلوقات کے احاطے کا ذکر فرمایا ہے، یعنی اس کی مخلوقات کو جو جو کچھ کرنا تھا، اس کو اس کا علم پہلے سے ہی تھا۔ جن بندوں کو اپنے اختیار وارادے سے نیکی کا راستہ اور جنھیں اپنے اختیار سے برائی کا راستہ اپنانا تھا، وہ ان کو جانتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے علم سے یہ باتیں پہلے ہی لکھ دیں۔ اور لوگوں کو یہ بات چاہیے

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿71﴾

اور یہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کر رہے ہیں جس کی نہ تو کوئی اس نے دلیل نازل فرمائی نہ یہ خود ہی اس کا کوئی علم رکھتے ہیں۔ [1] ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿72﴾ ع 9 8 16

جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔ وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں، [2] کہہ دیجیے کہ کیا میں تمھیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے، جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے، [3] اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ○

کتنی ہی مشکل معلوم ہو، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ یہ وہی تقدیر کا مسئلہ ہے، اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے جسے حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا، مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 16-(2653)) اور سنن کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اس کو کہا: ''لکھ'' اس نے کہا: کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دے، چنانچہ اس نے اللہ کے حکم سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، سب لکھ دیا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 4700، وجامع الترمذي، حديث: 3319، ومسند أحمد: 317/5)

1 یعنی ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے جسے کسی آسمانی کتاب سے یہ دکھا سکیں، نہ عقلی دلیل ہے جسے غیر اللہ کی عبادت کے اثبات میں پیش کر سکیں۔

2 اپنے ہاتھوں سے دست درازی کر کے یا بدزبانی کے ذریعے سے، یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لیے اللہ کی توحید اور رسالت و معاد کا بیان ناقابل برداشت ہوتا ہے جس کا اظہار ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن وحدیث کے دلائل سے واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل حدیثیہ کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے جس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے۔ (فتح القدير)

3 یعنی ابھی تو آیات الٰہی سن کر صرف تمھارے چہرے ہی متغیر ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس رویے سے توبہ نہیں کی تو اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمھیں دوچار ہونا پڑے گا اور وہ ہے جہنم کی آگ میں جلنا،

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿73﴾

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں،[1] بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے،[2] بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے○[3]

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿74﴾

انھوں نے اللہ کے مرتبے کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں،[4] اللہ بڑا ہی زور وقوت والا اور غالب وزبردست ہے○

جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر وشرک سے کر رکھا ہے۔

1 یعنی یہ معبودان باطل، جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر مدد کے لیے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نہایت حقیر سی مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم انھی کو اپنا حاجت روا سمجھو تو تمھاری عقل قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان مورتیاں ہی نہیں ہوتی تھیں (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ یہ عقل و شعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں، یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حقیر ترین شے مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، محض پتھر کی مورتیوں کو یہ چیلنج نہیں دیا جا سکتا۔

2 یہ ان کی مزید بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ہے کہ پیدا کرنا تو کجا، یہ تو مکھی کو پکڑ کر اس کے منہ سے اپنی وہ چیز بھی واپس نہیں لے سکتے جو وہ ان سے چھین کر لے جائے۔

3 ﴿الطَّالِبُ﴾ سے مراد، خود ساختہ معبود اور ﴿الْمَطْلُوْبُ﴾ سے مراد مکھی یا بعض کے نزدیک طالب سے، پجاری اور مَطْلُوْب سے اس کا معبود مراد ہے۔ حدیث قدسی میں معبودان باطل کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقعی یہ قدرت ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی پیدا کر کے دکھا دے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5953)

4 یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بے بس مخلوق کو اس کا ہمسر اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت، اس کی قدرت وطاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اَللّٰهُ يَصۡطَفِيۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ ۚ﴿75﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿76﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ارۡكَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا رَبَّكُمۡ وَافۡعَلُوا الۡخَيۡرَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿77﴾ السجدة

السجدة

وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجۡتَبٰىكُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ

فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو اللہ ہی چن لیتا ہے،[1] بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ○[2] وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں ○[3]

اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو[4] اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○[5]

اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔[6] اسی نے تمھیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے

1 ﴿رُسُلًا﴾ رَسُولٌ (فرستادہ، بھیجا ہوا قاصد) کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا، یعنی پیغام رسانی کا کام لیا ہے، جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائے۔ یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائے اور لوگوں میں سے بھی جنھیں چاہا، رسالت کے لیے چن لیا اور انھیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے، گو منتخب اور چنیدہ تھے۔ لیکن کس لیے؟ خدائی اختیارات میں شرکت کے لیے؟ جس طرح کہ بعض لوگوں نے انھیں اللہ کا شریک گردان لیا۔ نہیں بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔

2 وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے، یعنی یہ جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الأنعام 6:124) ”اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔“

3 جب تمام معاملات کا مرجع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جا سکتا اور اس کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔

4 یعنی اس نماز کی پابندی کرو جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ آگے عبادت کا بھی حکم آ رہا ہے۔ جس میں نماز بھی شامل تھی لیکن اس کی اہمیت و افضلیت کے پیش نظر اس کا خصوصی حکم دیا۔

5 یعنی فلاح (کامیابی) اللہ کی عبادت اور اطاعت، یعنی افعال خیر اختیار کرنے میں ہے نہ کہ اللہ کی عبادت و اطاعت سے گریز کر کے محض مادی اسباب و وسائل کی فراہمی اور فراوانی میں جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر اسلامی مملکتیں امن و سکون اور رفاہیت و خوش حالی کی منزل سے کوسوں دور ہیں کیونکہ وہ اسلام کو بطور نظام اپنانے کے لیے تیار نہیں۔

6 اس جہاد سے مراد بعض نے وہ جہاد اکبر لیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار و مشرکین سے کیا جاتا ہے اور بعض نے اوامر الٰہی کی بجا آوری کہ اس میں بھی نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ہر وہ کوشش مراد

مِنۡ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ وَفِىۡ هٰذَا لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِ ؕ
10 ع 6 17 هُوَ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿78﴾

میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، [1] اپنے باپ ابراہیم [2] کے دین پر قائم رہو۔ اسی (اللہ) [3] نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ، [4] پس تمھیں چاہیے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکاۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمھارا ولی اور مالک ہے، پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے ○

لی ہے جو حق وصداقت کے غلبے اور باطل کی سرکوبی اور مغلوبیت کے لیے کی جائے، تاہم سب سے افضل اور اصل جہاد، جہاد اکبر ہی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ مسلمانوں کا تحفظ ممکن ہے اور نہ اسلام کی سربلندی ہی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے قیامت تک کے لیے جاری وساری رکھا گیا ہے کیونکہ ہر دور میں اس کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی۔ بعض اردو کے مفسرین نے اس مقام پر ایک موضوع (من گھڑت) روایت سے استدلال کر کے خواہش نفسانی سے جہاد کرنے کو ''جہاد اکبر'' قرار دیا ہے جس میں نبی ﷺ کی طرف یہ فرمان منسوب کیا گیا ہے کہ ''تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے ہو۔'' دریافت کیا گیا: وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا: ''آدمی کی خود اپنی خواہش نفس کے خلاف جدوجہد۔'' امام ابن تیمیہ اور دیگر علمائے محققین نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔

1 یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا متحمل نفس انسانی نہ ہو (ورنہ تھوڑی بہت محنت ومشقت تو ہر کام ہی میں اٹھانی پڑتی ہے) بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس نے منسوخ کر دیے۔ علاوہ ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا کر دیں، جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں، چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «اَلدِّيْنُ يُسْرٌ» (صحيح البخاري، حديث: 39) ''دین آسان ہے۔'' یعنی ہر دور میں دین کے احکام پر عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انسان عمل کرنے کی خواہش رکھے۔

2 عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور غیر عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بزرگ شخصیت کے طور پر اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح بیٹے باپ کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ تمام ہی لوگوں کے باپ تھے۔ علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کے (عرب ہونے کے ناطے سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ تھے، اس لیے امت محمدیہ کے بھی باپ ہوئے، اس لیے کہا گیا: یہ دین اسلام جسے اللہ نے تمھارے لیے پسند کیا ہے، تمھارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اسی کی پیروی کرو۔

3 ﴿هُوَ﴾ کا مرجع بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، یعنی نزول قرآن سے پہلے تمھارا نام مسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے رکھا ہے اور بعض کے نزدیک مرجع اللہ تعالیٰ ہے، یعنی اس نے تمھارا نام مسلم رکھا ہے۔

4 یہ گواہی قیامت والے دن ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ 2:143 کا حاشیہ)

اٰیاتھا: 118 (23) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (74) رکوعاتھا: 6

سورۂ مومنون مکی ہے، اس میں 118 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ①

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی ○ [1]

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ②

جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں ○ [2]

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③

جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ [3]

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④

جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں ○ [4]

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤

جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥

بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں ○

1 فَلَاح کے لغوی معنی ہیں: چیرنا، کاٹنا، کاشت کار کو بھی فَلَّاح کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں بیج بوتا ہے۔ مُفلِح (کامیاب) بھی وہ ہوتا ہے جو صعوبتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے یا کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔ شریعت کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کرلے اور اس کے بدلے میں آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کی سعادت و کامرانی بھی میسر آ جائے تو سبحان اللہ! ورنہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ گو دنیا والے اس کے برعکس دنیوی آسائشوں سے بہرہ ور کو ہی کامیاب سمجھتے ہیں۔ آیت میں ان مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جن میں ذیل کی صفات ہوں گی، مثلاً: اگلی آیات ملاحظہ ہوں۔

2 خشوع سے مراد قلب و جوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔ قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں قصداً خیالات و وساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی سعی کرے۔ اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھے، کھیل کود نہ کرے۔ بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے بلکہ خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔

3 ﴿اللَّغْوِ﴾ ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا اس میں دینی یا دنیوی نقصانات ہوں۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے، چہ جائیکہ انھیں اختیار یا ان کا ارتکاب کیا جائے۔

4 اس سے مراد بعض کے نزدیک زکاۃ مفروضہ ہے، (جس کی تفصیلات، یعنی اس کا نصاب اور زکاۃ کی شرح گو مدینہ میں بتلائی گئی تاہم) اس کا حکم مکے میں ہی دے دیا گیا تھا اور بعض کے نزدیک ایسے افعال کا اختیار کرنا ہے جس سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کی تطہیر ہو۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ⑦
اس کے سوا جو اور ڈھونڈیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں ○ [1]

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ⑧
جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ [2]

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ⑨ وقف لازم
جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں ○ [3]

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ⑩
یہی وارث ہیں ○

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪
جو فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ [4]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ⑫
یقیناً ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ○ [5]

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬
پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا ○ [6]

---

1 اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے اور جنسی خواہش کی تسکین کے لیے صرف دو ہی جائز طریقے ہیں۔ بیوی سے مباشرت کر کے یا لونڈی سے ہم بستری کر کے لیکن شرعی لونڈی کا وجود فی الحال ختم ہے، تاہم جب کبھی بھی حالات نے اسے دوبارہ وجود پذیر کیا تو بیوی ہی کی طرح اس سے مباشرت جائز ہوگی۔

2 أَمَانَاتٌ سے مراد مفوضہ ڈیوٹی کی ادائیگی، رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت ہے اور رعایت عہد میں اللہ سے کیے ہوئے میثاق اور بندوں سے کیے عہد و پیمان دونوں شامل ہیں۔

3 آخر میں پھر نمازوں کی حفاظت کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا جس سے نماز کی اہمیت وفضیلت واضح ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کے نزدیک دوسرے اعمال صالحہ کی طرح اس کی بھی کوئی اہمیت سرے سے باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ حالانکہ عہد رسالت وعہد صحابہ میں کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہی تھی۔

4 ان صفات مذکورہ کے حامل مومن ہی فلاح یاب ہوں گے جو جنت کے وارث، یعنی حق دار ہوں گے۔ جنت بھی جنت الفردوس جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 7423)

5 مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب أَبُو الْبَشَرِ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدائش ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے، وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس نطفے کی اصل جو خلقت انسانی کا باعث بنتی ہے، مٹی ہی ہے۔

6 محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے، جہاں عموماً نو مہینے بچہ بڑی حفاظت سے رہتا اور پرورش پاتا ہے۔

ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ۗ ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ⑭

پھر نطفے کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا، پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا،[1] پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔[2] برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھا ہے پیدا کرنے والوں میں ○[3]

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ؕ ⑮

اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو ○

ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ⑯

پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے ○

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا

ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں[4] اور ہم

---

1 اس کی کچھ تفصیل سورۂ حج کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے پھر بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں ﴿ مُّخَلَّقَةٍ ﴾ کا جو ذکر تھا، یہاں اس کی وضاحت ﴿ الۡمُضۡغَةَ ﴾ کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے اور ہڈیوں کو گوشت پہنانے سے کر دی ہے۔ ﴿ الۡمُضۡغَةَ ﴾ گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے کیونکہ محض گوشت میں تو کوئی صلابت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے نرا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا تو انسان میں وہ حسن و رعنائی نہ آتی جو ہر انسان کے اندر موجود ہے، اس لیے ان ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا کہیں کم کہیں زیادہ تاکہ اس کے قد و قامت میں غیر موزونیت اور بھدا پن پیدا نہ ہو بلکہ وہ حسن و جمال کا ایک پیکر اور قدرت کی تخلیق کا ایک شاہکار ہو۔ اسی چیز کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ○ ﴾ (التین95:4) ''ہم نے انسان کو احسن تقویم، یعنی بہت اچھی ترکیب یا بہت اچھے ڈھانچے میں بنایا۔''

2 اس سے مراد بچہ ہے جب وہ مقررہ مدت کے بعد ایک خاص شکل و صورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور حرکت و اضطراب کے ساتھ سمع و بصر اور ادراک کی قوتیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

3 ﴿ الۡخٰلِقِيۡنَ ﴾ یہاں ان صانعین کے معنی میں ہے جو خاص خاص مقداروں میں اشیاء کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے ہیں، یعنی ان تمام صنعت گروں میں اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے، پس سب سے زیادہ خیر و برکت والا وہ اللہ ہی ہے جو تمام صنعت کاروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت گر ہے۔

4 ﴿ طَرَآئِقَ ﴾ طَرِيقَةٌ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں۔ عرب اوپر تلے چیز کو بھی طَرِيقَة کہتے ہیں۔ آسمان بھی اوپر تلے ہیں، اس لیے انھیں ﴿ طَرَآئِقَ ﴾ کہا۔ یا طریقہ بمعنی راستہ ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا سیاروں کی گزرگاہ

عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ ⑰

مخلوقات سے غافل نہیں ہیں ○ [1]

وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ ۚ ⑱

ہم ایک صحیح اندازے سے آسمان سے پانی برساتے ہیں، [2] پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں، [3] اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں ○ [4]

فَاَنۡشَاۡنَا لَـكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ ۘ لَـكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ ⑲ وقف لازم

اسی پانی کے ذریعے سے ہم تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں کہ تمھارے لیے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں انھی میں سے تم کھاتے بھی ہو ○ [5]

وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ⑳

اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے ○ [6]

ہے، اس لیے انھیں طرائق قرار دیا۔

1 ﴿اَلۡخَلۡقِ﴾ سے مراد مخلوق ہے، یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ مخلوق ہلاک نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم مخلوق کے مصالح اور ان کی ضروریات زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کا انتظام کرتے ہیں۔ (فتح القدیر) اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا ہے، اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے، سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمھارے ساتھ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

2 یعنی نہ زیادہ کہ جس سے تباہی پھیل جائے اور نہ اتنا کم کہ پیداوار اور دیگر ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔

3 یعنی یہ انتظام بھی کیا کہ سارا پانی برس کر فوراً بہہ نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں، نہروں، دریاؤں اور تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا ہے (کیونکہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے) تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے، ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔

4 یعنی جس طرح ہم نے اپنے فضل و کرم سے پانی کا ایسا وسیع انتظام کیا ہے، وہیں ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ پانی کی سطح ہم اتنی نیچی کر دیں کہ تمھارے لیے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔

5 یعنی ان باغوں میں انگور اور کھجور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہوتے ہیں جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔

6 اس سے زیتون کا درخت مراد ہے جس کا روغن تیل کے طور پر اور پھل سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سالن کو

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿21﴾

تمھارے لیے چوپایوں میں بھی بڑی بھاری عبرت ہے۔ ان کے پیٹوں میں سے ہم تمھیں دودھ پلاتے ہیں اور بھی بہت سے نفع تمھارے لیے ان میں ہیں، ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو ○

ع 22/1 وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿22﴾

اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو ○ [1]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿23﴾

یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، کیا تم اس سے نہیں ڈرتے ○

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿24﴾

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ [2] اگر اللہ کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا، [3] ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں ○ [4]

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿25﴾

یقیناً اس شخص کو جنون ہے، پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو ○ [5]

﴿ صِبْغٍ ﴾ (رنگ) کہا ہے کیونکہ روٹی، سالن میں ڈوب کر، گویا رنگی جاتی ہے۔ طور سینا (پہاڑ) اور اس کا قرب وجوار خاص طور پر اس کی عمدہ قسم کی پیداوار کا علاقہ ہے۔

1 یعنی رب کی ان ان نعمتوں سے تم فیض یاب ہوتے ہو، کیا وہ اس لائق نہیں کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت اور اطاعت کرو۔

2 یعنی یہ تو تمھارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہوسکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے۔

3 یعنی اگر واقعی اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ہے تو وہ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو، وہ ہمیں آ کر توحید کا مسئلہ سمجھاتا۔

4 یعنی اس کی دعوت توحید، ایک نرالی دعوت ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔

5 یہ ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو، بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، بے وقوف اور کم عقل سمجھتا اور کہتا ہے۔

قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ بِمَا کَذَّبُوۡنِ ﴿26﴾

نوح نے دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر ○ [1]

فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ اَنِ اصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ وَحۡیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُکۡ فِیۡہَا مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ اَہۡلَکَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ مِنۡہُمۡ ۚ وَ لَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّہُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿27﴾

تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ جب ہمارا حکم آجائے [2] اور تنور ابل پڑے [3] تو تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے [4] اور اپنے اہل کو بھی، سوائے ان کے جن کی بابت بات پہلے گزر چکی ہے۔ [5] خبردار! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا، وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے ○ [6]

فَاِذَا اسۡتَوَیۡتَ اَنۡتَ وَ مَنۡ مَّعَکَ عَلَی الۡفُلۡکِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ نَجّٰنَا مِنَ

جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر باطمینان بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ہی دیوانہ ہے۔ اسے ایک وقت تک ڈھیل دو، موت کے ساتھ ہی اس کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔ یا ممکن ہے اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور اس دعوت کو ترک کر دے۔

1 ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ و دعوت کے بعد بالآخر رب سے دعا کی: ﴿فَدَعَا رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ○﴾ (القمر 10:54) ''نوح نے رب سے دعا کی، میں مغلوب اور کمزور ہوں میری مدد کر۔'' اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔

2 یعنی ان کو ہلاکت کا حکم آجائے۔

3 ﴿التَّنُّوۡرُ﴾ پر حاشیہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے ہاں کا معروف تنور نہیں، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے بلکہ روئے زمین مراد ہے کہ ساری زمین ہی چشمے میں تبدیل ہو گئی۔ نیچے زمین سے پانی چشموں کی طرح ابل پڑا۔ نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب پانی زمین سے ابل پڑے......الخ

4 یعنی حیوانات، نباتات اور ثمرات ہر ایک میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ) کشتی میں رکھ لے تاکہ سب کی نسل باقی رہے۔

5 یعنی جن کی ہلاکت کا فیصلہ ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے ہو چکا ہے، جیسے زوجۂ نوح اور ان کا پسر۔

6 یعنی جب عذاب کا آغاز ہو جائے تو ان ظالموں میں سے کسی پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تو کسی کی سفارش کرنی شروع کر دے کیونکہ ان کے غرق کرنے کا قطعی فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿28﴾	لوگوں سے نجات عطا فرمائی ○
وَقُلۡ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿29﴾	اور کہنا کہ اے میرے رب! [1] مجھے بابرکت جگہ اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے ○ [2]
اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ﴿30﴾	یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں [3] اور ہم بے شک آزمائش کرنے والے ہیں ○ [4]
ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿31﴾	ان کے بعد ہم نے اور بھی امت پیدا کی ○ [5]
فَاَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿32﴾ ع 2 10/2	پھر ان میں خود انھی میں سے رسول بھی بھیجا [6] کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، [7] تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ○

1 کشتی میں بیٹھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا کہ اس نے ظالموں کو بالآخر غرق کر کے ان سے نجات عطا فرمائی اور کشتی کے خیر وعافیت کے ساتھ کنارے پر لگنے کی دعا کرنا۔ ﴿وَقُلۡ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ○﴾

2 اس کے ساتھ وہ دعا بھی پڑھ لی جائے جو نبی ﷺ سواری پر بیٹھتے وقت پڑھا کرتے تھے۔«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ» ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ○ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ○﴾ (الزخرف 43:13،14)

3 یعنی اس سرگزشت نوح علیہ السلام میں کہ اہل ایمان کو نجات اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا، نشانیاں ہیں اس امر پر کہ انبیاء جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آتے ہیں، ان میں وہ سچے ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور کشمکش حق و باطل میں ہر بات سے آگاہ ہے اور وقت آنے پر اس کا نوٹس لیتا ہے اور اہل باطل کی پھر اس طرح گرفت کرتا ہے کہ اس کے شکنجے سے کوئی نکل نہیں سکتا۔

4 اور ہم انبیاء و رسل کے ذریعے سے یہ آزمائش کرتے رہے ہیں۔

5 اکثر مفسرین کے نزدیک قوم نوح کے بعد جس قوم کو اللہ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول بھیجا، وہ قوم عاد ہے کیونکہ اکثر مقامات پر قوم نوح کے جانشین کے طور پر عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قوم ثمود ہے کیونکہ آگے چل کر ان کی ہلاکت کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ صَيۡحَة (زبردست چیخ) نے ان کو پکڑ لیا اور یہ عذاب قوم ثمود پر آیا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین ہیں کہ ان کی ہلاکت بھی چیخ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔

6 یہ رسول بھی ہم نے انھی میں سے بھیجا جس کی نشوونما ان کے درمیان ہی ہوئی تھی اور جسے وہ اچھی طرح پہچانتے تھے، اس کے خاندان، مکان اور مولد ہر چیز سے واقف تھے۔

7 اس نے آکر سب سے پہلے وہی توحید کی دعوت دی جو ہر نبی کی دعوت و تبلیغ کا سرنامہ رہی ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝33

اور سرداران قوم [1] نے جواب دیا، جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انھیں دنیوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا، [2] کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور (پانی) جو تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے ○ [3]

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝34

اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو ○ [4]

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝35

کیا یہ تم سے اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر صرف خاک اور ہڈیاں رہ جاؤ گے تو تم پھر زندہ کیے جاؤ گے ○

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝36

نہیں نہیں دور اور بہت دور ہے وہ جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو ○ [5]

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝37

یہ تو صرف زندگانی دنیا ہی ہے ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اور یہ نہیں کہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے ○

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا

یہ تو بس ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا

---

1 یہ سرداران قوم ہی ہر دور میں انبیاء و رسل اور اہل حق کی تکذیب میں سرگرم رہے ہیں جس کی وجہ سے قوم کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی کیونکہ یہ نہایت بااثر لوگ ہوتے تھے، قوم انھی کے پیچھے چلنے والی ہوتی تھی۔

2 یعنی عقیدۂ آخرت پر عدم ایمان اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی، یہ دو بنیادی سبب تھے، اپنے رسول پر ایمان نہ لانے کے۔ آج بھی اہل باطل انھی اسباب کی بنا پر اہل حق کی مخالفت اور دعوت حق سے گریز کرتے ہیں۔

3 چنانچہ انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسے آج بھی بہت سے مدعیان اسلام کے لیے رسول کی بشریت کا تسلیم کرنا نہایت گراں ہے۔

4 وہ خسارہ یہی ہے کہ اپنے ہی جیسے انسان کو رسول مان کر تم اس کی فضیلت و برتری کو تسلیم کر لو گے جبکہ ایک بشر دوسرے بشر سے افضل کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مغالطہ ہے جو منکرین بشریت رسول کے دماغوں میں رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو رسالت کے لیے چن لیتا ہے تو وہ اس وحی رسالت کی وجہ سے دوسرے تمام غیر نبی انسانوں سے شرف و فضل میں بہت بالا اور نہایت ارفع ہو جاتا ہے۔

5 ﴿هَيْهَاتَ﴾ جس کے معنی دور کے ہیں، دو مرتبہ تاکید کے لیے ہے۔

نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿38﴾
قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿39﴾
قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿40﴾ۚ

ہے،[1] ہم تو اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○
نبی نے دعا کی کہ پروردگار! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر ○[2]
جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کیے پر پچھتانے لگیں گے ○[3]

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءًۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾

بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق چیخ[4] نے انھیں پکڑ لیا اور ہم نے انھیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا،[5] پس ظالموں کے لیے دوری ہو ○

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿42﴾ؕ
مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿43﴾ؕ

ان کے بعد ہم نے اور بھی بہت سی امتیں پیدا کیں ○[6]
نہ تو کوئی امت اپنے وقتِ مقررہ سے آگے بڑھی اور نہ پیچھے رہی ○[7]

---

1 یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ، یہ ایک افترا ہے جو یہ شخص اللہ پر باندھ رہا ہے۔

2 بالآخر، حضرت نوح علیہ السلام کی طرح، اس پیغمبر نے بھی بارگاہ الٰہی میں مدد کے لیے دست دعا دراز کر دیے۔

3 ﴿عَمَّا﴾ میں ما زائد ہے جو جار مجرور کے درمیان قلت زمان کی تاکید کے لیے آیا ہے، جیسے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ (آل عمران 159:3) میں ما زائد ہے، یعنی بہت جلد عذاب آنے والا ہے جس پر یہ پچھتائیں گے۔ لیکن اس وقت یہ پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

4 کہتے ہیں کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی، بعض کہتے ہیں کہ ویسے ہی سخت چیخ تھی جس کے ساتھ بادصرصر بھی تھی۔ دونوں نے مل کر ان کو چشم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

5 ﴿غُثَآءً﴾ اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے جس میں درختوں کے کھوکھلے، خشک تنے، تنکے، کانٹے اور اسی طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب پانی کا زور ختم ہو جاتا ہے تو یہ بھی خشک ہو کر بیکار پڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان مکذبین اور متکبرین کا ہوا۔

6 اس سے مراد حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں کیونکہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں اسی ترتیب سے ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک بنی اسرائیل مراد ہیں۔ ﴿قُرُوْنًا﴾ قَرْنٌ کی جمع ہے اور یہاں بمعنی امت استعمال ہوا ہے۔

7 یعنی یہ سب امتیں بھی قوم نوح اور عاد کی طرح، جب ان کی ہلاکت کا وقت موعود آ گیا، تباہ و برباد ہو گئیں۔ ایک لمحہ آگے پیچھے نہ ہوئیں، جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ○﴾ (الأعراف 34:7)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿44﴾

پھر ہم نے لگاتار [1] رسول بھیجے، جب کبھی جس امت کے پاس بھی اس کا رسول آیا اس نے جھٹلایا، پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے [2] لگا دیا اور انھیں افسانہ [3] بنا دیا۔ پس ان لوگوں کے لیے دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿45﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیل [4] کے ساتھ بھیجا ○

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ ﴿46﴾

فرعون اور اس کے لشکروں کی طرف، پس انھوں نے تکبر کیا اور تھے ہی وہ سرکش لوگ [5] ○

فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ ﴿47﴾

کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں؟ حالانکہ خود ان کی قوم (بھی) ہمارے ماتحت [6] ہے ○

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿48﴾

پس انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا آخر وہ بھی ہلاک شدہ لوگوں میں مل گئے ○

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

یقیناً ہم نے تو موسیٰ کو کتاب (بھی) دی کہ لوگ راہ راست

---

1 ﴿ تَتْرَا ﴾ کے معنی ہیں: یکے بعد دیگرے، متواتر، لگاتار۔

2 ہلاکت و بربادی میں، یعنی جس طرح یکے بعد دیگرے رسول آئے، اسی طرح تکذیب رسالت پر یہ قومیں یکے بعد دیگرے عذاب سے دوچار ہو کر ہست سے نیست ہوتی رہیں۔

3 جس طرح اَعَاجِیبُ اُعْجُوبَۃٌ کی جمع ہے (تعجب انگیز چیز یا بات) اسی طرح اَحَادِیثُ اُحْدُوثَۃٌ کی جمع ہے بمعنی زبان زد خلائق واقعات وقصص۔

4 آیات سے مراد وہ نو آیات ہیں جن کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے جن کی وضاحت گزر چکی ہے اور ﴿ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ سے مراد حجت واضحہ اور دلیل و برہان ہے جس کا کوئی جواب فرعون اور اس کے درباریوں سے نہ بن پڑا۔

5 استکبار اور اپنے کو بڑا سمجھنا، اس کی بنیادی وجہ بھی وہی عقیدۂ آخرت سے انکار اور اسباب دنیا کی فراوانی ہی تھی، جس کا ذکر پچھلی قوموں کے واقعات میں گزرا۔

6 یہاں بھی انھوں نے انکار کے لیے بطور دلیل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ''بشریت'' ہی پیش کی اور اسی بشریت کی تاکید کے لیے انھوں نے کہا کہ یہ دونوں اسی قوم کے افراد ہیں جو ہماری غلام ہے۔

يَهْتَدُوْنَ ﴿49﴾

پر آجائیں ○ [1]

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿50﴾ ع 3/18/3

اور ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنایا [2] اور ان دونوں کو بلند، صاف قرار والی اور جاری پانی [3] والی جگہ میں پناہ دی ○

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا

اے رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو [4] تم جو

---

1 امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد دی گئی۔ اور نزول تورات کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذاب عام سے ہلاک نہیں کیا بلکہ مومنوں کو یہ حکم دیا جاتا رہا کہ وہ کافروں سے جہاد کریں۔

2 کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی جو رب کی قدرت کی ایک نشانی ہے، جس طرح آدم کو بغیر ماں اور باپ کے اور حوا کو بغیر مادہ کے حضرت آدم سے اور دیگر تمام انسانوں کو ماں اور باپ سے پیدا کرنا اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

3 ﴿رَبْوَةٍ﴾ ''بلند جگہ'' سے بیت المقدس اور ﴿مَعِيْنٍ﴾ ''چشمہ جاری'' سے وہ چشمہ مراد ہے جو ایک قول کے مطابق ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت اللہ نے بطور خرق عادت حضرت مریم علیہا السلام کے پیروں کے نیچے سے جاری فرمایا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں گزرا۔

4 ﴿الطَّيِّبٰتِ﴾ سے مراد پاکیزہ اور لذت بخش چیزیں ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ حلال چیزیں کیا ہے۔ دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں کیونکہ ہر پاکیزہ چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے اور ہر حلال چیز پاکیزہ اور لذت بخش ہے۔ خبائث کو اللہ نے اسی لیے حرام کیا ہے کہ وہ اثرات و نتائج کے لحاظ سے پاکیزہ نہیں ہیں۔ گو خبائث خور قوموں کو اپنے ماحول اور عادت کی وجہ سے ان میں ایک گونہ لذت ہی محسوس ہوتی ہو۔ عمل صالح وہ ہے جو شریعت، یعنی قرآن و حدیث کے موافق ہو نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا سمجھیں کیونکہ لوگوں کو تو بدعات بھی بہت اچھی لگتی ہیں بلکہ اہل بدعت کے ہاں جتنا اہتمام بدعات کا ہے، اتنا فرائض اسلام اور سنن و مستحبات کا بھی نہیں ہے۔ اکل حلال کے ساتھ عمل صالح کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اکل حلال سے عمل صالح آسان ہو جاتا ہے اور عمل صالح انسان کو اکل حلال پر آمادہ اور اسی پر قناعت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تمام پیغمبروں کو ان دونوں باتوں کا حکم دیا، چنانچہ تمام پیغمبر محنت کر کے حلال کی روزی کمانے اور کھانے کا اہتمام کرتے رہے، جس طرح حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ (صحيح البخاري، حديث: 2072) ''وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قراریط کے عوض چراتا رہا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2262) آج کل بلیک میلروں، سمگلروں، رشوت و سود خوروں اور دیگر حرام خوروں نے محنت کر کے حلال روزی کمانے والوں کو حقیر

صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ﴿51﴾ | کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں ○

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿52﴾ | یقیناً تمھارا یہ دین ایک ہی دین ہے [1] اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو ○

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿53﴾ | پھر انھوں نے خود ہی اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے ○

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿54﴾ | پس آپ بھی انھیں ان کی غفلت ہی میں کچھ مدت پڑا رہنے دیں [2] ○

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ۙ﴿55﴾ | کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں؟ کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں ○

نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾ | تو اس سے ان کے لیے بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں ○

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ﴿57﴾ | یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں ○

وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿58﴾ | اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ○

اور پست طبقہ بنا کر رکھ دیا ہے درآں حالیکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں حرام خوروں کے لیے عزت و شرف کا کوئی مقام نہیں، چاہے وہ قارون کے خزانوں کے مالک ہوں، احترام و تکریم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے حلال کی روزی کھاتے ہیں چاہے روکھی سوکھی ہی ہو، اس لیے نبی ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حرام کمائی والے کا صدقہ قبول فرماتا ہے نہ اس کی دعا ہی۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1015) ہمیں بھی عزت اور ذلت کے ان معیاروں کو اپنانا چاہیے جو اللہ کے ہاں ہیں۔

1 ﴿اُمَّةً﴾ سے مراد دین ہے اور ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایک اللہ کی عبادت ہی کی دعوت پیش کی ہے۔ لیکن لوگ دین توحید چھوڑ کر الگ الگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے عقیدہ و عمل پر خوش ہے۔ چاہے وہ حق سے کتنا بھی دور ہو۔

2 غَمْرٌ: ماءِ کثیر (زیادہ پانی) کو کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ گمراہی کی تاریکیاں بھی اتنی گھمبیر ہوتی ہیں کہ اس میں گھرے ہوئے انسان کی نظروں سے حق اوجھل ہی رہتا ہے۔ غَمْرَۃ سے مراد یہاں حیرت، غفلت اور ضلالت ہے۔ آیت میں بطور تہدید ان کو چھوڑنے کا حکم ہے، مقصود وعظ و نصیحت سے روکنا نہیں ہے۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ ۙ﴿59﴾
اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ○

وَالَّذِيۡنَ يُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰى رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ ۙ﴿60﴾
اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ [1]

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ ﴿61﴾
یہی ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں ○

وَلَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا وَلَدَيۡنَا كِتٰبٌ يَّنۡطِقُ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿62﴾
ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، [2] اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے اور ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا ○

بَلۡ قُلُوۡبُهُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ مِّنۡ هٰذَا وَلَهُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ هُمۡ لَهَا عٰمِلُوۡنَ ﴿63﴾
بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت میں ہیں اور ان کے لیے اس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں [3] جنھیں وہ کرنے والے ہیں ○

حَتّٰٓى اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِيۡهِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا هُمۡ يَجۡـَٔرُوۡنَ ؕ﴿64﴾
یہاں تک کہ جب ہم نے اُن کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا [4] تو وہ بلبلانے لگے ○

---

1 یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ہمارا عمل یا صدقہ نامقبول قرار نہ پائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے، بدکاری کرتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ نامقبول نہ ٹھہریں۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3175، ومسند أحمد: 205/6)

2 یہی مضمون سورۂ بقرہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔

3 یعنی شرک کے علاوہ دیگر کبائر یا وہ اعمال مراد ہیں جو مومنوں کے اعمال (خشیت الٰہی، ایمان بالتوحید وغیرہ) کے برعکس ہیں، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

4 مُتۡرَفِيۡنَ سے مراد متکبر آسودہ حال (مُتَنَعِّمِينَ) ہیں۔ عذاب تو آسودہ اور غیر آسودہ حال دونوں کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن آسودہ حال لوگوں کا نام خصوصی طور پر شاید اس لیے لیا گیا ہے کہ قوم کی قیادت بالعموم انھی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، وہ جس طرف چاہیں، قوم کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کریں اور اس پر ڈٹے رہیں تو انھی کی دیکھا دیکھی قوم بھی ٹس سے مس نہیں ہوتی اور توبہ وندامت کی طرف نہیں آتی۔ یہاں مُتۡرَفِيۡنَ سے مراد

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿65﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿66﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿67﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ

آج مت بلبلاؤ یقیناً تم ہمارے مقابلے پر مدد نہ کیے جاؤ گے ○[1] میری آیتیں تو تمھارے سامنے پڑھی جاتی تھیں،[2] پھر بھی تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے بھاگتے تھے ○[3] اکڑتے اینٹھتے،[4] افسانہ گوئی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیتے تھے ○[5] کیا انھوں نے اس بات میں غور وفکر ہی نہیں کیا؟[6] بلکہ

وہ کفار ہیں جنھیں مال و دولت کی فراوانی اور اولاد و احفاد سے نواز کر مہلت دی گئی۔ جس طرح کہ چند آیات قبل ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یا مراد چودھری اور سردار قسم کے لوگ ہیں۔ اور عذاب سے مراد اگر دنیوی ہے تو جنگ بدر میں جو کفار مکہ مارے گئے بلکہ نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں بھوک اور قحط سالی کا جو عذاب مسلط ہوا تھا، وہ مراد ہے یا پھر مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مگر یہ سیاق سے بعید ہے۔

1 یعنی دنیا میں عذاب الٰہی سے دوچار ہو جانے کے بعد کوئی چیخ و پکار اور جزع فزع انھیں اللہ کی گرفت سے چھڑا نہیں سکتی۔ اسی طرح عذاب آخرت سے بھی انھیں چھڑانے والا یا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

2 یعنی قرآن مجید یا احکام الٰہی جن میں پیغمبر کے فرمودات بھی شامل ہیں۔

3 نُکُوص کے معنی ہیں: رَجَعَتِ قَهْقَرٰى ''الٹے پاؤں لوٹنا'' لیکن بطور استعارہ اعراض اور روگردانی کے معنی و مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، یعنی آیات و احکام الٰہی سن کر تم منہ پھیر لیتے تھے اور ان سے بھاگتے تھے۔

4 ﴿بِهٖ﴾ کا مرجع جمہور مفسرین نے البَیْتُ العَتِیقُ ''خانہ کعبہ'' یا حرم لیا ہے، یعنی انھیں اپنی تولیت خانہ کعبہ اور اس کا خادم و نگران ہونے کا جو غرہ تھا، اس کی بنا پر آیات الٰہی کا انکار کیا اور بعض نے اس کا مرجع قرآن کو بنایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل میں کبر و نخوت پیدا ہو جاتی جو انھیں قرآن پر ایمان لانے سے روک دیتی۔

5 سَمَرٌ کے اصل معنی ہیں: چاندنی، عام طور پر چاندراتوں میں کعبے کے اردگرد بیٹھ کر کفار مکہ باتیں کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ راتوں کی گفتگو کے لیے استعمال ہونے لگ گیا۔ یہاں اس کے معنی خاص طور پر ان باتوں کے ہیں جو قرآن کریم اور نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں وہ کرتے تھے اور اس کی بنا پر وہ حق کی بات سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے، یعنی چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے ہجر کے معنی ہذیان گوئی اور بعض نے فحش گوئی کے کیے ہیں، یعنی راتوں کی گفتگو میں تم قرآن کی شان میں ہذیان بکتے ہو یا بے ہودہ اور فحش باتیں کرتے ہو جن میں کوئی بھلائی نہیں، (فتح القدیر، أیسر التفاسیر)

6 بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس میں غور کر لیتے تو انھیں اس پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جاتی۔

يَأۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿68﴾

ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آیا تھا○ [1]

اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿69﴾

یا انھوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے منکر ہو رہے ہیں ○ [2]

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿70﴾

یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟ [3] بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لایا ہے۔ ہاں، ان میں اکثر حق سے چڑنے والے ہیں ○ [4]

وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿71﴾ ؕ

اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے۔ [5] حق تو یہ ہے کہ ہم نے انھیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں ○

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيۡرٌ ۖ وَّهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿72﴾

کیا آپ ان سے کوئی اجرت چاہتے ہیں؟ یاد رکھیے کہ آپ کے رب کی اجرت بہت ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رساں ہے ○

---

1 یہ ﴿اَمۡ﴾ منقطعہ ہے جو اِضراب وانتقال کے لیے آتا ہے، یعنی بَل کے معنی میں ہے، یعنی ان کے پاس وہ دین اور شریعت آئی ہے جس سے ان کے آباء واجداد زمانہ جاہلیت میں محروم رہے۔ جس پر انھیں اللہ کا شکر ادا کرنا اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔

2 یہ بطور توبیخ کے ہے کیونکہ وہ پیغمبر کے نسب، خاندان اور اسی طرح اس کی صداقت و امانت، راست بازی اور اخلاق و کردار کی بلندی کو جانتے تھے اور اس کا اعتراف کرتے تھے۔

3 یہ بھی زجر و توبیخ کے طور پر ہی ہے، یعنی اس پیغمبر نے ایسا قرآن پیش کیا ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، اسی طرح اس کی تعلیمات نوع انسانی کے لیے رحمت اور امن و سکون کا باعث ہیں۔ کیا ایسا قرآن اور ایسی تعلیمات ایسا شخص بھی پیش کر سکتا ہے جو دیوانہ اور مجنون ہو؟

4 یعنی ان کے اعراض اور استکبار کی اصل وجہ حق سے ان کی کراہت (ناپسندیدگی) ہے جو عرصہ دراز سے باطل کو اختیار کیے رکھنے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔

5 حق سے مراد دین اور شریعت ہے، یعنی اگر دین ان کی خواہشات کے مطابق اترے تو ظاہر بات ہے کہ زمین و آسمان کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے، مثلاً: وہ چاہتے ہیں کہ ایک معبود کی بجائے متعدد معبود ہوں، اگر فی الواقع ایسا ہو تو کیا نظام کائنات ٹھیک رہ سکتا ہے؟ وَعَلٰى هٰذَا الۡقِيَاسِ دیگر ان کی خواہشات ہیں۔

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿73﴾
وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ
الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿74﴾
وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿75﴾
وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا
لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿76﴾
حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ
شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿77﴾ ع 4/27/4
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾

یقیناً آپ تو انھیں راہِ راست کی طرف بلا رہے ہیں ○
بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے
راستے سے مڑ جانے والے ہیں ○ [1]
اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کی تکلیفیں دور کر دیں تو
وہ تو اپنی اپنی سرکشی میں جم کر اور بہکنے لگیں ○ [2]
اور ہم نے انھیں عذاب میں بھی پکڑا، تاہم وہ لوگ نہ تو
اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی ○ [3]
یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ
کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہو گئے ○ [4]
وہ اللہ ہے جس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل
پیدا کیے، مگر تم بہت (ہی) کم شکر کرتے ہو ○ [5]

---

1 یعنی صراط مستقیم سے ان کے انحراف کی وجہ آخرت پر عدم ایمان ہے۔

2 اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں جو بغض و عناد تھا اور کفر و شرک کی دلدل میں جس طرح وہ پھنسے ہوئے تھے، اس میں ان کا بیان ہے۔

3 عذاب سے مراد یہاں وہ شکست ہے جو جنگ بدر میں کفار مکہ کو ہوئی جس میں ان کے ستر آدمی بھی مارے گئے تھے یا وہ قحط سالی کا عذاب ہے جو نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں ان پر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ» (صحيح البخاري، حديث: 4824، وصحيح مسلم، حديث: 295-(675)) ’’اے اللہ! جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں سات سال قحط رہا، اسی طرح قحط سالی میں انھیں مبتلا کر کے ان کے مقابلے میں میری مدد فرما۔‘‘ چنانچہ کفار مکہ اس قحط سالی میں مبتلا کیے گئے جس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ اب تو ہم جانوروں کی کھالیں اور خون تک کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

4 اس سے دنیا کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی، جہاں وہ تمام راحت اور خیر سے مایوس اور محروم ہوں گے اور تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

5 یعنی عقل و فہم اور سننے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعے سے وہ حق کو پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں۔ یہی ان نعمتوں کا شکر ہے مگر یہ شکر کرنے والے، یعنی حق کو اپنانے والے کم ہی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَاِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿79﴾
اور وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے ○ [1]

وَهُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿80﴾
اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور رات دن کے ردوبدل [2] کا مختار بھی وہی ہے۔ کیا تم کو سمجھ بوجھ نہیں؟ ○ [3]

بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿81﴾
بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو پہلے لوگ کہتے چلے آئے ○

قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿82﴾
انھوں نے کہا: کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا پھر بھی ہم ضرور اٹھائے جائیں گے؟ ○

لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿83﴾
ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے ہی سے یہ وعدہ ہوتا چلا آیا ہے کچھ نہیں یہ تو صرف پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ○ [4]

قُلۡ لِّمَنِ الۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿84﴾
پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ ○

سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿85﴾
فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے ○

---

1 اس میں اللہ کی قدرت عظیمہ کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے تمھیں پیدا کر کے مختلف اطراف میں پھیلا دیا ہے، تمھارے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، زبانیں بھی مختلف اور عادات و رسومات بھی مختلف، پھر ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو زندہ کر کے وہ اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔

2 یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا، پھر رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا۔

3 جس سے تم یہ سمجھ سکو کہ یہ سب کچھ اس ایک اللہ کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے سامنے ہر چیز جھکی ہوئی ہے۔

4 ﴿اَسَاطِیۡرُ﴾ أُسۡطُورَةٌ کی جمع ہے، یعنی مُسَطَّرَةٌ مَكۡتُوبَةٌ لکھی ہوئی حکایتیں، کہانیاں، یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ کب سے ہوتا چلا آ رہا ہے، ہمارے آباء واجداد سے! لیکن ابھی تک روبہ عمل تو نہیں ہوا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿86﴾

دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ ○

سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿87﴾

وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ○ [1]

قُلۡ مَنۡۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿88﴾

پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے [2] اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، [3] اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ ○

سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ فَاَنّٰى تُسۡحَرُوۡنَ ﴿89﴾

یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟ ○ [4]

---

1 یعنی جب تمھیں تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا خالق بھی ایک اللہ ہی ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے تو پھر تمھیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے، پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟

2 یعنی جس کی وہ حفاظت کرنا چاہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لے، کیا اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟

3 یعنی جس کو وہ نقصان پہنچانا چاہے، کیا کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے کہ وہ اسے نقصان سے بچا لے اور اللہ کے مقابلے میں اپنی پناہ میں لے لے؟

4 یعنی پھر تمھاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی خالقیت و مالکیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے، انھیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا، یعنی عبادت صرف ایک اللہ کی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے، اس لیے نہیں کہ آسمان و زمین کی تخلیق یا اس کی تدبیر میں کوئی اور بھی شریک ہے بلکہ صرف اور صرف اس مغالطے کی بنا پر کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے تھے، ان کو بھی اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ یہی مغالطہ آج کل کے قبر پرست اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر وہ فوت شدگان کو مدد کے لیے پکارتے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور ان کو اللہ کی عبادت میں شریک گردانتے ہیں، حالانکہ اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے کسی فوت شدہ بزرگ، ولی یا نبی کو اختیارات دے رکھے ہیں، تم ان کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کر دیا انھیں مدد کے لیے پکارو یا ان کے نام کی نذر و نیاز دو۔ اسی لیے اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے انھیں حق پہنچا دیا، یعنی یہ اچھی طرح واضح کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اگر اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر رہے ہیں تو اس لیے

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿90﴾

حق یہ ہے کہ ہم نے انھیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں ○

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿91﴾

نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔ جو اوصاف یہ بتلاتے ہیں ان سے اللہ پاک ہے ○

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿92﴾ ع 5 15 5

وہ غائب حاضر کا جاننے والا ہے اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے ○

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿93﴾

آپ دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھائے جس کا وعدہ انھیں دیا جا رہا ہے ○

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿94﴾

تو اے رب! تو مجھے ان ظالموں کے گروہ میں نہ کرنا ○ [1]

وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿95﴾

ہم جو کچھ وعدے انھیں دے رہے ہیں سب آپ کو دکھا دینے پر یقیناً قادر ہیں ○

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿96﴾

برائی کو اس طریقے سے دور کریں جو سراسر بھلائی والا ہو، [2] جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہم بخوبی واقف ہیں ○

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ

اور دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں

نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، نہیں بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی کی وجہ سے اس شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ نہ ان کی کوئی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصے کی مخلوق کا انتظام اپنی مرضی سے کرتا اور ہر ایک شریک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام کائنات میں ایسی کشاکشی نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے جو مشرکین اس کی بابت باور کراتے ہیں۔

1 چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ دعا فرماتے تھے: «وَإِذَا أَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ» (جامع الترمذي، حديث: 3235، ومسند أحمد: 243/5) ”اے اللہ! جب تو کسی قوم پر آزمائش یا عذاب بھیجنے کا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے۔“

2 جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ”برائی ایسے طریقے سے دور کرو جو اچھا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارا دشمن بھی تمھارا گہرا دوست بن جائے گا۔“ (حٰمٓ السجدة 34:41)

الشَّيٰطِيْنِ ﴿97﴾
وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿98﴾

کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں ○ [1]
اور اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آجائیں ○ [2]

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿99﴾
لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿100﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے ○
کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں، [3] ہرگز ایسا نہیں ہوتا [4]، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، [5] ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان

---

1 چنانچہ نبی ﷺ شیطان سے اس طرح استعاذہ کرتے: «أَعُوْذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ» (سنن أبي داود، حديث:775، وجامع الترمذي، حديث:242)

2 اسی لیے نبی ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ہر اہم کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرو، یعنی بسم اللہ پڑھ کر کیونکہ اللہ کی یاد شیطان کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی لیے آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَمِنَ الْغَرَقِ وَأَعُوذُبِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ» (سنن أبي داود، حديث: 1552) ''اے اللہ! میں از حد بوڑھا ہو جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس سے کہ کوئی مکان یا دیوار مجھ پر آ گرے اور غرق ہو جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیطان مجھے موت کے وقت بدحواس کردے۔'' رات کو گھبراہٹ میں آپ یہ دعا بھی پڑھتے تھے: «بِاسْمِ اللهِ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ» (مسند أحمد: 181/2، وسنن أبي داود، حديث:3893، وجامع الترمذي، حديث: 3528) ''اللہ کے نام کے ساتھ، میں اللہ کے مکمل کلمات کے ذریعے سے پناہ مانگتا ہوں، اس کی ناراضی اور اس کی سزا اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسہ ڈالنے (گناہوں پر ابھارنے اور اکسانے) سے اور اس بات سے کہ وہ (شیطان) میرے پاس آئیں۔''

3 یہ آرزو ہر کافر موت کے وقت، دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت، بارگاہ الٰہی میں قیام کے وقت اور جہنم میں دھکیل دیے جانے کے وقت کرتا ہے اور کرے گا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (سورۂ انعام 28,27:6، سورۂ اعراف 53:7، سورۂ ابراہیم 44:41، سورۂ سجدہ 12:32، سورۂ فاطر 37:35، سورۂ مؤمن 12,11:40، سورۂ شوریٰ 24:32، سورۂ منافقون 11,10:63 وغيرها من الآيات)

4 ﴿كَلَّا﴾ ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے، یعنی ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ انھیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔

5 اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ یہ ایسی بات ہے کہ جو ہر کافر نزع (جانکنی) کے وقت کہتا ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ یہ

کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ○ [1]

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿101﴾

پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے نہ آپس کی پوچھ گچھ ○ [2]

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿102﴾

جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہوگیا وہ تو نجات والے ہوگئے ○

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿103﴾

اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہوگیا یہ ہیں وہ جنھوں نے اپنا نقصان آپ کرلیا جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے ○

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿104﴾

ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی [3] اور وہ وہاں بدشکل بنے ہوئے ہوں گے ○ [4]

بھی دنیا میں بھیج دیے جائیں تو ان کا یہ قول، قول ہی رہے گا، عمل صالح کی توفیق انھیں پھر بھی نصیب نہیں ہوگی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ (الأنعام6:28) ''اگر انھیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے انھیں منع کیا گیا تھا۔'' حضرت قتادہ فرماتے ہیں: کافر کی اس آرزو میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، کافر دنیا میں اپنے خاندان اور قبیلے کے پاس جانے کی آرزو نہیں کرے گا بلکہ عمل صالح کے لیے دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا، اس لیے زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ عمل صالح کر لیے جائیں تاکہ کل قیامت کو یہ آرزو کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ (ابن کثیر)

1 دو چیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان جو وقفہ ہے، اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہوگا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیان کی زندگی، جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جلا ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے، برزخ کی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہوگا۔ بظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہوگا یا راکھ بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا یا دریاؤں میں بہا دیا گیا ہوگا۔ یا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہوگا مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدان محشر میں جمع فرمائے گا۔

2 محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے ابتداءً ایسا ہوگا۔ بعد میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ بھی کریں گے۔

3 چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ انسانی وجود کا سب سے اہم اور اشرف حصہ ہے، ورنہ جہنم کی آگ تو پورے جسم کو ہی محیط ہوگی۔

4 اَلْکَالِحُ کے معنی ہوتے ہیں: ہونٹ سکڑ کر دانت ظاہر ہو جائیں۔ ہونٹ گویا دانتوں کا لباس ہیں، جب یہ

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿105﴾

کیا میری آیتیں تمھارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم انھیں جھٹلاتے تھے ○

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿106﴾

کہیں گے کہ اے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب[1] آ گئی (واقعی) ہم تھے ہی گمراہ ○

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿107﴾

اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں ○

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿108﴾

اللہ فرمائے گا: پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو ○

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿109﴾

میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ○

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿110﴾

(لیکن) تم انھیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے تم کو میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان سے مذاق ہی کرتے رہے ○

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿111﴾

میں نے آج انھیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں ○[2]

جہنم کی آگ سے سمٹ اور سکڑ جائیں گے تو دانت ظاہر ہو جائیں گے جس سے انسان کی صورت بدشکل اور ڈراؤنی ہو جائے گی۔

1 لذات اور شہوات کو، جو انسان پر غالب رہتی ہیں، یہاں بدبختی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان کا نتیجہ دائمی بدبختی ہے۔

2 دنیا میں اہل ایمان کے لیے ایک صبر آزما مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جب دین و ایمان کے مقتضیات پر عمل کرتے ہیں تو دین سے ناآشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انھیں استہزا و ملامت کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ کتنے ہی کمزور ایمان والے ہیں کہ وہ ان ملامتوں سے ڈر کر بہت سے احکام الٰہیہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں، جیسے داڑھی ہے، پردے کا مسئلہ ہے، شادی بیاہ کی ہندوانہ رسومات سے اجتناب ہے، وغیرہ وغیرہ۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کسی بھی ملامت کی پروا نہیں کرتے اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے کسی بھی موقع پر انحراف نہیں کرتے۔ ﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انھیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور انھیں کامیابی سے سرفراز کرے گا

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿112﴾
قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ
الْعَآدِّيْنَ ﴿113﴾
قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿114﴾
اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا
لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿115﴾
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿116﴾
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ
لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿117﴾

اللہ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ ○
وہ کہیں گے: ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، گنتی گننے
والوں سے بھی پوچھ لیجیے ○ [1]
اللہ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہوا ے
کاش! تم اسے پہلے ہی سے جان لیتے؟ ○ [2]
کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمھیں یونہی بیکار پیدا
کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے ○
اللہ سچا بادشاہ ہے، وہ بڑی بلندی والا ہے، [3] اس کے سوا
کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے ○ [4]
جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی
دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے
اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں ○ [5]

جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔ اَللّٰھُمَّ! اجْعَلْنَا مِنْھُمْ.

1 اس سے مراد فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال اور عمریں لکھنے پر مامور ہیں یا وہ انسان مراد ہیں جو حساب کتاب میں مہارت رکھتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیاں، ان کے ذہنوں سے دنیا کی عیش و عشرت کو محو کر دیں گی اور دنیا کی زندگی انھیں ایسے لگے گی جیسے دن یا آدھا دن، اس لیے وہ کہیں گے کہ ہم تو ایک دن یا اس سے بھی کم وقت دنیا میں رہے۔ بے شک تو فرشتوں سے یا حساب جاننے والوں سے پوچھ لے۔

2 اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں یقیناً دنیا کی زندگی بہت ہی قلیل ہے۔ لیکن اس نکتے کو دنیا میں تم نے نہیں جانا۔ کاش! تم دنیا میں اس حقیقت سے (دنیا کی بے ثباتی سے) آگاہ ہو جاتے تو آج تم بھی اہل ایمان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔

3 یعنی وہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ تمھیں بغیر کسی مقصد کے یوں ہی ایک کھیل کے طور پر بے کار پیدا کرے۔ اور تم جو چاہو کرو، تم سے اس کی کوئی باز پرس ہی نہ ہو بلکہ اس نے تمھیں ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ ہے اس کی عبادت کرنا۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

4 عرش کی صفت کریم بیان فرمائی کہ وہاں سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

5 اس سے معلوم ہوا کہ فلاح اور کامیابی آخرت میں عذاب الٰہی سے بچ جانا ہے، محض دنیا کی دولت اور آسائشوں

وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿118﴾ ع 26/6

اور کہو کہ اے میرے رب! تو بخش اور رحم کر اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے ○

اٰيَاتُهَا: 64 (24) سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ (102) رُكُوْعَاتُهَا: 9

سورۂ نور [1] مدنی ہے، اس میں 64 آیات اور 9 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿1﴾

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی ہے [2] اور مقرر کر دی ہے اور جس میں ہم نے کھلی آیتیں (احکام) اتاری ہیں تا کہ تم یاد رکھو ○

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ

زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ [3]

کی فراوانی، کامیابی نہیں، یہ تو دنیا میں کافروں کو بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے فلاح کی نفی فرما رہا ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اصل فلاح آخرت کی فلاح ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آئے گی نہ کہ دنیوی مال و اسباب کی کثرت جو کہ بلا تفریق مومن و کافر سب کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

1 سورۂ نور، احزاب اور نساء یہ تینوں سورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کے خصوصی مسائل اور معاشرتی زندگی کی بابت اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

2 قرآن کریم کی ساری ہی سورتیں اللہ کی نازل کردہ ہیں لیکن اس سورت کی بابت جو یہ کہا تو اس سے اس سورت میں بیان کردہ احکام کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

3 بدکاری کی ابتدائی سزا جو اسلام میں عبوری طور پر بتلائی گئی تھی، وہ سورۂ نساء، آیت:15 میں گزر چکی ہے، اس میں کہا گیا تھا کہ اس کے لیے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے، ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو! پھر جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا، اس کے مطابق بدکار مرد و عورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے، وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ ہے کنوارے (غیر شادی شدہ) مرد اور عورت کے لیے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کو سو سو کوڑے اور سنگساری کے ذریعے سے مار دینا۔ (صحيح مسلم، حديث: 12-(1690)، وسنن أبي داود، حديث: 4415، وجامع الترمذي، حديث:1434، وسنن ابن ماجه، حديث: 2550) پھر آپ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً سزائے رجم دی اور سو کوڑے (جو چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا صرف رجم (سنگساری) ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور عہد صحابہ میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں تمام امت کے فقہاء و علماء بھی اسی کے قائل رہے اور آج تک قائل ہیں۔ صرف خوارج نے اس سزا کا انکار کیا اور خوارج کے بعد اب فراہی فرقے کی ذیلی شاخ اصلاحی و غامدی فرقے کے ''امام ثانی و ثالث'' نے اس سزا کا انکار کیا ہے۔ اور منکرین حدیث بھی اس کے منکر ہیں۔

مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمھیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے، اگر تمھیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو۔[1] ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے ○[2]

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③

زانی مرد، بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے نکاح نہیں کرتا اور زنا کار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور سے نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا ○[3]

اس انکار کی اصل بنیاد ہی انکار حدیث پر ہے کیونکہ رجم کی سزا صحیح اور نہایت قوی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے روایت کرنے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ علماء نے اسے متواتر روایات میں شمار کیا ہے اس لیے ایک مسلمان شخص رجم کا انکار نہیں کر سکتا۔

1 اس کا مطلب یہ ہے کہ ترس کھا کر سزا دینے سے گریز مت کرو، ورنہ طبعی طور پر ترس کا آنا، ایمان کے منافی نہیں، یہ منجملہ خواص طبائع انسانی میں سے ہے۔

2 تاکہ سزا کا اصل مقصد کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، زیادہ وسیع پیمانے پر حاصل ہو سکے۔ بدقسمتی سے آج کل برسر عام سزا کو انسانی حقوق کے خلاف باور کرایا جا رہا ہے۔ یہ سراسر جہالت، احکام الٰہی سے بغاوت اور بزعم خویش اللہ سے بھی زیادہ انسانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بننا ہے۔ درآں حالیکہ اللہ سے زیادہ رؤف رحیم کوئی نہیں۔

3 اس کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

① بعض کہتے ہیں کہ یہ غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام طور پر بدکار قسم کے لوگ نکاح کے لیے اپنے ہی جیسے لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، چنانچہ زانیوں کی اکثریت زانیوں کے ساتھ ہی نکاح کرنا پسند کرتی ہے اور مقصود اس سے اہل ایمان کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح زنا ایک نہایت قبیح اور بڑا گناہ ہے، اسی طرح زنا کاروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا بھی منع اور حرام ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس مفہوم کو راجح قرار دیا ہے اور احادیث میں اس کا جو سبب نزول بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک شخص نے بدکار عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی انھیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ ایک شخص نے جس عورت سے یا عورت نے جس مرد سے بدکاری کی ہو۔ ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ خالص توبہ کر لیں تو پھر ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

② بعض کہتے ہیں کہ یہاں نکاح سے مراد معروف نکاح نہیں ہے بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے اور مقصد زنا کی شناعت وقباحت بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدکار مرد اپنی جنسی خواہش کی ناجائز طریقے سے تسکین کے لیے

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کرسکیں تو انھیں اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور یہ فاسق لوگ ہیں ○ [1]

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرلیں [2] تو اللہ بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے ○

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥

جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے ○

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ

اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ

بدکار عورت کی طرف اور اسی طرح بدکار عورت بدکار مرد کی طرف رجوع کرتی ہے، مومنوں کے لیے ایسا کرنا، یعنی زنا کاری حرام ہے۔ اور مشرک مرد و عورت کا ذکر اس لیے کر دیا کہ شرک بھی زنا سے ملتا جلتا گناہ ہے جس طرح مشرک اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے در پر جھکتا ہے اسی طرح ایک زنا کار اپنی بیوی کو چھوڑ کر یا بیوی اپنے خاوند کو چھوڑ کر غیروں سے اپنا منہ کالا کرتی ہے۔ یوں مشرک اور زانی کے درمیان ایک عجیب معنوی مناسبت پائی جاتی ہے۔

1 اس میں قذف (بہتان تراشی) کی سزا بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگائے (اسی طرح جو عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت عائد کرے) اور وہ بطور ثبوت چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان کے لیے تین حکم بیان کیے گئے ہیں: ① انھیں اسی (80) کوڑے لگائے جائیں ② ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے ③ وہ عنداللہ وعندالناس فاسق ہیں۔

2 توبہ سے کوڑوں کی سزا تو معاف نہیں ہوگی، وہ تائب ہو جائے یا اصرار کرے، یہ سزا تو بہر حال ملے گی، البتہ دوسری دو باتیں جو ہیں، مردود الشہادۃ اور فاسق ہونا، اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء اس استثنا کو فسق تک محدود رکھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہیں رہے گا۔ اور بعض مفسرین دونوں جملوں کو اس میں شامل سمجھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد مقبول الشہادۃ بھی ہو جائے گا۔ امام شوکانی ؒ نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے اور ﴿اَبَدًا﴾ کا مطلب بیان کیا ہے۔ مَادَامَ قَاذِفًا یعنی جب تک وہ بہتان تراشی پر قائم رہے گا۔ جس طرح کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہیں تو یہاں ''کبھی'' کا مطلب یہی ہوگا کہ جب تک وہ کافر ہے۔

مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ⑦
وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ
شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۙ ⑧
وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ
كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ⑨
وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ
ع 1 10 7 اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ ⑩ ع
اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ

جھوٹوں میں سے ہو ○ [1]
اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار
مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے
والوں میں سے ہے ○
اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس
کا خاوند سچوں میں سے ہو ○ [2]
اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا [3] (تو تم پر مشقت اترتی)
اور اللہ توبہ قبول کرنے والا با حکمت ہے ○
جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں [4] یہ بھی تم میں

---

1 اس میں لعان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی لیکن چونکہ زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار مردوں کی عینی گواہی ضروری ہے، اس لیے جب تک چار گواہ نہ ہوں، اس کی بیوی پر زنا کی حد نہیں لگ سکتی۔ لیکن ایسی صورت حال پیدا ہو جانے کے بعد شریعت نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ یہ شخص عدالت میں یا حاکم مجاز کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے یا یہ بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔

2 یعنی اگر خاوند کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے (اور یہ جھوٹی ہے) تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ تو اس صورت میں وہ زنا کی سزا سے بچ جائے گی۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی۔ اسے لعان اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دونوں ہی اپنے آپ کو جھوٹا ہونے کی صورت میں مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایسے بعض واقعات پیش آئے جن کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وہی واقعات ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔

3 اس کا جواب محذوف ہے تو تم میں سے جھوٹے پر فوراً اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن چونکہ وہ ﴿تَوَّابٌ﴾ ہے اور حکیم بھی، اس لیے ایک تو اس نے ستر پوشی کر دی تا کہ اس کے بعد اگر کوئی سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اسے اپنے دامان رحمت میں ڈھانپ لے گا اور حکیم بھی ہے کہ اس نے لعان جیسا مسئلہ بیان کر کے مرد اور عورت دونوں کے لیے ایک نہایت معقول اور آسان تجویز مہیا کر دی ہے۔

4 اِفْكٌ سے مراد وہ واقعۂ افک ہے جس میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت و عزت کو داغ دار کرنا چاہا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرما کر ان کی پاک دامنی اور عفت کو واضح تر کر دیا۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑪

سے ہی ایک گروہ ہے۔[1] تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تو تمھارے حق میں بہتر ہے۔[2] ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام دیا

مختصراً یہ واقعہ یوں ہے کہ حکم حجاب کے بعد غزوۂ بنی مصطلق (مریسیع) سے واپسی پر نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا، صبح کو جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج بھی، جو خالی تھا، اہل قافلہ نے یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس کے اندر ہی ہوں گی۔ اور وہاں سے روانہ ہو گئے، درآں حالیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے باہر گئی ہوئی تھیں اور وہاں پر اسے اپنے ہار کی تلاش میں، جو وہیں گر گیا تھا، دیر ہو گئی جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ چلا گیا۔ تو یہ سوچ کر وہیں لیٹ رہیں کہ جب ان کو میری غیر موجودگی کا علم ہو گا تو تلاش کے لیے واپس آئیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ آ گئے، جن کی ذمہ داری یہی تھی کہ قافلے کی رہ جانے والی چیزیں سنبھال لیں۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انھیں دیکھتے ہی إِنَّا لِلّٰهِ ...... الخ پڑھا اور سمجھ گئے کہ قافلہ غلطی سے یا لاعلمی میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یہیں چھوڑ کر آگے چلا گیا ہے، چنانچہ انھوں نے انھیں اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود نکیل تھامے پیدل چلتے قافلے کو جا ملے۔ منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح بعد میں اکیلے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتے دیکھا تو اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یہ تنہائی اور علیحدگی بے سبب نہیں اور یوں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مطعون کر دیا، درآں حالیکہ دونوں ان باتوں سے یکسر بے خبر تھے۔ بعض مخلص مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، مثلاً: حضرت حسان، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم (اس واقعہ کی پوری تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے) نبی ﷺ پورے ایک مہینے تک، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل نہیں ہوئی، سخت پریشان رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لاعلمی میں اپنی جگہ بے قرار و مضطرب۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ إِفْكٌ کے معنی ہیں: کسی چیز کو الٹا دینا۔ اس واقعے میں بھی چونکہ منافقین نے معاملے کو الٹا دیا تھا، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ثنا و تعریف کی مستحق تھیں، عالی نسب اور رفعت کردار کی مالک تھیں نہ کہ قذف کی۔ لیکن ظالموں نے اس پیکر عفت کو اس کے برعکس طعن اور بہتان تراشی کا ہدف بنا لیا۔

1 ایک گروہ اور جماعت کو ﴿ عُصْبَةٌ ﴾ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تقویت اور عصبیت کا باعث ہوتے ہیں۔

2 کیونکہ اس سے ایک تو تمھیں کرب اور صدمے کے سبب ثواب عظیم ملے گا، دوسرے آسمانوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے ان کی عظمت شان اور ان کے خاندان کا شرف و فضل نمایاں تر ہو گیا۔ علاوہ ازیں اہل ایمان کے لیے اس میں عبرت و موعظت کے اور کئی پہلو ہیں۔

ہےاس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے ○ [1]

لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ⑫

اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے ○ [2]

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬

وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں ○

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۚۖ ⑭

اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمھیں بہت بڑا عذاب پہنچتا ○

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮

جبکہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمھیں مطلق خبر نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی ○

وَلَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯

تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تہمت ہے ○ [3]

---

1 اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے جو اس سازش کا سرغنہ تھا۔

2 یہاں سے تربیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جا رہا ہے جو اس واقعے میں مضمر ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان ایک جان کی طرح ہیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام طرازی کی گئی تو تم نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے فوراً اس کی تردید کیوں نہ کی اور اسے بہتان صریح کیوں قرار نہیں دیا؟

3 دوسری بات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتلائی کہ اس بہتان پر انھوں نے ایک گواہ بھی پیش نہیں کیا جبکہ اس کے لیے چار گواہ ضروری تھے، اس کے باوجود تم نے ان بہتان تراشوں کو جھوٹا نہیں کہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسطح اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو حد قذف لگائی گئی۔ (مسند أحمد:35/6، وجامع الترمذي، حديث: 3181، وسنن أبي داود، حديث: 4475، وسنن ابن ماجه، حديث:2567) عبداللہ بن ابی کو سزا اس

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿17﴾

اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو ○

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿18﴾

اللہ تمھارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے، اور اللہ علم وحکمت والا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿19﴾

جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں،[1] اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے ○

لیے نہیں دی گئی کہ اس کے لیے آخرت کے عذاب عظیم کو ہی کافی سمجھ لیا گیا اور مومنوں کو سزا دے کر دنیا میں ہی پاک کر دیا گیا۔ دوسرے، اس کے پیچھے ایک پورا جتھہ تھا، اس کو سزا دینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نمٹنا اس وقت مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے مصلحتاً اسے سزا دینے سے گریز کیا گیا۔ (فتح القدیر)

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کا فضل واحسان تم پر نہ ہوتا تو تمھارا یہ رویہ کہ تم نے بلا تحقیق اس افواہ کو آگے پھیلانا شروع کر دیا، عذاب عظیم کا باعث تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ افواہ سازی اور اس کی نشر واشاعت بھی جرم عظیم ہے جس پر انسان عذاب عظیم کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔

چوتھی بات کہ یہ معاملہ براہ راست حرم رسول اور ان کی عزت وآبرو کا تھا لیکن تم نے اسے قرار واقعی اہمیت نہیں دی اور اسے ہلکا سمجھا۔ اس سے بھی یہ سمجھانا مقصود ہے کہ محض آبروریزی ہی بڑا جرم نہیں ہے کہ جس کی حد سو کوڑے یا رجم ہے بلکہ کسی کی عزت وآبرو پر اس طرح حملہ کرنا اور کسی عفت مآب خاندان کی تذلیل واہانت کا سروسامان کرنا بھی اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، اسے ہلکا مت سمجھو۔ اسی لیے آگے پھر مزید تاکید کرتے ہوئے کہا کہ تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یہ یقیناً بہتان عظیم ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو نام نہاد مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حیائی کا الزام عائد کرتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ وہ اللہ کی اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے (أیسر التفاسیر)

1 ﴿الْفَاحِشَةُ﴾ کے معنی بے حیائی کے ہیں اور قرآن نے بدکاری کو بھی فاحشہ قرار دیا ہے۔ (بنی إسرآءیل: 32:17) اور یہاں بدکاری کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے حیائی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسے دنیا وآخرت میں عذاب الیم کا باعث قرار دیا ہے، جس سے بے حیائی کے بارے میں اسلام کے مزاج کا اور اللہ تعالیٰ کے منشا کا اندازہ ہوتا ہے کہ محض بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت عنداللہ اتنا بڑا جرم ہے تو جو لوگ رات دن ایک مسلمان معاشرے میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، فلموں اور ڈراموں کے ذریعے سے بے حیائی پھیلا رہے ہیں اور گھر گھر اسے پہنچا رہے ہیں، اللہ کے ہاں یہ لوگ کتنے بڑے مجرم ہوں گے؟ اور ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین

وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿20﴾ ع

النصف 2 10 8

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بڑی شفقت رکھنے والا مہربان ہے [1] (تو تم پر عذاب اتر پڑتا) ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰـكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿21﴾

ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے، وہ تو بے حیائی اور برے کاموں ہی کا حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ [2] اور اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے ○

وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ وَلۡيَـعۡفُوۡا وَلۡيَـصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ

تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انھیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو اللہ کی راہ میں دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھارے

کیونکر اشاعت فاحشہ کے جرم سے بری الذمہ قرار پائیں گے؟ اسی طرح اپنے گھروں میں ٹی وی لا کر رکھنے والے، جس سے ان کی آئندہ نسلوں میں بے حیائی پھیل رہی ہے، وہ بھی اشاعت فاحشہ کے مجرم کیوں نہیں ہوں گے؟ اور یہی معاملہ روزنامہ اخبارات کا ہے کہ ان کا بھی گھروں کے اندر آنا اشاعت فاحشہ کا ہی سبب ہے، یہ بھی عنداللہ جرم ہو سکتا ہے۔ کاش! مسلمان اپنی ان ذمے داریوں کا احساس کریں اور اس بے حیائی کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی مقدور بھر سعی کریں۔

1 جواب محذوف ہے اور وہ یہ کہ پھر اللہ کا عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لیتا۔ یہ محض اس کا فضل اور اس کی شفقت و رحمت ہے کہ اس نے تمھارے اس جرم عظیم کو معاف فرما دیا۔

2 اس مقام پر شیطان کی پیروی سے ممانعت کے بعد یہ فرمانا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا، اس سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ واقعۂ افک میں ملوث ہونے سے بچ گئے، یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے جو ان پر ہوا، ورنہ وہ بھی اسی رو میں بہہ جاتے جس میں بعض مسلمان بہہ گئے تھے، اس لیے شیطان کے داؤ اور فریب سے بچنے کے لیے ایک تو ہر وقت اللہ سے مدد طلب کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے رہو اور دوسرے جو لوگ اپنے نفس کی کمزوری سے شیطان کے فریب کا شکار ہو گئے ہیں، ان کو زیادہ ہدف ملامت مت بناؤ بلکہ خیر خواہانہ طریقے سے ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

رَّحِيْمٌ ﴿22﴾

قصور معاف فرما دے؟[1] اللہ قصوروں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿23﴾

جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے ○[2]

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿24﴾

جس دن ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ○[3]

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ

اس دن اللہ انھیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ

---

1 حضرت مسطح رضی اللہ عنہ جو واقعۂ افک میں ملوث ہو گئے تھے، فقرائے مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے، اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی کفالت اور ان سے مالی تعاون کرتے تھے، جب یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف مہم میں شریک ہو گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا جو ایک فطری امر تھا، چنانچہ نزول براءت کے بعد غصے میں انھوں نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قسم (جو اگرچہ انسانی فطرت کے مطابق ہی تھی، تاہم مقام صِدِيقِيَّتُ اس سے بلند تر کردار کا متقاضی تھا) اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور یہ آیت نازل فرمائی جس میں بڑے پیار سے ان کے اس عاجلانہ بشری اقدام پر انھیں متنبہ فرمایا کہ تم سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھاری غلطیاں معاف فرماتا رہے تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری غلطیاں معاف فرما دے؟ یہ انداز بیان اتنا مؤثر تھا کہ اسے سنتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ساختہ پکار اٹھے: ''کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم ضرور یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرما دے۔'' اس کے بعد انھوں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق مسطح کی مالی سرپرستی شروع فرما دی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر)

2 بعض مفسرین نے اس آیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کہ اس آیت میں بطور خاص ان پر تہمت لگانے کی سزا بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے لیے توبہ نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے اور اس میں وہی حد قذف بیان کی گئی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اگر تہمت لگانے والا مسلمان ہے تو لعنت کا مطلب ہوگا کہ وہ قابل حد ہے اور مسلمانوں کے لیے نفرت اور بُعد کا مستحق۔ اور اگر کافر ہے تو مفہوم واضح ہی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ملعون، یعنی رحمت الٰہی سے محروم ہے۔

3 جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی اور احادیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿25﴾

دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے (اور وہی) ظاہر کرنے والا ہے ○

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿26﴾ ع 3/9

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔ [1] ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ بکواس یہ (بہتان باز) کررہے ہیں، وہ ان سے بالکل بری ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی ○ [2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، [3] یہی تمھارے لیے سراسر بہتر ہے

---

1 اس کا ایک مفہوم تو یہی بیان کیا گیا ہے جو ترجمے سے واضح ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً﴾ کے ہم معنی آیت ہوگی اور ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ﴾ اور ﴿اَلْخَبِيْثُوْنَ﴾ سے زانی مرد و عورت اور ﴿اَلطَّيِّبٰتُ﴾ اور ﴿اَلطَّيِّبُوْنَ﴾ سے مراد پاک دامن عورت اور مرد ہوں گے۔ دوسرے معنی اس کے ہیں کہ ناپاک باتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک باتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ ناپاک باتیں وہی مرد و عورت کرتے ہیں جو ناپاک ہیں اور پاکیزہ باتیں کرنا پاکیزہ مردوں اور عورتوں کا شیوہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناپاکی کا الزام عائد کرنے والے ناپاک اور ان سے اس کی براءت کرنے والے پاک ہیں۔

2 اس سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوگی۔

3 گزشتہ آیات میں زنا اور قذف اور ان کی حدوں کا بیان گزرا، اب اللہ تعالیٰ گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرما رہا ہے تاکہ مرد و عورت کے درمیان اختلاط نہ ہو جو عام طور پر زنا یا قذف کا سبب بنتا ہے۔ استیناس کے معنی ہیں: معلوم کرنا، یعنی جب تک تمھیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اندر کون ہے اور اس نے تمھیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے، اس وقت تک داخل نہ ہو۔ بعض نے ﴿تَسْتَاْنِسُوْا﴾ کے معنی تَسْتَاْذِنُوا کے کیے ہیں جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ آیت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر پہلے اور سلام کرنے کا ذکر بعد میں ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پہلے سلام کرتے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ اسی

تَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾

تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ○ [1]

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا
تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ
لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿28﴾

اگر وہاں تمھیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ، یہی بات تمھارے لیے پاکیزہ ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب جانتا ہے ○

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ
مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿29﴾

ہاں غیر آباد گھروں میں، جہاں تمھارا کوئی فائدہ یا اسباب ہو، جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ [2] تم جو کچھ بھی ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، اللہ سب کچھ جانتا ہے ○ [3]

طرح آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ آپ تین مرتبہ اجازت طلب فرماتے اگر کوئی جواب نہ آتا تو آپ واپس لوٹ آتے۔ اور یہ بھی آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اجازت طلبی کے وقت آپ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تا کہ ایک دم سامنا نہ ہو جس میں بے پردگی کا امکان رہتا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحيح البخاري، حديث: 6245، ومسند أحمد: 422/3، وسنن أبي داود، حديث: 5185، 5186) اسی طرح آپ ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 6902، وصحيح مسلم، حديث: 2158) آپ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ جب اندر سے صاحب بیت پوچھے، کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ''میں میں'' کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نام لے کر اپنا تعارف کرائے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6250، وصحيح مسلم، حديث: 38-(2155)، وسنن أبي داود، حديث: 5187)

1 یعنی عمل کرو، مطلب یہ ہے کہ اجازت طلبی اور سلام کرنے کے بعد گھر کے اندر داخل ہونا، دونوں کے لیے اچانک داخل ہونے سے بہتر ہے۔

2 اس سے مراد کون سے گھر ہیں جن میں بغیر اجازت لیے داخل ہونے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو بطور خاص مہمانوں کے لیے الگ تیار یا مخصوص کر دیے گئے ہوں۔ ان میں صاحب خانہ کی پہلی مرتبہ اجازت کافی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائے ہیں جو مسافروں کے لیے ہی ہوتی ہیں یا تجارتی گھر ہیں، ﴿مَتَاعٌ﴾ کے معنی، منفعت کے ہیں، یعنی جن میں تمھارا فائدہ ہو۔

3 اس میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو دوسروں کے گھروں میں داخل ہوتے وقت مذکورہ آداب کا خیال نہیں رکھتے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿30﴾

مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، [1] اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔ [2] یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ سب سے خبردار ہے ○

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ

مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں [3] اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، [4] سوائے اس کے جو ظاہر ہے [5] اور

---

1 جب کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا تو اس کے ساتھ ہی غَضِّ بَصر (آنکھوں کو پست رکھنے یا بند رکھنے) کا حکم دے دیا تا کہ اجازت طلب کرنے والا بھی بالخصوص اپنی نگاہوں پر کنٹرول رکھے۔

2 یعنی ناجائز استعمال سے اس کو بچائیں یا انھیں اس طرح چھپا کر رکھیں کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اس کے یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں کیونکہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں نظروں کی حفاظت کا پہلے ذکر کیا کیونکہ اس میں بے احتیاطی ہی حفظ فروج سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔

3 عورتیں بھی اگرچہ غض بصر اور حفظ فروج کے پہلے حکم میں داخل تھیں جو تمام مومنین کو دیا گیا ہے اور مومنین میں مومن عورتیں بھی بالعموم شامل ہی ہوتی ہیں لیکن ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر عورتوں کو بھی بطور خاص دوبارہ وہی حکم دیا جا رہا ہے جس سے مقصود تاکید ہے بعض علماء نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ اور بعض نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کا کھیل دیکھنے کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 454) بغیر شہوت کے مردوں کی طرف دیکھنے کی عورتوں کو اجازت دی ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابن ام مکتوم (نابینا، صحابی) کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ”تم وہاں اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکو گی۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 36-(1480)) اور جس حدیث میں بعض ازواج مطہرات کو حضرت ابن ام مکتوم سے پردہ کرنے کا حکم ہے، وہ سنداً ضعیف ہے، اس لیے وہ قابل حجت نہیں۔

4 زِينَتَ سے مراد وہ لباس اور زیور ہے جو عورتیں اپنے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے پہنتی ہیں جس کی تاکید انھیں اپنے خاوندوں کے لیے کی گئی ہے۔ جب لباس اور زیور کا اظہار غیر مردوں کے سامنے عورت کے لیے ممنوع ہے تو جسم کو عریاں اور نمایاں کرنے کی اجازت اسلام میں کب ہو سکتی ہے؟ یہ تو بطریق اولیٰ حرام اور ممنوع ہوگا۔

5 اس سے مراد وہ زینت اور حصۂ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو، جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے یا اس سے لیتے ہوئے ہتھیلیوں کا یا دیکھتے ہوئے آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پہنی ہو یا مہندی لگی

عَلٰی جُیُوۡبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوۡ نِسَآئِهِنَّ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَةِ مِنَ

اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں، [1] اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں، [2] سوائے اپنے خاوندوں کے [3] یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے [4] یا اپنے میل جول کی عورتوں کے [5] یا غلاموں

ہو، آنکھوں میں سرمہ، کاجل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقع یا چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت ہی ہے، تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت مباح ہے۔

1 تا کہ سر، گردن، سینے اور چھاتی کا پردہ ہو جائے کیونکہ انھیں بھی بے پردہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

2 یہ وہی زینت (سنگھار) یا آرائش ہے جسے ظاہر کرنے کی ممانعت اس سے پہلے کی گئی تھی، یعنی لباس اور زیور وغیرہ کی جو چادر یا برقع کے نیچے ہوتی ہے۔ یہاں اس کا ذکر اب استثنا کے ضمن میں آیا ہے، یعنی ان ان لوگوں کے سامنے اس زینت کا اظہار جائز ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

3 ان میں سرفہرست خاوند ہے۔ اسی لیے خاوند کو سب پر مقدم بھی کیا گیا ہے کیونکہ عورت کی ساری زینت خاوند ہی کے لیے ہوتی ہے اور خاوند کے لیے تو عورت کا سارا بدن ہی حلال ہے۔ اس کے علاوہ محارم اور مذکورہ افراد کا ہر وقت گھر میں آنا جانا رہتا ہے اور قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے یا دیگر وجوہ سے فطری و طبعی طور پر ایک دوسرے کی طرف جنسی میلان بھی نہیں ہوتا جس سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو شریعت نے ایسے لوگوں کے سامنے جن سے کوئی خطرہ نہ ہو اور تمام محارم کے سامنے زینت ظاہر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس مقام پر ماموں اور چچا کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں سے ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے اور بعض کے نزدیک یہ محارم میں سے نہیں ہیں۔ (فتح القدیر)

4 باپ میں دادا، پردادا، نانا، پرنانا اور اس سے اوپر سب شامل ہیں۔ اسی طرح خسر میں خسر کا باپ، دادا، پردادا، اوپر تک۔ بیٹوں میں پوتا، پرپوتا، نواسہ، پرنواسہ نیچے تک۔ خاوندوں کے بیٹوں میں پوتے، پرپوتے، نیچے تک، بھائیوں میں تینوں قسم کے بھائی (عینی، اخیافی اور علاتی) اور ان کے بیٹے، پوتے، پرپوتے، نواسے، نیچے تک۔ بھتیجوں میں ان کے بیٹے، نیچے تک اور بھانجوں میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد شامل ہے بلکہ رضاعی بہن کی اولاد بھی شامل ہے۔

5 ان سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی عورت کی زینت، اس کا حسن و جمال اور جسمانی خدوخال اپنے خاوند کے سامنے بیان کریں۔ بعض نے اس سے وہ مخصوص عورتیں مراد لی ہیں جو خدمت وغیرہ کے لیے ہر وقت ساتھ رہتی ہیں جن میں باندیاں (لونڈیاں) بھی شامل ہیں۔

الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿31﴾

کے [1] یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں [2] یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔ [3] اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے، [4] اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ ○ [5]

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو [6] اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا

---

1 بعض نے اس سے مراد صرف لونڈیاں اور بعض نے صرف غلام لیے ہیں اور بعض نے دونوں ہی۔ حدیث میں بھی صراحت ہے کہ غلام سے پردے کی ضرورت نہیں ہے۔ (سنن أبي داود، حديث:4106) اسی طرح بعض نے اسے عام رکھا ہے جس میں مومن اور کافر دونوں غلام شامل ہیں۔

2 بعض نے ان سے صرف وہ افراد مراد لیے ہیں جن کا گھر میں رہنے سے کھانے پینے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں۔ بعض نے بے وقوف، بعض نے نامرد اور خصی اور بعض نے بالکل بوڑھے مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن کے اندر بھی قرآن کی بیان کردہ صفت پائی جائے گی، وہ سب اس میں شامل اور دوسرے خارج ہوں گے۔

3 ان سے ایسے بچے خارج ہوں گے جو بالغ ہوں یا بلوغت کے قریب ہوں کیونکہ وہ عورتوں کے پردوں کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں۔

4 تا کہ پازیبوں کی جھنکار سے مرد اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اسی میں اونچی ایڑی کے وہ سینڈل بھی آ جاتے ہیں جنھیں عورت پہن کر چلتی ہے تو ٹک ٹک کی آواز زیور کی جھنکار سے کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ عورت کے لیے خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں جو عورت ایسا کرتی ہے، وہ بدکار ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2786، وسنن أبي داود، حديث: 4173)

5 یہاں پردے کے احکام میں توبہ کا حکم دینے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان احکام کی جو خلاف ورزی بھی تم کرتے رہے ہو، وہ چونکہ اسلام سے قبل کی باتیں ہیں، اس لیے اگر تم نے سچے دل سے توبہ کر لی اور ان احکام مذکورہ کے مطابق پردے کا صحیح اہتمام کر لیا تو فلاح و کامیابی اور دنیا و آخرت کی سعادت تمھارا مقدر ہے۔

6 ﴿الْاَيَامٰى﴾ أَيِّمٌ کی جمع ہے۔ أَيِّمٌ ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، جس میں کنواری، بیوہ اور مطلقہ تینوں آ جاتی ہیں۔ اور ایسے مرد کو بھی أَيِّمٌ کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ آیت میں خطاب اولیاء سے ہے کہ نکاح کر دو، یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کر لو، کہ مخاطب نکاح کرنے والے مرد و عورت ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت ولی کی اجازت

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿32﴾
وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ

بھی۔ [1] اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے امیر بنادے گا۔ [2] اللہ کشادگی والا اور علم والا ہے ○
اور ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے [3] یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل

اور رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی۔ جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» (سنن أبي داود، حديث:2085) ''ولی کے بغیر نکاح نہیں۔'' اور حدیث: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» (سنن أبي داود، حديث:2083 وارواء الغليل 243/6:) ''جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے۔'' یہ احادیث صحیح ہیں جس کی پوری تفصیل شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتاب إرواء الغليل:6/235-243 میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی ان کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (فيض الباري، النكاح، باب لا نكاح إلا بولي) ﴿ أَنْكِحُوا ﴾ امر کا صیغہ ہے جس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے جبکہ بعض نے اسے مباح اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے، تاہم استطاعت رکھنے والے کے لیے یہ سنت مؤکدہ ضرور ہے اور اس سے اعراض سخت وعید کا باعث ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (صحيح البخاري، حديث5063، وصحيح مسلم، حديث: 1401) ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔''

1 یہاں صالحیت سے مراد ایمان ہے، اس میں اختلاف ہے کہ مالک اپنے غلام اور لونڈیوں کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض اکراہ کے قائل ہیں، بعض نہیں، تاہم اندیشۂ ضرر کی صورت میں شرعاً مجبور کرنا جائز ہے۔ بصورت دیگر غیر مشروع۔ (أيسر التفاسير)

2 یعنی محض غربت اور تنگ دستی نکاح میں مانع نہیں ہونی چاہیے۔ ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ ان کی تنگ دستی کو اپنے فضل سے وسعت و فراخی میں بدل دے۔ حدیث میں آتا ہے۔ تین شخص ہیں جن کی اللہ ضرور مدد فرماتا ہے: نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کی نیت سے نکاح کرتا ہے، مکاتب غلام جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (جامع الترمذي، حديث:1655)

3 حدیث میں پاک دامنی کے لیے، جب تک شادی کی استطاعت حاصل نہ ہو جائے، نفلی روزے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا: ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے، اسے (اپنے وقت پر) شادی کر لینی چاہیے، اس لیے کہ اس سے آنکھوں اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا، اسے چاہیے کہ وہ (کثرت سے نفلی) روزے رکھے، روزے اس کی جنسی خواہش کو قابو میں رکھیں گے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1905، وصحيح مسلم، حديث: 1-(1400))

يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ۖ وَّاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَلَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿33﴾

سے مالدار بنا دے، تمھارے غلاموں میں سے جو کوئی کچھ تمھیں دے کر آزادی کی تحریر کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انھیں کر دیا کرو اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو [1] اور اللہ نے جو مال تمھیں دے رکھا ہے اس میں سے انھیں بھی دو، [2] تمھاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انھیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو [3] اور جو انھیں مجبور کر دے تو اللہ ان پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے ○ [4]

---

1 مُکاتَب اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنے مالک سے معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی رقم جمع کر کے ادا کر دوں گا تو آزادی کا مستحق ہو جاؤں گا۔ ''بھلائی نظر آنے'' کا مطلب ہے، اس کے صدق و امانت پر تمھیں یقین ہو یا کسی صنعت وحرفت سے وہ آگاہی رکھتا ہوتا کہ وہ محنت کر کے کمائے اور رقم ادا کر دے۔ اسلام نے چونکہ زیادہ سے زیادہ غلامی کی حوصلہ شکنی کی پالیسی ہے، اس لیے یہاں بھی مالکوں کو تاکید کی گئی کہ مکاتبت کے خواہش مند غلاموں سے معاہدہ کرنے میں تامل نہ کرو بشرطیکہ تمھیں ان کے اندر ایسی بات معلوم ہو کہ جس سے تمھاری رقم کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔ بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔

2 اس کا مطلب ہے کہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اس نے جو معاہدہ کیا ہے اور اب وہ رقم کا ضرورت مند ہے تاکہ معاہدے کے مطابق وہ رقم ادا کر دے تو تم بھی اس کے ساتھ مالی تعاون کرو اگر اللہ نے تمھیں صاحب حیثیت بنایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے جو آٹھ مصارف (التوبۃ 9:60 میں) بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک ﴿ وَفِي الرِّقَابِ ﴾ بھی ہے جس کے معنی ہیں: گردنیں آزاد کرانے میں، یعنی غلاموں کی آزادی پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

3 زمانۂ جاہلیت میں لوگ محض دنیوی مال کے لیے اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے، چنانچہ خواہی نخواہی انھیں یہ داغ ذلت برداشت کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ ﴿ اِنۡ اَرَدۡنَ ﴾ غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ مقصد یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری کو پسند کریں تو پھر تم ان سے یہ کام کروا لیا کرو۔ بلکہ حکم دینے کا یہ مقصود ہے کہ لونڈیوں سے دنیا کے تھوڑے سے مال کے لیے یہ کام مت کرواؤ، اس لیے کہ اس طرح کی کمائی ہی حرام ہے۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے: «نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ» (صحیح مسلم، حدیث: 1567) ''رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔''

4 یعنی جن لونڈیوں سے جبرًا یہ بے حیائی کا کام کروایا جائے گا تو گناہ گار مالک ہو گا، یعنی جبر کرنے والا، نہ کہ لونڈی جو مجبور ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''میری امت سے خطا، نسیان اور ایسے کام جو جبر سے کرائے گئے ہوں، معاف

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً
ع 4/8/10 لِّلْمُتَّقِيْنَ ع ﴿34﴾
اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ
كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ
زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ
يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا
شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ
وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ
يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ
اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہم نے تمھاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتار دی ہیں اور ان لوگوں کی کہاوتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ○
اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا، [1] اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، قریب ہے کہ خود وہ تیل آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے، [2] اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہے راہنمائی کرتا

ہیں۔'' (سنن ابن ماجه، حديث:2043)

1 یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں، نہ آسمان وزمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی، پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان وزمین کو روشن کرنے والا ہے اس کی کتاب نور ہے جس کے ذریعے سے زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی اور روشنی حاصل کی جاتی ہے، جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے، حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے۔ «وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ» (صحيح البخاري، حديث: 1120، وصحيح مسلم، حديث: 199-(769)) پس اللہ، اس کی ذات نور ہے، اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق، اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے۔ (أيسر التفاسير)

2 یعنی جس طرح ایک طاق میں ایسا چراغ ہو، جو شیشے کی قندیل میں ہو، اس میں ایک بابرکت درخت کا ایسا خاص تیل ڈالا گیا ہو کہ وہ آگ (دیا سلائی) دکھائے بغیر ہی بذات خود روشن ہو جانے کے قریب ہو۔ یوں یہ ساری روشنیاں ایک طاق میں مجتمع ہو گئیں اور وہ بقعۂ نور بن گیا۔ اسی طرح اللہ کے نازل کردہ دلائل و براہین کی حیثیت ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بھی، یعنی نُورٌ علی نُورٍ ''جو مشرقی ہے، نہ مغربی'' کا مطلب ہے، وہ درخت ایسے کھلے میدان اور صحرا میں ہے کہ اس پر دھوپ صرف سورج کے چڑھنے کے وقت یا غروب کے وقت ہی نہیں پڑتی بلکہ سارا دن وہ دھوپ میں رہتا ہے اور ایسے درخت کا پھل بہت عمدہ ہوتا ہے اور مراد اس سے زیتون کا

عَلِيۡمٌ ۙ﴿35﴾

ہے [1] لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے یہ مثالیں اللہ بیان فرما رہا ہے، [2] اور اللہ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے ○

فِيۡ بُيُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَيُذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ۙ﴿36﴾

ان گھروں میں جن کے ادب و احترام کا اور اللہ کا نام وہاں لیے جانے کا حکم ہے، [3] وہاں صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ○ [4]

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ

ایسے لوگ [5] جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے

درخت ہے جس کا پھل اور تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور چراغ میں تیل کے طور پر بھی۔

1 نور سے مراد ایمان واسلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اندر ایمان کی رغبت اور اس کی طلب دیکھتا ہے، ان کی اس نور کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے جس سے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔

2 جس طرح اللہ نے یہ مثال بیان فرمائی جس میں اس نے ایمان کو اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راسخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔

3 جب اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کو اور اس میں جو ایمان و ہدایت اور علم ہے، اس کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو شیشے کی قندیل میں ہو اور جو صاف شفاف تیل سے روشن ہو۔ تو اب اس کا محل بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ قندیلیں ایسے گھروں میں ہیں جن کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ مراد مسجدیں ہیں جو اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ بلندی سے مراد محض سنگ و خشت کی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں مسجدوں کو گندگی، لغویات اور غیر مناسب اقوال وافعال سے پاک رکھنا بھی شامل ہے۔ ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالی شان اور فلک بوس بنا دینا، مطلوب نہیں ہے بلکہ احادیث میں مسجدوں کو زرنگار اور زیادہ آراستہ و پیراستہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک حدیث میں تو اسے قرب قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 449) علاوہ ازیں جس طرح مسجدوں میں تجارت و کاروبار اور شور و شغب ممنوع ہیں کیونکہ یہ مسجد کے اصل مقصد، عبادت کے منافی ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے، اسی کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو مدد کے لیے پکارا جائے۔ ﴿وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ○﴾ (الجن 72:18) ”مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔“

4 تسبیح سے مراد نماز ہے۔ ﴿الۡاٰصَالِ﴾ أَصِيلٌ کی جمع ہے بمعنی شام، یعنی اہل ایمان جن کے دل ایمان و ہدایت کے نور سے روشن ہوتے ہیں، صبح و شام مسجدوں میں اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

5 اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگرچہ عورتوں کا مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ نہایت سادہ لباس میں، بغیر خوشبو لگائے اور باپردہ جائیں، جس طرح کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لیے

ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿37﴾

ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی ○ [1]

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿38﴾

اس ارادے سے کہ اللہ انھیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادتی عطا فرمائے۔ اللہ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے ○ [2]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿39﴾

اور کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے۔ [3] اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے ○

حاضر ہوتی تھیں، تاہم ان کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ حدیث میں بھی اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 570، ومسند أحمد: 297/6 و301)

1 یعنی شدت فزع اور ہولناکی کی وجہ سے۔ جس طرح دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ﴾ (المؤمن 18:40) ''ان کو قیامت والے دن سے ڈراؤ، جس دن دل گلوں کے پاس آجائیں گے، غم سے بھرے ہوئے۔'' ابتداءً دلوں کی یہ کیفیت سب کی ہی ہوگی، مومن کی بھی اور کافر کی بھی۔

2 قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ﴿ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ ''کئی کئی گنا'' کی صورت میں دیا جائے گا اور بہت سوں کو بے حساب ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں رزق کی فراوانی اور اس میں جو تنوع و تلذذ ہوگا، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

3 اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جنھیں کافر و مشرک نیکیاں سمجھ کر کرتے ہیں، جیسے صدقہ و خیرات، صلہ رحمی، بیت اللہ کی تعمیر اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ سراب اس چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دور سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے پانی نظر آتی ہے۔ سَرَابٌ کے معنی ہی چلنے کے ہیں۔ وہ ریت، چلتے ہوئے پانی کی طرح نظر آتی ہے۔ قِيعَةٌ قاع کی جمع ہے، زمین کا نشیبی حصہ، جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یا چٹیل میدان۔ یہ کافروں کے عملوں کی مثال ہے کہ جس طرح سراب دور سے پانی نظر آتا ہے، حالانکہ وہ ریت ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح کافر کے عمل عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے، ان کا کوئی صلہ انھیں نہیں ملے گا۔ ہاں جب وہ اللہ کے پاس جائے گا تو اللہ کو گھات

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝40 ع 5/6 11

یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو، پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں، الغرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے درپے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو قریب ہے کہ اسے بھی نہ دیکھ سکے،[1] اور بات یہ ہے کہ جسے اللہ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی ○[2]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین کی کل مخلوق اور پر پھیلائے[3] اڑنے والے کل پرند اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہر ایک کی نماز اور تسبیح اسے معلوم ہے،[4]

میں اپنا منتظر پائے گا، جہاں وہ اس کے عملوں کا پورا پورا حساب چکا لے گا۔

1 یہ دوسری مثال ہے کہ ان کے اعمال اندھیروں کی طرح ہیں، یعنی انھیں سراب سے تشبیہ دے لو یا اندھیروں سے۔ یا گزشتہ مثال کافر کے اعمال کی تھی اور یہ اس کے کفر کی مثال ہے جس میں کافر ساری زندگی گھرا رہتا ہے، کفر وضلالت کی اندھیری، اعمالِ سَيِّئَة وعقائد مشرکانہ کی اندھیری اور رب سے اور اس کے عذاب اخروی سے عدم واقفیت کی اندھیری۔ یہ اندھیریاں اسے راہ ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتیں۔ جس طرح اندھیرے میں انسان کو اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔

2 یعنی دنیا میں ایمان واسلام کی روشنی نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں بھی اہل ایمان کو ملنے والے نور سے وہ محروم رہیں گے۔

3 ﴿صٰٓفّٰتٍ﴾ کے معنی ہیں: بَاسِطَاتٍ اور اس کا مفعول اَجْنِحَتَهَا محذوف ہے۔ اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں پرندے بھی شامل تھے۔ لیکن یہاں ان کا ذکر الگ سے کیا، اس لیے کہ پرندے تمام حیوانات میں ایک نہایت ممتاز مخلوق ہے جو اللہ کی قدرت کاملہ سے آسمان وزمین کے درمیان فضا میں اڑتے ہوئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ یہ مخلوق اڑنے پر بھی قدرت رکھتی ہے جس سے دیگر تمام حیوانات محروم ہیں اور زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت بھی رکھتی ہے۔

4 یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو یہ علم الہام والقا کیا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح کس طرح کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بخت و اتفاق کی بات نہیں بلکہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا تسبیح کرنا اور نماز ادا کرنا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا ایک مظہر ہے، جس طرح ان کی تخلیق اللہ کی ایک صنعت بدیع ہے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔

يَفْعَلُوْنَ ﴿41﴾
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ
الْمَصِيْرُ ﴿42﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ
بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ
سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿43﴾

لوگ جو کچھ کریں اس سے اللہ بخوبی واقف ہے ○ [1]
زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ○ [2]
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر انھیں ملاتا ہے، پھر انھیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے۔ وہی آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑ میں سے اولے برساتا ہے، [3] پھر جنھیں چاہے ان کے پاس انھیں برسائے اور جن سے چاہے ان سے انھیں ہٹا دے۔ [4] بادل ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا

1 یعنی اہل زمین و اہل آسمان جس طرح اللہ کی اطاعت اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے، یہ گویا انسانوں اور جنوں کو تنبیہ ہے کہ تمھیں اللہ نے شعور اور ارادے کی آزادی دی ہے تو تمھیں تو دوسری مخلوقات سے زیادہ اللہ کی تسبیح وتحمید اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دیگر مخلوقات تو تسبیح الٰہی میں مصروف ہیں۔ لیکن شعور اور ارادہ سے بہرہ ور مخلوق اس میں کوتاہی کا ارتکاب کرتی ہے۔ جس پر یقیناً وہ اللہ کی گرفت کی مستحق ہوگی۔

2 پس وہی اصل حاکم ہے جس کے حکم کا کوئی تعاقب کرنے والا نہیں اور وہی معبود برحق ہے جس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کے بارے میں عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔

3 اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے برساتا ہے۔ (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ﴿السَّمَآءِ﴾ بلندی کے معنی میں ہے اور ﴿جِبَالٍ﴾ کے معنی ہیں بڑے بڑے ٹکڑے، پہاڑوں جیسے، یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے۔ (فتح القدیر) یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔

4 یعنی وہ اولے اور بارش بطور رحمت جنھیں چاہتا ہے، پہنچاتا ہے اور جنھیں چاہتا ہے ان سے محروم رکھتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ژالہ باری (اولے) کے عذاب سے جسے چاہتا ہے دوچار کر دیتا ہے جس سے ان کی فصلیں تباہ اور کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں اور جن پر اپنی رحمت کرنا چاہتا ہے ان کو اس سے بچا لیتا ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿44﴾
وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿45﴾
لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿46﴾
وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا

اب آنکھوں کی روشنی لے چلی ○ [1]
اللہ ہی دن اور رات کو ردو بدل کرتا رہتا ہے، [2] آنکھوں والوں کے لیے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں ○
تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، [3] بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ [4] بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، [5] اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ [6] بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○
بے شک ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتار دی ہیں اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے ○ [7]
اور کہتے ہیں: ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور فرماں بردار

---

1 یعنی بادلوں میں چمکنے والی بجلی جو عام طور پر بارش کی نوید جاں فزا ہوتی ہے اس میں اتنی شدت کی چمک ہوتی ہے کہ وہ آنکھوں کی بصارت لے جانے کے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اس کی صناعی کا ایک نمونہ ہے۔

2 یعنی کبھی دن بڑے، راتیں چھوٹی اور کبھی اس کے برعکس۔ یا کبھی دن کی روشنی کو بادلوں کی تاریکیوں سے اور رات کے اندھیروں کو چاند کی روشنی سے بدل دیتا ہے۔

3 جس طرح سانپ، مچھلی اور دیگر حشرات الارض کیڑے مکوڑے ہیں۔

4 جیسے انسان اور پرند ہیں۔

5 جیسے تمام چوپائے اور دیگر حیوانات ہیں۔

6 یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے بھی زیادہ پاؤں رکھتے ہیں، جیسے کیکڑا، مکڑی اور بہت سے زمینی کیڑے۔

7 ﴿اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے جس میں ہر اس چیز کا بیان ہے جس کا تعلق انسان کے دین و اخلاق سے ہے جس پر اس کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے۔ ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الأنعام 38:6) ''ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان میں کوتاہی نہیں کی۔'' جسے ہدایت نصیب ہونی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نظر صحیح اور قلب صادق عطا فرما دیتا ہے جس سے اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد یہی ہدایت کا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں، اسے اختیار کر کے انسان اپنی منزل مقصود (جنت) تک پہنچ جاتا ہے۔

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾

ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے۔ یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں ○[1]

وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿48﴾

جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے جھگڑے چکا دے تو بھی ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے ○

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ؕ﴿49﴾

ہاں اگر انھی کا حق ہو تو مطیع و فرماں بردار ہو کر اس کی طرف چلے آتے ہیں ○[2]

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿50﴾ ع

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا انھیں اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کریں گے؟ بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی بڑے ظالم ہیں ○[3]

---

1 یہ منافقین کا بیان ہے جو زبان سے اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن دلوں میں کفر وعناد تھا، یعنی اعتقاد صحیح سے محروم تھے، اس لیے زبان سے اظہار ایمان کے باوجود ان کے ایمان کی نفی کی گئی۔

2 کیونکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ عدالت نبوی سے جو فیصلہ صادر ہوگا، اس میں کسی کی رورعایت نہیں ہوگی، اس لیے وہاں اپنا مقدمہ لے جانے سے ہی گریز کرتے ہیں۔ ہاں اگر وہ جانتے ہیں کہ مقدمے میں وہ حق پر ہیں اور ان ہی کے حق میں فیصلہ ہونے کا غالب امکان ہے تو پھر خوشی خوشی وہاں آتے ہیں۔ اِذْعَانٌ کے معنی ہوتے ہیں: اقرار اور انقیاد و اطاعت کرنا۔

3 جب فیصلہ ان کے خلاف ہونے کا امکان ہوتا ہے تو اس سے اعراض و گریز کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ یا تو ان کے دلوں میں کفر ونفاق کا روگ ہے یا انھیں نبوت محمدی میں شک ہے یا انھیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کرے گا، حالانکہ ان کی طرف سے ظلم کا کوئی امکان ہی نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود ہی ظالم ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قضا و فیصلے کے لیے ایسے حاکم و قاضی کی طرف بلایا جائے جو عادل اور قرآن وسنت کا عالم ہو تو اس کے پاس جانا ضروری ہے، البتہ اگر وہ قاضی کتاب وسنت کے علم اور ان کے دلائل سے بے بہرہ ہو اور یہ جہل بسیط ہو، یعنی کچھ بھی علم نہ ہو یا جہل مرکب ہو، یعنی مجتہدین کے اجتہادات سے اسے کچھ آگاہی ہو لیکن براہ راست قرآن و حدیث کے علم سے ناآشنا ہو تو یہ بھی جاہل ہی ہے جس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ضروری نہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿51﴾

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انھیں اس لیے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔[1] یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿52﴾

جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، خوفِ الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں، وہی نجات پانے والے ہیں ○[2]

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿53﴾

بڑی پختگی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں[3] کہ آپ کا حکم ہوتے ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دیجیے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمھاری) اطاعت (کی حقیقت) معلوم ہے۔[4] جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے ○[5]

---

1 یہ اہل کفر و نفاق کے مقابلے میں اہل ایمان کے کردار و عمل کا بیان ہے۔

2 یعنی فلاح و کامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے اور انھی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الٰہی اور تقویٰ سے متصف ہیں نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔

3 ﴿جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ میں جَهْد فعل محذوف کا مصدر ہے جو بطور تاکید کے ہے، يَجْهَدُونَ أَيْمَانَهُمْ جَهْدًا یا یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی مُجْتَهِدِينَ فِي أَيْمَانِهِمْ مطلب یہ ہے کہ اپنی وسعت بھر قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

4 اور وہ یہ ہے کہ جس طرح تم قسمیں جھوٹی کھاتے ہو، تمھاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔ بعض نے یہ معنی کیے ہیں کہ تمھارا معاملہ طاعت معروفہ ہونا چاہیے، یعنی معروف میں بغیر کسی قسم کے حلف کے اطاعت جس طرح مسلمان کرتے ہیں، پس تم بھی ان کی مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

5 یعنی وہ تمھارے سب کے حالات سے باخبر ہے۔ کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان؟ پس حلف اٹھا کر اطاعت کے اظہار کرنے سے، جبکہ تمھارے دل میں اس کے خلاف عزم ہو، تم اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے، اس لیے کہ وہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے اور وہ تمھارے سینوں میں پلنے والے رازوں سے بھی آگاہ ہے اگرچہ تم زبان سے اس کے خلاف اظہار کرو!

قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ‌ۚ فَاِنۡ
تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ
مَّا حُمِّلۡتُمۡ‌ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا‌ ؕ وَمَا
عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿54﴾

کہہ دیجیے کہ اللہ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے[1] اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے،[2] ہدایت تو تمھیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو،[3] سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے ○[4]

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا
اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ
لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ
وَلَيُبَدِّلَـنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا‌ؕ
يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡـًٔـا‌ؕ وَمَنۡ كَفَرَ
بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿55﴾

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور ملک کا خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا،[5] وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ

---

1 یعنی تبلیغ ودعوت جو وہ ادا کر رہا ہے۔

2 یعنی اس کی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔

3 اس لیے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔

4 کوئی اس کی دعوت کو مانے یا نہ مانے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ○﴾ (الرعد 13:40) ”اے پیغمبر! تیرا کام صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے (کوئی مانتا ہے یا نہیں) یہ حساب ہماری ذمہ داری ہے۔“

5 بعض نے اس وعدۂ الٰہی کو صحابۂ کرام کے ساتھ یا خلفائے راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور عہد خیر القرون میں، اس وعدۂ الٰہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین ”اسلام“ کو عروج دیا اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ پہلے مسلمان کفار عرب سے ڈرتے تھے، پھر اس کے برعکس معاملہ ہو گیا۔ نبی ﷺ نے بھی جو پیش گوئیاں فرمائی تھیں، وہ بھی اس عہد میں پوری ہوئیں، مثلاً: آپ نے فرمایا تھا کہ حیرہ سے ایک عورت تن تنہا اکیلی چلے گی اور بیت اللہ کا آ کر طواف کرے گی۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿56﴾
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي
الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ
ع 7/7 13 الْمَصِيْرُ ﴿57﴾ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا

کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔[1] اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں ○[2]
نماز کی پابندی کرو، زکاۃ ادا کرو اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○[3]
یہ خیال آپ کبھی بھی نہ کرنا کہ منکر لوگ زمین میں (ادھر ادھر بھاگ کر) ہمیں ہرا دینے والے ہیں۔[4] ان کا اصلی ٹھکانا تو جہنم ہے جو یقیناً بہت ہی برا ٹھکانا ہے ○
ایمان والو! تم سے تمھاری ملکیت کے غلاموں کو اور انھیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں (اپنے آنے کی)

اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا۔ کسریٰ کے خزانے تمھارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3595) نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: «إِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا» (صحيح مسلم، حديث: 19-(2889)) ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا، پس میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھے، عنقریب میری امت کا دائرۂ اقتدار وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک میرے لیے زمین سکیڑ دی گئی۔'' حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی اور فارس وشام اور مصر وافریقہ اور دیگر دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر وشرک کی جگہ توحید وسنت کی مشعلیں ہر جگہ روشن ہو گئیں۔ اور اسلامی تہذیب وتمدن کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرا گیا۔ لیکن یہ وعدہ چونکہ مشروط تھا، جب مسلمان ایمان میں کمزور اور عمل صالح میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے ان کی عزت کو ذلت میں، ان کے اقتدار اور غلبے کو غلامی میں اور ان کے امن واستحکام کو خوف اور دہشت میں بدل دیا۔

1 یہ بھی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ایک اور بنیادی شرط ہے جس کی وجہ سے مسلمان اللہ کی مدد کے مستحق اور اس وصف توحید سے عاری ہونے کے بعد وہ اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔

2 اس کفر سے مراد وہی ایمان، عمل صالح اور توحید سے محرومی ہے جس کے بعد ایک انسان اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا اور کفر وفسق کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

3 یہ مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ اللہ کی رحمت اور مدد حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے جس پر چل کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ رحمت اور مدد حاصل ہوئی۔

4 یعنی آپ کے مخالفین اور مکذبین اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔

الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿58﴾

تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد،[1] یہ تینوں وقت تمھارے پردے (اور خلوت) کے ہیں۔[2] ان وقتوں کے ماسوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔[3] تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے جانے والے ہو،[4] اللہ اس طرح کھول کھول کر اپنے احکام تم سے بیان فرما رہا ہے۔ اللہ پورے علم اور کامل حکمت والا ہے ○

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ

اور تمھارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس

---

1 غلاموں سے مراد باندیاں اور غلام دونوں ہیں، ﴿ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ کا مطلب ثلاث اوقات تین وقت ہیں۔ یہ تینوں اوقات ایسے ہیں کہ انسان گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ ایسے لباس میں ہوسکتا ہے کہ جس میں کسی کا ان کو دیکھنا جائز اور مناسب نہیں، اس لیے ان اوقات ثلاثہ میں گھر کے ان غلام لونڈیوں اور نابالغ بچوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ بغیر اجازت طلب کیے گھر کے اندر داخل ہوں۔

2 ﴿عَوْرٰتٍ﴾ عَوْرَةٌ کی جمع ہے جس کے اصل معنی خلل اور نقص کے ہیں، پھر اس کا اطلاق ایسی چیز پر کیا جانے لگا جس کا ظاہر کرنا اور اس کو دیکھنا پسندیدہ نہ ہو۔ خاتون کو بھی اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر اور عریاں ہونا اور دیکھنا شرعًا ناپسندیدہ ہے۔ یہاں مذکورہ تین اوقات کو عورات کہا گیا ہے، یعنی یہ تمھارے پردے اور خلوت کے اوقات ہیں جن میں تم اپنے مخصوص لباس اور ہیئت کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔

3 یعنی ان اوقات ثلاثہ کے علاوہ گھر کے مذکورہ خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اجازت طلب کیے بغیر گھر کے اندر آ جاسکتے ہیں۔

4 یہ وہی وجہ ہے جو حدیث میں بلی کے پاک ہونے کی بیان کی گئی ہے۔ «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ» ”بلی ناپاک نہیں ہے اس لیے کہ وہ بکثرت تمھارے پاس (گھر کے اندر) آنے جانے والی ہے۔“ (سنن أبي داود، حديث: 75، و جامع الترمذي، حديث: 92) خادم اور مالک ان کو بھی آپس میں ہر وقت ایک دوسرے سے ملنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی ضرورت عامہ کے پیش نظر اللہ نے یہ اجازت مرحمت فرما دی کیونکہ وہ علیم ہے، لوگوں کی ضروریات اور حاجات کو جانتا ہے اور حکیم ہے، اس کے ہر حکم میں بندوں کے مفادات اور حکمتیں ہیں۔

فَلۡيَسۡتَاۡذِنُوۡا كَمَا اسۡتَاۡذَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اٰيٰتِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿59﴾

وَالۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِىۡ لَا يَرۡجُوۡنَ نِكَاحًا فَلَيۡسَ عَلَيۡهِنَّ جُنَاحٌ اَنۡ يَّضَعۡنَ ثِيَابَهُنَّ غَيۡرَ مُتَبَـرِّجٰتٍۢ بِزِيۡنَةٍ‌ ؕ وَاَنۡ يَّسۡتَعۡفِفۡنَ خَيۡرٌ لَّهُنَّ‌ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿60﴾

لَـيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ

طرح ان سے پہلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انھیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے،[1] اللہ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ ہی علم وحکمت والا ہے ○

اور بڑی بوڑھی عورتیں جنھیں نکاح کی امید اور خواہش ہی نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں،[2] تاہم اگر ان سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے بہت افضل ہے،[3] اور اللہ سنتا جانتا ہے ○

اندھے پر، لنگڑے پر، بیمار پر اور خود تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھالو یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے[4] یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے

---

1 ان بچوں سے مراد احرار بچے ہیں، بلوغت کے بعد ان کا حکم عام مردوں کا سا ہے، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی کسی کے گھر آئیں تو پہلے اجازت طلب کریں۔

2 ان سے مراد وہ بوڑھی اور ازکار رفتہ عورتیں ہیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اور ولادت کے قابل نہ رہی ہوں۔ اس عمر میں بالعموم عورت کے اندر مرد کے لیے فطری طور پر جو جنسی کشش ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے، نہ وہ کسی مرد سے نکاح کی خواہش مند ہوتی ہیں، نہ مرد ہی ان کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو پردے میں تخفیف کی اجازت دے دی گئی ہے ''کپڑے اتار دیں'' سے وہ کپڑا مراد ہے جو شلوار قمیص کے اوپر عورت پردے کے لیے بڑی چادر یا برقع وغیرہ کی شکل میں لیتی ہے بشرطیکہ مقصد اپنی زینت اور بناؤ سنگھار کا اظہار نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی جنسی کشش کھو جانے کے باوجود اگر بناؤ سنگھار کے ذریعے سے اپنی ''جنسیت'' کو نمایاں کرنے کے مرض میں مبتلا ہو تو اس تخفیف پردہ کے حکم سے وہ مستثنیٰ ہوگی اور اس کے لیے مکمل پردہ کرنا ضروری ہوگا۔

3 یعنی مذکورہ بوڑھی عورتیں بھی پردے میں تخفیف نہ کریں بلکہ بدستور بڑی چادر یا برقع بھی استعمال کرتی رہیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

4 اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں جاتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آیت میں مذکور معذورین کو اپنے

اَعۡمَامِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ عَمّٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَخۡوَالِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ خٰلٰتِکُمۡ اَوۡ مَا مَلَکۡتُمۡ مَّفَاتِحَہٗۤ اَوۡ صَدِیۡقِکُمۡ ؕ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا جَمِیۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّۃً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً ؕ

ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں [1] کے گھروں سے، تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔ [2] پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرلیا کرو [3] دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ

گھروں کی چابیاں دے جاتے اور انھیں گھر کی چیزیں بھی کھانے پینے کی اجازت دے دیتے۔ لیکن یہ معذور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے باوجود، مالکوں کی غیر موجودگی میں، وہاں سے کھانا پینا جائز نہ سمجھتے، اللہ نے فرمایا کہ مذکورہ افراد کے لیے اپنے اقارب کے گھروں سے یا جن گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں، ان سے کھانے پینے میں کوئی حرج (گناہ) نہیں ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تندرست صحابہ معذور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا اس لیے ناپسند کرتے کہ وہ معذوری کی وجہ سے کم کھائیں گے اور یہ زیادہ کھا جائیں گے، اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں ظلم کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ اسی طرح خود معذور صحابہ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ کھانا اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت محسوس نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے وضاحت فرمادی کہ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں ہے۔

1 تاہم بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ اس سے وہ عام قسم کا کھانا مراد ہے جس کے کھا جانے سے کسی کو گرانی محسوس نہیں ہوتی، البتہ ایسی عمدہ چیزیں جو مالکوں نے خصوصی طور پر الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی نظر ان پر نہ پڑے، اسی طرح ذخیرہ شدہ چیزیں، ان کا کھانا اور ان کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ (أیسر التفاسیر) اسی طرح یہاں بیٹوں کے گھروں کا ذکر نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹوں کے گھر انسان کے اپنے ہی گھر ہیں، جس طرح حدیث میں ہے: «أَنْتَ وَ مَالُكَ لِأَبِيكَ» (سنن ابن ماجه، حديث: 2291، ومسند أحمد: 214,204,179/2) ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔'' دوسری حدیث ہے: «وَلَدُ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ» (سنن أبي داود، حديث:3529، وسنن ابن ماجه، حديث: 2137 وصححه الألباني) ''آدمی کی اولاد، اس کی کمائی سے ہے۔'' اس لیے بیٹوں کے گھروں سے بھی کھانا جائز ہے۔

2 اس میں ایک اور تنگی کا ازالہ فرمادیا گیا ہے۔ بعض لوگ اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے اور کسی کو ساتھ بٹھا کر کھانا ضروری خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اکٹھے کھالو یا الگ الگ، دونوں طرح جائز ہے، گناہ کسی میں نہیں، البتہ اکٹھے ہو کر کھانا زیادہ باعث برکت ہے جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

3 اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض کرو، آدمی کو اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا بالعموم گراں گزرتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں۔ آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
8 ع 4 14 تَعْقِلُوْنَ ﴿61﴾
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ
جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ
لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ
مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿62﴾

ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ، یوں ہی اللہ کھول کھول کرتم سے اپنے احکام بیان فرمارہا ہے تاکہ تم سمجھ لو ○

باایمان لوگ تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملے میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے۔ جو لوگ ایسے موقع پر آپ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں یہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں،[1] پس جب ایسے لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا مانگیں، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ
بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ
يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ
فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾

تم اللہ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرلو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا ہے۔[2] تم میں سے انھیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں۔[3] سنو جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست

1 یعنی جمعہ وعیدین کے اجتماعات میں یا داخلی وبیرونی مسئلے پر مشاورت کے لیے بلائے گئے اجلاس میں اہل ایمان تو حاضر ہوتے ہیں، اسی طرح اگر وہ شرکت سے معذور ہوتے ہیں تو اجازت طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ منافقین ایسے اجتماعات میں شرکت سے اور آپ ﷺ سے اجازت مانگنے پر گریز کرتے ہیں۔

2 اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، رسول اللہ ﷺ کو اس طرح مت پکارو، مثلاً: یا محمد! بلکہ یارسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہو۔ (یہ آپ کی زندگی کے لیے تھا جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ضرورت پیش آتی تھی کہ آپ سے مخاطب ہوں) دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول کی بددعا کو دوسروں کی بددعا کی طرح مت سمجھو، اس لیے کہ آپ کی دعا تو قبول ہوتی ہے، اس لیے نبی کی بددعا مت لو، تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

3 یہ منافقین کا رویہ ہوتا تھا کہ اجتماعِ مشاورت سے چپکے سے کھسک جاتے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ
يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿64﴾ ع 9/3/15

آفت نہ آپڑے [1] یا انھیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے ○ آگاہ ہو جاؤ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ [2] جس روش پر تم ہو وہ اسے بخوبی جانتا ہے، [3] اور جس دن یہ سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، اس دن ان کو ان کے کیے سے وہ خبردار کر دے گا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے ○

آیاتها: 77 (25) سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ (42) رکوعاتها: 6

سورۂ فرقان مکی ہے، اس میں 77 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ
لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿1﴾

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان [4] اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے [5] لیے آگاہ کرنے

---

1 اس آفت سے مراد دلوں کی وہ کجی ہے جو انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ نبی ﷺ کے احکام سے سرتابی اور ان کی مخالفت کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور ایمان سے محرومی اور کفر پر خاتمہ، جہنم کے دائمی عذاب کا باعث ہے جیسا کہ آیت کے اگلے جملے میں فرمایا: پس نبی ﷺ کے منہاج، طریقے اور سنت کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے، اس لیے کہ جو اقوال و اعمال اس کے مطابق ہوں گے، وہی بارگاہ الٰہی میں مقبول اور دوسرے سب مردود ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح البخاري، حديث: 2697، وصحيح مسلم، حديث: 18-(1718)) ”جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے، وہ مردود ہے۔“

2 خلق کے اعتبار سے بھی، ملک کے اعتبار سے بھی اور ماتحتی کے اعتبار سے بھی۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس چیز کا چاہے، حکم دے، پس اس کے رسول کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے جس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کے کسی حکم کی مخالفت نہ کی جائے اور جس سے اس نے منع کر دیا ہے، اس کا ارتکاب نہ کیا جائے، اس لیے کہ رسول کے بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

3 یہ مخالفین رسول کو تنبیہ ہے کہ جو کچھ حرکات تم کر رہے ہو، یہ نہ سمجھو کہ وہ اللہ سے مخفی رہ سکتی ہیں۔ اس کے علم میں سب کچھ ہے اور وہ اس کے مطابق قیامت والے دن جزا و سزا دے گا۔

4 فرقان کے معنی ہیں: حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا، اس قرآن نے کھول کر ان امور کی وضاحت کر دی ہے، اس لیے اسے فرقان سے تعبیر کیا۔

5 اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی نبوت عالم گیر ہے اور آپ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الأعراف

والا بن جائے ○

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ②

اسی اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی [1] سلطنت ہے اوراس کی کوئی اولاد نہیں [2] نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی ہے [3] اور ہر چیز کواس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرادیا ہے ○ [4]

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③

ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنھیں اپنا معبود ٹھہرا رکھا ہے وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت وحیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے یہ مالک ہیں ○ [5]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ

اور کافروں نے کہا: یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ

158:7) اور حدیث میں بھی فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ» (صحیح مسلم، حدیث:3-(521)، ومسند أحمد:116/4و 145/5) ''مجھے سرخ وسیاہ سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' «وكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً»(صحیح البخاري، حدیث: 335، و صحیح مسلم ، حدیث:5-(523)) ''پہلے نبی کسی ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' رسالت ونبوت کے بعد توحید کا بیان کیا جارہا ہے۔ یہاں اللہ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔

1 یہ پہلی صفت ہے، یعنی کائنات میں متصرف صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

2 اس میں نصاریٰ، یہود اور بعض ان عرب قبائل کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

3 اس میں صنم پرست مشرکین اور ثَنوِیَّت (دو خداؤں شر اور خیر، ظلمت اور نور کے خالق اہرمن و یزداں) کے قائلین کا رد ہے۔

4 ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے اور اپنی حکمت ومشیت کے مطابق اس نے اپنی مخلوقات کو ہر وہ چیز بھی مہیا کی ہے جو اس کے مناسب حال ہے یا ہر چیز کی موت اور روزی اس نے پہلے سے ہی مقرر کر دی ہے۔

5 لیکن ظالموں نے ایسے ہمہ صفات موصوف رب کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو رب بنا لیا ہے جو اپنے بارے میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، چہ جائیکہ وہ کسی اور کے لیے کچھ کر سکنے کے اختیارات سے بہرہ ور ہوں۔ اس کے بعد منکرین نبوت کے شبہات کا ازالہ کیا جارہا ہے۔

اِفۡكُ ۨ افۡتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيۡهِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ ۛۚ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّ زُوۡرًا ۛۚ ④

وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ اكۡتَتَبَهَا فَهِىَ تُمۡلٰى عَلَيۡهِ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ⑤

قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِىۡ يَعۡلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ⑥

وَ قَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ

ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی مدد کی ہے،[1] دراصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں ○

اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھ رکھے ہیں بس وہی صبح وشام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں ○

کہہ دیجیے کہ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔[2] بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے ○[3]

اور انھوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے،[4] اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر

---

1 مشرکین کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) نے یہ کتاب گھڑنے میں یہود سے یا ان کے بعض موالی (مثلاً: ابو فکیھة یسار، عداس اور جبر وغیرہم) سے مدد لی ہے، جیسا کہ سورۂ نحل 103:16 میں اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن نے اس الزام کو ظلم اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے، بھلا ایک اُمّی شخص دوسروں کی مدد سے ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں بے مثال ہو، حقائق و معارف بیانی میں بھی معجز نگار ہو، انسانی زندگی کے لیے احکام وقوانین کی تفصیلات میں بھی لاجواب ہو اور اخبار ماضیہ اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی نشاندہی اور وضاحت میں بھی اس کی صداقت مسلمہ ہو۔

2 یہ ان کے جھوٹ اور افترا کے جواب میں کہا کہ قرآن کو تو دیکھو، اس میں کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی بات غلط اور خلاف واقعہ ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ بلکہ ہر بات بالکل صحیح اور سچی ہے، اس لیے کہ اس کو اتارنے والی ذات وہ ہے جو آسمان و زمین کی ہر پوشیدہ بات کو جانتی ہے۔

3 اس لیے وہ عفوو درگزر سے کام لیتا ہے۔ ورنہ ان کا قرآن سازی کا الزام بڑا سخت ہے جس پر وہ فوری طور پر عذاب الٰہی کی گرفت میں آسکتے ہیں۔

4 قرآن پر طعن کرنے کے بعد رسول پر طعن کیا جا رہا ہے اور یہ طعن رسول کی بشریت پر ہے کیونکہ ان کے خیال میں بشریت، عظمت رسالت کی متحمل نہیں، اس لیے انھوں نے کہا کہ یہ تو کھاتا پیتا اور بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے، حالانکہ رسول کو تو بشر نہیں ہونا چاہیے۔

نَذِيۡرًا ۙ﴿۷﴾

ڈرانے والا بن جاتا ○[1]

اَوۡ يُلۡقٰٓى اِلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۸﴾

یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا[2] یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا۔[3] اور ان ظالموں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ○[4]

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ﴿۹﴾ ع 1/9 16

خیال تو کیجیے! کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں، پس یہ خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آسکتے ○[5]

تَبٰرَكَ الَّذِىۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ وَيَجۡعَلْ لَّكَ قُصُوۡرًا ﴿۱۰﴾

اللہ تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے تو آپ کو بہت سے ایسے باغات عنایت فرما دے جو ان کے کہے ہوئے باغ سے بہت ہی بہتر ہوں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور آپ کو بہت سے (پختہ) محل بھی دے دے ○[6]

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعۡتَدۡنَا

بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں[7] اور

1 مذکورہ اعتراض سے نیچے اتر کر کہا جا رہا ہے کہ چلو کچھ اور نہیں تو ایک فرشتہ ہی اس کے ساتھ ہو جو اس کا معاون اور مصدق ہو۔

2 تاکہ طلب رزق سے وہ بے نیاز ہوتا۔

3 تاکہ اس کی حیثیت تو ہم سے کچھ ممتاز ہو جاتی۔

4 یعنی جس کی عقل و فہم سحر زدہ اور مختل ہے۔

5 یعنی اے پیغمبر! آپ کی نسبت یہ اس قسم کی باتیں اور بہتان تراشی کرتے ہیں، کبھی ساحر کہتے ہیں، کبھی مسحور و مجنون اور کبھی کذاب و شاعر، حالانکہ یہ ساری باتیں باطل ہیں اور جن کے پاس ذرہ برابر بھی عقل و فہم ہے، وہ ان کا جھوٹا ہونا جانتے ہیں، پس یہ ایسی باتیں کر کے خود ہی راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، انھیں راہ راست کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

6 یعنی یہ آپ کے لیے مطالبے کرتے ہیں، اللہ کے لیے ان کا کر دینا مشکل نہیں ہے، وہ چاہے تو ان سے بہتر باغات اور محلات دنیا میں آپ کو عطا کر سکتا ہے جو ان کے دماغوں میں ہیں۔ لیکن ان کے مطالبے تو تکذیب و عناد کے طور پر ہیں نہ کہ طلب ہدایت اور تلاش نجات کے لیے۔

7 قیامت کا یہ جھٹلانا تکذیب رسالت کا باعث ہے۔

لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ⑪

قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ⑫

جب وہ انھیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا غصہ سے بھرنا اور دھاڑنا سنیں گے ○ [1]

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬

اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے پھینک دیے جائیں گے تو وہاں اپنے لیے موت ہی موت پکاریں گے ○

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭

(ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی اموات کو پکارو ○ [2]

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ⑮

آپ کہہ دیجیے کہ کیا یہ بہتر ہے [3] یا وہ ہمیشگی والی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ ہے اور ان کے لوٹنے کی اصلی جگہ ہے ○

---

1 یعنی جہنم ان کافروں کو دور سے میدان محشر میں دیکھ کر ہی غصے سے کھول اٹھے گی اور ان کو اپنے دامن غضب میں لینے کے لیے چلائے گی اور جھنجھلائے گی جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ○ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ﴾ (الملک 67:7،8) ''جب جہنمی، جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ (جوش غضب سے) اچھلتی ہوگی، ایسے لگے گا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔'' جہنم کا دیکھنا اور چلانا، ایک حقیقت ہے، استعارہ نہیں۔ اللہ کے لیے اس کے اندر احساس و ادراک کی قوت پیدا کر دینا، مشکل نہیں ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ آخر قوت گویائی بھی تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا اور وہ ﴿ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ○ ﴾ کی صدا بلند کرے گی (قٓ 50:30)

2 یعنی جہنمی جب جہنم کے عذاب سے تنگ آ کر آرزو کریں گے کہ کاش انھیں موت آ جائے، وہ فنا کے گھاٹ اتر جائیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت نہیں کئی موتوں کو پکارو۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمھاری قسمت میں ہمیشہ کے لیے انواع و اقسام کے عذاب ہیں، یعنی موتیں ہی موتیں ہیں، تم کہاں تک موت کا مطالبہ کرو گے!

3 ''یہ'' اشارہ ہے جہنم کے مذکورہ عذابوں کی طرف جن میں جہنمی جکڑ بند ہو کر مبتلا ہوں گے کہ یہ بہتر ہے جو کفر و شرک کا بدلہ ہے یا وہ جنت جس کا وعدہ متقین سے ان کے تقویٰ و اطاعت الٰہی پر کیا گیا ہے۔ یہ سوال جہنم میں کیا جائے گا لیکن اسے یہاں اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ شاید جہنمیوں کے اس انجام سے عبرت پکڑ کر لوگ تقویٰ و اطاعت کا راستہ اختیار کر لیں اور اس انجام بد سے بچ جائیں جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے۔

لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ خٰلِدِيۡنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا ۝16	وہ جو چاہیں گے ان کے لیے وہاں موجود ہوگا، ہمیشہ رہنے والے۔ یہ تو آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو قابل درخواست ہے ○ [1]
وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِىۡ هٰٓؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِيۡلَ ؕ ۝17	اور جس دن اللہ انھیں اور سوائے اللہ کے جنھیں وہ پوجتے رہے، انھیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے ○ [2]
قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ يَنۡۢبَغِىۡ لَنَآ اَنۡ نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِكَ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنۡ مَّتَّعۡتَهُمۡ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى نَسُوا الذِّكۡرَ ۚ وَكَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا ۝18	وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ زیبا نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے [3] بات یہ ہے کہ تو نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ یہ نصیحت بھلا بیٹھے، یہ لوگ تھے ہی [4] ہلاک ہونے والے ○
فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَمَا	تو انھوں نے تمھیں تمھاری تمام باتوں میں جھٹلایا، اب نہ

---

1 یعنی ایسا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، جیسے قرض کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اپنے ذمے یہ وعدہ واجب کر لیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لیے اس حسن جزا کو اپنے لیے ضروری قرار دے لیا ہے۔

2 دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ ان میں جمادات (پتھر، لکڑی اور دیگر دھاتوں کی بنی ہوئی مورتیاں) بھی ہیں جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں، مثلاً: حضرت عزیر، حضرت مسیح علیہما السلام اور دیگر بہت سے نیک بندے۔ اسی طرح فرشتوں اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غیر عاقل جمادات کو بھی شعور و ادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا۔ اور ان سب معبودین سے پوچھے گا کہ بتلاؤ! تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمھاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے تھے؟

3 یعنی جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کی بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔

4 یہ شرک کی علت ہے کہ دنیا کے مال واسباب کی فراوانی نے انھیں تیری یاد سے غافل کر دیا اور ہلاکت و تباہی ان کا مقدر بن گئی۔

تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲

تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے، نہ مدد کرنے کی،[1] تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے[2] اسے بڑا عذاب چکھائیں گے ○

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳ ع 2/11/17

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے[3] اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے[4] اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنادیا۔[5] کیا تم صبر کرو گے؟ تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے[6] ○

---

1 یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو مشرکین سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم جن کو اپنا معبود گمان کرتے تھے، انھوں نے تو تمھیں تمھاری باتوں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ انھوں نے تم سے براءت کا اعلان کر دیا ہے۔ گویا جن کو تم اپنا مددگار سمجھتے تھے، وہ مددگار ثابت نہیں ہوئے۔ اب کیا تمھارے اندر یہ طاقت ہے کہ تم میرے عذاب کو اپنے سے پھیر سکو اور اپنی مدد کر سکو؟

2 ظلم سے مراد وہی شرک ہے جیسا کہ سیاق سے بھی واضح ہے اور قرآن میں دوسرے مقام پر شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○﴾ (لقمٰن 31:13)

3 یعنی وہ انسان تھے اور غذا کے محتاج۔

4 یعنی رزق حلال کی فراہمی کے لیے کسب و تجارت بھی کرتے تھے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ چیزیں منصب نبوت کے منافی نہیں جس طرح کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

5 یعنی ہم نے ان انبیاء کی اور ان کے ذریعے سے ان پر ایمان لانے والوں کی بھی آزمائش کی تاکہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جائے۔ جنھوں نے آزمائش میں صبر کا دامن پکڑے رکھا، وہ کامیاب اور دوسرے ناکام رہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ''کیا تم صبر کرو گے؟''

6 یعنی وہ جانتا ہے کہ وحیِ رسالت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (الأنعام 6:124) حدیث میں بھی آتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ بادشاہ نبی بنوں یا بندہ رسول؟ میں نے بندہ رسول بننا پسند کیا۔'' (ابن کثیر)

(19) اَلْجُزْءُ التَّاسِعَ عَشَر

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿21﴾

اور جنھیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں انھوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟[1] یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے؟[2] یقیناً ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کرلی ہے ○[3]

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿22﴾

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن گناہ گاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی[4] اور کہیں گے: یہ محروم ہی محروم کیے گئے ○[5]

1 یعنی کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کی بجائے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتے بھی نازل ہوتے جنھیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ اس بشر رسول کی تصدیق کرتے۔

2 یعنی رب آ کر ہمیں کہتا کہ محمد (ﷺ) میرا رسول ہے اور اس پر ایمان لانا تمھارے لیے ضروری ہے۔

3 اسی استکبار اور سرکشی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبے کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ایمان بالغیب کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا ہے۔ اگر وہ فرشتوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے اتار دے یا آپ خود زمین پر نزول فرمالے تو اس کے بعد ان کی آزمائش کا پہلو ہی ختم ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ ایسا کام کیوں کرے جو اس کی حکمت تخلیق اور مشیت کے خلاف ہے؟

4 اس دن سے مراد موت کا دن ہے، یعنی یہ کافر فرشتوں کو دیکھنے کی آرزو تو کرتے ہیں لیکن موت کے وقت جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشی اور مسرت نہیں ہوگی، اس لیے کہ فرشتے انھیں اس موقع پر عذاب جہنم کی وعید سناتے ہیں اور کہتے ہیں: اے خبیث روح! خبیث جسم سے نکل، جس سے روح دوڑتی اور بھاگتی ہے جس پر فرشتے اسے مارتے اور کوٹتے ہیں جیسا کہ سورۂ انعام 93:6، سورۂ انفال 50:8 میں ہے۔ اس کے برعکس مومن کا حال وقت احتضار (جان کنی کے وقت) یہ ہوتا ہے کہ فرشتے اسے جنت اور اس کی نعمتوں کی نوید جاں فزا سناتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ حم السجدہ 41:30-32 میں ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاک روح! جو پاک جسم میں تھی نکل اور ایسی جگہ چل جہاں اللہ کی نعمتیں ہیں اور وہ رب ہے جو تجھ سے راضی ہے۔'' (تفصیل کے لیے دیکھیے مسند أحمد: 2/364، 365، وسنن ابن ماجه حديث: 4262) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں ہی قول صحیح ہیں، اس لیے کہ دونوں ہی دن ایسے ہیں کہ فرشتے مومن اور کافر دونوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ مومنوں کو رحمت و رضوان الٰہی کی خوش خبری اور کافروں کو ہلاکت وخسران کی خبر دیتے ہیں۔

5 ﴿حِجْرًا﴾ کے اصل معنی ہیں: منع کرنا، روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا صغر سنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں: حَجَرَ الْقَاضِي عَلٰى فُلَانٍ قاضی نے فلاں کو تصرف

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿23﴾

اور انھوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انھیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا○ [1]

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿24﴾

البتہ اس دن جنتیوں کا ٹھکانا بہتر ہوگا اور خواب گاہ بھی عمدہ ہوگی○ [2]

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿25﴾

اور جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائے گا [3] اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے ○

کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (حطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جسے قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا، اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت، اس کے بیرونی حصے سے گزرنا چاہیے جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ اور عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عقل بھی انسان کو ایسے کاموں سے روکتی ہے جو انسان کے لائق نہیں ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے کافروں کو کہتے ہیں کہ تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی خوش خبری متقین کو دی جاتی ہے، یعنی یہ حَرَامًا مُّحَرَّمًا عَلَيْكُمْ کے معنی میں ہے۔ آج جنت الفردوس اور اس کی نعمتیں تم پر حرام ہیں، اس کے مستحق صرف اہل ایمان و تقویٰ ہوں گے۔

1 ﴿هَبَآءً﴾ ان باریک ذروں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہونے والی سورج کی کرن میں محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انھیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے عمل بھی قیامت والے دن ان ہی ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے کیونکہ وہ ایمان و اخلاص سے بھی خالی ہوں گے اور موافقت شریعت سے بھی عاری۔ جبکہ عنداللہ قبولیت کے لیے دونوں شرطیں ضروری ہیں۔ ایمان و اخلاص بھی اور شریعت اسلامیہ کی مطابقت بھی۔ یہاں کافروں کے اعمال کو جس طرح بے حیثیت ذروں کی مثل کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف چکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ساری تمثیلات پہلے گزر چکی ہیں ملاحظہ ہو: (سورۂ بقرہ 2:264، سورۂ ابراہیم 14:18 اور سورۂ نور 24:29)

2 بعض نے اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے قیامت کا یہ ہولناک دن اتنا مختصر اور ان کا حساب اتنا آسان ہوگا کہ قیلولے کے وقت تک یہ فارغ ہو جائیں گے اور جنت میں یہ اپنے اہل خاندان اور حور عین کے ساتھ دوپہر کو استراحت فرما ہوں گے، جس طرح حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے یہ دن اتنا ہلکا ہوگا کہ جتنا دنیا میں ایک فرض نماز ادا کر لینا۔ (مسند أحمد: 3/75)

3 اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور بادل سایہ فگن ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں، میدان محشر میں، جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی، حساب کتاب کے لیے جلوہ فرما ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ 2:210 سے بھی واضح ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿26﴾

اس دن صحیح طور پر ملک صرف رحمٰن کا ہی ہوگا اور وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا ○

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿27﴾

اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا: ہائے! کاش کہ میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی ○

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿28﴾

ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوا ہوتا ○ [1]

لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿29﴾

اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو دغا دینے والا ہے ○

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿30﴾

اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا ○ [2]

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿31﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گناہ گاروں کو بنا دیا ہے۔ [3] اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے ○ [4]

---

1 اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور وابستگی نہیں رکھنی چاہیے، اس لیے کہ صحبت صالح سے انسان اچھا اور صحبت طالح سے انسان برا بنتا ہے۔ اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبت بد کا اختیار کرنا ہی ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکید اور بری صحبت سے اجتناب کو ایک بہترین مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم، حدیث: 2628)

2 مشرکین قرآن پڑھے جانے کے وقت خوب شور کرتے تاکہ قرآن نہ سنا جا سکے، یہ بھی ہجران ہے، اس پر ایمان نہ لانا اور عمل نہ کرنا بھی ہجران ہے، اس پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی ہجران ہے۔ اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو ترجیح دینا، یہ بھی ہجران ہے، یعنی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا ہے، جس کے خلاف قیامت والے دن اللہ کے پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ دائر فرمائیں گے۔

3 یعنی جس طرح اے محمد! تیری قوم میں سے وہ لوگ تیرے دشمن ہیں جنھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی طرح گزشتہ امتوں میں بھی تھا، یعنی ہر نبی کے دشمن وہ لوگ ہوتے تھے جو مجرم تھے، وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے تھے سورۂ انعام 6:112 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

4 یعنی یہ کافر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں لیکن تیرا رب جس کو ہدایت دے، اس کو ہدایت سے کون

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ
الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛ كَذٰلِكَ ۛ
لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿32﴾

اور کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن سارے کا سارا ایک ساتھ ہی کیوں نہ اتارا گیا، [1] اسی طرح ہم نے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اتارا تاکہ اس سے ہم آپ کا دل قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ سنایا ہے ○ [2]

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ
وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿33﴾
اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ
ع 3/14/1 اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿34﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ
اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿35﴾
فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿36﴾
وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ
وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتا دیں گے ○ [3]
جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں ○
اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا ○
اور کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں، پھر ہم نے انھیں بالکل ہی پامال کر دیا ○
اور قوم نوح نے بھی جب رسولوں کو جھوٹا کہا تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے انھیں نشانِ عبرت

روک سکتا ہے؟ اصل ہادی اور مددگار تو تیرا رب ہی ہے۔

1 جس طرح تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کتابیں بیک مرتبہ نازل ہوئیں۔

2 اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ہم نے حالات وضروریات کے مطابق اس قرآن کو 23 سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ اے پیغمبر! تیرا اور اہل ایمان کا دل مضبوط ہو اور ان کے خوب ذہن نشین ہو جائے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:106) ''اور قرآن، اس کو ہم نے جدا جدا کیا تاکہ تو اسے لوگوں پر رک رک کر پڑھے اور ہم نے اس کو وقفے وقفے سے اتارا۔'' اس قرآن کی مثال بارش کی طرح ہے۔ بارش جب بھی نازل ہوتی ہے، مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہ فائدہ بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب بارش وقتاً فوقتاً نازل ہو نہ کہ ایک ہی مرتبہ ساری بارش کے نزول سے۔

3 یہ قرآن کے وقفے وقفے سے اتارے جانے کی حکمت وعلت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مشرکین جب بھی کوئی مثال یا اعتراض اور شبہ پیش کریں گے تو قرآن کے ذریعے سے ہم اس کا جواب یا وضاحت پیش کر دیں گے اور یوں انھیں لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

عَذَابًا اَلِيۡمًا ۚ﴿۳۷﴾

بنا دیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

وَّعَادًا وَّثَمُوۡدَاۡ وَاَصۡحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوۡنًۢا بَيۡنَ ذٰلِكَ كَثِيۡرًا ﴿۳۸﴾

اور عادیوں اور ثمودیوں اور کنویں والوں کو [1] اور ان کے درمیان کی بہت سی امتوں کو [2] (ہلاک کر دیا) ○

وَكُلًّا ضَرَبۡنَا لَهُ الۡاَمۡثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرۡنَا تَتۡبِيۡرًا ﴿۳۹﴾

اور ہم نے ان کے سامنے مثالیں بیان کیں، [3] پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا ○ [4]

وَلَقَدۡ اَتَوۡا عَلَى الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡۤ اُمۡطِرَتۡ مَطَرَ السَّوۡءِ ؕ اَفَلَمۡ يَكُوۡنُوۡا يَرَوۡنَهَا ۚ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ نُشُوۡرًا ﴿۴۰﴾

یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جس پر بری طرح کی بارش برسائی گئی۔ [5] کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انھیں مر کر جی اٹھنے کی امید ہی نہیں ○ [6]

وَاِذَا رَاَوۡكَ اِنۡ يَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىۡ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوۡلًا ﴿۴۱﴾

اور تمھیں جب کبھی دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن کرنے لگتے ہیں۔ کہ کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ○ [7]

---

1 رَسّ کے معنی کنویں کے ہیں: ﴿ وَاَصۡحٰبَ الرَّسِّ ﴾ کنویں والے۔ اس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہے۔ (ابن کثیر)

2 قَرن کے صحیح معنی ہیں: ہم عصر لوگوں کا ایک گروہ۔ جب ایک نسل کے لوگ ختم ہو جائیں تو دوسری نسل دوسرا قرن کہلائے گی۔ (ابن کثیر) اس معنی میں ہر نبی کی امت بھی ایک قرن ہو سکتی ہے۔

3 یعنی دلائل کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی۔

4 یعنی اتمام حجت کے بعد۔

5 بستی سے قوم لوط کی بستیاں سدوم اور عاموراء وغیرہما مراد ہیں اور بری بارش سے پتھروں کی بارش مراد ہے۔ ان بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا اور اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش کی گئی تھی جیسا کہ سورۂ ہود 11:82 میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بستیاں شام و فلسطین کے راستے میں پڑتی ہیں جن سے گزر کر ہی اہل مکہ آتے جاتے تھے۔

6 اس لیے ان تباہ شدہ بستیوں اور ان کے کھنڈرات دیکھنے کے باوجود عبرت نہیں پکڑتے۔ اور آیات الٰہی اور اللہ کے رسول کی تکذیب سے باز نہیں آتے۔

7 دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا: ﴿ اَهٰذَا الَّذِىۡ يَذۡكُرُ اٰلِهَتَكُمۡ ﴾ (الأنبیآء 21:36) ”کیا یہی وہ شخص ہے

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿42﴾

(وہ تو کہتے ہیں) کہ ہم اس پر جمے رہے ورنہ اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔[1] اور یہ جب عذابوں کو دیکھیں گے تو انھیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پوری طرح راہ سے بھٹکا ہوا کون تھا؟ ○[2]

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿43﴾ۙ

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمے دار ہو سکتے ہیں؟ ○[3]

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ

کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا

جو تمھارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟'' یعنی ان کی بابت کہتا ہے کہ وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا اظہار ہی مشرکین کے نزدیک ان کے معبودوں کی توہین تھی، جیسے آج بھی قبر پرستوں کو کہا جائے کہ قبروں میں مدفون بزرگ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تو کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔

1 یعنی ہم ہی اپنے آباء واجداد کی تقلید اور روایتی مذہب سے وابستگی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت سے باز نہیں آئے ورنہ اس پیغمبر نے تو ہمیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا یہ قول نقل فرمایا کہ کس طرح وہ شرک پر جمے ہوئے ہیں کہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔

2 یعنی اس دنیا میں تو ان مشرکین اور غیر اللہ کے پجاریوں کو اہل توحید گمراہ نظر آتے ہیں لیکن جب یہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے اور وہاں انھیں شرک کی وجہ سے عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا تو پتہ لگے گا کہ گمراہ کون تھا؟ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے یا در در پر اپنی جبینیں جھکانے والے؟

3 یعنی جو چیز اس کے نفس کو اچھی لگی، اسی کو اپنا دین و مذہب بنا لیا، کیا ایسے شخص کو تو راہ یاب کر سکتا ہے یا اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ''کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا، پس وہ اسے اچھا سمجھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ یاب، پس تو ان پر حسرت وافسوس نہ کر۔'' (فاطر 35:8) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں آدمی ایک عرصے تک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا، جب اسے اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتا۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص جو عقل وفہم سے اس طرح عاری اور محض خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ اے پیغمبر! کیا تو ان کو ہدایت کے راستے پر لگا سکتا ہے؟ یعنی نہیں لگا سکتا۔

اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ
ع 4/10/2 سَبِيۡلًا ﴿44﴾
اَلَمۡ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوۡ شَآءَ
لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ
دَلِيۡلًا ﴿45﴾
ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَيۡنَا قَبۡضًا يَّسِيۡرًا ﴿46﴾
وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا
وَّالنَّوۡمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ﴿47﴾

سمجھتے ہیں۔ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے [1] ○

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سائے کو کس طرح پھیلا دیا ہے؟ [2] اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا، [3] پھر ہم نے آفتاب کو اس کا راہنما بنایا ○ [4]

پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا ○ [5]

اور وہی ہے جس نے رات کو تمھارے لیے پردہ بنایا [6] اور نیند راحت بنائی [7] اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ○ [8]

---

1 یعنی یہ چوپائے جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اسے وہ سمجھتے ہیں۔ لیکن انسان جسے صرف ایک اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا تھا، وہ رسولوں کی یاددہانی کے باوجود اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا اور در در پر اپنا ماتھا ٹیکتا پھرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ یقیناً چوپائے سے بھی زیادہ بدتر اور گمراہ ہے۔

2 یہاں سے پھر توحید کے دلائل کا آغاز ہو رہا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کس طرح سایہ پھیلایا ہے جو صبح صادق کے بعد سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے، یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی، دھوپ کے ساتھ یہ سمٹنا اور سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

3 یعنی ہمیشہ سایہ ہی رہتا، سورج کی دھوپ سائے کو ختم ہی نہ کرتی۔

4 یعنی دھوپ سے ہی سائے کا پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو سائے سے بھی لوگ متعارف نہ ہوتے۔

5 یعنی وہ سایہ آہستہ آہستہ ہم اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس کی جگہ رات کا گھمبیر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

6 یعنی لباس، جس طرح لباس انسانی ڈھانچے کو چھپا لیتا ہے، اسی طرح رات تمھیں اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔

7 ﴿سُبَاتًا﴾ کے معنی کاٹنے کے ہوتے ہیں۔ نیند انسان کے جسم کو عمل سے کاٹ دیتی ہے جس سے اس کو راحت میسر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک سبات کے معنی تمدد (پھیلنے) کے ہیں۔ نیند میں بھی انسان دراز ہو جاتا ہے، اس لیے اسے سبات کہا۔ (أيسر التفاسير و فتح القدير)

8 یعنی نیند جو موت کی نظیر ہے، دن کو انسان اس نیند سے بیدار ہو کر کاروبار اور تجارت کے لیے پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ صبح بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَمَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ» (صحيح البخاري، حديث: 6324) ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔“

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ۙ﴿48﴾

اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں[1] ○

لِّنُحْيِۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿49﴾

تاکہ اس کے ذریعے سے مردہ شہر کو زندہ کردیں اور اسے ہم اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں ○

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿50﴾

اور بے شک ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح سے بیان کیا[2] تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں ○[3]

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ڮ﴿51﴾

اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج[4] دیتے ○

---

1 ﴿طَهُوْرًا﴾ (بفتح الطاء) فعول کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے بمعنی طاهر مُطهر جو پاک ہو اور پاک کرنے والا ہو، کے معنی میں ہے، یعنی ایسی چیز جو پاک کرنے والی ہوتی ہے جیسے وضو کے پانی کو وَضُو اور ایندھن کو وَقُودُ کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طاہر (خود بھی پاک) اور مطہر (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے «إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ» (سنن أبي داود، حديث: 67، وجامع الترمذي ، حديث: 66، وسنن النسائي، حديث: 327، و سنن ابن ماجه، حديث: 520 وصححه الألباني في السنن) ”پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔“ ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔ كما في الحديث.

2 یعنی قرآن کریم کو۔ اور بعض نے ﴿صَرَّفْنٰهُ﴾ میں ”ہ“ کا مرجع بارش کو قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر برساتے ہیں، یعنی کبھی ایک علاقے میں، کبھی دوسرے علاقے میں حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایک ہی شہر کے ایک حصے میں بارش ہوتی ہے، دوسروں میں نہیں ہوتی اور کبھی دوسرے حصوں میں ہوتی ہے، پہلے حصے میں نہیں ہوتی، یہ اللہ کی حکمت و مشیت ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، کہیں بارش برساتا ہے اور کہیں نہیں اور کبھی کسی علاقے میں اور کبھی کسی اور علاقے میں۔

3 ایک کفر اور ناشکری یہ بھی ہے کہ بارش کو مشیت الٰہی کی بجائے ستاروں کی گردش کا نتیجہ قرار دیا جائے جیسا کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے۔ كما في الحديث. حدیث میں اس عقیدے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

4 لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف آپ کو ہی تمام بستیوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿52﴾

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿53﴾

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ

پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں ○ [1]

اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا رکھے ہیں، یہ ہے میٹھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا، [2] اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط اوٹ کر دی ○ [3]

وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب

1 ﴿جَاهِدْهُمْ بِهٖ﴾ میں ''ہ'' کا مرجع قرآن ہے، یعنی اس قرآن کے ذریعے سے جہاد کریں، یہ آیت مکی ہے، ابھی جہاد کا حکم نہیں ملا تھا، اس لیے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے اوامر ونواہی کھول کھول کر بیان کریں اور اہل کفر کے لیے جو زجر وتوبیخ اور وعیدیں ہیں، وہ واضح کریں۔

2 آب شیریں کو ﴿ فُرَاتٌ ﴾ کہتے ہیں، فُرَاتٌ کے معنی ہیں: کاٹ دینا توڑ دینا، میٹھا پانی پیاس کو کاٹ دیتا ہے، یعنی ختم کر دیتا ہے۔ ﴿ اُجَاجٌ ﴾ سخت کھارا یا کڑوا۔

3 جو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی۔ بعض نے ﴿ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ کے معنی کیے ہیں: حَرَامًا مُّحَرَّمًا ان پر حرام کر دیا گیا ہے کہ میٹھا پانی کھارا یا کھارا پانی میٹھا ہو جائے۔ اور بعض مفسرین نے ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ ﴾ کا ترجمہ کیا ہے، خَلَقَ الْمَائَيْنِ ''دو پانی پیدا کیے'' ایک میٹھا اور دوسرا کھارا۔ میٹھا پانی تو وہ ہے جو نہروں، چشموں اور کنوؤں کی شکل میں آبادیوں کے درمیان پایا جاتا ہے جس کو انسان اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور کھارا پانی وہ ہے جو مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے سمندروں میں ہے جو کہتے ہیں کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ ہیں اور ایک چوتھائی حصہ خشکی کا ہے جس میں انسانوں اور حیوانوں کا بسیرا ہے۔ یہ سمندر ساکن ہیں، البتہ ان میں مدوجزر ہوتا رہتا اور موجوں کا تلاطم جاری رہتا ہے۔ سمندری پانی کے کھارا رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ میٹھا پانی زیادہ دیر تک کہیں ٹھہرا رہے تو وہ خراب ہو جاتا ہے، اس کے ذائقے، رنگ یا بو میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ کھارا پانی خراب نہیں ہوتا، نہ اس کا ذائقہ بدلتا ہے نہ رنگ اور بو۔ اگر ان ساکن سمندروں کا پانی بھی میٹھا ہوتا تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی، جس سے انسانوں اور حیوانوں کا زمین میں رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس میں مرنے والے جانوروں کی سڑاند اس پر مستزاد۔ اللہ کی حکمت تو یہ ہے کہ ہزاروں برس سے یہ سمندر موجود ہیں اور ان میں ہزاروں جانور مرتے ہیں اور انھی میں گل سڑ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ نے ان میں ملاحت (نمکیات) کی اتنی مقدار رکھ دی ہے کہ وہ اس کے پانی میں ذرا بھی بدبو پیدا نہیں ہونے دیتی۔ ان سے اٹھنے والی ہوائیں بھی صحیح ہیں اور ان کا پانی بھی پاک ہے حتیٰ کہ ان کا مردار بھی حلال ہے۔ (موطأ إمام مالك: 47/1، وسنن ابن ماجه، حديث: 387، وسنن أبي داود، حديث: 83، وجامع الترمذي، حديث: 69، وسنن النسائي، حديث: 333)

نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿54﴾

والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔[1] بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے ○

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿55﴾

یہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو انھیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں، اور کافر تو ہے ہی اپنے رب کے خلاف (شیطان کی) مدد کرنے والا ○

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿56﴾

ہم نے تو آپ کو خوشخبری اور ڈر سنانے والا (نبی) بنا کر بھیجا ہے ○

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿57﴾

کہہ دیجیے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے ○[2]

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿58﴾

اس ہمیشہ زندہ اللہ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے ○

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿59﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن ہی میں پیدا کر دیا ہے، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رحمٰن ہے، آپ اس کے بارے میں کسی خبردار سے پوچھ لیں ○

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿60﴾

ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمٰن ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے رہا ہے اور اس (تبلیغ) نے ان کی نفرت

---

1 ﴿نَسَبًا﴾ سے مراد وہ رشتے داریاں ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوں اور ﴿صِهْرًا﴾ سے مراد وہ قرابت مندی ہے جو شادی کے بعد میاں بیوی کی طرف سے ہو جس کو ہماری زبان میں سسرالی رشتے کہا جاتا ہے۔ ان دونوں رشتے داریوں کی تفصیل آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ﴾ (النسآء 4:23) اور ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ (النسآء 4:22) میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور رضاعی رشتے داریاں حدیث کی رو سے نسبی رشتوں میں شامل ہیں جیسا کہ فرمایا: «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (صحيح البخاري، حديث: 2645، وصحيح مسلم، حديث: 1444)

2 یعنی یہی میرا اجر ہے کہ رب کا راستہ اختیار کرلو۔

میں اور اضافہ کر دیا ○ [1]

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿61﴾

بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے [2] اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی ○

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿62﴾

اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا، [3] اس شخص کی نصیحت کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو ○

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿63﴾

رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے ○ [4]

---

1 الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کی صفات اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں لیکن اہل جاہلیت اللہ کو ان ناموں سے نہیں پہچانتے تھے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ نے معاہدے کے آغاز پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھوایا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے۔ «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» لکھو۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1784، و سیرت ابن ھشام: 332/3) مزید دیکھیے: (سورۂ رعد 13: 30، سورۂ بنی اسرائیل 17: 110) یہاں بھی ان کا رحمٰن کے نام سے بدکنے اور سجدہ کرنے سے گریز کرنے کا ذکر ہے۔

2 ﴿بُرُوْجًا﴾ بُرج کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے لیے گئے ہیں۔ اور اسی مراد پر کلام کا نظم واضح ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے۔ بعد کے مفسرین نے اس سے اصطلاحی بروج مراد لیے ہیں۔ اور یہ بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اور یہ برج سات بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں۔ جن کے نام ہیں۔ مریخ، زہرہ، عطارد، قمر، شمس، مشتری اور زحل۔ یہ کواکب (سیارے) ان برجوں میں اس طرح اترتے ہیں، جیسے یہ ان کے لیے عالی شان محل ہیں۔ (أیسر التفاسیر)

3 یعنی رات جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے فوائد و مصالح محتاج وضاحت نہیں۔ بعض نے ﴿خِلْفَةً﴾ کے معنی ایک دوسرے کے مخالف کے کیے ہیں، یعنی رات تاریک ہے تو دن روشن۔

4 ﴿سَلٰمًا﴾ سے مراد یہاں اعراض اور ترک بحث و مجادلہ ہے، یعنی اہل ایمان، اہل جہالت و اہل سفاہت سے الجھتے نہیں ہیں بلکہ ایسے موقعوں پر اعراض و گریز کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بے فائدہ بحث نہیں کرتے۔

وَ الَّذِيۡنَ يَبِيۡتُوۡنَ لِرَبِّهِمۡ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿64﴾

اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں ○

وَ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ‌ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿65﴾

اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے ○ [1]

اِنَّهَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿66﴾

بیشک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے ○

وَ الَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ يُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ يَقۡتُرُوۡا وَ كَانَ بَيۡنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿67﴾

اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں ○ [2]

وَ الَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لَا يَزۡنُوۡنَ‌ ۚ وَ مَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ يَلۡقَ اَثَامًا ﴿68﴾

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے [3] نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے

1 اس سے معلوم ہوا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آ جائیں، اس لیے وہ عذاب جہنم سے بھی پناہ طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت و اطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مؤاخذے سے انسان کو بے خوف اور اپنی عبادات و طاعات الٰہی پر کسی غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○﴾ (المؤمنون 23: 60) ”اور وہ لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ ڈر صرف اسی بات کا نہیں کہ انھیں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کا بھی کہ ان کا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی بابت پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، اے ابوبکر کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔“ (جامع الترمذي، حديث: 3175)

2 اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف اور اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا اقتار (بخیلی) اور اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا ﴿قَوَامًا﴾ ہے (فتح القدير) اسی طرح نفقات واجبہ اور مباحات میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اسراف میں آ سکتا ہے، اس لیے وہاں بھی احتیاط اور میانہ روی نہایت ضروری ہے۔

3 اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں: اسلام کے بعد کوئی دوبارہ کفر اختیار کرے جسے ارتداد کہتے ہیں یا

ہیں [1] اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا ○

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿69﴾

اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب کیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا ○

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿70﴾

سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، [2] ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، [3] اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے ○

شادی شدہ شخص بدکاری کا ارتکاب کرے یا کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کر دے۔ ان تینوں صورتوں میں قتل کیا جائے گا البتہ شادی شدہ زانی کے قتل کے لیے طریقۂ رجم اختیار کیا جائے گا۔

1 حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے درآں حالیکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔'' اس نے کہا: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا: ''اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' اس نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے، پھر آپ نے فرمایا کہ ان باتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔'' (صحيح البخاري، حديث:4477، وصحيح مسلم، حديث: 86)

2 اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ اور سورۂ نساء کی آیت:93 میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے تو وہ اس صورت پر محمول ہوگی، جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کیے ہی فوت ہو گیا ہو۔ ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمی کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحيح مسلم، حديث:46-(2766))

3 اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حال تبدیل فرما دیتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ برائیاں کرتا تھا، اب نیکیاں کرتا ہے، پہلے شرک کرتا تھا، اب صرف اللہ واحد کی عبادت کرتا ہے، پہلے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتا تھا، اب مسلمانوں کی طرف سے کافروں سے لڑتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا ہوگا۔ یہ وہ آدمی ہوگا کہ قیامت کے دن اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، بڑے گناہ ایک طرف رکھ دیے جائیں گے۔ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دے گا، انکار کی اسے طاقت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی ڈر رہا ہوگا کہ ابھی تو بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿71﴾
وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿72﴾
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿73﴾
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿74﴾
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ﴿75﴾

اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے وہ تو حقیقتاً اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے ○ [1]
اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے [2] اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں ○ [3]
اور جب انھیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے ○ [4]
اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما [5] اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا ○ [6]
یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالا خانے دیے جائیں گے جہاں انھیں دعا سلام پہنچایا جائے گا ○

گے کہ اتنے میں اس سے کہا جائے گا کہ جا، تیرے لیے ہر برائی کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اللہ کی یہ مہربانی دیکھ کر وہ کہے گا کہ ابھی تو میرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ میں انھیں یہاں نہیں دیکھ رہا۔'' یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ (صحیح مسلم، حدیث:190)

1 پہلی توبہ کا تعلق کفر و شرک سے ہے۔ اس توبہ کا تعلق دیگر معاصی اور کوتاہیوں سے ہے۔

2 ﴿الزُّوْرَ﴾ کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ہر باطل چیز بھی جھوٹ ہے، اس لیے جھوٹی گواہی سے لے کر کفر و شرک اور ہر طرح کی غلط چیزیں، مثلاً: لہو و لعب، گانا اور دیگر بیہودہ جاہلانہ رسوم و افعال، سب اس میں شامل ہیں اور عِبَادُ الرَّحْمٰن کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ کسی بھی جھوٹ میں اور جھوٹ کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

3 لَغْو ہر وہ بات اور کام ہے جس میں شرعاً کوئی فائدہ نہیں، یعنی ایسے کاموں اور باتوں میں بھی وہ شرکت نہیں کرتے بلکہ خاموشی کے ساتھ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں۔

4 یعنی وہ ان سے اعراض و غفلت نہیں برتتے، جیسے وہ بہرے ہوں کہ سنیں ہی نہیں یا اندھے ہوں کہ دیکھیں ہی نہیں۔ بلکہ وہ غور اور توجہ سے سنتے اور انھیں آویزۂ گوش اور حرز جان بناتے ہیں۔

5 یعنی انھیں اپنا بھی فرماں بردار بنا اور ہمارا بھی اطاعت گزار جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

6 یعنی ایسا اچھا نمونہ کہ خیر میں وہ ہماری اقتدا کریں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿76﴾

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے ○

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿77﴾ ع

رکوع 6 | 17 | 4

کہہ دیجیے: اگر تمھاری دعا و التجا نہ ہوتی تو میرا رب تمھاری مطلق پروا نہ کرتا،[1] تم تو جھٹلا چکے اب عنقریب اس کی سزا تمھیں چمٹ جانے والی ہوگی ○[2]

اٰيَاتُهَا: 227 (26) سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ (47) رُكُوْعَاتُهَا: 11

سورۂ شعراء مکی ہے، اس میں 227 آیات اور 11 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

المنزل الخامس (5)

طٰسٓمّٓ ﴿1﴾

طٰسٓمّٓ ○

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿2﴾

یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں ○

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿3﴾

ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھو دیں گے ○[3]

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿4﴾

اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہو جاتیں ○[4]

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿5﴾

اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی وہ اس سے روگردانی کرنے والے بن جاتے ○

---

1 دعا و التجا کا مطلب اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمھارا مقصد تخلیق اللہ کی عبادت ہے اگر یہ نہ ہو تو اللہ کو تمھاری کوئی پروا نہ ہو، یعنی اللہ کے ہاں انسان کی قدر و قیمت، اس کے اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کی وجہ سے ہے۔

2 اس میں کافروں سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کو جھٹلا دیا ہے، سو اب اس کی سزا بھی لازماً تمھیں چکھنی ہے، چنانچہ دنیا میں یہ سزا بدر میں شکست کی صورت میں انھیں ملی اور آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے بھی انھیں دو چار ہونا پڑے گا۔

3 نبی ﷺ کو انسانیت سے جو ہمدردی اور ان کی ہدایت کے لیے جو تڑپ تھی، اس میں اس کا اظہار ہے۔

4 یعنی جسے ماننے اور جس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح جبر کا پہلو شامل ہو جاتا جبکہ ہم نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اس کی آزمائش کی جائے، اس لیے ہم نے ایسی نشانی بھی اتارنے سے گریز کیا جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو۔ اور صرف انبیاء و رسل بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥

یقیناً ان لوگوں نے جھٹلایا ہے اب ان کے پاس جلدی سے اس کی خبریں آجائیں گی جس کے ساتھ وہ مسخراپن کررہے ہیں ○ [1]

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ
كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦

کیا انھوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں؟ کہ ہم نے اس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں؟ ○ [2]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

بے شک اس میں یقیناً نشانی ہے [3] اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں ○ [4]

ع 1/9/5 وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ ع

اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے ○ [5]

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ⑩ لا

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ ظالم قوم کے پاس جا ○ [6]

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪

قوم فرعون کے پاس، کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے؟ ○

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ⑫ ط

موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار! مجھے تو خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا (نہ) دیں ○

---

1 یعنی تکذیب کے نتیجے میں ہمارا عذاب عنقریب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا جسے وہ ناممکن سمجھ کر استہزا و مذاق کرتے ہیں۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ممکن ہے جیسا کہ کئی قومیں تباہ ہوئیں، بصورت دیگر آخرت میں تو اس سے کسی صورت چھٹکارا نہیں ہوگا۔ مَا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ نہیں کہا بلکہ ﴿مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ کہا کیونکہ استہزا ایک تو اعراض و تکذیب کو بھی مستلزم ہے۔ دوسرے، یہ اعراض و تکذیب سے زیادہ بڑا جرم ہے۔ (فتح القدیر)

2 ﴿زَوْجٍ﴾ کے دوسرے معنی یہاں صنف اور نوع کے کیے گئے ہیں، یعنی ہر قسم کی چیزیں ہم نے پیدا کیں جو کریم ہیں، یعنی انسان کے لیے فائدے مند یا بکثرت۔ جس طرح غلہ جات ہیں، پھل میوے ہیں اور حیوانات وغیرہ ہیں۔

3 یعنی جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے یہ چیزیں پیدا کرسکتا ہے تو کیا وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا۔

4 یعنی اس کی یہ عظیم قدرت دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں، ایمان نہیں لاتے۔

5 یعنی ہر چیز پر اس کا غلبہ اور انتقام لینے پر وہ ہر طرح قادر ہے لیکن چونکہ وہ رحیم بھی ہے، اس لیے فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مہلت دیتا ہے اور اس کے بعد مؤاخذہ کرتا ہے۔

6 یہ رب کی اس وقت کی ندا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس آرہے تھے، راستے میں انھیں حرارت حاصل کرنے کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچ گئے، جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انھیں نبوت سے سرفراز کر دیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ ان کو سونپ دیا گیا۔

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬

اور میرا سینہ تنگ ہورہا ہے [1] میری زبان چل نہیں رہی، [2] پس تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج ○ [3]

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ⑭

اور ان کا میرے ذمے ایک گناہ بھی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں ○ [4]

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮

اللہ نے فرمایا: ہرگز ایسا نہ ہوگا! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ [5] ہم خود سننے والے تمھارے ساتھ ہیں ○ [6]

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯

تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں ○

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ⑰

کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کردے ○ [7]

---

1 اس خوف سے کہ وہ نہایت سرکش ہے، میری تکذیب کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف انبیاء کو بھی لاحق ہوسکتا ہے کیونکہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور بشری عوارض نبوت کے منافی نہیں۔

2 یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ فصیح اللسان نہیں تھے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زبان پر انگارہ رکھنے کی وجہ سے لکنت پیدا ہوگئی تھی جیسا کہ اہل تفسیر بیان کرتے ہیں۔ لیکن بعد میں یہ عارضہ ختم ہوگیا تھا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ 36:20 میں ہے۔

3 یعنی ان کی طرف جبریل کو وحی دے کر بھیج اور انھیں بھی وحی و نبوت سے سرفراز فرما کر میرا معاون بنا۔

4 یہ اشارہ ہے اس قتل کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ہوگیا تھا اور مقتول قبطی، یعنی فرعون کی قوم سے تھا، اس لیے فرعون اس کے بدلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا جس کی اطلاع پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ اس واقعے پر اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے مگر فرعون کے پاس جانے میں واقعی یہ امکان موجود تھا کہ فرعون ان کو اس جرم میں پکڑ کر قتل کی سزا دینے کی کوشش کرے، اس لیے یہ خوف بھی بلا جواز نہیں تھا۔

5 اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ تم دونوں جاؤ، میرا پیغام اس کو پہنچاؤ، تمھیں جو اندیشے لاحق ہیں ان سے ہم تمھاری حفاظت کریں گے۔ آیات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جن سے ہر پیغمبر کو آگاہ کیا جاتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، جیسے ید بیضا اور عصا۔

6 یعنی تم جو کچھ کہو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہے گا، ہم سن رہے ہوں گے، اس لیے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمھیں فریضۂ رسالت سونپ کر تمھاری حفاظت سے بے پروا نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ وہ ساتھ ہوتا ہے جس طرح اس کے شان کے لائق ہے یا نصرت و معاونت کی معیت مراد ہے۔

7 یعنی ایک بات یہ کہو کہ ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئے ہیں بلکہ رب العالمین کے نمائندے اور اس کے

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ⑱

فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانے میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟ [1] اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ ○ [2]

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ⑲

پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے ○ [3]

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ⑳

موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا ○ [4]

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ㉑

پھر تم سے خوف کھا کر میں تم سے بھاگ گیا، پھر مجھے میرے رب نے حکم و علم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا ○ [5]

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ㉒

مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے؟ جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ○ [6]

رسول کی حیثیت سے آئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تو نے (چار سو سال سے) بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے، ان کو آزاد کر دے تاکہ میں انھیں شام کی سرزمین پر لے جاؤں جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔

1 فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبے پر غور کرنے کی بجائے ان کی تحقیر و تنقیص کرنی شروع کر دی اور کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو ہماری گود میں اور ہمارے گھر میں پلا بڑھا ہے؟

2 بعض کہتے ہیں کہ 18 سال فرعون کے محل میں بسر کیے، بعض کے نزدیک 30 اور بعض کے نزدیک چالیس سال، یعنی اتنی عمر ہمارے پاس گزارنے کے بعد چند سال ادھر ادھر رہ کر اب تو نبوت کا دعویٰ کرنے لگا ہے؟

3 پھر ہمارا ہی کھا کر ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ہماری ناشکری بھی کی۔

4 یعنی یہ قتل ارادتاً نہیں تھا بلکہ ایک گھونسہ ہی تھا جو اسے مارا گیا تھا جس سے اس کی موت ہی واقع ہو گئی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جبکہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی۔

5 یعنی پہلے جو کچھ ہوا، اپنی جگہ لیکن اب میں اللہ کا رسول ہوں اگر میری اطاعت کرے گا تو بچ جائے گا، بصورت دیگر ہلاکت تیرا مقدر ہو گی۔

6 یعنی یہ اچھا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ اپنے گھر میں رکھ کر میری پرورش کی، حالانکہ اس کا سبب خود تیرا ظلم و ستم تھا اگر تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر ان کے بیٹوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع نہ کر رکھا ہوتا تو میں اپنے گھر میں پرورش پاتا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿23﴾
قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿24﴾
قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿25﴾
قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿26﴾
قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿27﴾
قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿28﴾
قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿29﴾
قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾
قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿31﴾

فرعون نے کہا: رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ ○ [1]
موسیٰ نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو ○
فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟ ○ [2]
موسیٰ نے فرمایا: وہ تمھارا اور تمھارے پہلے باپ دادوں کا پروردگار ہے ○
فرعون نے کہا: تمھارا یہ رسول جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے ○
موسیٰ نے فرمایا: وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے [3] اگر تم عقل رکھتے ہو ○
فرعون کہنے لگا: سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا ○ [4]
موسیٰ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں؟ ○ [5]
فرعون نے کہا: اگر تو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر ○

1 یہ اس نے بطور استفہام کے نہیں بلکہ استکبار اور استنکار کے طور پر کہا کیونکہ اس کا دعویٰ تو یہ تھا: ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ (القصص 28:38) ''میں اپنے سوا تمھارے لیے کوئی اور معبود جانتا ہی نہیں۔''

2 یعنی کیا تم اس کی بات پر تعجب نہیں کرتے کہ میرے سوا بھی کوئی اور معبود ہے؟

3 یعنی جس نے مشرق بنایا جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور مغرب بنایا جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے درمیان جو کچھ ہے، ان سب کا رب اور ان کا انتظام کرنے والا بھی وہی ہے۔

4 فرعون نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام مختلف انداز سے رب العالمین کی ربوبیت کاملہ کی وضاحت کر رہے ہیں جس کا کوئی معقول جواب اس سے نہیں بن پا رہا ہے۔ تو اس نے دلائل سے صرف نظر کر کے دھمکی دینی شروع کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو حوالۂ زنداں کرنے سے ڈرایا۔

5 یعنی ایسی کوئی چیز یا معجزہ جس سے واضح ہو جائے کہ میں سچا اور واقعی اللہ کا رسول ہوں، تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہیں کرے گا؟

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿32﴾
آپ نے (اسی وقت) اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا اژدہا بن گئی ○ [1]

ع 2/24 6 وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿33﴾
اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا ○ [2]

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾
فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا: بھئی یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے ○ [3]

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿35﴾
یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھاری سرزمین ہی سے نکال دے، بتاؤ اب تم کیا حکم دیتے ہو؟ ○ [4]

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿36﴾
ان سب نے کہا: آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور تمام شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیج دیجیے ○

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿37﴾
جو آپ کے پاس ذی علم جادوگروں کو لے آئیں ○ [5]

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿38﴾
پھر ایک مقرر دن کے وعدے پر تمام جادوگر جمع کیے گئے ○ [6]

---

1 بعض جگہ ﴿ثُعْبَانٌ﴾ کی بجائے حَيَّةٌ اور بعض جگہ جَانٌّ کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے۔ ثُعبَان وہ سانپ ہوتا ہے جو بڑا ہو اور جَانٌّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حَيَّة چھوٹے بڑے دونوں قسم کے سانپوں پر بولا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) تطبیق یہ ہے کہ موٹا اور بڑا ہونے کے لحاظ سے اسے اژدہا کہا گیا ہے جبکہ ہلکے ہونے اور تیز دوڑنے میں چھوٹے پتلے سانپ کی طرح ہونے کی وجہ سے اسے جانّ کہا گیا ہے۔ (تفسیر اللباب) و اللّٰہ أعلم.

2 یعنی گریبان سے ہاتھ نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکتا تھا۔ (تفسیر اللباب) یہ دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا۔

3 فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا، اس نے تکذیب و عناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا کہ یہ تو کوئی بڑا فن کار جادوگر ہے۔

4 پھر اپنی قوم کو مزید بھڑکانے کے لیے کہا کہ وہ ان شعبدہ بازیوں کے ذریعے سے تمھیں یہاں سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اب بتلاؤ! تمھاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

5 یعنی ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو اور تمام شہروں سے جادوگروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کیا جائے تاکہ ان کے کرتب کا جواب اور تیری تائید و نصرت ہو جائے۔ اور یہ اللہ ہی کی طرف سے تکوینی انتظام تھا تاکہ لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں اور ان دلائل و براہین کا بچشم سر خود مشاہدہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔

6 چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد 12 ہزار، 17

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿39﴾

اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر ہو جاؤ گے؟ ○ [1]

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿40﴾

تاکہ اگر جادوگر غالب آ جائیں تو ہم ان ہی کی پیروی کریں ○

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿41﴾

جادوگر آ کر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ○

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿42﴾

فرعون نے کہا: ہاں، بڑی خوشی سے بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے ○

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿43﴾

موسیٰ نے جادوگروں سے فرمایا جو کچھ تمھیں ڈالنا ہے ڈال دو ○ [2]

ہزار، 19 ہزار، 30 ہزار اور 80 ہزار (مختلف اقوال کے مطابق) بتلائی جاتی ہے۔ اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات اس سے قبل سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بھی گزر چکی ہیں۔ گویا فرعون اور آل فرعون نے اللہ کے نور کو اپنے مُونہوں سے بجھانا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا تھا، چنانچہ کفر و ایمان کے معرکے میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کفر خم ٹھونک کر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے تو ایمان کو اللہ تعالیٰ سرخروئی اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الأنبيآء 21:18) ''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں، پس وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔''

1 یعنی عوام کو بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ تمھیں بھی یہ معرکہ دیکھنے کے لیے ضرور حاضر ہونا ہے۔

2 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادوگروں کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کے لیے کہنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کا پیغمبر اتنی بڑی تعداد میں نامی گرامی جادوگروں کے اجتماع اور ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیوں سے خوف زدہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب بعد میں اللہ کے حکم سے یہ ساری شعبدہ بازیاں آن واحد میں ختم ہو جائیں گی تو دیکھنے والوں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور شاید اس طرح زیادہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا بلکہ جادوگر ہی سب سے پہلے ایمان لے آئے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باطل نے ہی ہمیشہ اپنے اسباب و وسائل پر بھروسہ کیا، حق کو بے سروسامانی کی حالت میں دیکھ کر چیلنج کیا، غرور و تکبر میں آ کر حملہ میں پہل کی جبکہ حق دفاع کر کے باطل کا غرور خاک میں ملاتا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾

انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے: عزتِ فرعون کی قسم! ہم یقیناً غالب ہی رہیں گے ○ [1]

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿45﴾

اب موسیٰ نے بھی اپنی لاٹھی میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے بنے بنائے کھلونوں کو نگلنا شروع کر دیا ○

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿46﴾

یہ دیکھتے ہی جادوگر سجدے میں گر گئے ○

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾

اور انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے ○

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿48﴾

یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ○

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمھارا وہ بڑا ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، [2] سو تمھیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا،

نے حق کے مزاج کے مطابق باطل کو پہل کرنے کا موقع دے کر تاریخ میں حق و باطل کی طبیعتوں کا فرق بتایا۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حق ہمیشہ دفاع کرتا آیا ہے چیلنج اور غرور و تکبر اور حملہ آور ہونا یا اپنے اسباب و وسائل پر بھروسہ کرنا، یہ سب باطل کا شیوہ رہا ہے

1 جیسا کہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں گزرا کہ ان جادوگروں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔ ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ○﴾ (الأعراف 7:116) حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى○﴾ (طٰه 20:67)، چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا بڑا یقین تھا جیسا کہ یہاں ان الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اپنی لاٹھی زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو، چنانچہ لاٹھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرتبوں کو وہ نگل گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

2 فرعون کے لیے یہ واقعہ بڑا عجیب اور نہایت حیرت ناک تھا کہ جن جادوگروں کے ذریعے سے وہ فتح و غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا، وہی نہ صرف مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی وہ اس رب پر ایمان لے آئے جس نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو دلائل و معجزات دے کر بھیجا تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ فرعون بھی غور و فکر سے کام لیتا اور ایمان لاتا،

خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿49﴾

قسم ہے! میں ضرور تمھارے ہاتھ پاؤں الٹے طور پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ○[1]

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿50﴾

انھوں نے کہا: کوئی حرج نہیں،[2] ہم تو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿51﴾ ع 3/18/7

اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں[3] ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرما دے گا ○

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿52﴾

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل، تم سب پیچھا کیے جاؤ گے ○[4]

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿53﴾

تو فرعون نے شہروں میں نقیب روانہ کیے ○

اس نے مکابرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد ہو اور تمھارا مقصد یہ ہے کہ اس سازش کے ذریعے سے تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو، ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ﴾ (الأعراف 123:7) حق و باطل کی تاریخ اور معرکہ آرائی کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ہر دور میں اہل باطل نے اہل حق پر بے جا الزام تراشی اور بہتان بازی کی، جیسے اس موقع پر فرعون نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بابت باتیں کیں۔ جس سے ان کا ایک مقصد عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہوتا ہے اور دوسرا، اہل حق کے حوصلوں اور عزائم کو پست کرنا، تاہم اہل حق ان اوچھے ہتھکنڈوں سے بے حوصلہ نہیں ہوتے اور اپنے مشن میں مصروف رہتے ہیں۔

1 الٹے طور پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مطلب: دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر ہے۔ اس پر سولی مستزاد، یعنی ہاتھ پیر کاٹنے سے بھی اس کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی، مزید اس نے سولی پر لٹکانے کا اعلان کیا۔

2 ﴿ لَا ضَيْرَ ﴾ کوئی حرج نہیں یا ہمیں کوئی پروا نہیں، یعنی اب جو سزا چاہے دے لے، ایمان سے نہیں پھر سکتے۔

3 ﴿ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اس اعتبار سے کہا کہ فرعون کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور انھوں نے قبول ایمان میں سبقت کی۔

4 جب بلاد مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام لمبا ہو گیا اور ہر طرح سے انھوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت قائم کر دی۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انھیں عذاب و نکال سے دوچار کر کے سامان عبرت بنا دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿54﴾
یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے ○ [1]

وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿55﴾
اور اس پر یہ ہمیں سخت غضب ناک کر رہے ہیں ○ [2]

وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿56﴾
اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے چوکنا رہنے والے ○ [3]

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿57﴾
بالآخر ہم نے انھیں باغات سے اور چشموں سے نکال باہر کیا ○

وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿58﴾
اور خزانوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے بھی (نکال باہر کیا) ○ [4]

كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾
اسی طرح ہوا اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ○ [5]

کر یہاں سے نکل جائیں اور فرمایا کہ فرعون تمھارے پیچھے آئے گا، گھبرانا نہیں۔

1 یہ بطور تحقیر کے کہا ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ بتلائی جاتی ہے۔

2 یعنی میری اجازت کے بغیر ان کا یہاں سے فرار ہونا ہمارے لیے غیظ وغضب کا باعث ہے۔

3 اس لیے ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔

4 یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت ومشیت سے انھیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث دوسروں کو بنا دیا۔

5 یعنی جس علاقے پر جو اقتدار اور بادشاہت فرعون کو حاصل تھی، وہ اس سے چھین کر ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ وجلال ہم نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے، نیز سورۂ دخان 44 :28 میں فرمایا گیا ہے ﴿ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴾ کہ ”ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا۔“ (أیسر التفاسیر) اول الذکر اہل علم کہتے ہیں کہ ﴿ قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴾ دوسری قوم سے مراد بنی اسرائیل ہی ہیں کیونکہ یہاں سورۂ شعراء میں بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت آ گئی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہی بنی اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے مراد ہوں، داود علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر پر غالب آ گئے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ زمانۂ موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت مصر آ گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿60﴾

پس فرعونی سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکلے ○ [1]

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿61﴾

پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے ○ [2]

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿62﴾

موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں۔ یقین مانو میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا ○ [3]

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿63﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنا عصا مارو، [4] پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے سارے پہاڑ کے ہو گیا ○ [5]

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿64﴾

اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک لا کھڑا کر دیا ○ [6]

وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿65﴾

اور موسیٰ کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی ○

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿66﴾

پھر اور سب دوسروں کو ڈبو دیا ○ [7]

---

1 یعنی جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی۔ اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

2 یعنی فرعون کے لشکر کو دیکھتے ہی وہ گھبرا اٹھے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، اب بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ اب پھر دوبارہ وہی فرعون اور اس کی غلامی ہو گی۔

3 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ تمہارا اندیشہ صحیح نہیں، اب دوبارہ تم فرعون کی گرفت میں نہیں جاؤ گے۔ میرا رب یقیناً نجات کے راستے کی نشاندہی فرمائے گا۔

4 چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی اور نشاندہی فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو جس سے دائیں طرف کا پانی دائیں اور بائیں طرف کا بائیں طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ میں راستہ بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ راستے بن گئے تھے۔ واللہ أعلم.

5 ﴿فِرْقٍ﴾ قطعۂ سمندر کا بلند چپہ۔ طَوْد پہاڑ، یعنی پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزے کا صدور ہوا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون سے نجات پا لے، تائید الٰہی کے بغیر فرعون سے نجات ممکن نہیں تھی۔

6 اس سے مراد فرعون اور اس کا لشکر ہے، یعنی ہم نے دوسروں کو سمندر کے قریب کر دیا۔

7 موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی اور فرعون اور اس کا لشکر جب انھی راستوں سے گزرنے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿67﴾

یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں ○ [1]

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿68﴾ ع 4/17/8

اور بے شک آپ کا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے ○

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾

انھیں ابراہیم کا واقعہ بھی سنا دو ○

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿70﴾ وقف لازم

جبکہ انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ○

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿71﴾

انھوں نے جواب دیا کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں ○ [2]

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿72﴾

آپ نے فرمایا کہ جب تم انھیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ ○

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿73﴾

یا تمھیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں ○ [3]

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿74﴾

انھوں نے کہا (یہ ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا ○ [4]

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿75﴾

آپ نے فرمایا: کچھ خبر بھی ہے [5] جنھیں تم پوج رہے ہو؟ ○

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿76﴾

تم اور تمھارے پہلے باپ دادا ○ [6]

لگا تو ہم نے سمندر کو دوبارہ حسب دستور رواں کر دیا جس سے فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

1 یعنی اگرچہ اس واقعے میں جو اللہ کی نصرت و معونت کا واضح مظہر ہے، بڑی نشانی ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

2 یعنی رات دن ان کی عبادت کرتے ہیں۔

3 یعنی اگر تم ان کی عبادت ترک کر دو تو کیا وہ تمھیں نقصان پہنچاتے ہیں؟

4 جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا جیسے آج بھی لوگوں کو قرآن و حدیث کی بات بتلائی جائے تو یہی عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے خاندان میں تو ہمارے آباء واجداد سے یہی کچھ ہوتا آ رہا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

5 ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ ﴾ کے معنی ہیں: فَهَلْ أَبْصَرْتُمْ وَتَفَكَّرْتُمْ کیا تم نے غور و فکر کیا؟

6 اس لیے کہ تم سب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿77﴾	وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ کے جو تمام جہان کا پالنہار ہے ○ [1]
الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿78﴾	جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے ○ [2]
وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿79﴾	وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے ○ [3]
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿80﴾	اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے ○ [4]
وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿81﴾	اور وہی مجھے مار ڈالے گا، پھر زندہ کر دے گا ○ [5]
وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿82﴾	اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روزِ جزا میرے گناہوں کو بخش دے گا ○ [6]
رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿83﴾	اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ [7] عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے ○

جن کی تم اور تمھارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں، وہ سب معبود میرے دشمن ہیں، یعنی میں ان سے بیزار ہوں۔

1 یعنی وہ دشمن نہیں بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میرا ولی اور دوست ہے۔

2 یعنی دین و دنیا کے مصالح اور منافع کی طرف۔

3 یعنی انواع واقسام کے رزق پیدا کرنے والا اور جو پانی ہم پیتے ہیں، اسے مہیا کرنے والا بھی وہی اللہ ہے۔

4 بیماری کو دور کر کے شفا عطا کرنے والا بھی وہی ہے، یعنی دواؤں میں شفا کی تاثیر بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ورنہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ بیماری بھی اگرچہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ہی آتی ہے۔ لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی۔ یہ گویا اللہ کے ذکر میں اس کے ادب واحترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا۔

5 یعنی قیامت والے دن، جب وہ سارے لوگوں کو زندہ فرمائے گا، مجھے بھی زندہ کرے گا۔

6 یہاں امید، یقین کے معنی میں ہے کیونکہ کسی بڑی شخصیت سے امید، یقین کے مترادف ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے، اس سے وابستہ امید یقینی کیوں نہیں ہوگی۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کے لیے ﴿عَسَى﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقین ہی کے مفہوم میں ہے۔ ﴿خَطِيْٓـــَٔتِيْ﴾ اگرچہ واحد کا صیغہ ہے لیکن خَطَايَا (جمع) کے معنی میں ہے۔ انبیاء علیہم السلام اگرچہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں، اس لیے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عفو کے طلب گار ہوں گے۔

7 حکم یا حکمت سے مراد علم وفہم، قوت فیصلہ یا نبوت ورسالت یا اللہ کے حدود واحکام کی معرفت ہے۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿84﴾	اور میرا ذکرِ خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ ○ [1]
وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿85﴾	مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے ○
وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿86﴾	اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا ○ [2]
وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿87﴾	اور جس دن کہ لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا ○ [3]
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿88﴾	جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی ○
اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿89﴾	لیکن (فائدے والا وہی ہوگا) جو اللہ کے سامنے بے عیب دل لے کر آئے گا ○ [4]
وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿90﴾	اور پرہیز گاروں کے لیے جنت بالکل نزدیک لادی جائے گی ○

1 یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و تکریم سے انکار نہیں ہے۔

2 یہ دعا اس وقت کی تھی، جب ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے جب اس پر یہ واضح ہو گیا تو انھوں نے اپنے باپ سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ (دیکھیے: التوبة 9:114)

3 یعنی تمام مخلوق کے سامنے میرا مؤاخذہ کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے تو اللہ کی بارگاہ میں درخواست کریں گے اور فرمائیں گے: یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لیے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر ان کے باپ کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بجو کی شکل میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح البخاري، حديث: 3350)

4 قلب سلیم یا بے عیب دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو، یعنی قلب مومن، اس لیے کہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن دل، بعض کے نزدیک دنیا کے مال و متاع کی محبت سے پاک دل اور بعض کے نزدیک، جہالت کی تاریکیوں اور اخلاقی رذالتوں سے پاک دل۔ یہ سارے مفہوم بھی صحیح ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ قلب مومن مذکورہ تمام ہی برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔

وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَ ۙ﴿91﴾
اور گمراہ لوگوں کے لیے جہنم ظاہر کردی جائے گی ○ [1]

وَقِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَمَا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿92﴾
اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے وہ کہاں ہیں؟ ○

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ هَلۡ يَنۡصُرُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ؕ﴿93﴾
جو اللہ کے سوا تھے، کیا وہ تمھاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں ○ [2]

فَكُبۡكِبُوۡا فِيۡهَا هُمۡ وَالۡغَاوٗنَ ۙ﴿94﴾
پس وہ سب اور کل گمراہ لوگ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے ○ [3]

وَجُنُوۡدُ اِبۡلِيۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ؕ﴿95﴾
اور ابلیس کے تمام لشکر بھی ○ [4]

قَالُوۡا وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَ ۙ﴿96﴾
وہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے ○

تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۙ﴿97﴾
کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے ○

اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿98﴾
جبکہ تمھیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے ○ [5]

وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿99﴾
اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا تھا ○ [6]

فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِيۡنَ ۙ﴿100﴾
اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں ○

وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ ﴿101﴾
اور نہ کوئی (سچا) غم خوار دوست ○ [7]

---

1 مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول سے پہلے ان کو سامنے کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں کے غم میں اور اہل ایمان کے سرور میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

2 یعنی تم سے عذاب ٹال دیں یا خود اپنے نفس کو اس سے بچالیں۔

3 یعنی معبودین اور عابدین سب کو مال ڈنگر کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔

4 اس سے مراد وہ لشکر ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

5 دنیا میں تو ہر تراشا ہوا پتھر اور قبر پر بنا ہوا خوش نما قبہ، مشرکوں کو خدائی اختیارات کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن قیامت کو پتہ چلے گا کہ یہ تو کھلی گمراہی تھی کہ وہ انھیں رب کے برابر سمجھتے رہے۔

6 یعنی وہاں جا کر احساس ہوگا کہ ہمیں دوسرے مجرموں نے گمراہ کیا۔ دنیا میں انھیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام گمراہی ہے، بدعت ہے، شرک ہے تو نہیں مانتے، نہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں کہ حق و باطل ان پر واضح ہو سکے۔

7 گناہ گار اہل ایمان کی سفارش تو اللہ کی اجازت کے بعد انبیاء و صلحاء بالخصوص حضرت نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿102﴾
اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم پکے سچے مومن بن جاتے ○ [1]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾
یہ ماجرا یقیناً ایک زبردست نشانی ہے [2] ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ○ [3]

5 36 9 ع
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾ ع
یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے ○

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿105﴾ ښ
قومِ نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا ○ [4]

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿106﴾ ج
جبکہ ان کے بھائی [5] نوح نے کہا کہ کیا تمھیں اللہ کا خوف نہیں! ○

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿107﴾ لا
سنو! میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں ○ [6]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿108﴾ ج
پس تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے ○ [7]

وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿109﴾ ج
میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے ○ [8]

لیکن کافروں اور مشرکوں کے لیے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت ہوگی نہ حوصلہ اور نہ وہاں کوئی دوستی ہی کام آئے گی۔

1 اہل کفر و شرک قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرکے اللہ کو خوش کرلیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انھیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔

2 یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں اپنی قوم سے مناظرہ و محاجۃ اور اللہ کی توحید کے دلائل، یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

3 بعض نے اس کا مرجع مشرکین مکہ، یعنی قریش کو قرار دیا ہے، یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔

4 قوم نوح نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام نبیوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے، اس لیے فرمایا کہ قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

5 بھائی اس لیے کہا کہ حضرت نوح ان ہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔

6 یعنی اللہ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے، وہ بلاکم و کاست تم تک پہنچانے والا ہوں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتا۔

7 یعنی میں تمھیں جو ایمان باللہ اور شرک نہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، اس میں میری اطاعت کرو۔

8 میں تمھیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا بلکہ اس کا اجر رب العالمین ہی کے ذمے ہے جو

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿110﴾

پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو ○ [1]

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿111﴾

قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں! تیری تابعداری تو رذیل لوگوں نے کی ہے ○ [2]

قَالَ وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿112﴾

آپ نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟○ [3]

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿113﴾

ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے [4] اگر تمھیں شعور ہوتو ○

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿114﴾

میں ایمان داروں کو دھکے دینے والا نہیں ○ [5]

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿115﴾

میں تو صاف طور پر ڈرادینے والا ہوں ○ [6]

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿116﴾

انھوں نے کہا کہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کر دیا جائے گا ○

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِىْ كَذَّبُوْنِ ﴿117﴾ النصف

آپ نے کہا: اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ○

قیامت کو وہ عطا فرمائے گا۔

1 یہ تاکید کے طور پر بھی ہے اور الگ الگ سبب کی بنا پر بھی، پہلے اطاعت کی دعوت امانت داری کی بنیاد پر تھی اور اب یہ دعوت اطاعت عدم طمع کی وجہ سے ہے۔

2 ﴿الْاَرْذَلُوْنَ﴾ أَرْذَلُ کی جمع ہے۔ جاہ و مال نہ رکھنے والے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں کمتر سمجھے جانے والے۔ اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو حقیر سمجھے جانے والے پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

3 یعنی مجھے اس بات کا مُکَلَّف نہیں ٹھہرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے حسب ونسب، امارت وغربت اور ان کے پیشوں کی تفتیش کروں بلکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ایمان کی دعوت دوں اور جو اسے قبول کر لے، چاہے وہ کسی حیثیت کا حامل ہو، اسے اپنی جماعت میں شامل کرلوں۔

4 یعنی ان کے ضمائر اور اعمال کی تفتیش یہ اللہ کا کام ہے۔

5 یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے سے دور کر دے، پھر ہم تیری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔

6 پس جو اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرے گا، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، چاہے دنیا کی نظر میں وہ شریف ہو یا رذیل، جلیل ہو یا حقیر۔

فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّنَجِّنِىۡ وَمَنۡ مَّعِىَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿118﴾

پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے ○

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿119﴾

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی ○

ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِيۡنَ ﴿120﴾

بعد ازاں باقی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا ○ [1]

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ‌ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿121﴾

یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے بھی نہیں ○

6 18 10 وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿122﴾

اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی ہے زبردست رحم کرنے والا ○

كَذَّبَتۡ عَادُ ۨالۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿123﴾

عادیوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ○ [2]

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿124﴾

جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود [3] نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ ○

اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿125﴾

میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں ○

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿126﴾

پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○

---

1 یہ تفصیلات کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نوسو سال تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ نافرمانی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا اور اس میں مومن انسانوں، جانوروں اور ضروری ساز و سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو تو بچا لیا گیا اور باقی سب لوگوں کو حتیٰ کہ بیوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔

2 عاد، ان کے جَدِّ اعلیٰ کا نام تھا جس کے نام پر قبیلے کا نام پڑ گیا۔ یہاں اسی کی طرف اسناد کی وجہ سے ﴿ كَذَّبَتۡ ﴾ (صیغہ مؤنث) لایا گیا ہے۔

3 ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اسی لیے کہا گیا ہے کہ نسلاً یہ ان ہی میں سے تھے اور بالعموم ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس کی طرف اسے مبعوث کیا جاتا تھا جیسا کہ آگے بھی آئے گا اور انبیاء و رسل کی یہ ''بشریت'' بھی ان کی قوموں کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی کو بشر نہیں، مافوق البشر ہونا چاہیے۔ آج بھی اس مسلمہ حقیقت سے آنکھیں بند رکھنے والے لوگ پیغمبر اسلام حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو مافوق البشر باور کرانے پر تلے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی خاندان قریش کے ایک فرد تھے جن کی طرف آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿127﴾
میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے پاس ہی ہے ○

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿128﴾
کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشا یادگار (عمارت) بنا رہے ہو ○ [1]

وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿129﴾
اور بڑی صنعت کاری کے مضبوط محل تعمیر کر رہے ہو، گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے ○ [2]

وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ ﴿130﴾
اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو ○ [3]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿131﴾
اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو ○ [4]

وَاتَّقُوا الَّذِىۡۤ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿132﴾
اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمھاری امداد کی جنھیں تم جانتے ہو ○

اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِيۡنَ ﴿133﴾
اس نے تمھاری مدد کی مال سے اور اولاد سے ○

وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿134﴾
باغات سے اور چشموں سے ○

اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿135﴾
مجھے تو تمھاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ○ [5]

---

1 ﴿رِيۡعٍ﴾ اس کا واحد رِیعَۃ ہے۔ ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھاٹی یہ ان گزرگاہوں پر کوئی عمارت تعمیر کرتے جو ارتفاع اور علو میں ایک نشانی، یعنی ممتاز ہوتی۔ لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کود ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں۔

2 اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے جیسے وہ ہمیشہ انھی محلات میں رہیں گے۔

3 یہ ان کے ظلم وتشدد اور قوت وطاقت کی طرف اشارہ ہے۔

4 جب ان کے اوصاف قبیحہ بیان کیے جو ان کے دنیا میں انہماک اور ظلم وسرکشی پر دلالت کرتے ہیں تو پھر انھیں دوبارہ تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

5 یعنی اگر تم نے اپنے کفر پر اصرار جاری رکھا اور اللہ نے تمھیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا نہیں کیا تو تم عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا جاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آ سکتا ہے اور آخرت تو ہے ہی عذاب وثواب کے لیے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿136﴾
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿137﴾
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿138﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾
ع 7 18 11 وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿140﴾
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿141﴾

انھوں نے کہا کہ آپ وعظ کریں یا وعظ کرنے والوں میں نہ ہوں ہم پر یکساں ہے ○
یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادت ہے ○ [1]
اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیے جائیں گے ○ [2]
چونکہ انھوں (عادیوں) نے اس (ہود) کو جھٹلایا، اس لیے ہم نے انھیں تباہ کردیا، [3] یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر بے ایمان تھے ○
بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب مہربان ○
ثمودیوں [4] نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ○

وہاں تو عذاب سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں ہوگا۔

1 یعنی وہی باتیں ہیں جو پہلے بھی لوگ کرتے آئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم جس دین اور عادات و روایات پر قائم ہیں، وہ وہی ہیں جن پر ہمارے آباء واجداد کاربند رہے، مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ہم آبائی مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔

2 جب انھوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آبائی دین نہیں چھوڑیں گے تو اس میں عقیدۂ آخرت کا انکار بھی تھا، اس لیے انھوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی انکار کیا کیونکہ عذاب الٰہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو مانتا اور روز جزا کو تسلیم کرتا ہے۔

3 قوم عاد دنیا کی مضبوط ترین اور قوی ترین قوم تھی جس کی بابت اللہ نے فرمایا ہے: ﴿الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ○﴾ (الفجر 89:8) ''اس جیسی قوم ملکوں میں پیدا ہی نہیں کی گئی۔'' یعنی جو قوت اور شدت و جبروت میں اس جیسی ہو۔ اسی لیے یہ کہا کرتی تھی۔ ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ السجدة 41:15) ''کون قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟'' لیکن جب اس قوم نے بھی کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان وتقویٰ اختیار نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمایا جو مکمل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رہا۔ بادتند آتی اور آدمی کو اٹھا کر فضا میں بلند کرتی اور پھر زور سے سر کے بل زمین پر پٹخ دیتی۔ جس سے اس کا دماغ پھٹ اور ٹوٹ جاتا اور بغیر سر کے ان کے لاشے اس طرح زمین پر پڑے ہوتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ انھوں نے پہاڑوں، کھوؤں اور غاروں میں بڑی بڑی مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں، پینے کے لیے گہرے کنویں کھود رکھے تھے، باغات کی کثرت تھی۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا گیا۔

4 ثمود کا مسکن حجر تھا جو حجاز کے شمال میں ہے، آج کل اسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ (أیسر التفاسیر) یہ قدیم عرب تھے۔ نبی ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزر کر گئے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿142﴾
ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ ○

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿143﴾
میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں ○

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿144﴾
تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿145﴾
میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے ○

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿146﴾
کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ دیے جاؤ گے ○ [1]

فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿147﴾
یعنی باغوں اور چشموں میں ○

وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿148﴾
اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں ○ [2]

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿149﴾
اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو ○ [3]

---

1 یعنی یہ نعمتیں کیا تمھیں ہمیشہ حاصل رہیں گی، نہ تمھیں موت آئے گی نہ عذاب؟ استفہام انکاری اور توبیخی ہے، یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعے سے، جب اللہ چاہے گا، تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس میں ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان و شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بربادی تمھارا مقدر ہے۔

2 یہ ان نعمتوں کی تفصیل ہے جن سے وہ بہرہ ور تھے، ﴿ طَلْعُهَا ﴾ کھجور کے اس شگوفے کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نکلتا، یعنی طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد کھجور کا یہ پھل بلح، پھر بسر، پھر رطب اور اس کے بعد تمر کہلاتا ہے۔ (أیسر التفاسیر) باغات میں دیگر پھلوں کے ساتھ کھجور کا پھل بھی آ جاتا ہے۔ لیکن عربوں میں چونکہ کھجور کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے اس کا خصوصی طور پر بھی ذکر کیا۔ ﴿ هَضِیْمٌ ﴾ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: لطیف اور نرم و نازک، تہ بہ تہ وغیرہ۔

3 ﴿ فٰرِهِیْنَ ﴾ یعنی ضرورت سے زیادہ تصنع، تکلف اور فن کارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے، جیسے آج کل لوگوں کا حال ہے۔ آج بھی عمارتوں پر غیر ضروری آرائشوں اور فن کارانہ مہارتوں کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے پر برتری اور فخر و غرور کا اظہار بھی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿150﴾
پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿151﴾
بے باک حد سے گزر جانے والوں [1] کی اطاعت سے باز آجاؤ ○

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿152﴾
جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ○

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿153﴾
وہ بولے کہ بس تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے ○

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿154﴾
تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ اگر تو سچوں میں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ ○

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿155﴾
آپ نے فرمایا: یہ ہے اونٹنی، پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقررہ دن کی باری پانی پینے کی تمھاری ○ [2]

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿156﴾
خبردار! اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمھاری گرفت کر لے گا ○ [3]

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿157﴾
پھر بھی انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں [4]، پس وہ

---

1 ﴿الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ''حد سے گزر جانے والوں'' سے مراد وہ رؤسا اور سردار ہیں جو کفر و شرک کے داعی اور مخالفت حق میں پیش پیش تھے۔

2 یہ وہی اونٹنی تھی جو ان کے مطالبے پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی۔ ایک دن اونٹنی کے لیے اور ایک دن ان کے لیے پانی مقرر کر دیا گیا تھا اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جو دن تمھارا پانی لینے کا ہوگا، اونٹنی گھاٹ پر نہیں آئے گی اور جو دن اونٹنی کے پانی پینے کا ہوگا، تمھیں گھاٹ پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

3 دوسری بات انھیں یہ کہی گئی کہ اس اونٹنی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے، چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح ان کے درمیان رہی۔ گھاٹ سے پانی پیتی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود اس کا دودھ دوہتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انھوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔

4 یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ اونٹنی اللہ کی قدرت کا ایک نشان اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی، قوم ثمود ایمان نہیں لائی اور کفر و شرک کے راستے پر گامزن رہی اور اس کی سرکشی یہاں تک بڑھی کہ بالآخر قدرت کے زندہ نشان

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿158﴾

پشیمان ہو گئے ○ [1]

اور عذاب نے انھیں آ دبوچا۔ [2] بے شک اس میں عبرت ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے ○

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿159﴾ ع 8 19 12

اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے ○

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿160﴾

قوم لوط [3] نے بھی نبیوں کو جھٹلایا ○

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿161﴾

ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا: کیا تم اللہ کا خوف نہیں رکھتے ؟ ○

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿162﴾

میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں ○

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿163﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿164﴾

میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے ○

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿165﴾

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو ○

وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿166﴾

اور تمھاری جن عورتوں کو اللہ نے تمھارا جوڑ بنایا ہے ان کو چھوڑ دیتے ہو [4] بلکہ تم ہو ہی حد سے گزر جانے

''اونٹنی'' کی کوچیں کاٹ ڈالیں، یعنی اس کے ہاتھوں اور پیروں کو زخمی کر دیا جس سے وہ بیٹھ گئی اور پھر اسے قتل کر دیا۔

1 یہ اس وقت ہوا جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تمھیں صرف تین دن کی مہلت ہے، چوتھے دن تمھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب واقعی عذاب کی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہو گئیں تو پھر ان کی طرف سے بھی اظہار ندامت ہونے لگا۔ لیکن علامات عذاب دیکھ لینے کے بعد ندامت اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

2 یہ عذاب زمین سے بھونچال (زلزلے) اور اوپر سے سخت چنگھاڑ کی صورت میں آیا جس سے سب کی موت واقع ہو گئی۔

3 حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے تھے۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم ''سدوم'' اور ''عاموراء'' میں رہتی تھی۔ یہ بستیاں شام کے علاقے میں تھیں۔

4 یہ قوم لوط کی سب سے بری عادت تھی جس کی ابتدا اسی قوم سے ہوئی تھی، اسی لیے اس فعل بد کو لواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی وہ بدفعلی جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا۔ لیکن اب یہ بدفعلی دنیائے کفر میں عام ہے بلکہ یورپ میں تو اسے قانونًا جائز تسلیم کر لیا گیا ہے، یعنی ان کے ہاں اب یہ سرے سے گناہ ہی نہیں ہے۔ جس قوم کا مزاج اتنا بگڑ گیا ہو

والے ○ [1]

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿167﴾
انھوں نے جواب دیا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا ○ [2]

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿168﴾
آپ نے فرمایا: میں تمھارے کام سے سخت ناخوش ہوں ○ [3]

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿169﴾
میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھرانے کو اس (وبال) سے بچالے جو یہ کرتے ہیں ○

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿170﴾
پس ہم نے اسے اور اس کے متعلقین کو سب کو بچالیا ○

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿171﴾
بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگئی ○ [4]

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿172﴾
پھر ہم نے باقی سب کو ہلاک کر دیا ○

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿173﴾
اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا، پس بہت ہی برا مینہ تھا جو ڈرائے ہوئے لوگوں پر برسا ○ [5]

کہ مرد و عورت کا ناجائز جنسی ملاپ (بشرطیکہ باہمی رضامندی سے ہو ان کے نزدیک جرم نہ ہو) تو وہاں دو مردوں کا آپس میں بدفعلی کرنا کیونکر گناہ اور ناجائز ہوسکتا ہے؟ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

1 ﴿عٰدُوْنَ﴾ عادی کی جمع ہے۔ عربی میں عادی کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعے سے عورت کی فرج سے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کو حلال قرار دیا ہے اور اس کام کے لیے مرد اور عورت کی دبر کو حرام۔ قوم لوط علیہ السلام نے عورتوں کی شرم گاہوں کو چھوڑ کر مردوں کی دبر اس کام کے لیے استعمال کی اور یوں اس نے حد سے تجاوز کیا۔

2 یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کے جواب میں اس نے کہا کہ تو بڑا پاک باز بنا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا اگر تو باز نہ آیا تو ہم اپنی بستی میں تجھے رہنے ہی نہیں دیں گے۔ آج بھی بدیوں کا اتنا غلبہ اور بدوں کا اتنا زور ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے۔ اور نیکوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔

3 یعنی میں اسے پسند نہیں کرتا اور اس سے سخت بیزار ہوں۔

4 اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی ہے جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی ہلاک کر دی گئی۔

5 یعنی نشان زدہ کھنگر پتھروں کی بارش سے ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا جیسا کہ سورۂ ہود 11:82، 83 میں بیان ہوا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿174﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿175﴾ ع 16/13
كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــٴَـیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿176﴾
اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿177﴾
اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿178﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿179﴾
وَمَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿180﴾
اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿181﴾

یہ ماجرا بھی سراسر عبرت ہے۔ ان میں سے بھی اکثر مسلمان نہ تھے ○
بے شک تیرا پروردگار وہی ہے غلبے والا مہربانی والا ○
ایکہ [1] والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ○
جبکہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تمھیں ڈر خوف نہیں؟ ○
میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں ○
اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو ○
میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا، میرا اجر تمام جہانوں کے پالنے والے کے پاس ہے ○
ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو ○ [2]

1 أیكة جنگل کو کہتے ہیں۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور بستی ''مدین'' کے اطراف کے باشندے مراد ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ایکہ کے معنی ہیں گھنا درخت اور ایسا ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرۂ نبوت اور حدود دعوت و تبلیغ، مدین سے لے کر اس نواحی آبادی تک تھا، جہاں ایکہ درخت کی پوجا ہوتی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اصحاب الایکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یہ ایک ہی پیغمبر کی امت تھی۔ ایکہ چونکہ قوم نہیں بلکہ درخت تھا، اس لیے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا جس طرح کہ دوسرے انبیاء کے ذکر میں ہے، البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے، وہاں ان کی اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے کیونکہ مدین، قوم کا نام ہے۔ ﴿ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ﴾ (الأعراف 85:7) بعض مفسرین نے اصحاب الایکہ اور مدین کو الگ الگ بستیاں قرار دے کر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں جن کی طرف باری باری حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ مدین کی طرف اور دوسری مرتبہ اصحاب الایکہ کی طرف۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، ﴿ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ ﴾ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا، یہی وعظ یہاں اصحاب الایکہ کو کیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، دو نہیں۔

2 یعنی جب تم لوگوں کو ناپ کر دو تو اسی طرح پورا دو جس طرح لیتے وقت تم پورا ناپ کر لیتے ہو۔ لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ مت رکھو کہ دیتے وقت کم دو اور لیتے وقت پورا لو!

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿182﴾
اور سیدھی صحیح ترازو سے تولا کرو ○ [1]

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿183﴾
لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو، [2] بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو ○ [3]

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿184﴾
اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمھیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے ○ [4]

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿185﴾
انھوں نے کہا: تُو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے ○

وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿186﴾
اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں ○ [5]

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿187﴾
اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے ○ [6]

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿188﴾
کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو ○ [7]

---

1 اسی طرح تول میں ڈنڈی مت مارو بلکہ پورا صحیح تول کر دو!

2 یعنی لوگوں کو دیتے وقت ناپ یا تول میں کمی مت کرو۔

3 یعنی اللہ کی نافرمانی مت کرو، اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ بعض نے اس سے مراد وہ رہزنی لی ہے جس کا ارتکاب بھی یہ قوم کرتی تھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے، ﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ ﴾ (الأعراف 86:7) ''راستوں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے مت بیٹھو۔'' (ابن كثير)

4 ﴿ وَالْجِبِلَّةَ ﴾ اور جبلّ مخلوق کے معنی میں ہے جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ﴾ (یٰس 36: 62) ''اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا۔'' اس کا استعمال بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ ذُوالْعَدَدِ الْكَثِيْرِ مِنَ النَّاسِ (فتح القدير)

5 یعنی تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا ہے، ہم تجھے اس دعوے میں جھوٹا سمجھتے ہیں کیونکہ تو بھی ہم جیسا ہی انسان ہے، پھر تو اس شرف سے مشرف کیونکر ہو سکتا ہے؟

6 یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تہدید کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جا ہم تجھے نہیں مانتے، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر دکھا!

7 یعنی تم جو کفر و شرک کر رہے ہو، سب اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس کی جزا تمھیں دے گا اگر چاہے گا تو دنیا میں

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿189﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿190﴾
10 ع 16 14 وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿191﴾ ع
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿192﴾ ؕ
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿193﴾ ۙ
عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿194﴾ ۙ

چونکہ انھوں نے اسے جھٹلایا تو انھیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔[1] وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا ○
یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے ○
اور یقیناً تیرا پروردگار البتہ وہی ہے غلبے والا مہربانی والا ○
اور بے شک وشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے ○
اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا[2] ہے ○
آپ کے دل پر اترا[3] ہے کہ آپ آگاہ کردینے والوں

بھی دے دے گا، یہ عذاب اور سزا اس کے اختیار میں ہے۔

1 انھوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرما دیا اور وہ اس طرح کہ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس سائے تلے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا۔ لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرز اٹھی اور ایک سخت چنگھاڑ نے انھیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔ یوں تین قسم کا عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادل سایہ فگن ہوا، اس لیے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انھیں پکڑ لیا۔
امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر قوم شعیب علیہ السلام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور تینوں جگہ موقع کی مناسبت سے الگ الگ عذاب کا ذکر کیا ہے۔ سورۂ اعراف 7:88 میں زلزلہ کا ذکر ہے، سورۂ ہود 11:94 میں صَيْحَة (چیخ) کا اور یہاں سورۂ شعراء میں آسمان سے ٹکڑے گرانے کا، یعنی تین قسم کا عذاب اس قوم پر آیا۔

2 کفار مکہ نے قرآن کے وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحیٔ الٰہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے گزشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لیے یہ قرآن یقیناً اللہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ، یعنی جبریل لے کر آیا۔

3 دل کا بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ حواس بَاطِنَه میں دل ہی سب سے زیادہ ادراک اور حفظ کی قوت رکھتا ہے۔

میں سے ہو جائیں ○ [1]

بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴿195﴾
صاف عربی زبان میں ہے ○

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿196﴾
اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے ○ [2]

اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿197﴾
کیا انھیں یہ نشانی کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو تو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں ○ [3]

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿198﴾
اور اگر ہم اسے کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے ○

فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿199﴾
پس وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو وہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے ○ [4]

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿200﴾
اسی طرح ہم نے گناہ گاروں کے دلوں میں اس (انکار) کو داخل کر دیا ہے ○ [5]

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿201﴾
وہ جب تک دردناک عذابوں کا ملاحظہ نہ کرلیں ایمان نہ لائیں گے ○

فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿202﴾
پس وہ عذاب ان کو ناگہاں آجائے گا، انھیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا ○

فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿203﴾
اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ ○ [6]

---

1 یہ نزول قرآن کی علت ہے۔

2 یعنی جس طرح پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے ظہور و بعثت کا اور آپ کی صفات جمیلہ کا تذکرہ پچھلی کتابوں میں ہے، اسی طرح اس قرآن کے نزول کی خوشخبری بھی صحف سابقہ میں دی گئی تھی۔ ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ قرآن مجید، باعتبار ان احکام کے جن پر تمام شریعتوں کا اتفاق رہا ہے، پچھلی کتابوں میں بھی موجود رہا ہے۔

3 کیونکہ ان کتابوں میں آپ کا اور قرآن کا ذکر موجود ہے۔ یہ کفار مکہ مذہبی معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے فرمایا کہ کیا ان کا یہ جاننا اور بتلانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، پھر یہ یہود کی اس بات کو مانتے ہوئے پیغمبر پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

4 یعنی کسی عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ کہتے کہ یہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جیسے حمٓ السجدة 41:44 میں ہے۔

5 یعنی ﴿سَلَكْنٰهُ﴾ میں ضمیر کا مرجع کفر و تکذیب اور جحود و عناد ہے۔

6 لیکن مشاہدۂ عذاب کے بعد مہلت نہیں دی جاتی نہ اس وقت کی توبہ ہی مقبول ہے: ﴿فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿204﴾
پس کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟○ [1]

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿205﴾
اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر ہم نے انھیں کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا○

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿206﴾
پھر انھیں وہ عذاب آ لگا جن سے یہ دھمکائے جاتے تھے○

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿207﴾
تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے اس میں سے کچھ بھی انھیں فائدہ نہ پہنچا سکے گا○ [2]

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿208﴾
ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر اسی حال میں کہ اس کے لیے ڈرانے والے تھے○

ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿209﴾
نصیحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں○ [3]

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿210﴾
اس قرآن کو شیطان نہیں لائے○

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿211﴾
نہ وہ اس کے قابل ہیں نہ انھیں اس کی طاقت ہے○

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿212﴾
بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیے گئے ہیں○ [4]

﴿اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ (المؤمن 40:85) ''ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان لانا نفع بخش ثابت نہ ہوا۔''

1 یہ اشارہ ہے ان کے مطالبے کی طرف جو اپنے پیغمبر سے کرتے رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو عذاب لے آ۔

2 یعنی اگر ہم انھیں مہلت دے دیں اور پھر انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیں تو کیا دنیا کا مال و متاع ان کے کچھ کام آئے گا؟ یعنی انھیں عذاب سے بچا سکے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ ﴿وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ﴾ (البقرة 2:96) ﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ○﴾ (اللیل 92:11) ''اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ (گڑھے میں) گرے گا۔''

3 یعنی ارسال رسل اور انذار کے بغیر اگر ہم کسی بستی کو ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا، ہم نے ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کے تقاضوں کے مطابق ہم نے پہلے ہر بستی میں رسول بھیجے جنھوں نے اہل قریہ کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور اس کے بعد جب انھوں نے پیغمبر کی بات نہیں مانی تو ہم نے انھیں ہلاک کیا۔ یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل 17:15 اور سورۂ قصص 28:59 وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

4 ان آیات میں قرآن کی، شیطانی دخل اندازیوں سے، محفوظیت کا بیان ہے۔ ایک تو اس لیے کہ شیاطین کا قرآن لے کر نازل ہونا، ان کے لائق نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصد شر و فساد اور منکرات کی اشاعت ہے جبکہ قرآن کا مقصد نیکی کا حکم اور فروغ اور منکرات کا سد باب ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم منافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ

فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ﴿213﴾
پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار کہ تو بھی سزا کے قابل بن جائے ○

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿214﴾
اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرا دے ○ [1]

وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿215﴾
اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آ جو بھی ایمان لانے والا ہو کر تیری تابعداری کرے ○

فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿216﴾
اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو تُو اعلان کر دے کہ میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو ○

وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ﴿217﴾
اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ ○

الَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿218﴾
جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جبکہ تو کھڑا ہوتا ہے ○

وَ تَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ ﴿219﴾
اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی وہ دیکھتا ہے ○ [2]

شیاطین اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے، تیسرے یہ کہ نزول قرآن کے وقت شیاطین اس کے سننے سے دور اور محروم رکھے گئے، آسمانوں پر ستاروں کو چوکیدار بنا دیا گیا تھا اور جو بھی شیطان اوپر جاتا یہ ستارے اس پر برق خاطف بن کر گرتے اور بھسم کر دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شیاطین سے بچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

1 پیغمبر کی دعوت صرف رشتے داروں کے لیے نہیں بلکہ پوری قوم کے لیے ہوتی ہے اور نبی ﷺ تو پوری نسل انسانی کے لیے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔ قریبی رشتے داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ایک ترجیحی پہلو ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اس حکم کے بعد نبی ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور یَا صَبَاحَاہ! کہہ کر آواز دی۔ یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا تھا جب دشمن اچانک حملہ کر دے، اس کے ذریعے سے قوم کو خبردار کیا جاتا تھا۔ یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، بتلاؤ اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو کیا تم مانو گے؟ سب نے کہا: ہاں، یقیناً ہم تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَّكَ أَلِـهٰذَا جَمَعْتَنَا تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورۂ ﴿ تَبَّتۡ يَدَآ ﴾ نازل ہوئی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4973) آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا: ''تم اللہ کے ہاں بچاؤ کا بندوبست کر لو، میں وہاں تمھارے کام نہیں آسکوں گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 206)

2 یعنی جب تو تنہا ہوتا ہے، تب بھی اللہ دیکھتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا ہے تب بھی۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿220﴾	وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جاننے والا ہے ○
هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿221﴾	کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ ○
تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿222﴾	وہ ہر ایک جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں ○ [1]
يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿223﴾	جو سنی سنائی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ○ [2]
وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿224﴾	شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بھکے ہوئے ہوں ○
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿225﴾	کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں؟ ○
وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿226﴾	اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ○ [3]
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	سوائے ان کے جو ایمان لائے [4] اور نیک عمل کیے اور

---

1 یعنی اس قرآن کے نزول میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ شیطان تو جھوٹوں اور گناہ گاروں (یعنی کاہنوں، نجومیوں وغیرہ) پر اترتے ہیں نہ کہ انبیاء وصالحین پر۔

2 یعنی ایک آدھ بات جو کسی طرح وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کاہنوں کو آ کر بتلا دیتے ہیں جن کے ساتھ وہ جھوٹی باتیں اور ملا لیتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔(ملاحظہ ہو صحيح البخاري، حديث: 7561، وصحيح مسلم، حديث: 122- (2228)) ﴿يُلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ شیاطین آسمان سے سنی ہوئی بعض باتیں کاہنوں کو پہنچا دیتے ہیں، اس صورت میں سمع کے معنی مسموع کے ہوں گے۔لیکن اگر اس کا مطلب حاسۂ سماعت (کان) ہے تو مطلب ہوگا کہ شیاطین آسمانوں پر جا کر کان لگا کر چوری چھپے بعض باتیں سن آتے ہیں اور پھر انھیں کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

3 شاعروں کی اکثریت چونکہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح وذم میں اصول وضابطے کی بجائے ذاتی پسند وناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں۔علاوہ ازیں اس میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور شاعرانہ تخیلات میں کبھی ادھر اور کبھی ادھر بھٹکتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان کے پیچھے لگنے والے بھی گمراہ ہیں۔اسی قسم کے اشعار کے لیے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ''پیٹ کو لہو اور پیپ سے بھر لینا، جو اسے خراب کر دے، شعر سے بھر لینے سے بہتر ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث:2257، وجامع الترمذي، حديث:2851) یہاں اس کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر کاہن ہے نہ شاعر، اس لیے کہ کاہن جھوٹا ہوتا ہے اور شاعر ہر بیابان میں سر ٹکراتا پھرتا ہے، چنانچہ دوسرے مقامات پر بھی آپ کے شاعر ہونے کی نفی کی گئی ہے۔(مثلاً: سورۂ یٰسٓ 69:36، سورۂ حاقہ 69:40-43)

4 اس سے ان شاعروں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور استثنا ایسے الفاظ سے

وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّ انۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ
مَا ظُلِمُوۡا ؕ وَ سَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ
11 ع 36 15 مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿227﴾

بکثرت اللہ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا، [1] جنھوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں ○ [2]

اٰیاتھا 93 (27) سُوۡرَةُ النَّمۡلِ مَكِّيَّةٌ (48) رکوعاتھا 7

سورۂ نمل [3] مکی ہے، اس کی 93 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيۡنٍ ۙ﴿1﴾
هُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿2﴾
الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ
وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ﴿3﴾

طٰسٓ یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○
ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لیے ○
جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ [4]

فرمایا جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایماندار، عمل صالح پر کار بند اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا شاعر غلط شاعری، جس میں جھوٹ، غلو اور افراط و تفریط ہو، کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو مومنانہ صفات سے عاری ہوں۔

1 یعنی ایسے مومن شاعر، ان کافر شعراء کا جواب دیتے ہیں، جس میں انھوں نے مسلمانوں کی ہجو (برائی) کی ہو۔ جس طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کافروں کی ہجو یہ شاعری کا جواب دیا کرتے تھے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرماتے: ''ان (کافروں) کی ہجو بیان کرو، جبریل بھی تمھارے ساتھ ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3213 ، وصحيح مسلم، حديث: 2486) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی شاعری جائز ہے جس میں کذب و مبالغہ نہ ہو اور جس کے ذریعے سے مشرکین و کفار اور مبتدعین و اہل باطل کو جواب دیا جائے اور مسلک حقہ اور توحید و سنت کا اثبات کیا جائے۔

2 یعنی أَيَّ مَرْجَعٍ يَّرْجِعُونَ یعنی کون سی جگہ وہ لوٹتے ہیں؟ اور وہ جہنم ہے۔ اس میں ظالموں کے لیے سخت وعید ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے: ''تم ظلم سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔'' (صحيح مسلم، حديث:2578)

3 نمل چیونٹی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں چیونٹیوں کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کو سورۂ نمل کہا جاتا ہے۔

4 یہ مضمون متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ قرآن کریم ویسے تو پوری نسل انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے لیکن اس سے حقیقتاً راہ یاب وہی ہوں گے جو ہدایت کے طالب ہوں گے جو لوگ اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو حق کے دیکھنے اور سننے سے بند یا اپنے دلوں کو گناہوں کی تاریکیوں سے مسخ کر لیں گے قرآن انھیں کس طرح سیدھی راہ پر لگا سکتا ہے؟ ان کی مثال اندھوں کی طرح ہے جو سورج کی روشنی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے، درآں حالیکہ سورج کی روشنی پورے عالم کی درخشانی کا سبب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④

جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے انھیں ان کے کرتوت مزین کر دکھائے ہیں،[1] پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ○[2]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤

یہی لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہ سخت نقصان یافتہ ہیں ○

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥

بے شک آپ کو اللہ حکیم وعلیم کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے ○

الثلٰثۃ

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦

(یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے یا تو کوئی خبر لے کر یا آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لے کر ابھی تمھارے پاس آ جاؤں گا تاکہ تم سینک تاپ کرلو ○[3]

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧

جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس ہے[4] اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے

1 یہ گناہوں کا وبال اور بدلہ ہے کہ برائیاں ان کو اچھی لگتی ہیں اور آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے۔ اس کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ہر کام اس کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، تاہم اس میں بھی اللہ کا وہی اصول کارفرما ہے کہ نیکوں کے لیے نیکی کا راستہ اور بدوں کے لیے بدی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا اختیار کرنا انسان کے اپنے ارادے پر منحصر ہے۔

2 یعنی گمراہی کے جس راستے پر وہ چل رہے ہوتے ہیں، اس کی حقیقت سے وہ آشنا نہیں ہوتے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی نہیں پاتے۔

3 یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر واپس آ رہے تھے، رات کو اندھیرے میں راستے کا علم نہیں تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔

4 دور سے جہاں آگ کے شعلے لپکتے نظر آئے، وہاں پہنچے، یعنی کوہ طور پر تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، اللہ کا نور تھا جس کی تجلی آگ کی طرح محسوس ہوتی تھی۔ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ میں مَنْ سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ، یعنی اس کا نور ہے اور ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (اس کے

	والا ہے ○ [1]
يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨	موسیٰ! سن بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں غالب [2] باحکمت ○
وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩	تو اپنی لاٹھی ڈال دے، موسیٰ نے جب اسے ہلتا جلتا دیکھا اس طرح کہ گویا وہ ایک سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ! خوف نہ کھا، [3] میرے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ○
اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪	لیکن جو لوگ ظلم کریں [4] پھر اس کے عوض نیکی کریں اس برائی کے پیچھے تو میں بھی بخشنے والا مہربان ہوں ○ [5]
وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۣ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ	اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، وہ سفید چمکیلا ہو کر نکلے گا بغیر کسی عیب کے، [6] تو نو نشانیاں لے کر فرعون اور

اردگرد) سے مراد فرشتے، حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب (پردے) کو نور (روشنی) اور ایک روایت میں نار (آگ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ "اگر اپنی ذات کو بے نقاب کر دے تو اس کا جلال تمام مخلوقات کو جلا کر رکھ دے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 293-(179))

1 یہاں اللہ کی تنزیہ و تقدیس کا مطلب یہ ہے کہ اس ندائے غیبی سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس آگ یا درخت میں اللہ نے حلول کیا ہوا ہے جس طرح کہ بہت سے مشرک سمجھتے ہیں بلکہ یہ مشاہدۂ حق کی ایک صورت ہے جس سے نبوت کے آغاز میں انبیاء کو بالعموم سرفراز کیا جاتا ہے۔ کبھی فرشتے کے ذریعے سے اور کبھی خود اللہ تعالیٰ اپنی تجلی اور ہم کلامی سے جیسے یہاں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

2 درخت سے ندا کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث تعجب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تعجب نہ کر میں اللہ ہی ہوں۔

3 اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے، ورنہ موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی لاٹھی سے نہ ڈرتے۔ دوسرا، طبعی خوف پیغمبر کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بالآخر انسان ہی ہوتے ہیں۔

4 یعنی ظالم کو تو خوف ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہ فرما لے۔

5 یعنی ظالم کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہوں۔

6 یعنی بغیر برص وغیرہ کی بیماری کے۔ یہ لاٹھی کے ساتھ دوسرا معجزہ انھیں دیا گیا۔

وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫
فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑬
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ
ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
ع 1 14 16 الْمُفْسِدِيْنَ ⑭
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ
وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى
كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮
وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا

اس کی قوم کی طرف جا،[1] یقیناً وہ بدکاروں کا گروہ ہے ○
پس جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے[2] ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے ○
صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انھوں نے انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے،[3] پس دیکھ لیجیے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا ○
اور ہم نے یقیناً داود اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا[4] اور دونوں نے کہا: تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○
اور داود کے وارث سلیمان ہوئے[5] اور کہنے لگے: لوگو! ہمیں

---

1 ﴿فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ﴾ آیات، یعنی یہ دو معجزے ان 9 نشانیوں میں سے ہیں جن کے ذریعے سے میں نے تیری مدد کی ہے۔ انھیں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا، ان 9 نشانیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے (سورۂ بنی اسرائیل: 101:17 کا حاشیہ)۔

2 ﴿مُبْصِرَةً﴾ واضح اور روشن یا یہ اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

3 یعنی علم کے باوجود جو انھوں نے انکار کیا تو اس کی وجہ ان کا ظلم اور استکبار تھا۔

4 سورت کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے سکھلایا جاتا ہے، اس کی دلیل کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مختصراً بیان فرمایا اور اب دوسری دلیل حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کا یہ قصہ ہے۔ انبیاء کے یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ علم سے مراد نبوت کے علم کے علاوہ وہ علم ہے جن سے حضرت داود علیہ السلام کو لوہے کی صنعت کا علم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا لیکن یہاں صرف علم کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

5 اس سے مراد مال و جائداد کی وراثت نہیں نبوت اور علم و فضل کی وراثت ہے جس کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام قرار پائے۔ اگر مال و جائداد کی وراثت ہوتی تو وارث کے طور پر صرف سلیمان علیہ السلام کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ اس میں تو داود علیہ السلام کی دوسری اولاد بھی شریک ہوتی، حالانکہ وہ اس وراثت سے محروم رہے۔ ویسے بھی انبیاء کی متروکہ مال و جائیداد بطور ورثہ تقسیم نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6727، وصحيح مسلم، حديث: 1758)

النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿16﴾

پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے [1] اور ہم سب کچھ دیے گئے ہیں۔ [2] بے شک یہ بالکل صریح فضلِ الٰہی ہے ○

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿17﴾

سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر، جنات اور انسان اور پرند میں سے جمع کیے گئے [3] اور (ہر ہر قسم کی) الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی ○ [4]

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿18﴾

جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمھیں روند ڈالے ○ [5]

---

1 بولیاں تو تمام جانوروں کی سکھلائی گئی تھیں لیکن پرندوں کا ذکر بطورِ خاص اس لیے کیا ہے کہ پرندے سائے کے لیے ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف پرندوں کی بولیاں سکھلائی گئی تھیں اور چیونٹیاں بھی منجملہ پرندوں کے ہیں کیونکہ ان کے بھی پر نکلتے ہیں۔ (فتح القدیر)

2 جس کی ان کو ضرورت تھی، جیسے علم، نبوت، حکمت، مال، جن وانس اور طیور وحیوانات کی تسخیر وغیرہ۔

3 اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس انفرادی خصوصیت وفضیلت کا ذکر ہے جس میں وہ پوری تاریخ انسانیت میں ممتاز ہیں کہ ان کی حکمرانی صرف انسانوں پر ہی نہیں تھی بلکہ جنات، حیوانات اور چرند و پرند حتیٰ کہ ہوا تک ان کے ماتحت تھی، اس میں کہا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تمام لشکر، یعنی جنوں، انسانوں اور پرندوں سب کو جمع کیا گیا، یعنی کہیں جانے کے لیے یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا۔

4 یہ ترجمہ توزیع بمعنی تفریق کے اعتبار سے ہے، یعنی سب کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم (قسم وار) کر دیا جاتا تھا، مثلاً: انسانوں، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کے گروہ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی اس کے ”پس وہ روکے جایا کرتے تھے۔“ یعنی یہ لشکر اتنی بڑی تعداد میں ہوتا تھا کہ راستے میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا کہ شاہی لشکر بد نظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو۔ یہ وَزَعَ یَزَعُ سے ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی مادے میں ہمزۂ سلب کا اضافہ کر کے ﴿ اَوْزِعْنِيْۤ ﴾ بنایا گیا ہے جو (آگے آیت: 19 میں آ رہا ہے)، یعنی ایسی چیزیں مجھ سے دور فرما دے جو مجھے تیری نعمتوں پر تیرا شکر کرنے سے روکتی ہیں۔ اس کو اردو میں ہم الہام وتوفیق سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ (فتح القدیر، أیسر التفاسیر و ابن کثیر)

5 اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور موجود ہے۔ گو وہ انسانوں سے بہت کم اور

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿19﴾

اس کی اس بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں [1] اور میرے ماں باپ پر۔ اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے ○ [2]

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿20﴾

آپ نے پرندوں کی دیکھ بھال کی اور فرمانے لگے: یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟ ○ [3]

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿21﴾

یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا، یا اسے ذبح کر ڈالوں گا، یا میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے ○

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آ کر اس نے کہا: میں ایک

مختلف ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت وفضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے، اسی لیے چیونٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روند نہ دی جائیں۔ تیسرا یہ کہ حیوانات بھی اسی عقیدہ صحیحہ سے بہرہ ور تھے اور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں جیسا کہ آگے آنے والے ہدہد کے واقعے سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ چوتھا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ یہ علم بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا تھا جس طرح تسخیر جنات وغیرہ اعجازی شان تھی۔

1 چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو سن کر سمجھ لینے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہوا کہ اللہ نے مجھ پر کتنا انعام فرمایا ہے۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ جنت، مومنوں ہی کا گھر ہے، اس میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اسی لیے حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''سیدھے سیدھے اور حق کے قریب رہو اور یہ بات جان لو کہ کوئی شخص بھی صرف اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے نہ ڈھانپ لے۔''

(صحيح البخاري، حديث: 6463، وصحيح مسلم، حديث: 71-2816))

3 یعنی موجود تو ہے، مجھے نظر نہیں آ رہا یا یہاں موجود ہی نہیں ہے۔

تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿22﴾

ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہیں،[1] میں سبا[2] کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں ○

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿23﴾

میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے[3] جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے ○[4]

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿24﴾

میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا، شیطان نے ان کے کام انھیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے،[5] پس وہ ہدایت پر نہیں آتے ○

---

1 احاطہ کے معنی ہیں: کسی چیز کی بابت مکمل علم اور معرفت حاصل کرنا۔

2 سَبَا ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا بھی۔ یہاں شہر مراد ہے۔ یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلے پر ہے اور مآرب یمن کے نام سے معروف ہے۔ (فتح القدیر)

3 یعنی ہُدہُد کے لیے بھی یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمران ہے۔ لیکن آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اگر مرد حکمران ہوسکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہوسکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے، حالانکہ قرآن نے ایک واقعے کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔

4 کہا جاتا ہے کہ اس کا طول 80 ہاتھ عرض 40 ہاتھ اور اونچائی 30 ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے۔ واللہ أعلم. (فتح القدیر) ویسے یہ قول مبالغے سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ یمن میں بلقیس کا جو محل ٹوٹی پھوٹی شکل میں موجود ہے اس میں اتنے بڑے تخت کی گنجائش نہیں۔

5 اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پرندوں کو یہ شعور ہے کہ غیب کا علم انبیاء بھی نہیں جانتے جیسا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا کہ میں ایک ایسی اہم خبر لایا ہوں جس سے آپ بھی بے خبر ہیں، اسی طرح وہ اللہ کی وحدانیت کا احساس و شعور بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے یہاں ہدہد نے حیرت و استعجاب کے انداز میں کہا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم اللہ کی بجائے سورج کی پجاری ہے اور شیطان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ جس نے ان کے لیے سورج کی عبادت کو خوبصورت کر کے دکھلایا ہوا ہے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿25﴾

کہ اسی اللہ کے لیے سجدے کریں [1] جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا [2] ہے، اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے ○

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿26﴾ السجدة

السجدة 8

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے ○

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿27﴾

سلیمان نے [3] کہا: اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے ○

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿28﴾

میرے اس خط کو لے جا کر انھیں دے دے، پھر ان کے پاس سے ہٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں ○ [4]

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿29﴾

وہ کہنے لگی: اے سردارو! میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے ○

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے

---

1 ﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ﴾ اس کا تعلق بھی ﴿ زَيَّنَ ﴾ کے ساتھ ہے، یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لیے مزین کر دیا ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔ یا اس میں ﴿ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ عامل ہے اور (لَآ) زائد ہے، یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ کو کریں۔ (فتح القدیر)

2 یعنی آسمان سے بارش برساتا اور زمین سے اس کی مخفی چیزیں نباتات، معدنیات اور دیگر زمینی خزانے ظاہر فرماتا اور نکالتا ہے۔ ﴿ الْخَبْءَ ﴾ مصدر ہے مفعول مَخْبُوْءٌ (چھپی ہوئی چیز) کے معنی ہیں۔

3 مالک تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا ہے لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا، ایک تو اس لیے کہ عرش الٰہی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور سب سے برتر ہے۔ دوسرا، یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سبا کا تخت شاہی بھی، گو بہت بڑا ہے لیکن اسے اس عرش عظیم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ ہدہد نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت و شان کو بیان کیا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے "چار جانوروں کو قتل مت کرو۔ چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد، یعنی لٹورا۔" (سنن أبي داود، حديث:5267، وسنن ابن ماجه، حديث: 3223، ومسند أحمد، 332/1) صرد (لٹورا) اس کا سر بڑا، پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے، یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے۔ (حاشیہ ابن کثیر)

4 یعنی ایک جانب ہٹ کر چھپ جا اور دیکھ کہ وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔

الرَّحِیۡمِ ﴿30﴾ | مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے ○

2 ع 17 17 اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿31﴾ | یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آجاؤ ○ [1]

قَالَتۡ یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۚ مَا کُنۡتُ قَاطِعَۃً اَمۡرًا حَتّٰی تَشۡہَدُوۡنِ ﴿32﴾ | اس نے کہا: اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو۔ میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمھاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی ○

قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّۃٍ وَّ اُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ ۬ۙ وَّ الۡاَمۡرُ اِلَیۡکِ فَانۡظُرِیۡ مَاذَا تَاۡمُرِیۡنَ ﴿33﴾ | ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں۔ [2] آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں ○ [3]

قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡکَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَۃً اَفۡسَدُوۡہَا وَ جَعَلُوۡۤا اَعِزَّۃَ اَہۡلِہَاۤ اَذِلَّۃً ۚ وَ کَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ ﴿34﴾ | اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں [4] تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ [5] اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے ○ [6]

وَ اِنِّیۡ مُرۡسِلَۃٌ اِلَیۡہِمۡ بِہَدِیَّۃٍ فَنٰظِرَۃٌۢ بِمَ یَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿35﴾ | میں انھیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں، پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں ○ [7]

---

1 جس طرح نبی ﷺ نے بھی بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے جن میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بھی اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت بذریعہ خط دی۔ آج کل مکتوب الیہ کا نام خط میں پہلے لکھا جاتا ہے۔ لیکن سلف کا طریقہ یہی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اختیار کیا کہ پہلے اپنا نام تحریر کیا۔

2 یعنی ہمارے پاس قوت اور اسلحہ بھی ہے اور لڑائی کے وقت نہایت پامردی سے لڑنے والے بھی ہیں، اس لیے جھکنے اور دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔

3 اس لیے کہ ہم تو آپ کے تابع ہیں، جو حکم ہو گا بجا لائیں گے۔

4 یعنی طاقت کے ذریعے سے فتح کرتے ہوئے۔

5 یعنی قتل و غارت گری کر کے اور قیدی بنا کر۔

6 بعض مفسرین کے نزدیک یہ اللہ کا قول ہے جو ملکہ سبا کی تائید میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ بلقیس ہی کا کلام اور اس کا تتمہ ہے اور یہی سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

7 اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ سلیمان کوئی دنیادار بادشاہ ہے یا نبی مرسل جس کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿36﴾

پس جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟ [1] مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، پس تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو ○ [2]

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿37﴾

جا ان کی طرف واپس لوٹ جا، [3] ہم ان کے مقابلے پر وہ لشکر لائیں گے جن کا سامنا کرنے کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انھیں ذلیل و پست کرکے وہاں سے نکال باہر کریں گے ○ [4]

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿38﴾

آپ نے فرمایا: اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہوکر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لادے ○ [5]

اگر ہدیہ قبول نہیں کیا تو یقیناً اس کا مقصد دین کی اشاعت و سربلندی ہے، پھر ہمیں بھی اطاعت کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

1 یعنی تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہوا ہے، پھر تم اپنے اس ہدیے سے میرے مال و دولت میں کیا اضافہ کرسکتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی اضافہ نہیں کرسکتے۔

2 یہ بطور توبیخ کے کہا کہ تم ہی اس ہدیے پر فخر کرو اور خوش رہو، میں تو اس سے خوش ہونے سے رہا، اس لیے کہ ایک تو دنیا میرا مقصود ہی نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جو پورے جہان میں کسی کو نہیں دیا۔ تیسرا یہ کہ مجھے نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔

3 یہاں صیغہ واحد سے مخاطب کیا جبکہ اس سے قبل صیغہ جمع سے خطاب کیا تھا کیونکہ خطاب میں کبھی پوری جماعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کبھی امیر کو۔

4 حضرت سلیمان علیہ السلام نرے بادشاہ ہی نہیں تھے، اللہ کے پیغمبر بھی تھے، اس لیے ان کی طرف سے تو لوگوں کو ذلیل و خوار کیا جانا ممکن نہیں تھا لیکن جنگ و قتال کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جنگ نام ہی کشت و خون اور اسیری کا ہے اور ذلت و خواری سے یہی مراد ہے، ورنہ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو خواہ مخواہ ذلیل و خوار نہیں کرتے۔ جس طرح نبی ﷺ کا طرز عمل اور اسوۂ حسنہ جنگوں کے موقع پر رہا۔

5 حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جواب سے ملکہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے، چنانچہ انھوں نے مطیع و منقاد ہوکر آنے کی تیاری شروع کردی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تو آپ

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿39﴾

ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا: آپ اپنی اس مجلس [1] سے اٹھیں اس سے پہلے ہی پہلے میں اسے آپ کے پاس لا دیتا [2] ہوں، یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار ○ [3]

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ

جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔ [4] جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا

نے انھیں اللہ کے حکم سے ایک عجیب امر دکھانے کا پروگرام بنایا اور ان کے پہنچنے سے قبل ہی اس کا تخت شاہی اپنے پاس منگوانے کا بندوبست کیا۔

1 اس سے وہ مجلس مراد ہے جو مقدمات کی سماعت کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے نصف النہار تک منعقد فرماتے تھے۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً ایک جن ہی تھا جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے کیونکہ کسی انسان کے لیے چاہے وہ کتنا ہی زور آور ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس سے مآرب یمن (سبا) جائے اور پھر وہاں سے تخت شاہی اٹھا لائے۔ اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ، جسے دو طرفہ شمار کیا جائے تو تین ہزار میل بنتا ہے، 4,3 گھنٹے میں طے کر لے۔ ایک طاقت ور سے طاقت ور انسان بھی اول تو اتنے بڑے تخت کو اٹھا ہی نہیں سکتا اور اگر وہ مختلف لوگوں یا چیزوں کا سہارا لے کر اٹھوا بھی لے تو اتنی قلیل مدت میں اتنا سفر کیوں کر ممکن ہے۔

3 یعنی میں اسے اٹھا کر لا بھی سکتا ہوں اور اس کی کسی چیز میں ہیرا پھیری بھی نہیں کروں گا۔

4 یہ کون شخص تھا جس نے یہ کہا؟ یہ کتاب کون سی تھی؟ اور یہ علم کیا تھا، جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان تینوں کی پوری حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے الفاظ سے جو معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ وہ کوئی انسان ہی تھا جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا، اللہ تعالیٰ نے کرامت کے طور پر اسے یہ قدرت دے دی کہ پلک جھپکنے میں وہ تخت لے آیا۔ کرامت اور معجزہ نام ہی ایسے کاموں کا ہے جو ظاہری اسباب اور امور عادیہ کے یکسر خلاف ہوں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں، اس لیے نہ شخصی قوت قابل تعجب ہے اور نہ اس علم کے سراغ لگانے کی ضرورت جس کا ذکر یہاں ہے کیونکہ یہ تو اس شخص کا تعارف ہے جس کے ذریعے سے یہ کام ظاہری طور پر انجام پایا، ورنہ حقیقت میں تو یہ مشیت الٰہی ہی کی کارفرمائی ہے جو چشم زدن میں، جو چاہے، کر سکتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، اس لیے جب انھوں نے دیکھا کہ تخت موجود ہے تو اسے فضل ربی سے تعبیر کیا۔

فَضۡلِ رَبِّیۡ ۖ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ ؕ
وَمَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ کَفَرَ
فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ ﴿40﴾

تو فرمانے لگے: یہی میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری، شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور کرم کرنے والا ہے ○

قَالَ نَکِّرُوۡا لَہَا عَرۡشَہَا نَنۡظُرۡ اَتَہۡتَدِیۡۤ اَمۡ
تَکُوۡنُ مِنَ الَّذِیۡنَ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿41﴾

حکم دیا کہ اس کے تخت کی صورت بدل دو [1] تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پا لیتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے ○ [2]

فَلَمَّا جَآءَتۡ قِیۡلَ اَہٰکَذَا عَرۡشُکِ ؕ
قَالَتۡ کَاَنَّہٗ ہُوَ ۚ وَ اُوۡتِیۡنَا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہَا
وَکُنَّا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿42﴾

پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا کہ ایسا ہی تیرا بھی تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی ہے، [3] ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے ○ [4]

وَصَدَّہَا مَا کَانَتۡ تَّعۡبُدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ
اِنَّہَا کَانَتۡ مِنۡ قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ ﴿43﴾

اسے انھوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی، یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی ○ [5]

---

1 یعنی اس کے رنگ روپ یا وضع وہیئت میں تبدیلی کر دو۔

2 یعنی وہ اس بات سے آگاہ ہوتی ہے کہ یہ تخت اسی کا ہے یا اس کو سمجھ نہیں پاتی؟ دوسرا مطلب ہے کہ وہ راہ ہدایت پاتی ہے یا نہیں؟ یعنی اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی اس پر راہ ہدایت واضح ہوتی ہے یا نہیں؟

3 ردوبدل سے چونکہ اس کی وضع وہیئت میں تبدیلی آ گئی تھی، اس لیے اس نے صاف الفاظ میں اس کے اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور ردوبدل کے باوجود انسان پھر بھی اپنی چیز کو پہچان ہی لیتا ہے، اس لیے اپنے ہونے کی نفی بھی نہیں کی۔ اور یہ کہا ''یہ گویا وہی ہے''۔ اس میں اقرار ہے نہ نفی۔ بلکہ نہایت محتاط جواب ہے۔

4 یعنی یہاں آنے سے قبل ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع ومنقاد ہو گئے تھے۔ لیکن امام ابن کثیر وشوکانی وغیرہ نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی یہ علم دے دیا تھا کہ ملکۂ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہو گی۔

5 یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ﴿صَدَّھَا﴾ کا فاعل ﴿مَا کَانَتۡ تَّعۡبُدُ﴾ ہے، یعنی اسے اللہ کی عبادت سے جس چیز نے روک رکھا تھا، وہ غیر اللہ کی عبادت تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ایک کافر قوم سے تھا، اس لیے توحید کی حقیقت سے بے خبر رہی، بعض نے ﴿صَدَّھَا﴾ کا فاعل اللہ کو اور بعض نے سلیمان علیہ السلام کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ نے یا اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح القدیر)

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ
حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ
قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ
قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ
مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ع ﴿44﴾ ع 3 13 18

اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو، جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ حوض ہے اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں، [1] سلیمان نے کہا: یہ ایسا محل ہے جس میں نیچے بھی شیشے جڑے ہوئے ہیں، کہنے لگی: میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں ○ [2]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ
صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ
فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿45﴾

یقیناً ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو، پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ○ [3]

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ
قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ

آپ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے [4] ہو؟ تم اللہ سے استغفار

---

1 یہ محل شیشے کا بنا ہوا تھا جس کا صحن اور فرش بھی شیشے کا تھا۔ ﴿لُجَّةً﴾ گہرے پانی یا حوض کو کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت کے اعجازی مظاہر دکھانے کے بعد مناسب سمجھا کہ اسے اپنی اس دنیوی شان و شوکت کی بھی ایک جھلک دکھلا دی جائے جس میں اللہ نے انھیں تاریخ انسانیت میں ممتاز کیا تھا، چنانچہ اس محل میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا، جب وہ داخل ہونے لگی تو اس نے اپنے پائنچے چڑھا لیے۔ شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا جس سے اپنے کپڑوں کو بچانے کے لیے اس نے کپڑے سمیٹ لیے۔

2 یعنی جب اس پر فرش کی حقیقت واضح ہوئی تو اپنی کوتاہی اور غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور اعتراف قصور کرتے ہوئے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ صاف چکنے گھڑے ہوئے پتھروں کو ﴿مُّمَرَّدٌ﴾ کہا جاتا ہے۔ جس درخت پر پتے نہ ہوں اسے شجرة مرداء کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) لیکن یہاں یہ تعمیر یا جڑاؤ کے معنی میں ہے، یعنی شیشوں کا بنا ہوا یا جڑا ہوا محل۔

ملحوظہ: ملکۂ سبا (بلقیس) کے مسلمان ہونے کے بعد کیا ہوا؟ قرآن میں یا کسی صحیح حدیث میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ تفسیری روایات میں یہ ضرور ملتا ہے کہ ان کا نکاح حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہو گیا تھا۔ لیکن جب قرآن و حدیث اس صراحت سے خاموش ہیں تو اس کی بابت خاموشی ہی بہتر ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

3 ان سے مراد کافر اور مومن ہیں، جھگڑنے کا مطلب ہر فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے۔

4 یعنی ایمان قبول کرنے کی بجائے، تم کفر ہی پر کیوں اصرار کر رہے ہو جو عذاب کا باعث ہے۔ علاوہ ازیں اپنے عناد و سرکشی کی وجہ سے کہتے بھی تھے کہ ہم پر عذاب لے آ۔ جس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے یہ کہا۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿46﴾
قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ
طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
تُفْتَنُوْنَ ﴿47﴾
وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ
يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿48﴾
قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ
ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ
اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿49﴾
وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ

کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○
وہ کہنے لگے: ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے [1] ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمھاری بدشگونی اللہ کے ہاں [2] ہے بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو ○ [3]
اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ○
انھوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے، [4] اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں ○ [5]
اور وہ ایک چال چلے [6] اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر [7]

1 ﴿اطَّيَّرْنَا﴾ اصل میں تَطَيَّرْنَا ہے۔ اس کی اصل طَيْر (اڑنا) ہے۔ عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے۔ اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو اسے بدشگونی سمجھتے اور اس کام یا سفر سے رک جاتے۔ (فتح القدیر) اسلام میں بدشگونی جائز نہیں ہے، البتہ نیک تفاؤل جائز ہے۔

2 یعنی اہل ایمان نحوست کا باعث نہیں ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا اصل سبب اللہ ہی کے پاس ہے کیونکہ قضا وقدر اسی کے اختیار میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھیں جو نحوست (قحط وغیرہ) پہنچی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا سبب تمھارا کفر ہے (فتح القدیر)

3 یا گمراہی میں ڈھیل دے کر تمھیں آزمایا جا رہا ہے۔

4 یعنی صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔ یہ قسمیں انھوں نے اس وقت کھائیں، جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آ جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ عذاب کے آنے سے قبل ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کا صفایا کر دیں۔

5 یعنی ہم قتل کے وقت وہاں موجود نہ تھے نہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ کون انھیں قتل کر گیا ہے۔

6 ان کا مکر یہی تھا کہ انھوں نے باہم حلف اٹھایا کہ رات کی تاریکی میں اس منصوبۂ قتل کو بروئے کار لائیں اور تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو ٹھکانے لگا دیں۔

7 یعنی ہم نے تدبیر کی (جس طرح اللہ کی شان کے لائق ہے) ان کی اس سازش کا بدلہ دیا اور انھیں ہلاک کر دیا۔

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿50﴾

کی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے ○ [1]

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿51﴾

اب دیکھ لے ان کے مکر کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا ○ [2]

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿52﴾

یہ ہیں ان کے مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں، جو لوگ علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑا نشانِ عبرت ہے ○

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿53﴾

ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے اور پرہیز گار تھے بال بال بچا لیا ○

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿54﴾

اور لوط کا ذکر کر جبکہ [3] اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا باوجود دیکھنے بھالنے کے پھر بھی تم بدکاری کر رہے ہو؟ ○ [4]

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿55﴾

یہ کیا بات ہے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو؟ [5] حق یہ ہے کہ تم بڑی ہی نادانی کر رہے ہو ○

---

1 اللہ کی اس تدبیر (مکر) کو سمجھتے ہی نہ تھے۔

2 یعنی ہم نے مذکورہ 9 سرداروں کو ہی نہیں بلکہ ان کی قوم کو بھی مکمل طور پر ہلاک کر دیا کیونکہ وہ قوم ہلاکت کے اصل سبب کفر و جحود میں مکمل طور پر ان کے ساتھ شریک تھی اور گو بالفعل ان کے منصوبۂ قتل میں شریک نہ ہو سکی تھی کیونکہ یہ منصوبہ خفیہ تھا۔ لیکن ان کی منشا اور دلی آرزو کے عین مطابق تھا، اس لیے وہ بھی گویا اس مکر میں شریک تھی جو 9 افراد نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کے خلاف تیار کیا تھا، اس لیے پوری قوم ہی ہلاکت کی مستحق قرار پائی۔

3 یعنی لوط علیہ السلام کا قصہ یاد کرو، جب لوط علیہ السلام نے مذکورہ بات کہی۔ قوم لوط عاموراء اور سدوم بستیوں میں رہائش پذیر تھی۔

4 یعنی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔ یہ بصارت قلب ہے۔ اور اگر بصارت ظاہری، یعنی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہو تو معنی ہوں گے کہ نظروں کے سامنے یہ کام کرتے ہو، یعنی تمھاری سرکشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ چھپنے کا تکلف بھی نہیں کرتے ہو۔

5 یہ تکرار توبیخ کے لیے ہے کہ یہ بے حیائی وہی لواطت ہے جو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے غیر طبعی شہوت رانی کے طور پر کرتے ہو۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿56﴾

قوم کا جواب بجز اس کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آلِ لوط کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ تو بڑے پاکباز بن رہے ہیں ○ [1]

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿57﴾

پس ہم نے اسے اور اس کے اہل کو بجز اس کی بیوی کے سب کو بچا لیا، اس کا اندازہ تو باقی رہ جانے والوں میں ہم لگا ہی چکے تھے ○ [2]

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿58﴾ ع 4/14 19

اور ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسا دی، [3] پس ان دھمکائے ہوئے لوگوں پر بری بارش ہوئی ○ [4]

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾

تُو کہہ دے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔ [5] کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں ○ [6]

---

1 یہ بطور طنز اور استہزا کے کہا۔

2 یعنی پہلے ہی اس کی بابت یہ اندازہ، یعنی تقدیر الٰہی میں تھا کہ وہ انھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی جو عذاب سے دوچار ہوں گے۔

3 ان پر جو عذاب آیا، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا اور اس کے بعد ان پر تہ بہ تہ کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی۔

4 یعنی جنھیں پیغمبروں کے ذریعے سے ڈرایا گیا اور ان پر حجت قائم کر دی گئی۔ لیکن وہ تکذیب و انکار سے باز نہیں آئے۔

5 جن کو اللہ نے رسالت اور بندوں کی رہنمائی کے لیے چنا تا کہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

6 یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اللہ ہی کی عبادت بہتر ہے کیونکہ جب خالق، رازق اور مالک وہی ہے تو عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہو سکتا ہے؟ جو نہ کسی چیز کا خالق ہے نہ رازق اور مالک۔ ﴿خَيْرٌ﴾ اگرچہ تفضیل کا صیغہ ہے لیکن یہاں تفضیل کے معنی میں نہیں ہے، مطلق بہتر کے معنی میں ہے، اس لیے کہ معبودانِ باطلہ میں تو سرے سے کوئی خیر ہے ہی نہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ
لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ
ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿60﴾

بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہیں اگا سکتے،[1] کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟[2] بلکہ یہ لوگ حق سے انحراف کرتے ہیں ○[3]

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ
اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾

بھلا کس نے زمین کو قرار گاہ بنایا[4] اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی،[5] کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں ○

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور

---

1 یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل دیے جا رہے ہیں کہ وہی اللہ تخلیق، رزق اور تدبیر وغیرہ میں متفرد ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا، ان میں درخشاں کواکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا۔ اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار، کھیتیاں اور انواع و اقسام کے طیور و حیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے بارونق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھا دے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر ہے۔ (مثلاً: العنکبوت 29:63)

2 یعنی ان سب حقیقتوں کے باوجود کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہستی ایسی ہے جو عبادت کے لائق ہو؟ یا جس نے ان میں سے کسی چیز کو پیدا کیا ہو؟ یعنی کوئی ایسا نہیں جس نے کچھ بنایا ہو یا عبادت کے لائق ہو۔ ﴿اَمَّنْ﴾ کا ان آیات میں مفہوم یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کا فاعل ہے، اس کی طرح ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)

3 اس کا دوسرا ترجمہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کا ہمسر اور نظیر ٹھہراتے ہیں۔

4 یعنی جس میں قرار و سکون ہے۔ نہ ہلتی ہے، نہ ڈولتی ہے اگر ایسا ہوتا تو زمین پر رہنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بنانے کا مقصد بھی زمین کو حرکت کرنے سے اور ڈولنے سے روکنا ہی ہے۔

5 اس کی تشریح کے لیے دیکھیں سورۂ فرقان 25:53 کا حاشیہ۔

السُّوۡٓءَ وَ يَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿62﴾
اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًاۢ بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿63﴾

کر دیتا ہے؟ [1] اور تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، [2] کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو ○
بھلا کون ہے جو تمھیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے [3] اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے؟ [4] کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنھیں یہ شریک کرتے ہیں، ان سب سے اللہ بلند و بالاتر ہے ○

اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿64﴾

بھلا کون ہے جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا [5] اور کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، [6] کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ ○

---

1 یعنی وہی اللہ ہے جسے شدائد کے وقت پکارا جاتا اور مصیبتوں کے وقت جس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔ مضطر (لاچار) اس کی طرف رجوع کرتا اور تکلیف کو وہی دور کرتا ہے۔ (مزید ملاحظہ ہو: سورۂ نحل 16:53، سورۂ بنی اسرائیل 17:67)

2 یعنی ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے۔ ورنہ اگر وہ سب کو ایک ہی وقت میں وجود بخش دیتا تو زمین بھی تنگ دامانی کا شکوہ کرتی، اکتساب معیشت میں بھی دشواریاں پیدا ہوتیں جن سے تم نقصان اٹھاتے۔ (ابن کثیر) گویا یکے بعد دیگرے انسانوں کو پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے کا جانشین بنانا، یہ بھی اس کی کمال مہربانی ہے۔

3 یعنی آسمانوں پر ستاروں کو درخشانی عطا کرنے والا کون ہے؟ جن سے تم تاریکیوں میں راہ پاتے ہو۔ پہاڑوں اور وادیوں کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ جو ایک دوسرے کے لیے سرحدوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راستوں کی نشاندہی کا بھی۔

4 یعنی بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں جو بارش کی پیامبر ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان سے خشک سالی کے مارے ہوئے لوگوں میں خوشی کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے۔

5 یعنی قیامت والے دن تمھیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔

6 یعنی آسمان سے بارش نازل فرما کر زمین سے اس کے مخفی خزانے (غلہ جات اور میوے) پیدا فرماتا ہے اور یوں آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿65﴾

کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا،[1] انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ ○

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم ختم ہو چکا ہے[2] بلکہ یہ

1 یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ متفرد ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی و الہام کے ذریعے سے انھیں بتلا دیتا ہے اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو، اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔ عالم الغیب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے، ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہ ہو۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے، اس لیے صرف وہی عالم الغیب ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی ﷺ آئندہ کل کو پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا، اس لیے کہ وہ تو فرما رہا ہے کہ ''آسمان و زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4855، و صحيح مسلم، حديث: 287-(177)، و جامع الترمذي، حديث: 3068) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے تین مقصد کے لیے بنائے ہیں۔ آسمان کی زینت، رہنمائی کا ذریعہ اور شیطان کو سنگسار کرنا۔ لیکن اللہ کے احکام سے بے خبر لوگوں نے ان سے غیب کا علم حاصل کرنے (کہانت) کا ڈھونگ رچا لیا ہے، مثلاً: کہتے ہیں: جو فلاں فلاں ستارے کے وقت نکاح کرے گا تو یہ یہ ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت سفر کرے گا تو ایسا ایسا ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت پیدا ہوگا تو ایسا ایسا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کے قیاسات کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ستاروں، پرندوں اور جانوروں سے غیب کا علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ جبکہ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (ابن كثير)

2 یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا وقت جاننے سے عاجز ہے۔ یا ان کا علم آخرت کے بارے میں برابر ہے، جیسے نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے استفسار پر فرمایا تھا کہ ''قیامت کے بارے میں مسئول عنہا (نبی اکرم ﷺ) بھی سائل (حضرت جبریل) سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔'' یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہو گیا، اس لیے کہ انھوں نے قیامت کے بارے میں کیے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گو یہ علم اب ان کے لیے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں وہ اسے جھٹلاتے رہے تھے، جیسے فرمایا: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (مریم 38:19) ''وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے، کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے! مگر ظالم آج صریح گمراہی میں ہیں۔''

ع 5 8 1 شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿66﴾ ع

اس سے شک میں ہیں ، بلکہ یہ اس سے اندھے ہیں ○ [1]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿67﴾

کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی، کیا ہم پھر نکالے جائیں گے ؟ ○

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿68﴾

ہم اور ہمارے باپ دادوں کو بہت پہلے سے یہ وعدے دیے جاتے رہے۔ کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں ○ [2]

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿69﴾

کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ گناہ گاروں کا کیسا انجام ہوا؟ ○ [3]

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿70﴾

آپ ان کے بارے میں غم نہ کریں اور ان کے داؤ گھات سے تنگ دل نہ ہوں ○

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿71﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے اگر سچے ہو تو بتلا دو ○

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿72﴾

جواب دیجیے کہ شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی مچا رہے ہو تم سے بہت ہی قریب ہوگئی ہوں ○ [4]

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾

یقیناً آپ کا پروردگار تمام لوگوں پر بڑے ہی فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ○ [5]

---

1 یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل و بصیرت کی وجہ سے آخرت پر یقین سے محروم ہیں۔

2 یعنی اس میں حقیقت کوئی نہیں، بس ایک دوسرے سے سن کر یہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔

3 یہ ان کافروں کے قول کا جواب ہے کہ پچھلی قوموں کو دیکھو کہ کیا ان پر اللہ کا عذاب نہیں آیا؟ جو پیغمبروں کی صداقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قیامت اور اس کی زندگی کے بارے میں بھی ہمارے رسول جو کہتے ہیں، یقیناً سچ ہے۔

4 اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل اور اسیری کی شکل میں کافروں کو پہنچا یا عذاب قبر ہے۔ ﴿ رَدِفَ ﴾ قرب کے معنی میں ہے، جیسے سواری کی عقبی نشست پر بیٹھنے والے کو ردیف کہا جاتا ہے۔

5 یعنی عذاب میں تاخیر، یہ بھی اللہ کے فضل و کرم کا ایک حصہ ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے اعراض کر کے ناشکری کرتے ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿74﴾

بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنھیں ان کے دل چھپا رہے ہیں اور جنھیں ظاہر کر رہے ہیں ○

وَمَا مِنۡ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿75﴾

آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب[1] میں نہ ہو ○

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَكۡثَرَ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿76﴾

یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان اکثر چیزوں کا بیان کر رہا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں ○[2]

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿77﴾

اور یہ قرآن ایمان والوں کے لیے یقیناً ہدایت اور رحمت ہے ○[3]

اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ بِحُكۡمِهٖ‌ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ﴿78﴾

آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے سب فیصلے کر دے گا،[4] وہ بڑا ہی غالب اور سب کچھ جانتا ہے ○

فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ اِنَّكَ عَلَى الۡحَـقِّ الۡمُبِيۡنِ ﴿79﴾

پس آپ اللہ ہی پر بھروسا رکھیے، یقیناً آپ سچے اور کھلے دین پر ہیں ○[5]

---

1 اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ان ہی غائب چیزوں میں اس عذاب کا علم بھی ہے جس کے لیے یہ کفار جلدی مچاتے ہیں۔ لیکن اس کا وقت بھی اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے جسے صرف وہی جانتا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے جو اس نے کسی قوم کی تباہی کے لیے لکھ رکھا ہوتا ہے تو پھر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ یہ مقررہ وقت آنے سے پہلے جلدی کیوں کرتے ہیں؟

2 اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص اور توہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو، حتیٰ کہ انھیں اللہ یا اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ قرآن کریم نے ان کے حوالے سے ایسی باتیں بیان فرمائیں جن سے حق واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے اعتقادی اختلافات ختم اور ان کا تفرق و انتشار کم ہو سکتا ہے۔

3 مومنوں کا اختصاص اس لیے کہ وہی قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ انھی میں وہ بنی اسرائیل بھی ہیں جو ایمان لے آئے تھے۔

4 یعنی قیامت کو ان کے اختلافات کا فیصلہ کر کے حق کو باطل سے ممتاز کر دے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا کا اہتمام فرمائے گا یا انھوں نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کی ہیں، دنیا میں ہی ان کا پردہ چاک کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

5 یعنی اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیں اور اسی پر اعتماد کریں، وہی آپ کا مددگار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ آپ دین حق

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ﴿80﴾
وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِى الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿81﴾
وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوۡقِنُوۡنَ ﴿82﴾ ع
6 ع 16 2

بے شک آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو [1] جبکہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جارہے ہوں ○ [2]
اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہنمائی کر سکتے ہیں [3] آپ تو صرف انھیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں، پھر وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں ○
جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا، [4] ہم زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہوگا [5] کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں

پر ہیں، دوسری وجہ آگے آرہی ہے۔

1 یہ ان کافروں کی پروانہ کرنے اور صرف اللہ پر بھروسا رکھنے کی دوسری وجہ ہے کہ یہ لوگ مردہ ہیں جو کسی کی بات سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور نہ راہ یاب ہونے والے ہیں۔ گویا کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی جن میں حس ہوتی ہے نہ عقل۔ اور بہروں سے جو وعظ و نصیحت سنتے ہیں نہ دعوت الی اللہ قبول کرتے ہیں۔

2 یعنی وہ حق سے مکمل طور پر گریزاں اور متنفر ہیں کیونکہ بہرہ آدمی رُو در رُو بھی کوئی بات نہیں سن پاتا، چہ جائیکہ اس وقت سن سکے جب وہ منہ موڑ لے اور پیٹھ پھیرے ہوئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سماع موتٰی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے، البتہ اس سے صرف وہ صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جہاں سماعت کی صراحت کسی نص سے ثابت ہوگی، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ لوگ مردے کو جب دفنا کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:1338، وصحيح مسلم، حديث:70-(2870)) یا جنگ بدر میں کافر مقتولین کو جو قلیب بدر میں پھینک دیے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے خطاب فرمایا، جس پر صحابہ نے کہا: آپ ﷺ بے روح جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تم سے زیادہ میری بات سن رہے ہیں۔'' یعنی معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات مردہ کافروں کو سنوا دی۔ (صحيح البخاري، حديث:3976)

3 یعنی جن کو اللہ تعالیٰ حق سے اندھا کر دے، آپ ان کی اس طرح رہنمائی نہیں فرما سکتے جو انھیں مطلوب، یعنی ایمان تک پہنچا دے۔

4 یعنی جب نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا نہیں رہ جائے گا۔

5 یہ ﴿دَآبَّةً﴾ وہی ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو (ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے۔)'' (صحيح مسلم، حديث:39-(2901)، وسنن أبي داود، حديث:4311، وجامع الترمذي، حديث:2183، وسنن

وَيَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ فَوۡجًا مِّمَّنۡ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿83﴾

کرتے تھے ○ [1]

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ کو، جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، گھیر لائیں گے، پھر وہ سب کے سب الگ کر دیے جائیں گے ○ [2]

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰيٰتِىۡ وَلَمۡ تُحِيۡطُوۡا بِهَا عِلۡمًا اَمَّا ذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿84﴾

جب سب کے سب آ پہنچیں گے تو اللہ فرمائے گا کہ تم نے میری آیتوں کو باوجودیکہ تمھیں ان کا پورا علم نہ تھا کیوں جھٹلایا؟ [3] اور یہ بھی بتلاؤ کہ تم کیا کچھ کرتے رہے؟ ○ [4]

وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿85﴾

اور ان کے ظلم کے سبب ان کے حق میں وعدہ (عذاب) پورا ہو کر رہے گا اور وہ کچھ بول نہ سکیں گے ○ [5]

اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِيَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿86﴾

کیا وہ دیکھ نہیں رہے کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ اس میں آرام حاصل کر لیں اور دن کو ہم نے دکھلانے والا بنایا ہے، [6] یقیناً اس میں ان لوگوں کے

ابن ماجہ، حدیث: 4055) دوسری روایت میں ہے: ”سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہوگی، وہ ہے سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ظاہر ہوگی، دوسری اس کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو جائے گی۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 118-(2941))

1 یہ جانور کے نکلنے کی علت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی اس لیے دکھلائے گا کہ لوگ اللہ کی نشانیوں یا آیتوں (احکام) پر یقین نہیں رکھتے۔ قرآن کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کا ہے جبکہ بعض نے اسے جانور کا کلام قرار دیا ہے، لیکن یہ مرجوح قول ہے (ابن کثیر، تفسیر اللباب)

2 یا قسم قسم کر دیے جائیں گے، یعنی بت پرستوں کا ٹولہ، آتش پرستوں کا ٹولہ وغیرہ۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کو روکا جائے گا، یعنی ان کو ادھر ادھر اور آگے پیچھے ہونے سے روکا جائے گا اور سب کو ترتیب وار لا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

3 یعنی تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اس کے بغیر ہی میری آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔

4 کہ جس کی وجہ سے تمھیں میری باتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

5 یعنی ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا کہ جسے وہ پیش کر سکیں۔ یا قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے بولنے کی قدرت سے ہی محروم ہوں گے اور بعض کے نزدیک یہ اس وقت کی کیفیت کا بیان ہے جب ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔

6 تاکہ وہ اس میں کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ط وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿87﴾

لیے نشانیاں ہیں جو ایمان ویقین رکھتے ہیں ○

جس دن صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا اٹھیں گے [1] مگر جسے اللہ چاہے، [2] اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے ○

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿88﴾

اور آپ پہاڑوں کو اپنی جگہ جمے ہوئے خیال کریں گے لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے، [3] یہ ہے کاریگری اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے، [4] جو کچھ تم کرتے ہو اس سے وہ باخبر ہے ○

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ج وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿89﴾

جو شخص نیک عمل لائے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے ○ [5]

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ط هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿90﴾

اور جو برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ صرف وہی بدلہ دیے جاؤ گے

---

1 صور سے مراد وہی قرن ہے جس میں اسرافیل اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے۔ یہ نفخے دو یا دو سے زیادہ ہوں گے۔ پہلے نفخے (پھونک) میں ساری دنیا گھبرا کر بے ہوش اور دوسرے نفخے میں موت سے ہم کنار ہو جائے گی۔ تیسرے نفخے میں سب لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک اور چوتھا نفخہ ہوگا جس سے سب لوگ میدان حشر میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ یہاں کون سا نفخہ مراد ہے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ پہلا نفخہ ہے۔

2 یہ مستثنیٰ لوگ کون ہوں گے؟ بعض کے نزدیک انبیاء وشہداء، بعض کے نزدیک فرشتے اور بعض کے نزدیک سب اہل ایمان ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمام مذکورین ہی اس میں شامل ہوں کیونکہ اہل ایمان حقیقی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے (جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔

3 یہ قیامت والے دن ہوگا کہ پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے۔

4 یعنی یہ اللہ کی عظیم قدرت سے ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح کر دینے پر قادر ہے۔

5 یعنی حقیقی اور بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ ہوں گے۔ ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ (الأنبيآء21:103)

اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِیۡ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیۡءٍ ۫ وَّاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿91﴾

جو تم کرتے رہے ○
مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے،[1] جس کی ملکیت ہر چیز ہے اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں ہو جاؤں ○

وَاَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿92﴾

اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، جو راہ راست پر آجائے وہ اپنے نفع کے لیے راہ راست پر آئے گا۔ اور جو بہک جائے تو کہہ دیجیے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں ○[2]

وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَیُرِیۡكُمۡ اٰیٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿93﴾ ع 7/11/3

کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں[3] وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا جنھیں تم (خود) پہچان لو گے۔[4] اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے آپ کا رب

1 اس سے مراد مکہ شہر ہے اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ اسی میں خانہ کعبہ ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ ''حرمت والا'' کا مطلب ہے اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا حتیٰ کہ کانٹا توڑنا بھی منع ہے۔(صحيح البخاري، حديث:1832، و صحيح مسلم، حديث:1354، وجامع الترمذي، حديث: 1406، و سنن أبي داود، حديث:2017، و سنن ابن ماجه، حديث:3109، وسنن النسائي، حديث:2879)

2 یعنی میرا کام صرف تبلیغ ہے۔ میری دعوت وتبلیغ سے جو مسلمان ہو جائے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا اور جو میری دعوت کو نہیں مانے گا تو میرا کیا؟ اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے حساب لے لے گا اور اسے جہنم کے عذاب کا مزہ چکھائے گا۔

3 کہ جو کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک حجت قائم نہیں کر دیتا۔ اسی لیے آگے فرمایا: [فَتَعۡرِفُوۡنَهَا] ''تو تم انھیں (نشانیوں کو) پہچان لو گے۔''

4 دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:53) ''ہم انھیں آفاق وانفس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ ان پر حق واضح ہو جائے۔'' اگر زندگی میں یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لاتے تو موت کے وقت تو ان نشانیوں کو دیکھ کر وہ ضرور پہچان لیتے ہیں۔ لیکن اس وقت کی معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، اس لیے کہ اس وقت کا ایمان مقبول نہیں۔

غافل نہیں ○ [1]

ایاتہا 88 (28) سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (49) رکوعاتہا 9

سورۂ قصص مکی ہے، اس میں 88 آیات اور 9 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ①

طٰسٓمّٓ ○

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②

یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③

ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ بیان فرماتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ○ [2]

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی [3] اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا [4] اور ان میں سے ایک فرقے کو کمزور کر رکھا تھا [5] اور ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا [6] اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔

---

1 بلکہ ہر چیز کو وہ دیکھ رہا ہے۔ اس میں کافروں کے لیے ترہیب شدید اور تہدید عظیم ہے۔

2 یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وحیٔ الٰہی کے بغیر صدیوں قبل کے واقعات بالکل اس طریقے سے بیان کر دینا جس طرح وہ پیش آئے، ناممکن ہے، تاہم اس کے باوجود اس سے فائدہ اہل ایمان ہی کو ہوگا کیونکہ وہی آپ کی باتوں کی تصدیق کریں گے۔

3 یعنی ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اپنے کو بڑا معبود کہلاتا تھا۔

4 جن کے ذمے الگ الگ کام اور ڈیوٹیاں تھیں۔

5 اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو اس وقت کی افضل ترین قوم تھی لیکن ابتلا و آزمائش کے طور پر فرعون کی غلام اور اس کی ستم رانیوں کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔

6 جس کی وجہ فرعون کا ایک خواب دیکھنا تھا جس کی تعبیر معبرین نے یہ کی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچے کے ہاتھوں فرعون کی ہلاکت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ (تفسیر اللباب) جس کا حل اس نے یہ نکالا کہ ہر پیدا ہونے والا اسرائیلی بچہ قتل کر دیا جائے، حالانکہ اس احمق نے یہ نہیں سوچا کہ اگر خواب کی یہی تعبیر ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا، چاہے وہ بچے قتل کرواتا رہے۔ اور اگر خواب کی یہ تعبیر نہیں ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ خوشخبری منتقل ہوتی چلی آرہی تھی کہ ان کی نسل سے ایک بچہ ہوگا جس کے ہاتھوں سلطنت مصر کی تباہی ہوگی۔ قبطیوں نے یہ بشارت بنی اسرائیل سے سنی اور فرعون کو اس سے آگاہ کر دیا جس پر اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مروانا شروع کر دیا۔ (ابن کثیر)

وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَٮِٕمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ۙ⑤

بے شک وہ تھا ہی مفسدوں میں سے ○
پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنھیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا، اور ہم انھی کو پیشوا اور (زمین کا) وارث بنائیں ○ [1]

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ⑥

اور یہ بھی کہ ہم انھیں زمین میں قدرت و اختیار دیں [2] اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں ○ [3]

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ‌ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَاَلۡقِيۡهِ فِى الۡيَمِّ وَلَا تَخَافِىۡ وَلَا تَحۡزَنِىۡ‌ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَيۡكِ وَجٰعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ⑦

ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی [4] کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج و غم نہ کرنا، [5] ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں [6] اور اسے

---

1 چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کمزور اور غلام قوم کو مشرق و مغرب کا وارث (مالک و حکمران) بنا دیا (الأعراف 7:137) نیز انھیں دین کا پیشوا اور امام بھی بنا دیا۔

2 یہاں زمین سے مراد ارض شام ہے جہاں وہ کنعانیوں کی زمین کے وارث بنے۔ واللّٰہ أعلم.

3 یعنی انھیں جو اندیشہ تھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں فرعون کی اور اس کے ملک و لشکر کی تباہی ہو گی، ان کے اس اندیشے کو ہم نے حقیقت کر دکھایا۔

4 وحی سے مراد یہاں دل میں بات ڈالنا ہے، وہ وحی نہیں ہے جو انبیاء پر فرشتے کے ذریعے سے نازل کی جاتی تھی اور اگر فرشتے کے ذریعے سے بھی آئی ہو، تب بھی اس ایک وحی سے ام موسیٰ علیہا السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ فرشتے بعض دفعہ عام انسانوں کے پاس بھی آ جاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں کوڑھی، پھلبہری والے اور اندھے کے پاس فرشتوں کا آنا ثابت ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:3464، وصحيح مسلم، حديث:2964)

5 یعنی دریا میں ڈوب جانے یا ضائع ہو جانے کا خوف نہ رکھنا اور اس کی جدائی کا غم نہ کرنا۔

6 یعنی ایسے طریقے سے کہ جس سے اس کی نجات یقینی ہو، کہتے ہیں کہ جب قتل اولاد کا یہ سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے اور پھر مشقت والے کام ہمیں نہ کرنے پڑیں۔ اس اندیشے کا ذکر انھوں نے فرعون سے کیا، جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کیے اور ایک سال چھوڑ دیے جائیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس میں بچے قتل نہیں کیے جاتے تھے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام قتل والے

فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خٰطِـِٕيۡنَ ⑧

وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ⑨

اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں ○

آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھا لیا، [1] اس لیے کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے موجبِ غم ہو [2] کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار ○ [3]

اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، [4] بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنا لیں [5] اور یہ لوگ شعور ہی نہ رکھتے تھے ○ [6]

سال میں پیدا ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سروسامان اس طرح پیدا فرمایا کہ ایک تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار اس طرح ظاہر نہیں فرمائے جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دائیوں کی نگاہ میں آ جائیں، اس لیے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ ہو گیا اور یہ واقعہ حکومت کے منصوبہ بندوں کے علم میں نہیں آیا لیکن ولادت کے بعد قتل کا اندیشہ موجود تھا جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی و القا کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو سمجھا دیا، چنانچہ انھوں نے اسے تابوت میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ (ابن کثیر)

1 یہ تابوت بہتا بہتا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا جو لبِ دریا ہی تھا اور وہاں فرعون کے نوکروں چاکروں نے پکڑ کر باہر نکال لیا۔

2 یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی انھوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر۔ لیکن انجام ان کے اس فعل کا یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن اور رنج و غم کا باعث ثابت ہوا۔

3 یہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے دشمن کیوں ثابت ہوئے؟ اس لیے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطا کار تھے، اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے پروردہ کو ہی ان کی ہلاکت کا ذریعہ بنا دیا۔

4 یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین و جمیل بچہ انھوں نے دیکھا۔ بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے تھے تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ (أیسر التفاسیر) جمع کا صیغہ یا تو اکیلے فرعون کے لیے بطور تعظیم کے کہا یا ممکن ہے وہاں اس کے کچھ درباری موجود رہے ہوں۔

5 کیونکہ فرعون اولاد سے محروم تھا۔

6 کہ یہ بچہ جسے وہ اپنا بچہ بنا رہے ہیں، یہ تو وہی بچہ ہے جس کو مارنے کے لیے سینکڑوں بچوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔

وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ⑩

موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا، [1] قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو ڈھارس نہ دے دیتے یہ اس لیے کہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے ○ [2]

وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّيۡهِ ۫ فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ⑪

اس (موسیٰ کی والدہ) نے اس کی بہن [3] سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی [4] اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا ○

وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ⑫

ان (کے پہنچنے) سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ [5] یہ کہنے لگیں کہ کیا میں تمھیں [6] ایسا گھرانا بتاؤں جو اس بچے کی تمھارے لیے پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ ○

فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ

پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا [7]

---

1 یعنی ان کا دل ہر چیز اور فکر سے فارغ (خالی) ہو گیا اور ایک ہی فکر، یعنی موسیٰ علیہ السلام کا غم دل میں سما گیا جس کو اردو میں بے قراری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

2 یعنی شدت غم سے یہ ظاہر کر دیتیں کہ یہ ان کا بچہ ہے لیکن اللہ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا جس پر انھوں نے صبر کیا اور یقین کر لیا کہ اللہ نے اس موسیٰ علیہ السلام کو بخیریت واپس لوٹانے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا ہو گا۔

3 خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام مریم بنت عمران تھا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران تھیں۔ ناموں میں اتحاد تھا۔

4 چنانچہ وہ دریا کے کنارے کنارے دیکھتی رہی تھی حتیٰ کہ اس نے دیکھ لیا کہ اس کا بھائی فرعون کے محل میں چلا گیا ہے۔

5 یعنی ہم نے اپنی قدرت اور تکوینی حکم کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انّا کا دودھ پینے سے منع کر دیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی انّا انھیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

6 یہ سب منظر ان کی ہمشیرہ خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں، بالآخر بول پڑیں کہ میں تمھیں ''ایسا گھرانا بتاؤں جو اس بچے کی تمھارے لیے پرورش کرے۔''

7 چنانچہ انھوں نے ہمشیرۂ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جا اس عورت کو لے آ، چنانچہ وہ دوڑی دوڑی گئی اور اپنی ماں کو، جو

وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾

تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزردہ خاطر نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے [1] لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ [2]

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿14﴾

اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے ہم نے انھیں حکمت و علم عطا فرمایا، [3] نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ○

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫

اور موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔ [4] یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا،

موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، ساتھ لے آئی۔

1 جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا تو فرعون نے والدۂ موسیٰ سے محل میں رہنے کی استدعا کی تا کہ بچے کی صحیح پرورش اور نگہداشت ہو سکے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لے جائیں اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اس کی اجرت انھیں شاہی خزانے سے دی جائے گی، سبحان اللہ! اللہ کی قدرت کے کیا کہنے! دودھ اپنے بچے کو پلائیں اور تنخواہ فرعون سے وصول کریں، رب نے موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقے سے پورا فرمایا۔ ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ایک مرسل روایت میں ہے: ''اس کاریگر کی مثال، جو اپنی بنائی ہوئی چیز میں ثواب اور خیر کی نیت بھی رکھتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح ہے جو اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی اجرت بھی وصول کرتی ہے۔'' (مراسيل أبي داود، حديث:332)

2 یعنی بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے انجام کی حقیقت سے اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں لیکن اللہ کو اس کے حسن انجام کا علم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ''ہو سکتا ہے جس چیز کو تم برا سمجھو، اس میں تمھارے لیے خیر ہو اور جس چیز کو تم پسند کرو، اس میں تمھارے لیے شر کا پہلو ہو۔'' (البقرة 2:216) دوسرے مقام پر فرمایا: ''ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو برا سمجھو اور اللہ اس میں تمھارے لیے خیر کثیر پیدا فرما دے۔'' (النسآء 4:19) اس لیے انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے قطع نظر ہر معاملے میں اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کرے کہ اسی میں اس کے لیے خیر اور حسن انجام ہے۔

3 حکم اور علم سے مراد اگر نبوت ہے تو اس مقام تک کس طرح پہنچے، اس کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نبوت نہیں بلکہ عقل و دانش اور وہ علوم ہیں جو انھوں نے اپنے آبائی اور خاندانی ماحول میں رہ کر سیکھے۔

4 اس سے بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت اور بعض نے نصف النہار مراد لیا ہے۔ جب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔

هٰذَا مِنۡ شِيۡعَتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ عَدُوِّهٖ ۚ
فَاسۡتَغَاثَهُ الَّذِىۡ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ عَلَى
الَّذِىۡ مِنۡ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوۡسٰى فَقَضٰى
عَلَيۡهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ
عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿15﴾

یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے، [1] اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس سے فریاد کی، جس پر موسیٰ نے اس کو مکا مارا جس سے وہ مر گیا موسیٰ کہنے لگے: یہ تو شیطانی کام ہے، [2] یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے ○ [3]

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِىۡ فَاغۡفِرۡ لِىۡ
فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿16﴾

پھر کہنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے، [4] اللہ نے اسے بخش دیا، وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ
ظَهِيۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿17﴾

کہنے لگا: اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ بنوں گا ○ [5]

فَاَصۡبَحَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ خَآٮِٕفًا يَّتَرَقَّبُ
فَاِذَا الَّذِى اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ
يَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ
مُّبِيۡنٌ ﴿18﴾

صبح ہی صبح ڈرتے [6] اندیشے کی حالت میں خبریں لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں تُو تو صریح گمراہ ہے ○ [7]

---

1 یعنی فرعون کی قوم قبط میں سے تھا۔

2 اسے شیطانی فعل اس لیے قرار دیا کہ قتل ایک نہایت سنگین جرم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد اسے ہرگز قتل کرنا نہیں تھا۔

3 جس کی انسان سے دشمنی بھی واضح ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ جو جو جتن کرتا ہے، وہ بھی مخفی نہیں۔

4 یہ اتفاقیہ قتل اگرچہ کبیرہ گناہ نہیں تھا کیونکہ کبائر سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت فرماتا ہے، تاہم یہ بھی ایسا گناہ نظر آتا تھا جس کے لیے بھی بخشش انھوں نے ضروری سمجھی۔

5 یعنی جو کافر اور تیرے حکموں کا مخالف ہوگا تو نے مجھ پر جو انعام کیا ہے، اس کے سبب میں اس کا مددگار نہیں ہوں گا۔ بعض نے اس انعام سے مراد اس گناہ کی معافی لی ہے جو غیر ارادی طور پر قبطی کے قتل کی صورت میں ان سے صادر ہوا۔

6 ﴿خَآٮِٕفًا﴾ کے معنی ڈرتے ہوئے ﴿يَّتَرَقَّبُ﴾ ادھر ادھر جھانکتے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا۔

7 یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ڈانٹا کہ تو کل بھی لڑتا ہوا پایا گیا تھا اور آج پھر تو کسی سے دست بہ گریبان ہے تُو تو

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ
عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ
تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ
تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ
وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿19﴾
وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ
قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ
لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ
النّٰصِحِيْنَ ﴿20﴾
فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ
نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿21﴾ ع 2/8/5

پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا [1] وہ فریادی کہنے لگا کہ [2] موسیٰ کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے تُو تو ملک میں ظالم و سرکش ہونا ہی چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو ○

شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا [3] اور کہنے لگا موسیٰ ! یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، پس تو بہت جلد چلا جا مجھے اپنا خیر خواہ مان ○

پس موسیٰ وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے، [4] کہنے لگے: اے پروردگار! مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا لے ○ [5]

صریح بے راہ، یعنی جھگڑالو ہے۔

1 یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ قبطی کو پکڑ لیں کیونکہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا تاکہ لڑائی زیادہ نہ بڑھے۔

2 فریادی (اسرائیلی) سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام شاید اسے پکڑنے لگے ہیں تو وہ بول اٹھا کہ اے موسیٰ! ﴿ اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ ﴾ جس سے قبطی کے علم میں یہ بات آ گئی کہ کل جو قتل ہوا تھا، اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے، اس نے جا کر فرعون کو بتلا دیا جس پر فرعون نے اس کے بدلے میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کر لیا۔

3 یہ آدمی کون تھا؟ بعض کے نزدیک یہ فرعون کی قوم سے تھا جو در پردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا۔ اور ظاہر ہے سرداروں کے مشورے کی خبر ایسے ہی آدمی کے ذریعے آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض کے نزدیک یہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتے دار اور اسرائیلی تھا۔ اور اقصائے شہر سے مراد منف ہے جہاں فرعون کا محل اور دارالحکومت تھا اور یہ شہر کے آخری کنارے پر تھا۔

4 جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں یہ بات آئی تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ فرعون کی گرفت میں نہ آ سکیں۔

5 یعنی فرعون اور اس کے درباریوں سے جنھوں نے باہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کیونکہ مصر چھوڑنے کا یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آیا، پہلے سے کوئی خیال یا

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يَّهۡدِيَنِىۡ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿22﴾

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا ○ [1]

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ ۙ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ﴿23﴾

مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے [2] اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے جانوروں کو) روکتی ہوئی دیکھیں، پوچھا کہ تمھارا کیا حال ہے؟ [3] وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں [4] اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں ○ [5]

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَىَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ﴿24﴾

پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں○ [6]

منصوبہ نہیں تھا، چنانچہ اللہ نے گھوڑے پر ایک فرشتہ بھیج دیا جس نے انھیں راستے کی نشاندہی کی، واللہ أعلم. (ابن كثير)

1 چنانچہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ایسے سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی فرما دی جس سے ان کی دنیا بھی سنور گئی اور آخرت بھی، یعنی وہ ہادی بھی بن گئے اور مہدی بھی، خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت کا راستہ بتلانے والے۔

2 یعنی جب مدین پہنچے تو اس کے گھاٹ پر دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے۔ مدین یہ قبیلے کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے (حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے) تھے۔ یوں اہل مدین اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نسبی تعلق بھی تھا۔ (أيسر التفاسير) اور یہی حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن و مبعث بھی تھا۔

3 دو عورتوں کو اپنے جانور رو کے کھڑے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں رحم آیا اور ان سے پوچھا: کیا بات ہے تم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟

4 تاکہ مردوں سے ہمارا اختلاط نہ ہو۔ ﴿الرِّعَآءُ﴾ راعٍ (چرواہا) کی جمع ہے۔

5 اس لیے وہ خود گھاٹ پر پانی پلانے کے لیے نہیں آ سکتے۔

6 حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنا لمبا سفر کر کے مصر سے مدین پہنچے تھے، کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا جبکہ سفر کی تکان اور بھوک سے نڈھال تھے، چنانچہ جانوروں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سائے تلے آ کر مصروف دعا ہو گئے۔ خیر کئی چیزوں پر بولا

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِیۡ عَلَی اسۡتِحۡيَآءٍ ۫ قَالَتۡ اِنَّ اَبِیۡ یَدۡعُوۡكَ لِیَجۡزِیَكَ اَجۡرَ مَا سَقَیۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ٝ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿25﴾

اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی،[1] کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے (جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں،[2] جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے: اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی ○[3]

قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۫ اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ ﴿26﴾

ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ اباجی! آپ انھیں مزدوری پر رکھ لیجیے کیونکہ جنھیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو ○[4]

جاتا ہے، کھانے پر، امور خیر اور عبادات پر، قوت و طاقت پر اور مال پر۔ (أيسر التفاسير) یہاں اس کا اطلاق کھانے پر ہوا ہے، یعنی میں اس وقت کھانے کا ضرورت مند ہوں۔

1 اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی اور دونوں میں سے ایک لڑکی انھیں بلانے آگئی۔ لڑکی کی شرم وحیا کا قرآن نے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کا اصل زیور ہے۔ اور حیا و حجاب سے بے نیازی اور بے باکی عورت کے لیے شرعاً بھی ناپسندیدہ ہے عرفاً بھی۔

2 لڑکیوں کا باپ کون تھا؟ قرآن کریم نے صراحت سے کسی کا نام نہیں لیا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کو لیا ہے جو اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانۂ نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے، اس لیے یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یا کوئی اور قوم شعیب علیہ السلام کا شخص مراد ہے، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑکیوں کے ساتھ جو ہمدردی اور احسان کیا، وہ انھوں نے جا کر بوڑھے باپ کو بتلایا جس سے باپ کے دل میں بھی داعیہ پیدا ہوا کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دیا جائے یا اس کی محنت کی اجرت ہی ادا کر دی جائے۔

3 یعنی اپنے مصر کی سرگزشت اور فرعون کے ظلم و ستم کی تفصیل سنائی جس پر انھوں نے کہا کہ یہ علاقہ فرعون کی حدود حکمرانی سے باہر ہے، اس لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے ظالموں سے نجات عطا فرما دی ہے۔

4 بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ باپ نے لڑکیوں سے پوچھا تمھیں کس طرح معلوم ہے کہ یہ طاقت ور بھی ہے اور امانت دار بھی۔ جس پر لڑکیوں نے بتلایا کہ جس کنویں سے پانی پلایا، اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ اسے اٹھانے کے لیے دس آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ اس شخص نے وہ پتھر اکیلے ہی اٹھا لیا اور پھر

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿27﴾

اس بزرگ نے کہا: میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں [1] اس پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔ [2] ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے بطورِ احسان کے ہے میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں، [3] اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے ○ [4]

قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿28﴾ ع 3/7/6

موسیٰ نے کہا: خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو، [5] ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ کارساز ہے ○ [6]

بعد میں رکھ دیا۔ اسی طرح جب میں اس کو بلا کر اپنے ساتھ لا رہی تھی تو چونکہ راستے کا علم مجھے ہی تھا، میں آگے آگے چل رہی تھی اور یہ پیچھے پیچھے۔ لیکن ہوا سے میری چادر اڑ جاتی تھی تو اس شخص نے کہا کہ تو پیچھے چل میں آگے آگے چلتا ہوں تاکہ میری نگاہ تیرے جسم کے کسی حصے پر نہ پڑے۔ راستے کی نشاندہی کے لیے پیچھے سے پتھر، کنکری مار دیا کر۔ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَالِ صِحَّتِهِ. (ابن کثیر)

1 ہمارے علاقوں میں کسی لڑکی والے کی طرف سے نکاح کی خواہش کا اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شریعت الٰہیہ میں یہ مذموم نہیں ہے۔ صفات محمودہ کا حامل لڑکا اگر مل جائے تو اس سے یا اس کے گھر والوں سے اپنی لڑکی کے لیے رشتے کی بابت بات چیت کرنا برا نہیں ہے بلکہ محمود اور پسندیدہ ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہی طریقہ تھا۔

2 اس سے علماء نے اجارے کے جواز پر استدلال کیا ہے، یعنی کرائے اور اجرت پر مرد کی خدمات حاصل کرنا جائز ہے۔

3 یعنی مزید دو سال کی خدمت میں مشقت اور ایذا محسوس کریں تو آٹھ سال کے بعد جانے کی اجازت ہوگی۔

4 نہ جھگڑا کروں گا نہ اذیت پہنچاؤں گا نہ سختی سے کام لوں گا۔

5 یعنی آٹھ سال کے بعد یا دس سال کے بعد جانا چاہوں تو مجھ سے مزید رہنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

6 یہ بعض کے نزدیک شعیب یا برادر زادۂ شعیب علیہ السلام کا قول ہے اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ممکن ہے دونوں ہی کی طرف سے ہو کیونکہ جمع کا صیغہ ہے گویا دونوں نے اس معاملے پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔ اور اس کے ساتھ ہی

فَلَمَّا قَضٰى مُوۡسَى الۡاَجَلَ وَسَارَ بِاَهۡلِهٖۤ اٰنَسَ
مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ نَارًا‌ ۚ قَالَ لِاَهۡلِهِ
امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا
بِخَبَرٍ اَوۡ جَذۡوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمۡ
تَصۡطَلُوۡنَ ﴿29﴾

جب موسیٰ نے مدت [1] پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے [2] تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے: ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو ○

فَلَمَّاۤ اَتٰٮهَا نُوۡدِىَ مِنۡ شَاطِیٴِ الۡوَادِ
الۡاَيۡمَنِ فِى الۡبُقۡعَةِ الۡمُبٰرَكَةِ مِنَ
الشَّجَرَةِ اَنۡ يّٰمُوۡسٰۤى اِنِّىۡۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ
الۡعٰلَمِيۡنَۙ ﴿30﴾

پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیے گئے [3] کہ اے موسیٰ! یقیناً میں اللہ ہی ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار ○ [4]

وَاَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ‌ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ كَاَنَّهَا
جَآنٌّ وَّلّٰى مُدۡبِرًا وَّلَمۡ يُعَقِّبۡ‌ؕ يٰمُوۡسٰۤى
اَقۡبِلۡ وَلَا تَخَفۡ‌ اِنَّكَ مِنَ الۡاٰمِنِيۡنَ ﴿31﴾

اور یہ آواز بھی آئی کہ اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھن پھنا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا، (ہم نے کہا:) اے موسیٰ! آگے آ، ڈر مت، یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے ○ [5]

ان کی لڑکی اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہو گیا۔ باقی تفصیلات اللہ نے ذکر نہیں کی ہیں۔ ویسے اسلام میں طرفین کی رضامندی کے ساتھ صحت نکاح کے لیے دو عادل گواہ بھی ضروری ہیں۔

1 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مدت سے دس سالہ مدت مراد لی ہے کیونکہ یہی اکمل اور اطیب (خسر موسیٰ علیہ السلام کے لیے خوشگوار اور مرغوب) تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا۔ (فتح الباري:5/358، حديث:2684)

2 اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔

3 یعنی آواز وادی کے کنارے سے آ رہی تھی جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف تھی، یہاں درخت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جو دراصل رب کی تجلی کا نور تھا۔

4 یعنی اے موسیٰ! تجھ سے جو اس وقت مخاطب اور ہم کلام ہے، وہ میں اللہ ہوں رب العالمین۔

5 یہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ معجزہ ہے جو کوہ طور پر نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان کو ملا۔ چونکہ معجزہ خرق عادت معاملے کو کہا جاتا ہے، یعنی جو عام عادات اور اسباب کے خلاف ہو۔ ایسا معاملہ چونکہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ظاہر ہوتا ہے کسی بھی انسان کے اختیار سے نہیں۔ چاہے وہ جلیل القدر پیغمبر اور نبی مقرب ہی کیوں نہ ہو، اس لیے جب

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿32﴾

اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا، بالکل سفید [1] اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے، [2] پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کی جماعت کی طرف، یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں ○ [3]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿33﴾

موسیٰ نے کہا: اے پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں ○ [4]

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج [5] کہ

موسیٰ علیہ السلام کے اپنے ہاتھ کی لاٹھی زمین پر پھینکنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھنکارتی سانپ بن گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ڈر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف دور ہوا اور یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لیے بطور دلیل یہ معجزہ انھیں عطا فرمایا ہے۔

1 یہ یَدِ بَیْضَاءَ دوسرا معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا (جیسا کہ پہلے بھی گزرا)۔

2 لاٹھی کے اژدہا بن جانے کی صورت میں جو خوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاحق ہوتا تھا، اس کا حل بتلا دیا گیا کہ اپنا بازو اپنی طرف ملا لیا کر، یعنی بغل میں دبا لیا کر، جس سے خوف جاتا رہا کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عام ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی خوف محسوس ہو تو اس طرح کرنے سے خوف دور ہو جائے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں جو شخص بھی گھبراہٹ کے موقع پر اپنے دل پر ہاتھ رکھے گا تو اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا۔ إن شاء اللّٰه.

3 یعنی فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے یہ دونوں معجزے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرو۔ یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں اور اللہ کے دین کے مخالف ہیں۔

4 یہ وہ خطرہ تھا جو واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کو لاحق تھا کیونکہ ان کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا۔

5 اسرائیلی روایات کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا انگارہ اور کھجور یا موتی رکھے گئے تو آپ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس سے

اَنۡ يُّكَذِّبُوۡنِ ﴿34﴾

میری تصدیق کرے، مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے ○

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيۡكَ وَنَجۡعَلُ لَـكُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا يَصِلُوۡنَ اِلَيۡكُمَا ‌ۛۚ بِاٰيٰتِنَاۤ ‌ۛۚ اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿35﴾

اللہ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کردیں گے [1] اورتم دونوں کوغلبہ دیں گے فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے۔ [2] بسبب ہماری نشانیوں کے تم دونوں اور تمھاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے ○ [3]

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَـرًى وَّمَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِىۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿36﴾

پس جب ان کے پاس موسیٰ ہمارے دیے ہوئے کھلے معجزے لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو صرف گھڑا گھڑایا جادو ہے،ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں کبھی یہ نہیں سنا ○ [4]

وَقَالَ مُوۡسٰى رَبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِمَنۡ جَآءَ

موسیٰ کہنے لگے: میرا رب تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو

آپ کی زبان جل گئی۔ یہ وجہ صحیح ہے یا نہیں، تاہم قرآن کریم کی اس نص سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں حضرت ہارون علیہ السلام فصیح اللسان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی۔ جس کے کھولنے کی دعا انھوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی۔ ﴿ رِدۡاً ﴾ کے معنی ہیں: معین، مددگار، تقویت پہنچانے والا، یعنی ہارون علیہ السلام اپنی فصاحت لسانی سے مجھے مدد اور تقویت پہنچائیں گے۔

1 یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی گئی اور ان کی سفارش پر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرما کر ان کا ساتھی اور مددگار بنا دیا گیا۔

2 یعنی ہم تمھاری حفاظت فرمائیں گے، فرعون اور اس کے حوالی موالی تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

3 یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا، مثلاً: (المآئدة 5:67، الأحزاب 33:39، المجادلة 58:21 اور المؤمن 40:51، 52)

4 یعنی یہ دعوت کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ اس بات کے لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ ہمارے لیے بالکل نئی ہے۔ یہ ہم نے سنی ہے نہ ہمارے باپ دادا اس توحید سے واقف تھے۔ مشرکین مکہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہا تھا: ﴿ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا‌ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ ○ ﴾ (صٓ 38:5) ''اس نے تو تمام معبودوں کو (ختم کرکے) ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔''

بِالۡهُدٰی مِنۡ عِنۡدِہٖ وَمَنۡ تَکُوۡنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿37﴾

اس کی طرف سے ہدایت لے کر آتا ہے [1] اور جس کے لیے آخرت کا (اچھا) انجام ہوتا ہے۔ [2] یقیناً بے انصافوں کا بھلا نہ ہوگا ○ [3]

وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَاُ مَا عَلِمۡتُ لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرِیۡ ۚ فَاَوۡقِدۡ لِیۡ یٰہَامٰنُ عَلَی الطِّیۡنِ فَاجۡعَلۡ لِّیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰہِ مُوۡسٰی ۙ وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّہٗ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿38﴾

فرعون کہنے لگا: اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمھارا معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو آگ سے پکوا [4] پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کر تو میں موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں [5] اسے میں تو جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں ○ [6]

وَاسۡتَکۡبَرَ ہُوَ وَ جُنُوۡدُہٗ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ

اس نے اور اس کے لشکروں نے ملک میں ناحق تکبر کیا [7]

---

1 یعنی مجھ سے اور تم سے زیادہ ہدایت کا جاننے والا اللہ ہے، اس لیے جو بات اللہ کی طرف سے آئے گی، وہ صحیح ہو گی یا تمھارے اور تمھارے باپ دادوں کی؟

2 اچھے انجام سے مراد آخرت میں اللہ کی رضامندی اور اس کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جانا ہے اور یہ استحقاق صرف اہل توحید کے حصے میں آئے گا۔

3 ظالم سے مراد مشرک اور کافر ہیں کیونکہ ظلم کے معنی ہیں: وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔ مشرک بھی چونکہ الوہیت کے مقام پر ایسے لوگوں کو بٹھا دیتے ہیں جو اس کے مستحق نہیں ہوتے۔ اسی طرح کافر بھی رب کے اصل مقام سے ناآشنا ہی رہتے ہیں، اس لیے یہ لوگ سب سے بڑے ظالم ہیں اور یہ کامیابی سے، یعنی آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہیں گے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ دنیا میں خوش حالی اور مال و اسباب کی فراوانی حقیقی کامیابی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عارضی کامیابی اہل کفر و شرک کو بھی دنیا میں مل جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کامیابی کی نفی فرما رہا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے نہ کہ دنیا کی چند روزہ عارضی خوش حالی و فراوانی۔

4 یعنی مٹی کو آگ میں تپا کر اینٹیں تیار کر۔ ہامان فرعون کا وزیر، مشیر اور اس کے معاملات کا انتظام کرنے والا تھا۔

5 یعنی ایک اونچا اور مضبوط محل تیار کر جس پر چڑھ کر میں آسمان پر یہ دیکھ سکوں کہ وہاں میرے سوا کوئی اور رب ہے؟

6 یعنی موسیٰ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمانوں پر رب ہے جو ساری کائنات کا پالنہار ہے، میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

7 زمین سے مراد ارض مصر ہے جہاں فرعون حکمران تھا اور استکبار کا مطلب، بغیر استحقاق کے اپنے کو بڑا سمجھنا ہے، یعنی ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے دلائل و معجزات کا رد کر سکتی لیکن استکبار بلکہ عدوان کا مظاہرہ

الۡحَقِّ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اِلَيۡنَا لَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿39﴾
فَاَخَذۡنٰهُ وَجُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ‌ۚ
فَانْظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿40﴾

اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے ○ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا میں پھینک ڈالا،[1] اب دیکھ لے کہ ان گناہ گاروں کا انجام کیسا ہوا؟ ○

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ‌ۚ وَيَوۡمَ
الۡقِيٰمَةِ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿41﴾

اور ہم نے انھیں ایسے امام بنا دیا کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں[2] اور روزِ قیامت مطلق مدد نہ کیے جائیں ○

وَاَتۡبَعۡنٰهُمۡ فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا لَعۡنَةً‌ ۚ
ع 4/14/7 وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ هُمۡ مِّنَ الۡمَقۡبُوۡحِيۡنَ ﴿42﴾

اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○[3]

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ
اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ
وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿43﴾

اور ان اگلے زمانے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب عنایت فرمائی[4] جو لوگوں کے لیے دلیل اور ہدایت و رحمت بن کر آئی تھی[5] تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○[6]

وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِىِّ اِذۡ قَضَيۡنَاۤ

اور طور کے مغربی جانب جب کہ ہم نے موسیٰ کو حکم احکام

کرتے ہوئے انھوں نے ہٹ دھرمی اور انکار کا راستہ اختیار کیا۔

1 یعنی جب ان کا کفر وطغیان حد سے بڑھ گیا اور کسی طرح بھی وہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے تو بالآخر ایک صبح ہم نے انھیں دریا میں غرق کر دیا۔ (جس کی تفصیل سورۂ شعراء میں گزر چکی ہے)

2 یعنی جو بھی ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی توحید یا اس کے وجود کے منکر ہوں گے تو ان کا امام و پیشوا یہی فرعونی سمجھے جائیں گے جو جہنم کے داعی ہیں۔

3 یعنی دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی اور آخرت میں بھی وہ بدحال ہوں گے، یعنی چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلگوں جیسا کہ جہنمیوں کے تذکرے میں آتا ہے۔

4 یعنی فرعون اور اس کی قوم یا قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) دی۔

5 جس سے وہ حق کو پہچان لیں اور اسے اختیار کریں اور اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں۔

6 یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت کریں جو انھیں خیر و رشد اور فلاح حقیقی کی طرف بلاتے ہیں۔

اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿44﴾

کی وحی پہنچائی تھی نہ تو تُو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا ○ [1]

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿45﴾

لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں [2] جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں، [3] اور نہ تُو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا [4] کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے رہے ○ [5]

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿46﴾

اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی [6] بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے، [7] اس لیے کہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے

---

1 یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسے وحی و رسالت سے نوازا، اے محمد! تو نہ وہاں موجود تھا اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں سے تھا۔ بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے سے تجھے بتلا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ تو اللہ کا سچا پیغمبر ہے کیونکہ نہ تو نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں نہ خود ہی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ آل عمران 3:44، سورۂ ہود 11:49, 100، سورۂ یوسف 12:102 اور سورۂ طٰہٰ 20:99 وغیرھا من الآیات)

2 ﴿قُرُوْنًا﴾ قَرن کی جمع ہے، زمانہ۔ لیکن یہاں امتوں کے معنی میں ہے، یعنی اے محمد! آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو زمانہ ہے اس میں ہم نے کئی امتیں پیدا کیں۔

3 یعنی مرور ایام سے شرائع واحکام بھی متغیر ہو گئے اور لوگ بھی دین کو بھول گئے جس کی وجہ سے انھوں نے اللہ کے حکموں کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عہد کو فراموش کر دیا اور یوں اس کی ضرورت پیدا ہو گئی کہ ایک نئے نبی کو مبعوث کیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ طول زمان کی وجہ سے عرب کے لوگ نبوت ورسالت کو بالکل ہی بھلا بیٹھے، اس لیے آپ کی نبوت پر انھیں تعجب ہو رہا ہے اور اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

4 جس سے آپ خود اس واقعے کی تفصیلات سے آگاہ ہو جاتے۔

5 اور اسی اصول سے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پچھلے حالات وواقعات سے آپ کو باخبر کر رہے ہیں۔

6 یعنی اگر آپ رسول برحق نہ ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کا علم بھی آپ کو نہ ہوتا۔

7 یعنی آپ کا یہ علم، مشاہدہ ورؤیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نبی بنایا اور وحی سے نوازا۔

پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا،[1] کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں ○

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ مُّصِيۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿47﴾

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انھیں ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب! تونے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں سے ہوجاتے ○[2]

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُوۡتِىَ مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰىؕ اَوَلَمۡ يَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ‌ۚ قَالُوۡا سِحۡرٰنِ تَظٰهَرَا وقفة وَقَالُوۡۤا اِنَّا بِكُلٍّ

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہتے ہیں کہ یہ وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے موسیٰ دیے گئے تھے،[3] اچھا تو کیا موسیٰ کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا،[4] صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر

---

1 اس سے مراد اہل مکہ اور عرب ہیں۔ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور دونوں اللہ کے پیغمبر ہیں، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب ہیں اور اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام بھی نبی ہیں ان کا نام اسرائیل بھی ہے، اور آپ کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے معروف ہے اولاد ابراہیم میں سے انبیاء انھی میں سے آتے رہے۔ بنو اسماعیل میں سے اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ نبی آخر الزمان محمد ﷺ بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ سے پہلے اہل مکہ کو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔

2 یعنی ان کے اسی عذر کو ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گزشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہوچکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نئے نبی کی ضرورت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفی ﷺ کی تعلیمات (قرآن و حدیث) کو مسخ ہونے اور تغییر و تحریف سے محفوظ رکھا ہے اور ایسا تکوینی انتظام فرما دیا ہے جس سے آپ کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ اور جو شخص اس ''ضرورت'' کا دعویٰ کرکے نبوت کا ڈھونگ رچاتا ہے، وہ جھوٹا اور دجال ہے۔

3 یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سے معجزات، جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا چمکنا وغیرہ۔

4 یعنی مطلوبہ معجزات اگر دکھا بھی دیے جائیں تو کیا فائدہ؟ جنھوں نے ایمان نہیں لانا، وہ ہر طرح کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزات دیکھ کر فرعونی مسلمان ہوگئے تھے،

كُفِرُوْنَ ﴿48﴾

ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں ○ [1]

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿49﴾

کہہ دے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو میں اسی کی پیروی کروں گا ○ [2]

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿50﴾ ع

پھر اگر یہ تیری نہ مانیں [3] تو تُو یقین کر لے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو [4] بغیر اللہ کی راہنمائی کے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ [5]

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ

اور ہم برابر پے در پے لوگوں کے لیے اپنا کلام لاتے

انھوں نے کفر نہیں کیا؟ یا ﴿يَكْفُرُوْا﴾ کی ضمیر قریش مکہ کی طرف ہے، یعنی کیا انھوں نے نبوت محمد یہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر نہیں کیا؟

1 پہلے مفہوم کے اعتبار سے دونوں سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہوں گے اور ﴿سِحْرٰنِ﴾ بمعنی سَاحِران ہو گا۔ اور دوسرے مفہوم میں اس سے قرآن اور تورات مراد ہوں گے، یعنی دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم سب کے، یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہیں۔ (فتح القدير)

2 یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ قرآن مجید اور تورات دونوں جادو ہیں تو تم کوئی اور کتاب الٰہی پیش کر دو جو ان سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اس کی پیروی کر لوں گا کیونکہ میں تو ہدایت کا طالب اور اس کا پیروکار ہوں۔

3 یعنی قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت والی کتاب پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں کر سکیں گے۔

4 یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کی پیروی کرنا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے اور اس لحاظ سے یہ قریش مکہ سب سے بڑے گمراہ ہیں جو اسی حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

5 اس میں اللہ کی اسی سنت (طریقے) کا بیان ہے جو ظالموں کے لیے اس کے ہاں مقرر ہے کہ وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں، اس لیے کہ انبیاء کی تکذیب، آیات الٰہی سے اعراض اور مسلسل کفر و عناد ایسا جرم ہے کہ جس سے قبول حق کی استعداد اور اثر پذیری کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان ظلم و عصیان اور کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہی بھٹکتا پھرتا ہے، اسے ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿51﴾

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿53﴾

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا

رہے [1] تا کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ [2]

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عنایت فرمائی وہ تو اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں ○ [3]

اور جب اس کی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں ○ [4]

یہ اپنے کیے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا دوہرا اجر دیے جائیں گے۔ [5] یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں [6] اور ہم

---

1 یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب ہم بھیجتے رہے اور اس طرح مسلسل ہم اپنی بات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

2 مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگ پچھلے لوگوں کے انجام سے ڈر کر اور ہماری باتوں سے نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں۔

3 اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یا وہ عیسائی ہیں جو حبش سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سن کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (ابن كثير)

4 یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں نے جس دین کی دعوت دی، وہ اسلام ہی تھا اور ان نبیوں کی دعوت پر ایمان لانے والے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ یہودی یا نصاریٰ وغیرہ کی اصطلاحیں لوگوں کی اپنی خود ساختہ ہیں جو بعد میں ایجاد ہوئیں۔ اسی اعتبار سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اہل کتاب (یہود یا عیسائیوں) نے کہا کہ ہم تو پہلے سے ہی مسلمان چلے آ رہے ہیں، یعنی سابقہ انبیاء کے پیروکار اور ان پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

5 صبر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتاب الٰہی پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے۔ پہلی کتاب آئی تو اس پر، اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا۔ پہلے نبی پر ایمان لائے، اس کے بعد دوسرا نبی آ گیا تو اس پر ایمان لائے۔ ان کے لیے دوہرا اجر ہے، حدیث میں بھی ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین آدمیوں کے لیے دوہرا اجر ہے، ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لے آیا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 97، وصحيح مسلم، حديث: 154)

6 یعنی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿54﴾
وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا
لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿55﴾

نے جوانھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ○
اور جب بے ہودہ بات[1] کان میں پڑتی ہے تو اس سے
کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل
ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے، تم پر سلام
ہو،[2] ہم جاہلوں سے (الجھنا) نہیں چاہتے ○

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جسے
چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب
آگاہ ہے ○[3]

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ
مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا
يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ
لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾

کہنے لگے: اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابع دار
بن جائیں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں،[4]
کیا ہم نے انھیں امن وامان اور حرمت والے حرم میں جگہ
نہیں دی؟[5] جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے

---

1 یہاں لغو سے مراد وہ سب وشتم اور دین کے ساتھ استہزا ہے جو مشرکین کرتے تھے۔

2 یہ سَلَام سلام تحیہ نہیں بلکہ سلام متارکہ ہے، یعنی ہم تم جیسے جاہلوں سے بحث اور گفتگو کے روادار ہی نہیں، جیسے اردو میں بھی کہتے ہیں: جاہلوں کو دور ہی سے سلام، ظاہر ہے سلام سے مراد ترک مخاطبت ہی ہے۔

3 صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت ہے اور اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابوطالب نے نبی ﷺ کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کی لیکن ایمان نہ لایا جب اس کا آخری وقت آیا تو نبی ﷺ نے اپنی حد تک پوری کوشش فرمائی کہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کر لے تا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو، لیکن اس نے ملت عبدالمطلب پر مرنے کو ترجیح دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر نبی ﷺ پر واضح کیا کہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت اور رہنمائی ہے۔ لیکن ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ ہمارا کام ہے، ہدایت اسے ہی ملے گی جسے ہم ہدایت سے نوازنا چاہیں نہ کہ اسے جسے آپ ہدایت پر دیکھنا پسند کریں۔ (صحيح البخاري، حديث:4772، وصحيح مسلم، حديث:24)

4 یعنی ہم جہاں ہیں، وہاں ہمیں رہنے نہ دیا جائے گا اور ہمیں اذیتوں سے یا مخالفین سے جنگ و پیکار سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ بعض کفار نے ایمان نہ لانے کا عذر پیش کیا۔ اللہ نے جواب دیا......

5 یعنی ان کا یہ عذر غیر معقول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو، جس میں یہ رہتے ہیں، امن والا بنایا ہے۔

ہیں جو ہمارے پاس بطور رزق ہیں، [1] لیکن ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے ○

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿58﴾

اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کردیں جو اپنی عیش و عشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہائش کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں [2] اور آخر ہم ہی سب کچھ کے وارث ہیں ○ [3]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿59﴾

تیرا رب بستیوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے [4] اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم و ستم پر کمر کس لیں ○ [5]

جب یہ شہر ان کے کفر و شرک کی حالت میں ان کے لیے امن کی جگہ ہے تو کیا اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ ان کے لیے امن کی جگہ نہیں رہے گا؟

1 یہ مکے کی وہ خصوصیت ہے جس کا مشاہدہ لاکھوں حاجی اور عمرہ کرنے والے ہر سال کرتے ہیں کہ مکے میں پیداوار نہ ہونے کے باوجود نہایت فراوانی سے ہر قسم کا پھل بلکہ دنیا بھر کا سامان ملتا ہے۔

2 یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اللہ کی ناشکری کرنے اور سرکشی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ آج ان کی بیشتر آبادیاں کھنڈر بنی ہوئی ہیں یا صرف صفحات تاریخ پر ان کا نام رہ گیا ہے۔ اور اب آتے جاتے مسافر ہی ان میں کچھ دیر کے لیے ستا لیں تو ستا لیں، ان کی نحوست کی وجہ سے کوئی بھی ان میں مستقل رہنا پسند نہیں کرتا۔

3 یعنی ان میں سے تو کوئی بھی باقی نہ رہا جو ان کے مکانوں اور مال و دولت کا وارث ہوتا۔

4 یعنی اتمام حجت کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ ﴿ اُمِّهَا ﴾ (بڑی بستی) کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے علاقوں میں نبی نہیں آئے بلکہ مرکزی مقامات پر نبی آتے رہے اور چھوٹے علاقے اس کے ذیل میں آ جاتے رہے ہیں۔

5 یعنی نبی بھیجنے کے بعد وہ بستی والے ایمان نہ لاتے اور کفر و شرک پر اپنا اصرار جاری رکھتے تو پھر انھیں ہلاک کر دیا جاتا۔ یہی مضمون سورۂ ہود 11: 117،116 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيٰوةِ
الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتُهَا‌ ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ
ع 6 10 وَّاَبۡقٰى‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝60
اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيۡهِ
كَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ثُمَّ
هُوَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ۝61

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ
الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ۝62
قَالَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا
هٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا‌ ۚ اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا
غَوَيۡنَا‌ ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ‌ ۖ مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا

اور تمھیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف زندگیِ دنیا کا سامان اور اسی کی رونق ہے، ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دیر پا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ ○ [1]

کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے مثل اس شخص کے ہو سکتا ہے؟ جسے ہم نے زندگانیِ دنیا کی کچھ یونہی سی منفعت دے دی، پھر بالآخر وہ قیامت کے روز (پکڑا باندھا) حاضر کیا جائے گا ○ [2]

اور جس دن اللہ انھیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنھیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں؟ ○ [3]

جن پر بات آچکی وہ جواب دیں گے [4] کہ اے ہمارے (پروردگار!) یہی وہ ہیں جنھیں ہم نے بہکا رکھا تھا، [5] ہم نے انھیں اسی طرح بہکایا جس طرح ہم بہکے تھے، [6] ہم

1 یعنی کیا اس حقیقت سے بھی تم بے خبر ہو کہ یہ دنیا اور اس کی رونقیں عارضی بھی ہیں اور حقیر بھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اپنے پاس جو نعمتیں، آسائشیں اور سہولتیں تیار کر رکھی ہیں، وہ دائمی بھی ہیں اور عظیم بھی۔ حدیث میں ہے: ''اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، پھر دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہوگا؟'' (صحيح مسلم، حديث: 2858)

2 یعنی سزا اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ مطلب ہے کہ اہل ایمان وعدۂ الٰہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب سے دوچار۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

3 یعنی وہ اَصْنَام یا اشخاص ہیں جن کو تم دنیا میں میری الوہیت میں شریک گردانتے تھے، انھیں مدد کے لیے پکارتے تھے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے، آج کہاں ہیں؟ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے اور تمھیں میرے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں؟ یہ تقریع و توبیخ کے طور پر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا، ورنہ وہاں اللہ کے سامنے کس کو مجال دم زدنی ہوگی؟ یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام 6:94 اور دیگر بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

4 یعنی جو عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا چکے ہوں گے، مثلاً: سرکش شیاطین اور داعیان کفر و شرک وغیرہ، وہ کہیں گے۔

5 یہ ان جاہل عوام کی طرف اشارہ ہے جن کو دعاۃ کفر و ضلال نے اور شیاطین نے گمراہ کیا تھا۔

6 یعنی ہم تو تھے ہی گمراہ لیکن ان کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کیے رکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا،

یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۶۳﴾

تیری سرکار میں اپنی دست برداری کرتے ہیں،[1] یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○[2]

وَقِیۡلَ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ فَدَعَوۡہُمۡ فَلَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَہُمۡ وَرَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ اَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۶۴﴾

کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ،[3] وہ بلائیں گے لیکن انھیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور سب عذاب دیکھ لیں گے،[4] کاش! یہ لوگ ہدایت پا لیتے ○[5]

وَیَوۡمَ یُنَادِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۶۵﴾

اس دن انھیں بلا کر (اللہ) پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ ○[6]

بس ہمارے ادنیٰ سے اشارے پر ہماری طرح ہی انھوں نے بھی گمراہی اختیار کر لی۔

1 یعنی ہم ان سے بیزار اور الگ ہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں یہ تابع اور متبوع، چیلے اور گرو ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

2 بلکہ درحقیقت اپنی ہی خواہشات کی پیروی کرتے تھے، یعنی وہ معبودین جن کی لوگ دنیا میں عبادت کرتے تھے، اس بات سے ہی انکار کر دیں گے کہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (سورۂ بقرہ 167,166:2، سورۂ انعام 49:6، سورۂ مریم 82,81:19، سورۂ عنکبوت 25:29 اور سورۂ احقاف 6,5:46 وغیرھا من الآیات)۔

3 یعنی ان سے مدد طلب کرو جس طرح دنیا میں کرتے تھے۔ کیا وہ تمھاری مدد کرتے ہیں؟ پس وہ پکاریں گے۔ لیکن وہاں کس کو یہ جرأت ہوگی کہ جو یہ کہے کہ ہاں ہم تمھاری مدد کرتے ہیں؟

4 یعنی یقین کر لیں گے کہ ہم سب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

5 یعنی عذاب دیکھ لینے کے بعد آرزو کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہدایت کا راستہ اپنا لیتے تو آج وہ اس حشر سے بچ جاتے۔ سورۂ کہف 53,52:18 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

6 اس سے پہلے کی آیات میں توحید سے متعلق سوال تھا، یہ ندائے ثانی رسالت کے بارے میں ہے، یعنی تمھاری طرف ہم نے رسول بھیجے تھے، تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ان کی دعوت قبول کی تھی؟ جس طرح قبر میں سوال ہوتا ہے، تیرا پیغمبر کون ہے؟ اور تیرا دین کون سا ہے؟ مومن تو صحیح جواب دے دیتا ہے۔ لیکن کافر کہتا ہے کہ [ھاہ ھاہ لَا أَدْرِي] ''مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔'' اسی طرح قیامت والے دن انھیں اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوجھے گا۔ اسی لیے آگے فرمایا: ''ان پر تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی۔'' یعنی کوئی دلیل ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی جسے وہ پیش کر سکیں۔ یہاں دلائل کو اخبار سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ان کے باطل عقائد کے لیے حقیقت میں ان کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں، صرف قصص و حکایات ہیں، جیسے آج بھی قبر پرستوں کے پاس من گھڑت کراماتی

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿66﴾

پھر تو اس دن ان پر تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی اور ایک دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے ○[1]

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿67﴾

ہاں! جو شخص توبہ کر لے ایمان لے آئے اور نیک کام کرے یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہو جائے گا ○

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿68﴾

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن کر مختار کر لیتا ہے، ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں،[2] اللہ ہی کے لیے پاکی ہے وہ بلند تر ہے ہر اس چیز سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں ○

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿69﴾

ان کے سینے جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں آپ کا رب سب کچھ جانتا ہے ○

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿70﴾

وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے ○

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿71﴾

کہہ دیجیے کہ دیکھو تو سہی اگر اللہ تم پر رات ہی رات قیامت تک برابر کر دے تو سوائے اللہ کے کون معبود ہے جو تمھارے پاس دن کی روشنی لائے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ○

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿72﴾

پوچھیے کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ کے کوئی معبود ہے جو تمھارے پاس رات لے آئے؟ جس میں تم آرام حاصل کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ ○

قصوں کے سوا کچھ نہیں۔

1 کیونکہ انھیں یقین ہو چکا ہو گا کہ سب جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔

2 یعنی اللہ تعالیٰ مختار کل ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں، چہ جائیکہ کوئی مختار کل ہو۔

وَ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِیۡهِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿73﴾
وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ فَیَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿74﴾
وَ نَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیۡدًا فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ

اسی نے تو تمھارے لیے اپنے فضل وکرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو،[1] یہ اس لیے کہ تم شکر ادا کرو ○[2]
اور جس دن انھیں پکار کر اللہ فرمائے گا کہ جنھیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ○
اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے[3] اور کہیں گے کہ اپنی دلیلیں پیش کرو،[4] پس اس وقت جان

---

1 دن اور رات، یہ دونوں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ رات کو تاریک بنایا تاکہ سب لوگ آرام کر سکیں۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے۔ ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقے سے سونے کا موقع نہ پاتا جبکہ معاشی تگ و دو اور کاروبار جہاں کے لیے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہوتی۔ اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تگ وتاز ہوتے تو سونے والوں کے آرام وراحت میں خلل پڑتا، نیز لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے جبکہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون وتناصر کا محتاج ہے، اس لیے اللہ نے رات کو تاریک کر دیا تاکہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں مخل نہ ہو سکے۔ اسی طرح دن کو روشن بنایا تاکہ روشنی میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقے سے کر سکے۔ دن کی یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، اسے ہر شخص بآسانی سمجھتا اور اس کا ادراک رکھتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کے حوالے سے اپنی توحید کا اثبات فرمایا ہے کہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ دن اور رات کا یہ نظام ختم کر کے ہمیشہ کے لیے تم پر رات ہی مسلط کر دے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ایسا ہے جو تمھیں دن کی روشنی عطا کر دے؟ یا اگر وہ ہمیشہ کے لیے دن ہی دن رکھے تو کیا کوئی تمھیں رات کی تاریکی سے بہرہ ور کر سکتا ہے، جس میں تم آرام کر سکو؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ یہ صرف اللہ کی کمال مہربانی ہے کہ اس نے دن اور رات کا ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ رات آتی ہے تو دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور تمام مخلوق آرام کر لیتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن کی روشنی سے کائنات کی ہر چیز نمایاں اور واضح تر ہو جاتی ہے اور انسان کسب ومحنت کے ذریعے سے اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرتا ہے۔
2 یعنی اللہ کی حمد وثنا بھی بیان کرو (یہ زبانی شکر ہے) اور اللہ کی دی ہوئی دولت، صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس کے احکام وہدایات کے مطابق استعمال کرو۔ (یہ عملی شکر ہے)
3 اس گواہ سے مراد پیغمبر ہے، یعنی ہر امت کے پیغمبر کو اس امت سے الگ کھڑا کر دیں گے۔
4 یعنی دنیا میں میرے پیغمبروں کی دعوت توحید کے باوجود تم جو میرے شریک ٹھہراتے تھے اور میرے ساتھ ان کی بھی

ع 7 15 10 وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿75﴾

لیں گے کہ حق اللہ کی طرف ہے، [1] اور جو کچھ افترا وہ جوڑتے تھے سب ان کے پاس سے کھو جائے گا○ [2]

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ص وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ق اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿76﴾

قارون تھا تو قومِ موسیٰ سے لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا [3] ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بمشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے، [4] ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت! [5] اللہ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا○ [6]

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ

اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ [7] اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول [8] اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان

عبادت کرتے تھے، اس کی دلیل پیش کرو۔

1 یعنی وہ حیران اور ساکت کھڑے ہوں گے، کوئی جواب اور دلیل انھیں نہیں سوجھے گی۔

2 یعنی ان کے کام نہیں آئے گا۔

3 اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس کا ظلم یہ تھا کہ اپنے مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان کا استخفاف کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کی طرف سے یہ اپنی قوم بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔

4 تَنُوْءُ کے معنی ہیں: تَمِیلُ (جھکنا)، یعنی جس طرح کوئی شخص بھاری چیز اٹھاتا ہے تو بوجھ کی وجہ سے ادھر ادھر لڑکھڑاتا ہے، اس کی چابیوں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ ایک طاقت ور جماعت بھی اسے اٹھاتے ہوئے دقت اور گرانی محسوس کرتی تھی۔

5 یعنی مال و دولت پر فخر اور غرور مت کرو، بعض نے بخل معنی کیے ہیں، بخل مت کرو۔

6 یعنی تکبر اور غرور کرنے والوں کو یا بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

7 یعنی اپنے مال کو ایسی جگہوں اور راہوں پر خرچ کر جہاں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اس سے تیری آخرت سنورے گی اور وہاں اس کا تجھے اجر و ثواب ملے گا۔

8 یعنی دنیا کے مباحات پر بھی اعتدال کے ساتھ خرچ کر۔ مباحات دنیا کیا ہیں؟ کھانا پینا، لباس، گھر اور نکاح وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تجھ پر تیرے رب کا حق ہے، اسی طرح تیرے اپنے نفس کا، بیوی بچوں کا اور مہمانوں وغیرہ کا بھی حق ہے، ہر حق والے کو اس کا حق دے۔

الۡفَسَادَ فِي الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۷۷﴾

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ ؕ اَوَلَمۡ یَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَهۡلَكَ مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّ اَكۡثَرُ جَمۡعًا ؕ وَلَا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذُنُوۡبِهِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۷۸﴾

کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر [1] اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، [2] یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے ○

قارون نے کہا: یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے، [3] کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے۔ [4] اور گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی ○ [5]

---

1 اللہ نے تجھے مال دے کر تجھ پر احسان کیا ہے تو مخلوق پر خرچ کر کے ان پر احسان کر۔

2 یعنی تیرا مقصد زمین میں فساد پھیلانا نہ ہو۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی بجائے بدسلوکی مت کر۔ نہ معصیتوں کا ارتکاب کر کہ ان تمام باتوں سے فساد پھیلتا ہے۔

3 ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہ کہا: اس کا مطلب ہے کہ مجھے کسب و تجارت کا جوفن آتا ہے، یہ دولت تو اس کا نتیجہ اور ثمر ہے، اللہ کے فضل و کرم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ اللہ نے مجھے یہ مال دیا ہے تو اس نے اپنے علم کی وجہ سے دیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور میرے لیے اس نے یہ پسند کیا ہے، جیسے دوسرے مقام پر انسانوں کا ایک اور قول اللہ نے نقل فرمایا ہے: ''جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی نعمت سے نواز دیتے ہیں تو کہتا ہے ﴿اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ ﴾ (الزمر 39:49) أَيْ عَلٰى عِلْمٍ مِّنَ اللهِ یعنی ''مجھے یہ نعمت اس لیے ملی ہے کہ اللہ کے علم میں، میں اس کا مستحق تھا۔'' ایک مقام پر ہے: ''جب ہم انسان پر تکلیف کے بعد اپنی رحمت کرتے ہیں تو کہتا ہے ﴿هٰذَا لِیۡ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:50) أَيْ هٰذَا أَسْتَحِقُّهُ یہ تو میرا استحقاق ہے۔'' (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ قارون کو کیمیا (سونا بنانے) کا علم آتا تھا، یہاں یہی مراد ہے اسی کیمیا گری سے اس نے اتنی دولت کمائی تھی۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ علم سراسر جھوٹ، فریب اور دھوکا ہے۔ کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی ماہیت تبدیل کر دے، اس لیے قارون کے لیے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ دوسری دھاتوں کو تبدیل کر کے سونا بنا لیا کرتا اور اس طرح دولت کے انبار جمع کر لیتا۔

4 یعنی قوت اور مال کی فراوانی، یہ فضیلت کا باعث نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ و برباد نہ ہوتیں، اس لیے قارون کا اپنی دولت پر گھمنڈ کرنے اور اسے باعث فضیلت گرداننے کا کوئی جواز نہیں۔

5 یعنی جب گناہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں کہ ان کی وجہ سے وہ مستحق عذاب قرار دے دیے گئے ہوں تو پھر ان سے باز پرس نہیں ہوتی بلکہ اچانک ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ فِىۡ زِيۡنَتِهٖ ؕ قَالَ
الَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا يٰلَيۡتَ
لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ قَارُوۡنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوۡ حَظٍّ
عَظِيۡمٍ ﴿79﴾

پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا،[1] تو زندگانیِ دنیا کے متوالے کہنے لگے:[2] کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے ○

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَيۡلَكُمۡ
ثَوَابُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰٮهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ ﴿80﴾

ذی علم لوگ انھیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انھیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابقِ سنت عمل کریں،[3] یہ بات انھی کے[4] دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر والے ہوں ○

فَخَسَفۡنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الۡاَرۡضَ ۗ فَمَا
كَانَ لَهٗ مِنۡ فِئَةٍ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ
دُوۡنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُنۡتَصِرِيۡنَ ﴿81﴾

(آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا[5] اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا ○

---

1 یعنی زینت و آرائش اور خدم و حشم کے ساتھ۔

2 یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض کے نزدیک ایمان دار ہی تھے جو اس کی امارت و شوکت کے مظاہر سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض کے نزدیک کافر تھے۔

3 یعنی جن کے پاس دین کا علم تھا اور دنیا اور اس کے مظاہر کی اصل حقیقت سے باخبر تھے، انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اللہ نے اہل ایمان اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کے لیے جو اجر و ثواب رکھا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جیسے حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔'' (صحيح البخاري، حديث:7498، وصحيح مسلم، حديث:189)

4 یعنی ﴿يُلَقّٰٮهَاۤ﴾ میں ھا ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور یہ قول اللہ کا ہے۔ اور اگر اسے اہل علم ہی کے قول کا تتمہ قرار دیا جائے تو ھَا کا مرجع جنت ہو گی، یعنی جنت کے مستحق وہ صابر ہی ہوں گے جو دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش اور آخرت کی زندگی میں رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

5 یعنی قارون کو اس کے تکبر کی وجہ سے اس کے محل اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی اپنی ازار زمین پر لٹکائے جا رہا تھا (اللہ کو اس کا یہ تکبر پسند نہیں آیا) اور اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث:5790)

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ
يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ
اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ
ع 8/7 11 لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿82﴾

اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے [1] کہ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، [2] کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ ○ [3]

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ
لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿83﴾

آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے ○ [4]

---

1 مکان سے مراد وہ دنیاوی مرتبہ و منزلت ہے جو دنیا میں کسی کو عارضی طور پر ملتا ہے، جیسے قارون کو ملا تھا، امس ، گزشتہ کل کو کہتے ہیں۔ مطلب زمانہ قریب ہے۔ ﴿وَيْكَاَنَّ﴾ اصل میں ''وَيْلَكَ اِعْلَمْ أَنَّ'' ہے اس کو مخفف کر کے ﴿وَيْكَاَنَّ﴾ بنا دیا گیا ہے، یعنی وَيْكَ أَنَ یعنی افسوس یا تعجب ہے، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ..... الخ بعض کے نزدیک یہ اَلَمْ تَرَ أَنَّ کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر) جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قارون کی سی دولت وحشمت کی آرزو کرنے والوں نے جب قارون کا عبرت ناک حشر دیکھا تو کہا کہ مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صاحب مال سے راضی بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اس کا تعلق اس کی مشیت اور حکمت بالغہ سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور مال کی کمی اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے نہ یہ معیار فضیلت ہی ہے۔

2 یعنی ہم بھی اسی حشر سے دوچار ہوتے جس سے قارون دوچار ہوا۔

3 یعنی قارون نے دولت پا کر شکر گزاری کی بجائے ناشکری اور معصیت کا راستہ اختیار کیا تو دیکھ لو اس کا انجام بھی کیسا ہوا؟ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔

4 ﴿عُلُوًّا﴾ کا مطلب ہے ظلم و زیادتی، لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنا اور باور کرانا، تکبر اور فخر وغرور کرنا اور فساد کے معنی ہیں: ناحق لوگوں کا مال ہتھیانا یا نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا کہ ان دونوں باتوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ فرمایا کہ متقین کا عمل و اخلاق ان برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوتا ہے اور تکبر کی بجائے ان کے اندر تواضع، فروتنی اور معصیت کیشی کی بجائے اطاعت کیشی ہوتی ہے اور آخرت کا گھر، یعنی جنت اور حسن انجام انھی کے حصے میں آئے گا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿84﴾

جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا[1] اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے بداعمالی کرنے والوں کو ان کے انھی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے○[2]

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿85﴾

جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے[3] وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے۔[4] کہہ دیجیے کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے○[5]

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿86﴾

آپ کو تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی[6] لیکن یہ آپ کے رب کی مہربانی سے اترا۔[7] اب آپ کو ہرگز کافروں کا مددگار نہ

1 یعنی کم از کم ہر نیکی کا بدلہ دس گنا تو ضرور ہی ملے گا اور جس کے لیے اللہ چاہے گا، اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائے گا۔

2 یعنی نیکی کا بدلہ تو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا لیکن برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ملے گا، یعنی نیکی کی جزا میں اللہ کے فضل وکرم کا اور بدی کی جزا میں اس کے عدل کا مظاہرہ ہوگا۔

3 یا اس کی تلاوت اور اس کی تبلیغ ودعوت آپ پر فرض کی ہے۔

4 یعنی آپ کے مولد مکہ جہاں سے آپ نکلنے پر مجبور کر دیے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (صحیح البخاري، حدیث: 4773) میں اس کی یہی تفسیر نقل ہوئی ہے، چنانچہ ہجرت کے آٹھ سال بعد اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اور آپ 8 ہجری میں فاتحانہ طور پر مکے میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ بعض نے معاد سے مراد قیامت لی ہے، یعنی قیامت والے دن آپ کو اپنی طرف لوٹائے گا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھے گا۔

5 یہ مشرکین کے اس جواب میں ہے جو وہ نبی ﷺ کو ان کے آبائی اور روایتی مذہب سے انحراف کی بنا پر گمراہ سمجھتے تھے۔ فرمایا: ''میرا رب خوب جانتا ہے کہ گمراہ میں ہوں جو اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں یا تم ہو جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے؟''

6 یعنی نبوت سے قبل آپ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ کو رسالت کے لیے چنا جائے گا اور آپ پر کتاب الٰہی کا نزول ہوگا۔

7 یعنی یہ نبوت وکتاب سے سرفرازی اللہ کی خاص رحمت کا نتیجہ ہے جو آپ پر ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿87﴾

وقف لازم

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿88﴾

ع 9/6 12

ہونا چاہیے ○ [1]

خیال رکھیے کہ یہ کفار آپ کو اللہ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں [2] اس کے بعد کہ یہ آپ کی جانب اتاری گئیں تو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ○

اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا [3] بجز اس کے کوئی اور معبود نہیں ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوا اس کے چہرے کے [4] اسی کے لیے فرمانروائی ہے [5] اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ [6]

کوئی کسبی چیز نہیں ہے جسے محنت اور سعی و کاوش سے حاصل کیا جا سکتا رہا ہو۔ بلکہ یہ سراسر ایک وہبی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا اسے نبوت و رسالت سے مشرف فرماتا رہا حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس سِلْسِلَةُ الذَّهَب کی آخری کڑی قرار دے کر آپ پر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

1 اب اس نعمت اور فضل الٰہی کا شکر آپ اس طرح ادا کریں کہ کافروں کی مدد اور ہمنوائی نہ کریں۔

2 یعنی ان کافروں کی باتیں، ان کی ایذا رسانی اور ان کی طرف سے تبلیغ و دعوت کی راہ میں رکاوٹیں آپ کو قرآن کی تلاوت اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں بلکہ آپ پوری تن دہی اور یکسوئی سے رب کی طرف بلانے کا کام کرتے رہیں۔

3 یعنی کسی اور کی عبادت نہ کرنا، نہ دعا کے ذریعے سے، نہ نذر و نیاز کے ذریعے سے، نہ قربانی ہی کے ذریعے سے کہ یہ سب عبادات ہیں جو صرف ایک اللہ کے لیے خاص ہیں۔ قرآن میں ہر جگہ غیر اللہ کی عبادت کو پکارنے سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے مقصود اسی نکتے کی وضاحت ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریقے سے پکارنا، ان سے استمداد و استغاثہ کرنا، ان سے دعائیں اور التجائیں کرنا یہ ان کی عبادت ہی ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔

4 ﴿وَجْهَهٗ﴾ (اس کا چہرہ) سے مراد اللہ کی ذات ہے جو وَجْهُ (چہرہ) سے متصف ہے، یعنی اللہ کے سوا ہر چیز ہلاک اور فنا ہو جانے والی ہے۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○﴾ (الرحمن 55:26,27)

5 یعنی اسی کا فیصلہ، جو وہ چاہے، نافذ ہوتا ہے اور اسی کا حکم، جس کا وہ ارادہ کرے، چلتا ہے۔

6 تاکہ وہ نیکیوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دے۔

اٰیَاتُھَا: 69 (29) سُوۡرَۃُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ مَکِّیَّۃٌ (85) رُکُوۡعَاتُھَا: 7

سورۂ عنکبوت مکی ہے، اس میں 69 آیات اور 7 رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ①

الٓمّٓ ○

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ②

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انھیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟ [1] ○

وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ③

ان سے پہلے لوگوں کو بھی ہم نے خوب جانچا۔[2] یقیناً اللہ انھیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انھیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں ○

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ④

کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں، انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے،[3] یہ لوگ

---

1 یعنی یہ گمان کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد بغیر امتحان لیے، انھیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح نہیں بلکہ انھیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے سے جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا اور مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔

2 یعنی یہ سنت اللہ ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے، اس لیے وہ اس امت کے مومنوں کی بھی آزمائش کرے گا، جس طرح پہلی امتوں کی آزمائش کی گئی۔ ان آیات کی شان نزول کی روایات میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ظلم و ستم کی شکایت کی جس کا نشانہ وہ کفار مکہ کی طرف سے بنے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ ''یہ تشدد و ایذا تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے۔ تم سے پہلے بعض مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ انھیں ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا جس سے ان کے جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیری گئیں۔ لیکن یہ ایذائیں انھیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3612) حضرت عمار، ان کی والدہ حضرت سمیہ اور والد حضرت یاسر، حضرت صہیب، بلال و مقداد وغیرہ رضی اللہ عنہم پر اسلام کے ابتدائی دور میں جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، وہ صفحات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ واقعات ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنے، تاہم عموم الفاظ کے اعتبار سے قیامت تک کے اہل ایمان اس میں داخل ہیں۔

3 یعنی ہم سے بھاگ جائیں گے اور ہماری گرفت میں نہ آ سکیں گے۔

مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۵﴾

وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶﴾
وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ لَنَجۡزِیَنَّہُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷﴾
وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ حُسۡنًا ؕ وَ اِنۡ جَاہَدٰکَ لِتُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ

کیسی بری تجویزیں کررہے ہیں ○ [1]
جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو، پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے، [2] وہ سب کی سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے ○ [3]
اور ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش کرتا ہے۔ ویسے تو اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے ○ [4]
اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کردیں گے اور انھیں ان کے نیک اعمال کے بہترین بدلے دیں گے ○ [5]
ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے [6] ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ

---

1 یعنی اللہ کے بارے میں کس ظن فاسد میں یہ مبتلا ہیں جبکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات سے باخبر بھی، پھر اس کی نافرمانی کر کے اس کے مؤاخذہ و عذاب سے بچنا کیونکر ممکن ہے؟

2 یعنی جسے آخرت پر یقین ہے اور وہ اجر و ثواب کی امید پر اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی امیدیں برلائے گا اور اسے اس کے عملوں کی مکمل جزا عطا فرمائے گا کیونکہ قیامت یقیناً برپا ہو کر رہے گی اور اللہ کی عدالت ضرور قائم ہوگی۔

3 وہ بندوں کی باتوں اور دعاؤں کا سننے والا اور ان کے چھپے اور ظاہر سب عملوں کو جاننے والا ہے۔ اس کے مطابق وہ جزا و سزا بھی یقیناً دے گا۔

4 اس کا مطلب وہی ہے جو ﴿مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ﴾ (الجاثیة 15:45) کا ہے، یعنی جو نیک عمل کرے گا، اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے۔ اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہوگا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی۔ الفاظ کی مناسبت سے اس میں کفار کے مقابلے میں جہاد بھی شامل ہے کہ وہ بھی من جملہ عمل صالح ہی ہے۔

5 یعنی باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ محض اپنے فضل و کرم سے اہل ایمان کو ان کے عملوں کی بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ اور ایک ایک نیکی پر کئی گنا اجر و ثواب دے گا۔

6 قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و عبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے وہی

بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧

آپ میرے ساتھ اسے شریک کرلیں جس کا آپ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانیے، [1] تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تمھیں خبر دوں گا ○

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ⑨

اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کیے انھیں ہم اپنے نیک بندوں میں شمار کرلیں گے ○ [2]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے

سمجھ سکتا اور انھیں ادا کرسکتا ہے جو والدین کی اطاعت و خدمت کے تقاضوں کو سمجھتا اور ادا کرتا ہے۔ جو شخص یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ دنیا میں اس کا وجود والدین کی باہمی قربت کا نتیجہ اور اس کی ربوبیت و پرداخت، ان کی غایت مہربانی اور شفقت کا ثمرہ ہے، اس لیے مجھے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی اور ان کی اطاعت سے سرتابی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یقیناً خالق کائنات کو سمجھنے اور اس کی توحید و عبادت کے تقاضوں کی ادائیگی سے بھی قاصر رہے گا۔ اسی لیے احادیث میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں والدین کی رضامندی کو اللہ کی رضامندی اور ان کی ناراضی کو رب کی ناراضی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ (الأدب المفرد، حدیث:2)

1 یعنی والدین اگر شرک کا حکم دیں (اور اسی میں دیگر معاصیات کا حکم بھی شامل ہے) اور اس کے لیے خاص کوشش بھی کریں۔ (جیسا کہ مجاہدہ کے لفظ سے واضح ہے) تو ان کی اطاعت نہیں کرنی کیونکہ «لَا طَاعَةَ لِأَحَدٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی» (مسند أحمد:66/5، والصحیحة للألباني:348/1، حدیث:179) ’’اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔‘‘

اس آیت کی شان نزول میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ آتا ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر ان کی والدہ نے کہا کہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے یا پھر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار کردے، بالآخر یہ اپنی والدہ کو زبردستی منہ کھول کر کھلاتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 43-(1748) بعد حدیث:2412 و جامع الترمذي، حدیث:3189)

2 یعنی اگر کسی کے والدین مشرک ہوں گے تو مومن بیٹا نیکوں کے ساتھ ہوگا، والدین کے ساتھ نہیں، اس لیے کہ گو والدین دنیا میں اس کے بہت قریب رہے ہوں گے لیکن اس کی محبت دینی اہل ایمان ہی کے ساتھ تھی بنا بریں «اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» کے تحت وہ زمرۂ صالحین میں ہوگا۔

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ⑩

ہیں،[1] ہاں اگر اللہ کی مدد آجائے[2] تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھی ہی ہیں[3] کیا دنیا جہان کے دلوں میں جو کچھ ہے اس سے اللہ خوب واقف نہیں ہے؟ ○[4]

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ⑪

جو لوگ ایمان لائے اللہ انھیں بھی جان کر رہے گا اور منافقوں کو بھی جان کر رہے گا ○[5]

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ

کافروں نے ایمانداروں سے کہا کہ تم ہماری راہ کی تابعداری کرو تمھارے گناہ ہم اٹھالیں گے،[6] حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے، وہ

---

1 اس میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کی وجہ سے انھیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الٰہی کی طرح وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ نتیجتاً وہ ایمان سے پھر جاتے اور دین عوام کو اختیار کر لیتے ہیں۔

2 یعنی مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب ہو جائے۔

3 یعنی تمھارے دینی بھائی ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ ''وہ لوگ تمھیں دیکھتے رہتے ہیں اگر تمھیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر حالات کافروں کے لیے کچھ سازگار ہوتے ہیں تو (کافروں سے جا کر) کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہیں لیا تھا اور مسلمانوں سے تم کو نہیں بچایا تھا۔'' (النسآء 4:141)

4 یعنی کیا اللہ ان باتوں کو نہیں جانتا جو تمھارے دلوں میں ہیں اور جو تمھارے ضمیروں میں پوشیدہ ہے۔ گو تم زبان سے مسلمانوں کا ساتھی ہونا ظاہر کرتے ہو۔

5 اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشی اور تکلیف دے کر آزمائے گا تاکہ منافق اور مومن کی تمیز ہو جائے جو دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت کرے گا، وہ مومن ہے اور جو صرف خوشی اور راحت میں اطاعت کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اپنے حظ نفس کا مطیع ہے، اللہ کا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ ○﴾ (محمد 47:31) ''ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم جان لیں تم میں مجاہد اور صابر کون ہیں؟ اور تمھارے (دیگر) حالات بھی جانچیں گے۔'' جنگ احد کے بعد، جس میں مسلمان اختیار و امتحان کی بھٹی سے گزارے گئے تھے، فرمایا: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ (آل عمران 3:179) ''نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ چھوڑ دے مومنوں کو اس حالت پر جس پر کہ تم ہو یہاں تک کہ وہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔''

6 یعنی تم اسی آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ جس پر ہم ابھی تک قائم ہیں، اس لیے کہ وہی دین صحیح ہے۔ اگر اس روایتی

لَكٰذِبُوۡنَ ⑫
وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ
اَثۡقَالِهِمۡ ۫ وَلَيُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا
كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ⑬ ع
وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِيۡهِمۡ
اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِيۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ
الطُّوۡفَانُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ⑭

ع 1 13 13

تو محض جھوٹے ہیں ○ [1]
البتہ وہ اپنے بوجھ ڈھولیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ہی اور بوجھ بھی۔ [2] اور جو کچھ افترا پردازیاں کر رہے ہیں ان سب کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی ○
اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے، [3] پھر تو انھیں طوفان نے دھر پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم ○

مذہب پر عمل کرنے سے تم گناہ گار ہو گے تو اس کے ذمے دار ہم ہیں، وہ بوجھ ہم اپنی گردنوں پر اٹھائیں گے۔

1 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ جھوٹے ہیں۔ قیامت کا دن تو ایسا ہو گا کہ وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ ﴾ (بنيٓ إسرآء يل17:15) وہاں تو ایک دوست دوسرے دوست کو نہیں پوچھے گا، چاہے ان کے درمیان نہایت گہری دوستی ہو۔ ﴿ وَلَا يَسۡـَٔلُ حَمِيۡمٌ حَمِيۡمًا ○ ﴾ (المعارج 70:10) حتیٰ کہ رشتے دار ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ ﴿ وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰى حِمۡلِهَا لَا يُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَيۡءٌ وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ﴾ (فاطر35:18) اور یہاں بھی اس بوجھ کے اٹھانے کی نفی فرمائی۔

2 یعنی یہ ائمۂ کفر اور دعاۃِ ضلال اپنا ہی بوجھ نہیں اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر ہو گا جو ان کی سعی و کاوش سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہ مضمون سورۂ نحل16:25 میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں ہے: ''جو ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اپنی نیکیوں کے اجر کے ساتھ ان لوگوں کی نیکیوں کا اجر بھی ہو گا جو اس کی وجہ سے قیامت تک ہدایت کی پیروی کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ اور جو گمراہی کا داعی ہو گا، اس کے لیے اپنے گناہوں کے علاوہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہو گا جو قیامت تک اس کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے ہوں گے، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔'' (سنن أبي داود، حديث:4609، وسنن ابن ماجه، حديث:203) اسی اصول سے قیامت تک ظلم سے قتل کیے جانے والوں کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہو گا، اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے ناحق قتل کیا تھا۔ (مسند أحمد:1/383 وقد أخرجه الجماعة سوى أبي داود من طرق)

3 قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی دعوت و تبلیغ کی عمر ہے۔ ان کی پوری عمر کتنی تھی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ بعض کہتے ہیں: چالیس سال نبوت سے قبل اور ساٹھ سال طوفان کے بعد اس میں شامل کر لیے جائیں۔ اور بھی کئی اقوال ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮

پھر ہم نے انھیں اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعے کو ہم نے تمام جہان کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا○

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯

اور ابراہیم نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اگر تم میں دانائی ہے تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے○

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰

تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔[1] سنو! جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمھاری روزی کے مالک نہیں، پس تمھیں چاہیے کہ تم اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو[2] اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے○[3]

---

1 ﴿اَوْثَانًا﴾ وَثَنٌ کی جمع ہے۔ جس طرح اَصْنَامٌ، صَنَم کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی بت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: صنم، سونے، چاندی، پیتل اور پتھر کی مورت کو اور وَثَنٌ مورت کو بھی اور چونے پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے آستانوں کو بھی کہتے ہیں۔ ﴿تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا﴾ کے معنی ہیں: تَكْذِبُوْنَ كِذْبًا جیسا کہ متن کے ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرے معنی ہیں: تَعْمَلُوْنَهَا وَتَنْحِتُوْنَهَا لِلْإِفْكِ ''جھوٹے مقصد کے لیے انھیں تم بناتے اور گھڑتے ہو۔'' مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی معنی صحیح ہیں، یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، وہ تو پتھر کے بنے ہوئے ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اپنے دل سے ہی تم نے انھیں گھڑ لیا ہے کوئی دلیل تو ان کی صداقت کی تمھارے پاس نہیں ہے۔ یا یہ بت تو وہ ہیں جنھیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور گھڑتے ہو اور جب ان کی ایک خاص شکل وصورت بن جاتی ہے تو تم سمجھتے ہو کہ اب ان میں خدائی اختیارات آ گئے ہیں اور ان سے تم امیدیں وابستہ کر کے انھیں حاجت روا اور مشکل کشا باور کر لیتے ہو۔

2 یعنی جب یہ بت تمھاری روزی کے اسباب ووسائل میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں نہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ زمین میں درخت اگا سکتے ہیں اور نہ سورج کی حرارت پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمھیں وہ صلاحیتیں دے سکتے ہیں جنھیں بروئے کار لا کر تم قدرت کی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے ہو تو پھر تم روزی اللہ ہی سے طلب کرو، اسی کی عبادت اور اسی کی شکر گزاری کرو۔

3 یعنی مر کر اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر جب اسی کی طرف لوٹنا ہے، اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے تو پھر اس کا در چھوڑ

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ
وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿18﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿19﴾

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿20﴾

اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے،[1] رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہی ہے ○[2] کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتدا کس طرح اللہ نے کی، پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا،[3] یہ تو اللہ پر بہت ہی آسان ہے ○[4]

کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی[5] کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً پیدائش کی، پھر اللہ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

کر دوسروں کے در پر اپنی جبین نیاز کیوں جھکاتے ہو؟ اس کی بجائے دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہو؟

1 یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی ہوسکتا ہے جو انھوں نے اپنی قوم سے کہا یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبروں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔ پہلی امتیں بھی رسولوں کو جھٹلاتی اور اس کا نتیجہ بھی وہ ہلاکت و تباہی کی صورت میں بھگتتی رہی ہیں۔

2 اس لیے آپ بھی تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔ اس سے کوئی راہ یاب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے ذمے دار آپ نہیں ہیں، نہ آپ سے اس کی بابت پوچھا ہی جائے گا کیونکہ ہدایت دینا نہ دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے جو اپنی سنت کے مطابق جس میں ہدایت کی طلب صادق دیکھتا ہے، اس کو ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ دوسروں کو ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

3 توحید و رسالت کے اثبات کے بعد، یہاں سے معاد (آخرت) کا اثبات کیا جا رہا ہے جس کا کفار انکار کرتے تھے۔ فرمایا: پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جب تمھارا سرے سے وجود ہی نہیں تھا، پھر تم دیکھنے سننے اور سمجھنے والے بن گئے اور پھر جب مر کر تم مٹی میں مل جاؤ گے، بظاہر تمھارا نام و نشان تک نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ تمھیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

4 یعنی یہ بات چاہے تمھیں کتنی ہی مشکل لگے، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

5 یعنی آفاق میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں دیکھو اور زمین پر غور کرو، کس طرح اسے بچھایا، اس میں پہاڑ، وادیاں، نہریں اور سمندر بنائے، اسی سے انواع و اقسام کی روزیاں اور پھل پیدا کیے۔ کیا یہ سب اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ انھیں بنایا گیا ہے اور ان کا کوئی بنانے والا ہے؟

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿21﴾

جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے، تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ [1]

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿22﴾ ع 2/9 14

تم نہ تو زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں، اللہ کے سوا تمھارا کوئی والی ہے نہ مددگار ○

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿23﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے ہیں، وہ میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں [2] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ

ان کی قوم کا جواب بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے کہ اسے

---

1 یعنی وہی اصل حاکم اور متصرف ہے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا، تاہم اس کا عذاب یا رحمت، یوں ہی الل ٹپ نہیں ہوگی بلکہ ان اصولوں کے مطابق ہوگی جو اس نے اس کے لیے طے کر رکھے ہیں۔

2 اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے جس سے کافر اور مومن، منافق اور مخلص اور نیک اور بد سب یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائشیں اور مال و دولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الٰہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (الأعراف 7:156) ''میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔'' لیکن آخرت چونکہ دارالجزا ہے، انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہوگا، اسی کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہوگی جیسے عمل کیے ہوں گے، اس کی جزا بھی ویسے ہی ملے گی۔ اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے۔ دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الٰہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت کا دن تو اللہ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ وہاں نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلے میں جنت اور بدوں کو ان کی بدیوں کی جزا میں جہنم دی جائے، اس لیے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہوگی جسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت اور معاد کے ہی منکر ہوں گے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے، یعنی ان کے حصے میں رحمت الٰہی نہیں آئے گی۔ سورۂ اعراف میں اس کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ ﴿ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 7:156) ''میں یہ رحمت (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو متقی، زکاۃ ادا کرنے والے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہوں گے۔''

اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿24﴾

مار ڈالو یا اسے جلا دو۔[1] آخر اللہ نے انھیں آگ سے بچالیا،[2] اس میں ایمان دار لوگوں کے لیے تو بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿25﴾

(ابراہیم نے) کہا کہ تم نے جن بتوں کی پرستش اللہ کے سوا کی ہے انھیں تم نے اپنی آپس کی دنیوی دوستی کی بنا پر ٹھہرالیا ہے،[3] تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے۔[4] اور تمھارا سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمھارا کوئی مددگار نہ ہوگا ○

وقف لازم

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿26﴾

پس ابراہیم پر لوط ایمان لائے[5] اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔[6] وہ بڑا ہی

---

1 ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، اب پھر اس کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں جملۂ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے وعظ کا حصہ ہے جس میں انھوں نے توحید و معاد کے اثبات میں دلائل دیے ہیں جن کا کوئی جواب جب ان کی قوم سے نہیں بنا تو انھوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دو یا جلا ڈالو، چنانچہ انھوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے سے اس میں پھینک دیا۔

2 یعنی اللہ نے اس آگ کو گلزار کی صورت میں بدل کر اپنے بندے کو بچا لیا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گزرا۔

3 یعنی یہ تمھارے قومی بت ہیں جو تمھاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں۔ اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمھاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

4 یعنی قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار اور دوستی کی بجائے ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تابع، متبوع کو ملامت اور متبوع، تابع سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

5 حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، اس کے بعد ان کو بھی ''سدوم'' کے علاقے میں نبی بنا کر بھیجا گیا۔

6 یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور بعض کے نزدیک حضرت لوط علیہ السلام نے۔ اور بعض کہتے ہیں: دونوں نے ہی ہجرت کی، یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوط علیہ السلام کے لیے اپنے علاقے ''کوثی'' میں، جو حران کی طرف

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّۃَ وَالۡکِتٰبَ وَاٰتَیۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿27﴾

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ ۫ مَا سَبَقَکُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿28﴾

اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَتَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ ۬ۙ وَتَاۡتُوۡنَ فِیۡ نَادِیۡکُمُ الۡمُنۡکَرَ ؕ

غالب اور حکیم ہے ○

اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں ہی کر دی [1] اور ہم نے دنیا میں بھی اسے ثواب دیا [2] اور آخرت میں تو وہ صالح لوگوں میں سے ہے ○ [3]

اور لوط کا بھی ذکر کرو جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو [4] جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا ○

کیا تم مردوں کے پاس بدفعلی کے لیے آتے ہو [5] اور راستے بند کرتے ہو [6] اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائیوں کا

جاتے ہوئے کوفے کی ایک بستی تھی، اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہوگئی تو وہاں سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں چلے گئے۔ تیسری ان کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سارہ تھیں۔

1 یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام ہوئے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور انھی میں سارے انبیاء ہوئے اور کتابیں آئیں۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبی ہوئے اور آپ پر قرآن نازل ہوا۔

2 اس اجر سے مراد رزق دنیا بھی ہے اور ذکر خیر بھی، یعنی دنیا میں ہر مذہب کے لوگ (عیسائی، یہودی وغیرہ حتیٰ کہ مشرکین بھی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت وتکریم کرتے ہیں اور مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی کے پیرو، ان کے ہاں وہ محترم کیوں نہ ہوں گے؟

3 یعنی آخرت میں بھی وہ بلند درجات کے حامل اور زمرۂ صالحین میں ہوں گے۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿وَاٰتَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً ؕ وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ○﴾ (النحل16 :122)

4 اس بدکاری سے مراد وہی لواطت ہے جس کا ارتکاب قوم لوط علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے کیا جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے۔

5 یعنی تمھاری شہوت پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے لیے طبعی طریقہ تمھارے لیے ناکافی ہوگیا ہے اور غیر طبعی طریقہ تم نے اختیار کر لیا ہے۔ جنسی شہوت کی تسکین کے لیے طبعی طریقہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں سے مباشرت کی صورت میں رکھا ہے۔ اسے چھوڑ کر اس کام کے لیے مردوں کی دبر استعمال کرنا غیر فطری اور غیر طبعی طریقہ ہے۔

6 اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں، نو واردوں اور گزرنے والوں کو زبردستی پکڑ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿29﴾

کام کرتے ہو؟[1] اس کے جواب میں اس کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ بس[2] جا اگر سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ ○

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿30﴾ ع 3/8 15

لوط نے دعا کی کہ[3] پروردگار! اس مفسد قوم پر میری مدد فرما ○

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿31﴾ صلے

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے، کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں،[4] یقیناً یہاں کے رہنے والے گناہ گار ہیں ○

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ

ابراہیم نے کہا: اس میں تو لوط ہیں، فرشتوں نے کہا:

پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو جس سے لوگوں کے لیے راستوں سے گزرنا مشکل ہو گیا اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے اور قتل کر دیتے ہو یا ازراہ شرارت انھیں کنکریاں مارتے ہو۔ تیسرے معنی کیے گئے ہیں کہ سر راہ ہی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گزرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک خاص سبب کی تعیین تو مشکل ہے، تاہم وہ ایسا کام ضرور کرتے تھے، جس سے عملاً راستہ بند ہو جاتا تھا۔ قطع طریق کے ایک معنی قطع نسل کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی عورتوں کی شرم گاہوں کو استعمال کرنے کی بجائے مردوں کی دبر استعمال کر کے تم اپنی نسل بھی منقطع کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ (فتح القدیر)

1 یہ بے حیائی کیا تھی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں، مثلاً: لوگوں کو کنکریاں مارنا، اجنبی مسافر کا استہزا و استخفاف، مجلسوں میں پاد مارنا، ایک دوسرے کے سامنے اغلام بازی، شطرنج وغیرہ قسم کی قمار بازی، رنگے ہوئے کپڑے پہننا وغیرہ۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کوئی بعید نہیں کہ وہ یہ تمام ہی منکرات کرتے ہوں۔''

2 حضرت لوط علیہ السلام نے جب انھیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہا......

3 یعنی جب حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو اللہ سے مدد کی دعا فرمائی......

4 یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرما لی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہلاک کرنے کے لیے بھیج دیا۔ وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انھیں اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی خوش خبری دی اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی ہلاک کرنے آئے ہیں۔

بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿32﴾

یہاں جو ہیں ہم انھیں بخوبی جانتے ہیں۔ [1] لوط کو اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچالیں گے، البتہ وہ عورت پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ○ [2]

وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿33﴾

پھر جب ہمارے قاصد لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے۔ [3] قاصدوں نے کہا: آپ نہ خوف کھائیں نہ آزردہ ہوں ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچالیں گے مگر آپ کی بیوی [4] کہ وہ عذاب کے لیے باقی رہ جانے والوں میں سے ہوگی ○

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں [5] اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں ○

---

1 یعنی ہمیں علم ہے کہ اخیار اور مومن کون ہیں اور اشرار کون؟

2 یعنی ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے جن کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا جانا ہے وہ چونکہ مومنہ نہیں تھی بلکہ اپنی قوم کی طرف دار تھی، اس لیے اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

3 ﴿سِیْٓءَ بِهِمْ﴾ کے معنی ہیں: ان کے پاس ایسی چیز آئی جو انھیں بری لگی اور اس سے ڈر گئے، اس لیے کہ لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو، جو انسانی شکل میں آئے تھے، انسان ہی سمجھا اور اپنی قوم کی عادت بد اور سرکشی کی وجہ سے ڈرے کہ ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا علم اگر اسے ہوگیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے، جس سے میری رسوائی ہوگی۔ ﴿ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ یہ کنایہ ہے عاجزی سے، جیسے ضَاقَتْ يَدُهٗ (ہاتھ کا تنگ ہونا) کنایہ ہے فقر سے، یعنی ان خوش شکل مہمانوں کو بدخصلت قوم سے بچانے کی کوئی تدبیر انھیں نہیں سوجھی جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں پریشان تھے۔

4 فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی اور غم وحزن کی کیفیت کو دیکھا تو انھیں تسلی دی اور کہا کہ آپ کوئی خوف اور حزن نہ کریں، ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو، سوائے آپ کی بیوی کے، نجات دلانا ہے۔

5 اس آسمانی عذاب سے وہی عذاب مراد ہے جس کے ذریعے سے قوم لوط کو ہلاک کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جبریل نے ان کی بستیوں کو زمین سے اکھیڑا آسمان کی بلندیوں تک لے گئے، پھر ان کو ان ہی پر الٹا دیا گیا، اس کے بعد کھنگر

يَفْسُقُوْنَ ﴿34﴾
وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿35﴾
وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿36﴾

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿37﴾

البتہ ہم نے اس بستی کو صریح عبرت کی نشانی بنا دیا [1] ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ○ [2]

اور مدین کی طرف [3] ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انھوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو قیامت کے دن کی توقع رکھو [4] اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ○ [5]

پھر بھی انھوں نے انھیں جھٹلایا آخر کار انھیں زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے مردہ ہو کر رہ گئے ○ [6]

پتھروں کی بارش ان پر ہوئی اور اس جگہ کو سخت بدبودار بحیرہ (جھیل) میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

1 یعنی پتھروں کے وہ آثار جن کی بارش ان پر ہوئی، سیاہ بدبودار پانی اور الٹی ہوئی بستیاں، یہ سب عبرت کی نشانیاں ہیں۔ مگر کن کے لیے؟ دانش مندوں کے لیے۔

2 اس لیے کہ وہی معاملات پر غور کرتے، اسباب وعوامل کا تجزیہ کرتے اور نتائج و آثار کو دیکھتے ہیں لیکن جو لوگ عقل و شعور سے بے بہرہ ہوتے ہیں، انھیں ان چیزوں سے کیا تعلق؟ وہ تو ان جانوروں کی طرح ہیں جنھیں ذبح کے لیے بوچڑ خانے لے جایا جاتا ہے لیکن انھیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس میں مشرکین مکہ کے لیے بھی تعریض ہے کہ وہ بھی تکذیب کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو عقل و دانش سے بے بہرہ لوگوں کا وتیرہ ہے۔

3 مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا، بعض کے نزدیک یہ ان کے پوتے کا نام ہے، بیٹے کا نام مدیان تھا۔ ان ہی کے نام پر اس قبیلے کا نام پڑ گیا جو ان ہی کی نسل پر مشتمل تھا۔ اسی قبیلہ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین شہر کا نام تھا، یہ قبیلہ یا شہر لوط علیہ السلام کی بستی کے قریب ہی تھا۔

4 اللہ کی عبادت کے بعد انھیں آخرت کی یاد دہانی کرائی گئی یا تو اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر تھے یا اس لیے کہ وہ اسے فراموش کیے ہوئے تھے اور معصیتوں میں مبتلا تھے اور جو قوم آخرت کو فراموش کر دے، وہ گناہوں میں دلیر ہو جاتی ہے، جیسے آج مسلمانوں کی اکثریت کا حال ہے۔

5 ناپ تول میں کمی اور لوگوں کو کم دینا، یہ بیماری ان میں عام تھی اور ارتکاب معاصی میں بھی انھیں باک نہیں تھا جس سے زمین فساد سے بھر گئی تھی۔

6 حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، بالآخر بادلوں کے سائے والے دن جبریل کی ایک

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ
مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا
مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿38﴾

اور ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو بھی غارت کیا جن کے بعض مکانات تمھارے سامنے ظاہر ہیں [1] اور شیطان نے انھیں ان کی بد اعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انھیں راہ سے روک دیا تھا باوجودیکہ وہ آنکھوں والے اور ہوشیار تھے ○ [2]

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ
جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي
الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿39﴾

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی، ان کے پاس موسیٰ کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے [3] پھر بھی انھوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے ○ [4]

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا

پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا، [5] ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا [6] اور ان میں سے بعض کو زور آور سخت آواز نے

سخت چیخ سے زمین زلزلے سے لرز اٹھی جس سے ان کے دل ان کی ہنسلیوں تک آ گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

1 قوم عاد کی بستی۔ احقاف، حضر موت (یمن) کے قریب اور ثمود کی بستی حجر، جسے آج کل مدائن صالح کہتے ہیں، حجاز کے شمال میں ہے۔ ان علاقوں سے عربوں کے تجارتی قافلے آتے جاتے تھے، اس لیے یہ بستیاں ان کے لیے انجان نہیں بلکہ ظاہر تھیں۔

2 یعنی تھے وہ عقل مند اور ہوشیار۔ لیکن دین کے معاملے میں انھوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کچھ کام نہیں لیا، اس لیے یہ عقل اور سمجھ ان کے کام نہ آئی۔

3 یعنی دلائل و معجزات کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوا اور بدستور متکبر بنے رہے، یعنی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے سے گریز کیا۔

4 یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکے اور ہمارے عذاب کے شکنجے میں آ کر رہے۔ ایک دوسرا ترجمہ ہے کہ ”یہ کفر میں سبقت کرنے والے نہیں تھے۔“ بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جنھوں نے اسی طرح کفر و عناد کا راستہ اختیار کیے رکھا تھا۔

5 یعنی ان مذکورین میں سے ہر ایک کی، ان کے گناہوں کی پاداش میں ہم نے گرفت کی۔

6 یہ قوم عاد تھی جس پر نہایت تند و تیز ہوا کا عذاب آیا۔ یہ ہوا زمین سے کنکریاں اڑا اڑا کر ان پر برساتی، بالآخر اس

بِهِ الۡاَرۡضَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَغۡرَقۡنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿40﴾

دبوچ لیا[1] اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا[2] اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا،[3] اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے[4] ○

مَثَلُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۖۚ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا ؕ وَاِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿41﴾ وقف لازم

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے، حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے[5] کاش! وہ جان لیتے ○

کی شدت اتنی بڑھی کہ انھیں اچک کر آسمان تک لے جاتی اور انھیں سر کے بل زمین پر دے مارتی جس سے ان کا سر الگ اور دھڑ الگ ہو جاتا گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ (ابن کثیر)

بعض مفسرین نے ﴿حَاصِبًا﴾ کا مصداق قوم لوط کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے غیر صحیح اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کو منقطع قرار دیا ہے۔

1 یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود ہے جنھیں ان کے کہنے پر ایک چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کی بجائے اس اونٹنی کو ہی مار ڈالا۔ جس کے تین دن بعد ان پر سخت چنگھاڑ کا عذاب آیا جس نے ان کی آوازوں اور حرکتوں کو خاموش کر دیا۔

2 یہ قارون ہے جسے مال و دولت کے خزانے عطا کیے گئے تھے لیکن یہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا کہ یہ مال و دولت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کے ہاں معزز و محترم ہوں۔ مجھے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اسے اس کے خزانوں اور محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

3 یہ فرعون ہے جو ملک مصر کا حکمران تھا لیکن حد سے تجاوز کر کے اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو، جس کو اس نے غلام بنا رکھا تھا، آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک صبح اس کو اس کے پورے لشکر سمیت دریائے قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

4 یعنی اللہ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے، اس لیے پچھلی قومیں جن پر عذاب آیا، محض اس لیے ہلاک ہوئیں کہ کفر و شرک اور تکذیب و معاصی کا ارتکاب کر کے انھوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

5 یعنی جس طرح مکڑی کا جالا (گھر) نہایت بودا، کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے، ہاتھ کے ادنیٰ سے اشارے سے وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی بالکل ایسا ہی، یعنی بالکل بے فائدہ

اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ
مِنۡ شَیۡءٍ ؕ وَ ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿42﴾
وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُھَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا
یَعۡقِلُھَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿43﴾
خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿44﴾ ع 4 14 16

اللہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنھیں وہ اس کے سوا پکار رہے ہیں، وہ زبردست اور ذی حکمت ہے ○
ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں، [1] انھیں صرف علم والے ہی جانتے ہیں ○ [2]
اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، [3] ایمان والوں کے لیے تو اس میں بڑی بھاری دلیل ہے ○ [4]

ہے کیونکہ وہ بھی کسی کے کام نہیں آ سکتے، اس لیے غیر اللہ کے سہارے بھی مکڑی کے جالے کی طرح یکسر ناپائیدار ہیں۔ اگر یہ پائیدار یا نفع بخش ہوتے تو یہ معبود گزشتہ اقوام کو تباہی سے بچا لیتے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ انھیں نہیں بچا سکے۔

1 یعنی انھیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے، شرک کی حقیقت سے آگاہ کرنے اور ہدایت کا راستہ سجھانے کے لیے۔

2 اس علم سے مراد اللہ کا، اس کی شریعت کا اور ان آیات و دلائل کا علم ہے جن پر غور و فکر کرنے سے انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔

3 یعنی عبث اور بے مقصد نہیں۔

4 یعنی اللہ کے وجود کی، اس کی قدرت اور علم و حکمت کی۔ اور پھر اسی دلیل سے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیں [1] اور نماز قائم کریں، [2] یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، [3] بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز

1 قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر وثواب کے لیے، اس کے معانی ومطالب پر تدبر وتفکر کے لیے، تعلیم وتدریس کے لیے اور وعظ ونصیحت کے لیے، اس حکم تلاوت میں ساری ہی صورتیں شامل ہیں۔

2 کیونکہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا تعلق خصوصی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے عزم وثبات کا باعث اور ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے: ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔'' (البقرۃ 153:2) نماز اور صبر کوئی مادی (مرئی) چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کرلے۔ یہ تو معنوی (غیر مرئی) چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط وتعلق پیدا ہوتا ہے وہ قدم قدم پر اس کی دستگیری اور رہنمائی کرتا ہے اسی لیے نبی ﷺ کو رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز بھی پڑھنے کی تاکید کی گئی کیونکہ آپ کے ذمے جو عظیم کام سونپا گیا تھا، اس میں آپ کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ نماز کا اہتمام فرماتے: «كَانَ النَّبِيُّ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى» (مسند أحمد: 388/5، وصحيح أبي داود، حديث 1319، وصحيح الجامع الصغير: 858/2، حديث:4703)

3 یعنی بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب۔ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے: ایک، دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے۔ دوسرا، پرہیز، یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔ اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت، جب نماز کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ان آداب وشرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت وقبولیت کے لیے ضروری ہیں، قبولیت عمل کے لیے تین شرطیں ہیں: ① ایمان ② اخلاص ③ مطابق شریعت ہونا۔ علاوہ ازیں نماز کے لیے بالخصوص یہ بھی ضروری ہے کہ نمازی پاک ہو، وقتِ مقررہ کی پابندی کرے، الا یہ کہ کوئی عذرِ شرعی ہو، ارکانِ صلاۃ (قیام، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال واطمینان کا اہتمام کرے، اسی طرح خشوع خضوع اور مواظبت (ہیشگی) کا بھی، نیز رزقِ حرام سے اجتناب اور حتی الامکان جماعت کے ساتھ پڑھنے کا التزام کرے۔ ہماری نمازیں ان آداب وشرائط سے عاری ہیں، اس لیے اس کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو قرآن کریم میں بتلائے گئے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امر کے کیے ہیں، یعنی نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ بے حیائی کے کاموں سے اور برائی سے رک جائے۔

مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿45﴾
وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ ۤ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ
اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ﴿46﴾

ہے،[1] تم جو کچھ کر رہے ہو اسے اللہ جانتا ہے ○
اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس طریقے پر جو عمدہ ہو،[2] مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں[3] اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی،[4] ہمارا تمھارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں ○

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ
مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا
الْكٰفِرُوْنَ ﴿47﴾

اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، پس جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں[5] اور ان (مشرکین) میں سے بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں[6] اور ہماری آیتوں کا انکار صرف

---

1 یعنی بے حیائی اور برائی سے روکنے میں اللہ کا ذکر اقامت صلاۃ سے بھی زیادہ مؤثر ہے، اس لیے کہ آدمی جب تک نماز میں ہوتا ہے، برائی سے رکا رہتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے، اس کے برعکس ہر وقت اللہ کا ذکر اس کے لیے ہر وقت برائی میں مانع رہتا ہے۔

2 اس لیے کہ وہ اہل علم و فہم ہیں، بات کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ بنابریں ان سے بحث و گفتگو میں تلخی اور تندی مناسب نہیں۔

3 یعنی جو بحث و مجادلہ میں افراط سے کام لیں تو تمھیں بھی سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ بعض نے پہلے گروہ سے مراد وہ اہل کتاب لیے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت و نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے ﴿ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے اور جدال و قتال کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دیں۔

4 یعنی تورات و انجیل پر، یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور یہ کہ یہ شریعت اسلامیہ کے قیام اور بعثت محمدیہ تک شریعت الٰہیہ تھیں۔

5 اس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں۔ ایتائے کتاب سے مراد اس پر عمل ہے۔ گویا اس پر جو عمل نہیں کرتے، انھیں یہ کتاب دی ہی نہیں گئی۔

6 ان سے مراد اہل مکہ ہیں جن میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔

کافر ہی کرتے ہیں ○

وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿48﴾

اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے [1] اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے [2] تھے کہ یہ باطل پرست لوگ شک وشبہ میں پڑتے ○ [3]

بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ‌ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ ﴿49﴾

بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں [4] اور ہماری آیتوں کا منکر بجز ظالموں کے اور کوئی نہیں ○

وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ‌ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ‌ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿50﴾

اور انھوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانات، یعنی معجزے اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ آپ کہہ دیجیے کہ نشانات تو سب اللہ کے پاس ہیں [5] میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں ○

اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى

کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جو ان پر پڑھی جارہی ہے، [6] اس میں رحمت (بھی) ہے اور

---

1 اس لیے کہ ان پڑھ تھے۔

2 اس لیے کہ لکھنے کے لیے بھی علم ضروری ہے جو آپ نے کسی سے حاصل ہی نہیں کیا تھا۔

3 یعنی اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے یا کسی استاذ سے کچھ سیکھا ہوتا تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید فلاں کی مدد سے یا اس سے تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

4 یعنی قرآن مجید کے حافظوں کے سینوں میں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ قرآن مجید لفظ بہ لفظ سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

5 یعنی یہ نشانات اس کی حکمت ومشیت، جن بندوں پر اتارنے کی مقتضی ہوتی ہے، وہاں وہ اتارتا ہے، اس میں اللہ کے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے۔

6 یعنی وہ نشانیاں طلب کرتے ہیں۔ کیا ان کے لیے بطور نشانی یہ قرآن کافی نہیں ہے جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اور جس کی بابت انھیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لا کر دکھائیں یا کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دیں۔ جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود یہ قرآن پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو قوم موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی طرح انھیں معجزے دکھا بھی دیے جائیں تو اس پر یہ کون سا ایمان لے آئیں گے؟

ع 5/7
لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿52﴾

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿53﴾

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿54﴾

نصیحت بھی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان دار ہیں ○ [1]

کہہ دیجیے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے [2] وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جو لوگ باطل کے ماننے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہیں، [3] وہ زبردست نقصان اور گھاٹے میں ہیں ○ [4]

یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ [5] اگر میری طرف سے مقرر کیا ہوا وقت نہ ہوتا تو اب تک ان کے پاس عذاب آچکا ہوتا، [6] یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آپہنچے گا ○ [7]

یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور تسلی رکھیں جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے ○ [8]

---

1 یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہے کیونکہ وہی اس سے متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

2 اس بات پر کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور جو کتاب مجھ پر نازل ہوئی ہے، یقیناً منجانب اللہ ہے۔

3 یعنی غیر اللہ کو عبادت کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور جو فی الواقع مستحق عبادت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کا انکار کرتے ہیں۔

4 کیونکہ یہی لوگ فساد عقلی اور سوء فہم میں مبتلا ہیں، اسی لیے انھوں نے جو سودا کیا ہے کہ ایمان کے بدلے کفر اور ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے، اس میں یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

5 یعنی پیغمبر کی بات ماننے کی بجائے کہتے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا دے۔

6 یعنی ان کے اعمال و اقوال تو یقیناً اس لائق ہیں کہ انھیں فوراً صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا جائے۔ لیکن ہماری سنت ہے کہ ہر قوم کو ایک وقت خاص تک مہلت دیتے ہیں، جب وہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو ہمارا عذاب آجاتا ہے۔

7 یعنی جب عذاب کا وقت مقرر آجائے گا تو اس طرح اچانک آئے گا کہ انھیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ وقت مقرر وہ ہے جو اس نے اہل مکہ کے لیے لکھ رکھا تھا، یعنی جنگ بدر میں اِسارت و قتل یا پھر قیامت کا وقوع ہے جس کے بعد کافروں کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

8 پہلا ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ﴾ بطور خبر کے تھا اور یہ دوسرا بطور تعجب کے ہے، یعنی یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عذاب کی جگہ (جہنم) نے ان کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے، پھر بھی یہ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ حالانکہ ہر آنے والی چیز

یَوۡمَ یَغۡشٰھُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِھِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِھِمۡ وَیَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿55﴾

اس دن ان کے اوپر تلے سے انھیں عذاب ڈھانپ رہا ہوگا اور اللہ [1] فرمائے گا کہ اب اپنے بد اعمال کا مزہ چکھو ○

یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿56﴾

اے میرے ایماندار بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو ○ [2]

کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ قف ثُمَّ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿57﴾

ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ [3]

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّھُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ غُرَفًا تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ط نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿58﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انھیں ہم یقیناً جنت کے ان بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں [4] جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، [5] کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ○

الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰی رَبِّھِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿59﴾

وہ جنھوں نے صبر کیا [6] اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے

قریب ہی ہوتی ہے، اسے دور کیوں سمجھتے ہیں؟ یا پھر یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

1 ﴿ یَقُوۡلُ ﴾ کا فاعل اللہ ہے یا فرشتے، یعنی جب چاروں طرف سے ان پر عذاب ہو رہا ہوگا تو کہا جائے گا۔

2 اس میں ایسی جگہ سے، جہاں اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو اور دین پر قائم رہنا دوبھر ہو رہا ہو، ہجرت کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح بعض مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسروں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

3 یعنی موت کا تلخ گھونٹ تو لامحالہ ہر ایک کو پینا ہے، ہجرت کرو گے تب بھی اور نہ کرو گے تب بھی، اس لیے تمھارے لیے وطن کا، رشتے داروں کا اور دوست احباب کا چھوڑنا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ موت تو تم جہاں بھی ہو گے آ جائے گی، البتہ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے مرو گے تو تم اخروی نعمتوں سے شادکام ہو گے، اس لیے کہ مر کر تو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔

4 یعنی اہل جنت کے مکانات بلند ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ نہریں پانی، شراب، شہد اور دودھ کی ہوں گی۔ علاوہ ازیں انھیں جس طرف پھیرنا چاہیں گے، ان کا رخ اسی طرف ہو جائے گا۔

5 ان کے زوال کا خطرہ ہوگا نہ انھیں موت کا اندیشہ نہ کسی اور جگہ پھر جانے کا خوف۔

6 یعنی دین پر مضبوطی سے قائم رہے، ہجرت کی تکلیفیں برداشت کیں، اہل و عیال اور عزیز و اقرباء سے دوری کو محض اللہ کی رضا کے لیے گوارا کیا۔

ہیں ○ [1]

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿60﴾

اور بہت سے [2] جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ، [3] ان سب کو اور تمھیں بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے، [4] وہ بڑا ہی سننے اور جاننے والا ہے ○ [5]

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿61﴾

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ، [6] پھر کدھر الٹے جارہے ہیں ○ [7]

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿62﴾

اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔ [8] یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا

---

1 دین اور دنیا کے ہر معاملے اور حالات میں۔

2 ﴿ كَاَيِّنْ ﴾ میں کاف تشبیہ کا ہے اور معنی ہیں: کتنے ہی یا بہت سے۔

3 کیونکہ اٹھا کر لے جانے کی ان میں ہمت ہی نہیں ہوتی، اسی طرح وہ ذخیرہ بھی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق کسی خاص جگہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اللہ کا رزق اپنی مخلوق کے لیے عام ہے وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کر جانے والے صحابہ کو پہلے سے کہیں زیادہ وسیع اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا، نیز تھوڑے ہی عرصے کے بعد انھیں عرب کے متعدد علاقوں کا حکمران بنا دیا۔

4 یعنی کوئی کمزور ہے یا طاقت ور، اسباب و وسائل سے بہرہ ور ہے یا بے بہرہ، اپنے وطن میں ہے یا مہاجر اور بے وطن، سب کا روزی رساں وہی اللہ ہے جو چیونٹی کو زمین کے کونوں کھدروں میں، پرندوں کو ہواؤں میں اور مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گہرائیوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ فقر و فاقہ کا ڈر ہجرت میں رکاوٹ نہ بنے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری اور تمام مخلوقات کی روزی کا ذمے دار ہے۔

5 وہ جاننے والا ہے تمھارے اعمال و افعال کو اور تمھارے ظاہر و باطن کو، اس لیے صرف اسی سے ڈرو، اس کے سوا کسی سے مت ڈرو! اسی کی اطاعت میں سعادت و کمال ہے اور اس کی معصیت میں شقاوت و نقصان۔

6 یعنی یہ مشرکین جو مسلمانوں کو محض توحید کی وجہ سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں، ان سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سورج اور چاند کو اپنے اپنے مدار پر چلانے والا کون ہے؟ تو وہاں یہ اعتراف کیے بغیر انھیں چارہ نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔

7 یعنی دلائل و اعتراف کے باوجود حق سے یہ اعراض اور گریز باعث تعجب ہے۔

8 یہ مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو پھر غریب اور کمزور کیوں

ہے ○ [1]

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿63﴾ ع 6 12 2

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا اللہ نے۔ آپ کہہ دیں کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ [2]

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿64﴾ وقف لازم

اور دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے [3] البتہ سچی زندگی تو آخرت کا گھر ہے، [4] کاش! یہ جانتے ہوتے ○ [5]

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿65﴾

پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں ○ [6]

ہو؟ اللہ نے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور کمی اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق جس کو چاہتا ہے کم یا زیادہ دیتا ہے، اس کا تعلق اس کی رضامندی یا غضب سے نہیں ہے۔

1 اس کو بھی وہی جانتا ہے کہ زیادہ رزق کس کے لیے بہتر ہے اور کس کے لیے نہیں؟

2 کیونکہ عقل ہوتی تو اپنے رب کے ساتھ پتھروں کو اور مُردوں کو رب نہ بناتے۔ نہ ان کے اندر یہ تناقض ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت کے اعتراف کے باوجود بتوں کو حاجت روا اور لائق عبادت سمجھ رہے ہیں۔

3 یعنی جس دنیا نے انھیں آخرت سے اندھا اور اس کے لیے توشہ جمع کرنے سے غافل رکھا ہے، وہ ایک کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، کافر دنیا کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے، اس کے لیے شب و روز محنت کرتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے۔ جس طرح بچے سارا دن مٹی کے گھروندوں سے کھیلتے ہیں، پھر خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، سوائے تھکاوٹ کے انھیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

4 اس لیے ایسے عمل صالح کرنے چاہئیں جن سے آخرت کا یہ گھر سنور جائے۔

5 کیونکہ اگر وہ یہ بات جان لیتے تو آخرت سے بے پروا ہو کر دنیا میں مگن نہ ہوتے، اس لیے ان کا علاج علم ہے، علم شریعت۔

6 مشرکین کے اس تناقض کو بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس تناقض کو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سمجھ

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۥ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿67﴾
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

تا کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے مکرتے رہیں اور مزے اڑاتے رہیں۔[1] ابھی ابھی پتہ چل جائے گا○
کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو باامن بنا دیا ہے، حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اچک لیے جاتے ہیں،[2] کیا یہ باطل پر تو یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں پر ناشکری کرتے ہیں○[3]
اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھے[4]

گئے تھے جس کی وجہ سے انھیں قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوگئی۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہوگئے تا کہ نبی ﷺ کی گرفت سے بچ جائیں۔ یہ حبشہ جانے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھے، کشتی گرداب میں پھنس گئی تو کشتی میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو، اس لیے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا، یعنی مسلمان ہو جاؤں گا، چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (ابن کثیر بحوالہ سیرت محمد بن اسحاق)

1 یہ لام کَيْ ہے جو علت کے لیے ہے، یعنی نجات کے بعد ان کا شرک کرنا، اس لیے ہے کہ وہ کفران نعمت کریں اور دنیا کی لذتوں سے متمتع ہوتے رہیں کیونکہ اگر وہ یہ ناشکری نہ کرتے تو اخلاص پر قائم رہتے اور صرف اللہ واحد کو ہی ہمیشہ پکارتے۔ بعض کے نزدیک یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی گو ان کا مقصد کفر کرنا نہیں ہے لیکن دوبارہ شرک کے ارتکاب کا نتیجہ بہرحال کفر ہی ہے۔

2 اللہ تعالیٰ اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اہل مکہ پر اس نے کیا کہ ہم نے ان کے حرم کو امن والا بنایا جس میں اس کے باشندے قتل و غارت، اسیری، لوٹ مار وغیرہ سے محفوظ ہیں جبکہ عرب کے دوسرے علاقے اس امن و سکون سے محروم ہیں قتل و غارت گری ان کے ہاں معمول اور آئے دن کا مشغلہ ہے۔

3 یعنی کیا اس نعمت کا شکر یہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور جھوٹے معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے رہیں۔ اس احسان کا اقتضا تو یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے پیغمبر کی تصدیق کرتے۔

4 یعنی دعویٰ کرے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے درآں حالیکہ ایسا نہ ہو یا کوئی یہ کہے کہ میں بھی وہ چیز اتار سکتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے۔ یہ افترا ہے اور مدعی مفتری۔

اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾

یا جب حق اس کے پاس آجائے وہ اسے [1] جھٹلائے، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟ ○

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿69﴾ ع 7/6/3

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں [2] ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے۔ [3] یقیناً اللہ نیکوکاروں کا ساتھی ہے ○ [4]

آیاتھا 60 (30) سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (84) رکوعاتھا 6

سورۂ روم مکی ہے، اس میں 60 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾

الٓمّٓ ○

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿2﴾

رومی مغلوب ہوگئے ہیں ○

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿3﴾

نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے ○

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿4﴾

چند سال ہی میں اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کا ہے۔ اس روز مسلمان شادمان ہوں گے ○

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ

اللہ کی مدد سے، [5] وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

1 یہ تکذیب ہے اور اس کا مرتکب مکذب۔ افترا اور تکذیب دونوں کفر ہیں جس کی سزا جہنم ہے۔

2 یعنی دین پر عمل کرنے میں جو دشواریاں، آزمائشیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔

3 اس سے مراد دنیا و آخرت کے وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

4 احسان کا مطلب ہے، اللہ کے لیے ہر نیکی کے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا، سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرنا، برائی کے بدلے میں برائی کی بجائے حسن سلوک کرنا، اپنا حق چھوڑ دینا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا۔ یہ سب احسان کے مفہوم میں شامل ہیں۔

5 عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک فارس (ایران) کی، دوسری روم کی۔ اول الذکر حکومت آتش پرست اور دوسری عیسائی، یعنی اہل کتاب تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیونکہ دونوں مشرک تھے جبکہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں، اس لیے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور وحی و رسالت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ نبی ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد

الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ﴿5﴾
وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ
اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿6﴾
یَعۡلَمُوۡنَ ظَاہِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚۖ وَ ہُمۡ
عَنِ الۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿7﴾
اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰہُ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ
وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ

اصل غالب اور مہربان وہی ہے ○
اللہ کا وعدہ ہے، [1] اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○
وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر (ہی) کو جانتے ہیں اور
آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں ○ [2]
کیا ان لوگوں نے اپنی جانوں میں یہ غور نہیں کیا؟ کہ اللہ
نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے
سب کو بہترین قرینے [3] سے مقرر وقت تک کے لیے

ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آ گئی جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو غم ہوا، اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ ﴿بِضۡعِ سِنِیۡنَ﴾ "چند سال" کے اندر رومی پھر غالب آ جائیں گے اور غالب (ایرانی) مغلوب ہو جائیں گے۔ بظاہر اسباب یہ پیش گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی، تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے یہ شرط باندھ لی کہ رومی پانچ سال کے اندر دوبارہ غالب آ جائیں گے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ ﴿بِضۡعِ﴾ کا لفظ تین سے لے کر 9 تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے تم نے 5 سال کی مدت کم رکھی ہے، اس میں اضافہ کر لو، چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مدت میں اضافہ کروا لیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ رومی 9 سال کی مدت کے اندر اندر، یعنی ساتویں سال دوبارہ فارس پر غالب آ گئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ (جامع الترمذي، حديث: 3194) بعض کہتے ہیں کہ رومیوں کو یہ فتح اس وقت ہوئی جب بدر میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہوئے۔ رومیوں کی یہ فتح قرآن کریم کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ نزدیک کی زمین سے مراد عرب کی زمین کے قریب کے علاقے ہیں، یعنی شام و فلسطین وغیرہ، جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔

1 یعنی اے محمد! ہم آپ کو جو خبر دے رہے ہیں کہ عنقریب رومی فارس پر دوبارہ غالب آ جائیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو مدت موعود کے اندر یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

2 یعنی اکثر لوگوں کو دنیوی معاملات کا خوب علم ہے، چنانچہ وہ ان میں تو اپنی چابک دستی اور مہارت فن کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے لیکن آخرت کے معاملات سے یہ غافل ہیں جن کا نفع مستقل اور پائیدار ہے، یعنی دنیا کے امور کو خوب پہچانتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہیں۔

3 یا ایک مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، بے مقصد اور بیکار نہیں۔ اور وہ مقصد ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور

بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَكٰفِرُوۡنَ ⑧

کیا ہے، ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں ○ [1]

اَوَ لَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَعَمَرُوۡهَاۤ اَكۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ؕ ⑨

کیا انھوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا [2] کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا؟ [3] وہ ان سے بہت زیادہ توانا (اور طاقتور) تھے [4] اور انھوں نے بھی زمین بوئی جوتی تھی [5] اور ان سے زیادہ آباد کی تھی [6] اور ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔ [7] یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا [8] لیکن (دراصل) وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ [9]

بدوں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے، یعنی کیا وہ اپنے وجود پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح اسے نیست سے ہست کیا اور پانی کے ایک حقیر قطرے سے اس کی تخلیق کی، پھر آسمان و زمین کا ایک خاص مقصد کے لیے وسیع و عریض سلسلہ قائم کیا، نیز ان سب کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا، یعنی قیامت کا دن۔ جس دن یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر غور کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت و الوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انھیں ادراک و احساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے۔

1 اور اس کی وجہ وہی کائنات میں غور و فکر کا فقدان ہے ورنہ قیامت کے انکار کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔

2 یہ آثار و کھنڈرات اور نشانات عبرت پر غور و فکر نہ کرنے پر توبیخ کی جا رہی ہے۔ مطلب ہے کہ چل پھر کر وہ مشاہدہ کر چکے ہیں۔

3 یعنی ان کافروں کا جن کو اللہ نے ان کے کفر باللہ، حق کے انکار اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا۔

4 یعنی قریش اور اہل مکہ سے زیادہ۔

5 یعنی اہل مکہ تو کھیتی باڑی سے نا آشنا ہیں لیکن پچھلی قومیں اس وصف میں بھی ان سے بڑھ کر تھیں۔

6 اس لیے کہ ان کی عمریں بھی زیادہ تھیں، جسمانی قوت میں بھی زیادہ تھے، اسباب معاش بھی ان کو زیادہ حاصل تھے، پس انھوں نے عمارتیں بھی زیادہ بنائیں، زراعت و کاشتکاری بھی کی اور وسائل رزق بھی زیادہ مہیا کیے۔

7 لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ نتیجتاً تمام تر قوتوں، ترقیوں اور فراغت و خوش حالی کے باوجود ہلاکت ان کا مقدر بن کر رہی۔

8 کہ انھیں بغیر گناہ کے عذاب میں مبتلا کر دیتا۔

9 یعنی اللہ کا انکار اور رسولوں کی تکذیب کر کے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿10﴾ ع

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿11﴾

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿12﴾

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿13﴾

پھر آخر کار برا کام کرنے والوں کا انجام بہت ہی برا ہوا،[1] اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے ○

اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا،[2] پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ [3]

اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گناہ گار حیرت زدہ رہ جائیں گے ○ [4]

اور ان کے تمام تر شریکوں میں سے ایک بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا [5] اور خود یہ بھی اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے ○ [6]

---

1 ﴿السُّوْٓآٰى﴾ بروزن فُعْلی، سُوء سے أَسْوأُ کی تانیث ہے، جیسے حُسْنٰی، أَحْسَنُ کی تانیث ہے، یعنی ان کا جو انجام ہوا، بدترین انجام تھا۔

2 یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ انھیں زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، اس لیے کہ دوبارہ پیدا کرنا، پہلی مرتبہ سے آسان تر ہوتا ہے۔

3 یعنی میدان محشر اور موقف حساب میں، جہاں وہ عدل وانصاف کا اہتمام فرمائے گا۔

4 إِبْلَاس کے معنی ہیں: اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکنا اور حیران وساکت کھڑے رہنا۔ اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مُبْلِسٌ وہ ہوگا جو ناامید ہو کر خاموش کھڑا ہو اور اسے کوئی دلیل نہ سوجھ رہی ہو، قیامت والے دن کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہوگا، یعنی معاینۂ عذاب کے بعد وہ ہر خیر سے مایوس اور دلیل وحجت پیش کرنے سے قاصر ہوں گے۔ ﴿الْمُجْرِمُوْنَ﴾ سے مراد کافر ومشرک ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

5 شریکوں سے مراد وہ معبودان باطلہ ہیں جن کی مشرکین یہ سمجھ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوں گے اور انھیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے۔ لیکن اللہ نے یہاں وضاحت فرما دی کہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔

6 یعنی وہاں ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے کیونکہ وہ دیکھ لیں گے کہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ (فتح القدیر) دوسرے معنی ہیں کہ یہ معبود اس بات سے انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ انھیں اللہ کا شریک گردان کر ان کی عبادت کرتے تھے کیونکہ وہ تو ان کی عبادت سے ہی بے خبر ہیں۔

وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یَوۡمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوۡنَ ﴿14﴾

اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن جماعتیں الگ الگ ہو جائیں گی ○ [1]

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِیۡ رَوۡضَۃٍ یُّحۡبَرُوۡنَ ﴿15﴾

جو ایمان لا کر نیک اعمال کرتے رہے وہ تو جنت میں خوش وخرم کر دیے جائیں گے ○ [2]

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآئِ الۡاٰخِرَۃِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿16﴾

اور جنھوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا وہ سب عذاب میں پکڑ وا دیے جائیں گے ○ [3]

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿17﴾

پس اللہ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو ○

وَ لَهُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿18﴾

تمام تعریفوں کے لائق آسمان وزمین میں صرف وہی ہے، تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی اس کی پاکیزگی بیان کرو ○ [4]

---

1 اس سے مراد ہر فرد کا دوسرے فرد سے الگ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب مومنوں کا اور کافروں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر وشرک جہنم میں چلے جائیں گے اور ان کے درمیان دائمی جدائی ہو جائے گی، یہ دونوں پھر کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے یہ حساب کے بعد ہوگا، چنانچہ اسی علیحدگی کی وضاحت اگلی آیات میں کی جا رہی ہے۔

2 یعنی انھیں جنت میں اکرام وانعام سے نوازا جائے گا جس سے وہ مزید خوش ہوں گے۔

3 یعنی ہمیشہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں رہیں گے۔

4 یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات مقدسہ کے لیے تسبیح وتحمید ہے، جس سے مقصد اپنے بندوں کی رہنمائی ہے کہ ان اوقات میں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور جو اس کے کمال قدرت وعظمت پر دلالت کرتے ہیں، اس کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ شام کا وقت، رات کی تاریکی کا پیش خیمہ اور سپیدۂ سحر دن کی روشنی کا پیامبر ہوتا ہے۔ عشاء: شدت تاریکی کا اور ظہر خوب روشن ہو جانے کا وقت ہے، پس وہ ذات پاک ہے جو ان سب کی خالق ہے اور جس نے ان تمام اوقات میں الگ الگ فوائد رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تسبیح سے مراد نماز ہے اور دونوں آیات میں مذکور اوقات پانچ نمازوں کے اوقات ہیں۔ ﴿تُمۡسُوۡنَ﴾ میں مغرب وعشاء، ﴿تُصۡبِحُوۡنَ﴾ میں نماز فجر، ﴿عَشِیًّا﴾ (سہ پہر) میں عصر اور ﴿تُظۡهِرُوۡنَ﴾ میں نماز ظہر آ جاتی ہے، (فتح القدير) جس حدیث میں ان دونوں آیات کو صبح وشام پڑھنے کی جو یہ فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس سے شب وروز کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، وہ ضعیف ہے، لہٰذا یہ فضیلت ثابت نہیں۔

(سنن أبي داود، حديث:5076)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝19 ع 2/9/5
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝20
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

(وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ [1]
اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اسی
طرح تم بھی نکالے جاؤ گے ○ [2]
اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا
پھر اب انسان بن کر (چلتے پھرتے) پھیل رہے ہو ○ [3]
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمھاری ہی جنس سے
بیویاں پیدا کیں [4] تا کہ تم ان سے آرام پاؤ، [5] اس نے
تمھارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، [6] یقیناً غور وفکر

---

1 جیسے انڈے کو مرغی سے، مرغی کو انڈے سے۔ انسان کو نطفے سے، نطفے کو انسان سے اور مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔

2 یعنی قبروں سے زندہ کر کے۔

3 ﴿اِذَآ﴾ فجائیہ ہے۔ مقصود اس سے ان اطوار کی طرف اشارہ ہے جن سے گزر کر بچہ پورا انسان بنتا ہے جس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ ﴿تَنْتَشِرُوْنَ﴾ سے مراد انسان کا کسب معاش اور دیگر حاجات وضروریات بشریہ کے لیے چلنا پھرنا ہے۔

4 یعنی تمھاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تا کہ وہ تمھاری بیویاں بنیں اور تم جوڑا جوڑا ہو جاؤ۔ ﴿اَزْوَاجًا﴾ عربی میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے زوج ہے۔ عورتوں کے جنس بشر ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا کی پہلی عورت ، حضرت حوا، کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا، پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔

5 مطلب یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی، مثلاً: عورتیں جنات یا حیوانات میں سے ہوتیں تو ان سے وہ سکون کبھی حاصل نہ ہوتا جو اس وقت دونوں کے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے سے نفرت ووحشت ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی بیویاں، انسان ہی بنائیں۔

6 ﴿مَّوَدَّةً﴾ یہ ہے کہ مرد بیوی سے بے پناہ پیار کرتا ہے اور ایسے ہی بیوی شوہر سے جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ ایسی محبت جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے، دنیا میں کسی بھی دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتی۔ اور رحمت یہ ہے کہ مرد بیوی کو ہر طرح کی سہولت اور آسائشیں بہم پہنچاتا ہے جس کا مکلّف اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور ایسے ہی عورت

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿21﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿22﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿23﴾

کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○
اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے،[1] دانش مندوں کے لیے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں ○
اور بھی اس کی قدرت کی نشانی تمھاری راتوں اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل، یعنی روزی کو تمھارا تلاش کرنا بھی ہے۔[2] جو لوگ کان لگا کر سننے کے عادی ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○

بھی اپنی قدرت و اختیار کے دائرے میں ایسا کرتی ہے، تاہم انسان کو یہ سکون اور باہمی پیار انھی جوڑوں سے حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے قائم ہوتے ہیں اور اسلام انھی کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر قانونی جوڑوں کو وہ جوڑا ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انھیں زانی اور بدکار قرار دیتا اور ان کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ آج کل مغربی تہذیب کے علم بردار شیاطین ان مذموم کوششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی معاشروں کی طرح اسلامی ملکوں میں بھی نکاح کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بدکار مرد و عورت کو ''جوڑا'' (COUPLE) تسلیم کروایا جائے اور ان کے لیے سزا کی بجائے وہ حقوق منوائے جائیں جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○﴾ (المنفقون 63:4) ''اللہ انھیں غارت کرے کہاں سے پھیرے جاتے ہیں۔''

1 دنیا میں اتنی زبانوں کا پیدا کر دینا بھی اللہ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، عربی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اردو، ہندی، پشتو، فارسی، سندھی، بلوچی وغیرہ بے شمار بین الاقوامی اور علاقائی زبانیں ہیں، پھر ہر زبان کے مختلف لہجے اور اسلوب ہیں۔ ایک انسان ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں اپنی زبان اور اپنے لہجے سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں ملک اور فلاں علاقے کا ہے۔ صرف زبان ہی اس کا تعارف کرا دیتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی ماں باپ (آدم و حواء) سے ہونے کے باوجود رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا، کوئی نیلگوں ہے تو کوئی گندمی رنگ کا، پھر کالے اور سفید رنگ میں بھی اتنے درجات رکھ دیے ہیں کہ بیشتر انسانی آبادی دو رنگوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ان کی بیسیوں قسمیں ہیں اور ایک دوسرے سے یکسر الگ اور ممتاز، پھر ان کے چہروں کے خدوخال، جسمانی ساخت اور قد و قامت میں ایسا فرق رکھ دیا گیا ہے کہ ایک ایک ملک کا انسان الگ سے پہچان لیا جاتا ہے، یعنی باوجود اس بات کے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نہیں ملتا حتی کہ ایک بھائی دوسرے بھائی سے مختلف ہے لیکن اللہ کی قدرت کا کمال ہے کہ پھر بھی کسی ایک ہی ملک کے باشندے، دوسرے ملک کے باشندوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

2 نیند کا باعث سکون و راحت ہونا، چاہے وہ رات کو ہو یا بہ وقت قیلولہ اور دن کو تجارت و کاروبار کے ذریعے سے اللہ

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿24﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ تمھیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کے لیے بجلیاں دکھاتا ہے [1] اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اس میں (بھی) عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَةً ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ﴿25﴾

اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان و زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمھیں آواز دے گا صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے ○ [2]

وَلَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿26﴾

اور زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر ایک اس کے فرمان کے ماتحت ہے ○ [3]

وَهُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ ؕ وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿27﴾ ع 3/8 6

اور وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، [4] آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے ○

ضَرَبَ لَکُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ هَلۡ لَّکُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ شُرَکَآءَ فِیۡ مَا

اللہ نے تمھارے لیے ایک مثال خود تمھاری ہی بیان فرمائی، جو کچھ ہم نے تمھیں دے رکھا ہے، کیا اس میں

کا فضل تلاش کرنا، یہ مضمون کئی جگہ گزر چکا ہے۔

1 یعنی آسمان میں بجلی چمکتی اور بادل کڑکتے ہیں تو تم ڈرتے بھی ہو کہ کہیں بجلی گرنے یا زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے کھیتیاں برباد نہ ہو جائیں اور امیدیں بھی وابستہ کرتے ہو کہ بارشیں ہوں گی تو فصل اچھی ہوگی۔

2 یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو آسمان و زمین کا یہ سارا نظام جو اس وقت اس کے حکم سے قائم ہے، درہم برہم ہو جائے گا اور تمام انسان قبروں سے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔

3 یعنی اس کے تکوینی حکم کے آگے سب بے بس اور لاچار ہیں، جیسے موت و حیات، صحت و مرض، ذلت و عزت وغیرہ میں کوئی اللہ کے حکم کے آگے دم نہیں مار سکتا۔

4 یعنی اتنے کمالات اور عظیم قدرتوں کا مالک، تمام مثالوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ ﴿ لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ﴾ (الشوریٰ 42:11) ''کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔''

رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿28﴾

تمھارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمھارا شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟[1] اور تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا،[2] ہم عقل رکھنے والوں کے لیے اسی طرح کھول کھول کر آیتیں بیان کردیتے ہیں ○[3]

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿29﴾

بلکہ بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے[4] خواہش پرستی کررہے ہیں، اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ راہ سے ہٹا دے،[5] اور ان کا ایک بھی مددگار نہیں ○[6]

---

1 یعنی جب تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمھارے غلام اور نوکر چاکر جو تمھارے ہی جیسے انسان ہیں، وہ تمھارے مال و دولت میں شریک اور تمھارے برابر ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ کے بندے، چاہے وہ فرشتے ہوں، پیغمبر ہوں، اولیاء وصلحاء ہوں یا شجر وحجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں جبکہ وہ بھی اللہ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں، یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہوسکتی، دوسری بھی نہیں ہوسکتی، اس لیے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرنا اور انھیں بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔

2 یعنی کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم (آزاد لوگ) آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو، یعنی جس طرح مشترکہ کاروبار یا جائیداد میں سے خرچ کرتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے شریک باز پرس کریں گے۔ کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو؟ یعنی نہیں ڈرتے کیونکہ تم انھیں مال و دولت میں شریک قرار دے کر اپنا ہم مرتبہ بنا ہی نہیں سکتے تو ان سے ڈر بھی کیسا؟

3 کیونکہ وہ اپنی عقلوں کو استعمال میں لاکر اور غور وفکر کا اہتمام کرکے آیات تنزیلیہ اور تکوینیہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے، ان کی سمجھ میں توحید کا مسئلہ بھی نہیں آتا جو بالکل صاف اور نہایت واضح ہے۔

4 یعنی اس حقیقت کا انھیں ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ علم سے بے بہرہ اور ضلالت کا شکار ہیں اور اسی بے علمی اور گمراہی کی وجہ سے وہ اپنی عقل کو کام میں لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اپنی نفسانی خواہشات اور آرائے فاسدہ کے پیروکار ہیں۔

5 کیونکہ اللہ کی طرف سے ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے اندر ہدایت کی طلب اور آرزو ہوتی ہے جو اس طلب صادق سے محروم ہوتے ہیں، انھیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

6 یعنی ان گمراہوں کا کوئی مددگار نہیں جو انھیں ہدایت سے بہرہ ور کردے یا ان سے عذاب کو پھیر دے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙۗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙۗ ﴿30﴾

پس آپ یک سو ہوکر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔[1] اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے،[2] اللہ کے بنائے کو بدلنا ممکن نہیں،[3] یہی سیدھا دین ہے،[4] لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○[5]

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙۗ ﴿31﴾

(لوگو!) اللہ کی طرف رجوع ہوکر اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ ○[6]

مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿32﴾

ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے[7] ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے ○[8]

---

1 یعنی اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر قائم رہیں اور ادیان باطلہ کی طرف التفات ہی نہ کریں۔

2 فطرت کے اصل معنی خلقت (پیدائش) کے ہیں۔ یہاں مراد ملت اسلام (وتوحید) ہے مطلب یہ ہے کہ سب کی پیدائش، بغیر مسلم وکافر کی تفریق کے، اسلام اور توحید پر ہوئی ہے، اس لیے توحید ان کی فطرت، یعنی جبلت میں شامل ہے جس طرح کہ عهدِ اَلَسْتُ سے واضح ہے۔ بعد میں بہت سوں کو ماحول یا دیگر عوارض، فطرت کی اس آواز کی طرف نہیں آنے دیتے جس کی وجہ سے وہ کفر پر ہی باقی رہتے ہیں۔ جس طرح نبی ﷺ کی حدیث ہے: ’’ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں۔‘‘ (صحیح البخاري، حدیث: 4775، وصحیح مسلم، حدیث: 22-(2658))

3 یعنی اللہ کی اس خلقت (فطرت) کو تبدیل نہ کرو بلکہ صحیح تربیت کے ذریعے سے اس کی نشوونما کرو تاکہ ایمان و توحید بچوں کے دل ودماغ میں راسخ ہو جائے۔ یہ خبر بمعنی انشا ہے، یعنی نفی، نہی کے معنی میں ہے۔

4 یعنی وہ دین جس کی طرف یکسو اور متوجہ ہونے کا حکم ہے یا جو فطرت کا تقاضا ہے وہ یہی دین قیم ہے۔

5 اسی لیے وہ اسلام اور توحید سے ناآشنا رہتے ہیں۔

6 یعنی ایمان وتقویٰ اور اقامت صلاۃ سے گریز کر کے مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

7 یعنی اصل دین کو چھوڑ کر یا اس میں من مانی تبدیلیاں کر کے الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے، جیسے کوئی یہودی، کوئی نصرانی اور کوئی مجوسی وغیرہ ہو گیا۔

8 یعنی ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے باطل پر اور جو سہارے انھوں نے تلاش کر رکھے ہیں، جن کو وہ دلائل سے تعبیر کرتے ہیں، ان پر خوش اور مطمئن ہیں، بدقسمتی سے ملت اسلامیہ کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ان کا بھی ہر فرقہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے، حالانکہ حق پر صرف ایک ہی

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿33﴾

لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف (پوری طرح) رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو اُن میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے ○

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾

تا کہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دی[1] اچھا تم فائدہ اٹھا لو ابھی تمھیں معلوم ہو جائے گا ○

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿35﴾

کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرے جسے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں ○[2]

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿36﴾

اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انھیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں ○[3]

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جسے چاہے کشادہ

گروہ ہے جس کی پہچان نبی ﷺ نے بتلا دی ہے کہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا (اور یہ شرف اہل سنت کہلانے والوں میں سے صرف اہل حدیث کو حاصل ہے۔ کَثَّرَ اللّٰهُ سَوَادَهُمْ.

1 یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ عنکبوت 29:39 کے آخر میں گزرا۔

2 یہ استفہام انکاری ہے، یعنی یہ جن کو اللہ کا شریک گردانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ بلا دلیل ہے۔ اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ بھلا اللہ تعالیٰ شرک کے اثبات و جواز کے لیے کس طرح کوئی دلیل اتار سکتا تھا جبکہ اس نے سارے پیغمبر بھیجے ہی اس لیے تھے کہ وہ شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کریں، چنانچہ ہر پیغمبر نے آ کر سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید ہی کا وعظ کیا۔ اور آج اہل توحید مسلمانوں کو بھی نام نہاد مسلمانوں میں توحید وسنت کا وعظ کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ مسلمان عوام کی اکثریت شرک و بدعت میں مبتلا ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

3 یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ ہود 11:11 میں گزرا اور جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے کہ راحت میں وہ اترانے لگتے ہیں اور مصیبت میں ناامید ہو جاتے ہیں، البتہ اہل ایمان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ تکلیف میں صبر اور راحت میں اللہ کا شکر، یعنی عمل صالح کرتے ہیں۔ یوں دونوں حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔

يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿37﴾
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿38﴾
وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ

روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ،[1] اس میں بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں نشانیاں ہیں ○
پس قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو اور ہر ایک کو اس کا حق دیجیے،[2] یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ چاہتے ہوں،[3] ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○
تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔[4] اور جو کچھ صدقہ زکاۃ تم اللہ

---

1 یعنی اپنی حکمت و مصلحت سے وہ کسی کو مال و دولت زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ عقل و شعور میں اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک جیسا ہی کاروبار بھی شروع کرتے ہیں لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں جبکہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔ آخر یہ کون ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت فراواں کے مالک کو محتاج اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے۔ یہ سب اسی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

2 جب وسائل رزق تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور وہ جس پر چاہے اس کے دروازے کھول دیتا ہے تو اصحاب ثروت کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کا وہ حق ادا کرتے رہیں جو ان کے مال میں ان کے مستحق رشتے داروں، مساکین اور مسافروں کا رکھا گیا ہے۔ رشتے دار کا حق اس لیے مقدم کیا کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ غریب رشتے دار کے ساتھ احسان کرنا دوہرے اجر کا باعث ہے۔ ایک صدقے کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ علاوہ ازیں اسے حق سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ امداد کر کے ان پر تم احسان نہیں کرو گے بلکہ ایک حق ہی کی ادائیگی کرو گے۔

3 یعنی جنت میں اس کے دیدار سے مشرف ہونا۔

4 یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کی نحوست بالآخر دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد صحابہ و تابعین نے اس آیت میں ﴿رِّبًا﴾ سے مراد سود (بیاج) نہیں بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو کوئی غریب آدمی کسی مال دار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم اپنے مخدوم کو اس نیت سے دیتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ اسے ﴿رِّبًا﴾ سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ دیتے وقت اس میں زیادتی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ مباح ہے، تاہم اللہ کے ہاں اس پر اجر نہیں ملے گا۔ ﴿فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ سے اسی اخروی اجر کی نفی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا: ”جو تم عطیہ دو، اس نیت سے

مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ﴿39﴾

کے چہرے کی طلب، (خوشنودی) کے لیے دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا مال دو چند کرنے والے ○ [1]

اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ رَزَقَكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰ لِكُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿40﴾ ع 4 13 7

اللہ وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر روزی دی، پھر مار ڈالے گا، پھر زندہ کر دے گا بتاؤ تمھارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو۔ اللہ کے لیے پاکی اور برتری ہے ہر اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں ○

ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿41﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لیے کہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ چکھا دے بہت ممکن ہے کہ وہ باز آ جائیں ○ [2]

کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے، پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں۔ (ابن كثير، أيسر التفاسير) اس سے نیوتا کی رقم اور سلامی کا عدم جواز بھی ثابت ہوتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر رشتے دار ایک دوسرے کو دیتے ہیں، اس کی ابتدا شاید تعاون کے جذبے سے ہی ہوئی لیکن اب یہ قرض کی صورت اختیار کر گئی ہے جس کی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اسے اضافے کے ساتھ ہی لوٹایا جاتا ہے، یوں اس میں سُود کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے، اس لیے اس رواج اور طریقے کو بھی شرعاً ختم کرنا ضروری ہے۔

1 زکاۃ وصدقات سے ایک تو روحانی ومعنوی اضافہ ہوتا ہے، یعنی بقیہ مال میں اللہ کی طرف سے برکت ڈال دی جاتی ہے۔ دوسرے: قیامت والے دن اس کا اجر وثواب کئی گنا ملے گا، جس طرح حدیث میں ہے کہ حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بڑھ بڑھ کر پہاڑ کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث: 63-(1014))

2 خشکی سے مراد انسانی آبادیاں اور تری سے مراد سمندر، سمندری راستے اور ساحلی آبادیاں ہیں۔ فساد سے مراد ہر وہ بگاڑ ہے جس سے انسانوں کے معاشرے اور آبادیوں میں امن وسکون تہ و بالا اور ان کے عیش وآرام میں خلل واقع ہو، اس لیے اس کا اطلاق معاصی وسیئات پر بھی صحیح ہے کہ انسان ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں، اللہ کی حدوں کو پامال اور اخلاقی ضابطوں کو توڑ رہے ہیں اور قتل وخونریزی عام ہو گئی ہے اور ان ارضی وسماوی آفات پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے۔ جو اللہ کی طرف سے بطور سزا وتنبیہ نازل ہوتی ہیں، جیسے قحط، کثرت موت، خوف اور سیلاب وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی نافرمانیوں کو اپنا وتیرہ بنا لیں تو پھر مکافات عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے اعمال وکردار کا رخ برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے، امن وسکون ختم اور اس

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿42﴾

کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا جن میں اکثر لوگ مشرک تھے ○ [1]

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿43﴾

پس آپ اپنا رخ اس سچے اور سیدھے دین کی طرف ہی رکھیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کا ٹل جانا اللہ کی طرف سے ہے ہی نہیں، [2] اس دن سب متفرق [3] ہو جائیں گے ○

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿44﴾

کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال ہوگا اور نیک کام کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں ○ [4]

کی جگہ خوف و دہشت، سلب ونہب اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ آفات ارضی و سماوی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ اس عام بگاڑ یا آفات الٰہیہ کو دیکھ کر شاید لوگ گناہوں سے باز آجائیں توبہ تلاّ کرلیں اور ان کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے۔

اس کے برعکس جس معاشرے کا نظام اطاعت الٰہی پر قائم ہو اور اللہ کی حدیں نافذ ہوں، ظلم کی جگہ عدل کا دور دورہ ہو۔ وہاں امن وسکون اور اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے: ''زمین میں اللہ کی ایک حد کا قائم کرنا، وہاں کے انسانوں کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔'' (سنن النسائي، حديث: 4909، وسنن ابن ماجه، حديث: 2538) اسی طرح یہ حدیث ہے کہ ''جب ایک بدکار (فاجر) آدمی فوت ہو جاتا ہے تو بندے ہی اس سے راحت محسوس نہیں کرتے شہر بھی اور درخت اور جانور بھی آرام پاتے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6512، وصحيح مسلم، حديث: 950)

1 شرک کا خاص طور پر ذکر کیا کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دیگر سیئات و معاصی بھی آجاتی ہیں کیونکہ ان کا ارتکاب بھی انسان اپنے نفس کی بندگی ہی اختیار کر کے کرتا ہے، اسی لیے اسے بعض لوگ عملی شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

2 یعنی اس دن کے آنے کو کوئی روک نہیں سکتا، اس لیے اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے پہلے اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کرلیں اور نیکیوں سے اپنا دامن بھر لیں۔

3 یعنی دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک مومنوں کا، دوسرا کافروں کا۔

4 مَهْدِ کے معنی ہیں: راستہ ہموار کرنا، فرش بچھانا، یعنی یہ عمل صالح کے ذریعے سے جنت میں جانے اور وہاں اعلیٰ منازل حاصل کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿45﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ
وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ
بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿46﴾

تا کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک [1] اعمال کیے وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ہے ○ اس کی نشانیوں میں سے خوشخبریاں دینے والی ہواؤں [2] کا چلانا بھی ہے اس لیے کہ تمھیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے [3] اور اس لیے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں [4] اور اس لیے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو [5] اور اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو ○ [6]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى
قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ
الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، وہ ان کے پاس دلیلیں لائے، پھر ہم نے گناہ گاروں سے انتقام لیا۔ اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے ○ [7]

---

1 یعنی محض نیکیاں دخول جنت کے لیے کافی نہیں ہوں گی، جب تک ان کے ساتھ اللہ کا فضل بھی شامل حال نہ ہو گا، پس وہ اپنے فضل سے ایک ایک نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے زیادہ بھی دے گا۔

2 یعنی یہ ہوائیں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں۔

3 یعنی بارش سے انسان بھی لذت و سرور محسوس کرتا ہے اور فصلیں بھی لہلہا اٹھتی ہیں۔

4 یعنی ان ہواؤں کے ذریعے سے کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ مراد بادبانی کشتیاں ہیں۔ اب انسان نے اللہ کی دی ہوئی دماغی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے دوسری کشتیاں اور جہاز ایجاد کر لیے ہیں جو مشینوں کے ذریعے سے چلتے ہیں، تاہم ان کے لیے بھی موافق اور مناسب ہوائیں ضروری ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں بھی طوفانی موجوں کے ذریعے سے غرق آب کر دینے پر قادر ہے۔

5 یعنی ان کے ذریعے سے مختلف ممالک میں آ جا کر تجارت و کاروبار کر کے۔

6 ان ظاہری و باطنی نعمتوں پر جن کا کوئی شمار ہی نہیں، یعنی یہ ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ تمھیں اس لیے بہم پہنچاتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ کی بندگی و اطاعت بھی کرو۔

7 یعنی اے محمد (ﷺ)! جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، ان کے ساتھ دلائل اور معجزات بھی تھے لیکن قوموں نے ان کی تکذیب کی، ان پر ایمان نہیں لائے۔ بالآخر ان کے اس جرم تکذیب اور ارتکاب معصیت پر ہم نے انھیں اپنی سزا و تعزیر کا

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ﴿48﴾

اللہ ہوائیں چلاتا ہے وہ ابر کو اٹھاتی ہیں [1] پھر اللہ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے [2] اوراس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، [3] پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں، [4] اور جنھیں اللہ چاہتا ہے ان بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہو جاتے ہیں ○

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿49﴾

یقین مانا کہ بارش ان پر برسنے سے پہلے پہلے تو وہ ناامید ہو رہے تھے ○

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿50﴾

پس آپ رحمتِ الٰہی کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، [5] اور وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا

اور اگر ہم باد تند چلادیں اور یہ لوگ انھی کھیتیوں کو

نشانہ بنایا اور اہل ایمان کی نصرت وتائید کی جو ہم پر لازم ہے۔ یہ نبی ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار ومشرکین کی روش تکذیب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ نیز کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی وہی ہو گا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے کیونکہ اللہ کی مدد تو بالآخر مومنوں ہی کو حاصل ہو گی جس میں پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔ ﴿حَقًّا﴾ كَانَ کی خبر ہے جو مقدم ہے۔ ﴿نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس کا اسم ہے۔

1 یعنی وہ بادل جہاں بھی ہوتے ہیں، وہاں سے ہوائیں ان کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

2 کبھی چلا کر، کبھی ٹھہرا کر، کبھی تہ بہ تہ کر کے، کبھی دور دراز تک۔ یہ آسمان پر بادلوں کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

3 یعنی ان کو آسمان پر پھیلانے کے بعد کبھی ان کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

4 ﴿الْوَدْقَ﴾ کے معنی بارش کے ہیں، یعنی ان بادلوں سے اللہ اگر چاہتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے جس سے بارش کے ضرورت مند خوش ہو جاتے ہیں۔

5 آثار رحمت سے مراد وہ غلہ جات اور میوے ہیں جو بارش سے پیدا ہوتے اور خوش حالی وفراغت کا باعث ہوتے ہیں۔ دیکھنے سے مراد نظر عبرت سے دیکھنا ہے تاکہ انسان اللہ کی قدرت کا اور اس بات کا قائل ہو جائے کہ وہ قیامت والے دن اسی طرح مردوں کو زندہ فرما دے گا۔

مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝51

(مرجھائی ہوئی) زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ○ [1]

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝52

بے شک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے [2] اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں [3] جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہوں ○ [4]

وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝53 ع 5/13/8

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے والے [5] ہیں آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، [6] پس وہی اطاعت کرنے والے ہیں ○ [7]

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ

اللہ وہ ہے جس نے تمھیں کمزوری کی حالت [8] میں پیدا کیا،

---

1 یعنی ان ہی کھیتوں کو جن کو ہم نے بارش کے ذریعے سے شاداب کیا تھا اگر سخت (گرم یا ٹھنڈی) ہوائیں چلا کر ان کی ہریالی کو زردی میں بدل دیں، یعنی تیار فصل کو تباہ کر دیں تو یہی بارش سے خوش ہونے والے اللہ کی ناشکری پر اتر آئیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نہ ماننے والے صبر اور حوصلے سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اور ذرا سے ابتلا پر فوراً ناامید اور گریہ کناں ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں ان سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

2 یعنی جس طرح مردے فہم و شعور سے عاری ہوتے ہیں، اسی طرح یہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔

3 یعنی آپ کا وعظ و نصیحت ان کے لیے بے اثر ہے جس طرح کوئی بہرا ہو، اسے تم اپنی بات نہیں سنا سکتے۔

4 یہ ان کے اعراض و انحراف کی مزید وضاحت ہے کہ مردہ اور بہرہ ہونے کے ساتھ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے ہیں، حق کی بات ان کے کانوں میں کس طرح پڑ سکتی اور کیونکر ان کے دل و دماغ میں سما سکتی ہے؟

5 اس لیے کہ یہ آنکھوں سے کماحقہ فائدہ اٹھانے سے یا بصیرت (دل کی بینائی) سے محروم ہیں۔ یہ گمراہی کی جس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، اس سے کس طرح نکلیں؟

6 یعنی یہی سن کر ایمان لانے والے ہیں، اس لیے کہ یہ اہل تفکر و تدبر ہیں اور آثار قدرت سے مؤثر حقیقی کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔

7 یعنی حق کے آگے سر تسلیم خم کر دینے والے اور اس کے پیروکار۔

8 یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک اور کمال بیان فرما رہا ہے اور وہ ہے مختلف اطوار سے انسان کی تخلیق۔ ضعف (کمزوری کی حالت) سے مراد نطفہ، یعنی قطرۂ آب ہے یا عالم طفولیت۔

مِنۡۢ بَعۡدِ ضَعۡفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ ضَعۡفًا وَّ شَیۡبَۃً ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ ﴿۵۴﴾
وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۬ۙ مَا لَبِثُوۡا غَیۡرَ سَاعَۃٍ ؕ کَذٰلِکَ کَانُوۡا یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۵۵﴾

پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی،[1] پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا[2] جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،[3] وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے ○
اور جس دن قیامت[4] برپا ہوجائے گی گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے،[5] اسی طرح یہ بہکے ہوئے ہی رہے ○[6]

1 یعنی جوانی جس میں قوائے عقلی وجسمانی کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

2 کمزوری سے مراد کہولت کی عمر ہے جس میں عقلی وجسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہوجاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا وہ دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے۔ ہمت پست، ہاتھ پاؤں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری وباطنی صفات متغیر ہوجاتی ہیں۔ قرآن نے انسان کے یہ چار بڑے اطوار بیان کیے ہیں۔ بعض علماء نے دیگر چھوٹے چھوٹے اطوار بھی شمار کرکے انھیں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو قرآن کے اجمال کی توضیح اور اس کے اعجاز بیان کی شرح ہے، مثلاً: امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انسان یکے بعد دیگرے ان حالات واطوار سے گزرتا ہے۔ اس کی اصل مٹی ہے، یعنی اس کے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یا انسان جو کچھ کھاتا ہے جس سے وہ منی پیدا ہوتی ہے جو رحم مادر میں جاکر اس کے وجود وتخلیق کا باعث بنتی ہے، وہ سب مٹی ہی کی پیداوار ہے پھر وہ نطفہ، نطفہ سے علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں جنھیں گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، پھر ماں کے پیٹ سے اس حال میں نکلتا ہے، پھر بتدریج نشوونما پاتا، بچپن، بلوغت اور جوانی کو پہنچتا ہے اور پھر بتدریج رجعت قہقریٰ کا عمل شروع ہوجاتا ہے، کہولت، شیخوخت اور پھر کبرسنی (بڑھاپا) تا آنکہ موت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

3 انھی اشیاء میں ضعف وقوت بھی ہے۔ جس سے انسان گزرتا ہے جیسا کہ ابھی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

4 ساعت کے معنی ہیں: گھڑی، لحہ، مراد قیامت ہے، اس کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا وقوع جب اللہ چاہے گا، ایک گھڑی میں ہوجائے گا۔ یا اس لیے کہ یہ اس گھڑی میں ہوگی جو دنیا کی آخری گھڑی ہوگی۔

5 دنیا میں یا قبروں میں۔ یہ اپنی عادت کے مطابق جھوٹی قسم کھائیں گے، اس لیے کہ دنیا میں وہ جتنا عرصہ رہے ہوں گے، ان کے علم میں ہی ہوگا اور اگر مراد قبر کی زندگی ہے تو ان کا حلف جہالت پر ہوگا کیونکہ وہ قبر کی مدت نہیں جانتے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ آخرت کے شدائد اور ہولناک احوال کے مقابلے میں دنیا کی زندگی انھیں گھڑی کی طرح ہی لگے گی۔

6 اِفۡكُ الرَّجُلِ کے معنی ہیں: سچ سے پھر گیا مطلب ہوگا کہ اسی پھرنے کے مثل وہ دنیا میں پھرتے رہے یا بہکے رہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ
لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ
فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿56﴾

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ جواب دیں گے [1] کہ تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے [2] یوم قیامت تک ٹھہرے رہے۔ [3] آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں کرتے تھے ○ [4]

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ
وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿57﴾

پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر معذرت کرنا کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی ○ [5]

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ
لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
مُبْطِلُوْنَ ﴿58﴾

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کردی ہیں۔ [6] آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں، [7] یہ کافر تو یہی کہیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو ○ [8]

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿59﴾

اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے ○

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ

پس آپ صبر کریں [9] یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ آپ کو وہ

---

1 جس طرح یہ علماء دنیا میں بھی سمجھاتے رہے تھے۔

2 ﴿ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ سے مراد اللہ کا علم اور اس کا فیصلہ ہے، یعنی لوح محفوظ۔

3 یعنی پیدائش کے دن سے قیامت کے دن تک۔

4 کہ وہ آئے گی بلکہ استہزا اور تکذیب کے طور پر اس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔

5 یعنی انھیں دنیا میں بھیج کر یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہاں توبہ واطاعت کے ذریعے سے عتاب الٰہی کا ازالہ کرلو۔

6 جن سے اللہ کی توحید کا اثبات اور رسولوں کی صداقت واضح ہوتی ہے اور اسی طرح شرک کی تردید اور اس کا بطلان نمایاں ہوتا ہے۔

7 وہ قرآن کریم کی پیش کردہ کوئی دلیل ہو یا ان کی خواہش کے مطابق کوئی معجزہ وغیرہ۔

8 یعنی جادو وغیرہ کے پیروکار۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی نشانی اور واضح سے واضح دلیل بھی اگر وہ دیکھ لیں، تب بھی ایمان بہرحال نہیں لائیں گے، کیوں؟ اس کی وجہ آگے بیان کردی گئی ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کا کفر وطغیان اس آخری حد کو پہنچ گیا ہے جس کے بعد حق کی طرف واپسی کے تمام راستے ان کے لیے مسدود ہیں۔

9 یعنی ان کی مخالفت وعناد پر اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر، اس لیے کہ اللہ نے آپ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے، وہ

رکوع 7 / 9
الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿60﴾
لوگ ہلکا (بے صبرا) نہ کریں [1] جو یقین نہیں رکھتے ○

آیاتہا 34 (31) سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ (57) رکوعاتہا 4

سورۂ لقمان مکی ہے، اس میں 34 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾
الٓمّٓ ○ [2]

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿2﴾
یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ○

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿3﴾
جو نیکوکاروں کے لیے [3] رہبر اور سراسر رحمت ہے ○

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿4﴾
جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں ○ [4]

یقیناً حق ہے جو بہرصورت پورا ہوگا۔

1 یعنی آپ کو غضب ناک کر کے صبر وحلم ترک کرنے یا مداہنت پر مجبور نہ کر دیں بلکہ آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور اس سے سرِمو انحراف نہ کریں۔

2 اس کے آغاز میں بھی یہ حروف مُقَطَّعَات ہیں جن کے معنی و مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو بڑے اہم فوائد بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قرآن اسی قسم کے حروف مقطعات سے ترتیب و تالیف پایا ہے جس کی مثل تالیف پیش کرنے سے عرب عاجز آ گئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے، جو شریعت وہ لے کر آیا ہے، انسان اس کا محتاج ہے اور اس کی اصلاح اور سعادت کی تکمیل اسی شریعت سے ممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز ان حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں کیونکہ یہ انداز بیان نیا اور اچھوتا تھا۔ (أيسر التفاسير) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

3 ﴿لِّلْمُحْسِنِيْنَ﴾ مُحْسِنٌ کی جمع ہے۔ اس کے ایک معنی تو ہیں: احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، مستحقین اور ضرورت مندوں کے ساتھ۔ دوسرے معنی ہیں: نیکیاں کرنے والا، یعنی برائیوں سے مجتنب اور نیکوکار۔ تیسرے معنی: ہیں اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ کرنے والا۔ جس طرح حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے: «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ» ''تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔'' قرآن ویسے تو سارے جہاں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ صرف محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں، اس لیے یہاں اس طرح فرمایا۔

4 نماز، زکاۃ اور آخرت پر یقین۔ یہ تینوں نہایت اہم ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ورنہ محسنین و متقین تمام فرائض وسنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ [1]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو فضول باتوں کو مول لیتے ہیں [2] کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں، [3] یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ○ [4]

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں، [5] آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے ○

---

1 فلاح (کامیابی) کے مفہوم کے لیے دیکھیے: سورۂ بقرہ:2 اور سورۂ مومنون:23 کا آغاز۔

2 اہل سعادت جو کتاب الٰہی سے راہ یاب اور اس کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں، ان کے ذکر کے بعد ان اہل شقاوت کا بیان ہو رہا ہے جو کلام الٰہی کے سننے سے تو اعراض کرتے ہیں، البتہ ساز و موسیقی، نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ خریدنے سے مراد یہی ہے کہ آلات طرب شوق سے اپنے گھروں میں لاتے اور پھر ان سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ ﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد گانا بجانا، اس کا ساز و سامان، آلات ساز و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس میں قصے، کہانیاں، افسانے، ڈرامے، ناول اور جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر، رسالے اور بے حیائی کے پرچارک اخبارات سب ہی آ جاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی۔ عہد رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجانے والی لونڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے سنا کر بہلاتی رہیں تا کہ قرآن و اسلام سے وہ دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آ جاتی ہیں جو آج کل فن کار، فلمی ستارہ اور ثقافتی سفیر اور پتہ نہیں کیسے کیسے مہذب، خوش نما اور دل فریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

3 ان تمام چیزوں سے یقیناً انسان اللہ کے راستے سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور دین کو استہزا و تمسخر کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔

4 ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنے والے ارباب حکومت، ادارے، اخبارات کے مالکان، اہل قلم اور فیچر نگار بھی اسی رسوا کن عذاب کے مستحق ہوں گے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

5 یہ اس شخص کا حال ہے جو مذکورہ لہو و لعب کی چیزوں میں مگن رہتا ہے، وہ آیات قرآنیہ، اللہ اور رسول کی باتیں سن کر

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
جَنّٰتُ النَّعِيمِ ﴿8﴾
خٰلِدِينَ فِيهَا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿9﴾
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقٰى
فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ
فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿10﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی نیک کیے ان کے لیے نعمتوں والی جنتیں ہیں ○

جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہے،[1] وہ بہت بڑی عزت و غلبے والا اور کامل حکمت والا ہے ○

اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے تم انھیں دیکھ رہے ہو[2] اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تا کہ وہ تمھیں جنبش نہ دے[3] سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین میں پھیلا دیے۔[4] اور ہم نے آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگا دیے ○[5]

بہرا بن جاتا ہے، حالانکہ وہ بہرا نہیں ہوتا اور اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں کیونکہ اس کے سننے سے وہ ایذا محسوس کرتا ہے، اس لیے اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ﴿وَقْرًا﴾ کے معنی ہیں: کانوں میں ایسا بوجھ جو اسے سننے سے محروم کر دے۔

1 یعنی یہ یقیناً پورا ہوگا، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ○﴾ (الرعد 13:31) ''اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

2 ﴿تَرَوْنَهَا﴾ اگر ﴿عَمَدٍ﴾ کی صفت ہو تو معنی ہوں گے ایسے ستونوں کے بغیر جنھیں تم دیکھ سکو، یعنی آسمان کے ستون ہیں لیکن ایسے کہ تم انھیں دیکھ نہیں سکتے۔

3 ﴿رَوَاسِيَ﴾ رَاسِيَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ثَابِتَة کے ہیں، یعنی پہاڑوں کو زمین پر اس طرح بھاری بوجھ بنا کر رکھ دیا ہے کہ جن سے زمین ثابت رہے، یعنی حرکت نہ کرے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ﴿أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ﴾ يَعْنِي كَرَاهَةَ أَنْ تَمِيدَ (تَمِيلَ) بِكُمْ أَوْ لِئَلَّا تَمِيدَ یعنی اس بات کی ناپسندیدگی سے کہ زمین تمھارے ساتھ اِدھر اُدھر ڈولے یا اس لیے کہ زمین اِدھر اُدھر نہ ڈولے۔ جس طرح ساحل پر کھڑے بحری جہازوں میں بڑے بڑے لنگر ڈال دیے جاتے ہیں تا کہ جہاز نہ ڈولے۔ زمین کے لیے پہاڑوں کی بھی یہی حیثیت ہے۔

4 یعنی انواع و اقسام کے جانور زمین میں ہر طرف پھیلا دیے جنھیں انسان کھاتا بھی ہے، سواری اور بار برداری کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور بطور زینت اور آرائش کے بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔

5 ﴿زَوْجٍ﴾ یہاں صِنْفٌ کے معنی میں ہے، یعنی ہر قسم کے غلے اور میوے پیدا کیے۔ ان کی صفت کریم، ان کے حسن لون اور کثرت منافع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿11﴾ ع 1/11 10

یہ ہے اللہ کی مخلوق [1] اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ [2] کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ○

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ
وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿12﴾

اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی [3] کہ تو اللہ کا شکر کر [4] ہر شکر کرنے والا اپنے نفع کے لیے شکر کرتا ہے اور جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے ○

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ
لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ
عَظِيْمٌ ﴿13﴾

اور جب کہ لقمان نے وعظ کرتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا [5] بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے ○ [6]

---

1 ﴿هٰذَا﴾ (یہ) اشارہ ہے اللہ کی ان پیدا کردہ چیزوں کی طرف جن کا گزشتہ آیات میں ذکر ہوا۔

2 یعنی جن کی تم عبادت کرتے اور انھیں مدد کے لیے پکارتے ہو، انھوں نے آسمان وزمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے۔ کوئی ایک چیز تو بتلاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔

3 حضرت لقمان اللہ کے نیک بندے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حکمت، یعنی عقل وفہم اور دینی بصیرت میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا: تمھیں یہ فہم وشعور کس طرح حاصل ہوا؟ انھوں نے فرمایا: راست بازی، امانت کے اختیار کرنے اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب اور خاموشی کی وجہ سے۔ ان کا حکمت و دانش پر مبنی ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ یہ غلام تھے، ان کے آقا نے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بہترین دو حصے لاؤ، چنانچہ وہ زبان اور دل نکال کر لے گئے۔ ایک دوسرے موقع پر آقا نے ان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بدترین دو حصے لاؤ۔ وہ پھر وہی زبان اور دل لے کر چلے گئے۔ پوچھنے پر انھوں نے بتلایا کہ زبان اور دل اگر صحیح ہوں تو یہ سب سے بہتر ہیں اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ (ابن کثیر)

4 شکر کا مطلب ہے، اللہ کی نعمتوں پر اس کی حمد وثنا اور اس کے احکام کی فرماں برداری۔

5 اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، جس سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔

6 یہ حضرت لقمان کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی تائید فرما کر اسے بصورت قرآن نازل فرما دیا

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭

النصف

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی [1] ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر [2] اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے [3] کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو [4] تمھارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمھیں خبردار کردوں گا ○ [5]

اور اس کی دلیل وہ ہے جو ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (الأنعام 6:86) کے نزول کے تعلق سے وارد ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں ظلم سے مراد عام ظلم نہیں (بلکہ شرک ہے) کیا تم نے لقمان کی بات نہیں سنی جو اس نے اپنے بیٹے سے کہی: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾ (صحيح البخاري، حديث: 4776)

1 توحید وعبادت الٰہی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے اس نصیحت کی اہمیت واضح ہے۔

2 اس کا مطلب ہے کہ رحم مادر میں بچہ جس حساب سے بڑھتا جاتا ہے، ماں پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے جس سے عورت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ماں کی اس مشقت کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرتے وقت ماں کو مقدم رکھا جائے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔

3 اس سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

4 یعنی مومنین کی راہ۔

5 یعنی میری طرف رجوع کرنے والوں (اہل ایمان) کی پیروی اس لیے کرو کہ بالآخر تم سب کو میری ہی بارگاہ میں آنا ہے اور میری ہی طرف سے ہر ایک کو اس کے (اچھے یا برے) عمل کی جزا ملنی ہے۔ اگر تم میرے راستے کی پیروی کرو گے اور مجھے یاد رکھتے ہوئے زندگی گزارو گے تو امید ہے کہ قیامت والے روز میری عدالت میں سرخ رو ہو گے بصورت دیگر میرے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ سلسلۂ کلام حضرت لقمان کی وصیتوں سے متعلق تھا۔ اب آگے پھر وہی وصیتیں بیان کی جارہی ہیں جو لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ درمیان کی دو آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿16﴾

پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر وہ بھی خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین[1] میں ہو اسے اللہ ضرور لائے گا۔ اللہ بڑا باریک بین اور خبردار ہے ○

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿17﴾

اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آ جائے صبر کرنا[2] یقین مان کہ یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے[3] ○

ماں باپ کے ساتھ احسان کی تاکید فرمائی جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ لقمان نے یہ وصیت اپنے بیٹے کو نہیں کی تھی کیونکہ اس میں ان کا اپنا ذاتی مفاد بھی تھا۔ دوسرا: یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کی توحید و عبادت کے بعد والدین کی خدمت واطاعت ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کا حکم والدین بھی دیں تو ان کی بات نہیں ماننی۔

1 ﴿اِنْ تَكُ﴾ کا مرجع خَطِیئَة ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کام ہے اور اگر اس کا مرجع خَصْلَةٌ ہو تو مطلب اچھائی یا برائی کی خصلت ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا کام کتنا بھی چھپ کر کرے، اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر لے گا، یعنی اس کی جزا دے گا، اچھے عمل کی اچھی جزا، برے عمل کی بری جزا۔ رائی کے دانے کی مثال اس لیے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن محسوس ہوتا ہے نہ تول میں وہ ترازو کے پلڑے کو جھکا سکتا ہے۔ اسی طرح چٹان (آبادی سے دور جنگل، پہاڑ میں) مخفی ترین اور محفوظ ترین جگہ ہے۔ یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: ”اگر تم میں سے کوئی شخص بے سوراخ کے پتھر میں بھی عمل کرے گا جس کا کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرما دے گا، چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔“ (مسند أحمد: 28/3) اس لیے کہ وہ لطیف (باریک بین) ہے، اس کا علم مخفی ترین چیز تک محیط ہے اور خبیر ہے، اندھیری رات میں چلنے والی چیونٹی کی حرکات وسکنات سے بھی وہ باخبر ہے۔

2 إِقَامَتِ صَلَاة، أَمْرٌ بِالْمَعْرُوف، نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَر اور مصائب پر صبر کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ تینوں اہم ترین عبادات اور امور خیر کی بنیاد ہیں۔

3 یعنی مذکورہ باتیں ان کاموں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے اور بندوں پر انھیں فرض قرار دیا ہے۔ یا یہ ترغیب ہے عزم وہمت پیدا کرنے کی کیونکہ عزم وہمت کے بغیر طاعات مذکورہ پر عمل ممکن نہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک ﴿ذٰلِكَ﴾ کا مرجع صبر ہے۔ اس سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وصیت ہے اور اس راہ میں شدائد ومصائب اور طعن وملامت ناگزیر ہے، اس لیے اس کے فوراً بعد صبر کی تلقین کر کے واضح کر دیا کہ صبر کا دامن

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي
الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿18﴾
وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ
صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ
ع 2/8/11 الْحَمِيرِ ﴿19﴾
أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي

لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا[1] اور زمین پر اترا کر نہ چل۔[2] کسی تکبر والے شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں فرماتا ○

اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر،[3] اور اپنی آواز پست کر[4] یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے ○

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو

تھامے رکھنا کہ یہ عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے اور اہل عزم و ہمت کا ایک بڑا ہتھیار، اس کے بغیر فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی ممکن نہیں۔

1 یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تُو ان سے منہ پھیر لے۔ یا گفتگو کے وقت اپنا منہ پھیرے رکھے۔ صَعَر ایک بیماری ہے جو اونٹ کے سر یا گردن میں ہوتی ہے۔ جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔ یہاں بطور تکبر منہ پھیر لینے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ (ابن کثیر)

2 یعنی ایسی چال یا رویہ جس سے مال و دولت یا جاہ و منصب یا قوت و طاقت کی وجہ سے فخر و غرور کا اظہار ہوتا ہو، یہ اللہ کو ناپسند ہے، اس لیے کہ انسان ایک بندۂ عاجز و حقیر ہے، اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی و انکساری ہی اختیار کیے رکھے اس سے تجاوز کر کے بڑائی کا اظہار نہ کرے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے زیبا ہے جو تمام اختیارات کا مالک اور تمام خوبیوں کا منبع ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو گا۔'' (جامع الترمذي، حديث:1998، ومسندأحمد: 412/1) جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو کھینچتے (گھسیٹتے) ہوئے چلے گا، اللہ اس کی طرف (قیامت والے دن) نہیں دیکھے گا۔ (مسند أحمد:386/2 اور دیکھیے صحيح البخاري، حديث:5788) تاہم تکبر کا اظہار کیے بغیر اللہ کے انعامات کا ذکر یا اچھا لباس اور خوراک وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

3 یعنی چال اتنی سست نہ ہو جیسے کوئی بیمار ہو اور نہ اتنی تیز ہو کہ شرف و وقار کے خلاف ہو۔ اسی کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ﴾ (الفرقان63:25) ''اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں۔''

4 یعنی چیخ یا چلا کر بات نہ کر، اس لیے کہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ گدھے کی آواز سب سے بدتر اور کریہہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3303، وصحيح مسلم، حديث: 2729)

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا ہُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ﴿20﴾

ہمارے کام میں لگا رکھا ہے [1] اور تمھیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں، [2] بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ○ [3]

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ کَانَ الشَّیۡطٰنُ یَدۡعُوۡہُمۡ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿21﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر [4] اپنے باپ دادا کو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے، بھلا اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو ○

وَمَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡہَہٗۤ اِلَی اللّٰہِ وَہُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی ؕ

اور جو شخص اپنے چہرے کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے [5] اور ہو بھی وہ نیکوکار [6] یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا، [7]

---

1 تسخیر کا مطلب ہے انتفاع (فائدہ اٹھانا) جس کو یہاں ''کام میں لگا دیا'' سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق، چاند، سورج، ستارے وغیرہ ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند بنا دیا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور انسان ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ تسخیر کا دوسرا مطلب تابع بنا دینا ہے، چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع بنا دیا گیا ہے جنھیں انسان اپنی حسب منشا استعمال کرتا ہے، جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں۔ گویا تسخیر کا مفہوم یہ ہوا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لیے کام میں لگی ہوئی ہیں، چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور تابعیت سے بالا ہوں۔ (فتح القدیر)

2 ظاہری سے مراد وہ نعمتیں ہیں جن کا ادراک عقل و حواس وغیرہ سے ممکن ہو اور باطنی نعمتیں وہ جن کا ادراک و احساس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔

3 یعنی اس کے باوجود لوگ اللہ کی بابت جھگڑتے ہیں، کوئی اس کے وجود کے بارے میں، کوئی اس کے ساتھ شریک گردانے میں اور کوئی اس کے احکام و شرائع کے بارے میں۔

4 یعنی طرفگی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے نہ کسی ہادی کی ہدایت اور نہ کسی صحیفۂ آسمانی سے کوئی ثبوت، گویا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

5 یعنی صرف اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی کرے۔

6 یعنی مامور بہ چیزوں کا اتباع اور منہیات کو ترک کرنے والا۔

7 یعنی اللہ سے اس نے مضبوط عہد لے لیا کہ وہ اس کو عذاب نہیں کرے گا۔

وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿22﴾

تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے ○

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿23﴾

کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں،[1] آخر ان سب کا لوٹنا تو ہماری جانب ہی ہے پھر ہم ان کو بتائیں گے جو انھوں نے کیا ہے،[2] بے شک اللہ دلوں کے بھیدوں[3] تک سے واقف ہے ○

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿24﴾

ہم انھیں گو کچھ یونہی سا فائدہ دے دیں لیکن بالآخر ہم انھیں نہایت بیچارگی کی حالت میں سخت عذاب کی طرف ہنکالے جائیں گے ○[4]

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿25﴾

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ،[5] تو کہہ دیجیے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے،[6] لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں ○

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿26﴾

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے[7] یقیناً اللہ بہت بڑا بے نیاز[8] اور لائقِ حمد و ثنا ہے ○[9]

---

1 اس لیے کہ ایمان کی سعادت ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ آپ کی کوششیں اپنی جگہ بجا اور آپ کی خواہش بھی قابل قدر لیکن اللہ کی تقدیر اور مشیت سب پر غالب ہے۔

2 یعنی ان کے عملوں کی جزا دے گا۔

3 پس اس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔

4 یعنی دنیا میں آخر کب تک رہیں گے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے کہاں تک شادکام ہوں گے؟ یہ دنیا اور اس کی لذتیں تو چند روزہ ہیں، اس کے بعد ان کے لیے سخت عذاب ہی عذاب ہے۔

5 یعنی ان کو اعتراف ہے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہے نہ کہ وہ معبود جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

6 اس لیے کہ ان کے اعتراف سے ان پر حجت قائم ہوگئی۔

7 یعنی ان کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی اور مدبر و متصرف کائنات بھی وہی۔

8 بے نیاز ہے اپنے ماسوا سے، یعنی ہر چیز اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

9 اپنی تمام پیدا کردہ چیزوں میں، پس اس نے جو کچھ پیدا کیا اور جو احکام نازل فرمائے، اس پر آسمان وزمین میں

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿27﴾
مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿28﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ یَّجْرِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ اَنَّ

روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اوران کے بعد سات سمندراور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے،[1] بے شک اللہ غالب اور باحکمت ہے ○
تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا،[2] بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ○
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے،[3] سورج چاند کو اسی نے فرماں بردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے،[4]

لائقِ حمد وثنا صرف اسی کی ذات ہے۔

1 اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی، جلالت شان، اس کے اسمائے حسنیٰ، صفات علیا اور اس کے وہ کلمات جو اس کی عظمتوں پر دلالت کناں ہیں، کا بیان ہے کہ وہ اتنے ہیں کہ کسی کے لیے ان کا احاطہ یا ان سے آگاہی یا ان کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی ان کو شمار کرنا اور حیطہ تحریر میں لانا چاہے تو دنیا بھر کے درختوں کے قلم گھس جائیں، سمندروں کے پانی کی بنائی ہوئی سیاہی ختم ہو جائے لیکن اللہ کی معلومات، اس کی تخلیق وصنعت کے عجائبات اور اس کی عظمت وجلالت کے مظاہر کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ سات سمندر بطور مبالغہ ہے، حصر مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ کی آیات وکلمات کا حصر واحصا ممکن ہی نہیں ہے (ابن کثیر) اسی مفہوم کی آیت سورۂ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔

2 یعنی اس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا یا قیامت والے دن زندہ کرنا، ایک نفس کے زندہ کرنے یا پیدا کرنے کی طرح ہے، اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے لفظ ﴿ كُنْ ﴾ سے پلک جھپکنے میں معرض وجود میں آجاتا ہے۔

3 یعنی رات کا کچھ حصہ لے کر دن میں شامل کر دیتا ہے جس سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے، جیسے گرمیوں میں ہوتا ہے اور پھر دن کا کچھ حصہ لے کر رات میں شامل کر دیتا ہے جس سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے، جیسے سردیوں میں ہوتا ہے۔

4 ''مقررہ وقت تک'' سے مراد قیامت تک ہے، یعنی سورج اور چاند کے طلوع وغروب کا یہ نظام جس کا اللہ نے ان کو پابند کیا ہوا ہے، قیامت تک یوں ہی قائم رہے گا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ''ایک متعینہ منزل تک'' یعنی اللہ نے ان کی گردش کے لیے ایک منزل اور ایک دائرہ متعین کیا ہوا ہے جہاں ان کا سفر ختم ہوتا ہے اور دوسرے روز پھر وہاں سے شروع ہو کر پہلی منزل پر آکر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿29﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّ مَا
يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الۡبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
هُوَ الۡعَلِيُّ الۡكَبِيۡرُ ﴿30﴾ ع 3/11/12
اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ
بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمۡ مِّنۡ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ﴿31﴾

اللہ ہراس چیز سے جو تم کرتے ہو خبر دار ہے ○
یہ سب انتظامات اس وجہ سے ہیں کہ اللہ حق ہے اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل ہیں [1] اور یقیناً اللہ بہت بلندیوں والا اور بڑی شان والا ہے ○ [2]
کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں اس لیے کہ وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے، [3] یقیناً اس میں ہر ایک صبر وشکر کرنے والے [4] کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ○

سے فرمایا: ’’جانتے ہو، یہ سورج کہاں جاتا (غروب ہوتا) ہے؟‘‘ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا: ’’اس کی آخری منزل عرش الٰہی ہے یہ وہاں جاتا ہے اور زیر عرش سجدہ ریز ہوتا ہے، پھر (وہاں سے نکلنے کی اپنے رب سے اجازت مانگتا ہے) ایک وقت آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا: «اِرْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ» ’’تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔‘‘ تو وہ مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔‘‘ جیسا کہ قرب قیامت کی علامات میں آتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3199، وصحيح مسلم، حديث: 250-(159)) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’سورج رہٹ کی طرح ہے، دن کو آسمان پر اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے، جب غروب ہو جاتا ہے تو رات کو زمین کے نیچے اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔ (ابن كثير)

1 یعنی یہ انتظامات یا نشانیاں، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ظاہر کرتا ہے تا کہ تم سمجھ لو کہ کائنات کا نظام چلانے والا صرف ایک اللہ ہے، جس کے حکم اور مشیت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے، یعنی کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں کیونکہ سب اس کی مخلوق اور اس کے ماتحت ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایک ذرے کو بھی ہلانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

2 اس سے برتر شان والا کوئی ہے نہ اس سے بڑا کوئی۔ اس کی عظمت شان، علو مرتبت اور بڑائی کے سامنے ہر چیز حقیر اور پست ہے۔

3 یعنی سمندر میں کشتیوں کا چلنا، یہ بھی اس کے لطف وکرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت تسخیر کا ایک نمونہ ہے۔ اس نے ہوا اور پانی دونوں کو ایسے مناسب انداز سے رکھا کہ سمندر کی سطح پر کشتیاں چل سکیں، ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے۔

4 تکلیفوں میں صبر کرنے والے، راحت اور خوشی میں اللہ کا شکر کرنے والے۔

وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿32﴾

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں،[1] پھر جب وہ انھیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں،[2] اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں ○[3]

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ؗ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ

لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہو گا[4] یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے دیکھو تمھیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور

---

1 یعنی جب ان کی کشتیاں ایسی طوفانی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ انھیں اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبود ان کے ذہنوں سے نکل جاتے ہیں اور صرف ایک آسمانی الٰہ کو پکارتے ہیں جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

2 بعض نے ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ کے معنی بیان کیے ہیں: عہد کو پورا کرنے والا، یعنی بعض ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج گرداب میں انھوں نے کیا تھا۔ ان کے نزدیک کلام میں حذف ہے، تقدیر کلام یوں ہو گا۔ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّمِنْهُمْ كَافِرٌ ''پس بعض ان میں سے مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں۔'' (فتح القدیر) دوسرے مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں: اعتدال پر رہنے والا اور یہ باب انکار سے ہو گا، یعنی اتنے ہولناک حالات اور پھر وہاں رب کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے وہاں سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت و اطاعت نہیں کرتا۔ اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے جبکہ وہ حالات جن سے گزر کر آیا ہے، مکمل بندگی کا تقاضا کرتے ہیں نہ کہ اعتدال کا۔ (ابن کثیر) مگر پہلا مفہوم سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

3 ﴿خَتَّارٍ﴾ غدار کے معنی میں ہے۔ بدعہدی کرنے والا ﴿كَفُوْرٍ﴾ ناشکری کرنے والا۔

4 ﴿جَازٍ﴾ اسم فاعل ہے جَزٰی یَجْزِي سے، بدلہ دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو بچانے کے لیے اپنی جان کا بدلہ یا بیٹا باپ کے لیے اپنی جان بطور معاوضہ پیش کر دے تو وہاں یہ ممکن نہیں ہو گا۔ ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہو گی۔ جب باپ بیٹا ایک دوسرے کے کام نہ آ سکیں گے تو دیگر رشتے داروں کی کیا حیثیت ہو گی؟ اور وہ کیونکر ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے؟

الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿33﴾ نہ دھوکے باز شیطان تمھیں دھوکے میں ڈال دے ○

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿34﴾ ع 4/4 13

بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔[1] یاد رکھو اللہ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے ○

اٰيَاتُهَا: 30 (32) سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (75) رُكُوْعَاتُهَا: 3

سورۂ سجدہ[2] مکی ہے، اس میں 30 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ ﴿1﴾ الٓمّٓ ○

---

1 حدیث میں بھی آتا ہے کہ پانچ چیزیں مَفَاتِيحُ الْغَيْب ہیں، جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحيح البخاري، حديث:4777): ① قرب قیامت کی علامات تو نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے وقوع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، کسی فرشتے کو، نہ کسی نبی مرسل کو۔ ② بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ آثار و علامات سے تخمینہ تو لگایا جاتا اور لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ بات ہر شخص کے تجربہ و مشاہدے کا حصہ ہے کہ یہ تخمینے کبھی صحیح نکلتے ہیں اور کبھی غلط حتیٰ کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ بارش کا بھی یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ③ رحم مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ (جو یقینی قطعًا نہیں ہوتا اور اسی بنا پر اسے علم نہیں کہہ سکتے کیونکہ علم کسی شے کو یقینی طور پر جاننے کا نام ہے) یہ تو شاید ممکن ہے کہ بچہ ہے یا بچی۔ لیکن ماں کے پیٹ، میں نشو و نما پانے والا یہ بچہ نیک بخت ہے یا بد بخت، ناقص ہوگا یا کامل، خوب رو ہوگا کہ بدشکل، کالا ہوگا یا گورا، وغیرہ باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ ④ انسان کل کیا کرے گا؟ وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا۔ کسی کو آنے والے کل کے بارے میں علم نہیں ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں۔ اور اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ ⑤ موت کہاں آئے گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی آرزوؤں اور خواہشات کی تکمیل کے بعد آئے گی یا اس سے پہلے؟ کسی کو معلوم نہیں۔

2 حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھا کرتے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث:891، وصحيح مسلم، حديث:879) اسی طرح یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھا کرتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث:2892، ومسند أحمد:340/3)

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ﴿2﴾

بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے ○ [1]

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿3﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔ [2] نہیں نہیں بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ انھیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا [3] تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں ○

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿4﴾

اللہ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کردیا، پھر عرش پر قائم ہوا، [4] تمھارے لیے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔ [5] کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ [6]

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ

وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے [7]

---

1 مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کہانت اور من گھڑت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف سے صحیفۂ ہدایت ہے۔

2 یہ بطور توبیخ کے ہے کہ کیا رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اسے خود (محمد ﷺ نے) گھڑ لیا ہے؟

3 یہ نزول قرآن کی علت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا (جیسا کہ پہلے بھی وضاحت گزر چکی ہے) کہ عربوں کی طرف نبی ﷺ پہلے نبی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے۔ وَاللّٰہُ أَعۡلَمُ اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش ہوں گے جن کی طرف کوئی نبی آپ ﷺ سے پہلے نہیں آیا۔

4 اس کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 7:54 کا حاشیہ۔ یہاں اس مضمون کو دہرانے سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور عجائب صنعت کے ذکر سے شاید وہ قرآن کو سنیں اور اس پر غور کریں۔

5 یعنی وہاں کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا جو تمھاری مدد کر سکے اور تم سے اللہ کے عذاب کو ٹال دے، نہ وہاں کوئی سفارشی ہی ایسا ہوگا جو تمھاری سفارش کر سکے۔

6 یعنی اے غیر اللہ کے پجاریو اور دوسروں پر بھروسہ رکھنے والو! کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

7 آسمان سے، جہاں اللہ کا عرش اور لوح محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ زمین پر احکام نازل فرماتا، یعنی تدبیر کرتا اور زمین پر ان کا نفاذ ہوتا ہے، جیسے موت اور زندگی، صحت اور مرض، عطا اور منع، غنا اور فقر، جنگ اور صلح، عزت اور ذلت وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں اور تصرفات کرتا ہے۔

يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤
پھر وہ کام ایک دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمھاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ○ [1]

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑥
یہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا، زبردست غالب بہت ہی مہربان ○

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦
جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی [2] اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی ○ [3]

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑧
پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی ○ [4]

---

1 یعنی پھر اس کی یہ تدبیر یا امر اس کی طرف واپس لوٹتا ہے ایک ہی دن میں، جسے فرشتے لے کر جاتے ہیں۔ اور صعود (چڑھنے) کا یا آنے جانے کا فاصلہ اتنا ہے کہ غیر فرشتہ ہزار سال میں طے کرے۔ یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس دن انسانوں کے سارے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اس ''یوم'' کی تعیین وتفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے 16,15 اقوال اس ضمن میں ذکر کیے ہیں، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں توقف کو پسند فرمایا اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ صاحب ایسر التفاسیر کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ تین مقامات پر آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ دن مراد ہے۔ سورۂ حج 22:47 میں ''یوم'' کا لفظ عبارت ہے اس زمانہ اور مدت سے جو اللہ کے ہاں ہے اور سورۂ معارج 70:70 میں، جہاں یوم کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے، یوم حساب مراد ہے اور اس مقام (زیر بحث) میں یوم سے مراد دنیا کا آخری دن ہے، جب دنیا کے تمام معاملات فنا ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَاب.

2 یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ چونکہ اس کی حکمت ومصلحت کا اقتضا ہے، اس لیے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے۔ یوں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز حسین ہے اور بعض نے ﴿اَحْسَنَ﴾ کے معنی أَتْقَنَ وَأَحْكَمَ کے کیے ہیں، یعنی ہر چیز مضبوط اور پختہ بنائی۔ بعض نے اسے۔ أَلْهَمَ کے مفہوم میں لیا ہے، یعنی ہر مخلوق کو ان چیزوں کا الہام کر دیا جس کی وہ محتاج ہے۔

3 یعنی انسان اول آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جن سے انسانوں کا آغاز ہوا۔ اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

4 یعنی منی کے قطرے سے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک انسانی جوڑا بنانے کے بعد اس کی نسل کے لیے ہم نے یہ طریقہ مقرر کر دیا کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح کریں، ان کے جنسی ملاپ سے جو قطرۂ آب عورت کے رحم میں جائے گا، اس سے ہم ایک انسانی پیکر تراش کر باہر بھیجتے رہیں گے۔ (جس کو ہم اولاد سے نوازنا چاہیں گے)

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨

جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، [1] اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے [2] (اس پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا احسان مانتے ہو ○ [3]

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ
كٰفِرُوْنَ ⑩

اور انھوں نے کہا: کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں [4] گے کیا پھر نئی پیدائش میں آ جائیں گے؟ بلکہ (بات یہ ہے) کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں ○

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ
ع 1 11 14 بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع

کہہ دیجیے کہ تمھیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، [5] پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا
رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا

کاش کہ آپ دیکھتے جب کہ گناہ گار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے، [6] کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب [7] تو ہمیں

---

1 یعنی اس بچے کی ماں کے پیٹ میں نشو ونما کرتے، اس کے اعضاء بناتے، سنوارتے ہیں اور پھر اس میں روح پھونکتے ہیں۔

2 یعنی یہ ساری چیزیں پیدا کیں تا کہ وہ اپنی تخلیق کی تکمیل کر دے، پس تم ہر سننے والی بات کو سن سکو، دیکھنے والی چیز کو دیکھ سکو اور ہر عقل وفہم میں آنے والی بات کو سمجھ سکو۔

3 یعنی اتنے احسانات کے باوجود انسان اتنا ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بہت ہی کم ادا کرتا ہے یا شکر کرنے والے آدمی بہت تھوڑے ہیں۔

4 جب کسی چیز پر کوئی دوسری چیز غالب آ جائے اور پہلی کے تمام اثرات مٹ جائیں تو اس کو ضلالت (گم ہو جانے) سے تعبیر کرتے ہیں۔ ﴿ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ﴾ کے معنی ہوں گے کہ جب مٹی میں مل کر ہمارا وجود زمین میں غائب ہو جائے گا۔

5 یعنی اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ جب تمھاری موت کا وقت آ جائے تو وہ آ کر روح قبض کر لے۔

6 یعنی اپنے کفر وشرک اور معصیت کی وجہ سے مارے ندامت کے۔

7 یعنی جس کی تکذیب کرتے تھے، اسے دیکھ لیا، جس کا انکار کرتے تھے، اسے سن لیا۔ یا تیری وعیدوں کی سچائی کو دیکھ لیا اور پیغمبروں کی تصدیق کو سن لیا لیکن اس وقت کا دیکھنا، سننا ان کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

مُوْقِنُوْنَ ⑫

واپس لوٹا دے ہم نیک اعمال کریں گے ہم یقین کرنے والے ہیں ○ [1]

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬

اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت [2] نصیب فرما دیتے لیکن میری یہ ہی بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سب سے پر کردوں گا ○ [3]

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭

اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو، ہم نے بھی تمھیں بھلا دیا [4] اور اپنے کیے ہوئے اعمال کی شامت سے ابدی عذاب کا مزہ چکھو ○

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ⑮

السجدۃ 9

ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں [5] جنھیں جب کبھی ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں [6] اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں [7] اور تکبر نہیں کرتے ○ [8]

1 لیکن اب یقین کیا تو کس کام کا؟ اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا جسے بھگتنا ہوگا۔

2 یعنی دنیا میں لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی جس میں امتحان کی گنجائش نہ ہوتی۔

3 یعنی انسانوں کی دو قسموں میں سے جو جہنم میں جانے والے ہیں، ان سے جہنم کو بھرنے والی میری بات سچ ثابت ہوگئی۔

4 یعنی جس طرح تم ہمیں دنیا میں بھلائے رہے، آج ہم بھی تم سے ایسا ہی معاملہ کریں گے ورنہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تو بھولنے والا نہیں ہے۔

5 یعنی تصدیق کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

6 یعنی اللہ کی آیات کی تعظیم اور اس کی سطوت وعذاب سے ڈرتے ہوئے۔

7 یعنی رب کو ان چیزوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کے ساتھ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں جن میں سب سے بڑی اور کامل نعمت ایمان کی ہدایت ہے، یعنی وہ اپنے سجدوں میں «سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ» یا «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ» وغیرہ کلمات پڑھتے ہیں۔

8 یعنی اطاعت وانقیاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جاہلوں اور کافروں کی طرح تکبر نہیں کرتے، اس لیے کہ اللہ کی عبادت سے تکبر کرنا جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○﴾ (المؤمن 60:40) ”یقیناً جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ⑯

ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں [1] اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں [2] اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں ○ [3]

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑰

کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، [4] جو کچھ وہ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے ○ [5]

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ⑱

کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟ [6] یہ برابر نہیں ہو سکتے ○

اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑲

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کیے ان کے لیے ہمیشگی والی جنتیں ہیں، مہمانداری ہے ان کے

پہنچ جائیں گے۔'' اس لیے اہل ایمان کا معاملہ ان کے برعکس ہوتا ہے، وہ اللہ کے سامنے ہر وقت عاجزی، ذلت و مسکینی اور خشوع وخضوع کا اظہار کرتے ہیں۔

1 یعنی راتوں کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھتے، توبہ واستغفار، تسبیح وتحمید اور دعا والحاح وزاری کرتے ہیں۔

2 یعنی اس کی رحمت اور فضل وکرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب وغضب اور مؤاخذہ وعذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پروا ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بدعمل لوگوں کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر وضلالت ہے۔

3 انفاق میں صدقات واجبہ (زکاۃ) اور عام صدقہ وخیرات دونوں شامل ہیں۔ اہل ایمان دونوں کا حسب استطاعت اہتمام کرتے ہیں۔

4 ﴿نَفْسٌ﴾ وہ نکرہ ہے جو سیاقِ نفی میں واقع ہو کر عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان نعمتوں کو جو اس نے مذکورہ اہل ایمان کے لیے چھپا کر رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کی تفسیر میں نبی ﷺ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں، کسی کان نے نہیں سنیں، نہ کسی انسان کے وہم وگمان میں ان کا گزر ہوا۔'' (صحيح البخاري، حديث:4779)

5 اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے اعمال صالحہ کا اہتمام ضروری ہے۔

6 یہ استفہام انکاری ہے، یعنی اللہ کے ہاں مومن اور کافر برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان بڑا فرق وتفاوت ہوگا۔ مومن اللہ کے مہمان ہوں گے اور اعزاز واکرام کے مستحق اور فاسق وکافر تعزیر وعقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے

اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے ○

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ
اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِیْدُوْا فِیْهَا
وَقِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿20﴾

لیکن جن لوگوں نے حکم عدولی کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب کبھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔[1] اور کہہ دیا جائے گا کہ[2] اپنے جھٹلانے کے بدلے آگ کا عذاب چکھو ○

وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ
الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿21﴾

بالیقین ہم انھیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب[3] اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں ○[4]

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ
اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ
مُنْتَقِمُوْنَ ﴿22﴾ ع ‏2/11/15

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر[5] لیا، یقین مانو کہ ہم بھی گناہ گاروں سے انتقام لینے والے ہیں ○

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ

بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پس آپ کو ہرگز اس

جہنم کی آگ میں جھلسیں گے۔ اس مضمون کو دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ ص 28:38، سورۂ جاثیہ 21:45، سورۂ حشر 20:59، وغیرھا)

1 یعنی جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر باہر نکلنا چاہیں گے تو فرشتے انھیں پھر جہنم کی گہرائیوں میں دھکیل دیں گے۔

2 یہ فرشتے کہیں گے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی، بہر حال اس میں ان مکذبین کی ذلت و رسوائی کا جو سامان ہے، وہ مخفی نہیں۔

3 عذاب ادنیٰ (چھوٹے سے قریب کے بعض عذاب) سے دنیا کا عذاب یا دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں وغیرہ مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ قتل ہے جس سے جنگ بدر میں کافر دوچار ہوئے یا وہ قحط سالی ہے جو اہل مکہ پر مسلط کی گئی تھی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: تمام صورتیں ہی اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔

4 یہ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب بھیجنے کی علت ہے کہ شاید وہ کفر و شرک اور معصیت سے باز آجائیں۔

5 یعنی اللہ کی آیتیں سن کر جو ایمان و اطاعت کی موجب ہیں، جو شخص اس کی جگہ اعراض کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہے، یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔

مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿23﴾

کی ملاقات میں شک [1] نہ کرنا چاہیے اور ہم نے اسے [2] بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا○

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿24﴾

اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے ○ [3]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿25﴾

آپ کا رب ان (سب) کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ○ [4]

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿26﴾

کیا اس بات نے بھی انھیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں۔ [5] اس میں تو بڑی

---

1 کہا جاتا ہے کہ یہ اشارہ ہے اس ملاقات کی طرف جو معراج کی رات نبی ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوئی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نمازوں میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا تھا۔

2 ''اسے'' سے مراد کتاب (تورات) ہے یا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

3 اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے۔ صبر کا مطلب ہے: اللہ کے اوامر کے بجالانے اور ترک زواجر میں اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، انھیں خندہ پیشانی سے جھیلنا۔ اللہ نے فرمایا: ان کے صبر کرنے اور آیات الٰہی پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔ لیکن جب انھوں نے اس کے برعکس تبدیل وتحریف کا ارتکاب شروع کر دیا تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا، چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر ان کا عمل صالح رہا اور نہ اعتقاد صحیح۔

4 اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو اہل کتاب میں باہم برپا تھا، ضمناً وہ اختلافات بھی آ جاتے ہیں جو اہل ایمان اور اہل کفر، اہل حق اور اہل باطل اور اہل توحید و اہل شرک کے درمیان دنیا میں رہے اور ہیں چونکہ دنیا میں تو ہر گروہ اپنے دلائل پر مطمئن اور اپنی ڈگر پر قائم رہتا ہے، اس لیے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل حق کو جنت میں اور اہل کفر و باطل کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

5 یعنی پچھلی امتیں جو تکذیب اور عدم ایمان کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، کیا یہ نہیں دیکھتے کہ آج ان کا وجود دنیا میں نہیں ہے، البتہ ان کے مکانات ہیں جن کے یہ وارث بنے ہوئے ہیں۔ مطلب اس سے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمھارا

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿27﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿28﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿29﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ

(بڑی) نشانیاں ہیں۔ کیا پھر بھی یہ نہیں سنتے؟ ○
کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں، پھر اس سے ہم کھیتیاں نکالتے ہیں جسے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں،[1] کیا پھر بھی یہ نہیں دیکھتے؟ ○
اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ ○[2]
جواب دے دو کہ فیصلے والے دن ایمان لانا بے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انھیں ڈھیل دی جائے گی ○[3]
اب آپ ان کا خیال چھوڑ دیں[4] اور منتظر رہیں۔[5] یہ

حشر بھی یہی ہو سکتا ہے اگر ایمان نہ لائے۔

1 پانی سے مراد آسمانی بارش اور چشموں نالوں اور وادیوں کا پانی ہے جسے اللہ تعالیٰ اَرض جُرز (بنجر اور بے آباد علاقوں) کی طرف بہا کر لے جاتا ہے اور جو بھوسی یا چارا ہوتا ہے، وہ جانور کھا لیتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی خاص زمین یا علاقہ نہیں ہے بلکہ عام ہے جو ہر بے آباد، بنجر اور چٹیل زمین کو شامل ہے۔

2 اس فیصلے (فتح) سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے جو کفار مکہ نبی ﷺ سے طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے محمد! تیرے اللہ کی مدد تیرے لیے کب آئے گی؟ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ فی الحال تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ تجھ پر ایمان لانے والے چھپے پھرتے ہیں۔

3 اس یوم الفتح سے مراد آخرت کے فیصلے کا دن ہے، جہاں ایمان مقبول ہوگا اور نہ مہلت دی جائے گی۔ فتح مکہ کا دن مراد نہیں ہے کیونکہ اس دن تو طُلَقاء کا اسلام قبول کر لیا گیا تھا جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ (ابن کثیر) طُلَقاء سے مراد، وہ اہل مکہ ہیں جن کو نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن سزا و تعزیر کی بجائے معاف فرما دیا تھا اور یہ کہہ کر آزاد کر دیا تھا کہ آج تم سے تمھاری پچھلی ظالمانہ کارروائیوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، چنانچہ ان کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی۔

4 یعنی ان مشرکین سے اعراض کر لیں اور تبلیغ و دعوت کا کام اپنے انداز سے جاری رکھیں، جو وحی آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس کی پیروی کریں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○﴾ (الأنعام 6:106) ''آپ خود اس طریقے پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجیے۔''

5 یعنی اللہ کے وعدے کا کہ کب وہ پورا ہوتا ہے اور تیرے مخالفوں پر تجھے غلبہ عطا فرماتا ہے؟ وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

ع 3/8/16 مُّنْتَظِرُوْنَ ۝30 ع

بھی منتظر ہیں ○ [1]

اٰيَاتُهَا 73 (33) سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ (90) رُكُوْعَاتُهَا 9

سورۂ احزاب مدنی ہے، اس میں 73 آیات اور 9 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝1

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہنا [2] اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آجانا، اللہ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے ○ [3]

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝2

جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے [4] اس کی تابعداری کریں یقین مانو کہ اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے ○ [5]

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝3

آپ اللہ ہی پر توکل رکھیں [6] وہ کارسازی کے لیے کافی ہے ○ [7]

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ

کسی آدمی کے سینے میں اللہ نے دو دل نہیں رکھے [8]

---

1 یعنی یہ کافر منتظر ہیں کہ شاید یہ پیغمبر ہی گردشوں کا شکار ہو جائے اور اس کی دعوت ختم ہو جائے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا فرمایا اور آپ پر گردشوں کے منتظر مخالفوں کو ذلیل وخوار کیا یا ان کو آپ کا غلام بنا دیا۔

2 آیت میں تقویٰ پر مداومت اور تبلیغ و دعوت میں استقامت کا حکم ہے۔ طلق بن حبیب کہتے ہیں: تقویٰ کا مطلب ہے کہ تو اللہ کی اطاعت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کی معصیت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق ترک کر دے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ (ابن کثیر)

3 پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس لیے کہ عواقب کو وہی جانتا ہے اور اپنے اقوال و افعال میں وہ حکیم ہے۔

4 یعنی قرآن کی اور احادیث کی بھی، اس لیے کہ احادیث کے الفاظ گو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں لیکن ان کے معانی و مفاہیم من جانب اللہ ہی ہیں۔ اسی لیے ان کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

5 پس اس سے تمہاری کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

6 اپنے تمام معاملات اور احوال میں۔

7 ان لوگوں کے لیے جو اس پر بھروسہ رکھتے اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

8 بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منافق یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ ایک دل مسلمانوں کے

فِیْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ④

اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو انھیں اللہ نے تمھاری (سچ مچ کی) مائیں نہیں بنایا، [1] اور نہ تمھارے لے پالک لڑکوں کو (واقعی) تمھارے بیٹے بنایا ہے، [2] یہ تو تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں، [3] اللہ حق بات فرماتا ہے [4] اور وہ (سیدھی) راہ سجھاتا ہے ○

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی

لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کرکے بلاؤ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے۔ [5]

ساتھ ہے اور دوسرا دل کفر اور کافروں کے ساتھ ہے۔ (مسند أحمد:268,267/1) یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک دل میں اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی اطاعت جمع ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص جمیل بن معمر فہری تھا جو بڑا ہشیار، مکار اور نہایت تیز طرار تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میرے تو دو دل ہیں جن سے میں سوچتا سمجھتا ہوں۔ جبکہ محمد (ﷺ) کا ایک ہی دل ہے۔ یہ آیت اس کے رد میں نازل ہوئی۔ (أیسر التفاسیر) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آگے جو دو مسئلے بیان کیے جارہے ہیں، یہ ان کی تمہید ہے، یعنی جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے، یعنی یہ کہہ دے کہ تو میرے لیے ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ تو اس طرح کہنے سے اس کی بیوی اس کی ماں نہیں بن جائے گی۔ یوں اس کی دو مائیں نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا (لے پالک) بنا لے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جائے گا بلکہ وہ بیٹا تو اپنے باپ ہی کا رہے گا، اس کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ (ابن کثیر)

1 یہ مسئلہ ظہار کہلاتا ہے، اس کی تفصیل سورۂ مجادلہ میں آئے گی۔

2 اس کی تفصیل اسی سورت میں آگے چل کر آئے گی۔ أَدْعِيَاءَ ، دَعِيٌّ کی جمع ہے۔ منہ بولا بیٹا۔

3 یعنی کسی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جائے گی، نہ بیٹا کہنے سے وہ بیٹا بن جائے گا، یعنی ان پر اُمومت (ماں ہونے) اور بُنوت (بیٹا ہونے) کے شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

4 اس لیے اس کا اتباع کرو اور ظہار والی عورت کو ماں اور لے پالک کو بیٹا مت کہو، خیال رہے کہ کسی کو پیار اور محبت میں بیٹا کہنا اور بات ہے اور لے پالک کو حقیقی بیٹا تصور کرکے بیٹا کہنا اور بات ہے۔ پہلی بات جائز ہے، یہاں مقصود دوسری بات کی ممانعت ہے۔

5 اس حکم سے اس رواج کی ممانعت کر دی گئی جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آرہا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی رائج تھا کہ لے پالک بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ صحابۂ کرام بیان فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو (جنھیں رسول

الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤

پھر اگر تمھیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں، [1] تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، [2] البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔ [3] اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے ○

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں [4] اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں

اللہ ﷺ نے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا) زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے حتیٰ کہ قرآن کریم کی آیت: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ......الآیة﴾ نازل ہوگئی۔ (صحیح البخاري، حدیث:4782) اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا جنھوں نے سالم کو بیٹا بنایا ہوا تھا جب منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھنے سے روک دیا گیا تو اس سے پردہ کرنا ضروری ہو گیا۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو کہا: "اسے دودھ پلا کر اپنا رضاعی بیٹا بنا لو کیونکہ اس طرح تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔" چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 26-(1453)، وسنن أبي داود، حدیث: 2061)

1 یعنی جن کے حقیقی باپوں کا علم ہے۔ اب دوسری نسبتیں ختم کر کے انھی کی طرف انھیں منسوب کرو، البتہ جن کے باپوں کا علم نہ ہو سکے تو تم انھیں اپنا بھائی اور دوست سمجھو، بیٹا مت سمجھو۔

2 اس لیے کہ خطا ونسیان معاف ہے جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت ہے۔

3 یعنی جو جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا، وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے۔ "جس نے جانتے بوجھتے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔" (صحیح البخاري، حدیث:3508)

4 نبی ﷺ اپنی امت کے لیے جتنے شفیق اور خیر خواہ تھے، محتاج وضاحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس شفقت اور خیر خواہی کو دیکھتے ہوئے اس آیت میں آپ کو مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار، آپ ﷺ کی محبت کو دیگر تمام محبتوں سے فائق تر اور آپ کے حکم کو اپنی تمام خواہشات سے اہم تر قرار دیا ہے، اس لیے مومنوں کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ ان کے جن مالوں کا مطالبہ اللہ کے لیے کریں، وہ آپ پر نچھاور کر دیں، چاہے انھیں خود کتنی ہی ضرورت ہو، آپ ﷺ سے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ محبت کریں۔ (جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے) آپ ﷺ کے حکم کو سب پر مقدم اور آپ ﷺ کی اطاعت کو سب سے اہم سمجھیں۔ جب تک یہ خود سپردگی نہیں ہوگی۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ...... الآیة﴾ (النسآء 4:65) کے مطابق آدمی مومن نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب

بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِیٰٓىٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥

ہیں،[1] اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں[2] (ہاں) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہو۔[3] یہ حکم کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے[4] ○

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۙ⑦

جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا[5] ○

تک آپ کی محبت، تمام محبتوں پر غالب نہیں ہوگی «لَایُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ» (صحیح البخاري، حديث: 15) ''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں جب تک میں اُس کے (ماں) باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔'' کی رو سے مومن نہیں، ٹھیک اسی طرح اطاعت رسول میں کوتاہی بھی ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ○ ﴾ (محمد 33:47) کا مصداق بنا دے گی۔

1 یعنی احترام وتکریم میں اور ان سے نکاح نہ کرنے میں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مائیں بھی ہیں۔

2 یعنی اب مہاجرت، اخوت اور موالات کی وجہ سے وراثت نہیں ہوگی۔ اب وراثت صرف قریبی رشتے کی بنیاد پر ہی ہوگی۔

3 ہاں تم غیر رشتے داروں کے لیے احسان اور برّ وصلہ کا معاملہ کر سکتے ہو، نیز ان کے لیے ایک تہائی مال میں سے وصیت بھی کر سکتے ہو۔

4 یعنی لوح محفوظ میں اصل حکم یہی ہے، گو عارضی طور پر مصلحتاً دوسروں کو بھی وارث قرار دے دیا گیا تھا لیکن اللہ کے علم میں تھا کہ یہ منسوخ کر دیا جائے گا، چنانچہ اسے منسوخ کر کے پہلا حکم بحال کر دیا گیا ہے۔

5 اس عہد سے کیا مراد ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جو ایک دوسرے کی مدد اور تصدیق کا انبیاء سے لیا گیا تھا جیسا کہ سورۂ آل عمران 3:81 میں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جس کا ذکر سورۂ شوریٰ 42:13 میں ہے کہ دین قائم کرنا اور اس میں تفرقہ مت ڈالنا۔ یہ عہد اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا لیکن یہاں بطور خاص پانچ انبیاء

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ 8 ع 1/8 17

تا کہ اللہ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت فرمائے،[1] اور کافروں کے لیے اس نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ 9

اے ایمان والو! اللہ نے جو احسان تم پر کیا اسے یاد کرو جبکہ تمھارے مقابلے کو فوجوں کی فوجیں آئیں، پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں،[2] اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب کو دیکھتا ہے ○

کا نام لیا گیا ہے جن سے ان کی اہمیت و عظمت واضح ہے اور ان میں بھی نبی ﷺ کا ذکر سب سے پہلے ہے درآں حالیکہ نبوت کے لحاظ سے آپ سب سے متاخر ہیں، اس سے آپ کی عظمت اور شرف کا جس طرح اظہار ہو رہا ہے، محتاج وضاحت نہیں۔

1 یہ لَامِ کَيْ ہے، یعنی یہ عہد اس لیے لیا تا کہ اللہ سچے نبیوں سے پوچھے کہ انھوں نے اللہ کا پیغام اپنی قوموں تک ٹھیک طریقے سے پہنچا دیا تھا؟ یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء سے پوچھے کہ تمھاری قوموں نے تمھاری دعوت کا جواب کس طرح دیا؟ مثبت انداز میں یا منفی طریقے سے؟ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ہے کہ ''ہم ان سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔'' (الأعراف 6:7) اس میں داعیان حق کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ وہ دعوت حق کا فریضہ پوری تن دہی اور اخلاص سے ادا کریں تا کہ بارگاہ الٰہی میں سرخ رو ہو سکیں اور ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے جن کو حق کی دعوت پہنچائی جائے کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کریں گے تو عنداللہ مجرم اور مستوجب سزا ہوں گے۔

2 ان آیات میں غزوۂ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو 5 ہجری میں پیش آیا۔ اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس موقع پر تمام اسلام دشمن گروہ جمع ہو کر مسلمانوں کے مرکز ''مدینہ'' پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ﴿الْاَحْزَاب﴾ حِزْبٌ (گروہ) کی جمع ہے۔ اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے مدینے کے اطراف میں خندق کھودی تھی تا کہ دشمن مدینے کے اندر نہ آ سکیں۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس کی مسلسل بدعہدی کی وجہ سے مدینے سے جلا وطن کر دیا تھا، یہ قبیلہ خیبر میں جا آباد ہوا، اس نے کفار مکہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کیا، اسی طرح غطفان وغیرہ قبائل نجد کو بھی امداد کا یقین دلا کر آمادۂ قتال کیا اور یوں یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کر کے مدینے پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مشرکین مکہ کی قیادت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس تھی جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے احد کے آس پاس پڑاؤ ڈال کر تقریباً مدینے کا محاصرہ کر لیا، ان کی مجموعی تعداد 10 ہزار تھی جبکہ مسلمان تین

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ⑩

جب کہ دشمن تمھارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے [1] اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے ○ [2]

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪

یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح وہ جھنجھوڑ دیے گئے ○ [3]

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم

ہزار تھے۔ علاوہ ازیں جنوبی رخ پر یہودیوں کا تیسرا قبیلہ بنوقریظہ آباد تھا جس سے ابھی تک مسلمانوں کا معاہدہ قائم اور وہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اسے بھی بنونضیر کے یہودی سردار حيي بن اخطب نے ورغلا کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے حوالے سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ یوں مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ ان لشکروں کے آنے سے پہلے ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودی گئی جس کی وجہ سے دشمن کا لشکر مدینے کے اندر نہیں آ سکا اور مدینے کے باہر قیام پذیر رہا، تاہم مسلمان اس محاصرے اور دشمن کی متحدہ یلغار سے سخت خوفزدہ تھے۔ کم وبیش ایک مہینے تک یہ محاصرہ قائم رہا اور مسلمان سخت خوف اور اضطراب کے عالم میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ان آیات میں ان ہی سراسیمہ حالات اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ پہلے ﴿جُنُوْدٌ﴾ سے مراد کفار کی فوجیں ہیں جو جمع ہو کر آئی تھیں۔ تیز وتند ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو سخت طوفان اور آندھی کی شکل میں آئی جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا، جانور رسیاں تڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور سب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ وہی ہوا تھی جس کی بابت حدیث میں آتا ہے: «نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ» (صحيح البخاري، حديث: 3205، وصحيح مسلم، حديث: 900) ''میری مدد صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور عاد دبور (پچھمی) ہوا سے ہلاک کیے گئے۔'' ﴿جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ سے مراد فرشتے ہیں جو مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے۔ انھوں نے دشمن کے دلوں پر ایسا خوف اور دہشت طاری کر دی کہ انھوں نے وہاں سے جلد بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

1 اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے دشمن آ گئے یا اوپر سے مراد غطفان، ہوازن اور دیگر نجد کے مشرکین ہیں اور نیچے کی سمت سے قریش اور ان کے اعوان وانصار۔

2 یہ مسلمانوں کی اس کیفیت کا اظہار ہے جس سے اس وقت وہ دوچار تھے۔

3 یعنی مسلمانوں کو خوف، قتال، بھوک اور محاصرے میں مبتلا کر کے ان کو جانچا پرکھا گیا تاکہ منافق الگ ہو جائیں۔

وَّرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫

سے محض دھوکا فریب ہی کا وعدہ کیا تھا○ [1]

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬

ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینے والو! [2] تمھارے لیے ٹھکانا نہیں چلو لوٹ چلو، [3] اور ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، [4] حالانکہ وہ کھلے ہوئے اور غیر محفوظ نہ تھے (لیکن) ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا○ [5]

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ⑭

اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے، پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کردیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی مدت○ [6]

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

اس سے پہلے تو انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ پھیریں گے، [7] اور اللہ سے کیے ہوئے وعدے کی باز

1 یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ایک فریب تھا۔ یہ تقریباً ستر منافقین تھے جن کی زبانوں پر وہ بات آ گئی جو دلوں میں تھی۔

2 یثرب اس پورے علاقے کا نام تھا، مدینۃ النبی ﷺ اسی کا ایک حصہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام یثرب اس لیے پڑا کہ کسی زمانے میں عمالقہ میں سے کسی نے یہاں پڑاؤ کیا تھا جس کا نام یثرب بن عمیل تھا۔ (فتح القدیر)

3 یعنی مسلمانوں کے لشکر میں رہنا تو سخت خطرناک ہے، اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔

4 یعنی بنوقریظہ کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے یوں اہل خانہ کی جان و مال اور آبرو خطرے میں ہے۔

5 یعنی جو خطرہ وہ ظاہر کر رہے ہیں، نہیں ہے وہ اس بہانے سے راہ فرار چاہتے ہیں۔ ﴿عَوْرَةٌ﴾ کے لغوی اور معروف معنی کے لیے دیکھیے، سورۂ نور 58:24 کا حاشیہ۔

6 یعنی مدینے یا ان کے گھروں میں چاروں طرف سے دشمن داخل ہو جائیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ تم کفر و شرک کی طرف دوبارہ واپس آ جاؤ تو یہ ذرا توقف نہ کریں گے اور اس وقت گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا عذر بھی نہیں کریں گے بلکہ فوراً مطالبۂ شرک کے سامنے جھک جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک ان کو مرغوب ہے اور اسی کی طرف یہ لپکتے ہیں۔

7 بیان کیا جاتا ہے کہ یہ منافقین جنگ بدر تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن جب مسلمان فاتح ہو کر اور مال غنیمت لے

مَسْـُٔوْلًا ⑮
قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ
الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا
قَلِيْلًا ⑯
قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ
اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ
وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا
وَّلَا نَصِيْرًا ⑰
قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ
وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا
يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ ⑱
اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ

پرس ضرور[1] ہوگی ○
کہہ دیجیے کہ گو تم موت سے یا خوفِ قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمھیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے ○[2]
پوچھیے تو کہ اگر اللہ تمھیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمھیں بچا سکے، (یا تم سے روک سکے؟)[3] اپنے لیے بجز اللہ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار ○
اللہ تم میں سے انھیں بخوبی جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس[4] چلے آؤ۔ اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں آجاتے ہیں ○[5]
تمھاری مدد میں (پورے) بخیل ہیں،[6] پھر جب خوف ودہشت کا موقع آجائے تو آپ انھیں دیکھیں گے کہ آپ

کر واپس آئے تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام کا اظہار کیا بلکہ یہ عہد بھی کیا کہ آئندہ جب بھی کفار سے معرکہ پیش آیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ضرور لڑیں گے، یہاں ان کو وہی عہد یاد کرایا گیا ہے۔

1 یعنی اسے پورا کرنے کا ان سے مطالبہ کیا جائے گا اور عدم وفا پر سزا کے وہ مستحق ہوں گے۔

2 یعنی موت سے تو کسی صورت مفر نہیں ہے۔ اگر میدان جنگ سے بھاگ کر آ بھی جاؤ گے تو کیا فائدہ؟ کچھ عرصے بعد موت کا پیالہ تو پھر بھی پینا ہی پڑے گا۔

3 یعنی تمھیں ہلاک کرنا، بیمار کرنا یا مال و جائیداد میں نقصان پہنچانا یا قحط سالی میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو تمھیں اس سے بچا سکے؟ یا اپنا فضل و کرم کرنا چاہے تو وہ روک سکے؟

4 یہ کہنے والے منافقین تھے جو اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے روکتے تھے۔

5 کیونکہ وہ موت کے خوف سے پیچھے ہی رہتے تھے۔

6 یعنی تمھارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمھارے ساتھ مل کر لڑنے میں بخیل ہیں۔

يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ
سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿19﴾

کی طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو، [1] پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں [2] مال کے بڑے ہی حریص ہیں، [3] یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں [4] اللہ نے ان کے تمام اعمال نابود کر دیے ہیں۔ [5] اور اللہ پر یہ بہت ہی آسان ہے○ [6]

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ
يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي
الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ
كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿20﴾ ع 2/12/18

سمجھتے ہیں کہ اب تک لشکر چلے نہیں گئے، [7] اور اگر فوجیں آجائیں تو تمنائیں کرتے ہیں کہ کاش! وہ صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے کہ تمھاری خبریں دریافت کیا کرتے [8] اگر وہ تم میں موجود ہوتے تو نہ

---

1 یہ ان کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے۔

2 یعنی اپنی شجاعت و مردانگی کی بابت ڈینگیں مارتے ہیں جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں یا غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی وطراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بخیل اور سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں۔

3 یا دوسرا مفہوم ہے کہ خیر کا جذبہ بھی ان کے اندر نہیں ہے، یعنی مذکورہ خرابیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ خیر اور بھلائی سے بھی وہ محروم ہیں۔

4 یعنی دل سے بلکہ یہ منافق ہیں کیونکہ ان کے دل کفر وعناد سے بھرے ہوئے ہیں۔

5 اس لیے کہ وہ مشرک اور کافر ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں جن پر کوئی اجر وثواب نہیں۔ یا ﴿ فَاَحْبَطَ ﴾ أَظْهَرَ بُطْلَانَ عَمَلِهِمْ کے معنی میں ہے، یعنی ان کے عملوں کے بطلان کو ظاہر کر دیا، اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے ہیں ہی نہیں کہ وہ ثواب کے مقتضی ہوں اور اللہ ان کو باطل کر دے۔ (فتح القدير)

6 ان کے اعمال کا برباد کر دینا یا ان کا نفاق اللہ پر آسان ہے، یعنی ان کا نفاق اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

7 یعنی ان منافقین کی بزدلی، دوں ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا چکے ہیں۔ لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں۔

8 یعنی بالفرض اگر وہ گروہ کفار دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آجائیں تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ شہر

لڑتے مگر برائے نام ○ [1]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿21﴾

یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، [2] ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے ○ [3]

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا

اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (بے ساختہ) کہہ اٹھے کہ انھی کا وعدہ ہمیں اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے

کے اندر رہنے کی بجائے باہر صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں لوگوں سے تمھاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں۔ یا لشکر کفار کامیاب رہا یا ناکام۔

1 محض عار کے ڈر سے یا ہم وطنی کی حمیت کی وجہ سے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو جہاد سے گریز کرتے یا اس سے پیچھے رہتے ہیں۔

2 یعنی اے مسلمانو! تم سب کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے، پس تم جہاد میں اور صبر و ثبات میں اسی کی پیروی کرو۔ ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتیٰ کہ اسے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے، اس کا چہرہ زخمی ہو گیا، اس کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک مہینہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا۔ یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم عام ہے، یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ کی اقتدا ضروری ہے، چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے ہو یا سیاست سے۔ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔ ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ...... الآية﴾ (الحشر 59: 7) ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ...... الآية﴾ (آل عمران 3:31) کا مفاد بھی یہی ہے۔

3 اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسوۂ رسول ﷺ کو وہی اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ آج لوگ ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں، اس لیے اسوۂ رسول (ﷺ) کی بھی کوئی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ان میں جو اہل مذہب ہیں، ان کے پیشوا، امام، پیر اور مشائخ ہیں اور جو اہل دنیا و اہل سیاست ہیں، ان کے مرشد و رہنما آقایان مغرب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے زبانی دعوے بڑے ہیں لیکن آپ کو مرشد اور پیشوا ماننے کے لیے ان میں سے کوئی بھی آمادہ نہیں ہے۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى.

وَّ تَسْلِيْمًا ﴿22﴾

نے سچ فرمایا، [1] اور اس چیز نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا ○ [2]

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿23﴾

مومنوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا انھیں سچا کر دکھایا، [3] بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا [4] اور بعض (موقع کے) منتظر ہیں اور انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی ○ [5]

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿24﴾

تا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے، [6] اللہ بڑا ہی بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے ○

---

1 یعنی منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ رسول کے وعدے فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلا و امتحان سے گزارنے کے بعد تمھیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا، وہ سچا ہے۔

2 یعنی حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان میں جذبۂ اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں اور ان کے مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔

3 یہ آیت ان بعض صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے اس موقع پر جاں نثاری کے عجیب و غریب جوہر دکھائے تھے اور انھی میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انھوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اب آئندہ کوئی معرکہ پیش آیا تو جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے، جیسے نضر بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے 80 سے اوپر زخم تھے، شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انھیں ان کی انگلی کے پورے سے پہچانا۔ (صحيح البخاري، حديث: 2805، و جامع الترمذي، حديث: 3201)

4 ﴿نَحْبَهٗ﴾ کے معنی: عہد، نذر اور موت کے کیے گئے ہیں۔ مطلب ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے تو اپنا عہد یا نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔

5 اور دوسرے وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں، تاہم اس کے شوق میں شریک جہاد ہوتے ہیں اور شہادت کی سعادت کے آرزومند ہیں، اپنی اس نذر یا عہد میں انھوں نے تبدیلی نہیں کی۔

6 یعنی انھیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿25﴾

اور اللہ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی (نامراد) لوٹا دیا، انھوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا، [1] اور اس جنگ میں اللہ خود ہی مومنوں کو کافی ہوگیا، [2] اللہ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے ○

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿26﴾

اور جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی تھی انھیں (بھی) اللہ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں (بھی) رعب بھر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بنا رہے ہو ○

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اور اس نے تمھیں ان کی زمینوں کا اور ان کے گھر بار کا اور ان کے مال کا وارث کر دیا [3] اور اس زمین کا بھی جس کو تمھارے

---

1 یعنی مشرک جو مختلف جہات سے جمع ہو کر آئے تھے تا کہ مسلمانوں کا نشان مٹا دیں۔ اللہ نے انھیں اپنے غیظ و غضب سمیت واپس لوٹا دیا۔ نہ دنیا کا مال و متاع ان کے ہاتھ لگا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، کسی بھی قسم کی خیر انھیں حاصل نہیں ہوئی۔

2 یعنی مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور فرشتوں کے ذریعے سے اپنے مومن بندوں کی مدد کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ» (صحيح البخاري، حديث: 1797، وصحيح مسلم، حديث: 1344) ”ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی اور تعریفیں ہیں، ہم لوٹنے والے، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اس اکیلے نے ہی شکست دے دی۔“ نبی ﷺ جہاد سے، سفر سے یا حج و عمرہ سے واپسی پر یہ دعا پڑھتے تھے اور ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ اللہ اکبر بھی کہتے۔

3 اس میں غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس قبیلے نے نقض عہد کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں اور دوسرے یہودیوں کا ساتھ دیا تھا، چنانچہ جنگ احزاب سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ ابھی غسل ہی فرما سکے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے اور کہا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیے؟ ہم فرشتوں نے تو نہیں رکھے ہیں۔ چلیے، اب بنو قریظہ کے ساتھ نمٹنا ہے، مجھے اللہ نے اسی لیے آپ کی طرف بھیجا ہے، چنانچہ آپ نے مسلمانوں میں اعلان فرما دیا بلکہ ان

3 ع 7 19

شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿27﴾
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ
وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿28﴾
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ
الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿29﴾

قدموں نے روندا نہیں،[1] اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○
اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانیٔ دنیا اور زینتِ دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا دوں اور تمھیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ○
اور اگر تمھاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں ○[2]

کو تاکید کر دی کہ عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھنی ہے۔ ان کی آبادی مدینے سے چند میل کے فاصلے پر تھی۔ یہ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، باہر سے مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا جو کم وبیش پچیس روز جاری رہا۔ بالآخر انھوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم (ثالث) تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ ہماری بابت دیں گے، ہمیں منظور ہوگا، چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور بچوں، عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہی فیصلہ آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ اس کے مطابق ان کے جنگجو افراد کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ اور مدینے کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا گیا۔ (دیکھیے: صحیح البخاري، حدیث: 4121) ﴿اَنْزَلَ﴾ قلعوں سے نیچے اتار دیا ﴿ظَاهَرُوْهُمْ﴾ کافروں کی انھوں نے مدد کی۔

1 بعض نے اس سے خیبر کی زمین مراد لی ہے کیونکہ اس کے بعد ہی 6 ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے خیبر فتح کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مکہ ہے اور بعض نے ارض فارس و روم کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک تمام وہ زمینیں ہیں جو قیامت تک مسلمان فتح کریں گے۔ (فتح القدیر)

2 فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہو گئی تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک مہینے تک جاری رہی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ اس کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنا کر انھیں اختیار دیا، تاہم انھیں کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے والدین سے مشورے کے بعد کوئی اقدام کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں۔ یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی اور کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4786) اس وقت آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝30

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا،[1] اور اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے ○

---

9 بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں۔ حضرت عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ۔ اور چار ان کے علاوہ، یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب اور جویریہ تھیں ...... رضی اللہ عنہن...... بعض لوگ مرد کی طرف سے اختیار علیحدگی کو طلاق قرار دیتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ عورت کی طرف سے علیحدگی کو پسند کر لینے کے بعد خاوند اسے طلاق دے گا، تاہم اگر عورت علیحدگی کو اختیار نہیں کرتی تو پھر طلاق نہیں ہوگی، جیسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے علیحدگی کی بجائے حرم رسول ہی میں رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 5262، و صحيح مسلم، حديث: 27-(1477))

1 قرآن میں اَلْفَاحِشَةُ (مُعرَّف باللّام) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن فَاحِشَةٌ (نکرہ) کو برائی کے لیے، جیسے یہاں ہے۔ یہاں اس کے معنی بداخلاقی اور نامناسب رویے کے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ کے ساتھ بداخلاقی اور نامناسب رویہ، آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے جس کا ارتکاب کفر ہے۔ علاوہ ازیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی شمار ہوتی ہیں، اس لیے انھیں دوگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

الجزء الثاني والعشرون (22)

وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ ۙ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا ﴿31﴾

اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اُسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے [1] اور اُس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے ○

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِيۡ فِيۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۚ﴿32﴾

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو [2] اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی غلط توقع لگا بیٹھے [3] اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو ○ [4]

---

1 یعنی جس طرح گناہ کا وبال دگنا ہوگا، نیکیوں کا اجر بھی دوہرا ہوگا۔ جس طرح نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بالفرض آپ کفر کی طرف مائل ہو جاتے تو: ﴿اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:75) ’’پھر تو ہم آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا۔‘‘

2 یعنی تمھاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے تمھیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے تمھیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ انھیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کر کے انھیں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں جنھیں امہات المؤمنین قرار دیا گیا ہے لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے، اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

3 اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے بنا بریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب ولہجہ مت اختیار کرو جس میں نرمی اور لطافت ہو بلکہ قاعدے کے مطابق کلام کرو تاکہ کوئی بدباطن لہجے کی نرمی سے تمھاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

4 یعنی بات اگرچہ نرم لہجے کے ساتھ کرنا منع ہے، تاہم زبان سے ایسا لفظ بھی نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔ ﴿اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آ رہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں کیونکہ انھیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں، انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں۔

وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوةَ وَ اَطِعۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا ﴿ۚ۳۳﴾

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو [1] اور (قدیمی) جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو [2] اور نماز ادا کرتی رہو اور زکاۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو۔ [3] اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! [4] تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دُور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے ○

وَ اذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ

اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو

1 یعنی ٹک کر رہو اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست و جہانبانی نہیں، معاشی جھمیلے بھی نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری سرانجام دینا ہے۔

2 اس میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمھارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو، جیسے بے پردہ ہو کر جس سے تمھارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے۔ بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو۔ ﴿ تَبَرُّجَ ﴾ بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا یہ جاہلیت ہی ہو گی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

3 پچھلی ہدایات برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

4 اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے ازواج مطہرات کو مراد لیا ہے جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔ قرآن نے یہاں ازواج مطہرات کو ﴿ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ ﴾ کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے، مثلاً: سورۂ ہود 11:73 میں، اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے واضح ہے۔ بعض لوگ، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں جبکہ اول الذکر، ان اصحاب اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، تاہم اعتدال کی راہ اور نقطۂ متوسط یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور سیدنا علی، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان دونوں کی اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی ﷺ نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر)

اللّٰهِ وَالۡحِكۡمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيۡفًا خَبِيۡرًا ﴿34﴾ ع

اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالۡخٰشِعِيۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ وَالۡمُتَصَدِّقِيۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالۡحٰفِظِيۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿35﴾

احادیث پڑھی جاتی ہیں۔ اُن کا ذکر کرتی رہو،[1] یقیناً اللہ باریک بین اور خبردار ہے ○

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں[2] مومن مرد اور مومن عورتیں فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں راست باز مرد اور راست باز عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان (سب) کے لیے اللہ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب

1 یعنی ان پر عمل کرو۔ حکمت سے مراد احادیث ہیں۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث بھی قرآن کی طرح وحی متلو ہے۔ علاوہ ازیں یہ آیت بھی ازواج مطہرات کے اہل بیت ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ وحی کا نزول، جس کا ذکر اس آیت میں ہے، ازواج مطہرات کے گھروں میں ہی ہوتا تھا، بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جیسا کہ احادیث میں ہے۔

2 حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي، حديث:3211، ومسند أحمد:301/6) اس میں عورتوں کی دل داری کا اہتمام کر دیا گیا ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان مخصوص احکام کے جو صرف عورتوں کے لیے ہیں۔ اس آیت اور دیگر آیات سے واضح ہے کہ عبادت و اطاعت الٰہی اور اخروی درجات و فضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ دونوں کے لیے یکساں طور پر یہ میدان کھلا ہے اور دونوں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر و ثواب کما سکتے ہیں۔ جنس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، تاہم بعض لوگوں کے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ (مزید دیکھیے سورۂ ذاریات 36:51 کا حاشیہ)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿36﴾

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

تیار کر رکھا ہے ○

اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا،[1] (یاد رکھو) اللہ اور اُس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا ○

(یاد کرو) جب کہ تُو اُس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے انعام کیا اور تو نے بھی کہ تُو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تُو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تُو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تُو اُس سے ڈرے،[2] پس جب کہ زید نے اُس عورت

---

1 یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو اگرچہ اصلاً عرب تھے لیکن کسی نے انھیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا۔ نبی ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انھیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ نبی ﷺ نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا جس پر انھیں اور ان کے بھائی کو خاندانی وجاہت کی بنا پر تامل ہوا کہ زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ہمارا تعلق ایک اونچے خاندان سے ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سر تسلیم خم کر دے، چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا وغیرہ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا اور ان کا باہم نکاح ہو گیا۔

2 لیکن مزاجوں میں فرق ہونے کی وجہ سے میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار نہ بن سکے اور اسی بنا پر ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی جس کا تذکرہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے کرتے رہتے تھے اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے۔ لیکن نبی ﷺ ان کو طلاق دینے سے روکتے اور نباہ کرنے کی تلقین فرماتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس پیش گوئی سے بھی آگاہ فرما دیا تھا کہ زید کی طرف سے طلاق واقع ہو کر رہے گی اور اس کے بعد زینب کا نکاح آپ سے کر دیا جائے گا تاکہ جاہلیت کی اس رسم تبنیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ منہ بولا بیٹا، احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اس آیت میں انھی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا

حَرَجٌ فِيۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ﴿37﴾

سے اپنی غرض پوری کر لی [1] ہم نے اُسے تیرے نکاح میں دے دیا [2] تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی

ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اللہ کا انعام یہ تھا کہ انھیں قبول اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے نجات دلائی، نبی ﷺ کا احسان ان پر یہ تھا کہ ان کی دینی تربیت کی۔ ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی سے ان کا نکاح کرا دیا۔ دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتلائی گئی تھی، آپ ﷺ ڈرتے اس بات سے تھے کہ لوگ کہیں گے: اپنی بہو سے نکاح کر لیا، حالانکہ جب اللہ نے آپ کے ذریعے سے اس رسم کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ﷺ کا یہ خوف اگرچہ طبعی تھا، اس کے باوجود آپ کو تنبیہ فرمائی گئی۔ ظاہر کرنے سے مراد یہی ہے کہ یہ نکاح ہوگا جس سے یہ بات سب کے ہی علم میں آجائے گی۔

1 یعنی نکاح کے بعد طلاق دی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا عدت سے فارغ ہوگئیں۔

2 یعنی یہ نکاح معروف طریقے کے برعکس صرف اللہ کے حکم سے نکاح قرار پا گیا، نکاح خوانی، ولایت، حق مہر اور گواہوں کے بغیر ہی۔ اس کو علماء نے نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، یعنی آپ کا نکاح ولی، حق مہر اور گواہوں کے بغیر بھی صحیح تھا جیسا کہ قرآن کے لفظ ﴿زَوَّجۡنٰكَهَا﴾ سے بھی ظاہر ہے۔ جبکہ امت کے لیے ولی کی اجازت، حق مہر کا تقرر اور گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، ان کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے نبی ﷺ کی اس خصوصیت کا انکار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''بعض لوگوں نے لفظ زَوَّجۡنَا سے یہ سمجھا ہے کہ یہ نکاح آسمان ہی پر ہو گیا تھا، زمین پر اس کی رسم ادا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن ابن ہشام میں وہ ساری تفصیل موجود ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہے اس وجہ سے صحیح بات یہ ہے کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بالکل اسی معروف طریقے کے مطابق ہوا جو اللہ اور رسول نے نکاح کے لیے پسند فرمایا ہے۔'' (تفسیر تدبر قرآن: 236/6) لیکن صاحب ''تدبر قرآن'' کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ جن مفسرین نے اسے آسمانی نکاح قرار دیا ہے، ان کے استدلال کی بنیاد صرف لفظ زَوَّجۡنَا ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی ہے جو صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ اس کی رو سے یہی بات صحیح ہے کہ جب حضرت زینب کی عِدّت پوری ہوگئی تو نبی ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا، جس پر انھوں نے کہا کہ میں اپنے رب سے جب تک مشورہ نہیں کر لیتی، میں کچھ نہیں کروں گی، یہ کہہ کر وہ اِدھر مصروف عبادت ہو گئیں، اُدھر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کا نکاح اس زینب سے کر دیا ﴿زَوَّجۡنٰكَهَا﴾، چنانچہ حضور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے یا ان کے گھر والوں سے اجازت طلبی کی ضرورت بھی محسوس نہیں فرمائی (کیونکہ اللہ کے حکم کے بعد اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی)۔ (ملاحظہ ہو، صحیح مسلم، حدیث: 1428) اسی لیے حضرت زینب بھی دیگر ازواج مطہرات سے فخریہ طور پر یہ کہا کرتی تھیں: «زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَزَوَّجَنِي

بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض اُن سے پوری کر لیں، [1] اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا ○ [2]

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۨ ﴿38﴾

جو چیزیں اللہ نے اپنے نبی کے لیے مقرر کی ہیں اُن میں نبی پر کوئی حرج نہیں [3] (یہی) اللہ کا دستور اُن میں بھی رہا جو پہلے ہوئے [4] اور اللہ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں ○ [5]

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿39﴾

(یہ سب ایسے تھے) کہ جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے [6] اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے ○ [7]

اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ» (صحیح البخاري، حدیث:7420) ''تمھارے نکاح تمھارے گھر والوں نے کرائے ہیں اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرایا ہے۔''

1 یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت و اقتضا لے پالک بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جا سکے۔

2 یعنی پہلے سے ہی تقدیر الٰہی میں تھا جو بہر صورت ہو کر رہنا تھا۔

3 یہ اسی واقعۂ نکاح زینب رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ ہے چونکہ یہ نکاح آپ کے لیے حلال تھا، اس لیے اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے۔

4 یعنی گزشتہ انبیاء بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض قرار دیے جاتے تھے چاہے قومی اور عوامی رسم و رواج ان کے خلاف ہی ہوتے۔

5 یعنی خاص حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، دنیوی حکمرانوں کی طرح وقتی اور فوری ضرورت پر مشتمل نہیں ہوتے، اسی طرح ان کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے جس کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

6 اس لیے کسی کا ڈر یا سطوت انھیں اللہ کا پیغام پہنچانے میں مانع بنتا تھا نہ طعن و ملامت کی انھیں پروا ہوتی تھی۔

7 یعنی ہر جگہ وہ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے موجود ہے، اس لیے وہ اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی ہے اور اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت میں انھیں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان میں وہ ان کی چارہ سازی فرماتا اور دشمنوں کے مذموم ارادوں اور سازشوں سے انھیں بچاتا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿40﴾ ع 5/6/2

(لوگو!) محمد تمھارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں [1] لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے، [2] اور اللہ ہر چیز کا (بخوبی) جاننے والا ہے ○

1 اس لیے وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھی باپ نہیں ہیں جس پر انھیں موردِ طعن بنایا جا سکے کہ انھوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کر لیا بلکہ ایک زید رضی اللہ عنہ ہی کیا، وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں کیونکہ زید رضی اللہ عنہ تو حارثہ کے بیٹے تھے، آپ نے تو انھیں منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور جاہلی دستور کے مطابق انھیں زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا۔ حقیقتاً وہ آپ کے صلبی بیٹے نہیں تھے۔ اسی لیے ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ ﴾ کے نزول کے بعد انھیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بیٹے، قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک ابراہیم بچہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوا۔ لیکن یہ سب کے سب بچپن میں ہی فوت ہو گئے، ان میں سے کوئی بھی عمر رجولیت کو نہیں پہنچا۔ بنابریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلبی اولاد میں سے بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں۔ (ابن کثیر)

2 ﴿ خَاتَمَ ﴾ مُہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے، یعنی آپ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ کر دیا گیا، آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب و دجال ہوگا۔ احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے۔ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جو صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن کر آئیں گے، اس لیے ان کا نزول عقیدۂ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ متنبّی قادیان کے پیروکار، اسی آیت سے جو ختم نبوت کے مفہوم میں واضح ہے، اجرائے نبوت کا مفہوم کشید کر کے مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا اثبات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ڈاک خانے سے مہر لگ کر خطوط جاری ہوتے ہیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے نبوت عطا ہوتی ہے، آپ کی مہر کے بغیر کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ اول تو یہ معنی عربی زبان و لغت کے خلاف ہے۔ عربی لغت میں ختم یا خاتم کا لفظ آخری عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ختم الشیئ کا مطلب چیز پر مہر لگانا نہیں بلکہ شَیْ کا بالکل خاتمہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کا کیا مطلب۔ وہ آخر کس طرح لگے گی۔ اور جس شخص پر لگے گی، اس کا پتہ کس طرح چلے گا۔ جب تک ان دو باتوں کی وضاحت نہیں ہوتی، یہ مفہوم بالکل بے معنی ہے۔ اس طرح ہر شخص نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور کر سکے گا، اس کے دعوے کو جانچنے پرکھنے کے لیے کوئی معیار اور کسوٹی نہیں ہوگی۔

ایک بات وہ یہ کہتے ہیں کہ خاتم النبیین، ختم نبوت کے لیے نص نہیں ہے، یہ ایسے ہی ہے، جیسے کسی بڑے محدث کو خاتم المحدثین، بڑے شاعر کو خاتم الشعراء وغیرہ کہا جاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی محدثین اور شعراء پیدا ہو رہے ہیں لیکن وہ مثال دیتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ ایک قول اللہ کا ہے جو عَالِم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ہے، اس نے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا ہے اور ایک انسانوں کا قول ہے جنھیں مستقبل

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿41﴾

مسلمانو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو ○

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿42﴾

اور صبح و شام اُس کی پاکیزگی بیان کرو ○

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿43﴾

وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے (تمھارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے اُجالے کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے ○

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿44﴾

جس دن یہ (اللہ سے) ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا،[1] ان کے لیے اللہ نے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿45﴾

اے نبی! یقیناً ہم ہی نے آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا،[2] خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے ○

کا کوئی علم نہیں۔ وہ اپنے بالکل ناقص اور نہایت محدود علم کے مطابق ایک بڑے محدث یا ایک بڑے شاعر کی بابت اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اس جیسا محدث یا شاعر آئندہ پیدا نہیں ہوگا۔ تو کیا واقعی ایسا ہوتا ہے یا ایسا ہی ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ انسانوں کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، خاص طور پر مشیت الٰہی کے بارے میں رائے زنی کے تو وہ قطعًا مجاز ہی نہیں ہیں، اس لیے انسانوں کے کلام کو محض خوش گمانی یا خوش فہمی یا زیادہ سے زیادہ عقیدت و محبت یا غلو عقیدت یا مجاز ہی قرار دیا جائے گا۔ اسے اللہ کے فرمان سے کسی طرح بھی مشابہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

1 یعنی جنت میں فرشتے اہل ایمان کو یا مومن آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

2 بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ نبی ﷺ اپنی امت کی گواہی دیں گے، ان کی بھی جو آپ پر ایمان لائے اور ان کی بھی جنھوں نے تکذیب کی۔ آپ قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کے اعضائے وضو سے پہچان لیں گے جو چمکتے ہوں گے، اسی طرح آپ دیگر انبیاء کی گواہی دیں گے کہ انھوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ گواہی اللہ کے دیے ہوئے یقینی علم کی بنیاد پر ہوگی، اس لیے نہیں کہ آپ تمام انبیاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں، یہ عقیدہ تو نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ اگر شاہد کے معنی و ناظر کے ہوتے ہیں، پھر تو امت محمدیہ بھی حاضر و ناظر قرار پائے گی کیونکہ ان کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ ''تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔'' (البقرۃ 2:143)

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿46﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿47﴾

اور اللہ کے حکم سے اُس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ[1] ○ آپ مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے ○

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿48﴾

اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے! اور اُن کی (طرف سے پہنچے اُس) ایذا کا خیال بھی نہ کیجیے، اللہ پر بھروسا کیے رہیں، اور کافی ہے اللہ کام بنانے والا ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ

اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (ہی) طلاق دے دو تو اُن پر تمھارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو،[2] پس تم کچھ نہ کچھ

---

1 جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے ذریعے سے کفر وشرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کسب ضیاء کر کے جو کمال وسعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے۔

2 نکاح کے بعد جن عورتوں سے ہم بستری کی جا چکی ہو اور وہ ابھی جوان ہوں، یعنی نہ تو نابالغ ہو اور نہ ایسی بوڑھی ہو جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو، ایسی عورتوں کو طلاق مل جائے تو ان کی عدت تین حیض ہے۔ (دیکھیے :البقرۃ 228:2) یہاں ان عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جن سے نکاح ہوا ہے لیکن میاں بیوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی۔ ان کو اگر طلاق ہو جائے تو کوئی عدت نہیں ہے، یعنی ایسی غیر مدخولہ مطلقہ بغیر عدت گزارے فوری طور پر کہیں نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، البتہ اگر ہم بستری سے قبل خاوند فوت ہو جائے تو پھر اسے 4 مہینے 10 دن ہی عدت گزارنی پڑے گی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر) چھونا یا ہاتھ لگانا، یہ کنایہ ہے جماع (ہم بستری) سے۔ نکاح کا لفظ خاص جماع اور عقد زواج دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں عقد کے معنی میں ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے، اس لیے جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں عورت سے میں نے نکاح کیا تو اسے طلاق تو ان کے نزدیک اس عورت سے نکاح ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی بھی عورت سے نکاح کیا تو جس عورت سے بھی نکاح کرے گا، طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں بھی وضاحت ہے: «لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ» (سنن ابن ماجه، حديث: 2048) «لَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ» (سنن أبي داود، حديث: 2190، و جامع الترمذي، حديث: 1181، وسنن ابن ماجه، حديث: 2047، و مسند أحمد: 189/2) اس سے واضح ہے کہ نکاح سے قبل طلاق، ایک فعل عبث ہے جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

تَعۡتَدُّوۡنَهَا ۚ فَمَتِّعُوۡهُنَّ وَسَرِّحُوۡهُنَّ سَرَاحًا
جَمِيۡلًا ﴿49﴾
يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا لَكَ اَزۡوَاجَكَ الّٰتِىۡۤ
اٰتَيۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتۡ يَمِيۡنُكَ مِمَّاۤ
اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ
وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِىۡ هَاجَرۡنَ
مَعَكَ وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا
لِلنَّبِىِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِىُّ اَنۡ يَّسۡتَنۡكِحَهَا ۗ خَالِصَةً
لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا
فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِىۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ وَمَا مَلَكَتۡ

اُنھیں دے دو [1] اور بھلے طریق پر اُنھیں رخصت کر دو [2] ○

اے نبی! ہم نے تیرے لیے تیری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنھیں تو اُن کے مہر دے چکا ہے [3] اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں [4] اور تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنھوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے، [5] اور وہ مومن عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کر دے یہ اُس صورت میں کہ خود نبی بھی اُس سے نکاح کرنا چاہے، [6] یہ خاص طور پر صرف تیرے لیے ہی ہے اور

1 یہ متاع (فائدہ) دینے کا حکم اس مطلقہ غیر مدخولہ کے بارے میں ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو، یعنی ایسی عورت کو حسب توفیق لباس وغیرہ کچھ دے دیا جائے اور اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو اسے مقررہ مہر کا نصف دینا لازم ہے۔ (مزید دیکھیے: البقرۃ 2:241 کا حاشیہ)

2 یعنی انھیں عزت واحترام سے، بغیر کوئی ایذا پہنچائے علیحدہ کر دیا جائے۔

3 یعنی احکام شرعیہ میں نبی ﷺ کو امتیاز حاصل تھا، جنھیں آپ ﷺ کی خصوصیات کہا جاتا ہے، مثلاً: صدقہ آپ پر حرام تھا، اسی طرح کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن کریم کے اس مقام پر کیا گیا ہے جن کا تعلق نکاح سے ہے۔ مثلاً: جن عورتوں کو آپ نے مہر دیا ہے، وہ حلال ہیں چاہے تعداد میں وہ کتنی ہی ہوں اور آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ بصورت نقد سب کو مہر ادا کیا تھا۔ صرف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر نجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بغیر مہر کے ہی ہوا تھا کیونکہ آپ کا ان سے نکاح اللہ کے حکم سے قرار پایا تھا۔

4 چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا ملکیت میں آئیں جنھیں آپ نے آزاد کر کے نکاح کر لیا اور ریحانہ اور ماریہ قبطیہ یہ بطور لونڈی آپ کے پاس رہیں۔

5 اس کا مطلب ہے جس طرح آپ نے ہجرت کی، اسی طرح انھوں نے بھی مکے سے مدینہ ہجرت کی کیونکہ آپ کے ساتھ مل کر تو کسی عورت نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔

6 یعنی اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی عورت اگر آپ اس سے نکاح کرنا پسند فرمائیں تو بغیر مہر کے آپ کے لیے اسے اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے۔

اَيۡمَانُهُمۡ لِكَيۡلَا يَكُوۡنَ عَلَيۡكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿50﴾

مومنوں کے لیے نہیں، [1] ہم اُسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے اُن پر اُن کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں (احکام) مقرر کر رکھے ہیں، [2] یہ اس لیے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو، [3] اللہ بہت بخشنے والا اور بڑے رحم والا ہے ○

تُرۡجِىۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـــٔۡوِىۡۤ اِلَيۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابۡتَغَيۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكَ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ تَقَرَّ اَعۡيُنُهُنَّ وَلَا يَحۡزَنَّ وَيَرۡضَيۡنَ بِمَاۤ اٰتَيۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَلِيۡمًا ﴿51﴾

اُن میں سے جسے تو چاہے دُور رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے، [4] اور اگر تُو اُن میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لے جنھیں تُو نے الگ کر رکھا تھا تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں، [5] اس میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ اُن عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تُو اُنھیں دے دے اُس پر سب کی سب راضی رہیں، [6] تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے اُسے اللہ (خوب)

---

1 یہ اجازت صرف آپ کے لیے ہے۔ دیگر مومنوں کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ حق مہر ادا کریں۔

2 یعنی عقد کے جو شرائط اور حقوق ہیں جو ہم نے فرض کیے ہیں کہ مثلاً: چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت کوئی شخص اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، نکاح کے لیے ولی، گواہ اور حق مہر ضروری ہے، البتہ لونڈیاں جتنی کوئی چاہے، رکھ سکتا ہے، لیکن آج کل لونڈیوں کا سلسلہ تو ختم ہے، تاہم جب بھی ایسے حالات پیدا ہوئے، یہ احکام ان پر لاگو ہوں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ تمام امتیوں کے لیے ولی کی اجازت، حق مہر اور گواہ بھی ضروری ہیں۔ ان کے بغیر نکاح، صرف نبی ﷺ کی امتیازی خصوصیت تھی۔ اسی طرح امتی بیک وقت چار سے زیادہ عورتیں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔

3 اس کا تعلق ﴿اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا﴾ سے ہے، یعنی مذکورہ تمام عورتوں کی آپ کے لیے حلت اس لیے ہے تاکہ آپ کو تنگی محسوس نہ ہو اور آپ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح میں گناہ نہ سمجھیں۔

4 اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت کا بیان ہے، وہ یہ کہ بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کرنے میں آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا آپ جس کی باری چاہیں موقوف کر دیں، یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں۔

5 یعنی جن بیویوں کی باریاں موقوف کر رکھی تھیں اگر آپ چاہیں کہ ان سے بھی مباشرت کا تعلق قائم کیا جائے تو یہ اجازت بھی آپ کو حاصل ہے۔

6 یعنی باری موقوف ہونے اور ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے باوجود وہ خوش ہوں گی، غمگین نہیں ہوں گی اور جتنا

جانتا ہے۔ [1] اللہ علم اور حلم والا ہے ○

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ

اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ یہ (درست ہے) کہ اُن کے بدلے اور عورتوں سے (نکاح کرے) اگرچہ اُن کی صورت اچھی بھی لگتی ہو [2] مگر جو

کچھ آپ کی طرف سے انھیں مل جائے گا، اس پر مطمئن رہیں گی۔ کیوں، اس لیے کہ انھیں معلوم ہے کہ پیغمبر یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اجازت سے کر رہے ہیں اور یہ ازواج مطہرات اللہ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو یہ اختیار ملنے کے باوجود آپ نے اسے استعمال نہیں کیا اور سوائے حضرت سودہ ؓ کے (کہ انھوں نے اپنی باری خود ہی حضرت عائشہ ؓ کے لیے ہبہ کر دی تھی) آپ نے تمام ازواج مطہرات کی باریاں برابر برابر مقرر کر رکھی تھیں، اسی لیے آپ نے مرض الموت میں ازواج مطہرات سے اجازت لے کر بیماری کے ایام حضرت عائشہ ؓ کے پاس گزارے، ﴿اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ﴾ کا تعلق آپ ﷺ کے اسی طرز عمل سے ہے کہ آپ ﷺ پر تقسیم اگرچہ (دوسرے لوگوں کی طرح) واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ نے تقسیم کو اختیار فرمایا، اس لیے تاکہ آپ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور آپ کے اس حسن سلوک اور عدل و انصاف سے خوش ہو جائیں کہ آپ نے خصوصی اختیار استعمال کرنے کی بجائے ان کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام فرمایا۔

1 یعنی تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، ان میں یہ بات بھی یقیناً ہے کہ سب بیویوں کی محبت دل میں یکساں نہیں ہے کیونکہ دل پر انسان کا اختیار ہی نہیں ہے، اس لیے بیویوں کے درمیان مساوات باری میں، نان و نفقہ اور دیگر ضروریات زندگی اور آسائشوں میں ضروری ہے جس کا اہتمام انسان کر سکتا ہے۔ دلوں کے میلان میں مساوات چونکہ اختیار ہی میں نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر گرفت بھی نہیں فرمائے گا بشرطیکہ دلی محبت کسی ایک بیوی سے امتیازی سلوک کا باعث نہ ہو۔ اسی لیے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے لیکن جس چیز پر تیرا اختیار ہے، میں اس پر اختیار نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔'' (سنن أبي داود، حديث:2134، و جامع الترمذي، حديث:1140، وسنن النسائي، حديث:3395، و سنن ابن ماجه، حديث:1971، ومسند أحمد:144/6)

2 آیت تخییر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش و راحت کے مقابلے میں عسرت کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا، اس کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ آپ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت 9 تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں آپ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا لیکن آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ (ابن کثیر)

ع 6/12/3 اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿52﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ
اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ
اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا
طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ
لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ
فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ
الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ
مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ
وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ
اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ

تیری مملوکہ ہوں۔ [1] اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے ○
اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لیے (آنے کی) اجازت دی جائے۔ (یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے) اور کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہے بلکہ جب بُلایا جائے، جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل کھڑے ہو، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کو تمھاری اس بات سے تکلیف ہوتی ہے۔ تو وہ لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ (بیان) حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا، [2] جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو، [3] تمھارے اور اُن کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے، [4] نہ تمھیں یہ

1 یعنی لونڈیاں رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض نے اس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر لونڈی بھی رکھنے کی آپ کو اجازت تھی اور بعض نے ﴿وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ (الممتحنة 10:60) ''کافر عورتوں کی ناموس (عصمت) اپنے قبضے میں نہ رکھو۔'' کے پیش نظر اسے آپ کے لیے حلال نہیں سمجھا۔ (فتح القدير)

2 اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے آپ کو خاص تکلیف ہوئی، تاہم حیا و اخلاق کی وجہ سے آپ نے انھیں جانے کے لیے نہیں کہا (صحيح البخاري، حديث:4791)، چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلا دیے گئے کہ ایک تو اس وقت جاؤ، جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے سے ہی جا کر دھرنا مار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ دوسرا: کھاتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ، وہاں بیٹھے ہوئے باتیں مت کرتے رہو۔ کھانے کا ذکر تو سبب نزول کی وجہ سے ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی تمھیں بلایا جائے چاہے کھانے کے لیے یا کسی اور کام کے لیے، اجازت کے بغیر گھر کے اندر داخل مت ہو۔

3 یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر نازل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس اچھے برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں تو کیا اچھا ہو۔ جس پر اللہ نے یہ حکم نازل فرما دیا۔ (صحيح البخاري، حديث:4790، و صحيح مسلم، حديث:2399)

4 یہ پردے کی حکمت اور علت ہے کہ اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے کے

اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ﴿53﴾

جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو [1] اور نہ تمھیں یہ حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ (یاد رکھو) اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا (گناہ) ہے ○ [2]

اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـئًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿54﴾

تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو، اللہ تو ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے ○

لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِنَّ فِىۡۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيۡنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿55﴾

اُن عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (میل جول کی) عورتوں اور ملکیت کے ماتحتوں (لونڈی، غلام) کے سامنے ہوں۔ [3] (عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو۔ اللہ یقیناً ہر چیز پر شاہد ہے ○ [4]

ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

1 چاہے وہ کسی بھی لحاظ سے ہو۔ آپ ﷺ کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا، آپ کی خواہش کے بغیر گھر میں بیٹھے رہنا اور بغیر حجاب کے ازواج مطہرات سے گفتگو کرنا، یہ امور بھی ایذا کا باعث ہیں، ان سے بھی اجتناب کرو۔

2 یہ حکم ان ازواج مطہرات کے بارے میں ہے جو وفات کے وقت نبی ﷺ کے حبالۂ عقد میں تھیں، تاہم جن کو آپ نے ہم بستری کے بعد زندگی میں طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں۔ اس میں دو رائے ہیں۔ بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں۔ لیکن آپ کی ایسی کوئی بیوی تھی ہی نہیں، اس لیے یہ محض ایک فرضی شکل ہے۔ علاوہ ازیں ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ کا نکاح ہوا لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ نے طلاق دے دی۔ ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

3 جب عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانے والے رشتے داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں، چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کر دیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل ﴿ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ ﴾ (النور 24:31) میں بھی گزر چکی ہے، اسے ملاحظہ فرما لیا جائے۔

4 اس مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمھارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد، قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے، وہ یقیناً تمھیں حاصل ہوگا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿56﴾	اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو ○ [1]

تمھیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔

1 اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ ومنزلت کا بیان ہے جو مَلاً أَعْلٰی (آسمانوں) میں آپ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں میں آپ کی ثنا وتعریف کرتا اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ کی بلندئ درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلاۃ وسلام بھیجیں تاکہ آپ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں (التحیات میں «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ» پڑھتے ہیں) ہم درود کس طرح پڑھیں۔ اس پر آپ ﷺ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:4797) علاوہ ازیں احادیث میں درود کے اور بھی صیغے آتے ہیں جو پڑھے جا سکتے ہیں، تاہم «اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ» پڑھنا اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں نبی ﷺ سے خطاب ہے اور اس کا پڑھنے والا اس فاسد عقیدے سے پڑھتا ہے کہ آپ براہ راست سنتے ہیں۔ یہ عقیدۂ فاسدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اس عقیدے سے مذکورہ خانہ ساز درود پڑھنا بھی غیر صحیح ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل اسے پڑھنا بھی بدعت ہے جو ثواب نہیں گناہ ہے۔ احادیث میں درود کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے یا سنت۔ جمہور علماء اسے سنت سمجھتے ہیں اور امام شافعی اور بہت سے علماء واجب۔ ان کے نزدیک پہلے تشہد میں بھی درود پڑھنے کی وہی حیثیت ہے جو آخری تشہد میں پڑھنے کی ہے، تاہم اس سے یہ واضح ہے کہ پہلے تشہد میں درود پڑھنا یقیناً مستحب عمل ہے۔ اس کے لیے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام کس طرح پڑھنا ہے، یہ تو ہم نے جان لیا (کہ ہم تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ پڑھتے ہیں) لیکن جب ہم نماز میں ہوں تو آپ پر درود کس طرح پڑھیں۔ تو آپ نے درود ابراہیمی کی تلقین فرمائی (الفتح الرباني:21،20/4) مسند احمد کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان، سنن کبری بیہقی، مستدرک حاکم اور ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ جس طرح سلام نماز میں پڑھا جاتا ہے، یعنی تشہد میں، اسی طرح یہ سوال بھی نماز کے اندر درود پڑھنے سے متعلق تھا، نبی ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے ساتھ درود بھی پڑھنا چاہیے اور اس کا مقام تشہد ہے۔ اور حدیث میں یہ عام ہے، اسے پہلے یا دوسرے تشہد کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ (پہلے اور دوسرے) دونوں تشہد میں سلام اور درود پڑھا جائے۔ اور جن

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿57﴾

بے شک جولوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور اُن کے لیے نہایت رُسوا کُن عذاب ہیں ○ [1]

وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَيۡرِ مَا اكۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿58﴾ ع

اور جولوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیں بغیر کسی جرم کے جو اُن سے سرزد ہوا ہو، وہ (بڑے ہی) بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں ○ [2]

روایات میں تشہد اول کا بغیر درود کے ذکر ہے، انھیں سورۂ احزاب کی آیت: ﴿صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا﴾ کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن اس آیت کے نزول، یعنی 5 ہجری کے بعد جب نبی ﷺ نے صحابہ کے استفسار پر درود کے الفاظ بھی بیان فرما دیے تو نماز میں سلام کے ساتھ صلاۃ (درود شریف) کا پڑھنا بھی مشروع ہو گیا، چاہے وہ پہلا تشہد ہو یا دوسرا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ (بعض دفعہ) رات کو 9 رکعات ادا فرماتے، آٹھویں رکعت میں تشہد بیٹھتے تو اس میں اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں بیٹھتے تو اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے اور پھر دعا کرتے، پھر سلام پھیر دیتے۔ (السنن الكبرٰى للبيهقي:125/4، وسنن النسائي مع التعليقات السلفية:498/2 مزید ملاحظہ ہو صفة صلاة النبي ﷺ للألباني، ص:145) اس میں بالکل صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی رات کی نماز میں پہلے اور آخری دونوں تشہد میں درود پڑھا ہے۔ یہ اگرچہ نفلی نماز کا واقعہ ہے لیکن مذکورہ عمومی دلائل کی آپ کے اس عمل سے تائید ہو جاتی ہے، اس لیے اسے صرف نفلی نماز تک محدود کر دینا صحیح نہیں ہوگا۔

1 اللہ کو ایذا دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب ہے جسے وہ ناپسند فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے، جیسے مشرکین، یہود اور نصارٰی وغیرہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کی رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4826، وصحيح مسلم، حديث: 2-(2246)) یعنی یہ کہنا کہ زمانے نے یا فلک کج رفتار نے ایسا کر دیا، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ افعال اللہ کے ہیں، زمانے یا فلک کے نہیں۔ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا، آپ کی تکذیب، آپ کو شاعر، کذاب، ساحر وغیرہ کہنا ہے۔ علاوہ ازیں بعض احادیث میں صحابۂ کرام کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص واہانت کو بھی آپ نے ایذا قرار دیا ہے۔ لعنت کا مطلب، اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

2 یعنی ان کو بدنام کرنے کے لیے ان پر بہتان باندھنا، ان کی ناجائز تنقیص وتوہین کرنا، جیسے روافض صحابۂ کرام پر

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِهِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ فَلَا یُؤۡذَیۡنَ ؕ وَ کَانَ

اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، [1] اس سے بہت جلد اُن کی

سب وشتم کرتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انھوں نے نہیں کیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ''رافضی منکوس القلوب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔''

1 جَلَابِیبُ، جِلۡبَابٌ کی جمع ہے جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے۔ پاک و ہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقع کی جو مختلف صورتیں ہیں، عہد رسالت میں یہ برقع عام نہیں تھے کیونکہ عہد رسالت وعہد صحابہ وتابعین میں معاشرت (رہن سہن اور بود و باش) بالکل سادہ تھی، عورتیں نہایت سادہ لباس پہنتی تھیں، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا، اس لیے ایک بڑی چادر سے بھی پردے کے تقاضے پورے ہو جاتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی، اس کی جگہ تجمل اور زینت نے لے لی اور عورتوں کے اندر زرق برق لباس اور زیورات کی نمائش عام ہوگئی جس کی وجہ سے چادر سے پردہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی جگہ مختلف انداز کے برقع عام ہو گئے۔ گو اس سے بعض دفعہ عورت کو، بالخصوص سخت گرمی میں، کچھ دقت بھی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ ذراسی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تاہم جو عورت برقع کی بجائے پردے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانکتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً پردے کے حکم کو بجا لاتی ہے کیونکہ برقع ایسی لازمی شے نہیں ہے جسے شریعت نے پردے کے لیے لازمی قرار دیا ہو۔ لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ پہلے وہ برقع کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں، پھر چادر بھی غائب ہو جاتی ہے، صرف دوپٹہ رہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لیے اس کا لینا بھی گراں ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب برقع کا استعمال ہی صحیح ہے کیونکہ جب سے برقع کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پردگی عام ہوگئی ہے بلکہ عورتیں نیم برہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۝ ﴾ بہر حال اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ باور کراتے ہیں یا اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کی ایک بیٹی نہیں تھی جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے بلکہ آپ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ نص قرآنی سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ وسیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿59﴾

شناخت ہو جایا کرے گی، پھر نہ ستائی جائیں گی،[1] اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿60﴾

اگر (اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینے میں غلط افواہیں اڑانے والے ہیں[2] باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان (کی تباہی) پر مسلط کر دیں گے، پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس (شہر) میں رہ سکیں گے ○

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿61﴾

ان پر پھٹکار برسائی گئی، جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں ○[3]

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿62﴾ ع

ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا اور تو اللہ کے دستور میں ہرگز ردو بدل نہ پائے گا ○

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿63﴾

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، آپ کو کیا خبر بہت ممکن ہے قیامت بالکل ہی قریب ہو ○

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿64﴾

اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○

خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا

جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار

---

1 یہ پردے کی حکمت اور اس کے فائدے کا بیان ہے کہ اس سے ایک شریف زادی اور باحیا عورت اور بے شرم اور بدکار عورت کے درمیان پہچان ہوگی۔ پردے سے معلوم ہوگا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت کسی کو نہیں ہوگی، اس کے برعکس بے پردہ عورت اوباشوں کی نگاہوں کا مرکز اور ان کی بوالہوسی کا نشانہ بنے گی۔

2 مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے منافقین افواہیں اڑاتے رہتے تھے کہ مسلمان فلاں علاقے میں مغلوب ہو گئے یا دشمن کا لشکر جرار حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

3 یہ حکم نہیں ہے کہ ان کو پکڑ کر مار ڈالا جائے بلکہ بددعا ہے کہ اگر وہ اپنے نفاق اور ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کا نہایت عبرت ناک حشر ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم ہے۔ لیکن یہ منافقین نزول آیت کے بعد اپنی حرکتوں سے باز آ گئے تھے، اس لیے ان کے خلاف یہ کارروائی نہیں کی گئی جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا تھا۔ (فتح القدير)

نَصِيۡرًا ۚ﴿65﴾
يَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِى النَّارِ يَقُوۡلُوۡنَ يٰلَيۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ وَاَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ﴿66﴾

وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا ﴿67﴾

رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ ضِعۡفَيۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ وَالۡعَنۡهُمۡ لَعۡنًا كَبِيۡرًا ﴿68﴾ ع 8/10 5

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوۡا ؕ وَكَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ وَجِيۡهًا ﴿69﴾

نہ پائیں گے ○

اُس دن اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پُلٹ کیے جائیں گے۔ (حسرت وافسوس سے) کہیں گے کہ کاش! ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ○

اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنھوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا ○[1]

پروردگار! تُو اُنھیں دگنا عذاب دے اور اُن پر بہت بڑی لعنت نازل فرما ○

اے ایمان والو! اُن لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی، پس جو بات اُنھوں نے کہی تھی اللہ نے اُنھیں اُس سے بری فرما دیا[2] اور وہ اللہ کے نزدیک

---

1 یعنی ہم نے تیرے پیغمبروں اور داعیان دین کی بجائے اپنے ان بڑوں اور بزرگوں کی پیروی کی لیکن آج ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے ہمیں تیرے پیغمبروں سے دور رکھ کر راہ راست سے بھٹکائے رکھا۔ آباء پرستی اور تقلید اکابر آج بھی لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے۔ کاش! مسلمان آیات الٰہی پر غور کر کے ان پگڈنڈیوں سے نکلیں اور قرآن وحدیث کی صراط مستقیم کو اختیار کر لیں کہ نجات صرف اور صرف اللہ اور رسول کی پیروی میں ہی ہے۔ نہ کہ مشائخ و اکابر کی تقلید میں یا آباء واجداد کے فرسودہ طریقوں کے اختیار کرنے میں۔

2 اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت باحیا تھے، چنانچہ اپنا جسم انھوں نے کبھی لوگوں کے سامنے ننگا نہیں کیا۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی اس قسم کی آفت ہے جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرنے لگے، کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے۔ پتھر (اللہ کے حکم سے) کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے دوڑے حتی کہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گئے، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھا تو ان کے سارے شبہات دور ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت حسین وجمیل اور ہر قسم کے داغ اور عیب سے پاک تھے۔ یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے معجزانہ طور پر پتھر کے ذریعے سے ان کی اس الزام اور شبہے سے براءت کر دی جو بنی اسرائیل کی طرف سے ان پر کیا جاتا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث:3404) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے اہل ایمان کو

باعزت تھے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ۙ﴿۷۰﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو ○ [1]

يُّصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۱﴾

تاکہ اللہ تمھارے کام سنوار دے اور تمھارے گناہ معاف فرما دے، [2] اور جو بھی اللہ اور اُس کے رسول کی تابعداری کرے گا۔ اُس نے بڑی مراد پالی ○

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا

ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اُس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اُس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اُسے اٹھا لیا، [3] وہ

سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا مت پہنچاؤ اور آپ ﷺ کی بابت ایسی بات مت کرو جسے سن کر آپ قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسے ایک موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم میں ایک شخص نے کہا کہ اس میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ جب آپ ﷺ تک یہ الفاظ پہنچے تو غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، آپ نے فرمایا: ”موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو، انھیں اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی گئی لیکن انھوں نے صبر کیا۔“ (صحيح البخاري، حديث:3150، وصحيح مسلم، حديث:1062)

1 یعنی ایسی بات جس میں کجی اور انحراف ہو نہ دھوکا اور فریب۔ بلکہ سچ اور حق ہو۔ ﴿سَدِيۡدًا﴾ تَسۡدِيۡدُ السَّهۡمِ سے ہے، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اسی طرح تمھاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمھارا اخلاق و کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔

2 یہ تقویٰ اور قولِ سدید کا نتیجہ ہے کہ تمھارے عملوں کی اصلاح ہو گی اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے جاؤ گے اور کچھ کمی کوتاہی رہ جائے گی تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

3 جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ طاعت کا اجر و ثواب اور اہلِ معصیت کا وبال اور عذاب بیان کر دیا تو اب شرعی احکام اور اس کی صعوبت کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ امانت سے وہ احکامِ شرعیہ اور فرائض و واجبات مراد ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اور ان سے اعراض و انکار پر عذاب ہو گا۔ جب یہ تکالیفِ شرعیہ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے۔ لیکن جب انسان پر یہ چیز پیش کی گئی تو وہ اطاعتِ الٰہی (امانت) کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بارِ گراں کو اٹھانے پر آمادہ ہو گیا۔ احکامِ شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرما دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ پیش کرنے کا مطلب کیا ہے۔ اور آسمان و زمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا۔ اور انسان نے اسے کس وقت قبول کیا۔ اس کی

الۡاِنۡسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ﴿72﴾
لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ
وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ وَيَتُوۡبَ اللّٰهُ
عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِؕ وَكَانَ اللّٰهُ
ع 5/6 غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿73﴾

بڑا ہی ظالم جاہل ہے ○ [1]
(یہ اس لیے) کہ اللہ منافق مردوں، عورتوں اور مُشرک مردوں، عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں عورتوں کی توبہ قبول فرمائے، [2] اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے ○

آیاتھا 54 (34) سُوۡرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ (58) رکوعاتھا 6

سورۂ سبا مکی ہے، اس میں 54 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِى الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى الۡاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ
الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ﴿1﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ [3] آخرت میں بھی تعریف اُسی کے لیے ہے، [4] وہ (بڑی)

پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس وشعور رکھا ہے، گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے، اس نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہوگا جسے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کر دیا۔ اور یہ انکار انھوں نے سرکشی وبغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس میں یہ خوف کارفرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی۔ انسان چونکہ جلد باز ہے، اس نے عقوبت وتعزیر کے پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا اور حصول فضیلت کے شوق میں اس ذمے داری کو قبول کر لیا۔

1 یعنی یہ بارگراں اٹھا کر اس نے اپنے نفس پر ظلم کا ارتکاب اور اس کے مقتضیات سے اعراض یا اس کی قدر و قیمت سے غفلت کر کے جہالت کا مظاہرہ کیا۔

2 اس کا تعلق ﴿حَمَلَهَا﴾ سے ہے، یعنی انسان کو اس امانت کا ذمے دار بنانے سے مقصد یہ ہے کہ اہل نفاق و اہل شرک کا نفاق وشرک اور اہل ایمان کا ایمان ظاہر ہو جائے اور پھر اس کے مطابق انھیں جزا وسزا دی جائے۔

3 یعنی اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ اس میں نافذ ہوتا ہے۔ انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے، وہ اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کا احسان ہے، اسی لیے آسمان وزمین کی ہر چیز کی تعریف دراصل ان نعمتوں پر اللہ ہی کی حمد وتعریف ہے جن سے اس نے اپنی مخلوق کو نوازا ہے۔

4 یہ تعریف قیامت والے دن اہل ایمان کریں گے، مثلاً: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ صَدَقَنَا وَعۡدَهٗ﴾ (الزمر 39:74) ’’اللہ ہی کی تعریف ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا۔‘‘ یا ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا﴾ (الأعراف 7:43)

حکمتوں والا اور (پورا) خبردار ہے ○

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

جو زمین میں جائے [1] اور جو اُس سے نکلے جو آسمان سے اترے [2] اور جو چڑھ کر اُس میں جائے [3] وہ سب سے باخبر ہے اور وہ مہربان نہایت بخشش والا ہے ○

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ③

اور کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہہ دیجیے! کیوں نہیں! مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی [4] اللہ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں [5] نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے ○ [6]

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

تاکہ وہ ایمان والوں اور نیکوکاروں کو اچھا بدلہ عطا فرمائے، [7] یہی لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور عزت

''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا۔'' ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ (فاطر35:34) ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے غم کو ہم سے دور کیا۔'' وَغَيْرُهَا مِنَ الْاٰيَاتِ. تاہم دنیا میں اللہ کی حمد و تعریف، عبادت ہے جس کا مُکلّف انسان کو بنایا گیا ہے اور آخرت میں یہ اہل ایمان کی روحانی خوراک ہو گی جس سے انھیں لذت و فرحت محسوس ہوا کرے گی۔ (فتح القدير)

1 مثلاً: بارش، خزانہ اور دفینہ وغیرہ۔

2 بارش، اولے، گرج، بجلی اور برکات الٰہی وغیرہ، نیز فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا نزول۔

3 یعنی فرشتے اور بندوں کے اعمال۔

4 قسم بھی کھائی اور صیغہ بھی تاکید کا اور اس پر مزید لام تاکید، یعنی قیامت کیوں نہیں آئے گی۔ وہ تو بہر صورت یقیناً آئے گی۔

5 ﴿لَا يَعْزُبُ﴾ غائب اور پوشیدہ اور دور نہیں، یعنی جب آسمان و زمین کا کوئی ذرہ اس سے غائب اور پوشیدہ نہیں تو پھر تمھارے اجزائے منتشرہ کو، جو مٹی میں مل گئے ہوں گے، جمع کر کے دوبارہ تمھیں زندہ کر دینا کیوں ناممکن ہو گا۔

6 یعنی وہ لوح محفوظ میں موجود اور درج ہے۔

7 یہ وقوع قیامت کی علت ہے، یعنی قیامت اس لیے برپا ہو گی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لیے دوبارہ زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا عطا فرمائے کیونکہ جزا کے لیے ہی اس نے یہ دن رکھا ہے۔ اگر یہ یوم جزا

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦

کی روزی ہے ○

اور ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی جنھوں نے کوشش کی ہے۔[1] یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سخت درد ناک عذاب کی سزا ہے ○

اور جنھیں علم ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ (سراسر) حق ہے[2] اور (اللہ) غالب خوبیوں والے کی راہ کی رہبری کرتا ہے ○[3]

اور کافروں نے کہا[4] (آؤ) ہم تمھیں ایک ایسا شخص بتلائیں[5] جو تمھیں یہ خبر پہنچا رہا ہے[6] کہ جب تم بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم پھر سے ایک نئی پیدائش

نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک و بد دونوں یکساں ہیں۔ اور یہ بات عدل و انصاف کے قطعًا منافی اور بندوں بالخصوص نیکوں پر ظلم ہوگا۔ ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ''اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

1 یعنی ہماری ان آیتوں کا بطلان اور تکذیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ ﴿ مُعٰجِزِيْنَ ﴾ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم ان کی گرفت سے عاجز ہوں گے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر کسی کے سامنے اپنے کیے دھرے کی جواب دہی کریں گے۔ ان کا یہ سمجھنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہوگا، اس لیے قیامت کا خوف ہمیں کیوں ہو۔

2 یہاں رؤیت سے مراد رؤیت قلبی، یعنی علم یقینی ہے، محض رؤیت بصری (آنکھ کا دیکھنا) نہیں۔ اہل علم سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا مومنین اہل کتاب یا تمام ہی مومنین ہیں، یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

3 یہ عطف ہے حق پر، یعنی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب ہے اور اپنی مخلوق میں محمود (قابل تعریف) ہے۔ اور وہ راستہ کیا ہے۔ توحید کا راستہ جس کی طرف تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

4 یہ اہل ایمان کے مقابلے میں منکرین آخرت کا قول ہے جو آپس میں انھوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

5 اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو ان کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے تھے۔

6 یعنی عجیب و غریب خبر، نا قابل فہم خبر۔

اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ⑧

اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡہِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ
ع 1/9 7 اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ⑨

میں آ ؤ گے ○ [1]

(ہم نہیں کہہ سکتے) کہ خود اُس نے (ہی) اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اُسے دیوانگی ہے [2] بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں ○ [3]

کیا پس وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو دیکھ نہیں رہے؟ [4] اگر ہم چاہیں تو اُنھیں زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں، [5] یقیناً اس میں پوری دلیل ہے ہر اُس بندے کے لیے جو (دل سے) متوجہ ہو ○

1 یعنی مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تمھارا ظاہری وجود ناپید ہو جائے گا، تمھیں قبروں سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور دوبارہ وہی شکل وصورت تمھیں عطا کر دی جائے گی جس میں تم پہلے تھے۔ یہ گفتگو انھوں نے آپس میں استہزا اور مذاق کے طور پر کی۔

2 یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی و رسالت کا دعویٰ، یہ اس کا اللہ پر افترا ہے۔ یا پھر اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے جو غیر معقول ہیں۔

3 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بات اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل وفہم اور ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کی بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔

4 یعنی اس پر غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آخرت کا یہ انکار، آسمان و زمین کی پیدائش میں غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ جو ذات آسمان جیسی چیز، جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے، اور زمین جیسی چیز جس کا طول وعرض بھی ناقابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اپنی ہی پیدا کردہ چیز کا دوبارہ پیدا کر دینا اور اسے دوبارہ اسی حالت میں لے آنا، جس میں وہ پہلے تھی، کیونکر ناممکن ہے۔

5 یعنی یہ آیت دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک: اللہ کے کمال قدرت کا بیان جو ابھی مذکور ہوا، دوسرا: کفار کے لیے تنبیہ وتہدید کہ جو اللہ آسمان وزمین کی تخلیق پر اس طرح قادر ہے کہ ان پر اور ان کے مابین ہر چیز پر اس کا تصرف اور غلبہ ہے، وہ جب چاہے ان پر اپنا عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر سکتا ہے۔ زمین میں دھنسا کر بھی جس طرح قارون کو دھنسایا یا آسمان کے ٹکڑے گرا کر جس طرح اصحاب الایکہ کو ہلاک کیا گیا۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًاؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَهٗ وَالطَّیۡرَۚ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِیۡدَ ﴿10﴾

اور ہم نے داود پر اپنا فضل کیا، [1] اے پہاڑو! اُس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی [2] (یہی حکم ہے) اور ہم نے اُس کے لیے لوہا نرم کر دیا○ [3]

اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًاؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

کہ تُو پوری پوری زرہیں [4] بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ [5] اور تم سب نیک کام کیا کرو۔ [6] یقیناً میں تمھارے

---

1 یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا۔

2 ان میں سے ایک حسن صوت کی نعمت تھی، جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو جاتے، اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہو جاتے، ﴿اَوِّبِیۡ﴾ کے معنی ہیں: تسبیح دہراؤ، یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو ہم نے کہا، چنانچہ یہ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے۔ ﴿وَالطَّیۡرَ﴾ کا عطف یا ﴿یٰجِبَالُ﴾ کے محل پر ہے، اس لیے کہ ﴿یٰجِبَالُ﴾ تقدیرًا منصوب ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے نَادَیْنَا الْجِبَالَ وَالطَّیْرَ ''ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو پکارا۔'' یا پھر اس کا عطف ﴿فَضۡلًا﴾ پر ہے اور معنی ہوں گے۔ وَسَخَّرْنَا لَهُ الطَّیْرَ ''اور ہم نے پرندے ان کے تابع کر دیے۔'' (فتح القدیر)

3 یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹے بغیر موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح، جس طرح چاہتے موڑ لیتے، بٹ لیتے اور جو چاہتے بنا لیتے۔ یہ گویا ایک معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا تھا۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے اس معجزے کا انکار کیا ہے اور اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد لوہے کی صنعت کا علم اور اس کے استعمال کا اعلیٰ فن ہے، جس کو بروئے کار لا کر انھوں نے لوہے کو پگھلانے اور اس سے نہایت باریک کڑیوں کی زرہیں بنانے کے فن کو خوب ترقی دی۔ لیکن اس تاویل سے اس کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے جو قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتی ہے۔

4 ﴿سٰبِغٰتٍ﴾ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دُرُوعًا سَابِغَاتٍ یعنی پوری لمبی زرہیں جو لڑنے والے کے پورے جسم کو صحیح طریقے سے ڈھانک لیں اور اسے دشمن کے وار سے محفوظ رکھیں۔

5 تاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں یا سخت یا نرم نہ ہوں، یعنی کڑیوں کے جوڑنے میں کیل اتنے باریک نہ ہوں کہ جوڑ حرکت کرتے رہیں اور ان میں قرار و ثبات نہ آئے اور نہ اتنے موٹے ہوں کہ اسے توڑ ہی ڈالیں یا جس سے حلقہ تنگ ہو جائے اور اسے پہنا نہ جا سکے۔ یہ زرہ بافی کی صنعت کے بارے میں حضرت داود علیہ السلام کو ہدایات دی گئیں۔

6 یعنی ان نعمتوں کے بدلے میں عمل صالح کا اہتمام کرو تاکہ میرا عملی شکر بھی ہوتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اسے اسی حساب سے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے اور شکر میں بنیادی چیز یہی ہے کہ منعم کو راضی رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے، یعنی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور نافرمانی سے بچا جائے۔

بَصِيۡرٌ ⑪
وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ ۚ وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ يَّعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنۡ يَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ ⑫

اعمال دیکھ رہا ہوں ○
اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اُس کی مہینے بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی [1] اور ہم نے اُن کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا [2] اور اُس کے رب کے حکم سے بعض جنات اُس کی ماتحتی میں اُس کے سامنے کام کرتے تھے اور اُن میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اُسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○ [3]

---

1 یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام مع اعیان سلطنت اور لشکر، تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوائیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے رات تک ایک مہینے کے برابر مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت طے ہو جاتی۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے اس معجزے کا بھی انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا کے کنٹرول کرنے کا فن عطا فرمایا گیا تھا جس سے انھوں نے اپنے بحری بیڑے کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے جہازات مہینوں کا سفر بے روک ٹوک جاری رکھتے۔ ہوا سے مقصود جہازوں کا جانا آنا ہے اور ﴿غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ﴾ سے طول سفر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی ایک ٹرپ مہینہ مہینہ بھر کی طویل مدت پر ممتد ہوتی۔ (تدبر قرآن: 301/6) ہمارے نزدیک مفسر مذکور کی یہ تفسیر دور از کار تاویل ہی نہیں بلکہ تحریف معنوی ہے۔ فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنهَا.

2 یعنی جس طرح حضرت داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ ہم نے جاری کر دیا تاکہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں، بنائیں۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے اسے بھی تانبے کی صنعت کے علم سے تعبیر کیا ہے، جیسے حضرت داود علیہ السلام کو لوہے کی صنعت کے علم سے نوازا گیا تھا، حضرت سلیمان کو تانبے کی صنعت کے علم سے نوازا گیا اور ان کے زمانے میں تانبے کی بہت بڑی مقدار ظاہر ہوئی اور اس کو انھوں نے اپنی تمدنی وتعمیری ترقیوں میں نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا۔ اس تاویل سے بھی اصل مقصود اس کی اعجازی حیثیت کا انکار کرنا ہے۔ اسی طرح جنات کی تسخیر کا مطلب بھی یہ کہہ کر کہ جنات کی تسخیر کا علم حضرت سلیمان کو عطا کیا گیا تھا، معجزۂ تسخیر جنات کا بھی انکار کیا گیا ہے۔ (دیکھیے تفسیر تدبر قرآن: 302/6)

3 اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سزا قیامت والے دن دی جائے گی۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ دنیوی سزا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرما دیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا سوٹا ہوتا تھا۔ جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا، فرشتہ وہ سوٹا اسے مارتا، جس سے وہ جل کر بھسم ہو جاتا۔ (فتح القدیر)

يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ﴿13﴾

جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے (مثلاً) قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولھوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں،[1] اے آلِ داود، اس کے شکریے میں نیک عمل کرو، میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں ○

فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ ﴿14﴾

پھر جب ہم نے اُن پر موت کا حکم بھیج دیا تو اُن کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا، پس جب (سلیمان) گر پڑے اُس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ (جن) غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے ○ [2]

لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِىۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ

قوم سبا کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی تھی[3] اُن کے دائیں بائیں دو باغ

---

1 ﴿مَّحَارِيۡبَ﴾ مِحرَاب کی جمع ہے، بلند جگہ یا اچھی عمارت، مطلب ہے بلند محلات، عالی شان عمارتیں یا مساجد ومعابد۔ ﴿تَمَاثِيۡلَ﴾ تمثال کی جمع ہے، تصویر۔ یہ تصویریں غیرحیوان چیزوں کی ہوتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ انبیاء وصلحاء کی تصاویر مسجدوں میں بنائی جاتی تھیں تاکہ انھیں دیکھ کر لوگ بھی عبادت کریں۔ یہ معنی اس صورت میں صحیح ہے جب تسلیم کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویر سازی کی اجازت تھی۔ جو صحیح نہیں، تاہم اسلام میں تو نہایت سختی کے ساتھ اس کی ممانعت ہے۔ ﴿جِفَانٍ﴾ جَفۡنَةٌ کی جمع ہے، لگن ﴿كَالۡجَوَابِ﴾ جَابِيَةٌ کی جمع ہے، حوض جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے، یعنی حوض جتنے بڑے بڑے لگن، ﴿قُدُوۡرٍ﴾ دیگیں، ﴿رّٰسِيٰتٍ﴾ جمی ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دیگیں پہاڑوں کو تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ جنھیں ظاہر ہے اٹھا کر ادھر ادھر نہیں لے جایا جا سکتا تھا، اس میں بیک وقت ہزاروں افراد کا کھانا پک جاتا تھا۔ یہ سارے کام جنات کرتے تھے۔

2 حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعے سے اس عقیدے کے فساد کو واضح کر دیا۔

3 سَبَا وہی قوم تھی جس کی ملکۂ سبا مشہور ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔ قوم ہی کے نام پر ملک کا نام بھی سبا تھا، آج کل یہ یمن میں واقع ہے۔ یہ بڑا خوش حال ملک تھا، یہ ملک بری و بحری تجارت میں بھی ممتاز تھا اور زراعت و باغبانی میں بھی نمایاں۔ اور یہ دونوں ہی چیزیں کسی ملک اور قوم کی خوش حالی کا باعث ہوتی

رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿15﴾

تھے [1] (ہم نے اُن کو حکم دیا تھا کہ) اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ [2] اور اُس کا شکر ادا کرو، [3] عمدہ شہر ہے [4] اور بخشنے والا رب ہے ○ [5]

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَىۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ﴿16﴾

لیکن انھوں نے رُوگردانی کی تو ہم نے اُن پر زور کے سیلاب (کا پانی) بھیج دیا اور ہم نے اُن کے (ہرے بھرے) باغوں کے بدلے دو (ایسے) باغ دیے جو بدمزہ میووں والے اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں والے تھے ○ [6]

ہیں۔ اسی مال و دولت کی فراوانی کو یہاں قدرت الٰہی کی نشانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

1 کہتے ہیں کہ شہر کے دونوں طرف پہاڑ تھے، جن سے چشموں اور نالوں کا پانی بہ بہ کر شہر میں آتا تھا، ان کے حکمرانوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے تعمیر کرا دیے اور ان کے ساتھ باغات لگا دیے گئے جس سے پانی کا رخ بھی متعین ہو گیا اور باغوں کو بھی سیرابی کا ایک قدرتی ذریعہ میسر آ گیا۔ انھی باغات کو دائیں بائیں دو باغوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں: ﴿جَنَّتَيۡنِ﴾ سے دو باغ نہیں بلکہ دائیں بائیں کی دو جہتیں مراد ہیں اور مطلب باغوں کی کثرت ہے کہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھیں، باغات، ہریالی اور شادابی ہی نظر آتی تھی۔ (فتح القدیر)

2 یہ ان کے پیغمبروں کے ذریعے سے کہلوایا گیا یا مطلب ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

3 یعنی منعم و محسن کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے اجتناب۔

4 یعنی باغوں کی کثرت اور پھلوں کی فراوانی کی وجہ سے یہ شہر عمدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے یہ شہر مکھی، مچھر اور اس قسم کے دیگر موذی جانوروں سے بھی پاک تھا۔ وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ

5 یعنی اگر تم رب کا شکر کرتے رہو گے تو وہ تمھارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ انسان توبہ کرتے رہیں تو پھر گناہ ہلاکت عام اور سلب انعام کا سبب نہیں بنتے بلکہ اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔

6 یعنی انھوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے اور بند تعمیر کر کے پانی کی جو رکاوٹ کی تھی اور اسے زراعت و باغبانی کے کام میں لاتے تھے، ہم نے تند و تیز سیلاب کے ذریعے سے ان بندوں اور پشتوں کو توڑ ڈالا اور شاداب اور پھل دار باغوں کو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں صرف قدرتی جھاڑ جھنکاڑ ہوتے ہیں جن میں اول تو کوئی پھل لگتا ہی نہیں اور کسی میں لگتا بھی ہے تو سخت کڑوا، کسیلا اور بدمزہ جنھیں کوئی کھا ہی نہیں سکتا، البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کانٹے زیادہ اور بیر کم تھے۔ ﴿الۡعَرِمِ﴾ عَرِمَةٌ کی جمع ہے، پشتہ یا بند، یعنی ایسا زور کا پانی بھیجا جس نے اس بند

ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَهَلۡ نُجٰزِيۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ⑰

ہم نے اُن کی ناشکری کا یہ بدلہ اُنھیں دیا۔ ہم (ایسی) سخت سزا بڑے بڑے ناشکروں کو ہی دیتے ہیں ○

وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ الۡقُرَى الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرۡنَا فِيۡهَا السَّيۡرَ ؕ سِيۡرُوۡا فِيۡهَا لَيَالِىَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيۡنَ ⑱

اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آباد) رکھی تھیں جو برسرِ راہ ظاہر تھیں،[1] اور اُن میں چلنے کی منزلیں مقرر کر دی تھیں،[2] اُن میں راتوں اور دنوں کو باامن وامان چلتے پھرتے رہو ○[3]

فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا وَظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ وَمَزَّقۡنٰهُمۡ

لیکن اُنھوں نے پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر دور دراز کر دے[4] چونکہ خود اُنھوں نے اپنے

میں شگاف ڈال دیا اور پانی شہر میں بھی آ گیا جس سے ان کے مکانات ڈوب گئے اور باغوں کو بھی اجاڑ کر ویران کر دیا۔ یہ بند سد مآرب کے نام سے مشہور ہے۔

1 برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں، یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ﴿ظَاهِرَةً﴾ کے معنی: مُتَوَاصِلًا، ایک دوسرے سے پیوست اور مسلسل کے کیے ہیں۔ مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد 4 ہزار سات سو بتلائی ہے۔ یہ ان کی تجارتی شاہراہ تھی جو مسلسل آباد تھی جس کی وجہ سے ایک تو ان کے کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے زادراہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے: ویرانی کی وجہ سے لوٹ مار اور قتل وغارت کا جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا تھا۔

2 یعنی ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ متعین اور معلوم تھا اور اس کے حساب سے وہ بہ آسانی اپنا سفر طے کر لیتے تھے، مثلاً: صبح سفر کا آغاز کرتے تو دوپہر تک کسی آبادی اور قریے تک پہنچ جاتے، وہاں کھا پی کر قیلولہ کرتے اور پھر سرگرم سفر ہو جاتے تو رات کو کسی آبادی میں جا پہنچتے۔

3 یہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ اور زادراہ کی مشقت سے بے نیاز ہونے کا بیان ہے کہ رات اور دن کی جس گھڑی میں تم سفر کرنا چاہو، کرو، نہ جان ومال کا کوئی اندیشہ نہ راستے کے لیے سامان سفر ساتھ لینے کی ضرورت۔

4 یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں، خطرات اور موسم کی شدتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ہمارے سفر بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کی بجائے درمیان میں سنسان وویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں یخ بستہ ہوائیں ہمیں پریشان کریں اور راستے میں بھوک اور پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لیے ہمیں زادراہ کا بھی انتظام کرنا پڑے۔ ان کی یہ دعا اسی طرح کی ہے، جیسے بنی اسرائیل

كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿19﴾

ہاتھوں اپنا بُرا کیا اس لیے ہم نے اُنھیں (گزشتہ) افسانوں کی صورت میں کر دیا[1] اور اُن کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے،[2] بلاشبہ ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لیے اس میں بہت سی عبرتیں ہیں ○

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿20﴾

اور شیطان نے اُن کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا سو یہ لوگ سب کے سب اُس کے تابعدار بن گئے، سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے ○

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿21﴾ ع

ع 2 12 8

شیطان کا اُن پر کوئی زور (اور دباؤ) نہ تھا مگر اس لیے کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں معلوم کر لیں اُن لوگوں میں سے جو اس سے شک میں ہیں اور آپ کا رب (ہر) ہر چیز پر نگہبان ہے ○

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿22﴾

کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمھیں گمان ہے۔ (سب) کو پکارلو،[3] نہ اُن میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے[4] نہ اُن کا ان میں کوئی حصہ ہے[5] نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا

نے من وسلوٰی اور دیگر سہولتوں کے مقابلے میں دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔

1 یعنی انھیں اس طرح ناپید کیا کہ ان کی ہلاکت کا قصہ زبان زد خلائق ہو گیا۔ اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا۔

2 یعنی انھیں متفرق اور منتشر کر دیا، چنانچہ سبا میں آباد مشہور قبیلے مختلف جگہوں پر جا آباد ہوئے، کوئی یثرب و مکہ آ گیا، کوئی شام کے علاقے میں چلا گیا کوئی کہیں اور کوئی کہیں۔

3 یعنی معبود ہونے کا۔ یہاں ﴿ زَعَمْتُمْ ﴾ کے دو مفعول محذوف ہیں۔ زَعَمْتُمُوْهُمْ اٰلِـهَةً. یعنی جن جن کو تم معبود گمان کرتے ہو۔

4 یعنی انھیں نہ خیر پر کوئی اختیار ہے نہ شر پر۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کی قدرت ہے نہ نقصان سے بچانے کی۔ آسمان و زمین کا ذکر عموم کے لیے ہے کیونکہ تمام خارجی موجودات کے لیے یہی ظرف ہیں۔

5 نہ پیدائش میں، نہ ملکیت میں اور نہ تصرف میں۔

مددگار ہے ○ [1]

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿23﴾

شفاعت بھی اُس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز اُن کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔ [2] یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دُور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں، تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا [3] اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے ○

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ

پوچھیے کہ تمھیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے؟ (خود) جواب دیجیے کہ اللہ، (سنو) ہم یا تم یا تو یقیناً

1 جو کسی معاملے میں بھی اللہ کی مدد کرتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بلا شرکت غیرے تمام اختیارات کا مالک ہے اور کسی کے تعاون کے بغیر ہی سارے کام کرتا ہے۔

2 ’’جن کے لیے اجازت ہو جائے‘‘ کا مطلب ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ، یعنی یہی سفارش کر سکیں گے، کوئی اور نہیں، اس لیے کہ کسی اور کی سفارش فائدہ مند ہوگی نہ انھیں اجازت ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب ہے، مستحقین شفاعت، یعنی انبیاء و ملائکہ اور صالحین صرف انھی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جو مستحقین شفاعت ہوں گے کیونکہ اللہ کی طرف سے انھی کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی، کسی اور کے لیے نہیں۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہوا کہ انبیاء، ملائکہ اور صالحین کے علاوہ وہاں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ حضرات بھی اذن الٰہی کے بعد ہی گناہ گار اہل ایمان کے لیے سفارش کر سکیں گے، کافر و مشرک اور اللہ کے باغیوں کے لیے نہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان دونوں نکتوں کی وضاحت فرما دی ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرة 2:255) ’’کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔‘‘ ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الأنبيآء 21:28) ’’وہ (فرشتے) کسی کی بھی شفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔‘‘

3 اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے حدیث کی روشنی میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی بابت کلام (وحی) فرماتا ہے تو آسمان پر موجود فرشتے ہیبت اور خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش بردار فرشتے دوسرے فرشتوں کو اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو بتلاتے ہیں اور اس طرح خبر پہلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) ﴿فُزِّعَ﴾ میں سَلْبِ ماخذ ہے، یعنی جب گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے۔

مُّبِيۡنٍ ﴿24﴾

ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں؟ ○ [1]

قُلۡ لَّا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّاۤ اَجۡرَمۡنَا وَلَا نُسۡـَٔلُ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿25﴾

کہہ دیجیے کہ ہمارے کیے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمھارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی ○

قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفۡتَحُ بَيۡنَنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَهُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِيۡمُ ﴿26﴾

اُنھیں خبر دے دیجیے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا۔ [2] وہ فیصلے چکانے والا ہے اور دانا ○

قُلۡ اَرُوۡنِىَ الَّذِيۡنَ اَلۡحَقۡتُمۡ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلۡ هُوَ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿27﴾

کہہ دیجیے کہ اچھا مجھے بھی تو اُنھیں دکھا دو جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر اُس کے ساتھ ملا رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں [3] بلکہ وہی اللہ ہے غالب باحکمت ○

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿28﴾

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے صرف خوشخبریاں سنانے والا اور دھمکا دینے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے ○ [4]

---

1 ظاہر بات ہے گمراہی پر وہی ہوگا جو ایسی چیزوں کو معبود سمجھتا ہے جن کا آسمان وزمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے، وہ بارش برسا سکتے ہیں نہ کچھ اگا سکتے ہیں، اس لیے حق پر یقیناً اہل توحید ہی ہیں نہ کہ دونوں۔

2 یعنی اس کے مطابق جزا دے گا، نیکوں کو جنت میں اور بدوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

3 یعنی اس کا کوئی نظیر ہے نہ ہمسر بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام اور قول میں حکمت ہے۔

4 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو نبی کریم ﷺ کی رسالت عامہ کا بیان فرمایا ہے کہ آپ کو پوری نسل انسانیت کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرا: یہ بیان فرمایا کہ اکثر لوگ آپ کی خواہش اور کوشش کے باوجود ایمان سے محروم رہیں گے۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت دوسرے مقامات پر بھی فرمائی ہے، مثلاً: آپ کی رسالت کے ضمن میں فرمایا: ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا﴾ (الأعراف 158:7) ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا ۙ ○﴾ (الفرقان 1:25) ”بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔“ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ① ایک مہینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿29﴾

پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ سچے ہوتو بتا دو ○ [1]

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿30﴾ ع

جواب دیجیے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے جس سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو ○ [2]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ

اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ تو اس قرآن کو مانیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو! [3] اے دیکھنے والے کاش کہ تُو ان ظالموں کو اُس وقت دیکھتا جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے [4] کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں

ہے۔ ② تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے، میری امت وہاں نماز ادا کرے۔ ③ مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ ④ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ⑤ پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:335، و صحيح مسلم، حديث:521) ایک اور حدیث میں فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَ الْأَسْوَدِ» (صحيح مسلم، حديث:521، و سنن الدارمي:183/2) ''مجھے احمر اور اسود کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' احمر و اسود سے مراد بعض نے جن و انس اور بعض نے عرب و عجم لیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ اسی طرح اکثریت کی بے علمی اور گمراہی کی وضاحت ہے، جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○﴾ (يوسف 103:12) ''آپ ﷺ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔'' ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الأنعام 116:6) ''اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔'' جس کا مطلب یہی ہوا کہ اکثریت گمراہوں کی ہے۔

1 یہ بطور استہزا کے پوچھتے تھے کیونکہ اس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد اور ناممکن تھا۔

2 یعنی اللہ نے قیامت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے، تاہم جب وہ وقت موعود آ جائے گا تو ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہو گا۔ ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ﴾ (نوح 4:71) ''یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا۔''

3 جیسے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ، بعض نے ﴿بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ سے مراد دار آخرت لیا ہے۔ اس میں کافروں کے عناد و طغیان کا بیان ہے کہ وہ تمام تر دلائل کے باوجود قرآن کریم اور دار آخرت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔

4 یعنی دنیا میں یہ کفر و شرک میں ایک دوسرے کے ساتھی اور اس ناتے سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے

لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿31﴾
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا
اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ
اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ
نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا
النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ
فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿33﴾

گے [1] اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے ○ [2] یہ بڑے لوگ اُن کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمھارے پاس ہدایت آچکنے کے بعد ہم نے تمھیں اُس سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم (خود) ہی مجرم تھے ○ [3] (اس کے جواب میں) یہ کمزور لوگ اُن متکبروں سے کہیں گے: (نہیں نہیں) بلکہ تمھارا دن رات مکروفریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اُس کے شریک مقرر کرنے کا حکم دینا ہماری بے ایمانی کا باعث ہوا، [4] اور عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل میں پشیمان ہو رہے ہوں گے، [5] اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے۔ [6] اُنھیں صرف اُن کے کیے کرائے

لیکن آخرت میں یہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور ایک دوسرے کو موردِ الزام بنائیں گے۔

1 یعنی دنیا میں یہ لوگ، جو سوچے سمجھے بغیر روشِ عام پر چلنے والے ہوتے ہیں، اپنے ان لیڈروں سے کہیں گے جن کے وہ دنیا میں پیروکار بنے رہے تھے۔

2 یعنی تم ہی نے ہمیں پیغمبروں اور داعیانِ حق کے پیچھے چلنے سے روکے رکھا تھا اگر تم اس طرح نہ کرتے تو ہم یقیناً ایمان والے ہوتے۔

3 یعنی ہمارے پاس کون سی طاقت تھی کہ ہم تمھیں ہدایت کے راستے سے روکتے، تم نے خود ہی اس پر غور نہیں کیا اور اپنی خواہشات کی وجہ سے ہی اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے اور آج مجرم ہمیں بنا رہے ہو، حالانکہ سب کچھ تم نے خود ہی اپنی مرضی سے کیا، اس لیے مجرم بھی تم خود ہی ہو نہ کہ ہم۔

4 یعنی ہم مجرم تو تب ہوتے، جب ہم اپنی مرضی سے پیغمبروں کی تکذیب کرتے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ تم رات دن ہمیں گمراہ کرنے پر اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے پر آمادہ کرتے رہے جس سے بالآخر ہم تمھارے پیچھے لگ کر ایمان سے محروم رہے۔

5 یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے۔ لیکن شماتتِ اعداء کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے۔

6 یعنی ایسی زنجیریں جو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھیں گی۔

اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ○ [1]

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿34﴾

اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اُس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں ○ [2]

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿35﴾

اور کہا: ہم مال و اولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم عذاب کیے جائیں ○ [3]

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾ ع

ع 4 6 10

کہہ دیجیے کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے، [4] لیکن اکثر

---

1 یعنی دونوں کو ان کے عملوں کی سزا ملے گی، لیڈروں کو ان کے مطابق اور ان کے پیچھے چلنے والوں کو ان کے مطابق، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 38:7) ''ہر ایک کو دگنا عذاب ہوگا لیکن تم نہیں جانتے۔''

2 یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مکے کے رؤساء اور چودھری آپ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور آپ کو ایذائیں پہنچا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے خوش حال لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب ہی کی ہے اور ہر پیغمبر پر ایمان لانے والے پہلے پہل معاشرے کے غریب اور نادار قسم کے لوگ ہی ہوتے تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا: ﴿ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 111:26) ''کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ تیرے پیروکار کمینے لوگ ہیں۔'' ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ﴾ (ھود 27:11) ''اور تیرے تابعداروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے نیچ اور موٹی عقل والوں کے اور کوئی نہیں۔'' دوسرے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے یہی کہا، ملاحظہ ہو۔ (سورۂ انعام 133,53:6 و سورۂ اعراف 75:7، سورۂ بنی اسراءیل 16:17 وغیرہ۔) مُتْرَفُوْنَ کے معنی ہیں: اصحاب ثروت و ریاست۔ اور خوش حال لوگ جن میں بڑائی بھی ہو۔

3 یعنی جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال و اولاد کی کثرت سے نوازا ہے تو قیامت بھی اگر برپا ہوئی تو ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ گویا انھوں نے دار آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیا میں کافر و مومن سب کو اللہ کی نعمتیں مل رہی ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا، حالانکہ آخرت تو دار الجزا ہے، وہاں تو دنیا میں کیے گئے عملوں کی جزا ملنی ہے، اچھے عملوں کی جزا اچھی اور برے عملوں کی بری۔ جبکہ دنیا دار الامتحان ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بطور آزمائش سب کو دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یا انھوں نے دنیاوی مال و اسباب کی فراوانی رضائے الٰہی کی دلیل سمجھی، حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو سب سے زیادہ مال و اولاد سے نوازتا۔

4 اس میں کفار کے مذکورہ مغالطے اور شبہے کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی

لوگ نہیں جانتے ○

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿37﴾

اور تمھارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمھیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کر دیں [1] ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں [2] اُن کے لیے اُن کے اعمال کا دوہرا اجر ہے [3] اور وہ بے خوف ہو کر (بہشت کے) بالا خانوں میں رہیں گے ○

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿38﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں یہی ہیں جو عذاب میں حاضر کیے جائیں گے ○

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿39﴾

کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے، [4] تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اُس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا [5] اور وہ سب سے بہتر

مظہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے، اس لیے وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کرتا ہے جس کو چاہتا ہے فقیر رکھتا ہے۔

1 یعنی یہ مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمھیں خاص مقام حاصل ہے۔

2 یعنی ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس طرح حدیث میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھاری شکلیں اور تمھارے مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث:34-(2564))

3 بلکہ کئی گنا، ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا مزید سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔

4 پس وہ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے لیکن کس لیے۔ استدراج کے طور پر اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، کس لیے۔ اس کے اجر و ثواب میں اضافے کے لیے، اس لیے مجرد مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور اس کی کمی، اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

5 إِخلاف کے معنی ہیں: عوض اور بدلہ دینا۔ یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ» (صحيح البخاري، حديث:4684) ''تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔'' (یعنی بدلہ دوں گا) دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے: «اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا» یا اللہ! خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔'' دوسرا کہتا ہے: «اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا»

روزی دینے والا ہے ○[1]

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ يَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿40﴾

اور جس دن وہ اُن سب کو جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمھاری عبادت کرتے تھے؟ ○[2]

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ اَنۡتَ وَلِيُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ بَلۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ اَكۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿41﴾

وہ کہیں گے: تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تُو ہے نہ کہ یہ[3] بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے،[4] اُن میں سے اکثر کو انھی پر ایمان تھا ○

''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1442)

1 کیونکہ ایک بندہ اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس کا یہ دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق وتیسیر اور اس کی تقدیر سے ہی ہے، حقیقت میں دینے والا اس کا رازق نہیں ہے، جس طرح باپ بچوں کا یا بادشاہ اپنے لشکر کا کفیل کہلاتا ہے، حالانکہ امیر اور مامور بچے اور بڑے سب کا رازق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق بھی ہے، اس لیے جو شخص اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ ایسے مال میں تصرف کرتا ہے جو اللہ ہی نے اسے دیا ہے، پس درحقیقت رازق بھی اللہ ہی ہوا، تاہم یہ اس کا مزید فضل وکرم ہے کہ اس کے دیے ہوئے مال میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف (خرچ کرنے) پر وہ اجر وثواب بھی عطا فرماتا ہے۔

2 یہ مشرکین کو ذلیل وخوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھے گا: ''کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو، اللہ کے سوا، معبود بنا لینا۔'' (المآئدة 116:5) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ''یا اللہ! تو پاک ہے، جس کا مجھے حق نہیں تھا، وہ بات میں کیوں کر کہہ سکتا تھا۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی پوچھے گا، جیسا کہ سورۂ فرقان 17:25 میں بھی گزرا کہ کیا یہ تمھارے کہنے پر تمھاری عبادت کرتے تھے؟

3 یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہار براءت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے، ہمارا ان سے کیا تعلق؟

4 ﴿الۡجِنَّ﴾ سے مراد شیاطین ہیں، یعنی یہ اصل میں شیطانوں کے پجاری ہیں کیونکہ وہی ان کو بتوں کی عبادت پر لگاتے اور انھیں گمراہ کرتے تھے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ○﴾ (النسآء 117:4) ''یہ اللہ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو اور سرکش شیطان کو پکارتے (پوجتے) ہیں۔''

فَالۡيَوۡمَ لَا يَمۡلِكُ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ نَّفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿42﴾

پس آج تم میں سے کوئی (بھی) کسی کے لیے (بھی کسی قسم کے) نفع نقصان کا مالک نہ ہوگا۔[1] اور ہم ظالموں[2] سے کہہ دیں گے کہ اُس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے رہے ○

وَ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّصُدَّكُمۡ عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُكُمۡ ۚ وَقَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكٌ مُّفۡتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿43﴾

اور جب اُن کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایک شخص[3] تو تمھیں تمھارے باپ دادا کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ تو گھڑا ہوا جھوٹ ہے[4] اور حق اُن کے پاس آ چکا پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے[5] ○

وَمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ يَّدۡرُسُوۡنَهَا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِيۡرٍ ؕ ﴿44﴾

اور ان (مکے والوں) کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنھیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا آیا[6] ○

وَكَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ

اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کو جھٹلایا

---

1 یعنی دنیا میں تم یہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ تمھیں فائدہ پہنچائیں گے، تمھاری سفارش کریں گے اور اللہ کے عذاب سے تمھیں نجات دلوائیں گے، جیسے آج بھی پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا حال ہے لیکن آج دیکھ لو کہ یہ لوگ کسی بات پر قادر نہیں۔

2 ظالموں سے مراد غیر اللہ کے پجاری ہیں کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور مشرکین سب سے بڑے ظالم۔

3 شخص سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ باپ دادا کا دین ان کے نزدیک صحیح تھا، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کا ”جرم“ یہ بیان کیا کہ یہ تمھیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمھارے آباء واجداد عبادت کرتے رہے۔

4 اس دوسرے ﴿هٰذَاۤ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے، اسے انھوں نے تراشا ہوا بہتان یا گھڑا ہوا جھوٹ قرار دیا۔

5 قرآن کو پہلے گھڑا ہوا جھوٹ کہا اور یہاں کھلا جادو۔ پہلے کا تعلق قرآن کے مفہوم و مطالب سے ہے اور دوسرے کا تعلق قرآن کے معجزانہ نظم و اسلوب اور اعجاز و بلاغت سے۔ (فتح القدیر)

6 اس لیے وہ آرزو کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کوئی پیغمبر آئے اور کوئی صحیفۂ آسمانی نازل ہو۔ لیکن جب یہ چیزیں آئیں تو انکار کر دیا۔

ع 5 9 11

مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿45﴾

تھا اور اُنھیں ہم نے جو دے رکھا تھا یہ تو اُس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، پس اُنھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، پھر (دیکھ کہ) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا؟ ○ [1]

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿46﴾

کہہ دیجیے کہ میں تمھیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے ضد چھوڑ کر دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی، تمھارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں، [2] وہ تو تمھیں ایک بڑے (سخت) عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے ○ [3]

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ

کہہ دیجیے کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمھارے لیے

---

1 یہ کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم نے تکذیب و انکار کا جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ نہایت خطرناک ہے۔ تم سے پچھلی امتیں بھی، اس راستے پر چل کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں، حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمروں کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں، تم تو ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں۔ اسی مضمون کو سورۂ احقاف 46:26 میں بیان فرمایا گیا ہے۔

2 یعنی میں تمھیں تمھارے موجودہ طرز عمل سے ڈراتا اور ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم ضد اور انانیت چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے ایک ایک دو دو ہو کر میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمھارے اندر گزری ہے اور اب بھی جو دعوت میں تمھیں دے رہا ہوں کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے۔ تم اگر عصبیت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمھارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے۔

3 یعنی وہ تو صرف تمھاری ہدایت کے لیے آیا ہے تاکہ تم اس عذاب شدید سے بچ جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی وجہ سے تمھیں بھگتنا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا: یَا صَبَاحَاهْ! (یہ الفاظ خطرے کی گھنٹی سمجھے جاتے تھے) جسے سن کر قریش جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بتلاؤ! اگر میں تمھیں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر سن لو کہ میں تمھیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا ''تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا۔'' جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ نازل فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث:4801)

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿47﴾

ہے[1] میرا بدلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے ○

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ يَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ ۚ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿48﴾

کہہ دیجیے کہ میرا رب حق (سچی وحی) نازل فرماتا ہے،[2] وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے ○

قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَمَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا يُعِيۡدُ ﴿49﴾

کہہ دیجیے کہ حق آ چکا باطل نہ تو پہلی بار اُبھرا نہ دوبارہ ابھر سکے گا ○[3]

قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفۡسِیۡ ۚ وَاِنِ اهۡتَدَيۡتُ فَبِمَا يُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ قَرِيۡبٌ ﴿50﴾

کہہ دیجیے کہ اگر میں بہک جاؤں تو میرے بہکنے (کا وبال) مجھ ہی پر ہے اور اگر میں راہِ ہدایت پر ہوں تو بسبب اُس وحی کے جو میرا پروردگار مجھے کرتا ہے،[4] وہ

1 اس میں اپنی بے غرضی اور دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی کا مزید اظہار فرما دیا تاکہ ان کے دلوں میں اگر یہ شک وشبہ پیدا ہو کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد کہیں دنیا کمانا تو نہیں تو وہ دور ہو جائے۔

2 ﴿ يَقۡذِفُ ﴾ کے معنی: تیر اندازی اور خشت باری کے بھی ہیں اور کلام کرنے کے بھی۔ یہاں اس کے دوسرے معنی ہی ہیں، یعنی وہ حق کے ساتھ گفتگو فرماتا، اپنے رسولوں پر وحی نازل فرماتا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے لیے حق واضح فرماتا ہے، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ يُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ﴾ (المؤمن 15:40) ''اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی سے نوازتا ہے۔''

3 حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے۔ مطلب ہے اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آ گیا ہے جس سے باطل مضمحل اور ختم ہو گیا ہے، اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا، جس طرح فرمایا: ﴿ بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَى الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾ (الأنبياء 18:21) ''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں، پس سچ جھوٹ کو توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔'' حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا، نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور یہ آیت اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: ﴿ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ﴾ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4287)

4 یعنی بھلائی سب اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے، اس میں رشد و ہدایت ہے، صحیح راستہ لوگوں کو اسی سے ملتا ہے، پس جو گمراہ ہوتا ہے تو اس میں انسان کی اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے، اس لیے اس کا وبال بھی اسی پر ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے: «أَقُولُ فِيهَا بِرَأْيِي فَإِنْ يَّكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللهِ وَ إِنْ يَّكُنْ خَطَأً فَمِنِّي

وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَ اُخِذُوۡا مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿51﴾

وَّ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖ ۚ وَ اَنّٰی لَہُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿52﴾

وَّ قَدۡ کَفَرُوۡا بِہٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَ یَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿53﴾

وَ حِیۡلَ بَیۡنَہُمۡ وَ بَیۡنَ مَا یَشۡتَہُوۡنَ کَمَا فُعِلَ بِاَشۡیَاعِہِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا فِیۡ شَکٍّ

بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے [1] ○

اور اگر آپ (وہ وقت) ملاحظہ کریں جب کہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے، پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی [2] اور قریب کی جگہ سے گرفتار کر لیے جائیں گے ○

اُس وقت کہیں گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے کیسے [3] ہاتھ پہنچ سکتا ہے ○

اس سے پہلے تو اُنھوں نے اس سے کفر کیا تھا، اور دور دراز سے بن دیکھے ہی پھینکتے رہے [4] ○

اُن کی چاہتوں اور اُن کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا [5] جیسے کہ اس سے پہلے بھی اُن جیسوں کے ساتھ کیا گیا، [6] وہ بھی

وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللهُ وَرَسُولُهُ بَرِيئَانِ مِنْهُ» (ابن کثیر) ''اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔''

1 جس طرح کہ حدیث میں ہے: «إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا مُجِيبًا» (صحیح البخاري، حدیث: 6384 و مسند أحمد: 403/4) ''تم بہری اور غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا، قریب اور قبول کرنے والا ہے۔''

2 ﴿فَلَا فَوۡتَ﴾ کہیں بھاگ نہیں سکیں گے کیونکہ وہ اللہ کی گرفت میں ہوں گے، یہ میدان محشر کا بیان ہے۔

3 ﴿التَّنَاوُشُ﴾ کے معنی تناول، یعنی پکڑنے کے ہیں، یعنی اب آخرت میں انھیں ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جبکہ دنیا میں اس سے گریز کرتے رہے گویا آخرت ایمان کے لیے دنیا کے مقابلے میں دور کی جگہ ہے، جس طرح دور سے کسی چیز کو پکڑنا ممکن نہیں، آخرت میں ایمان لانے کی گنجائش نہیں۔

4 یعنی اپنے گمان سے کہتے رہے کہ قیامت اور حساب کتاب نہیں۔ یا قرآن کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو، گھڑا ہوا جھوٹ اور پہلوں کی کہانیاں ہیں یا محمد ﷺ کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادوگر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے یا مجنون ہے جبکہ کسی بات کی بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔

5 یعنی آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے، عذاب سے ان کی نجات ہو جائے لیکن ان کے درمیان اور ان کی اس خواہش کے درمیان پردہ حائل کر دیا، یعنی اس خواہش کو رد کر دیا جائے گا۔

6 یعنی پچھلی امتوں کا ایمان بھی اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب وہ عذاب کے معائنے کے بعد ایمان لائیں۔

مُّرِيۡبٍ ﴿54﴾ ع

(اُنھی کی طرح) شک وتردد میں (پڑے ہوئے) تھے ○[1]

اٰیَاتُهَا 45 (35) سُوۡرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ (43) رُكُوۡعَاتُهَا 5

سورۂ فاطر مکی ہے، اس میں 45 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِىۡۤ اَجۡنِحَةٍ مَّثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيۡدُ فِى الۡخَلۡقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿1﴾

اُس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا[2] اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا قاصد بنانے والا ہے،[3] مخلوق میں جو چاہے بڑھاتا ہے،[4] اللہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے ○

مَا يَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمۡسِكۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿2﴾

اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اُس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اُس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں[5] اور وہی غالب حکمت والا ہے ○

---

1 اس لیے اب معائنۂ عذاب کے بعد ان کا ایمان بھی کس طرح قبول ہوسکتا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ''ریب وشک سے بچو، جو شک کی حالت میں فوت ہوگا، اسی حالت میں اٹھے گا اور جو یقین پر مرے گا، قیامت والے دن یقین پر ہی اٹھے گا۔'' (ابن کثیر)

2 ﴿فَاطِرِ﴾ کے معنی ہیں مُختَرِعٌ پہلے پہل ایجاد کرنے والا، یہ اشارہ ہے اللہ کی قدرت کی طرف کہ اس نے آسمان وزمین پہلے پہل بغیر نمونے کے بنائے تو اس کے لیے دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔

3 مراد جبریل، میکائیل، اسرافیل وغیرہ فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی طرف یا مختلف مہمات پر قاصد بنا کر بھیجتا ہے۔ ان میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں جن کے ذریعے سے وہ زمین پر آتے اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔

4 یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں، جیسے حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے معراج کی رات جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا، اس کے چھ سو پر تھے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4856) بعض نے اس کو عام رکھا ہے، جس میں آنکھ، چہرہ، ناک اور منہ ہر چیز کا حسن داخل ہے۔

5 ان ہی نعمتوں میں سے ارسال رسل اور انزال کتب بھی ہے، یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے اور واپس لینے یا روک لینے والا بھی وہی۔ اس کے سوا نہ کوئی معطی اور منعم ہے اور نہ مانع وقابض۔ جس طرح نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ» ''اے اللہ! جو تو دے، اسے روکنے والا اور جو تو

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ ؕ هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰهِ یَرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ ③

لوگو! تم پر جو انعام اللہ نے کیے ہیں اُنھیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمھیں آسمان و زمین سے روزی پہنچائے؟ اُس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم کہاں اُلٹے جاتے ہو؟ ○ [1]

وَاِنۡ یُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ④

اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ○ [2]

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا ٚ وَلَا یَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ⑤

لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے [3] تمھیں زندگانیٔ دنیا دھوکے میں نہ ڈالے، [4] اور نہ دھوکے باز شیطان تمھیں غفلت میں ڈالے ○ [5]

اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا ؕ

یاد رکھو! شیطان تمھارا دشمن ہے، تم اُسے دشمن جانو [6] وہ تو

روک لے، اسے دینے والا کوئی نہیں۔

1 یعنی اس بیان و وضاحت کے بعد بھی تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ ﴿ تُؤۡفَكُوۡنَ ﴾ اگر أَفْكٌ سے ہو (ہمزہ پر زبر) تو معنی ہوں گے: پھرنا، تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ اور اگر إِفْكٌ سے ہو (ہمزہ کے نیچے زیر) تو معنی ہیں: جھوٹ، جو سچ سے پھرنے کا نام ہے۔ مطلب ہے کہ تمھارے اندر توحید اور آخرت کا انکار کہاں سے آگیا جبکہ تم مانتے ہو کہ تمھارا خالق اور رازق اللہ ہے۔ (فتح القدیر)

2 اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کو جھٹلا کر یہ کہاں جائیں گے۔ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ تو ہمیں ہی کرنا ہے۔ جس طرح پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انھیں سوائے بربادی کے کیا ملا، اس لیے یہ بھی اگر باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔

3 کہ قیامت برپا ہوگی اور نیک و بد کو ان کے عملوں کی جزا و سزا دی جائے گی۔

4 یعنی آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے لیے تیار کر رکھی ہیں، پس اس دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نظر انداز نہ کرو۔

5 یعنی اس کے داؤ اور فریب سے بچ کر رہو، اس لیے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے اور اس کا مقصد ہی تمھیں دھوکے میں مبتلا کر کے جنت سے محروم کرنا ہے۔ یہی الفاظ سورۂ لقمان 31:33 میں بھی گزر چکے ہیں۔

6 یعنی اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے دجل و فریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے

اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥

اپنے گروہ کو صرف اس لیے ہی بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں ○

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۬ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦

ع 1/7 13

جو لوگ کافر ہوئے اُن کے لیے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اُن کے لیے بخشش ہے اور (بہت) بڑا اجر ہے ○ [1]

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧

کیا پس وہ شخص جس کے لیے اُس کے بُرے اعمال مزین کر دیے گئے ہیں پس وہ اُنھیں اچھا سمجھتا ہے، [2] (یقین مانو) کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے۔ [3] پس آپ کو اُن پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہیے، [4] یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ بخوبی واقف ہے ○ [5]

انسان کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ ﴾ (الکہف 18:50) ''کیا تم اس شیطان اور اس کی ذریت کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔''

1 یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان ہی پر ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہوگا۔

2 جس طرح کفار و فجار ہیں، وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ کیا پس ایسا شخص جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اس کے بچاؤ کے لیے آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے۔ یا یہ اس شخص کے برابر ہے جسے اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے۔ جواب نفی میں ہی ہے، نہیں یقیناً نہیں۔

3 اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی رو سے اپنی سنت کے مطابق اس کو گمراہ کرتا ہے جو مسلسل اپنے کرتوتوں سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ٹھہرا چکتا ہے اور ہدایت اپنے فضل و کرم سے اسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔

4 کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت اور علم تام پر مبنی ہے، اس لیے کسی کی گمراہی پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیں۔

5 یعنی اس سے ان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ معاملہ ایک علیم و خبیر اور ایک حکیم

وَاللّٰهُ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحۡيَيۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ ﴿9﴾

اور اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اُس زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے ○ [1]

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا ؕ اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَمۡكُرُوۡنَ

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ ہی کی ساری عزت ہے، [2] تمام تر ستھرے کلمات اُسی کی طرف چڑھتے ہیں [3] اور نیک عمل اُن کو بلند کرتا ہے، [4] اور جو لوگ برائیوں کے

کی طرح کا ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح کا نہیں ہے جو اپنے اختیارات کا الل ٹپ استعمال کرتے ہیں، کبھی سلام کرنے سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی دشنام پر ہی خلعتوں سے نواز دیتے ہیں۔

1 یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقے سے قیامت والے دن تمام مردہ انسانوں کو بھی ہم زندہ کر دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے: كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَبْلٰى إِلَّا عَجْبُ الذَّنَبِ، مِنْهُ خُلِقَ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ (صحيح البخاري، حديث: 4814، وصحيح مسلم، حديث: 142-(2955)) ”انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف دم کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کو پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہوگی۔“

2 یعنی جو چاہتا ہے کہ اسے دنیا اور آخرت میں عزت ملے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اسے یہ مقصود حاصل ہو جائے گا، اس لیے کہ دنیا و آخرت کا مالک اللہ ہی ہے، ساری عزتیں اسی کے پاس ہیں وہ جس کو عزت دے، وہی معزز ہو گا، جس کو وہ ذلیل کر دے، اسے دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَلَّذِيۡنَ يَتَّخِذُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ اَيَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ﴾ (النسآء 4:139) ”وہ لوگ (منافق) مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔“

3 ﴿ اَلۡكَلِمُ ﴾ كَلِمَة کی جمع ہے، ستھرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ چڑھتے ہیں کا مطلب، قبول کرنا ہے۔ یا فرشتوں کا انھیں لے کر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزا دے۔

4 ﴿ يَرۡفَعُهٗ ﴾ میں ضمیر کا مرجع کون ہے۔ بعض کہتے ﴿ اَلۡكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾ ہے، یعنی عمل صالح، کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے، یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح، یعنی احکام و فرائض کی ادائیگی بھی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں: ﴿ يَرۡفَعُهٗ ﴾ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے، اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس (کلام)

السَّيِّاٰتِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَمَكۡرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوۡرُ ⑩

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ⑪

داؤ گھات میں لگے رہتے ہیں۔[1] اُن کے لیے سخت تر عذاب ہے، اور اُن کا یہ مکر برباد ہو جائے گا○[2]

(لوگو!) اللہ نے تمھیں مٹی سے، پھر نطفے سے پیدا کیا ہے،[3] پھر تمھیں جوڑے جوڑے بنا دیا ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اُس کے علم ہی سے ہے،[4] اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے۔[5] اللہ پر یہ بات بالکل آسان ہے○

کا عامل فی الواقع اللہ کی تسبیح وتحمید میں مخلص ہے۔(فتح القدیر) گویا قول، عمل کے بغیر اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔

1 خفیہ طریقے سے کسی کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، نبی ﷺ کے خلاف قتل وغیرہ کی جو سازشیں کفار مکہ کرتے رہے، وہ بھی مکر ہے، ریاکاری بھی مکر ہے۔ یہاں یہ لفظ عام ہے، مکر کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

2 یعنی ان کا مکر بھی برباد ہو گا اور اس کا وبال بھی انھی پر پڑے گا جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ﴾ (فاطر 43:35) ''اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔''

3 یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر اس کے بعد تمھاری نسل کو قائم رکھنے کے لیے انسان کی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا جو مرد کی پشت سے نکل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے۔

4 یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں حتی کہ زمین پر گرنے والے پتے کو اور زمین کی گہرائیوں میں نشوونما پانے والے بیج کو بھی وہ جانتا ہے۔ (الأنعام 59:6)

5 اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقصیر (کم ہونا) اللہ کی تقدیر وقضا سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں جس سے عمر لمبی یا چھوٹی ہوتی ہے، طوالت کے اسباب میں صلہ رحمی وغیرہ ہے جیسا کہ احادیث میں ہے اور تقصیر کے اسباب میں کثرت سے معاصی کا ارتکاب ہے، مثلاً: کسی آدمی کی عمر 70 سال ہے لیکن کبھی اسباب زیادت کی وجہ سے اللہ اس میں اضافہ فرما دیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کر دیتا ہے جب وہ اسباب نقصان اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ○﴾ (النحل 61:16) ''جب اُن کا وہ وقت آ جاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔'' کے منافی نہیں ہے۔ اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔: ﴿يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ ۚۖ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ○﴾ (الرعد 39:13) ''اللہ جو چاہتا ہے، مٹاتا اور ثبت کرتا ہے اور

وَمَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ۖ٭ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنۡ كُلٍّ تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَی الۡفُلۡكَ فِیۡهِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ⑫

اور دونوں دریا (مل کر) برابر نہیں ہوجاتے یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا، پینے میں خوشگوار اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا، تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالتے ہو جنھیں تم پہنتے ہو۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے والی [1] ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اُس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم اُس کا شکر کرو ○

یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَیُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ۖ٭ كُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ؕ وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا یَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ ؕ⑬

وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اُسی نے کام میں لگادیا ہے۔ ہر ایک میعادِ معین پر چل رہا ہے۔ یہی ہے اللہ [2] تم سب کا پالنے والا اُسی کی سلطنت ہے۔ جنھیں تم اُس کے سوا پکار رہے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں [3] ○

اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡا دُعَآءَكُمۡ ۚ وَلَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَكُمۡ ؕ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یَكۡفُرُوۡنَ بِشِرۡكِكُمۡ ؕ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثۡلُ خَبِیۡرٍ ⑭ ع 2/7/14

اگر تم اُنھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں [4] اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے [5] بلکہ قیامت کے دن تمھارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ [6] آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار

اس کے پاس لوحِ محفوظ ہے۔'' (فتح القدیر)

1 ﴿ مَوَاخِرَ ﴾ وہ کشتیاں جو آتے جاتے پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں، آیت میں بیان کردہ دوسری چیزوں کی وضاحت سورۂ فرقان 53:25 میں گزر چکی ہے۔

2 یعنی مذکورہ تمام افعال کا فاعل ہے۔

3 یعنی اتنی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں، نہ اسے پیدا کرنے پر ہی قادر ہیں۔ ﴿ قِطۡمِیۡرٍ ﴾ اس جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کی گٹھلی کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ پتلا سا چھلکا گٹھلی پر لفافے کی طرح چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

4 یعنی اگر تم اُنھیں مصائب میں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں کیونکہ وہ جمادات ہیں یا منوں مٹی کے نیچے مدفون۔

5 یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو بے فائدہ، اس لیے کہ وہ تمھاری التجاؤں کے مطابق تمھارا کام نہیں کر سکتے۔

6 اور کہیں گے: ﴿ مَّا كُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ○ ﴾ (یونس 28:10) ''تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔'' ﴿ اِنۡ كُنَّا

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿15﴾

اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۚ﴿16﴾

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ ﴿17﴾

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰى حِمۡلِهَا لَا يُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَىۡءٌ

خبریں نہ دے گا ○ [1]

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو [2] اور اللہ بے نیاز [3] خوبیوں والا ہے ○ [4]

اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے ○ [5]

اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں ○

کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، [6] اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے

عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ○ ﴾ (یونس10:29) ''ہم تو تمھاری عبادت سے بے خبر تھے۔'' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ سب پتھر کی مورتیاں ہی نہیں ہوں گی بلکہ ان میں عاقل (ملائکہ، جن، شیاطین اور صالحین) بھی ہوں گے۔ تب ہی تو یہ انکار کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو حاجت براری کے لیے پکارنا شرک ہے۔

1 اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی کنہ اور حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے جس میں ان پکارے جانے والوں کی بے اختیاری، پکار کو نہ سننا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔

2 ﴿النَّاسُ﴾ کا لفظ عام ہے جس میں عوام وخواص حتیٰ کہ انبیاء وصلحاء سب آ جاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی محتاج ہیں۔ لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔

3 وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور سب اس کے اطاعت گزار بن جائیں تو اس سے اس کی قوت میں زیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت واطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ ابراہیم 8:14 کا حاشیہ)

4 یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے، پس ہر نعمت جو اس نے بندوں پر کی ہے، اس پر وہ حمد وشکر کا مستحق ہے۔

5 یہ بھی اس کی شان بے نیازی ہی کی ایک مثال ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمھیں فنا کے گھاٹ اتار کے تمھاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے جو اس کی اطاعت گزار ہو، اس کی نافرمان نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک نئی مخلوق اور نیا عالم پیدا کر دے جس سے تم ناآشنا ہو۔

6 ہاں جس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہوگا، وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا جیسا کہ آیت: ﴿وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ﴾ (العنکبوت13:29) ''وہ ضرور اپنا بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ان کا بوجھ بھی۔'' اور حدیث: «مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا

وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰىؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱

بلائے گا تو وہ اُس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو قرابت دار ہی ہو۔ [1] تُو صرف اُنھی کو آگاہ کرسکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں [2] اور جو بھی پاک ہوجائے، وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہوگا۔ [3] لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے ○

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ⑲

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ○

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ⑳

اور نہ تاریکی اور روشنی ○ [4]

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ㉑

اور نہ چھاؤں اور دھوپ ○ [5]

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُؕ اِنَّ

اور زندے اور مردے برابر نہیں ہوسکتے، [6] اللہ جس کو

عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ ﴾(صحیح مسلم، حدیث:69-(1017)) ''جس نے کوئی بُرا طریقہ جاری کیا اُس پر اس بُرے فعل کا بوجھ ہوگا اور اُن تمام لوگوں کا بوجھ بھی ہوگا جنھوں نے اُس کے بعد اُس پر عمل کیا۔'' سے واضح ہے لیکن یہ دوسروں کا بوجھ بھی درحقیقت ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے ان دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔

1 ﴿مُثْقَلَةٌ﴾ أَيْ نَفْسٌ مُّثْقَلَةٌ ایسا شخص جو گناہوں کے بوجھ سے لدا ہوگا، وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے رشتے دار کو بھی بلائے گا تو وہ آمادہ نہیں ہوگا۔

2 یعنی تیرے انذار و تبلیغ کا فائدہ انھی لوگوں کو ہوسکتا ہے، گویا تو انھی کو ڈراتا ہے، ان کو نہیں جن کو انذار سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ○﴾ (النّٰزعٰت 79:45) ''آپ تو صرف اس (قیامت) سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں۔'' اور ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ○﴾ (یٰسٓ 36:11) ''بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے۔''

3 تَطَهُّر اور تَزَكِّي کے معنی ہیں: شرک اور فواحش کی آلودگیوں سے پاک ہونا۔

4 اندھے سے مراد کافر اور آنکھوں والا سے مومن، اندھیروں سے باطل اور روشنی سے حق مراد ہے۔ باطل کی بے شمار انواع ہیں، اس وجہ سے اس کے لیے جمع کا اور حق چونکہ متعدد نہیں، ایک ہے، اس بنا پر اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔

5 یہ ثواب وعقاب یا جنت و دوزخ کی تمثیل ہے۔

6 ﴿الْاَحْيَآءُ﴾ سے مومن اور ﴿الْاَمْوَاتُ﴾ سے کافر مراد ہیں یا علماء اور جاہل یا عقل مند اور غیر عقل مند مراد ہیں۔

اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿22﴾

چاہتا ہے سُنوا دیتا ہے،[1] اور آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں ○[2]

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿23﴾

آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ○[3]

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿24﴾

ہم ہی نے آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو ○

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿25﴾

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُنھوں نے بھی جھٹلایا تھا اُن کے پاس بھی اُن کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے ○[4]

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿26﴾ ع (ع 3 / 12 / 15)

پھر میں نے اُن کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ ○[5]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان

---

1 یعنی جسے اللہ ہدایت سے نوازنے والا ہوتا ہے اور جنت اس کے لیے مقدر ہوتی ہے، اسے حجت و دلیل سننے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

2 یعنی جس طرح قبروں میں مردہ اشخاص کو کوئی بات نہیں سنائی جا سکتی، اسی طرح جن کے دلوں کو کفر نے موت سے ہمکنار کر دیا ہے، اے پیغمبر تو انھیں حق کی بات نہیں سنا سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مرنے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد مردہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کافر و مشرک جن کی قسمت میں بدبختی لکھی ہے، دعوت و تبلیغ سے انھیں فائدہ نہیں ہوتا۔

3 یعنی آپ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

4 تاکہ کوئی قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو ایمان و کفر کا پتہ ہی نہیں، اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔ بنابریں اللہ نے ہر امت میں نبی بھیجا، جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا: ﴿وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○﴾ (الرعد 7:13) ”ہر قوم کے لیے ہادی آیا۔“ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ (النحل 36:16) ”اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا۔“

5 یعنی کیسے سخت عذاب کے ساتھ میں نے ان کی گرفت کی اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ؕ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ﴿27﴾

سے پانی اتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے [1] اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ اُن کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ ○ [2]

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿28﴾

اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ اُن کی رنگتیں مختلف ہیں، [3] اللہ سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں [4] واقعی اللہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے ○ [5]

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَتۡلُوۡنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں [6] اور نماز کی

---

1 یعنی جس طرح مومن اور کافر، صالح اور فاسد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت اور اختلاف ہے، مثلاً: پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے، لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف حتیٰ کہ ایک ایک پھل کے بھی کئی کئی رنگ اور ذائقے ہیں، جیسے کھجور ہے، انگور ہے، سیب ہے اور دیگر بعض پھل ہیں۔

2 اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ، ﴿جُدَدٌۢ﴾ جُدّة کی جمع ہے، راستہ یا لکیر ﴿غَرَابِيۡبُ﴾ غِرْبِيب کی جمع اور ﴿سُوۡدٌ﴾ أَسْوَدُ (سیاہ) کی جمع ہے۔ جب سیاہ رنگ کے گہرے پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غربیب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسود غربیب، جس کے معنی ہوتے ہیں: بہت گہرا سیاہ۔ (فتح القدیر)

3 یعنی انسان اور جانور بھی سفید، سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔

4 یعنی اللہ کی ان قدرتوں اور اس کے کمال صناعی کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، اس علم سے مراد کتاب وسنت اور أَسْرَارِ إِلٰهِيّه کا علم ہے اور جتنی انھیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں، گویا جن کے اندر خشیت الٰہی نہیں ہے، سمجھ لو کہ وہ علم صحیح سے بھی محروم ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کی تین قسمیں ہیں۔ ایک: عالم باللہ اور عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور اس کے حدود وفرائض کو جانتا ہے۔ دوسرا: صرف عالم باللہ، یہ اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود وفرائض سے بے علم ہوتا ہے۔ تیسرا: صرف عالم بامر اللہ، یہ حدود وفرائض سے باخبر ہوتا ہے لیکن خشیت الٰہی سے عاری ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

5 یہ رب سے ڈرنے کی علت ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرمادے۔

6 کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ ''تلاوت کرتے ہیں'' یعنی پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

الصَّلٰوةَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرۡجُوۡنَ تِجَارَةً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿29﴾

پابندی رکھتے ہیں [1] اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، اُس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، [2] وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارے میں نہ ہوگی ○ [3]

لِيُوَفِّيَهُمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَيَزِيۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿30﴾

تاکہ اُن کو اُن کی اُجرتیں پوری دے اور اُن کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے [4] بے شک وہ بڑا بخشنے والا قدردان ہے ○ [5]

وَالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ هُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيۡرٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿31﴾

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک [6] ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ [7] اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے ○ [8]

---

1 اقامت صلاۃ کا مطلب ہوتا ہے، نماز کی اس طرح ادائیگی جو مطلوب ہے، یعنی وقت کی پابندی، اعتدال ارکان اور خشوع وخضوع کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا۔

2 یعنی رات دن، علانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت خرچ کرتے ہیں، بعض کے نزدیک پوشیدہ سے نفلی صدقہ اور علانیہ سے صدقہ واجبہ (زکاۃ) مراد ہے۔

3 یعنی ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے ہاں یقینی ہے جس میں مندے اور کمی کا امکان نہیں۔

4 ﴿ لِيُوَفِّيَهُمۡ ﴾ متعلق ہے۔ ﴿ لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴾ کے، یعنی یہ تجارت مندے سے اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ پر پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یا پھر فعل محذوف کے متعلق ہے کہ وہ یہ نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں یا اللہ نے انھیں ان کی طرف ہدایت کی تاکہ وہ انھیں اجر دے۔

5 یہ تَوۡفِيَة اور زیادت کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ خلوص دل سے وہ توبہ کریں، ان کے جذبۂ اطاعت وعمل صالح کا قدردان ہے، اسی لیے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے مزید بھی دے گا۔

6 یعنی جس پر تیرے لیے اور تیری امت کے لیے عمل کرنا ضروری ہے۔

7 تورات اور انجیل وغیرہ کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اس اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل کی تھیں، جب ہی تو دونوں ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کرتے ہیں۔

8 یہ اس کے علم وخبر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے نئی کتاب نازل فرما دی کیونکہ وہ جانتا ہے، پچھلی کتابیں تحریف وتغیر کا

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿32﴾

پھر ہم نے اُن لوگوں کو (اس) کتاب [1] کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو اُن میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں [2] اور بعضے اُن میں متوسط درجے کے ہیں [3] اور بعضے اُن میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ [4] یہ بڑا فضل ہے ○ [5]

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُؤۡلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا

وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے سونے [6] کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے

شکار ہوگئی ہیں اور اب وہ ہدایت کے قابل نہیں رہی ہیں۔

1 کتاب سے قرآن اور چنے ہوئے بندوں سے مراد امت محمدیہ ہے، یعنی اس قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو بنایا ہے جسے ہم نے دوسری امتوں کے مقابلے میں چن لیا اور اسے شرف و فضل سے نوازا۔ یہ تقریباً وہی مفہوم ہے جو آیت: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ (البقرۃ 143:2) ''ہم نے اسی طرح تمھیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ'' کا ہے۔

2 امت محمدیہ کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ یہ پہلی قسم ہے جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بعض فرائض میں کوتاہی اور بعض محرمات کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انھیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس لیے کہا کہ وہ اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے کو اس اعلیٰ درجے سے محروم کر لیں گے جو باقی دو قسموں کو حاصل ہوں گے۔

3 یہ دوسری قسم ہے، یعنی ملے جلے عمل کرتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو فرائض کے پابند، محرمات کے تارک تو ہیں لیکن کبھی مستحبات کا ترک اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی ان سے ہو جاتا ہے یا وہ ہیں جو نیک تو ہیں لیکن پیش پیش نہیں ہیں۔

4 یہ وہ ہیں جو دین کے معاملے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں۔

5 یعنی کتاب کا وارث کرنا اور شرف و فضل میں ممتاز (مصطفیٰ) کرنا۔

6 بعض کہتے ہیں کہ جنت میں صرف سابقون جائیں گے لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا سیاق اس امر کا متقاضی ہے کہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سابقین بغیر حساب کتاب کے اور ﴿ مُّقۡتَصِدٌ ﴾ آسان حساب کے بعد اور ظالمین شفاعت سے یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: ''یہ امت مرحومہ ہے، ظالم، یعنی گناہ گار کی مغفرت ہو جائے گی، مُقۡتَصِد، اللہ کے ہاں جنت میں ہو گا

حَرِيْرٌ ﴿33﴾

اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم کی ہوگی ○ [1]

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿34﴾

اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دُور کیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے ○

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿35﴾

جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی ○

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿36﴾

اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو اُن کی قضا ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ○

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اور وہ لوگ اُس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے، ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اُن کاموں کے جو کیا کرتے تھے، [2] (اللہ کہے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا [3]

اور سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ درجات عالیہ پر فائز ہوگا۔ (ابن کثیر) گناہ گار کی مغفرت کا مطلب، بالآخر معافی ہے، چاہے سزا بھگت کر یا اس کے بغیر ہی اللہ کے فضل و کرم سے۔

1 حدیث میں آتا ہے کہ ''ریشم اور دیباج دنیا میں مت پہنو، اس لیے کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث:5832، و صحيح مسلم، حديث:2073)

2 یعنی غیروں کی بجائے تیری عبادت اور معصیت کی بجائے اطاعت کریں گے۔

3 اس سے مراد کتنی عمر ہے۔ مفسرین نے مختلف عمریں بیان کی ہیں۔ بعض نے بعض احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ 60 سال کی عمر مراد ہے۔ (ابن کثیر) لیکن ہمارے خیال میں عمر کی تعیین صحیح نہیں، اس لیے کہ عمریں مختلف ہوتی ہیں، کوئی جوانی میں، کوئی کہولت میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے، پھر یہ ادوار بھی لمحۂ گزراں کی طرح مختصر نہیں ہوتے بلکہ ہر دور خاصا ممتد (لمبا) ہوتا ہے، مثلاً: جوانی کا دور، بلوغت سے کہولت تک اور کہولت (ادھیڑ عمر) کا دور شیخوخت (بڑھاپے) تک اور بڑھاپے کا دور موت تک رہتا ہے۔ کسی کو سوچ بچار، نصیحت خیزی اور

ع 4/11/16 مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿37﴾

وہ سمجھ سکتا اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا،[1] سو مزہ چکھو کہ (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○

اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿38﴾

بے شک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا،[2] بے شک وہی دل کی باتوں کا جاننے والا ہے ○[3]

ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ ؕ وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ کُفۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ کُفۡرُہُمۡ اِلَّا خَسَارًا ﴿39﴾

وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا، سو جو شخص کفر کرے گا اُس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑے گا اور کافروں کے لیے اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کے لیے اُن کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے ○[4]

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ

آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم

اثر پذیری کے لیے چند سال، کسی کو اس سے زیادہ اور کسی کو اس سے بھی زیادہ سال ملتے ہیں اور سب سے یہ سوال کرنا صحیح ہوگا کہ ہم نے تجھے اتنی عمر دی تھی کہ اگر تو حق کو سمجھنا چاہتا تو سمجھ سکتا تھا، پھر تو نے حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

1 اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، یعنی یاددہانی اور نصیحت کے لیے پیغمبر اور اس کے منبر ومحراب کے وارث علماء اور دعاۃ تیرے پاس آئے لیکن تو نے اپنی عقل وفہم سے کام لیا نہ داعیانِ حق کی باتوں کی طرف دھیان کیا۔

2 یہاں یہ بیان کرنے سے یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ تم دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کر رہے ہو اور دعویٰ کر رہے ہو کہ اب نافرمانی کی جگہ اطاعت اور شرک کی جگہ توحید اختیار کرو گے۔ لیکن ہمیں علم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تمھیں اگر دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُہُوۡا عَنۡہُ﴾ (الأنعام 28:6) ''اگر انھیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کام کریں گے جن سے انھیں منع کیا گیا تھا۔''

3 یہ پچھلی بات کی تعلیل (سبب بیان کرنا) ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم کیوں نہ ہو جبکہ وہ سینوں کی باتوں اور رازوں سے بھی واقف ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔

4 یعنی اللہ کے ہاں کفر کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا بلکہ اس سے اللہ کے غضب اور ناراضی میں بھی اضافہ ہوگا اور انسان کے اپنے نفس کا خسارہ بھی زیادہ۔

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوۡنِيۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا فَهُمۡ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنۡهُ ۚ بَلۡ اِنۡ يَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿40﴾

اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ (مجھ کو) یہ بتلاؤ کہ انھوں نے زمین میں سے کون سا (جز) بنایا ہے یا اُن کا آسمانوں میں میں کچھ حصہ ہے یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اُس کی دلیل پر قائم ہوں [1] بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں ○ [2]

اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿41﴾

یقینی بات ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں [3] اور اگر وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی اُن کو تھام بھی نہیں سکتا۔ [4] وہ

---

1 یعنی ہم نے ان پر کوئی کتاب نازل کی ہو جس میں یہ درج ہو کہ میرے بھی کوئی شریک ہیں جو آسمان و زمین کی تخلیق میں حصے دار اور شریک ہیں۔

2 یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے بلکہ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔ ان کے لیڈر اور پیر کہتے تھے کہ یہ معبود انھیں نفع پہنچائیں گے، انھیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ باتیں شیاطین مشرکین سے کہتے تھے۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جس کا اظہار وہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آئیں گے جس سے ان کو اپنے کفر پر جمے رہنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

3 كَرَاهَةَ أَنْ تَزُولَا یا لِئَلَّا تَزُولَا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت وصنعت کا بیان ہے۔ بعض نے کہا: مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک کا اقتضا ہے کہ آسمان و زمین اپنی حالت پر برقرار نہ رہیں بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں، جیسے آیت: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ○ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴾ (مریم 19:90'91) ''قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھیں۔'' کا مفہوم ہے۔

4 یعنی یہ اللہ کے کمال قدرت کے ساتھ اس کی کمال مہربانی بھی ہے کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہے اور انھیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ہے، ورنہ پلک جھپکنے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے کیونکہ اگر وہ انھیں تھامے نہ رکھے اور انھیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان کو تھام لے ﴿ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا ﴾ میں اِنۡ نافیہ ہے۔ اللہ نے اپنے اس احسان اور نشانی کا تذکرہ دوسرے مقامات پر بھی فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ﴾ (الحج 22:65) ''اسی نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے مگر جب اس کا حکم ہوگا۔'' اور ﴿ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ ﴾ (الروم 30:25) ''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔''

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ﴿42﴾

اسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿43﴾

حلیم، غفور ہے ○ [1]

اور اُن کفار نے بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں۔ [2] پھر جب اُن کے پاس ایک ڈرانے والا پہنچا [3] تو بس اُن کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا○

دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، [4] اور اُن کی بُری تدبیروں کی وجہ سے، [5] اور بُری تدبیروں کا وبال اُن تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے، [6] سو کیا یہ اُسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ [7] سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے، [8] اور آپ اللہ کے

---

1 اتنی قدرتوں کے باوجود وہ حلیم ہے۔ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کفروشرک اور نافرمانی کر رہے ہیں، پھر بھی وہ ان کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور غفور بھی ہے، کوئی تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے، توبہ واستغفار وندامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

2 اس میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ بعثت محمدی سے قبل یہ مشرکین عرب قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہماری طرف کوئی رسول آیا تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور اس پر ایمان لانے میں ایک مثالی کردار ادا کریں گے۔ یہ مضمون دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۃ الأنعام 157,156:6، و سورۃ الصّٰفّٰت 37:167-170)

3 یعنی حضرت محمد ﷺ ان کے پاس نبی بن کر آگئے جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے۔

4 یعنی آپ کی نبوت پر ایمان لانے کی بجائے انکار ومخالفت کا راستہ محض استکبار اور سرکشی کی وجہ سے اختیار کیا۔

5 اور بری تدبیر، یعنی حیلہ، دھوکا اور عمل قبیح کی وجہ سے کیا۔

6 یعنی لوگ مکر وحیلہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور اس کا وبال بالآخر مکر وحیلہ کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔

7 یعنی کیا یہ اپنے کفروشرک، رسول کی مخالفت اور مومنوں کو ایذائیں پہنچانے پر مصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انھیں بھی اس طرح ہلاک کیا جائے جس طرح پچھلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔

8 بلکہ یہ اسی طرح جاری ہے اور ہر مکذب (جھٹلانے والے) کا مقدر ہلاکت ہے یا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب کو رحمت سے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿44﴾

وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ﴿45﴾ ع 5/8 17

دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے ○ [1]

اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اُس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے ○

اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا، [2] لیکن اللہ اُن کو ایک میعادِ معین تک مہلت دے رہا ہے، [3] سو جب اُن کی وہ میعاد آ پہنچے گی اللہ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا ○ [4]

اٰیَاتُہَا 83 (36) سُوۡرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ (41) رُکُوۡعَاتُہَا 5

سورۂ یٰسٓ [5] مکی ہے، اس میں 83 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

---

1 یعنی کوئی اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا یا اس کا رخ پھیرنے والا نہیں ہے، یعنی جس قوم کو اللہ عذاب سے دوچار کرنا چاہے، کوئی اس کا رخ کسی اور قوم کی طرف پھیر دے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مطلب اس سنت اللہ کی وضاحت سے مشرکین عرب کو ڈرانا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، وہ کفر وشرک چھوڑ کر ایمان لے آئیں، ورنہ وہ اس سنت الٰہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آ کر رہیں گے، کوئی اس قانون الٰہی کو بدلنے پر قادر ہے اور نہ عذاب الٰہی کو پھیرنے پر۔

2 انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیتا، انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں، ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسلہ منقطع فرما دیتا، جس سے زمین پر چلنے والے سب دَابّہ (انسان اور حیوان) مر جاتے۔

3 یہ میعادِ معین دنیا میں بھی ہوسکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔

4 یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان واطاعت کو اجر وثواب اور اہل کفر ومعصیت کو عتاب وعقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعید۔

5 سورۂ یٰسٓ کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں، مثلاً: یہ کہ یہ قرآن کا دل ہے، اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو، وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف

یٰسٓ ①
وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ②
اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ③
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ④
تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ⑤
لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ⑥

یٰسٓ ○ [1]
قسم ہے قرآن باحکمت کی ○ [2]
کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں ○ [3]
سیدھے راستے پر ہیں ○ [4]
یہ قرآن اللہ زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ○ [5]
تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے تھے، سو (اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں ○ [6]

ہیں۔قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔(الضعیفہ:312/1، حدیث:169)

1 بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔بعض نے اسے نبی ﷺ کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسمائے حسنی میں سے بتلایا ہے۔لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔یہ بھی ان حروف مُقَطَّعَات میں سے ہی ہے۔جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

2 یا قرآن محکم کی جو نظم و معنی کے لحاظ سے محکم، یعنی پختہ ہے۔واؤ قسم کے لیے ہے۔آگے جواب قسم ہے۔

3 مشرکین نبی ﷺ کی رسالت میں شک کرتے تھے، اس لیے آپ کی رسالت کا انکار کرتے اور کہتے تھے: ﴿لَسۡتَ مُرۡسَلًا﴾ (الرعد43:13) ''تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے۔'' اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا کہ آپ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔اس میں آپ کے شرف و فضل کا اظہار ہے۔اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی رسالت کی قسم نہیں کھائی، یہ بھی آپ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے اثبات کے لیے قسم کھائی۔ ﷺ

4 یہ ﴿اِنَّکَ﴾ کی دوسری خبر ہے، یعنی آپ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔یا ایسے راستے پر ہیں جو سیدھا اور مطلوب منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔

5 یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو عزیز ہے، یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے سے انتقام لینے پر قادر ہے ﴿الرَّحِیۡمِ﴾ ہے، یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر رہے گا، اس کے لیے نہایت مہربان ہے۔

6 یعنی آپ کو رسول اس لیے بنایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن میں آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔یہ مضمون پہلے بھی کئی

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦
اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧
وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨
وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ○ [1]
ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، جس سے ان کے سر اوپر کو اُلٹ گئے ہیں ○ [2]
اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی، [3] جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا، [4] سو وہ نہیں دیکھ سکتے ○
اور آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں برابر ہیں، یہ

جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد، نبی ﷺ سے پہلے، براہ راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

1 جیسے ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہونے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ''میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔'' (السجدة 13:32) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا: ''میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا۔'' (صٓ 84:38)، یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جہنم کا مستحق قرار دے لیا کیونکہ اللہ نے تو ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا لیکن انھوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جہنم کا ایندھن بن گئے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے جبراً ان کو ایمان سے محروم رکھا کیونکہ جبر کی صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔

2 جس کی وجہ سے وہ اِدھر اُدھر دیکھ سکتے ہیں نہ سر جھکا سکتے ہیں بلکہ وہ سر اوپر اٹھائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان کے عدم قبول حق کی اور عدم انفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی سزائے جہنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (أیسر التفاسیر)

3 یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کر دی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ لذائذ دنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیز ان کے ایمان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں ناممکن الوقوع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

4 یا ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا، یعنی رسول سے عداوت اور اس کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی یا انھیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دوسری تمثیل ہے۔

لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ⑩
اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ
بِالۡغَيۡبِ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّاَجۡرٍ كَرِيۡمٍ ⑪

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰى وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا
وَاٰثَارَهُمۡ ؕ وَكُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ
ع 1/12/18 مُّبِيۡنٍ ⑫ ع

ایمان نہیں لائیں گے ○ [1]
بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں [2] جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے، سو آپ اس کو مغفرت اور باوقار اجر کی خوش خبریاں سنا دیجیے ○
بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے، [3] اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں [4] اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور ہم

1 یعنی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے انذار (اللہ کے عذاب سے ڈرانا) بے فائدہ رہتا ہے۔

2 یعنی انذار سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے جو...... الخ

3 یعنی قیامت والے دن۔ یہاں اِحیائے ﴿الْمَوْتٰى﴾ کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا دل چاہتا ہے، زندہ کر دیتا ہے جو کفر وضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں، پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنا لیتے ہیں۔

4 ﴿مَا قَدَّمُوْا﴾ سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور ﴿اٰثَارَهُمْ﴾ سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (اچھے یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتدا میں لوگ وہ اعمال بجا لاتے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے: ''جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا، اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا، اس پر اس کے اپنے گناہ کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1017) اسی طرح یہ حدیث ہے: ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے۔ ① علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ② نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے ③ یا صدقہ جاریہ جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فیض یاب ہوں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1631) ﴿اٰثَارَهُمْ﴾ کا دوسرا مطلب نشانات قدم ہے، یعنی انسان نیکی یا بدی کے لیے جو سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی لکھے جاتے ہیں، جیسے عہد رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنو سلمہ نے ادھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا: «دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ» (دو مرتبہ فرمایا) ''تمھارے گھر اگرچہ دور ہیں لیکن وہیں رہو، جتنے قدم تم چل کر آتے ہو، وہ لکھے جاتے

وقف لازم

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ ⑬
اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ⑭
قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ⑮

نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے ○ [1]
اور آپ اُن کے سامنے ایک مثال (ایک) بستی والوں کا قصہ بیان کیجیے جب کہ اُس بستی میں (کئی) رسول آئے ○ [2]
جب ہم نے اُن کے پاس دو کو بھیجا سو اُن لوگوں نے (اول) دونوں کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی سو اُن تینوں نے کہا کہ ہم تمھارے پاس بھیجے گئے ہیں ○ [3]
اُن لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو ○ [4]

ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 665) امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح ہیں، ان کے درمیان منافات نہیں ہے بلکہ اس دوسرے مفہوم میں سخت تنبیہ ہے، اس لیے کہ جب قدموں کے نشانات تک لکھے جاتے ہیں تو انسان جو اچھا یا برا نمونہ چھوڑ جائے جس کی لوگ بعد میں پیروی کریں تو وہ بطریق اولیٰ لکھا جائے گا۔

1 اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔

2 تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ رسالت ونبوت کا یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ انھوں نے بھی آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی طرح اپنی قوم کو توحید کا درس دیا، قیامت سے ڈرایا اور اہل ایمان کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوش خبری دی۔ یا اس کا مطلب رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کوئی پہلے نبی نہیں ہیں، آپ سے پہلے بھی کئی رسول آئے بلکہ بعض جگہ ایک ہی وقت میں کئی کئی رسول آئے (جیسے انطاکیہ میں تین رسول آئے) لیکن ان کی قوم ان پر ایمان نہیں لائی بلکہ انھیں ایذا پہنچائی جس پر انھوں نے صبر کیا، اس لیے آپ کی قوم بھی آپ کے ساتھ بے رخی کا معاملہ کر رہی ہے تو یہ تاریخ کا ایک تسلسل ہے جسے ہر رسول کے ساتھ دہرایا گیا ہے، اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

3 یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں لیکن یہ نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے جو انھوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

4 یعنی ان کا بھی خیال تھا کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے نہیں، کسی اور مخلوق سے ہونے چاہئیں۔ انسانوں میں سے ہی کسی ایک انسان کا نبی بن جانا کوئی بات نہیں، نہ اس وجہ سے اسے دوسروں پر کوئی فضیلت یا امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔

قَالُوۡا رَبُّنَا يَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ ⑯	ان (رسولوں) نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بے شک ہم تمھارے پاس بھیجے گئے ہیں ○
وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ⑰	اور ہمارے ذمے تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے ○
قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ⑱	اُنھوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمھارا کام تمام کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی ○
قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ ؕ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ⑲	ان رسولوں نے کہا کہ تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے،[1] کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو ○
وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ يَّسۡعٰى قَالَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ⑳	اور ایک شخص (اُس) شہر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو ○[2]
اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا يَسۡـَٔـلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ㉑	ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں ○

1 یعنی وہ تو تمھارے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے جو تمھارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔

2 یہ شخص مسلمان تھا، جب اسے پتہ چلا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپنا رہی ہے تو اس نے آکر رسولوں کی حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿22﴾

اور مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اُس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ [1]

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿23﴾

کیا میں اُسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اُن کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں ○ [2]

اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿24﴾

پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں ○ [3]

اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿25﴾

میری سنو! میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لا چکا ○ [4]

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾

(اُس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا، کہنے لگا: کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا ○

---

1 اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی، جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبود کی عبادت کرتا ہے جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے معبودوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے۔ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجار بتلایا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

2 یہ ان معبودان باطلہ کی بے بسی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گمراہی سے نکالنے کے لیے رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ ''نہ بچا سکیں'' کا مطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ بچا نہیں سکتے۔

3 یعنی اگر میں بھی تمھاری طرح اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبودوں کی عبادت شروع کر دوں تو میں بھی کھلی گمراہی میں جا گروں گا۔ یا ضلال، یہاں خسران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نہایت واضح خسارے کا سودا ہے۔

4 اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا جس سے مقصود دین حق پر اپنی صلابت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کر لو لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر ہے، جو تمھارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس کو مار ڈالا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔

بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ
الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿27﴾
وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ مِنۡ
جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا کُنَّا مُنۡزِلِیۡنَ ﴿28﴾
اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ہُمۡ
خٰمِدُوۡنَ ﴿29﴾
یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ ۚؑ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ
رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿30﴾
اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ
اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿31﴾

کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا ○ [1]
اس کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا، [2] اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں ○ [3]
وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب کے سب بُجھ بُجھا گئے ○ [4]
(ایسے) بندوں پر افسوس! [5] کبھی بھی کوئی رسول اُن کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی اُنھوں نے نہ اڑائی ہو ○
کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ اُن [6] کی طرف

---

1 یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش! میری قوم اس بات کو جان لے تاکہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے، بدخواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے، بے شک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہے کریں حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔

2 یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا۔ یہ اس قوم کی تحقیر شان کی طرف اشارہ ہے۔

3 یعنی جس قوم کی ہلاکت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے۔

4 کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے جسموں سے روحیں نکل گئیں اور وہ بجھی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی شعلۂ فروزاں ہے اور موت اس کا بجھ کر راکھ کا ڈھیر ہو جانا۔

5 حسرت و ندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفسوں پر، قیامت والے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش! انھوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا حسرت بمعنی ویل و ہلاکت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے بندوں کے لیے ہلاکت ہے جن کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انھوں نے اس کے ساتھ استہزا ہی کیا۔

6 اس میں اہل مکہ کے لیے تنبیہ ہے کہ تکذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح پچھلی قومیں تباہ ہوئیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

ع 2/20 1 وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿32﴾

لوٹ کر نہیں آئیں گے ○
اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے ○ [1]

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿33﴾

اور اُن کے لیے ایک نشانی [2] (خشک) زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اُس سے غلہ نکالا جس میں سے وہ کھاتے ہیں ○

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿34﴾

اور ہم نے اُس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات پیدا کر دیے، [3] اور جن میں ہم نے چشمے بھی جاری کر دیے ہیں ○

لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿35﴾

تاکہ (لوگ) اُس کے پھل کھائیں، [4] اور اُس کو اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، [5] پھر کیوں شکر گزاری نہیں کرتے ○

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ

وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے، خواہ

---

1 اس میں إِنْ نافیہ ہے اور ﴿لَّمَّا﴾ إِلَّا کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی، سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہوگا۔

2 یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت تامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔

3 یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے بلکہ ان کے کام ودہن کی لذت کے لیے انواع واقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیر المنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے، پھر غلے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

4 یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔

5 امام ابن جریر کے نزدیک یہاں ﴿مَا﴾ نافیہ ہے، یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی ومحنت، کدوکاوش اور تصرف کا دخل نہیں ہے، پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک ﴿مَا﴾ موصولہ ہے جو الَّذِي کے معنی میں ہے، یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور وہ جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کر کے بیج بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً: انھیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنانا وغیرہ۔

الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾

وہ زمین کی اُگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود اُن کے نفوس ہوں، خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنھیں وہ جانتے بھی نہیں ○ [1]

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿37﴾

اور اُن کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○ [2]

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿38﴾

اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اُسی پر چلتا رہتا ہے۔ [3] یہ ہے اندازہ (ٹھہرایا ہوا) غالب، باعلم (اللہ) کا ○

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ

اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، [4] یہاں تک

---

1 یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نر اور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں میں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر اور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے، پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نر اور مادے کا یہی نظام ہے حتیٰ کہ آخرت کی زندگی دنیا کی زندگی کے لیے بمنزلہ زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کوتاہیوں سے پاک ہے۔ وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں۔

2 یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے جس سے فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ﴿نَسْلَخُ﴾ کے معنی ہوتے ہیں جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا جس سے اس کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ ﴿اَظْلَمَ﴾ کے معنی ہیں: اندھیرے میں داخل ہونا، جیسے أَصْبَحَ اور اَمْسٰی اور أَظْهَرَ کے معنی ہیں: صبح، شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔

3 یعنی اپنے اس مدار (فلک) میں چلتا رہتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا جائے۔ دوسرے معنی ہیں: ''اپنے ٹھہرنے کی جگہ تک'' اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جو سورۂ حج کی آیت 18:22 کے حاشیے میں گزر چکی ہے کہ سورج روزانہ غروب کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4802) دونوں مفہوم کے اعتبار سے ﴿لِمُسْتَقَرٍّ﴾ میں لام، علت کے لیے ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ مُسْتَقَرٍّ لَهَا. بعض کہتے ہیں کہ لام، اِلٰی کے معنی میں ہے، پھر مستقر یوم قیامت ہوگا، یعنی سورج کا یہ چلنا قیامت کے دن تک ہے، قیامت والے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ یہ تینوں مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

4 چاند کی 28 منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر کبھی ایک رات کبھی دو راتیں غائب رہ کر دوسری یا تیسری رات کو نکل آتا ہے۔

كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿39﴾
کہ وہ لوٹ کر کھجور کی پُرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے ○ [1]

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿40﴾
نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے [2] اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، [3] اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں ○ [4]

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ﴿41﴾
اور اُن کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے اُن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ○ [5]

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿42﴾
اور اُن کے لیے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں ○ [6]

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا
اور اگر ہم چاہتے تو اُنھیں ڈبو دیتے، پھر نہ تو کوئی اُن کا

---

1 یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے، جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ چاند کی انھی گردشوں سے سُکَّانِ اَرض (زمین پر آباد لوگ) اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادات کا تعین کرتے ہیں۔

2 یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے بلکہ دونوں کا اپنا اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

3 بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔

4 ﴿كُلٌّ﴾ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کواکب و نجوم مراد ہیں، سب اپنے اپنے مدار میں گھومتے ہیں، ان کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

5 اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے تمھارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلنا آسان فرما دیا حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ذُرِّيَّةٌ سے مقصود آبائے ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتیٔ نوح ہے، یعنی سفینۂ نوح میں ان لوگوں کو بٹھایا جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آباء اس میں سوار تھے۔

6 اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور سامان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آ گئیں، جیسے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلیں، بسیں، کاریں اور دیگر نقل و حمل کی اشیاء۔

هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿43﴾
فریادرس ہوتا نہ وہ بچائے جاتے ○

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿44﴾
لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت تک کے لیے اُنھیں فائدے دے رہے ہیں ○

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿45﴾
اور اُن سے جب (کبھی) کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے (گناہوں) سے بچو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿46﴾
اور اُن کے پاس تو اُن کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے وہ بے رُخی نہ برتتے ہوں ○ [1]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿47﴾
اور اُن سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے میں سے کچھ دو، [2] تو وہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم اُنھیں کیوں کھلائیں؟ جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا، [3] تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں ○ [4]

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾
وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا، سچے ہو تو بتلاؤ ○

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿49﴾
انھیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انھیں آ پکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے ہی میں ہوں گے ○ [5]

1 یعنی توحید اور صداقت رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غور ہی نہیں کرتے کہ جس سے ان کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوہ ہے۔

2 یعنی غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔

3 یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں؟

4 یعنی یہ کہہ کر کہ، غرباء کی مدد کرو، کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی مشیت ہی سے تھی لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنا لینا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غرباء و مساکین کی امداد کی جائے، اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے جن کو بجا لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو۔

5 یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک

فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَاۤ اِلٰۤی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿50﴾ ع 3/18 2

اُس وقت نہ تو یہ وصیت کرسکیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے ○

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿51﴾

تو صُور کے پھونکے جاتے ہی سب [1] کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے ○

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ سکتۃ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿52﴾ وقف لازم

کہیں گے: ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔ [2] یہی ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا ○

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿53﴾

یہ نہیں ہے مگر ایک تُند آواز کہ یکا یک سارے کے سارے ہمارے سامنے حاضر کردیے جائیں گے ○

فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿54﴾

پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمھیں نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر صرف اُن ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ○

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿55﴾

جنتی لوگ آج کے دن اپنے (دلچسپ) مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں ○ [3]

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَی الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿56﴾

وہ اور اُن کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ○

لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ﴿57﴾ صلے ج

ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی

دیا جائے گا اور قیامت برپا ہوجائے گی یہ نفخۂ اولیٰ ہوگا جسے نفخۂ فزع بھی کہتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا۔ نَفُخَۃُ الصَّعُقِ، جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ان چند فرشتوں کے علاوہ جن کو اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے گا، سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

1 پہلے قول کی بنا پر یہ نفخۂ ثانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نفخۂ ثالثہ ہوگا، جسے نَفُخَۃُ الْبَعُثِ وَالنُّشُورِ کہتے ہیں، اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

2 قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہوگا بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے، اس کے مقابلے میں انھیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہوگی۔

3 ﴿فٰكِهُوْنَ﴾ کے معنی ہیں: فَرِحُون خوش، اور مسرور۔

سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿58﴾

جو کچھ وہ طلب کریں ○
مہربان پروردگار کی طرف سے اُنھیں ''سلام'' کہا جائے گا ○[1]

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿59﴾
اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا
تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿60﴾
وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾
وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ
تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿62﴾

اے گناہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ ○[2]
اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،[3] وہ تو تمھارا کھلا دشمن ہے ○[4]
اور میری ہی عبادت کرنا۔[5] سیدھی راہ یہی ہے ○[6]
شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے ○[7]

---

1 اللہ کا یہ سلام فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔

2 یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو، یعنی میدان محشر میں اہل ایمان وطاعت اور اہل کفر ومعصیت الگ الگ کر دیے جائیں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ○﴾ (الروم 30:14) ﴿يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ○﴾ (الروم 30:43) أَيْ يَصِيرُونَ صِدْعَيْنِ فِرْقَتَيْنِ ''اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔'' دوسرا مطلب ہے کہ مجرمین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا، مثلاً: یہودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صَابِئِین اور مجوسیوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔

3 اس سے مراد عہد الست ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالنے کے وقت لیا گیا تھا یا وہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبانی لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان وزمین میں اللہ نے قائم کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

4 یہ اس کی علت ہے کہ تمھیں شیطان کی عبادت اور اس کے وسوسے قبول کرنے سے اس لیے روکا گیا تھا کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمھیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

5 یعنی یہ بھی عہد لیا تھا کہ تمھیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

6 یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء لوگوں کو بلاتے رہے اور یہی منزل مقصود، یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔

7 یعنی اتنی عقل بھی تمھارے اندر نہیں کہ شیطان تمھارا دشمن ہے، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمھارا رب ہوں، میں ہی تمھیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمھاری رات دن حفاظت کرتا ہوں، لہٰذا تمھیں میری نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ تم شیطان کی عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نہایت بے عقلی اور نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿63﴾
اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿64﴾
اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ
اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿65﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْيُنِهِمْ
فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿66﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا
ع 17 3 اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿67﴾ ع
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا
يَعْقِلُوْنَ ﴿68﴾

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا تھا ○
اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لیے آج اس میں داخل ہو جاؤ ○[1]
ہم آج کے دن اُن کے منہ پر مہریں لگا دیں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہیاں دیں گے، اُن کاموں کی جو وہ کرتے تھے ○[2]
اگر ہم چاہتے تو اُن کی آنکھیں بے نور کر دیتے، پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن اُنھیں کیسے دکھائی دیتا؟ ○[3]
اور اگر ہم چاہتے تو اُن کی جگہ ہی پر اُن کی صورتیں مسخ کر دیتے، پھر نہ وہ چل پھر سکتے اور نہ لوٹ سکتے ○[4]
اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اُسے پیدائشی حالت کی طرف پھر اُلٹا کر دیتے ہیں[5] کیا پھر بھی وہ نہیں

---

1 یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جہنم کی سختیوں کا مزہ چکھو۔
2 یہ مہر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئے گی کہ ابتداءً مشرکین قیامت والے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○﴾ (الأنعام 23:6) ''اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویائی عطا فرما دے گا، ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت، دونوں مرحلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا بول کر گواہی دینا، حجت واستدلال میں زیادہ بلیغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدیر) اس مضمون کو احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحيح مسلم، حديث: 2969,2968)
3 یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انھیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا۔ لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔
4 یعنی نہ آگے جا سکتے، نہ پیچھے لوٹ سکتے بلکہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے ہیں، یعنی انسان سے پتھر یا جانور کی شکل میں تبدیل کر دینا۔
5 یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اس کی پیدائش کو بدل کر برعکس حالت میں کر دیتے ہیں، یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کہولت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے برعکس اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ

سمجھتے؟ ○ [1]

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿69﴾

نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اُس کے لائق ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے ○ [2]

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿70﴾

تاکہ وہ ہر اُس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے، [3] اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے ○ [4]

وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔

1 کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے، کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

2 مشرکین مکہ نبی ﷺ کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی کہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موعظت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط وتفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعر بالعموم محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھلائے، نہ اشعار کی اس پر وحی کی بلکہ اس کے مزاج وطبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے جس طرح آپ کی أُمِّيَّتْ (ان پڑھ ہونے کی صفت) بھی قطع شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کر لیا ہے، البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان وبحور کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ ایسا آپ کے قصد وارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح حنین والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ ''اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ میں نبی ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

ایک اور موقع پر آپ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ» (صحيح البخاري، حديث2802، وصحيح مسلم، حديث:1796) ''تو تُو ایک انگلی ہی ہے جو خون آلود ہوئی ہے (زخمی ہوئی) اور اللہ کے راستے ہی میں تجھے یہ تکلیف پہنچی ہے۔''

3 یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

4 یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہو جائے۔ ﴿لِّيُنْذِرَ﴾ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿71﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں [1] سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے اُن کے لیے چوپائے [2] جانور (بھی) پیدا کر دیے جن کے یہ مالک ہوگئے ہیں ○ [3]

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿72﴾

اور ان مویشیوں کو ہم نے اُن کا تابع فرمان بنا دیا ہے [4] جن میں سے بعض تو اُن کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں ○

وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾

اُنھیں ان سے اور بھی بہت سے فائدے ہیں، [5] اور مشروبات۔ کیا پھر (بھی) یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟ ○

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿74﴾ ؕ

اور وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ مدد کیے جائیں ○ [6]

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿75﴾

(حالانکہ) اُن میں ان کی مدد کی طاقت ہی نہیں، (لیکن) پھر بھی (مشرکین) اُن کے لیے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں ○ [7]

---

1 اس سے مطلب غیروں کی شرکت کی نفی ہے، ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کا ان کے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔

2 ﴿اَنْعَامًا﴾ نَعَمٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے، یعنی اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) ہیں۔

3 یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہ آسکتے۔

4 یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ انھیں ذبح بھی کر دیتے ہیں اور چھوٹے بچے بھی انھیں کھینچے پھرتے ہیں۔

5 یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں، مثلاً: ان کی اون اور بالوں سے کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔

6 یہ ان کے کفرانِ نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ لیکن یہ بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں، یعنی ان کی عبادت و اطاعت کریں، یہ غیروں سے امیدیں وابستہ کرتے اور انھیں معبود بناتے ہیں۔

7 ﴿جُنْدٌ﴾ سے مراد بتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، ﴿مُّحْضَرُوْنَ﴾ دنیا میں ان

وقف لازم

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿76﴾
أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ
نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿77﴾
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ
يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿78﴾
قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ
بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿79﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا
فَإِذَآ أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿80﴾
أَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ
عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ

پس آپ کو اُن کی بات غمناک نہ کرے۔ ہم اُن کی پوشیدہ اور علانیہ سب باتوں کو (بخوبی) جانتے ہیں ○
کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا ○
اور اُس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا: ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرسکتا ہے؟ ○
آپ جواب دیجیے کہ اُنھیں وہ زندہ کرے گا جس نے اُنھیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے،[1] اور وہ سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے ○
وہی جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم یکایک آگ سُلگاتے ہو ○[2]
جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان جیسوں[3] کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر ہے

کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے۔ وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ انھیں کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں، نہ کہ خود ان کے وہ معبود۔

1 یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس کی قدرت احیائے موتیٰ کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا والے دن خشکی میں اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری راکھ جمع کرکے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: تیرے خوف سے، چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحيح البخاري، حديث:6480)

2 کہتے ہیں: عرب میں دو درخت ہیں مرخ اور عفار۔ ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

3 یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی

الْعَلِيْمُ ﴿81﴾
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿82﴾
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ
5 16 4 ع وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾

اور وہی تو پیدا کرنے والا جاننے والا ہے ○
وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اُسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اُسی وقت ہو جاتی ہے ○ [1]
پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور [2] جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○ [3]

اٰيَاتُهَا 182 (37) سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ (56) رُكُوْعَاتُهَا 5

سورۂ صافات مکی ہے، اس میں 182 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

المنزل السادس 6

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿1﴾
فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿2﴾
فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿3﴾
اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿4﴾

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی ○
پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی ○
پھر ذکر (قرآن) کی تلاوت کرنے والوں کی ○
یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے ○ [4]

پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن 40:57) ''آسمان و زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔'' سورۂ احقاف 46:33 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

1 یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کر دینا کون سا مشکل معاملہ ہے۔

2 ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی، جیسے رَحْمَة اور رَحَمُوت، رَهْبَةٌ اور رَهَبُوت، جَبَر اور جَبَرُوت وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح القدیر) یعنی مَلَكُوتٌ مُلْكٌ کا مبالغہ ہے۔

3 یعنی یہ نہیں ہوگا کہ مٹی میں رل مل کر تمھارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نہیں بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہوگا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کر لو۔ تمھیں بہر حال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا، جہاں وہ عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔

4 الصّٰٓفّٰتِ، فَالزّٰجِرٰتِ، فَالتّٰلِيٰتِ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے یا اللہ کے حکم کے انتظار میں صف بستہ، وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو، جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں ہانک کر لے جانے والے۔ اللہ کے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا معبود ایک ہی ہے۔ متعدد نہیں جیسا کہ مشرکین نے بنائے ہوئے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۭ﴿5﴾

آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے ○ [1]

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِۨ الْكَوَاكِبِ ۙ﴿6﴾

ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ○

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿7﴾

اور حفاظت کے لیے ہر سرکش شیطان سے ○ [2]

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿8﴾

عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں ○

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿9﴾

بھگانے کے لیے اور اُن کے لیے دائمی عذاب ہیں ○

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿10﴾

مگر جو کوئی ایک آدھ بات اُچک لے بھاگے تو (فوراً ہی) اُس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے ○

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ

اُن کافروں سے پوچھو تو کہ آیا اُن کا پیدا کرنا زیادہ دشوار

ہیں۔عرف عام میں قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر چیز اللہ کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے، اس کے لیے جائز ہے۔لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ قسم میں، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اسے گواہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا کیونکہ عالم الغیب صرف وہی ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

1 مطلب ہے مشارق ومغارب کا رب۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق ومغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورۂ رحمٰن میں ﴿الْمَشْرِقَيْنِ﴾ اور ﴿الْمَغْرِبَيْنِ﴾ تثنیہ کے ساتھ ہیں، یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع وغروب ہوتا ہے، یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دوسرے مختصر یا قریب ترین مشرق ومغرب اور جہاں مشرق ومغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ جہت ہے جس سے سورج طلوع یا اس میں غروب ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

2 یعنی آسمان دنیا پر، زینت کے علاوہ، ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو، چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں جیسا کہ اگلی آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد رات کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سہ گانہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪	ہے یا (مذکورہ بالا چیزوں کا) جنھیں ہم نے پیدا کیا؟[1] ہم نے (ان انسانوں کو) لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے ○[2]
بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ⑫	بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخرا پن کر رہے ہیں ○[3]
وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬	اور جب اُنھیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے ○
وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭	اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں ○
وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮	اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے ○[4]
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯	کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے، پھر کیا (سچ مچ) ہم اٹھائے جائیں گے؟ ○
اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰	کیا ہم سے پہلے کے ہمارے باپ دادا بھی؟ ○
قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ⑱	آپ جواب دیجیے کہ ہاں ہاں! اور تم ذلیل (بھی) ہو گے ○[5]
فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑲	وہ تو صرف ایک زور کی جھڑکی ہے[6] کہ یکا یک یہ

1 یعنی ہم نے جو زمین، ملائکہ اور آسمان جیسی چیزیں بنائی ہیں جو اپنے حجم اور وسعت کے لحاظ سے نہایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا، ان چیزوں کی تخلیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔

2 یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مُسْتَبْعَدْ (ناممکن) کیوں سمجھتے ہیں درآں حالیکہ ان کی پیدائش ایک نہایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جبکہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل واتم چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدیر)

3 یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے مان نہیں رہے اور وہ آپ کے دعوئ قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔

4 یعنی یہ ان کا شیوہ ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا معجزہ پیش کیا جائے تو استہزا کرتے اور انھیں جادو باور کراتے ہیں۔

5 جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا: ﴿ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴾ (النمل 87:27) ''سب اس کی بارگاہ میں ذلیل ہو کر آئیں گے۔'' ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○ ﴾ (المؤمن 60:40) ''جو لوگ میری عبادت سے انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔''

6 یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم اور اسرافیل کی ایک ہی پھونک (نَفْخَة ثانية) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے

	دیکھنے لگیں گے ○ [1]
وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑳	اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی! یہی جزا (سزا) کا دن ہے ○
هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ㉑ ع [1/21/5]	یہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے ○ [2]
اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ㉒	اکٹھا کرو ظالموں کو [3] اور اُن کے ہمراہیوں کو [4] اور (جن) جن کی وہ پرستش کرتے تھے ○ [5]
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ㉓ ز	اللہ کے سوا، پھر اُنھیں دوزخ کی راہ دکھا دو ○
وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ㉔	اور اُنھیں ٹھہرالو، [6] (اس لیے) کہ اُن سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں ○

ہوں گے۔

1 یعنی ان کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر اور میدان محشر کی سختیاں ہوں گی جنھیں وہ دیکھیں گے۔ نفخے یا چیخ کو ﴿ زَجْرَةٌ ﴾ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔

2 وَيْلٌ کا لفظ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معائنۂ عذاب کے بعد انھیں اپنی ہلاکت صاف نظر آرہی ہو گی اور اس سے مقصود ندامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت ندامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔

3 یعنی جنھوں نے کفر وشرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا۔

4 اس سے مراد کفر وشرک اور تکذیب رسل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات وشیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بیویاں ہیں جو کفر وشرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔

5 ﴿ مَا ﴾ عام ہے، تمام معبودین کو، چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی بے حیثیتی واضح کرنے کے لیے جمع کیا جائے گا، تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جہنم سے دور ہی رکھے گا اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

6 یہ حکم جہنم میں لے جانے سے قبل ہوگا کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جہنم میں جائیں گے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿25﴾
تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ کہ (اس وقت) تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ○

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿26﴾
بلکہ وہ (سب کے سب) آج فرمانبردار بن گئے ○

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿27﴾
وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے ○

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿28﴾
کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے ○ [1]

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿29﴾
وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے ○ [2]

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿30﴾
اور کچھ ہمارا زور تو تم پر تھا (ہی) نہیں بلکہ تم (خود) سرکش لوگ تھے ○ [3]

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿31﴾
اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہوچکی کہ ہم (عذاب) چکھنے والے ہیں ○

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿32﴾
پس ہم نے تمھیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے ○ [4]

---

1 اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے، یعنی باور کراتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے، ہر طرف سے آتے تھے، وَالشِّمَال محذوف ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا: ''البتہ ضرور میں ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔'' (الأعراف 7:17)

2 لیڈر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرا رہے ہو؟

3 تابعین (مریدوں) اور متبوعین (پیروں) کی یہ باہمی تکرار قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کو یہ ملامت عرصہ قیامت (میدان محشر) میں بھی ہوگی اور جہنم میں جانے کے بعد جہنم کے اندر بھی۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ اعراف 7:38,39 وسورۂ احزاب 33:67,68 وسورۂ سبا 34:31,32 وسورۂ مؤمن 40:47,48 وغیرھا من الآیات)

4 یعنی جس بات کی پہلے، انھوں نے نفی کی کہ ہمارا تم پر کون سا زور تھا کہ تمھیں گمراہ کرتے۔ اب اس کا یہاں اعتراف ہے کہ ہاں واقعی ہم نے تمھیں گمراہ کیا تھا۔ لیکن یہ اعتراف اس تنبیہ کے ساتھ کیا کہ ہمیں اس ضمن میں مورد طعن مت بناؤ، اس لیے کہ ہم خود بھی گمراہ ہی تھے، ہم نے تمھیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہا اور تم نے آسانی سے ہماری راہ اپنا لی۔ جس طرح شیطان بھی اس روز کہے گا: ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿33﴾
سو اب آج کے دن تو (سب کے سب) عذاب میں شریک ہیں ○ [1]

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿34﴾
ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں ○ [2]

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿35﴾
یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے ○ [3]

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۭ ﴿36﴾
اور کہتے تھے کہ کیا اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟ ○ [4]

بَلْ جَاۗءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿37﴾
(نہیں نہیں) بلکہ (نبی) تو حق لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں ○ [5]

فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ (إبراهيم 22:14) ”میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا، ہاں میں نے تمھیں بلایا تو تم نے میری بات مان لی، پس (اب) تم مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو۔“

1 اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترکہ ہے، شرک، معصیت اور شر وفساد ان سب کا وتیرہ تھا۔

2 یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔

3 یعنی دنیا میں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے، تم بھی یہ پڑھ لو تا کہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر وغضب سے بچ جاؤ اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی سے تمھیں دوچار ہونا نہ پڑے تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ» (صحيح البخاري، حديث: 2946، وصحيح مسلم، حديث: 33-(21)) ”مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کر لی۔“

4 یعنی انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے معبودوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزانگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

5 یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہو جبکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے، وہ سچ ہے اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ کام کسی دیوانے کا یا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ﴿۳۸﴾
یقیناً تم دردناک عذاب (کا مزہ) چکھنے والے ہو ○

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾
اور تمھیں اُسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ [1]

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾
مگر اللہ کے خالص برگزیدہ بندے ○ [2]

اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾
انھیں کے لیے مقررہ روزی ہے ○

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾
(ہر طرح کے) میوے اور ان کی عزت افزائی کی جائے گی ○

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۴۳﴾
نعمتوں والی جنتوں میں ○

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۴﴾
تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے ○

یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۴۵﴾
جاری شراب کے جام کا اُن پر دَور چل رہا ہوگا ○ [3]

بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۴۶﴾
جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہوگی ○ [4]

لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾
نہ اس سے دردِ سر ہوا اور نہ اُس کے پینے سے بہکیں ○ [5]

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ﴿۴۸﴾
اور اُن کے پاس نیچی نظروں، بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی ○ [6]

كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾
ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے ○ [7]

---

1 یہ جہنمیوں کو اس وقت کہا جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کردی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے کیونکہ یہ سب تمھارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔

2 یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا اگر کچھ ہوں گی اور ایک ایک نیکی کا اجر انھیں کئی کئی گنا دیا جائے گا۔

3 کَاْسٌ شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قَدَحٌ خالی جام کو کہتے ہیں۔ ﴿مَّعِیْنٍ﴾ کے معنی ہیں، جاری چشمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح، جنت میں شراب ہر وقت میسر رہے گی۔

4 دنیا میں شراب عام طور پر بدرنگ ہوتی ہے، جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہوگی، خوش رنگ بھی ہوگی۔

5 یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں قے، سر درد، بدمستی اور بہکنے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔

6 بڑی اور موٹی آنکھیں، حسن کی علامت ہے، یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔

7 جیسے انڈے شتر مرغ نے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔ کہتے ہیں شتر مرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں، جو زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿50﴾
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ﴿51﴾
يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿52﴾
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَدِيْنُوْنَ ﴿53﴾
قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿54﴾
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿55﴾
قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿56﴾
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُحْضَرِيْنَ ﴿57﴾
اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿58﴾

(جنتی) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے ○ [1]
اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا ○
جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا)
یقین کرنے والوں میں سے ہے؟ ○ [2]
کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا اُس وقت
ہم جزا دیے جانے والے ہیں؟ ○ [3]
کہے گا: تم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟ ○ [4]
جھانکتے ہی اُسے بیچوں بیچ جہنم میں (جلتا ہوا) دیکھے گا ○
کہے گا: واللہ! قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کر دے ○
اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں
حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا ○ [5]
کیا (یہ صحیح ہے) کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟ ○ [6]

اور حسن و رعنائی میں بھی ہے۔

1 جنتی، جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے، دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

2 یعنی یہ بات وہ استہزا اور مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے کیا ایسی ناممکن الوقوع بات پر تو یقین رکھتا ہے؟

3 یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی۔

4 یعنی وہ جنتی اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جہنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتیں کہنے والا وہاں نظر آ جائے تو تمھیں بتلاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتیں کرتا تھا؟

5 یعنی جھانکنے پر اسے جہنم کے وسط میں وہ شخص نظر آ جائے گا اور اسے یہ جنتی کہے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا، ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔

6 جہنمیوں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائمی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اب یہ زندگیاں دائمی ہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، نہ انھیں موت آئے گی کہ جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں جنت

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿59﴾ بجز پہلی ایک موت کے [1] اور نہ ہم عذاب کیے جانے والے ہیں ○

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿60﴾ پھر تو (ظاہر بات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے ○ [2]

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿61﴾ ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے ○ [3]

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿62﴾ کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟ ○ [4]

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿63﴾ جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا ہے ○ [5]

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿64﴾ بے شک وہ درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے ○ [6]

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿65﴾ جس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں ○ [7]

اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔ (صحيح البخاري، حديث:4730)

1 جو دنیا میں آچکی۔ اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔

2 اس لیے کہ جہنم سے بچ جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پا جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی۔

3 یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہی سب سے نفع بخش تجارت ہے۔ نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے۔ اور خسارے کا سودا ہے۔

4 ﴿الزَّقُّوْمِ﴾ تَزَقُّمٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی بد بودار اور کریہہ چیز کے نگلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جہنم کے لیے سخت ناگوار ہوگا کیونکہ یہ سخت بد بودار، کڑوا اور نہایت کریہہ ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے، یہ قطرب درخت ہے جو تہامہ میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے، اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں۔

5 آزمائش، اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اسے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انھوں نے انکار کیا کہ جہنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد وہ اہل جہنم ہیں جن پر جہنم واجب ہوگی۔

6 یعنی اس کی جڑ جہنم کی گہرائی میں ہوگی، البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔

7 اسے شناعت وقباحت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی، جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں گویا کہ وہ فرشتہ ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿66﴾
(جہنمی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے ○ [1]

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿67﴾
پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی ○ [2]

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿68﴾
پھر اُن سب کا لوٹنا جہنم کی طرف ہوگا ○ [3]

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿69﴾
یقین مانو کہ اُنھوں نے اپنے باپ دادا کو بہکا ہوا پایا ○

فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿70﴾
اور یہ اُنھی کے نشان قدم پر دوڑتے رہے ○ [4]

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿71﴾
اُن میں سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں ○ [5]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿72﴾
جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے ○ [6]

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾
اب تُو دیکھ لے کہ جنھیں دھمکایا گیا تھا اُن کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○

ع 2 53 6
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿74﴾
سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ○ [7]

---

1 یہ انھیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہر بات ہے پیٹ بوجھل ہی ہوں گے۔

2 یعنی کھانے کے بعد انھیں پانی کی طلب ہوگی تو کھولتا ہوا گرم پانی انھیں دیا جائے گا جس کے پینے سے ان کی انتڑیاں کٹ جائیں گی۔ (محمد47:15)

3 یعنی زقوم کے کھانے اور گرم پانی کے پینے کے بعد انھیں دوبارہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

4 یہ جہنم کی مذکورہ سزاؤں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادوں کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انھی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور دلیل و حجت کے مقابلے میں تقلید کو اپنائے رکھا، اِھْرَاع اسراع کے معنی میں ہے، یعنی دوڑنا اور نہایت شوق سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔

5 یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔

6 یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انھوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نتیجتاً انھیں تباہ کر دیا گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔

7 یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچا لیا۔ ﴿الْمُخْلَصِيْنَ﴾ وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے، ﴿الْمُنْذَرِيْنَ﴾ (ڈرائے جانے والے) کے اجمالی ذکر کے بعد اب چند ﴿مُّنْذِرِيْنَ﴾ (پیغمبروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿75﴾
اور ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دُعا قبول کرنے والے ہیں ○ [1]

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿76﴾
ہم نے اُسے اور اُس کے گھر والوں کو [2] اُس زبردست مصیبت سے بچالیا ○

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿77﴾
اور اُس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنادیا ○ [3]

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿78﴾
اور ہم نے اُس کا (ذکرِ خیر) پچھلوں میں باقی رکھا ○ [4]

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿79﴾
نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو ○

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿80﴾
ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں ○ [5]

---

1 یعنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انھوں نے محسوس کر لیا کہ کسی کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○﴾ (القمر 54:10) ”یا اللہ! میں مغلوب ہوں، میری مدد فرما۔“ چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا۔

2 ﴿اَهْلَهٗ﴾ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں جن میں ان کے گھر کے وہ افراد بھی ہیں جو مومن تھے۔ بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد 80 بتلائی ہے۔ اس میں آپ کی بیوی اور ایک لڑکا شامل نہیں جو مومن نہیں تھے، وہ بھی طوفان میں غرق ہو گئے۔ کربِ عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلابِ عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی۔

3 اکثر مفسرین کے قول کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ حام، سام اور یافث، انھی سے بعد کی نسل انسانی چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے، یعنی آدم علیہ السلام کی طرح، آدم کے بعد یہ دوسرے اَبُو الْبَشَر ہیں۔ سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک)، یعنی سندھ، ہند، نوب، زنج، حبشہ، قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے صقالبہ، ترک، خزر اور یاجوج و ماجوج وغیرہم ہیں۔ (فتح القدیر) واللہ أعلم.

4 یعنی قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکرِ خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔

5 یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے، ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور پچھلوں میں ان کا ذکرِ خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی۔ اسی طرح جو بھی اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿81﴾
وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا ○

ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ﴿82﴾
پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا ○

وقف لازم
وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ۘ﴿83﴾
اور اس (نوح) کی تابعداری کرنے والوں میں سے (ہی) ابراہیم (بھی) تھے ○ [1]

اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ ﴿84﴾
جب کہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے ○

اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَاذَا تَعۡبُدُوۡنَ ۚ﴿85﴾
اُنھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟ ○

اَئِفۡكًا اٰلِهَةً دُوۡنَ اللّٰهِ تُرِيۡدُوۡنَ ؕ﴿86﴾
کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ ○ [2]

فَمَا ظَنُّكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿87﴾
تو (یہ بتلاؤ کہ) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ ○ [3]

فَنَظَرَ نَظۡرَةً فِى النُّجُوۡمِ ۙ﴿88﴾
اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی ○

فَقَالَ اِنِّىۡ سَقِيۡمٌ ﴿89﴾
اور کہا: میں تو بیمار ہوں ○ [4]

معروف ہوگا، اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ کریں گے۔

1 شِيعَةٌ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین واہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح إِنَابَتْ إِلَى اللهِ کی توفیق خاص نصیب ہوئی۔

2 یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبود ہیں، تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو، درآں حالیکہ یہ پتھر اور مورتیاں ہیں۔

3 یعنی اتنی قبیح حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہوگا اور تمھیں سزا نہیں دے گا؟

4 آسمان پر غور وفکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا جو کہ ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب ان کی قوم کا وہ دن آیا، جسے وہ باہر جا کر بطور عید اور قومی تہوار منایا کرتی تھی۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام تنہائی اور موقعے کی تلاش میں تھے تاکہ ان کے بتوں کا تیاپانچہ کیا جا سکے، چنانچہ انھوں نے یہ موقع غنیمت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا۔ اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں یہ بات چونکہ خلافِ واقع تھی اس لیے حدیث ثلاث کذبات میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ ایسی خلافِ حقیقت بات نہیں جس پر پکڑ ہو۔ اس کی ضروری تفصیل سورۂ انبیاء 63:21

فَتَوَلَّوۡا عَنۡهُ مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۹۰﴾
اس پر وہ سب اُس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے ○

فَرَاغَ اِلٰۤی اٰلِهَتِهِمۡ فَقَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۹۱﴾
پس آپ چپکے سے اُن کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے: تم کھاتے کیوں نہیں؟ ○ [1]

مَا لَكُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۹۲﴾
تمھیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو ○

فَرَاغَ عَلَیۡهِمۡ ضَرۡبًۢا بِالۡیَمِیۡنِ ﴿۹۳﴾
پھر تو دائیں ہاتھ سے (پوری قوت کے ساتھ) اُنھیں مارنے پر پل پڑے ○ [2]

فَاَقۡبَلُوۡۤا اِلَیۡهِ یَزِفُّوۡنَ ﴿۹۴﴾
وہ (بُت پرست) دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے ○ [3]

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ﴿۹۵﴾
تو آپ نے فرمایا: تم اُنھیں پوجتے ہو جنھیں (خود) تم تراشتے ہو ○

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾
حالانکہ تمھیں اور تمھاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ○ [4]

قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡیَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِی الۡجَحِیۡمِ ﴿۹۷﴾
وہ کہنے لگے: اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اس (دہکتی

میں گزر چکی ہے۔

1 یعنی جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انھیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہر بات ہے انھوں نے نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔

2 رَاغَ کے معنی ہیں: مَال، ذَهَبَ، أَقْبَلَ یہ سب متقارب المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ضَرۡبًۢا بِالۡیَمِیۡنِ کا مطلب ہے: ان کو زور سے مار مار کر توڑ ڈالنا۔

3 ﴿یَزِفُّوۡنَ﴾ یُسۡرِعُوۡنَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے، یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہوگا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے، چنانچہ انھیں پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔

4 یعنی وہ مورتیاں اور تصویریں بھی جنھیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انھیں معبود سمجھتے ہو یا مطلق تمھارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿98﴾

ہوئی) آگ میں اسے ڈال دو ○

اُنھوں نے اُس کے ساتھ مکر کرنا چاہا مگر ہم نے اُنھی کو نیچا کر دیا ○ [1]

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿99﴾

اور ابراہیم نے کہا: میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔ [2] وہ ضرور میری راہنمائی کرے گا ○

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿100﴾

اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما ○

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿101﴾

تو ہم نے اُسے ایک بُردبار بچے کی بشارت دی ○ [3]

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿102﴾

پھر جب وہ (بچہ) اُس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا، [4] تو ابراہیم نے کہا: میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تُو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ [5] بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اُسے بجا لائیے ان شاء اللہ، آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ○

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿103﴾ ج

غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اُس نے اُس (بیٹے) کو پیشانی [6] کے بل گرا دیا ○

---

1 یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے مکر و حیلے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتی ہے اور آزمائش کو عطا میں اور شر کو خیر میں بدل دیتی ہے۔

2 حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق) میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جا کر اولاد کے لیے دعا کی۔ (فتح القدیر)

3 ﴿حَلِيْمٍ﴾ کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ بچہ بڑا ہو کر بردبار ہوگا۔

4 یعنی دوڑ دھوپ کے لائق ہو گیا یا بلوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ 13 سال کا تھا۔

5 پیغمبر کا خواب وحی اور حکم الٰہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی امتثال امر الٰہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟

6 ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جبینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جَبْهَةٌ)، اس لیے

وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿104﴾
تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! ○

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿105﴾
یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، [1] بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿106﴾
درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا ○ [2]

وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿107﴾
اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اُس کے فدیے میں دے دیا ○ [3]

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿108﴾
اور ہم نے اُن کا ذکر پچھلوں میں باقی رکھا ○

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿109﴾
ابراہیم پر سلام ہو ○

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿110﴾
ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿111﴾
بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا ○

وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿112﴾
اور ہم نے اُس کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہوگا ○ [4]

﴿لِلْجَبِيْنِ﴾ کا زیادہ صحیح ترجمہ ”کروٹ پر“ ہے، یعنی اس طرح کروٹ پر لٹا لیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ ”پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا“ ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انھیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امر الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

1 یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔

2 یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخ رو رہا۔

3 یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسے بڑا ذبیحہ قدر و منزلت کے اعتبار سے اور درجۂ قبولیت پر فائز ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ (فتح القدیر) اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

4 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ؁113ۧ

اور ہم نے ابراہیم واسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں،[1] اوران دونوں کی اولاد میں بعضے تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں ○[2]

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؁114ۚ

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بڑا احسان کیا ○[3]

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ؁115ۚ

اور اُنھیں اور اُن کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی ○[4]

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ؁116ۚ

اور اُن کی مدد کی تو وہی غالب رہے ○

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ؁117ۚ

اور ہم نے اُنھیں (واضح اور) روشن کتاب دی ○

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ؁118ۚ

اور اُنھیں سیدھے راستے پر قائم رکھا ○

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ؁119ۙ

اور ہم نے اُن دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی ○

ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ قرآن وحدیث کے اشارات وتصریحات اور محققین کی تحقیقات سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے، اسحاق علیہ السلام ذبیح نہیں تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر، وابن کثیر، وزاد المعاد: 71/1)

1 یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیاء ورسل کی زیادہ تعداد انھی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے 12 قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور پھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

2 شرک ومعصیت اور ظلم وفساد کا ارتکاب کر کے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک وبد کے ذکر سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آباء کی نسبت اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی اہمیت ہے۔ یہود ونصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک ومعصیت پر مبنی ہیں، اس لیے یہ اونچی نسبتیں ان کے لیے عمل کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

3 یعنی انھیں نبوت ورسالت اور دیگر انعامات سے نوازا۔

4 یعنی فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم واستبداد سے۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿120﴾
کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ○

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿121﴾
بے شک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں ○

اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿122﴾
یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ○

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿123﴾
بے شک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے ○ [1]

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿124﴾
جب کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں ○ [2]

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿125﴾
کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ○

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿126﴾
اللہ جو تمھارا اور تمھارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے ○ [3]

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿127﴾
لیکن قوم نے اُنھیں جھٹلایا، پس وہ ضرور (عذاب میں) حاضر کیے [4] جائیں گے ○

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿128﴾
سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ○

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿129﴾
ہم نے (الیاس) کا ذکرِ خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا ○

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿130﴾
کہ الیاس پر سلام ہو ○ [5]

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿131﴾
ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

---

1 یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بَعْلَبَکّ تھا، بعض کہتے ہیں: اس جگہ کا نام سامرہ ہے جو فلسطین کا مغربی وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بَعْل نامی بت کے پجاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوی کا نام تھا۔)

2 یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

3 یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو، اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور اس کو حاجت روا سمجھتے ہو جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پچھلوں سب کا رب ہے، اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔

4 یعنی توحید و ایمان سے انکار کی پاداش میں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔

5 ﴿اِلْ يَاسِيْنَ﴾ الیاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے، جیسے طور سینا کو ﴿طُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ بھی کہتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو دوسری کتابوں میں ''ایلیا'' بھی کہا گیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾	بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے ○ [1]
وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿133﴾	بے شک لوط (بھی) پیغمبروں میں سے تھے ○
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿134﴾	ہم نے اُنھیں اور اُن کے گھر والوں کو سب کو نجات دی ○
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿135﴾	بجز اُس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گئی ○ [2]
ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿136﴾	پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا ○
وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿137﴾	اور تم تو صبح ہونے پر اُن کی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہو ○
ع 25/8 وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿138﴾	اور رات کو بھی، کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ [3]
وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿139﴾	اور بلا شبہ یونس نبیوں میں سے تھے ○
اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿140﴾	جب بھاگ کر بھری کشتی کی طرف پہنچے ○
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿141﴾	پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے ○

1 قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے، ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ جس سے دو مقصد ہیں: ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اظہار جو ایمان کا لازمی جز ہے۔ تا کہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات و انجیل کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد، ان لوگوں کی تردید ہے جو بعض انبیاء کی شان میں غلو کر کے ان کے اندر الوہی صفات و اختیارات ثابت کرتے ہیں، یعنی وہ پیغمبر ضرور تھے لیکن تھے بہر حال اللہ کے بندے اور اس کے غلام، نہ کہ اللہ یا اس کے جز یا اس کے شریک۔

2 اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کافرہ تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس بستی سے باہر نہیں گئی تھی کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کر دی گئی۔

3 یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے، گزرتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب بحیرۂ مُردار ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریہہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انھیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بد انجام ہوا تو تمھاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیونکر ہوگا۔ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو جو انھوں نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیونکر محفوظ رہو گے۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿142﴾

تو پھر اُنھیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت [1] کرنے لگ گئے ○

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿143﴾

پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ○

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿144﴾

تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اُس کے پیٹ ہی میں رہتے ○ [2]

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿145﴾

پس اُسے ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اُس وقت بیمار تھے ○ [3]

النصف

---

1 حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینویٰ (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ اشوریوں کا پایۂ تخت تھا، جنھوں نے ایک لاکھ بنی اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہوا تھا۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بالآخر اپنی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ اور یہ کہہ کر بستی سے نکل گئے، واپسی پر دیکھا کہ قوم پر عذاب نازل نہیں ہوا ہے تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور سامان سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہو گئی، چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں۔ لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا، اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی۔ (أيسر التفاسير) بعض کہتے ہیں کہ اس دور میں یہ بات مشہور تھی کہ کشتی گرداب میں اس لیے پھنستی ہے کہ کوئی غلام آقا سے بھاگ کر آ جاتا ہے، چنانچہ اس مفرور کے لیے انھیں قرعہ اندازی کرنی پڑی، جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے، یعنی طَوْعًا وَ كَرْهًا اپنے آپ کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انھیں ثابت نگل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

2 یعنی توبہ واستغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے، (جیسا کہ انھوں نے کہا: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○﴾ (الأنبيآء 21:87) ”تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے یقیناً میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔“) تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

3 جیسے ولادت کے وقت بچہ یا چوزہ ہوتا ہے، مضمحل، کمزور اور ناتواں۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿146﴾	اور اُس پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت [1] ہم نے اُگا دیا ○
وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿147﴾	اور ہم نے اُسے ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا ○
فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿148﴾	پس وہ ایمان لائے، [2] اور ہم نے اُنھیں ایک زمانے تک عیش وعشرت دی ○
فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿149﴾	اُن سے دریافت کیجیے کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور اُن کے بیٹے ہیں؟ ○
اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿150﴾	یا یہ اُس وقت موجود تھے جب کہ ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا ○ [3]
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿151﴾	آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پردازی سے کہہ رہے ہیں ○
وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿152﴾	کہ اللہ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں ○
اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿153﴾	کیا اللہ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی؟ ○ [4]
مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿154﴾	تمھیں کیا ہوگیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ ○
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿155﴾	کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ ○
اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿156﴾	یا تمھارے پاس اُس کی کوئی صاف دلیل ہے ○
فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿157﴾	تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ ○ [5]

1 ﴿ يَّقْطِيْنٍ ﴾ ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، کدو وغیرہ کی بیل، یعنی اس چٹیل میدان میں جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت۔ ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی۔

2 ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورۂ یونس 10:98 کے حاشیے میں گزر چکا ہے۔

3 یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے، یہ اس وقت وہاں موجود تھے اور انھوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا۔

4 جبکہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں۔

5 یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی مونث، چلو کوئی نقلی دلیل ہی دکھا

وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ﴿158﴾

اور اُن لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی ہے،[1] اور حالانکہ خود جنات کو معلوم ہے کہ (اس عقیدے کے) لوگ (عذاب کے سامنے) پیش کیے جائیں گے ○[2]

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۙ﴿159﴾

جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں۔ اُس سے اللہ بالکل پاک ہے ○

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿160﴾

سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ○[3]

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿161﴾

یقین مانو کہ تم سب اور تمھارے معبودانِ (باطلہ) ○

مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ۙ﴿162﴾

کسی ایک کو بھی بہکا نہیں سکتے ○

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ ﴿163﴾

بجز اُس کے جو جہنمی ہی ہے ○[4]

وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ﴿164﴾

(فرشتوں کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے ○[5]

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۚ﴿165﴾

اور ہم تو یقیناً (بندگیٔ الٰہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں ○

دو، کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو۔

1 یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کیا جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ یہی بنات اللہ فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قرابت داری (سسرالی رشتہ) قائم ہو گیا۔

2 حالانکہ یہ بات کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا۔ کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انھیں عقاب و عذاب الٰہی بھگتنے کے لیے ضرور جہنم میں جانا ہو گا تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قرابت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟

3 یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے، اللہ کے مخلص (چنے ہوئے) بندے نہیں۔ ان کے لیے تو اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿لَمُحْضَرُوْنَ﴾ سے استثنا ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

4 یعنی تم اور تمھارے معبودان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پہلے ہی جہنمی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفر و شرک پر مصر ہیں۔

5 یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿166﴾	اور اُس کی تسبیح بیان کررہے ہیں ○ [1]
وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿167﴾	کُفار تو کہا کرتے تھے ○
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿168﴾	کہ اگر ہمارے سامنے پہلے لوگوں کا ذکر ہوتا ○
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿169﴾	تو ہم بھی اللہ کے چیدہ بندے بن جاتے ○ [2]
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿170﴾	لیکن پھر اس (قرآن) کے ساتھ کفر کر گئے، [3] پس اب عنقریب جان لیں گے ○ [4]
وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿171﴾	اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے ○
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿172﴾	کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے ○
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿173﴾	اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا ○ [5]
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿174﴾	اب آپ کچھ دنوں تک اُن سے منہ پھیر لیجیے ○ [6]
وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿175﴾	اور اُنھیں دیکھتے رہیے، [7] اور یہ بھی (آگے چل کر) دیکھ لیں گے ○

1 مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں، نہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔

2 ذکر سے مراد کوئی کتاب الٰہی یا پیغمبر ہے، یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی، جس طرح پہلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

3 یعنی ان کی آرزو کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ ہادی بن کر آ گئے، قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کی بجائے، ان کا انکار کر دیا۔

4 یہ تہدید و وعید ہے کہ اس تکذیب کا انجام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

5 جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول یقیناً غالب رہیں گے۔''

6 یعنی ان کی باتوں اور ایذاؤں پر صبر کیجیے۔

7 کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿176﴾
فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿177﴾
وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿178﴾
وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿179﴾
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿180﴾
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿181﴾
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿182﴾ ع 5/44/9

کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ○
سنو! جب ہمارا عذاب اُن کے میدان میں اتر آئے گا اُس وقت اُن کی، جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا،[1] بڑی بری صبح ہوگی ○
آپ کچھ وقت تک اُن کا خیال چھوڑ دیجیے ○
اور دیکھتے رہیے یہ بھی ابھی ابھی دیکھ لیں گے ○ [2]
پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے۔ ہر اُس چیز سے (جو مشرک) بیان کرتے ہیں ○ [3]
پیغمبروں پر سلام ہے ○ [4]
اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے ○ [5]

اٰیَاتُھَا 88 (38) سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ (38) رُكُوْعَاتُھَا 5

سورۂ صٓ مکی ہے، اس میں 88 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

1 مسلمان جب خیبر پر حملہ کرنے گئے تو یہودی انھیں دیکھ کر گھبرا گئے جس پر نبی ﷺ نے بھی اللهُ أَكْبَرُ کہہ کر فرمایا تھا: «خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْـمُنْذَرِينَ» (صحيح البخاري، حديث: 371، وصحيح مسلم، حديث: 84-(1365)) ''خیبر برباد ہوگیا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے جن کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہوتا ہے۔''

2 یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پہلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل وسلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔

3 اس میں عیوب ونقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً: اس کی اولاد ہے یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کوتاہیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولاد یا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں، اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔

4 کہ انھوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا جس پر یقیناً وہ سلام وتبریک کے مستحق ہیں۔

5 یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمھیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿1﴾

صٓ ! اس نصیحت والے قرآن کی قسم ○ [1]

بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿2﴾

بلکہ کفار غرور ومخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ○ [2]

کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ﴿3﴾

ہم نے اُن سے پہلے بھی بہت سی اُمتوں کو تباہ کر ڈالا [3] تو اُنھوں نے ہر چند چیخ وپکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا نہ تھا ○ [4]

وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۚ﴿4﴾

اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ اُن ہی میں سے ایک اُنھیں ڈرانے والا آ گیا [5] اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے ○

اللہ کا پیغام پہنچایا، اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا، اس پر شکر الٰہی کرو۔ حمد کے معنی ہیں: بہ قصد تعظیم ثناء جمیل، ذکر خیر اور عظمت شان بیان کرنا۔

1 جس میں تمھارے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں جن سے تمھاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ بعض نے ذی الذکر کے معنی ''شان اور مرتبت والا'' کیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں معنی صحیح ہیں، اس لیے کہ قرآن عظمت شان کا حامل بھی ہے اور اہل ایمان وتقویٰ کے لیے نصیحت اور درس عبرت بھی۔ اس قسم کا جواب محذوف ہے کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) ساحر، شاعر یا کاذب ہیں بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جن پر یہ ذی شان قرآن نازل ہوا۔

2 یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک سے پاک اور ان کے لیے نصیحت ہے جو اس سے عبرت حاصل کریں، البتہ ان کافروں کو اس سے فائدہ اس لیے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت وعناد۔ عزت کے معنی ہوتے ہیں: حق کے مقابلے میں اکڑنا۔

3 جو ان سے زیادہ مضبوط اور قوت والے تھے لیکن کفر وتکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئے۔

4 یعنی انھوں نے عذاب دیکھ کر مدد کے لیے پکارا اور توبہ پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن وہ وقت توبہ کا تھا نہ فرار کا، اس لیے نہ ان کا ایمان نافع ہوا اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے۔ ﴿لَاتَ﴾ لَا ہی ہے جس میں ت کا اضافہ ہے جیسے۔ ثَمَّ کو ثمۃ بھی بولتے ہیں۔ ﴿مَنَاصٍ﴾ نَاصَ یَنُوصُ کا مصدر ہے جس کے معنی بھاگنے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔

5 یعنی انھی کی طرح کا ایک انسان رسول کس طرح بن گیا۔

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ⑤
وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ⑥
مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦
أَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذِكْرِي ۖ بَلْ لَمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ⑧

کیا اُس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے ○ [1]
اُن کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو جی اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، [2] یقیناً اس بات میں کوئی غرض ہے ○ [3]
ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی، [4] کچھ نہیں یہ تو صرف من گھڑت ہے ○ [5]
کیا ہم سب میں سے اُسی پر کلامِ الٰہی نازل کیا گیا ہے؟ [6]
دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں، [7] بلکہ (صحیح یہ ہے کہ) انھوں نے اب تک میرا عذاب چکھا ہی نہیں ○ [8]

---

1 یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے۔ یہ ان کے لیے تعجب انگیز بات تھی۔

2 یعنی اپنے دین پر جمے رہو اور بتوں کی عبادت کرتے رہو، محمد (ﷺ) کی بات پر کان مت دھرو!

3 یعنی یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے چھڑا کر دراصل ہمیں اپنے پیچھے لگانا اور اپنی قیادت و سیادت منوانا چاہتا ہے۔

4 پچھلے دین سے مراد یا تو ان کا ہی دین قریش ہے یا پھر دین نصاریٰ، یعنی یہ جس توحید کی دعوت دے رہا ہے، اس کی بابت تو ہم نے کسی بھی دین میں نہیں سنا۔

5 یعنی یہ توحید صرف اس کی اپنی من گھڑت ہے، ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک تسلیم کیا گیا ہے۔

6 یعنی مکے میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں اگر اللہ کسی کو نبی بنانا ہی چاہتا تو ان میں سے کسی کو بناتا۔ ان سب کو چھوڑ کر وحی و رسالت کے لیے محمد (ﷺ) کا انتخاب بھی عجیب ہے۔ یہ گویا انھوں نے اللہ کے انتخاب میں کیڑے نکالے۔ سچ ہے خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ دوسرے مقام پر بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (الزخرف 43:31,32)

7 یعنی ان کا انکار اس لیے نہیں ہے کہ انھیں محمد ﷺ کی صداقت کا علم نہیں ہے یا آپ کی سلامت عقل سے انھیں انکار ہے بلکہ یہ اس وحی کے بارے میں ہی ریب و شک میں مبتلا ہیں جو آپ پر نازل ہوئی، جس میں سب سے نمایاں توحید کی دعوت ہے۔

8 کیونکہ عذاب کا مزہ چکھ لیتے تو اتنی واضح چیز کی تکذیب نہ کرتے۔ اور جب یہ اس تکذیب کا واقعی مزہ چکھیں گے

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ⑨

یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں ○ [1]

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ⑩

یا کیا آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ان ہی کی ہے تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں ○ [2]

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ⑪

یہ بھی لشکروں میں سے شکست پایا ہوا (چھوٹا سا) لشکر ہے ○ [3]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ⑫

ان سے پہلے بھی قومِ نوح اور عاد اور میخوں والے فرعون [4] نے جھٹلایا تھا ○

تو وہ وقت ایسا ہوگا کہ پھر تصدیق کام آئے گی نہ ایمان ہی فائدہ دے گا۔

1 کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، انھی خزانوں میں نبوت بھی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ رب کے خزانوں کا مالک وہی وہاب ہے جو بہت دینے والا ہے تو پھر انھیں نبوت محمدی سے انکار کیوں ہے؟ جسے اس نوازنے والے رب نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے۔

2 یعنی آسمان پر چڑھ کر اس وحی کا سلسلہ منقطع کر دیں جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوتی ہے۔ اسباب، سبب کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہر اس چیز کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے، چاہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو، اس لیے اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ رسیوں کے علاوہ ایک ترجمہ دروازے بھی کیا گیا ہے جن سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں، یعنی سیڑھیوں کے ذریعے سے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائیں اور وحی بند کر دیں۔ (فتح القدیر)

3 ﴿جُنْدٌ﴾ مبتدا محذوف هُم کی خبر ہے اور ﴿مَا﴾ بطور تاکید تعظیم یا تحقیر کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے، یعنی کفار کا یہ لشکر جو باطل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، بڑا ہے یا حقیر، اس کی قطعاً پروانہ کریں نہ اس سے خوف کھائیں، شکست اس کا مقدر ہے۔ ﴿هُنَالِكَ﴾ مکان بعید کی طرف اشارہ ہے۔ جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے، جہاں کافر عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

4 فرعون کو میخوں والا اس لیے کہا کہ وہ ظالم جب کسی پر غضب ناک ہوتا تو اس کے ہاتھوں، پیروں اور سر میں میخیں گاڑ دیتا یا اس سے مقصد بطور استعارہ اس کی قوت وشوکت اور مضبوط حکومت کا اظہار ہے، یعنی میخوں سے جس طرح کسی چیز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے، اس کا لشکر جرار اور اس کے پیروکار بھی اس کی سلطنت کی قوت واستحکام کا باعث تھے۔

ع 1 14 10

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿13﴾

اور ثمودیوں نے اور قومِ لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں [1] نے بھی، یہی (بڑے) لشکر تھے ○

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿14﴾

اُن میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو، پس میری سزا اُن پر ثابت ہوگئی ○

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿15﴾

انھیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے۔ [2] جس میں کوئی توقف (اور ڈھیل) نہیں ہے [3] ○

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿16﴾

اور انھوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری سرنوشت تو ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی دے دے [4] ○

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿17﴾

آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ہمارے بندے داود کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا، [5] یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا ○

---

1 أَصۡحَابُ الۡأَيۡكَة کے لیے دیکھیے: سورۂ شعراء 176:26 کا حاشیہ۔

2 یعنی صور پھونکنے کا جس سے قیامت برپا ہو جائے گی۔

3 دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ کچھ دودھ دوہ کر بچے کو اونٹنی یا گائے بھینس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے دودھ پینے سے تھنوں میں دودھ اتر آئے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد بچے کو زبردستی پیچھے ہٹا کر خود دودھ دوہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو وقفہ ہے، یہ فَوَاق کہلاتا ہے، یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

4 ﴿قِطَّنَا﴾ کے معنی ہیں: حصہ، مراد یہاں نامۂ عمل یا سرنوشت ہے، یعنی ہمارے نامۂ اعمال کے مطابق ہمارے حصے میں اچھی یا بری سزا جو بھی ہے، یوم حساب کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دنیا میں دے دے۔ یہ ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ والی بات ہی ہے۔ یہ وقوع قیامت کو ناممکن سمجھتے ہوئے انھوں نے استہزا اور تمسخر کے طور پر کہا۔

5 یہ ﴿الْاَيْدِ﴾ يَدٌ (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ آدَ، يَئِيدُ کا مصدر أَيْدٌ ہے، قوت وشدت۔ اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے۔ اس قوت سے مراد دینی قوت وصلابت ہے، جس طرح حدیث میں آتا ہے ”اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز، داود علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزے، داود علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ نصف رات سوتے، پھر اٹھ کر رات کا تہائی حصہ قیام کرتے اور پھر اس کے چھٹے حصے میں سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے اور جنگ میں فرار نہ ہوتے۔“ (صحيح البخاري، حديث:3420، وصحيح مسلم، حديث: 189-(1159))

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿18﴾

ہم نے پہاڑوں کو اُس کے تابع کر رکھا تھا کہ اُس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں ○

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿19﴾

اور پرندے جمع ہو کر سب کے سب اُس کے زیرِ فرمان رہتے ○ [1]

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿20﴾

اور ہم نے اُس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا [2] اور اُسے حکمت دی تھی [3] اور بات کا فیصلہ کرنا ○ [4]

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿21﴾

وقف لازم

اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی (بھی) خبر ملی؟ جب کہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے ○ [5]

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿22﴾

جب یہ داود کے پاس پہنچے، پس یہ اُن سے ڈر گئے، [6] اُنھوں نے کہا: خوف نہ کیجیے! ہم دو فریقِ مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور ناانصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجیے ○ [7]

---

1 یعنی اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے جانور بھی زبور کی قراءت سن کر ہوا ہی میں جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ ﴿مَحْشُورَةً﴾ کے معنی مجموعة ہیں۔

2 ہر طرح کے مادی اور روحانی اسباب کے ذریعے سے۔

3 یعنی نبوت، اصابت رائے، قول سداد اور فعل صواب۔

4 یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی صلاحیت، بصیرت و تفقہ اور استدلال و بیان کی قوت۔

5 محراب سے مراد کمرہ ہے جس میں سب سے علیحدہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے۔ دروازے پر پہرے دار ہوتے تا کہ کوئی اندر آ کر عبادت میں مخل نہ ہو۔ جھگڑا کرنے والے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔

6 ڈرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دروازے کی بجائے عقب سے دیوار چڑھ کر اندر آئے۔ دوسرے: انھوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب و کمال نبوت کے خلاف ہے نہ توحید کے منافی۔ توحید کے منافی غیر اللہ کا وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو۔

7 آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

(سنیے) یہ میرا بھائی ہے [1] اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے [2] اور مجھ پر بات میں بڑی سختی برتتا ہے ○ [3]

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ السجدة 10

آپ نے فرمایا: اس کا اپنی دُنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بے شک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور اکثر حصے دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، [4] سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں [5] اور داود سمجھ گئے کہ ہم نے اُنھیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے [6] اور (پوری طرح) رجوع کیا ○

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی

پس ہم نے بھی اُنھیں وہ معاف کر دیا، [7] یقیناً وہ

کرانے آئے ہیں، آپ حق کے ساتھ فیصلہ بھی فرمائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی بھی۔

1 بھائی سے مراد دینی بھائی یا شریک کاروبار یا دوست ہے۔ سب پر بھائی کا اطلاق صحیح ہے۔

2 یعنی یہ ایک دنبی بھی میری دنبیوں میں شامل کر دے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو جاؤں۔

3 دوسرا ترجمہ ہے: ”اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔“ یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کا بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اس تیزی وطراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔

4 یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

5 البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور عمل صالح کے وہ پابند ہوتے ہیں، اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا، ان کے مزاج میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں، لینے والے نہیں، تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

6 ﴿خَرَّ رَاكِعًا﴾ کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔

7 حضرت داود علیہ السلام کا یہ کام کیا تھا جس پر انھیں کوتاہی کا اور توبہ وندامت کے اظہار کا احساس ہوا اور اللہ نے اسے

وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿25﴾

ہمارے نزدیک بڑے مرتبے والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں ○

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِیۡفَةً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا یَوۡمَ الۡحِسَابِ ﴿26﴾ ع 2 12 11

اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنا دیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ اُنھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے ○

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ ؕ ﴿27﴾

اور ہم نے آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو ناحق پیدا نہیں کیا، [1] یہ گمان تو کافروں کا ہے سو کافروں کے لیے خرابی ہے آگ کی ○

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ كَالۡفُجَّارِ ﴿28﴾

کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اُن کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ ○

كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿29﴾

یہ بابرکت کتاب جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور

معاف فرما دیا۔ قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی وضاحت نہیں ہے، اس لیے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جو ایک نبی کی شان ہی سے فروتر ہیں۔ اور محقق مفسرین، مثلاً: ابن کثیر وغیرہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جب قرآن وحدیث اس معاملے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور واقعی جس چیز کو قرآن وسنت نے مجمل چھوڑا ہے اُس کی ہم اپنی آراء وقیاسات اور اسرائیلی روایات کی بنیاد پر کیسے تشریح ووضاحت کر سکتے ہیں؟ اس بارے میں ہم یہی کہیں گے کہ کوئی بات تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کا امتحان لیا، وہ فوراً سمجھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ تعالیٰ نے معافی دے دی۔ اس لیے بہت سے مفسرین نے جو بے بنیاد قیاس آرائیاں کی ہیں، انھیں بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

1 بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ میرے بندے میری عبادت کریں جو ایسا کرے گا، میں

عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں ○

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ﴿30﴾

اور ہم نے داود کو سلیمان عطا فرمایا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رُجوع کرنے والا تھا ○

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ﴿31﴾

جب اُن کے سامنے پچھلے پہر اصیل تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے ○[1]

فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿32﴾ وقفة

تو کہنے لگے: میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا ○

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿33﴾

ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ! پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ○[2]

اسے بہترین جزا سے نوازوں گا اور جو میری عبادت واطاعت سے سرتابی کرے گا، اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

1 ﴿الصّٰفِنٰتُ﴾ صَافِنٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں۔ ﴿الْجِيَادُ﴾ جواد کی جمع ہے جو تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں، یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغرض جہاد جو گھوڑے پالے ہوئے تھے، وہ عمدہ اصیل تیز رو گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام پر معائنے کے لیے پیش کیے گئے۔ عَشِيّ ظہر یا عصر سے لے کر آخر دن تک کے وقت کو کہتے ہیں، جسے ہم شام سے تعبیر کرتے ہیں۔

2 اس ترجمے کی رو سے ﴿اَحْبَبْتُ﴾ بمعنی آثَرْتُ (ترجیح دینا) اور عَنْ بمعنی علی ہے۔ اور ﴿تَوَارَتْ﴾ کا مرجع شمس ہے جو آیت میں پہلے مذکور نہیں ہے لیکن قرینہ اس پر دال ہے۔ اس تفسیر کی رو سے اگلی آیت میں ﴿مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ کا ترجمہ بھی ذبح کرنا ہوگا، یعنی مَسْحًا بِالسَّیْفِ کا مفہوم۔ مطلب ہوگا کہ گھوڑوں کے معائنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز یا وظیفۂ خاص رہ گیا جو اس وقت وہ کرتے تھے۔ جس پر انھیں سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اتنا وارفتہ اور گم ہو گیا کہ سورج پردۂ مغرب میں چھپ گیا اور اللہ کی یاد، نماز یا وظیفے سے غافل رہا، چنانچہ اس کی تلافی اور ازالے کے لیے انھوں نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قتل کر ڈالے۔ امام شوکانی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیگر بعض مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر کی ہے۔ اس کی رو سے عن، اجل کے معنی میں ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ ذِكْرِ رَبِّي یعنی رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں، یعنی ان کے ذریعے سے اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے، پھر ان گھوڑوں کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انھیں دوبارہ طلب کیا اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ﴿الْخَيْرِ﴾ قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لیے آیا ہے۔ ﴿تَوَارَتْ﴾ میں ضمیر کا مرجع گھوڑے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے اور یہی تفسیر متعدد وجوہ سے صحیح لگتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿34﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ

اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اُن کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا، [1] پھر اُس نے رُجوع کیا○ کہا کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا

1 یہ آزمائش کیا تھی، کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا۔ اور اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا حدیث میں نہیں ملتی، البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعے کو اس پر چسپاں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد 70 یا 90 تھی) ہم بستری کروں گا اور ان میں سے ہر ایک بیوی ایک شاہ سوار بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا لیکن ہوا یہ کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا، وہ ناقص تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔'' (صحيح البخاري، حديث:3424، وصحيح مسلم، حديث:1654) ان مفسرین کے خیال میں شاید ان شاء اللہ نہ کہنا یہی فتنہ ہو جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام مبتلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلقت بچہ ہو۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. بعض لوگوں نے اپنی فاسد عقل ودرایت کی رُو سے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے ساتھ مباشرت کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن ہم عرض کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ معجزات عطا فرماتا ہے۔ انھی معجزات میں ایک معجزہ قوت مردانگی بھی ہے۔ علاوہ ازیں اوقات میں برکت بھی ہے۔ اس اعتبار سے حضرت سلیمان کے واقعے کو عام انسانی معیار پر ناپنا اور پھر اسے عقل ودرایت کے خلاف باور کرانا یکسر غلط ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر اس نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس واقعے میں انبیاء علیہم السلام کی اس خصوصیت کا بیان بھی ہے جو قوت جماع کی صورت میں ان کو عطا کی جاتی ہے جو ان کی بنیادی صحت، قوت بارآوری اور کمال مردانگی پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ انھیں عبادت اور علوم کے ساتھ بھی خصوصی اشتغال ہوتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کو بھی یہ معجزہ اس سے زیادہ بلیغ انداز میں عطا کیا گیا تھا، آپ کا اپنے رب کی عبادت میں، علوم رَبّانی میں اور مخلوق کی فلاح و بہبود میں اشتغال بہت زیادہ تھا۔ علاوہ ازیں آپ نہایت کم خور تھے جو کثرت جماع والے شخص کے لیے جسمانی کمزوری کا باعث ہے، اس کے باوجود آپ (بعض دفعہ) ایک ہی رات میں غسل واحد کے ساتھ اپنی گیارہ بیویوں کے ساتھ مباشرت فرمالیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو جتنا زیادہ متقی ہوتا ہے، اس کی جنسی قوت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔'' (فتح الباري:563/6 طبع دار السلام، الرياض) یہ بات تو اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت سلیمان کا یہ واقعۂ مباشرت حدیث میں آیت زیر بحث کی تفسیر کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے۔ بہت سے مفسرین نے اپنی فہم کے مطابق اس آیت پر اس کا انطباق کیا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ دیگر تاویلات وتوجیہات کے مقابلے میں، جو بیشتر اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں، یہ انطباق زیادہ صحیح ہے اور اس سے اس آیت کی ایک معقول توجیہ سامنے آجاتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿35﴾	ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو،[1] تو بڑا ہی دینے والا ہے ○
فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّیۡحَ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِهٖ رُخَآءً حَیۡثُ اَصَابَ ﴿36﴾ۙ	پس ہم نے ہوا کو اُن کے ماتحت کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی ○[2]
وَالشَّیٰطِیۡنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿37﴾ۙ	جنات کو بھی (اُن کا ماتحت کر دیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو ○
وَّاٰخَرِیۡنَ مُقَرَّنِیۡنَ فِی الۡاَصۡفَادِ ﴿38﴾	اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے ○[3]
هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِکۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿39﴾	یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسان کر یا روک رکھ کچھ حساب نہیں ○[4]
ع 3/14/12 وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿40﴾ؑ	اُن کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے ○[5]
وقف لازم وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَاۤ اَیُّوۡبَ ۘ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الشَّیۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍ ﴿41﴾ؕ	اور ہمارے بندے ایوب کا (بھی) ذکر کر جب کہ اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ

1 یعنی مجھے ایسی بااختیار بادشاہت عطا کر دے کہ ویسی بادشاہت میرے سوا یا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

2 یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی، یہاں ہوا کو نرمی سے چلنے والا بتایا ہے جبکہ دوسرے مقام پر اسے تند و تیز کہا ہے۔ (الأنبیآء 21:81) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا پیدائشی قوت کے لحاظ سے تند ہے۔ لیکن سلیمان علیہ السلام کے لیے اسے نرم کر دیا گیا یا حسب ضرورت وہ کبھی تند ہوتی کبھی نرم جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے۔ (فتح القدیر)

3 جنات میں سے جو سرکش یا کافر ہوتے، انھیں بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا تاکہ وہ اپنے کفر یا سرکشی کی وجہ سے سرتابی نہ کر سکیں۔

4 یعنی تیری دعا کے مطابق ہم نے تجھے عظیم بادشاہی سے نواز دیا، اب انسانوں میں سے جس کو تو چاہے دے جسے چاہے نہ دے، تجھ سے ہم حساب بھی نہیں لیں گے۔

5 یعنی دنیوی جاہ و مرتبت عطا کرنے کے باوجود آخرت میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرب خاص اور مقام خاص حاصل ہوگا۔

پہنچایا ہے ○ [1]

اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿42﴾

اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے ○ [2]

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنَّا وَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿43﴾

اور ہم نے اُسے اُس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اُتنا ہی اور بھی اُسی کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے، [3] اور عقل مندوں کی نصیحت کے لیے ○ [4]

وَخُذۡ بِيَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ ؕ اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿44﴾

اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مُٹھا لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر، [5] سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اُسے بڑا صابر بندہ

---

1 حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور اس میں ان کا صبر مشہور ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اہل و مال کی تباہی اور بیماری کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی، جس میں وہ کئی سال مبتلا رہے حتیٰ کہ صرف ایک بیوی ان کے ساتھ رہ گئی جو صبح وشام ان کی خدمت بھی کرتی اور ان کے لیے کہیں کام کاج کر کے بقدر کفاف رزق کا انتظام بھی کرتی۔ یہاں پر متعدد تفسیری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے مگر اس میں سے کتنا کچھ صحیح ہے اور کتنا نہیں، اسے معلوم کرنے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں۔ نُصُب سے جسمانی تکالیف اور ﴿عَذَابٍ﴾ سے مالی ابتلا مراد ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ممکن ہے شیطان کے وسوسے ہی کسی ایسے عمل کا سبب بنے ہوں جس پر یہ آزمائش آئی یا پھر بطور ادب کے ہے کہ خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی یا شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

2 اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر پیر مارو، جس سے ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ اس کے پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے، یعنی ایک ہی چشمہ تھا۔

3 بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے زیادہ مال واولاد سے انھیں نواز دیا جو پہلے سے دوگنا تھا۔

4 یعنی ایوب علیہ السلام کو یہ سب کچھ ہم نے جو دوبارہ عطا کیا تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلا و شدائد پر اسی طرح صبر کریں جس طرح ایوب علیہ السلام نے کیا۔

5 بیماری کے ایام میں خدمت گزار بیوی کو کسی بات سے ناراض ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے سو کوڑے مارنے کی قسم کھالی تھی، صحت یاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سو تنکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ اسے مار دے،

پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا ○

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿45﴾
ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو بڑی قوت اور بصیرت والے تھے ○ [1]

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿46﴾
ہم نے اُنھیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا ○ [2]

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿47﴾
یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے ○

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿48﴾
اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کر دیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے ○ [3]

هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿49﴾
یہ نصیحت ہے اور یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی جگہ ہے ○

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿50﴾
ہمیشگی والی جنتیں جن کے دروازے اُن کے لیے کھلے ہوئے ہیں ○

تیری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا دوسرا کوئی شخص بھی اس طرح سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر حانث ہونے سے بچ سکتا ہے۔ بعض پہلی رائے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر نیت ضرب شدید کی نہ کی ہو تو اس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔ (فتح القدیر) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بھی ایک معذور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر سزا دی۔ (سنن ابن ماجه، حديث:2574 ومسند أحمد:222/5 صححه الألباني) جس سے مخصوص صورتوں میں اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

1 یعنی عبادت الٰہی اور نصرت دین میں بڑے قوی اور دینی وعلمی بصیرت میں ممتاز تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اَيْدِي بمعنی نِعَمٌ ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام واحسان ہوا یا یہ لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔

2 یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا، چنانچہ آخرت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی (آخرت کا ہر وقت استحضار، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت اور زہد وتقویٰ کی بنیاد ہے) یا وہ لوگوں کو آخرت اور اللہ کی طرف بلانے میں کوشاں رہتے تھے۔

3 ﴿اَلْيَسَعَ﴾ کہتے ہیں: حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے، ال تعریف کے لیے ہے اور عجمی نام ہے، ذوالکفل کے لیے دیکھیے: سورۂ انبیاء 21:85 کا حاشیہ۔ ﴿الْاَخْيَارِ﴾ خَيْرٌ یا خَيِّرٌ کی جمع ہے، جیسے مَيِّتٌ کی جمع أَمْوَاتٌ ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿51﴾
جن میں بافراغت تکیے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں ○

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿52﴾
اور اُن کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر حوریں ہوں گی ○ [1]

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿53﴾
یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کے لیے کیا جاتا تھا ○

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿54﴾
بے شک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں ○ [2]

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿55﴾
یہ تو ہوئی جزا، [3] (یاد رکھو کہ) سرکشوں کے لیے [4] بڑی بُری جگہ ہے ○

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿56﴾
دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے (آہ!) کیا ہی برا بچھونا ہے ○

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿57﴾
یہ ہے، پس اسے چکھیں، گرم پانی اور پیپ ○ [5]

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿58﴾
اور کچھ اور اسی طرح کی طرح طرح کی چیزیں ○ [6]

---

1 یعنی جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں سے متجاوز نہیں ہوں گی۔ ﴿ اَتْرَابٌ ﴾ تِرْبٌ کی جمع ہے بمعنی ہم عمر۔ (فتح القدیر)

2 رِزْق بمعنی عطیہ ہے اور ﴿ هٰذَا ﴾ سے ہر قسم کی مذکور نعمتیں اور وہ اکرام واعزاز مراد ہے جن سے اہل جنت بہرہ یاب ہوں گے۔ ﴿ نَّفَادٍ ﴾ کے معنی انقطاع اور خاتمے کے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی غیر فانی ہوں گی اور اعزاز واکرام بھی دائمی۔

3 ﴿ هٰذَا ﴾ مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی اَلْأَمْرُ هٰذَا یا هٰذَا مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے، یعنی هٰذَا كَمَا ذُكِرَ یعنی مذکور اہل خیر کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد اہل شر کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

4 طَاغِينَ جنھوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور رسولوں کی تکذیب کی۔ يَصْلَوْنَ کے معنی ہیں يَدْخُلُونَ داخل ہوں گے۔

5 ﴿ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴾ هٰذَا کی خبر ہے، یعنی هٰذَا حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ فَلْيَذُوقُوهُ "یہ ہے گرم پانی اور پیپ، اسے چکھو۔" ﴿ حَمِيْمٌ ﴾ گرم کھولتا ہوا پانی جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔ ﴿ غَسَّاقٌ ﴾ جہنمیوں کی کھالوں سے جو پیپ اور گندا لہو نکلے گا۔ یا سخت ٹھنڈا پانی جس کا پینا نہایت مشکل ہوگا۔

6 ﴿ شَكْلِهٖۤ ﴾ اس جیسے، ﴿ اَزْوَاجٌ ﴾ انواع واقسام، یعنی حمیم وغساق جیسے بہت سی قسم کے دوسرے عذاب ہوں گے۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿59﴾

یہ ایک قوم ہے جو تمھارے ساتھ (آگ میں) جانے والی ہے، [1] انھیں خوشی اور کشادگی نہ ہو، [2] یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں ○ [3]

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿60﴾

وہ کہیں گے: بلکہ تم ہی ہو کہ تمھیں خوشی نہ ہو تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا، [4] پس رہنے کی بڑی بُری جگہ ہے ○

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿61﴾

وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے (کفر کی رسم) ہمارے لیے پہلے سے نکالی ہو، [5] اُس کے حق میں جہنم کی دُگنی سزا کر دے ○ [6]

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿62﴾

اور جہنمی کہیں گے: کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں دیتے جنھیں ہم بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے ○ [7]

---

1 جہنم کے دروازوں پر کھڑے فرشتے، ائمۂ کفر اور پیشوایانِ ضلالت سے کہیں گے، جب پیروکار قسم کے کافر جہنم میں جائیں گے۔ یا ائمۂ کفر و ضلالت آپس میں یہ بات، پیروکاروں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔

2 یہ لیڈر، جہنم میں داخل ہونے والے کافروں کے لیے، فرشتوں کے جواب میں یا آپس میں کہیں گے: رَحْبَةٌ کے معنی وسعت و فراخی کے ہیں۔ مَرْحَبًا یہ کلمۂ ترحیب، یعنی خیر مقدمی الفاظ ہیں جو آنے والے مہمان کے استقبال کے وقت کہے جاتے ہیں۔ ﴿لَا مَرْحَبًا﴾ اس کے برعکس ہے۔

3 یہ ان کا خیر مقدم نہ کرنے کی علت ہے، یعنی ان کے اور ہمارے مابین کوئی وجۂ امتیاز نہیں ہے، یہ بھی ہماری طرح جہنم میں داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح ہم عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں، یہ بھی عذاب جہنم کے مستحق قرار پائے ہیں۔

4 یعنی تم ہی کفر و ضلالت کے راستے کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کرتے تھے، یوں گویا اس عذاب جہنم کے پیش کار تو تم ہی ہو۔ یہ پیروکار، اپنے مقتداؤں کو کہیں گے۔

5 یعنی جنھوں نے ہمیں کفر کی دعوت دی اور اسے حق و صواب باور کرایا۔ یا جنھوں نے ہمیں کفر کی طرف بلا کر ہمارے لیے یہ عذاب آگے بھیجا۔

6 یہ وہی بات ہے جسے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ اعراف 38:7، سورۂ احزاب 68:33۔

7 ﴿الْاَشْرَارِ﴾ سے جہنمی لوگ فقراء مومنین کو مراد لیتے، جیسے عمار، خباب، صہیب، بلال و سلمان وغیرہم رضی اللہ عنہم انھیں رؤسائے مکہ ازراہ خبث ''برے لوگ'' کہتے تھے اور اب بھی اہل باطل حق پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، دہشت گرد،

أَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ
الْأَبْصَارُ ﴿63﴾
ع 4 24 13 إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿64﴾
قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿65﴾
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ
الْغَفَّارُ ﴿66﴾
قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ﴿67﴾
أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿68﴾
مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى إِذْ
يَخْتَصِمُونَ ﴿69﴾
إِنْ يُّوحٰى إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿70﴾

کیا ہم ہی نے اُن کا مذاق بنا رکھا تھا [1] یا ہماری نگاہیں اُن سے ہٹ گئی ہیں ○ [2]
یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہوگا ○ [3]
کہہ دیجیے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں [4] اور بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائقِ عبادت نہیں ○
جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے ○
آپ کہہ دیجیے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے ○ [5]
جس سے تم بے پروا ہو رہے ہو ○
مجھے اُن بلند قدر فرشتوں کی (بات چیت کا) کوئی علم ہی نہیں جب کہ وہ تکرار کر رہے تھے ○ [6]
میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں ○ [7]

انتہا پسند وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔ اسی طرح اہل بدعت، خالص اہل سنت کو ''برا'' باور کراتے ہیں۔

1 یعنی دنیا میں جہاں ہم غلطی پر تھے۔

2 یا وہ بھی ہمارے ساتھ ہی یہیں کہیں ہیں، ہماری نظریں انھیں نہیں دیکھ پا رہی ہیں۔

3 یعنی آپس میں ان کی تکرار اور ایک دوسرے کو موردِ طعن بنانا، ایک ایسی حقیقت ہے جس میں تخلّف نہیں ہوگا۔

4 یعنی جو تم گمان کرتے ہو، میں وہ نہیں ہوں بلکہ تمھیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں۔

5 یعنی میں تمھیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی خبر ہے جس سے اعراض و غفلت نہ برتو بلکہ اس پر توجہ دینے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

6 مَلَأِ أَعْلٰی سے مراد فرشتے ہیں، یعنی وہ کس بات پر بحث کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے، اس اختصام (بحث و تکرار) سے مراد وہ گفتگو ہو جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہوئی جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

7 یعنی میری ذمے داری یہی ہے کہ میں وہ فرائض و سنن تمھیں بتا دوں جن کے اختیار کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے اور ان محرمات و معاصی کی وضاحت کر دوں جن کے اجتناب سے تم رضائے الٰہی کے اور بصورت دیگر اس کے غضب و عقاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہی وہ انذار (ڈرانا) ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔

اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿71﴾
فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿72﴾
فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿73﴾
اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿74﴾

جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا[1] کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا[2] کرنے والا ہوں ○
سو جب میں اُسے ٹھیک ٹھاک کرلوں[3] اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں،[4] تو تم سب اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا ○[5]
چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ○[6]
مگر ابلیس نے (نہ کیا) اُس نے تکبر کیا[7] اور وہ ہوگیا

---

1 یہ قصہ اس سے قبل سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں بیان ہو چکا ہے۔ اب اسے یہاں بھی اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔

2 یعنی ایک انسان مٹی سے بنانے والا ہوں۔ انسان کو بشر، زمین کے ساتھ اس کے تعلق کی وجہ سے کہا، یعنی زمین سے ہی اس کی ساری وابستگی ہے اور وہ سب کچھ اسی زمین پر کرتا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ بَادِی الْبَشَرَة ہے، یعنی اس کا جسم، جلد ظاہر ہے کہ دوسرے حیوانات کی طرح اس کے جلد پر بال، اون نہیں ہے۔

3 یعنی اسے انسانی پیکر میں ڈھال لوں اور اس کے تمام اجزاء درست اور برابر کرلوں۔

4 یعنی وہ روح، جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکتے ہی یہ پیکر خاکی زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔ انسان کے شرف وعظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔

5 یہ سجدۂ تحیہ وتعظیم ہے، سجدۂ عبادت نہیں۔ یہ تعظیمی سجدہ پہلے جائز تھا، اب اسلام میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔'' (جامع الترمذي، حديث:1159 وقال الألباني وهو حديث صحيح لشواهده)

6 یہ انسان کا دوسرا شرف ہے کہ اسے مسجود ملائک بنایا، یعنی فرشتے جیسی مقدس مخلوق نے اسے تَعْظِیمًا سجدہ کیا۔ ﴿ كُلُّهُمۡ ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی سجدہ کرنے میں پیچھے نہیں رہا۔ اس کے بعد ﴿ اَجۡمَعُوۡنَ ﴾ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ سجدہ بھی سب نے بیک وقت ہی کیا۔ مختلف اوقات میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تاکید در تاکید تعمیم میں مبالغے کے لیے ہے اور یہی راجح ہے۔ (فتح القدير)

7 اگر ابلیس کو صفات ملائکہ سے متصف مانا جائے تو یہ استثنا متصل ہوگا، یعنی ابلیس اس حکم سجدہ میں داخل ہوگا، بصورت دیگر یہ استثنا منقطع ہے، یعنی وہ اس حکم میں داخل نہیں تھا لیکن آسمان پر رہنے کی وجہ سے اسے بھی حکم دیا گیا۔

کافروں میں سے ○ [1]

قَالَ يٰٓاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ ۝75

(اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس! تجھے اُسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ [2] کیا تو کچھ گھمنڈ میں آ گیا ہے؟ یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے ○

قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ۝76

اُس نے جواب دیا کہ میں اُس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا، اور اُسے مٹی سے بنایا ہے ○ [3]

قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۝77

ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا ○

وَّاِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝78

اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے ○

قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝79

کہنے لگا: میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے ○

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۝80

(اللہ نے) فرمایا: تو مہلت والوں میں سے ہے ○

اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ۝81

متعین وقت کے دن تک ○

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝82

کہنے لگا: پھر تو تیری عزت کی قسم! میں اُن سب کو یقیناً بہکا دوں گا ○

مگر اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔

1 یہ ﴿ كَانَ ﴾ صَارَ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے استکبار کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا۔ یا اللہ کے علم میں وہ کافر تھا۔

2 یہ بھی انسان کے شرف و عظمت کے اظہار ہی کے لیے فرمایا ویسے تو ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے لیکن انسان کے شرف و عظمت کا اظہار اس میں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔

3 یعنی شیطان نے اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھا کہ آگ کا عنصر مٹی کے عنصر سے بہتر ہے، حالانکہ یہ سب جواہر، متجانس (ہم جنس یا قریب قریب ایک درجے میں) ہیں۔ ان میں سے کسی کو دوسرے پر شرف کسی عارض (خارجی سبب) ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ عارض، آگ کے مقابلے میں، مٹی کے حصے میں آیا، کہ اللہ نے اسی سے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لحاظ سے مٹی ہی کو آگ کے مقابلے میں شرف و عظمت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آگ کا کام جلا کر خاکستر کر دینا ہے جبکہ مٹی اس کے برعکس انواع و اقسام کی پیداوار کا ماٴخذ ہے۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿83﴾
قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿84﴾
لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿85﴾
قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿86﴾
إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿87﴾
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿88﴾ ع 5/24 14

بجز تیرے اُن بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں ○
فرمایا: سچ تو یہ ہے، اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں ○
کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں (بھی) جہنم کو بھر دوں گا ○
کہہ دیجیے کہ میں تم سے اُس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا[1] اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ○[2]
یہ تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے ○[3]
یقیناً تم اُس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح طور پر) جان لو گے ○[4]

1 یعنی اس دعوت و تبلیغ سے میرا مقصد صرف امتثالِ امرِ الٰہی ہے، دنیا کمانا نہیں۔

2 یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو یا میں تمھیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں جس کا حکم اللہ نے مجھے نہ دیا ہو بلکہ کوئی کمی بیشی کیے بغیر میں اللہ کے احکام تم تک پہنچا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، جس کو کسی بات کا علم نہ ہو، اس کی بابت اسے کہہ دینا چاہیے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو کہا: فرما دیجیے: ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ○﴾ (ابن کثیر) ''میں تکلّف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' علاوہ ازیں اس سے عام معاملات زندگی میں بھی تکلف و تصنع سے اجتناب کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: «نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ» (صحيح البخاري، حديث:7293) ''ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔'' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «نَهَانَا رَسُولُ اللهِ أَنْ نَتَكَلَّفَ لِلضَّيْفِ» (صحيح الجامع الصغير:1159/2 والسلسلة الصحيحة: 512/5) ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوراک، رہائش اور دیگر معاملات میں تکلفات جو آج کل معیارِ زندگی بلند کرنے کے عنوان سے، اصحاب حیثیت کا شعار اور وتیرہ بن چکا ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔ اسی طرح اگرچہ اکرامِ ضَیف کا بھی حکم ہے، یعنی مہمان کی عزت اور اس کی مہمان نوازی ضروری ہے لیکن اس کا مطلب بھی اپنی طاقت کے مطابق اس کی رہائش، خوراک اور دیگر ضروریات کی خوش دلی سے فراہمی ہے نہ کہ تکلفات اور اسراف بے جا کا اہتمام کرنے کی ضرورت۔

3 یعنی یہ قرآن یا وحی یا وہ دعوت جو میں پیش کر رہا ہوں، دنیا بھر کے انسانوں اور جنات کے لیے نصیحت ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے کا قصد کرے۔

4 یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے جو وعدے وعید ذکر کیے ہیں، ان کی حقیقت و صداقت بہت جلد

آیاتہا 75 (39) سُوْرَۃُ الزُّمَرِ مَکِّیَّۃٌ (59) رکوعاتہا 8

سورۂ زمر مکی [1] ہے، اس میں 75 آیات اور 8 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ①

اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب باحکمت کی طرف سے ہے ○

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ②

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ [2] نازل فرمایا ہے، پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اُسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے [3] ○

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰهَ

وقف لازم

خبردار! اللہ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے [4] اور جن لوگوں نے اُس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر

تمھارے سامنے آجائے گی، چنانچہ اس کی صداقت یوم بدر کو واضح ہوئی، فتح مکہ کے دن ہوئی یا پھر موت کے وقت تو سب پر ہی واضح ہو جاتی ہے۔

1 حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرماتے تھے۔ (صححه الألباني في صحيح سنن الترمذي:3/167)

2 یعنی اس میں توحید و رسالت، معاد اور احکام و فرائض کا جو اثبات کیا گیا ہے، وہ سب حق ہے اور انھی کے ماننے اور اختیار کرنے میں انسان کی نجات ہے۔

3 ﴿الدِّیْنُ﴾ کے معنی یہاں عبادت اور اطاعت کے ہیں اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اللہ کی رضا کی نیت سے نیک عمل کرنا۔ آیت، نیت کے وجوب اور اس کے اخلاص پر دلیل ہے۔ حدیث میں بھی اخلاص نیت کی اہمیت یہ کہہ کر واضح کر دی گئی ہے کہ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» (صحيح البخاري، حديث:1) ”عملوں کا اعتبار نیتوں پر ہے۔“ یعنی جو عمل خیر اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے گا، (بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہو) وہ مقبول اور جس عمل میں کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی، وہ نامقبول ہوگا۔

4 یہ اسی اخلاص عبادت کی تاکید ہے جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں ہے کہ عبادت و اطاعت صرف ایک اللہ ہی کا حق ہے، نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز ہے۔ نہ اطاعت ہی کا اس کے علاوہ کوئی حق دار ہے، البتہ رسول کی اطاعت کو چونکہ خود اللہ نے اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے، اس لیے رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے، کسی غیر کی نہیں، تاہم عبادت میں یہ بات بھی نہیں، اس لیے عبادت اللہ کے سوا کسی بڑے سے بڑے رسول کی بھی

لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

دیں، [1] یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں۔ اُس کا فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔ [2] جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ راہ نہیں دکھاتا ○ [3]

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

اگر اللہ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ (لیکن) وہ تو پاک ہے، [4] وہ وہی اللہ ہے یگانہ اور قوت والا ○

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤

نہایت اچھی تدبیر سے اُس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے [5] اور اُس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے ○

جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ عام افراد و اشخاص کی جنھیں لوگوں نے اپنے طور پر خدائی اختیارات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔''

1 اس سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبر کائنات مانتے تھے، پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس 18:10) ''یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔''

2 کیونکہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

3 یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان معبودان باطلہ کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

4 یعنی پھر اس کی اولاد لڑکیاں ہی کیوں ہوتیں؟ جس طرح کہ مشرکین کا عقیدہ تھا بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا، وہ اس کی اولاد ہوتی نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں لیکن وہ تو اس نقص سے ہی پاک ہے۔ (ابن کثیر)

5 تَكْوِيرٌ کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز پر لپیٹ دینا، رات کو دن پر لپیٹ دینے کا مطلب، رات کا دن کو

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

اُس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے،[1] پھر اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا[2] اور تمھارے لیے چوپایوں میں سے (آٹھ نر و مادہ) اتارے[3] وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا[4] ہے تین تین اندھیروں میں،[5] یہی اللہ تمھارا رب ہے، اُسی کے لیے بادشاہت ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہک رہے ہو؟ ○[6]

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا

اگر تم ناشکری کرو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تم (سب) سے

ڈھانپنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور دن کو رات پر لپیٹ دینے کا مطلب، دن کا رات کو ڈھانپنا ہے حتیٰ کہ اس کی تاریکی ختم ہو جائے۔ یہ وہی مطلب ہے جو ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ (الأعراف 7:54) ''وہ (اللہ) رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے۔'' کا ہے۔

1 یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی تھی۔

2 یعنی حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا اور یہ بھی اس کا کمال قدرت ہے کیونکہ حضرت حواء کے علاوہ کسی بھی عورت کی تخلیق کسی آدمی کی پسلی سے نہیں ہوئی۔ یوں یہ تخلیق امر عادی کے خلاف اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

3 یہ وہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، جو نر اور مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں جن کا ذکر سورۂ انعام 6:143،144، میں گزر چکا ہے۔ ﴿اَنْزَلَ﴾ بمعنی خَلَقَ ہے یا ایک روایت کے مطابق، پہلے اللہ نے انھیں جنت میں پیدا فرمایا اور پھر انھیں نازل کیا، پس یہ انزال حقیقی ہوگا یا اَنْزَلَ کا اطلاق مجازاً ہے، اس لیے کہ یہ جانور چارے کے بغیر نہیں رہ سکتے اور چارہ کی روئیدگی کے لیے پانی ناگزیر ہے۔ جو آسمان سے ہی بارش کے ذریعے اترتا ہے۔ یوں گویا یہ چوپائے آسمان سے اتارے ہوئے ہیں۔ (فتح القدير)

4 یعنی رحم مادر میں مختلف اطوار سے گزارتا ہے، پہلے نُطفَه، پھر عَلَقَه، پھر مُضغَه، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ جس کے اوپر گوشت کا لباس۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کامل تیار ہوتا ہے۔

5 ایک: ماں کے پیٹ کا اندھیرا، دوسرا: رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا: مشیمہ کا اندھیرا، وہ جھلی یا پردہ جس کے اندر بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

6 یا کیوں تم حق سے باطل کی طرف اور ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر رہے ہو؟

يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَۚ وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰىؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ⑦

بے نیاز ہے، [1] اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اُسے تمھارے لیے پسند کرے گا [2] اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھاتا، پھر تم سب کا لوٹنا تمھارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمھیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے ○

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً مِّنۡهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدۡعُوۡۤا اِلَيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖؕ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِكُفۡرِكَ قَلِيۡلًا ۖ اِنَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ⑧

اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رُجوع کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ اُسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اُس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اُسے (بالکل) بھول جاتا ہے [3] اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اُس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجیے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لے، (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے ○

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَيَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ

بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو، [4] بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا

1 اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورۂ ابراہیم 8:14 کا حاشیہ۔

2 یعنی کفر اگرچہ انسان اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے کیونکہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا نہ ہو ہی سکتا ہے، تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کا راستہ تو شکر ہی کا راستہ ہے نہ کہ کفر کا۔ یعنی اس کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس نکتے کی وضاحت بعض مقامات پر کی جا چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ 253:2 وسورۂ انعام 35:6 وسورۂ یٰسٓ 47:36 اور سورۂ زخرف 20:43 کے حواشی)

3 یا اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے وہ دوسروں کو چھوڑ کر، اللہ سے دعا کرتا تھا یا اس رب کو بھول جاتا ہے، جسے وہ پکارتا تھا اور اس کے سامنے تضرع کرتا تھا اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

4 مطلب یہ ہے کہ ایک یہ کافر و مشرک ہے جس کا یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشی میں، رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرماں برداری کا اظہار کرتے ہوئے، سجود و قیام میں گزارتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑨ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى

ع 1/9 15

برابر کے ہیں؟ [1] یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں ○ [2]

کہہ دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، [3] جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں اُن کے لیے نیک بدلہ ہے [4] اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے [5]

آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے اور رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے، یعنی خوف ورجا دونوں کیفیتوں سے وہ سرشار ہے جو اصل ایمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ خوف ورجا کے بارے میں حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس گئے جبکہ اس پر سکرات الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے؟'' اس نے کہا: ''میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے اسے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث:983، و سنن ابن ماجه، حديث:4261)

1 یعنی وہ جو جانتے ہیں کہ اللہ نے ثواب وعقاب کا جو وعدہ کیا ہے، وہ حق ہے اور وہ جو اس بات کو نہیں جانتے۔ یہ دونوں برابر نہیں۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل۔ جس طرح علم وجہل میں فرق ہے، اسی طرح عالم وجاہل برابر نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم وغیر عالم کی مثال سے یہ سمجھانا مقصود ہو کہ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اللہ کا فرماں بردار اور اس کا نافرمان، دونوں برابر نہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہے کیونکہ وہی علم سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ گویا ایسے ہی ہے کہ اسے علم ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ عامل اور غیر عامل کی مثال ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔

2 اور یہ اہل ایمان ہی ہیں نہ کہ کفار۔ گو وہ اپنے آپ کو صاحب دانش وبصیرت ہی سمجھتے ہوں۔ لیکن جب وہ اپنی عقل ودانش کو استعمال کر کے غور وتدبر ہی نہیں کرتے اور عبرت ونصیحت ہی حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی ہے گویا وہ چوپاؤں کی طرح عقل ودانش سے محروم ہیں۔

3 اس کی اطاعت کر کے، معاصی سے اجتناب کر کے اور عبادت واطاعت کو اس کے لیے خالص کر کے۔

4 یہ تقویٰ کے فوائد ہیں۔ نیک بدلے سے مراد جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ بعض فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا کو حَسَنَةٌ سے متعلق مان کر ترجمہ کرتے ہیں: ''جو نیکی کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا میں نیک بدلہ ہے۔'' یعنی اللہ انھیں دنیا میں صحت وعافیت، کامیابی اور غنیمت وغیرہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے۔

5 یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان وتقویٰ پر عمل مشکل ہو تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں بلکہ

الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩	صبر کرنے والوں ہی کو اُن کا پورا پورا بے شمار اَجر دیا جاتا ہے ○ [1]
قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪	آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ اُسی کے لیے عبادت کو خالص کر لوں ○
وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫	اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار بن جاؤں ○ [2]
قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬	کہہ دیجیے کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے ○
قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِیْ ⑭	کہہ دیجیے کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں ○

وہاں سے ہجرت کر کے ایسے علاقے میں چلے جانا چاہیے جہاں انسان احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی گزار سکے اور جہاں ایمان وتقویٰ کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔ لیکن آج کل مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی ماحول اور اسلامی معاشروں سے نکل کر محض مادّی منفعت اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی کے لیے دیارِ کفر میں رہائش پذیر ہے جہاں ان کی تہذیب اور دین وایمان کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ گویا قرآنی حکم کے برعکس دین کی حفاظت کی غرض سے ترکِ وطن کے بجائے دین واخلاقِ اسلامی کی بربادی کے لیے وطنِ مالوف، خویش واقارب اور اسلامی ماحول کو خیرباد کہنے کو معمول بنا لیا گیا ہے۔

1 اسی طرح ایمان وتقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شہوات ولذاتِ نفس کی قربانی بھی لابدّی ہے، جس کے لیے صبر کی ضرورت ہے، اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہوگا، یعنی ان کا اجر غیر متناہی ہو گا کیونکہ جس چیز کا حساب ممکن ہو، اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو، وہ وہی ہوتی ہے جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس لیے کہ جزع فزع اور بے صبری سے نازل شدہ مصیبت ٹل نہیں جاتی، جس خیر اور فائدے سے محرومی ہوگئی ہے، وہ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو ناگوار صورتِ حال پیش آ چکی ہوتی ہے، اس کا اندفاع ممکن نہیں۔ جب یہ بات ہے تو انسان صبر کر کے وہ اجرِ عظیم کیوں نہ حاصل کرے جو صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

2 پہلا اس معنی میں کہ آبائی دین کی مخالفت کر کے توحید کی دعوت سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کی۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ
الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ
الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿15﴾
لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ
تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ
عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿16﴾

تم اُس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو کہہ دیجیے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے، یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے ○
اُنھیں نیچے اوپر سے آگ کے (شعلے مثل) سائبان (کے) ڈھانک رہے ہوں گے۔[1] یہی (عذاب) ہیں جن سے اللہ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے،[2] اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو ○

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ
يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ
الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿17﴾
الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ
اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ
اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿18﴾
اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے ○
جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر جو بہترین بات ہو[3] اُس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل مند بھی ہیں[4] ○
بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے،[5] تو

---

1 ﴿ظُلَلٌ﴾ ظُلَّةٌ کی جمع ہے، سایہ۔ یہاں أطباق النار مراد ہیں، یعنی ان کے اوپر نیچے آگ کے طبق ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہے ہوں گے۔ (فتح القدير)

2 یعنی یہی مذکور خسران مبین اور عذاب ظُلَل ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے اس انجام بد سے بچ جائیں۔

3 أَحْسَنَ سے مراد محکم اور پختہ بات یا مامورات میں سے سب سے اچھی بات یا عزیمت و رخصت میں سے عزیمت یا عقوبت (بدلہ لینے) کے مقابلے میں عفو و درگزر اختیار کرتے ہیں۔

4 کیونکہ انھوں نے اپنی عقل سے فائدہ اٹھایا ہے جبکہ دوسروں نے اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

5 یعنی قضا و تقدیر کی رو سے اس کا استحقاق عذاب ثابت ہو چکا ہے، اس طرح کہ کفر و ظلم اور جرم و عدوان میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں رہی، جیسے ابو جہل اور عاص بن وائل وغیرہ۔ اور گناہوں نے اس کو پوری طرح گھیر لیا اور وہ جہنمی ہو گیا۔

تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿19﴾
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ
فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ
الْمِيْعَادَ ﴿20﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ
زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ
مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿21﴾ ع 2/12/16

کیا آپ اُسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟[1] ○ ہاں! وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے اُن کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالا خانے ہیں[2] (اور) اُن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ رب کا وعدہ ہے[3] اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر اُس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا ہے[4] پھر اُسی کے ذریعے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اُگاتا ہے[5] پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں اور آپ اُنھیں زرد رنگ دیکھتے ہیں، پھر اُنھیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے،[6] اس میں عقل مندوں کے لیے بہت زیادہ نصیحت ہے[7] ○

---

1 نبی ﷺ چونکہ اس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی قوم کے سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دی اور آپ کو بتلایا کہ آپ کی خواہش اپنی جگہ بالکل صحیح اور بجا ہے لیکن جس پر اس کی تقدیر غالب آ گئی اور اللہ کا کلمہ اس کے حق میں ثابت ہو گیا، اسے آپ جہنم کی آگ سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔

2 اس کا مطلب ہے کہ جنت میں درجات ہوں گے، ایک کے اوپر ایک۔ جس طرح یہاں کثیر المنازل عمارتیں ہیں، جنت میں بھی درجات کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر بالا خانے ہوں گے، جن کے درمیان سے اہل جنت کی خواہش کے مطابق دودھ، شہد، پانی اور شراب کی نہریں چل رہی ہوں گی۔

3 جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے اور جو یقیناً پورا ہو گا کہ اللہ سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

4 ﴿يَنَابِيْعَ﴾ يَنْبُوعٌ کی جمع ہے، سوتے، چشمے، یعنی بارش کے ذریعے سے پانی آسمان سے اترتا ہے، پھر وہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں میں جمع ہو جاتا ہے۔

5 یعنی اس پانی سے جو ایک ہوتا ہے، انواع و اقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

6 یعنی شادابی اور تر و تازگی کے بعد وہ کھیتیاں سوکھ جاتی اور زرد ہو جاتی ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ جس طرح لکڑی کی ٹہنیاں خشک ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

7 یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے، وہ بھی بہت جلد زوال و فنا سے ہم کنار ہو

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿22﴾

کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے [1] اور ہلاکت ہے اُن کے لیے جن کے دل یادِ الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں ○

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِیْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، [2] جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں، [3] آخر میں اُن کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں، [4]

جاتی ہے۔ اس کی رونق و بہجت، اس کی شادابی و زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہیے بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے جس کے بعد کی زندگی دائمی ہے جسے زوال نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل ایمان کے سینوں کی مثال ہے اور مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن اتارا جسے وہ مومنوں کے دلوں میں داخل فرماتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے دین باہر نکالتا ہے جو ایک دوسرے سے بہتر ہوتا ہے، پس مومن تو ایمان و یقین میں زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، وہ اس طرح خشک ہو جاتا ہے جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر)

1 یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے، پس وہ اس شرح صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لیے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

2 ﴿اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد قرآن مجید ہے، ملتی جلتی کا مطلب، اس کے سارے حصے حسن کلام، اعجاز و بلاغت، صحت معانی وغیرہ خوبیوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یا یہ بھی سابقہ کتب آسمانی سے ملتا ہے، یعنی ان کے مشابہ ہے۔ ﴿مَّثَانِیَ﴾ جس میں قصص و واقعات اور مواعظ و احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

3 کیونکہ وہ ان وعیدوں کو اور تخویف و تہدید کو سمجھتے ہیں جو نافرمانوں کے لیے اس میں ہے۔

4 یعنی جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿23﴾

یہ ہے اللہ کی ہدایت جسے چاہے یہ دکھا دیتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی راہ بھلا دے اُس کا ہادی کوئی نہیں ○

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿24﴾

بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذاب کی ڈھال اپنے منہ کو بنائے گا۔ (ایسے) ظالموں سے کہا جائے گا کہ اپنے کیے کا وبال چکھو ○ [1]

كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿25﴾

اُن سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا، پھر اُن پر وہاں سے عذاب آ پڑا جہاں سے اُن کو خیال بھی نہ تھا ○ [2]

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾ وقف لازم

اور اللہ نے اُنھیں زندگانیٔ دنیا میں رُسوائی کا مزہ چکھایا [3] اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے کاش کہ یہ لوگ سمجھ لیں ○

بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہو جائیں اور عقل و ہوش باقی نہ رہے کیونکہ یہ بدعتیوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتیوں کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں، جسے وہ ''وجد و حال یا سکر و مستی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجوہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سماع، قرآن کریم کی تلاوت ہے جبکہ کفار کا سماع، بے حیا مغنیات کی آوازوں میں گانا بجانا سننا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سماع مشرکانہ غلو پر مبنی قوالیاں اور نعتیں ہیں) دوسرے یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب و خشیت سے، رجا و محبت سے اور علم و فہم سے رو پڑتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں جبکہ کفار شور کرتے اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرے: اہل ایمان سماع قرآن کے وقت ادب و تواضع اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابۂ کرام کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ (ابن کثیر)

1 یعنی کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو قیامت والے دن بالکل بے خوف اور امن میں ہوگا، یعنی محذوف عبارت ملا کر اس کا یہ مفہوم ہوگا۔

2 اور انھیں ان عذابوں سے کوئی نہیں بچا سکا۔

3 یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کا یہ حال ہوا اور تم اَشْرَفُ الرُّسُل اور اَفْضَلُ النَّاس کی تکذیب کر رہے ہو، تمھیں بھی اس تکذیب کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿ۚ۲۷﴾

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ [1]

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ لَّعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۲۸﴾

قرآن ہے عربی میں جس میں کوئی کجی نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ پرہیز گاری اختیار کر لیں ○ [2]

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیۡہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوۡنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ ہَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ۚ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

اللہ مثال بیان فرما رہا ہے، ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم ضد رکھنے والے ساجھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک ہی کا (غلام) ہے، کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں، [3] اللہ ہی کے لیے سب تعریف ہے۔[4] بات یہ ہے کہ اُن میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ○ [5]

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّہُمۡ مَّیِّتُوۡنَ ﴿۫۳۰﴾

یقیناً خود آپ کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں ○

ثُمَّ اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ تَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿٪۳۱﴾ ع 3 10 17

پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے، جھگڑو گے ○ [6]

---

1 یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تا کہ لوگوں کے ذہنوں میں باتیں بیٹھ جائیں اور وہ نصیحت حاصل کریں۔

2 یعنی قرآن واضح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی، انحراف اور التباس نہیں ہے تا کہ لوگ اس میں بیان کردہ وعیدوں سے ڈریں اور اس میں بیان کیے گئے وعدوں کا مصداق بننے کے لیے عمل کریں۔

3 اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی گئی ہے، یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشترکہ ہے، چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے جس کا مالک صرف ایک ہی شخص ہے، اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں۔ نہیں، یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے۔ اور وہ مخلص مومن جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ برابر نہیں ہو سکتے۔

4 اس بات پر کہ اس نے حجت قائم کر دی۔

5 اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

6 یعنی اے پیغمبر! آپ بھی اور آپ کے مخالف بھی، سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے ہمارے پاس آخرت

میں آئیں گے۔ دنیا میں تو توحید اور شرک کا فیصلہ تمھارے درمیان نہیں ہو سکا اور تم اس بارے میں جھگڑتے ہی رہے۔ لیکن یہاں میں اس کا فیصلہ کروں گا اور مخلص موحدین کو جنت میں اور مشرکین و جاحدین اور مکذبین کو جہنم میں داخل کروں گا۔ ان آیات سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے، جس طرح کہ سورۂ آل عمران 3:144 سے بھی ہوتا ہے اور جس سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ ﷺ کی موت کا تحقق فرمایا تھا، اس لیے نبی ﷺ کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی، قرآن کی نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی، اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا، قبر میں آپ کو برزخی زندگی تو یقیناً حاصل ہے جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ ﷺ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''مسئلہ حیات النبی ﷺ'' تالیف: شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے؟[1] اور سچا دین جب اُس کے پاس آئے تو اُسے جھوٹا بتائے؟[2] کیا ایسے کفار کے لیے جہنم ٹھکانا نہیں ہے؟ ○

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿33﴾

اور جو سچے دین کو لائے[3] اور جس نے اُس کی تصدیق کی[4] یہی لوگ پارسا ہیں ○

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿34﴾ ۚۖ

اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو یہ چاہیں،[5] نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے ○[6]

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿35﴾

تا کہ اللہ اُن سے اُن کے بُرے عملوں کو دور کر دے اور جو نیک کام اُنھوں نے کیے ہیں اُن کا اچھا بدلہ عطا فرمائے ○

---

1 یعنی دعویٰ کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا شریک ہے یا اس کی بیوی ہے درآں حالیکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔

2 جس میں توحید ہے، احکام وفرائض ہیں، عقیدۂ بعث ونشور ہے، محرمات سے اجتناب ہے، مومنین کے لیے خوش خبری اور کافروں کے لیے وعیدیں ہیں۔ یہ دین وشریعت جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اسے وہ جھوٹا بتلائے۔

3 اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں جو سچا دین لے کر آئے۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا اور اللہ کی شریعت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

4 بعض نے اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔

5 یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرما دے گا، ان کے درجے بھی بلند فرمائے گا کیونکہ ہر مسلمان کی اللہ سے یہی خواہش ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جنت میں جانے کے بعد ہر مطلوب چیز بھی ملے گی۔

6 ﴿الْمُحْسِنِيْنَ﴾ کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو نیکیاں کرنے والے ہیں۔ دوسرا: وہ جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے حدیث میں ''احسان'' کی تعریف کی گئی ہے، «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ» ''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ تصور ممکن نہ ہو تو یہ ضرور ذہن میں رہے کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' تیسرا: جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ چوتھا: ہر نیک عمل کو اچھے طریقے سے خشوع وخضوع سے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ کثرت کے بجائے اس میں ''حسن'' کا خیال رکھتے ہیں۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ﴿36﴾

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿37﴾

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿38﴾

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ [1] یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُس کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ○ [2]

اور جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، [3] کیا اللہ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں ہے؟ ○ [4]

اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اُس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اُس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے، [5] توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں ○ [6]

کہہ دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ

1 اس سے مراد نبیٔ کریم ﷺ ہیں۔ اور حکم اس کا عام ہے، تمام انبیاء اور مومنین اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب آپ کا حامی و ناصر ہو تو آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔

2 جو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر لگا دے۔

3 جو اس کو ہدایت سے نکال کر گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے، یعنی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے نوازے۔

4 کیوں نہیں، یقیناً ہے، اس لیے کہ اگر یہ لوگ کفر وعناد سے باز نہ آئے تو یقیناً وہ اپنے دوستوں کی حمایت میں ان سے انتقام لے گا اور انھیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے گا۔

5 بعض کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے مذکورہ سوال ان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے کہا کہ واقعی وہ اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتے، البتہ وہ سفارش کریں گے جس پر یہ ٹکڑا نازل ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ مجھے تو میرے معاملات میں اللہ ہی کافی ہے۔

6 جب سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو پھر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا فائدہ، اس لیے اہل ایمان صرف اس پر توکل کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر ان کا اعتماد نہیں۔

فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿39﴾
مَنۡ یَّاۡتِیۡهِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡهِ وَ یَحِلُّ عَلَیۡهِ
عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿40﴾
اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَقِّ ۚ فَمَنِ
اهۡتَدٰی فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ
عَلَیۡهَا ۚ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَكِیۡلٍ ﴿41﴾ ع 4 10 1

میں بھی عمل کر رہا ہوں، [1] ابھی ابھی تم جان لو گے ○
کہ کس پر رُسوا کرنے والا عذاب آتا ہے [2] اور کس پر
دائمی مار اور ہمیشگی کی سزا ہوتی ہے ○ [3]
آپ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لیے
نازل فرمائی ہے، پس جو شخص راہِ راست پر آ جائے اُس
کے اپنے لیے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اُس کی گمراہی
کا (وبال) اُسی پر ہے، تُو اُن کا ذمے دار نہیں ○ [4]

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِهَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ
تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِهَا ۚ فَیُمۡسِكُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡهَا

اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت [5] اور جن کی
موت نہیں آئی اُنھیں اُن کی نیند کے وقت قبض کر لیتا

---

1 یعنی اگر تم میری اس دعوت توحید کو قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے تو ٹھیک ہے، تمھاری مرضی، تم اپنی اس حالت پر قائم رہو جس پر تم ہو، میں اس حالت پر رہتا ہوں جس پر مجھے اللہ نے رکھا ہے۔

2 جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ و تمکن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، جس کے بعد کافروں کے لیے سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔

3 اس سے مراد عذاب جہنم ہے جس میں کافر ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

4 نبی ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گزرتا تھا، اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ مُکلَّف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنا لیں گے تو اس میں انھی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مُکلَّف اور ذمے دار کے ہیں، یعنی آپ ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے کیونکہ اس کے احساس و ادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو روح اس میں گویا دوبارہ بھیج دی جاتی ہے جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے ہیں، البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں، اس کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس کو بعض مفسرین نے وفات صغریٰ اور وفات کبریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

5 یہ وفات کبریٰ ہے کہ روح قبض کر لی جاتی ہے، واپس نہیں آتی۔

الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿42﴾

ہے،[1] پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے۔ اُنھیں تو روک لیتا ہے[2] اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔[3] غور کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ○[4]

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿43﴾

کیا اُن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں ○[5]

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿44﴾

کہہ دیجیے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔[6] تمام آسمانوں اور زمین کا راج اُسی کے لیے ہے تم سب اُسی کی طرف پھیرے جاؤ گے ○

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿45﴾

جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو اُن لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں[7] جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اُس کے سوا (اوروں کا) ذکر کیا جائے تو اُن کے دل

---

1 یعنی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو سونے کے وقت ان کی روح بھی قبض کر کے انھیں وفات صغریٰ سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

2 یہ وہی وفات کبریٰ ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں روح روک لی جاتی ہے۔

3 یعنی جب تک ان کا وقت موعود نہیں آتا، اس وقت تک کے لیے ان کی روحیں واپس ہوتی رہتی ہیں، یہ وفات صغریٰ ہے، یہی مضمون سورۂ انعام 6:60،61 میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں وفات صغریٰ کا ذکر پہلے اور وفات کبریٰ کا بعد میں ہے۔ جبکہ یہاں اس کے برعکس ہے۔

4 یعنی یہ روح کا قبض اور اس کا اِرْسَال اور تَوَفِّي اور اِحْيَاء اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت والے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ فرمائے گا۔

5 یعنی شفاعت کا اختیار تو کجا انھیں تو شفاعت کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں کیونکہ وہ پتھر ہیں یا بے خبر۔

6 یعنی شفاعت کی تمام اقسام کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکے گا، پھر صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کیوں نہ کی جائے تاکہ وہ راضی ہو جائے۔

7 یا کفر اور اِسْتِكْبَار یا اِنْقِبَاض محسوس کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے جب یہ کہا جائے کہ معبود صرف

کھِل کر خوش ہو جاتے ہیں ○ [1]

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿46﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، چھپے کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں میں اُن امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ رہے تھے ○ [2]

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿47﴾

اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو رُوئے زمین پر ہے اور اُس کے ساتھ اُتنا ہی اور ہو تو بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں، [3] اور اُن کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا

ایک ہی ہے تو ان کے دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

1 ہاں جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں یا وہ بھی آخر اللہ کے نیک بندے ہیں، وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو پھر مشرکین بڑے خوش ہوتے ہیں۔ منحرفین کا یہی حال آج بھی ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ صرف ''یا اللہ مدد'' کہو کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں ہے تو سیخ پا ہو جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لیے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن جب ''یا علی مدد'' یا ''یا رسول اللہ مدد'' کہا جائے، اسی طرح دیگر فوت شدگان سے استمداد و استغاثہ کیا جائے، مثلاً: يَا شَيْخُ عَبْدَالْقَادِرِ شَيْئًا لِلّٰهِ ''اے شیخ عبدالقادر! اللہ کے لیے کچھ دے دیجیے۔'' وغیرہ تو پھر ان کے دلوں کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔ ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''بعد والے مشرکوں کے دل (بھی) پیش رو مشرکوں کے مشابہ ہو گئے۔''

2 حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے آغاز میں بطور دعائے استفتاح یہ پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ! رَبَّ جِبْرِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ! أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ» (صحيح مسلم، حديث: 770) ''اے اللہ! جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار، آسمان و زمین کو پیدا کرنے والے، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، مجھے اپنے خصوصی اذن سے اُس حق کی طرف ہدایت دے جس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ یقیناً تو جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔''

3 لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: ﴿فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ (آل عمران 3:91) ''وہ زمین بھر سونا بھی بدلے میں دے دیں تو وہ قبول نہیں کیا

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿48﴾

جس کا اُنھیں بھی گمان نہ تھا○ [1]

جو کچھ اُنھوں نے کیا تھا اُس کی برائیاں اُن پر ظاہر ہوجائیں گی [2] اور جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے وہ اُنھیں آگھیرے گا○ [3]

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿49﴾

انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے، [4] پھر جب ہم اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے (میری) قابلیت کی وجہ سے ملی ہے [5] بلکہ یہ آزمائش ہے [6] لیکن اُن میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں○ [7]

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿50﴾

ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں، پس اُن کی کارروائی اُن کے کچھ کام نہ آئی○ [8]

جائے گا۔'' اس لیے کہ ﴿لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ (البقرة2:48) ''وہاں کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''

1 یعنی عذاب کی شدت اور اس کی ہولناکیاں اور اس کی انواع واقسام ایسی ہوں گی کہ کبھی ان کے گمان میں نہ آئی ہوں گی۔

2 یعنی دنیا میں جن محارم و مآثم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے، اس کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔

3 وہ عذاب انھیں گھیر لے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے، اس لیے اس کا استہزا اڑایا کرتے تھے۔

4 یہ انسان کا باعتبار جنس ذکر ہے، یعنی انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب انھیں بیماری، فقر و فاقہ یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے نجات پانے کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے اور اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔

5 یعنی نعمت ملتے ہی سرکشی اور طغیانی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں اللہ کا کیا احسان، یہ تو میری اپنی دانائی کا نتیجہ ہے۔ یا جو علم و ہنر میرے پاس ہے، اس کی بدولت یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں یا مجھے معلوم تھا کہ دنیا میں یہ چیزیں مجھے ملیں گی کیونکہ اللہ کے ہاں میرا بہت مقام ہے۔

6 یعنی بات وہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا یا بیان کر رہا ہے بلکہ یہ نعمتیں تیرے لیے امتحان اور آزمائش ہیں کہ تو شکر کرتا ہے یا کفر۔

7 اس بات سے کہ یہ اللہ کی طرف سے استدراج اور امتحان ہے۔

8 جس طرح قارون نے بھی کہا تھا لیکن بالآخر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ ﴿فَمَآ اَغْنٰى﴾ میں

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿51﴾

پھر اُن کی کی ہوئی تمام برائیاں [1] اُن پر آ پڑیں اُن میں سے بھی جو گناہ گار ہیں اُن کی کی ہوئی برائیاں بھی اب اُن پر آ پڑیں گی اور یہ (ہمیں) ہرا دینے والے نہیں ○ [2]

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ ع 5/11/2

کیا اُنھیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ (بھی)، ایمان لانے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں ○ [3]

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿53﴾

(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے ○ [4]

ما استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے اور نافیہ بھی۔ دونوں طرح معنی صحیح ہے۔

1 برائیوں سے مراد ان کی برائیوں کی جزا ہے، ان کو مشاکلت کے اعتبار سے سیئات کہا گیا ہے ورنہ برائی کی جزا، برائی نہیں ہے، جیسے ﴿جَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ 42:40) ''برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔'' (فتح القدیر)

2 یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ بھی گزشتہ قوموں کی طرح قحط، قتل و اسارت وغیرہ سے دوچار ہوئے، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ان عذابوں کو یہ روک نہیں سکے۔

3 یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں، یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اسی کی تدبیر مؤثر اور کارگر ہے، اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے، رزق فراواں سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقر و تنگ دستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے اس فیصلے میں، جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتا ہے، کوئی دخل انداز ہوسکتا ہے نہ اس میں ردوبدل کر سکتا ہے، تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیونکہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

4 اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں: حد سے تجاوز۔ اور یہاں اس کا مطلب ہے گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو'' کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیونکر معاف کرے گا۔ بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کر لے گا یا توبۃ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ کافر و مشرک تھے

وَاَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿54﴾

تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اُس کی حکم برداری کیے جاؤ اس سے قبل کہ تمھارے پاس عذاب آ جائے اور پھر تمھاری مدد نہ کی جائے ○

وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۙ﴿55﴾

اور اُس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمھاری طرف تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمھیں اطلاع بھی نہ ہو[1] ○

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۙ﴿56﴾

(ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص کہے: ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی[2] بلکہ میں تو مذاق

جنھوں نے کثرت سے قتل اور زناکاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی دعوت صحیح ہے لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے، جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ (صحيح البخاري، حديث:4810) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ، اس کے احکام و فرائض کی مطلق پروا نہ کرو اور اس کی حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت نادانش مندی اور بے عقلی و جہالت ہے۔ یہ تخم حنظل بو کر ثمرات و فواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غفور رحیم ہے، وہاں اس کا عذاب وہ نافرمانوں کے لیے، عذاب الیم بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْۤ اَنِّيْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ ﴾ (الحجر 25: 50,49) ”میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔“ غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں آیت کا آغاز ﴿ يٰعِبَادِيَ ﴾ (میرے بندوں) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر یا سچی توبہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا، اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو وہ معاف فرما دے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور رحیم ہے، جیسے حدیث میں سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ کا واقعہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:3470، وصحيح مسلم، حديث:2766)

1 یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح کا اہتمام کر لو کیونکہ جب عذاب آئے گا تو اس کا تمھیں علم و شعور بھی نہیں ہو گا، اس سے مراد دنیوی عذاب ہے

2 ﴿ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ﴾ کا مطلب اللہ کی اطاعت، یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہے۔ یا جَنْب کے

اُڑانے والوں میں ہی رہا ○

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿57﴾
یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسا لوگوں میں ہوتا ○ [1]

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾
یا عذاب کو دیکھ کر کہے کہ کاش کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکو کاروں میں ہو جاتا ○

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿59﴾
ہاں (ہاں) بے شک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں ○ [2]

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿60﴾
اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن اُن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے، [3] کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ ○ [4]

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿61﴾
اور جن لوگوں نے پرہیز گاری کی اُنھیں اللہ اُن کی کامیابی کے باعث بچالے گا، [5] اُنھیں کوئی بُرائی چھو بھی

معنی قرب اور جوار کے ہیں، یعنی اللہ کا قرب اور اس کا جوار (جنت) طلب کرنے میں کوتاہی کی۔

1 یعنی اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں شرک اور معاصی سے بچ جاتا۔ یہ اس طرح ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر مشرکین کا قول نقل کیا گیا ہے: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ (الأنعام 6:148) ''اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔'' ان کا یہ قول كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ... کا مصداق ہے۔ (فتح القدير) یعنی ''بات بجائے خود صحیح ہے لیکن اس سے مقصود باطل کا اثبات ہے۔''

2 یہ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے جواب میں فرمائے گا۔

3 جس کی وجہ عذاب کی ہولناکیاں اور اللہ کے غضب کا مشاہدہ ہوگا۔

4 حدیث میں ہے: «اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» (صحيح مسلم، حديث:91) ''حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا کبر ہے۔'' یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

5 مَفَازَةٌ مصدر میمی ہے، یعنی فَوْزٌ (کامیابی) شر سے بچ جانا اور خیر اور سعادت سے ہمکنار ہو جانا، مطلب ہے اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو اس فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرما دے گا جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثبت ہے۔

نہ سکے گی اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے ○ [1]

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿62﴾

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے ○ [2]

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ
ع 6/11/3 كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿63﴾ ع

آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک وہی ہے، [3] جن جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی خسارہ پانے والے ہیں ○ [4]

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿64﴾

آپ کہہ دیجیے: اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کا کہتے ہو؟ ○ [5]

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿65﴾

یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا ○ [6]

---

1 وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے ہیں، اس پر انھیں کوئی غم نہیں ہوگا، وہ چونکہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے، اس لیے انھیں کسی بات کا غم نہ ہوگا۔

2 یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے، تصرف اور تدبیر کرے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو سرتابی یا انکار کی مجال نہیں۔ وکیل، بمعنی محافظ اور مدبر۔ ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر کسی کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔

3 ﴿مَقَالِيْدُ﴾ مِقْلِيد اور مِقْلَاد کی جمع ہے۔ یا إِقْلِيد کی خلاف قیاس جمع ہے۔ (فتح القدیر) بعض نے اس کا ترجمہ ''چابیاں'' اور بعض نے ''خزانے'' کیا ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

4 یعنی کامل خسارہ کیونکہ اس کفر کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلے گئے۔

5 یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین کو اختیار کر لیں جس میں بتوں کی عبادت تھی۔

6 ''اگر تو نے شرک کیا'' کا مطلب ہے، اگر موت شرک پر آئی اور اس سے توبہ نہ کی۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے، ان سے

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿66﴾

بلکہ تُو اللہ ہی کی عبادت کر [1] اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا ○

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿67﴾

اور اُن لوگوں نے جیسی قدر اللہ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، [2] ساری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، [3] وہ پاک اور برتر ہے ہر اُس چیز سے جسے لوگ اُس کا شریک بنائیں ○

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ

اور صور پھونک دیا جائے گا، پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے [4] مگر جسے اللہ

ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن یہ دراصل امت کے لیے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔

1 ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی طرح یہاں بھی مفعول (لفظ اللہ) کو مقدم کر کے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا گیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔

2 کیونکہ اس کی بات بھی نہیں مانی جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے ان تک پہنچائی تھی اور عبادت بھی اس کے لیے خالص نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ''ہم اللہ کی بابت (کتابوں میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ (قیامت والے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور ثریٰ (تری) کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔'' آپ نے مسکرا کر اس کی تصدیق کی اور آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ﴾ کی تلاوت فرمائی۔ (صحيح البخاري ، حديث:4811) محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی جن صفات کا ذکر قرآن اور احادیث صحیحہ میں ہے، (جس طرح اس آیت میں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے) ان پر بلا کیف وتشبیہ اور بغیر تاویل وتحریف کے ایمان رکھنا ضروری ہے، اس لیے یہاں بیان کردہ حقیقت کو مجرد غلبہ وقوت کے مفہوم میں لینا صحیح نہیں ہے۔

3 اس کی بابت بھی حدیث میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: «أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ» ''میں بادشاہ ہوں۔ زمین کے بادشاہ (آج) کہاں ہیں؟ (صحيح البخاري، حديث:4812)

4 بعض کے نزدیک (نفخۂ فزع کے بعد) یہ نفخۂ ثانیہ، یعنی نفخۂ صعق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض کے نزدیک یہ نفخۂ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ طاری ہوگی اور پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ کل چار نفخے ہوں گے: نفخة الفنا، نفخة البعث، نفخة الصعق، اور نفخة القيام لرب

اُخۡرٰی فَاِذَا هُمۡ قِیَامٌ یَّنۡظُرُوۡنَ ﴿68﴾

چاہے،[1] پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے ○[2]

وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِایۡٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿69﴾

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی،[3] نامۂ اعمال حاضر کیے جائیں گے، نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا[4] اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کر دیے جائیں گے اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہ ہوگا ○[5]

وَوُفِّیَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿70﴾ ع 7/7 4

اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے بھرپور دے دیا جائے گا اور لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ بخوبی جاننے والا ہے ○[6]

وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ

کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں

العالمين-(أيسر التفاسير) بعض نے تین بتائے ہیں جبکہ راجح یہ ہے کہ دو نفخے ہوں گے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. (دیکھیے فتح الباري: 446/6، تحت حديث: 3408 و4813)

1 یعنی جن کو اللہ چاہے گا، ان کو موت نہیں آئے گی، جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ بعض کہتے ہیں: رضوان فرشتہ، حَمَلَةُ الْعَرْشِ-(عرش اٹھانے والے فرشتے) اور جنت وجہنم پر مقرر داروغے۔ (فتح القدير)

2 چار نفخوں کے قائلین کے نزدیک یہ چوتھا، تین کے قائلین کے نزدیک تیسرا اور دو کے قائلین کے نزدیک یہ دوسرا نفخہ ہے۔ بہرحال اس نفخے سے سب زندہ ہو کر میدان محشر میں رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے، جہاں حساب کتاب ہوگا۔

3 اس نور سے بعض نے عدل اور بعض نے حکم مراد لیا ہے لیکن اسے حقیقی معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کیونکہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (فتح القدير)

4 نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمھاری امتوں نے تمھاری دعوت کا کیا جواب دیا، اسے قبول کیا یا اس کا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی قوم یا امت کو پہنچا دیا تھا جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعے سے ان امور پر مطلع فرمایا تھا۔

5 یعنی کسی کے اجر وثواب میں کمی نہیں ہوگی اور کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

6 یعنی اس کو کسی کاتب، حاسب اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعمال نامے اور گواہ صرف بطور حجت اور قطع معذرت کے ہوں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ رَبِّكُمۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰكِنۡ حَقَّتۡ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿71﴾

گے، [1] جب وہ اُس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے اُن کے لیے کھول دیے جائیں گے، [2] اور وہاں کے نگہبان اُن سے سوال کریں گے کہ کیا تمھارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمھارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمھیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے [3] لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا ○ [4]

قِيۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿72﴾

کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہو گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے ○

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے اُن کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے [5] یہاں تک

---

1 ﴿ زُمَرًا ﴾ زَمْرٌ سے مشتق ہے بمعنی آواز، ہر گروہ یا جماعت میں شور اور آوازیں ضرور ہوتی ہیں، اس لیے یہ جماعت اور گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہے کہ کافروں کو جہنم کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے ایک گروہ۔ علاوہ ازیں انھیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہنکایا جائے گا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ يَوۡمَ يُدَعُّوۡنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ○ ﴾ (الطور 52:13) ''انھیں جہنم کی طرف سختی سے دھکیلا جائے گا۔''

2 یعنی ان کے پہنچتے ہی فوراً جہنم کے ساتوں دروازے کھول دیے جائیں گے تاکہ سزا میں تاخیر نہ ہو۔

3 یعنی جس طرح دنیا میں بحث و تکرار اور جدل و مناظرہ کرتے تھے، وہاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے آ جانے کے بعد بحث و جدال کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی، اس لیے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

4 یعنی ہم نے پیغمبروں کی تکذیب اور مخالفت کی، اس شقاوت کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے جبکہ ہم نے حق سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا، اس مضمون کو سورۂ ملک 67:8-10 میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

5 اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقربین، پھر ابرار، اس طرح درجہ بدرجہ، ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہوگا، مثلاً: انبیاء، انبیاء کے ساتھ، صدیقین اور شہداء اپنے ہم جنسوں کے ساتھ۔ علماء اپنے اقران کے ساتھ، یعنی ہر صنف اپنی ہی صنف یا اس کی مثل کے ساتھ ہوگی۔ (ابن کثیر)

لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿73﴾

کہ جب اُس کے پاس آ جائیں گے اور اُس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے [1] اور وہاں کے نگہبان اُن سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ ہو، تم اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ ○

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿74﴾

یہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں، پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے ○

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور تُو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھے گا [2] اور

---

1 حدیث میں آتا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک ریان ہے جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔ (صحيح البخاري، حديث:3257 ، وصحيح مسلم، حديث:1152) اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہوں گے، جیسے باب الصلاة ، باب الصدقة، باب الجهاد وغیرہ (صحيح البخاري، حديث:1897، و صحيح مسلم، حديث:1027) ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہو گی، اس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحيح مسلم، حديث:2967) سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے نبی ﷺ ہوں گے۔ (صحيح مسلم، حديث:331-(196)) جنت میں سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے ستاروں میں سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و براز اور تھوک، بلغم سے پاک ہوں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی اور پسینہ کستوری ہوگا، ان کی انگیٹھیوں میں خوشبودار لکڑی ہوگی، ان کی بیویاں اَلْحُوْرُالْعِین ہوں گی، ان کا قد آدم کی طرح ساٹھ ہاتھ ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث:3327) صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہوگا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا۔ (صحيح البخاری، حديث:3245) اور یہ دو بیویاں دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی۔ اور ﴿ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ ﴾ کے تحت ان کے علاوہ بھی بیویاں ہوں گی۔ (صحيح مسلم: 2838، و فتح الباري:392/6، حديث:3327)

2 قضائے الٰہی کے بعد جب اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے، آیت میں اس کے بعد کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے عرش الٰہی کو گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید میں مصروف ہوں گے۔

بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿75﴾ ع

اُن میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے ○ [1]

اٰیَاتُھَا: 85 (40) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ مَکِّیَّۃٌ (60) رُکُوْعَاتُھَا: 9

سورۂ مؤمن مکی ہے[2]، اس میں 85 آیات اور 9 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾

حٰمٓ ○

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿2﴾

اس کتاب کا نازل فرمانا[3] اُس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور باعلم ہے ○ [4]

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ

گناہ کا بخشنے والا (اور) توبہ کا قبول فرمانے والا،[5] سخت عذاب والا،[6] انعام وقدرت والا،[7] جس کے سوا کوئی

---

1 یہاں حمد کی نسبت کسی ایک مخلوق کی طرف نہیں کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز (ناطق وغیر ناطق) کی زبان پر حمد الٰہی کے ترانے ہوں گے۔

2 اس سورت کو سُوْرَۃُ الْغَافِر اور سورۃ الطَّوْل بھی کہتے ہیں۔

3 یا ﴿تَنْزِيْلُ﴾ مُنَزَّلٌ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں۔

4 جو غالب ہے، اس کی قوت اور غلبے کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا۔ علیم ہے، اس سے کوئی ذرہ تک پوشیدہ نہیں، چاہے وہ کتنے بھی کثیف پردوں میں چھپا ہو۔

5 گزشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یا اپنے دوستوں کے لیے غافر ہے اور کافر ومشرک اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

6 ان کے لیے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیں اور تمرد وطغیان کا راستہ اختیار کریں یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہی ہے۔ ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ ﴾ (الحجر 15: 49، 50) ''میرے بندوں کو بتلا دو کہ میں غفور ورحیم ہوں اور میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔'' قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ دونوں وصف ساتھ ساتھ بیان کیے گئے ہیں تاکہ انسان خوف اور رجا کے درمیان رہے کیونکہ محض خوف ہی خوف، انسان کو رحمت ومغفرت الٰہی سے مایوس کر سکتا ہے اور نری امید گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔

7 ﴿الطَّوْلِ﴾ کے معنی فراخی اور تونگری کے ہیں، یعنی وہی فراخی اور تونگری عطا کرنے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: انعام اور تفضّل، یعنی اپنے بندوں پر انعام اور فضل کرنے والا ہے۔

الْمَصِيْرُ ③
مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④

معبود نہیں۔ اُسی کی طرف واپس لوٹنا ہے ○
اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں،[1] پس اُن کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ○[2]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤

قومِ نوح نے اور اُن کے بعد کے گروہوں نے بھی جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا[3] اور باطل کے ذریعے کج بحثیاں کیں تاکہ اُن سے حق کو بگاڑ دیں،[4] پس میں نے اُن کو پکڑ لیا، سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی ○[5]

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ ۘ

وقف لازم

اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں ○[6]

1 اس جھگڑے سے مراد ناجائز اور باطل جھگڑا (جدال) ہے جس کا مقصد حق کی تکذیب اور اس کی تردید و تغلیط ہے۔ ورنہ جس جدال (بحث و مناظرہ) کا مقصد ایضاحِ حق، ابطالِ باطل اور منکرین و معترضین کے شبہات کا ازالہ ہو، وہ مذموم نہیں نہایت محمود و مستحسن ہے بلکہ اہلِ علم کو تو اس کی تاکید کی گئی ہے، ﴿ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾ (آل عمران 3:187) ''تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرنا، اسے چھپانا نہیں۔'' بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے دلائل و براہین کو چھپانا اتنا سخت جرم ہے کہ اس پر کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے۔ (البقرۃ 2:159)

2 یعنی یہ کافر و مشرک جو تجارت کرتے ہیں، اس کے لیے مختلف شہروں میں آتے جاتے اور کثیر منافع حاصل کرتے ہیں، یہ اپنے کفر کی وجہ سے جلد ہی مؤاخذۂ الٰہی میں آ جائیں گے، یہ مہلت ضرور دیے جا رہے ہیں لیکن انھیں مہمل نہیں چھوڑا جائے گا۔

3 تاکہ اسے قید یا قتل کر دیں یا سزا دیں۔

4 یعنی اپنے رسولوں سے انھوں نے جھگڑا کیا، جس سے مقصود حق بات میں کیڑے نکالنا اور اسے کمزور کرنا تھا۔

5 چنانچہ میں نے ان حامیانِ باطل کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، پس تم دیکھ لو ان کے حق میں میرا عذاب کس طرح آیا اور کیسے انھیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا یا انھیں نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔

6 مقصد اس سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس طرح پچھلی امتوں پر تیرے رب کا عذاب ثابت ہوا اور وہ تباہ کر دی گئیں اگر یہ اہلِ مکہ بھی تیری تکذیب اور مخالفت سے باز نہ آئے اور جدال بالباطل کو ترک نہ کیا تو یہ بھی اسی طرح

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦

عرش کے اٹھانے والے اور اُس کے آس پاس کے (فرشتے) اپنے رب کی تسبیح، حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تُو اُنھیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تُو اُنھیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے ○ [1]

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ⑧

اے ہمارے رب! تو اُنھیں ہمیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے (بھی) اُن کو جو نیک عمل ہیں۔ [2] یقیناً تُو تو غالب وباحکمت ہے ○

عذابِ الٰہی کی گرفت میں آجائیں گے، پھر کوئی انھیں بچانے والا نہیں ہوگا۔

1 اس میں ملائکہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ہے، یہ گروہ ہے ان فرشتوں کا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں۔ ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں، یعنی نقائص سے اس کی تنزیہ، کمالات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے عجز وتذلل، (ایمان) کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہوگی۔ (ابن كثير، ومسند أحمد (الموسوعة):159/4، حديث:2314) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

2 یعنی ان سب کو جنت میں جمع فرما دے تا کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الطور 52:21) ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی۔ ملا دیا ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا۔'' یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ دے دیا کہ ادنیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انھیں ادنیٰ مقام پر لے آئے بلکہ ادنیٰ کو اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل وکرم سے پورا کر دیا۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۹ ع 1/9/6

اور انھیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ،[1] حق تو یہ ہے کہ اُس دن تو نے جسے برائیوں سے بچا لیا اُس پر تو نے رحمت کردی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے ○[2]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۱۰

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اُنھیں یہ آواز دی جائے گی کہ یقیناً اللہ کا تم سے بیزار ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم اپنے سے بیزار ہوتے تھے جب کہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تو تم کفر کرنے لگتے تھے ○[3]

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى

وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دوبار مارا اور دوبار ہی زندہ کیا،[4] اب ہم اپنے گناہوں کے

---

1 ﴿السَّيِّاٰتِ﴾ سے مراد یہاں عقوبات ہیں یا پھر جزا محذوف ہے، یعنی انھیں آخرت کی سزاؤں سے یا برائیوں کی جزا سے بچانا۔

2 یعنی آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، اس لیے کہ اس جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں۔ (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے) دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحِقُهُمُ اللّٰهُ بِآبَائِهِمُ الصَّالِحِينَ.

3 مَقْتٌ سخت ناراضی کو کہتے ہیں۔ اہل کفر جو اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں جھلستے دیکھیں گے تو اپنے آپ پر سخت ناراض ہوں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جب تمھیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر ناراض ہوتا تھا جتنا تم آج اپنے آپ پر ہو رہے ہو۔ یہ اللہ کی اس ناراضی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

4 جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے، یعنی اس کے وجود (ہست) سے پہلے اس کے عدم وجود (نیست) کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری موت وہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکنار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی، یہ دنیوی زندگی ہے جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام، وفات پر ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت والے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہو گی۔ انھی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ، ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ (البقرۃ 2:28) میں بھی کیا گیا ہے۔

خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪
اقراری ہیں، [1] تو کیا اب کوئی نکلنے کی بھی راہ ہے؟ ○ [2]

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫

یہ (عذاب) تمھیں اس لیے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اُس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے [3] پس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے ○ [4]

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬

وہی ہے جو تمھیں اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے روزی اُتارتا ہے، [5] اور نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو رجوع کرتے ہیں ○ [6]

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭

پس تم اللہ کو اُس کے لیے دین کو خالص کر کے پکارتے رہو گو کافر بُرا ہی مانیں ○ [7]

---

1 یعنی جہنم میں اعتراف کریں گے، جہاں اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں اور وہاں پشیمانی کی کوئی حیثیت نہیں۔

2 یہ وہی خواہش ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ ہمیں دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے تاکہ ہم نیکیاں کما کر لائیں۔

3 یہ ان کے جہنم سے نہ نکالے جانے کا سبب بیان فرمایا کہ تم دنیا میں اللہ کی توحید کے منکر تھے اور شرک تمھیں مرغوب تھا، اس لیے اب جہنم کے دائمی عذاب کے سوا تمھارے لیے کچھ نہیں۔

4 اسی ایک اللہ کا حکم ہے کہ اب تمھارے لیے جہنم کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ جو ﴿ الْعَلِيِّ ﴾ یعنی ان باتوں سے بلند ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور ﴿ الْكَبِيْرِ ﴾، یعنی ان باتوں سے بہت بڑا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہو یا بیوی اور اولاد ہو یا شریک ہو۔

5 یعنی پانی جو تمھارے لیے تمھاری روزیوں کا سبب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اظہار آیات کو انزال رزق کے ساتھ جمع فرما دیا ہے، اس لیے کہ آیات قدرت کا اظہار ادیان کی بنیاد ہے اور روزیاں ابدان کی بنیاد ہیں۔ یوں یہاں دونوں بنیادوں کو جمع فرما دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

6 اللہ کی اطاعت کی طرف جس سے ان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور احکام و فرائض الٰہی کی پابندی کرتے ہیں۔

7 یعنی جب سب کچھ اللہ ہی اکیلا کرنے والا ہے تو کافروں کو چاہے، کتنا بھی ناگوار گزرے، صرف اسی ایک اللہ کو پکارو، اس کے لیے عبادت و اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮

بلند درجوں والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے[1] تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے ○

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯

جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے،[2] اُن کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟[3] فقط اللہ واحد وقہار کی[4] ○

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰

آج ہر نفس کو اُس کی کمائی کا پھل دیا جائے گا۔ آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں، یقیناً اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے[5] ○

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ⑱

اور اُنھیں بہت ہی قریب آنے والی کے دن سے[6] (قیامت سے) آگاہ کر دیں جب کہ غم کے مارے دل حلق تک پہنچ جائیں گے،[7] ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست

---

1 ﴿الرُّوْحَ﴾ سے مراد وحی ہے جو وہ بندوں میں سے ہی کسی کو رسالت کے لیے چن کر اس پر نازل فرماتا ہے، وحی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقا وسلامتی کا راز مضمر ہے، اسی طرح وحی سے بھی ان انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر وشرک کی وجہ سے مردہ ہوتے ہیں۔

2 یعنی زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔

3 یہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جب سارے انسان اس کے سامنے میدان محشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور کہے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (صحيح البخاري، حديث:4812)

4 جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے۔ (فتح القدير)

5 اس لیے کہ اسے بندوں کی طرح غور وفکر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

6 ﴿الْاٰزِفَةِ﴾ کے معنی ہیں: قریب آنے والی۔ یہ قیامت کا نام ہے، اس لیے کہ وہ بھی قریب آنے والی ہے۔

7 یعنی اس دن خوف کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ ﴿كٰظِمِيْنَ﴾ غم سے بھرے ہوئے یا روتے ہوئے یا خاموش، اس کے تینوں معنی کیے گئے ہیں۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ⑲

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
ع 2/11/7 السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳ ع
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي
الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ
لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ㉑

ہوگا نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے گی ○
وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے ○[1]
اور اللہ ٹھیک فیصلہ کر دے گا، اُس کے سوا جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے،[2] بے شک اللہ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے ○
کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ اُن سے پہلے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا؟ وہ قوت و طاقت کے اور زمین میں اپنی یادگاروں کے اعتبار سے ان سے بہت زیادہ تھے، پس اللہ نے اُنھیں اُن کے گناہوں پر پکڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جو اُنھیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا ○[3]

---

1 اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے کہ اسے تمام اشیاء کا علم ہے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو یا موٹی، اعلیٰ مرتبے کی ہو یا چھوٹے مرتبے کی، اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اس کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے تو اس کی نافرمانی سے اجتناب اور صحیح معنوں میں اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے، جیسے کسی اجنبی عورت کو کن انکھیوں سے دیکھنا۔ سینوں کی باتوں میں وہ وسوسے بھی آ جاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ جب تک وسوسے ہی رہتے ہیں، یعنی ایک لمحۂ گزراں کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے ہیں، تب تک تو وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوں گے۔ لیکن جب وہ عزائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مؤاخذہ ہو سکتا ہے، چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ بقرہ 2:284 کا حاشیہ)

2 اس لیے کہ انھیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت، وہ بے خبر بھی ہیں اور بے اختیار بھی جبکہ فیصلے کے لیے علم و اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اس لیے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا کیونکہ اسے کسی کا خوف ہوگا نہ کسی سے حرص و طمع۔

3 گزشتہ آیات میں احوال آخرت کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انھیں ڈرایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک کی گئیں، جس کا ارتکاب یہ کر رہے ہیں۔ درآں حالیکہ گزشتہ قومیں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں لیکن جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو انھیں کوئی

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿22﴾

یہ اس وجہ سے کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے،[1] پس اللہ اُنھیں پکڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے ○

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿23﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا ○[2]

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿24﴾

فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو اُنھوں نے کہا (یہ تو) جادوگر اور جھوٹا ہے ○[3]

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ

پس جب (موسیٰ) اُن کے پاس ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو اُنھوں نے کہا کہ اُس کے

نہیں بچا سکا۔ اسی طرح تم پر بھی عذاب آ سکتا ہے اور اگر یہ آ گیا تو پھر کوئی تمھارا پشت پناہ نہ ہوگا۔

1 یہ ان کی ہلاکت کی وجہ بیان کی گئی ہے اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب۔ اب سلسلۂ نبوت و رسالت تو بند ہے، تاہم آفاق و انفس میں بے شمار آیات الٰہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لیے موجود ہیں، اس لیے آج بھی جو آیات الٰہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور منکرین رسالت سے مختلف نہیں ہوگا۔

2 ﴿ اٰيٰتٍ ﴾ سے مراد وہ نو نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے یا عصا اور ید بیضا والے دو بڑے واضح معجزات بھی۔ ﴿ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضحہ ہے جس کا کوئی جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں تھا، بجز ڈھٹائی اور بے شرمی کے۔

3 فرعون، مصر میں آباد قبط کا بادشاہ تھا، بڑا ظالم و جابر اور رب اعلیٰ ہونے کا دعوے دار۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا جیسا کہ قرآن کے متعدد مقامات پر اس کی تفصیل ہے۔ ہامان، فرعون کا وزیر اور مشیر خاص تھا۔ قارون اپنے وقت کا مال دار ترین آدمی تھا، ان سب نے پہلے لوگوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور انھیں جادوگر اور کذاب کہا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا: ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○ ﴾ (الذٰریٰت 53,52:51) ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، ان کے پاس جو بھی نبی آیا۔ انھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔''

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿25﴾

ساتھ جو ایمان والے ہیں اُن کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رکھو [1] اور کافروں کی جو حیلہ سازی ہے وہ غلطی ہی میں ہے ○ [2]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿26﴾

اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں [3] اُسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے، [4] مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمھارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کر دے ○ [5]

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿27﴾ ع 3/7/8

موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اُس تکبر کرنے والے شخص سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا ○ [6]

---

1 فرعون یہ کام پہلے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جو خواب کی تعبیر بتلانے والوں کی تعبیر کے مطابق، اس کی بادشاہت کے لیے خطرے کا باعث تھا۔ یہ دوبارہ حکم اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تذلیل و اہانت کے لیے دیا، نیز تاکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو اپنے لیے مصیبت اور نحوست کا باعث سمجھیں، جیسا کہ فی الواقع انھوں نے کہا: ﴿اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ (الأعراف 7:129) ''اے موسیٰ! تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔''

2 یعنی اس سے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت میں اضافہ اور فرعون کی عزت میں کمی نہ ہو۔ یہ اسے حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہی غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا وارث بنا دیا۔

3 یہ غالباً فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔

4 یہ فرعون کی دیدہ دلیری کا اظہار ہے کہ میں دیکھوں گا، اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے، اسے پکار کر دیکھ لے۔ یا رب ہی کا انکار ہے کہ اس کا کون سا رب ہے جو بچا لے گا کیونکہ رب تو وہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔

5 یعنی غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر نہ لگا دے یا اس کی وجہ سے فساد نہ پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی دعوت اگر میری قوم کے کچھ لوگوں نے قبول کر لی تو وہ نہ قبول کرنے والوں سے بحث و تکرار کریں گے جس سے ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو گا جو فساد کا ذریعہ بنے گا یوں دعوت توحید کو اس نے فساد کا سبب اور اہل توحید کو فسادی قرار دیا۔ درآں حالیکہ فسادی وہ خود تھا اور غیر اللہ کی عبادت ہی فساد کی جڑ ہے۔

6 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو انھوں نے اللہ سے اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا مانگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمن کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِي

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿28﴾

اور ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور تمھارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے، [1] اگر وہ جھوٹا ہو تو اُس کا جھوٹ اُسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے وہ کوئی نہ کوئی تو تم پر آ پڑے گا، [2] اللہ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو ○ [3]

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى

اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمھاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو [4] لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ [5] فرعون بولا: میں تو

نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِم» (مسند أحمد:4/415) ''اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔'' یہ بھی منقول ہے: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ» (صحیح مسلم، حدیث:3005) ''اے اللہ! مجھے تو ان سے کفایت کر جس چیز سے تو چاہتا ہے۔''

1 یعنی اللہ کی ربوبیت پر وہ ایمان یوں ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کے پاس اپنے اس موقف کی واضح دلیلیں ہیں۔

2 یہ اس نے بطور تنزل کے کہا کہ اگر اس کے دلائل سے تم مطمئن نہیں اور اس کی صداقت اور اس کی دعوت کی صحت تم پر واضح نہیں ہوئی، تب بھی عقل و دانش اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اس جھوٹ کی سزا دنیا و آخرت میں دے دے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ایذائیں پہنچائیں تو پھر یقیناً وہ تمھیں جن عذابوں سے ڈراتا ہے، تم پر ان میں سے کوئی عذاب آ سکتا ہے۔

3 اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتا (جیسا کہ تم باور کراتے ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے دلائل و معجزات سے نہ نوازتا، جبکہ اس کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں۔ دوسرا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ذلیل اور ہلاک کر دے گا، تمھیں اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

4 یعنی یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمھیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرو! اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کی ناراضی مول نہ لو۔

5 یہ فوجی اور لشکر تمھارے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ اللہ کے عذاب ہی کو ٹال سکیں گے اگر وہ آ گیا۔ یہاں تک اس

وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿29﴾

تمھیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمھیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں ○[1]

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿30﴾

اُس مومن نے کہا: اے میری قوم (کے لوگو)! مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز (بد) نہ آئے جو اور اُمتوں پر آیا ○

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿31﴾

جیسے اُمتِ نوح اور عاد و ثمود اور اُن کے بعد والوں کا (حال ہوا)، [2] اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا ○[3]

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿32﴾

اور اے میری قوم! مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے ○[4]

مومن کا کلام تھا جس نے ایمان چھپایا ہوا تھا۔

1 فرعون نے اپنے دنیوی جاہ وجلال کی بنیاد پر جھوٹ بولا اور کہا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہی تمھیں بتلا رہا ہوں اور میری بتلائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے، حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ ﴿وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ○﴾ (ھود 11:97) ''اور فرعون کا کوئی حکم ٹھیک نہیں تھا۔''

2 یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب پر ہم اڑے رہے تو خطرہ ہے کہ گزشتہ قوموں کی طرح عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جائیں گے۔

3 یعنی اللہ نے جن کو بھی ہلاک کیا، ان کے گناہوں کی پاداش میں اور رسولوں کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہی ہلاک کیا، ورنہ وہ شفیق و رحیم رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ گویا قوموں کی ہلاکت، یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں ہے بلکہ قانون مکافات کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس سے کوئی قوم اور فرد مستثنیٰ نہیں۔ ؎

از مکافات عمل غافل مشو ۔۔۔ گندم از گندم بروید جو از جو

4 ﴿التَّنَادِ﴾ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو پکارنا، قیامت کو ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ اہل جنت اہل نار کو اور اہل نار اہل جنت کو ندائیں دیں گے۔ (الأعراف 7:48,49) بعض کہتے ہیں کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہوگا، جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا، اس کی بدبختی کا یہ فرشتہ چیخ کر اعلان کرے گا، بعض کہتے ہیں کہ عملوں کے مطابق لوگوں کو پکارا جائے گا، جیسے اہل جنت کو اے جنتیو! اور اہل جہنم کو اے جہنمیو! امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام بغوی کا یہ قول بہت اچھا ہے کہ ان تمام باتوں ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾

جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے، [1] تمھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُس کا ہادی کوئی نہیں ○ [2]

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿34﴾

اور یقیناً اس سے پہلے تمھارے پاس یوسف دلیلیں لے کر آئے، [3] پھر بھی تم اُن کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک و شبہ ہی کرتے رہے [4] یہاں تک کہ جب اُن کی وفات [5] ہوگئی تو کہنے لگے: اُن کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں، [6] اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اُس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا شک شبہ کرنے والا ہو ○ [7]

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ

جو بغیر کسی سند کے جو اُن کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، [8] اللہ اور مومنوں کے نزدیک یہ تو

---

1 یعنی موقف (میدان محشر) سے جہنم کی طرف جاؤ گے یا حساب کے بعد وہاں سے بھاگو گے۔

2 جو اسے ہدایت کا راستہ بتا سکے، یعنی اس پر چلا سکے۔

3 یعنی اے اہل مصر! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تمھارے اسی علاقے میں، جس میں تم آباد ہو، حضرت یوسف علیہ السلام بھی دلائل و براہین کے ساتھ آئے تھے۔ جس میں تمھارے آباء واجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی، یعنی ﴿جَآءَكُمْ﴾ سے مراد۔ جَاءَ اِلٰی آبَائِكُمْ ہے، یعنی تمھارے آباء واجداد کے پاس آئے۔

4 لیکن تم ان پر بھی ایمان نہیں لائے اور ان کی دعوت میں شک وشبہ ہی کرتے رہے۔

5 یعنی یوسف علیہ السلام پیغمبر کی وفات ہوگئی۔

6 یعنی تمھارا شیوہ چونکہ ہر چیز کی تکذیب اور مخالفت ہی رہا ہے، اس لیے سمجھتے تھے کہ اب کوئی رسول ہی نہیں آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ رسول کا آنا یا نہ آنا، تمھارے لیے برابر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اب ایسا باعظمت انسان کہاں پیدا ہو سکتا ہے جو رسالت سے سرفراز ہو۔ گویا بعد از مرگ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تھا۔ اور بہت سے لوگ ہر اہم ترین انسان کی وفات کے بعد یہی کہتے ہیں۔

7 یعنی اس واضح گمراہی کی طرح جس میں تم مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بھی گمراہ کرتا ہے جو نہایت کثرت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا اور اللہ کے دین، اس کی وحدانیت اور اس کے وعدوں وعیدوں میں شک کرتا ہے۔

8 یعنی اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ کی توحید اور اس کے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾

بہت بڑی بیزاری کی چیز ہے،[1] اللہ اسی طرح ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے ○[2]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿36﴾

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنا[3] شاید کہ میں (اُن) دروازوں تک پہنچ جاؤں ○

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿37﴾ ع 4/10

جو آسمان کے دروازے ہیں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں[4] اور بے شک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے[5] اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اُسے بھلی دکھائی گئیں[6] اور راہ سے روک دیا گیا[7] اور فرعون کی (ہر) حیلہ سازی تباہی ہی میں رہی ○[8]

وَقَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ

اور اُس ایمان دار شخص نے کہا کہ اے میری قوم! (کے

احکام میں جھگڑتے ہیں جیسا کہ ہر دور کے اہل باطل کا وتیرہ رہا ہے، یعنی بقول غالب ؎

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

1 یعنی ان کی اس حرکت شنیعہ سے اللہ تعالیٰ ہی ناراض نہیں ہوتا، اہل ایمان بھی اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

2 یعنی جس طرح ان مجادلین کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، اسی طرح ہر اس شخص کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جو اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے، جس کے بعد معروف، ان کو معروف اور منکر، منکر نظر نہیں آتا بلکہ بعض دفعہ منکر ان کے ہاں معروف اور معروف، منکر قرار پاتا ہے۔

3 یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائے۔ اسباب کے معنی دروازے یا راستے کے ہیں۔ (مزید دیکھیے: سورۂ قصص 38:28)

4 یعنی دیکھوں کہ آسمانوں پر کیا واقعی کوئی الٰہ ہے۔

5 اس بات میں کہ آسمان پر اللہ ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور ان کا مدبر ہے۔ یا اس بات میں کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

6 یعنی شیطان نے اس طرح اسے گمراہ کیے رکھا اور اس کے برے عمل اسے اچھے نظر آتے رہے۔

7 یعنی حق اور صواب (درست) راستے سے اسے روک دیا گیا اور وہ گمراہیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔

8 ﴿تَبَابٍ﴾ خسارہ، ہلاکت، یعنی فرعون نے جو تدبیر اختیار کی، اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہی نکلا۔ اور بالآخر اپنے لشکر سمیت پانی میں ڈبو دیا گیا۔

سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿38﴾

لوگو) تم (سب) میری پیروی کرو میں نیک راہ کی طرف تمھاری رہبری کروں گا ○ [1]

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿39﴾

اے میری قوم! یہ حیاتِ دنیا متاعِ فانی ہے، [2] (یقین مانو کہ قرار) اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے ○ [3]

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿40﴾

جس نے گناہ کیا ہے اُسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے [4] اور جس نے نیکی کی ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو تو یہ لوگ [5] جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے ○ [6]

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿41﴾

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمھیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں [7] اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو ○ [8]

النصف

1 فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا پھر بولا۔ اور کہا کہ دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمھیں سیدھے راستے پر چلا رہا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون بھٹکا ہوا ہے، میں جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہوں، وہ سیدھا راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

2 جس کی زندگی چند روزہ ہے۔ اور وہ بھی آخرت کے مقابلے میں صبح یا شام کی ایک گھڑی کے برابر۔

3 جس کو زوال اور فنا نہیں، نہ وہاں سے انتقال اور کوچ ہوگا۔ کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں، دونوں کی زندگیاں ابدی ہوں گی۔ ایک: راحت اور آرام کی زندگی۔ دوسری: شقاوت اور عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جہنم کو۔

4 یعنی برائی کی مثل ہی جزا ہوگی، زیادہ نہیں۔ اور اس کے مطابق ہی عذاب ہوگا۔ جو عدل وانصاف کا آئینہ دار ہوگا۔

5 یعنی وہ جو ایمان دار بھی ہوں گے اور اعمال صالحہ کے پابند بھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر محض ایمان یا ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی حیثیت اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہوگی، عنداللہ کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

6 یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

7 اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے اس رسول کی تصدیق کرو جو اس نے تمھاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔

8 یعنی توحید کی بجائے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت ہے۔

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿42﴾

تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اُس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمھیں غالب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں ○ [1]

لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿43﴾

یہ یقینی امر ہے [2] کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے [3] نہ آخرت میں، [4] اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے [5] اور حد سے گزر جانے والے ہی (یقیناً) اہلِ دوزخ ہیں ○ [6]

---

1 ﴿الْعَزِيْزِ﴾ (نہایت غالب) جو سب پر غالب ہے۔ ﴿الْغَفَّارِ﴾ اپنے ماننے والوں کی غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا اور ان کی پردہ پوشی کرنے والا جبکہ تم جن جن کی عبادت کرنے کی طرف مجھے بلا رہے ہو، وہ بالکل حقیر اور کم تر چیزیں ہیں۔ وہ سن سکتی ہیں نہ جواب دے سکتی ہیں، کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔

2 ﴿لَاجَرَمَ﴾ یہ بات یقینی ہے یا اس میں جھوٹ نہیں ہے۔

3 یعنی وہ کسی کی پکار سننے کی استعداد ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں یا الوہیت کا استحقاق انھیں حاصل ہو۔ اس کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو اس آیت اور ان جیسی دیگر متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے، ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○﴾ (الأحقاف 46:5) ''اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا۔ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہیں۔'' ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾ (فاطر 35:14) ''اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔''

4 یعنی آخرت میں ہی وہ پکار سن کر کسی کو عذاب سے چھڑانے پر یا شفاعت ہی کرنے پر قادر ہوں۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبود بنیں اور ان کی عبادت کی جائے۔

5 جہاں ہر ایک کا حساب ہوگا اور عمل کے مطابق اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔

6 یعنی کافر و مشرک جو اللہ کی نافرمانی میں ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس طرح جو بہت زیادہ گناہ گار مسلمان ہوں گے جن کی نافرمانیاں ''اسراف'' کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں گی، چاہے تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف کر دے یا پھر انھیں بھی کچھ عرصہ جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی، تاہم بعد میں شفاعت رسول ﷺ یا اللہ کی مشیت سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿44﴾

پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے [1] میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، [2] یقیناً اللہ بندوں کا نگران ہے ○ [3]

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿45﴾ ۚ

پس اُسے اللہ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھ لیا جو اُنھوں نے سوچ رکھی تھیں [4] اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا ○ [5]

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿46﴾

آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح و شام لائے جاتے ہیں [6] اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو ○ [7]

---

1 عنقریب وہ وقت آئے گا جب میری باتوں کی صداقت اور جن باتوں سے روکتا تھا، ان کی شناعت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر تم ندامت کا اظہار کرو گے مگر وہ وقت ایسا ہوگا کہ ندامت بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

2 یعنی اسی پر بھروسا کرتا اور اسی سے ہر وقت استعانت کرتا ہوں اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں۔

3 وہ انھیں دیکھ رہا ہے پس وہ مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا اور ضلالت کا استحقاق رکھنے والے کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔ ان امور میں جو حکمتیں ہیں، ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

4 یعنی اس کی قوم قِبط نے اس مومن کے اظہار حق کی وجہ سے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، ان سب کو ناکام بنا دیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دے دی۔ اور آخرت میں اس کا گھر جنت ہوگا۔

5 یعنی دنیا میں انھیں سمندر میں غرق کر دیا گیا اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا سخت ترین عذاب ہے۔

6 اس آگ پر برزخ میں، یعنی قبروں میں وہ لوگ روزانہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، جس سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے۔ جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ! عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ» (صحيح البخاري، حديث:1372) ''ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔'' اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر میں) اس پر صبح و شام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے، یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری اصل جگہ ہے، جہاں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے بھیجے گا۔ (صحيح البخاري، حديث:1379، وصحيح مسلم، حديث:2866) اس کا مطلب ہے کہ منکرین عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

7 اس سے بالکل واضح ہے کہ عَرَضَ عَلَى النَّار کا معاملہ، جو صبح و شام ہوتا ہے، قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿47﴾

اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمھارے پیرو تھے تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ ○

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿48﴾

وہ بڑے لوگ جواب دیں گے: ہم تو سبھی اس آگ میں ہیں، اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے ○

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿49﴾

اور (تمام) جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے ○

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ
ع 5 13 10 وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿50﴾ ع

وہ جواب دیں گے کہ کیا تمھارے پاس تمھارے رسول معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: ہاں، کیوں نہیں! وہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو [1] اور کافروں کی دعا محض بے اثر اور بے راہ ہے ○ [2]

سے پہلے برزخ یا قبر ہی کی زندگی ہے۔ قیامت والے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت ترین عذاب، یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے، اسے اگر عذاب ہوتو اس طرح نظر نہ آئے۔ لغو ہے کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نہایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب واذیت محسوس کرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس مشاہدے کے باوجود عذاب قبر کا انکار محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔ بلکہ بیداری میں بھی انسان کو جو تکالیف ہوتی ہیں وہ خود ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ صرف انسان کا تڑپنا اور تلملانا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ تڑپے اور تلملائے۔

1 ہم ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے کیونکر کچھ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس اللہ کے پیغمبر دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن انھوں نے پروا نہیں کی۔

2 یعنی بالآخر وہ خود ہی اللہ سے فریاد کریں گے لیکن اس فریاد کی وہاں شنوائی نہیں ہوگی، اس لیے کہ دنیا میں ان پر حجت تمام کی جا چکی تھی۔ اب آخرت تو ایمان، توبہ اور عمل کی جگہ نہیں، وہ تو دارالجزاء ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا، اس

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿51﴾

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے [1] اور اُس دن بھی جب گواہی دینے والے [2] کھڑے ہوں گے ○

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿52﴾

جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اُن کے لیے لعنت ہی ہوگی اور اُن کے لیے بُرا گھر ہوگا ○ [3]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ

ہم نے موسیٰ کو ہدایت نامہ عطا فرمایا [4] اور بنی اسرائیل کو

کا نتیجہ وہاں بھگتنا ہوگا۔

1 یعنی ان کے دشمن کو ذلیل اور ان کو غالب کریں گے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ بعض نبی قتل کر دیے گئے، جیسے حضرت یحیٰ و زکریا علیہما السلام وغیرہما اور بعض ہجرت پر مجبور ہو گئے، جیسے ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، وعدۂ امداد کے باوجود ایسا کیوں ہوا۔ دراصل یہ وعدہ غالب حالات اور اکثریت کے اعتبار سے ہے، اس لیے بعض حالتوں میں اور بعض اشخاص پر کافروں کا غلبہ اس کے منافی نہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا فرما دیا جاتا ہے۔ لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب اور سرخ رو ہوتے ہیں، جیسے حضرت یحیٰی و زکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرما دیا جنھوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور انھیں ذلیل و خوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مارنا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انھوں نے یہودیوں کو خوب ذلت کا عذاب چکھایا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے رفقاء یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد جنگ بدر، احد، احزاب، غزوۂ خیبر اور پھر فتح مکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر اور اہل ایمان کو جس طرح غلبہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ کی مدد کرنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

2 ﴿اَلْاَشْهَادُ﴾ شَهِيد (گواہ) کی جمع ہے، جیسے شَرِيفٌ کی جمع أَشْرَاف ہے۔ قیامت والے دن فرشتے اور انبیاء گواہی دیں گے۔ یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ یااللہ! پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی۔ علاوہ ازیں امت محمدیہ اور نبی کریم ﷺ بھی گواہی دیں گے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، اس لیے قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دی جائے گی اور انھیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

3 یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معذرت کا فائدہ اس لیے نہیں ہوگا کہ وہ معذرت کی جگہ نہیں، اس لیے یہ معذرت، معذرت باطلہ ہوگی۔

4 یعنی نبوت اور تورات عطا کی، جیسے فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (المآئدۃ 5:44)

اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ اس کتاب کا وارث بنایا ○ [1]

هُدًى وَّذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾ کہ وہ ہدایت ونصیحت تھی عقل مندوں کے لیے ○ [2]

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۵۵﴾ پس اے نبی! تو صبر کر اللہ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہی ہے تو اپنے گناہ کی [3] معافی مانگتا رہ اور صبح وشام [4] اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ ○

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰٮهُمۡ ۙ اِنۡ فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا كِبۡرٌ مَّا هُمۡ بِبَالِغِيۡهِ ۚ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴿۵۶﴾ جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں بجز نری بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اُس تک پہنچنے والے ہی نہیں، [5] سو تُو اللہ کی پناہ مانگتا رہ بے شک وہ پورا سننے والا اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے ○

لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾ آسمان وزمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں ○ [6]

---

1 یعنی تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی باقی رہی، جس کے نَسۡلًا بَعۡدَ نَسۡلٍ وہ وارث ہوتے رہے۔ یا کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں، ان سب کتابوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔

2 ﴿هُدًى وَّذِكۡرٰى﴾ مصدر ہیں اور مفعول لاجلہ ہیں یا حال کی جگہ واقع ہیں۔ بمعنی هَادِی اور مُذَكِّر ہدایت کرنے والی اور نصیحت کرنے والی۔ عقل مندوں سے مراد عقل سلیم کے مالک ہیں کیونکہ وہی آسمانی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے اور ہدایت ونصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابوں کا بوجھ تو لدا ہوتا ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔

3 گناہ سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہیں جو بہ تقاضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں، جن کی اصلاح بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دی جاتی ہے۔ یا استغفار بھی ایک عبادت ہی ہے۔ اجر وثواب کی زیادتی کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے یا مقصد امت کی رہنمائی ہے کہ وہ استغفار سے بے نیاز نہ ہوں۔

4 العَشِيُّ سے دن کا آخری اور رات کا ابتدائی حصہ اور ﴿الۡاِبۡكَارِ﴾ سے رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

5 یعنی وہ لوگ جو بغیر آسمانی دلیل کے بحث وحجت کرتے ہیں، یہ محض تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تاہم اس سے جو ان کا مقصد ہے کہ حق کمزور اور باطل مضبوط ہو، وہ ان کو حاصل نہیں ہوگا۔

6 یعنی پھر یہ کیوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جبکہ یہ کام آسمان و

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾

اندھا اور بینا برابر نہیں نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کیے بدکاروں کے (برابر ہیں)،[1] تم (بہت) کم نصیحت حاصل کر رہے ہو ○

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿59﴾

قیامت بالیقین اور بلاشبہ آنے والی ہے، لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ○

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿60﴾ ع 6/10 11

اور تمھارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا[2] یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے[3] ○

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

اللہ نے تمھارے لیے رات بنا دی کہ تم اُس میں آرام

زمین کی تخلیق سے بہت آسان ہے۔

1 مطلب ہے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں، اسی طرح مومن و کافر اور نیکوکار اور بدکار برابر نہیں۔ بلکہ قیامت کے دن ان کے درمیان جو عظیم فرق ہوگا، وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

2 گزشتہ آیت میں جب اللہ نے وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا تو اب اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جا رہی ہے، جسے اختیار کر کے انسان آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے عبادت مراد لی ہے، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ جیسا کہ حدیث میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ «اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ» (مسند أحمد:271/4، و المشكاة للألباني:693/2) علاوہ ازیں اس کے بعد ﴿يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ﴾ کے الفاظ سے بھی واضح ہے کہ مراد عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد دعا ہی ہے، یعنی اللہ سے جلب نفع اور دفع ضرر کا سوال کرنا کیونکہ دعا کے شرعی اور حقیقی معنی طلب کرنے کے ہیں، دوسرے مفہوم میں اس کا استعمال مجازی ہے۔ علاوہ ازیں دعا بھی اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اور حدیث مذکور کی رو سے عبادت ہی ہے کیونکہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی سے کوئی چیز مانگنا اور اس سے سوال کرنا، یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ (فتح القدیر) مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو طلب حاجات اور مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔

3 یہ اللہ کی عبادت سے انکار و اعراض یا اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے والوں کا انجام ہے۔

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿61﴾

حاصل کرو [1] اور دن کو دیکھنے والا بنا دیا، [2] بے شک اللہ لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزاری نہیں کرتے ○ [3]

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿62﴾

وقف لازم

یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اُس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو؟ ○ [4]

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿63﴾

اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی بہکتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿64﴾

اللہ ہی ہے [5] جس نے تمھارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ [6] اور آسمان کو چھت بنا دیا [7] اور تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں [8] اور تمھیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں، [9] یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے،

---

1 یعنی رات کو تاریک بنایا تاکہ کاروبارِ زندگی معطل ہو جائیں اور لوگ امن و سکون سے سو سکیں۔

2 یعنی روشن بنایا تاکہ معاشی محنت اور تگ و دو میں تکلیف نہ ہو۔

3 اللہ کی نعمتوں کا اور نہ ان کا اعتراف ہی کرتے ہیں۔ یا تو کفر و جحود کی وجہ سے جیسا کہ کافروں کا شیوہ ہے۔ یا منعم کے واجباتِ شکر سے اہمال و غفلت کی وجہ سے جیسا کہ جاہلوں کا شعار ہے۔

4 یعنی پھر تم اس کی عبادت سے کیوں بدکتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں پھرتے اور اینٹھتے ہو۔

5 آگے نعمتوں کی کچھ قسمیں بیان کی جا رہی ہیں تاکہ اللہ کا کمالِ قدرت بھی واضح ہو جائے اور اس کا بلا شرکتِ غیرے معبود ہونا بھی۔

6 جس میں تم رہتے، چلتے پھرتے، کاروبار کرتے اور زندگی گزارتے ہو، پھر بالآخر موت سے ہمکنار ہو کر قیامت تک کے لیے اسی میں آسودۂ خواب رہتے ہو۔

7 یعنی قائم اور ثابت رہنے والی چھت۔ اگر اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا تو کوئی شخص آرام کی نیند سو سکتا تھا نہ کسی کے لیے کاروبارِ حیات کرنا ممکن ہوتا۔

8 جتنے بھی روئے زمین پر حیوانات ہیں، ان سب میں (تم) انسانوں کو سب سے زیادہ خوش شکل اور متناسب الاعضاء بنایا ہے۔

9 یعنی اقسام و انواع کے کھانے تمھارے لیے مہیا کیے جو لذیذ بھی ہیں اور قوت بخش بھی۔

پس بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہان کی پرورش کرنے والا ○

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿65﴾

وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم خالص اُسی کی عبادت کرتے ہوئے اُسے پکارو،[1] تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿66﴾

آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اُن کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جنھیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو،[2] اس بنا پر کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا تابع فرمان ہو جاؤں ○[3]

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

وہ وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے، پھر نطفے سے،[4] پھر خون

1 یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے۔ دوسرا کوئی، بنانے میں شریک ہے نہ اختیارات میں۔ تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف ایک اللہ ہی ہے، دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ استمداد و استغاثہ بھی اسی سے کرو کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے پر قادر ہے۔ دوسرا کوئی بھی مافوق الاسباب طریقے سے کسی کی بات سننے پر قادر ہی نہیں ہے، جب یہ بات ہے تو دوسرے مشکل کشائی اور حاجت روائی کس طرح کر سکتے ہیں؟

2 چاہے وہ پتھر کی مورتیاں ہوں، انبیاء اور صلحاء ہوں اور قبروں میں مدفون اشخاص ہوں۔ مدد کے لیے کسی کو مت پکارو، ان کے ناموں کی نذر و نیاز مت دو، ان کے ورد نہ کرو، ان سے خوف مت کھاؤ اور ان سے امیدیں وابستہ نہ کرو کیونکہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔

3 یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید، یعنی اللہ کے واحد الٰہ اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے جو قرآن میں جا بجا ذکر کیے گئے ہیں۔ اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد کے لیے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا، یعنی اللہ کے احکام کے سامنے میں جھک جاؤں، ان سے سرتابی نہ کروں۔ آگے پھر توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

4 یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جو ان کی تمام اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے، پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کے بقا و تحفظ کے لیے انسانی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا۔ اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے جو صلب پدر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی جیسا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے اور جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ
طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا
شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ
وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾

کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پھر وہ تمھیں بچے کی صورت
میں نکالتا ہے، پھر بڑھاتا ہے (تاکہ) تم اپنی پوری قوت
کو پہنچ جاؤ، پھر بوڑھے ہو جاؤ۔[1] تم میں سے بعض اس
سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں[2] (وہ تمھیں چھوڑ دیتا ہے)
تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ[3] اور تاکہ تم سوچ سمجھ لو ○[4]

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا
ع 7 8 12 فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿68﴾

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار ڈالتا ہے،[5] پھر جب وہ
کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو اُسے صرف یہ کہتا ہے کہ
ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے ○[6]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ
اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿69﴾

کیا تو نے اُنھیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے
ہیں،[7] وہ کہاں پھیر دیے جاتے ہیں؟ ○[8]

---

1 یعنی ان تمام کیفیتوں اور اطوار سے گزارنے والا وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

2 یعنی رحم مادر میں مختلف ادوار سے گزر کر باہر آنے سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں، بعض بچپن میں، بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے سے قبل کہولت میں فوت ہو جاتے ہیں۔

3 یعنی اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ جس کی جتنی عمر اللہ نے لکھ دی ہے، وہ اس کو پہنچ جائے اور اتنی زندگی دنیا میں گزار لے۔

4 یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے عَلَقَه، پھر مُضغَه، پھر بچہ، پھر جوانی، کہولت اور بڑھاپا تو تم جان لو گے کہ تمھارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمھارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لو گے کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت والے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔

5 زندہ کرنا اور مارنا اسی کے اختیار میں ہے وہ ایک بے جان نطفے کو مختلف اطوار سے گزار کر ایک زندہ انسان کے روپ میں ڈھال دیتا ہے اور پھر ایک وقت مقررہ کے بعد اس زندہ انسان کو مار کر موت کی وادیوں میں جا سلاتا ہے۔

6 اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس کے لفظ ﴿ كُنْ ﴾ (ہو جا) سے وہ چیز معرض وجود میں آ جاتی ہے جس کا وہ ارادہ کرے۔

7 انکار و تکذیب کے لیے یا اس کے رَدّ و ابطال کے لیے۔

8 یعنی ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿70﴾

جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اُسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا پس انھیں ابھی ابھی حقیقتِ حال معلوم ہو جائے گی ○

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿71﴾

جب کہ اُن کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، گھسیٹے جائیں گے ○ [1]

فِي الْحَمِيْمِ ۥ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿72﴾

کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے ○ [2]

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿73﴾

پھر اُن سے پوچھا جائے گا کہ جنھیں تم شریک کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ○

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿74﴾

جو اللہ کے سوا تھے [3] وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے بہک گئے [4] بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی نہ تھے۔ [5] اللہ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے ○ [6]

---

1 یہ وہ نقشہ ہے جو جہنم میں ان مکذبین کا ہو گا۔

2 مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ ان کے ذریعے سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، یعنی یہ لوگ اس کا ایندھن بنے ہوں گے۔

3 کیا وہ آج تمھاری مدد کر سکتے ہیں؟

4 یعنی پتہ نہیں، کہاں چلے گئے ہیں، وہ ہماری مدد کیا کریں گے؟

5 اقرار کرنے کے بعد، پھر ان کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○﴾ (الأنعام 23:6) ”اللہ کی قسم! ہم تو کسی کو شریک ٹھہراتے ہی نہیں تھے۔“ کہتے ہیں کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل تھی کیونکہ وہاں ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے جو نہ سن سکتی تھیں نہ دیکھ سکتی تھیں اور نقصان پہنچا سکتی تھیں نہ نفع۔ (فتح القدير)

6 یعنی ان مکذبین کی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل تکذیب اور کفر، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے انسانوں کے دل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قبول حق کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ذٰلِكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ
بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ ﴿75﴾
اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۚ
فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿76﴾

یہ بدلہ ہے اُس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے نہ سماتے تھے اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے ○ [1]

(اب آؤ) جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے (اُس کے) دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیا ہی بُری جگہ ہے تکبر کرنے والوں کی ○ [2]

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا
نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿77﴾

پس آپ صبر کریں اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے، [3] اُنھیں ہم نے جو وعدے دے رکھے ہیں۔ اُن میں سے کچھ ہم آپ کو دکھائیں [4] یا (یونہی) ہم آپ کو وفات دے دیں، ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے ○ [5]

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ
مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ
نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ
يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ

یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور اُن میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے [6] اور کسی رسول کی مجال نہ تھی

---

1 یعنی تمھاری یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم کفر و تکذیب اور فسق و فجور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان پر تم خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جو تکبر کو مستلزم ہے۔

2 یہ جہنم پر مقرر فرشتے اہل جہنم کو کہیں گے۔

3 کہ ہم کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ وعدہ جلدی بھی پورا ہوسکتا ہے، یعنی دنیا میں ہی ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسب مشیت الٰہی تاخیر بھی ہوسکتی ہے، یعنی قیامت والے دن ہم انھیں سزا دیں، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

4 یعنی آپ کی زندگی میں ان کو مبتلائے عذاب کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے، 8 ہجری میں مکہ فتح ہوگیا اور پھر نبیٔ کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

5 یعنی اگر کافر دنیوی مؤاخذہ و عذاب سے بچ بھی گئے تو آخر جائیں گے کہاں؟ آخر میرے پاس ہی آئیں گے، جہاں ان کے لیے سخت عذاب تیار ہے۔

6 اور یہ تعداد میں بہ نسبت ان کے، جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم

اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿78﴾ ع 8/10/13

کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا سکے،[1] پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا[2] تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا،[3] اور اُس جگہ اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے ○

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿79﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لیے چوپائے پیدا کیے[4] جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم

میں تو صرف 25 انبیاء ورسل کا ذکر اوران کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

1 آیت سے مراد یہاں معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے جو پیغمبر کی صداقت پر دلالت کرے۔ کفار، پیغمبروں سے مطالبے کرتے رہے کہ ہمیں فلاں فلاں چیز دکھاؤ، جیسے خود نبی کریم ﷺ سے کفار مکہ نے کئی چیزوں کا مطالبہ کیا، جس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل 17:90-93 میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں کے مطالبے پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلا دے۔ یہ صرف ہمارے اختیار میں تھا، بعض نبیوں کو تو ابتدا ہی سے معجزے دے دیے گئے تھے۔ بعض قوموں کو ان کے مطالبے پر معجزہ دکھلایا گیا اور بعض کو مطالبے کے باوجود نہیں دکھلایا گیا۔ ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا، معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔ اس سے ان لوگوں کی واضح تردید ہوتی ہے جو بعض اولیاء رحمہم اللہ کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ جب چاہتے اور جس طرح کا چاہتے خرق عادت امور (کرامات) کا اظہار کر دیتے تھے۔ جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں، جب اللہ نے پیغمبروں کو یہ اختیار نہیں دیا جن کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے، اس کی ضرورت بھی تھی تو کسی ولی کو یہ اختیار کیونکر مل سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ ولی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، اس لیے معجزہ ان کی ضرورت تھی لیکن اللہ کی حکمت ومشیت اس کی مقتضی نہ تھی، اس لیے یہ قوت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ولی کی ولایت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے، اس لیے انھیں معجزے اور کرامات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ یہ اختیار بلا ضرورت کیوں عطا کر سکتا ہے۔

2 یعنی دنیا یا آخرت میں جب ان کے عذاب کا وقت معین آ جائے گا۔

3 یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو عذاب۔

4 اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت نعمتوں میں سے بعض نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ ہے۔ یہ نر، مادہ مل کر آٹھ ہیں جیسا کہ سورۂ انعام 6:143،144 میں ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿80﴾

کھاتے ہو ○ [1]
اور بھی تمھارے لیے اُن میں بہت سے نفع ہیں [2] اور تا کہ اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو اُنھی پر سواری کر کے تم حاصل کرلو اور اُن چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار کرائے جاتے ہو ○

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿81﴾

اللہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے، [3] پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں سے انکار کرتے رہو گے ○ [4]

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿82﴾

کیا اُنھوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا انجام نہیں دیکھا؟ [5] جو اُن سے تعداد میں زیادہ تھے قوت میں سخت اور زمین میں بہت ساری یادگاریں چھوڑی تھیں، [6] اُن کے کیے کاموں نے اُنھیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا ○ [7]

---

1 یہ سواری کے کام میں بھی آتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، (جیسے بکری، گائے اور اونٹنی کا دودھ) ان کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے اور بار برداری کا کام بھی ان میں سے بعض سے لیا جاتا ہے۔

2 جیسے ان سب کے اون اور بالوں سے اور ان کی کھالوں سے کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے دودھ سے گھی، مکھن، پنیر وغیرہ بھی بنتا ہے۔

3 جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ نشانیاں آفاق میں ہی نہیں ہیں تمھارے نفسوں کے اندر بھی ہیں۔

4 یعنی یہ اتنی واضح، عام اور کثیر ہیں جن کا کوئی منکر انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔

5 یعنی جن قوموں نے اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی، یہ ان کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات تو دیکھیں جو ان کے علاقوں میں ہی ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟

6 یعنی عمارتوں، کارخانوں اور کھیتیوں کی شکل میں، ان کے کھنڈرات واضح کرتے ہیں کہ وہ کاریگری کے میدان میں بھی تم سے بڑھ کر تھے۔

7 ﴿فَمَآ اَغْنٰى﴾ میں مَا استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے اور نافیہ بھی۔ نافیہ کا مفہوم تو ترجمے سے واضح ہے۔ استفہامیہ کی رو

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿83﴾

پس جب کبھی اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے [1] بالآخر جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہی ان پر آپڑا ○

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿84﴾

پس ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ واحد پر ہم ایمان لائے اور جن جن کو ہم اُس کا شریک بنارہے تھے ہم نے اُن سب سے انکار کیا ○

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿85﴾ ع 9/7/14

لیکن ہمارے عذاب کے دیکھ لینے کے بعد کے ایمان نے اُنھیں نفع نہ دیا۔ یہ سنتِ الٰہی ہے جو اس کے بندوں میں چلی آتی ہے [2] اور اُس جگہ کافر خراب وخستہ ہوئے ○ [3]

اٰیَاتُھَا 54 (41) سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (61) رُکُوْعَاتُھَا 6

سورۂ حم سجدہ [4] مکی ہے، اس میں 54 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ﴿1﴾

حٰمٓ ○

سے مطلب ہوگا۔ ان کو کیا فائدہ پہنچایا۔ مطلب وہی ہے کہ ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہیں آئی۔

1 علم سے مراد ان کے خود ساختہ مزعومات توہمات، شبہات اور باطل دعوے ہیں۔ انھیں علم سے بطور استہزا تعبیر فرمایا وہ چونکہ انھیں علمی دلائل سمجھتے تھے، ان کے خیال کے مطابق ایسا کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں کے مقابلے میں یہ اپنے مزعومات وتوہمات پر اِتراتے اور فخر کرتے رہے۔ یا علم سے مراد دنیوی باتوں کا علم ہے، یہ احکام و فرائض الٰہی کے مقابلے میں انھی کو ترجیح دیتے رہے۔

2 یعنی اللہ کا یہ معمول چلا آرہا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان مقبول نہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔

3 یعنی معائنہ عذاب کے بعد ان پر واضح ہوگیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں۔

4 اس سورت کا دوسرا نام ﴿فُصِّلَتْ﴾ ہے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہورہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے، چنانچہ انھوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ بلیغ و فصیح آدمی ''عتبہ بن ربیعہ'' کا انتخاب کیا تاکہ وہ آپ سے گفتگو کرے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں گیا اور آپ پر عربوں میں انتشار وافتراق

تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۚ‏ ②

یہ اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی طرف سے ○

كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۙ‏ ③

(ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے، [1] (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے [2] اُس قوم کے لیے جو جانتی ہے ○ [3]

بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ‏ ④

خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے، [4] پھر بھی اُن میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں ○ [5]

وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ

اور اُنھوں نے کہا کہ تُو جس کی طرف ہمیں بُلا رہا ہے ہمارے

پیدا کرنے کا الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں، قیادت و سیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ کو ہم اپنا لیڈر اور سردار مان لیتے ہیں، کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ پر آپ کا علاج کروا دیتے ہیں۔ آپ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سرداران قریش کو بتلایا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کہانت ہے نہ شعر و شاعری۔ مطلب اس کا آپ کی دعوت پر سرداران قریش کو غور و فکر کی دعوت دینا تھا۔ لیکن وہ غور و فکر کیا کرتے۔ الٹا عتبہ پر الزام لگا دیا کہ تو بھی اس کے سحر کا اسیر ہو گیا ہے۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر و تفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے بھی انھیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: ''یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا، انھوں نے عتبہ کو گفتگو کے لیے بھیجا اور نبی ﷺ نے اسے اس سورت کا ابتدائی حصہ سنایا۔''

1 یعنی کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یا طاعات کیا ہیں اور معاصی کیا؟ یا ثواب والے کام کون سے ہیں اور عقاب والے کون سے؟

2 ﴿قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ حال ہے، یعنی اس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے اس حال میں کہ یہ قرآن عربی ہے جس کے معانی مفصل اور واضح ہیں۔

3 یعنی جو عربی زبان، اس کے معانی و مفاہیم اور اس کے اسرار و اسلوب کو جانتی ہے۔

4 ایمان اور اعمال صالحہ کے حاملین کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنانے والا اور مشرکین و مکذبین کو عذاب نار سے ڈرانے والا۔

5 یعنی غور و فکر اور تدبر و تعقل کی نیت سے نہیں سنتے کہ جس سے انھیں فائدہ ہو۔ اسی لیے ان کی اکثریت ہدایت

اِلَيۡهِ وَفِيۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا
وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا
عٰمِلُوۡنَ ۝5
قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ
اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِيۡمُوۡۤا اِلَيۡهِ
وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ۝6

دل تو اس سے پردے میں ہیں [1] اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے [2] اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے، اچھا تو اپنا کام کیے جا ہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں ۝ [3]

آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے [4] سو تم اُس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اُس سے گناہوں کی معافی چاہو اور اُن مشرکوں کے لیے (بڑی ہی) خرابی ہے ۝

الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ
بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝7
اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ
اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝8 ع 1/8 15

جو زکاۃ نہیں دیتے [5] اور آخرت کے بھی منکر ہی رہتے ہیں ۝

بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں اُن کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے ۝ [6]

سے محروم ہے۔

1 ﴿ اَكِنَّةٍ ﴾ كِنَان کی جمع ہے۔ پردہ، یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید وایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔

2 ﴿ وَقۡرٌ ﴾ کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں مراد بہرا پن ہے جو حق کے سننے میں مانع تھا۔

3 یعنی ہمارے اور تیرے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ تو جو کہتا ہے، وہ سن نہیں سکتے اور جو کرتا ہے، اسے دیکھ نہیں سکتے، اس لیے تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیں تو ہمارے دین پر عمل نہیں کرتا، ہم تیرے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

4 یعنی میرے اور تمھارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بجز وحئ الٰہی کے، پھر یہ بعد وحجاب کیوں؟ علاوہ ازیں میں جو دعوت توحید پیش کر رہا ہوں، وہ بھی ایسی نہیں کہ عقل وفہم میں نہ آ سکے، پھر اس سے اعراض کیوں؟

5 یہ سورت مکی ہے۔ زکاۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی، اس لیے اس سے مراد یا تو صدقات ہیں جس کا حکم مسلمانوں کو مکے میں بھی دیا جاتا رہا تھا، جس طرح پہلے صرف صبح وشام کی نماز کا حکم تھا، پھر ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل لیلۃ الاسراء کو پانچ فرض نمازوں کا حکم ہوا۔ یا پھر زکاۃ سے یہاں مراد کلمۂ شہادت ہے جس سے نفس انسانی شرک کی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

6 ﴿ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿ عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ۝ ﴾ (ہود 11:108) کا ہے، یعنی نہ ختم

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿9﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿10﴾

آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اُس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم اُس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی،[1] سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے ○ اور اُس نے زمین میں اُس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے[2] اور اُس میں برکت رکھ دی[3] اور (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی[4] (صرف) چار دن

ہونے والا اجر۔

1 قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ”اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔“ یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا: زمین کو دو دن میں بنایا۔ اس سے مراد ہیں۔ یَوْمُ الْأَحَدِ (اتوار) اور یَوْمُ الاثْنَیْن (پیر) سورۂ نازعات میں کہا گیا ہے: ﴿ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ○ ﴾ (النّٰزعٰت 79:30) ”اور زمین کو اس کے بعد پھیلایا۔“ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا گیا ہے جبکہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحی جو دَحوٌ سے ہے (بچھانا یا پھیلانا) اور چیز۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے اور دَحی کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے پیداواری ضروریات کا مخزن بنایا گیا۔ ﴿ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ○ ﴾ (النّٰزعٰت 79:31) اس میں پہاڑ، ٹیلے اور جمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دو دنوں میں کیا گیا۔ یوں زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دنوں میں مکمل ہوئی۔ (صحيح البخاري، قبل حديث: 4816)

2 یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو اس کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین ادھر یا ادھر نہ ڈولے۔

3 یہ اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع واقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کی طرف یہ زمین کی برکت ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔

4 أَقْوَاتٌ قُوتٌ (غذا، خوراک) کی جمع ہے، یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدر کر دی ہے یا بندوبست کر دیا ہے۔ اور رب کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی کیلکولیٹر (Calculator) اسے گن نہیں سکتا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر زمین کے حصے میں کچھ ایسی چیزیں پیدا کر دیں جو زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ تاکہ ہر علاقے کی یہ مخصوص پیداواریں ان ان علاقوں کی تجارت ومعیشت کی بنیادیں بن جائیں، چنانچہ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔

میں،[1] ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر ○[2]

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ
فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ
كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿11﴾

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا، پس اُسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔[3] دونوں نے عرض کیا: ہم بخوشی حاضر ہیں ○

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿12﴾

پس دو دن میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب وحی بھیج دی[4] اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی،[5] یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے ○

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً
مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ ﴿13﴾

اب بھی یہ رُوگرداں ہوں تو کہہ دیجیے کہ میں تمھیں اُس کڑک سے ڈراتا ہوں جو مثل عادیوں اور ثمودیوں کی کڑک کے ہوگی ○

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ
وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ
قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً

اُن کے پاس جب اُن کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم تو

---

1 یعنی تخلیق کے پہلے دو دن اور دَحیٰ کے دو دن سارے دن ملا کے یہ کل چار دن ہوئے جن میں یہ سارا عمل تکمیل کو پہنچا۔

2 ﴿سَوَآءً﴾ کا مطلب ہے، ٹھیک چار دن میں۔ یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دَحوٗ کا یہ عمل ٹھیک چار دن میں ہوا۔ یا پورا یا برابر جواب ہے سائلین کے لیے۔

3 یہ آنا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا۔ بعض نے اس کا مفہوم لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انھوں نے کہا: ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں، چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم دیا: سورج، چاند اور ستارے نکال اور زمین کو کہا: اپنی نہریں جاری کر دے اور اپنے پھل نکال دے۔ (ابن کثیر) یا مفہوم ہے کہ تم دونوں وجود میں آجاؤ۔

4 یعنی خود آسمانوں کو یا ان میں آباد فرشتوں کو مخصوص کاموں اور اوراد و وظائف کا پابند کر دیا۔

5 یعنی شیطان سے نگہبانی جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے، ستاروں کا ایک تیسرا مقصد دوسری جگہ اِھتِدَاء (راستہ معلوم کرنا) بھی بیان کیا گیا ہے۔ (النحل 16:16)

فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿14﴾
فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ
بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا
قُوَّةً ؕ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ
خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا
بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿15﴾
فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ
نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى
الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ

تمھاری رسالت کے بالکل منکر ہیں ○ [1]
اب عاد نے تو بلاوجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ [2] کیا اُنھیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے اُنھیں پیدا کیا ہے، وہ اُن سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے [3] اور وہ (آخر تک) ہماری آیتوں [4] کا انکار ہی کرتے رہے ○
بالآخر ہم نے اُن پر ایک تیز و تند آندھی [5] منحوس دنوں میں [6] بھیج دی کہ اُنھیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور (یقین مانو) کہ آخرت کا

---

1 یعنی چونکہ تم ہماری طرح ہی کے انسان ہو، اس لیے ہم تمھیں نبی نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسانوں کو۔

2 اس فقرے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ عذاب روک لینے پر قادر ہیں کیونکہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے۔ یہ انھوں نے اس وقت کہا جب ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو انذار و تنبیہ کے لیے عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

3 یعنی کیا وہ اللہ سے بھی زیادہ زور آور ہیں جس نے انھیں پیدا کیا اور انھیں قوت و طاقت سے نوازا۔ کیا ان کو بنانے کے بعد اس کی اپنی قوت و طاقت ختم ہو گئی ہے؟ یہ استفہام، استنکار اور توبیخ کے لیے ہے۔

4 ان معجزات کا جو انبیاء کو ہم نے دیے تھے یا ان دلائل کا جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیے تھے یا ان آیات تکوینیہ کا جو کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔

5 ﴿صَرۡصَرًا﴾ صَرَّة (آواز) سے ہے، یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی، یعنی نہایت تند اور تیز ہوا جس میں آواز بھی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ صَرٌّ سے ہے، جس کے معنی برد (ٹھنڈک) کے ہیں، یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: وَالْحَقُّ أَنَّهَا مُتَّصِفَةٌ بِجَمِيعِ ذٰلِكَ وہ ہوا ان تمام ہی باتوں سے متصف تھی۔

6 ﴿نَّحِسَاتٍ﴾ کا ترجمہ، بعض نے متواتر پے در پے کا کیا ہے کیونکہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ بعض نے سخت، بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے کیا ہے۔ آخری ترجمہ کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ ایام جن میں ان پر سخت ہوا کا طوفان جاری رہا، ان کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقاً منحوس ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایام دوسروں کے لیے بھی منحوس ہی ثابت ہوتے۔

اَخْزٰی وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ ⑯

عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور وہ مدد نہیں کیے جائیں گے ○

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑰ۚ

رہے ثمود، سو ہم نے اُن کی بھی رہبری کی [1] پھر بھی اُنھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی [2] جس بنا پر اُنھیں ذلت کے عذاب کی کڑک نے اُن کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا ○ [3]

ع 2/10 16 وَنَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ⑱ ع

اور (ہاں)! ایمان دار اور پارساؤں کو ہم نے (بال بال) بچالیا ○

وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَی النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ⑲

اور جس دن [4] اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور اُن (سب) کو جمع کر دیا جائے گا ○ [5]

حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑳

یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے اُن پر اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن کے اعمال کی گواہی دیں گی ○ [6]

---

1 یعنی ان کو توحید کی دعوت دی، اس کے دلائل ان کے سامنے واضح کیے اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے سے ان پر حجت تمام کی۔

2 یعنی انھوں نے مخالفت اور تکذیب کی حتیٰ کہ اس اونٹنی تک کو ذبح کر ڈالا جو بطور معجزہ ان کی خواہش پر چٹان سے ظاہر کی گئی تھی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی۔

3 ﴿صٰعِقَةُ﴾ عذاب شدید کو کہتے ہیں، ان پر یہ سخت عذاب چنگھاڑ اور زلزلے کی صورت میں آیا جس نے انھیں ذلت و رسوائی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا۔

4 یہاں اُذْكُرْ محذوف ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے، یعنی اول سے آخر تک کے دشمنوں کا اجتماع ہوگا۔

5 أَيْ يُحْبَسُ أَوَّلُهُمْ عَلٰى آخِرِهِمْ لِيُلَاحِقُوا وَيَجْتَمِعُوا (فتح القدير) یعنی ان کو روک روک کر اول و آخر کو باہم جمع کیا جائے گا۔ (اس لفظ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: سورۂ نمل 17:27 کا حاشیہ)

6 یعنی جب وہ اس بات سے انکار کریں گے کہ انھوں نے شرک کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعضاء بول کر گواہی دیں گے کہ یہ فلاں فلاں کام کرتے رہے۔ ﴿اِذَا مَا جَآءُوْهَا﴾ میں مَا

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿21﴾

یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی،[1] وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اُس اللہ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اُسی نے تمھیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○[2]

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ

اور تم (اپنی بداعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھاری کھالیں گواہی دیں گی،[3] ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ

زائد ہے تاکید کے لیے۔ انسان کے اندر پانچ حواس ہیں۔ یہاں دو کا ذکر ہے۔ تیسری جلد (کھال) کا ذکر ہے جو مس یا لمس کا آلہ ہے۔ یوں حواس کی تین قسمیں ہوگئیں۔ باقی دو حواس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذوق (چکھنا) بوجوہ لمس میں داخل ہے کیونکہ یہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس شئی کو زبان کی جلد پر نہ رکھا جائے۔ اسی طرح سونگھنا (شم) اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شئی ناک کی جلد پر سے نہ گزرے۔ اس اعتبار سے جلود کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔ (فتح القدیر)

1 یعنی جب مشرکین اور کفار دیکھیں گے کہ خود ان کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں تو ازراہ تعجب یا بطور عتاب اور ناراضی کے، ان سے یہ کہیں گے۔

2 بعض کے نزدیک ﴿وَّهُوَ﴾ سے اللہ کا کلام ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ مُسْتَانِفَه ہے۔ اور بعض کے نزدیک جلود انسان ہی کا۔ اس اعتبار سے یہ انھی کے کلام کا تتمہ ہے۔ قیامت والے دن انسانی اعضاء کے گواہی دینے کا ذکر اس سے قبل (سورۂ نور 24:42، سورۂ یٰسٓ 36:65 میں) بھی گزر چکا ہے اور صحیح احادیث میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے، مثلاً: جب اللہ کے حکم سے انسانی اعضاء بول کر بتلائیں گے تو بندہ کہے گا: «بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ» (صحیح مسلم، حدیث:2969) ''تمھارے لیے ہلاکت اور دوری ہو، میں تو تمھاری ہی خاطر جھگڑ رہا اور مدافعت کر رہا تھا۔'' اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کہے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں اور میرے فرشتے کرامًا کَاتِبِینَ گواہی کے لیے کافی نہیں، پھر اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کے اعضاء کو بولنے کا حکم دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث:2969)

3 اس کا مطلب ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا کوئی خوف تمھیں نہیں تھا کہ تمھارے خلاف خود تمھارے اپنے اعضاء بھی گواہی دیں گے کہ جن سے چھپنے کی تم ضرورت محسوس کرتے۔ اس کی وجہ ان کا بعث ونشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا۔

كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿22﴾

بھی کر رہے ہو اُس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے[1] ○

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾

تمھاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمھیں ہلاک کر دیا[2] اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے ○

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿24﴾

اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور اگر یہ معافی چاہیں تو وہ معافی (بھی) نہیں دیے جائیں گے[3] ○

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور ہم نے ان کے کچھ ہم نشیں مقرر کر رکھے تھے جنھوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا رکھے تھے[4] اور ان کے حق میں بھی اللہ کا قول اُن امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنوں

---

1 اس لیے تم اللہ کی حدیں توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک تھے۔

2 یعنی تمھارے اس اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو ہمارے بہت سے عملوں کا علم نہیں ہوتا، تمھیں ہلاکت میں ڈال دیا کیونکہ اس کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔ اس کی شان نزول میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی جمع ہوئے۔ فربہ بدن، قلیل الفہم۔ ان میں سے ایک نے کہا: کیا تم سمجھتے ہو، ہماری باتیں اللہ سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: ہماری جہری باتیں سنتا ہے اور سری باتیں نہیں سنتا۔ ایک اور نے کہا: ''اگر وہ ہماری جہری (اونچی) باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی یقیناً سنتا ہے۔'' جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ﴾ نازل فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4816)

3 ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ اگر وہ منانا چاہیں گے (عُتبیٰ، رضا طلب کریں گے) تاکہ وہ جنت میں چلے جائیں تو یہ چیز ان کو کبھی حاصل نہ ہو گی۔ (أيسر التفاسير و فتح القدير) بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی آرزو کریں گے جو منظور نہیں ہو گی۔ (تفسير الطبري) مطلب یہ ہے کہ ان کا ابدی ٹھکانا جہنم ہے، اس پر صبر کریں (تب بھی رحم نہیں کیا جائے گا جیسا کہ دنیا میں بعض دفعہ صبر کرنے والوں پر ترس آ جاتا ہے) یا کسی اور طریقے سے وہاں سے نکلنے کی سعی کریں مگر اس میں بھی انھیں ناکامی ہی ہو گی۔

4 ان سے مراد وہ شیاطین انس و جن ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں جو انھیں کفر و

ع 3/7 17 خٰسِرِيْنَ ﴿25﴾
انسانوں کی گزر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاں کار ثابت ہوئے ○

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿26﴾
اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو سنو ہی مت [1] اور بیہودہ گوئی کرو [2] کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ ○ [3]

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾
پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور انھیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے ○ [4]

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿28﴾
اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس میں اُن کا ہمیشگی کا گھر ہے۔ (یہ) بدلہ ہے ہماری آیتوں سے انکار کرنے کا ○ [5]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿29﴾
اور کافر لوگ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنوں انسانوں (کے وہ دونوں فریق) دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا [6] (تاکہ) ہم اُنھیں اپنے قدموں تلے ڈال دیں

معاصی کو خوبصورت کر کے دکھاتے ہیں، پس وہ اس گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں حتیٰ کہ انھیں موت آ جاتی ہے اور وہ خسارہ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

1 یہ انھوں نے باہم ایک دوسرے کو کہا۔ بعض نے ﴿لَا تَسْمَعُوْا﴾ کے معنی کیے ہیں: اس کی اطاعت نہ کرو۔

2 یعنی شور کرو، تالیاں، سیٹیاں بجاؤ، چیخ چیخ کر باتیں کرو تاکہ حاضرین کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآن کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔

3 یعنی ممکن ہے اس طرح شور کرنے کی وجہ سے محمد (ﷺ) قرآن کی تلاوت ہی نہ کرے جسے سن کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

4 یعنی آخرت میں ان کے بعض اچھے عملوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، مثلاً: اکرام ضیف، صلہ رحمی وغیرہ کیونکہ ایمان کی دولت سے وہ محروم رہے تھے، البتہ برے عملوں کی جزا انھیں ملے گی جن میں قرآن کریم سے روکنے کا جرم بھی ہے۔

5 آیتوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا ہے، وہ دلائل و براہین وَاضحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو انھیں عطا کیے جاتے ہیں یا وہ دلائل تکْوِینیہ ہیں جو کائنات، یعنی آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کافران سب ہی کا انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

6 اس کا مفہوم واضح ہی ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے، انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿30﴾

تا کہ وہ جہنم میں سب سے نیچے ہو جائیں ○ [1]
(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، [2]
پھر اُسی پر قائم رہے۔ [3] اُن کے پاس فرشتے (یہ کہتے
ہوئے) آتے ہیں [4] کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو [5]
(بلکہ) اُس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے

شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے، تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انسان سے آدم علیہ السلام کا پہلا بیٹا قابیل مراد لیا ہے، جس نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ اسے بھی ملتا رہے گا۔ ہمارے خیال میں پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

1 یعنی اپنے قدموں سے انھیں روندیں اور اس طرح ہم انھیں خوب ذلیل و رسوا کریں۔ جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہوگا، اس کی تشفی کے لیے وہ یہ کہیں گے۔ ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں ہی یکساں جہنم کی سزا بھگتیں گے، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○﴾ (الأعراف 7:38) ”سب کے لیے دوگنا (عذاب) ہے لیکن تمھیں خبر نہیں ہے۔“ جہنمیوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا تذکرہ فرما رہا ہے جیسا کہ عام طور پر قرآن کا انداز ہے تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب کے ساتھ ترہیب کا بھی اہتمام رہے۔ گویا انذار کے بعد اب تبشیر کا بیان ہے۔

2 یعنی ایک اللہ وحدہ لاشریک۔ رب بھی وہی اور معبود بھی وہی۔ یہ نہیں کہ ربوبیت کا اقرار لیکن الوہیت میں دوسروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔

3 یعنی سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان و توحید پر قائم رہے، اس سے انحراف نہیں کیا۔ بعض نے استقامت کے معنی اخلاص کیے ہیں، یعنی صرف ایک اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی۔ جس طرح حدیث میں بھی آتا ہے، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے ایسی بات بتلا دیں کہ آپ کے بعد کسی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ» (صحیح مسلم، حدیث: 38) ”کہہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کر۔“

4 یعنی موت کے وقت، بعض کہتے ہیں: فرشتے یہ خوش خبری تین جگہوں پر دیتے ہیں، موت کے وقت، قبر میں اور تیسری مرتبہ قبر سے دوبارہ اٹھنے کے وقت دیں گے۔

5 یعنی آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اندیشہ اور دنیا میں مال و اولاد جو چھوڑ آئے ہو، ان کا غم نہ کرو۔

گئے ہو ○ [1]

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿31﴾ ط

تمھاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمھارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، [2] جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمھارے لیے (جنت میں موجود) ہے ○

ع 4 7 18 نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿32﴾ ع

غفور و رحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے ○

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿33﴾

اور اُس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں ○ [3]

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿34﴾

نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ [4] برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست ○ [5]

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا

اور یہ بات اُنھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں [6] اور

1 یعنی دنیا میں جس کا وعدہ تمھیں دیا گیا تھا۔

2 یہ مزید خوش خبری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے، دونوں صورتوں میں مومن کے لیے یہ عظیم خوش خبری ہے۔

3 یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ، دین کا پابند اور اللہ کا مطیع ہے۔

4 بلکہ ان میں عظیم فرق ہے۔

5 یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو، یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارا دشمن، دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور خون کا پیاسا، تمھارا گرویدہ اور جانثار ہو جائے گا۔

6 یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے۔ غصے کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے۔

يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿35﴾
وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿36﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿37﴾

اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا ○ [1]
اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کرو۔ [2] یقیناً وہ بہت ہی سننے والا جاننے والا ہے ○ [3]
اور دن رات اور سورج چاند بھی اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں، [4] تم سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو [5] بلکہ سجدہ اُس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے [6] اگر تمھیں اُسی کی عبادت کرنی ہے تو ○

---

1 ﴿ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ (بڑا نصیبہ) سے مراد جنت ہے، یعنی مذکورہ خوبیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو بڑے نصیبے والا ہوتا ہے، یعنی جنتی جس کے لیے جنت میں جانا لکھ دیا گیا ہو۔

2 یعنی شیطان شریعت کے کام سے پھیرنا چاہے یا احسن طریقے سے برائی کے دفع کرنے میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کے ذریعے سے پناہ طلب کرو۔

3 اور جو ایسا ہو، یعنی ہر ایک کی سننے والا اور ہر بات کو جاننے والا، وہی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ یہ ماقبل کی تعلیل ہے۔ اس کے بعد اب پھر بعض ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اللہ کی توحید، اس کے کمال قدرت اور اس کی قوت تصرف پر دلالت کرتی ہیں۔

4 یعنی رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش میں پریشانی نہ ہو، پھر یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کا آنا جانا اور کبھی رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور کبھی اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ اسی طرح سورج اور چاند کا اپنے اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر اپنی منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں باہمی تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ان کا یقیناً کوئی خالق اور مالک ہے۔ نیز وہ ایک اور صرف ایک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ اگر تدبیر و امر کا اختیار رکھنے والے، ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقے سے کبھی نہیں چل سکتا تھا۔

5 اس لیے کہ یہ بھی تمھاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں، خدائی اختیارات سے بہرہ ور یا ان میں شریک نہیں ہیں۔

6 ﴿ خَلَقَهُنَّ ﴾ میں جمع مؤنث کی ضمیر اس لیے آئی ہے کہ یہ یا تو خَلَقَ هٰذِهِ الْاَرْبَعَةَ الْمَذْكُوْرَةَ کے مفہوم میں ہے کیونکہ غیر عاقل کی جمع کا حکم جمع مؤنث ہی کا ہے۔ یا اس کا مرجع صرف شمس و قمر ہی ہے اور بعض ائمۂ نحاۃ کے نزدیک تثنیہ بھی جمع ہے یا پھر مراد الآیات ہیں۔ (فتح القدیر)

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۩ 38

پھر بھی اگر یہ کفر وغرور کریں تو وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اُس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور (کسی وقت بھی) نہیں اکتاتے ○

السجدۃ 11

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 39

اُس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے،[1] پھر جب ہم اُس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر اُبھرنے لگتی ہے۔[2] جس نے اُسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے،[3] بے شک وہ ہر (ہر) چیز پر قادر ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْۤ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ 40

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں[4] وہ (کچھ) ہم سے مخفی نہیں،[5] (بتاؤ تو) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن وامان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟[6] تم جو چاہو کرتے چلے جاؤ،[7] تمھارا سب کیا کرایا وہ دیکھ رہا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ

جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود

---

1 ﴿ خَاشِعَةً ﴾ کا مطلب خشک اور قحط زدہ، یعنی مردہ۔

2 یعنی انواع واقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا کرتی ہے۔

3 مردہ زمین کو بارش کے ذریعے سے اس طرح زندہ کر دینا اور اسے روئیدگی کے قابل بنا دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا۔

4 یعنی ان کو مانتے نہیں بلکہ ان سے اعراض، انحراف اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الحاد کے معنی کیے ہیں: وَضْعُ الْكَلَامِ عَلٰى غَيْرِ مَوَاضِعِهٖ جس کی رو سے اس میں وہ باطل فرقے بھی آجاتے ہیں جو اپنے غلط عقائد ونظریات کے اثبات کے لیے آیات الٰہی میں تحریف معنوی اور دجل وتلبیس سے کام لیتے ہیں۔

5 ملحدین (چاہے وہ کسی قسم کے ہوں) کے لیے سخت وعید ہے۔

6 یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ علاوہ ازیں اس سے اشارہ کر دیا کہ ملحدین آگ میں ڈالے جائیں گے اور اہل ایمان قیامت والے دن بے خوف ہوں گے۔

7 یہ امر کا لفظ ہے لیکن یہاں اس سے مقصود وعید اور تہدید ہے۔ کفر وشرک اور معاصی کے لیے اذن اور اباحت نہیں ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌۙ ﴿41﴾

اُس سے کفر کیا، (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں)[1] بے شک یہ بڑی باوقعت کتاب ہے ○[2]

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿42﴾

جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اُس کے آگے سے نہ اُس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے ○[3]

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ

آپ سے وہی کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں سے بھی کہا گیا ہے،[4] یقیناً آپ کا رب

---

1 بریکٹ کے الفاظ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ ﴾ کی خبر محذوف کا ترجمہ ہیں بعض نے کچھ اور الفاظ محذوف مانے ہیں، مثلاً: يُجَازَوْنَ بِكُفْرِهِمْ ''انھیں ان کے کفر کی سزا دی جائے گی۔'' یا هَالِكُوْنَ ''وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔'' یا يُعَذَّبُوْنَ ''انھیں عذاب دیا جائے گا۔''

2 یعنی یہ کتاب، جس سے اعراض و انحراف کیا جاتا ہے معارضے اور طعن کرنے والوں سے بہت بلند اور ہر عیب سے پاک ہے۔

3 یعنی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے، آگے سے، کا مطلب ہے کمی اور پیچھے سے، کا مطلب ہے زیادتی، یعنی باطل اس کے آگے سے آکر اس میں کمی اور نہ اس کے پیچھے سے آکر اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی تغییر و تحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اور حمید، یعنی محمود ہے۔ یا وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن سے منع فرماتا ہے، عواقب اور غایات کے اعتبار سے سب محمود ہیں، یعنی اچھی اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)

4 یعنی پچھلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے جو کچھ کہا کہ یہ ساحر ہیں، مجنون ہیں، کذاب ہیں وغیرہ وغیرہ، وہی کچھ کفار مکہ نے بھی آپ کو کہا ہے۔ یہ گویا آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی تکذیب اور آپ کی سحر، کذب اور جنون کی طرف نسبت نئی بات نہیں ہے، ہر پیغمبر کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○ ﴾ (الذٰريٰت 51:52، 53) ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔'' دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کو توحید اور اخلاص کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ وہی باتیں ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی کہی گئی تھیں، اس لیے کہ تمام شریعتیں ان باتوں پر متفق رہی ہیں بلکہ سب کی اولین دعوت ہی توحید و اخلاص تھی۔ (فتح القدیر)

عِقَابٍ اَلِیْمٍ ﴿43﴾
وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا
فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ قُلْ
هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ
وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ
وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی ؕ اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ
مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ﴿44﴾ ع 5 12 19

معافی والا [1] اور دردناک عذاب والا ہے ○ [2]
اور اگر ہم اُسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو کہتے [3]
کہ اُس کی آیتیں صاف صاف بیان کیوں نہیں کی
گئیں؟ [4] یہ کیا کہ عجمی کتاب اور آپ عربی رسول؟ [5]
آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و
شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں تو
(بہرا پن اور) بوجھ ہے اور یہ اُن پر اندھا پن ہے، یہ
وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جا
رہے ہیں ○ [6]

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ
وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ
بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿45﴾

یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، سو اُس میں بھی اختلاف
کیا گیا اور اگر (وہ) بات نہ ہوتی (جو) آپ کے رب کی
طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے [7] تو اُن کے درمیان

---

1 یعنی ان اہل ایمان وتوحید کے لیے جو مستحق مغفرت ہیں۔

2 ان کے لیے جو کافر اور اللہ کے پیغمبروں کے دشمن ہیں۔ یہ آیت بھی سورۂ حجر کی آیت:50,49 ﴿ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ○ ﴾ ''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔'' کی طرح ہے۔

3 یعنی عربی کی بجائے کسی اور زبان میں قرآن نازل کرتے۔

4 یعنی ہماری زبان میں اسے بیان کیوں نہیں کیا گیا جسے ہم سمجھ سکتے کیونکہ ہم تو عرب ہیں، عجمی زبان نہیں سمجھتے۔

5 کافر یہ کہہ کر تعجب کرتے کہ رسول تو عربی ہے اور قرآن اس پر عجمی زبان میں نازل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں نازل فرما کر اس کے اولین مخاطب عربوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا ہے۔

6 یعنی جس طرح دور کا شخص دوری کی وجہ سے پکارنے والے کی آواز سننے سے قاصر رہتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کی عقل وفہم میں قرآن نہیں آتا۔

7 کہ ان کو عذاب دینے سے پہلے مہلت دی جائے گی۔ ﴿ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ﴾ (فاطر35:45) ''اور وہ انھیں وقتِ معین تک مؤخر کرتا ہے۔''

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿46﴾

(کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا،[1] یہ لوگ تو اُس سے شک (اور) بے چینی میں ہیں ○[2]

جو شخص نیک کام کرے گا تو اپنے نفع کے لیے اور جو بُرا کام کرے گا اس کا وبال بھی اُسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظُلم کرنے والا نہیں ○[3]

1 یعنی فوراً عذاب دے کر ان کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔

2 یعنی ان کا انکار عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کیے رکھتا ہے۔

3 اس لیے کہ وہ عذاب صرف اسی کو دیتا ہے جو مجرم ہوتا ہے نہ کہ بے گناہ کو کہ یوں ہی اسے عذاب میں مبتلا کر دے۔

اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَکۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَیَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ اَیۡنَ شُرَکَآءِیۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰکَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِیۡدٍ ﴿47﴾

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے [1] اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اُسے ہے [2] اور جس دن اللہ اِن (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں، وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا گواہ نہیں ○ [3]

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿48﴾

اور یہ جن (جن) کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے [4] اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لیے کوئی بچاؤ نہیں ○ [5]

---

1 یعنی اللہ کے سوا اس کے وقوع کا کسی کو علم نہیں، اسی لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبیٔ کریم ﷺ سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ» ''اس کی بابت پوچھے جانے والے کو پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں، یعنی میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔'' دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِلٰی رَبِّکَ مُنۡتَهٰهَا ○﴾ (النزعت 79:44) ''اُس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔'' ﴿لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ (الأعراف 7:187) ''اس کے وقت پر اس کو اللہ کے سوا کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔''

2 یہ اللہ کے علم کامل و محیط کا بیان ہے اور اس کی اس صفت علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انھیں وحی کے ذریعے سے بتلا دیتا ہے۔ اور اس علم وحی کا تعلق بھی منصب نبوت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی اور متعلقہ معاملات سے ہی ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ علمِ غیب اللہ کی شان اور اس کی صفت ہے۔ جس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک ہوگا۔

3 یعنی آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے۔

4 یعنی وہ ادھر ادھر ہو گئے اور حسب گمان انھوں نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔

5 یہ گمان یقین کے معنی میں ہے، یعنی قیامت والے دن وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ یَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ○ ﴾ (الکهف 18:53) ''گناہ گار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں واقع ہونے والے ہیں اور وہ اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔''

لَا یَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَیۡرِ ۫ وَ اِنۡ مَّسَّہُ الشَّرُّ فَیَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾

بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں [1] اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے ○ [2]

وَ لَئِنۡ اَذَقۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡہُ لَیَقُوۡلَنَّ ہٰذَا لِیۡ ۙ وَ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً ۙ وَّ لَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰی رَبِّیۡۤ اِنَّ لِیۡ عِنۡدَہٗ لَلۡحُسۡنٰی ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۫ وَ لَنُذِیۡقَنَّہُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۵۰﴾

اور جو مصیبت اُسے پہنچ چکی ہے اُس کے بعد اگر ہم اُسے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حق دار ہی تھا [3] اور میں تو خیال نہیں کرسکتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لیے اُس کے پاس بھی بہتری ہے، [4] یقیناً ہم اُن کفار کو اُن کے اعمال سے خبردار کریں گے اور اُنھیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○

وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے [5] اور جب اُسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے ○ [6]

---

1 یعنی دنیا کا مال واسباب، صحت وقوت، عزت ورفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے انسان نہیں تھکتا بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے۔ انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے۔

2 یعنی تکلیف پہنچنے پر فوراً مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایک تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے، ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے، تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا باعث گردانتے ہیں۔ گویا مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

3 یعنی اللہ کے ہاں میں محبوب ہوں، وہ مجھ سے خوش ہے، اسی لیے مجھے وہ اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے، حالانکہ دنیا کی کمی بیشی اس کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں ہے بلکہ صرف آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ نعمتوں میں اس کا شکر کون کر رہا ہے اور تکلیفوں میں صابر کون ہے؟

4 یہ کہنے والا منافق یا کافر ہے، کوئی مومن ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کافر ہی یہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا خیر کے ساتھ گزر رہی ہے تو آخرت بھی میرے لیے ایسی ہی ہوگی۔

5 یعنی حق سے منہ پھیر لیتا اور حق کی اطاعت سے اپنا پہلو بدل لیتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔

6 یعنی بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری کرتا ہے تاکہ وہ مصیبت دور فرما دے، یعنی تنگی میں اللہ کو یاد کرتا ہے، خوش حالی

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿52﴾

آپ کہہ دیجیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہو پھر تم نے اُسے نہ مانا تو اُس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہوگا [1] جو مخالفت میں (حق سے) دور چلا جائے ○ [2]

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿53﴾

عنقریب ہم اُنھیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں بھی دکھائیں گے اور خود اُن کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے کہ حق یہی ہے، [3] کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے آگاہ ہونا کافی نہیں ○ [4]

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ

یقین جانو کہ یہ لوگ اپنے رب کے رُوبرو جانے سے شک

میں بھول جاتا ہے، نزول نقمت (آزمائش) کے وقت اللہ سے فریادیں کرتا ہے، حصول نعمت کے وقت اسے وہ یاد نہیں رہتا۔

1 یعنی ایسی حالت میں تم سے زیادہ گمراہ اور تم سے زیادہ دشمن کون ہوگا۔

2 ﴿شِقَاقٍ﴾ کے معنی ہیں: ضد، عناد اور مخالفت۔ ﴿بَعِيْدٍ﴾ مل کر اس میں اور مبالغہ ہو جاتا ہے، یعنی جو بہت زیادہ مخالفت اور عناد سے کام لیتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے نازل کردہ قرآن کی بھی تکذیب کر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر گمراہ اور بد بخت کون ہوسکتا ہے؟

3 جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا، یعنی ﴿اَنَّهُ﴾ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ ﷺ کو بتلایا ہے۔ مآل سب کا ایک ہی ہے۔ ﴿الْاٰفَاقِ﴾ اُفق کی جمع ہے۔ کنارہ، مطلب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں باہر کناروں میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کے اپنے نفسوں کے اندر بھی، چنانچہ آسمان و زمین کے کناروں میں بھی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں، مثلاً: سورج، چاند، ستارے، رات، دن، ہوا، بارش، گرج، چمک، بجلی، کڑک، نباتات و جمادات، اشجار، پہاڑ اور انہار و بحار وغیرہ۔ اور آیات انفس سے انسان کا وجود، جن اخلاط و مواد اور ہیئتوں پر مرکب ہے، وہ مراد ہیں۔ جس کی تفصیلات طب وحکمت کا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض کہتے ہیں: آفاق سے مراد شرق وغرب کے وہ دور دراز کے علاقے ہیں جن کی فتح کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے آسان فرما دیا اور انفس سے مراد خود عرب کی سرزمین پر مسلمانوں کی پیش قدمی ہے، جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ فتوحات میں مسلمانوں کو عزت وسرفرازی عطا کی گئی۔

4 استفہام اقراری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کے دیکھنے کے لیے کافی ہے اور وہی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

ع 6 10 1 اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿54﴾

میں ہیں،[1] یادرکھو کہ اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے ○[2]

اٰیَاتُہَا: 53 (42) سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی مَکِّیَّۃٌ (62) رُکُوۡعَاتُہَا: 5

سورۂ شوریٰ مکی ہے، اس میں 53 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾

حٰمٓ ○

عٓسٓقٓ ﴿2﴾

عٓسٓقٓ ○

کَذٰلِکَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ
مِنۡ قَبۡلِکَ ۙ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿3﴾
لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ
وَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿4﴾
تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِہِنَّ
وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ
وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ

اللہ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے اِسی طرح تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ○[3] آسمانوں کی (تمام) چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے وہ برتر اور عظیم الشان ہے ○ قریب ہے آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں[4] اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔[5] خوب

1 اس لیے اس کی بابت غور و فکر نہیں کرتے، نہ اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس دن کا کوئی خوف ان کے دلوں میں ہے۔

2 بنا بریں اس کے لیے قیامت کا وقوع قطعاً مشکل امر نہیں کیونکہ تمام مخلوقات پر اس کا غلبہ و تصرف ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کرتا ہے، کر سکتا ہے اور کرے گا، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔

3 یعنی جس طرح یہ قرآن آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ وحی، اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجتا رہا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے سخت ہوتی ہے، جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے ہوتے۔ (صحيح البخاري، حديث:2)

4 اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے۔

5 یہ مضمون سورۂ مومن 40:7 میں بھی بیان ہوا ہے۔

اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ⑤
وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهُ
حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ ۖ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ
بِوَكِيۡلٍ ⑥
وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا
لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا
وَتُنۡذِرَ يَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ فَرِيۡقٌ
فِى الۡجَنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِى السَّعِيۡرِ ⑦
وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلٰكِنۡ يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ

سمجھ رکھو کہ اللہ ہی معاف فرمانے والا رحمت والا ہے ○ [1]

اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا ہے اللہ اُن پر نگران ہے [2] اور آپ اُن کے ذمے دار نہیں ہیں ○ [3]

اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے [4] تاکہ آپ مکے والوں کو اور اُس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں [5] اور جمع ہونے کے دن سے [6] ڈرا دیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا ○ [7]

اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا [8] لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور

---

1 اپنے دوستوں اور اہل طاعت کے لیے یا تمام ہی بندوں کے لیے کیونکہ کفار اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہ کرنا بلکہ انھیں ایک وقت معین تک مہلت دینا، یہ بھی اس کی رحمت و مغفرت ہی کی قسم سے ہے۔

2 یعنی ان کے عملوں کو محفوظ کر رہا ہے تاکہ اس پر ان کو جزا دے۔

3 یعنی آپ اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستے پر لگا دیں یا ان کے گناہوں پر ان کا مؤاخذہ فرمائیں بلکہ یہ کام ہمارے ہیں، آپ کا کام صرف ابلاغ (پہنچا دینا) ہے۔

4 یعنی جس طرح ہم نے ہر رسول کی طرف وحی بھیجی اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن عربی واضح نازل کیا ہے۔

5 ﴿اُمَّ الۡقُرٰى﴾ مکے کا نام ہے۔ اسے ''بستیوں کی ماں'' اظہار فضیلت کے لیے کہا یا اس لیے کہا کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں۔ ﴿وَمَنۡ حَوۡلَهَا﴾ میں اس کے شرق و غرب کے تمام علاقے شامل ہیں۔ ان سب کو ڈرائیں کہ اگر وہ کفر و شرک سے تائب نہ ہوئے تو عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے۔

6 قیامت والے دن کو جمع ہونے والا دن اس لیے کہا کہ اس میں اگلے پچھلے تمام انسان جمع ہوں گے۔ علاوہ ازیں ظالم و مظلوم اور مومن و کافر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا سے بہرہ ور ہوں گے۔

7 جو اللہ کے حکموں کو بجا لایا ہوگا اور اس کی منہیات و محرمات سے دور رہا ہوگا وہ جنت میں اور اس کی نافرمانی اور محرمات کا ارتکاب کرنے والا جہنم میں ہوگا۔ یہی دو گروہ ہوں گے۔ تیسرا گروہ نہیں ہوگا۔

8 اس صورت میں قیامت والے دن صرف ایک ہی گروہ ہوتا، یعنی اہل ایمان کا لیکن اللہ کی حکمت و مشیت نے

وَالظّٰلِمُوۡنَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ⑧

ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں ○

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الۡوَلِىُّ وَهُوَ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَهُوَ عَلٰى

ع 1 9/2 كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ⑨

کیا اُن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ ہی کارساز ہے وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ○ [1]

وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِيۡهِ مِنۡ شَىۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىۡ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ‌ۖ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ⑩

اور جس جس چیز میں تمھارا اختلاف ہو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے، [2] یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں ○

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا‌ۚ

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس نے تمھارے لیے تمھاری جنس کے جوڑے بنا دیے ہیں [3]

اس جبر کو پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں کو آزمانے کے لیے اس نے انسانوں کو ارادہ واختیار کی آزادی دی، جس نے اس آزادی کا صحیح استعمال کیا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گیا اور جس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے ظلم کا ارتکاب کیا کہ اللہ کی دی ہوئی آزادی اور اختیار کو اللہ ہی کی نافرمانی میں استعمال کیا، چنانچہ ایسے ظالموں کا قیامت والے دن کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

1 جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو ولی اور کارساز مانا جائے نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے اور جو سننے اور جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

2 اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں آپس میں اختلافات ہیں اور ہر مذہب کا پیروکار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین سچا ہے، درآں حالیکہ سارے دین بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے۔ سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سچا دین اور حق کا راستہ پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے لیکن دنیا میں لوگ اس کلام الٰہی کو اپنا حَکَم اور ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بالآخر پھر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

3 یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمھاری جنس سے ہی اس نے تمھارے جوڑے بنائے ورنہ اگر تمھاری بیویاں انسانوں کی بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمھیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔

يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ ؕ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ
وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ⑪

لَهٗ مَقَالِيۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ يَبۡسُطُ
الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ
شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ⑫
شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ
نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا
بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا
الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ كَبُرَ عَلَى
الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ ؕ

اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں [1] تمھیں وہ اُس میں پھیلا رہا ہے، [2] اُس جیسی کوئی چیز نہیں [3] وہ سننے اور دیکھنے والا ہے ○

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کی ہیں، [4] جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○

اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ) وحی ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا [5] کہ اس دین کو قائم رکھنا [6] اور اس میں پھوٹ نہ

1 یعنی یہی جوڑے بنانے (مذکر ومؤنث) کا سلسلہ ہم نے چوپایوں میں بھی رکھا ہے، چوپایوں سے مراد وہی نر اور مادہ آٹھ جانور ہیں جن کا ذکر سورۂ انعام میں کیا گیا ہے۔

2 ﴿ يَذۡرَؤُكُمۡ ﴾ کے معنی پھیلانے یا پیدا کرنے کے ہیں: یعنی وہ تمھیں کثرت سے پھیلا رہا ہے۔ یا نسلاً بعد نسلٍ پیدا کر رہا ہے۔ انسانی نسل کو بھی اور چوپائے کی نسل کو بھی۔ ﴿ فِيۡهِ ﴾ کا مطلب ہے۔ فِي ذٰلِكَ الْخَلْقِ عَلٰى هٰذِهِ الصِّفَةِ، یعنی اس پیدائش میں اس طریقے پر وہ تمھیں ابتدا سے پیدا کرتا آ رہا ہے۔ یا ''رحم میں'' یا ''پیٹ میں'' مراد ہے۔ یا ﴿ فِيۡهِ ﴾ بمعنی بِهٖ ہے، یعنی تمھارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمھیں پیدا کرتا یا پھیلاتا ہے کیونکہ یہ زوجیت ہی نسل کا سبب ہے۔ (فتح القدير و ابن كثير)

3 نہ ذات میں نہ صفات میں، پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، واحد اور بے نیاز۔

4 ﴿ مَقَالِيۡدُ ﴾ مِقۡلِید اور مِقۡلَادٌ کی جمع ہے یا إِقۡلِيدٌ کی خلاف قیاس جمع ہے۔ خزانے یا چابیاں۔

5 ﴿ شَرَعَ ﴾ کے معنی ہیں: بیان کیا، واضح کیا اور مقرر کیا۔ ﴿ لَكُمۡ ﴾ ''تمھارے لیے'' یہ امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تمھارے لیے وہی دین مقرر یا بیان کیا ہے جس کی وصیت اس سے قبل تمام انبیاء کو کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں چند جلیل القدر انبیاء کے نام ذکر فرمائے۔

6 ﴿ الدِّيۡنَ ﴾ سے مراد اللہ پر ایمان توحید، اطاعت رسول اور شریعت الٰہیہ کو ماننا ہے۔ تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی وہ دعوت اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور منہج میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے

اَللّٰهُ يَجۡتَبِيۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِيۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ ﴿13﴾

ڈالنا،[1] جس چیز کی طرف آپ اُنھیں بلا رہے ہیں وہ تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے،[2] اللہ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے[3] اور جو بھی اُس کی طرف رُجوع کرے وہ اُس کی صحیح راہنمائی کرتا ہے ○[4]

وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ

اور اُن لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے[5] اور اگر آپ کے رب کی بات ایک وقتِ مقرر تک کے لیے پہلے ہی سے قرار نہ پا گئی ہوتی تو یقیناً اُن کا فیصلہ ہو چکا

جیسا کہ فرمایا: ﴿لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا﴾ (المآئدة 5:48) ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔'' لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترکہ تھے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ''انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3443، وصحيح مسلم، حديث: 145-(2365)) اور یہ ایک دین وہی توحید و اطاعت رسول ہے، یعنی ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے جن میں دلائل باہم مختلف یا متعارض ہوتے ہیں یا جن میں کبھی فہم کا تباین اور تفاوت ہوتا ہے کیونکہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اس لیے یہ مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید و اطاعت، فروعی نہیں، اصولی مسئلہ ہے جس پر کفر و ایمان کا دارومدار ہے۔

1 صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت و ائتلاف کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا، افتراق و انتشار انگیزی ہے، جس سے ''پھوٹ نہ ڈالنا'' کہہ کر منع کیا گیا ہے۔

2 اور وہ وہی توحید اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔

3 یعنی جس کو ہدایت کا مستحق سمجھتا ہے، اسے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔

4 یعنی اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کر دیتا ہے جو اس کی اطاعت و عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

5 یعنی انھوں نے اختلاف اور تفرق کا راستہ علم، یعنی ہدایت آ جانے اور اتمام حجت کے بعد اختیار کیا جبکہ اختلاف کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن محض بغض و عناد، ضد اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ اس سے بعض نے یہود اور بعض نے قریش مکہ مراد لیے ہیں۔

اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ ﴿۱۴﴾

ہوتا[1] اور جن لوگوں کو اُن کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اُس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں ○[2]

فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ وَ اسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ لَا حُجَّۃَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿ؕ۱۵﴾

پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جیسا تمھیں حکم ہوا ہے۔ (اُس پر) مضبوطی[3] سے جم جائیں اور اُن کی خواہشوں پر نہ چلیں[4] اور کہہ دیں کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا اُن پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔[5] ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں، ہم تم میں کوئی کٹ حجتی نہیں،[6] اللہ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے ○

وَ الَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَہٗ حُجَّتُہُمۡ دَاحِضَۃٌ

اور جو لوگ اللہ (کی باتوں) میں جھگڑا ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ (مخلوق) اُسے مان چکی[7] ان کی کٹ حجتی اللہ

1 یعنی اگر ان کی بابت عقوبت میں تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہوتا تو فوراً عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا۔

2 اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے سے ماقبل کے یہود و نصاریٰ کے بعد کتاب، یعنی تورات و انجیل کے وارث بنائے گئے۔ یا مراد عرب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا اور انھیں قرآن کا وارث بنایا۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے ''الکتاب'' سے تورات و انجیل اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

3 یعنی اس تفرق اور شک کی وجہ سے جس کا ذکر پہلے ہوا، آپ ان کو توحید کی دعوت دیں اور اس پر جمے رہیں۔

4 یعنی انھوں نے اپنی خواہش سے جو چیزیں گھڑ لی ہیں، مثلاً: بتوں کی عبادت وغیرہ، اس میں ان کی خواہش کے پیچھے مت چلیں۔

5 یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

6 یعنی کوئی جھگڑا نہیں، اس لیے کہ حق ظاہر اور واضح ہو چکا ہے۔

7 یعنی یہ مشرکین مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں جنھوں نے اللہ اور رسول کی بات مان لی ہے تاکہ انھیں پھر

عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ عَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ وَّ لَہُمۡ
عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ⑯
اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ
وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ
قَرِیۡبٌ ⑰
یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ
وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ
وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ

کے نزدیک باطل ہے [1] اور اُن پر غضب ہے اور اُن کے لیے سخت عذاب ہے ○
اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی (اتاری ہے) [2] اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت قریب [3] ہی ہو ○
اُس کی جلدی اُنھیں پڑی ہے جو اُسے نہیں مانتے [4] اور جو اُس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اُس سے ڈر رہے ہیں، [5] اُنھیں اُس کے حق ہونے کا پورا علم ہے۔ یاد رکھو! جو لوگ

راہ ہدایت سے ہٹا دیں۔ یا مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین تمھارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی بھی تمھارے نبی سے پہلے ہوا ہے، اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں۔

1 ﴿دَاحِضَۃٌ﴾ کے معنی ہیں: کمزور، باطل، جس کو ثبات نہیں۔

2 ﴿الۡکِتٰبَ﴾ سے مراد جنس ہے، یعنی تمام پیغمبروں پر جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں، وہ سب حق اور سچی تھیں۔ یا بطور خاص قرآن مجید مراد ہے اور اس کی صداقت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ میزان سے مراد عدل و انصاف ہے۔ عدل کو ترازو سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ یہ برابری اور انصاف کا آلہ ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگوں کے درمیان برابری ممکن ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیات بھی ہیں۔ ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ﴾ (الحدید 25:57) ”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔“ ﴿وَ السَّمَآءَ رَفَعَہَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ○ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ○ وَ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ○﴾ (الرحمن 55:7-9) ”اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔“

3. ﴿قَرِیۡبٌ﴾ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آ جاتا ہے۔ ﴿اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○﴾ (الأعراف 56:7) (فتح القدیر)

4 یعنی استہزا کے طور پر یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کون سی آنی ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت جلدی آئے۔

5 اس لیے کہ ایک تو ان کو اس کے وقوع کا پورا یقین ہے۔ دوسرے: ان کو خوف ہے کہ اس روز بے لاگ حساب ہو گا، کہیں وہ بھی مؤاخذۂ الٰہی کی زد میں نہ آ جائیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ ○﴾ (المؤمنون 60:23)، یعنی ”اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انھیں رب کی طرف لوٹنا ہے۔“

یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ⑱

قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، [1] وہ دُور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ○ [2]

اَللّٰهُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ⑲ ع 2 10 3

اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت، بڑے غلبے والا ہے ○

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِیۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ⑳

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اُسے اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے [3] اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اُسے اُس میں سے ہی کچھ دے دیں گے، [4] ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ○ [5]

---

1 ﴿یُمَارُوۡنَ﴾ مُمَارَاةٌ سے ہے جس کے معنی لڑنا جھگڑنا ہیں۔ یا مِرْیَةٌ سے ہے، بمعنی ریب وشک۔

2 اس لیے کہ وہ ان دلائل پر غور وفکر ہی نہیں کرتے جو ایمان لانے کے موجب بن سکتے ہیں، حالانکہ یہ دلائل روز و شب ان کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اور ان کی عقل وفہم میں آ سکتے ہیں اس لیے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

3 ﴿حَرۡثَ﴾ کے لغوی معنی تخم ریزی کے ہیں۔ یہاں اس سے اعمال کے ثمرات وفوائد مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال ومحنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر وثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا کہ ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔

4 یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے۔

5 یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بنی اسرائیل 18:17 میں بھی بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے کیونکہ اس نے سب کی روزی کا ذمہ لیا ہوا ہے، طالب دنیا کو بھی اور طالب آخرت کو بھی، تاہم جو طالب آخرت ہوگا، یعنی آخرت کے لیے کسب ومحنت کرے گا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے ﴿اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ ''کئی گنا بڑھا چڑھا کر'' اجر وثواب عطا فرمائے گا جبکہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے عذاب کے کچھ نہیں ہوگا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالب دنیا بننے میں ہے یا طالب آخرت بننے میں۔

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا لَمۡ یَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿21﴾

کیا اُن لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں۔ جنھوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ [1] اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) اُن میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً (اُن) ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہیں ○

تَرَی الظّٰلِمِیۡنَ مُشۡفِقِیۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَ هُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِیۡرُ ﴿22﴾

آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے [2] جو (یقیناً) اُن پر واقع ہونے والے ہیں، [3] اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک اعمال کیے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے۔ وہ جو خواہش کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے، یہی ہے بڑا فضل ○

ذٰلِكَ الَّذِیۡ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ وَ مَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِیۡهَا حُسۡنًا ؕ

یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ اپنے اُن بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو کہہ دیجیے کہ میں اُس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتے داری کی، [4] جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اُس کے لیے اُس کی

---

1 یعنی شرک و معاصی جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے، ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔

2 یعنی قیامت والے دن۔

3 حالانکہ ڈرنا بے فائدہ ہوگا کیونکہ اپنے کیے کی سزا تو انھیں بہرحال بھگتنی ہوگی۔

4 تمام قبائل قریش اور نبی ﷺ کے درمیان رشتے داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان جو رشتے داری ہے، اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو تمھاری مرضی۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رحم و قرابت کے ناتے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کا روڑا تو نہ بنو تا کہ میں فریضۂ رسالت تو ادا کر سکوں۔ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیے ہیں کہ میرے اور تمھارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحيح البخاري، حديث:4818) بعض نے ﴿الۡقُرۡبٰی﴾ سے طاعت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مراد لیا ہے جبکہ بعض مفسرین نے ﴿الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی﴾ کے یہ معنی کیے ہیں کہ ”سوائے اس کے کہ میرے اہل بیت سے محبت کرو۔“ لیکن آیت کی یہ تفسیر مرجوح ہے، صحیح تفسیر وہی ہے جو

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿23﴾

نیکی میں حُسن بڑھا دیں گے۔[1] بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت قدر دان ہے ○[2]

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا‌ ۚ فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ‌ ؕ وَيَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ وَيُحِقُّ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ‌ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿24﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مُہر لگا دے[3] اور اللہ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا ہے[4] اور سچ کو ثابت رکھتا ہے۔ یقیناً وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے ○

وَهُوَ الَّذِىۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَعۡفُوۡا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعۡلَمُ مَا

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے[5] اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، تاہم اہل بیت کی محبت و تعظیم اپنی جگہ پر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت سے محبت اور ان کا خیال اور لحاظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، فاطمہ، علی اور ان کی اولاد (رضی اللہ عنہم) سب شامل ہیں۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس آیت کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی انھوں نے محدود کر دیا ہے، حضرت علی و حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انھیں معصوم اور الوہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہایت عجیب بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع سے بہت ہی فروتر ہے، پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا، یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود ہی میں نہیں آیا تھا جس کی محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

1 یعنی اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔

2 اس لیے وہ پردہ پوشی فرماتا اور معاف کر دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اجر دیتا ہے۔

3 یعنی اس الزام میں اگر صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھڑنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو اس کی سخت ترین سزا دیتے۔

4 یہ قرآن بھی اگر باطل ہوتا (جیسا کہ مکذبین کا دعویٰ ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا ڈالتا جیسا کہ اس کی عادت ہے۔

5 توبہ کا مطلب ہے، معصیت اور گناہ چھوڑ کر، کردہ گناہ پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا یا اس گناہ اور معصیت کے کام کو تو نہ چھوڑنا اور توبہ کا اظہار کیے جانا توبہ نہیں ہے۔ یہ استہزا اور

تَفۡعَلُوۡنَ ﴿25﴾
وَ يَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَ يَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ
وَ الۡكٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ﴿26﴾
وَ لَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِي
الۡاَرۡضِ وَ لٰكِنۡ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ
اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿27﴾
وَ هُوَ الَّذِيۡ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا
قَنَطُوۡا وَ يَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الۡوَلِيُّ
الۡحَمِيۡدُ ﴿28﴾
وَ مِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا

(سب) جانتا ہے ○
ایمان والوں اور نیکوکار لوگوں کی سنتا ہے [1] اور اُنھیں اپنے فضل سے اور بڑھ کر دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت عذاب ہے ○
اور اگر اللہ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے [2] لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے ○
اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے [3] اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی ہے کارساز اور قابلِ حمد وثنا ○ [4]
اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمان و زمین کی پیدائش

مذاق ہے، تاہم خالص اور سچی توبہ اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

1 یعنی ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری فرماتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کے آداب و شرائط کا بھی پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ اور حدیث میں آتا ہے ”کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے، صحرا، بیابان میں گم ہو جائے اور وہ ناامید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جائے کہ اچانک اسے اپنی سواری مل جائے اور فرطِ مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی شدتِ فرح میں وہ غلطی کر جائے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2747)

2 یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت و ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل رزق عطا فرما دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شر و فساد اور بَغي و عدوان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا، جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔

3 جو انواع رزق کی پیداوار میں سب سے زیادہ مفید اور اہم ہے۔ یہ بارش جب ناامیدی کے بعد ہوتی ہے تو اس نعمت کا صحیح احساس بھی اسی وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کرنے میں حکمت بھی یہی ہے کہ بندے اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں اور اس کا شکر بجالائیں۔

4 کارساز ہے، اپنے نیک بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، انھیں منافع سے نوازتا اور شرور و مہلکات سے ان کی

بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ
ع 3 (10) 4
اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿29﴾
وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا
كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿30﴾ؕ
وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿31﴾
وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿32﴾ؕ

ہے اور اُن میں جانداروں کا پھیلانا ہے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے اُنھیں جمع کر دے ○ [1]
تمھیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے، اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرمالیتا ہے ○ [2]
اور تم ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو، [3] تمھارے لیے سوائے اللہ کے نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار ○
اور دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اُس کی نشانیوں میں سے ہیں ○ [4]

حفاظت فرماتا ہے۔ اپنے ان انعامات بے پایاں اور احسانات فراواں پر قابل حمد وثنا ہے۔

1 ﴿دَآبَّةٍ﴾ (زمین پر چلنے پھرنے والا) کا لفظ عام ہے، جس میں جن وانس کے علاوہ وہ تمام حیوانات شامل ہیں جن کی شکلیں، رنگ، زبانیں، طبائع اور انواع واجناس ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور وہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا۔

2 اس کا خطاب اگر اہل ایمان سے ہو تو مطلب ہوگا کہ تمھارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو تمھیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گی۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''مومن کو جو بھی تکلیف اور ہم وحزن پہنچتا ہے حتیٰ کہ اس کے پیر میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:5641، وصحيح مسلم، حديث:2572) اگر خطاب عام ہو تو مطلب ہوگا کہ تمھیں جو مصائب دنیا پہنچتے ہیں، یہ تمھارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگزر ہی فرما دیتا ہے، یعنی یا تو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ یا ان پر فوری سزا نہیں دیتا۔ (اور عقوبت وتعزیر میں تاخیر، یہ بھی ایک گونہ معافی ہی ہے) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (فاطر 45:35) ''اگر اللہ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مؤاخذہ شروع فرمادے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ رہے۔'' یہی مفہوم سورۂ نحل:61:16 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

3 یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جاسکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آسکو یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

4 ﴿الْجَوَارِ﴾ جو اصل میں الجَوَارِي ہے، جَارِيَةٌ (چلنے والی) کی جمع ہے، بمعنی کشتیاں، جہاز، یعنی بر وبحر پر یہ

اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿ۙ۳۳﴾

اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں ○

اَوۡ یُوۡبِقۡہُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا وَ یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿ۙ۳۴﴾

یا اُنھیں اُن کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے،[1] وہ تو بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمایا کرتا ہے ○[2]

وَّ یَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۳۵﴾

اور تاکہ جو لوگ ہماری نشانیوں میں جھگڑتے ہیں[3] وہ معلوم کر لیں کہ اُن کے لیے کوئی چھٹکارا نہیں ○[4]

فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿ۚ۳۶﴾

تو تمھیں جو کچھ دیا گیا ہے، پس وہ زندگانیٔ دنیا کا سامان ہے،[5] اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اُس سے بدرجہ بہتر[6] اور پائیدار ہے، وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ○

وَ الَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوۡا ہُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ ﴿ۚ۳۷﴾

اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں ○[7]

اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں ورنہ اگر وہ حکم دے تو یہ سمندروں میں ہی کھڑے رہیں۔

1 یعنی سمندر کو حکم دے اور اس کی موجوں میں طغیانی آ جائے اور یہ ان میں ڈوب جائیں۔

2 ورنہ سمندر میں سفر کرنے والا کوئی بھی سلامتی کے ساتھ واپس نہ آ سکے۔

3 یعنی ان کا انکار کرتے ہیں۔

4 یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کہیں بھاگ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

5 یعنی معمولی اور حقیر ہے، چاہے قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس سے دھوکے میں مبتلا نہ ہونا کیونکہ یہ عارضی اور فانی ہے۔

6 یعنی نیکیوں کا جو اجر و ثواب اللہ کے ہاں ملے گا وہ متاع دنیا سے کہیں زیادہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی کیونکہ اس کو زوال اور فنا نہیں، مطلب ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو، ایسا کرو گے تو پچھتاؤ گے۔

7 یعنی لوگوں سے عفو و درگزر کرنا ان کے مزاج وطبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا۔ جس طرح نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے: «مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللّٰهِ

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ﴿38﴾

اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں [1] اور نماز کی پابندی کرتے ہیں [2] اور اُن کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے، [3] اور جو ہم نے اُنھیں دے رکھا ہے۔ اُس میں سے (ہمارے نام پر) دیتے ہیں ○

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ

اور جب اُن پر ظلم (و زیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے

عَزَّ وَجَلَّ» (صحيح البخاري، حديث:3560 ، وصحيح مسلم، حديث:2327) ''نبی ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا توڑا جانا آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔''

1 یعنی اس کے حکم کی اطاعت، اس کے رسول کا اتباع اور اس کے زواجر سے اجتناب کرتے ہیں۔

2 نماز کی پابندی اور اقامت کا بطور خاص ذکر کیا کہ عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

3 ﴿شُوْرٰى﴾ ذکریٰ اور بشریٰ کی طرح باب مفاعلہ سے مصدر ہے، یعنی اہل ایمان ہر اہم کام باہمی مشاورت سے کرتے ہیں، اپنی ہی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے۔ خود نبی ﷺ کو بھی اللہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے مشورہ کرو۔ (آل عمران 3:159) چنانچہ آپ جنگی معاملات اور دیگر اہم کاموں میں مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاملے کے مختلف گوشے واضح ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نیزے کے وار سے زخمی ہو گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امر خلافت میں مشاورت کے لیے چھ آدمی نامزد فرما دیے۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا اور لوگوں سے بھی مشاورت کی اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے مقرر فرما دیا۔ بعض لوگ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ سے جمہوریت (Democracy) کا اثبات کرتے ہیں، حالانکہ جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے۔ اسلام میں طے شدہ شرعی و دینی امور، اصول وفروع کی ترمیم، تنسیخ اور تبدیلی کے بارے میں مشورہ تو ہو ہی نہیں سکتا، انتظامی و ریاستی معاملات میں مشورہ کرنے کا حکم ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں کوئی بھی چیز مشورے سے مستثنیٰ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں طے شدہ مسلمات دینیہ کے اندر تبدیلی اور اسی طرح معلوم اور ظاہر کو اکثریت کی خواہش کے پیش نظر جائز قرار دینے کے قوانین بنتے ہیں۔ زنا، ہم جنس پرستی اور اس طرح کے بے شمار جرائم کو قانونی حیثیت دینا اسی مغربی جمہوریت کے ثمرات ہیں، بنابریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات، تحکم اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ ''اسلامی'' کا لفظ لگانے سے سوشلزم مشرف بہ اسلام نہیں ہو سکتا، اسی طرح ''جمہوریت'' میں ''اسلامی'' کی پیوندکاری سے مغربی جمہوریت پر خلافت کی قبا راست نہیں آ سکتی۔ مغرب کا یہ پودا اسلام کی سرزمین پر نہیں پنپ سکتا۔

یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾
وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾
وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿ؕ۴۱﴾
اِنَّمَا السَّبِیۡلُ عَلَی الَّذِیۡنَ یَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَیَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۲﴾
وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿ع۴۳﴾ ع 4/14/5
وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ وَّلِیٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَتَرَی الظّٰلِمِیۡنَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ یَقُوۡلُوۡنَ ہَلۡ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿ۚ۴۴﴾

لیتے ہیں ○ [1]
اور برائی کا بدلہ اُسی جیسی برائی ہے، [2] اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، (فی الواقع) اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ○
اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں ○
یہ راستہ صرف اُن لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ○
اور جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے ○
اور جسے اللہ بہکا دے اُس کا اُس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں، اور تُو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے؟ ○

1 یعنی بدلہ لینے سے وہ عاجز نہیں ہیں، اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود وہ معافی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا، حدیبیہ میں آپ نے ان 80 آدمیوں کو معاف کر دیا جنھوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودی عورت کو آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا جس کی تکلیف آپ دم واپسیں تک محسوس فرماتے رہے۔ (ابن کثیر) البتہ بعض روایات میں اس کے برعکس اس یہودی عورت کے قتل کرنے کی صراحت آئی ہے۔ اس میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اَوّلاً نبی ﷺ نے اس عورت کو کچھ نہیں کہا، تاہم جب اس زہر آلود کھانے سے ایک صحابی حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو آپ نے قصاص کے طور پر اس یہودی عورت کو قتل کروا دیا۔ (زاد المعاد: 336/3 طبع جدید)
2 یہ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی کہا گیا ہے۔

وَ تَرٰىهُمۡ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡهَا خٰشِعِیۡنَ مِنَ الذُّلِّ یَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِیٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَهۡلِیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابٍ مُّقِیۡمٍ ﴿45﴾

اور تو اُنھیں دیکھے گا کہ وہ (جہنم کے) سامنے لا کھڑے کیے جائیں گے، مارے ذلت کے کُبڑے ہوئے جاتے ہوں گے اور کن اکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ایمان دار صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنھوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہیں ○[1]

وَ مَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ اَوۡلِیَآءَ یَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِیۡلٍ ﴿46﴾ؕ

اُن کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ سے الگ اُن کی امداد کر سکیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں ○

اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِیۡرٍ ﴿47﴾

اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ اللہ کی جانب سے وہ دن آ جائے جس کا ہٹ جانا ناممکن ہے،[2] تمھیں اُس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چُھپ کر انجان بن جانے کی ○[3]

---

1 یعنی دنیا میں یہ کافر ہمیں بیوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے جبکہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے۔ وہ جنھوں نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کیے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں یا وہ جنھوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

2 یعنی جس کو رد کرنے اور ٹالنے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔

3 یعنی تمھارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہو گی کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پہچانے نہ جا سکو یا نظر میں نہ آ سکو جیسے فرمایا: ﴿ یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ○ كَلَّا لَا وَزَرَ ○ اِلٰى رَبِّكَ یَوۡمَئِذِ ۨالۡمُسۡتَقَرُّ ○﴾ (القیٰمۃ 75:10-12) ''اس دن انسان کہے گا، کہیں بھاگنے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہو گی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہو گا۔'' یا نکیر بمعنی انکار ہے کہ تم اپنے گناہوں کا انکار نہ کر سکو گے کیونکہ ایک تو وہ سب لکھے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے خود انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ یا جو عذاب تمھیں تمھارے گناہوں کی وجہ سے دیا جائے گا تم اس عذاب کا انکار نہیں کر سکو گے کیونکہ اعتراف گناہ کے بغیر تمھیں چارہ نہیں ہو گا۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿48﴾

اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے،[1] ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں[2] تو وہ اُس پر اترا جاتا ہے[3] اور اگر انھیں اُن کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت[4] پہنچتی ہے تو بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے ○[5]

لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ

آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،[6] جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا

1 جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰىهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ﴾ (البقرة 2:272) اور ﴿فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ○﴾ (الرعد 13:40) اور ﴿فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ○﴾ (الغاشية 88:21،22) ان سب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذمے داری صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کے پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

2 یعنی وسائل رزق کی فراوانی، صحت و عافیت، اولاد کی کثرت، جاہ و منصب وغیرہ۔

3 یعنی تکبر اور غرور کا اظہار کرتا ہے، ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کا اظہار ہونا، ناپسندیدہ امر نہیں لیکن وہ تحدیث نعمت اور شکر کے طور پر ہو نہ کہ فخر و ریا اور تکبر کے طور پر۔

4 مال کی کمی، بیماری، اولاد سے محرومی وغیرہ۔

5 یعنی فوراً نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے اور مُنعِم (نعمتیں دینے والے) کو بھی۔ یہ انسانوں کی غالب اکثریت کے اعتبار سے ہے جس میں ضعیف الایمان لوگ بھی شامل ہیں۔ لیکن اللہ کے نیک بندے اور کامل الایمان لوگوں کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ وہ تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ» (صحيح مسلم، حديث:2999) ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے یقیناً اُس کا تمام معاملہ خیر ہی ہے اور یہ مومن کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اگر اُسے خوشی ملے تو اللہ کا شکر یہ ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہو جاتا ہے اور اگر اُسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔''

6 یعنی کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿49﴾
ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے ○

اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُکۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجۡعَلُ
مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿50﴾
یا اُنھیں جمع کر دیتا ہے [1] بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے ○

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡیًا
اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا
فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿51﴾
ناممکن ہے کہ کسی بندے سے اللہ کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے، [2] بے شک وہ برتر ہے، حکمت والا ہے ○

وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ
مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ
اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے، [3] آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے

---

1 یعنی جس کو چاہتا ہے زوجین، مذکر اور مؤنث دونوں دیتا ہے۔ یا ذکور و اناث دونوں کو ملا کر جوڑا بنا دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک: وہ جن کو صرف بیٹے دیے۔ دوسرے: وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرے: وہ جن کو بیٹے، بیٹیاں دونوں اور چوتھے: وہ جن کو بیٹا نہ بیٹی۔ لوگوں کے درمیان یہ فرق اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے۔ تخلیق کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں: ① آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، (ان کا باپ ہے نہ ماں۔) ② حضرت حواء کو آدم علیہ السلام سے، یعنی مرد سے پیدا کیا، ان کی ماں نہیں ہے۔ ③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں ہے ④ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ فَسُبْحَانَ اللهِ الْعَلِيمِ الْقَدِيرِ. (ابن کثیر)

2 اس آیت میں وحی الٰہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری: پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا۔ تیسری: فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی بھیجنا، جیسے جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔

3 ﴿رُوۡحًا﴾ سے مراد قرآن ہے، یعنی جس طرح آپ سے پہلے اور رسولوں پر ہم وحی کرتے رہے، اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کی وحی کی ہے۔ قرآن کو روح سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ
مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ﴿52﴾

کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟ [1] لیکن ہم نے اُسے نور بنایا، اُس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں [2] اور بے شک آپ راہِ راست کی رہبری کر رہے ہیں ○

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿53﴾ ع 5 10 6

اُس اللہ کی راہ کی [3] جس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آگاہ رہو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ○ [4]

اٰيَاتُهَا 89 (43) سُوۡرَةُ الزُّخۡرُفِ مَكِّيَّةٌ (63) رُكُوۡعَاتُهَا 7

سورۂ زخرف مکی ہے، اس میں 89 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿1﴾

حٰمٓ ○

وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ﴿2﴾

قسم ہے اس واضح کتاب کی ! ○

---

1 کتاب سے مراد قرآن ہے، یعنی نبوت سے پہلے قرآن کا بھی کوئی علم آپ کو نہیں تھا اور اسی طرح ایمان کی ان تفصیلات سے بھی بے خبر تھے جو بعد میں آپ پر نازل کی گئیں۔

2 یعنی قرآن کو نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے ہم جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت و رہنمائی اُنھی کو ملتی ہے جن میں ایمان کی طلب اور تڑپ ہوتی ہے وہ اسے طلب ہدایت کی نیت سے پڑھتے، سنتے اور غور وفکر کرتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لیے ہموار کر دیتا ہے جس پر وہ چل پڑتے ہیں ورنہ جو اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیں، کانوں میں ڈاٹ لگا لیں اور عقل وفہم کو ہی بروئے کار نہ لائیں تو انھیں ہدایت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے، جیسے فرمایا: ﴿قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ”کہہ دیجیے کہ یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آئے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا ہونے کا باعث ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔“

3 یہ صراطِ مستقیم اسلام ہے۔ اس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے جس سے اس راستے کی عظمت وفخامتِ شان واضح ہوتی ہے اور اس کے واحد راہ نجات ہونے کی طرف اشارہ بھی۔

4 یعنی قیامت والے دن تمام معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا، اس میں سخت وعید ہے جو مجازات (جزا و سزا) کو مستلزم ہے۔

اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ③

ہم نے اس کو عربی زُبان کا قرآن بنایا ہے [1] کہ تم سمجھ لو ○

وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ④

یقیناً یہ لوحِ محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بُلند مرتبہ حکمت [2] والی ہے ○

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ⑤

کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو ○ [3]

وَکَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ⑥

اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے ○

وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ⑦

جو نبی اُن کے پاس آیا اُنھوں نے اُس کا مذاق اڑایا ○

فَاَہۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰی مَثَلُ

پس ہم نے اُن سے زیادہ زور آوروں [4] کو تباہ کر ڈالا

---

1 جو دنیا کی فصیح ترین زبان ہے۔ دوسرے، اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، انھی کی زبان میں قرآن اتارا تاکہ وہ سمجھنا چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکیں۔

2 اس میں قرآن کریم کی اس عظمت اور شرف کا بیان ہے جو ملأ اعلیٰ میں اسے حاصل ہے تاکہ اہل زمین بھی اس کے شرف وعظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس کے لیے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے۔ ﴿اُمِّ الۡکِتٰبِ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے۔

3 اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں، مثلاً: ① تم چونکہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو، اس لیے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمھیں وعظ ونصیحت کرنا چھوڑ دیں گے۔ ② یا تمھارے کفر اور اسراف پر ہم تمھیں کچھ نہ کہیں گے اور تم سے درگزر کر لیں گے۔ ③ یا ہم تمھیں ہلاک کر دیں اور کسی چیز کا تمھیں حکم دیں نہ منع کریں۔ ④ چونکہ تم قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہو، اس لیے ہم انزال قرآن کا سلسلہ ہی بند کر دیں۔ پہلے مفہوم کو امام طبری نے اور آخری مفہوم کو امام ابن کثیر نے زیادہ پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کا لطف وکرم ہے کہ اس نے خیر اور ذکر حکیم (قرآن) کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ موقوف نہیں فرمایا، اگرچہ وہ اعراض وانکار میں حد سے تجاوز کر رہے تھے تاکہ جس کے لیے ہدایت مقدر ہے وہ اس کے ذریعے سے ہدایت اپنا لے اور جن کے لیے شقاوت لکھی جا چکی ہے ان پر حجت قائم ہو جائے۔

4 یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡہُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّۃً﴾ (المؤمن 82:40) ”وہ ان سے تعداد اور قوت میں کہیں زیادہ تھے۔“

الۡاَوَّلِيۡنَ ⑧
وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ
لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ⑨

الَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّجَعَلَ
لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ⑩
وَالَّذِيۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ
فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ؕ كَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ⑪

وَالَّذِيۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمۡ

اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے ○ [1]
اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو
کس نے پیدا کیا تو یقیناً اُن کا جواب یہی ہوگا کہ اُنھیں
غالب ودانا (اللہ) ہی [2] نے پیدا کیا ہے ○
وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا [3] اور اُس
میں تمھارے لیے راستے کر دیے تا کہ تم راہ پالیا کرو ○ [4]
اُسی نے آسمان سے ایک اندازے [5] کے مطابق پانی
نازل فرمایا، پس ہم نے اُس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔
اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ○ [6]
جس نے تمام چیزوں کے جوڑے [7] بنائے اور تمھارے

1 یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ یا وصف متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس میں اہل مکہ کے لیے تہدید ہے کہ پچھلی قومیں رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اگر یہ بھی تکذیب رسالت پر مصر رہے تو ان کی مثل یہ بھی ہلاک کر دیے جائیں گے۔

2 لیکن اس اعتراف کے باوجود انھی مخلوقات میں سے بہت سوں کو ان نادانوں نے اللہ کا شریک ٹھہرالیا ہے۔ اس میں ان کے جرم کی شناعت وقباحت کا بھی بیان ہے اور ان کی سفاہت و جہالت کا اظہار بھی۔

3 ایسا بچھونا، جس میں ثبات وقرار ہے، تم اس پر چلتے ہو، کھڑے ہوتے اور سوتے ہو اور جہاں چاہتے ہو، پھرتے ہو، اس نے اس کو پہاڑوں کے ذریعے سے جما دیا تا کہ اس میں حرکت وجنبش نہ ہو۔

4 یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے راستے بنا دیے تا کہ کاروباری، تجارتی اور دیگر مقاصد کے لیے تم آ جا سکو۔

5 جس سے تمھاری ضرورت پوری ہو سکے کیونکہ قدر حاجت سے کم بارش ہوتی تو وہ تمھارے لیے مفید ثابت نہ ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی جس میں تمھارے ڈوبنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا۔

6 یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین شاداب ہو جاتی ہے، اسی طرح قیامت والے دن تمھیں بھی زندہ کر کے قبروں سے نکال لیا جائے گا۔

7 یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، نر اور مادہ۔ نباتات، کھیتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں، جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف

مِّنَ الۡفُلۡكِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ۙ﴿۱۲﴾

لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور (پیدا کیے) جن پر تم سوار ہوتے ہو ○

لِتَسۡتَوٗا عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ۙ﴿۱۳﴾

تاکہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو [1] پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب اُس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ، اور کہو پاک ذات ہے اُس کی جس نے اُسے ہمارے بس میں کر دیا، حالانکہ ہمیں اُسے قابو کرنے کی [2] طاقت نہ تھی ○

وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں [3] ○

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ
1 15 7 لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ﴿۱۵﴾ ع

اور اُنھوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اُس کا جز ٹھہرا [4] دیا یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے ○

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصۡفٰكُمۡ

کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور

اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں: ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔

1 ﴿لِتَسۡتَوٗا﴾ بمعنی لِتَستَقِرُّوا یا لِتَستَعلُوا جم کر بیٹھ جاؤ یا چڑھ جاؤ۔ ﴿ظُهُوۡرِهٖ﴾ میں ضمیر واحد ﴿مَا تَرۡكَبُوۡنَ﴾ میں سے مَا موصولہ کی طرف راجع ہے، فرّاء کہتے ہیں کہ ظھور جمع کی اضافت "ہ" ضمیر واحد کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اس سے مراد جنس ہے تو ضمیر واحد جمع کے معنی میں ہے، یعنی "اس جنس کی پشتوں پر۔"

2 یعنی اگر ان جانوروں کو ہمارے تابع اور ہمارے بس میں نہ کرتا تو ہم انھیں اپنے قابو میں رکھ کر ان کو سواری، بار برداری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے، ﴿مُقۡرِنِيۡنَ﴾ بمعنی مُطِیقِینَ ہے (طاقت رکھنے والے)۔

3 نبیٔ کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتے اور ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ﴾ سے ﴿لَمُنۡقَلِبُوۡنَ﴾ تک آیت پڑھتے۔ اس کے بعد خیر و عافیت کی وہ ماثور دعا مانگتے جو حدیث کی کتابوں سے منقول ہے۔ دعاؤں کی کتابوں میں دیکھ لی جائے۔ (صحیح مسلم، حدیث:1342)

4 ﴿عِبَادِ﴾ سے مراد فرشتے اور ﴿جُزۡءًا﴾ سے مراد بیٹیاں، یعنی فرشتے جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ یوں وہ مخلوق کو اللہ کا شریک اور اس کا جز مانتے تھے، حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بعض نے جز سے یہاں نذر و نیاز کے طور پر نکالے جانے والے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا ایک حصہ مشرکین اللہ کے نام پر اور ایک حصہ بتوں کے نام پر نکالا کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ انعام 6:136 میں ہے۔

بِالۡبَنِيۡنَ ﴿16﴾
وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ
مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿17﴾

اَوَمَنۡ يُّنَشَّؤُا فِى الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِى الۡخِصَامِ
غَيۡرُ مُبِيۡنٍ ﴿18﴾
وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ
اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ
شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡئَلُوۡنَ ﴿19﴾

وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ
مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا

تمھیں بیٹوں سے نوازا ○ [1]
(حالانکہ) اُن میں سے کسی کو جب اُس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اُس نے رحمٰن کے لیے بیان کی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے ○
کیا وہ جو زیورات میں پلے اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکے؟ ○ [2]
اور اُنھوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے عبادت گزار ہیں عورتیں قرار دے لیا۔ کیا اُن کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ اُن کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور اُن سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی ○ [3]
اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اُن کی عبادت نہ کرتے۔ اُنھیں اُس کی کچھ خبر نہیں، [4] یہ تو صرف اٹکل پچو، یعنی

---

1 اس میں ان کی جہالت اور سفاہت کا بیان ہے جو انھوں نے اللہ کے لیے اولاد بھی ٹھہرائی ہوئی ہے جسے یہ خود ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کی اولاد ہوتی تو کیا ایسا ہی ہوتا کہ خود تو اس کی لڑکیاں ہوتیں اور تمھیں وہ لڑکوں سے نوازتا۔

2 ﴿يُنَشَّؤُا﴾ نُشُو سے ہے، بمعنی تربیت اور نشو و نما۔ عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص یہاں کیا گیا ہے۔ ① ان کی تربیت اور نشو و نما زیورات اور زینت میں ہوتی ہے اور ان کے ذریعے سے ان کی شخصیت کی کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔ ② اگر کسی سے بحث و تکرار ہو تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقے سے واضح نہیں کر سکتیں نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ ہی کر سکتی ہیں۔ یہ عورت کی وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن کی بنا پر مرد حضرات عورتوں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔ سیاق سے بھی مرد کی یہ برتری واضح ہے کیونکہ گفتگو اسی ضمن میں ہو رہی ہے کہ مرد و عورت کے درمیان فطری تفاوت ہے جس کی بنا پر بچی کے مقابلے میں بچے کی ولادت کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا اور کیا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ ''مسئلہ شہادت نسواں، عقل و نقل کی روشنی میں''، جس کی تلخیص ''عورتوں کے امتیازی مسائل'' میں شامل ہے۔

3 یعنی جزا کے لیے کیونکہ فرشتوں کے بنات اللہ ہونے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہوگی۔

4 یعنی اپنے طور پر اللہ کی مشیت کا سہارا، یہ ان کی ایک بڑی دلیل ہے کیونکہ ظاہراً یہ بات صحیح ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اس کی مشیت، اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔ ہر کام یقیناً اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے لیکن راضی وہ انھی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا ہے نہ کہ

یَخْرُصُوْنَ ﴿20﴾
(جھوٹ باتیں) کہتے ہیں ○

اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿21﴾
کیا ہم نے اُنھیں اس سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی ہے جسے وہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں ○ [1]

بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿22﴾
(نہیں نہیں) بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم اُنھی کے قدموں پر راہ یافتہ ہیں ○

وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿23﴾
اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو اُنھی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں ○

قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿24﴾
(نبی نے) کہا بھی کہ اگرچہ میں تمھارے پاس اس سے بہت بہتر (مقصود تک پہنچانے والا) طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم اُس کے منکر ہیں جسے دے کر تمھیں بھیجا گیا ہے ○ [2]

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿25﴾ ع
پس ہم نے اُن سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ○

ہر اس کام سے جو انسان اللہ کی مشیت سے کرتا ہے، انسان چوری، بدکاری، ظلم اور بڑے بڑے گناہ کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو یہ گناہ کرنے کی قدرت ہی نہ دے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لے، اس کے قدموں کو روک دے اس کی نظر سلب کر لے۔ لیکن یہ جبر کی صورتیں ہیں جبکہ اس نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے آزمایا جائے، اسی لیے اس نے دونوں قسم کے کاموں کی وضاحت کر دی ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور جن سے ناراض ہوتا ہے، ان کی بھی۔ انسان دونوں قسم کے کاموں میں سے جو کام بھی کرے گا، اللہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا لیکن اگر وہ کام جرم و معصیت کا ہوگا تو یقیناً وہ اس سے ناراض ہوگا کہ اس نے اللہ کے دیے ہوئے اختیار کا استعمال غلط کیا، تاہم یہ اختیار اللہ دنیا میں اس سے واپس نہیں لے گا، البتہ اس کی سزا قیامت والے دن دے گا۔

1 یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب جس میں ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جسے انھوں نے مضبوطی سے تھام رکھا ہے، یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تقلید آباء کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

2 یعنی اپنے آباء کی تقلید میں اتنے پختہ تھے کہ پیغمبر کی وضاحت اور دلیل بھی انھیں اس سے نہیں پھیر سکی۔ یہ آیت

وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَ قَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿26﴾

اور جب کہ ابراہیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ○

اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ ﴿27﴾

بجز اُس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا ○ [1]

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿28﴾

اور (ابراہیم) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات [2] قائم کر گئے تا کہ لوگ آئندہ بھی توحید کی طرف رجوع کریں ○ [3]

بَلۡ مَتَّعۡتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمۡ حَتّٰی جَآءَهُمُ الۡحَقُّ وَ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ﴿29﴾

بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو متاع (دنیا) سے بہرہ مند کیا، [4] یہاں تک کہ اُن کے پاس حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آ گیا ○ [5]

وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ

اور حق کے پہنچتے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم

تقلید کے بطلان اور اس کی قباحت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر)

1 یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اپنے دین کی سمجھ بھی دے گا اور اس پر ثابت قدم بھی رکھے گا، میں صرف اسی کی عبادت کروں گا۔

2 یعنی اس کلمہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ» کی وصیت اپنی اولاد کو کر گئے، جیسے فرمایا: ﴿وَوَصّٰی بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِیۡهِ وَیَعۡقُوۡبُ﴾ (البقرة 2:132) ''اور اسی (کلمہ توحید) کی وصیت حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کی۔'' بعض نے ﴿جَعَلَهَا﴾ میں فاعل اللہ کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ نے اس کلمے کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

3 یعنی اولاد ابراہیم میں یہ موحدین اس لیے پیدا کیے تا کہ ان کے توحید کے وعظ سے لوگ شرک سے باز آتے رہیں۔ ﴿لَعَلَّهُمۡ﴾ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں، یعنی شاید اہل مکہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا جو خالص توحید پر مبنی تھا نہ کہ شرک پر۔

4 یہاں سے پھر ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ نے انھیں عطا کی تھیں اور نعمتوں کے بعد عذاب میں جلدی نہیں کی بلکہ انھیں پوری مہلت دی جس سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو گئے اور خواہشات کے بندے بن گئے۔

5 حق سے قرآن اور رسول سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ﴿مُّبِیۡنٌ﴾ رسول کی صفت ہے، کھول کر

وَّ اِنَّا بِهٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۰﴾
اس کے منکر ہیں ○ [1]

وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ﴿۳۱﴾
اور کہنے لگے: یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا ○ [2]

اَهُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ
کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ [3] ہم ہی نے اُن کی زندگانیٔ دنیا کی روزی اُن میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے کو ماتحت کرلے [4] جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اُس

بیان کرنے والا یا جن کی رسالت واضح اور ظاہر ہے، اس میں کوئی اشتباہ اور خفا نہیں۔

1 قرآن کو جادو قرار دے کر اس کا انکار کر دیا اور اگلے الفاظ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی تحقیر و تنقیص کی۔

2 دونوں بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مکے کا ولید بن مغیرہ اور طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے۔ بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں، تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب ہے جو پہلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل، کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو، یعنی قرآن اگر نازل ہوتا تو دونوں بستیوں میں سے کسی ایسی ہی شخصیت پر نازل ہوتا نہ کہ محمد (ﷺ) پر جن کا دامن دولت دنیا سے بھی خالی ہے اور اپنی قوم میں قیادت و سیادت کے منصب پر بھی فائز نہیں ہیں۔

3 رحمت سے یہاں سب سے بڑی نعمت ''نبوت'' مراد ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتیں بالخصوص نعمت نبوت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے، وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھنا ہے اور اپنی وحی و رسالت سے کس کو نوازنا ہے۔

4 یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے یہ فرق اس لیے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، اونچے منصب والا چھوٹے منصب داروں سے اور عقل و فہم میں حظ وافر رکھنے والا، اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے والے سے کام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ورنہ اگر سب مال میں، منصب میں، علم و فہم میں، عقل و شعور میں اور دیگر اسباب دنیا میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی طرح کم تر اور حقیر سمجھے جانے والے کام بھی کوئی نہ کرتا۔ یہ احتیاج انسانی ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرق و تفاوت کے اندر رکھ دی ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان بلکہ انسانوں کا محتاج ہے، تمام حاجات و ضروریات انسانی کوئی ایک شخص، چاہے وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو، دیگر انسانوں کی مدد حاصل کیے بغیر خود فراہم کر ہی نہیں سکتا۔

خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿32﴾
وَلَوۡ لَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿33﴾
وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿34﴾
وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿35﴾ ع 3/10/9
وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ

سے آپ کے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے ○ [1]
اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقے پر ہو جائیں [2] گے تو رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور زینوں کو (بھی) جن پر چڑھا کرتے ○
اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا لگا کر بیٹھتے ○
اور سونے کے بھی، [3] اور یہ سب کچھ یونہی سا دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک (صرف) پرہیزگاروں کے لیے (ہی) ہے ○ [4]
اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے [5] ہم اُس پر ایک

---

1 اس رحمت سے مراد آخرت کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

2 یعنی دنیا کے مال واسباب میں رغبت کرنے کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں گے اور رضائے الٰہی اور آخرت کی طلب سب فراموش کر دیں گے۔

3 یعنی بعض چیزیں چاندی کی اور بعض سونے کی کیونکہ تنوّع میں حسن زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا مال ہماری نظر میں اتنا بے وقعت ہے کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہوتا تو اللہ کے سب منکروں کو خوب دولت دی جاتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر سب لوگ ہی دنیا کے پرستار نہ بن جائیں۔ دنیا کی حقارت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ «لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَاللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ» (جامع الترمذي، حديث:2320، وسنن ابن ماجه، حديث:4110، و سلسلة الأحاديث الصحيحة: 299/2، حديث:686) ’’اگر دنیا کی اللہ کے ہاں اتنی حیثیت بھی ہوتی جتنی ایک مچھر کے پر کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔‘‘

4 جو شرک و معاصی سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کرتے رہے، ان کے لیے آخرت اور جنت کی نعمتیں ہیں جن کو زوال وفنا نہیں۔

5 عَشَا يَعْشُو کے معنی ہیں: رات کو نظر نہ آنا، رتوندھا ہونا اور جب اس کے صلے میں عَنْ آجائے تو پھر اس کا مطلب ہوتا ہے: اندھا بن جانا، اعراض کرنا، یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندھا ہو جائے۔

شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿36﴾
وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ
وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿37﴾
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ
بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ﴿38﴾
وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى
الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿39﴾
اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَمَنۡ
كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿40﴾
فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿41﴾

شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اُس کا ساتھی رہتا ہے ○ [1]
اور وہ انھیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں
رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں ○ [2]
یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا کہے گا:
کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی
دوری ہوتی (تُو) بڑا بُرا ساتھی ہے ○ [3]
اور جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے تو تمھیں آج ہرگز تم سب کا
عذاب میں شامل ہونا کوئی نفع نہ دے گا ○
کیا پس تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا
ہے اور اُسے جو کھلی گمراہی میں ہو ○ [4]
پس اگر ہم تجھے یہاں سے [5] لے بھی جائیں تو بھی ہم اُن

1 وہ شیطان اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے کا ساتھی بن جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور نیکیوں سے روکتا ہے۔ یا انسان خود اسی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں اسی کی پیروی اور اس کے تمام وسوسوں میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔

2 یعنی وہ شیطان ان کے حق کے راستے کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور اس سے انھیں روکتے ہیں اور انھیں برابر سمجھاتے رہتے ہیں کہ تم حق پر ہو، حتیٰ کہ وہ واقعی اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ یا کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں اور ان کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

3 ﴿الۡمَشۡرِقَيۡنِ﴾ (تثنیہ ہے) مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ ﴿فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ﴾ کا مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ہے: أَنۡتَ أَيُّهَا الشَّيۡطٰنُ ''اے شیطان! تو بہت برا ساتھی ہے۔'' یہ کافر قیامت والے دن کہے گا۔ لیکن اس دن اس اعتراف کا کیا فائدہ۔

4 یعنی جس کے لیے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے، وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرہ اور اندھا ہے، تیری دعوت و تبلیغ سے وہ راہ راست پر نہیں آ سکتا۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جس طرح بہرہ سننے سے، نابینا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے تاکہ ایسے لوگوں کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

5 یعنی تجھے موت آ جائے، قبل اس کے کہ ان پر عذاب آئے یا تجھے مکے سے نکال لے جائیں۔

سے بدلہ لینے والے ہیں ○ [1]

اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿42﴾

یا جو کچھ اُن سے وعدہ کیا ہے [2] وہ تجھے دکھا دیں ہم اُن پر بھی قدرت رکھتے ہیں ○ [3]

فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ‌ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿43﴾

پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اُسے مضبوط تھامے رہیں [4] بے شک آپ راہِ راست پر ہیں ○ [5]

وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ‌ۚ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿44﴾

اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ کی قوم [6] کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے ○

وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ

اور ہمارے اُن نبیوں سے پوچھو! جنھیں ہم [7] نے آپ

---

1 دنیا میں ہی اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی، بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔

2 یعنی تیری موت سے قبل ہی یا مکے میں ہی تیرے رہتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیں۔

3 یعنی ہم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر سکتے ہیں کیونکہ ہم ان پر قادر ہیں، چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

4 یعنی قرآن کریم کو، چاہے کوئی بھی اسے جھٹلاتا رہے۔

5 یہ ﴿ فَاسۡتَمۡسِكۡ ﴾ کے لیے بطور تعلیل ہے۔

6 اس تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے لیے نصیحت نہیں بلکہ اولین مخاطب چونکہ قریش تھے، اس لیے ان کا ذکر فرمایا ورنہ قرآن تو پورے جہان کے لیے نصیحت ہے۔ ﴿ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ ﴾ (القلم 52:68) ''اور وہ (قرآن) تمام جہان والوں کے لیے نصیحت کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' جیسے آپ کو حکم دیا گیا کہ ﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ○ ﴾ (الشعرآء 214:26) ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کا پیغام صرف رشتے داروں کو ہی پہنچانا ہے بلکہ مطلب ہے تبلیغ کی ابتدا اپنے ہی خاندان سے کریں بعض نے یہاں ذِکر بمعنی شرف لیا ہے، یعنی یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے شرف وعزت کا باعث ہے کہ یہ ان کی زبان میں اترا، اس کو وہ سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے سے وہ پوری دنیا پر فضل و برتری پا سکتے ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ اس کو اپنائیں اور اس کے مقتضا پر سب سے زیادہ عمل کریں۔

7 پیغمبروں سے یہ سوال یا تو اسراو معراج کے موقع پر بیت المقدس یا آسمان پر کیا گیا، جہاں انبیاء علیہم السلام سے نبی کریم ﷺ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یا اَتۡبَاعٌ کا لفظ محذوف ہے، یعنی ان کے پیروکاروں (اہل کتاب، یہود و نصاریٰ) سے پوچھو کیونکہ وہ ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں اور ان پر نازل شدہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں۔

ع 4/10 10

اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً یُّعۡبَدُوۡنَ ﴿45﴾

سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ○ [1]

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿46﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے اُمراء کے پاس بھیجا تو (موسیٰ نے جا کر) کہا کہ میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں ○ [2]

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا یَضۡحَكُوۡنَ ﴿47﴾

پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر اُن کے پاس آئے تو وہ بے ساختہ اُن پر ہنسنے لگے ○ [3]

وَمَا نُرِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِهَا ۫ وَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿48﴾

اور ہم اُنھیں جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی [4] اور ہم نے اُنھیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں ○ [5]

---

1 جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس ہر نبی کو دعوت توحید ہی کا حکم دیا گیا۔

2 قریش مکہ نے کہا تھا کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنا کر بھیجتا ہی تو مکے اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا جو صاحب مال و جاہ ہوتا، جیسے فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ ''میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا۔'' جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ غالباً اسی مشابہت احوال کی وجہ سے یہاں حضرت موسیٰ وفرعون کا قصہ دہرایا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی تسلی کا پہلو ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، انھوں نے صبر اور عزم سے کام لیا، اسی طرح آپ بھی کفار مکہ کی ایذاؤں اور ناروا رویوں سے دل برداشتہ نہ ہوں، صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بالآخر فتح و کامرانی آپ ہی کی ہے اور یہ اہل مکہ فرعون کی طرح ناکام ونامراد ہوں گے۔

3 یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت توحید دی تو انھوں نے ان کے رسول ہونے کی دلیل طلب کی جس پر انھوں نے وہ دلائل ومعجزات پیش کیے جو اللہ نے انھیں عطا فرمائے تھے۔ جنھیں دیکھ کر انھوں نے استہزا اور مذاق کیا اور کہا کہ یہ کون سی ایسی چیزیں ہیں۔ یہ تو جادو کے ذریعے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔

4 ان نشانیوں سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون وغیرہ کی شکل میں یکے بعد دیگرے انھیں دکھائی گئیں جن کا تذکرہ سورۂ اعراف 7:133-135 میں گزر چکا ہے۔ بعد میں آنے والی ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑھی چڑھی ہوتی، جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح سے واضح تر ہو جاتی۔

5 مقصد ان نشانیوں یا عذاب سے یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ تکذیب سے باز آ جائیں۔

وَقَالُوۡا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَکَ ۚ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿49﴾

اور اُنھوں نے کہا: اے جادوگر![1] ہمارے لیے اپنے رب سے اُس کی دعا کر جس کا اُس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے،[2] یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے ○[3]

فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ یَنۡکُثُوۡنَ ﴿50﴾

پھر جب ہم نے وہ عذاب اُن سے ہٹا لیا۔ اُنھوں نے اُسی وقت اپنا قول وقرار توڑ دیا ○

وَنَادٰی فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِهٖ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿51﴾

اور فرعون نے اپنی قوم میں مُنادی کرائی اور کہا:[4] اے میری قوم! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں؟ اور میرے (محلوں کے) نیچے یہ نہریں بہہ رہی ہیں،[5] کیا تم دیکھتے نہیں؟ ○

اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ۬ۙ وَّلَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ﴿52﴾

کیا میں بہتر نہیں ہوں بہ نسبت اُس کے جو بے توقیر ہے[6] اور صاف بول بھی نہیں سکتا ○[7]

---

1 حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے ﴿ السّٰحِرُ ﴾ کی تفسیر العالم ''صاحب علم'' سے کی ہے۔ کہتے ہیں اس زمانے میں جادو مذموم چیز نہیں تھی اور عالم فاضل شخص کو جادوگر کے لفظ سے ہی بطور تعظیم خطاب کیا جاتا تھا، اس لیے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کے لفظ سے مخاطب کیا۔ یہ الفاظ ان کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص وتوہین کے طور پر نہیں کہے گئے، کیونکہ اس حالت میں یہ لوگ ضرورت مند ومحتاج تھے اور اس حالت کے ہوتے ہوئے توہین نہیں کی جاتی۔ (ابن کثیر)

2 یعنی ہمارے ایمان لانے پر عذاب ٹالنے کا وعدہ۔

3 اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے اللہ کا سچا رسول مان لیں گے اور تیرے ہی رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن ہر دفعہ وہ اپنا یہ عہد توڑ دیتے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور سورۂ اعراف میں بھی گزرا۔

4 جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی نشانیاں پیش کر دیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں تو فرعون کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری قوم موسیٰ کی طرف مائل نہ ہو جائے، چنانچہ اس نے اپنی ہزیمت کے داغ کو چھپانے اور قوم کو مسلسل دھوکے اور فریب میں مبتلا رکھنے کے لیے یہ نئی چال چلی کہ اپنے اختیار واقتدار کے حوالے سے موسیٰ کی بے توقیری اور کمتری کو نمایاں کیا جائے تاکہ قوم میری سلطنت وسطوت سے ہی مرعوب رہے۔

5 اس سے مراد دریائے نیل یا اس کی بعض شاخیں ہیں جو اس کے محل کے نیچے سے گزرتی تھیں۔

6 ﴿ اَمۡ ﴾ اضراب کے لیے، یعنی بل (بلکہ) کے معنی میں ہے، بعض کے نزدیک استفهامیہ ہی ہے۔

7 یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں گزرا۔

فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡہِ اَسۡوِرَۃٌ مِّنۡ ذَہَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿53﴾

اچھا اُس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑے؟ [1] یا اُس کے ساتھ پرا باندھ کر فرشتے ہی آ جاتے ○ [2]

فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَہٗ فَاَطَاعُوۡہُ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿54﴾

پس اُس نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور اُنھوں نے اُس کی مان لی، [3] یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے ○

فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿55﴾ۙ

پھر جب اُنھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا ○

5 ع 11/11 فَجَعَلۡنٰہُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿56﴾ع

پس ہم نے اُنھیں گیا گزرا کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنا دی ○ [4]

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُکَ مِنۡہُ یَصِدُّوۡنَ ﴿57﴾

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اُس سے تیری قوم (خوشی سے) چیخنے لگی ہے ○

وَ قَالُوۡۤا ءَاٰلِہَتُنَا خَیۡرٌ اَمۡ ہُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ ہُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿58﴾

اور اُنھوں نے کہا کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ سے اُن کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے بلکہ یہ

---

1 اس دور میں مصر اور فارس کے بادشاہ اپنی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے سونے کے کڑے پہنتے تھے، اسی طرح قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کڑے اور گلے میں سونے کے طوق اور زنجیریں ڈال دی جاتی تھیں جو ان کی سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی اعتبار سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اگر اس کی کوئی حیثیت اور امتیازی شان ہوتی تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے ہونے چاہییے تھے۔

2 جو اس بات کی تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے یا بادشاہوں کی طرح اس کی شان کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہوتے۔

3 یعنی اِسۡتَخَفَّ عُقُوۡلَھُمۡ (ابن کثیر) ’’اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلکا کر دیا، یعنی انھیں بے وقوف بنایا۔‘‘ اور انھیں اپنی جہالت وضلالت پر قائم رہنے کی تاکید کی اور قوم اس کے پیچھے لگ گئی۔

4 ﴿اٰسَفُوۡنَا﴾ بمعنی أَسۡخَطُونَا یا أَغۡضَبُونَا ﴿سَلَفًا﴾ سَالِفٌ کی جمع ہے، جیسے خَدَمٌ، خَادِمٌ (نوکر) کی اور حَرَسٌ، حَارِسٌ (چوکیدار) کی جمع ہے۔ معنی جو اپنے وجود میں دوسرے سے پہلے ہو، یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنا دیا۔ کہ وہ اس طرح کفر وظلم اور علو وفساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تاکہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشر سے محفوظ رہیں۔

لوگ ہیں ہی جھگڑالو ○ [1]

اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡهِ وَ جَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿59﴾

عیسیٰ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے نشانِ (قدرت) بنایا ○ [2]

وَ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ ﴿60﴾

اور اگر ہم چاہتے تو تمھارے عوض فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے ○ [3]

---

1 شرک کی تردید اور جھوٹے معبودوں کی بے وقعتی کی وضاحت کے لیے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمھارے ساتھ تمھارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد وہ پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ جو اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انھیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کی بابت تو قرآن کریم نے ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 21:101) ”بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔“ کیونکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ ”ما“ ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے ﴿ اِنَّكُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ (الأنبیآء 21:98) ”یقیناً تم اور جن جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔“ اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہوگا، یعنی یہ تو ممکن ہے کہ دیگر مورتیوں کے ساتھ ان کی شکلوں کی بنائی ہوئی مورتیاں بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے لیکن یہ شخصیات تو بہر حال جہنم سے دور ہی رہیں گی۔ لیکن مشرکین نبی ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ حجتی اور مجادلہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابل مدح ہیں درآں حالیکہ عیسائیوں نے انھیں معبود بنایا ہوا ہے تو پھر ہمارے معبود کیوں برے؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے۔ اللہ نے یہاں فرمایا: ان کا خوشی سے چلانا ان کا جدل محض ہے۔ جدل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے کہ اس کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے لیکن محض اپنی بات کی پچ میں بحث و تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

2 ایک: اس اعتبار سے کہ بغیر باپ کے ان کی ولادت ہوئی، دوسرے: خود انھیں جو معجزات دیے گئے، احیائے موتی وغیرہ، اس لحاظ سے بھی۔

3 یعنی تمھیں ختم کر کے تمھاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے جو تمھاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کرتے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے یہ تو ہماری مشیت اور قضا ہے کہ فرشتوں کو آسمان پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿61﴾

اور یقیناً (عیسیٰ) قیامت کی علامت ہے،[1] پس تم (قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو، یہی سیدھی راہ ہے ○

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿62﴾

اور شیطان تمھیں روک نہ دے، یقیناً وہ تمھارا صریح دشمن ہے ○

وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوۡنِ ﴿63﴾

اور جب عیسیٰ معجزے لائے تو کہا کہ میں تمھارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو، اُنھیں واضح کر دُوں،[2] پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿64﴾

میرا اور تمھارا رب فقط اللہ ہی ہے، پس تم سب اُس کی عبادت کرو۔ راہ راست یہی ہے ○

فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴿65﴾

پھر (بنی اسرائیل کی) جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا،[3] پس ظالموں کے لیے خرابی ہے دُکھ والے دن

1 عِلۡمٌ بمعنی شرط (علامت) ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا جیسا کہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ یہ نزول اس بات کی علامت ہوگا کہ اب قیامت قریب ہے، اسی لیے بعض نے اسے عین اور لام کے زبر کے ساتھ عَلَمٌ پڑھا ہے، جس کے معنی ہی نشانی اور علامت کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک انھیں قیامت کی نشانی قرار دینا ان کی معجزانہ ولادت کی بنیاد پر ہے، یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کی یہ پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرما دے گا، اس لیے قدرت الٰہی کو دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ ﴿اِنَّهٗ﴾ میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

2 اس کے لیے دیکھیے آل عمران 3:50 کا حاشیہ۔

3 اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کی اور انھیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جبکہ عیسائیوں نے غلو سے کام لے کر انھیں معبود بنا لیا۔ یا مراد عیسائیوں ہی کے مختلف فرقے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ کوئی انھیں ابن اللہ، اور کوئی انھیں اللہ اور کوئی ثالث ثلاثہ (تین الٰہوں میں سے تیسرا) کہتے ہیں۔

کی آفت سے ○

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿66﴾

یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آپڑے، اور انھیں خبر بھی نہ ہو ○

اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿67﴾ ع 6/11/12

اُس دن (گہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیز گاروں کے ○ [1]

يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿68﴾

میرے بندو! آج تم پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ تم غمزدہ ہو گے ○ [2]

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿69﴾

جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ مسلمان ○

اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿70﴾

تم اور تمھاری بیویاں ہشاش بشاش جنت میں چلے جاؤ ○ [3]

يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّاَكۡوَابٍ ۚ وَفِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡيُنُ ۚ وَاَنۡتُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿71﴾

اُن کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا، [4] اُن کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے اُن کی آنکھیں لذت

---

1 کیونکہ کافروں کی دوستی کفر وفسق کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے اور یہی کفر وفسق ان کے عذاب کا باعث ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان وتقویٰ کی باہمی محبت، چونکہ دین اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی دین و ایمان خیر وثواب کا باعث ہے۔ ان سے ان کی دوستی میں کوئی انقطاع نہیں ہوگا۔ وہ اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح دنیا میں تھی۔

2 یہ قیامت والے دن ان متقین کو کہا جائے گا جو دنیا میں صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ بلکہ اللہ کے لیے بغض اور اللہ کے لیے محبت کو کمال ایمان کی بنیاد بتلایا گیا ہے۔

3 ﴿ اَزۡوَاجُكُمۡ ﴾ سے بعض نے مومن بیویاں، بعض نے مومن ساتھی اور بعض نے جنت میں ملنے والی حورعین بیویاں مراد لی ہیں۔ یہ سارے ہی مفہوم صحیح ہیں کیونکہ جنت میں یہ سب کچھ ہی ہوگا۔ ﴿ تُحۡبَرُوۡنَ ﴾ وہ فرحت و مسرت جو انھیں جنت کی نعمت وعزت کی وجہ سے ہوگی۔

4 صِحَافٌ صَحۡفَةٌ کی جمع ہے۔ رکابی۔ سب سے بڑے برتن کو جَفۡنَةٌ کہا جاتا ہے، اس سے چھوٹا قَصۡعَةٌ (جس سے دس آدمی شکم سیر ہو جاتے ہیں)، پھر صَحۡفَةٌ (قَصۡعَةٌ سے نصف)، پھر مَكِيۡلَةٌ ہے۔ مطلب ہے کہ اہل جنت کو جو کھانے ملیں گے، وہ سونے کی رکابیوں میں ہوں گے۔ (فتح القدیر)

وَتِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِيۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿72﴾

یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اُس کے وارث بنائے گئے ہو ○

لَـكُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِيۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿73﴾

یہاں تمھارے لیے بکثرت میوے ہیں جنھیں تم کھاتے رہو گے ○

اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ۖ ﴿74﴾

بے شک گناہ گار لوگ عذابِ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ○

لَا يُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَهُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ۚ ﴿75﴾

یہ عذاب کبھی بھی اُن سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اُسی میں مایوس پڑے رہیں گے ○ [2]

وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿76﴾

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے ○

وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ ‌ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ﴿77﴾

اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! [3] تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے، [4] وہ کہے گا کہ تمھیں تو (ہمیشہ) رہنا ہے ○ [5]

لَقَدۡ جِئۡنٰكُمۡ بِالۡحَـقِّ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَـقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿78﴾

ہم تو تمھارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق [6] سے نفرت رکھنے والے تھے؟ ○

---

1 یعنی جس طرح ایک وارث میراث کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح جنت بھی ایک میراث ہے جس کے وارث وہ ہوں گے جنھوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی۔

2 یعنی نجات سے مایوس۔

3 مَالِكٌ داروغہ جہنم کا نام ہے۔

4 یعنی ہمیں موت ہی دے دے تاکہ عذاب سے جان چھوٹ جائے۔

5 یعنی وہاں موت کہاں؟ لیکن یہ عذاب کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگی، تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوگا۔

6 یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا فرشتوں کا۔ پہلی بات زیادہ راجح ہے۔ اکثر سے مراد کل ہے، یعنی سارے ہی جہنمی یا پھر اکثر سے مراد رؤساء اور لیڈر ہیں۔ باقی جہنمی ان کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہوں گے۔ حق سے مراد اللہ کا وہ دین اور پیغام ہے جو وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ارسال کرتا رہا۔ آخری حق قرآن اور دین اسلام ہے۔

اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ ﴿79﴾

کیا اُنھوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں[1] ○

اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَ نَجۡوٰىهُمۡ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿80﴾

کیا اُن کا یہ خیال ہے کہ ہم اُن کی پوشیدہ باتوں کو اور اُن کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، (یقیناً ہم برابر سن رہے ہیں)[2] بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے اُن کے پاس ہی لکھ رہے ہیں ○[3]

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖۗ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ﴿81﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اگر بالفرض رحمٰن کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا ○[4]

سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿82﴾

آسمان و زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اُس سے (بہت) پاک ہے ○[5]

فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَ يَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿83﴾

اب آپ اُنھیں اسی بحث مباحثے اور کھیل کود میں چھوڑ دیجیے،[6] یہاں تک کہ اُنھیں اُس دن سے سابقہ پڑ جائے

---

1 اِبۡرَامٌ کے معنی ہیں: اِتقان و اِحکام۔ پختہ اور مضبوط کرنا۔ ﴿اَمۡ﴾ اِضۡراب کے لیے ہے بَلۡ کے معنی میں، یعنی ان جہنمیوں نے حق کو ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ یہ اس کے خلاف منظّم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے۔ جس کے مقابلے میں پھر ہم نے بھی اپنی تدبیر کی اور ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہوسکتی ہے؟ اس کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ﴿اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ الۡمَكِيۡدُوۡنَ ○﴾ (الطور 52:42) ''کیا یہ لوگ فریب کرنا چاہتے ہیں۔ تو یقین کرلیں کہ فریب خوردہ خود کافر ہی ہیں۔''

2 یعنی جو پوشیدہ باتیں وہ اپنے نفسوں میں چھپائے پھرتے ہیں یا خلوت میں آہستگی سے کرتے ہیں یا آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم وہ نہیں سنتے؟ مطلب ہے ہم سب سنتے اور جانتے ہیں۔

3 یعنی یقیناً سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے الگ ان کی ساری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

4 کیونکہ میں اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہوں۔ اگر واقعی اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ مطلب مشرکین کے عقیدے کا ابطال اور رد ہے جو اللہ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔

5 یہ اللہ کا کلام ہے جس میں اس نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے یا رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور آپ نے بھی اللہ کے حکم سے اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ و تقدیس بیان کی جس کا انتساب مشرکین اللہ کی طرف کرتے تھے۔

6 یعنی اگر یہ ہدایت کا راستہ نہیں اپناتے تو اب انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیں اور دنیا کے کھیل کود میں لگا رہنے دیں۔ یہ تہدید و تنبیہ ہے۔

جس کا یہ وعدہ دیے جاتے ہیں ○ [1]

وَهُوَ الَّذِيۡ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡعَلِيۡمُ ﴿84﴾

وہی آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی وہی قابلِ عبادت ہے [2] اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے ○

وَتَبٰرَكَ الَّذِيۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۚ وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿85﴾

اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی بادشاہت ہے، [3] اور قیامت کا علم بھی اُسی کے پاس ہے [4] اور اُسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے ○ [5]

وَلَا يَمۡلِكُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿86﴾

جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، [6] ہاں (مستحق شفاعت وہ ہیں) جو حق بات کا اقرار کریں اور اُنھیں علم بھی ہو ○ [7]

---

1 ان کی آنکھیں اسی دن کھلیں گی جب ان کے اس رویے کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔

2 یہ نہیں ہے کہ آسمانوں کا معبود کوئی اور ہو اور زمین کا کوئی اور۔ بلکہ جس طرح ان دونوں کا خالق ایک ہے، معبود بھی ایک ہی ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الۡاَرۡضِ ؕ يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُوۡنَ ○﴾ (الأنعام 6:3) ''آسمان وزمین میں وہی اللہ ہے، وہ تمھاری پوشیدہ اور جہری باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ بھی اس کے علم میں ہے۔''

3 ایسی ذات کو جس کے پاس سارے اختیارات اور زمین وآسمان کی بادشاہت ہو، اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟

4 جس کو وہ اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

5 جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا وسزا دے گا۔

6 یعنی دنیا میں جن بتوں، پیروں وغیرہ کی یہ عبادت کرتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ ان معبودوں کو شفاعت کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

7 حق بات سے مراد کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہ اقرار بھی علم وبصیرت کی بنیاد پر ہو، یعنی زبان سے کلمہ توحید ادا کرنے والے کو پتہ ہو کہ اس میں صرف ایک اللہ کا اثبات اور دیگر تمام معبودوں کی نفی ہے، پھر دل سے اسے قبول کرے اور اسی کے مطابق اس کا عمل ہو۔ ایسے لوگوں کے حق میں اہل شفاعت کی شفاعت مفید ہوگی۔ یا مطلب ہے کہ شفاعت کرنے کا حق صرف ایسے لوگوں کو ملے گا جو حق کا اقرار کرنے والے ہوں گے، یعنی انبیاء وصالحین اور فرشتے نہ کہ معبودانِ باطل کو جنھیں مشرکین اپنا شفاعت کنندہ خیال کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿87﴾

اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ اُنھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں؟ ○

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ وقف لازم

اور اس کا (پیغمبر کا اکثر) یہ کہنا کہ[1] اے میرے رب! یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ ○

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿89﴾ ع 7 22 13

پس آپ اُن سے منہ پھیر لیں اور (رخصتانہ) سلام کہہ دیں۔[2] اُنھیں عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا ○

اٰیاتُھَا: 59 (44) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (64) رُکُوعَاتُھَا: 3

سورۂ دخان مکی ہے، اس میں 59 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾

حٰمٓ ○

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿2﴾

قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی! ○

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا

یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات[3] میں اتارا ہے بے شک

---

1 ﴿ وَقِيْلِهٖ ﴾ میں واو قسمیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ کے اس قول: ''بے شک یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔'' کی قسم کہ کافروں کے مقابلہ میں ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ بعض مفسرین نے واو عاطفہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا عطف ﴿ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ میں ﴿ السَّاعَةِ ﴾ پر ہے، یعنی وَعِلْمُ قِيلِهٖ اللہ کے پاس ہی قیامت اور اپنے پیغمبر کے شکوے کا علم ہے۔

2 یہ سَلَامِ مُتَارَکہ ہے، جیسے ﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ ﴾ (القصص 28:55) ''تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں سے (الجھنا) نہیں چاہتے۔'' اور ﴿ قَالُوْا سَلٰمًا ○ ﴾ (الفرقان 25:63) میں ہے، یعنی دین کے معاملے میں میری اور تمھاری راہ الگ الگ ہے، تم اگر باز نہیں آتے تو اپنا عمل کیے جاؤ، میں اپنا کام کیے جا رہا ہوں، عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

3 لیلةٌ مُبارکةٌ بابرکت رات سے مراد شب قدر ﴿ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴾ ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے ﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ (القدر 97:1) ''ہم نے یہ قرآن شب قدر میں نازل فرمایا۔'' یہ شب قدر رمضان کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں سے ہی کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ دیکھیے: صحیح البخاري، حدیث: 2020 اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ (البقرة 2:185) ''رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا۔'' یہاں اس سورت میں قدر کی اس رات کو بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بابرکت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک تو اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے: اس میں فرشتوں اور روح کا نزول ہوتا ہے۔ تیسرے: اس

مُنۡذِرِیۡنَ ③

ہم ڈرانے والے ہیں ○ [1]

فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ④

اُسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ○ [2]

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ⑤

ہمارے پاس سے حکم ہو کر، [3] ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے ○

رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ⑥

آپ کے رب کی مہربانی سے۔ [4] وہ ہی ہے سننے والا جاننے والا ○

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ⑦ وقف لازم

جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو ○

میں سارے سال میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) چوتھے: اس رات کی عبادت ہزار مہینے (83 سال 4 ماہ) کی عبادت سے بہتر ہے شب قدر یا لیلۂ مبارکہ میں قرآن کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات سے نبی ﷺ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوا، یعنی پہلے پہل اسی رات آپ پر قرآن نازل ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے اسی رات قرآن بیت العزت میں اتارا گیا جو آسمان دنیا پر ہے، پھر وہاں سے حسب ضرورت و مصلحت 23 سالوں تک مختلف اوقات میں نبی ﷺ پر اترتا رہا۔ بعض لوگوں نے لیلۂ مبارکہ سے شعبان کی پندرھویں رات مراد لی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جب قرآن کی نص صریح سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے تو اس سے شعبان کی پندرھویں رات، جسے لوگوں نے شب براءت کا نام دیا ہے، مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں شعبان کی پندرھویں رات کی بابت جتنی بھی ایسی روایات آتی ہیں جن میں اسے فیصلے کی رات کہا گیا ہے تو یہ سب روایات ضعیف ہیں جن سے قرآن کی اس نص صریح کا مفہوم کس طرح تبدیل کیا جا سکتا ہے؟

1 یعنی نزول قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع و ضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔

2 ﴿یُفۡرَقُ﴾ یُفَصَّلُ وَ یُبَیَّنُ فیصلہ کر دیا جاتا اور ملائکہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ ﴿حَکِیۡمٍ﴾ بمعنی پُر حکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی باحکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُحۡکَمٌ (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر و تبدیلی کا امکان نہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت و حیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ (ابن کثیر)

3 یعنی سارے فیصلے ہمارے حکم و اذن اور ہماری تقدیر و مشیت سے ہوتے ہیں۔

4 یعنی اِنزال کتب کے ساتھ اِرۡسَال رُسُل (رسولوں کا بھیجنا) یہ بھی ہماری رحمت ہی کا ایک حصہ ہے تاکہ وہ ہماری نازل کردہ کتابوں کو کھول کر بیان کریں اور ہمارے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس طرح مادی ضرورتوں کی فراہمی کے ساتھ ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا بھی سامان مہیا کر دیا۔

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ⑧
اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہی تمھارا رب ہے اور تمھارے اگلے باپ دادا کا ○ [1]

بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ یَّلۡعَبُوۡنَ ⑨
بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں ○ [2]

فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۙ⑩
آپ اُس دن کے منتظر رہیں جب کہ آسمان ظاہر دُھواں لائے گا ○ [3]

یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ ہٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ⑪
جو لوگوں کو گھیر لے گا، یہ دردناک عذاب ہے ○

رَبَّنَا اکۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ⑫
کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں ○ [4]

اَنّٰی لَہُمُ الذِّکۡرٰی وَ قَدۡ جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ
اُن کے لیے نصیحت کہاں ہے؟ حالانکہ کھول کھول کر

---

1 یہ آیات بھی سورۂ اعراف کی آیت کی طرح ہیں: ﴿قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَا الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ﴾ (الأعراف 158:7)

2 یعنی حق اور اس کے دلائل ان کے سامنے آ گئے۔ لیکن وہ اس پر ایمان لانے کی بجائے شک میں مبتلا ہیں اور اس شک کے ساتھ استہزا اور کھیل کود میں پڑے ہیں۔

3 یہ ان کفار کے لیے تہدید ہے کہ اچھا آپ اس دن کا انتظار فرمائیں جبکہ آسمان پر دھویں کا ظہور ہوگا۔ اس کے سبب نزول میں بتلایا گیا ہے کہ اہل مکہ کے معاندانہ رویے سے تنگ آ کر نبی ﷺ نے ان کے لیے قحط سالی کی بددعا فرمائی، جس کے نتیجے میں ان پر قحط کا عذاب نازل کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ ہڈیاں، کھالیں اور مردار وغیرہ تک کھانے پر مجبور ہو گئے، آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انھیں دھواں سا نظر آتا۔ بالآخر تنگ آ کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب ٹلنے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا لیکن یہ کیفیت دور ہوتے ہی ان کا کفر و عناد پھر اسی طرح عود کر آیا، چنانچہ پھر جنگ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4822) بعض کہتے ہیں کہ قُربِ قیامت کی دس بڑی بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن بہت کم۔ آیت میں اسی دھویں کا ذکر ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی جبکہ پہلی تفسیر کی رو سے یہ ظاہر ہو چکی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اس کی شان نزول کے اعتبار سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے، تاہم علامات قیامت میں بھی اس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، اس لیے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے، اس وقت بھی اس کا ظہور ہوگا۔

4 پہلی تفسیر کی رو سے یہ کفار مکہ نے کہا اور دوسری تفسیر کی رو سے قیامت کے قریب کافر کہیں گے۔

مُّبِیۡنٌ ۙ﴿13﴾
ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَ قَالُوۡا مُعَلَّمٌ
مَّجۡنُوۡنٌ ۘ﴿14﴾ وقف لازم
اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّكُمۡ
عَآئِدُوۡنَ ۘ﴿15﴾
یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰی ۚ اِنَّا
مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿16﴾
وَ لَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ
وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِیۡمٌ ۙ﴿17﴾
اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیۡ لَكُمۡ
رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ﴿18﴾
وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡكُمۡ
بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۚ﴿19﴾
وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّكُمۡ اَنۡ

بیان کرنے والے پیغمبر اُن کے پاس آ چکے ○
پھر بھی انھوں نے اُن سے منہ پھیرا اور کہہ دیا کہ سکھایا
پڑھایا ہوا دیوانہ ہے ○
ہم عذاب کو تھوڑا سا دُور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اُسی
حالت پر آ جاؤ گے ○
جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے،[1] بالیقین ہم بدلہ
لینے والے ہیں ○
یقیناً اُن سے پہلے ہم قومِ فرعون کو (بھی) آزما چکے
ہیں[2] جن کے پاس (اللہ کا) باعزت رسول آیا ○
کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو،[3] یقین مانو کہ
میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں ○[4]
اور تم اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو،[5] میں تمھارے پاس
کھلی دلیل لانے والا ہوں ○[6]
اور میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس

---

1 اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہوگی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی کیونکہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا، تاہم وہ گرفت عام ہوگی، ہر نافرمان اس میں شامل ہوگا۔

2 آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انھیں دنیوی خوشی، خوشحالی و فراغت سے نوازا اور پھر اپنا جلیل القدر پیغمبر بھی ان کی طرف بھیجا لیکن انھوں نے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا نہ پیغمبر پر ایمان لائے۔

3 ﴿عِبَادَ اللّٰهِ﴾ سے مراد یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہے جسے فرعون نے غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

4 اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہوں۔

5 یعنی اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اللہ کے سامنے اپنی بڑائی اور سرکشی کا اظہار نہ کرو۔

6 یہ ماقبل کے لیے تعلیل ہے کہ میں ایسی حجت وَاضحہ ساتھ لایا ہوں جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

تَرۡجُمُوۡنِ ﴿20﴾
وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿21﴾
فَدَعَا رَبَّہٗۤ اَنَّ ہٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿22﴾
فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿23﴾
وَ اتۡرُکِ الۡبَحۡرَ رَہۡوًا ؕ اِنَّہُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿24﴾
کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿25﴾
وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿26﴾
وَّ نَعۡمَۃٍ کَانُوۡا فِیۡہَا فٰکِہِیۡنَ ﴿27﴾

سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو ○ [1]
اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو ○ [2]
پھر اُنھوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ سب گناہ گار لوگ ہیں ○ [3]
(ہم نے کہہ دیا) کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل، یقیناً تمھارا [4] پیچھا کیا جائے گا ○
تُو دریا کو ساکن چھوڑ کر چلا جا، [5] بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا ○
وہ کتنے ہی باغات [6] اور چشمے چھوڑ گئے ○
اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے ○
اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے ○

1 اس دعوت و تبلیغ کے جواب میں فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی، جس پر انھوں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔

2 یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ لیکن مجھے قتل کرنے کی یا اذیت پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔

3 یعنی جب انھوں نے دیکھا کہ دعوت کا اثر قبول کرنے کی بجائے اس کا کفر و عناد اور بڑھ گیا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔

4 چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انھیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو! گھبرانا نہیں، تمھارا پیچھا بھی ہوگا۔

5 ﴿رَہۡوًا﴾ بمعنی ساکن یا خشک۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لاٹھی مارنے سے دریا معجزانہ طور پر ساکن یا خشک ہو جائے گا اور اس میں راستہ بن جائے گا، تم دریا پار کرنے کے بعد اسے اسی حالت میں چھوڑ دینا تاکہ فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا کو پار کرنے کی غرض سے اس میں داخل ہو جائے اور ہم اسے وہیں غرق کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

6 ﴿کَمۡ﴾ خبریہ ہے جو تکثیر کا فائدہ دیتا ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی، عالی شان مکانات اور خوش حالی کے آثار تھے۔ سب کچھ یہیں دنیا میں ہی رہ گیا اور عبرت کے لیے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

كَذٰلِكَ ۟ وَ اَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ﴿28﴾

اسی طرح ہوگیا [1] اور ہم نے اُن سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا ○ [2]

فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ
ع 1 وَمَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ ﴿29﴾ 14

سو اُن پر نہ تو آسمان و زمین [3] روئے اور نہ اُنھیں مہلت ملی ○

وَلَقَدۡ نَجَّيۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ﴿30﴾

اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات دی ○

مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿31﴾

یعنی فرعون کے (ظلم وستم) سے فی الواقع وہ سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا ○

وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰى عِلۡمٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿32﴾

اور ہم نے دانستہ طور پر انھیں (بنی اسرائیل کو) دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ○ [4]

وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰيٰتِ مَا فِيۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيۡنٌ ﴿33﴾

اور ہم نے اُنھیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی ○ [5]

---

1 یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔

2 بعض کے نزدیک اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔انھی بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت مصر آ گئی یا یہ کہ داود و سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر آئے۔

3 مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین میں سے کوئی بھی ان کی ہلاکت پر رونے والا نہیں تھا۔(فتح القدیر)

4 اس جہان سے مراد بنی اسرائیل کے زمانے کا جہان ہے۔علی الاطلاق کل جہان نہیں ہے کیونکہ قرآن میں امت محمدیہ کو ﴿كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ﴾ (آل عمران3:110) ''تم بہترین امت ہو۔'' کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے، یعنی بنی اسرائیل اپنے زمانے میں دنیا جہاں والوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ان کی یہ فضیلت اس استحقاق کی وجہ سے تھی جس کا علم اللہ کو ہے۔

5 آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسٰی علیہ السلام کو دیے گئے تھے،ان میں آزمائش کا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں؟ یا پھر آیات سے مراد وہ احسانات ہیں جو اللہ نے ان پر فرمائے، مثلاً: فرعونیوں کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لیے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ اور منّ وسلوٰی کا نزول وغیرہ۔ اس میں آزمائش یہ ہے کہ ان احسانات کے بدلے میں یہ قوم اللہ کی فرماں برداری کا راستہ اختیار کرتی ہے یا اس کی ناشکری کرتے ہوئے اس کی بغاوت اور سرکشی کا راستہ اپناتی ہے۔

اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿34﴾
اِنۡ هِىَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِيۡنَ ﴿35﴾
فَاۡتُوۡا بِاٰبَآٮِٕنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿36﴾
اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿37﴾

یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں ○ [1]
کہ (آخری چیز) یہی ہمارا پہلی بار (دنیا سے) مرجانا ہے اور ہم [2] دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے ○
اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ ○ [3]
کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبَّع کی قوم کے لوگ اور جو اُن سے بھی پہلے تھے۔ ہم نے اُن سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گناہ گار تھے ○ [4]

1 یہ اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے، اس لیے کہ سلسلۂ کلام ان ہی سے متعلق ہے۔ درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بھی ان کی طرح کفر پر اصرار کیا تھا، دیکھ لو، اس کا کیا حشر ہوا۔ اگر یہ بھی اپنے کفر و شرک پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

2 یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب ہونا ممکن نہیں ہے۔

3 یہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمھارا یہ عقیدہ واقعی صحیح ہے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔ یہ ان کا جدل اور کٹ حجتی تھی کیونکہ دوبارہ زندہ کرنے کا عقیدہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا میں زندہ ہو جانا یا کر دینا۔

4 یعنی یہ کفار مکہ کیا تُبَّع اور ان سے پہلے کی قومیں، عاد و ثمود وغیرہ سے زیادہ طاقت ور اور بہتر ہیں؟ جب ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی پاداش میں، ان سے زیادہ قوت و طاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تُبَّع سے مراد قوم سبا ہے۔ سبا میں حمیر قبیلہ تھا، یہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، مصر کے حکمران کو فرعون اور حبشہ کے فرماں روا کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تبابعہ میں سے بعض تبع کو بڑا عروج حاصل ہوا حتیٰ کہ بعض مؤرخین نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچ گیا، اس طرح اور بھی کئی عظیم بادشاہ اس قوم میں گزرے اور اپنے وقت کی یہ ایک عظیم ترین قوم تھی جو قوت و طاقت، شوکت و حشمت اور فراغت و خوشحالی میں ممتاز تھی۔ لیکن جب اس قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی تو اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ سبا کی متعلقہ آیات) حدیث میں ایک تبع کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اسے سب و شتم نہ کرو۔ (مجمع الزوائد: 145/8، وصحيح الجامع للألباني: 1223/2) تاہم ان کی اکثریت نافرمانوں کی ہی رہی ہے جس کی وجہ سے ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا
بَیۡنَهُمَا لٰعِبِیۡنَ ﴿38﴾
مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ
لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿39﴾
اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِیۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿40﴾
یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡئًا
وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿41﴾
اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِیۡزُ
الرَّحِیۡمُ ﴿42﴾ ع 2 13 15
اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿43﴾
طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ﴿44﴾
کَالۡمُهۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ﴿45﴾
کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿46﴾
خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿47﴾

ہم نے زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا ○ [1]

بلکہ ہم نے اُنھیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے [2] لیکن اُن میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ [3]

یقیناً فیصلے کا دن اُن سب کا طے شدہ وقت ہے ○ [4]

اُس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اُن کی امداد کی جائے گی ○ [5]

مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے، وہ بڑا زبردست اور رحم کرنے والا ہے ○

بے شک تھوہر کا درخت ○

گناہ گار کا کھانا ہے ○

جو مثل تلچھٹ [6] کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے ○

جیسے سخت گرم پانی کھولتا ہے ○ [7]

اسے پکڑلو پھر گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ تک لے

1 یہی مضمون اس سے قبل سورۂ حجر 85:10، سورۂ مؤمنون 116,115:23، سورۂ ص 27:28 وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے۔

2 وہ مقصد یا درست تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کی آزمائش کی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دی جائے۔

3 یعنی وہ اس مقصد سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اسی لیے آخرت کی تیاری سے لاپروا اور دنیا میں منہمک ہیں۔

4 یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔

5 جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَهُمۡ﴾ (المؤمنون 101:23) ''پس جب صور پھونک دیا جائے گا تو ان کے درمیان رشتے ہی نہ رہیں گے۔'' ﴿وَلَا یَسۡـَٔلُ حَمِیۡمٌ حَمِیۡمًا ○﴾ (المعارج 10:70) ''اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہیں پوچھے گا۔''

6 مُهۡل پگھلا ہوا تانبہ، آگ میں پگھلی ہوئی چیز یا تلچھٹ (دُردِیّۃ جام) تیل وغیرہ کے آخر میں جو گدلی سی مٹی کی تہ رہ جاتی ہے۔

7 وہ زقوم کی خوراک کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گی۔

جاؤ ○ [1]

ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ﴿48﴾
پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ ○

ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡكَرِیۡمُ ﴿49﴾
(اُس سے کہا جائے گا) چکھتا جا تُو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا ○ [2]

اِنَّ هٰذَا مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿50﴾
یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے ○

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ۙ﴿51﴾
بے شک (اللہ سے) ڈرنے والے، امن و چین کی جگہ میں ہوں گے ○

فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ۚۙ﴿52﴾
باغوں اور چشموں میں ○

یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ۚۙ﴿53﴾
باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ○ [3]

كَذٰلِكَ ۟ وَ زَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿54﴾ؕ
یہ اسی طرح ہے [4] اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اُن کا نکاح کر دیں گے ○ [5]

یَدۡعُوۡنَ فِیۡهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿55﴾ۙ
دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میووں کی فرمائشیں

---

1 یہ جہنم پر مقرر فرشتوں سے کہا جائے گا۔ ﴿سَوَآءِ﴾ بمعنی وسط (درمیان)۔

2 یعنی دنیا میں اپنے طور پر تو بڑا ذی عزت اور صاحب اکرام بنا پھرتا تھا اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

3 اہل کفر وفسق کے مقابلے میں اہل ایمان وتقویٰ کا مقام بیان کیا جا رہا ہے۔ جنھوں نے اپنا دامن کفر وفسق اور معاصی سے بچائے رکھا تھا۔ ﴿اَمِیۡنٍ﴾ کا مطلب ایسی جگہ جہاں ہر قسم کے خوف اور اندیشوں سے وہ محفوظ ہوں گے۔

4 یعنی متقین کے ساتھ یقیناً ایسا ہی معاملہ ہوگا۔

5 حُورٌ حَورَآءُ کی جمع ہے۔ یہ حَورٌ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ آنکھ کی سفیدی انتہائی سفید اور سیاہی انتہائی سیاہ ہو اور اس وجہ سے ان کو حُورٌ کہا جاتا ہے کہ آنکھیں اسی وصف سے متصف ہوں گی۔ یا انھیں حُورٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نظریں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی ﴿عِیۡنٍ﴾ عَینَآءُ کی جمع ہے، کشادہ چشم، جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ ہر جنتی کو کم از کم دو بیویاں ضرور ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ جنتی چاہے اس کو حوریں دے گا جو حسن و جمال کے اعتبار سے چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہوں گی، البتہ ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، جسے صحیح کہا گیا ہے کہ شہید کو خصوصی طور پر 72 حوریں ملیں گی۔ (جامع الترمذي، حديث:1663)

کرتے ہوں گے ○ [1]

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿56﴾

وہاں وہ موت (کا ذائقہ) نہیں چکھیں گے۔ [2] ہاں پہلی موت (جو وہ مر چکے)، اور اُنھیں اللہ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا ○

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿57﴾

یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے، [3] یہی ہے بڑی کامیابی ○

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾

ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿59﴾ ع 3/17/16

اب تو منتظر رہ یہ بھی منتظر ہیں ○ [4]

اٰيَاتُهَا 37 (45) سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (65) رُكُوْعَاتُهَا 4

سورۂ جاثیہ مکی ہے، اس میں 37 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾

حٰمٓ ○

---

1 ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ (بے خوفی کے ساتھ) کا مطلب ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہوگا نہ ان کے کھانے سے بیماری وغیرہ کا خوف۔ یا موت، تھکاوٹ اور شیطان کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔

2 یعنی دنیا میں انھیں جو موت آئی تھی، اس موت کے بعد انھیں موت کا مزہ نہیں چکھنا پڑے گا، جیسے حدیث میں آتا ہے ''کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لا کر دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا، اے جنتیو! تمھارے لیے جنت کی زندگی دائمی ہے، اب تمھارے لیے موت نہیں۔ اور اے جہنمیو! تمھارے لیے جہنم کا عذاب دائمی ہے، موت نہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث:4730، و صحيح مسلم، حديث:2849) دوسری حدیث میں فرمایا: ''اے جنتیو! تمھارا مقدر اب صحت وقوت ہے، تم کبھی بیمار نہیں ہوگے۔ تمھارے لیے اب زندگی ہی زندگی ہے، موت نہیں۔ تمھارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، ان میں کمی نہیں ہوگی اور سدا جوان رہو گے، کبھی بڑھاپا طاری نہیں ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث:6548، وصحيح مسلم، حديث:2837 واللفظ له)

3 جس طرح حدیث میں بھی ہے۔ فرمایا: ''یہ بات جان لو! تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی۔ فرمایا: ''ہاں، مجھے بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں ڈھانپ لے۔'' (صحيح البخاري، حديث:6463، و صحيح مسلم، حديث:2818)

4 تو عذاب الٰہی کا انتظار کر، اگر یہ ایمان نہ لائے۔ یہ منتظر ہیں اس بات کے کہ اسلام کے غلبہ ونفوذ سے قبل ہی شاید

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ②

یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے ○

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ③

آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَ فِیۡ خَلۡقِكُمۡ وَمَا يَبُثُّ مِنۡ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ④

اور خود تمھاری پیدائش میں اور جانوروں کے پھیلانے میں یقین رکھنے والی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَ اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَ النَّهَارِ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ تَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ⑤

اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے،[1] (اس میں) اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں ○[2]

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ⑥

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنھیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، پس اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے ○[3]

آپ موت سے ہمکنار ہو جائیں۔

1 آسمان وزمین، انسانی تخلیق، جانوروں کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے اور آسمانی بارش کے ذریعے سے مردہ زمین میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا وغیرہ، آفاق واَنفُس میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر دال ہیں۔

2 یعنی کبھی ہوا کا رخ شمال وجنوب کو، کبھی پورب وپچھم (مشرق ومغرب) کو ہوتا ہے، کبھی بحری ہوائیں اور کبھی بری ہوائیں، کبھی رات کو، کبھی دن کو، بعض ہوائیں بارش خیز، بعض نتیجہ خیز، بعض ہوائیں روح کی غذا اور بعض سب کچھ جھلسا دینے والی اور محض گرد وغبار کا طوفان۔ ہواؤں کی اتنی قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات کا کوئی چلانے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ دو یا دو سے زائد نہیں۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ایک ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سارا اور ہر قسم کا تصرف صرف وہی کرتا ہے، کسی اور کے پاس ادنیٰ سا تصرف کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اسی مفہوم کی آیت سورۂ بقرہ 2:164 بھی ہے۔

3 یعنی اللہ کا نازل کردہ قرآن جس میں اس کی توحید کے دلائل و براہین ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی بات کے بعد کس کی بات ہے اور اس کی نشانیوں کے بعد کون سی نشانیاں ہیں، جن پر یہ ایمان لائیں گے؟ ﴿بَعۡدَ اللّٰهِ﴾ کا مطلب ہے، بَعْدَ حَدِيْثِ اللهِ وَ بَعْدَ اٰيَاتِهٖ ''اللہ کی بات اور اُس کی نشانیوں کے بعد'' یہاں

وَیۡلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیۡمٍ ﴿7﴾
یَّسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰی عَلَیۡهِ ثُمَّ یُصِرُّ
مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡهَا ۚ فَبَشِّرۡهُ
بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿8﴾
وَ اِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡـًٔا اتَّخَذَهَا
هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿9﴾
مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ وَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡهُمۡ
مَّا كَسَبُوۡا شَیۡـًٔا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ
اللّٰهِ اَوۡلِیَآءَ ۚ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿10﴾
هٰذَا هُدًی ۚ وَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ

"ویل" اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گناہ گار پر[1] ○
جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی
غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سُنی ہی نہیں[2] تو
ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجیے ○
وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے
تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے،[3] یہی لوگ ہیں جن کے لیے
رُسوائی کی مار ہے ○
اُن کے پیچھے دوزخ ہے،[4] جو کچھ اُنھوں نے حاصل کیا
تھا وہ اُنھیں کچھ بھی نفع نہ[5] دے گا اور نہ وہ (کچھ کام
آئیں گے) جن کو اُنھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا
تھا،[6] اُن کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے ○
یہ ہدایت ہے[7] اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو

قرآن پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ﴾ (الزمر39:23) میں ہے۔"اللہ نے سب سے بہتر حدیث (بات) نازل فرمائی۔"

1 ﴿اَفَّاكٍ﴾ بمعنی کَذّاب، ﴿اَثِیۡمٍ﴾ بہت گناہ گار۔ ﴿وَیۡلٌ﴾ بمعنی ہلاکت یا جہنم کی ایک وادی کا نام۔

2 یعنی کفر پر اڑا رہتا ہے اور حق کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اسی غرور میں سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

3 یعنی اول تو وہ قرآن کو غور سے سنتا ہی نہیں ہے اور اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جاتی ہے یا کوئی بات اس کے علم میں آ جاتی ہے تو اسے استہزا اور مذاق کا موضوع بنا لیتا ہے۔ اپنی کم عقلی اور نافہمی کی وجہ سے یا کفر و معصیت پر اصرار و استکبار کی وجہ سے۔

4 یعنی ایسے کردار کے لوگوں کے لیے قیامت میں جہنم ہے۔

5 یعنی دنیا میں جو مال انھوں نے کمایا ہوگا، جس اولاد اور جتھے پر وہ فخر کرتے رہے ہوں گے، وہ قیامت والے دن انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

6 جن کو دنیا میں اپنا دوست، مددگار اور معبود بنا رکھا تھا، وہ اس روز ان کو نظر ہی نہیں آئیں گے، مدد تو انھوں نے کیا کرنی ہوگی؟

7 یعنی قرآن کیونکہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے، اس لیے اس کے سرتاپا ہدایت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن ہدایت ملے گی تو اسے ہی جو اس کے

ع 11 17 رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿11﴾
اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ
الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿12﴾ ج
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿13﴾
قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ
لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا

نہ مانا اُن کے لیے بہت سخت دردناک عذاب ہے ○ [1]
اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے دریا [2] کو تابع بنا دیا
تاکہ اُس کے حکم سے اُس میں کشتیاں [3] چلیں اور تم اُس
کا فضل [4] تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ ○ [5]
اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اُس نے اپنی طرف
سے تمھارے لیے تابع کر دیا ہے۔ [6] جو غور کریں یقیناً وہ
اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے ○
آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ اُن لوگوں سے
درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے [7] تاکہ

لیے اپنا سینہ وا کرے گا۔ بصورت دیگر تو ع...... راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں۔ والا معاملہ ہوگا۔

1 ﴿اَلِيْمٌ﴾ عَذَابٌ کی صفت ہے، بعض اسے ﴿رِّجْزٍ﴾ کی صفت بناتے ہیں۔ رِجز بمعنی عَذَابٍ شَدِيْدٍ

2 یعنی اس کو ایسا بنا دیا کہ تم کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سے اس پر سفر کر سکو۔

3 یعنی سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، یہ تمھارا کمال اور ہنر نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندروں کی موجوں کو اتنا سرکش بنا دیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندر میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

4 یعنی تجارت کے ذریعے سے اور اس میں غوطہ زنی کر کے موتی اور دیگر اشیاء نکال کر اور دریائی جانوروں (مچھلی وغیرہ) کا شکار کر کے۔

5 یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو جو اس تسخیر بحر کی وجہ سے تمھیں حاصل ہوتی ہیں۔

6 مطیع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کو تمھاری خدمت پر مامور کر دیا ہے، تمھارے مصالح و منافع اور تمھاری معاش سب انھی سے وابستہ ہے، جیسے چاند، سورج، روشن ستارے، بارش، بادل اور ہوائیں وغیرہ ہیں۔ اور اپنی طرف سے کا مطلب، اپنی رحمت اور فضل خاص سے ہے۔

7 یعنی جو اس بات کا خوف نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کی مدد کرنے اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مراد کافر ہیں۔ اور ﴿اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ سے مراد وقائع ہیں، جیسے ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ﴾ (إبراهيم 14:5) میں ہے۔ مطلب ہے کہ ان کافروں سے عفو و درگزر سے کام لو جو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت

بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ⑭
مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ
اَسَآءَ فَعَلَیۡهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ
تُرۡجَعُوۡنَ ⑮
وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ
وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ
الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰهُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ⑯ۚ
وَ اٰتَیۡنٰهُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا
اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ
الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ

اللہ ایک قوم کو اُن کے کرتوتوں کا بدلہ دے ○ [1]
جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لیے اور جو برائی
کرے گا اُس کا وبال اُسی پر ہے، [2] پھر تم سب اپنے
پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ [3]
یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت [4] اور نبوت
دی تھی، اور ہم نے اُنھیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں دی
تھیں [5] اور اُنھیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی ○ [6]
اور ہم نے اُنھیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں، [7]
پھر اُنھوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس
کی ضد بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا، [8] یہ جن جن

سے بے خوف ہیں۔ یہ ابتدائی حکم تھا جو مسلمانوں کو پہلے دیا جاتا رہا تھا بعد میں جب مسلمان مقابلے کے قابل ہو گئے تو پھر سختی کا اور ان سے ٹکرا جانے (جہاد) کا حکم دے دیا گیا۔

1 یعنی جب تم ان کی ایذاؤں پر صبر اور ان کی زیادتیوں سے درگزر کرو گے تو یہ سارے گناہ ان کے ذمے ہی رہیں گے جن کی سزا ہم قیامت والے دن ان کو دیں گے۔

2 یعنی ہر گروہ اور فرد کا عمل، اچھا یا برا، اس کا فائدہ یا نقصان خود کرنے والے کو ہی پہنچے گا، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس میں نیکی کی ترغیب بھی ہے اور بدی سے ترہیب بھی۔

3 پس وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دے گا۔ نیکوں کو اچھی اور بروں کو بری۔

4 کتاب سے مراد تورات، حکم سے حکومت و بادشاہت یا فہم و قضا کی وہ صلاحیت ہے جو فصل خصومات اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے۔

5 وہ روزیاں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان ہی میں من وسلوٰی کا نزول بھی تھا۔

6 یعنی ان کے زمانے کے اعتبار سے۔

7 کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام، یا معجزات مراد ہیں، یا نبی ﷺ کی بعثت کا علم، آپ کی نبوت کے شواہد اور آپ کی ہجرت گاہ کی تعیین مراد ہے۔

8 ﴿بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ﴾ کا مطلب ہے، آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض وعناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا جاہ ومنصب کی خاطر۔ انھوں نے اپنے دین میں علم آ جانے کے باوجود، اختلاف یا نبی ﷺ کی رسالت سے انکار کیا۔

یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فِیۡمَا
کَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ⑰
ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ عَلٰی شَرِیۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ
فَاتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِیۡنَ
لَا یَعۡلَمُوۡنَ ⑱
اِنَّهُمۡ لَنۡ یُّغۡنُوۡا عَنۡكَ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ
وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ۚ
وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ⑲

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًی
وَّ رَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ⑳
اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ
اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ

چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن اُن کے درمیان (خود) تیرا رب کرے گا○ [1]

پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا، [2] سو آپ اُسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں○ [3]

(یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ (سمجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیز گاروں کا رفیق اللہ ہے○

یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں ہیں [4] اور ہدایت ورحمت ہے۔[5] اُس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے○

کیا اُن لوگوں کا جو بُرے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم اُنھیں اُن لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ اُن کا مرنا جینا یکساں ہو جائے، [6] بُرا

---

1 یعنی اہل حق کو اچھی جزا اور اہل باطل کو بری جزا دے گا۔

2 شریعت کے لغوی معنی ہیں: راستہ، ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد و منزل تک پہنچاتی ہے، پس یہاں شریعت سے مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تا کہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں۔ آیت کا مطلب ہے: ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کر دیا ہے جو آپ کو حق تک پہنچا دے گا۔

3 جو اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے ناواقف ہیں۔ مراد کفار مکہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

4 یعنی ان دلائل کا مجموعہ ہے جو احکام دین سے متعلق ہیں اور جن سے انسانی ضروریات وحاجات وابستہ ہیں۔

5 یعنی دنیا میں ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے اور آخرت میں رحمت الٰہی کا موجب ہے۔

6 یعنی دنیا اور آخرت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ اس طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یا مطلب ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ برابر تھے، آخرت میں بھی وہ برابر ہی رہیں گے کہ مر کر یہ بھی ناپید اور وہ بھی ناپید۔ نہ بدکار کو سزا، نہ ایمان و عمل صالح کرنے والے کو انعام۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اسی لیے آگے فرمایا: ان کا یہ فیصلہ برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

ع 2 10 18 وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿21﴾
وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿22﴾
اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ
وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى
سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ
غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ

ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں ○
اور آسمان وزمین کو اللہ نے بہت ہی عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اُس کے کیے ہوئے کام کا پورا بدلہ دیا جائے اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا ○ [1]
کیا آپ نے اُسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے [2] اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے [3] اور اُس کے کان اور دل پر مُہر لگا دی ہے [4] اور اُس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال

1 اور عدل یہی ہے کہ قیامت والے دن بے لاگ فیصلہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ نیک و بد دونوں کے ساتھ وہ یکساں سلوک کرے جیسا کہ کافروں کا زعم باطل ہے جس کی تردید گزشتہ آیت میں کی گئی ہے کیونکہ دونوں کو برابری کی سطح پر رکھنا ظلم، یعنی عدل کے خلاف بھی ہے اور مُسلَّمات سے انحراف بھی، اس لیے جس طرح کانٹے بو کر انگور کی فصل حاصل نہیں کی جا سکتی، اسی طرح بدی کا ارتکاب کر کے وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رکھا ہے۔

2 پس وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا سمجھتا اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا قرار دیتا ہے، یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیتا یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا ہے، حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر یا مفادات کی اسیر ہو کر خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کر سکتی ہے۔ ایک معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں: جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت اور برہان کے بغیر اپنی مرضی کے دین کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایسا شخص مراد ہے جو پتھر کو پوجتا تھا جب اسے زیادہ خوب صورت پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے کو معبود بنا لیتا۔ (فتح القدیر)

3 یعنی بلوغ علم اور قیام حجت کے باوجود وہ گمراہی کا ہی راستہ اختیار کرتا ہے، جیسے بہت سے پندارِ علم میں مبتلا گمراہ اہل علم کا حال ہے۔ ہوتے وہ گمراہ ہیں، موقف ان کا بے بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کے گھمنڈ میں وہ اپنے ''دلائل'' کو ایسا سمجھتے ہیں گویا آسمان سے تارے توڑ لائے ہیں۔ اور یوں ''علم وفہم'' رکھنے کے باوجود وہ گمراہ ہی نہیں ہوتے، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ هٰذَا الْعِلْمِ الضَّالِّ وَالْفَهْمِ السَّقِيمِ وَالْعَقْلِ الزَّائِغ.

4 جس سے اس کے کان وعظ ونصیحت سننے سے اور اس کا دل ہدایت کے سمجھنے سے محروم ہوگیا۔

اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿23﴾

وَ قَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا
نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ
وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ
اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿24﴾
وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ
حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ
اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿25﴾
قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ
يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ

دیا ہے،[1] اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔[2] کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے ○[3]

اُنھوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مارڈالتا ہے،[4] (دراصل) اُنھیں اُس کا کچھ علم ہی نہیں۔ یہ تو صرف (قیاس اور) اٹکل سے ہی کام لے رہے ہیں ○

اور جب اُن کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لاؤ ○[5]

آپ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے، پھر تمھیں مار ڈالتا ہے، پھر تمھیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس

1 چنانچہ وہ حق کو دیکھ بھی نہیں پاتا۔

2 جیسے فرمایا: ﴿مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ○﴾ (الأعراف 7:186)
”جس کو اللہ گمراہ کردے اُس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا اور اللہ اُن کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔“

3 یعنی غور و فکر نہیں کرتے تاکہ حقیقت حال تم پر واضح اور آشکارا ہو جائے۔

4 یہ دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ محض زمانے کی گردش کا نتیجہ ہے، جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ، بغیر کسی صانع اور مدبر کے، ازخود یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ گروہ دوریہ کہلاتا ہے (ابن کثیر) ظاہر بات ہے، یہ نظریہ، اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے (اس کی طرف افعال کی نسبت کرکے اسے برا کہتا ہے) حالانکہ (زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں) میں خود زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی پھیرتا ہوں۔“ (صحیح البخاري، حدیث:4826، و صحیح مسلم، حدیث: 2-(2246))

5 یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو ان کی کٹ حجتی کی مظہر ہے۔

3 ع 5 19

فِيۡهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿26﴾ ع	میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○
وَ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ يَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿27﴾	اور آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اُس دن اہلِ باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے ○
وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۟ قف كُلُّ اُمَّةٍ تُدۡعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿28﴾	اور آپ دیکھیں گے کہ ہر اُمت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔ [1] ہر گروہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج تمھیں اپنے کیے کا بدلہ دیا جائے گا ○
هٰذَا كِتٰبُنَا يَنۡطِقُ عَلَيۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿29﴾	یہ ہے ہماری کتاب جو تمھارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے، [2] ہم تمھارے اعمال لکھواتے جاتے تھے ○ [3]
فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	پس لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیے [4]

1 ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ ہی (چاہے وہ انبیاء کے پیروکار ہوں یا ان کے مخالفین) خوف و دہشت کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ (فتح القدیر) تا آنکہ سب کو حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے واضح ہے۔

2 اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے۔ ﴿وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِاۡىۡٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ (الزمر 39:69) ''اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، نبیوں اور شہداء کو گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا۔'' یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ انسان ان کو دیکھ کر پکار اٹھے گا۔ ﴿مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّ لَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا﴾ (الکہف 18:49) ''یہ کیسا اعمال نامہ ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کسی کو بھی نہیں چھوڑا، سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔''

3 یعنی ہمارے علم کے علاوہ فرشتے بھی ہمارے حکم سے تمھاری ہر چیز نوٹ کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔

4 یہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کر دی اور عمل صالح وہ اعمال خیر ہیں جو سنت کے مطابق ادا کیے جائیں نہ کہ ہر وہ عمل جسے انسان اپنے طور پر اچھا سمجھ لے اور اسے نہایت اہتمام اور ذوق و شوق کے ساتھ کرے، جیسے بہت سی بدعات مذہبی حلقوں میں رائج ہیں اور جوان حلقوں میں فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے فرائض و سنن کا ترک تو ان کے ہاں عام ہے لیکن بدعات کا ایسا التزام ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا تصور ہی نہیں ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے بدعات کو شر الامور (بدترین کام) قرار دیا ہے۔

فَيُدۡخِلُهُمۡ رَبُّهُمۡ فِيۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِيۡنُ ﴿30﴾

تو اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا،[1] یہی صریح کامیابی ہے ○

وَ اَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۟ اَفَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ وَكُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿31﴾

لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو (میں اُن سے کہوں گا) کیا میری آیتیں تمھیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟[2] پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گناہ گار لوگ ○[3]

وَ اِذَا قِيۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِىۡ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَيۡقِنِيۡنَ ﴿32﴾

اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں ○[4]

وَ بَدَا لَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿33﴾

اور اُن پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جسے وہ مذاق میں اڑا رہے تھے۔ اُس نے اُنھیں گھیر لیا ○[5]

وَقِيۡلَ الۡيَوۡمَ نَنۡسٰكُمۡ كَمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا وَمَاۡوٰكُمُ النَّارُ وَمَا

اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمھیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اُس دن سے ملنے کو بھلا دیا تھا[6] تمھارا ٹھکانا جہنم

1 رحمت سے مراد جنت ہے، یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جیسے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا: «أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ» (صحيح البخاري، حديث:4850) ''تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے سے (تیرے اندر داخل کرکے) میں جس پر چاہوں گا، رحم کروں گا۔''

2 یہ بطور توبیخ کے ان سے کہا جائے گا کیونکہ رسول ان کے پاس آئے تھے، انھوں نے اللہ کے احکام انھیں سنائے تھے لیکن انھوں نے پروا ہی نہیں کی تھی۔

3 یعنی حق کے قبول کرنے سے تم نے تکبر کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ تم تھے ہی گناہ گار۔

4 یعنی قیامت کا وقوع محض ظن و تخمین ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہوگی۔

5 یعنی قیامت کا عذاب جسے وہ مذاق، یعنی انہونا سمجھتے تھے، اس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

6 جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کہے گا: ''کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا اکرام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور بیل وغیرہ تیری ماتحتی میں نہیں دیے تھے؟ تو سرداری بھی کرتا اور چنگی بھی وصول کرتا رہا۔'' وہ کہے گا: ہاں، یہ تو ٹھیک ہے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ''کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا؟'' وہ کہے گا: نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي (صحيح مسلم، حديث:2968)

لَكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿34﴾
ذٰلِكُمۡ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتۡكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا ۚ فَالۡیَوۡمَ لَا یُخۡرَجُوۡنَ مِنۡهَا وَ لَا هُمۡ یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿35﴾
فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿36﴾
وَ لَهُ الۡكِبۡرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۪ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿37﴾ ع 4/11/20

ہے اور تمھارا مدد گار کوئی نہیں ○
یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمھیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر و معذرت قبول کی جائے گی ○ [1]
پس اللہ کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہان کا پالنہار ہے ○
اور تمام بڑائی آسمانوں اور زمین میں اُسی کی [2] ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے ○

"پس آج میں بھی (تجھے جہنم میں ڈال کر) چھوڑ دوں گا جیسے تو نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔"

1 یعنی اللہ کی آیات و احکام کا استہزا اور دنیا کے فریب و غرور میں مبتلا رہنا، یہ دو جرم ایسے ہیں جنھوں نے تمھیں عذاب جہنم کا مستحق بنا دیا، اب اس سے نکلنے کا امکان ہے اور نہ اس بات ہی کی امید کہ کسی موقع پر تمھیں توبہ اور رجوع کا موقع دے دیا جائے اور تم توبہ و معذرت کر کے اللہ کو منا لو۔ لَا یُسْتَعْتَبُونَ. أَيْ لَا يُسْتَرْضَوْنَ وَيُطْلَبُ مِنْهُمُ الرُّجُوعُ إِلٰى طَاعَةِ اللهِ، لِأَنَّهُ يَوْمٌ لَا تُقْبَلُ فِيهِ تَوْبَةٌ وَلَا تَنْفَعُ فِيهِ مَعْذِرَةٌ (فتح القدير)

2 جیسے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «اَلْعَظَمَةُ إِزَارِي وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِّنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي النَّارِ» (سنن ابن ماجه، حديث: 4175، و سنن أبي داود، حديث: 4090) "عظمت میری ازار اور بڑائی میری چادر ہے، پس جو ان میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے کھینچے گا، میں اس کو آگ میں ڈال دوں گا۔"

اٰیاتھا 35 (46) سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (66) رکوعاتھا 4

سورۂ احقاف مکی ہے اس میں 35 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ①

حٰمٓ ![1]

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②

اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے ○

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③

ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو برحق اور معین مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے [2] اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں ○ [3]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

آپ کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ اُنھوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے یا آسمانوں میں اُن کا کون سا حصہ ہے؟ [4] اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی علم ہی جو نقل کیا

---

1 یہ فَوَاتِحِ سُوَر، یعنی حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے ان کے معانی و مطالب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم ان کے دو فائدے بعض مفسرین نے بیان کیے ہیں جنھیں ہم سورۂ لقمان کے آغاز میں بیان کر آئے ہیں۔

2 یعنی آسمان و زمین کی پیدائش کا ایک خاص مقصد بھی ہے اور وہ ہے انسانوں کی آزمائش۔ دوسرا: اس کے لیے ایک وقت بھی مقرر ہے۔ جب وہ وقت موعود آ جائے گا تو آسمان و زمین کا یہ موجودہ نظام سارا بکھر جائے گا۔ نہ آسمان، یہ آسمان ہوگا، نہ زمین، یہ زمین ہوگی۔ ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (إبراهیم 48:14) ”جس دن زمین اس زمین کے سوا بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔“

3 یعنی عدم ایمان کی صورت میں بعث، حساب اور جزا سے جو انھیں ڈرایا جاتا ہے، وہ اس کی پروا ہی نہیں کرتے، اس پر ایمان لاتے ہیں نہ عذاب اخروی سے بچنے کی تیاری کرتے ہیں۔

4 ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بمعنی أَخْبِرُونِي یا أَرُونِي یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں یا شخصیات کی تم عبادت کرتے ہو، مجھے بتلاؤ یا دکھلاؤ کہ انھوں نے زمین و آسمان کی پیدائش میں کیا حصہ لیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر ان سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے تو پھر تم ان غیر حق معبودوں

صٰدِقِيْنَ ④
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤
وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً
وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ

جانتا ہو، میرے پاس لاؤ ○ [1]
اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اُس کی دعا قبول نہ کرسکیں بلکہ اُن کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں ○ [2]
اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ اُن کے دشمن ہو جائیں گے اور اُن کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے ○ [3]
اور اُنھیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

کو اللہ کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو؟

1 یعنی کسی نبی پر نازل شدہ کتاب میں یا کسی منقول روایت میں یہ بات لکھی ہو تو وہ لا کر دکھاؤ تا کہ تمھاری صداقت واضح ہو سکے۔ بعض نے ﴿ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ ﴾ کے معنی واضح علمی دلیل کے کیے ہیں۔ اس صورت میں کتاب سے نقلی دلیل اور ﴿ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ ﴾ سے عقلی دلیل مراد ہوگی، یعنی کوئی عقلی اور نقلی دلیل پیش کرو۔ پہلے معنی اس کے ''اثر'' سے ماخوذ ہونے کی بنیاد پر روایت کے کیے گئے ہیں یا بَقِيَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ پہلے انبیاء کی تعلیمات کا باقی ماندہ حصہ جو قابل اعتماد ذریعے سے نقل ہوتا آیا ہو، اس میں یہ بات ہو۔

2 یعنی یہی سب سے بڑے گمراہ ہیں جو پتھر کی مورتیوں کو یا فوت شدہ اشخاص کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور قاصر ہی نہیں بلکہ بالکل بے خبر ہیں۔

3 یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ یونس 29:10، سورۂ مریم 82,81:19، سورۂ عنکبوت 25:29 وغیرھا من الآیات) دنیا میں ان معبودوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو غیر ذی روح جمادات و نباتات اور مظاہر قدرت (سورج، آگ وغیرہ) ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور قوت گویائی عطا فرمائے گا اور یہ چیزیں بول کر بتلائیں گی کہ ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ہماری عبادت کرتے اور ہمیں تیری خدائی میں شریک گردانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان قال سے نہیں، زبان حال سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں گی۔ واللہ أعلم۔ معبودوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء، ملائکہ اور صالحین میں سے ہیں، جیسے عیسیٰ، عزیر اور دیگر عباداللہ الصالحین ہیں، یہ اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح کا جواب دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب قرآن کریم میں منقول ہے۔ علاوہ ازیں شیاطین بھی انکار کریں گے، جیسے قرآن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ﴿ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَيْكَ مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ○ ﴾ (القصص 63:28) ''ہم تیرے سامنے (اپنے عابدین سے) اظہار براءت کرتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔''

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ⑦

تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ اُن کے پاس آ چکی، کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ○

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ⑧

کیا وہ کہتے ہیں کہ اُسے تو اُس نے خود گھڑ لیا ہے [1] آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں ہی اُسے بنا لایا ہوں تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، [2] تم اس (قرآن) کے بارے میں جو کچھ کہہ سن رہے ہو اُسے اللہ خوب جانتا ہے، [3] میرے اور تمھارے درمیان گواہی کے لیے وہی کافی ہے، [4] اور وہ بخشنے والا مہربان ہے ○ [5]

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ

آپ کہہ دیجیے کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں، [6] نہ

---

1 اس حق سے مراد، جو ان کے پاس آیا، قرآن کریم ہے، اس کے اعجاز اور قوت تاثیر کو دیکھ کر وہ اسے جادو سے تعبیر کرتے، پھر اس سے بھی انحراف کر کے یا اس سے بھی بات نہ بنتی تو کہتے کہ یہ تو محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔

2 یعنی اگر تمھاری یہ بات صحیح ہو کہ میں اللہ کا بنایا ہوا رسول نہیں ہوں اور یہ کلام بھی میرا اپنا گھڑا ہوا ہے، پھر تو یقیناً میں بڑا مجرم ہوں، اللہ تعالیٰ اتنے بڑے جھوٹ پر مجھے پکڑے بغیر تو نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر ایسی کوئی گرفت ہوئی تو پھر سمجھ لینا کہ میں جھوٹا ہوں اور میری کوئی مدد بھی مت کرنا بلکہ ایسی حالت میں مجھے مؤاخذۂ الٰہی سے بچانے کا تمھیں کوئی اختیار ہی نہیں ہوگا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ○ ﴾ (الحاقة 69:44-47) ''اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔''

3 یعنی جس جس انداز سے بھی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، کبھی اسے جادو، کبھی کہانت اور کبھی گھڑا ہوا کہتے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے، یعنی وہی تمھاری ان مذموم حرکتوں کا تمھیں بدلہ دے گا۔

4 وہ اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہی تمھاری تکذیب و مخالفت کا بھی گواہ ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے سخت وعید ہے۔

5 اس کے لیے جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مان لے۔ مطلب ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جاؤ۔

6 یعنی پہلا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی متعدد رسول آ چکے ہیں۔

اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹

مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔[1] میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کردینے والا ہوں ○

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ ع 1/10

آپ کہہ دیجیے: بھلا تم بتاؤ تو اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اُسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اُس جیسی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لاچکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو[2] تو بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا ○

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ

اور کافروں نے ایمان داروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ

---

1 یعنی دنیا میں۔ میں مکے میں ہی رہوں گا یا یہاں سے نکلنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمھارے ہاتھوں میرا قتل ہوگا؟ تم جلد ہی سزا سے دوچار ہوگے یا لمبی مہلت تمھیں دی جائے گی؟ ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمھارے ساتھ کل کیا ہوگا؟ تاہم آخرت کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اہل ایمان جنت میں اور کافر جہنم میں جائیں گے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ کی وفات پر، جب ان کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنادیا تو فرمایا: «وَاللهِ! مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ» (صحيح البخاري، حديث:3929) ''اللہ کی قسم! مجھے اللہ کا رسول ہونے کے باوجود علم نہیں کہ قیامت کو میرے اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟'' اس سے کسی ایک معین شخص کے قطعی، یقینی انجام کے علم کی نفی ہے۔ اِلَّا یہ کہ ان کی بابت بھی نص موجود ہو، جیسے عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر وغیرہ۔

2 اس شاہد بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بطور جنس کے ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ہر ایمان لانے والا اس کا مصداق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکے میں رہنے والا کوئی بنی اسرائیلی مراد ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں اور وہ اس آیت کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ صحیحین کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:3812، و صحيح مسلم، حديث:2483) اسی لیے امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ﴿عَلٰى مِثْلِهٖ﴾ (اسی جیسی کتاب کی گواہی) کا مطلب ہے تورات کی گواہی جو قرآن کے مُنزّل من اللہ ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ قرآن بھی توحید و معاد کے اثبات میں تورات ہی کی مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گواہی اور ان کے ایمان لانے کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں

كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿11﴾

(دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اُس کی طرف ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے، اور چونکہ اُنھوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی، پس یہ کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہے[1] ○

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿12﴾

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور جب کہ یہ کتاب تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے تا کہ ظالموں کو ڈرائے اور نیک کاروں کو بشارت ہو ○

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿13﴾

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اُس پر جمے رہے تو اُن پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے ○

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿14﴾

یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اُسی میں رہیں گے، اُن اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے ○

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

رہ جاتا ہے، اس لیے اس کے بعد تمھارے انکار واستکبار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ تمھیں اپنے اس رویے کا انجام سوچ لینا چاہیے۔

1 کفار مکہ حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے مسلمانوں کو جو غریب و نادار قسم کے لوگ تھے لیکن اسلام قبول کرنے میں انھیں سَابِقِيَّتُ کا شرف حاصل ہوا، دیکھ کر کہتے کہ اگر اس دین میں بہتری ہوتی تو ہم جیسے ذی عزت و ذی مرتبہ لوگ سب سے پہلے اسے قبول کرتے نہ کہ یہ لوگ پہلے ایمان لاتے، یعنی اپنے طور پر انھوں نے اپنی بابت یہ فرض کرلیا کہ اللہ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے، اس لیے اگر یہ دین بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے قبول کرنے میں پیچھے نہ چھوڑتا اور جب ہم نے اسے نہیں اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پرانا جھوٹ ہے، یعنی قرآن کو انھوں نے پرانا جھوٹ قرار دیا ہے، جیسے وہ اسے اساطیر الاولین بھی کہتے تھے، حالانکہ دنیوی مال ودولت میں ممتاز ہونا عنداللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔ (جیسے ان کو مغالطہ ہوا یا شیطان نے مغالطے میں ڈالا) عنداللہ مقبولیت کے لیے تو ایمان واخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اس دولت ایمان واخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے، نوازتا ہے، جیسے وہ مال ودولت آزمائش کے طور پر جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ
وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى
اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ
قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ
ذُرِّيَّتِيْ ۚؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿15﴾

کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اُسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اُسے جنا۔[1] اُس کے حمل کا اور اُس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔[2] یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا[3] تو کہنے لگا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے[4] کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف

1 اس مشقت و تکلیف کا ذکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم میں مزید تاکید کے لیے ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماں، اس حکم احسان میں، باپ سے مقدم ہے کیونکہ نو ماہ تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی (وضع حمل) کی تکلیف، صرف تنہا ماں ہی اٹھاتی ہے، اسی طرح رضاعت کی تکلیف بھی اکیلی ماں ہی اٹھاتی ہے باپ کی اس میں شرکت نہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ ایک صحابی نے نبی ﷺ سے پوچھا: میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تمھاری ماں“ اس نے پھر یہی پوچھا: آپ نے یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا: ”پھر تمھارا باپ۔“ (صحیح مسلم، حدیث:1-(2548))

2 فِصَالٌ کے معنی: دودھ چھڑانا ہیں۔ اس سے بعض صحابہ نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے، یعنی چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حلال ہی کا ہوگا، حرام کا نہیں، اس لیے کہ قرآن نے مدت رضاعت دو سال (24 مہینے) بتلائی ہے (سورۂ بقرہ 2:233، سورۂ لقمان 31:14) اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مہینے ہی باقی رہ جاتی ہے۔

3 ﴿اَشُدَّهٗ﴾ کے زمانے سے مراد جوانی ہے، بعض نے اسے 18 سال سے تعبیر کیا ہے حتیٰ کہ پھر بڑھتے بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہ عمر قوائے عقلی کی مکمل پختگی کی عمر ہے۔ اسی لیے مفسرین کی رائے ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد ہی نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ (فتح القدیر)

4 ﴿اَوْزِعْنِيْۤ﴾ بمعنی أَلْهِمْنِي ہے، مجھے توفیق دے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ اس عمر کے بعد انسان کو یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے، یعنی ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ﴾ سے ﴿مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ تک۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ
مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِيٓ
أَصْحَٰبِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي
كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿16﴾
وَالَّذِي قَالَ لِوَٰلِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ
أَتَعِدَانِنِيٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ
مِن قَبْلِي ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ
ءَامِنْ ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا
هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿17﴾

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ
أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ

رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○
یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور بداعمال سے درگزر کر لیتے ہیں، (یہ) جنتی لوگوں میں ہیں۔ اُس سچے وعدے کے مطابق جو اُن سے کیا جاتا تھا○
اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں تنگ آ گیا، [1] تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا مجھ سے پہلے بھی اُمتیں گزر چکی ہیں، [2] وہ دونوں جنابِ باری میں فریادیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تجھے خرابی ہو تو ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف پہلوں کے افسانے ہیں ○ [3]
یہ وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کا) وعدہ صادق آ گیا، [4] اُن جنات اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ

1 سابقہ آیت میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی۔ اب اس کے مقابلے میں بدبخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتی ہے۔ ﴿أُفٍّ لَّكُمَآ﴾ افسوس ہے تم پر، اُف کا کلمہ، ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی نافرمان اولاد، باپ کی ناصحانہ باتوں پر یا دعوت ایمان وعمل صالح پر ناگواری اور شدت غیظ کا اظہار کرتی ہے جس کی اولاد کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ آیت عام ہے، ہر نافرمان اولاد اس کی مصداق ہے۔

2 مطلب ہے کہ وہ تو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آئے، حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب قیامت والے دن زندہ ہونا ہے جس کے بعد حساب ہوگا۔

3 ماں باپ مسلمان ہوں اور اولاد کافر تو وہاں اولاد اور والدین کے درمیان اسی طرح تکرار اور بحث ہوتی ہے جس کا ایک نمونہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

4 جو پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا یا شیطان کے جواب میں جو اللہ نے فرمایا تھا۔ ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ○﴾ (صٓ 38:85) ''میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا۔''

وَالۡاِنۡسِ‌ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ ۝۱۸

جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، [1] یقیناً یہ نقصان پانے والے تھے ○

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا‌ ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۝۱۹

اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے [2] تاکہ وہ اُنھیں اُن کے اعمال کے پورے بدلے دے اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا ○ [3]

وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِ ؕ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا‌ ۚ فَالۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ

اور جس دن کافر جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے [4] (کہا جائے گا:) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی ہی میں برباد کر دیں اور اُن سے فائدے اٹھا چکے، پس آج تمھیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی [5]، اس

---

1 یعنی یہ بھی ان کافروں میں شامل ہو گئے جو انسانوں اور جنوں میں سے قیامت والے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

2 مومن اور کافر، دونوں کا ان کے عملوں کے مطابق اللہ کے ہاں مرتبہ ہوگا۔ مومن مراتب عالیہ سے سرفراز ہوں گے اور کافر جہنم کے پست ترین درجوں میں ہوں گے۔

3 گناہ گار کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نیکوکار کے صلے میں کمی نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کو خیر یا شر میں سے وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔

4 یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کافروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے جائیں گے اور وہ جہنم کی آگ دیکھ رہے یا اس کے قریب ہوں گے۔ بعض نے ﴿يُعۡرَضُ﴾ کے معنی يُعَذَّبُوۡنَ کے کیے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں: کلام میں قلب ہے۔ مطلب ہے کہ جب آگ ان پر پیش کی جائے گی۔ تُعۡرَضُ النَّارُ عَلَيۡهِمۡ. (فتح القدير)

5 طَيِّبَاتٌ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان ذوق وشوق سے کھاتے پیتے اور استعمال کرتے اور لذت وفرحت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن آخرت کی فکر کے ساتھ ان کا استعمال ہو تو بات اور ہے، جیسے مومن کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی کی اطاعت کر کے شکر الٰہی کا بھی اہتمام کرتا رہتا ہے۔ لیکن فکر آخرت سے بے نیازی کے ساتھ ان کا استعمال انسان کو سرکش اور باغی بنا دیتا ہے، جیسے کافر کا رویہ ہوتا ہے اور یوں وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے، چنانچہ مومن کو تو اس کے شکر و اطاعت کی وجہ سے یہ نعمتیں بلکہ ان سے بدرجہا بہتر نعمتیں آخرت میں پھر مل جائیں گی، جبکہ کافروں کو وہی کچھ کہا جائے گا جو یہاں آیت میں مذکور ہے۔ ﴿اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ ......﴾ کا دوسرا ترجمہ ہے ''دنیا کی زندگی میں تم نے اپنے مزے اڑا لیے اور خوب فائدہ اٹھا لیا۔''

ع 2/10/2 بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿20﴾

باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے ○ [1]

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿21﴾

اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب کہ اُس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا [2] اور یقیناً اُس سے پہلے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں اور اُس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں ○ [3]

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿22﴾

قوم نے جواب دیا: کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پرستش) سے باز رکھیں؟ [4] پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کرتے ہیں اسے ہم پر لا ڈالیں ○

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ وَاُبَلِّغُكُمْ

اس (ہود) نے کہا: (اُس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے،

---

1 ان کے عذاب کے دو سبب بیان فرمائے، ناحق تکبر: جس کی بنیاد پر انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے اور دوسرا: فسق، یعنی بے خوفی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب۔ یہ دونوں باتیں تمام کافروں میں مشترکہ ہوتی ہیں۔ اہل ایمان کو ان دونوں باتوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔

ملحوظہ: بعض صحابۂ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے سامنے عمدہ خوراک وغیرہ آتی تو یہ آیت انھیں یاد آجاتی اور وہ اس ڈر سے اسے ترک کر دیتے کہ کہیں آخرت میں ہمیں بھی یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں لوٹ لیے۔ (تفسیر القرطبي) تو یہ ان کی وہ کیفیت ہے جو غایت ورع اور زہد و تقویٰ کی مظہر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی نعمتوں کا استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

2 أَحْقَافٌ حِقْفٌ کی جمع ہے۔ ریت کا بلند مستطیل ٹیلا، بعض نے اس کے معنی پہاڑ اور غار کے کیے ہیں۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم (عاد اولیٰ) کے علاقے کا نام ہے۔ جو حضرموت (یمن) کے قریب تھا۔ کفار مکہ کی تکذیب کے پیش نظر نبی ﷺ کی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

3 ﴿يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے جسے اس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بجا طور پر بڑا دن کہا گیا ہے۔

4 ﴿لِتَاْفِكَنَا﴾ لِتَصْرِفَنَا یا لِتَمْنَعَنَا یا لِتُزِيْلَنَا سب متقارب المعنی ہیں۔ تاکہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے پھیر دے، روک دے، ہٹا دے۔

مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّيۡۤ اَرٰىكُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ﴿23﴾

فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا هٰذَا عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ رِيۡحٌ فِيۡهَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿24﴾

میں تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمھیں پہنچا رہا ہوں[1] لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو○ [2]

پھر جب اُنھوں نے عذاب کو بصورتِ بادل اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے،[3] (نہیں) بلکہ دراصل یہ بادل وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے،[4] ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے○ [5]

---

1 یعنی عذاب کب آئے گا؟ یا دنیا میں نہیں آئے گا بلکہ آخرت میں تمھیں عذاب دیا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ کو ہے، وہی اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔

2 کہ ایک تو کفر پر اصرار کر رہے ہو۔ دوسرے: مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔

3 عرصۂ دراز سے ان کے ہاں بارش نہیں ہوئی تھی، امنڈتے بادل دیکھ کر خوش ہوئے کہ اب بارش ہوگی۔ بادل کو ﴿عَارِضٌ﴾ اس لیے کہا ہے کہ بادل عرضِ آسمان پر ظاہر ہوتا ہے۔

4 یہ حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں کہا کہ یہ وہ عذاب ہے جسے تم جلد لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

5 یعنی وہ ہوا جس سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی، ان بادلوں سے ہی اٹھی اور نکلی اور اللہ کی مشیت سے ان کو اور ان کی ہر چیز کو تباہ کر گئی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی لیکن آپ کے چہرے پر اس کے برعکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہوگا جبکہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کر دی گئی، اس قوم نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا: یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث:4829، و صحيح مسلم، حديث:16-(899)) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب بادِ تند چلتی تو آپ یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ» ''اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی خیر و برکت اور جو خیر اس میں ہے اور جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے، اس کا سوال کرتا ہوں اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس ہوا کے شر سے اور اس شر سے جو اس میں ہے اور اس شر سے جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے۔'' اور جب آسمان پر بادل گھرے ہوجاتے تو آپ کا رنگ متغیر ہوجاتا اور خوف کی سی ایک کیفیت آپ پر طاری ہوجاتی جس سے آپ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر داخل ہوتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے پھر جب بارش ہوجاتی تو آپ اطمینان کا سانس لیتے۔ (صحيح مسلم، حديث:15-(899))

تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا
لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿25﴾
وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَجَعَلْنَا
لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖ٘ فَمَاۤ
اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ
اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ ۙ
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿26﴾ ع — ع 3 6 3
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿27﴾
فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ
وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿28﴾

جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی، پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز اُن کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔[1] گناہ گاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں ○

اور بالیقین ہم نے (قوم عاد کو) وہ مقدور دیے تھے جو تمھیں تو دیے بھی نہیں اور ہم نے اُنھیں کان، آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے۔ لیکن اُن کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے اُنھیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا[2] جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی اُن پر الٹ پڑی ○[3]

اور یقیناً ہم نے تمھارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں[4] اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تا کہ وہ رجوع کر لیں ○[5]

پس قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے اُنھوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا اُنھوں نے اُن کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو اُن سے کھو گئے، (بلکہ دراصل)

---

1 یعنی مکین (گھر والے) سب تباہ ہو گئے اور صرف مکانات (گھر) نشان عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔

2 یہ اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں جنھیں ہم نے ہلاک کیا، قوت وشوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں لیکن جب انھوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان اور دل) کو حق کے سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا تو بالآخر ہم نے انھیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں۔

3 یعنی جس عذاب کو وہ انہونا سمجھ کر بطور استہزا کہا کرتے تھے کہ لے آ اپنا عذاب! جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے، وہ عذاب آیا اور اس نے انھیں ایسا گھیرا کہ پھر اس سے نکل نہ سکے۔

4 آس پاس سے عاد، ثمود اور لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن اور شام و فلسطین کی طرف آتے جاتے ان سے ان کا گزر رہتا تھا۔

5 یعنی ہم نے مختلف انداز سے اور مختلف نوع کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے کہ شاید وہ توبہ کر لیں۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿29﴾

یہ اُن کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا ○ [1]

اور یاد کرو! جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف پھیرا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: خاموش ہو جاؤ، [2] پھر جب ختم ہو گیا [3] تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے واپس لوٹ گئے ○

قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿30﴾

کہنے لگے: اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہبری کرتی ہے ○

---

1 یعنی جن معبودوں کو وہ تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، انھوں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ وہ اس موقع پر آئے ہی نہیں بلکہ گم رہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو الٰہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ انھیں بارگاہ الٰہی میں قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے اس وسیلے کو یہاں اِفْكٌ (جھوٹ) اور افترا (بہتان) قرار دے کر واضح فرما دیا کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

2 صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نَخْلَہ وادی میں پیش آیا، جہاں آپ ﷺ صحابۂ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو اس وجہ سے تجسس تھا کہ آسمان کی خبروں اور ان کے درمیان رکاوٹیں حائل کر دی گئیں ہیں اور آسمان سے ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں۔ اس سے انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے، چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ نبی ﷺ کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی قوم کو بھی بتلایا۔ (صحیح مسلم، حدیث:449) صحیح بخاری میں بھی بعض باتوں کا تذکرہ ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3859) بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انھیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ (فتح الباري:215/7، و تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

3 یعنی آپ ﷺ کی طرف سے تلاوت قرآن ختم ہو گئی۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿31﴾

اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو، اُس پر ایمان لاؤ [1] تو اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں المناک عذاب سے پناہ دے گا ○ [2]

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿32﴾

اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا، پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا، [3] اور نہ اللہ کے سوا اور کوئی اُس کے مددگار ہوں گے، [4] یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا

---

1 یہ جنوں نے اپنی قوم کو نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس سے قبل قرآن کریم کے متعلق بتلایا کہ یہ تورات کے بعد ایک اور آسمانی کتاب ہے جو سچے دین اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

2 یہ ایمان لانے کے وہ فائدے بتلائے جو آخرت میں انھیں حاصل ہوں گے۔ ﴿مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ میں مِنْ تَبعِیض کے لیے ہے، یعنی بعض گناہ معاف فرما دے گا اور یہ وہ گناہ ہوں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو گا کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ثواب وعقاب اور اوامر ونواہی میں جنات کے لیے بھی وہی حکم ہے جو انسانوں کے لیے ہے۔

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف جنوں میں سے رسول بھیجے یا نہیں۔ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، تمام انبیاء ورسل انسان ہی ہوئے ہیں۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ﴾ (یوسف 12:109) ''آپ سے پہلے بھی ہم بستیوں والوں سے مردوں کو ہی بھیجتے رہے جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے۔'' ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان 25:20) ''ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔'' ان آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ جتنے بھی رسول ہوئے، وہ انسان تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ جس طرح انسانوں کے لیے رسول تھے اور ہیں، اسی طرح جنات کے رسول بھی آپ ﷺ ہی ہیں جیسا کہ قرآن کریم کے اس مقام سے ظاہر ہے۔

3 یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ زمین کی وسعتوں میں اس طرح گم ہو جائے کہ اللہ کی گرفت میں نہ آ سکے۔

4 جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا لیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ خود اللہ کی گرفت سے بچنے پر قادر ہے نہ کسی دوسرے کی مدد سے ایسا ممکن ہے۔

وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ
عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ
شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۳﴾
وَ یَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ ؕ
اَلَیۡسَ ہٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ
قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ
تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ
الرُّسُلِ وَ لَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّہُمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ
یَوۡمَ یَرَوۡنَ مَا یُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا
اِلَّا سَاعَۃً مِّنۡ نَّہَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَہَلۡ
یُہۡلَکُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع

ركوع 4

کیا اور اُن کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا، وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟ کیوں نہ ہو؟ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے[1] ○

وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا کہ) کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں، قسم ہے ہمارے رب کی![2] (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا، اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو[3] ○

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور اُن کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو،[4] یہ جس دن اُس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے تھے،[5] یہ ہے پیغام پہنچا دینا،[6] پس بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ

---

1 رأی سے، علم مراد ہے، یعنی کیا انھوں نے نہیں جانا۔ أَلَمْ يَعْلَمُوا یا أَلَمْ يَتَفَكَّرُوا کہ جو اللہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے جن کی وسعت و بے کرانی کی انتہا نہیں ہے اور وہ ان کو بنا کر تھکا بھی نہیں۔ کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا؟ یقیناً کرسکتا ہے، اس لیے کہ وہ ﴿عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○﴾ کی صفت سے متصف ہے۔

2 وہاں اعتراف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس اعتراف پر قسم کھا کر اسے مؤکد کریں گے۔ لیکن اس وقت کا یہ اعتراف بے فائدہ ہے کیونکہ مشاہدے کے بعد اعتراف کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اعتراف نہیں تو کیا انکار کریں گے؟

3 اس لیے کہ جب ماننے کا وقت تھا، اس وقت مانا نہیں، یہ عذاب اسی کفر و انکار کا بدلہ ہے جو اب تمھیں بھگتنا ہی بھگتنا ہے۔

4 یہ کفار مکہ کے رویے کے مقابلے میں نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اور صبر کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

5 قیامت کا ہولناک عذاب دیکھنے کے بعد انھیں دنیا کی زندگی ایسے ہی معلوم ہوگی جیسے دن کی صرف ایک گھڑی یہاں گزار کر گئے ہیں۔

6 یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ أَيْ هٰذَا الَّذِي وَعَظْتَهُمْ بِهِ ﴿بَلٰغٌ﴾ یہ وہ نصیحت ہے جس کا پہنچانا تیرا کام ہے۔

کیا جائے گا ○ [1]

اٰیَاتُھَا: 38 (47) سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ (95) رُكُوْعَاتُھَا: 4

سورۂ محمد [2] مدنی ہے، اس میں 38 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا [3] اللہ نے اُن کے اعمال برباد کردیے ○ [4]

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ②

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اُس پر بھی ایمان لائے جو محمد پر اتاری گئی ہے [5] اور دراصل اُن کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے، اللہ نے اُن کے گناہ دُور کردیے [6] اور اُن کے حال کی اصلاح کردی ○ [7]

---

1 اس آیت میں بھی اہل ایمان کے لیے خوش خبری اور حوصلہ افزائی ہے کہ ہلاکت اخروی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ کے نافرمان اور اس کی حدود پامال کرنے والے ہیں۔

2 اس کا دوسرا نام اَلْقِتَال بھی ہے۔

3 بعض نے اس سے مراد کفار قریش اور بعض نے اہل کتاب لیے ہیں۔ لیکن یہ عام ہے ان سمیت سارے ہی کفار اس میں داخل ہیں۔

4 اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کے خلاف جو سازشیں کیں، اللہ نے انھیں ناکام بنا دیا اور انھی پر ان کو الٹ دیا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ان میں جو بعض مکارم اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً: صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، مہمان نوازی وغیرہ یا خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت۔ ان کا کوئی صلہ انھیں آخرت میں نہیں ملے گا کیونکہ ایمان کے بغیر اعمال پر اجر وثواب مرتب نہیں ہوگا۔

5 ایمان میں اگرچہ وحی محمدی، یعنی قرآن پاک پر ایمان لانا بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور شرف کو مزید واضح اور نمایاں کرنے کے لیے اس کا علیحدہ بھی ذکر فرما دیا۔

6 یعنی ایمان لانے سے قبل کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرما دیں جیسا کہ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ ''اسلام ماقبل کے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 121)

7 ﴿بَالَهُمْ﴾ کے معنی: أَمْرَهُمْ، شَأْنَهُمْ، حَالَهُمْ، یہ سب متقارب المعنی ہیں۔ مطلب ہے کہ انھیں معاصی سے بچا کر رشد وخیر کی راہ پر لگا دیا، ایک مومن کے لیے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

یہ اس لیے کہ [1] کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اُس حق کی اتباع کی جو اُن کے رب کی طرف سے ہے، اللہ لوگوں کو اُن کے احوال اسی طرح بتاتا ہے ○ [2]

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ۚ ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ

تو جب کافروں سے تمھاری مڈبھیڑ ہو تو گردنوں پر وار مارو [3] جب اُن کا خوب کٹاؤ کر چکو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو، [4] (پھر اختیار ہے) کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ [5] لے کر تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔ [6]

کہ مال و دولت کے ذریعے سے ان کی حالت درست کر دی کیونکہ ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں۔ علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں بلکہ اس سے فساد احوال کا زیادہ امکان ہے۔اسی لیے نبی ﷺ نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

1 ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ مبتدا ہے یا خبر ہے مبتدا محذوف کی، أَيِ الْأَمْرُ ذٰلِكَ یہ اشارہ ہے ان وعیدوں اور وعدوں کی طرف جو کافروں اور مومنوں کے لیے بیان ہوئے۔

2 تاکہ لوگ اس انجام سے بچیں جو کافروں کا مقدر ہے اور وہ راہ حق اپنائیں جس پر چل کر ایمان والے فوز وفلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے۔

3 جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قتل کرنے کی بجائے گردنیں مارنے کا حکم دیا کہ اس تعبیر میں کفار کے ساتھ غلظت و شدت کا زیادہ اظہار ہے۔ (فتح القدیر)

4 یعنی زوردار معرکہ آرائی اور زیادہ سے زیادہ ان کو قتل کرنے کے بعد ان کے جو آدمی قابو میں آ جائیں، انھیں قیدی بنا لو اور مضبوطی سے انھیں جکڑ کر رکھو تا کہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

5 ﴿مَنًّا﴾ کا مطلب ہے: بغیر فدیہ لیے بطور احسان چھوڑ دینا اور ﴿فِدَآءً﴾ کا مطلب کچھ معاوضہ لے کر چھوڑنا ہے۔قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا گیا جو صورت حالات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو وہ اختیار کر لی جائے۔

6 یعنی کافروں کے ساتھ جنگ ختم ہو جائے یا مراد ہے کہ محارب دشمن شکست کھا کر یا صلح کر کے ہتھیار رکھ دے یا اسلام غالب آ جائے اور کفر کا خاتمہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ صورت حال نہ ہو جائے، کافروں کے ساتھ تمھاری معرکہ آرائی جاری رہے گی جس میں تم انھیں قتل بھی کرو گے، قیدیوں میں تمھیں مذکورہ دونوں باتوں کا

اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

یہی حکم ہے [1] اور اگر اللہ چاہتا تو (خود) ہی اُن سے بدلہ لے لیتا، [2] لیکن (اُس کا منشا یہ ہے) کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے لے، [3] اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جاتے ہیں اللہ اُن کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا ○ [4]

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۚ ⑤

اُنھیں راہ دکھائے گا اور اُن کے حالات کی اصلاح کر دے گا ○ [5]

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥

اور اُنھیں اُس جنت میں لے جائے گا جس سے اُنھیں (پہلے سے) شناسا کر دیا ہے ○ [6]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا [7] اور تمھیں ثابت قدم

اختیار ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ آیت منسوخ ہے اور سوائے قتل کے کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ اور امام وقت کو چاروں باتوں کا اختیار ہے، کافروں کو قتل کرے یا قیدی بنائے۔ اور قیدیوں کو چاہے بطور احسان چھوڑ دے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ (فتح القدیر)

1 یا تم اسی طرح کرو، اِفْعَلُوْا ذٰلِكَ یا ذٰلِكَ حُكْمُ الْكُفَّار

2 یعنی کافروں کو ہلاک کر کے یا انھیں عذاب میں مبتلا کر کے، یعنی تمھیں ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

3 یعنی تمھیں ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے تاکہ وہ جان لے کہ تم میں سے اس کی راہ میں لڑنے والے کون ہیں؟ تاکہ ان کو اجر و ثواب دے اور ان کے ہاتھوں سے کافروں کو ذلت و شکست سے دوچار کرے۔

4 یعنی ان کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔

5 یعنی انھیں ایسے کاموں کی توفیق دے گا جن سے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا۔

6 یعنی جسے وہ بغیر رہنمائی کے پہچان لیں گے اور جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو از خود ہی اپنے اپنے گھروں میں جا داخل ہوں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ایک جنتی کو اپنے جنت والے گھر کے راستوں کا اس سے کہیں زیادہ علم ہوگا، جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا۔“ (صحيح البخاري، حديث:6535)

7 اللہ کی مدد کرنے سے مطلب، اللہ کے دین کی مدد ہے کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعے سے ہی کرتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو

رکھے گا ○[1]

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧

اور جو لوگ کافر ہوئے، اُن کے لیے ہلاکت ہو، اللہ اُن کے اعمال غارت کر دے گا ○

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے[2]، پس اللہ نے (بھی) اُن کے اعمال ضائع کر دیے ○[3]

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩

کیا اُن لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معاینہ نہیں کیا کہ اُن سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟[4] اللہ نے اُنھیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں ○[5]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ

وہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ ہے اور اس

اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے، یعنی انھیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے، جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے، وہ دین کے ہو گئے تھے تو اللہ بھی ان کا ہو گیا تھا، انھوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ نے انھیں بھی دنیا پر غالب فرما دیا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ (الحج 22:40) ''اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔''

1 یعنی لڑائی کے وقت تَثْبِيتِ أَقْدَام یہ عبارت ہے میدانِ جنگ میں امداد اور معونت سے۔ بعض کہتے ہیں اسلام یا پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

2 یعنی قرآن اور ایمان کو انھوں نے ناپسند کیا۔

3 اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو صورتاً اعمالِ خیر ہیں لیکن عدمِ ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان پر اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

4 جن کے بہت سے آثار ان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ نزولِ قرآن کے وقت بعض تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات اور آثار موجود تھے، اس لیے انھیں چل پھر کر ان کے عبرت ناک انجام دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شاید ان کو دیکھ کر ہی یہ ایمان لے آئیں۔

5 یہ اہلِ مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے تو تمھارے لیے بھی ایسی ہی سزا ہو سکتی ہے۔ اور گزشتہ کافر قوموں کی ہلاکت کی طرح تمھیں بھی ہلاکت سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔

ع 1 11 5 الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ع 11
اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ 12
وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ج اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ 13
اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ 14

لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں ○ [1]
جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک اعمال کیے اُنھیں اللہ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں، [2] اُن کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے ○
اور کتنی ہی ایسی بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا، ہم نے اُنھیں ہلاک کر دیا ہے، پس اُن کا مددگار کوئی نہ اٹھا ○
کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہو سکتا ہے؟ جس کے لیے اُس کا برا کام مزین کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟ ○ [3]

---

1 چنانچہ جنگ احد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے، مثلاً: أُعْلُ هُبَل ، أُعْلُ هُبَلُ (ہبل بت کی جے) کے جواب میں اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ کافروں کے انھی نعروں میں سے ایک نعرے لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا: [اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ] (صحيح البخاري، حديث:4043) ''اللہ ہمارا مددگار ہے، تمھارا کوئی مددگار نہیں۔''

2 یعنی جس طرح جانوروں کو پیٹ اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے، ان کا مقصد زندگی بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ نہیں، آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ اس سے ضمناً واشارتاً کھڑے کھڑے کھانے کی اس عادت کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کا آج کل دعوتوں میں عام رواج ہے کیونکہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوہ بتلایا گیا ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے کی اس عادت سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

3 برے کام سے مراد شرک ومعصیت ہیں، مطلب وہی ہے جو پہلے بھی متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ مومن وکافر، مشرک وموحد اور نیکوکار وبدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک کے لیے اللہ کے ہاں اجر وثواب اور جنت کی نعمتیں ہیں جبکہ دوسرے کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب۔ اگلی آیت میں دونوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس جنت کی خوبیاں

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ

اُس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اُس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں، [1] اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا، [2] اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لیے بڑی لذت ہے [3] اور شہد کی نہریں ہیں جو بہت صاف ہے [4] اور اُن کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے

اور محاسن، جس کا وعدہ متقین سے ہے۔

1 ﴿اٰسِنٍ﴾ کے معنی: ''متغیر'' یعنی بدل جانے والا، ﴿غَیْرِ اٰسِنٍ﴾ ''نہ بدلنے والا'' یعنی دنیا میں تو پانی کسی ایک جگہ کچھ دیر پڑا رہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کی بو اور ذائقے میں تبدیلی آ جاتی ہے جس سے وہ مضرِ صحت ہو جاتا ہے۔ جنت کے پانی کی یہ خوبی ہوگی کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، یعنی اس کی بو اور ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب پیو، تازہ، مفرح اور صحت افزا۔

2 جس طرح دنیا میں وہ دودھ بعض دفعہ خراب ہو جاتا ہے جو گایوں، بھینسوں اور بکریوں وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے۔ جنت کا دودھ چونکہ اس طرح جانوروں کے تھنوں سے نہیں نکلے گا بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لیے جس طرح وہ نہایت لذیذ ہوگا، خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا۔

3 دنیا میں جو شراب ملتی ہے، وہ عام طور پر نہایت تلخ، بدمزہ اور بدبودار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسے پی کر انسان بالعموم حواس باختہ ہو جاتا ہے، اول فول بکتا ہے اور اپنے جسم تک کا ہوش اسے نہیں رہتا۔ جنت کی شراب دیکھنے میں حسین، ذائقے میں اعلیٰ اور نہایت خوشبودار ہوگی اور اسے پی کر کوئی انسان بہکے گا نہ کوئی گرانی محسوس کرے گا بلکہ ایسی لذت و فرحت محسوس کرے گا جس کا تصور اس دنیا میں ممکن نہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:47) ''نہ اس سے چکر آئے گا نہ عقل جائے گی۔'' (مزید دیکھیے: سورۂ واقعہ 56:19)

4 یعنی شہد میں بالعموم جن چیزوں کی آمیزش کا امکان رہتا ہے جس کا مشاہدہ دنیا میں عام ہے جنت میں ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔ بالکل صاف شفاف ہوگا کیونکہ یہ دنیا کی طرح مکھیوں سے حاصل کردہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی بھی نہریں ہوں گی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی تم سوال کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2790)

وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿15﴾

ہیں اور اُن کے رب کی طرف سے مغفرت ہے، کیا یہ مثل اُس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنھیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو اُن کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ○ [1]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿16﴾

اور اُن میں بعض (ایسے بھی ہیں کہ) تیری طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ اُس نے ابھی کیا کہا تھا؟ [2] یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں ○

وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿17﴾

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے اُنھیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور اُنھیں اُن کی پرہیزگاری عطا فرمائی ہے ○ [3]

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى

تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ اُن کے پاس اچانک آ جائے یقیناً اُس کی علامتیں تو آ چکی ہیں، [4] پھر

1 یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو مذکور ہوئے کیا وہ ایسے جہنمیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال ہوگا؟ ظاہر بات ہے ایسا نہیں ہوگا بلکہ ایک درجات میں ہوگا اور دوسرا درکات (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں دادِ طرب و عیش دے رہا ہوگا، دوسرا عذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہوگا۔ ایک اللہ کا مہمان ہوگا جہاں انواع و اقسام کی چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی، جہاں اس کو کھانے کے لیے زقوم جیسا تلخ و کسیلا کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ، از کجا است تا بہ کجا

2 یہ منافقین کا ذکر ہے، ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی، اس لیے نبی ﷺ کی باتیں بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آ کر صحابہ سے پوچھتے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟

3 یعنی جن کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ ان کو ہدایت کی توفیق بھی دے دیتا ہے اور ان کو اس پر ثابت قدمی بھی عطا فرماتا ہے۔

4 یعنی نبی ﷺ کی بعثت بجائے خود قربِ قیامت کی ایک علامت ہے جیسا کہ آپ نے بھی فرمایا: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ» (صحيح البخاري، حديث: 4936) ''میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔''

لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿18﴾

جب کہ اُن کے پاس قیامت آ جائے، اُنھیں نصیحت کرنا کہاں ہوگا؟ ○ [1]

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿19﴾ ع 2/8/6

سو (اے نبی!) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں [2] اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی، [3] اللہ تم لوگوں کی آمد و رفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے ○ [4]

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟ [5] پھر جب کوئی صاف مطلب والی

آپ ﷺ نے اشارہ کر کے واضح فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ نہیں ہے یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری انگلی سے ذرا سا آگے ہے اسی طرح قیامت میرے ذرا سا بعد ہے۔ (دیکھیے: فتح الباري شرح صحيح البخاري، حدیث: 6503 کے تحت۔)

1 یعنی جب قیامت اچانک آ جائے گی تو کافر کس طرح نصیحت حاصل کر سکیں گے؟ مطلب ہے اس وقت اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو وہ مقبول نہیں ہوگی، اس لیے اگر توبہ کرنی ہے تو یہی وقت ہے ورنہ وہ وقت بھی آ سکتا ہے کہ ان کی توبہ بھی غیر مفید ہوگی۔

2 یعنی اس عقیدے پر ثابت اور قائم رہیں کیونکہ یہی توحید اور اطاعت الٰہی مدار خیر ہے اور اس سے انحراف، یعنی شرک اور معصیت، مدار شر ہے۔

3 اس میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اپنے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ استغفار کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «يَاأَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا إِلٰى رَبِّكُمْ فَإِنِّي أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً» (مسند أحمد: 421/4) ”لوگو! بارگاہ الٰہی میں توبہ و استغفار کیا کرو، میں بھی اللہ کے حضور روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔“

4 یعنی دن کو تم جہاں پھرتے اور جو کچھ کرتے ہو اور رات کو جہاں آرام کرتے اور استقرار پکڑتے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مطلب ہے شب و روز کی کوئی سرگرمی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

5 جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو مومنین جو جذبۂ جہاد سے سرشار تھے جہاد کی اجازت کے خواہش مند تھے اور کہتے تھے کہ اس بارے میں کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی جاتی؟ یعنی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿20﴾

سورت [1] نازل کی جاتی ہے اور اُس میں قتال کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اُس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، [2] پس بہت بہتر تھا اُن کے لیے ○

طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿21﴾

فرمان کا بجا لانا اور اچھی بات کا کہنا، [3] پھر جب کام مقرر ہو جائے [4] تو اگر اللہ سے سچے رہیں [5] تو اُن کے لیے بہتری ہے ○ [6]

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿22﴾

اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو [7] اور رشتے ناتے توڑ ڈالو ○

---

1 یعنی ایسی سورت جو غیر منسوخ ہو۔

2 یہ ان منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گزرتا تھا، ان میں بعض کمزور ایمان والے بھی بعض دفعہ شامل ہو جاتے تھے۔ سورۂ نساء 4:77 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

3 یعنی حکم جہاد سے گھبرانے کی بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی ﷺ کی بابت گستاخی کی بجائے اچھی بات کہتے۔ یہ أَوْلٰى بمعنی أَجْدَرُ ہے جسے ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے أَوْلٰى کو تہدید و وعید کا کلمہ، یعنی بددعا قرار دیا ہے۔ مَعْنَاهُ قَارَبَهُ مَا يُهْلِكُهُ (ان کی ہلاکت قریب ہے) مطلب ہے، ان کی بزدلی اور نفاق ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس اعتبار سے ﴿طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ جملہ مستانفہ ہو گا اور اس کی خبر محذوف ہو گی خَيْرٌ لَكُمْ. (فتح القدير، أيسر التفاسير)

4 یعنی جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے اور وقت جہاد آ جائے۔

5 یعنی اگر اب بھی نفاق چھوڑ کر اپنی نیت اللہ کے لیے خالص کر لیں یا رسول کے سامنے رسول کے ہمراہ لڑنے کا جو عہد کرتے ہیں، اس میں اللہ سے سچے رہیں۔

6 یعنی نفاق اور مخالفت کے مقابلے میں توبہ و اخلاص کا مظاہرہ بہتر ہے۔

7 ایک دوسرے کو قتل کر کے، یعنی اختیار و اقتدار کا غلط استعمال کرو۔ امام ابن کثیر نے ﴿تَوَلَّيْتُمْ﴾ کا ترجمہ کیا ہے: ''تم جہاد سے پھر جاؤ اور اس سے اعراض کرو۔'' یعنی تم پھر زمانۂ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ اور باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو۔ اس میں فساد فی الارض کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰٓ أَبْصَارَهُمْ ﴿23﴾
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ ﴿24﴾
إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۖ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿25﴾
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿26﴾

یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے ○ [1]
کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا اُن کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں ○ [2]
جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل اُلٹے پھر گئے اس کے بعد کہ اُن کے لیے ہدایت واضح ہو چکی [3] یقیناً شیطان نے ان کے لیے مزین کر دیا ہے اور اُنھیں ڈھیل دے رکھی ہے ○ [4]
یہ [5] اس لیے کہ اُنھوں نے اُن لوگوں سے جنھوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو بُرا سمجھا یہ کہا [6] کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں [7] میں تمھارا کہا مانیں گے، اور اللہ اُن کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے ○ [8]

تاکید ہے، جس کا مطلب ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے، عمل سے اور بذل اموال کے ذریعے سے اچھا سلوک کرو۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (ابن کثیر)

1 یعنی ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے (حق کے سننے سے) بہرہ اور آنکھوں کو (حق کے دیکھنے سے) اندھا کر دیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے مذکورہ اعمال سَیِّئَہ کا۔

2 جس کی وجہ سے قرآن کے معانی ومفاہیم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔

3 اس سے مراد منافقین ہی ہیں جنھوں نے جہاد سے گریز کر کے اپنے کفر وارتداد کو ظاہر کر دیا۔

4 اس کا فاعل بھی شیطان ہے، یعنی مَدَّ لَـهُمْ فِي الْأَمَلِ وَوَعَدَهُمْ طُولَ الْعُمُرِ یعنی انھیں لمبی آرزوؤں اور اس دھوکے میں مبتلا کر دیا کہ ابھی تو تمھاری بڑی عمر ہے، کیوں لڑائی میں اپنی جان گنواتے ہو؟ یا فاعل اللہ ہے، اللہ نے انھیں ڈھیل دی، یعنی فوراً ان کا مواخذہ نہیں فرمایا۔

5 ''یہ'' سے مراد ان کا ارتداد ہے۔

6 یعنی منافقین نے مشرکین سے یا یہود سے کہا۔

7 یعنی نبی ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت میں۔

8 جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ﴾ (النسآء 4:81) ''اور اللہ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو (خفیہ) باتیں کرتے ہیں۔''

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿27﴾

پس اُن کا کیا حال ہوگا جب کہ فرشتے اُن کی روح قبض کرتے ہوئے اُن کے چہروں اور اُن کی پیٹھوں پر ماریں گے ○ [1]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ
وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿28﴾ ع 3 9 7

یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے اُنھوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اُنھوں نے اُس کی رضامندی کو برا جانا، تو اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کر دیے ○

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿29﴾

کیا اُن لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ اُن کے کینوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا ○ [2]

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿30﴾

اور اگر ہم چاہتے تو اُن سب کو تجھے دکھا دیتے، پس تو انھیں اُن کے چہرے ہی سے پہچان لیتا، [3] اور یقیناً تو انھیں اُن کی بات کے ڈھنگ سے پہچان لے گا [4] اور تمھارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں ○

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿31﴾

یقیناً ہم تمھارا امتحان کریں گے تا کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں اور ہم

---

1 یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ روحیں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی اور ادھر ادھر بھاگتی ہیں تو فرشتے سختی اور زور سے انھیں پکڑتے، کھینچتے اور مارتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے قبل سورۂ انعام 93:6 اور سورۂ انفال 50:8 میں بھی گزر چکا ہے۔

2 أَضْغَانٌ، ضِغْنٌ کی جمع ہے جس کے معنی: حسد، کینہ اور بغض کے ہیں۔ منافقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض وعناد تھا، اس کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے۔

3 یعنی ایک ایک شخص کی اس طرح نشان دہی کر دیتے کہ ہر منافق کو عِیَانًا پہچان لیا جاتا۔ لیکن تمام منافقین کے لیے اللہ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے، وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں۔ دوسرا: اس نے انسانوں کو ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔

4 البتہ ان کا لہجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے اے پیغمبر! تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے۔ یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے کہ انسانوں کے دلوں میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ انھیں لاکھ چھپائیں لیکن انسان کی گفتگو، حرکات وسکنات اور بعض مخصوص کیفیات، اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔

تمھاری حالتوں کو بھی جانچیں گے ○ [1]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿32﴾

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ اُن کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی، یہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے۔ [2] عنقریب اُن کے اعمال غارت کر دیے جائیں گے ○ [3]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿33﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو ○ [4]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿34﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے (اوروں کو) روکا، پھر کفر کی حالت ہی میں مر گئے (یقین کرلو) کہ اللہ اُنھیں ہرگز نہ بخشے گا ○

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ

پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آؤ جب کہ تم ہی بلند و غالب رہو گے [5] اور اللہ تمھارے ساتھ

1 اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔ یہاں علم سے مراد اس کا وقوع اور ظہور ہے تا کہ دوسرے بھی جان لیں اور دیکھ لیں۔ اسی لیے امام ابن کثیر نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے: حَتّٰى نَعْلَمَ وُقُوعَهُ. ''یہاں تک کہ ہم اس کے وقوع کو جان لیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے: لِنَرٰی ''تا کہ ہم دیکھ لیں۔'' (ابن کثیر)

2 بلکہ اپنا ہی بیڑا غرق کریں گے۔

3 کیونکہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ ایمان و اخلاص ہی ہر عمل خیر کو اس قابل بناتا ہے کہ اس پر اللہ کے ہاں سے اجر ملے۔

4 یعنی منافقین اور مرتدین کی طرح ارتداد و نفاق اختیار کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کرو۔ یہ گویا اسلام پر استقامت کا حکم ہے۔ بعض نے کبائر و فواحش کے ارتکاب کو بھی حَبطِ اعمال (عملوں کے ضائع ہونے) کا باعث گردانا ہے۔ اسی لیے مومنین کی صفات میں ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے گناہ اور فواحش سے بچتے ہیں۔ (النجم 32:53) اس اعتبار سے کبائر و فواحش سے بچنے کی اس میں تاکید ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے۔

5 مطلب یہ ہے کہ جب تم تعداد اور قوت و طاقت کے اعتبار سے دشمن پر غالب اور فائق ہو تو ایسی صورت میں کفار

اَعۡمَالَكُمۡ ﴿35﴾
اِنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا يُؤۡتِكُمۡ اُجُوۡرَكُمۡ وَلَا يَسۡـَٔـلۡكُمۡ اَمۡوَالَكُمۡ ﴿36﴾
اِنۡ يَّسۡـَٔـلۡكُمُوۡهَا فَيُحۡفِكُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَيُخۡرِجۡ اَضۡغَانَكُمۡ ﴿37﴾
هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِيۡ

ہے [1] ، ناممکن ہے کہ وہ تمھارے اعمال ضائع کر دے ○ [2]
واقعی زندگانیٔ دنیا تو صرف کھیل کود ہے [3] اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمھیں تمھارے اجر دے گا اور وہ تم سے تمھارے مال نہیں مانگتا ○ [4]
اگر وہ تم سے تمھارا مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم اس وقت بخیلی کرنے لگو گے اور وہ بخیلی تمھارے کینے ظاہر کر دے گی ○ [5]
خبردار! تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے

کے ساتھ صلح اور کمزوری کا مظاہرہ مت کرو بلکہ کفر پر ایسی کاری ضرب لگاؤ کہ اللہ کا دین سربلند ہو جائے۔ غالب و برتر ہوتے ہوئے کفر کے ساتھ مصالحت کا مطلب، کفر کے اثر ونفوذ کے بڑھانے میں مدد دینا ہے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافروں کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اجازت یقیناً ہے لیکن ہر وقت نہیں۔ صرف اس وقت ہے جب مسلمان تعداد میں کم اور وسائل کے لحاظ سے فروتر ہوں۔ ایسے حالات میں لڑائی کی بہ نسبت صلح میں زیادہ فائدہ ہے تاکہ مسلمان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھرپور تیاری کر لیں، جیسے خود نبی ﷺ نے کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا دس سالہ معاہدہ کیا تھا۔ (سنن أبي داود، حديث:2765)

1 اس میں مسلمانوں کے لیے دشمن پر فتح ونصرت کی عظیم بشارت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو، اس کو کون شکست دے سکتا ہے۔

2 بلکہ وہ اس پر پورا اجر دے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

3 یعنی ایک فریب اور دھوکا ہے، اس کی کسی چیز کی بنیاد ہے نہ اس کو ثبات اور نہ اس کا اعتبار۔

4 یعنی وہ تمھارے مالوں سے بے نیاز ہے۔ اسی لیے اس نے تم سے زکاۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک نہایت قلیل حصے کا، یعنی صرف ڈھائی فی صد کا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ ازیں اس کا مقصد بھی تمھارے اپنے ہی بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔

5 یعنی اگر ضرورت سے زائد کل مال کا مطالبہ کرے اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دے کر تو یہ انسانی فطرت ہے کہ تم بخل بھی کرو گے اور اسلام کے خلاف اپنے بغض وعناد کا اظہار بھی، یعنی اس صورت میں خود اسلام کے خلاف بھی تمھارے دلوں میں عناد پیدا ہو جاتا کہ یہ اچھا دین ہے جو ہماری محنت کی ساری کمائی اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ
يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ
الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا
يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا
اَمْثَالَكُمْ ع ﴿38﴾ ع 4/10/8

لیے بلائے جاتے ہو،[1] تو تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے۔[2] اللہ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو[3] اور اگر تم روگرداں ہو جاؤ[4] تو وہ تمھارے بدلے تمھارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے ○[5]

اٰيَاتُهَا 29 (48) سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (111) رُكُوْعَاتُهَا 4

سورۂ فتح مدنی[6] ہے، اس میں 29 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ ﴿1﴾

بے شک (اے نبی!) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلی فتح دی ہے ○

---

1 یعنی کچھ حصہ زکاۃ اور عام صدقات کے طور پر اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔

2 یعنی اپنے ہی نفس کو انفاق فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم رکھتا ہے۔

3 یعنی اللہ تمھیں خرچ کرنے کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ وہ تمھارے مال کا ضرورت مند ہے۔ نہیں، وہ تو غنی ہے، بے نیاز ہے، وہ تو تمھارے ہی فائدے کے لیے تمھیں یہ حکم دیتا ہے کہ اس سے ایک تو تمھارے اپنے نفسوں کا تزکیہ ہو۔ دوسرے: تمھارے ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ تیسرے: تم دشمن پر غالب اور برتر رہو، اس لیے اللہ کی رحمت اور مدد کے محتاج تم ہو نہ کہ اللہ تمھارا محتاج ہے۔

4 یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جاؤ۔

5 بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی لٹکا ہوا ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3261، وذكره الألباني في الصحيحة: 14/3)

6 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ اور 14 سو کے قریب صحابہ عمرے کی نیت سے مکہ تشریف لے گئے لیکن مکے کے قریب حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے آپ کو روک لیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکے بھیجا تا کہ وہ رؤسائے قریش سے گفتگو کر کے انھیں مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ کریں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، جس پر آپ نے صحابہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی بیعت لی جو بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ یہ افواہ غلط نکلی، تاہم کفار مکہ نے اجازت نہیں دی اور مسلمانوں

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ② وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ③ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ

تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ معاف فرمائے،[1] اور تجھ پر اپنا احسان پورا کر دے[2] اور تجھے سیدھی راہ چلائے ○[3]

اور آپ کو ایک زبردست مدد دے ○

وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں[4] اور آسمانوں اور زمین کے

نے آئندہ سال کے وعدے پر واپسی کا ارادہ کر لیا، وہیں اپنے سر بھی منڈا لیے اور قربانیاں کر لیں۔ نیز کفار سے اور بھی چند باتوں کا معاہدہ ہوا جنھیں صحابہ کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے اس کے دوررس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ حدیبیہ سے مدینے کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سورت اتری جس میں صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان مکے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اسی لیے بعض صحابہ کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔ اور نبی ﷺ نے اس سورت کی بابت فرمایا: ''آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4177)

1 اس سے مراد ترک اولیٰ والے معاملات یا وہ امور ہیں جو آپ نے اپنے فہم واجتہاد سے کیے لیکن اللہ نے انھیں ناپسند فرمایا، جیسے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ کا واقعہ ہے جس پر سورۂ عبس کا نزول ہوا، یہ معاملات وامور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں لیکن آپ کی شان ارفع کے پیش نظر انھیں بھی کوتاہیاں شمار کر لیا گیا جس پر معافی کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ ﴿لِّيَغْفِرَ﴾ میں لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی یہ فتح مبین ان تین چیزوں کا سبب ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ اور یہ مغفرت ذنوب کا سبب اس اعتبار سے ہے کہ اس صلح کے بعد قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا جس سے آپ کے اجر عظیم میں بھی خوب اضافہ ہوا اور حسنات، کفارۂ سَیِّئات ہیں۔

2 اس دین کو غالب کر کے جس کی تم دعوت دیتے ہو یا فتح وغلبہ عطا کر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مغفرت اور ہدایت پر استقامت یہی اتمام نعمت ہے۔ (فتح القدير)

3 یعنی اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔

4 یعنی اس اضطراب کے بعد جو مسلمانوں کو شرائط صلح کی وجہ سے لاحق ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرما دی جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿4﴾
لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ
عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿5﴾
وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ
بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ
السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ
وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿6﴾

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ

(کل) لشکر اللہ ہی کے ہیں۔[1] اور اللہ دانا باحکمت ہے ○
تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو اُن جنتوں میں لے جائے[2] جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اُن سے اُن کے گناہ دُور کر دے، اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○
اور تاکہ اُن منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب کرے جو اللہ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں،[3] (دراصل) اُنھیں پر برائی کا پھیرا ہے،[4] اللہ اُن پر ناراض ہوا اور اُنھیں لعنت کی اور اُن کے لیے دوزخ تیار کی اور وہ بہت بُری لوٹنے کی جگہ ہے ○
اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور

---

1 یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی لشکر (مثلاً: فرشتوں) سے کفار کو ہلاک کروا دے۔ لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسا نہیں کیا اور اس کی بجائے مومنوں کو قتال و جہاد کا حکم دیا۔ اسی لیے آگے اپنی صفت علیم و حکیم بیان فرمائی ہے۔ یا مطلب ہے کہ آسمان و زمین کے فرشتے اور اسی طرح دیگر ذی شوکت و قوت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں اور ان سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک کافر گروہ کو ہی دوسرے کافر گروہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی امداد کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمھارا محتاج نہیں ہے، وہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کی مدد کا کام کسی بھی گروہ اور لشکر سے لے سکتا ہے۔ (ابن کثیر و أیسر التفاسیر)

2 حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۂ فتح کا ابتدائی حصہ سنا ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ تو انھوں نے نبی ﷺ سے کہا: آپ کو مبارک ہو، ہمارے لیے کیا ہے۔ جس پر اللہ نے آیت ﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نازل فرما دی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4172) بعض کہتے ہیں کہ یہ ﴿لِيَزْدَادُوْٓا﴾ یا ﴿يَنْصُرَكَ﴾ کے متعلق ہے۔

3 یعنی اللہ کو اس کے حکموں پر مُتَّہَم کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (ابن کثیر)

4 یعنی یہ جس گردش، عذاب یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لیے منتظر ہیں، وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑦	اللہ غالب اور حکمت والا ہے ○ [1]
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ⑧	یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○
لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ⑨	تا کہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو اور اُس کا ادب کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو ○
اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ⑩ ع 1/10/9	جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں، [2] اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے [3] تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس ہی پر عہد شکنی کرتا ہے [4] اور جو شخص اُس اقرار کو پورا کرے جو اُس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے [5] تو اُسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا ○
سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ	دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ

1 یہاں اسے منافقین اور کفار کے ضمن میں دوبارہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دشمنوں کو ہر طرح ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی حکمت و مشیت کے تحت ان کو جتنی چاہے مہلت دے دے۔

2 یعنی یہ بیعت دراصل اللہ ہی کی ہے کیونکہ اسی نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر بھی وہی عطا فرمائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ اپنے نفسوں اور مالوں کا جنت کے بدلے اللہ کے ساتھ سودا ہے۔ (التوبة 9:111) یہ اسی طرح ہے جیسے ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النسآء 4:80) ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

3 اللہ کا ہاتھ (جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) ان کے ہاتھوں کے اوپر ہی۔ اور اللہ ان کے ساتھ اپنے علم کے ذریعے حاضر ہے، ان کی باتیں سن اور ان کی جگہ دیکھ رہا ہے اور ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ آیت سے وہی بیعت رضوان مراد ہے جو نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت سن کر ان کا انتقام لینے کے لیے حدیبیہ میں موجود 14 یا 15 سو مسلمانوں سے لی تھی۔

4 نَكَثَ (عہد شکنی) سے مراد یہاں بیعت کا توڑ دینا، یعنی عہد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہ لینا ہے، یعنی جو شخص ایسا کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

5 کہ وہ اللہ کے رسول کی مدد کرے گا، ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و غلبہ

شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪

اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور بال بچوں میں لگے رہ گئے، پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے۔[1] یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔[2] آپ جواب دے دیجیے کہ تمھارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے؟ اگر وہ تمھیں نقصان پہنچانا چاہے[3] یا تمھیں کوئی نفع دینا چاہے[4] تو بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اُس سے اللہ خوب باخبر ہے[5] ○

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ

(نہیں) بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ رسول اور

عطا فرما دے۔

1 اس سے مدینے کے اطراف میں آباد قبیلے، غفار، مزینہ، جہینہ، اسلم، اشجع اور دُئِل مراد ہیں۔ جب نبی ﷺ نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل آگے آئے گی) عمرے کے لیے مکہ جانے کی عام منادی کرادی۔ تو مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات تو مکہ جانے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں نیز مسلمان عمرے کے لیے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جا سکتے۔ اگر ایسے میں کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کرلیا تو مسلمان خالی ہاتھ ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اس وقت مکے جانے کا مطلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرما رہا ہے کہ یہ تجھ سے مشغولیتوں کا عذر پیش کر کے طلب مغفرت کی التجائیں کریں گے۔

2 یعنی زبانوں پر تو یہ ہے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں کی اور بیوی بچوں کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا، اس لیے ہمیں خود ہی رکنا پڑا لیکن حقیقت میں ان کا پیچھے رہنا نفاق اور اندیشۂ موت کی وجہ سے تھا۔

3 یعنی اگر اللہ تمھارے مال ضائع کرنے اور تمھارے اہل کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلے تو کیا تم میں سے کوئی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا نہ کرنے دے۔

4 یعنی تمھیں مدد پہنچانا اور تمھیں غنیمت سے نوازنا چاہے تو کوئی روک سکتا ہے۔ یہ دراصل مذکورہ مُتَخَلِفِین (پیچھے رہ جانے والوں) کا رد ہے جنھوں نے یہ گمان کرلیا تھا کہ وہ اگر نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تو نقصان سے محفوظ اور منافع سے بہرہ ور ہوں گے، حالانکہ نفع و ضرر کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

5 یعنی تمھیں تمھارے عملوں کی پوری جزا دے گا۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًاۢ بُوْرًا ⑫

مسلمانوں کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمھارے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور تم نے بُرا گمان کر رکھا تھا۔[1] دراصل تم لوگ ہو بھی ہلاکت والے ○[2]

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬

اور جو شخص اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے ○

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭

اور زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○[3]

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ

جب تم غنیمتیں لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجیے،[4] وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں[5] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ پہلے ہی

---

1 اور وہ یہی تھا کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا۔ یہ وہی پہلا گمان ہے، تکرار تاکید کے لیے ہے۔

2 ﴿بُوْرًا﴾ بَائِرٌ کی جمع ہے، ہلاک ہونے والا، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقدر ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں یہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں تو بچ کر نہیں جا سکتے وہاں تو عذاب ہر صورت میں بھگتنا ہوگا۔

3 اس میں مُتَخَلِّفِین کے لیے توبہ و انابت الی اللہ کی ترغیب ہے کہ اگر وہ نفاق سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرما دے گا، وہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

4 اس میں غزوۂ خیبر کا ذکر ہے جس کی فتح کی نوید اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں دی تھی، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں سے جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہوگا، وہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کا حصہ ہے، چنانچہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ نے یہودیوں کی مسلسل عہد شکنی کی وجہ سے خیبر پر چڑھائی کا پروگرام بنایا تو مذکورہ مُتَخَلِّفِین نے بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جسے منظور نہیں کیا گیا۔ آیت میں مغانم سے مراد مغانم خیبر ہی ہیں۔

5 اس اللہ کے کلام سے مراد اللہ کا خیبر کی غنیمت کا اہل حدیبیہ کے لیے خاص کرنے کا وعدہ ہے۔ منافقین اس میں شریک ہو کر اللہ کے کلام، یعنی اس کے وعدے کو بدلنا چاہتے تھے۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿15﴾

فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے،[1] وہ اس کا جواب دیں گے (نہیں نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو[2] لیکن (اصل بات یہ ہے کہ) وہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں ○[3]

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿16﴾

آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے،[4] پس اگر تم اطاعت کرو[5] گے تو اللہ تمھیں بہت بہتر بدلہ دے گا[6] اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمھیں دردناک عذاب دے گا ○[7]

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ

اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج

---

1 یہ نفی بمعنی نہی ہے، یعنی تمھیں ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔

2 یعنی یہ مُتَخَلِّفِین کہیں گے کہ تم ہمیں حسد کی بنا پر ساتھ لے جانے سے گریز کر رہے ہو تا کہ مال غنیمت میں ہم تمھارے شریک نہ ہوں۔

3 یعنی بات یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ پابندی ان کے پیچھے رہنے کی پاداش میں ہے۔ لیکن اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

4 اس جنگجو قوم کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین اس سے عرب کے ہی بعض قبائل مراد لیتے ہیں، مثلاً: ہوازن یا ثقیف جن سے حنین کے مقام پر مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ یا مسیلمہ کذّاب کی قوم بنو حنیفہ۔ اور بعض نے فارس اور روم کے مجوسی وعیسائی مراد لیے ہیں۔ ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب ایک جنگجو قوم سے مقابلے کے لیے تمھیں بلایا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو تمھاری اور ان کی جنگ ہوگی۔

5 یعنی خلوص دل سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔

6 دنیا میں غنیمت اور آخرت میں پچھلے گناہوں کی مغفرت اور جنت۔

7 یعنی جس طرح حدیبیہ کے موقع پر تم نے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے سے گریز کیا تھا، اسی طرح اب بھی تم جہاد سے بھاگو گے تو پھر اللہ کا دردناک عذاب تمھارے لیے تیار ہے۔

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿17﴾

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿18﴾

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿19﴾

ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے [1] جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اُسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اُسے دردناک عذاب (کی سزا) دے گا ○

یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ [2] اُن کے دلوں میں جو تھا اُسے اُس نے معلوم کر لیا [3] اور اُن پر اطمینان نازل فرمایا [4] اور اُنھیں قریب کی فتح عنایت فرمائی ○ [5]

اور بہت سی غنیمتیں جنھیں وہ حاصل کریں گے [6] اور اللہ غالب حکمت والا ہے ○

1 بصارت سے محرومی اور لنگڑے پن کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری۔ یہ دونوں عذر تو لازمی ہیں۔ ان اصحاب عذر یا ان جیسے دیگر معذورین کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ ﴿حَرَجٌ﴾ کے معنی گناہ کے ہیں ان کے علاوہ جو بیماریاں ہیں، وہ عارضی عذر ہیں جب تک وہ واقعی بیمار ہیں، شرکت جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ بیماری دور ہوتے ہی وہ حکم جہاد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

2 یہ ان اصحاب بیعت رضوان کے لیے رضائے الٰہی اور ان کے پکے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے جنھوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔

3 یعنی ان کے دلوں میں جو صدق وصفا کے جذبات تھے، اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ اس سے ان دشمنان صحابہ کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ان کا ایمان ظاہری تھا، دل سے وہ منافق تھے۔

4 یعنی وہ نہتے تھے، جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے جنگی ہتھیار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنیٰ تامل، سب لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، یعنی ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر وسکینت ان پر نازل فرما دی جس کی بنا پر انھیں لڑنے کا حوصلہ ہوا۔

5 اس سے مراد وہی فتح خیبر ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا اور حدیبیہ سے واپسی کے بعد 7 ہجری میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔

6 یہ وہ غنیمتیں ہیں جو خیبر سے حاصل ہوئیں۔ یہ نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اسی حساب سے یہاں سے

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿20﴾

اللہ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے [1] جنھیں تم حاصل کرو گے، پس یہ تو تمھیں جلدی ہی عطا فرما دی [2] اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے [3] تاکہ مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی ہو جائے [4] اور (تاکہ) وہ تمھیں سیدھی راہ چلائے ○ [5]

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿21﴾

اور تمھیں اور (غنیمتیں) بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا۔ اللہ نے اُنھیں اپنے قابو میں رکھا ہے [6] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿22﴾

اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے نہ مددگار ○ [7]

مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں غنیمت کا مال حاصل ہوا، جسے صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا۔

1 یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہیں۔

2 یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ کیونکہ یہ دونوں تو فوری طور پر مسلمانوں کو حاصل ہو گئیں۔

3 حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ اور خیبر میں یہودیوں کے ہاتھ اللہ نے روک دیے، یعنی ان کے حوصلے پست کر دیے اور وہ مسلمانوں سے مصروف پیکار نہیں ہوئے۔

4 یعنی لوگ اس واقعے کا تذکرہ پڑھ کر اندازہ لگا لیں گے کہ اللہ تعالیٰ قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کا محافظ اور دشمنوں پر ان کو غالب کرنے والا ہے یا یہ روک لینا، تمام موعودہ باتوں میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی نشانی ہے۔

5 یعنی ہدایت پر استقامت عطا فرمائے یا اس نشانی سے تمھیں ہدایت میں اور زیادہ کرے۔

6 یہ بعد میں ہونے والی فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح چار دیواری کر کے کسی چیز کو اپنے قبضے میں کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی بابت بے فکری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان فتوحات کو اپنے حیطۂ اقتدار میں لیا ہوا ہے، یعنی گو ابھی تمھاری فتوحات کا دائرہ وہاں تک وسیع نہیں ہوا ہے۔ لیکن اللہ نے انھیں تمھارے لیے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا، تمھیں اس پر غلبہ عطا کر دے گا جس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض نے ﴿ اَحَاطَ ﴾ کے معنی عَلِمَ کے کیے ہیں، یعنی اسے معلوم ہے کہ وہ علاقے بھی تم فتح کرو گے۔

7 یہ حدیبیہ میں متوقع جنگ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ قریش مکہ صلح نہ کرتے بلکہ جنگ کا راستہ اختیار

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿23﴾
وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿24﴾
هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ

اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے،[1] تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا ○
وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو اُن سے روک لیا اس کے بعد کہ اُس نے تمھیں اُن پر غلبہ دے دیا تھا،[2] اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے ○
یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے لیے موقوف جانور کو اُس کی جگہ میں پہنچنے سے (روکا)[3] اور اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان

کرتے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، کوئی ان کا مددگار نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم وہاں تمھاری مدد کرتے اور ہمارے مقابلے میں کس کو ٹھہرنے کی طاقت ہے؟

1 یعنی اللہ کی یہ سنت اور عادت پہلے سے چلی آرہی ہے کہ جب کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی کا مرحلہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرما کر حق کو سربلندی عطا کرتا ہے، جیسے اس سنت اللہ کے مطابق بدر میں تمھاری مدد کی گئی۔

2 جب نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے تو کافروں نے 80 آدمی جو ہتھیاروں سے لیس تھے، اس نیت سے بھیجے کہ اگر انھیں موقع مل جائے تو دھوکے سے نبی ﷺ اور صحابہ کے خلاف کارروائی کریں، چنانچہ یہ مسلح جتھہ جبل تنعیم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا جس کا علم مسلمانوں کو بھی ہو گیا اور انھوں نے ہمت کر کے ان تمام آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ ان کا جرم شدید تھا اور ان کو جو بھی سزا دی جاتی، صحیح ہوتی۔ لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی۔ جبکہ نبی ﷺ اس موقع پر جنگ کی بجائے صلح چاہتے تھے کیونکہ اسی میں مسلمانوں کا مفاد تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب کو معاف کر کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث:1808) بطن مکہ سے مراد حدیبیہ ہے، یعنی حدیبیہ میں ہم نے تمھیں کفار سے اور کفار کو تم سے لڑنے سے روکا۔ یہ اللہ نے احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔

3 هَدْیٌ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی یا معتمر (عمرہ کرنے والا) اپنے ساتھ مکے لے جاتا ہے۔ مَحِلٌّ (حلال ہونے کی جگہ) سے مراد وہ قربان گاہ ہے جہاں ان کو لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ مقام معتمر کے لیے مروہ پہاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منیٰ ہے۔ ﴿مَعْكُوْفًا﴾ حال ہے، یعنی یہ جانور اس انتظار میں روکے گئے تھے کہ مکے

مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿25﴾

عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کوخبر نہ تھی [1] یعنی اُن کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر اُن کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا، [2] (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی [3] لیکن ایسا نہیں کیا گیا [4]) تا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم اُن کو دردناک سزا دیتے ○ [5]

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

جب کہ [6] اُن کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی، سو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی [7]

میں داخل ہوں تا کہ انھیں قربان کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں نے ہی تمھیں بھی مسجد حرام سے روکا اور تمھارے ساتھ جو جانور تھے، انھیں بھی اپنی قربان گاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔

1 یعنی مکے میں اپنا ایمان چھپائے رہ رہے تھے۔

2 کفار کے ساتھ لڑائی کی صورت میں ممکن تھا کہ یہ بھی مارے جاتے اور تمھیں ضرر پہنچتا، ﴿مَّعَرَّةٌۢ﴾ کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد کفارہ اور وہ برائی اور شرمندگی ہے جو کافروں کی طرف سے تمھیں اٹھانی پڑتی، یعنی ایک تو قتل خطا کی دیت دینی پڑتی اور دوسرے: کفار کا یہ طعنہ سہنا پڑتا کہ یہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔

3 یہ ﴿لَوْلَا﴾ کا محذوف جواب ہے، یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمھیں مکے میں داخل ہونے کی اور قریش مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔

4 بلکہ اہل مکہ کو مہلت دے دی گئی تا کہ جس کو اللہ چاہے قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

5 ﴿تَزَيَّلُوْا﴾ بمعنی تَمَيَّزُوا ہے مطلب یہ ہے کہ مکے میں آباد مسلمان اگر کافروں سے الگ رہائش پذیر ہوتے تو ہم تمھیں اہل مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دیتے اور تمھارے ہاتھوں ان کو قتل کرواتے اور اس طرح انھیں دردناک سزا دیتے۔ عذاب الیم سے مراد یہاں قتل، قیدی بنانا اور قہر و غلبہ ہے۔

6 ﴿اِذْ﴾ ظرف کا متعلق یا تو ﴿لَعَذَّبْنَا﴾ ہے یا وَاذْكُرْ محذوف ہے، یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ان کافروں نے......

7 کفار کی اس حمیت جاہلیہ (عار اور غرور) سے مراد اہل مکہ کا مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ انھوں نے ہمارے بیٹوں اور باپوں کو قتل کیا ہے۔ لات وعزیٰ کی قسم! ہم انھیں کبھی یہاں داخل نہیں

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ | اس نے مسلمانوں کو تقوے کی بات پر جمائے

ہونے دیں گے، یعنی انھوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنا لیا۔ اسی کو حمیت جاہلیہ کہا گیا ہے کیونکہ خانہ کعبہ میں عبادت کے لیے آنے سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ قریش مکہ کے اس معاندانہ رویے کے جواب میں خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں بھی شدت آجاتی اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر مکے جانے پر اصرار کرتے جس سے دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی اور یہ لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک رہتی (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے)، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت نازل فرما دی، یعنی انھیں صبر و تحمل کی توفیق دے دی اور وہ پیغمبر کے ارشاد کے مطابق حدیبیہ میں ہی ٹھہرے رہے جوش اور جذبے میں آ کر مکے جانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حمیت جاہلیہ سے مراد قریش مکہ کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاہدے کے وقت انھوں نے اختیار کیا۔ یہ رویہ اور معاہدہ دونوں مسلمانوں کے لیے بظاہر ناقابل برداشت تھا۔ لیکن انجام کے اعتبار سے چونکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا بہترین مفاد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہایت ناگواری اور گرانی کے باوجود اسے قبول کرنے کا حوصلہ عطا فرما دیا۔

اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کی یہ بات تسلیم کر لی کہ اس سال مسلمان عمرے کے لیے مکہ نہیں جائیں گے اور یہیں سے واپس ہو جائیں گے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انھوں نے آپ کے حکم سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھی۔ مشرکین نے اس پر اعتراض کر دیا کہ رحمٰن، رحیم کو ہم نہیں جانتے۔ جو لفظ پہلے استعمال کرتے تھے، اس کے ساتھ، یعنی بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ. (اے اللہ! تیرے نام سے) لکھیں، چنانچہ آپ نے اسی طرح لکھوایا، پھر آپ ﷺ نے لکھوایا: ”یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے مصالحت کی ہے۔“ قریش کے نمائندوں نے کہا: اختلاف کی بنیاد تو آپ کی رسالت ہی ہے اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو اس کے بعد جھگڑا ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر ہمیں آپ سے لڑنے کی اور بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ یہاں ”محمد رسول اللہ“ کی جگہ ”محمد بن عبداللہ“ لکھیں، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھنے کا حکم دیا۔ (یہ مسلمانوں کے لیے نہایت اشتعال انگیز صورت حال تھی اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سکینت نازل نہ فرماتا تو وہ کبھی اسے برداشت نہ کرتے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ مٹانے اور کاٹنے سے انکار کر دیا، نبی کریم ﷺ نے کہا کہ یہ لفظ کہاں ہے؟ بتانے کے بعد خود آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ تحریر کرنے کو فرمایا۔ اس کے بعد یہ معاہدہ یا صلح نامہ لکھا گیا جس کی تین اہم باتیں یہ تھیں:

① اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا، اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ② جو مسلمان اہل مکہ سے جا ملے گا، وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ③ مسلمان آئندہ سال مکے میں آئیں گے اور یہاں تین دن

بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
ع 3/9/11 عَلِيْمًا ؏ ﴿26﴾
لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ
لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ
لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ
مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿27﴾

رکھا [1] اور وہ اُس کے اہل اور زیادہ مستحق تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ○
یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو واقعہ خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے، سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے (چین کے ساتھ) نڈر ہو کر، [2] وہ اُن امور کو جانتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے، پس اُس نے اُس سے پہلے

قیام کر سکیں گے، تاہم انھیں ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہو گی، سوائے اس ہتھیار کے جو میان میں آ جائے۔ (صحیح البخاري، حدیث:2698، وصحیح مسلم، حدیث:1783) اہل سِیَر نے معاہدے کی دفعات ان الفاظ میں بیان کی ہیں: ① ''فریقین نے اس امر پر صلح کی ہے کہ دس سال تک وہ آپس میں جنگ نہیں کریں گے اور اس عرصے میں لوگ امن سے رہیں گے۔ ② قریش کا کوئی آدمی اس کے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائے اور جو محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے قریش کے پاس چلا جائے گا، اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ③ جو محمد (ﷺ) کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ (چنانچہ اس کی رُو سے خزاعہ قبیلہ نبی ﷺ کے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے) ④ اس سال آپ مکے میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے، البتہ آئندہ سال آپ کو مکے میں آنے کی اور تین دن ٹھہرنے کی اجازت ہو گی، آپ کے پاس سوار کا ہتھیار، یعنی میانوں میں تلواریں ہوں گی۔'' (البدایة والنهایة: 170/4 طبع جدید) دس سال جنگ نہ کرنے کا ذکر سنن ابو داود میں بھی ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث:2766)

1 اس سے مراد کلمۂ توحید و رسالت «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» ہے، جس سے حدیبیہ والے دن مشرکین نے انکار کیا۔ (ابن کثیر) یا وہ صبر و وقار ہے جس کا مظاہرہ انھوں نے حدیبیہ میں کیا یا وہ وفائے عہد اور اس پر ثبات ہے جو تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ (فتح القدیر)

2 واقعۂ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف و عمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ نبی کا خواب بھی بمنزلہ وحی ہی ہوتا ہے، تاہم اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہو گا لیکن نبی ﷺ اور مسلمان، اسے بشارت عظیمہ سمجھتے ہوئے، عمرے کے لیے فوراً ہی آمادہ ہو گئے اور اس کے لیے عام منادی کرا دی گئی اور چل پڑے۔ بالآخر حدیبیہ میں وہ صلح ہوئی جس کی تفصیل ابھی گزری، درآں حالیکہ اللہ کے علم میں اس خواب کی تعبیر آئندہ سال تھی جیسا کہ آئندہ سال مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ یہ عمرہ کیا اور اللہ نے

ایک نزدیک کی فتح تمھیں میسر کی ○ [1]

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝28

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے ہر دین پر غالب کرے، [2] اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا ○

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَــظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں تو اُنھیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں، اُن کا نشان اُن کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، اُن کی یہی مثال تورات میں ہے اور یہی مثال انجیل میں ہے، [3] اُس کھیتی کی مثل جس نے اپنی کونپل نکالی [4] پھر اُسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا اور کسانوں کو خوش

اپنے پیغمبر کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

1 اس سے فتح خیبر و فتح مکہ کے علاوہ صلح کے نتیجے میں جو بہ کثرت مسلمان ہوئے وہ بھی مراد ہے کیونکہ وہ بھی فتح کی ایک عظیم قسم ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس کے دو سال بعد جب مسلمان مکے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

2 اسلام کا یہ غلبہ دیگر ادیان پر دلائل کے لحاظ سے تو ہر وقت مسلم ہے، تاہم دنیوی اور عسکری لحاظ سے بھی قرون اولیٰ اور اس کے مابعد عرصۂ دراز تک، جب تک مسلمان اپنے دین پر عامل رہے انھیں غلبہ حاصل رہا اور آج بھی یہ مادی غلبہ ممکن ہے بشرطیکہ مسلمان، مسلمان بن جائیں۔ ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:139) ’’اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔‘‘ یہ دین غالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔

3 ﴿ الْاِنْجِيْلِ ﴾ پر وقف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی یہی خوبیاں تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور آگے ﴿ كَزَرْعٍ ﴾ میں اس سے پہلے هُمْ محذوف ہوگا۔ اور بعض ﴿ فِي التَّوْرٰىةِ ﴾ پر وقف کرتے ہیں، یعنی ان کی مذکورہ صفت تورات میں ہے اور ﴿ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ﴾ کو ﴿ كَزَرْعٍ ﴾ کے ساتھ ملاتے ہیں، یعنی انجیل میں ان کی مثال، مانند اس کھیتی کے ہے...... (فتح القدیر)

4 ﴿ شَطْــــَٔهٗ ﴾ سے مراد پودے کا وہ پہلا ظہور ہے جو دانہ پھاڑ کر اللہ کی قدرت سے باہر نکلتا ہے۔

الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿29﴾ ع 3/12

کرنے لگا [1] تا کہ اُن کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، [2] ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے ○ [3]

اٰيَاتُهَا 18 (49) سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (106) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ حجرات [4] مدنی ہے، اس میں 18 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿1﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو [5] اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور

---

1 یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ابتدا میں وہ قلیل تھے، پھر زیادہ اور مضبوط ہو گئے، جیسے کھیتی، ابتدا میں کمزور ہوتی ہے، پھر دن بدن قوی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ مضبوط تنے پر وہ قائم ہو جاتی ہے۔

2 یا کافر غیظ وغضب میں مبتلا ہوں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑھتا ہوا اثر ونفوذ اور ان کی روز افزوں قوت وطاقت، کافروں کے لیے غیظ وغضب کا باعث تھی، اس لیے کہ اس سے اسلام کا دائرہ پھیل رہا اور کفر کا دائرہ سمٹ رہا تھا۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس فرقۂ ضالہ کے دیگر عقائد بھی ان کے کفر پر ہی دال ہیں۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى.

3 اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابۂ کرام کی عظمت وفضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا ہے، اس کے بعد بھی صحابہ کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیونکر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جا سکتا ہے؟

4 یہ طوال مفصل میں پہلی سورت ہے۔ سورۂ حجرات سے سورۂ نازعات تک کی سورتیں طِوَالِ مُفَصَّلْ کہلاتی ہیں۔ بعض نے سورۂ ق کو پہلی سورت قرار دیا ہے اور یہ زیادہ راجح ہے۔ (ابن كثير و فتح القدير) ان کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون ومستحب ہے اور سورۂ عبس سے سورۂ لیل تک اَوْسَاطِ مُفَصَّلْ اور سورۂ ضحیٰ سے سورۂ ناس تک قِصَارِ مُفَصَّلْ ہیں۔ ظہر اور عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنی مستحب ہیں۔ (أيسر التفاسير)

5 اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد، اللہ اور رسول سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ قرآن وحدیث میں غور وفکر کے بغیر نہ دیا

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ
تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ②
اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ
اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ
لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ

نہ اُس سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمھارے اعمال اکارت جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو ○ [1]

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیز گاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ اُن کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے ○ [2]

جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ، اُن

جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نص شرعی کے خلاف ہونا واضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں دیے گئے حکم کے منافی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ اور رسول کے احکام کے سامنے سر تسلیم واطاعت خم کر دینا ہے نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

1 اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمھاری آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب: جب خود نبی ﷺ سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو، اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد یا احمد نہ کہو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو اگر ادب واحترام کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمھارے عمل برباد ہو سکتے ہیں اس آیت کی شان نزول کے لیے دیکھیے (صحيح البخاري، حديث:4845) تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔

خیال رہے کہ اس میں خطاب کرنے کا ادب بیان کیا گیا ہے، جس کی رُو سے نام لے کر خطاب کرنے کی بجائے آپ کے منصب رسالت کے حوالے سے آپ کو خطاب کیا جائے۔ لیکن اب آپ کو خطاب کرنے کا تو مسئلہ ہی باقی نہیں رہا ہے، اس لیے آج کل لوگ جو ''یا محمد'' یا ''یا رسول اللہ'' کے نعرے لگاتے یا اٹھتے بیٹھتے بطور ذکر یا بطور استغاثہ یہ الفاظ دہراتے ہیں، اس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ استغاثے (مدد طلب کرنے) کے طور پر تو ''یا رسول اللہ مدد'' کہنا مشرکانہ فعل ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عقیدے کی اس خرابی سے محفوظ رکھے۔

2 اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عظمت وجلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④	میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں ○ [1]
وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤	اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ (خود) اُن کے پاس آ جاتے تو یہی اُن کے لیے بہتر ہوتا، [2] اور اللہ غفور و رحیم ہے ○ [3]
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥	اے مسلمانو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اُس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو [4] ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ ○

1 یہ آیت قبیلۂ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جو کہ نبی ﷺ کے قیلولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی آوازیں لگائیں تاکہ آپ باہر تشریف لے آئیں۔ (مسند أحمد: 488/3 و 394/6) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان کی اکثریت بے عقل ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی جلالت شان اور آپ کے ادب واحترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا بے عقلی ہے۔

2 یعنی آپ کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ کو ندا دینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین و دنیا دونوں لحاظ سے بہتر ہوتا۔

3 اس لیے مؤاخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب و تعظیم کی تاکید بیان فرما دی۔

4 یہ آیت تقریباً تمام مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن انھوں نے غلط فہمی کی بنا پر واپس آ کر یوں رپورٹ دی کہ انھوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرما لیا، تاہم پھر پتہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی۔ صاحبِ استیعاب شیخ سلیم بن عید الہلالی اور شیخ شعیب وغیرہ نے اسے حسن قرار دیا، (مسند أحمد: 18459) جبکہ بعض نے اسے ضعیف قرار دیا۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ فاسق کا مصداق مذکورہ صحابی ہوں، اس لیے اسے ایک صحابیٔ رسول پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کی مفصل بحث راقم کی کتاب ''خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت'' میں موجود ہے، بلکہ اس میں فقط ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ⑦

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں [1] اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھارا کہنا مان لیا کریں تو (الٹے) تم ہی مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے اور اُسے تمھارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمھاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں ○

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑧

اللہ کے احسان و انعام سے [2] اور اللہ دانا اور باحکمت ہے ○

وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں میل ملاپ کرا دیا کرو، [3] پھر اگر اُن دونوں میں سے ایک دوسری (جماعت) پر زیادتی کرے تو تم (سب) اُس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے [4] اگر لوٹ آئے تو پھر

---

1 جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لیے کہ وہ تمھارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں کیونکہ ان پر وحی اترتی ہے، پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو، اس لیے کہ اگر وہ تمھاری پسند کی باتیں ماننا شروع کر دیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ﴾ (المؤمنون 23: 71) ''اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز درہم برہم ہو جائے۔''

2 یہ آیت بھی صحابۂ کرام کی فضیلت، ان کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ ﴾

3 اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں قرآن و حدیث کی طرف بلایا جائے، یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔

4 یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو بلکہ بغاوت کی روش اختیار کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔

وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑨

انصاف کے ساتھ صلح کرادو [1] اور عدل کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ [2]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑩ ع

(یادرکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو، [3] اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ [4]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے مسخرا پن نہ کرے ممکن ہے کہ یہ اُس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، [5] اور

---

1 یعنی باغی گروہ بغاوت سے باز آجائے تو پھر عدل کے ساتھ، یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرادی جائے۔

2 اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کی یہ پسند اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔

3 یہ پچھلے حکم کی ہی تاکید ہے، یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی، اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدرد وغم گسار اور مونس وخیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بُعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے انھیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ توبہ 9: 71 کا حاشیہ)

4 اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پاجاؤ۔ تَرَجِّي (امید والی بات) مخاطب کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان وتقویٰ کے لیے یقینی ہے۔

حدیث میں مسلمان سے قتال کرنے کو کفر کہا گیا ہے: سِبَابُ الْمُسلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفرٌ (صحيح البخاري، حديث: 48) ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔'' جس سے خوارج اور معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے۔ اہل سنت مرتکب کبیرہ کو کافر، خارج عن الملة نہیں کہتے اور حدیث میں کفر کو كُفرٌ دُونَ كُفرٍ قرار دیتے ہیں اور آیت: 9 اس کی دلیل ہے کہ اس میں مسلمانوں کی حکومت سے لڑنے والی باغی جماعت پر مومن ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا﴾ ''اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں۔'' تاہم اگر کوئی کسی مومن کو بوجہ ایمان ہی قتل کردے تو یہ کفر ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جارہی ہیں۔

5 ایک شخص کسی دوسرے شخص کا استہزا، یعنی اس سے مسخرا پن اسی وقت کرتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان وعمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا

خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ
يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ [1] اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ [2] ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، [3] اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا
مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں [4] اور بھید نہ ٹٹولا

علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ بنا بریں آیت میں اس سے منع فرما دیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انھیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ میں لوگوں کے حقیر سمجھنے کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے «اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ.» (صحيح مسلم، حديث:91 وسنن أبي داود، حديث:4092) ''تکبر حق بات کو جھٹلانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔'' اور کبر اللہ کو نہایت ہی ناپسند ہے۔

1 یعنی ایک دوسرے پر طعنہ زنی مت کرو، مثلاً: تو تو فلاں بدکار کا بیٹا ہے، تیری ماں ایسی ویسی ہے تو فلاں کمینے خاندان کا ہے وغیرہ۔

2 یعنی اپنے طور پر استہزا اور تحقیر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انھیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ کر بولنا، یہ تنابز بالالقاب ہے جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے۔

3 یعنی اس طرح نام بگاڑ کر یا برے نام تجویز کر کے بلانا یا قبول اسلام اور توبہ کے بعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کر کے خطاب کرنا، مثلاً: اے کافر، اے زانی یا شرابی وغیرہ، یہ بہت برا کام ہے۔ ﴿الِاسْمُ﴾ یہاں الذکر (یاد کرنے) کے معنی میں ہے، یعنی: «بِئْسَ الِاسْمُ الَّذِي يُذْكَرُ بِالْفِسْقِ بَعْدَ دُخُولِهِمْ فِي الإِيمَانِ.» (فتح القدير) البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام بعض حضرات کے نزدیک مستثنیٰ ہیں جو کسی کے لیے مشہور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں، جیسے لنگڑے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے۔ کالے رنگ کی بنا پر کالیا یا کالو مشہور ہو جائے وغیرہ۔ (تفسير القرطبي)

4 ﴿الظَّنِّ﴾ کے معنی ہیں: گمان کرنا۔ مطلب ہے کہ اہل خیر و اہل صلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل ہوں اور تہمت و افترا کے ضمن میں آتے ہوں اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو «أَكْذَبُ الْحَدِيثِ» (سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ» (صحيح البخاري، حديث:6066، وصحيح مسلم، حديث:28-(2563)) ورنہ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

کرو[1] اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے[2]۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی،[3] اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ○
اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے[4] اور (پھر) تم کو کنبوں اور قبیلوں میں (تقسیم) کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو،[5] اللہ

سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گھناؤنے کردار کی بابت بدگمانی رکھنا، یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ الْقَبِيحَ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَيْرُ، لَا يَجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي الظَّنِّ الْقَبِيحِ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْقَبِيحُ (تفسير القرطبي) ”جس کا ظاہر اچھا ہے، اس کی بابت بدگمانی جائز نہیں، البتہ جس کا ظاہر برا ہے، اس کے بارے میں بدگمانی کرنے میں حرج نہیں۔“

1 یعنی اس ٹوہ میں رہنا کہ کوئی خامی یا عیب معلوم ہو جائے تاکہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی خامی، کوتاہی تمھارے علم میں آ جائے تو اس کی پردہ پوشی کرو نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھرو بلکہ جستجو کر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس وقت تک، جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے یا جب تک دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن وسکون برباد ہو گیا ہے۔

2 غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ دونوں ہی جرم عام ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا

3 یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا۔ لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔

4 یعنی آدم وحواء سے، یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جا کر ملتا ہے۔

5 ﴿شُعُوْبًا﴾ شَعْبٌ کی جمع ہے ”برادری یا بڑا قبیلہ“ شعب کے بعد قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فصیلہ

اَتۡقٰىكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴿13﴾

کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔[1] یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے ○

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَا يَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَيۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿14﴾

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے، حالانکہ ابھی تک تمھارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔[2] تم اگر اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمھارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اُس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں، پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعوائے

اور پھر عشیرہ ہے۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے تا کہ آپس میں صلہ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ بدقسمتی سے حسب و نسب کو برتری کی بنیاد بنا لیا گیا ہے، حالانکہ اسلام نے آ کر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔

1 یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ و اختیار میں ہے۔ یہی آیت ان علماء کی دلیل ہے جو نکاح میں کفاءت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں۔ (ابن کثیر)

2 بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنھوں نے قحط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقاد صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے (فتح القدیر) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ لیکن دعویٰ انھوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انھیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔ ایمان و اسلام کے درمیان فرق کی بحث کے لیے دیکھیے، سورۂ ذاریات 51:35, 36 کا حاشیہ۔

أُولَٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮
قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯
يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا
تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ
عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ⑰
اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
2/8/14 ع وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ ع

ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں ○ [1]
کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو؟ [2] اللہ ہر اُس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○ [3]
اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو ○ [4]
یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اُسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے ○

اٰیاتُھَا: 45 (50) سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (34) رُکُوعَاتُھَا: 3

سورۂ ق مکی [5] ہے، اس میں 45 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

1 نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور مذکورہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔

2 تَعْلِیم، یہاں اِعْلام اور اِخْبار (اطلاع وخبر دینے) کے معنی میں ہے، یعنی آمَنَّا کہہ کر تم اللہ کو اپنے دین وایمان سے آگاہ کر رہے ہو یا اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتلا رہے ہو۔

3 تو کیا تمھارے دلوں کی کیفیت پر یا تمھارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟

4 یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپ کی مدد کی جبکہ دوسرے عرب آپ سے برسر پیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ان سے کہو کہ اسلام لانے کا احسان مجھ پر مت جتلاؤ، اس لیے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمھیں ہی ہو گا نہ کہ اللہ کو، یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں قبول اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمھارا احسان اللہ یا اس کے رسول پر ہے۔

5 نبی ﷺ عید کی نماز میں سورۂ ق اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (سورۂ قمر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 891) ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 872) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے بڑے مجمعوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے کیونکہ اس میں ابتدائے خلق، بعث ونشور، معاد وقیام، حساب، جنت و دوزخ، ثواب وعتاب اور ترغیب وترہیب کا بیان ہے۔

(آيَاتُهَا ٤٥) (سُورَةُ قٓ) (رُكُوعَاتُهَا ٣)

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ ①
بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ
فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ
عَجِيْبٌ ۚ ②
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ
بَعِيْدٌ ③
قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ
وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④
بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ
فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤
اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ
بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥

قٓ! بہت بڑی شان والے اِس قرآن کی قسم ہے ○ [1]
بلکہ اُنھیں تعجب ہوا کہ اُن کے پاس اُنھی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے ○ [2]
کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے، پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے ○ [3]
زمین جو کچھ اُن میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس (سب) یاد رکھنے والی کتاب ہے ○ [4]
بلکہ اُنھوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جب کہ وہ اُن کے پاس پہنچ چکی، پس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں ○ [5]
کیا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اُسے کس طرح بنایا ہے [6] اور زینت دی ہے [7] اور اُس

1 اس کا جوابِ قسم محذوف ہے لَتُبْعَثُنَّ (تم ضرور قیامت والے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں: اس کا جواب مابعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔ (فتح القدير و ابن كثير)

2 حالانکہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔ اسی حساب سے قریش مکہ کو ڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔

3 حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

4 یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے، یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے، اس لیے ان تمام اجزاء کو جمع کر کے انھیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

5 حق (سچی بات) سے مراد قرآن، اسلام یا نبوت محمد یہ ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ ﴿مَّرِيْجٍ﴾ کے معنی مختلط، مضطرب یا مُلْتَبِسٌ کے ہیں، یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں، کبھی اسے جادوگر کہتے ہیں، کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔

6 یعنی بغیر ستون کے جن کا اسے کوئی سہارا ہو۔

7 یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔

میں کوئی شگاف نہیں ○ [1]

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑦

اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اُس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیے ہیں اور اُس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اُگا دی ہیں ○ [2]

تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧

تا کہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو ○ [3]

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ⑨

اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اُس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے ○ [4]

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ⑩

اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں ○ [5]

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ

بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو

---

1 اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○﴾ (الملک67:3،4) ''جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا تو اللہ کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہیں دیکھے گا۔ دوبارہ دیکھ لے، کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے؟ پھر دوہرا کر دوبارہ دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔''

2 اور بعض نے ﴿زَوْجٍ﴾ کے معنی جوڑا کیے ہیں، یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیاء کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) بنایا ہے۔ ﴿بَهِيْجٍ﴾ کے معنی: خوش منظر، شاداب اور حسین۔

3 یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیاء کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

4 کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں جن سے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، دالیں اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

5 ﴿بٰسِقٰتٍ﴾ کے معنی: طِوَالًا شَاهِقَاتٍ، بلند و بالا ﴿طَلْعٌ﴾ کھجور کا وہ گدرا گدرا پھل جو پہلے پہل نکلتا ہے۔ ﴿نَّضِيْدٌ﴾ کے معنی: تہ بہ تہ۔ باغات میں کھجور کا پھل بھی آ جاتا ہے۔ لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کھجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔

كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪
زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہے ○ [1]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ⑫
اُن سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں [2] نے اور ثمود نے جھٹلایا ○

وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ⑬
اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے ○

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ⑭
اور ایکہ [3] والوں نے اور تبع کی قوم [4] نے بھی (تکذیب کی تھی)۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا، [5] پس میرا وعدہ عذاب اُن پر صادق آ گیا ○

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ
کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے؟ [6] بلکہ یہ لوگ

---

1 یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن ہم قبروں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے۔

2 أصحاب الرس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انھیں اصحاب اخدود قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر سورۂ بروج میں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن کثیر و فتح القدیر، سورة الفرقان25:38)

3 ﴿ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ﴾ کے لیے دیکھیے سورۂ شعراء26:176 کا حاشیہ۔

4 ﴿ قَوْمُ تُبَّعٍ ﴾ کے لیے دیکھیے سورۂ دخان44:37 کا حاشیہ۔

5 یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے۔ گویا آپ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کی طرف سے اپنی تکذیب پر غمگین نہ ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی معاملہ کیا۔ دوسرے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ پچھلی قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تکذیب کا راستہ چھوڑ دو اور پیغمبر پر ایمان لے آؤ۔

6 کہ قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ (الروم30:27) سورۂ یٰسٓ 36:78،79 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا، حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا، دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے۔'' یعنی اگر مشکل ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا نہ کہ دوسری مرتبہ۔

ع 1/15 15

مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ﴿15﴾

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ﴿16﴾

اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيۡدٌ ﴿17﴾

مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ

نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں ○ [1]

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اُس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں اُن سے ہم واقف ہیں [2] اور ہم اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں ○ [3]

جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے ○

(انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اُس کے

(صحيح البخاري، حديث:4974)

1 یعنی یہ اللہ کی قدرت کے منکر نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انھیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے بارے میں ہی شک ہے۔

2 یعنی انسان جو کچھ چھپاتا اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ، دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے، یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5269، و صحيح مسلم، حديث:127)

3 ﴿الۡوَرِيۡدِ﴾ شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے، یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ﴿نَحۡنُ﴾ سے مراد فرشتے ہیں، یعنی ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں ﴿يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ﴾ کے معنی ہیں يَأْخُذَانِ وَيُثْبِتَانِ ''لیتے اور ثبت کرتے ہیں۔'' امام شوکانی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال و اقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دوسرا بدی لکھنے کے لیے۔ اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ۔ (فتح القدير)

عَتِيۡدٌ ﴿۱۸﴾
پاس نگہبان تیار ہے ○ [1]

وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ ﴿۱۹﴾
اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی، [2] یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا ○ [3]

وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡوَعِيۡدِ ﴿۲۰﴾
اور صور پھونک دیا جائے گا۔ وعدۂ عذاب کا دن یہی ہے ○

وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ ﴿۲۱﴾
اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اُس کے ساتھ ایک ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا ○ [4]

لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ﴿۲۲﴾
یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا، پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے ○

وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ ؕ ﴿۲۳﴾
اُس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا: یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا ○ [5]

اَلۡقِيَا فِىۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيۡدٍ ۙ ﴿۲۴﴾
ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو ○

مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبِ ۙ ﴿۲۵﴾
جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا ○

اۨلَّذِىۡ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلۡقِيٰهُ فِى الۡعَذَابِ الشَّدِيۡدِ ﴿۲۶﴾
جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا، پس اُسے سخت عذاب میں ڈال دو ○ [6]

---

1 ﴿رَقِيۡبٌ﴾ محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ ﴿عَتِيۡدٌ﴾ حاضر اور تیار۔

2 دوسرے معنی اس کے ہیں: موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی، یعنی موت کے وقت حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیامت اور جنت و دوزخ کے بارے میں انبیاء کرتے رہے ہیں۔

3 ﴿تَحِيۡدُ﴾ تَمِيلُ عَنۡهُ وَتَفِرُّ ''تو اس موت سے بدکتا اور بھاگتا تھا۔''

4 ﴿سَآئِقٌ﴾ (ہانکنے والا) اور ﴿شَهِيۡدٌ﴾ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک انسان کو محشر تک ہانک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

5 یعنی فرشتہ انسان کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فردِ عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔

6 اللہ تعالیٰ اس فردِ عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ ﴿اَلۡقِيَا﴾ سے ﴿الشَّدِيۡدِ﴾ تک اللہ کا قول ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿27﴾

اُس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اُسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دُور دراز کی گمراہی میں تھا ○ [1]

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿28﴾

حق تعالیٰ فرمائے گا: پس میرے سامنے جھگڑے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمھاری طرف وعید بھیج چکا تھا ○ [2]

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿29﴾ ع

2 ع 14 16

میرے ہاں بات بدلتی نہیں [3] اور نہ میں اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا ہوں ○ [4]

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿30﴾

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے: کیا تو بھر چکی؟ وہ جواب دے گی: کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟ ○ [5]

---

1 اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بہکاوے میں ہی نہ آتا یہاں قَرِیْنٌ (ساتھی) سے مراد شیطان ہے۔

2 یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے، میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

3 یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے، ان کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول کے مطابق تمھارے لیے عذاب کا فیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

4 کہ بغیر جرم کے جو انھوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو، میں ان کو عذاب دے دوں؟ ظَلَّامٌ یہاں ظَالِمٌ کے معنی میں ہے۔ یا محاورۃً بولا گیا ہے، یعنی بندوں کی جمعیت کا لحاظ کرتے ہوئے صیغہ مبالغہ لایا گیا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: فلانٌ ظالمٌ لِعَبدِہٖ ''فلاں اپنے غلام پر ظلم کرنے والا ہے۔'' اور جمع کی صورت میں کہتے ہیں: فلانٌ ظَلَّامٌ لِعَبِیدِہٖ ''فلاں اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا ہے۔'' یعنی یہاں پر ظالم اور ظلّام دونوں کا ایک ہی معنی ہے، فرق صرف اس وجہ سے ہے کہ عبد واحد ہے تو ظالم کا صیغہ لائے اور دوسری مثال میں عبید جمع ہے اس لیے ظلام لائے، اسی طرح یہاں بھی عبید جمع ہونے کی وجہ سے ظلّام کہا گیا جو بمعنی ظالم ہی ہے اور یہ وزن صرف بوجہ عبید (جمع) کے ہے۔ (فتح القدیر) یا مقصود نفی میں مبالغہ ہے، یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

5 اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○﴾ (السجدة 13:23) ''میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دوں گا۔'' اس وعدے کا جب ایفا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فر جن و انس کو جہنم میں

وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ ﴿31﴾	اور جنت پرہیز گاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دُور نہ ہوگی ○ [1]
هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيۡظٍ ﴿32﴾	یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اُس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو ○ [2]
مَنۡ خَشِىَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ وَجَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِيۡبِۙ ﴿33﴾	جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو ○ [3]
اۡدخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍؕ ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ﴿34﴾	تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے ○
لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ فِيۡهَا وَلَدَيۡنَا مَزِيۡدٌ ﴿35﴾	یہ اس میں جو چاہیں گے ان کے لیے ہوگا (بلکہ) ہمارے

ڈال دے گا تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو بھر گئی ہے یا نہیں۔ وہ جواب دے گی: کیا کچھ اور بھی ہے، یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ! تیرے دشمنوں کے لیے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا، اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے: ''آگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جہنم کہے گی: ﴿هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ ○﴾ کیا کچھ اور بھی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنا پیر رکھ دے گا، جس سے جہنم پکار اٹھے گی، قط قط، یعنی بس بس۔'' (صحيح البخاري، حديث:4848) اور جنت کے بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہوگی۔ (صحيح مسلم، حديث:39-(2848))

1 اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت، جس روز جنت قریب کر دی جائے گی، دور نہیں ہے کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی اور «كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ» جو بھی آنے والی چیز ہے، وہ قریب ہی ہے، دور نہیں۔ (ابن كثير)

2 یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر اَوَّاب اور حَفِيظ سے کیا گیا تھا۔ ﴿اَوَّابٍ﴾ بہت رجوع کرنے والا، یعنی اللہ کی طرف، کثرت سے توبہ واستغفار اور تسبیح وذکر الٰہی کرنے والا، خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ ﴿حَفِيۡظٍ﴾ اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے اوامر ونواہی کو یاد رکھنے والا۔ (فتح القدير)

3 ﴿مُّنِيۡبٍ﴾ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل یا بمعنی سَلِيم شرک ومعصیت کی نجاستوں سے پاک دل۔

پاس اور بھی زیادہ ہے ○ [1]

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿36﴾

اور اُن سے پہلے بھی ہم بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو اُن سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے [2] ہی رہ گئے کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے ○

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿37﴾

اس میں ہر صاحبِ دل کے لیے عبرت ہے اور اُس کے لیے جو دل [3] سے متوجہ ہو کر کان لگائے [4] اور وہ حاضر ہو ○ [5]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖۗ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿38﴾

یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں ○

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ﴿39﴾

پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اُس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی ○ [6]

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿40﴾

اور رات کے کسی وقت بھی تسبیح کریں [7] اور نماز کے بعد

---

1 اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہو گا جیسا کہ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس 10:26) کی تفسیر میں گزرا۔

2 ﴿فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ﴾ ''شہروں میں چلے پھرے۔'' کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت وکاروبار کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے تھے۔ لیکن ہمارا عذاب آیا تو انھیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔

3 یعنی دل بیدار جو غور وفکر کر کے حقائق کا ادراک کر لے۔

4 یعنی توجہ سے وہ وحی الٰہی سنے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

5 یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو، اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔

6 یعنی صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو یا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔

7 مِنْ تَبعِیض کے لیے ہے، یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تہجد) پڑھیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (بنی إسرآء یل 17:79) ''رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے۔'' بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿41﴾

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿42﴾

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿43﴾

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ

بھی ○ [1]

اور سن رکھیں [2] کہ جس دن ایک پکارنے والا [3] قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا ○ [4]

جس روز اُس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے، یہ دن (لوگوں کے قبروں سے) نکل پڑنے کا ہے ○ [5]

ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں [6] اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے ○ [7]

جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے [8]

نبی ﷺ کے لیے تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ (ابن کثیر)

1 یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مراد لی ہیں جن کے پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد فرمائی ہے، مثلاً: 33 مرتبہ «سُبْحَانَ اللهِ» 33 مرتبہ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» اور 34 مرتبہ «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» وغیرہ (صحيح البخاري، حديث:843، و صحيح مسلم، حديث:596) مگر یہ تسبیحات اس سورت کے نزول کے بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴾ سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

2 یعنی قیامت کے جو احوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جا رہے ہیں، انھیں توجہ سے سنیں۔

3 یہ پکارنے والا اسرافیل فرشتہ ہوگا یا جبرائیل اور یہ ندا وہ ہوگی جس سے لوگ میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے، یعنی نفخۂ ثانیہ۔

4 اس سے بعض نے صخرۂ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح سنے گا، جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آ رہی ہے۔ (فتح القدير) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

5 یعنی یہ چیخ، یعنی نفخۂ قیامت یقیناً ہوگا جس میں یہ دنیا میں شک کرتے تھے۔ اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کا ہوگا۔

6 یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کر دینا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک نہیں ہے۔

7 وہاں ہم ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

8 یعنی اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے جس نے آواز دی ہوگی۔ مُسْرِعِينَ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي نَادَاهُمْ. (فتح القدير) نبی ﷺ نے فرمایا: «أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ» (صحيح مسلم، حديث: 2278) ''جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں گا۔''

حَشۡرٌ عَلَيۡنَا يَسِيۡرٌ ﴿44﴾
نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ وَمَاۤ اَنۡتَ
عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ
يَّخَافُ وَعِيۡدِ ﴿45﴾ ع 3 16 17

(نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے ○
یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ اُن پر
جبر کرنے والے نہیں،[1] تو آپ قرآن کے ساتھ اُنھیں
سمجھاتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتے ہیں ○[2]

اٰیاتہا 60 (51) سُوۡرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (67) رکوعاتہا 3

سورۂ ذاریات مکی ہے، اس میں 60 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا ۙ﴿1﴾
فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۙ﴿2﴾
فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا ۙ﴿3﴾
فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۙ﴿4﴾

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اُڑا کر! ○[3]
پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو ○[4]
پھر چلنے والیاں نرمی سے ○[5]
پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں ○[6]

1 یعنی آپ اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

2 یعنی آپ کی دعوت وتذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہوگا۔ اسی لیے حضرت قتادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيْدَكَ وَيَرْجُو مَوْعُوْدَكَ يَا بَارُّ! يَا رَحِيمُ!» ''اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے! اے رحم فرمانے والے!''

3 اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

4 ﴿وِقْرًا﴾ ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حَامِلَاتٌ سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں جیسے چوپائے حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

5 جَارِيَاتٌ پانی میں چلنے والی کشتیاں، ﴿يُسْرًا﴾ آسانی سے۔

6 مُقَسِّمَاتٌ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بنایا ہے، جیسے فاضل مترجم رحمہ اللہ نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض دفعہ صرف تاکید مقصود ہوتی ہے اور بعض دفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿5﴾	یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں۔ (سب) سچے ہیں ○
وَّ اِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿6﴾	اور بے شک انصاف ہونے والا ہے ○
وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُکِ ۙ﴿7﴾	قسم ہے راہوں والے آسمان کی! ○ [1]
اِنَّکُمۡ لَفِیۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ ۙ﴿8﴾	یقیناً تم اختلاف والی بات میں پڑے ہوئے ہو ○ [2]
یُّؤۡفَکُ عَنۡہُ مَنۡ اُفِکَ ؕ﴿9﴾	اُس سے وہی باز رکھا جاتا ہے [3] جو پھیر دیا گیا ہو ○
قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ ﴿ۙ10﴾	بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیے گئے ○
الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ سَاہُوۡنَ ﴿ۙ11﴾	جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں ○
یَسۡـَٔلُوۡنَ اَیَّانَ یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿ؕ12﴾	پوچھتے ہیں کہ یومِ جزا کب ہوگا؟ ○
یَوۡمَ ہُمۡ عَلَی النَّارِ یُفۡتَنُوۡنَ ﴿13﴾	ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر اُلٹے سیدھے پڑیں گے ○ [4]

کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جواب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں یقیناً وہ سچے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتی ہے۔

1 دوسرا ترجمہ، حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے، چاند، سورج، کواکب و نجوم، روشن ستارے، اس کی بلندی اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔

2 یعنی اے اہل مکہ! تمھارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جادوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شک کا اظہار۔ علاوہ ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔

3 یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانے سے یا حق سے، یعنی بعث و توحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے، دوسرے میں مدح۔

4 ﴿یُفۡتَنُوۡنَ﴾ کے معنی ہیں: یُحْرَقُونَ وَيُعَذَّبُونَ جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا پرکھا جاتا ہے، اسی طرح یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ⑭

اپنی فتنہ پردازی کا مزہ چکھو،[1] یہی ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے ○

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ ⑮

بے شک تقویٰ والے لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے ○

اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۭ ⑯

اُن کے رب نے جو کچھ اُنھیں عطا فرمایا ہے اُسے لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی نیکوکار تھے ○

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ⑰

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ○[2]

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ⑱

اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے ○[3]

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲

اور اُن کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا ○[4]

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ ⑳

اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں ○

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ㉑

اور خود تمھاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ○

وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ㉒

اور تمھاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب

---

1 فتنہ، بمعنی عذاب یا آگ میں جلنا۔

2 هُجُوع کے معنی ہیں: رات کو سونا۔ ﴿مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ میں ﴿مَا﴾ (زائدہ) تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے، مطلب ہے ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے۔ بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے گزارتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے، مثلاً: ایک حدیث میں فرمایا: ''لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' (مسند أحمد:451/5)

3 وقت سحر قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں۔ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں، کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث:758)

4 ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے، چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ یا وہ شخص ہے جس کا سب کچھ آفت ارضی و سماوی میں تباہ ہو جائے۔

آسمان میں ہے ○ [1]

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ
مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿23﴾ ع [1] [23] [18]

آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ [2] بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو ○

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ
الْمُكْرَمِيْنَ ﴿24﴾ وقف لازم

کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ ○ [3]

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ
قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿25﴾

وہ جب اُن کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جوابِ سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں ○ [4]

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿26﴾ ۙ

پھر چپ چاپ جلدی جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) فربہ بچھڑا لائے ○

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿27﴾ ؗ

اور اُسے اُن کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے نہیں؟ ○ [5]

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ
وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿28﴾

پھر تو دل ہی دل میں اُن سے خوفزدہ ہو گئے، [6] انھوں نے کہا: آپ خوف نہ کیجیے۔ [7] اور اُنھوں نے اُس کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی ○

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا

پس اُن کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت [8] میں آکر اپنے

---

1 یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمھارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت و دوزخ، ثواب وعتاب بھی آسمانوں میں ہے جن کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

2 ﴿اِنَّهٗ﴾ میں ضمیر کا مرجع (یہ) وہ امور و آیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

3 ﴿هَلْ﴾ استفہام کے لیے ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کو اس قصے کا علم نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے سے مطلع کیا۔

4 یہ اپنے جی میں کہا، ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

5 یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھائے تو پوچھا۔

6 ڈر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شر کی نیت سے آئے ہیں۔

7 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

8 ﴿صَرَّةٍ﴾ کے دوسرے معنی ہیں: چیخ و پکار، یعنی چیختے ہوئے کہا۔

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿29﴾

منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ ○

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿30﴾

اُنھوں نے کہا: ہاں، تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بے شک وہ حکیم و علیم ہے ○ [1]

1 یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع کر رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

الجزء السابع والعشرون (27)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿31﴾

(ابراہیم) نے کہا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمھارا کیا مقصد ہے؟ ○ [1]

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾

اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ [2]

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿33﴾

تاکہ ہم اُن پر مٹی کے کنکر برسائیں ○ [3]

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿34﴾

جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں، اُن حد سے گزر جانے والوں کے لیے ○ [4]

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿35﴾

پس جتنے ایمان دار وہاں تھے ہم نے اُنھیں نکال لیا ○ [5]

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿36﴾

اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا ○ [6]

---

1 خَطْبٌ شان، قصہ، یعنی اس بشارت کے علاوہ تمھارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمھیں بھیجا گیا ہے۔

2 اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔

3 برسائیں کا مطلب ہے، ان کنکریوں سے انھیں رجم کر دیں۔ یہ کنکریاں مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ آسمانی اولے نہیں تھے۔

4 ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انھیں پہچان لیا جاتا تھا یا وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کہتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہونی تھی، اس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا ﴿لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾ جو شرک وضلالت میں بہت بڑھے ہوئے اور فسق و فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

5 یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔

6 اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا جس میں ان کی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے۔ کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ (أيسر التفاسير) اسلام کے معنی ہیں، اطاعت و انقیاد۔ اللہ کے حکموں پر سر اطاعت خم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا اور پھر ان ہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے، اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿37﴾

اور وہاں ہم نے اُن کے لیے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک (کامل) علامت چھوڑی ○ [1]

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿38﴾

موسیٰ (کے قصے) میں (بھی ہماری طرف سے تنبیہ ہے) کہ ہم نے اُسے فرعون کی طرف کھلی دلیل دے کر بھیجا ○

فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿39﴾

پس اُس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا [2] اور کہنے لگا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○

فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿40﴾

بالآخر ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا وہ تھا ہی ملامت کے قابل ○ [3]

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿41﴾

اسی طرح عادیوں میں [4] بھی (ہماری طرف سے تنبیہ ہے) جب کہ ہم نے اُن پر خیر و برکت سے خالی [5]

ہے جو حدیث جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ کی شہادت، اقامت صلاۃ، ایتائے زکاۃ، حج اور صیام رمضان۔'' اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا، اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن اور تقدیر (خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا۔'' یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام و فرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ (فتح القدیر) یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ گروہ مومنوں کا تھا اور مومنوں پر مسلمین کا اطلاق صحیح ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں تھا کہ ہر مسلم مومن بھی ہے۔ (ابن کثیر) بہرحال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔

1 یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انھی کے لیے ہے جو عذاب الٰہی سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ وعظ و نصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور و فکر بھی وہی کرتے ہیں۔

2 جانب اقویٰ کو رُکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔

3 یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔

4 أَيْ تَرَكْنَا فِي قِصَّةِ عَادٍ آيَةً یعنی عاد کے قصے میں بھی ہم نے نشانی چھوڑی۔

5 ﴿الرِّيحَ الْعَقِيمَ﴾ (بانجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ ہوا درختوں کو ثمر آور کرنے والی تھی نہ بارش کی

	آندھی بھیجی ○
مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿42﴾	وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اُسے بوسیدہ ہڈی کی طرح (چورا چورا) کردیتی تھی ○ [1]
وَ فِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِیْنٍ ﴿43﴾	اور ثمود (کے قصے) میں بھی (عبرت) ہے جب اُن سے کہا گیا کہ تم کچھ دنوں تک فائدہ اٹھالو ○ [2]
فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿44﴾	لیکن اُنھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر اُنھیں اُن کے دیکھتے دیکھتے (تیز و تُند) کڑاکے [3] نے ہلاک کردیا ○
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿45﴾	پس نہ تو وہ کھڑے ہوسکے [4] اور نہ بدلہ لے سکے ○ [5]
ع 2/23 وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿46﴾ ع	اور نوح کی قوم کا بھی اس سے پہلے (یہی حال ہو چکا تھا) وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے ○ [6]

پیامبر بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

1 یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی ﴿سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا......﴾ الآیة (الحآقة 69:7)

2 یعنی جب انھوں نے اپنے ہی طلب کردہ معجزے اونٹنی کو قتل کردیا تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے مزے لوٹ لو، تین دن کے بعد تم ہلاک کردیے جاؤ گے۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ السلام کی ابتدائے نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔

3 یہ ﴿الصّٰعِقَةُ﴾ (کڑاکا) آسمانی چیخ تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے رَجْفَةٌ (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورۂ اعراف 7:78 میں ہے۔

4 چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔

5 یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

6 قوم نوح، عاد، فرعون اور ثمود وغیرہ سے بہت پہلے گزری ہے۔ اس نے بھی اطاعت الٰہی کی بجائے اس کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بالآخر اسے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿47﴾
آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا ہے[1] اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں ○[2]

وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿48﴾
اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے۔[3] پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں ○

وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿49﴾
اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے[4] تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○[5]

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿50﴾
پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ کرو،[6] یقیناً میں تمھیں اُس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں ○

وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿51﴾
اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بے شک میں تمھیں اُس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں ○[7]

---

1 ﴿السَّمَآءَ﴾ منصوب ہے بَنَيْنَا محذوف کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا.

2 یعنی آسمان پہلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا مُوسِعٌ کو وُسْعٌ سے قرار دیا جائے (طاقت وقدرت رکھنے والے) تو مطلب ہوگا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت وقدرت موجود ہے۔ ہم آسمان وزمین بنا کر تھک نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت وطاقت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔

3 یعنی فرش کی طرح اسے بچھا دیا ہے۔

4 یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے، جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن وانس وغیرہ حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان)، اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو، یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسری زندگی۔

5 یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

6 یعنی کفر ومعصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہ الٰہی میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔

7 یعنی میں تمھیں کھول کھول کر ڈرا رہا اور تمھاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ﴿52﴾

اِسی طرح جو لوگ اُن سے پہلے گزرے ہیں اُن کے پاس جو بھی رسول آیا اُنھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○

اَتَوَاصَوۡا بِهٖ ۚ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ﴿53﴾

کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔[1] (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں ○[2]

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ﴿54﴾

تو آپ اُن سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں ○

وَّ ذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿55﴾

اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان داروں کو نفع دے گی ○[3]

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ﴿56﴾

میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں ○[4]

مَاۤ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ ﴿57﴾

نہ میں اُن سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں ○[5]

---

1 یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی تکذیب کی اور انھیں جادوگر اور دیوانہ قرار دیا، جیسے پچھلی قومیں بعد میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی تکذیب کا راستہ اختیار کیا۔

2 یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے، اس لیے ان سب کے دل بھی متشابہ ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے، اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو متقدمین نے کہا اور کیا۔

3 اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انھیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، اس نصیحت سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی بابت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔

4 اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادۂ شرعیہ تکلیفیہ کا اظہار ہے جو اس کو محبوب و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعلق ارادۂ تکوینی سے ہوتا، پھر تو کوئی انس و جن اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا، یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے جسے اگر انھوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت باز پرس ہوگی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔

5 یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا مقصود

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿58﴾

اللہ تو خود ہی سب کا روزی رساں قوت والا اور زور آور ہے ○

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿59﴾

پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے اُنھیں بھی اُن کے ساتھیوں کے حصہ کے مثل حصہ ملے گا،[1] لہٰذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں ○[2]

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿60﴾ ع 3/14 2

پس تباہی ہے کافروں کے لیے اُس دن (کے آنے) سے جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے ○

اٰيَاتُهَا 49 (52) سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ (76) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ طور مکی ہے، اس میں 49 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ﴿1﴾

قسم ہے طور کی! ○[3]

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿2﴾

اور لکھی ہوئی کتاب کی ○[4]

فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿3﴾

جو جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے ○[5]

ہوتا ہے بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت واطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہوگا کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا۔

1 ﴿ذَنُوْبٍ﴾ کے معنی ڈول کے ہیں۔ کنویں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ ظالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا، جس طرح اس سے پہلے کفروشرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔

2 لیکن یہ حصۂ عذاب انھیں کب پہنچے گا، یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔

3 طور وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔

4 ﴿مَّسْطُوْرٍ﴾ کے معنی ہیں۔ مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کے مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام کتب منزلہ یا وہ انسانی عمل نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔

5 یہ متعلق ہے ﴿مَّسْطُوْرٍ﴾ کے۔ ﴿رَقٍّ﴾ وہ باریک چمڑا جس پر لکھا جاتا تھا۔ ﴿مَّنْشُوْرٍ﴾ بمعنی مَبْسُوطٌ پھیلا یا کھلا ہوا۔

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ④ | اور آباد گھر کی ○ [1]
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ⑤ | اور اونچی چھت کی ○ [2]
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥ | اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی ○ [3]
اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ | بے شک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے ○
مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧ | اُسے کوئی روکنے والا نہیں ○ [4]
يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ⑨ | جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا ○ [5]
وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ | اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے ○

1 یہ بیت معمور ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں جو عبادت کے لیے آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔

2 اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے ''محفوظ چھت'' کہا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○﴾ (الأنبیاء 21:32) ''آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم ہی نے بنایا ہے لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔'' بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔

3 ﴿اَلْمَسْجُوْرِ﴾ کے معنی ہیں، بھڑکائے ہوئے۔ بعض کہتے ہیں، اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت والے دن بارش نازل ہوگی، اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد سمندر ہیں، ان میں قیامت والے دن آگ بھڑک اٹھے گی، جیسے فرمایا: ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○﴾ (التکویر 81:6) ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔'' امام شوکانی نے اسی مفہوم کو اولیٰ قرار دیا ہے اور بعض نے مسجور کے معنی مملوء (بھرے ہوئے) کے لیے ہیں، یعنی فی الحال سمندروں میں آگ تو نہیں ہے، البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں، امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ (دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

4 یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے، یعنی یہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہر ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، اسے کوئی ٹالنے پر قادر نہیں ہوگا۔

5 ﴿مَوْرًا﴾ کے معنی ہیں حرکت و اضطراب۔ قیامت والے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہوگا، اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ مذکورہ عذاب کے لیے

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪
اُس دن جھٹلانے والوں کی (پوری) خرابی ہے ○

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫ وقف لازم
جو اپنی بیہودہ گوئی میں اُچھل کود کر رہے ہیں ○ [1]

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬
جس دن وہ دھکے دے دے کر [2] آتشِ جہنم کی طرف لائے جائیں گے ○

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑭
یہی وہ آتشِ دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے ○ [3]

اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮
(اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے؟ [4] یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو ○ [5]

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯
جاؤ دوزخ میں اب تمھارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمھارے لیے یکساں ہے۔ تمھیں فقط تمھارے کیے کا بدلہ دیا جائے گا ○

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ⑰
یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں ○ [6]

فٰكِهِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑱
جو اُنھیں اُن کے رب نے دے رکھی ہیں۔ اُس پر خوش خوش ہیں، [7] اور اُن کے پروردگار نے اُنھیں جہنم کے

ظرف ہے، یعنی یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جب آسمان تھرتھرائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر روئی کے گالوں اور ریت کے ذروں کی طرح اڑ جائیں گے۔

1 یعنی اپنے کفر و باطل میں مصروف اور حق کی تکذیب و استہزا میں لگے ہوئے ہیں۔

2 ﴿دَعًّا﴾ کے معنی ہیں نہایت سختی کے ساتھ دھکیلنا۔

3 یہ جہنم پر مقرر فرشتے (زبانیہ) انھیں کہیں گے۔

4 جس طرح تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر کہا کرتے تھے، بتلاؤ! کیا یہ بھی کوئی جادو کا کرتب ہے۔

5 یا جس طرح تم دنیا میں حق کے دیکھنے سے اندھے تھے، یہ عذاب بھی تمھیں نظر نہیں آ رہا ہے۔ یہ تقریع و توبیخ کے لیے انھیں کہا جائے گا، ورنہ ہر چیز ان کے مشاہدے میں آ چکی ہوگی۔

6 اہل کفر و اہل شقاوت کے بعد اہل ایمان و اہل سعادت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

7 یعنی جنت کے گھر، لباس، کھانے، سواریاں، حسین و جمیل بیویاں (حور عین) اور دیگر نعمتیں ان سب پر وہ خوش ہوں گے کیونکہ یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوں گی اور «مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ» (صحيح البخاري، حديث:4779) ”جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا

عذاب سے بھی بچالیا ہے ○

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓــٴًـۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَۙ ⑲

تم مزے سے کھاتے پیتے رہو اُن اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے ○ [1]

مُتَّكِــٕیْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ⑳

برابر بچھے ہوئے شاندار تختوں پر تکیے لگائے ہوئے [2] اور ہم اُن کے نکاح گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی (حوروں) سے کردیں گے ○

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍؕ كُلُّ امْرِئٍۭ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم اُن کی اولاد کو اُن تک پہنچا دیں گے اور اُن کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے، [3] ہر شخص

ہے اور نہ کسی انسان کے وہم وگمان میں ان کا گزر ہوا ہے۔'' کا مصداق۔

1 دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓــٴًـۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ○ ﴾ (الحآقة 69:24) ''مزے سے کھاؤ پیو! ان اعمال کے بدلے جو تم نے گذشتہ زمانے میں کیے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بہت ضروری ہیں۔

2 ﴿ مَّصْفُوْفَةٍ ﴾ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے، گویا وہ ایک صف ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جیسے میدان جنگ میں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس مفہوم کو قرآن میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ﴿ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:44) ''ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر فروکش ہوں گے۔''

3 یعنی جن کے باپ اپنے اخلاص وتقویٰ اور عمل وکردار کی بنیاد پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ایماندار اولاد کے بھی درجے بلند کر کے ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ان کے باپوں کے درجے کم کر کے ان کی اولاد والے کمتر درجوں میں انھیں لے آئے۔ یعنی اہل ایمان پر دو گونہ احسان فرمائے گا۔ ایک تو باپ بیٹوں کو آپس میں ملا دے گا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بشرطیکہ دونوں ایماندار ہوں۔ دوسرا یہ کہ کم تر درجے والوں کو اٹھا کر اونچے درجوں پر فائز فرما دے گا۔ ورنہ دونوں کے ملاپ کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے کلاس والوں کو بی کلاس دے دے، یہ بات چونکہ اس کے فضل واحسان سے فروتر ہوگی، اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ بی کلاس والوں کو اے کلاس عطا فرمائے گا۔ یہ تو اللہ کا وہ احسان ہے جو اولاد پر آباء کے عملوں کی برکت سے ہوگا اور حدیث میں آتا ہے: ''اولاد کی دعا واستغفار سے آباء کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ایک شخص کے جب جنت میں درجے بلند ہوتے ہیں تو وہ اللہ سے اس کا سبب پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تیری اولاد کی تیرے

بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿21﴾
اپنے اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے ○ [1]

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿22﴾
ہم اُن کے لیے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے ○ [2]

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿23﴾
(خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جامِ (شراب) کی چھینا جھپٹی کریں گے، [3] جس شراب کے سُرور میں نہ تو بیہودہ گوئی ہوگی نہ گناہ ○ [4]

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿24﴾
اور اُن کے اردگرد اُن کے نو عمر غلام چل پھر رہے ہوں گے، گویا کہ وہ موتی تھے جو ڈھکے رکھے تھے ○ [5]

لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔'' (مسند أحمد: 509/2) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ: ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، البتہ تین چیزوں کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، دوسری: وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں اور تیسری: نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔'' (صحيح مسلم، حديث:1631)

1 ﴿ رَهِيْنٌ ﴾ بمعنی مَرْهُوْنٌ (گروی شدہ چیز) ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہوگا۔ یہ عام ہے، مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور مطلب ہے کہ جو جیسا (اچھا یا برا) عمل کرے گا، اس کے مطابق (اچھی یا بری) جزا دیا جائے گا۔ یا اس سے مراد صرف کافر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہوں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ○ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ○ ﴾ (المدثر 74:38،39) ''ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہوگا۔ سوائے اصحاب الیمین (اہل ایمان) کے۔''

2 ﴿ اَمْدَدْنٰهُمْ ﴾ بمعنی زِدْنَاهُم، یعنی خوب دیں گے۔

3 ﴿ يَتَنَازَعُوْنَ ﴾ يَتَعَاطَوْنَ وَ يَتَنَاوَلُوْنَ ایک دوسرے سے لیں گے۔ یا پھر وہ معنی ہیں جو فاضل مترجم نے کیے ہیں۔ ﴿ كَاْسًا ﴾ اس پیالے اور جام کو کہتے ہیں جو شراب یا کسی اور مشروب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی برتن کو كَاسٌ نہیں کہتے۔ (فتح القدير)

4 اس شراب میں دنیا کی شراب کی تاثیر نہیں ہوگی، اسے پی کر نہ کوئی بہکے گا کہ لغو گوئی کرے نہ اتنا مدہوش اور مست ہوگا کہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

5 یعنی جنتیوں کی خدمت کے لیے انھیں نو عمر خادم بھی دیے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی و رعنائی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے موتی، جسے ڈھک کر رکھا گیا ہو تا کہ ہاتھ لگنے سے اس کی چمک دمک ماند نہ پڑے۔

وَ اَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿25﴾
اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے ○ [1]

قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ ﴿26﴾
کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں میں بہت ڈرا کرتے تھے ○ [2]

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَوَقٰٮنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ ﴿27﴾
پس اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا ○ [3]

اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ
الرَّحِيۡمُ ﴿28﴾ ع 1/28/3
ہم اس سے پہلے ہی اُس کی عبادت کیا کرتے تھے، [4] بے شک وہ محسن اور مہربان ہے ○

فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا
مَجۡنُوۡنٍ ؕ﴿29﴾
تو آپ سمجھاتے رہیں کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں نہ دیوانے ○ [5]

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيۡبَ
الۡمَنُوۡنِ ﴿30﴾
کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اُس پر زمانے کے حوادث (موت) کا انتظار کر رہے ہیں ○ [6]

---

1 ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پوچھیں گے کہ دنیا میں وہ کن حالات میں زندگی گزارتے اور ایمان و عمل کے تقاضے کس طرح پورے کرتے رہے۔

2 یعنی اللہ کے عذاب سے، اس لیے اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے رہے، اس لیے کہ انسان کو جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لیے وہ تگ و دو بھی کرتا ہے۔

3 ﴿السَّمُوۡمِ﴾ لُو، جھلس ڈالنے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں، جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

4 یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذاب جہنم سے بچنے کے لیے دعا کرتے تھے۔

5 اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے رہیں اور یہ آپ کی بابت جو کچھ کہتے رہتے ہیں، ان کی طرف کان نہ دھریں، اس لیے کہ آپ اللہ کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانے (جیسا کہ یہ کہتے ہیں) بلکہ آپ پر باقاعدہ ہماری طرف سے وحی آتی ہے جو کہ کاہن پر نہیں آتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں، وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے، ایک دیوانے سے اس طرح گفتگو کیوں کر ممکن ہے۔

6 ﴿رَيۡبَ﴾ کے معنی ہیں حوادث، ﴿الۡمَنُوۡنِ﴾ موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مطلب ہے کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ زمانے کے حوادث سے شاید اس (محمد ﷺ) کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿31﴾

کہہ دیجیے کہ تم منتظر رہو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ [1]

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿32﴾

کیا اُن کی عقلیں اُنھیں یہی سکھاتی ہیں؟ [2] یا یہ لوگ ہیں ہی سرکش ○ [3]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ اُس نبی نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ○ [4]

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿34﴾

اچھا! اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اُس جیسی ایک (ہی) بات یہ (بھی) تو لے آئیں ○ [5]

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿35﴾

کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں؟ [6] یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ ○ [7]

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿36﴾

کیا اُنھوں نے ہی آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں ○ [8]

جو اس کی دعوت توحید نے ہم سے چھین لیا ہے۔

1 یعنی دیکھو! موت پہلے کسے آتی ہے۔ اور ہلاکت کس کا مقدر بنتی ہے۔

2 یعنی یہ تیرے بارے میں جو اس طرح اناپ شناپ جھوٹ اور غلط سلط باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سجھاتی ہیں؟

3 نہیں بلکہ یہ سرکش اور گمراہ لوگ ہیں اور یہی سرکشی اور گمراہی انھیں ان باتوں پر برانگیختہ کرتی ہے۔

4 یعنی قرآن گھڑنے کے الزام پر ان کو آمادہ کرنے والا بھی ان کا کفر ہی ہے۔

5 یعنی اگر یہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش کر دیں جو نظم، اعجاز و بلاغت، حسن بیان، ندرت اسلوب، تعیین حقائق اور حل مسائل میں اس کا مقابلہ کر سکے۔

6 یعنی اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انھیں کسی بات کا حکم دے یا کسی بات سے منع کرے۔ لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ انھیں ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے تو ظاہر ہے اس کا انھیں پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد ہے، وہ انھیں پیدا کر کے یوں ہی کس طرح چھوڑ دے گا؟

7 یعنی یہ خود بھی اپنے خالق نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

8 بلکہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴿37﴾

یا کیا اُن کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟[1] یا (اُن خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟[2] ○

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾

یا کیا اُن کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ اچھی طرح سن لیتے ہیں؟[3] (اگر ایسا ہے) تو اُن کا سننے والا کوئی روشن دلیل پیش کرے ○

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿39﴾

کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمھارے ہاں لڑکے ہیں؟ ○

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿40﴾

کیا تو اُن سے کوئی اُجرت طلب کرتا ہے کہ یہ اُس کے تاوان سے بوجھل ہو رہے ہیں؟ ○[4]

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿41﴾

کیا اُن کے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ ○[5]

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿42﴾

کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟[6] تو یقین کر لیں کہ فریب خوردہ (جماعت) کافروں کی ہے ○[7]

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

کیا اللہ کے سوا اُن کا کوئی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ اُن

---

1 کہ یہ جس کو چاہیں روزی دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں نبوت سے نوازیں۔

2 ﴿اَلْمُصَيْطِرُ﴾ یا مُسَیطِر، سَطَرٌ سے ہے، لکھنے والا، جو محافظ و نگران ہو، وہ چونکہ ساری تفصیلات لکھتا ہے، اس لیے یہ محافظ اور نگران کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی کیا اللہ کے خزانوں یا اس کی رحمتوں پر ان کا تسلط ہے کہ جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔

3 یعنی کیا یہ ان کا دعویٰ ہے کہ سیڑھی کے ذریعے سے یہ بھی محمد ﷺ کی طرح آسمانوں پر جا کر ملائکہ کی باتیں یا ان کی طرف جو وحی کی جاتی ہے، وہ سن آئے ہیں۔

4 یعنی اس کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہو۔

5 کہ ضرور ان سے پہلے محمد ﷺ مر جائیں گے اور ان کو موت اس کے بعد آئے گی۔

6 یعنی ہمارے پیغمبر کے ساتھ، جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے۔

7 یعنی کید و مکر ان ہی پر الٹ پڑے گا اور سارا نقصان انھی کو ہو گا، جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ (فاطر 35:43) ”اور بری تدبیر والوں کا وبال ان تدبیر والوں پر ہی پڑتا ہے۔“ چنانچہ بدر میں یہ کافر مارے گئے اور بھی بہت سی جگہوں پر ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔

يُشْرِكُوْنَ ﴿43﴾
وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا
يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿44﴾
فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ
يُصْعَقُوْنَ ﴿45﴾
يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ﴿46﴾
وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿47﴾
وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿48﴾

کے شرک سے پاک ہے ○
اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں تب
بھی کہہ دیں کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے ○ [1]
پس تو اُنھیں چھوڑ دے یہاں تک کہ اُنھیں اُس دن سے
سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیے جائیں گے ○
جس دن اُنھیں اُن کا مکر کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ مدد
کیے جائیں گے ○
بے شک ظالموں کے لیے اُس کے علاوہ اور عذاب بھی [2]
ہیں لیکن اُن لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں ○ [3]
تُو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے،
بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو
اُٹھے [4] اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر ○

---

1 مطلب ہے کہ اپنے کفر و عناد سے پھر بھی باز نہ آئیں گے بلکہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ عذاب نہیں بلکہ ایک پر ایک بادل چڑھا آرہا ہے جیسا کہ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔

2 یعنی دنیا میں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○﴾ (السجدة 32:21) ”بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کو چھوٹا عذاب چکھائیں گے تا کہ وہ رجوع کریں۔“

3 اس بات سے کہ دنیا کے یہ عذاب اور مصائب اس لیے ہیں تا کہ انسان اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ نکتہ چونکہ نہیں سمجھتے، اس لیے گناہوں سے تائب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ ”منافق جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا۔ اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا۔“ (سنن أبي داود، حدیث: 3089)

4 اس کھڑے ہونے سے کون سا کھڑا ہونا مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں: جب نماز کے لیے کھڑے ہوں جیسا کہ آغاز نماز میں: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ......» پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں: جب نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کسی مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا

2 ع 21 4 وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿49﴾

اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ [1] اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی ○ [2]

آیاتھا: 62 (53) سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (23) رکوعاتھا: 3

سورۂ نجم مکی ہے، [3] اس میں 62 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿1﴾

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے! ○ [4]

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿2﴾

کہ تمھارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے ○ [5]

کفارہ ہو جائے گا: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ» (جامع الترمذي، حديث: 3433) ''اے اللہ! تو پاک ہے اور تیرے ہی لیے تعریف ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے معافی اور توبہ کا طلبگار ہوں۔''

1 اس سے مراد قیام اللیل، یعنی نماز تہجد ہے، جو عمر بھر نبی ﷺ کا معمول رہا۔

2 أَيْ وَقْتَ إِدْبَارِهَا مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، نوافل میں سب سے زیادہ اس کی نبی ﷺ حفاظت فرماتے تھے (صحيح البخاري، حديث: 1169) اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔'' (صحيح مسلم، حديث: 725، وجامع الترمذي، حديث: 416)

3 یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا، تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے، سب نے سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا، چنانچہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4863) بعض طرق میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے۔ (تفسير ابن كثير) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ ﷺ کے سامنے کی، آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 1073) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

4 بعض مفسرین نے ستارے سے ثریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم۔ ﴿هَوٰى﴾ اوپر سے نیچے گرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر فجر کے وقت وہ گرتا ہے یا شیاطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت والے دن گریں گے۔

5 یہ جواب قسم ہے۔ ﴿صَاحِبُكُمْ﴾ (تمھارا ساتھی) کہہ کر نبی ﷺ کی صداقت کو واضح تر کیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمھارے ساتھ اور تمھارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات

وَ مَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ③	اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں ○
اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰى ④	وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے ○ [1]
عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰى ⑤	اُسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے ○
ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰى ⑥	جو زور آور ہے [2] پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا ○
وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰى ⑦	اور وہ بُلند آسمان کے کناروں پر تھا ○ [3]
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧	پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا ○ [4]
فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى ⑨	پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلے پر رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم ○ [5]

تمھارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمھارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت، راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غوایت، وہ کجی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہہ بیان فرمائی۔

1 یعنی وہ گمراہ یا بہک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحیٔ الٰہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ (جامع الترمذي، حديث:1990) اسی طرح حالت غضب میں آپ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔ (سنن أبي داود، حديث: 3646)

2 اس سے مراد جبرائیل فرشتہ ہے جو قوی اعضاء کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی لانے اور اسے سکھلانے والا یہی فرشتہ ہے۔

3 یعنی جبرائیل، یعنی وحی سکھلانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔

4 یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی ﷺ کے قریب ہوئے۔

5 بعض نے ترجمہ کیا ہے: دو ہاتھوں کے بقدر، یہ نبی ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی قربت کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں صرف جبرائیل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقع پر نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ⑩	پس اُس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی [1] جو بھی پہنچائی ○
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪	دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا ○ [2]
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫	کیا تم جھگڑا کرتے ہو اُس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں؟ ○
وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬	اُسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا ○
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭	سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ○ [3]
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮	اُسی کے پاس جنۃ الماویٰ ہے ○ [4]
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯	جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھا رہی تھی ○ [5]

معراج کی رات دیکھا۔

1 یعنی جبرائیل علیہ السلام اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے، وہ انھوں نے آپ ﷺ تک پہنچایا۔

2 یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا، اس کو آپ ﷺ کے دل نے جھٹلایا نہیں بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

3 یہ لَیْلَۃُ المعراج کو جب اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، اس کا بیان ہے۔ یہ سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی ایک بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے، اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔ فرشتے اللہ کے احکام بھی یہیں سے وصول کرتے ہیں۔

4 اسے ﴿جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ روحیں یہاں آ کر جمع ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر)

5 ﴿سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔ (ابن کثیر وغیرہ) اسی مقام پر نبی ﷺ کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوگا۔ (صحیح مسلم، حدیث:173) مغفرت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ یا تو ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کر کے جنت میں بھیج دے گا یا پھر سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا دائمی ٹھکانا بالآخر جنت ہی ہے بشرطیکہ شرک سے وہ پاک ہو۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰
نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی ○ [1]

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱
یقیناً اُس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں ○ [2]

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ⑲
کیا تم نے لات اور عزّٰی کو دیکھا ○

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ⑳
اور منات تیسرے گھٹیا کو ○ [3]

---

1 یعنی نبی ﷺ کی نگاہیں دائیں بائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ (أیسر التفاسیر)

2 جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ آیات میں معراج کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن کی تفصیل احادیث میں ملتی ہے، اس لیے قرآن فہمی کے لیے احادیث صحیحہ سے استفادہ ناگزیر ہے، چنانچہ معراج کی جو تفصیل احادیث میں بیان ہوئی ہے، اس پر ایمان رکھنا اور اسے ان آیات کی توضیح وتشریح سمجھنا چاہیے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات۔ ایک تحقیقی جائزہ'' مطبوعہ دارالسلام)

3 یہ مشرکین کی توبیخ کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی تو یہ شان ہے جو مذکور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد رسول اللہ ﷺ جیسے اس کے رسول ہیں، جنھیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں۔ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے: لَاتَ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین اپنے بتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے نام مشتق کرتے تھے اور لَات کو لفظ اللہ سے مشتق کیا ہے۔ بعض کے نزدیک لَاتَ یَلِیتُ سے ہے۔ جس کے معنی موڑنے کے ہیں، پجاری اپنی گردنیں اس کی طرف موڑتے اور اس کا طواف کرتے تھے، اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿اللّٰتَ﴾ میں تا مشدد ہے۔ لَتَّ یَلُتُّ سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا، پھر اس کے مجسمے اور بت بن گئے۔ یہ طائف میں بنو ثقیف کا سب سے بڑا بت تھا۔ ﴿الْعُزّٰى﴾ کہتے ہیں یہ اللہ کے صفاتی نام عَزِیزٌ سے ماخوذ ہے اور یہ أَعَزُّ کی تانیث ہے بمعنی عَزِیزَۃٌ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنگ ابیض تھا جس کو پوجتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبود تھا۔ ﴿مَنٰوةَ﴾ مَنٰی یَمْنِی سے ہے جس کے معنی صَبٌّ (بہانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا۔ (فتح القدیر) یہ قُدَیْد کے بالمقابل مُشَلَّل جگہ میں تھا، بنو خزاعہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿21﴾
تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿22﴾
اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ
وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ
اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿23﴾

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿24﴾ ۖ
فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ﴿25﴾ ع

1/25/5

کیا تمھارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں؟ ○ [1]
یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے ○ [2]
دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے اُن کے رکھ لیے ہیں، اللہ نے اُن کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً اُن کے رب کی طرف سے اُن کے پاس ہدایت آ چکی ہے ○
کیا ہر شخص جو آرزو کرے اُسے میسر ہے؟ ○ [3]
اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان اور وہ جہان ○ [4]

یہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس بت کا طواف بھی کرتے تھے۔ (أيسر التفاسير و ابن كثير) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے بت اور بت خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرما دیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسمار کروا دیں، ان درختوں کو کٹوا دیا جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالد، حضرت علی، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی وغیرہم رضی اللہ عنہم کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا اور انھوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن كثير) قرون اولیٰ کے بہت بعد ایک مرتبہ پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوۃ شیخ محمد رحمہ اللہ بن عبدالوہاب کو توفیق دی، انھوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمہ فرمایا اور اسی دعوت کی تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ والیٔ نجد و حجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور تمام پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھا کر سنت نبوی عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کا احیاء فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی ''مزار''، ''دربار'' یا ''آستانہ'' ہے جس کی پرستش کی جاتی ہو، جس طرح کہ اکثر اسلامی ممالک میں ''قبر پرستی'' کی شکل میں شرک کے مظاہر عام ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

1 مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔
2 ﴿ضِيْزٰى﴾ حق و صواب سے ہٹی ہوئی۔
3 یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبود انھیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔
4 یعنی وہی ہوگا جو وہ چاہے گا کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿26﴾

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے ○[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿27﴾

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زنانہ نام مقرر کرتے ہیں ○

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ ﴿28﴾

حالانکہ اُنھیں اُس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بے شک وہم (وگمان) حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا ○

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿29﴾

تو آپ اُس سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور جن کا ارادہ بجز زندگانی دُنیا کے اور کچھ نہ ہو ○

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿30﴾

یہی اُن کے علم کی انتہا ہے۔ آپ کا رب اُس سے خوب واقف ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اُس سے بھی جو راہ یافتہ ہے ○

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ ﴿31﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ برے عمل کرنے والوں کو اُن کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے ○[2]

---

1 یعنی فرشتے جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے، ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انھی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے لیے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ پتھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی۔ جن سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا، جبکہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی ہے۔

2 یعنی ہدایت اور گمراہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے تاکہ نیکوکار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برائیوں کا بدلہ دے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ یہ جملہ معترضہ ہے اور ﴿لِيَجْزِيَ﴾ کا تعلق گزشتہ گفتگو سے ہے۔ (فتح القدیر)

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿32﴾ ع 2/7/6

اُن لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی،[1] سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔[2] بے شک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے، وہ تمھیں بخوبی جانتا ہے جب کہ اُس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے[3] پس تم اپنی پاکیزگی

1 ﴿ كَبٰٓىِٕرَ ﴾ کَبِیرَۃٌ کی جمع ہے۔کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جہنم کی وعید ہے یا جس کے مرتکب کی سخت مذمت قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار و دوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔علاوہ ازیں اس کے معنی اور ماہیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔بعض علماء نے انھیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے، جیسے كتاب الكبائر للذهبي اور الزواجر وغیرہ ﴿ الْفَوَاحِشَ ﴾ فَاحِشَةٌ کی جمع ہے، بے حیائی پر مبنی کام، جیسے زنا، لواطت وغیرہ۔بعض کہتے ہیں، جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو ''تہذیب'' سمجھ لیا گیا ہے حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس ''تہذیب بے حیائی'' کو اپنا لیا ہے، چنانچہ گھروں میں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وتیرہ بنا لیا ہے۔مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے، درآں حالیکہ یہ سب ''فواحش'' میں داخل ہیں۔جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہونی ہے، وہ کبائر و فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔

2 ﴿ اللَّمَمَ ﴾ کے لغوی معنی ہیں: کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں۔اَلَمَّ بِالْمَكَانِ (مکان میں تھوڑی دیر ٹھہرا۔) اَلَمَّ بِالطَّعَامِ (تھوڑا سا کھایا) اسی طرح کسی چیز کو محض چھو لینا یا اس کے قریب ہونا یا کسی کام کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا یا محض دل میں خیال کا گزرنا، یہ سب صورتیں لَمَم کہلاتی ہیں۔(فتح القدير) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ ارتکاب کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کبائر سے اجتناب کی برکت سے معاف فرما دے گا۔

3 ﴿ اَجِنَّةٌ ﴾ جَنِينٌ کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے اور اس میں ستر اور چھپنے کا معنی پایا جاتا ہے اور اسے جنین اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿33﴾
وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ﴿34﴾
اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿35﴾
اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿36﴾
وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿37﴾
اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿38﴾
وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿39﴾

آپ بیان نہ کرو، [1] وہی پرہیزگار کو خوب جانتا ہے ○
کیا آپ نے اُسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا ○
اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا ○ [2]
کیا اُسے علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟ ○ [3]
کیا اُسے اُس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں تھا ○
اور وفادار ابراہیم کے ○
کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی ○
اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اُس نے کی ○ [4]

1 یعنی جب اس سے تمھاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں حتیٰ کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے، جہاں تمھیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا، وہاں بھی تمھارے تمام احوال سے وہ واقف تھا تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو تاکہ ریاکاری سے تم بچو۔

2 یعنی تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا ﴿اَكْدٰى﴾ کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھودتے کھودتے سخت پتھر آجائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بالآخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں اَکْدٰی۔ یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے، کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچائے۔

3 یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا۔ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محض بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت الٰہی سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔

4 یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہیں ہوگا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انھی چیزوں کا ملے گا، جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی۔ (اس جزا کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں جیسا کہ بعض سوشلسٹ قسم کے لوگ اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں)، البتہ اس آیت سے ان علماء کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس

وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿40﴾
ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿41﴾
وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿42﴾
وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿43﴾
وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿44﴾
وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿45﴾
مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿46﴾
وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿47﴾
وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿48﴾

اور یہ کہ بے شک اُس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی ○ [1]
پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ○
اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے ○
اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رُلاتا ہے ○
اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے ○
اور یہ کہ اُسی نے جوڑا، یعنی نر و مادہ پیدا کیا ہے ○
نُطفے سے جب کہ وہ ٹپکایا جاتا ہے ○
اور یہ کہ اُسی کے ذمے دوبارہ پیدا کرنا ہے ○
اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے ○ [2]

کی محنت۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مُردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص سے اس کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل، عمل خیر ہوتا تو صحابہ اسے ضرور اختیار کرتے۔ اور عبادات وقربات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے، اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا، البتہ دعا اور صدقہ وخیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔ اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو وہ بھی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اولاد کو نبی ﷺ نے خود انسان کی اپنی کمائی قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي، حديث:4454) صدقہ جاریہ، وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ﴾ (یٰس 36:12) ''اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان کے اگلے اور پیچھے چھوڑے ہوئے اعمال کو۔'' اسی طرح وہ علم جس کی اس نے لوگوں میں نشر واشاعت کی اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمصداق حدیث نبوی: «مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا» (سنن أبي داود، حديث:4609) ''جس نے کسی کی ہدایت کی طرف راہنمائی کی تو اسے پیروی کرنے والوں کی مثل ثواب ملے گا اور یہ ان میں سے کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔'' اقتدا کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا، اس لیے یہ حدیث، آیت کے منافی نہیں ہے۔ (ابن كثير)

1 یعنی دنیا میں اس نے اچھا یا برا جو بھی کیا، چھپ کر کیا یا علانیہ کیا، قیامت والے دن سامنے آجائے گا اور اس پر اسے پوری جزا دی جائے گی۔

2 یعنی کسی کو اتنی تونگری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا

وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿49﴾
اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے ○ [1]

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿50﴾
اور یہ کہ اُسی نے عاد اول کو ہلاک کیا ہے ○ [2]

وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿51﴾
اور ثمود کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا ○

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿52﴾
اور اس سے پہلے قومِ نوح کو، یقیناً وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے ○

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿53﴾
اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو اُسی نے اُٹھا پھینکا ○ [3]

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿54﴾
پھر اُس پر چھا گیا جو چھایا ○ [4]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿55﴾
پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ ○ [5]

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿56﴾
یہ (نبی) ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے ○

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿57﴾
قیامت نزدیک آ گئی ○

لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿58﴾
اللہ کے سوا اُس کا (وقتِ معین کھول) دکھانے والا اور کوئی نہیں ○

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿59﴾
پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ ○ [6]

سرمایہ دے دیتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بچ رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔

1 رب تو وہ ہر چیز کا ہے، یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوجا کرتے تھے۔

2 قوم عاد کو اولیٰ اس لیے کہا کہ یہ ثمود سے پہلے ہوئی یا اس لیے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک کی گئی۔ بعض کہتے ہیں: عاد نامی دو قومیں گزری ہیں، یہ پہلی ہے جسے بادِ تند سے ہلاک کیا گیا جبکہ دوسری زمانے کی گردشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھرتی ہوئی موجود رہی۔

3 اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں جن کو ان کی قوم پر الٹ دیا گیا۔

4 یعنی اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

5 یا شک کرے گا اور ان کو جھٹلائے گا جبکہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا اخفا ہی۔

6 بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس سے تم تعجب کرتے اور اس کا استہزا کرتے ہو، حالانکہ اس میں نہ تعجب والی کوئی بات ہے نہ استہزا و تکذیب والی۔

وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿60﴾
اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ ○

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿61﴾
بلکہ تم کھیل رہے ہو ○

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿62﴾ السجدة
اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اُسی کی) عبادت کرو ○[1]

ع 30 / 7 / 12 السجدة

اٰیَاتُھَا 55 (54) سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (37) رُكُوْعَاتُھَا 3

سورۂ قمر[2] مکی ہے، اس میں 55 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿1﴾
قیامت قریب آ گئی[3] اور چاند پھٹ گیا ○[4]

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿2﴾
یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے ○[5]

---

1 یہ مشرکین اور مکذبین کی توبیخ کے لیے حکم دیا، یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کی بجائے، اس کا استہزا و استخفاف کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کر کے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو، چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں نبی ﷺ نے اور صحابہ نے سجدہ کیا حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا جیسا کہ احادیث میں ہے۔

2 یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔

3 ایک تو باعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا کیونکہ جو باقی ہے، وہ تھوڑا ہے۔ دوسرے، ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اپنی بابت فرمایا: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ» (صحيح البخاري، حديث: 6504، وصحيح مسلم، حديث: 2951، وجامع الترمذي، حديث: 2214) ''میں اور قیامت ایسے (متصل) بھیجے گئے ہیں، جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔'' اور آپ نے سبابہ اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا، یعنی نبی ﷺ کا وجود قیامت سے متصل ہے، آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔

4 یہ وہ معجزہ ہے جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حراء کو اس کے درمیان دیکھا، یعنی اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک ٹکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4864، و صحيح مسلم، حديث: 2800) جمہور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے۔ (فتح القدير) امام ابن کثیر لکھتے ہیں: ''علماء کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ انشقاق قمر نبی ﷺ کے زمانے میں ہوا اور یہ آپ ﷺ کے واضح معجزات میں سے ہے، صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔''

5 یعنی قریش نے ایمان لانے کے بجائے اسے جادو قرار دے کر اپنے اعراض کی روش برقرار رکھی۔

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③

اُنھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے[1] ○

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④

یقیناً اُن کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں[2] جن میں ڈانٹ ڈپٹ ہے[3] ○

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

اور کامل عقل کی بات ہے[4] لیکن اُن ڈراونی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا[5] ○

وقف لازم

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥

پس (اے نبی) تم اُن سے اعراض کرو۔ جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا[6] ○

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦

یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دَل ہے[7] ○

---

1 یہ کفار مکہ کی تکذیب اور اتباع اہواء کی تردید و بطلان کے لیے فرمایا کہ ہر کام کی ایک غایت اور انتہا ہے، وہ کام اچھا ہو یا برا، یعنی بالآخر اس کا نتیجہ نکلے گا، اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور برے کام کا برا۔ اس نتیجے کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اگر اللہ کی مشیت مقتضی ہو، ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

2 یعنی گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی، جب انھوں نے تکذیب کی۔

3 یعنی ان میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں، کوئی ان سے سبق حاصل کر کے شرک و معصیت سے بچنا چاہے تو بچ سکتا ہے۔ ﴿مُزْدَجَرٌ﴾ اصل میں مُزْتَجَرٌ ہے، زجر سے مصدر میمی۔

4 یعنی ایسی بات جو تباہی سے پھیر دینے والی ہے یا یہ قرآن حکمت بالغہ ہے جس میں کوئی نقص یا خلل نہیں ہے۔ یا اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے اور جس کو گمراہ کرے، اس میں بڑی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے۔

5 یعنی جس کے لیے اللہ نے شقاوت لکھ دی ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے، اس کو پیغمبروں کا ڈراوا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لیے تو اِنْذار ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ﴾ ”کافروں کو آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا ان پر برابر ہے۔“ والی بات ہے۔ تقریباً اسی مفہوم کی یہ آیت ہے: ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○﴾ (الأنعام 149:6) ”آپ کہیے کہ پس پوری حجت اللہ ہی کی رہی اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا کر دیتا۔“

6 ﴿يَوْمَ﴾ سے پہلے اُذْكُرْ محذوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو۔ ﴿نُّكُرٍ﴾ نہایت ہولناک اور دہشت ناک۔ مراد میدان محشر اور موقف حساب کی ہولناکیاں اور آزمائشیں ہیں۔

7 یعنی قبروں سے نکل کر وہ اس طرح پھیلیں گے اور موقف حساب کی طرف اس طرح نہایت تیزی سے جائیں گے، گویا ٹڈی دل ہے جو آناً فاناً فضائے بسیط میں پھیل جاتا ہے۔

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے [1] اور کافر کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے ○

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨

اُن سے پہلے قومِ نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا گیا تھا ○ [2]

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩

پس اُس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر ○

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۖ ⑪

پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا ○ [3]

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۚ ⑫

اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا، پس اُس کام پر جو مقدر کیا گیا تھا پانی خوب جمع ہوگیا ○ [4]

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۙ ⑬

اور ہم نے اُسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا ○ [5]

تَجْرِیْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭

جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اُس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا ○

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮

اور بے شک ہم نے اُس واقعہ کو نشان بنا کر [6] باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا ○ [7]

---

1 ﴿مُّهْطِعِيْنَ﴾ مُسْرِعِينَ دوڑیں گے، پیچھے نہیں رہیں گے۔

2 ﴿وَّازْدُجِرَ﴾ وَازْتُجِرَ ہے، یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی نہیں کی بلکہ انھیں جھڑکا اور ڈرایا دھمکایا بھی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ○﴾ (الشعرآء 26:116) ''اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔''

3 ﴿مُّنْهَمِرٍ﴾ بمعنی کثیر یا زوردار۔ هَمْر، صَبّ (بہنے) کے معنی میں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک مسلسل خوب زور سے پانی برستا رہا۔

4 یعنی آسمان اور زمین کے پانی نے مل کر وہ کام پورا کر دیا جو ازل میں لکھ دیا گیا تھا، یعنی طوفان بن کر سب کو غرق کر دیا۔

5 ﴿دُسُرٍ﴾ دِسَارٌ کی جمع، وہ رسیاں جن سے کشتی کے تختے باندھے گئے یا وہ کیلیں اور میخیں جن سے کشتی کو جوڑا گیا۔

6 ﴿تَّرَكْنٰهَاۤ﴾ میں ضمیر کا مرجع سفينة ہے۔ یا فِعْلَة، یعنی تَرَكْنَا هٰذِهِ الْفِعْلَةَ الَّتِي فَعَلْنَاهَا بِهِمْ عِبْرَةً وَّمَوْعِظَةً (فتح القدير) ''ہم نے ان کے انجام کو عبرت و موعظت کے لیے باقی رکھا۔''

7 ﴿مُّدَّكِرٍ﴾ اصل میں مُذْتَكِرٍ ہے۔ تاء کو دال سے بدل دیا گیا اور ذال معجمہ کو دال بنا کر دال کا دال میں

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑯
بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟ ○

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰
اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا[1] ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ ○

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑱
قومِ عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں ○

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ⑲
ہم نے اُن پر تیز وتند مسلسل چلنے والی ہوا، ایک پیہم منحوس دن میں بھیج دی ○ [2]

تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ⑳
جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹختی تھی، گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں ○ [3]

ادغام کر دیا گیا۔ معنی ہیں: عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والا۔ (فتح القدير)

1 یعنی اس کے مطالب و معانی کو سمجھنا، اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم اعجاز و بلاغت کے اعتبار سے نہایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود، کوئی شخص تھوڑی سی توجہ دے تو وہ عربی گرامر اور معانی و بلاغت کی کتابیں پڑھے بغیر بھی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے، اسی طرح یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو لفظ بلفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سے چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کر لینا اور اسے یاد رکھنا نہایت مشکل ہے۔ اور انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے دریچے وا رکھ کر اسے عبرت کی آنکھوں سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتی ہے۔

2 کہتے ہیں یہ بدھ کی شام تھی، جب اس تند، یخ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل 7 راتیں اور 8 دن چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند انسانوں کو بھی وہاں سے اٹھاتی اور اس طرح زور سے انھیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سر ان کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ دن ان کے لیے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدھ کے دن میں یا کسی اور دن میں نحوست ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ ﴿مُّسْتَمِرٍّ﴾ کا مطلب ہے، یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

3 یہ درازئ قد کے ساتھ ان کی بے بسی اور لاچارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الٰہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے درآں حالیکہ انھیں اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ ﴿اَعْجَازُ﴾ عِجْزٌ کی جمع ہے جو کسی چیز کے پچھلے حصے کو

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿21﴾

پس کیسی رہی میری سزا اور میرا ڈرانا؟ ○

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿22﴾ ع

یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟ ○

ع 1/22 8

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿23﴾

قومِ ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا ○

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿24﴾

اور کہنے لگے: کیا اپنے میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہوں گے ○ [1]

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿25﴾

کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اُسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خور ہے ○ [2]

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿26﴾

اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور شیخی خور تھا؟ ○ [3]

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿27﴾ ز

بے شک ہم اُن کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے، [4] پس (اے صالح!) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر ○ [5]

کہتے ہیں۔ ﴿مُّنْقَعِرٍ﴾ اپنی جڑ سے اکھڑ جانے اور کٹ جانے والا، یعنی کھجور کے ان تنوں کی طرح جو اپنی جڑ سے اکھڑ اور کٹ چکے ہوں، ان کے لاشے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

1 یعنی ایک بشر کو رسول مان لینا، ان کے نزدیک گمراہی اور دیوانگی تھی۔ ﴿سُعُرٍ﴾ سَعِیرٌ کی جمع ہے، آگ کی لپٹ۔ یہاں اس کو دیوانگی یا شدت وعذاب کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

2 ﴿اَشِرٌ﴾ بمعنی مُتَکَبِّر یا کذب میں حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی اس نے جھوٹ بھی بولا ہے تو بہت بڑا کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ بھلا ہم میں سے صرف اسی ایک پر وحی آنی تھی۔ یا اس ذریعے سے ہم پر اپنی بڑائی جتانا اس کا مقصود ہے۔

3 یہ خود پیغمبر پر الزام تراشی کرنے والے یا حضرت صالح جن کو اللہ نے وحی ورسالت سے نوازا۔ کل سے مراد قیامت کا دن ہے یا دنیا میں ان کے لیے عذاب کا مقررہ دن۔

4 کہ یہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ نے خود ان کے کہنے پر پتھر کی ایک چٹان سے ظاہر فرمائی تھی۔

5 یعنی دیکھ کہ یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان کا راستہ اپناتے ہیں یا نہیں اور ان کی ایذاؤں پر صبر کر۔

وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿28﴾

ہاں اُنھیں خبر کردے کہ پانی اُن میں تقسیم شدہ ہے،[1] ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوگا[2] ○

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿29﴾

اُنھوں نے اپنے رفیق کو آواز دی[3] جس نے وار کیا[4] اور کونچیں کاٹ دیں ○

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿30﴾

پس کیوں کر ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا ○

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿31﴾

ہم نے اُن پر ایک چیخ بھیجی، پس وہ ایسے ہوگئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی گھاس[5] ○

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿32﴾

اور ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی جو نصیحت پکڑے ○

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿33﴾

قومِ لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی ○

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿34﴾

بے شک ہم نے اُن پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی[6] سوائے آلِ لوط کے، اُنھیں ہم نے سحر کے وقت نجات

---

1 یعنی ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے اور ایک دن قوم کے پانی پینے کے لیے۔

2 مطلب ہے ہر ایک کا حصہ اس کے ساتھ ہی خاص ہے جو اپنی اپنی باری پر حاضر ہو کر وصول کرے دوسرا اس روز نہ آئے۔ ﴿شِرْبٍ﴾ حصۂ آب۔

3 یعنی جس کو انھوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا جس کا نام قدار بن سالف بتلایا جاتا ہے، اس کو پکارا کہ وہ اپنا کام کرے۔

4 یا تلوار یا اونٹنی کو پکڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اسے ذبح کر دیا۔ بعض نے ﴿فَتَعَاطٰى﴾ کے معنی فَجَسَرَ کیے ہیں، پس اس نے جسارت کی۔

5 حَظِيرَةٌ بمعنی مَحْظُورَةٌ، باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ ﴿الْمُحْتَظِرِ﴾ اسم فاعل ہے صَاحِبُ الْحَظِيرَةِ، هَشِيمٌ خشک گھاس یا کٹی ہوئی خشک کھیتی، یعنی جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔

6 یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان کو کنکریاں مارتی تھی اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹا دیا گیا، اس طرح کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر، اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی جیسا کہ سورۂ ہود وغیرہ میں تفصیل گزری۔

دے دی ○ [1]

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿35﴾

اپنے احسان سے [2] ہر ہر شکر گزار کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿36﴾

یقیناً (لوط نے) اُنھیں ہماری پکڑ سے ڈرایا [3] تھا لیکن اُنھوں نے ڈرانے میں شک کیا ○ [4]

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿37﴾

اور اس (لوط) کو اُس کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا [5] پس ہم نے اُن کی آنکھیں اندھی کر دیں [6] (اور کہہ دیا) میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو ○

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿38﴾

اور یقینی بات ہے کہ اُنھیں صبح سویرے ہی ایک جگہ پکڑنے والے مقررہ عذاب نے غارت کر دیا ○ [7]

---

1 ﴿اٰلَ لُوْطٍ﴾ سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں جن کو نجات دی گئی۔ سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے۔

2 یعنی ان کو عذاب سے بچانا، یہ ہماری رحمت اور احسان تھا جو ان پر ہوا۔

3 یعنی عذاب آنے سے پہلے ہماری سخت گرفت، سے ڈرایا تھا۔

4 لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی بلکہ شک کیا اور ڈرانے والوں سے جھگڑتے رہے۔

5 یا بہلایا یا مانگا لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کو معلوم ہوا کہ چند خوبرو نوجوان لوط علیہ السلام کے ہاں آئے ہیں (جو دراصل فرشتے تھے اور ان کو عذاب دینے کے لیے ہی آئے تھے) تو انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان سے بدکاری کریں۔

6 کہتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے۔ جب انھوں نے بدفعلی کی نیت سے فرشتوں (مہمانوں) کو لینے پر زیادہ اصرار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کا ایک حصہ انھیں مارا جس سے ان کی آنکھوں کے ڈھیلے ہی باہر نکل آئے۔ بعض کہتے ہیں: صرف آنکھوں کی بصارت زائل ہوئی، بہرحال عذاب عام سے پہلے یہ عذاب خاص ان لوگوں کو پہنچا جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بدنیتی سے آئے تھے۔ اور آنکھوں سے یا بینائی سے محروم ہو کر گھر پہنچے۔ اور پھر صبح اس عذاب عام میں تباہ ہو گئے جو پوری قوم کے لیے آیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

7 یعنی صبح ان کے پاس ﴿عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ﴾ آ گیا۔ ﴿مُّسْتَقِرٌّ﴾ کے معنی، ان پر نازل ہونے والا جو انھیں

فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿39﴾
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
مُّدَّكِرٍ ﴿40﴾ ع 2/18 9
وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿41﴾
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ
مُّقْتَدِرٍ ﴿42﴾
اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ
فِي الزُّبُرِ ﴿43﴾
اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿44﴾
سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿45﴾

پس میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو ○
اور یقیناً ہم نے قرآن کو پند و وعظ کے لیے آسان کر دیا ہے۔ [1] پس کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ○
اور فرعونیوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے ○ [2]
اُنھوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں [3] پس ہم نے اُنھیں بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا ○ [4]
(اے قریشیو!) کیا تمھارے کافر اُن کافروں سے کچھ بہتر ہیں؟ [5] یا تمھارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے؟ ○ [6]
یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں ○ [7]
عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر

ہلاک کیے بغیر نہ چھوڑے۔

1 تَیسِیر قرآن (قرآن کے آسان کرنے) کا اس سورت میں بار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کے فہم وحفظ کو آسان کر دینا اللہ کا احسان عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

2 ﴿النُّذُرُ﴾ نَذِیرٌ (ڈرانے والا) کی جمع ہے یا بمعنی اِنْذَار مصدر ہے۔ (فتح القدیر)

3 وہ نشانیاں جن کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کو ڈرایا۔ یہ نو نشانیاں تھیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

4 یعنی ان کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ عذاب ایسے غالب کی گرفت تھی جو انتقام لینے پر قادر ہے، اس کی گرفت کے بعد کوئی بچ نہیں سکتا۔

5 یہ استفہام انکار، یعنی نفی کے لیے ہے، یعنی اے اہل عرب! تمھارے کافر گزشتہ کافروں سے بہتر نہیں ہیں، جب وہ اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے تو تم جبکہ ان سے بدتر ہو، عذاب سے سلامتی کی امید کیوں رکھتے ہو؟

6 ﴿الزُّبُرِ﴾ سے مراد گزشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابیں ہیں، یعنی کیا تمھاری بابت کتب منزلہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ قریش یا عرب جو مرضی کرتے رہیں، ان پر عذاب نہیں آئے گا۔

7 تعداد کی کثرت اور وسائل قوت کی وجہ سے، کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں۔ یا مطلب ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے، ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

بھاگے گی ○ [1]

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿46﴾

بلکہ قیامت کی گھڑی اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور کڑوی چیز ہے ○ [2]

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿47﴾ (وقف لازم)

بے شک گناہ گار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں ○

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾

جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا:) دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو ○ [3]

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾

بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے ○ [4]

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿50﴾

اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا ○

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿51﴾

اور ہم تمھارے (کتنے ہی) ہم مشربوں کو [5] ہلاک کر چکے ہیں پس کوئی ہے نصیحت لینے والا ○

---

1 اللہ نے ان کے زعم باطل کی تردید فرمائی، جماعت سے مراد کفار ہیں، چنانچہ بدر میں انھیں شکست ہوئی اور یہ پیٹھ دے کر بھاگے، رؤسائے شرک اور اساطین کفر ہلاک کر دیے گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر جب نبی ﷺ نہایت الحاح وزاری سے اپنے خیمے میں مصروف دعا تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «حَسْبُكَ يَارَسُولَ اللهِ! أَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ» ''بس کیجیے اللہ کے رسول! آپ نے رب کے سامنے بہت الحاح وزاری کر لی۔'' چنانچہ آپ ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہی مذکورہ آیت تھی۔ (صحيح البخاري، حديث:4877)

2 ﴿اَدْهٰى﴾ دَهَاءٌ سے ہے، سخت رسوا کرنے والا ، ﴿اَمَرُّ﴾ مَرَارَةٌ سے ہے، نہایت کڑوا، یعنی دنیا میں جو یہ قتل کیے گئے، قیدی بنائے گئے وغیرہ، یہ ان کی آخری سزا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی جائیں گی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

3 ﴿سَقَرَ﴾ بھی جہنم کا نام ہے، یعنی اس کی حرارت اور شدت عذاب کا مزہ چکھو۔

4 ائمۂ سنت نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الٰہی کا اثبات کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کا علم تھا اور اس نے سب کی تقدیر لکھ دی ہے اور فرقہ قدریہ کی تردید کی ہے جس کا ظہور عہد صحابہ کے آخر میں ہوا۔ (ابن كثير)

5 یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں کو جو کفر میں تمھارے ہی جیسے تھے۔ ﴿اَشْيَاعَكُمْ﴾ أَيْ أَشْبَاهَكُمْ وَنُظَرَاءَكُمْ. (فتح القدير)

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿52﴾

جو کچھ اُنھوں نے (اعمال) کیے ہیں سب نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں ○ [1]

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿53﴾

(اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے ○ [2]

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿54﴾

یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہیں ○ [3]

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿55﴾ ع 3/15/10

راستی اور عزت کی بیٹھک میں [4] قدرت والے بادشاہ کے پاس ○ [5]

ایاتها 78 (55) سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ (97) رکوعاتها 3

سورۂ رحمٰن مدنی [6] ہے، اس میں 78 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

---

1 یا دوسرے معنی ہیں، لوح محفوظ میں درج ہیں۔

2 یعنی مخلوق کے تمام اعمال، اقوال وافعال لکھے ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، حقیر ہوں یا جلیل، اشقیاء کے ذکر کے بعد اب سعداء کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

3 یعنی مختلف اور متنوع باغات میں ہوں گے۔ ﴿نَهَرٍ﴾ بطور جنس کے ہے جو جنت کی تمام نہروں کو شامل ہے۔

4 ﴿مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ عزت کی بیٹھک یا مجلس حق، جس میں گناہ کی بات ہوگی نہ لغویات کا ارتکاب۔ مراد جنت ہے۔

5 ﴿مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ قدرت والا بادشاہ، یعنی وہ ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور ہے جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ ﴿عِنْدَ﴾ (پاس) اس میں اس شرف ومنزلت اور عزت واحترام کا بیان ہے جو اہل ایمان کو اللہ کے ہاں حاصل ہوگا۔

6 اس کو بعض حضرات نے مدنی قرار دیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ مکی ہے۔ (فتح القدیر) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم خاموش رہتے ہو، تم سے تو اچھے جن ہیں کہ جب جن والی رات کو میں نے یہ سورت ان پر پڑھی تو میں جب بھی ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○﴾ پڑھتا تو وہ اس کے جواب میں کہتے: «لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ» (جامع الترمذي، حديث: 3291، وذكره الألباني في صحيح سنن الترمذي: 341/3) ''اے اللہ! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے۔ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔'' اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مقتدی اور سامع کو یہ جواب دینا چاہیے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ نماز کا نہیں ہے، اس لیے نماز میں جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② قرآن سکھایا ○ [1]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ اُسی نے انسان کو پیدا کیا ○ [2]

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ اور اُسے بولنا سکھایا ○ [3]

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ آفتاب اور ماہتاب (مقررہ) حساب سے ہیں ○ [4]

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ⑥ اور بیلیں اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں ○ [5]

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦ اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور اُسی نے ترازو رکھی ○ [6]

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ⑧ تاکہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو ○ [7]

---

1 کہتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کے جواب میں ہے جو کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے کہ رحمٰن کیا ہے۔ قرآن سکھانے کا مطلب ہے، اسے آسان کر دیا یا اللہ نے اپنے پیغمبر کو سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا۔ اس سورت میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتیں گنوائی ہیں۔ چونکہ تعلیم قرآن ان میں قدر و منزلت اور اہمیت و افادیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہے، اس لیے پہلے اسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتح القدیر)

2 یعنی یہ بندر وغیرہ جانوروں سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ڈارون کا فلسفۂ ارتقا ہے۔ بلکہ انسان کو اسی شکل وصورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے۔ انسان کا لفظ بطور جنس کے ہے۔

3 اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو بغیر سیکھے ازخود ہر شخص بول لیتا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ چھوٹا بچہ بھی بولتا ہے جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا۔ یہ اس تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

4 یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

5 جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ ......﴾ الآیة (الحج 22:18) ''سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور جو کچھ زمین وآسمان میں ہے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔''

6 یعنی زمین میں انصاف رکھا، جس کا اس نے لوگوں کو حکم دیا، جیسے فرمایا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید 57:25) ''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبر طوفانِ نوح کے بعد نسل انسانی نوح کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو کشتئ نوح میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے، اس لیے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا کہ تمھارا باپ، نوح اللہ کا بہت شکر گزار بندہ تھا تم بھی اپنے

وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ⑨
انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو ○

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ⑩
اور اُسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھادی ○

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪
جس میں میوے ہیں اور خوشے والی کھجور کے درخت ہیں ○ [1]

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ ⑫
اور بھس والا اناج ہے [2] اور خوشبودار پھول ہیں ○

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬
پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○ [3]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑭
اُس نے انسان کو ایسی آواز دینے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی ○ [4]

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ⑮
اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ○ [5]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑯
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○ [6]

---

1 ﴿الْاَكْمَامِ﴾ کِمٌّ کی جمع ہے، وِعَاءُ التَّمْرِ کھجور پر چڑھا ہوا غلاف۔

2 ﴿الْحَبُّ﴾ سے مراد ہر وہ خوراک ہے جو انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ خشک ہو کر اس کا پودا بھس بن جاتا ہے جو جانوروں کے کام آتا ہے۔

3 یہ انسانوں اور جنوں دونوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے۔ یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے: میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے؟ فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا، کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)

4 ﴿صَلْصَالٍ﴾ خشک مٹی، جس میں آواز ہو۔ فَخَّارٌ آگ میں پکی ہوئی مٹی جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کا پہلے مٹی سے پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حواء کو پیدا فرمایا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔

5 اس سے مراد سب سے پہلا جن ہے جو ابو الجن ہے یا جن بطور جنس کے ہے جیسا کہ ترجمہ جنس کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ ﴿مَّارِجٍ﴾ آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں۔

6 یعنی تمھاری یہ پیدائش بھی اور پھر تم سے مزید نسلوں کی تخلیق و افزائش، یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ کیا تم اس نعمت کا انکار کرو گے؟

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿17﴾
وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا ○ [1]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿18﴾
تو (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿19﴾
اُس نے دو دریا جاری کر دیے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ○

بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿20﴾
اُن دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اُس سے بڑھ نہیں سکتے ○ [2]

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿21﴾
پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿22﴾
اُن دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں ○ [3]

---

1 ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق، اسی طرح مغرب ہے، اس لیے دونوں کو تثنیہ ذکر کیا ہے، موسموں کے اعتبار سے مشرق و مغرب کا مختلف ہونا اس میں بھی انس و جن کی بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے اسے بھی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

2 ﴿مَرَجَ﴾ بمعنی اَرْسَلَ جاری کر دیے۔ اس کی تفصیل سورۂ فرقان 53:25 میں گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دریاؤں سے مراد بعض کے نزدیک ان کے الگ الگ وجود ہیں، جیسے میٹھے پانی کے دریا ہیں جن سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان ان کا پانی اپنی دیگر ضروریات میں بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے جس کے کچھ اور فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کھارے سمندروں میں ہی میٹھے پانی کی لہریں چلتی ہیں اور یہ دونوں لہریں آپس میں نہیں ملتیں بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہی رہتی ہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھارے سمندروں میں ہی کئی مقامات پر میٹھے پانی کی لہریں بھی جاری کی ہوئی ہیں اور وہ کھارے پانی سے الگ ہی رہتی ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اوپر کھارا پانی ہو اور اس کی تہ میں نیچے چشمۂ آب شیریں۔ جیسا کہ وَاقِعَتاً بعض مقامات پر ایسا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جن مقامات پر میٹھے پانی کے دریا کا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے، وہاں کئی لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ دونوں پانی میلوں دور تک اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایک طرف میٹھا دریائی پانی اور دوسری طرف وسیع و عریض سمندر کا کھارا پانی، ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں۔ لیکن یہ باہم نہیں ملتے۔ دونوں کے درمیان یہ وہ ﴿بَرْزَخٌ﴾ (آڑ) ہے جو اللہ نے رکھ دی ہے، دونوں اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

3 ﴿الْمَرْجَانُ﴾ سے چھوٹے موتی یا پھر مونگے مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں اپنے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿23﴾
پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○[1]

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـٰٔتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿24﴾
اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح کھڑے ہوئے (چل پھر رہے) ہیں ○[2]

ع 1 25 11
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿25﴾
پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○[3]

كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ﴿26﴾
زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں ○

وَّیَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾
صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی ○

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿28﴾
پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○[4]

مونہہ کھول دیتی ہیں، جو قطرہ ان کے اندر پڑ جاتا ہے، وہ موتی بن جاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ موتی وغیرہ میٹھے پانی کے دریاؤں سے نہیں بلکہ صرف آب شور، یعنی سمندروں سے ہی نکلتے ہیں۔ لیکن قرآن نے تثنیہ کی ضمیر استعمال کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سے ہی موتی نکلتے ہیں۔ چونکہ موتی کثرت کے ساتھ سمندروں سے ہی نکلتے ہیں، اس لیے اس کی شہرت ہوگئی ہے، تاہم شیریں دریاؤں سے اس کی نفی ممکن نہیں بلکہ موجودہ دور کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ میٹھے دریا میں بھی موتی ہوتے ہیں، البتہ ان کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے ان سے موتی نکالنا مشکل امر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد مجموعہ ہے، ان میں سے کسی ایک سے بھی موتی نکل جائیں تو ان پر تثنیہ کا اطلاق صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ شیریں دریا بھی عام طور پر سمندر میں ہی گرتے ہیں اور وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لیے گو منبع دریائے شور ہی ہوئے لیکن دوسرے دریاؤں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے۔ لیکن موجودہ دور کے تجربات کے بعد ان تاویلات اور تکلفات کی ضرورت نہیں۔ واللہ أعلم۔

1 یہ جواہر اور موتی زیب و زینت اور حسن و جمال کا مظہر ہیں اور اہل شوق و اہل ثروت انھیں اپنے ذوق جمال کی تسکین اور حسن و رعنائی میں اضافے ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کا نعمت ہونا بھی واضح ہے۔

2 ﴿الْجَوَارِ﴾ جَارِیَةٌ (چلنے والی) کی جمع اور محذوف موصوف کی صفت ہے۔ ﴿الْمُنْشَـٰٔتُ﴾ کے معنی مرفوعات ہیں، یعنی بلند کی ہوئیں، مراد بادبان ہیں جو بادبانی کشتیوں میں جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی مصنوعات کے کیے ہیں، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی جو سمندر میں چلتی ہیں۔

3 ان کے ذریعے سے بھی نقل و حمل کی جو آسانیاں ہیں محتاج وضاحت نہیں، اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

4 فنائے دنیا کے بعد جزا و سزا، یعنی عدل کا اہتمام ہوگا، لہٰذا یہ بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے جس پر شکر الٰہی واجب ہے۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ﴿29﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿30﴾

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ﴿31﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿32﴾

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ﴿33﴾

سب آسمان و زمین والے اُسی سے مانگتے ہیں۔[1] ہر روز وہ ایک شان میں ہے ○[2]

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○[3]

(جنوں اور انسانوں کے گروہو!) عنقریب ہم فارغ ہو کر (تمھاری طرف متوجہ) ہو جائیں گے ○[4]

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

اے گروہ جن و انس! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو![5] بغیر غلبے اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے ○[6]

---

1 یعنی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے سوالی ہیں۔

2 ہر روز کا مطلب، ہر وقت۔ ﴿شَاْنٍ﴾ کے معنی امر یا معاملہ، یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے، کسی کو بیمار کر رہا ہے، کسی کو شفایاب، کسی کو تونگر بنا رہا ہے تو کسی تونگر کو فقیر۔ کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا، کسی کو بلندیوں پر فائز کر رہا ہے، کسی کو پستی میں گرا رہا ہے، کسی کو ہست سے نیست اور نیست کو ہست کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر و مشیت سے ہو رہے ہیں اور شب و روز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔ ﴿ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ (البقرۃ2:255) ''وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا ہے، جسے اونگھ آئے نہ نیند۔''

3 اور اتنی بڑی ہستی کا ہر وقت بندوں کے امور و معاملات کی تدبیر میں لگے رہنا، کتنی بڑی نعمت ہے۔

4 اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو فراغت نہیں ہے بلکہ یہ محاورۃً بولا گیا ہے جس کا مقصد وعید و تہدید ہے۔ ﴿ الثَّقَلٰنِ ﴾ (جن و انس کو) اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو تکالیف شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے، اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق مستثنیٰ ہے۔ یا اس لیے کہ یہ زندہ ہوں یا مردہ، زمین پر بوجھ ہیں کیونکہ ثِقَل کے معنی بوجھ کے ہیں۔

5 یہ تہدید بھی نعمت ہے کہ اس سے بدکار، بدیوں کے ارتکاب سے باز آ جائے اور محسن زیادہ نیکیاں کمائے۔

6 یعنی اللہ کی تقدیر اور قضا سے تم بھاگ کر کہیں جا سکتے ہو تو چلے جاؤ لیکن یہ طاقت کس میں ہے۔ اور بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔ کون سی جگہ ایسی ہے جو اللہ کے اختیارات سے باہر ہو۔ یہ بھی تہدید ہے جو مذکورہ تہدید کی طرح نعمت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ میدان محشر میں کہا جائے گا، جبکہ فرشتوں نے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھا ہوگا۔ دونوں ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿34﴾
پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿35﴾
تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا[1] پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے ○[2]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿36﴾
پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿37﴾
پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ چمڑہ ○[3]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿38﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿39﴾
اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پرسش نہ کی جائے گی ○[4]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿40﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿41﴾
گناہ گار صرف حلیے ہی سے پہچان لیے جائیں گے[5] اور ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے ○[6]

---

1 مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت والے دن کہیں بھاگ کر گئے بھی تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں تم پر چھوڑ کر یا پگھلا ہوا تانبہ تمھارے سروں پر ڈال کر تمھیں واپس لے آئیں گے۔ ﴿نُحَاسٌ﴾ کے دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کیے گئے ہیں۔

2 یعنی اللہ کے عذاب کو ٹالنے کی تم قدرت نہیں رکھو گے۔

3 قیامت والے دن آسمان پھٹ پڑے گا، فرشتے زمین پر اتر آئیں گے، اس دن یہ نار جہنم کی شدت حرارت سے پگھل کر سرخ نری کے چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ دِھَانٌ سرخ چمڑہ۔

4 یعنی جس وقت وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔ ورنہ بعد میں موقف حساب میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گناہوں کی بابت نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ ان کا تو پورا ریکارڈ فرشتوں کے پاس بھی ہوگا اور اللہ کے علم ازلی میں بھی، البتہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیوں کیے۔ یا یہ مطلب ہے، ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ انسانی اعضاء خود بول کر ہر بات بتلائیں گے۔

5 یعنی جس طرح اہل ایمان کی علامت ہوگی کہ ان کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ اسی طرح گناہ گاروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے۔

6 فرشتے ان کی پیشانیاں ان کے قدموں کے ساتھ ملا کر پکڑیں گے اور جہنم میں ڈال دیں گے یا کبھی پیشانیوں

وقف لازم

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿42﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿43﴾
یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے ○

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿44﴾
اُس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے ○ [1]

ع 2 / 20 / 12

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿45﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿46﴾
اور اُس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو دو جنتیں ہیں ○ [2]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿47﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿48﴾
(دونوں جنتیں) بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں ○ [3]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿49﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿50﴾
ان دونوں (جنتوں) میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں ○ [4]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿51﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿52﴾
اُن دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میووں کی دو قسمیں ہوں گی ○ [5]

سے اور کبھی قدموں سے انھیں پکڑیں گے۔

1 یعنی کبھی انھیں جحیم کا عذاب دیا جائے گا اور کبھی مَآءٌ حَمِيْمٌ (گرم پانی) پینے کا عذاب۔ ﴿اٰنٍ﴾ گرم، یعنی سخت کھولتا ہوا گرم پانی، جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ دے گا۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ.

2 جیسے حدیث میں آتا ہے: ''دو باغ چاندی کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب چاندی کے ہوں گے۔ دو باغ سونے کے ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب سونے کے ہی ہوں گے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4878) بعض آثار میں ہے کہ سونے کے باغ خواص مومنین (مقربین) اور چاندی کے باغ عام مومنین (اصحاب الیمین) کے لیے ہوں گے۔ (ابن كثير)

3 یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس میں سایہ گنجان اور گہرا ہوگا، نیز پھلوں کی کثرت ہوگی کیونکہ کہتے ہیں ہر شاخ اور ٹہنی پھلوں سے لدی ہوگی۔ (ابن كثير)

4 ایک کا نام تَسْنِيم اور دوسرے کا سَلْسَبِيل ہے۔

5 یعنی ذائقے اور لذت کے اعتبار سے ہر پھل دو قسم کا ہوگا، یہ مزید فضل خاص کی ایک صورت ہے۔ بعض نے کہا

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿53﴾
مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ
اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿54﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿55﴾
فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ
اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿56﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿57﴾
كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿58﴾

پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○
جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، [1] اور اُن دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے ○ [2]
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○
وہاں (شرمیلی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں [3] جنھیں اُن سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا ○ [4]
پس اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○
وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی ○ [5]

کہ ایک قسم خشک میوے کی اور دوسری تازہ میوے کی ہو گی۔

1 ابری یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوب صورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر (ابری) کا کپڑا اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہو گا۔

2 اتنے قریب ہوں گے کہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے۔ ﴿قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ○﴾ (الحآقة 69:23)

3 جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کو اپنے خاوند ہی سب سے زیادہ حسین اور اچھے معلوم ہوں گے۔

4 یعنی باکرہ اور نئی نویلی ہوں گی۔ اس سے قبل وہ کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی۔ یہ آیت اور اس سے ماقبل کی بعض آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو جن مومن ہوں گے، وہ بھی مومن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور ان کے لیے بھی وہی کچھ ہو گا جو دیگر اہل ایمان کے لیے ہو گا۔

5 یعنی صفائی میں یاقوت اور سفیدی و سرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی۔ جس طرح صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: «يُرٰى مُخُّ سُوقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ» (صحيح البخاري، حديث:3254، و صحيح مسلم، حديث:2834) ”ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا، گوشت اور ہڈی کے پیچھے سے نظر آئے گا۔“ ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ ”جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین و جمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان و زمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہو گا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث:2796)

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿59﴾
پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿60﴾
احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے؟ ○ [1]

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿61﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿62﴾
اور اُن کے سوا دو جنتیں اور ہیں ○ [2]

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿63﴾
پھر تم (اے انسانو اور جنو!) اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

مُدْهَاۗمَّتٰنِ ﴿64﴾
جو دونوں گہری سبز سیاہی مائل ہیں ○ [3]

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿65﴾
بتاؤ اب اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿66﴾
اُن میں دو (جوش سے) ابلنے والے چشمے ہیں ○ [4]

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿67﴾
پھر تم (اے انسانو اور جنو!) اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿68﴾
اُن دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے ○ [5]

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿69﴾
کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟ ○

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿70﴾
اُن میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں ○ [6]

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿71﴾
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

---

1 پہلے احسان سے مراد نیکی اور اطاعت الٰہی اور دوسرے احسان سے اس کا صلہ، یعنی جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

2 ﴿دُوْنِهِمَا﴾ سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ دو باغ شان اور فضیلت میں پچھلے دو باغوں سے، جن کا ذکر آیت: 46 میں گزرا، کم تر ہوں گے۔

3 کثرت سیرابی اور سبزے کی فراوانی کی وجہ سے وہ مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

4 یہ صفت ﴿تَجْرِيٰنِ﴾ سے ہلکی ہے۔ اَلْجَرْيُ أَقْوٰی مِنَ النَّضخِ ''جَرْيٌ (تیز چلنا) نَضخ (جوش سے ابلنا) سے قوی ہے۔'' (ابن کثیر)

5 جبکہ پہلی دو جنتوں (باغوں) کی صفت میں بتلایا گیا ہے کہ ہر پھل دو قسم کا ہوگا۔ ظاہر ہے اس میں شرف و فضل کی جو زیادتی ہے، وہ دوسری بات میں نہیں ہے۔

6 ﴿خَيْرٰتٌ﴾ سے مراد اخلاق، کردار اور حسن کی خوبیاں ہیں اور ﴿حِسَانٌ﴾ کا مطلب ہے حسن و جمال میں یکتا۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿72﴾
وہ حوریں (جنتی) خیموں میں رہنے والیاں ہیں ○ [1]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿73﴾
پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿74﴾
اُن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا نہ کسی جن نے ○

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿75﴾
پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے ساتھ تم تکذیب کرتے ہو؟ ○

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿76﴾
سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ○ [2]

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿77﴾
پس (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○ [3]

---

1 حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے، ان کا عرض ساٹھ میل ہوگا، اس کے ہر کونے میں جنتی کے اہل ہوں گے، جس کو دوسرے کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھومے گا۔'' (صحیح البخاري، حدیث:4879، وصحیح مسلم، حدیث:2838)

2 ﴿رَفْرَفٍ﴾ مسند، غالیچہ یا اس قسم کا عمدہ فرش، ﴿عَبْقَرِيٍّ﴾ ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا: «فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ» (صحیح البخاري، حدیث:3682، و صحیح مسلم، حدیث:2393) ''میں نے کوئی عبقری ایسا نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔'' مطلب یہ ہے کہ جنتی ایسے تختوں پر فروکش ہوں گے جس پر سبز رنگ کی مندیں، غالیچے اور اعلیٰ قسم کے خوب صورت منقش فرش بچھے ہوں گے۔

3 یہ آیت اس سورت میں 31 مرتبہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت یا چند نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ استفسار فرمایا ہے حتیٰ کہ میدان محشر کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کے بعد بھی یہ استفسار فرمایا ہے، جس کا مطلب ہے کہ امور آخرت کی یاد دہانی بھی نعمت عظیمہ ہے تاکہ بچنے والے اس سے بچنے کی سعی کرلیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے بلکہ انسانوں کے بعد یہ دوسری مخلوق ہے جسے عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ان سے صرف اس امر کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ مخلوقات میں یہی دو

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿78﴾

تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے [1] جو عزت و جلال والا ہے ○

آیاتھا: 96 (56) سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (46) رکوعاتھا: 3

سورۂ واقعہ [2] مکی ہے، اس میں 96 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿1﴾

جب قیامت قائم ہو جائے گی ○ [3]

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿2﴾

جس کے واقع ہونے میں کچھ بھی جھوٹ نہیں ○

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿3﴾

وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی ○ [4]

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿4﴾

جب کہ زمین زلزلے کے ساتھ ہلا دی جائے گی ○

ہیں جو شرعی احکام و فرائض کے مُکلَّف ہیں، اسی لیے انھیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے، تیسرے یہ کہ ان نعمتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جائز و مستحب ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے نہ خلاف ہے اور نہ تعلق باللہ میں مانع جیسا کہ بعض اہل تصوف باور کراتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ بار بار یہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔ یہ توبیخ اور تہدید کے طور پر ہے جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور مہیا فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ «لَابِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ» (صحيح سنن الترمذي للألباني: 341/3، حديث: 3291) ''اے ہمارے رب! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے، پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔''

1 ﴿تَبٰرَكَ﴾ برکت سے ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں۔ مطلب ہے اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علوشان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت، یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی برکت اور عظمت و رفعت والی ہوگی۔

2 اس سورت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سورۃ الغنی (تونگری کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو سکھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھیے: سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني: 459,458/1)

3 واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے کیونکہ یہ لامحالہ واقع ہونے والی ہے، اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔

4 پستی اور بلندی سے مطلب ذلت اور عزت ہے، یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤
اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے ○ [1]

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥
پھر وہ مثل پراگندہ غبار کے ہو جائیں گے ○

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ⑦
اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے ○ [2]

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑧
پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے ○ [3]

وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ⑨
اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا ○ [4]

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩
اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں ○ [5]

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪
وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں ○

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫
نعمتوں والی جنتوں میں ہیں ○

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑬
(بہت بڑا) گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا ○

وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ⑭
اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ○ [6]

پست کرے گی، چاہے دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معزز و مکرم ہوں گے اور اہل کفر و عصیان ذلیل و خوار۔

1 ﴿ رَجًّا ﴾ کے معنی حرکت و اضطراب (زلزلہ) اور ﴿ بَسًّا ﴾ کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔

2 ﴿ اَزْوَاجًا ﴾ اَصْنَافًا کے معنی میں ہے، یعنی قسمیں۔

3 اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

4 اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

5 ان سے مراد خواص مومنین ہیں، یہ تیسری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا، یہ ترکیب ایسے ہی ہے، جیسے کہتے ہیں تو تو ہے اور زید زید، اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔

6 ﴿ ثُلَّةٌ ﴾ اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گننا ناممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی ﷺ تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ﴿15﴾
یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر ○

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿16﴾
ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے [1] ○

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ﴿17﴾
اُن کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) [2] رہیں گے آمد و رفت کریں گے ○

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ﴿18﴾
آبخورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئی شراب سے پُر ہو ○

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ﴿19﴾
جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے ○ [3]

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ﴿20﴾
اور ایسے میوے لیے ہوئے جو اُن کی پسند کے ہوں ○

سابقین کا ایک بڑا گروہ ہے کیونکہ ان کا زمانہ بہت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیاء کے سابقین شامل ہیں ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے، اس لیے ان میں سابقین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے تھوڑے ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 221) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں کیونکہ امت محمدیہ کے سابقین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام امتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے (سابقہ امتوں میں) محض سابقین کی کثرت سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفی نہیں ہوگی۔ مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد لیے ہیں، یعنی اس کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہوگی۔ امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے، ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○﴾ اور ﴿عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ○﴾ کے درمیان۔

1 ﴿مَّوْضُوْنَةٍ﴾ بنے ہوئے، جڑے ہوئے، یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے جڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے، یعنی رودررو ہوں گے نہ کہ پشت بہ پشت۔

2 یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خدوخال اور قد و قامت میں کوئی تغیر واقع ہوگا بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نوعمر لڑکے ہوتے ہیں۔

3 صُدَاعٌ ایسے سر درد کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور خمار کی وجہ سے ہو اور اِنْزَافٌ کے معنی، وہ فتور عقل جو مدہوشی کی بنیاد پر ہو۔ دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہوگی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی۔ ﴿مَّعِيْنٍ﴾ چشمہ جاری جو خشک نہ ہو۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿21﴾
اور پرندوں کے گوشت جو انھیں مرغوب ہوں ○

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿22﴾
اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ○

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿23﴾
جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں ○ [1]

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿24﴾
یہ صلہ ہے اُن کے اعمال کا ○

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿25﴾
نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات ○

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿26﴾
صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی ○ [2]

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿27﴾
اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے ○ [3]

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿28﴾
وہ بغیر کانٹوں کی بیریوں میں ○

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿29﴾
اور تہ بہ تہ کیلوں میں ○

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿30﴾
اور لمبے لمبے سایوں میں ○ [4]

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿31﴾
اور بہتے ہوئے پانیوں میں ○

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿32﴾
اور بکثرت پھلوں میں (ہوں گے) ○

لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿33﴾
جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں ○ [5]

---

1 ﴿ اَلْمَكْنُوْنِ ﴾ جسے چھپا کر رکھا گیا، اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گرد وغبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستھری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔

2 یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں حتیٰ کہ بہن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں، اس اختلاف ونزاع سے دلوں میں کدورتیں اور بغض وعناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی، سب وشتم، غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہوگی بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں گی، فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام وتحیہ تو ہوگا لیکن دل اور زبان کی وہ خرابیاں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

3 اب تک سابقین (مقربین) کا ذکر تھا، ﴿ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴾ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔

4 جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ''جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑ سوار سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی، وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث:4881، و صحيح مسلم، حديث:2827)

5 یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک ناپید ہو جائیں، یہ پھل اس طرح

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿34﴾	اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے ○ [1]
اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿35﴾	ہم نے اُن (کی بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے ○
فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿36﴾	اور ہم نے اُنھیں کنواریاں کر دیا ہے ○ [2]
عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿37﴾	محبت والیاں اور ہم عمر ہیں ○ [3]
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿38﴾ ع 1/14	دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں ○
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿39﴾	جمِ غفیر ہے پہلے لوگوں میں سے ○ [4]
وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿40﴾	اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے ○ [5]
وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿41﴾	اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے ○ [6]

فصل گل و لالہ کے پابند نہیں ہوں گے بلکہ ہر وقت دستیاب ہوں گے۔ اس طرح ان کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

1 بعض نے ﴿فُرُشٍ﴾ (فرشوں) سے بیویوں اور ﴿مَّرْفُوْعَةٍ﴾ سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔

2 ﴿اَنْشَاْنٰهُنَّ﴾ میں ضمیر کا مرجع اگرچہ قریب نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو ملنے والی بیویاں اور حورعین ہیں۔ حوریں، ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انھیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی تو وہ بھی حوروں کے علاوہ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بدشکل، جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بدشکل، بدشکل بلکہ سب حسین و جمیل باکرہ (کنواری) کی حیثیت میں ہوں گی۔

3 ﴿عُرُبًا﴾ عَرُوبَةٌ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔ ﴿اَتْرَابًا﴾ تِرْبٌ کی جمع ہے۔ ہم عمر، یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی، ایک ہی عمر کی ہوں گی جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جنتی 33 سال کی عمر کے ہوں گے۔ (جامع الترمذي، حديث:2545) یا مطلب ہے کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

4 یعنی آدم سے لے کر نبیٔ کریم ﷺ تک کے لوگوں میں سے یا خود امت محمدیہ کے پہلوں میں سے۔

5 یعنی نبی ﷺ کی امت میں سے یا آپ کی امت کے پچھلوں میں سے۔

6 اس سے مراد اہل جہنم ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے جو ان کی شقاوت ازلی کی علامت ہوگی۔

فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿42﴾
گرم ہوا اور گرم پانی میں (ہوں گے) ○

وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿43﴾
اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ○ [1]

لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿44﴾
جو نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش ○ [2]

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿45﴾
بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے ○ [3]

وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿46﴾
اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے ○

وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿47﴾
اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے؟ ○

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿48﴾
اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ○ [4]

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿49﴾
آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے ○

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿50﴾
ضرور جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت ○

---

1 ﴿سَمُوْمٍ﴾ آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو مسام بدن میں گھس جائے۔ ﴿حَمِیْمٍ﴾ کھولتا ہوا پانی، ﴿یَّحْمُوْمٍ﴾ وأَحَمُّ سے ہے، بمعنی سیاہ، بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کہا جاتا ہے أَسْوَد یَحْمُوم مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے تنگ آ کر وہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سایہ نہیں ہے، جہنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حَمّ سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل جل کر سیاہ ہوگئی ہو۔ بعض کہتے ہیں، یہ حُمَمٌ سے ہے، جو کوئلے کے معنی میں ہے۔ امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آگ بھی سیاہ ہے، اہل نار بھی سیاہ رو ہوں گے اور جہنم میں جو کچھ بھی ہوگا، سیاہ ہی ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ ''اے اللہ! ہمیں جہنم کی آگ سے ۔''

2 یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے، وہ سایہ ہی نہیں ہوگا، جو ٹھنڈا ہو، وہ تو جہنم کا دھواں ہوگا، ﴿وَّ لَا كَرِیْمٍ﴾ جس میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں یا حلاوت نہیں۔

3 یعنی دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش وعشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

4 اس سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ آخرت کا انکار ہی کفر وشرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندلا جاتا ہے تو ان میں بھی فسق وفجور عام ہو

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿51﴾ | پھر تم اے گمراہو! جھٹلانے والو! ○
لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿52﴾ | البتہ کھانے والے ہو تھوہر کا درخت ○
فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿53﴾ | اور اُسی سے پیٹ بھرنے والے ہو ○ [1]
فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿54﴾ | پھر اُس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو ○
فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿55﴾ | پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح ○ [2]
هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿56﴾ | قیامت کے دن اُن کی مہمانی یہ ہے ○ [3]
نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿57﴾ | ہمیں نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ ○ [4]
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿58﴾ | اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو منی تم ٹپکاتے ہو ○
ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿59﴾ | کیا اُس کا انسان تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟ ○ [5]

جاتا ہے، جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔

1 یعنی اس کریہ المنظر اور نہایت بد ذائقہ اور تلخ درخت کا کھانا تمھیں اگرچہ سخت ناگوار ہو گا لیکن بھوک کی شدت سے تمھیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہو گا۔

2 ﴿اَلْهِيْمِ﴾ اَهْيَمُ کی جمع ہے، ان پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پیو گے جس طرح عام معمول ہوتا ہے بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمھیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دوسرا، تم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیے جاؤ گے لیکن تمھاری پیاس دور نہیں ہو گی۔

3 یہ بطور استہزا اور تَهَكُّم کے فرمایا، ورنہ مہمانی تو وہ ہوتی ہے جو مہمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○﴾ (آل عمران 3:21) ''ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔''

4 یعنی تم جانتے ہو کہ تمھیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو۔ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے۔

5 یعنی تمھارے بیویوں سے مباشرت کرنے کے نتیجے میں تمھارے جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں، ان سے انسانی شکل وصورت بنانے والے ہم ہیں یا تم۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿60﴾
عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿63﴾
ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿64﴾
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿65﴾

ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے [1] اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں ○ [2]
کہ تمھاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمھیں نئے سرے سے اُس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو ○ [3]
تمھیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ○ [4]
اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو ○
اُسے تم ہی اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں ○ [5]
اگر ہم چاہیں تو اُسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ ○ [6]

1 یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا، چنانچہ کوئی بچپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

2 یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں بلکہ قادر ہیں۔

3 یعنی تمھاری صورتیں مسخ کر کے تمھیں بندر اور خنزیر بنا دیں اور تمھاری جگہ تمھاری شکل وصورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔

4 یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمھیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

5 یعنی زمین میں تم جو بیج بوتے ہو، اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو پھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیر کر اس طرح درخت اگانے والا کون ہے۔ یہ بھی منی کے قطرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمھارے کسی ہنر یا چھومنتر کا نتیجہ ہے۔

6 یعنی کھیتی کو سرسبز وشاداب کرنے کے بعد جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے منہ ہی تکتے رہ جاؤ۔ تَفَكُّهٌ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعمت وخوش حالی بھی ہیں اور حزن ویاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں، تَنَوَّعُوْنَ كَلَامَكُمْ ، تَنْدَمُوْنَ، تَحْزَنُوْنَ، تَعْجَبُوْنَ، تَلَاوَمُوْنَ اور تَفْجَعُوْنَ وغیرہ۔ مفہوم سب کا قریب قریب ہی ہے، یعنی حیرت و

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿66﴾
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿67﴾
اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿68﴾
ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿69﴾
لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿70﴾
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿71﴾
ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿72﴾
نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿73﴾

کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا ○ [1]
بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے ○
اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو ○
اُسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ ○
اگر ہماری منشا ہوتو ہم اُسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟ ○ [2]
اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو ○
اُس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اُس کے پیدا کرنے والے ہیں؟ ○ [3]
ہم نے اُسے سببِ نصیحت [4] کیا ہے اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے ○ [5]

استعجاب یا ندامت، ملامت اور غم کا اظہار۔ ظَلْتُمْ اصل میں ظَلَلْتُمْ بمعنی صِرْتُمْ اور تفَكَّهُونَ ، تَتَفَكَّهُونَ ہے۔

1 یعنی ہم نے پہلے زمین پر ہل چلا کر اسے ٹھیک کیا، پھر بیج ڈالا، پھر اسے پانی دیتے رہے لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خشک ہوگئی اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا، یعنی یہ سارا خرچ اور محنت، ایک تاوان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تاوان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے مال یا محنت کا معاوضہ نہ ملے بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا زبردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدلے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔

2 یعنی اس احسان پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟

3 کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں، مرخ اور عفار، ان دونوں سے ٹہنیاں لے کر ان کو آپس میں رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلتے ہیں۔

4 کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمہ کی نشانی ہے، پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے، ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے 69 گنا حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (دیکھیے :صحیح مسلم، حدیث:(30-2843))

5 مُقْوِينَ، مُقْوِي کی جمع ہے، قَوَآءٌ یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے، یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے

رکوع 2 / 36 / 15

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾
فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿75﴾
وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿76﴾
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿77﴾
فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿78﴾
لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿79﴾

پس اپنے بہت بڑے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو ○
پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی ○ [1]
اوراگر تمھیں علم ہوتو یہ بہت بڑی قسم ہے ○
کہ بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے ○ [2]
جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے ○ [3]
جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ○ [4]

مُقْوِي سے وہ فقراء مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْتِعِينَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آ جاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے۔ (سنن أبي داود، حديث:3477، و سنن ابن ماجه، حديث:2473 اور دیکھیے: إرواء الغليل:6/7-9)

1 ﴿فَلَآ اُقْسِمُ﴾ میں لَا زائد ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے بلکہ ما قبل کی کسی چیز کی نفی کے لیے ہے، یعنی یہ قرآن کہانت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے...... مَوَاقِعُ النُّجُومِ سے مراد ستاروں کے طلوع وغروب کی جگہیں اور ان کی منزلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے: ''قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں!'' (موضح القرآن) یعنی نجوم، قرآن کی آیات اور مواقع، قلوب انبیاء۔ بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بتدریج اترنا اور بعض نے قیامت والے دن ستاروں کا جھڑنا مراد لیا ہے۔ (ابن كثير)

2 یہ جواب قسم ہے۔

3 یعنی لوح محفوظ میں۔

4 ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ﴾ میں ضمیر کا مرجع لوح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد فرشتے، بعض نے اس کا مرجع، قرآن کریم کو بنایا ہے، یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: یہ کیوں کر ممکن ہے۔ یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔ بعض نے اس آیت میں نفی کو بمعنی نہی لے کر یہ کہا ہے کہ قرآن کو بے وضو چھونا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں، کیونکہ یہ نفی بمعنی نہی نہیں ہے بلکہ اس میں صرف ایک بات کی خبر دی جا رہی ہے، اس کو چھونے یا نہ چھونے کا حکم بیان نہیں کیا جا رہا ہے۔ البتہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾
اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿81﴾
وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿82﴾
فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿83﴾
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿84﴾
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا

یہ رب العالمین کی طرف سے اُترا ہوا ہے ○
پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے ہو؟[1] ○
اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو ○
پس جب کہ روح نرخرے تک پہنچ جائے ○
اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو ○[2]
ہم اُس شخص سے بہ نسبت تمھارے بہت زیادہ قریب

(البدائع، ص:475) تفصیل کے لیے دیکھیے: (نیل الأوطار:1/265-267) اسی طرح (موطأ إمام مالك:1/191) کی روایت: «وَلَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ» ''صرف پاک شخص ہی قرآن کو چھوئے۔'' صحیح ہے۔ (دیکھیے: إرواء الغليل، حديث:122) لیکن یہ اپنے مفہوم میں واضح نہیں کیونکہ اس طہارت سے کفر وشرک کی نجاست سے پاک ہونا مراد ہوسکتا ہے جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''مومن ناپاک نہیں ہوتا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 283، و صحيح مسلم، حديث: 371، و جامع الترمذي، حديث: 121، وسنن النسائي، حديث:270، و سنن أبي داود، حديث:230، و سنن ابن ماجه، حديث:535) اس ناپاکی سے مراد وہی کفر وشرک کی ناپاکی ہے جس کی نفی ایک مومن سے کی گئی ہے اور اس اعتبار سے ایک جنبی مومن بھی پاک ہے۔ ورنہ جنابت وغیرہ کی ناپاکی اس کو بھی لاحق ہوتی ہے اور اس کے احکام اس کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں۔ بہر صورت ائمہ اربع اور بہت سے فقہاء ومحدثین بے وضو شخص کے لیے قرآن چھونے کو ناجائز کہتے ہیں، حائضہ اور نفاس والی کا زبانی قرآن پڑھنا درست ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی صحیح حدیث نہیں آئی ہے، تاہم جنبی کا قرآن پڑھنا ممنوع ہے اور اس بارے میں حسن روایت موجود ہے۔ (دیکھیے: سنن أبي داود، حديث:229 و حسنه علي زئي.) البتہ باوضو ہو کر قرآن پڑھنے اور چھونے کی افضلیت پر سب کا اتفاق ہے۔

1 حدیث سے مراد قرآن کریم ہے۔ مداہنت، وہ نرمی جو کفر ونفاق کے مقابلے میں اختیار کی جائے دراں حالیکہ ان کے مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے، یعنی اس قرآن کو اپنانے کے معاملے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے لیے نرمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس لائق ہے کہ اسے نہایت خوشی سے اپنایا جائے۔

2 یعنی مرنے والے اور اس کی حالت نزع کو دیکھتے ہو لیکن اس کی موت کو ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

تُبْصِرُوْنَ ﴿85﴾
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿86﴾
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿87﴾
فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿88﴾
فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿89﴾
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿90﴾
فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿91﴾
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿92﴾

ہوتے ہیں [1] لیکن تم نہیں دیکھ سکتے ○ [2]
پس اگر تم کسی کے زیرِفرمان نہیں ○
اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اُس روح کو تو لوٹاؤ ○ [3]
پس جو کوئی بارگاہِ الٰہی سے قریب کیا ہوا ہوگا ○ [4]
اُسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے ○
اور جو شخص داہنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے ○ [5]
تو بھی سلامتی ہے تیرے لیے کہ تُو داہنے والوں میں سے ہے ○
لیکن اگر کوئی جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے ○ [6]

---

1 یعنی مرنے والے کے ہم، تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم، قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یا ہم سے مراد اللہ کے کارندے، یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

2 یعنی اپنی جہالت کی وجہ سے تمھیں اس بات کا ادراک نہیں کہ اللہ تو تمھاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یا روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔

3 دَانَ یَدِینُ کے معنی ہیں، ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا، یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمھارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیرِفرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمھارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمھارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

4 سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں، ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنھیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہِ الٰہی قرار پاتے ہیں۔

5 یہ دوسری قسم ہے، عام مومنین۔ یہ بھی جہنم سے بچ کر جنت میں جائیں گے، تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔

6 یہ تیسری قسم ہے جنھیں آغاز سورت میں أَصحابُ المشئمة کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست۔ یہ

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿93﴾
تو کھولتے ہوئے گرم پانی سے مہمانی ہے ○

وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿94﴾
اور دوزخ میں جانا ہے ○

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿95﴾
یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے ○

ع 3/22/16 فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿96﴾
پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کر ○ [1]

اٰيَاتُهَا 29 (57) سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ (94) رُكُوْعَاتُهَا 4

سورۂ حدید مدنی ہے، اس میں 29 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①
آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، [2] وہ زبردست باحکمت ہے ○

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ②
آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے، [3] وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ
وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی، [4]

اپنے کفر ونفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

1 حدیث میں آتا ہے کہ ”دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زباں پر ہلکے اور وزن میں بھاری: «سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ» (صحيح البخاري، حديث:7563، وصحيح مسلم، حديث:2694)

2 یہ تسبیح زبان حال سے نہیں بلکہ زبان مقال سے ہے۔اسی لیے فرمایا گیا ہے: ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنيٓ إسرآءيل17:44) ”تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔“ حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔(الأنبيآء21:79) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اس کو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔(فتح القدیر)

3 اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔یا مطلب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملکیت میں ہیں۔

4 وہی اول ہے، یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، وہی ظاہر ہے، یعنی وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظروں اور عقلوں سے مخفی ہے۔(فتح القدير) نبی ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ! رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ! وَرَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى! أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ،

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ
يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا

اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے ○
وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا
پھر عرش پر مستوی ہوگیا۔[1] وہ (خوب) جانتا ہے، اُس چیز کو
جو زمین میں جائے[2] اور جو اُس سے نکلے[3] اور جو آسمان
سے نیچے آئے[4] اور جو کچھ چڑھ کر اُس میں جائے،[5] اور

أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَ أَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ» (صحيح مسلم، حديث:2713) ''اے ساتوں آسمانوں کے رب! عرش عظیم کے رب! ہمارے اور ہر چیز کے رب! اے تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے رب! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! میں ہر چیز کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اس کی پیشانی تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا۔ تو آخر میں رہنے والا ہے۔ تجھ سے بعد میں کچھ نہ ہوگا تو باطن ہے تجھ سے ماورا کوئی چیز نہیں، اے اللہ! ہمارے قرضے اتار دے اور ہمیں فقر سے نکال کر بے نیاز بنا دے۔'' اس دعا میں جو ادائیگی قرض کے لیے مسنون ہے، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرما دی گئی ہے۔

1 اسی مفہوم کی آیات سورۂ اعراف 7:54، سورۂ یونس 10:3، سورۂ سجدہ 32:4 وغیرہا میں گزر چکی ہیں۔ ان کے حواشی ملاحظہ فرما لیے جائیں۔

2 یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، ان کی کمیت و کیفیت کو وہ جانتا ہے۔

3 جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش اور خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○﴾ (الأنعام 6:59) ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیاء کے خزانے، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔''

4 بارش، اولے، برف، تقدیر اور وہ احکام، جو فرشتے لے کر اترتے ہیں۔

5 فرشتے انسانوں کے عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھتے ہیں۔'' (صحيح مسلم، حديث:179)

يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④	جہاں کہیں تم ہو وہ تمھارے ساتھ ہے [1] اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ○
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤	آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور تمام کام اُسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ○
يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥	وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے [2] اور سینوں کے بھیدوں کا وہ پورا عالم ہے ○
اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦	اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اُس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمھیں (دوسروں کا) جانشین بنایا ہے [3] پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں اُنھیں بہت بڑا ثواب ملے گا ○
وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ	تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول

1 یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں، رات ہو یا دن، گھروں میں ہو یا صحراؤں میں، ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمھارے ساتھ ہے، یعنی تمھارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمھاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے۔ یہی مضمون سورۂ ہود 11:3 و سورۂ رعد 10:13 اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

2 یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر۔ اسی طرح کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔

3 یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمھارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا، دوسرے اس کے وارث بنیں گے اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اس کے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں ماخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ ''انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال، ایک تو وہ ہے جو تو نے کھا پی کے فنا کر دیا، دوسرا وہ ہے جسے پہن کر بوسیدہ کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2958، و مسند أحمد: 24/4)

يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ
مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

تمھیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے ○[1]

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ
بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨

وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔ یقیناً اللہ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے ○

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً
مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

تمھیں کیا ہوگیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں[2] بلکہ اُن سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔[3]

---

1 ابن کثیر رحمہ اللہ نے اَخَذَ کا فاعل الرَّسُوْلُ کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام سے لیتے تھے کہ خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں سمع وطاعت کرنی ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کا فاعل اللہ ہے اور مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انھیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا جو عہد اَلَسْتُ کہلاتا ہے جس کا ذکر سورۂ اعراف 7:172 میں ہے۔

2 فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کا مصداق سمجھ کر اسے مراد لیا ہے۔ بہرحال صلح حدیبیہ یا فتح مکہ سے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جہاد میں حصہ لینا، دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دل گردے کا کام تھا، جبکہ فتح مکہ کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت وتعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہوگئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہوسکتے۔

3 کیونکہ پہلوں کا انفاق اور جہاد، دونوں کام نہایت کٹھن حالات میں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل وعزم کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف وفضل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں کیونکہ صحابۂ کرام میں مومن اول بھی وہی ہیں اور منفق اول اور مجاہد اول بھی وہی۔ اسی لیے

ع 1 ⑩ 17 تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑩ ع

ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ کا اُن سب سے ہے [1] جو کچھ تم کر رہے ہو اُس سے اللہ خبردار ہے ○

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑪ ج

کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض؟ پھر اللہ اُسے اُس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اُس کے لیے پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے ○ [2]

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ ج

(قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کا نور اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں دوڑ رہا ہوگا، [3] آج تمھیں اُن جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا اور اسی بنیاد پر مومنوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) نے انھیں استحقاق خلافت میں مقدم رکھا۔

1 اس میں وضاحت فرما دی کہ صحابۂ کرام کے درمیان شرف وفضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوتِ درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابۂ کرام ایمان واخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے جیسا کہ بعض حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انھیں طلقاء کہہ کر ان کی تنقیص واہانت کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تمام صحابۂ کرام کے بارے میں فرمایا ہے کہ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي ...... ''میرے صحابہ پر سب وشتم نہ کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مُد بلکہ نصف مُد کے بھی برابر نہیں۔'' (صحیح البخاري، حدیث:3673، و صحیح مسلم، حدیث:2540)

2 اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرنا۔ یہ مال جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا، یہ اللہ کا فضل واحسان ہے کہ وہ اس انفاق پر اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

3 یہ عرصۂ محشر میں پل صراط میں ہوگا، یہ نور ان کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہوگا جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہما نے ﴿وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔

یہ ہے بڑی کامیابی ○ [1]

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ⑬

اُس دن منافق مرد و عورت ایمان داروں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ [2] جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ [3] اور روشنی تلاش کرو۔ پھر اُن کے اور ان کے درمیان [4] ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا۔ اُس کے اندرونی حصے میں رحمت [5] ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا ○ [6]

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭

یہ چلا چلا کر اُن سے کہیں گے کہ کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے [7] وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں پھنسا رکھا تھا [8] اور انتظار ہی میں رہے [9] اور شک و شبہ کرتے رہے [10] اور تمھیں تمھاری

---

1 یہ وہ فرشتے کہیں گے جو ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہاں ہوں گے۔

2 یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرما دے گا، اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

3 اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جا کر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر آؤ، جس طرح ہم لائے ہیں۔ یا استہزا کے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جا کر اسے تلاش کرو۔

4 یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔

5 اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔

6 یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہوگی۔

7 یعنی دیوار حائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمھارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے اور جہاد وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے تھے؟

8 کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا۔

9 کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

10 دین کے معاملے میں، اسی لیے قرآن کو مانا نہ دلائل و معجزات کو۔

فُضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا [1] یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا [2] اور تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے والے نے دھوکے ہی میں رکھا [3] ○

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿15﴾

الغرض، آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمھاری رفیق ہے [4] اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ○

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل ذکرِ الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اُس سے نرم ہو جائیں [5] اور اُن کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں اُن سے پہلے کتاب دی گئی تھی [6] پھر جب اُن پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے [7] اور اُن میں بہت

1 جن میں تمھیں شیطان نے مبتلا کیے رکھا۔

2 یعنی تمھیں موت آ گئی یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمھاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

3 یعنی اللہ کے حلم اور اس کے قانون امہال (مہلت دینے) کی وجہ سے تمھیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

4 مَوْلٰی اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا متولی، یعنی ذمے دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمے دار ہے کہ انھیں سخت سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ ساتھ رہنے والے کو بھی مولیٰ کہہ لیتے ہیں، یعنی اب جہنم کی آگ ہی ان کی ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا پس وہ کافروں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کرے گی، یعنی ان کی والی بنے گی اور انھیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گی۔

5 خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین کرنا ہے۔ خُشُوع کے معنی ہیں، دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا، حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

6 جیسے یہود و نصاریٰ ہیں، یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔

7 چنانچہ انھوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی، اس کے عوض دنیا کا ثَمَنِ قلیل حاصل کرنے کو انھوں نے شعار بنا لیا، اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا، اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کر لی اور ان کو اپنا رب بنا لیا، مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرنا ورنہ تمھارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جو ان پر لعنت الٰہی کا سبب بنے، تمھیں اچھے لگیں گے۔

فٰسِقُوْنَ ⑯ — سے فاسق ہیں ○ [1]

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰ — یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تو تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو ○

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑱ — بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے رہے ہیں۔ اُن کے لیے یہ بڑھایا جائے گا [2] اور اُن کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے ○ [3]

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ — اللہ اور اُس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق [4] اور شہید ہیں۔ اُن کے لیے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے، اور جو لوگ کفر کرتے ہیں

---

1 یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ (المآئدة5:13) ’’پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرما دی اور ان کے دل سخت کر دیے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انھیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے۔‘‘

2 یعنی ایک کے بدلے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی اخلاص نیت، حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا، وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے، جنھوں نے اس کے بعد خرچ کیا۔

3 یعنی جنت اور اس کی نعمتیں جن کو کبھی زوال اور فنا نہیں۔ آیت میں: ﴿الْمُصَّدِّقِيْنَ﴾ اصل میں مُتَصَدِّقِينَ ہے۔ تاء کو صاد سے بدل کر صاد کو صاد میں مدغم کر دیا گیا۔

4 بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے۔ اور آگے ﴿وَالشُّهَدَآءُ......﴾ کو الگ جملہ قرار دیا ہے۔ صِدِّيْقِيَّتْ کمال ایمان اور کمال صدق وصفا کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ’’آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘ (صحيح البخاري، حديث:6094، و صحيح مسلم، حديث:105-(2607)) ایک اور حدیث میں صدیقین کا وہ مقام بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انھیں حاصل ہوگا۔ فرمایا: ’’جنتی، اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے چمکتے ہوئے مشرقی

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿19﴾

اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں ○

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿20﴾

خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اُس کی پیداوار کسانوں [1] کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہوجاتی ہے تو زرد رنگ میں اُس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہوجاتی ہے [2] اور آخرت میں سخت عذاب [3] اور اللہ کی مغفرت اور رضا مندی ہے [4] اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی تو نہیں ○ [5]

یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، یعنی ان کے درمیان درجات کا اتنا فرق ہوگا۔'' صحابہ نے پوچھا: یہ انبیاء کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔'' (صحیح البخاري، حديث:3256)، یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا۔

1 ﴿الْكُفَّارَ﴾ کسانوں کو کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں چھپانے والے۔ کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور آخرت کا انکار چھپا ہوتا ہے، اس لیے انھیں کافر کہا جاتا ہے۔ اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ بھی زمین میں بیج بوتے، یعنی انھیں چھپا دیتے ہیں۔

2 یہاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی بھلی لگتی ہے، کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد رو ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زیب وزینت، مال، اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل لبھاتی ہیں۔ لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی ہے، اس کو بھی ثبات وقرار نہیں۔

3 یعنی اہل کفر وعصیان کے لیے جو دنیا کے کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور اسی کو انھوں نے حاصل زندگی سمجھا۔

4 یعنی اہل ایمان وطاعت کے لیے جنھوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا بلکہ اسے عارضی، فانی اور دارالامتحان سمجھتے ہوئے اللہ کی ہدایات کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔

5 لیکن اس کے لیے جو اس کے دھوکے میں مبتلا رہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس نے اس حیات دنیا کو

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ﴿21﴾

(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف [1] اور اُس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے [2] یہ اُن کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے [3] اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ [4]

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ
وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚ ﴿22﴾

نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے [5] نہ (خاص) تمھاری جانوں میں، [6] مگر اس سے پہلے کہ ہم اُس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، [7] یہ (کام) اللہ پر (بالکل) آسان ہے ○

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا

تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو

طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا، اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

1 یعنی اعمال صالحہ اور توبۃ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔

2 اور جس کا عرض اتنا ہو، اس کا طول کتنا ہوگا کیونکہ طول، عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

3 ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔

4 وہ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل فرماتا ہے، جس کو وہ کچھ دے، کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جواد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔

5 مثلاً: قحط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی و سماوی۔

6 مثلاً: بیماریاں، تعب و تکان اور تنگ دستی وغیرہ۔

7 یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باتیں لکھ دی ہیں، جیسے حدیث میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «قَدَّرَ اللهُ الْمَقَادِيْرَ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ» (صحيح مسلم، حديث:2653، وجامع الترمذي، حديث:2156) ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں۔“

تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۙ ﴿23﴾
الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿24﴾
لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ
وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا
الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ

اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ، [1] اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ○
جو (خود بھی) بُخل کریں اور لوگوں کو (بھی) بُخل کی تعلیم دیں۔ سنو! جو بھی منہ پھیرے [2] اللہ بے نیاز اور سزاوارِ حمد وثنا ہے ○
یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمائی [3] تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اُتارا [4] جس میں سخت ہیبت وقوت ہے [5] اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں [6] اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ

1 یہاں جس حزن اور فرح سے روکا گیا ہے، وہ غم اور خوشی وہ ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے، ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا، یہ ایک فطری عمل ہے۔ لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے۔ جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ اور راحت پر اتراتا نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل وکرم اور اس کا احسان ہے۔
2 یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔
3 ﴿الْمِيْزَانَ﴾ سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ ترازو کیا ہے، ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے، ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو تول کر پورا پورا حق دو۔
4 یہاں بھی اتارا، پیدا کرنے اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے۔ لوہے سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں، یہ سب اللہ کے اس الہام وارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔
5 یعنی لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں، جیسے تلوار، نیزہ، بندوق اور اب ایٹم بم، توپیں، جنگی جہاز، آبدوزیں، گنیں، راکٹ اور ٹینک وغیرہ بے شمار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔
6 یعنی جنگی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں، جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام آتی ہیں، جیسے چھریاں، چاقو، قینچی، ہتھوڑا، سوئی، زراعت، تجارت، (بڑھئی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی بے شمار مشینیں اور ساز وسامان۔

وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝25 ع 3/6/19

اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد بن دیکھے کون کرتا ہے،[1] بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے ○[2]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝26

بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ہم نے اُن دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو اُن میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور اُن میں سے اکثر نافرمان رہے ○

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ

اُن کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے اور اُن کے بعد عیسیٰ ابنِ مریم کو بھیجا اور اُنھیں انجیل عطا فرمائی اور اُن کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا[3] ہاں رہبانیت تو اُن لوگوں نے ازخود ایجاد کر لی تھی[4] ہم نے اُن پر اُسے واجب نہ

1 یہ ﴿ لِيَقُوْمَ ﴾ پر عطف ہے، یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو دیکھے بغیر ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

2 اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں بلکہ وہ چاہے تو اس کے بغیر ہی ان کو غالب فرما دے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے تاکہ اس طرح وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جائیں۔

3 ﴿ رَاْفَةً ﴾ کے معنی نرمی اور ﴿ رَحْمَةً ﴾ کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہیں، یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیے، جیسے صحابۂ کرام رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ یہود آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم خوار نہیں تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

4 ﴿ رَهْبَانِيَّةَ ﴾ رَهْبٌ (خوف) سے ہے یا رُهْبَانٌ (درویش) سے۔ رَهْب سے اسے ماخوذ قرار دیا جائے تو اس کا مصدر راهبيّة بنتا ہے، اس میں نون کا اضافہ کر کے رہبانیت بنا دیا گیا۔ (أيسر التفاسير) رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے، یعنی دنیا اور علائق دنیا سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں جا کر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسے بادشاہ ہوئے جنھوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انھوں نے بادشاہوں کے ڈر سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا جس کی

اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿27﴾

کیا[1] تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔[2] سو اُنھوں نے اُس کی پوری رعایت نہ کی،[3] پھر بھی ہم نے اُن میں سے جو ایمان لائے تھے اُنھیں اُن کا اجر دیا[4] اور اُن میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿28﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمھیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا[5] اور تمھیں نُور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمھارے گناہ بھی معاف فرما دے گا، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ○

بنیاد اضطرار پر تھی۔ لیکن ان کے بعد آنے والے بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں اس شہر بدری کو عبادت کا ایک طریقہ بنا لیا اور اپنے آپ کو گرجوں اور معبدوں میں محبوس کر لیا اور اس کے لیے علائق دنیا سے انقطاع کو ضروری قرار دے لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداع (خود گھڑنے) سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی دین میں اپنی طرف سے چیزیں گھڑ لینا۔ اسی کو بدعت کہتے ہیں جو مذموم ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح البخاري، حديث:2697، وصحيح مسلم، حديث:1718) ”جس نے ہمارے اس دین میں نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

1 یہ پچھلی بات ہی کی تاکید ہے کہ یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

2 یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضا جوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجمہ اس کا ہے کہ انھوں نے یہ کام اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ اللہ کی رضا دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہوں۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہو گی۔

3 یعنی گو انھوں نے مقصد اللہ کی رضا جوئی بتلایا لیکن اس کی انھوں نے پوری رعایت نہیں کی، ورنہ وہ ابتداع (بدعت ایجاد کرنے) کی بجائے اتباع کا راستہ اختیار کرتے۔

4 یہ وہ لوگ ہیں جو دین عیسیٰ پر قائم رہے تھے۔

5 یہ دوگنا اجر ان اہل ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے، پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 97، و صحيح مسلم، حديث: 154) ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انھیں دوگنا اجر ملے گا تو اللہ تعالیٰ

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾ ع 4/20

یہ اس لیے کہ اہل کتاب [1] جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصے پر بھی اُنھیں اختیار نہیں اور یہ کہ (سارا) فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ○

نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

1 ﴿لِّئَلَّا﴾ میں لَا زائد ہے اور معنی ہیں: لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى أَنْ يَّنَالُوا شَيْئًا مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ''تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل سے کچھ بھی پانے کی قدرت نہیں رکھتے۔'' (فتح القدیر)

اٰیَاتُهَا 22 (58) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (105) رُكُوْعَاتُهَا 3

سورۂ مجادلہ مدنی ہے،اس میں 22 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا،[1] بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے ○

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (انھیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے،[2] یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی

---

1 یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن ثَعْلَبَہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف، جن کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا، ظہار کا مطلب ہے، بیوی کو یہ کہہ دینا: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔'' زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں، اس وقت تک اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسئلہ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان فرما دیا گیا۔ (سنن أبي داود، حديث:2214) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجادلہ کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی۔ لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی۔ (سنن ابن ماجه، حديث:188) صحیح بخاری میں بھی تَعْلِيقًا اس کا مختصر ذکر ہے۔ (صحيح البخاري، قبل حديث:7386)

2 یہ ظہار کا حکم بیان فرمایا کہ تمھارے کہہ دینے سے تمھاری بیوی تمھاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر ماں کی بجائے کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ کی پیٹھ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظہار ہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اسے بھی ظہار قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے علماء اسے ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ (پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ پیٹھ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے، پیٹھ کا نام نہ لے۔ تو علماء کہتے ہیں کہ اگر ظہار کی نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کہے گا تو ظہار ہوگا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظہار نہیں ہوگا، امام شافعی بھی کہتے ہیں کہ ظہار صرف پیٹھ کی طرح کہنے سے ہی ہوگا۔ (فتح القدير)

وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ④

بات کہتے ہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے [1] ○

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں [2] تو ان کے ذمے آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے [3] ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کے ذریعے تم نصیحت کیے جاتے ہو۔ اور اللہ تمھارے تمام اعمال سے باخبر ہے ○

ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمے دو مہینوں کے لگا تار روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی حکم برداری کرو، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے ○

---

1 اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکر اور جھوٹ کی معافی کا ذریعہ بنا دیا۔

2 اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے، بیوی سے ہم بستری کرنا چاہے۔

3 یعنی ہم بستری سے پہلے وہ کفارہ ادا کریں ① ایک غلام آزاد کرنا اس کی طاقت نہ ہو تو ② پے در پے بلاناغہ دو مہینے کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ اگر پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ③ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد (نصف صاع، یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں: ایک مد کافی ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقساط میں یہ تعداد پوری کی جا سکتی ہے۔ (فتح القدیر) تاہم یہ ضروری ہے کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا اور روزے رکھنے کی صورت میں بھی دو مہینے کی تکمیل سے پہلے بیوی سے جماع نہیں کرے گا جبکہ کھانا کھلانے کی صورت میں یہ پابندی شرعاً نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا
كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ
اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌۚ ⑤

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ
اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
شَهِیْدٌ ۠ ⑥ ع 1

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی
الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ
رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ
اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ
مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں [1] گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کیے گئے تھے، [2] اور بے شک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں اور کافروں کے لیے تو ذلت والا عذاب ہے ○ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انھیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا، جسے اللہ نے شمار رکھا اور وہ اسے بھول گئے تھے، [3] اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ○ [4] کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے [5] جہاں بھی وہ ہوں، [6] پھر قیامت کے دن

---

1 ﴿ كُبِتُوْا ﴾ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین مکہ بدر والے دن ذلیل کیے گئے، کچھ مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نہایت ذلت کا باعث تھا۔

2 اس سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

3 یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع ہے کہ ان کا احصا بظاہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمھیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔

4 اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تاکید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

5 یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ (اپنے علم کے اعتبار سے یا جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

6 خلوت میں ہوں یا جلوت میں، شہروں میں ہوں یا جنگلوں اور صحراؤں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں

الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ
حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧

انھیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا،[1] بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے ○
کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنھیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا، وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں[2] اور آپس میں گناہ کی اور ظلم و زیادتی کی اور نافرمانیٔ رسول کی سرگوشیاں کرتے ہیں،[3] اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ نے نہیں کہا[4] اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا،[5] ان کے لیے جہنم کافی ہے جس میں یہ جائیں

بیابانوں اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

1 یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔

2 اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کانا پھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انھیں نقصان پہنچایا ہے، جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زدہ ہو جاتے، چنانچہ نبی ﷺ نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرما دیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انھوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کردار کو بیان کیا جا رہا ہے۔

3 یعنی ان کی سرگوشیاں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں نہیں ہوتیں بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول پر مبنی ہوتی ہیں، مثلاً: کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی، ایک دوسرے کو رسول کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔

4 یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتلایا کہ تم اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہو لیکن یہ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کی بجائے کہتے: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ یا عَلَيْكَ ”تم پر موت وارد ہو۔“ اس لیے رسول اللہ ﷺ ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے: وَعَلَيْكُمْ وَعَلَيْكَ ”اور تم پر ہی ہو۔“ اور مسلمانوں کو بھی آپ نے تاکید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمھیں سلام کرے تو تم جواب میں وَعَلَيْكَ کہا کرو، یعنی وَعَلَيْكَ مَاقُلْتَ ”تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ پر ہی وارد ہو۔“ (صحيح البخاري، حديث:6030، و صحيح مسلم، حديث:2164)

5 یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس قبیح حرکت پر ہماری

گے [1]، سو وہ برا ٹھکانا ہے ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨

اے ایمان والو! تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم اور نافرمانیٔ رسول کی نہ ہوں [2] بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں پر سرگوشی کرو [3] اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ۝

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩

(بری) سرگوشیاں، بس شیطانی کام ہے جس سے ایمان داروں کو رنج پہنچے۔ [4] گو اللہ کی اجازت کے بغیر وہ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں ۝ [5]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا

اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کھل

گرفت فرماتا۔

1 اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغہ کے تحت دنیا میں ان کی فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔

2 جس طرح یہود اور منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو تمھاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اِثْم وعُدْوَان پر نہیں ہونی چاہئیں۔

3 یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر مبنی ہوں کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔

4 یعنی گناہ، زیادتی اور معصیت رسول پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہے کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا ہے تا کہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم و حزن میں مبتلا کرے۔

5 لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں، مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں اِلّا یہ کہ اللہ کی مشیت ہو، اس لیے تم اپنے دشمنوں کی ان اوچھی حرکتوں سے پریشان نہ ہوا کرو بلکہ اللہ پر بھروسا رکھو، اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، نہ کہ یہود اور منافقین جو تمھیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سلسلے میں ہی مسلمانوں کو ایک اخلاقی ہدایت یہ دی گئی ہے: ''جب تم تین آدمی اکٹھے ہو تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال دے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6290، و صحيح مسلم، حديث: 2184) البتہ اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہوگا۔

فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿11﴾

کر بیٹھو تو تم جگہ کشادہ کر دو [1] اللہ تمھیں کشادگی دے گا، [2] اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ، [3] اللہ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا، [4] اور اللہ ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو خوب خبردار ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا

اے مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو [5] یہ تمھارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر ہے، [6] ہاں اگر نہ پاؤ تو بے شک

1 اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتلائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے جو ہر اس مجلس کو شامل ہے جس میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسير القرطبي) ''کھل کر بیٹھو'' کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ وسیع رکھو تا کہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ رہے۔ دائرہ تنگ مت رکھو کہ بعد میں آنے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ دونوں باتیں ناشائستہ ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی فرمایا: ''کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے، اس لیے مجلس کے دائرے کو فراخ اور وسیع کر لو۔'' (صحيح البخاري، حديث:911، و صحيح مسلم، حديث:28-(2177))

2 یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں وسعت و فراخی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراخی کے طالب ہو گے، مثلاً: مکان میں، رزق میں، قبر میں۔ ہر جگہ تمھیں فراخی عطا فرمائے گا۔

3 یعنی جہاد کے لیے، نماز کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کہا جائے تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی ﷺ سے خلوت میں کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

4 یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رفع درجات کا باعث ہے۔

5 ہر مسلمان نبی ﷺ سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا جس سے نبی ﷺ کو خاصی تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلاوجہ نبی ﷺ سے مناجات میں مصروف رہتے تھے جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے، اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرما دیا تا کہ آپ سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ شکنی ہو۔

6 بہتر اس لیے کہ صدقے سے تمھارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہوگا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿12﴾
ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ
صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
ع 7/2 وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿13﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ
وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿14﴾

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿15﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○
کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟ پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے بھی تمھیں معاف فرما دیا[1] تو اب نمازوں کو قائم رکھو زکاۃ دیتے رہا کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو۔[2] تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ خوب خبردار ہے ○
کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنھوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضب ناک ہو چکا ہے،[3] نہ یہ منافق تمھارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں[4] باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں[5] ○
اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے،[6] تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں ○

ایک عمل صالح اور اطاعت الٰہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور استحباب کے تھا، وجوب کے لیے نہیں۔

1 یہ امر گو استحباباً تھا، پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرما دیا۔

2 یعنی فرائض و احکام کی پابندی، اس صدقے کا بدل بن جائے گی جسے اللہ نے تمھاری تخفیف کے لیے معاف فرما دیا ہے۔

3 جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

4 یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں، پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی ﷺ اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔

5 یعنی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم بھی تمھاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے ان کے رابطے نہیں ہیں۔

6 یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯

ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے [1] اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں [2] ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ○

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑰

ان کے مال اوران کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ○

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱

جس دن اللہ ان سب کو کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے [3] اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی دلیل پر ہیں، [4] یقین مانو کہ بے شک وہی جھوٹے ہیں ○

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ

ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کرلیا ہے، [5] اور انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے [6] یہ شیطانی لشکر ہے کوئی شک نہیں کہ

---

1 اَيْمَانٌ يَمِيْنٌ کی جمع ہے۔ بمعنی قسم، یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کرلیا جاتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

2 یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں حقیقت واقعیہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے غَرّے (دھوکے) میں آ کر قبول اسلام سے محروم رہتے ہیں۔ اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔

3 یعنی ان کی بدبختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن، جہاں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوخ چشمانہ جسارت کریں گے۔

4 یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقتی طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھا لیتے تھے، وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔

5 ﴿اِسْتَحْوَذَ﴾ کے معنی ہیں گھیر لیا، احاطہ کرلیا، جمع کرلیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کرلیا، کیا جاتا ہے کہ غلبے میں یہ سارے مفہوم آ جاتے ہیں۔

6 یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کردیا ہے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کرواتا ہے، انھیں خوبصورت دکھلا کر یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمناؤں

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿19﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿20﴾
كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿21﴾
لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ

شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے ○ [1]
بے شک اللہ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں [2] وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں ○ [3]
اللہ لکھ چکا ہے [4] کہ بے شک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے، یقیناً اللہ زورآور اور غالب ہے ○ [5]
اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے [6] گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے کے عزیز

اور آرزوؤں میں مبتلا کرکے۔

1 یعنی مکمل خسارہ انھی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خسارے میں ہی نہیں ہیں، اس لیے کہ انھوں نے جنت کا سودا گمراہی لے کر کرلیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔

2 مُحَادَّةٌ ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنا نہایت مشکل ہو، گویا دونوں دو کناروں (حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے دربان اور پہرے دار کو بھی حداد کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

3 یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انھی اہل ذلت میں ہوگا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

4 یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہ مضمون سورۂ مومن 52,51:40 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

5 جب یہ بات لکھنے والا سب پر غالب اور نہایت زورآور ہے تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کرسکے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے، یعنی اٹل اور ناقابل تغیر۔

6 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ آل عمران 28:3، سورۂ توبہ 24:9 وغیرہ۔

بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَیُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿22﴾ ع 3/9/3

ہی کیوں نہ ہوں۔ [1] یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کولکھ دیا ہے [2] اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے [3] اور جنھیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں [4] یہ اللہ کا

1 اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، اُبُوّت، بُنُوّت، اُخُوّت اور خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے باپ، بیٹے، بھائی، چچا، ماموں اور دیگر رشتے داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و تواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتے دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ انفال 8:67 کا حاشیہ)

2 یعنی راسخ اور مضبوط کر دیا ہے۔

3 روح سے مراد اپنی نصرت خاص یا نور ایمان ہے جو انھیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

4 یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابۂ کرام، ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز و اقارب سے ناراض ہو گئے حتیٰ کہ انھیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نواز دیا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے، اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز ﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ﴾ کے مصداق اول اور مصداق اتم صحابۂ کرام ہیں لیکن الفاظ کے عموم کی وجہ سے بعد میں آنے والے تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ السلام (دعائیہ جملے کے طور پر) بولا جا سکتا ہے۔ لیکن اہل سنت عام طور پر ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر، ان کو صحابۂ کرام اور انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے بولتے اور لکھتے نہیں۔ یہ گویا شعار ہیں، رضی اللہ عنہم صحابہ کے لیے اور علیہم السلام انبیائے کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمۃ اللہ علیہ یا رحمہ اللہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں۔ لیکن ان کا استعمال فوت شدگان کے لیے خاص ہو چکا ہے، اس لیے اسے زندہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

گروہ ہے، آگاہ رہو بے شک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں ○ [1]

ایاتھا 24 (59) سُوۡرَۃُ الۡحَشۡرِ مَدَنِیَّۃٌ (101) رکوعاتھا 3

سورۂ حشر [2] مدنی ہے، اس میں 24 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ①

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، اور وہ غالب باحکمت ہے ○

هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا [3]، تمھارا گمان (بھی) نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے انھیں اللہ سے بچالیں گے [4] پس ان پر

1 یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہوگا، کُفاران کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے جیسے وہ فلاح سے بالکل محروم ہیں جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔

2 یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اسے سورۂ نضیر بھی کہتے ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:4882)

3 مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی ﷺ نے ان سے معاہدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ در پردہ سازشیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے خلاف رابطہ رکھا حتیٰ کہ ایک موقع پر جبکہ آپ ان کے پاس گئے ہوئے تھے، بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ پر اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینکنے اور آپ کو مار ڈالنے کی سازش تیار کی جس کے متعلق وحی کے ذریعے سے آپ کو بروقت اطلاع کر دی گئی اور آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی، یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے، بالآخر انھوں نے جان بخشی کی صورت میں جلاوطنی پر آمادگی کا اظہار کیا جسے رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمالیا۔ اسے اول حشر (پہلی بار جمع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی جلاوطنی تھی، جو مدینے سے ہوئی، یہاں سے یہ خیبر میں جا کر مقیم ہوگئے، وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں انھیں دوبارہ جلاوطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا، جہاں کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کا آخری حشر ہوگا۔

4 اس لیے کہ انھوں نے نہایت مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے جس پر انھیں گھمنڈ تھا اور مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ اتنی آسانی سے یہ قلعے فتح نہیں ہوسکیں گے۔

لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آ پڑا کہ انھیں گمان بھی نہ تھا [1] اور ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا [2] وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ رہے تھے [3] اور مسلمانوں کے ہاتھوں برباد کروا رہے تھے [4] پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ○ [5]

وَلَوْ لَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③

اور اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً انھیں دنیا ہی میں عذاب دیتا، [6] اور آخرت میں تو ان

---

1 اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

2 اس رعب کی وجہ سے ہی انھوں نے جلاوطنی پر آمادگی کا اظہار کیا، ورنہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور دیگر لوگوں نے انھیں پیغامات بھیجے تھے کہ تم مسلمانوں کے سامنے جھکنا نہیں، ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ خصوصی وصف عطا فرمایا تھا کہ دشمن ایک مہینے کی مسافت پر آپ سے مرعوب ہو جاتا تھا، اس لیے سخت دہشت اور گھبراہٹ ان پر طاری ہوگئی۔ اور تمام تر اسباب و وسائل کے باوجود انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور صرف یہ شرط مسلمانوں سے منوائی کہ جتنا سامان وہ لاد کر لے جا سکتے ہیں انھیں لے جانے کی اجازت ہو، چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انھوں نے اپنے گھروں کے دروازے اور شہتیر تک اکھیڑ ڈالے تا کہ انھیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

3 یعنی جب انھیں یقین ہو گیا کہ اب جلاوطنی ناگزیر ہے تو انھوں نے دوران محاصرہ اندر سے اپنے گھروں کو برباد کرنا شروع کر دیا تا کہ وہ مسلمانوں کے بھی کام کے نہ رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سامان لے جانے کی اجازت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے وہ اپنے اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جا سکتے تھے، اپنے گھر ادھیڑ ادھیڑ کر وہ سامان انھوں نے اونٹوں پر رکھ لیا۔

4 باہر سے مسلمان ان کے گھروں کو برباد کرتے رہے تا کہ ان پر گرفت آسان ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ادھیڑے ہوئے گھروں سے بقیہ سامان نکالنے اور حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو مزید تخریب سے کام لینا پڑا۔

5 کہ کس طرح اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ درآں حالیکہ وہ ایک نہایت طاقت ور اور وسائل سے بہرہ ور قبیلہ تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت عمل ختم ہوگئی اور اللہ نے اپنے مؤاخذے کے شکنجے میں کسنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر ان کی اپنی طاقت اور وسائل ان کے کام آئے نہ دیگر اعوان و انصار ان کی کچھ مدد کر سکے۔

6 یعنی اللہ کی تقدیر میں پہلے سے ہی اس طرح ان کی جلاوطنی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں ہی سخت عذاب سے دوچار کر دیا جاتا، جیسا کہ بعد میں ان کے بھائی یہود کے ایک دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کو ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا گیا

کے لیے آگ کا عذاب ہے۔ ○

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے ○

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنھیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ کے فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ رسوا کرے ○ [1]

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

اور ان کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے، اس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ بلکہ اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے، [2] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

کہ ان کے لڑنے کے قابل مردوں کو قتل کر دیا گیا، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے غنیمت بنا دیا گیا۔

1 ﴿لِّيْنَةٍ﴾ کھجور کی ایک قسم ہے، جیسے عجوہ، برنی وغیرہ کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ یا عام کھجور کا درخت مراد ہے۔ دوران محاصرہ نبی ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا دی، کچھ کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیے۔ جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا۔ اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں، وہ تمھارے اموال و جائیداد میں جس طرح چاہیں تصرف کرنے پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی کی تصویب فرمائی اور اسے یہود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔

2 بنو نضیر کا یہ علاقہ، جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، مدینے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا، پس مسلمانوں کو اس کے لیے لمبا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، یعنی اس میں مسلمانوں کو اونٹ اور گھوڑے دوڑانے نہیں پڑے۔ اسی طرح لڑنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور صلح کے ذریعے سے یہ علاقہ فتح ہو گیا، یعنی اللہ نے اپنے رسول کو بغیر لڑے ان پر غالب فرما دیا، اس لیے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو فَے قرار دیا گیا، جس کا حکم غنیمت سے مختلف ہے۔ گویا مال فَے وہ ہے جو دشمن بغیر لڑے چھوڑ کر بھاگ جائے یا صلح کے ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جو مال باقاعدہ لڑائی اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے، وہ غنیمت ہے۔ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اور پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے، یعنی مسلمانوں کے بیت المال کے لیے ہے۔ لیکن مال فَے یہ مجاہدین میں مال غنیمت کی طرح تقسیم نہیں ہوگا، سارا کا سارا ہی اللہ اور رسول کا حصہ ہے، یعنی مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہو

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۘ ⑦ وقف لازم

بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تمھارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے تاکہ تمھارے دولت مندوں کے ہاتھ ہی میں یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمھیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ سخت عذاب والا ہے ○

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ ⑧

(فے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی راست باز لوگ ہیں ○ [1]

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ

اور (ان کے لیے) جنھوں نے اس گھر میں یعنی مدینہ اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے [2] اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے [3] بلکہ خود اپنے اوپر انھیں ترجیح دیتے ہیں گو

گا۔ اس آیت میں یہاں مال فے کا یہی مصرف بیان کیا گیا ہے۔

1 اس میں مال فے کا ایک صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت، ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا، گویا قرآن کا انکار ہے۔

2 ان سے انصار مدینہ مراد ہیں جو مہاجرین کے مدینہ آنے سے قبل مدینے میں آباد تھے اور مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے قبل، ایمان بھی ان کے دلوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجرین کے ایمان لانے سے پہلے یہ انصار ایمان لا چکے تھے کیونکہ ان کی اکثریت مہاجرین کے ایمان لانے کے بعد ایمان لائی ہے، یعنی ﴿ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ کا مطلب مِنْ قَبْلِ هِجْرَتِهِمْ ہے۔ اور ﴿ الدَّارَ ﴾ سے دَارُ الْهِجْرَةِ یعنی مدینہ مراد ہے۔

3 یعنی مہاجرین کو اللہ کا رسول جو کچھ دے، اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فے کا اولین مستحق بھی ان

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨

خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو،[1] بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب ہے ○[2]

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩

اور ان کے لیے جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال،[3] اے

کو قرار دیا گیا۔ لیکن انصار نے برا نہیں منایا۔

1 یعنی اپنے مقابلے میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکا رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں، جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ بجھا دینا تا کہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ صبح جب وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ......﴾ الآية (صحيح البخاري، حديث:4889) ان کے ایثار کی یہ بھی ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اس لیے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مہاجر بھائی نکاح کر لے۔ (صحيح البخاري حديث:5072)

2 حدیث میں ہے: ''شُحّ'' سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انھیں خوں ریزی پر آمادہ کیا اور انھوں نے محارم کو حلال کر لیا۔'' (صحيح مسلم، حديث:2578)

3 یہ مال فَے کے مستحقین کی تیسری قسم ہے، یعنی صحابہ کے بعد آنے والے اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے۔ اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہل ایمان وتقویٰ آ گئے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مہاجرین کو مومن ماننے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب وشتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض وعناد رکھنے والے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی ہے: «إِنَّ الرَّافِضِيَّ الَّذِي يَسُبُّ الصَّحَابَةَ لَيْسَ لَهُ فِي مَالِ الْفَيْءِ نَصِيبٌ لِعَدَمِ اتِّصَافِهِ بِمَا مَدَحَ اللّٰهُ بِهِ هٰؤُلَاءِ فِي قَوْلِهِمْ» (ابن كثير) ''رافضی جو صحابۂ کرام پر سب وشتم کرتے ہیں، انھیں مال فَے سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی مدح کی ہے اور رافضی ان

ہمارے رب! بے شک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے ○

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪

کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہلِ کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ضرور بالضرور ہم بھی تمھارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمھارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو اللہ کی قسم! ہم تمھاری مدد کریں گے،[1] لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں ○[2]

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫

اگر وہ جلا وطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں[3] گے اور اگر بالفرض مدد پر آ بھی گئے[4] تو پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے[5] پھر مدد نہ کیے

مذمت کرتے ہیں۔'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «أُمِرْتُمْ بِالْاِسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فَسَبَبْتُمُوهُمْ، سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ يَقُولُ: لَا تَذْهَبُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ حَتّٰى يَلْعَنَ آخِرُهَا أَوَّلَـهَا» (تفسير البغوي) ''تم لوگوں کو اصحاب محمد ﷺ کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ مگر تم نے ان پر لعن طعن کی۔ میں نے تمھارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک کہ اس کے آخری زمانے کے لوگ اولین پر لعنت نہ کریں۔''

1 جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ منافقین نے بنونضیر کو یہ پیغام بھیجا تھا۔

2 چنانچہ ان کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ بنونضیر جلا وطن کر دیے گئے لیکن یہ ان کی مدد کو پہنچے نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔

3 یہ منافقین کے گزشتہ جھوٹے وعدوں ہی کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنونضیر جلا وطن اور بنوقریظہ قتل اور اسیر کیے گئے لیکن منافقین کسی کی مدد کو نہیں پہنچے۔

4 یہ بطور فرض بات کی جا رہی ہے، ورنہ جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرما دے، اس کا وجود کیونکر ممکن ہے، مطلب ہے کہ اگر یہود کی مدد کرنے کا ارادہ کریں۔

5 یعنی شکست کھا کر۔

جائیں گے ○ [1]

لَاَ انْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬

(مسلمانو! یقین مانو) کہ تمھاری ہیبت ان کے دلوں [2] میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں ○ [3]

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭

یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے، ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں، [4] ان کی لڑائی تو ان کے آپس کے ہی بہت سخت ہے [5] گو آپ انھیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں، [6] اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ○ [7]

---

1 مراد یہود ہیں، یعنی جب ان کے مددگار منافقین ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہود کس طرح منصور وکامیاب ہوں گے۔ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں کہ وہ مدد نہیں کیے جائیں گے بلکہ اللہ ان کو ذلیل کرے گا اور ان کا نفاق ان کے لیے نافع نہیں ہوگا۔

2 یہود کے یا منافقین کے یا سب کے ہی دلوں میں۔

3 یعنی تمھارا یہ خوف ان کے دلوں میں ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے، ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کا غلبہ وتسلط، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے چاہیے نہ کہ مسلمانوں سے۔

4 یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، البتہ قلعوں میں محصور ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں اور تمھاری ہیبت سے لرزاں وترساں ہیں۔

5 یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں، اس لیے ان میں باہم تو تکار اور ثُھکا فضیحتی عام ہے۔

6 یہ منافقین کا آپس میں دلوں کا حال ہے۔ یا یہود اور منافقین کا یا مشرکین اور اہل کتاب کا۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں یہ ایک نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایک نہیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض وعناد سے بھرے ہوئے۔

7 یعنی یہ اختلاف اور تشتُّت ان کی بے عقلی کی وجہ سے ہے، اگر ان کے پاس سمجھنے والی عقل ہوتی تو یہ حق کو پہچان لیتے اور اسے اپنا لیتے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑮

ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں جنھوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا [1] اور جن کے لیے المناک عذاب ہے ○ [2]

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯

شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں، [3] میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ○ [4]

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ⑰ ع 2/7/5

پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتشِ دوزخ میں ہمیشہ کے لیے گئے اور ظالموں کی یہی سزا ہے ○ [5]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو [6] اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، [7]

---

1 اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں جنھیں غزوۂ بنی نضیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک شکست ہوئی تھی، یعنی یہ بھی مغلوبیت اور ذلت میں مشرکین ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے۔ بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنو قینقاع کو مراد لیا ہے جنھیں بنو نضیر سے قبل جلا وطن کیا جا چکا تھا جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ (ابن کثیر)

2 یعنی یہ وبال جو انھوں نے چکھا، یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔

3 یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا، جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔

4 شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے، مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور براءت ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔

5 یعنی خلود في النار جہنم کی دائمی سزا۔

6 اہل ایمان کو خطاب کر کے انھیں وعظ کیا جا رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انھیں بجا لاؤ۔ جن سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، آیت میں یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا کیونکہ یہ تقویٰ (اللہ کا خوف) ہی انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے۔

7 کل سے مراد قیامت ہے۔ اسے کل سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اس کا وقوع زیادہ دور نہیں،

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿18﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے ○ [1]

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنۡسٰٮهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿19﴾

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انھیں اپنی جانوں سے غافل کردیا، [2] اور ایسے ہی لوگ نافرمان فاسق ہوتے ہیں ○

لَا يَسۡتَوِىۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ هُمُ الۡفَآٮِٕزُوۡنَ ﴿20﴾

اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں۔ [3] جو اہلِ جنت ہیں وہی کامیاب ہیں ○ [4]

قریب ہی ہے۔

1 چنانچہ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا۔

2 یعنی اللہ نے بطور جزا انھیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے عملوں سے غافل ہوگئے جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے نفسوں کو عذاب الٰہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عقل، اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی، آنکھیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کان حق کے سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جن میں اس کی اپنی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

3 جنھوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم، جس کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پاپڑ بیلتے تھے، جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ کو یاد رکھا، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انھیں داخل فرمائے گا، جہاں ان کے آرام و راحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں ہوں گی۔ یہ دونوں فریق، یعنی جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوں گے۔ بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں۔ ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتا رہا۔ دوسرا: اپنے انجام سے غافل رہا اور اس وجہ سے اس کے لیے تیاری میں بھی مجرمانہ غفلت برتی۔

4 جس طرح امتحان کی تیاری کرنے والا کامیاب اور دوسرا ناکام ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان وتقویٰ جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ اس کے لیے وہ دنیا میں نیک عمل کر کے تیاری کرتے رہے گویا دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے۔ جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اس نے انجام سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری، وہ کامیاب ہوگا اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر اور انجام سے غافل، فسق و فجور میں مبتلا رہا، وہ خاسر و ناکام ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِین.

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿21﴾

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے [1] تو تُو دیکھتا کہ خوفِ الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا [2] ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں ○ [3]

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿22﴾

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے [4] کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا ○

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ ﴿23﴾

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنھیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں ○

هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ

وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا بنانے والا، [5] صورت بنانے

---

1 اور پہاڑ میں فہم و ادراک کی وہ صلاحیت پیدا کر دیتے جو ہم نے انسان کے اندر رکھی ہے۔

2 یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت و فصاحت، قوتِ استدلال اور وعظ و تذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انھیں سن کر پہاڑ بھی، باوجود اتنی سختی اور وسعت و بلندی کے، خوفِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ لیکن اگر قرآن سن کر تیرا دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

3 تاکہ قرآن کے مواعظ سے وہ نصیحت حاصل کریں اور زواجر کو سن کر نافرمانیوں سے اجتناب کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن یہ آپ پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے آپ کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا کہ آپ نے اس چیز کو برداشت کر لیا جس کو برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں ہے۔ (فتح القدیر) اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات بیان فرما رہا ہے جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہے۔

4 غیب، مخلوقات کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ کے لیے تو کوئی چیز غیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے چاہے وہ ہمارے سامنے ہو یا ہم سے غائب حتیٰ کہ وہ تاریکیوں میں چلنے والی چیونٹی کو بھی جانتا ہے۔

5 کہتے ہیں کہ ﴿الۡخَالِقُ﴾ کا مطلب ہے اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق مقدر کر دینے والا اور ﴿الۡبَارِئُ﴾ کے

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿24﴾ ع 3/7/6

والا، اسی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں،[1] ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں، اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔[2] اور وہی غالب حکمت والا ہے[3] ○

آیاتھا 13 (60) سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (91) رکوعاتھا 2

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، اس میں 13 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ
وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ[4] تم تو دوستی سے ان کی

معنی ہیں اسے پیدا کرنے والا، گھڑنے، وجود میں لانے والا۔

1 اسمائے حسنٰی کی بحث سورۂ اعراف 7:180 میں گزر چکی ہے۔

2 یہ تسبیح زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قال سے ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

3 جس چیز کا بھی فیصلہ کرتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

4 کفار مکہ اور نبی ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے وہ معاہدہ ختم ہو گیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک مہاجر بدری صحابی تھے جن کی قریش کے ساتھ کوئی رشتے داری نہیں تھی لیکن ان کے بیوی بچے مکے میں ہی تھے۔ انھوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کے حملے کے ارادے کی اطلاع کر دوں تا کہ اس احسان کے بدلے وہ میرے بال بچوں کا خیال رکھیں، چنانچہ انھوں نے ایک عورت کے ذریعے سے یہ پیغام تحریری طور پر اہل مکہ کی طرف روانہ کر دیا جس کی اطلاع بذریعہ وحی نبی ﷺ کو کر دی گئی، چنانچہ آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ ''جاؤ روضۂ خاخ پر ایک عورت ہوگی جو مکہ جا رہی ہوگی، اس کے پاس ایک رقعہ ہے، وہ لے آؤ۔'' چنانچہ وہ حضرات گئے اور اس سے یہ رقعہ لے آئے جو اس نے سر کے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔ آپ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر و ارتداد کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتے دار مکے میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میرا وہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تا کہ وہ میرے احسان مند رہیں اور میرے بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انھیں کچھ نہیں کہا، تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرما دیں تا کہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے۔ (صحيح البخاري، حديث:4890، و صحيح مسلم، حديث:2494)

وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

طرف پیغام بھیجتے ہو[1] اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمھارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمھیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان رکھتے ہو،[2] اگر تم میری راہ کے جہاد میں اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو)،[3] تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بہک جائے گا ○[4]

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۗ ②

اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمھارے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ ○[5]

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

تمھاری قرابتیں، رشتے داریاں اور اولاد تمھیں قیامت کے دن کام نہ آئیں گی،[6] اللہ تمھارے درمیان فیصلہ

---

1 مطلب ہے نبی ﷺ کی خبریں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہو۔

2 جب ان کا تمھارے ساتھ اور حق کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو تمھارے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ تم ان سے محبت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرو؟

3 یہ جواب شرط، جو محذوف ہے، کا ترجمہ ہے۔

4 یعنی میرے اور اپنے دشمنوں سے محبت کا تعلق جوڑنا اور انھیں خفیہ نامہ و پیام بھیجنا، یہ گمراہی کا راستہ ہے جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

5 یعنی تمھارے خلاف ان کے دلوں میں تو اس طرح بغض و عناد ہے اور تم ہو کہ ان کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہو۔

6 یعنی جس اولاد کے لیے تم کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہو، یہ تمھارے کچھ کام نہیں آئے گی، پھر اس کی وجہ سے تم کافروں سے دوستی کر کے کیوں اللہ کو ناراض کرتے ہو۔ قیامت والے دن جو چیز کام آئے گی وہ تو اللہ اور

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

کر دے گا[1] اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے ○

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ

(مسلمانو!) تمھارے لیے ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے،[2] جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔[3] ہم تمھارے عقائد کے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی[4] لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی[5] کہ میں تمھارے لیے استغفار

رسول کی اطاعت ہے، اس کا اہتمام کرو۔

1 دوسرے معنی ہیں: تمھارے درمیان جدائی ڈال دے گا، یعنی اہل طاعت کو جنت میں اور اہل معصیت کو جہنم میں داخل کرے گا۔ بعض کہتے ہیں: آپس میں جدائی کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے، جیسے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ○﴾ (عبس 80:34) ’’یعنی شدت ہول سے بھائی، بھائی سے بھاگے گا۔‘‘

2 کفار سے عدم موالات کے مسئلے کی توضیح کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے ﴿اُسْوَةٌ﴾ کے معنی ہوتے ہیں، ایسا نمونہ جس کی اقتدا کی جائے۔

3 یعنی شرک کی وجہ سے ہمارا اور تمھارا کوئی تعلق نہیں، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق۔

4 یعنی یہ علیحدگی اور بیزاری اس وقت تک رہے گی جب تک تم کفر و شرک چھوڑ کر توحید کو نہیں اپنا لو گے۔ ہاں! جب تم ایک اللہ کو ماننے والے بن جاؤ گے تو پھر یہ عداوت موالات میں اور یہ بغض محبت میں بدل جائے گا۔

5 یہ ایک استثنا ہے جو ﴿فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ﴾ میں مقدر محذوف مضاف سے ہے، یعنی قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي مَقَالَاتِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبِيهِ یا ﴿اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ سے استثنا ہے، اس لیے کہ ﴿قَوْلَ﴾ بھی من جملہ اسوہ ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيمَ فِي جَمِيعِ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبِيْهِ (فتح القدير) مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک قابل اتباع نمونہ ہے، البتہ ان کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ان کا یہ فعل اس وقت کا ہے جب ان کو اپنے باپ کی بابت علم نہیں تھا، چنانچہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ ان کا باپ

اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④

ضرور کروں گا اور تمھارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسا کیا ہے[1] اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے○

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ⑤

اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال،[2] اور اے ہمارے پالنے والے! ہماری خطاؤں کو بخش دے، بے شک تو ہی غالب، حکمت والا ہے○

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ
ع 1/6/7 يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥

یقیناً تمھارے لیے ان میں[3] اچھا نمونہ ہے، خاص کر ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو،[4] اور اگر کوئی روگردانی کرے[5] تو اللہ

اللہ کا دشمن ہے تو انھوں نے اپنے باپ سے بھی اظہار براءت کر دیا جیسا کہ سورۂ براءت 9:114 میں ہے۔ (سورۂ براءت سورۂ توبہ کو کہا جاتا ہے)

1 توکل کا مطلب ہے: امکانی حد تک ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ظاہری وسائل اختیار کیے بغیر ہی اللہ پر اعتماد اور توکل کا اظہار کیا جائے، اس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اس لیے توکل کا یہ مفہوم بھی غلط ہو گا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور پوچھا کہ میں اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ دوں اور توکل کروں یا اسے چھوڑ دوں اور توکل کروں، آپ نے فرمایا: «اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» ''پہلے اس کا گھٹنا باندھ، پھر اللہ پر بھروسا کر۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2517، و صحيح الجامع الصغير، 242/1، حديث: 1068) انابت کا مطلب ہے، اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

2 یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ و تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں اور یوں ہم ان کے لیے فتنے کا باعث بن جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے ہمیں کسی سزا سے دوچار نہ کرنا، اس طرح بھی ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا، وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ تکلیف کیوں پہنچتی۔

3 یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی اہل ایمان میں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

4 کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ سے اور عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں، یہی لوگ حالات و واقعات سے عبرت پکڑتے اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

5 یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوے کو اپنانے سے گریز کرے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧

بالکل بے نیاز ہے اور لائق حمد وثنا ہے ○

کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تم میں اور تمھارے دشمنوں میں محبت پیدا کردے۔ [1] اللہ کو سب قدرتیں ہیں اور اللہ (بڑا) غفور ورحیم ہے ○

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی [2] اور تمھیں جلاوطن نہیں کیا [3] ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تمھیں نہیں روکتا [4] بلکہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ [5]

---

1 یعنی ان کو مسلمان کر کے تمھارا بھائی اور ساتھی بنا دے، جس سے تمھارے مابین عداوت دوستی اور محبت میں تبدیل ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد لوگ فوج درفوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور ان کے مسلمان ہوتے ہی نفرتیں محبت میں تبدیل ہو گئیں، جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، وہ دست و بازو بن گئے۔

2 یہ ان کافروں کے بارے میں ہدایات دی جا رہی ہیں جو مسلمانوں سے محض دین اسلام کی وجہ سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے نہیں لڑتے، یہ پہلی شرط ہے۔

3 یعنی تمھارے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہیں کیا کہ تم ہجرت پر مجبور ہو جاؤ۔ یہ دوسری شرط ہے۔ ایک تیسری شرط یہ ہے جو اگلی آیت سے واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کو کسی قسم کی مدد بھی نہ پہنچائیں۔ مشورے اور رائے سے اور نہ ہتھیاروں وغیرہ کے ذریعے سے۔

4 یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا ممنوع نہیں ہے، جیسے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی مشرکہ ماں کی بابت صلۂ رحمی، یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «صِلِي أُمَّكِ» (صحيح البخاري، حديث:2620، و صحيح مسلم، حديث:50-(1003)) ''اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔''

5 اس میں انصاف کرنے کی ترغیب ہے حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی۔ حدیث میں انصاف کرنے والوں کی فضیلت یوں بیان ہوئی ہے: «إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَاللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّورٍ عَنْ يَّمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا» (صحيح مسلم، حديث: 1827) ''انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور رحمن کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں، جو اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل میں اور اپنی رعایا میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں۔''

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ

اللہ تمھیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمھیں دیس نکالے دیے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی، جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں [1] وہ (قطعاً) ظالم ہیں ○ [2]
اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو۔ [3] دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمھیں ایمان دار معلوم ہوں [4] تو اب تم انھیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں، [5] اور جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو وہ

---

1 یعنی ارشادِ الٰہی اور امر ربانی سے اعراض کرتے ہوئے۔

2 کیونکہ انھوں نے ایسے لوگوں سے محبت کی ہے جو محبت کے اہل نہیں تھے اور یوں انھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ انھیں اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (المآئدة 51:5) ''(اے ایمان والو!) تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انھی میں سے ہے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہِ راست نہیں دکھاتا۔''

3 ۔ معاہدۂ حدیبیہ میں ایک شق یہ تھی کہ مکے سے کوئی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو گیا ہو۔ لیکن اس میں مرد و عورت کی صراحت نہیں تھی۔ بظاہر أَحَدٌ ''کوئی'' میں دونوں ہی شامل تھے، چنانچہ بعد میں بعض عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس چلی گئیں تو کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، جس پر اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور یہ حکم دیا۔ امتحان لینے کا مطلب ہے اس امر کی تحقیق کرو کہ ہجرت کر کے آنے والی عورت جو ایمان کا اظہار کر رہی ہے، اپنے کافر خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی علاقے کی طرف رغبت یا دنیا کے حصول کی غرض سے تو نہیں آئی ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے لیے اور اللہ کے دین کو پسند کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔

4 یعنی تم اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچو اور تمھیں گمان غالب حاصل ہو جائے کہ یہ واقعی مومنہ ہیں۔

5 یہ انھیں ان کے کافر خاوندوں کے پاس واپس نہ کرنے کی علت ہے کہ اب کوئی مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال

تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩

انھیں ادا کر دو،[1] ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں[2] اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو[3] اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو،[4] مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو[5] وہ بھی مانگ لیں یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمھارے درمیان کر رہا ہے[6] اور اللہ بڑے علم اور حکمت والا ہے ○

نہیں جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا، چنانچہ نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ ہوا تھا جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ لیکن اس آیت نے آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع کر دیا، اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، اس لیے انھیں کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔ ہاں اگر شوہر بھی مسلمان ہو جائے تو پھر ان کا نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔ چاہے خاوند عورت کے بعد ہجرت کر کے آئے۔

1 یعنی ان کے کافر خاوندوں نے ان کو جو مہر ادا کیا ہے، وہ تم انھیں ادا کر دو۔

2 یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ عورتیں جو ایمان کی خاطر اپنے کافر خاوندوں کو چھوڑ کر تمھارے پاس آ گئی ہیں، تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کا حق مہر تم ادا کرو، تاہم یہ نکاح مسنون طریقے سے ہی ہو گا، یعنی ایک تو انقضائے عدت (استبرائے رحم) کے بعد ہو گا۔ دوسرے، اس میں ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری ہے، البتہ عورت مدخول بہا نہیں ہے تو پھر بلا عدت فوری نکاح جائز ہے، تاہم دوسری شرائط، یعنی ولی کی اجازت اور گواہوں کی موجودگی کا اہتمام ضروری ہے اگر ولی مسلمان ہے اور اگر ولی مسلمان نہیں ہے تو پھر اَلسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهٗ ''خلیفہ، بادشاہ ان کا ولی ہے جن کا کوئی ولی نہ ہو۔''

3 ﴿ بِعِصَمِ ﴾ عِصْمَةٌ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسے فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا جائے، چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ (ابن کثیر) اگر بیوی کتابیہ (یہودی یا عیسائی) ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، اس لیے اگر وہ پہلے سے ہی بیوی کی حیثیت سے تمھارے پاس موجود ہے تو قبول اسلام کے بعد اسے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

4 یعنی ان عورتوں پر جو کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔

5 یعنی ان عورتوں پر جو مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے آ گئی ہیں۔

6 یعنی یہ حکم مذکور کہ دونوں ایک دوسرے کو حق مہر ادا کریں بلکہ مانگ کر لیں، اللہ کا حکم ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دور کے ساتھ ہی خاص تھا۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (فتح القدیر) اس کی وجہ وہ معاہدہ ہے جو اس وقت

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

اور اگر تمھاری کوئی بیوی تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمھیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے [1] تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انھیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی نیک کام میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیا کریں، [2] اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب

فریقین کے درمیان تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی صورت میں آئندہ بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔ بصورت دیگر نہیں۔

1 ﴿فَعَاقَبْتُمْ﴾ (پس تم سزا دو یا بدلہ لو) کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق مہر جو تمھیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے، وہ تم ان مسلمانوں کو دے دو جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ اور انھوں نے مسلمانوں کو مہر ادا نہیں کیا (یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے۔) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو، اس میں تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دار الکفر چلی گئی ہیں، ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو۔ گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا جبر (ازالہ) یہ بھی سزا ہے۔ (أيسر التفاسير و ابن كثير) اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (أيسر التفاسير)

2 یہ بیعت اس وقت لیتے جب عورتیں ہجرت کر کے آتیں جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 4891 میں ہے۔ علاوہ ازیں فتح مکہ والے دن بھی آپ نے قریش کی عورتوں سے بیعت لی۔ بیعت لیتے وقت آپ صرف زبان سے عہد لیتے۔ کسی عورت کے ہاتھ کو آپ نہیں چھوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کی قسم! بیعت میں نبی ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپ صرف یہ فرماتے کہ ''میں نے ان باتوں پر تجھ سے بیعت لے لی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4891) بیعت میں آپ یہ عہد بھی عورتوں سے لیتے تھے کہ وہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿13﴾

کریں بے شک اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے ○

اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے [1] جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ کافر اہل قبر سے نا اُمید ہیں ○ [2]

اٰیاتہا 14 (61) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (109) رکوعاتہا 2

سورۂ صف [3] مدنی ہے، اس میں 14 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور

نوحہ نہیں کریں گی، گریبان چاک نہیں کریں گی، سر کے بال نہیں نوچیں گی اور جاہلیت کی طرح بین نہیں کریں گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4892، وصحيح مسلم، حديث: 937، وسنن أبي داود، حديث: 3131) اس بیعت میں نماز، روزہ، حج اور زکاۃ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ارکان دین اور شعائر اسلام ہونے کے اعتبار سے محتاج وضاحت نہیں۔ آپ نے بطور خاص ان چیزوں کی بیعت لی جن کا عام ارتکاب عورتوں سے ہوتا تھا تاکہ وہ ارکان دین کی پابندی کے ساتھ، ان چیزوں سے بھی اجتناب کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماء و دعاۃ اور واعظین حضرات اپنا زور خطابت ارکان دین کے بیان کرنے میں ہی صرف نہ کریں جو پہلے ہی واضح ہیں بلکہ ان خرابیوں اور رسموں کی بھی پرزور انداز میں تردید کیا کریں جو معاشرے میں عام ہیں اور نماز روزے کے پابند حضرات بھی ان سے اجتناب نہیں کرتے۔

1 اس سے بعض نے یہود، بعض نے منافقین اور بعض نے تمام کافر مراد لیے ہیں۔ یہ آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں یہود و منافقین بھی آ جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سارے کفار ہی غضب الٰہی کے مستحق ہیں، اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی کافر سے دوستانہ تعلق مت رکھو، جیسا کہ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

2 آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب، قیامت کے برپا ہونے سے انکار ہے۔ اصحاب القبور (قبروں میں مدفون لوگوں) سے مایوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر، ہر قسم کی خیر سے مایوس ہو گئے کیونکہ مر کر انھوں نے اپنے کفر کا انجام دیکھ لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں۔ (تفسير الطبري)

3 اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ آپس میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اللہ کو جو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے چاہئیں تاکہ ان پر عمل کیا جا سکے لیکن آپ کے پاس جا کر پوچھنے کی جرأت کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما دی۔ (مسند أحمد: 5/452، و جامع الترمذي، حديث: 3309)

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

وہی غالب حکمت والا ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

اے ایمان والو![1] تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ○

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے ○[2]

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

بے شک اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ○[3]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو، حالانکہ تمھیں بخوبی معلوم ہے کہ میں تمھاری جانب اللہ کا رسول ہوں[4] پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا،[5] اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○

---

1 یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن اصل خطاب ان مومنوں سے ہے جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں اَحَبُّ الاَعمال ''سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال'' کا علم ہو جائے تو ہم انھیں کریں لیکن جب انھیں بعض پسندیدہ عمل بتلائے گئے تو سست ہو گئے، اس لیے ایسے لوگوں کو توبیخ کی جا رہی ہے کہ خیر کی جو باتیں کہتے ہو، کرتے کیوں نہیں ہو جو بات منہ سے نکالتے ہو، اسے پورا کیوں نہیں کرتے۔ جو زبان سے کہتے ہو، اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟ تفصیل کے لیے تفسیر طبری دیکھیے۔

2 یہ اسی کی مزید تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہوتا ہے۔

3 یہ جہاد کا ایک انتہائی نیک عمل بتلایا گیا جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔

4 یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں، بنی اسرائیل انھیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے تھے حتیٰ کہ ان کی طرف بعض جسمانی عیوب منسوب کرتے تھے، حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی۔

5 یعنی علم کے باوجود حق سے اعراض کیا اور حق کے مقابلے میں باطل کو، خیر کے مقابلے میں شر کو اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو مستقل طور پر ہدایت سے پھیر دیا کیونکہ یہی سنت اللہ چلی آ رہی ہے۔ کفر وضلالت پر دوام واستمرار ہی دلوں پر مہر لگنے کا باعث ہوتا ہے، پھر فسق، کفر اور ظلم اس کی طبیعت اور عادت بن جاتی ہے جس کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: اللہ تعالیٰ نافرمانوں

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں [1] اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمھیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے، [2] پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے ○ [3]

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، [4] حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا

کو ہدایت نہیں دیتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی سنت کے مطابق گمراہ کیا ہوتا ہے، اب کون اسے ہدایت دے سکتا ہے جسے اس طریقے سے اللہ نے گمراہ کیا ہو؟

1 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی، اسی طرح انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ یہود آپ ہی کے ساتھ اس طرح نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں، وہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے، اس لیے جس طرح تم موسیٰ و ہارون اور داود و سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے، مجھ پر بھی ایمان لاؤ، اس لیے کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

2 یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری سنائی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَ بِشَارَةُ عِيسٰى» (أيسر التفاسير) ”میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں۔“ ﴿اَحْمَدُ﴾ یہ اگر بمعنی فاعل اسم تفضیل کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے، دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اور اگر یہ بمعنی اسم مفعول اسم تفضیل ہو تو معنی ہوں گے کہ آپ کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ کی کی گئی، اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدير)

3 یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو سے تعبیر کیا، جس طرح گزشتہ قومیں بھی اپنے پیغمبروں کو اسی طرح کہتی رہی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں اور ﴿قَالُوْا﴾ کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے۔

4 یعنی اللہ کی اولاد قرار دے یا جو جانور اس نے حرام قرار نہیں دیے، ان کو حرام باور کرائے۔

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝7

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝8

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝9 ع 1/9

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝10

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝11

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ

جاتا ہے [1] اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا ○

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں [2] اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے [3] گو کافر برا مانیں ○

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے دیگر تمام مذاہب پر غالب کر دے [4] اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں ○ [5]

اے ایمان والو! کیا میں تمھیں وہ تجارت بتلاؤں [6] جو تمھیں دردناک عذاب سے بچالے؟ ○

اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تمھیں علم ہو ○

اللہ تمھارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمھیں ان جنتوں

---

1 جو تمام دینوں میں اشرف اور اعلیٰ ہے، اس لیے جو شخص ایسا ہو، اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کسی پر بھی افترا گھڑے، چہ جائیکہ اللہ پر افترا باندھے۔

2 نور سے مراد قرآن یا اسلام یا محمد ﷺ یا دلائل و براہین ہیں۔ ''منہ سے بجھا دیں'' کا مطلب، وہ طعن و تشنیع کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی تھیں۔

3 یعنی اس کو آفاق میں پھیلانے والا اور دوسرے تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔ دلائل کے لحاظ سے یا مادی غلبے کے لحاظ سے یا دونوں لحاظ سے۔

4 یہ گزشتہ بات ہی کی تاکید ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے پھر دہرایا گیا ہے۔

5 تاہم یہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔

6 اس عمل (ایمان اور جہاد) کو تجارت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ اس میں بھی انھیں تجارت کی طرح ہی نفع ہوگا اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہوگا۔ اس بات کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ (التوبۃ 9:111) ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے بدلے میں کرلیا ہے۔''

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿12﴾

میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿13﴾

اور تمھیں ایک دوسری (نعمت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے، [1] ایمانداروں کو خوشخبری دے دو ○ [2]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ

اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ [3] جس طرح مریم کے بیٹے عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، [4] پس بنی اسرائیل میں سے ایک

---

1 یعنی جب تم اس کی راہ میں لڑو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔ ﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾ (محمد 47:7) ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔'' ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ﴾ (حج 22:40) ''اور یقیناً اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔'' آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اسے فتح قریب قرار دیا۔ اور اس سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض نے فارس و روم کی عظیم الشان سلطنتوں پر مسلمانوں کے غلبے کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ جو دورِ خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

2 جنت کی بھی، مرنے کے بعد۔ اور فتح و نصرت کی بھی، دنیا میں۔ بشرطیکہ اہل ایمان، ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔ ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:139) ''اور تم ہی سربلند ہو گے، اگر تم مومن ہو۔'' آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے دین کی نصرت کی مزید ترغیب دے رہا ہے۔

3 تمام حالتوں میں، اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے بھی اور جان و مال کے ذریعے سے بھی۔ جب بھی، جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی تمھیں اللہ اور اس کا رسول اپنے دین کے لیے پکارے، تم فوراً ان کی پکار پر لبیک کہو، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کی پکار پر لبیک کہا۔

4 یعنی ہم آپ کے اس دین کی دعوت و تبلیغ میں مددگار ہیں جس کی نشر و اشاعت کا حکم اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں فرماتے: ''کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں، اس لیے کہ قریش مجھے فریضۂ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے۔'' حتیٰ کہ آپ کی اس پکار پر مدینے کے اوس

بَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ وَ كَفَرَتۡ طَّآئِفَةٌ ۚ
فَاَيَّدۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰى عَدُوِّهِمۡ
فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِيۡنَ ﴿14﴾ ع 2/5/10

جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا [1] تو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے پر مدد کی پس وہ غالب آ گئے ○ [2]

اٰیاتھا 11 (62) سُوۡرَةُ الۡجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (110) رکوعاتھا 2

سورۂ جمعہ [3] مدنی ہے، اس میں 11 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ
الۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿1﴾

(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (جو) بادشاہ نہایت پاک (ہے) غالب و باحکمت ہے ○

اور خزرج نے لبیک کہا، آپ کے ہاتھ پر انھوں نے بیعت کی اور آپ کی مدد کا وعدہ کیا۔ نیز آپ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں تو آپ کی حفاظت کی ذمے داری ہم قبول کرتے ہیں، چنانچہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وعدے کے مطابق انھوں نے آپ کی اور آپ کے تمام ساتھیوں کی پوری مدد کی حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام ہی ''انصار'' رکھ دیا اور اب یہ ان کا علم بن گیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ (ابن کثیر)

1 یہ یہود تھے جنھوں نے نبوت عیسیٰ ہی کا انکار نہیں کیا بلکہ ان پر اور ان کی ماں پر بہتان تراشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف وتفرق اس وقت ہوا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ ایک نے کہا کہ عیسیٰ کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر ظہور فرمایا تھا، اب وہ پھر آسمان پر چلا گیا ہے، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ نسطوریہ فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے، باپ نے بیٹے کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ تیسرے فرقے نے کہا: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، یہی فرقہ صحیح تھا۔

2 یعنی نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر ہم نے اسی آخری جماعت کی، دوسرے باطل گروہوں کے مقابلے میں مدد کی، چنانچہ یہ صحیح عقیدے کی حامل جماعت نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئی اور یوں ہم نے ان کو دلائل کے لحاظ سے بھی سب کافروں پر غلبہ عطا فرمایا اور قوت وسلطنت کے اعتبار سے بھی۔ اس غلبے کا آخری ظہور اس وقت پھر ہوگا، جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا جیسا کہ اس نزول اور غلبے کی صراحت احادیث صحیحہ میں تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ (دیکھیے: سورۂ نساء 4:159، 160 کے حواشی۔)

3 نبی ﷺ جمعے کی نماز میں سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 877) تاہم ان کا جمعے کی رات کو عشاء کی نماز میں پڑھنا صحیح روایت سے ثابت نہیں، البتہ ایک ضعیف روایت میں ایسا آتا ہے۔ (لسان المیزان لابن حجر: 3/38 ترجمة سعید بن سماك بن حرب)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ
وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا
مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ﴿۲﴾
وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ
الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۳﴾
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۴﴾
مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ
یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ
بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں [1] میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○
اور دوسروں کے لیے بھی انھی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے۔ [2] اور وہی غالب باحکمت ہے ○
یہ اللہ کا فضل ہے [3] جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے ○
جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ [4] اللہ کی باتوں کو جھٹلانے

---

1 ﴿ الْاُمِّیّٖنَ ﴾ سے مراد عرب ہیں جن کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ ان کے خصوصی ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی رسالت دوسروں کے لیے نہیں تھی لیکن چونکہ اولین مخاطب وہ تھے، اس لیے اللہ کا ان پر یہ زیادہ احسان تھا۔

2 یہ ﴿ الْاُمِّیّٖنَ ﴾ پر عطف ہے، یعنی بَعَثَ فِي آخَرِينَ مِنْهُمْ ﴿ اٰخَرِیْنَ ﴾ سے فارس اور دیگر غیر عرب لوگ مراد ہیں جو قیامت تک آپ پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب وعجم کے وہ تمام لوگ ہیں جو عہد صحابہ کے بعد قیامت تک ہوں گے، چنانچہ اس میں فارس، روم، بربر، سوڈان، ترک، مغول، کرد، چینی اور اہل ہند وغیرہ سب آجاتے ہیں، یعنی آپ کی نبوت سب کے لیے ہے، چنانچہ یہ سب ہی آپ پر ایمان لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد یہ بھی ﴿ مِّنْهُمْ ﴾ کا مصداق، یعنی اولین اسلام لانے والے ﴿ الْاُمِّیّٖنَ ﴾ میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان امت واحدہ ہیں۔ اسی ضمیر کی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ ﴿ اٰخَرِیْنَ ﴾ سے مراد بعد میں ہونے والے عرب ہیں کیونکہ ﴿ مِّنْهُمْ ﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿ الْاُمِّیّٖنَ ﴾ ہیں۔ (فتح القدیر)

3 یہ اشارہ نبوت محمدی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کی طرف بھی۔

4 ﴿ اَسْفَارًا ﴾ سِفْر کی جمع ہے جس کا لغوی معنی ظہور اور انکشاف ہے۔ یہاں معنی ہیں: بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو وہ اپنے معانی کو ظاہر کرتی ہے، اس لیے کتاب کو بھی سِفْر کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں لدی ہوئی ہیں، ان میں کیا لکھا

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑤

والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ⑥

کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! اگر تمھارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا [1] تو تم موت کی تمنا کرو [2] اگر تم سچے ہو ○ [3]

وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ⑦

یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں [4] اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

ہوا ہے۔ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو اٹھائے پھرتے ہیں، اس کو پڑھنے اور یاد کرنے کے وعدے بھی کرتے ہیں لیکن اسے سمجھتے ہیں نہ اس کے مقتضا پر عمل کرتے ہیں بلکہ اس میں تاویل وتحریف اور تغیر وتبدل سے کام لیتے ہیں، اس لیے یہ حقیقت میں گدھے سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم وشعور سے ہی عاری ہوتا ہے جبکہ ان کے اندر فہم وشعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (الأعراف7:179) ''یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔'' یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص علماء کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں، اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی ومطالب کو سمجھتے ہیں لیکن اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے۔

1 جیسے وہ کہا کرتے تھے کہ ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔'' (المآئدۃ5:18) اور دعویٰ کرتے تھے کہ ''جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہوگا۔'' (البقرۃ2:111)

2 تاکہ تمھیں وہ اعزاز واکرام حاصل ہو جو تمھارے زعم کے مطابق تمھارے لیے ہونا چاہیے۔

3 اس لیے کہ جس کو یہ علم ہو کہ مرنے کے بعد اس کے لیے جنت ہے، وہ تو وہاں جلد پہنچنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے، یعنی اس میں ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اپنے دعوائے ولایت ومحبوبیت میں سچے ہو تو مسلمانوں کے ساتھ مباہلہ کرلو، یعنی مسلمان اور یہودی دونوں مل کر بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ یا اللہ! ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار فرما دے۔ (دیکھیے: سورۂ بقرہ 2:94 کا حاشیہ)

4 یعنی کفر ومعاصی اور کتاب الٰہی میں تحریف وتغیر کا جو ارتکاب یہ کرتے رہے ہیں، ان کے باعث کبھی بھی یہ موت کی آرزو نہیں کریں گے۔

قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِیۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیۡكُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿8﴾ ع 1/8/11

کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمھیں پہنچ کر رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمھیں تمھارے کیے ہوئے تمام کام بتلا دے گا ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِكۡرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ ؕ ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿9﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔[1] یہ تمھارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ ابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو[2] اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم

1 یہ اذان کس طرح دی جائے، اس کے الفاظ کیا ہوں۔ یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، البتہ حدیث میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن ہے نہ اس پر عمل کرنا ہی۔ جمعہ کو، جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تھا، یوں تمام مخلوقات کا اس دن اجتماع ہو گیا یا نماز کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بنا پر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر) ﴿فَاسۡعَوۡا﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ دوڑ کر آؤ بلکہ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد آ جاؤ اور کاروبار بند کر دو کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا ممنوع ہے، وقار اور سکینت کے ساتھ آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:636، و صحيح مسلم، حديث:602) اذان سے وہی اذان مراد ہے جو عہد رسالت میں ہوتی تھی، اور یہ اذان اس وقت دی جاتی جب آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہو جاتے۔ (فتح القدیر) اس لیے اسی اذان نبوی پر اکتفا بہتر ہے۔ بعض حضرات نے ﴿وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ﴾ ''خرید و فروخت چھوڑ دو'' سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ صرف شہروں میں فرض ہے، اہل دیہات پر نہیں کیونکہ کاروبار اور خرید و فروخت شہروں میں ہی ہوتی ہے، دیہاتوں میں نہیں، حالانکہ اول تو دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو، اس لیے یہ دعویٰ ہی خلاف واقعہ ہے۔ دوسرا بیع اور کاروبار سے مطلب، دنیا کے مشاغل ہیں، وہ جیسے بھی اور جس قسم کے بھی ہوں۔ اذان جمعہ کے بعد انھیں ترک کر دیا جائے۔ کیا اہل دیہات کے مشاغل دنیا نہیں ہوتے؟ کیا کھیتی باڑی اور کاروبار مشاغل دنیا سے مختلف چیز ہے؟

2 اس سے مراد کاروبار اور تجارت ہے، یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے اپنے کاروبار اور دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو جاؤ۔ مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نماز

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩
وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا
اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ
خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ
ع 2/3 12 خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع

فلاح پالو ○
اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آ جائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔[1] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے پاس جو ہے[2] وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے[3] اور اللہ بہترین روزی رساں ہے[4] ○

اٰيَاتُهَا 11 (63) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (104) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ منافقون مدنی ہے، اس میں 11 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ
وقف لازم لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں،[5]

کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔

1 ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک قافلہ (غلہ لے کر) آ گیا، لوگوں کو پتہ چلا تو خطبہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لیے چلے گئے کہ کہیں سامان فروخت اور ختم نہ ہو جائے صرف 12 آدمی مسجد میں رہ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4899، و صحيح مسلم، حديث: 863) اِنفِضَاض کے معنی ہیں، مائل اور متوجہ ہونا، دوڑ کر منتشر ہو جانا۔ ﴿اِلَيْهَا﴾ میں ضمیر کا مرجع ﴿تِجَارَةً﴾ ہے۔ یہاں صرف ضمیر تجارت پر اکتفا کیا، اس لیے کہ جب تجارت بھی، باوجود جائز اور ضروری ہونے کے، دوران خطبہ مذموم ہے تو کھیل وغیرہ کے مذموم ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ﴿قَآئِمًا﴾ سے معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ کھڑے ہو کر دینا سنت ہے، چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آپ کے دو خطبے ہوتے تھے، جن کے درمیان آپ بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ (صحيح مسلم، حديث: 86)

2 یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کی جو جزائے عظیم ہے۔

3 جس کی طرف تم دوڑ کر گئے اور مسجد سے نکل گئے اور خطبۂ جمعہ کی سماعت بھی نہیں کی۔

4 پس اسی سے روزی طلب کرو اور اطاعت کے ذریعے سے اسی کی طرف وسیلہ پکڑو۔ اس کی اطاعت اور اس کی طرف انابت تحصیل رزق کا بہت بڑا سبب ہے۔

5 منافقین سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ①

اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں۔[1] اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں ○[2]

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②

انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے[3] پس اللہ کی راہ سے رک گئے،[4] بے شک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں ○

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③

یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر کافر ہو گئے[5] پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اب یہ نہیں سمجھتے ○

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى

جب آپ انھیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں،[6] یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں پر اپنا کان لگائیں،[7] گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے سے لگائی ہوئیں،[8] ہر سخت آواز کو اپنے

---

1 یہ جملہ معترضہ ہے جو مضمون ماقبل کی تاکید کے لیے ہے جس کا اظہار منافقین بطور نفاق کے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو ویسے ہی زبان سے کہتے ہیں، ان کے دل اس یقین سے خالی ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

2 اس بات میں کہ وہ دل سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، یعنی دل سے گواہی نہیں دیتے صرف زبان سے دھوکا دینے کے لیے اظہار کرتے ہیں۔

3 یعنی وہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمھاری طرح مسلمان ہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، انھوں نے اپنی اس قسم کو ڈھال بنا رکھا ہے اس کے ذریعے سے وہ تم سے بچے رہتے ہیں اور کافروں کی طرح یہ تمھاری تلواروں کی زد میں نہیں آتے۔

4 دوسرا ترجمہ ہے کہ انھوں نے شک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔

5 اس سے معلوم ہوا کہ منافقین بھی صریح کافر ہیں۔

6 یعنی ان کے حسن و جمال اور رونق وشادابی کی وجہ سے۔

7 یعنی زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے۔

8 یعنی اپنی درازیٔ قد اور حسن ورعنائی، عدم فہم اور قلت خیر میں ایسے ہیں گویا کہ دیوار پر لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو تو بھلی لگتی ہیں لیکن کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مطلب ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ

يُؤْفَكُوْنَ ④

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ⑤

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑥

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ

خلاف سمجھتے ہیں۔ [1] یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچو اللہ انھیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں ○

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمھارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں [2] اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں [3] ○

ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے۔ [4] اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔ [5] بے شک اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں [6] اور آسمان وزمین کے کل خزانے اللہ کی

کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں جو کسی بات کو سمجھتی ہیں نہ جانتی ہیں۔ (فتح القدیر)

1 یعنی بزدل ایسے ہیں کہ کوئی زوردار آواز سن لیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نازل ہو گئی ہے۔ یا گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا ہے، جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔

2 یعنی استغفار سے اعراض کرتے ہوئے اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں۔

3 یعنی کہنے والے کی بات سے منہ موڑ لیں گے یا رسول اللہ ﷺ سے اعراض کر لیں گے۔

4 اپنے نفاق پر اصرار اور کفر پر استمرار کی وجہ سے وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں استغفار اور عدم استغفار ان کے حق میں برابر ہے۔

5 اگر اسی حالت نفاق میں وہ مر گئے۔ ہاں اگر وہ زندگی میں کفر و نفاق سے تائب ہو جائیں تو بات اور ہے، پھر ان کی مغفرت ممکن ہے۔

6 ایک غزوے میں (جسے اہل سیر غزوۂ مُرَیسیع یا غزوۂ بنی مصطلق کہتے ہیں) ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی حمایت کے لیے انصار اور مہاجرین کو پکارا، جس پر عبداللہ بن ابی (منافق) نے انصار سے کہا کہ تم نے مہاجرین کی مدد کی اور ان کو اپنے ساتھ رکھا، اب دیکھ لو، اس کا نتیجہ سامنے آرہا ہے، یعنی یہ اب تمھارا کھا کر تمھی پر غرا رہے ہیں۔ ان کا علاج تو یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنا بند کر دو، یہ اپنے آپ تتر بتر ہو جائیں گے۔ نیز اس

الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ
الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ
ع 1/8/13 الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ
وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

ملکیت ہیں [1] لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں ○ [2]
یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت
والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ [3] سنو! عزت تو
صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان
داروں کے لیے ہے [4] لیکن یہ منافق جانتے نہیں ○ [5]
اے مسلمانو! تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ
کے ذکر سے غافل نہ کر دے، [6] اور جو ایسا کریں وہ

نے یہ بھی کہا کہ ہم (جو عزت والے ہیں) ان ذلیلوں (مہاجروں) کو مدینے سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات خبیثہ سن لیے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر بتلایا، آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر حضرت زید بن ارقم کو سخت ملال ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صداقت کے اظہار کے لیے سورۂ منافقون نازل فرما دی، جس میں عبداللہ بن ابی کے کردار کو پوری طرح طشت از بام کر دیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث:4900)

1 مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے کہ رزق کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جس کو جتنا چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے۔

2 منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے، اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ انصار اگر مہاجرین کی طرف دست تعاون دراز نہ کریں تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔

3 اس کا کہنے والا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا، عزت والے سے اس کی مراد، وہ خود اور اس کے رفقاء تھے اور ذلت والے سے (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان۔

4 یعنی عزت اور غلبہ صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور پھر وہ اپنی طرف سے جس کو چاہے عزت و غلبہ عطا فرما دے، چنانچہ وہ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عزت اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے نافرمان ہوں۔ یہ منافقین کے قول کی تردید فرمائی کہ عزتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معزز بھی وہی ہے جسے وہ معزز سمجھے، نہ کہ وہ جو اپنے آپ کو معزز یا اہل دنیا جس کو معزز سمجھیں اور اللہ کے ہاں معزز صرف اور صرف اہل ایمان ہوں گے، کافر اور اہل نفاق نہیں۔

5 اس لیے ایسے کام نہیں کرتے جو ان کے لیے مفید ہیں اور ان چیزوں سے نہیں بچتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔

6 یعنی مال اور اولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آ جائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حلال و حرام کی حدوں کی پروا نہ کرو۔ منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨
وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ
لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ
وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩
وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪ ع 2/3/14

بڑے ہی زیاں کار لوگ ہیں ○
اور جو کچھ ہم نے تمھیں دے رکھا ہے اس میں سے ہماری راہ میں اس سے پہلے خرچ کرو [1] کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا؟ [2] کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں ○
اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے پھر اسے اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ بخوبی باخبر ہے ○

آیاتھا 18 (64) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (108) رکوعاتھا 2

سورۂ تغابن مدنی ہے، اس میں 18 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
(تمام چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں [3] اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف ہے، [4] اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○
اسی نے تمھیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض تو کافر ہیں

منافقین کا کردار ہے جو انسان کو خسارے میں ڈالنے والا ہے۔ اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں، یعنی اس کے احکام و فرائض کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔

1 خرچ کرنے سے مراد زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ میں اور اسی طرح اگر حج کی استطاعت ہو تو اس کی ادائیگی میں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ موت کا کوئی پتہ نہیں کس وقت آ جائے۔ اور یہ فرائض اس کے ذمے رہ جائیں کیونکہ موت کے وقت آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

3 یعنی آسمان و زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص و عیب سے تنزیہ و تقدیس بیان کرتی ہے۔ زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی جیسا کہ پہلے گزرا۔

4 یعنی یہ دونوں خوبیاں بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے جو عارضی ہے، کسی کے پاس کچھ حسن و کمال ہے تو اسی مالک الملک کی کرم گستری کا نتیجہ ہے، اس لیے اصل تعریف کا مستحق

مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

اور بعض ایمان دار ہیں، اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب دیکھ رہا ہے○ [1]

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

اسی نے آسمانوں اور زمین کو عدل و حکمت سے پیدا کیا، [2] اسی نے تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں [3] اور اسی کی طرف لوٹنا ہے○ [4]

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

وہ آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کی

بھی صرف وہی ہے۔

1 یعنی انسان کے لیے خیر وشر، نیکی اور بدی اور کفر وایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی جو آزادی دی ہے۔ اس کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے۔ اس نے کسی پر جبر نہیں کیا۔ اگر وہ جبر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر ومعصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر ہی نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح انسان کی آزمائش ممکن نہیں تھی، جبکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزمانا تھا۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملك 67:2) ''جس نے موت وحیات کو پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔'' بنابریں جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا عمل وکسب ہے جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح مومن اور ایمان کا خالق بھی اللہ ہے لیکن ایمان اس مومن کا کسب وعمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب وعمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزا ملے گی کیونکہ وہ سب کے عمل دیکھ رہا ہے۔

2 اور وہ عدل وحکمت یہی ہے کہ محسن کو اس کے احسان کی اور بدکار کو اس کی بدی کی جزا دے، چنانچہ وہ اس عدل کا مکمل اہتمام قیامت والے دن فرمائے گا۔

3 تمھاری شکل وصورت، قد وقامت اور خد وخال نہایت خوب صورت بنائے، جس سے اللہ کی دوسری مخلوق محروم ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ (المؤمن 64:40) ''(اللہ نے) تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمھیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔'' ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ○الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ○فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ○﴾ (الانفطار 82:6-8) ''اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر بنایا جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔''

4 کسی اور کی طرف نہیں کہ اللہ کے محاسبے اور مؤاخذے سے بچاؤ ہو جائے۔

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④
اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤
ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫
فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ
غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥

باتوں تک کو جاننے والا ہے ○ [1]
کیا تمھارے پاس اس سے پہلے کے کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جنھوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا [2] اور جن کے لیے دردناک عذاب ہے ○ [3]
یہ اس لیے [4] کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انھوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری راہنمائی کرے گا؟ [5] پس انکار کر دیا [6] اور منہ پھیر لیا [7] اور اللہ نے بھی بے نیازی کی، [8] اور اللہ تو ہے ہی بہت بے نیاز، [9] سب خوبیوں والا ○ [10]

---

1 یعنی اس کا علم کائنات ارضی وسماوی سب پر محیط ہے بلکہ تمھارے سینوں کے رازوں تک سے وہ واقف ہے۔اس سے قبل جو وعدے اور وعیدیں بیان ہوئی ہیں، یہ ان کی تاکید ہے۔

2 یہ اہل مکہ سے بالخصوص اور کفار عرب سے بالعموم خطاب ہے۔اور ماقبل کافروں سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ ہیں۔جنھیں ان کے کفر ومعصیت کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے دوچار کر کے تباہ وبرباد کر دیا گیا۔

3 یعنی دنیوی عذاب کے علاوہ آخرت میں۔

4 ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اشارہ ہے اس عذاب کی طرف جو دنیا میں انھیں ملا اور آخرت میں بھی انھیں ملے گا۔

5 یہ ان کے کفر کی علت ہے کہ انھوں نے یہ کفر، جو ان کے عذاب دارین کا باعث بنا، اس لیے اختیار کیا کہ انھوں نے ایک بشر کو اپنا ہادی ماننے سے انکار کر دیا، یعنی ایک انسان کا رسول بن کر لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آنا، ان کے لیے ناقابل قبول تھا جیسا کہ آج بھی اہل بدعت کے لیے رسول کو بشر ماننا نہایت گراں ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

6 چنانچہ اس بنا پر انھوں نے رسولوں کو رسول ماننے سے اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

7 یعنی ان سے اعراض کیا اور جو دعوت وہ پیش کرتے تھے، اس پر انھوں نے غور وتدبر ہی نہیں کیا۔

8 یعنی ان کے ایمان اور ان کی عبادت سے۔

9 اس کو کسی کی عبادت سے کیا فائدہ اور اس کی عبادت سے انکار کرنے سے کیا نقصان۔

10 یا محمود ہے (تعریف کیا گیا) تمام مخلوقات کی طرف سے، یعنی ہر مخلوق زبان حال وقال سے اس کی حمد وتعریف میں رطب اللسان ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦

ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔[1] آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے[2] پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیے جاؤ گے[3] اوراللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے ○[4]

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧

سوتم اللہ اوراس کے رسول پر[5] اوراس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ[6] اور اللہ تمھارے ہر عمل پر باخبر ہے ○

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ

جس دن تم سب کواس جمع ہونے کے دن[7] جمع کرے گا

---

1 یعنی یہ عقیدہ کہ قیامت والے دن دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، یہ کافروں کا محض گمان ہے جس کی پشت پر دلیل کوئی نہیں۔ زعم کا اطلاق کذب پر بھی ہوتا ہے۔

2 قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی قسم کھا کر یہ اعلان کرے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک یہ مقام ہے اس سے قبل ایک مقام سورۂ یونس 53:10 اور دوسرا مقام سورۂ سبا 3:34 میں ہے۔

3 یہ وقوع قیامت کی حکمت ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو کیوں دوبارہ زندہ کرے گا، اس لیے کہ وہاں ہر ایک کواس کے عمل کی پوری جزا دی جائے کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جزا مکمل شکل میں بالعموم نہیں ملتی۔ نیک کو نہ بد کو۔ اب اگر قیامت والے دن بھی مکمل جزا کا اہتمام نہ ہوتو دنیا ایک کھلنڈرے کا کھیل اور فعل عبث ہی قرار پائے گی جبکہ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس کا تو کوئی فعل عبث نہیں، چہ جائیکہ جن وانس کی تخلیق کو بے مقصد اور ایک کھیل سمجھ لیا جائے۔ تَعَالَى اللهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا.

4 یہ دوبارہ زندگی، انسانوں کو کتنی ہی مشکل یا مستبعد نظر آتی ہو لیکن اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

5 ﴿ فَاٰمِنُوْا ﴾ میں فاء فصیحہ ہے جو شرط مقدر پر دلالت کرتی ہے۔ أَيْ إِذَا كَانَ الْأَمْرُ هٰكَذَا فَصَدِّقُوا بِاللّٰهِ ...... ، یعنی جب معاملہ اس طرح ہے جو بیان ہوا تو اللہ پر اوراس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی تصدیق کرو۔

6 آپ کے ساتھ نازل ہونے والا یہ نور قرآن مجید ہے جس سے گمراہی کی تاریکیاں چھٹتی ہیں اور ایمان کی روشنی پھیلتی ہے۔

7 قیامت کو ﴿ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ﴾ اس لیے کہا کہ اس دن اول وآخر سب ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے۔ فرشتہ پکارے گا تو سب اس کی آواز سنیں گے، ہر ایک کی نگاہ آخر تک پہنچ جائے گی کیونکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ○ ﴾ (ھود 103:11) ”وہ دن

التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ
صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ⑨
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ⑩ ع 1 10 15
مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

وہ یہی دن ہے ہار جیت کا [1] اور جو شخص اللہ پر ایمان لا کر نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی جہنمی ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ○

کوئی مصیبت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی، [2] جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے [3] اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

(لوگو!) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، پس اگر تم اعراض

جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ، وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔'' ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝﴾ (الواقعة 56: 49، 50) ''کہہ دیجیے: یقیناً تمام پہلے اور پچھلے ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر ضرور اکٹھے کیے جانے والے ہیں۔''

1 یعنی ایک گروہ جیت جائے گا اور ایک ہار جائے گا، اہل حق اہل باطل پر، ایمان والے اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر جیت جائیں گے، سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہوگی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی وہ مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لیے تھے، اگر وہ جہنم میں جانے والے کام نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کے حصے میں آئے گی جو جہنم میں داخل ہوں گے، جنھوں نے خیر کو شر سے، عمدہ چیز کو ردی سے اور نعمتوں کو عذاب سے بدل لیا۔ غبن کے معنی نقصان اور خسارے کے بھی ہیں، یعنی نقصان کا دن۔ اس دن کافروں کو تو خسارے کا احساس ہوگا ہی۔ اہل ایمان کو بھی اس اعتبار سے خسارے کا احساس ہوگا کہ انھوں نے اور زیادہ نیکیاں کر کے مزید درجات کیوں نہ حاصل کیے۔

2 یعنی اس کی تقدیر اور مشیت سے ہی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس کے نزول کا سبب کفار کا یہ قول ہے کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو دنیا کی مصیبتیں انھیں نہ پہنچتیں۔ (فتح القدیر)

3 یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے، اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے ہی پہنچا ہے، پس وہ صبر اور رضا بالقضا

تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭
اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ

کرو تو ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف پہنچا دینا ہے ○ [1]
اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے ○ [2]
اے ایمان والو! تمھاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمھارے دشمن ہیں [3] پس ان سے ہوشیار رہنا [4] اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ [5]
تمھارے مال اور اولاد تو سراسر تمھاری آزمائش ہیں۔ [6]

کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کے دل میں یقین راسخ کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ اس کو پہنچنے والی چیز اس سے چوک نہیں سکتی اور جو اس سے چوک جانے والی ہے، وہ اسے پہنچ نہیں سکتی۔ (ابن كثير)

1 یعنی ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں: اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔ (فتح القدير)

2 یعنی تمام معاملات اسی کو سونپیں، اسی پر اعتماد کریں اور صرف اسی سے دعا و التجا کریں کیونکہ اس کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے ہی نہیں۔

3 یعنی جو تمھیں عمل صالح اور اطاعت الٰہی سے روکیں، سمجھ لو وہ تمھارے خیر خواہ نہیں، دشمن ہیں۔

4 یعنی ان کے پیچھے لگنے سے بچو بلکہ انھیں اپنے پیچھے لگاؤ تاکہ وہ بھی اطاعت الٰہی اختیار کریں، نہ کہ تم ان کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب کر لو۔

5 اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکے میں مسلمان ہونے والے بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ آنے کا ارادہ کیا جیسا کہ اس وقت ہجرت کا حکم نہایت تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا۔ لیکن ان کے بیوی بچے آڑے آ گئے اور انھوں نے انھیں ہجرت نہیں کرنے دی، پھر بعد میں جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے تو دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والوں نے دین میں بہت زیادہ سمجھ حاصل کر لی ہے تو انھیں اپنے بیوی بچوں پر غصہ آیا جنھوں نے انھیں ہجرت سے روکے رکھا تھا، چنانچہ انھوں نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس میں انھیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ (جامع الترمذي، حديث:3317)

6 جو تمھیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں، پس اس آزمائش میں تم اسی وقت

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮
فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا
وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ⑯
اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ
لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ
حَلِيْمٌ ۙ⑰
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ⑱ ع 2 8 16

اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے ○ [1]
پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ [2] اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمھارے لیے بہتر ہے [3] اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے ○
اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے [4] تو وہ اسے تمھارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمھارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ [5] اللہ بڑا اقدر دان بڑا بردبار ہے ○ [6]
وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، زبردست حکمت والا ہے ○

اٰيَاتُهَا 12 (65) سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (99) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ طلاق مدنی ہے، اس میں 12 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
اے نبی! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو [7] تو ان کی

سرخرو ہو سکتے ہو، جب تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ مال و اولاد جہاں اللہ کی نعمت ہے، وہاں یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہے۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا اطاعت گزار کون ہے اور نافرمان کون۔

1 یعنی اس شخص کے لیے جو مال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔

2 یعنی اللہ اور رسول کی باتوں کو توجہ اور غور سے سنو اور ان پر عمل کرو، اس لیے کہ صرف سن لینا بے فائدہ ہے، جب تک عمل نہ ہو۔

3 خَيْرًا أَيْ إِنْفَاقًا خَيْرًا یا يَكُنِ الْإِنْفَاقُ خَيْرًا انفاق عام ہے، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔

4 یعنی اخلاص نیت اور طیبِ نفس (خوش دلی) کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

5 یعنی کئی کئی گنا بڑھانے کے ساتھ وہ تمھارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔

6 وہ اپنے اطاعت گزاروں کو اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اجر و ثواب سے نوازتا ہے اور معصیت کاروں کا فوری مؤاخذہ نہیں فرماتا۔

7 نبی ﷺ سے خطاب آپ کے شرف و مرتبت کی وجہ سے ہے، ورنہ حکم تو امت کو دیا جارہا ہے۔ یا آپ ہی کو بطور خاص خطاب ہے اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے ہے اور امت کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ ہی کافی ہے۔ ﴿طَلَّقْتُمْ﴾

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ

عدت (کے دنوں کے آغاز) میں انھیں طلاق دو[1] اور عدت کا حساب رکھو،[2] اور اللہ سے جو تمھارا پروردگار ہے ڈرتے رہو، نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو[3] اور نہ وہ (خود) نکلیں[4] ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں،[5] یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا[6] ،تم نہیں

کا مطلب ہے جب طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلو۔

1 اس میں طلاق دینے کا طریقہ اور وقت بتلایا ہے۔ ﴿لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں لام توقیت کے لیے ہے، یعنی لِأَوَّلِ یا لِاسْتِقْبَالِ عِدَّتِهِنَّ (عدت کے آغاز میں) طلاق دو، یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق دو۔ حالت طہر اس کی عدت کا آغاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں یا طہر میں ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دینا غلط طریقہ ہے۔ اس کو فقہاء طلاق بدعی سے اور پہلے (صحیح) طریقے کو طلاق سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے اور انھیں اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ حالت طہر میں طلاق دینا اور اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث:5251) تاہم حیض میں دی گئی طلاق بھی، باوجود بدعی ہونے کے واقع ہو جائے گی۔ محدثین اور جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں، البتہ امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ طلاق بدعی کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: نیل الأوطار:249/6 اور دیگر شروحات حدیث)

2 یعنی اس کی ابتدا اور انتہا کا خیال رکھو تا کہ عورت اس کے بعد نکاح ثانی کر سکے یا اگر تم ہی رجوع کرنا چاہو، (پہلی اور دوسری طلاق کی صورت میں) تو عدت کے اندر رجوع کر سکو۔

3 یعنی طلاق دیتے ہی عورت کو اپنے گھر سے مت نکالو بلکہ عدت تک اسے گھر میں ہی رہنے دو اور اس وقت تک رہائش اور نان ونفقہ تمھاری ذمے داری ہے۔

4 یعنی عدت کے دوران خود عورت بھی گھر سے باہر نکلنے سے احتراز کرے، اِلَّا یہ کہ کوئی بہت ہی ضروری معاملہ ہو۔

5 یعنی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے یا بدزبانی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرے جس سے گھر والوں کو تکلیف ہو۔ دونوں صورتوں میں اس کا اخراج جائز ہوگا۔

6 یعنی احکام مذکورہ، اللہ کی حدیں ہیں جن سے تجاوز خود اپنے آپ پر ہی ظلم کرنا ہے کیونکہ اس کے دینی اور دنیوی

يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

جانتے شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی بات پیدا کر دے ○ [1]
پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ
جائیں تو انھیں یا تو قاعدے کے مطابق اپنے نکاح میں

نقصانات خود تجاوز کرنے والے کو ہی بھگتنے پڑیں گے۔

1 یعنی مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کر دے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے جیسا کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (فتح القدیر) اسی سے امام احمد اور دیگر بعض علماء نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ رہائش اور نفقے کی جو تاکید کی گئی ہے وہ ان عورتوں کے لیے ہے جن کو ان کے خاوندوں نے پہلی یا دوسری طلاق دی ہو کیونکہ ان میں خاوند کے رجوع کا حق برقرار رہتا ہے۔ اور جس عورت کو مختلف اوقات میں دو طلاقیں مل چکی ہوں تو تیسری طلاق اس کے لیے طلاقِ بتہ یا بائنہ ہے، اس کا سُکْنٰی (رہائش) اور نفقہ خاوند کے ذمے نہیں ہے۔ اس کو فوراً خاوند کے مکان سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا کیونکہ خاوند اب اس سے رجوع کر کے اسے اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا۔ ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ ''یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔'' اور پھر وہ اپنی مرضی سے کسی وجہ سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے، اس لیے اب اس خاوند کے پاس رہنے کا اور اس سے نان ونفقہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب اس کے خاوند نے اس کو تیسری طلاق بھی دے دی اور اس کے بعد اسے خاوند کے مکان سے نکلنے کے لیے کہا گیا تو وہ آمادہ نہیں ہوئی بالآخر معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا کہ اس کے لیے رہائش اور نفقہ نہیں ہے، اسے فوراً کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے بلکہ بعض روایات میں صراحت بھی ہے: «إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ»(سنن النسائي، حديث:3432، و مسند أحمد: 417/6) ''رہائش اور خرچہ اس عورت کو ملے گا جس کے خاوند کو رجوع کرنے کا حق باقی ہو۔'' البتہ بعض روایات میں حاملہ عورت کے لیے بھی نفقہ اور رہائش کی صراحت ہے۔ (تفصیل اور حوالوں کے لیے دیکھیے: نیل الأوطار: 342-338/6) بعض لوگ ان روایات کو قرآن کے مذکورہ حکم ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ﴾ کے خلاف باور کرا کے ان کو رد کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کا حکم اپنے گرد وپیش کے قرائن کے پیش نظر مُطلَّقہ رَجعیّہ سے متعلق ہے۔ اور اگر اسے عام مان بھی لیا جائے تو یہ روایات اس کی مُخصّص ہیں، یعنی قرآن کے عموم کو ان روایات نے مُطلَّقہ رَجعیّہ کے لیے خاص کر دیا اور مطلقۂ بائنہ کو اس عموم سے نکال دیا ہے۔

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿2﴾

رہنے دو یا دستور کے مطابق انھیں الگ کر دو [1] اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کرلو [2] اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔ [3] یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے ○ [4]

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿3﴾

اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔ [5] اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے ○ [6]

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ

تمھاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں، اگر تمھیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو [7] اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل

---

1 مطلقہ مدخولہ کی عدت تین حیض ہے۔ اگر رجوع کرنا مقصود ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلو۔ بصورت دیگر انھیں معروف طریقے کے مطابق اپنے سے جدا کر دو۔

2 اس رجعت اور بعض کے نزدیک طلاق پر گواہ کرلو۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں، استحباب کے لیے ہے، یعنی گواہ بنالینا بہتر ہے، تاہم ضروری نہیں۔

3 یہ تاکید گواہوں کو ہے کہ وہ کسی کی رو رعایت اور لالچ کے بغیر صحیح صحیح گواہی دیں۔

4 یعنی شدائد اور آزمائشوں سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔

5 یعنی وہ جو چاہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

6 تنگیوں کے لیے بھی اور آسانیوں کے لیے بھی۔ یہ دونوں اپنے وقت پر انتہا پذیر ہو جاتے ہیں۔ بعض نے اس سے حیض اور عدت مراد لی ہے۔

7 یہ ان کی عدت ہے جن کا حیض عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا یا جنھیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ نادر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے اور اسے حیض نہیں آتا۔

يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④
ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ
وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤
اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ
وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا
عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا

ہے [1] اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کر دے گا○
یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمھاری طرف اتارا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا○
تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو [2] اور انھیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ [3] اور اگر وہ حمل سے ہوں تو جب

---

1 مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، چاہے دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت یہی ہے چاہے وہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھیے: صحيح البخاري، حديث:5318، و صحيح مسلم، حديث:1485، و جامع الترمذي، حديث:1193، و سنن أبي داود، حديث:2306، و سنن النسائي، حديث:3538، و سنن ابن ماجه، حديث:2027) دیگر عورتیں جن کے خاوند فوت ہو جائیں، ان کی عدت 4 مہینے 10 دن ہے۔ (البقرة 2:234)

2 یعنی مطلقہ رجعیہ کو، اس لیے کہ مطلقۂ بائنہ کے لیے تو رہائش اور نفقہ ضروری ہی نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحے میں بیان ہوا۔ اپنی طاقت کے مطابق رکھنے کا مطلب ہے کہ اگر مکان فراخ ہو اور اس میں متعدد کمرے ہوں تو ایک کمرہ اس کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ بصورت دیگر اپنا کمرہ اس کے لیے خالی کر دے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ قریب رہ کر عدت گزارے گی تو شاید خاوند کا دل پسیج جائے اور رجوع کرنے کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ خاص طور پر اگر بچے بھی ہوں تو پھر رغبت اور رجوع کا قوی امکان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے جس کی وجہ سے اس حکم کے فوائد وحِکَم سے بھی وہ محروم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں طلاق کے ساتھ ہی جس طرح عورت کو فوراً اچھوت بنا کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے یا بعض دفعہ لڑکی والے اسے اپنے گھر لے جاتے ہیں، یہ رواج قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔

3 یعنی نان ونفقہ میں یا رہائش میں اسے تنگ اور بے آبرو کرنا تا کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ عدت کے دوران ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے قریب ہو تو پھر رجوع کر لے اور بار بار ایسا کرے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔ جس کے سدباب کے لیے شریعت نے طلاق کے بعد رجوع کرنے کی حد مقرر فرما دی تا کہ کوئی شخص آئندہ اس طرح عورت کو تنگ نہ کرے، اب ایک انسان دو مرتبہ تو

عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ فَاِنۡ
اَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ۚ
وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ
تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ؕ ⑥

تک بچہ پیدا ہو لے انھیں خرچ دیتے رہا کرو [1] پھر اگر تمھارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دے دو [2] اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو [3] اور اگر تم آپس میں کشمکش کرو تو اس کے کہنے سے کوئی اور دودھ پلائے گی ○ [4]

لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ
عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ
سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ⑦ ع 1/7 17

کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے [5] اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو [6] اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (اپنی حسبِ حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے، [7] اللہ تنگی کے

ایسا کرسکتا ہے، یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لینا۔ لیکن تیسری مرتبہ جب طلاق دے گا تو اس کے بعد اس کے رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔

1 یعنی مطلقہ خواہ بائنہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر حاملہ ہے تو اس کا نفقہ وسُکنٰی ضروری ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔

2 یعنی طلاق دینے کے بعد اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کی اجرت تمھارے ذمے ہے۔

3 یعنی باہمی مشورے سے اجرت اور دیگر معاملات طے کر لیے جائیں، مثلاً: بچے کا باپ عرف کے مطابق اجرت دے اور ماں، باپ کی استطاعت کے مطابق اجرت طلب کرے وغیرہ۔

4 یعنی آپس میں اجرت وغیرہ کا معاملہ طے نہ ہو سکے تو کسی دوسری اَنّا کے ساتھ معاملہ کر لے جو اس کے بچے کو دودھ پلائے۔

5 یعنی دودھ پلانے والی عورتوں کو اجرت اپنی طاقت کے مطابق دی جائے اگر اللہ نے مال و دولت میں فراخی عطا فرمائی ہے تو اسی فراخی کے ساتھ مُرْضِعَة کی خدمت ضروری ہے۔

6 یعنی مالی لحاظ سے وہ کمزور ہو۔

7 اس لیے وہ غریب اور کمزور کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ دودھ پلانے والی کو زیادہ اجرت ہی دے۔ مطلب ان ہدایات کا یہ ہے کہ بچے کی ماں اور بچے کا باپ دونوں ایسا مناسب رویہ اختیار کریں کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ سنگین نہ ہو، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوۡلُوۡدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ (البقرة 2:233) ”نہ ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور نہ باپ کو۔“

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ⑩
رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا

بعد آسانی بھی کر دے گا○ [1]

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ انھوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی [2] تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور انھیں عذاب کیا اَن دیکھا سخت عذاب○ [3] پس انھوں نے اپنے کرتوت کا مزہ چکھ لیا اور انجامِ کار ان کا خسارہ ہی ہوا○

ان کے لیے اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل مند ایمان والو! یقیناً اللہ نے تمھاری طرف نصیحت اتار دی ہے○

(یعنی) رسول [4] جو تمھیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے، [5] اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے [6] اللہ

---

1 چنانچہ جو اللہ پر اعتماد و توکل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آسانی و کشادگی سے بھی نواز دیتا ہے۔

2 ﴿عَتَتْ﴾ أَيْ تَمَرَّدَتْ وَطَغَتْ وَ اسْتَكْبَرَتْ عَنِ اتِّبَاعِ أَمْرِاللهِ وَمُتَابَعَةِ رُسُلِهِ ”اللہ کے حکم اور اس کے رسولوں کی پیروی سے انکار کیا۔“

3 ﴿نُّكْرًا﴾ مُنْكَرًا فَظِيعًا (ہولناک آفت) حساب اور عذاب، دونوں سے مراد دنیاوی مؤاخذہ اور سزا ہے یا پھر بقول بعض کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ﴿عَذَابًا نُّكْرًا﴾ وہ عذاب ہے جو دنیا میں قحط، خسف و مسخ وغیرہ کی شکل میں انھیں پہنچا اور ﴿حِسَابًا شَدِيْدًا﴾ وہ ہے جو آخرت میں ہوگا۔ (فتح القدير)

4 ﴿رَّسُوْلًا﴾ ذِكْرًا سے بدل ہے بمعنی ذاکر، بطور مبالغہ رسول کو ذکر سے تعبیر فرمایا، جیسے کہتے ہیں: وہ تو مجسم عدل ہے۔ یا ”ذکر“ سے مراد قرآن ہے اور ﴿رَّسُوْلًا﴾ سے پہلے اَرْسَلْنَا محذوف ہے، یعنی ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور رسول کو بھیجا۔

5 یہ رسول کا منصب اور فریضہ بیان کیا گیا کہ وہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اخلاقی پستیوں سے اور شرک و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل صالح کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ رسول سے یہاں مراد الرَّسُول یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

6 اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہی سے انسان اندھیروں سے نکل کر روشنی

يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪

اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے ○

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫ ع 2/5/18

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔[1] اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے[2] تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے[3] ○

اٰیاتھا 12 (66) سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (107) رکوعاتھا 2

سورۂ تحریم مدنی ہے، اس میں 12 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کی طرف آسکتے ہیں۔ عمل صالح میں دونوں باتیں شامل ہیں، احکام وفرائض کی ادائیگی اور معصیات ومنہیات سے اجتناب۔ مطلب ہے کہ جنت میں وہی لوگ داخل ہوں گے جنھوں نے صرف زبان سے ہی ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے حقیقی ایمان لاکر اس کے تقاضوں کے مطابق فرائض پر عمل اور معاصی سے اجتناب کیا تھا۔

1 أَيْ خَلَقَ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات آسمانوں کی طرح، اللہ نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ بعض نے اس سے سات اقالیم مراد لیے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جس طرح اوپر نیچے سات آسمان ہیں، اسی طرح سات زمینیں ہیں احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ.» (صحيح مسلم، حديث140-(1610)) ''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم سے ہتھیا لی تو قیامت والے دن ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔'' صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: «خُسِفَ بِهِ إِلٰى سَبْعِ أَرْضِينَ» ''اس کو ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث:2454) اور جنھوں نے یہ کہا ہے کہ ہر زمین میں، اسی طرح کا پیغمبر ہے جس طرح کا پیغمبر تمھاری زمین پر آیا، مثلاً: آدم، آدم کی طرح۔ نوح، نوح کی طرح۔ ابراہیم، ابراہیم کی طرح۔ عیسیٰ، عیسیٰ کی طرح (علیہم السلام) یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں بلکہ باطل بات ہے۔

2 یعنی جس طرح ہر آسمان پر اللہ کا حکم نافذ اور غالب ہے، اسی طرح ہر زمین پر اس کا حکم چلتا ہے، آسمانوں کی طرح ساتوں زمینوں کی بھی وہ تدبیر فرماتا ہے۔

3 پس اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، چاہے وہ کیسی ہی ہو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟[1] (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ○

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ

تحقیق اللہ نے تمھارے لیے قسموں کو کھول ڈالنا مقرر کر دیا ہے[2] اور اللہ تمھارا کارساز ہے اور وہی (پورے)

1 نبی ﷺ نے جس چیز کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا وہ کیا تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا؟ اس سلسلے میں ایک تو وہ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے اور وہاں شہد پیتے، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں نے وہاں معمول سے زیادہ دیر تک آپ کو ٹھہرنے سے روکنے کے لیے یہ اسکیم تیار کی کہ ان میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو وہ ان سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول! آپ کے منہ سے مغافیر (ایک قسم کا پھول جس میں بساند ہوتی ہے) کی بو آ رہی ہے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تو زینب کے گھر صرف شہد پیا ہے۔ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں پیوں گا لیکن یہ بات تم کسی کو مت بتلانا۔'' (صحيح البخاري، حديث:4912) سنن نسائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک لونڈی تھی جس کو آپ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے) (صحيح سنن النسائي:63/3) جبکہ کچھ دوسرے علماء اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں جن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ گئیں جبکہ حضرت حفصہ موجود نہیں تھیں۔ اتفاق سے انھی کی موجودگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آ گئیں، انھیں نبی ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے نبی ﷺ نے بھی محسوس فرمایا، جس پر آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لیے قسم کھا کر ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتلائے۔ امام ابن حجر ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طرق سے نقل ہوا ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے بیک وقت دونوں ہی واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔ (فتح الباري:838,837/8) امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور دونوں قصوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس بھی نہیں ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔

2 یعنی کفارہ ادا کر کے اس کام کو کرنے کی، جس کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہو، اجازت دے دی، قسم کا یہ کفارہ سورۂ مائدہ 89:5 میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی کفارہ ادا کر کے شہد کا بھی استعمال کیا اور ماریہ رضی اللہ عنہا کا حق بھی ادا کیا۔ (فتح القدير) اس امر میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کا کیا

الْحَكِيْمُ ﴿2﴾	علم والا، حکمت والا ہے ○
وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿3﴾	اور (یاد کرو) جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی،[1] پس جب اس نے اس بات کی خبر کردی[2] اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کردیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتادی اور تھوڑی سی ٹال گئے،[3] پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی۔[4] کہا: سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلا دیا ○[5]
اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ	(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو بہت بہتر ہے[6] یقیناً تمھارے دل جھک پڑے ہیں[7] اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد

حکم ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک بیوی کے علاوہ کسی چیز کو حرام کرنے سے وہ چیز حرام ہوگی نہ اس پر کفارہ ہے، اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام کرے گا تو اس سے اس کا مقصد اگر طلاق ہے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں ہے تو راجح قول کے مطابق یہ قسم ہے، اس کے لیے کفارۂ یمین کی ادائیگی ضروری ہے۔ (أيسر التفاسير مزید دیکھیے: صحيح الجامع، حديث:1463) کفارۂ یمین کا مطلب ہے قسم کا کفارہ۔ (دیکھیے: المآئدة 5:89)

1 وہ پوشیدہ بات شہد کو یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنے والی بات تھی جو آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔

2 یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جا کر بتلا دی۔

3 یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلا دیا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے، تاہم اپنی تکریم وعظمت کے پیش نظر ساری بات بتانے سے اعراض فرمایا۔

4 جب نبی ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ تم نے میرا راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران ہوئیں کیونکہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو یہ بات نہیں بتلائی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے انھیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ آپ کو بتلا دیں گی کیونکہ وہ شریک معاملہ تھیں۔

5 اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

6 یا تمھاری توبہ قبول کر لی جائے گی، یہ شرط ﴿اِنْ تَتُوْبَآ﴾ کا جواب محذوف ہے۔

7 یعنی حق سے ہٹ گئے ہیں اور وہ ہے ان کا ایسی چیز کا پسند کرنا جو نبی ﷺ کے لیے ناگوار تھی۔ (فتح القدير)

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④

کرو گی، پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں ○ [1]

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ⑤

اگر وہ (پیغمبر) تمھیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انھیں ان کا رب تمھارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے۔ [2] جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اللہ کے حضور جھکنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت بجالانے والیاں روزے رکھنے والیاں ہوں گی بیوہ اور کنواریاں ○ [3]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ [4] جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر،

---

1 یعنی نبی کے مقابلے میں تم جتھا بندی کرو گی تو نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، اس لیے کہ نبی کا مددگار تو اللہ بھی ہے اور مؤمنین اور ملائکہ بھی۔

2 یہ تنبیہ کے طور پر ازواج مطہرات کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے۔

3 ﴿ثَيِّبٰتٍ﴾ ثَيِّبٌ کی جمع ہے، (لوٹ آنے والی) بیوہ عورت کو ثَيِّبٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاوند سے واپس لوٹ آتی ہے اور پھر اس طرح بے خاوند رہ جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ ﴿اَبْكَارًا﴾ بِكْرٌ کی جمع ہے، کنواری عورت۔ اسے بکر اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ ابھی اپنی اسی پہلی حالت پر ہوتی ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ (فتح القدیر) بعض روایات میں آتا ہے کہ ثَيِّبٌ سے حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور بکر سے حضرت مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) مراد ہیں، یعنی جنت میں ان دونوں کو نبی ﷺ کی بیویاں بنا دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن ان روایات کی بنیاد پر ایسا خیال رکھنا یا بیان کرنا صحیح نہیں ہے جو اس سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں کیونکہ سنداً یہ روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

4 اس میں اہل ایمان کو ان کی ایک نہایت اہم ذمے داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ ہے، اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر کے بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انھیں سرزنش کرو۔ (سنن أبي داود، حديث:494، وجامع الترمذي، حديث: 407) فقہاء نے کہا ہے: اسی طرح روزے ان سے رکھوائے جائیں اور دیگر احکام کے اتباع کی تلقین انھیں کی جائے۔

وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ
شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ
وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥

جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنھیں جو حکم اللہ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا
الْيَوْمَ ط اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ع ⑦ ع 1/7/19

اے کافرو! آج تم عذر و معذرت مت کرو۔ تمھیں صرف تمھارے کرتوت کا بدلہ دیا جارہا ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لا يَوْمَ لَا
يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ ج نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔[1] قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے گناہ دور کردے اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جس دن اللہ نبی کو اور ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمیں کامل نور عطا فرما[2] اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو[3] اور ان پر

تاکہ جب وہ شعور کی عمر کو پہنچیں تو اس دین حق کا شعور بھی انھیں حاصل ہو چکا ہو۔ (ابن کثیر)

1 خالص توبہ یہ ہے کہ ① جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے، اسے ترک کردے۔ ② اس پر اللہ کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار کرے۔ ③ آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم رکھے۔ ④ اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے، اس کا ازالہ کرے۔ جس کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس سے معافی مانگے۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

2 یہ دعا اہل ایمان اس وقت کریں گے جب منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا جیسا کہ سورۂ حدید میں تفصیل گزری۔ اہل ایمان کہیں گے: جنت میں داخل ہونے تک ہمارے اس نور کو باقی رکھ اور اس کا اتمام فرما۔

3 کفار کے ساتھ جہاد، سلاح و قتال کے ساتھ اور منافقین سے، ان پر حدود الٰہی قائم کرکے، جب وہ ایسے کام کریں جو موجب حد ہوں۔

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا
امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا
تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ
اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدّٰخِلِيْنَ ⑩

سختی کرو، [1] ان کا ٹھکانا جہنم ہے [2] اور وہ بہت بری جگہ ہے ○
اللہ نے کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، [3] یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی انھوں نے خیانت کی، [4] پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے کسی عذاب کو نہ روک سکے [5] اور حکم دے دیا گیا دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ ○ [6]

1 یعنی دعوت وتبلیغ میں سختی اور احکام شریعت میں درشتی اختیار کریں کیونکہ یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے ماننے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حکمت تبلیغ کبھی نرمی کی متقاضی ہوتی ہے اور کبھی سختی کی۔ ہر جگہ نرمی بھی مناسب نہیں اور ہر جگہ سختی بھی مفید نہیں رہتی۔ تبلیغ ودعوت میں حالات وظروف اور اشخاص وافراد کے اعتبار سے نرمی یا سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

2 یعنی کافروں اور منافقوں دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

3 مَثَلٌ کا مطلب ہے کسی ایسی حالت کا بیان کرنا جس میں ندرت وغرابت ہوتا کہ اس کے ذریعے سے ایک دوسری حالت کا تعارف ہو جائے جو ندرت وغرابت میں اس کے مماثل ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کافروں کے حال کے لیے اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے جو نوح اور لوط کی بیویوں کی ہے۔

4 یہاں خیانت سے مراد عصمت میں خیانت نہیں کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہوئی۔ (فتح القدیر) خیانت سے مراد ہے کہ یہ اپنے خاوندوں پر ایمان نہیں لائیں، نفاق میں مبتلا رہیں اور ان کی ہمدردیاں اپنی کافر قوموں کے ساتھ رہیں، چنانچہ نوح علیہ السلام کی بیوی، حضرت نوح علیہ السلام کی بابت لوگوں سے کہتی کہ یہ مجنون (دیوانہ) ہے اور لوط کی بیوی اپنی قوم کو گھر میں آنے والے مہمانوں کی اطلاع پہنچاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں میں اپنے خاوندوں کی چغلیاں کھاتی تھیں۔

5 یعنی نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے جو اللہ کے مقرب ترین بندوں میں سے ہوتے ہیں، اپنی بیویوں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے۔

6 یہ انھیں قیامت والے دن کہا جائے گا یا موت کے وقت انھیں کہا گیا۔ کافروں کی یہ مثال بطور خاص یہاں ذکر کرنے سے مقصود ازواج مطہرات کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بے شک اس رسول کے حرم کی زینت ہیں جو تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہے۔ لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انھوں نے رسول کی مخالفت کی یا انھیں تکلیف پہنچائی تو وہ بھی اللہ

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿11﴾

وقف لازم

اور اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی [1] جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے ○

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۧ﴿12﴾

ع 2/5/20

اور (مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی [2] جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس اس میں روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں [3] اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور عبادت گزاروں میں سے تھی ○ [4]

کی گرفت میں آ سکتی ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر کوئی ان کو بچانے والا نہیں ہوگا۔

1 یعنی ان کی ترغیب، ثبات قدمی، استقامت فی الدین اور شدائد میں صبر کے لیے۔ نیز یہ بتلانے کے لیے کہ کفر کی صولت وشوکت ایمان والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، جیسے فرعون کی بیوی ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کے تحت تھی۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو ایمان سے نہیں روک سکا۔

2 حضرت مریم کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ ایک بگڑی ہوئی قوم کے درمیان رہتی تھیں لیکن اللہ نے انھیں دنیا و آخرت میں شرف و کرامت سے سرفراز فرمایا اور تمام جہان کی عورتوں پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔

3 کلمات رب سے مراد، شرائع الٰہی ہیں۔

4 یعنی ایسے لوگوں میں سے یا خاندان میں سے تھیں جو فرماں بردار، عبادت گزار اور صلاح و طاعت میں ممتاز تھا۔ حدیث میں ہے: جنتی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہن ہیں، (مسند أحمد:293/1، و مجمع الزوائد:357/9، والسلسلة الصحيحة :13/4) ایک دوسری حدیث میں فرمایا ”مردوں میں تو کامل بہت ہوئے ہیں مگر عورتوں میں کامل صرف فرعون کی بیوی آسیہ، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہن ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔“(صحيح البخاري ، حديث:5418، و صحيح مسلم، حديث:2431)

اٰیَاتُهَا 30 (67) سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (77) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ ملک مکی [1] ہے، اس میں 30 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ①

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے [2] اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ②

جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے، [3] اور وہ غالب (اور) بخشنے والا ہے ○

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى

جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا، (تو اے

---

1 اس کی فضیلت میں متعدد روایات آتی ہیں جن میں سے صرف چند روایات صحیح یا حسن ہیں۔ ایک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف 30 آیات ہیں، یہ آدمی کی سفارش کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جائے گا۔'' (جامع الترمذي، حديث:2891، وسنن أبي داود، حديث:1400، وسنن ابن ماجه، حديث:3786، ومسند أحمد 2/:299و321) دوسری روایت میں ہے: ''قرآن مجید میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی حتیٰ کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی۔'' (مجمع الزوائد:270/7،وذكره الألباني في صحيح الجامع الصغير ، حديث:3644) جامع ترمذی کی ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک ضرور پڑھتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3404) ایک روایت شیخ البانی نے صحیحہ میں نقل کی ہے: «سُوْرَةُ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» (السلسلة الصحيحة للألباني:131/3) ''سورۂ ملک عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔'' یعنی اس کا پڑھنے والا امید ہے کہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ بشرطیکہ وہ احکام و فرائض اسلام کا پابند ہو۔

2 ﴿ تَبٰرَكَ ﴾ بَرَكَةٌ سے ہے، النَّمَاءُ وَالزِّيَادَةُ بڑھوتری اور زیادتی کے معنی میں۔ بعض نے معنی کیے ہیں، مخلوقات کی صفات سے بلند اور برتر۔ تفاعل کا صیغہ مبالغے کے لیے ہے۔ ''اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔'' یعنی ہر طرح کی قدرت اور غلبہ اسی کو حاصل ہے، وہ کائنات میں جس طرح کا تصرف کرے، کوئی اسے روک نہیں سکتا، وہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنادے، امیر کو غریب، غریب کو امیر کردے۔ کوئی اس کی حکمت و مشیت میں دخل نہیں دے سکتا۔

3 روح، ایک ایسی غیر مرئی چیز ہے کہ جس بدن سے اس کا تعلق و اتصال ہو جائے، وہ زندہ کہلاتا ہے اور جس بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے، وہ موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ عارضی زندگی کا سلسلہ، جس کے بعد موت ہے، اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے۔ جو اسے ایمان و اطاعت کے لیے استعمال کرے گا، اس کے لیے بہترین جزا ہے اور دوسروں کے لیے عذاب۔

فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③

دیکھنے والے!) رحمٰن کے پیدا کرنے میں تو کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا،[1] دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے ○[2]

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④

پھر دوہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل (وعاجز) ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی ○[3]

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤

بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت والا بنا دیا اور انھیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ[4] بنا دیا اور شیطانوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر دیا ○

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥

اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے ○

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۙ ⑦

جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ○[5]

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا

قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے،[6]

---

1 یعنی کوئی تناقض، کوئی کجی، کوئی نقص اور کوئی خلل نہیں بلکہ وہ بالکل سیدھے اور برابر ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہی ہے متعدد نہیں ہیں۔

2 بعض دفعہ دوبارہ غور سے دیکھنے سے کوئی نقص اور عیب نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوت دے رہا ہے کہ بار بار دیکھو کہ کیا تمھیں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔

3 یہ مزید تاکید ہے جس سے مقصد اپنی عظیم قدرت اور وحدانیت کو واضح تر کرنا ہے۔

4 یہاں ستاروں کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں: ایک آسمانوں کی زینت کیونکہ وہ چراغوں کی طرح جلتے نظر آتے ہیں۔ دوسرے، شیطان اگر آسمانوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شرارہ بن کر ان پر گرتے ہیں۔ تیسرا مقصد ان کا یہ ہے جسے دوسرے مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے بر و بحر میں راستوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ (النحل 16:16)

5 ﴿شَهِيْقًا﴾ گدھے کے حلق سے نکلنے والی شروع کی آواز کو کہتے ہیں، یہ قبیح ترین آواز ہوتی ہے۔ جہنم بھی گدھے کی طرح چیخ اور چلا رہی اور آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش مار رہی ہوگی۔

6 یا مارے غیظ وغضب کے اس کے حصے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ جہنم کافروں کو دیکھ کر غضب ناک

فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ⑧

جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمھارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟ ○ [1]

قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ⑨

وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! بے شک آیا تھا، لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو ○ [2]

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ⑩

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے ○ [3]

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ⑪

پس وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے [4] سو دفع ہو جائیں دوزخی ○ [5]

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ⑫

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے ○ [6]

ہوگی جس کا شعور اللہ تعالیٰ اس کے اندر پیدا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جہنم کے اندر یہ ادراک وشعور پیدا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

1 جس کی وجہ سے تمھیں آج جہنم کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا ہے۔

2 یعنی ہم نے پیغمبروں کی تصدیق کرنے کی بجائے انھیں جھٹلایا، آسمانی کتابوں کا ہی سرے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اللہ کے پیغمبروں کو ہم نے کہا کہ تم بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

3 یعنی غور اور توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں اور نصیحتوں کو آویزۂ گوش بنا لیتے، اسی طرح اللہ کی دی ہوئی عقل سے بھی سوچنے سمجھنے کا کام لیتے تو آج ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔

4 جس کی بنا پر مستحق عذاب قرار پائے اور وہ ہے کفر اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب۔

5 یعنی اب ان کے لیے اللہ سے اور اس کی رحمت سے دوری ہی دوری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سُحْقٌ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

6 یہ اہل کفر وتکذیب کے مقابلے میں اہل ایمان کا اور ان نعمتوں کا ذکر ہے جو انھیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ملیں گی۔ ﴿بِالْغَیْبِ﴾ کا ایک مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب، یعنی

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬

اور تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو [1] وہ تو سینوں کی باتوں تک کو بھی بخوبی جانتا ہے ○ [2]

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ ع 1/14

بھلا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ [3] حالانکہ وہ بڑا باریک بین باخبر ہے ○ [4]

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ⑮

وہ ذات جس نے تمھارے لیے زمین کو پست و مطیع کر دیا [5] تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو [6] اور اس کے دیے ہوئے رزق میں سے کھاؤ (پیو) [7] اور اُسی کی طرف (تمھیں) جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے ○

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ⑯

کیا تم اس ذات سے بے خوف ہوگئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے ○ [8]

خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے رہے۔

1 یہ پھر کافروں سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں چھپ کر باتیں کرو یا علانیہ، سب اللہ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔

2 یہ سرو جہر جاننے کی تعلیل ہے کہ وہ تو سینوں کے رازوں اور دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے، تمھاری باتیں کس طرح اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

3 یعنی سینوں اور دلوں اور ان میں پیدا ہونے والے خیالات، سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو کیا وہ اپنی مخلوق سے بے علم رہ سکتا ہے؟ استفہام، انکار کے لیے ہے، یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔

4 ﴿اللَّطِيْفُ﴾ کے معنی ہی باریک بین کے ہیں: اَلَّذِي لَطُفَ عِلْمُهُ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ (فتح القدير) ”جس کا علم اتنا لطیف ہے کہ دلوں میں پرورش پانے والی باتوں کو بھی وہ جانتا ہے۔“

5 ﴿ذَلُوْلًا﴾ کے معنی، مطیع و منقاد کے ہیں جو تمھارے سامنے جھک جائے، سرتابی نہ کرے، یعنی زمین کو تمھارے لیے نرم اور آسان کر دیا ہے، اسے اس طرح سخت نہیں بنایا کہ تمھارا اس پر آباد ہونا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔

6 مَنَاكِبُ مَنْكِبٌ کی جمع ہے، جانب۔ یہاں اس سے مراد اس کے راستے اور اطراف و جوانب ہیں۔ امر اباحت کے لیے ہے، یعنی اس کے راستوں میں چلو۔

7 یعنی زمین کی پیداوار سے کھاؤ پیو۔

8 یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں پر، یعنی عرش پر جلوہ گر ہے، یہ کافروں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ آسمانوں والی ذات جب

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ⑰

یا کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟[1] پھر تو تمھیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا ○[2]

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ⑱

اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو دیکھو ان پر میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟ ○

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ⑲

وقف لازم اختلافی

کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سمیٹے ہوئے اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے،[3] انھیں رحمٰن ہی (ہوا و فضا میں) تھامے ہوئے ہے۔[4] بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے ○

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۚ ⑳

سوائے اللہ رحمٰن کے تمھارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمھاری مدد کر سکے؟[5] کافر تو سراسر دھوکے ہی میں ہیں ○[6]

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ

اگر اللہ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر

چاہے تمھیں زمین میں دھنسا دے، یعنی وہی زمین جو تمھاری قرارگاہ ہے اور تمھاری روزی کا مخزن ومنبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی زمین کو، جو نہایت پرسکون ہے، حرکت وجنبش میں لا کر تمھاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

1 جیسے اس نے قوم لوط اور اصحاب الفیل (ہاتھیوں والے اَبْرَہَہ اور اس کے لشکر) پر برسائے اور پتھروں کی بارش سے ان کو ہلاک کر دیا۔

2 لیکن اس وقت یہ علم بے فائدہ ہوگا۔

3 پرندہ جب ہوا میں اڑتا ہے تو وہ پر پھیلا لیتا ہے اور کبھی دوران پرواز پروں کو سمیٹ لیتا ہے۔ یہ پھیلانا، صَفّ اور سمیٹ لینا قَبْض ہے۔

4 یعنی دوران پرواز ان پرندوں کو تھامے رکھنے والا کون ہے جو انھیں زمین پر گرنے نہیں دیتا۔ یہ اللہ رحمٰن ہی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

5 یہ استفہام تقریع وتوبیخ کے لیے ہے۔ ﴿جُنْدٌ﴾ کے معنی ہیں لشکر، جتھا، یعنی کوئی لشکر اور جتھا ایسا نہیں ہے جو تمھیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

6 جس میں انھیں شیطان نے مبتلا کیا ہوا ہے۔

رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿21﴾

تمھیں روزی دے گا؟ [1] بلکہ وہ (کافر) تو سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں ○ [2]

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿22﴾

اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلے [3] یا وہ جو سیدھا (پیروں کے بل) راہ راست پر چل رہا ہو؟ ○ [4]

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا

کہہ دیجیے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمھیں پیدا کیا [5] اور تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے [6] تم بہت ہی کم

---

1 یعنی اللہ بارش نہ برسائے یا زمین ہی کو پیداوار سے روک دے یا تیار شدہ فصلوں کو تباہ کر دے جیسا کہ بعض دفعہ وہ ایسا کرتا ہے جس کی وجہ سے تمھاری خوراک کا سلسلہ موقوف ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو کیا کوئی اور ہے جو اللہ کی اس مشیت کے برعکس تمھیں روزی مہیا کر دے؟

2 یعنی وعظ و نصیحت کی ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ وہ حق سے سرکشی اور اعراض و نفور میں ہی بڑھتے چلے جا رہے ہیں، عبرت پکڑتے ہیں اور نہ غور و فکر کرتے ہیں۔

3 منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں، بائیں اور آگے کچھ نظر نہیں آتا، نہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیا ایسا شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں اللہ کی معصیتوں میں ڈوبا ہوا شخص آخرت کی کامیابی سے محروم رہے گا۔

4 جس میں کوئی کجی اور انحراف نہ ہو اور اس کو آگے اور دائیں بائیں بھی نظر آ رہا ہو۔ ظاہر ہے یہ شخص اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے گا، یعنی اللہ کی اطاعت کا سیدھا راستہ اپنانے والا آخرت میں سرخ رو رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر دونوں کی اس کیفیت کا بیان ہے جو قیامت والے دن ان کی ہو گی۔ کافر منہ کے بل جہنم میں لے جائے جائیں گے اور مومن سیدھے اپنے قدموں پر چل کر جنت میں جائیں گے، جیسے کافروں کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:97) ''ہم انھیں قیامت والے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے۔''

5 یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

6 جن سے تم سن سکو، دیکھ سکو اور اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کر کے اللہ کو سمجھ سکو۔ تین قوتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے انسان مسموعات، مبصرات اور معقولات کا ادراک کر سکتا ہے، یہ ایک طرح سے اتمام حجت بھی ہے اور اللہ کی ان نعمتوں پر شکر نہ کرنے کی مذمت بھی۔ اسی لیے آگے فرمایا: تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔

تَشْكُرُوْنَ ﴿23﴾
قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿24﴾
وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ﴿25﴾
قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا
نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿26﴾
فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَدَّعُوْنَ ﴿27﴾
قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ
اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ

شکر گزاری کرتے ہو ○ [1]
کہہ دیجیے کہ وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلا دیا اور اس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ○ [2]
(کافر) پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہوگا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ؟) ○ [3]
آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، [4] میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں ○ [5]
جب یہ لوگ اس [6] وعدے کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے [7] اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے ○ [8]
آپ کہہ دیجیے: اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے بہر صورت یہ تو بتاؤ کہ

---

1 یعنی شُکْرًا قَلِیلًا یا زَمَنًا قَلِیلًا یا قِلّتِ شکر سے مراد ان کی طرف سے شکر کا عدم وجود ہے۔

2 یعنی انسانوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلانے والا بھی وہی ہے اور قیامت والے دن سب جمع بھی اسی کے پاس ہوں گے، کسی اور کے پاس نہیں۔

3 یہ کافر بطور استہزا اور قیامت کو مستبعد سمجھتے ہوئے کہتے تھے۔

4 اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ﴾ (الأعراف 7:187)
''کہہ دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔''

5 یعنی میرا کام تو اس انجام سے ڈرانا ہے جو میری تکذیب کی وجہ سے تمھارا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں میرا کام انذار ہے، غیب کی خبریں بتلانا نہیں اِلّا یہ کہ جس کی بابت خود اللہ مجھے بتلا دے۔

6 ﴿رَاَوْهُ﴾ میں ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین کے نزدیک عذاب قیامت ہے۔

7 یعنی ذلت، ہولناکی اور دہشت سے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ جس کو دوسرے مقام پر چہروں کے سیاہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (آل عمران 3:106)

8 ﴿تَدَّعُوْنَ﴾ اور تَدْعُونَ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، وہی ہے جسے تم دنیا میں جلد طلب کرتے تھے، جیسے سورۂ انفال 8:32، سورۂ ص 38:16 وغیرہ میں ہے۔

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿28﴾

کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ ○ [1]

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿29﴾

آپ کہہ دیجیے کہ وہی رحمٰن ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے [2] اور اسی پر ہمارا بھروسا ہے۔ [3] تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے؟ ○ [4]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿30﴾ ع 2/16/2

آپ کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمھارا (پینے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمھارے لیے نتھرا ہوا پانی لائے؟ ○ [5]

اٰیاتھا 52 (68) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (2) رکوعاتھا 2

سورۂ قلم مکی ہے، اس میں 52 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿1﴾

نٓ [6] قسم ہے قلم کی [7] اور اس کی جو کچھ وہ فرشتے لکھتے ہیں ○ [8]

---

1 مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو موت دے دے یا ان پر رحم کرے لیکن کافروں کے متعلق تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس کے عذاب سے بچنے والے نہیں لیکن وہ اتنے بد بخت ہیں کہ اپنی فکر تو نہیں کرتے، رسول ﷺ اور مومنوں کے بارے میں انتظار کرتے ہیں کہ ان پر عذاب کب آتا ہے؟

2 یعنی اس کی وحدانیت پر، اسی لیے اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔

3 کسی اور پر نہیں۔ ہم اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں، کسی اور کے نہیں، جیسے مشرک کرتے ہیں۔

4 تم ہو یا ہم۔ اس میں کافروں کے لیے سخت وعید ہے۔

5 ﴿غَوْرًا﴾ کے معنی ہیں خشک ہو جانا یا اتنی گہرائی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو، یعنی اگر اللہ تعالیٰ پانی خشک فرما دے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ! پھر کون ہے جو تمھیں جاری، صاف اور نتھرا ہوا پانی مہیا کر دے، یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمھاری معصیتوں کے باوجود وہ تمھیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔

6 ﴿نٓ﴾ اسی طرح حروف مُقَطَّعَات میں سے ہے، جیسے اس سے قبل ص، ق اور دیگر فواتح سُوَر گزر چکے ہیں۔

7 قلم کی قسم کھائی، جس کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے سے تبیین و توضیح ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ خاص قلم ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے ازل سے ابد تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (جامع الترمذي، حديث: 3319 وقال الالباني صحيحٌ)

8 ﴿يَسْطُرُوْنَ﴾ کا مرجع اصحاب قلم ہیں، جس پر قلم کا لفظ دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ آلۂ کتابت کا ذکر کاتب کے وجود

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② | تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے ○ [1]
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③ | اور بے شک تیرے لیے بے انتہا اجر ہے ○ [2]
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ | اور بے شک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے ○ [3]
فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ | پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے ○ [4]
بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ | کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے ○
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ | بے شک تیرا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب جانتا ہے، اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ○
فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ | پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان ○ [5]
وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ | وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ○ [6]

کو مستلزم ہے۔ مطلب ہے کہ اس کی بھی قسم جو لکھنے والے لکھتے ہیں یا پھر مرجع فرشتے ہیں، جیسے ترجمہ سے واضح ہے۔

1 یہ جواب قسم ہے جس میں کفار کے قول کا رد ہے، وہ آپ کو مجنون (دیوانہ) کہتے تھے۔ ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ○﴾ (الحجر 15:6) ''اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا! تو تُو مجنون ہے۔''

2 فریضہ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی باتیں تو نے سنی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ مَنٌّ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔

3 ﴿خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے۔ مطلب ہے کہ تو اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے تجھے قرآن میں یا دین اسلام میں دیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ تہذیب و شائستگی، نرمی اور شفقت، امانت و صداقت، حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: «كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآنَ» (صحیح مسلم، حدیث: 746) ''آپ کا خلق قرآن تھا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب خلق عظیم کے مذکورہ دونوں مفہوموں پر حاوی ہے۔

4 یعنی جب حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے۔

5 اطاعت سے مراد یہاں وہ مدارات ہے جس کا اظہار انسان اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے، یعنی مشرکوں کی طرف جھکنے اور ان کی خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہے۔

6 یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ان کے معبودوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرے تو وہ بھی تیرے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں لیکن باطل کے ساتھ مداہنت کا نتیجہ ہوگا کہ باطل پرست اپنی باطل پرستی کو چھوڑنے میں ڈھیلے ہو

وَلَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ ۝10

اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا ذلیل ہے ○

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيۡمٍ ۝11

بے وقار طعنے دینے والا، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے ○

مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۝12

بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گناہ گار ہے ○

عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍ ۝13

سنگدل اور ان (سب عیوب) کے علاوہ بے نسب ہے ○ [1]

اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيۡنَ ۝14

اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے ○ [2]

اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝15

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں ○

سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ ۝16

ہم بھی اس کی سونڈ پر داغ دیں گے ○ [3]

اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ ۚ اِذۡ

بے شک ہم نے انھیں اسی طرح آزمالیا [4] جس طرح ہم

جائیں گے، اس لیے حق میں مداہنت حکمتِ تبلیغ اور کارِ نبوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

1 یہ ان کافروں کی اخلاقی پستیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر پیغمبر کو مداہنت کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ یہ صفات ذمیمہ کسی ایک شخص کی بیان کی گئی ہیں یا عام کافروں کی۔ پہلی بات کا مأ خذ اگرچہ بعض روایتیں ہیں مگر وہ غیر مستند ہیں، اس لیے مقصود عام یعنی ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں۔ ﴿ زَنِيۡمٍ ﴾ ولدالحرام یا مشہور و بدنام۔

2 یعنی مذکورہ اخلاقی قباحتوں کا ارتکاب وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا ہے، یعنی وہ شکر کی بجائے کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ بعض نے اسے ﴿ وَلَا تُطِعۡ ﴾ کے متعلق قرار دیا ہے، یعنی جس شخص کے اندر یہ خرابیاں ہوں، اس کی بات صرف اس لیے مان لی جائے کہ وہ مال و اولاد رکھتا ہے؟

3 بعض کے نزدیک اس کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً: کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں ان کافروں کی ناکوں کو تلواروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت والے دن جہنمیوں کی علامت ہوگی کہ ان کی ناکوں کو داغ دیا جائے گا۔ یا اس کا مطلب چہروں کی سیاہی ہے جیسا کہ کافروں کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کا یہ حشر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ممکن ہے۔

4 مراد اہل مکہ ہیں، یعنی ہم نے ان کو مال و دولت سے نوازا تاکہ وہ اللہ کا شکر کریں نہ کہ کفر و تکبر۔ لیکن انھوں نے کفر و استکبار کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے انھیں بھوک اور قحط کی آزمائش میں ڈال دیا جس میں وہ نبی ﷺ کی بددعا کی وجہ سے کچھ عرصہ مبتلا رہے۔

اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ⑰ | نے باغ والوں کو[1] آزمایا تھا جبکہ انھوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل توڑ لیں گے ○[2]

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ⑱ | اور إن شاء الله نہ کہا ○

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑲ | پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں طرف گھوم گئی اور یہ سو رہے تھے ○[3]

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ⑳ | پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ○[4]

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ㉑ | اب صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں ○

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ㉒ | کہ اگر تمھیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چل پڑو ○

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ㉓ | پھر یہ سب چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے ○[5]

اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ㉔ | کہ آج کے دن کوئی مسکین تمھارے پاس نہ آنے پائے ○[6]

---

1 باغ والوں کا قصہ عربوں میں مشہور تھا۔ یہ باغ صَنعآء (یمن) سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غرباء و مساکین پر بھی خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو انھوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، ہم اس کی آمدنی میں سے مساکین اور سائلین کو کس طرح دیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں: یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تھوڑے عرصے بعد ہی پیش آیا۔ (فتح القدیر) یہ ساری تفصیل تفسیری روایات کی ہے۔

2 صَرمٌ کے معنی ہیں: پھل اور کھیتی کا کاٹنا، ﴿مُصْبِحِيْنَ﴾ حال ہے، یعنی صبح ہوتے ہی پھل اتار لیں گے اور پیداوار کاٹ لیں گے۔

3 بعض کہتے ہیں: راتوں رات اسے آگ لگ گئی، بعض کہتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام نے آ کر اسے تہس نہس کر دیا۔

4 یعنی جس طرح کھیتی کٹنے کے بعد خشک ہو جاتی ہے، اس طرح سارا باغ اجڑ گیا۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے: سیاہ رات کی طرح ہو گیا، یعنی جل کر۔

5 یعنی باغ کی طرف جانے کے لیے ایک تو صبح صبح نکلے۔ دوسرے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے تاکہ کسی کو ان کے جانے کا علم نہ ہو۔

6 یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے رہے کہ آج کوئی باغ میں آ کر ہم سے کچھ نہ مانگے جس طرح ہمارے باپ کے زمانے

وَّ غَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ﴿25﴾

اور لپکے ہوئے صبح صبح پہنچ گئے۔ (سمجھ رہے تھے) کہ ہم قابو پا گئے[1] ○

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿26﴾

پھر جب انھوں نے باغ دیکھا[2] تو کہنے لگے: یقیناً ہم راستہ[3] بھول گئے ○

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿27﴾

نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی ○ [4]

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿28﴾

ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟ ○ [5]

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿29﴾

تو سب کہنے لگے: ہمارا رب پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے ○ [6]

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿30﴾

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے ○

میں آیا کرتے تھے اور اپنا حصہ لے جاتے تھے۔

1 ﴿حَرْدٍ﴾ کے ایک معنی تو قوت و شدت کیے گئے ہیں جس کو مترجم مرحوم نے ''لپکے ہوئے'' سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے غصہ اور حسد کیے ہیں، یعنی مساکین پر غیظ و غضب کا اظہار یا حسد کرتے ہوئے۔ ﴿قٰدِرِیْنَ﴾ حال ہے، یعنی اپنے معاملے کا انھوں نے اندازہ کر لیا یا اپنے زعم میں انھوں نے اپنے باغ پر قدرت حاصل کر لی یا مطلب ہے کہ مساکین پر انھوں نے قابو پا لیا۔

2 یعنی باغ والی جگہ کو راکھ کا ڈھیر یا اسے تباہ و برباد دیکھا۔

3 یعنی پہلے پہل تو ایک دوسرے کو کہا۔

4 پھر جب غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جسے اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا ہے اور واقعی یہ ہماری حرماں نصیبی ہے۔

5 بعض نے تسبیح کا مطلب یہاں اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہنا مراد لیا ہے۔

6 یعنی اب انھیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معصیت کا عزم اور اس کے لیے ابتدائی اقدامات بھی، ارتکاب معصیت کی طرح جرم ہے جس پر مؤاخذہ ہوسکتا ہے، صرف وہ ارادہ معاف ہے جو وسوسے کی حد تک رہتا ہے۔ (دیکھیے: سورۂ بقرہ 284:2 کا حاشیہ)

قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا طٰغِیۡنَ ﴿31﴾
کہنے لگے: ہائے افسوس! یقیناً ہم سرکش تھے ○

عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَنَا خَیۡرًا مِّنۡہَاۤ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوۡنَ ﴿32﴾
کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے دے ہم تو اب[1] اپنے رب ہی سے آرزو رکھتے ہیں ○

کَذٰلِکَ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿33﴾ ع 1/33/3 وقف لازم
یوں ہی عذاب آتا ہے[2] اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔ کاش! وہ جانتے ہوتے ○[3]

اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿34﴾
یقیناً پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغات ہیں ○

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿ؕ35﴾
کیا ہم فرمانبرداروں کو گناہ گاروں کے مثل کردیں گے؟ ○[4]

مَا لَکُمۡ ٝ وقفة کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿ۚ36﴾
تمھیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ ○

اَمۡ لَکُمۡ کِتٰبٌ فِیۡہِ تَدۡرُسُوۡنَ ﴿ۙ37﴾
کیا تمھارے پاس کوئی کتاب[5] ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟ ○

اِنَّ لَکُمۡ فِیۡہِ لَمَا تَخَیَّرُوۡنَ ﴿ۚ38﴾
کہ اس میں تمھاری من مانی باتیں ہوں؟ ○

اَمۡ لَکُمۡ اَیۡمَانٌ عَلَیۡنَا بَالِغَۃٌ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ اِنَّ لَکُمۡ لَمَا تَحۡکُمُوۡنَ ﴿ۚ39﴾
یا تم سے ہم نے کچھ قسمیں لی ہیں؟ جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمھارے لیے وہ سب ہے جو تم فیصلہ کرو گے ○[6]

---

1 کہتے ہیں کہ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غرباء و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔ اسی لیے ندامت اور توبہ کے ساتھ رب سے امیدیں بھی وابستہ کیں۔

2 یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والوں کو ہم دنیا میں اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔ (اگر ہماری مشیت اس کی مقتضی ہو۔)

3 لیکن افسوس وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اس لیے پروا نہیں کرتے۔

4 مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم مسلمانوں، یعنی اپنے فرماں برداروں کو مجرموں، یعنی نافرمانوں کی طرح کر دیں۔ مطلب ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے۔

5 جس میں یہ بات لکھی ہو جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو کہ وہاں بھی تمھارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تم پسند کرتے ہو۔

6 یا ہم نے تم سے پکا عہد کر رکھا ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمھارے لیے وہی کچھ ہو گا جس کا تم اپنی بابت فیصلہ کرو گے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۚ﴿40﴾

ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمے دار اور دعویدار ہے؟ ○ [1]

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿41﴾

کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ اپنے اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر یہ سچے ہیں ○ [2]

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۙ﴿42﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے ○ [3]

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿43﴾

ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت وخواری چھا رہی ہوگی، [4] حالانکہ یہ سجدے کے لیے اس وقت بھی بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے ○ [5]

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ

پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے [6] ہم

---

1 کہ وہ قیامت والے دن ان کے لیے وہی کچھ فیصلہ کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے فرمائے گا۔

2 یا جن کو انھوں نے شریک ٹھہرا رکھا ہے، وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلوا دیں گے۔ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تا کہ ان کی صداقت واضح ہو۔

3 بعض نے کشف ساق سے مراد قیامت کے شدائد اور اس کی ہولناکیاں لی ہیں، یہ درست نہیں کیونکہ ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا، (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے، البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھلاوے اور شہرت کے لیے سجدے کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریڑھ کی ہڈی کے منکے، تختے کی طرح ایک ہڈی بن جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لیے جھکنا ناممکن ہو جائے گا۔ (صحيح البخاري، حديث:4919) اللہ تعالیٰ کی یہ پنڈلی کس طرح کی ہوگی۔ اسے وہ کس طرح کھولے گا۔ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں، اس لیے جس طرح ہم بلا کیف و بلا تشبیہ، اس کی آنکھوں، کان، ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں ہے، اس پر اس کی کیفیت بیان کیے بغیر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔

4 یعنی دنیا کے برعکس ان کا معاملہ ہوگا، دنیا میں تکبر وعناد کی وجہ سے ان کی گردنیں اکڑی ہوتی تھیں۔

5 یعنی صحت مند اور توانا تھے، اللہ کی عبادت میں کوئی چیز ان کے لیے مانع نہیں تھی۔ لیکن دنیا میں اللہ کی عبادت سے یہ دور رہے۔

6 یعنی میں ہی ان سے نمٹ لوں گا تو ان کی فکر نہ کر۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿44﴾

انھیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انھیں معلوم بھی نہ ہوگا ○ [1]

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿45﴾

اور میں انھیں ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ○ [2]

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿46﴾ ج

کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تاوان سے یہ دبے جاتے ہوں ○ [3]

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿47﴾ ج

یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے ہوں ○ [4]

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ م اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿48﴾ ط وقف لازم

پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر [5] اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب [6] کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی ○ [7]

---

1 یہ اسی استدراج (ڈھیل دینے) کا ذکر ہے جو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ نافرمانی کے باوجود، دنیوی مال و اسباب کی فراوانی، اللہ کا فضل نہیں ہے، اللہ کے قانون امہال کا نتیجہ ہے، پھر جب وہ گرفت کرنے پر آتا ہے تو کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

2 یہ گزشتہ مضمون ہی کی تاکید ہے۔ کَیْدٌ خفیہ تدبیر اور چال کو کہتے ہیں، اچھے مقصد کے لیے ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے اردو زبان کا کَید نہ سمجھا جائے جس میں ذم ہی کا مفہوم ہوتا ہے۔

3 یہ خطاب نبی ﷺ کو ہے لیکن توبیخ ان کو کی جا رہی ہے جو آپ پر ایمان نہیں لا رہے تھے۔

4 یعنی کیا غیب کا علم ان کے پاس ہے، لوح محفوظ، ان کے تصرف میں ہے کہ اس میں سے جو بات چاہتے ہیں، نقل کر لیتے ہیں (وہاں سے لکھ لاتے ہیں) اس لیے یہ تیری اطاعت اختیار کرنے اور تجھ پر ایمان لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا۔

5 ﴿فَاصْبِرْ﴾ میں فاء تفریع کے لیے ہے، یعنی جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو اے پیغمبر! تو فریضہ رسالت ادا کرتا رہ اور ان مکذبین کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر۔

6 جنھوں نے اپنی قوم کی روش تکذیب کو دیکھتے ہوئے عجلت سے کام لیا اور رب کے فیصلے کے بغیر ہی از خود اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

7 جس کے نتیجے میں انھیں مچھلی کے پیٹ میں جبکہ وہ غم و اندوہ سے بھرے ہوئے تھے، اپنے رب کو مدد کے لیے پکارنا پڑا جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ صافات 37:139-144 کے حواشی)

لَوۡلَاۤ اَنۡ تَدٰرَکَہٗ نِعۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَ ہُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۴۹﴾

اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پالیتی تو یقیناً وہ برے حالوں میں چٹیل زمین میں ڈال دیا جاتا○ [1]

فَاجۡتَبٰہُ رَبُّہٗ فَجَعَلَہٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۵۰﴾

پس اسے اس کے رب نے پھر نوازا [2] اور اسے نیکوکاروں میں کردیا○ [3]

وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِہِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۱﴾

اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں، [4] جب کبھی قرآن سنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ تو ضرور دیوانہ ہے○ [5]

وقف لازم

وَ مَا ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۵۲﴾ ع

رکوع 2 (19) 4

درحقیقت یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر

1 یعنی اللہ تعالیٰ اگر انھیں توبہ ومناجات کی توفیق نہ دیتا اور ان کی دعا قبول نہ فرماتا تو انھیں ساحل سمندر کی بجائے، جہاں ان کے سائے اور خوراک کے لیے بیل دار درخت اگا دیا گیا، کسی بنجر زمین میں پھینک دیا جاتا اور عنداللہ ان کی حیثیت بھی مذموم رہتی جبکہ قبولیت دعا کے بعد وہ محمود ہو گئے۔

2 اس کا مطلب ہے کہ انھیں توانا وتندرست کرنے کے بعد دوبارہ رسالت سے نواز کر انھیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا جیسا کہ سورۂ صافات 37: 146 سے بھی واضح ہے۔

3 اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:2377) مزید دیکھیے: (سورۂ بقرہ2:253 کا حاشیہ نمبر1)

4 یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت وحفاظت نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا، یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی۔ امام ابن کثیر نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، مزید لکھتے ہیں: ''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا دوسروں پر اللہ کے حکم سے اثر انداز ہونا حق ہے۔'' جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لیے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمھیں کوئی چیز اچھی لگے تو ماشاء اللہ یا بارك الله کہا کرو تاکہ اسے نظر نہ لگے، اسی طرح کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا: اسے غسل کروا کے اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر اور کتب حدیث) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ تجھے تبلیغ رسالت سے پھیر دیتے۔

5 یعنی حسد کے طور پر بھی اور اس غرض سے بھی کہ لوگ اس قرآن سے متاثر نہ ہوں بلکہ اس سے دور ہی رہیں، یعنی آنکھوں کے ذریعے سے بھی یہ کفار نبی ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور زبانوں سے بھی آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کے دل کو مجروح کرتے۔

نصیحت ہی ہے ○ [1]

آیاتھا: 52 (69) سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ (78) رکوعاتھا: 2

سورۂ حاقہ مکی ہے، اس میں 52 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ①

ثابت ہونے والی ○ [2]

مَا الْحَآقَّةُ ②

ثابت ہونے والی کیا ہے؟ ○ [3]

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ③

اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟ ○ [4]

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ④

اس کھڑ کا دینے والی کو ثمود اور عاد نے جھٹلا دیا تھا ○ [5]

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ⑤

اس کے نتیجہ میں ثمود تو بے حد خوفناک اور اونچی آواز سے ہلاک کر دیے گئے ○ [6]

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥

اور عاد بے حد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیے گئے ○ [7]

---

1 جب واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن جن وانس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آیا ہے تو پھر اس کو لانے والا اور بیان کرنے والا مجنون (دیوانہ) کس طرح ہو سکتا ہے۔

2 یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس میں امر الٰہی ثابت ہوگا اور خود یہ بھی بہر صورت وقوع پذیر ہونے والی ہے، اس لیے اسے ﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ سے تعبیر فرمایا۔

3 یہ لفظاً استفہام ہے لیکن اس کا مقصد قیامت کی عظمت اور فَخَامتِ شان بیان کرنا ہے۔

4 یعنی کس ذریعے سے تجھے اس کی پوری حقیقت سے آگاہی حاصل ہو۔ مطلب اس کے علم کی نفی ہے۔ گویا کہ تجھے اس کا علم نہیں کیونکہ تو نے ابھی اسے دیکھا ہے اور نہ اس کی ہولنا کیوں کا مشاہدہ کیا ہے، گویا کہ وہ مخلوقات کے دائرۂ علم سے باہر ہے۔ (فتح القدیر) بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں جس کی بابت بھی صیغہ ماضی ﴿مَآ اَدْرٰىكَ﴾ استعمال کیا گیا ہے، اس کو بیان کر دیا گیا ہے اور جس کو مضارع کے صیغے ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ﴾ کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے، اس کا علم لوگوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ (فتح القدير و أيسر التفاسير)

5 اس میں قیامت کو کھڑ کا دینے والی کہا ہے، اس لیے کہ یہ اپنی ہولنا کیوں سے لوگوں کو بیدار کر دے گی۔

6 طَاغِيَةٌ ایسی آواز جو حد سے تجاوز کر جانے والی ہو، یعنی نہایت خوف ناک اور اونچی آواز سے قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا جیسا کہ پہلے متعدد جگہ گزرا۔

7 ﴿صَرْصَرٍ﴾ ''پالے والی ہوا'' ﴿عَاتِيَةٍ﴾ ''سرکش، کسی کے قابو میں نہ آنے والی'' یعنی نہایت تند و تیز، پالے والی اور بے قابو ہوا کے ذریعے سے حضرت ہود کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ ⑦

جسے ان پر برابر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رکھا [1] پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں ○ [2]

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧

کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟ ○

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ ⑨

فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں، [3] انھوں نے بھی خطائیں کیں ○

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩

اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی بالآخر اللہ نے انھیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا ○ [4]

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۙ ⑪

جب پانی میں طغیانی آ گئی [5] تو اس وقت ہم نے تمھیں کشتی میں چڑھا لیا ○ [6]

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫

تا کہ اسے تمھارے لیے نصیحت اور یادگار بنا دیں، [7] اور (تا کہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں ○ [8]

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ ⑬

پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی ○ [9]

---

1 حَسُمٌ کے معنی کاٹنے اور جدا جدا کر دینے کے ہیں اور بعض نے ﴿ حُسُوْمًا ﴾ کے معنی پے در پے کیے ہیں۔

2 اس سے ان کے درازئ قد کی طرف بھی اشارہ ہے، ﴿ خَاوِيَةٍ ﴾ کھوکھلے۔ بے روح جسم کو کھوکھلے تنے سے تشبیہ دی ہے۔

3 اس سے قوم لوط مراد ہے۔

4 ﴿ رَّابِيَةً ﴾ رَبَا يَرْبُو سے ہے جس کے معنی زائد کے ہیں، یعنی ان کی ایسی گرفت کی جو دوسری قوموں کی گرفت سے زائد، یعنی سب میں سخت تر تھی۔ گویا ﴿ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴾ کا مفہوم ہوا، نہایت سخت گرفت۔

5 یعنی پانی ارتفاع اور بلندی میں تجاوز کر گیا، یعنی پانی خوب چڑھ گیا۔

6 ﴿ حَمَلْنٰكُمْ ﴾ میں خطاب اہل زمانہ کو ہے، مطلب ہے کہ تم جن آباء کی پشتوں سے ہو، ہم نے انھیں کشتی میں سوار کر کے بھرے ہوئے پانی سے بچایا تھا۔ ﴿ الْجَارِيَةِ ﴾ سے مراد سفینۂ نوح ہے۔

7 یعنی یہ فعل کہ کافروں کو پانی میں غرق کر دیا اور مومنوں کو کشتی میں سوار کرا کے بچا لیا، تمھارے لیے اس کو عبرت و نصیحت بنا دیں تا کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔

8 یعنی سننے والے اسے سن کر یاد رکھیں اور وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔

9 مُکَذِّبِین کا انجام بیان کرنے کے بعد اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ ﴿ اَلْحَآقَّةُ ﴾ کس طرح واقع ہوگی۔ اسرافیل کی

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿14﴾
اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے،[1] پھر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے ○

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿15﴾
تو اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی ○

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿16﴾
اور آسمان پھٹ جائے گا، چنانچہ وہ اس دن بالکل کمزور ہو جائے گا ○[2]

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿17﴾
اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے،[3] اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ○[4]

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿18﴾
اس دن تم سب سامنے پیش کیے[5] جاؤ گے، تمھارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا ○

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿19﴾
سو جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا[6] تو وہ کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھو ○[7]

ایک ہی پھونک سے یہ برپا ہو جائے گی۔

1 یعنی اپنی جگہوں سے اٹھا لیے جائیں گے اور قدرت الٰہی سے اپنی قرار گاہوں سے ان کو اکھیڑ لیا جائے گا۔

2 یعنی اس میں کوئی قوت اور استحکام نہیں رہے گا جو چیز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، اس میں استحکام کس طرح رہ سکتا ہے۔

3 یعنی آسمان تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر آسمانی مخلوق فرشتے کہاں ہوں گے؟ فرمایا: ''وہ آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔'' اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے آسمان پھٹنے سے قبل اللہ کے حکم سے زمین پر آ جائیں گے تو گویا فرشتے دنیا کے کنارے پر ہوں گے یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آسمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مختلف ٹکڑوں میں ہو گا تو ان ٹکڑوں پر جو زمین کے کناروں میں اور بجائے خود ثابت ہوں گے، ان پر ہوں گے۔ (فتح القدیر)

4 یعنی ان مخصوص فرشتوں نے عرش الٰہی کو اپنے سروں پر اٹھایا ہوا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرش سے مراد وہ عرش ہو جو فیصلوں کے لیے زمین پر رکھا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ (ابن کثیر)

5 یہ پیشی اس لیے نہیں ہو گی کہ جن کو اللہ نہیں جانتا، ان کو جان لے، وہ تو سب کو ہی جانتا ہے، یہ پیشی خود انسانوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ہو گی۔ ورنہ اللہ سے تو کسی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آگے بھی فرمایا۔

6 جو اس کی سعادت، نجات اور کامیابی کی دلیل ہو گا۔

7 یعنی وہ مارے خوشی کے ہر ایک کو کہے گا کہ لو پڑھ لو، میرا اعمال نامہ تو مجھے مل گیا ہے، اس لیے کہ اسے پتہ ہو گا کہ

اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَہۡ ﴿ۚ۲۰﴾
مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے ○ [1]

فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ﴿ۙ۲۱﴾
پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا ○

فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿ۙ۲۲﴾
بلند و بالا جنت میں ○ [2]

قُطُوۡفُہَا دَانِیَۃٌ ﴿۲۳﴾
جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے ○ [3]

کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا ہَنِیۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَۃِ ﴿۲۴﴾
ان سے کہا جائے گا کہ مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے ○ [4]

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ ۬ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَہۡ ﴿ۚ۲۵﴾
لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، تو وہ کہے گا کہ کاش! مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی ○ [5]

وَ لَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَہۡ ﴿ۚ۲۶﴾
اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے ○ [6]

یٰلَیۡتَہَا کَانَتِ الۡقَاضِیَۃَ ﴿ۚ۲۷﴾
کاش کہ موت میرا کام ہی تمام کر دیتی ○ [7]

مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَہۡ ﴿ۚ۲۸﴾
میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا ○

اس میں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی، کچھ برائیاں ہوں گی تو وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی ہوں گی یا ان برائیوں کو بھی حسنات میں تبدیل کر دیا ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ فضل و کرم کی یہ مختلف صورتیں اختیار فرمائے گا۔

1 یعنی آخرت کے حساب کتاب پر میرا کامل یقین تھا۔

2 جنت میں مختلف درجات ہوں گے، ہر درجے کے درمیان بہت فاصلہ ہوگا، جیسے مجاہدین کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث:2790، وصحيح مسلم، حديث:1884)

3 یعنی بالکل قریب ہوں گے، یعنی کوئی لیٹے لیٹے بھی توڑنا چاہے گا تو ممکن ہوگا۔ قُطُوفٌ، قِطۡفٌ کی جمع ہے، چُنے یا توڑے ہوئے، مراد پھل ہیں۔ مَا یُقۡطَفُ مِنَ الثِّمَارِ ''چُنے یا توڑے ہوئے پھل۔''

4 یعنی دنیا میں اعمال صالحہ کیے، یہ جنت ان کا صلہ ہے۔

5 کیونکہ نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا بدبختی کی علامت ہوگا۔

6 یعنی مجھے بتلایا ہی نہ جاتا کیونکہ سارا حساب ان کے خلاف ہوگا۔

7 یعنی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تاکہ یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ج ﴿29﴾
خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ لا ﴿30﴾
ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ لا ﴿31﴾
ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا
فَاسْلُكُوْهُ ط ﴿32﴾
اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ لا ﴿33﴾
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ط ﴿34﴾
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ لا ﴿35﴾
وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لا ﴿36﴾
ع 1 37 5 لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ع ﴿37﴾
فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ لا ﴿38﴾
وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ لا ﴿39﴾

مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی ○ [1]
(حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو ○
پھر اسے دوزخ میں ڈال دو ○ [2]
پھر اسے ایسی زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے،
جکڑ دو ○ [3]
بے شک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا ○ [4]
اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دلاتا تھا ○ [5]
سو آج اس کا یہاں کوئی دوست نہیں ○
اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے ○ [6]
جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا ○ [7]
پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنھیں تم دیکھتے ہو ○
اور ان چیزوں کی جنھیں تم نہیں دیکھتے ○ [8]

---

1 یعنی جس طرح مال میرے کام نہ آیا، جاہ و مرتبہ اور سلطنت و حکومت بھی میرے کام نہ آئی۔ اور آج میں اکیلا ہی یہاں سزا بھگتنے پر مجبور ہوں۔

2 اللہ تعالیٰ یہ حکم ملائکہ جہنم کو دے گا۔

3 یہ ﴿ذِرَاعًا﴾ (ہاتھ) کس کا ذِرَاع ہوگا؟ اور یہ کتنا ہوگا؟ اس کی تعیین نہیں کی گئی، تاہم ظاہر یہ ہے کہ انسانوں کے ہاں مفہوم اور مستعمل ذراع ہی مراد ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زنجیر کی لمبائی ستر ذراع ہوگی۔

4 یہ مذکورہ سزا کی علت یا مجرم کے جرم کا بیان ہے۔

5 یعنی عبادت و اطاعت کے ذریعے سے اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ وہ حقوق ادا کرتا تھا جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔ گویا اہل ایمان میں یہ جامعیت ہوتی ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔

6 بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں کوئی درخت ہے، بعض کہتے ہیں کہ زَقُّوْمٌ ہی کو یہاں ﴿غِسْلِيْنٍ﴾ کہا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنمیوں کی پیپ یا ان کے جسموں سے نکلنے والا خون اور بدبودار پانی ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ.

7 ﴿الْخَاطِئُوْنَ﴾ سے مراد اہل جہنم ہیں جو کفر و شرک کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ یہی گناہ ایسے ہیں جو خلود في النار کا سبب ہیں۔

8 یعنی اللہ کی پیدا کردہ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت و طاقت پر دلالت کرتی ہیں جنھیں تم دیکھتے

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿40﴾
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿41﴾
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ﴿42﴾
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿43﴾
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ﴿44﴾
لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ﴿45﴾
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿46﴾

کہ بے شک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے ○ [1]
یہ کسی شاعر کا قول نہیں [2] (افسوس!) تمھیں بہت کم یقین ہے ○
اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے، [3] (افسوس!) بہت کم نصیحت لے رہے ہو ○ [4]
(یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے ○ [5]
اور اگر وہ ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا ○ [6]
تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ○ [7]
پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے ○ [8]

ہو یا نہیں دیکھتے، ان سب کی قسم ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

1 بزرگ رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور قول سے مراد تلاوت ہے، یعنی رسول کریم اس کی تلاوت کرتے ہیں یا قول سے مراد ایسا قول ہے جو رسول کریم اللہ کی طرف سے تمھیں پہنچاتا ہے کیونکہ قرآن، رسول یا جبرائیل کا قول نہیں ہے بلکہ اللہ کا قول ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے، پھر پیغمبر اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

2 جیسا کہ تم سمجھتے اور کہتے ہو، اس لیے کہ یہ اصناف شعر سے ہے نہ اس کے مشابہ ہے، پھر یہ کسی کا کلام کس طرح ہو سکتا ہے۔

3 جیسا کہ بعض دفعہ تم یہ دعویٰ بھی کرتے ہو، حالانکہ کہانت بھی ایک شئے دیگر ہے۔

4 قِلّت دونوں جگہ نفی کے معنی میں ہے، یعنی تم بالکل قرآن پر ایمان لاتے ہو نہ اس سے نصیحت ہی حاصل کرتے ہو۔

5 یعنی رسول کی زبان سے ادا ہونے والا یہ قول، رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اسے تم کبھی شاعری اور کبھی کہانت کہہ کر اس کی تکذیب کرتے ہو۔

6 یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتا یا اس میں کمی بیشی کر دیتا تو ہم فوراً اس کا مؤاخذہ کرتے اور اسے ڈھیل نہ دیتے جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا۔

7 یا اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کی گرفت کرتے، اس لیے کہ دائیں ہاتھ سے گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے اور اللہ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ (دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث: 1827)

8 خیال رہے یہ سزا، خاص نبیٔ کریم ﷺ کے ضمن میں بیان کی گئی ہے جس سے مقصد آپ کی صداقت کا اظہار ہے۔ اس میں یہ اصول بیان نہیں کیا گیا ہے کہ جو بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا تو جھوٹے مدعی کو ہم فوراً سزا سے دوچار

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿47﴾

پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا ○ [1]

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾

یقیناً یہ (قرآن) پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ہے ○ [2]

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾

یقیناً ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں ○

وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿50﴾

بے شک یہ (جھٹلانا) کافروں پر حسرت ہے ○ [3]

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿51﴾

اور بے شک (وشبہ) یہ یقینی حق ہے ○ [4]

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿52﴾ ع 2 15 6

پس تو اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کر ○ [5]

اٰیاتُھا 44 (70) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (79) رُکُوْعَاتُھا 2

سورۂ معارج مکی ہے، اس میں 44 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿1﴾

ایک سوال کرنے والے [6] نے اس عذاب کا سوال کیا جو

کردیں گے، لہٰذا اس سے کسی جھوٹے نبی کو اس لیے سچا باور نہیں کرایا جا سکتا کہ دنیا میں وہ مؤاخذۂ الٰہی سے بچا رہا۔ واقعات بھی شاہد ہیں کہ متعدد لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور اللہ نے انھیں ڈھیل دی اور دنیوی مؤاخذے سے وہ بالعموم محفوظ ہی رہے، اس لیے اگر اسے اصول مان لیا جائے تو پھر متعدد جھوٹے مدعیان نبوت کو ''سچا نبی'' ماننا پڑے گا۔

1 اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سچے رسول تھے، جن کو اللہ نے سزا نہیں دی بلکہ دلائل و معجزات اور اپنی خاص تائید و نصرت سے انھیں نوازا۔

2 کیونکہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ورنہ قرآن تو سارے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے آیا ہے۔

3 یعنی قیامت والے دن اس پر حسرت کریں گے کہ کاش! ہم نے قرآن کی تکذیب نہ کی ہوتی۔ یا یہ قرآن بجائے خود ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا، جب وہ اہل ایمان کو قرآن کا اجر ملتے ہوئے دیکھیں گے۔

4 یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے ہونا بالکل یقینی ہے، اس میں قطعاً شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یا قیامت کی بابت جو خبر دی جا رہی ہے، وہ بالکل حق اور سچ ہے۔

5 جس نے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی۔

6 کہتے ہیں یہ نضر بن حارث تھا یا ابوجہل تھا جس نے کہا تھا: ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (الأنفال 8:32) ''اے اللہ! اگر قرآن واقعی تیری طرف سے ہے تو تُو آسمان سے ہم پر پتھر برسا دے۔'' چنانچہ یہ شخص جنگ بدر میں مارا گیا۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿2﴾
واقع ہونے والا ہے ○
کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں ○

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿3﴾
اس اللہ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے ○ [1]

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿4﴾
جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں [2] ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے ○ [3]

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿5﴾
پس تو اچھی طرح صبر کر ○

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿6﴾
بے شک یہ اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں ○

ہیں جنھوں نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تھی اور اس کے نتیجے میں اہل مکہ پر قحط سالی مسلط کی گئی تھی۔

1 یا درجات والا، بلندیوں والا ہے جس کی طرف فرشتے چڑھتے ہیں۔

2 ﴿الرُّوْحُ﴾ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، ان کی عظمت شان کے پیش نظر ان کا الگ خصوصی ذکر کیا گیا ہے، ورنہ فرشتوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ یا روح سے مراد انسانی روحیں ہیں جو مرنے کے بعد آسمان پر لے جائی جاتی ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

3 اس ﴿يَوْمٍ﴾ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے جیسا کہ الم السجدہ کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔ پہلا قول ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جو عرش عظیم سے اسفل سافلین (زمین کے ساتویں طبقے) تک ہے۔ یہ مسافت 50 ہزار سال میں طے ہونے والی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ دنیا کی کل مدت ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وقوع قیامت تک، اس میں سے کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تیسرا قول ہے کہ یہ دنیا و آخرت کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن کی مقدار ہے، یعنی کافروں پر یہ یوم حساب پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔ لیکن مومن کے لیے دنیا میں ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی مختصر ہوگا۔ (مسند أحمد: 75/3) امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں زکاۃ ادا نہ کرنے والے کو قیامت والے دن جو عذاب دیا جائے گا، اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهٖ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ» (صحيح مسلم، حديث: 26-(987)) ''یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا ایسے دن میں جس کی مدت تمھاری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال ہوگی۔'' اس تفسیر کی رو سے ﴿فِيْ يَوْمٍ﴾ کا تعلق عذاب سے ہوگا، یعنی وہ واقع ہونے والا عذاب قیامت والے دن ہوگا جو کافروں پر پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔

وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ⑦
يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ⑧
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨
وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ⑩
يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ
مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ⑪
وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ⑫
وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ⑬
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ⑭
كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ⑮
نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ⑯
تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ⑰
وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ⑱

اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں ○ [1]
جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی مثل ہو جائے گا ○
اور پہاڑ رنگین اون کی مثل ہو جائیں گے ○ [2]
اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا ○
(حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھا دیے جائیں گے، [3] گناہ گار
اس دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں کو ○
اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو ○
اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا ○
اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا، پھر یہ
اسے نجات دلا دے ○ [4]
(مگر) ہرگز یہ نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلے والی آگ ہے ○ [5]
جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے ○ [6]
وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا اور منہ موڑتا ہے ○
اور جمع کر کے سنبھال رکھتا ہے ○ [7]

---

1 دور سے مراد ناممکن اور قریب سے اس کا یقینی واقع ہونا ہے، یعنی کافر قیامت کو ناممکن سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ضرور آ کر رہے گی، اس لیے کہ «كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ» ’’ہر آنے والی چیز قریب ہے۔‘‘

2 یعنی دھنی ہوئی روئی کی طرح، جیسے سورۂ قارعہ میں ہے: ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾

3 لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، اس لیے تعارف اور شناخت کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے۔

4 یعنی اولاد، بیوی، بھائی اور خاندان یہ ساری چیزیں انسان کو نہایت عزیز ہوتی ہیں لیکن قیامت والے دن مجرم چاہے گا کہ اس سے فدیے میں یہ عزیز چیزیں قبول کر لی جائیں اور اسے چھوڑ دیا جائے۔ فَصِيلَةٌ خاندان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ قبیلے سے جدا ہوتا ہے۔

5 یعنی وہ جہنم۔ یہ اس کی شدت حرارت کا بیان ہے۔

6 یعنی گوشت اور کھال کو جلا کر رکھ دے گی۔ انسان صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا۔

7 یعنی جو دنیا میں حق سے پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا تھا اور مال جمع کر کے خزانوں میں سینت سینت کر رکھتا تھا، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا نہ اس میں سے زکاۃ نکالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور جہنم بزبان قال

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿19﴾
بے شک انسان تو پیدا کیا گیا ہے کم حوصلہ ○ [1]

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿20﴾
جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو بڑا بے صبرا ہے ○

وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿21﴾
اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ○

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿22﴾
مگر وہ نمازی ○

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿23﴾
جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں ○ [2]

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿24﴾
اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے ○ [3]

لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿25﴾
مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی ○ [4]

وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿26﴾
اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں ○ [5]

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ
اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں ○ [6]

خود ایسے لوگوں کو پکارے گی جن پر ان کے عملوں کی پاداش میں جہنم واجب ہوگی۔ بعض کہتے ہیں: پکارنے والے تو فرشتے ہی ہوں گے اسے منسوب جہنم کی طرف کر دیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں پکارے گا، یہ صرف تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ مذکورہ افراد کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

1 سخت حریص اور بہت جزع فزع کرنے والے کو ﴿هَلُوْعًا﴾ کہا جاتا ہے جس کو ترجمے میں "کم حوصلہ" سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ ایسا شخص ہی بخیل وحریص اور زیادہ جزع فزع کرنے والا ہوتا ہے، آگے اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔

2 مراد ہیں مومن کامل اور اہل توحید، ان کے اندر مذکورہ اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتیں بلکہ اس کے برعکس وہ صفات محمودہ کے پیکر ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نماز پڑھنے کا مطلب ہے، وہ نماز میں کوتاہی نہیں کرتے، ہر نماز اپنے وقت پر نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوئی مشغولیت انھیں نماز سے نہیں روکتی اور دنیا کا کوئی فائدہ انھیں نماز سے غافل نہیں کرتا۔

3 یعنی زکاۃ مفروضہ۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں اس میں شامل ہیں۔

4 ﴿اَلْمَحْرُوْمِ﴾ میں وہ شخص بھی داخل ہے جو رزق سے ہی محروم ہے، وہ بھی جو کسی آفت سماوی وارضی کی زد میں آ کر اپنی پونجی سے محروم ہو گیا اور وہ بھی جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفت تَعَفُّف کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے۔

5 یعنی وہ اس کا انکار کرتے ہیں نہ اس میں شک وشبہ کا اظہار۔

6 یعنی اطاعت اور اعمال صالحہ کے باوجود اللہ کی عظمت وجلالت کے پیش نظر اس کی گرفت سے لرزاں وترساں رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دامن میں نہیں ڈھانپ لے گی، ہمارے یہ اعمال نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿27﴾ۚ

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ﴿28﴾
بے شک انکے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ○[1]

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿29﴾ۙ
اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں ○

اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ﴿30﴾ۚ
ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انھیں کوئی ملامت نہیں ○[2]

فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿31﴾ۚ
اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہوں گے ○

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿32﴾ۙ
اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول وقرار کا پاس رکھتے ہیں ○[3]

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ ﴿33﴾ۙ
اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں ○[4]

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ﴿34﴾ؕ
اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ فِىۡ جَنّٰتٍ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿35﴾ؕ ع 1/35/7
یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے ○

فَمَالِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قِبَلَكَ مُهۡطِعِيۡنَ ﴿36﴾ۙ
پس کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں ○

---

1 یہ سابقہ مضمون ہی کی تاکید ہے کہ اللہ کے عذاب سے کسی کو بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا اور اس سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر اختیار کرتے رہنا چاہیے۔

2 یعنی انسان کی جنسی تسکین کے لیے اللہ نے دو جائز ذرائع رکھے ہیں: ایک بیوی اور دوسری مِلکِ یمین (لونڈی)۔ عصر حاضر میں لونڈیوں کا وجود تقریباً ناپید ہے لیکن شرعی جہاد کے نتیجے میں جب بھی لونڈیاں حاصل کی جائیں گی تو ان کا رکھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا شرعاً درست ہے۔ بہر حال اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جنسی خواہش کی تکمیل وتسکین کے لیے ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرتے۔

3 یعنی ان کے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہوتی ہیں، اس میں وہ خیانت نہیں کرتے اور لوگوں سے جو عہد کرتے ہیں، انھیں توڑتے نہیں بلکہ ان کی پاسداری کرتے ہیں۔

4 یعنی اسے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، چاہے اس کی زد میں ان کے قریبی عزیز ہی آجائیں۔ علاوہ ازیں اسے چھپاتے بھی نہیں نہ اس میں تبدیلی ہی کرتے ہیں۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ 37
دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ [1] ○

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ 38
کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ ○

كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ 39
(ایسا) ہرگز نہ ہوگا۔ [2] ہم نے انھیں اس (چیز) سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں ○ [3]

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ 40
پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں [4] کے رب کی! یقیناً ہم قادر ہیں ○

عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ 41
اس پر کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں [5] اور ہم عاجز نہیں ہیں ○ [6]

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ 42
پس تو انھیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے [7] یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ○

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا
جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے، گویا کہ

---

1 یہ نبی ﷺ کے زمانے کے کفار کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے۔ اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی۔

2 یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور اس کی تکذیب کرنے والے دونوں کو اخروی نعمتیں ملیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

3 یعنی ﴿مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ (حقیر قطرے) سے۔ جب یہ بات ہے تو کیا تکبر اس انسان کو زیب دیتا ہے جس تکبر کی وجہ سے ہی یہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب بھی کرتا ہے۔

4 ہر روز سورج ایک الگ جگہ سے نکلتا اور الگ مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مشرق بھی بہت ہیں اور مغرب بھی۔ (مزید تفصیل کے لیے سورۂ صافات 5:37 کا حاشیہ دیکھیے۔)

5 یعنی ان کو ختم کر کے ایک نئی مخلوق آباد کر دینے پر ہم پوری طرح قادر ہیں۔

6 جب ایسا ہے تو کیا ہم قیامت والے دن ان کو دوبارہ زندہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

7 یعنی فضول بحثوں میں پھنسے اور اپنی دنیا میں مگن رہیں، تاہم آپ اپنی تبلیغ کا کام جاری رکھیں، ان کا رویہ آپ کو اپنے منصب سے غافل یا بددل نہ کر دے۔

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿43﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿44﴾ ع 2/9/8

وہ ہدف کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں ○ [1] ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، [2] ان پر ذلت چھا رہی ہوگی، [3] یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ○ [4]

اٰيَاتُهَا 28 (71) سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ (71) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ نوح مکی ہے، اس میں 28 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿1﴾

یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا [5] کہ اپنی قوم کو ڈرا دو اور خبردار کر دو اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آ جائے ○ [6]

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿2﴾

نوح نے کہا: اے میری قوم! میں تمھیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ○ [7]

---

1 ﴿اَلْاَجْدَاثِ﴾ جَدَثٌ ''قبر'' کی جمع ہے۔ ﴿نُصُبٍ﴾ تھان، جہاں بتوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور بتوں کے معنی میں بھی ہے۔ بتوں کے پجاری، جب سورج طلوع ہوتا تو نہایت تیزی سے اپنے بتوں کی طرف دوڑتے کہ کون پہلے اسے بوسہ دیتا ہے۔ بعض اسے یہاں عَلَمْ کے معنی میں لیتے ہیں کہ جس طرح میدان جنگ میں فوجی اپنے عَلَم (جھنڈے) کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی طرح قیامت والے دن قبروں سے نہایت برق رفتاری سے نکلیں گے۔ ﴿يُّوْفِضُوْنَ﴾ يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے۔

2 جس طرح مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوتی ہیں کیونکہ انھیں اپنے کرتوتوں کا علم ہوتا ہے۔

3 یعنی سخت ذلت انھیں اپنی لپیٹ میں لے رہی ہوگی اور ان کے چہرے مارے خوف کے سیاہ ہوں گے۔ اسی سے غُلَامٌ مُرَاهِقٌ کی ترکیب ہے جو قریب البلوغت ہو، یعنی غَشِيَه الاحتلام. (فتح القدير)

4 یعنی رسولوں کی زبانی اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے۔

5 حضرت نوح علیہ السلام جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں، صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث شفاعت میں ہے کہ یہ پہلے رسول ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے کہ انھی کی قوم سے شرک کا آغاز ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

6 قیامت کے دن عذاب یا دنیا میں عذاب آنے سے قبل، جیسے اس قوم پر طوفان آیا۔

7 اللہ کے عذاب سے، اگر تم ایمان نہ لائے۔ اسی لیے عذاب سے نجات کا نسخہ تمھیں بتلانے آیا ہوں۔ جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَطِیْعُوْنِ ③

کہ تم اللہ کی عبادت کرو [1] اور اسی سے ڈرو [2] اور میرا کہنا مانو ○ [3]

یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④

تو وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایک وقتِ مقررہ تک چھوڑ دے گا۔ [4] یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا [5] کاش! تم جانتے ہوتے ○ [6]

وقف لازم

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ⑤

(نوح نے) کہا: اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن تیری طرف بلایا ہے ○ [7]

فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ⑥

مگر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے ○ [8]

---

1 اور شرک چھوڑ دو، صرف اسی ایک کی عبادت کرو۔

2 اللہ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرو جن سے تم عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا سکتے ہو۔

3 یعنی میں تمھیں جن باتوں کا حکم دوں، اس میں میری اطاعت کرو، اس لیے کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول اور اس کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔

4 اس کے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ایمان لانے کی صورت میں تمھاری موت کی جو مدت مقرر ہے، اس کو مؤخر کر کے تمھیں مزید مہلت عمر عطا فرمائے گا اور وہ عذاب تم سے دور کر دے گا جو عدم ایمان کی صورت میں تمھارے لیے مقدر تھا، چنانچہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اطاعت، نیکی اور صلۂ رحمی سے عمر میں حقیقتاً اضافہ ہوتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے: «صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيدُ فِي الْعُمُرِ» (صحیح الجامع الصغیر: 703/2، والصحیحة: 537/4) ''صلہ رحمی اضافۂ عمر کا باعث ہے۔'' بعض کہتے ہیں: تاخیر کا مطلب برکت ہے، ایمان سے عمر میں برکت ہوگی۔ ایمان نہیں لاؤ گے تو اس برکت سے محروم رہو گے۔

5 بلکہ لامحالہ واقع ہو کر رہتا ہے، اس لیے تمھاری بہتری اسی میں ہے کہ ایمان و اطاعت کا راستہ فوراً اپنا لو، تاخیر میں خطرہ ہے کہ وعدۂ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ۔

6 یعنی اگر تمھیں علم ہوتا تو تم اسے اپنانے میں جلدی کرتے جس کا میں تمھیں حکم دے رہا ہوں یا اگر تم یہ بات جانتے ہوتے کہ اللہ کا عذاب جب آ جاتا ہے تو ٹلتا نہیں ہے۔

7 یعنی تیرے حکم کی تعمیل میں، بغیر کسی کوتاہی کے رات دن میں نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچایا ہے۔

8 یعنی میری پکار سے یہ ایمان سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ جب کوئی قوم گمراہی کے آخری کنارے پر پہنچ جائے تو پھر اس کا یہی حال ہوتا ہے، اسے جتنا اللہ کی طرف بلاؤ، وہ اتنا ہی دور بھاگتی ہے۔

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦

میں نے جب کبھی انھیں تیری بخشش کے لیے بلایا [1] تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں [2] اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا [3] اور اڑ گئے [4] اور بڑا تکبر کیا ○ [5]

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧

پھر میں نے انھیں بآواز بلند بلایا ○

ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ⑨

اور بے شک میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی ○ [6]

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ⑩

اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ [7] اور معافی مانگو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے ○ [8]

یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ⑪

وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا ○ [9]

وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ⑫

اور تمھیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمھیں باغات دے گا اور تمھارے لیے نہریں نکال دے گا ○ [10]

---

1 یعنی ایمان اور اطاعت کی طرف جو سبب مغفرت ہیں۔

2 تاکہ میری آواز نہ سن سکیں۔

3 تاکہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں یا اپنے سروں پر کپڑے ڈال لیے تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں۔ یہ ان کی طرف سے شدت عداوت کا اور وعظ و نصیحت سے بے نیازی کا اظہار ہے۔ بعض کہتے ہیں: اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لینے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبران کو پہچان نہ سکے اور انھیں قبولیت دعوت کے لیے مجبور نہ کرے۔

4 یعنی کفر پر مصر رہے، اس سے باز نہیں آئے اور توبہ نہیں کی۔

5 قبول حق اور امتثالِ امر سے انھوں نے سخت تکبر کیا۔

6 یعنی مختلف انداز اور طریقوں سے انھیں دعوت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اجتماعات اور مجلسوں میں بھی انھیں دعوت دی اور گھروں میں فرداً فرداً بھی تیرا پیغام پہنچایا۔

7 یعنی ایمان اور اطاعت کا راستہ اپنا لو اور اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگ لو۔

8 وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا رحیم و غفار ہے۔

9 ﴿ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ ﴾ کا مطلب ہے: یُرْسِلُ مَاءَ السَّمَاءِ عَلَیْكُمْ (تم پر آسمان کا پانی چھوڑ دے گا)، یعنی اس میں لفظ مَاءٌ مضمر (پوشیدہ) ہے یا اَلسَّمَاءُ خود مَطَرٌ (بارش) کے معنی میں ہے۔

10 یعنی ایمان و طاعت سے تمھیں اخروی نعمتیں ہی نہیں ملیں گی بلکہ دنیاوی مال و دولت اور بیٹوں کی کثرت سے بھی

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ⑬

تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے ○[1]

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ⑭

حالانکہ اس نے تمھیں کئی طرح سے[2] پیدا کیا ہے ○

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ⑮

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیے ہیں ○[3]

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ⑯

اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے[4] اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے ○[5]

نوازے جاؤ گے۔ بعض علماء اسی آیت کی وجہ سے نماز استسقا میں سورۂ نوح کے پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک مرتبہ نماز استسقا کے لیے منبر پر چڑھے تو صرف آیات استغفار (جن میں یہ آیت بھی تھی) پڑھ کر منبر سے اتر آئے۔ اور فرمایا کہ میں نے بارش کو، بارش کے ان راستوں سے طلب کیا ہے جو آسمانوں میں ہیں جن سے بارش زمین پر اترتی ہے۔ (ابن کثیر) حضرت حسن بصری کے متعلق مروی ہے کہ ان سے آ کر کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو انھوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر و فاقہ کی شکایت کی، اسے بھی انھوں نے یہی نسخہ بتلایا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا، اسے بھی فرمایا، استغفار کر۔ ایک شخص نے کہا: میرے گھر اولاد نہیں ہوتی، اسے بھی کہا: اپنے رب سے استغفار کر۔ کسی نے جب ان سے کہا کہ سب کو آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب باتوں کے لیے اللہ نے بتلایا ہے۔ (أيسر التفاسير)

1 ﴿ وَقَارًا ﴾ توقیر سے ہے بمعنی عظمت اور رجا خوف کے معنی میں ہے، یعنی جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے، تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ اور اس کو ایک کیوں نہیں مانتے اور اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

2 پہلے نطفہ، پھر علقہ، پھر مُضغہ، پھر عظام اور لحم اور پھر خلق تام، جیسا کہ سورۂ انبیاء 21:5، سورۂ مومنون 23:14، سورۂ مومن 40:67 وغیرہا میں تفصیل گزری۔

3 جو اس کی قدرت اور کمال صناعت پر دلالت کرتے اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک اللہ ہے۔

4 جو روئے زمین کو منور کرنے والا اور اس کے ماتھے کا جھومر ہے۔

5 تاکہ اس کی روشنی میں انسان معاش کے لیے جو انسانوں کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے، کسب و محنت کر سکے۔

وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاۙ۝۱۷

اور اللہ نے تم کو زمین سے (ایک خاص اہتمام سے) اگایا (پیدا کیا) ہے ○[1]

ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۝۱۸

پھر تمھیں اسی میں لوٹائے گا اور ایک خاص طریقے سے پھر نکالے گا ○[2]

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاۙ۝۱۹

اور تمھارے لیے زمین کو اللہ نے فرش بنا دیا ہے ○[3]

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۠۝۲۰

تا کہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو ○[4]

ع 1/20/9

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًاۚ۝۲۱

نوح نے کہا: اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی[5] اور ایسے لوگوں کی فرمانبرداری کی جن کے مال واولاد نے ان کو (یقیناً) نقصان ہی میں بڑھایا ہے ○[6]

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًاۚ۝۲۲

اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا ○[7]

---

1 یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو، جنھیں مٹی سے بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ یا اگر تمام انسانوں کو مخاطب سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ تم جس نطفے سے پیدا ہوتے ہو وہ اسی خوراک سے بنتا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے سب کی پیدائش کی اصل زمین ہی قرار پاتی ہے۔

2 یعنی مرکر، پھر اسی مٹی میں دفن ہونا ہے اور پھر قیامت والے دن اسی زمین سے تمھیں زندہ کر کے نکالا جائے گا۔

3 یعنی اسے فرش کی طرح بچھا دیا ہے، تم اس پر اسی طرح چلتے پھرتے ہو، جیسے اپنے گھر میں بچھے ہوئے فرش پر چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہو۔

4 ﴿سُبُلًا﴾ سَبِیلٌ کی جمع اور ﴿فِجَاجًا﴾ فَجٌّ (کشادہ راستہ) کی جمع ہے، یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کشادہ راستے بنا دیے ہیں تا کہ انسان آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا سکے، اس لیے یہ راستے بھی انسان کی کاروباری اور تمدنی ضرورت ہیں جس کا انتظام کر کے اللہ نے انسانوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔

5 یعنی میری نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں۔

6 یعنی ان کے اصاغر نے اپنے بڑوں اور اصحاب ثروت ہی کی پیروی کی جن کے مال واولاد نے انھیں دنیا اور آخرت کے خسارے میں ہی بڑھایا ہے۔

7 یہ مکر یا فریب کیا تھا؟ بعض کہتے ہیں: ان کا بعض لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل کرنے پر ابھارنا تھا، بعض کہتے ہیں: مال واولاد کی وجہ سے جس فریب نفس کا وہ شکار ہوئے حتیٰ کہ بعض نے کہا: اگر یہ حق پر نہ ہوتے تو ان کو یہ نعمتیں

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿23﴾

اور انھوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ہی ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا ○[1]

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ۬ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿24﴾

اور انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا[2] الٰہی! تو ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا ○

مِمَّا خَطِيْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿25﴾

یہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ[3] سے غرق کر دیے گئے اور جہنم میں پہنچا دیے گئے اور اللہ کے سوا انھوں نے اپنا کوئی مددگار نہ پایا ○

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! تو روئے زمین

کیوں میسر آتیں؟ اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت مت چھوڑنا، بعض کے نزدیک ان کا کفر ہی بڑا مکر تھا۔

1 یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے وہ بت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کی اتنی شہرت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا پاٹ ہوتی رہی، چنانچہ ''وَدّ'' دُومۃ الجندل میں قبیلۂ کلب کا ''سُواع'' ساحل بحر کے قبیلۂ ہُذَیل کا ''یَغُوث'' سبا کے قریب جرف جگہ میں مراد اور بنی غطیف کا۔ ''یعوق'' ہمدان قبیلے کا اور ''نسر'' حمیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا معبود رہا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) یہ پانچوں قوم نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمھارے آباء تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمھارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انھوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔

(صحيح البخاري، حديث:4920)

2 ﴿ اَضَلُّوْا ﴾ کا فاعل (مرجع) قوم نوح کے رؤسا ہیں، یعنی انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا یا اس کا مرجع یہی مذکورہ پانچ بت ہیں، اس کا مطلب ہو گا کہ ان کے سبب بہت سے لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا: ﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ﴾ (إبراهيم 14:36) ''اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا'' یعنی ان کے باعث گمراہ ہوئے۔

3 ﴿ مِمَّا ﴾ میں مَا زائدہ برائے تاکید ہے، مِنْ خَطِيْئَاتِهِمْ أَيْ مِنْ أَجْلِهَا وَبِسَبَبِهَا أُغْرِقُوا بِالطُّوفَانِ (فتح القدير)

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿26﴾
اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ
وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿27﴾

پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ ○ [1]
اگر تو انھیں چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے ○

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ
بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط
ع 2/8/10 وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿28﴾

اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور مومن مردوں اور ایماندار عورتوں کو بخش دے [2] اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا ○ [3]

اٰیاتھا: 28 (72) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (40) رکوعاتھا: 2

سورۂ جن مکی ہے، اس میں 28 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ
فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿1﴾

(اے محمد!) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت [4] نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے ○ [5]

---

1 یہ بددعا اس وقت کی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (ہود 11:36) ﴿دَیَّارًا﴾ فَیْعَال کے وزن پر دَیْوَار ہے۔ واؤ کو یاء سے بدل کر ادغام کر دیا گیا، یعنی مَنْ یَسْکُنُ الدِّیَارَ: "جو شہروں میں رہائش پذیر ہیں۔" مطلب ہے، کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

2 کافروں کے لیے بددعا کی تو اپنے لیے اور مومنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

3 یہ بددعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لیے ہے جس طرح مذکورہ دعا تمام مردوں اور تمام عورتوں کے لیے ہے۔

4 یہ واقعہ سورۂ احقاف 29:46 کے حاشیے میں گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ وادیٔ نَخْلَہ میں صحابۂ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ کچھ جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انھوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا۔ جس سے وہ متاثر ہوئے۔ یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ اس وقت جنوں کا قرآن سننا، آپ کے علم میں نہیں آیا بلکہ وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا گیا۔

5 ﴿عَجَبًا﴾ مصدر ہے بطور مبالغہ۔ یا مضاف محذوف ہے۔ ذَا عَجَبٍ یا مصدر، اسم فاعل کے معنی میں ہے مُعْجِبًا مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قرآن سنا ہے جو فصاحت و بلاغت میں بڑا عجیب ہے یا مواعظ کے اعتبار سے عجیب ہے یا برکت کے لحاظ سے نہایت تعجب انگیز ہے۔ (فتح القدیر)

یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿2﴾	جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔[1] ہم اس پر ایمان لاچکے[2] (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب[3] کا شریک نہ بنائیں گے ○
وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿3﴾	اور بے شک ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا ○[4]
وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿4﴾	اور یہ کہ ہمارا بے وقوف اللہ کے بارے میں خلافِ حق باتیں کہا کرتا تھا ○[5]
وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿5﴾	اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں ○[6]

1 یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست، یعنی حق وصواب کو واضح کرتا یا اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔

2 یعنی ہم نے تو اس کو سن کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں، اس میں کفار کو توبیخ وتنبیہ ہے کہ جن تو ایک مرتبہ سن کر ہی اس قرآن پر ایمان لے آئے، تھوڑی سی آیات سن کر ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے لیکن انسانوں کو، خاص طور پر ان کے سرداروں کو اس قرآن سے فائدہ نہیں ہوا، درآں حالیکہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے انھوں نے متعدد مرتبہ قرآن سنا۔ علاوہ ازیں خود آپ ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے اور ان ہی کی زبان میں آپ ان کو قرآن سناتے تھے۔

3 نہ اس کی مخلوق میں سے نہ کسی اور معبود کو، اس لیے کہ وہ اپنی ربوبیت میں متفرد ہے۔

4 ﴿جَدُّ﴾ کے معنی عظمت وجلال کے ہیں، یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی اولاد یا بیوی ہو۔ گویا جنوں نے ان مشرکوں کی غلطی کو واضح کیا جو اللہ کی طرف بیوی یا اولاد کی نسبت کرتے تھے، انھوں نے ان دونوں کمزوریوں سے رب کی تنزیہ وتقدیس کی۔

5 ﴿سَفِيْهُنَا﴾ (ہمارے بیوقوف) سے بعض نے شیطان مراد لیا ہے اور بعض نے ان کے ساتھی جن اور بعض نے بطور جنس، یعنی ہر وہ شخص جو یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ ﴿شَطَطًا﴾ کے کئی معنی کیے گئے ہیں: ظلم، جھوٹ، باطل، کفر میں مبالغہ وغیرہ۔ مقصد، راہ اعتدال سے دوری اور حد سے تجاوز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ اللہ کی اولاد ہے ان بے وقوفوں کی بات ہے جو راہ اعتدال وصواب سے دور، حد سے متجاوز اور کاذب وافترا پرداز ہیں۔

6 اسی لیے ہم ان کی تصدیق کرتے رہے اور اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے رہے حتیٰ کہ ہم نے قرآن سنا تو پھر ہم پر اس عقیدے کا بطلان واضح ہوا۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ
بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿6﴾

بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے [1] جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے ○ [2]

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ
اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿7﴾

اور انسانوں نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کرلیا تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا (یا دوبارہ زندہ نہیں کرے گا) ○ [3]

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ
حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿8﴾

اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں، اور سخت شعلوں سے پُر پایا ○ [4]

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ
فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا
رَّصَدًا ۙ﴿9﴾

اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ [5] اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے ○ [6]

وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي
الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿10﴾

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ

---

1 زمانۂ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ سفر پر کہیں جاتے تو جس وادی میں قیام کرتے، وہاں جنات سے پناہ طلب کرتے، جیسے علاقے کے بڑے آدمی اور رئیس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور صرف ایک اللہ سے پناہ طلب کرنے کی تاکید کی۔

2 یعنی جب جنات نے یہ دیکھا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری پناہ طلب کرتے ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہو گیا۔ ﴿رَهَقًا﴾ یہاں سرکشی، طغیانی اور تکبر کے مفہوم میں ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں گناہ اور حرام کاموں کا ارتکاب کرنا۔

3 بعث کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔

4 ﴿حَرَسًا﴾ حَارِسٌ (چوکیدار، نگران) کی اور ﴿شُهُبًا﴾ شِهَابٌ (شعلہ) کی جمع ہے، یعنی آسمانوں پر فرشتے چوکیداری کرتے ہیں کہ آسمانوں کی کوئی بات کوئی اور نہ سن لے اور یہ ستارے آسمان پر جانے والے شیاطین پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

5 اور آسمانی باتوں کی کچھ سن گن پا کر کاہنوں کو بتلا دیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔

6 لیکن بعثت محمدیہ کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اب جو بھی اس نیت سے اوپر جاتا ہے، شعلہ اس کی تاک میں ہوتا ہے اور ٹوٹ کر اس پر گرتا ہے۔

بھلائی کا ہے ○ [1]

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ⑪

اور یہ کہ (بے شک) بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں۔ ہم مختلف طریقوں سے بٹے ہوئے تھے ○ [2]

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ⑫

اور ہم نے سمجھ لیا [3] کہ ہم اللہ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کرسکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے عاجز کرسکتے ہیں ○

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ⑬

ہم تو ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ تو کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم وستم کا ○ [4]

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ⑭

ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں [5] پس جو فرماں بردار ہوگئے انھوں نے تو راہ راست کا قصد کیا ○

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ⑮

اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے ○ [6]

---

1 یعنی اس حراست آسمانی سے مقصد اہل زمین کے لیے کسی شر کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا، یعنی ان پر عذاب نازل کرنا ہے یا بھلائی کا ارادہ، یعنی رسول بھیجنا ہے۔

2 ﴿قِدَدًا﴾ چیز کا ٹکڑا، صَارَ الْقَوْمُ قِدَدًا اس وقت بولتے ہیں جب ان کے احوال ایک دوسرے سے مختلف ہوں، یعنی ہم متفرق جماعتوں اور مختلف اصناف میں بٹے ہوئے ہیں۔ مطلب ہے کہ جنات میں بھی مسلمان، کافر، یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کی طرح قدریہ، مُرجئہ اور رافضہ وغیرہ ہیں۔ (فتح القدیر)

3 ظَنٌّ یہاں علم اور یقین کے معنی میں ہے، جیسے اور بھی بعض مقامات پر ہے۔

4 یعنی نہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی نیکیوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ ان کی برائیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

5 یعنی جو نبوت محمدیہ پر ایمان لائے وہ مسلمان اور اس کے منکر بے انصاف ہیں۔ قَاسِطٌ، ظالم اور غیر منصف اور مُقْسِطٌ، عادل، یعنی ثلاثی مجرد سے ہو تو معنی ظلم کرنے کے اور مزید فیہ سے ہو تو انصاف کرنے کے ہیں۔

6 اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی دوزخ اور جنت دونوں میں جانے والے ہوں گے۔ ان میں جو کافر ہوں گے وہ جہنم میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے۔ یہاں تک جنات کی گفتگو ختم ہوگئی، اب آگے پھر اللہ کا کلام ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ⑯

اور اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انھیں بہت وافر پانی پلاتے ○

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ⑰

تاکہ ہم اس میں انھیں آزمالیں۔[1] اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کردے گا ○[2]

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ⑱

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کی ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو ○[3]

---

1 ﴿ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ ﴾ کا ﴿ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ پر عطف ہے، یعنی یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر وہ راہ راست پر قائم رہتے ﴿ الطَّرِيْقَةِ ﴾ سے مراد راہ راست، یعنی اسلام ہے۔ ﴿ غَدَقًا ﴾ کے معنی: کثیر۔ وافر پانی سے مطلب دنیوی خوش حالی ہے، یعنی دنیا کا مال واسباب دے کر ہم ان کی آزمائش کرتے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الأعراف 7:96) ''اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کا نزول کردیتے۔'' یہی بات اہل کتاب کے ضمن میں بھی فرمائی گئی ہے۔ (المآئدة 5:66)۔ بعض کہتے ہیں: اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب کفار قریش پر قحط سالی مسلط کردی گئی تھی۔ ﴿ الطَّرِيْقَةِ ﴾ کے دوسرے معنی گمراہی کے راستے کے کیے گئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ مادی خوش حالی استدراج کے طور پر ہوگی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الأنعام 6:44) ''پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کردیے۔'' ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ○ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ﴾ (المؤمنون 23:55,56) ''کیا یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال واولاد بڑھا رہے ہیں وہ ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کررہے ہیں۔'' امام ابن کثیر کے نزدیک لِنَفْتِنَهُمْ کے پیش نظر یہ دوسرا مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے جبکہ امام شوکانی کے نزدیک پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

2 ﴿ صَعَدًا ﴾ أَيْ عَذَابًا شَاقًّا شَدِيدًا مُّوجِعًا مُّؤْلِمًا (ابن کثیر) نہایت سخت، الم ناک عذاب۔

3 مسجد کے معنی سجدہ گاہ کے ہیں۔ سجدہ بھی ایک رکن نماز ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ مسجدوں کا مقصد صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے، اس لیے مسجدوں میں کسی اور کی عبادت، کسی اور سے دعا ومناجات، کسی اور سے استغاثہ واستمداد جائز نہیں۔ یہ امور ویسے تو مطلقاً ہی ممنوع ہیں اور کہیں بھی غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے لیکن مسجدوں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اگر یہاں بھی غیر اللہ کو پکارنا شروع کردیا گیا تو یہ نہایت ہی قبیح اور ظالمانہ حرکت ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے نام نہاد

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا
يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ﴿19﴾ ع 1 / 19 / 11
قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ
اَحَدًا ﴿20﴾
قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا
رَشَدًا ﴿21﴾
قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬
وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿22﴾ۙ
اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ
يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ﴿23﴾ؕ

اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں ○ [1]

آپ کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ○ [2]

کہہ دیجیے کہ مجھے تمھارے کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں ○ [3]

کہہ دیجیے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا [4] اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا ○

البتہ میرا کام اللہ کی بات اور اس کے پیغامات لوگوں کو پہنچا دینا ہے، [5] اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا، اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے

مسلمان اب مسجدوں میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں بلکہ مسجدوں میں ایسے کتبے آویزاں کیے ہوئے ہیں جن میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ آہ! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا.

1 ﴿عَبْدُ اللّٰهِ﴾ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور مطلب ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اس کے اور بھی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن امام ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔

2 یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہو گئے اور تل گئے ہیں تو آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا اور اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔

3 یعنی مجھے تمھاری ہدایت یا گمراہی کا یا کسی اور نفع نقصان کا اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی و رسالت کے لیے چن لیا ہے۔

4 اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھے اس پر وہ عذاب دینا چاہے۔

5 یہ ﴿لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ﴾ سے مستثنیٰ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿لَنْ يُّجِيْرَنِيْ﴾ سے مستثنیٰ ہو، یعنی اللہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ تبلیغ رسالت کا وہ فریضہ بجا لاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے مجھ پر واجب کی ہے۔ ﴿رِسٰلٰتِهٖ﴾ کا عطف لفظ ﴿اللّٰهِ﴾ پر ہے یا ﴿بَلٰغًا﴾ پر اور اس صورت میں عبارت اس طرح ہے: «إِلَّا أَنْ أُبَلِّغَ عَنِ اللهِ وَأَعْمَلَ بِرِسَالَتِهٖ» (فتح القدیر)

لوگ ہمیشہ رہیں گے ○

حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿24﴾

(ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے [1] پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے ○ [2]

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿25﴾

کہہ دیجیے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے دور کی مدت مقرر کرے گا ○ [3]

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿26﴾

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ○

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿27﴾

سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے [4] لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے ○ [5]

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

تا کہ وہ بظاہر جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے

1 یا مطلب یہ ہے کہ یہ نبی ﷺ اور مومنین کی عداوت اور اپنے کفر پر مصر رہیں گے، یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

2 یعنی اس وقت ان کو پتہ لگے گا کہ مومنوں کا مددگار کمزور ہے یا مشرکوں کا۔ اور اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے پجاریوں کی۔ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہوگا اور اللہ کے ان گنت لشکروں کے مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہی ہوگی۔

3 مطلب یہ ہے کہ عذاب یا قیامت کا علم، یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور۔

4 یعنی اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کر دیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ اس کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوسکتا کیونکہ پیغمبر بھی اگر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اظہار کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کا اظہار اسی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا، اس لیے عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

5 یعنی نزول وحی کے وقت پیغمبر کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو شیاطین اور جنات کو وحی کی باتیں سننے نہیں دیتے۔

وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿28﴾ ع 2/9 12

پیغامات پہنچا دیے [1] اور اللہ نے ان کے آس پاس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے [2] اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے [3] ○

آیاتہا: 20 (73) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (3) رکوعاتہا: 2

سورۂ مزمل مکی ہے، اس میں 20 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿1﴾

اے کپڑے میں لپٹنے والے ○ [4]

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿2﴾

رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم ○

نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿3﴾

آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے ○

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿4﴾

یا اس پر بڑھا دے [5] اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف)

---

1 ﴿ لِّيَعْلَمَ ﴾ کا فاعل کون ہے؟ بعض کے نزدیک اس کا فاعل وہ ضمیر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ جان لیں کہ آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔ یا نگران فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام پیغمبر تک پہنچا دیا ہے اور بعض نے اس کا فاعل وہ ضمیر قرار دی ہے جو لفظ اللہ کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی فرشتوں کے ذریعے سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی صحیح طریقے سے کر سکیں۔ نیز وہ اس وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو پیغمبروں کو کی جاتی ہے تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغامات لوگوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیے ہیں یا فرشتوں نے پیغمبروں تک وحی پہنچا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ پہلے ہی سے ہر چیز کا علم ہے لیکن ایسے موقعوں پر اللہ کے جاننے کا مطلب اس کے تحقق کا عام مشاہدہ ہے، جیسے ﴿ لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ﴾ (البقرۃ 2:143) ''تاکہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے۔'' اور ﴿ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ (العنکبوت 29:11) ''جو لوگ ایمان لائے اللہ انھیں بھی اور منافقوں کو بھی جان کر رہے گا۔'' میں ہے۔ (ابن کثیر)

2 فرشتوں کے پاس کی یا پیغمبروں کے پاس کی۔

3 کیونکہ وہی عالم الغیب ہے جو ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا، سب کا اس نے شمار کر رکھا ہے، یعنی اس کے علم میں ہے۔

4 جس وقت ان آیات کا نزول ہوا، نبی ﷺ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے خطاب فرمایا، مطلب ہے کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں، یعنی نماز تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بنا پر نماز تہجد آپ کے لیے واجب تھی۔ (ابن کثیر)

5 یہ ﴿ قَلِيْلًا ﴾ سے بدل ہے، یعنی یہ قیام نصف رات سے کچھ کم (ثلث) یا کچھ زیادہ (دو ثلث) ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

پڑھا کر ○ [1]

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤

یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے ○ [2]

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ⑥

بے شک رات کا اٹھنا دل جمعی کے لیے انتہائی مناسب ہے [3] اور بات کو بہت درست کر دیتا ہے ○ [4]

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ⑦

یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے ○ [5]

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ⑧

تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا ○ [6]

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو

---

1 چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کی قراءت ترتیل کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور آپ نے اپنی امت کو بھی ترتیل کے ساتھ، یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تلقین کی ہے۔

2 رات کا قیام چونکہ نفس انسانی کے لیے بالعموم گراں ہے، اس لیے یہ جملۂ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ ہم اس سے بھی بھاری بات تجھ پر نازل کریں گے، یعنی قرآن جس کے احکام وفرائض پر عمل، اس کے حدود کی پابندی اور اس کی تبلیغ و دعوت، ایک بھاری اور جاں گسل عمل ہے۔ بعض نے ثقالت (بھاری پن) سے وہ بوجھ مراد لیا ہے جو وحی کے وقت نبی ﷺ پر پڑتا تھا جس سے سخت سردی میں بھی آپ پسینے سے شرابور ہو جاتے۔ (ابن کثیر)

3 اس کا دوسرا مفہوم ہے کہ رات کی تنہائیوں میں کان معانیٔ قرآن کے فہم میں دل کے ساتھ زیادہ موافقت کرتے ہیں جو ایک نمازی تہجد میں پڑھتا ہے۔

4 دوسرا مفہوم ہے کہ دن کے مقابلے میں رات کو قرآن زیادہ واضح اور حضور قلب کے لیے زیادہ مؤثر ہے، اس لیے کہ اس وقت دوسری آوازیں خاموش ہوتی ہیں، فضا میں سکون غالب ہوتا ہے، اس وقت نمازی جو پڑھتا ہے وہ آوازوں کے شور اور دنیا کے ہنگاموں کی نذر نہیں ہوتا بلکہ نمازی اس سے خوب محظوظ ہوتا اور اس کی اثر آفرینی کو محسوس کرتا ہے۔

5 ﴿سَبْحًا﴾ کے معنی ہیں: اَلْجَرْيُ وَالدَّوَرَانُ (چلنا اور گھومنا پھرنا)، یعنی دن کے وقت دنیاوی مصروفیتوں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ پہلی بات ہی کی تائید ہے، یعنی رات کو نماز اور تلاوت زیادہ مفید اور مؤثر ہے، یعنی اس پر مداومت کر، دن ہو یا رات، اللہ کی تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کرتا رہ۔

6 ﴿تَبَتَّلْ﴾ کے معنی انقطاع اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور اس سے دعا و مناجات کے لیے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یہ رہبانیت سے مختلف چیز ہے۔ رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا ہے جو اسلام میں

فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (9)

اسی کو اپنا کارساز بنالے ○

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (10)

اور جو کچھ وہ کہیں تو سہتا رہ اور اچھے طریقے سے ان سے الگ تھلگ رہ ○

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا (11)

اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انھیں ذرا سی مہلت دے ○

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا (12)

یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے ○

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا (13)

اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے ○ [1]

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (14)

جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا جائیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے ○ [2]

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۥ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (15)

بے شک ہم نے تمھاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا [3] رسول بھیج دیا ہے جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا ○

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (16)

تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت وبال کی پکڑ میں پکڑ لیا ○ [4]

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ

تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو

ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور ﴿ تَبَتَّلْ ﴾ کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ عبادت میں اشتغال، خشوع، خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی۔ یہ محمود و مطلوب ہے۔

1 ﴿ اَنْكَالًا ﴾ نِكْلٌ کی جمع ہے، قیود (بیڑیاں) اور بعض نے اَغْلَال کے معنی میں لیا ہے، یعنی طوق۔ ﴿ جَحِيْمًا ﴾ بھڑکتی آگ۔ ﴿ ذَا غُصَّةٍ ﴾ حلق میں اٹک جانے والا، نہ حلق سے نیچے اترے اور نہ باہر نکلے۔ یہ زَقُّوْمٌ یا ضَرِيْعٌ کا کھانا ہوگا۔ ضَرِيْعٌ ایک کانٹے دار جھاڑی ہے جو سخت بدبودار اور زہریلی ہوتی ہے۔

2 یعنی یہ عذاب اس دن ہوگا جس دن زمین اور پہاڑ بھونچال سے تہ و بالا ہو جائیں گے اور بڑے بڑے پُر ہیبت پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح بے حیثیت ہو جائیں گے۔ ﴿ كَثِيْبًا ﴾ ریت کا ٹیلہ، ﴿ مَّهِيْلًا ﴾ بھربھری، پیروں کے نیچے سے نکل جانے والی ریت۔

3 جو قیامت والے دن تمھارے اعمال کی گواہی دے گا۔

4 اس میں اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمھارا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہوا۔

الْوِلْدَانَ شِيْبَاۨ ﴿17﴾ قلے
السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ط كَانَ وَعْدُهٗ
مَفْعُوْلًا ﴿18﴾
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى
ع 1 19 13 رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿19﴾
اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ
ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ط وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ط عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ

بوڑھا کر دے گا ○ [1]
جس میں آسمان پھٹ جائے گا [2] اللہ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہنے والا ہے ○ [3]
بے شک یہ نصیحت ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے ○
تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتے ہیں [4] اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے، [5] وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم

---

1 ﴿شِيْبًا﴾ اَشْيَبُ کی جمع ہے، قیامت والے دن، قیامت کی ہولناکی سے فی الواقع بچے بوڑھے ہو جائیں گے یا تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو کہے گا کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کے لیے نکال لے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: یا اللہ! کس طرح؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار میں سے 999۔ اس وقت حمل والی عورتوں کا حمل گر جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 4741)

2 یہ یوم کی دوسری صفت ہے۔ اس دن ہولناکی سے آسمان پھٹ جائے گا۔

3 یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بعث بعد الموت، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کا وعدہ کیا ہوا ہے، یہ یقیناً لامحالہ ہو کر رہنا ہے۔

4 جب سورت کے آغاز میں نصف رات یا اس سے کم یا زیادہ، قیام کا حکم دیا گیا تو نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی، کبھی دو تہائی سے کم، کبھی نصف رات اور کبھی ثُلُث (ایک تہائی حصہ) جیسا کہ یہاں ذکر ہے۔ لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا۔ دوسرے وقت کا یہ اندازہ نصف رات یا ثلث یا دو ثلث حصہ قیام کرنا ہے، اس سے بھی زیادہ مشکل تر تھا، اس لیے اللہ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرما دیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے فرض کو استحباب میں بدل دیا گیا۔ اب یہ نہ امت کے لیے فرض ہے نہ نبی ﷺ کے لیے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لیے ہے۔ نبی ﷺ کے لیے اس کا پڑھنا ضروری تھا۔

5 یعنی اللہ تعالیٰ تو رات کی گھڑیاں گن سکتا ہے کہ کتنی گزر گئی ہیں اور کتنی باقی ہیں۔ تمھارے لیے یہ اندازہ ناممکن ہے۔

عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

ہرگز نہ نبھا سکو گے،[1] پس اس نے تم پر مہربانی کی[2] لہٰذا قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو[3] وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے، بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل، یعنی روزی بھی تلاش

---

1 جب تمھارے لیے رات کے گزرنے کا صحیح اندازہ ممکن ہی نہیں تو تم مقررہ اوقات تک نماز تہجد میں مشغول بھی کس طرح رہ سکتے ہو۔

2 یعنی اللہ نے قیام اللیل کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب صرف اس کا استحباب باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی وقت کی پابندی کے بغیر۔ نصف شب یا ثُلُث شب یا دو ثُلُث کی پابندی بھی ضروری نہیں۔ اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کر کے دو رکعت بھی پڑھ لو گے تو عنداللہ قیام اللیل کے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے، تاہم اگر کوئی شخص گیارہ رکعات تہجد بمع وتر کا اہتمام کرے گا جیسا کہ نبیٔ کریم ﷺ کا معمول تھا تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور نبی ﷺ کا متبع قرار پائے گا۔

3 ﴿فَاقْرَءُوْا﴾ کا مطلب ہے فَصَلُّوا اور ﴿الْقُرْاٰنِ﴾ سے مراد اَلصَّلاۃ ہے۔ قیام اللیل میں چونکہ قیام لمبا ہوتا ہے اور قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے، اس لیے نماز تہجد کو قرآن ہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے، جیسے نماز میں سورۂ فاتحہ نہایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں جو سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، سورۂ فاتحہ کو نماز سے تعبیر فرمایا ہے: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي»(صحيح مسلم، حديث: 395، وجامع الترمذي، حديث: 2953) ''میں نے فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔'' اس لیے جتنا قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لو کا مطلب ہے: رات کو جتنی نماز پڑھ سکتے ہو، پڑھ لو۔ اس کے لیے نہ وقت کی پابندی ہے اور نہ رکعات کی۔ اس آیت سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری نہیں ہے جتنا کسی کے لیے آسان ہو، پڑھ لے اگر کوئی ایک آیت بھی کہیں سے پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن اول تو یہاں قراءت بمعنی نماز ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس لیے آیت کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ نماز میں کتنی قراءت ضروری ہے۔ دوسرے، اگر اس کا تعلق قراءت سے ہی مان لیا جائے، تب بھی یہ استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا کیونکہ ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ کی تفسیر خود نبی ﷺ نے فرما دی ہے کہ وہ کم سے کم قراءت جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی وہ سورۂ فاتحہ ہے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''یہ ضرور پڑھو۔'' جیسا کہ صحیح اور نہایت قوی اور واضح احادیث میں یہ حکم ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 756، و سنن النسائي، حديث: 921) اس تفسیر نبوی ﷺ کے خلاف یہ کہنا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ضروری نہیں بلکہ کوئی سی بھی ایک آیت پڑھ لو، نماز ہو جائے گی۔ بڑی جسارت اور نبی ﷺ کی احادیث سے بے اعتنائی کا پر رعونت مظاہرہ ہے۔ نیز ان کے اپنے ائمہ کے بھی خلاف ہے جو انھوں نے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ترک فاتحہ خلف الامام پر استدلال جائز نہیں، اس لیے کہ دو آیتیں متعارض ہیں۔

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا
حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ
تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ
اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
ع 2 1 14 رَّحِيْمٌ ﴿20﴾ ع

کریں گے [1] اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے، [2] سوتم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو [3] اور نماز کی پابندی رکھو [4] اور زکاۃ دیتے رہا کرو اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو۔ [5] اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے [6] اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

اٰيَاتُهَا: 56 (74) سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ (4) رُكُوْعَاتُهَا: 2

سورۂ مدثر مکی ہے، اس میں 56 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ ﴿1﴾

اے کپڑا اوڑھنے والے ○ [7]

---

1 یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے سفر کرنا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا پڑے گا۔

2 اسی طرح جہاد میں بھی پر مشقت سفر اور مشقیں کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ تینوں چیزیں: بیماری، سفر اور جہاد۔ نوبت بہ نوبت ہر ایک کو لاحق ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کے حکم میں تخفیف کر دی ہے کیونکہ تینوں حالتوں میں یہ نہایت مشکل اور بڑا صبر آزما کام ہے۔

3 اسبابِ تخفیف کے ساتھ تخفیف کا یہ حکم دوبارہ بطور تاکید بیان کر دیا ہے۔

4 یعنی پانچ نمازوں کی جو فرض ہیں۔

5 یعنی اللہ کی راہ میں حسب ضرورت و توفیق خرچ کرو، اسے قرض حسن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

6 یعنی نفلی نمازیں، صدقات و خیرات اور دیگر نیکیاں جو بھی کرو گے، اللہ کے ہاں ان کا بہترین اجر پاؤ گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدینے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اس کا نصف حصہ مکی اور نصف مدنی ہے۔ (أيسر التفاسير)

7 سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○﴾ (العلق 96:1) ہے اس کے بعد وحی میں وقفہ ہو گیا اور نبی ﷺ سخت مضطرب اور پریشان رہے۔ ایک روز اچانک پھر وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں پہلی مرتبہ وحی لے کر آیا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے جس سے آپ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا اور گھر جا کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، چنانچہ انھوں نے آپ کے جسم پر ایک کپڑا ڈال دیا، اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4926، و صحيح مسلم، حديث: 161)

قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿2﴾
کھڑے ہو جائیے اور ڈرائیے ○ [1]

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿3﴾
اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کیجیے ○

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿4﴾
اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے ○ [2]

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿5﴾
ناپاکی کو چھوڑ دیجیے ○ [3]

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿6﴾
اور احسان کرکے زیادہ لینے کی خواہش نہ کیجیے ○ [4]

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿7﴾
اور اپنے رب کی راہ میں صبر کیجیے ○

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿8﴾
پس جبکہ صور میں پھونک ماری جائے گی ○

فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿9﴾
تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا ○

عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿10﴾
(جو) کافروں پر آسان نہ ہوگا ○ [5]

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿11﴾
مجھے اور اسے چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے ○ [6]

وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿12﴾
اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے ○

وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿13﴾
اور بیٹے حاضر رہنے والے ○ [7]

اس اعتبار سے یہ دوسری وحی اور فترت وحی کے بعد پہلی وحی ہے۔ (وحی کے انقطاع کی مدت فترت کہلاتی ہے۔)

1 یعنی اہل مکہ کو ڈرا، اگر وہ ایمان نہ لائیں۔

2 یعنی قلب ونیت کے ساتھ کپڑے بھی پاک رکھ۔ یہ حکم اس لیے دیا کہ مشرکین مکہ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔

3 رُجز اور رِجز، دونوں طرح ہے، بمعنی عذاب لیکن یہاں بت یا معصیت کے معنی میں ہے، اس لیے کہ بتوں کی عبادت یا معصیت عذاب کا باعث ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ بتوں کی عبادت یا معصیت چھوڑ دے۔ یہ دراصل لوگوں کو آپ کے ذریعے سے حکم دیا جا رہا ہے۔

4 یعنی احسان کرکے یہ خواہش نہ کر کہ بدلے میں اس سے زیادہ ملے گا۔

5 یعنی قیامت کا دن کافروں پر بھاری ہوگا کیونکہ اس روز کفر کا نتیجہ انھیں بھگتنا ہوگا جس کا ارتکاب وہ دنیا میں کرتے رہے ہوں گے۔

6 یہ کلمۂ وعید وتہدید ہے کہ اسے جسے میں نے ماں کے پیٹ میں اکیلا پیدا کیا، اس کے پاس مال تھا نہ اولاد اور مجھے اکیلا چھوڑ دو، یعنی میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کفر و طغیان میں بہت بڑھا ہوا تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

7 اسے اللہ نے اولاد ذکور سے نوازا تھا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی رہتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی،

وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿14﴾
اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے ○ [1]

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿15﴾
پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ○ [2]

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿16﴾
نہیں نہیں، [3] وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے ○ [4]

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿17﴾
عنقریب میں اسے ایک دشوار گزار گھاٹی پر چڑھاؤں گا ○ [5]

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿18﴾
اس نے غور کر کے تجویز کی ○ [6]

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿19﴾
اسے ہلاکت ہو کیسی تجویز سوچی؟ ○

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿20﴾
وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا؟ ○ [7]

ثُمَّ نَظَرَ ﴿21﴾
اس نے پھر دیکھا ○ [8]

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿22﴾
پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا ○ [9]

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿23﴾
پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا ○ [10]

اس لیے بیٹوں کو تجارت و کاروبار کے لیے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ بعض کہتے ہیں: یہ بیٹے سات تھے، بعض کے نزدیک 12 اور بعض کے نزدیک 13 تھے ان میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہم۔ (فتح القدیر)

1 یعنی مال و دولت میں ریاست و سرداری میں اور درازئ عمر میں۔

2 یعنی کفر و معصیت کے باوجود اس کی خواہش ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔

3 یعنی میں اسے زیادہ نہیں دوں گا۔

4 یہ ﴿كَلَّا﴾ کی علت ہے۔ ﴿عَنِيْدًا﴾ اس شخص کو کہتے ہیں جو جاننے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کو رد کرے۔

5 یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا جس کا برداشت کرنا نہایت سخت ہوگا، بعض کہتے ہیں: جہنم میں آگ کا پہاڑ ہوگا جس پر اس کو چڑھایا جائے گا۔ اِرْهَاقٌ کے معنی ہیں: انسان پر بھاری چیز لاد دینا۔ (فتح القدیر)

6 یعنی قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر، اس نے اس امر پر غور کیا کہ میں اس کا کیا جواب دوں۔ اور اپنے جی میں اس نے وہ تیار کیا۔

7 یہ اس کے حق میں بددعائیہ کلمے ہیں کہ ہلاک ہو، مارا جائے، کیا بات اس نے سوچی ہے؟

8 یعنی پھر غور کیا کہ قرآن کا رد کس طرح ممکن ہے۔

9 یعنی جواب سوچتے وقت چہرے کی سلوٹیں بدلیں اور منہ بسورا جیسا کہ عموماً کسی مشکل بات پر غور کرتے وقت آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

10 یعنی حق سے اعراض کیا اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿24﴾
اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿25﴾
سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴿26﴾
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿27﴾
لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ﴿28﴾
لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿29﴾
عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿30﴾
وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّلَا یَرْتَابَ

اور کہنے لگا: یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے ○ [1]
سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں ○
میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا ○
اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ ○ [2]
نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ○ [3]
کھال کو جھلسا دیتی ہے ○
اور اس پر انیس (فرشتے مقرر) ہیں ○ [4]
ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے رکھے ہیں۔ اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے، [5] تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں، [6] اور ایمان دار ایمان میں بڑھ جائیں [7] اور اہل کتاب اور

---

1 یعنی کسی سے یہ سیکھ آیا اور وہاں سے نقل کر لایا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

2 دوزخ کے ناموں یا درجات میں سے ایک کا نام "سقر" بھی ہے۔

3 ان کے جسموں پر گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی۔ یا مطلب ہے جہنمیوں کو زندہ چھوڑے گی نہ مردہ، ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ○﴾ (الأعلى 13:87) "جہنم میں مریں گے نہ جئیں گے۔"

4 یعنی جہنم پر بطور دربان 19 فرشتے مقرر ہیں۔

5 یہ مشرکین قریش کا رد ہے، جب جہنم کے داروغوں کا اللہ نے ذکر فرمایا تو ابوجہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمیوں کا گروپ، ایک ایک فرشتے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ کلدہ نامی شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، کہا: تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، 17 فرشتوں کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ کہتے ہیں: اسی نے رسول اللہ ﷺ کو کشتی کا بھی کئی مرتبہ چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ یزید بن رکانہ کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے تین مرتبہ کشتی لڑی تھی، تیسری مرتبہ وہ شکست کھا کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (البداية والنهاية: 102/3 طبع جدید) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزا، یعنی آزمائش کا سبب بن گئی۔

6 یعنی جان لیں کہ یہ رسول برحق ہے اور اس نے وہی بات کی ہے جو پچھلی کتابوں میں بھی درج ہے۔

7 کہ اہل کتاب نے ان کے پیغمبر کی بات کی تصدیق کی ہے۔

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ
وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا
مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ
رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى
لِلْبَشَرِ ﴿31﴾ ع 1 31 15
كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ﴿32﴾
وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ﴿33﴾
وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ﴿34﴾
اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ﴿35﴾
نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ﴿36﴾

مسلمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں گے کہ اس بیان سے اللہ کی کیا مراد ہے؟[1] اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔[2] تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا،[3] یہ تو تمام بنی آدم کے لیے سراسر پند و نصیحت ہے ○[4]

سچ کہتا ہوں[5] قسم ہے چاند کی ○
اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے ○
اور صبح کی جب کہ روشن ہو جائے ○
کہ یقیناً وہ (جہنم) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے ○[6]
بنی آدم کو ڈرانے والی ○

---

1 بیمار دل والوں سے مراد منافقین ہیں یا پھر وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک تھے کیونکہ مکے میں منافقین نہیں تھے، یعنی یہ پوچھیں گے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں اللہ کی کیا حکمت ہے۔

2 یعنی گزشتہ گمراہی کی طرح، جسے چاہتا ہے گمراہ اور جسے چاہتا ہے، راہ یاب کرتا ہے، اس میں جو حکمت بالغہ ہوتی ہے، اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

3 یعنی یہ کفار و مشرکین سمجھتے ہیں کہ جہنم میں 19 فرشتے ہی تو ہیں نا، جن پر قابو پانا کون سا مشکل کام ہے۔ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنھیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں کہ 70 ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لیے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی۔ (صحيح البخاري، حديث:3207، و صحيح مسلم، حديث:162)

4 یعنی یہ جہنم اور اس پر مقرر فرشتے، انسانوں کی پند و نصیحت کے لیے ہیں کہ شاید وہ نافرمانیوں سے باز آ جائیں۔

5 ﴿كَلَّا﴾ یہ اہل مکہ کے خیالات کی نفی ہے، یعنی جو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرشتوں کو مغلوب کر لیں گے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے، یعنی جانے لگے۔

6 یہ جواب قسم ہے۔ ﴿الْكُبَرِ﴾ كُبْرٰى کی جمع ہے۔ تین نہایت اہم چیزوں کی قسموں کے بعد اللہ نے جہنم کی بڑائی اور ہولناکی کو بیان کیا ہے جس سے اس کی بڑائی میں کوئی شک نہیں رہتا۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ ﴿37﴾ | (یعنی) اسے [1] جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے ○ [2]

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ﴿38﴾ | ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے ○ [3]

اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ﴿39﴾ | مگر دائیں ہاتھ والے ○ [4]

فِیْ جَنّٰتٍ ۛ یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿40﴾ | کہ وہ بہشتوں میں (بیٹھے ہوئے) سوال کرتے ہوں گے ○

عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿41﴾ | گناہ گاروں سے ○ [5]

مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿42﴾ | تمھیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ ○

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ﴿43﴾ | وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے ○

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ﴿44﴾ | نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے ○ [6]

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ﴿45﴾ | اور ہم بحث کرنے والوں کا ساتھ دے کر بحث مباحثے میں مشغول رہا کرتے تھے ○ [7]

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿46﴾ | اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے ○

حَتّٰۤی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿47﴾ | یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی ○ [8]

---

1 یعنی یہ جہنم ڈرانے والی ہے یا اس نذیر سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں یا قرآن ہے کیونکہ قرآن بھی اپنے بیان کردہ وعدو وعید کے اعتبار سے انسانوں کے لیے نذیر ''ڈرانے والا'' ہے۔

2 یعنی ایمان واطاعت میں آگے بڑھنا چاہے یا اس سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ مطلب ہے کہ انذار ہر ایک کے لیے ہے جو ایمان لائے یا کفر کرے۔

3 رہن گروی رکھنے کو کہتے ہیں، یعنی ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے، وہ عمل اسے عذاب سے چھڑا لے گا، (اگر نیک ہوگا) یا اسے ہلاک کروا دے گا (اگر برا ہوگا۔)

4 یعنی وہ اپنے گناہوں کے اسیر نہیں ہوں گے بلکہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔

5 ﴿فِیْ جَنّٰتٍ﴾ اَصْحَابَ الْیَمِیْنِ سے حال ہے۔ اہل جنت بالا خانوں میں بیٹھے، جہنمیوں سے سوال کریں گے۔

6 نماز حقوق اللہ میں سے اور مساکین کو کھلانا حقوق العباد میں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ کے حقوق ادا کیے نہ بندوں کے۔

7 یعنی کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

8 یقین کے معنی موت کے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ﴾ (الحجر

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿48﴾
پس انھیں سفارش کرنیوالوں کی سفارش نفع نہ دے گی ۝ [1]

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿49﴾
انھیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں ۝

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿50﴾
گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں ۝

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿51﴾
جو شیر سے بھاگے ہوں ۝ [2]

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿52﴾
بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں ۝ [3]

كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿53﴾
ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ یہ قیامت سے بے خوف ہیں ۝ [4]

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿54﴾
سچی بات تو یہ ہے کہ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے ۝ [5]

فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾
اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے ۝

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿56﴾
اور وہ اس وقت نصیحت حاصل کریں گے جب اللہ چاہے، [6] وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور لائق ہے کہ بخشے ۝ [7]

ع 2 / 25 / 16

(الحجر 99:25) ''اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔''

1 یعنی جو صفات مذکورہ کا حامل ہوگا، اسے کسی کی شفاعت بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے محل شفاعت ہی نہیں ہوگا، شفاعت تو صرف ان کے لیے مفید ہوگی جو ایمان کی وجہ سے شفاعت کے قابل ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت بھی انھی کے لیے ملے گی نہ کہ ہر ایک کے لیے۔

2 یعنی یہ حق سے نفرت اور اعراض کرنے میں ایسے ہیں جیسے وحشی، خوف زدہ گدھے، شیر سے بھاگتے ہیں جب وہ ان کا شکار کرنا چاہے۔ ﴿قَسْوَرَةٍ﴾ بمعنی شیر، بعض نے اس کے معنی تیر انداز بھی کیے ہیں۔

3 یعنی ہر ایک کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے ایک ایک کتاب مفتوح نازل ہو جس میں لکھا ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بغیر عمل کے یہ عذاب سے براءت چاہتے ہیں، یعنی ہر ایک کو پروانۂ نجات مل جائے۔ (ابن کثیر)

4 یعنی ان کے فساد کی وجہ ان کا آخرت پر عدم ایمان اور اس کی تکذیب ہے جس نے انھیں بے خوف کر دیا ہے۔

5 لیکن اس کے لیے جو اس قرآن کے مواعظ و نصائح سے عبرت حاصل کرنا چاہے۔

6 یعنی اس قرآن سے ہدایت اور نصیحت اسے ہی حاصل ہوگی جسے اللہ چاہے گا۔ ﴿وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (التکویر 29:81) ''اور تم بغیر پروردگار کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔''

7 یعنی وہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی معاف کرنے کے اختیارات رکھتا ہے، اس لیے وہی

آیاتھا 40 (75) سُوْرَۃُ الْقِیٰمَةِ مَكِّيَّةٌ (31) رکوعاتھا 2

سورۂ قیامہ مکی ہے،اس میں 40 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝1

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ○ [1]

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝2

اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو ○ [2]

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝3

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع ہی نہیں کریں گے ○ [3]

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝4

ہاں! ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک درست کر دیں ○ [4]

اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے تا کہ انسان اس کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے۔

1 ﴿لَآ اُقْسِمُ﴾ میں لَا زائدہ ہے جو عربی زبان کا ایک اسلوب ہے، جیسے ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ (الأعراف 7:12) ''تجھے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔'' اور ﴿لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ (الحدید 57:29) ''تا کہ اہل کتاب جان لیں۔'' اور دیگر بہت سے مقامات میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم سے پہلے کفار کے کلام کا رد ہے، وہ کہتے تھے مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ لَا کے ذریعے سے کہا گیا، جس طرح تم کہتے ہو، معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، قیامت کے دن کی قسم کھانے سے مقصد اس کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔

2 یعنی بھلائی پر بھی کرتا ہے کہ زیادہ کیوں نہیں کی۔ اور برائیوں پر بھی کہ اس سے باز کیوں نہیں آتا۔ دنیا میں بھی جن کے ضمیر بیدار ہوتے ہیں، ان کے نفس انھیں ملامت کرتے ہیں، تاہم آخرت میں تو سب ہی کے نفس ملامت کریں گے۔

3 یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد یہاں کافر اور ملحد انسان ہے جو قیامت کو نہیں مانتا۔ اس کا گمان غلط ہے، اللہ تعالیٰ یقیناً انسانوں کے اجزاء کو جمع فرمائے گا۔ یہاں ہڈیوں کا بطور خاص ذکر ہے، اس لیے کہ ہڈیاں ہی پیدائش کا اصل ڈھانچہ اور قالب ہیں۔

4 بَنَانٌ ہاتھوں اور پیروں کے ان اطراف (کناروں) کو کہتے ہیں جو جوڑوں، ناخن، لطیف رگوں اور باریک ہڈیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جب یہ باریک اور لطیف چیزیں ہم بالکل صحیح صحیح جوڑ دیں گے تو بڑے بڑے حصوں کو جوڑ دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہوگا؟

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ⑤
بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا جائے ○ [1]

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥
پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا ○ [2]

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦
پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے گی ○ [3]

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧
اور چاند بے نور ہو جائے گا ○ [4]

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ⑨
اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے ○ [5]

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩
اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ○ [6]

كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪
نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ○ [7]

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ⑫
آج تو تیرے پروردگار ہی کی طرف قرار گاہ ہے ○ [8]

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬
آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا ○ [9]

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭
بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ دلیل ہے ○ [10]

---

1 یعنی اس امید پر نافرمانی اور حق کا انکار کرتا ہے کہ کون سی قیامت آنی ہے۔

2 یہ سوال اس لیے نہیں کرتا کہ گناہوں سے تائب ہو جائے بلکہ قیامت کو ناممکن الوقوع سمجھتے ہوئے پوچھتا ہے۔ اسی لیے فسق و فجور سے باز نہیں آتا، تاہم اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے آنے کا وقت بیان فرما رہا ہے۔

3 دہشت اور حیرانی سے۔ ﴿ بَرِقَ ﴾ تَحَيَّرَ وَانْدَهَشَ جیسے موت کے وقت عام طور پر ہوتا ہے۔

4 جب چاند کو گرہن لگتا ہے تو اس وقت بھی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خَسُفِ قَمَر جو علامات قیامت میں سے ہے جب ہوگا تو اس کے بعد اس میں روشنی نہیں آئے گی۔

5 یعنی بے نوری میں۔ مطلب ہے کہ چاند کی طرح سورج کی روشنی بھی ختم ہو جائے گی۔

6 یعنی جب یہ واقعات ظہور پذیر ہوں گے تو پھر اللہ سے یا جہنم کے عذاب سے راہ فرار ڈھونڈے گا لیکن اس وقت راہ فرار کہاں ہوگی؟

7 ﴿ وَزَرَ ﴾ پہاڑ یا قلعے کو کہتے ہیں جہاں انسان پناہ حاصل کر لے۔ وہاں ایسی کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔

8 جہاں وہ بندوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی اللہ کی اس عدالت سے چھپ جائے۔

9 یعنی اس کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کیا جائے گا، قدیم ہو یا جدید، اول ہو یا آخر، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾ (الکھف 18:49) ''سب کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائے گا۔''

10 یعنی اس کے اپنے ہاتھ، پاؤں، زبان اور دیگر اعضاء گواہی دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے عیوب خود جانتا ہے۔

وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ⑮
اگر چہ کتنے ہی بہانے پیش کرے ○ [1]

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯
(اے نبی!) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ○ [2]

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ⑰
اس کا جمع کرنا اور (آپ کا زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمے ہے ○ [3]

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ⑱
ہم جب اسے پڑھ [4] لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں ○ [5]

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲
پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمے ہے ○ [6]

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ⑳
نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی دنیا کی محبت رکھتے ہو ○

وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ㉑
اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو ○ [7]

---

1 یعنی لڑے جھگڑے، ایک سے ایک تاویل کرے لیکن ایسا کرنا نہ اس کے لیے مفید ہے اور نہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہے۔

2 حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ عجلت سے پڑھتے جاتے کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اللہ نے آپ کو فرشتے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4929) یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ (طٰهٰ 20:114) ''آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے۔'' چنانچہ اس حکم کے بعد آپ خاموشی سے سنتے۔

3 یعنی آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان پر اس کی قراءت کو جاری کر دینا ہماری ذمے داری ہے تاکہ اس کا کوئی حصہ آپ کی یادداشت سے نہ نکلے اور آپ کے ذہن سے محو نہ ہو۔

4 یعنی فرشتے (جبرائیل) علیہ السلام کے ذریعے سے جب ہم اس کی قراءت آپ پر پوری کر لیں۔

5 یعنی اس کے شرائع واحکام لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کا اتباع بھی کریں۔

6 یعنی اس کے مشکل مقامات کی تشریح اور حلال وحرام کی توضیح، یہ بھی ہمارے ذمے ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مجملات کی جو تفصیل، مبہمات کی توضیح اور اس کے عمومات کی جو تخصیص بیان فرمائی ہے جسے حدیث کہا جاتا ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے ہی الہام اور سمجھائی ہوئی باتیں ہیں، اس لیے انھیں بھی قرآن کی طرح ماننا ضروری ہے۔

7 یعنی یوم قیامت کی تکذیب، ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کی مخالفت اور حق سے اعراض، اس لیے ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت تمھیں بالکل فراموش ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿22﴾
اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے ○

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾
اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ○ [1]

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿24﴾
اور کتنے چہرے اس دن (بدرونق اور) اداس ہوں گے ○ [2]

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿25﴾
یقین کرلیں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ○ [3]

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿26﴾
نہیں نہیں، [4] جب روح ہنسلی [5] تک پہنچے گی ○

وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿27﴾
اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک [6] کرنے والا ہے؟ ○

وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿28﴾
اور وہ یقین کرلے گا کہ یہ وقت جدائی ہے ○ [7]

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿29﴾
اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ○ [8]

ع 1 30 17 اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِۨ الْمَسَاقُ ﴿30﴾
آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے ○

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿31﴾
اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی ○ [9]

---

1 یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جو اپنے حسن انجام کی وجہ سے مطمئن، مسرور اور منور ہوں گے۔ مزید دیدار الٰہی سے بھی لطف اندوز ہوں گے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

2 یہ کافروں کے چہرے ہوں گے۔ ﴿ بَاسِرَةٌ ﴾ متغیر، زرد، غم وحزن سے سیاہ اور بے رونق۔

3 اور وہ یہی کہ جہنم میں ان کو پھینک دیا جائے گا۔

4 یعنی یہ ممکن نہیں کہ کافر قیامت پر ایمان لے آئیں۔

5 ﴿ التَّرَاقِيَ ﴾ تَرْقُوَةٌ کی جمع ہے۔ یہ گردن کے قریب، سینے اور کندھے کے درمیان ایک ہڈی ہے، یعنی جب موت کا آہنی پنجہ تمھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

6 یعنی حاضرین میں سے کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعے سے تمھیں موت کے پنجے سے چھڑا لے۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ اس کی روح کون لے کر چڑھے۔ ملائکۂ رحمت یا ملائکۂ عذاب۔ اس صورت میں یہ قول فرشتوں کا ہے۔

7 یعنی وہ شخص یقین کرلے گا جس کی روح ہنسلی تک پہنچ گئی ہے کہ اب مال، اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے جدائی کا مرحلہ آ گیا ہے۔

8 اس سے یا تو موت کے وقت پنڈلی کا پنڈلی کے ساتھ مل جانا مراد ہے یا پے در پے تکلیفیں۔ جمہور مفسرین نے دوسرے معنی کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

9 یعنی اس انسان نے رسول اور قرآن کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، یعنی اللہ کی عبادت نہیں کی۔

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿32﴾
بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی ○[1]

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿33﴾
پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا ○[2]

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿34﴾
افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر ○

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿35﴾
وائے ہے اور خرابی ہے تیرے لیے ○[3]

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿36﴾
کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ○[4]

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿37﴾
کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو رحم میں ٹپکایا گیا تھا؟ ○

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿38﴾
پھر وہ لہو کا لوتھڑا ہوگیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا ○[5]

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿39﴾
پھر اس سے جوڑے، یعنی نر و مادہ بنائے ○

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿40﴾ ع 2/10/18
کیا (اللہ) اس (امر) پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کردے ○[6]

اٰیاتھا: 31 (76) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ (98) رکوعاتھا: 2

سورۂ دہر[7] مکی ہے، اس میں 31 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

---

1 یعنی رسول کو جھٹلایا اور ایمان و اطاعت سے روگردانی کی۔

2 ﴿ يَتَمَطّٰى ﴾ اتراتا اور اکڑتا ہوا۔

3 یہ کلمۂ وعید ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل ہے أَوْلَاكَ اللّٰهُ مَاتَكْرَهُهُ اللہ تجھے ایسی چیز سے دوچار کرے جسے تو ناپسند کرتا ہے۔

4 یعنی اس کو کسی چیز کا حکم دیا جائے گا نہ کسی چیز سے منع کیا جائے گا، نہ اس کا محاسبہ ہوگا نہ معاقبہ۔ یا اس کو قبر میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا، وہاں سے اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

5 ﴿ فَسَوّٰى ﴾ یعنی اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور اس کی تکمیل کی اور اس میں روح پھونکی۔

6 یعنی جو اللہ انسان کو اس طرح مختلف اطوار سے گزار کر پیدا فرماتا ہے کیا مرنے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے، یعنی وہ یقیناً اس پر قادر ہے۔ اس سورت کے آخر میں ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ○ ﴾ کے جواب میں سُبْحَانَكَ فَبَلٰى کہنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھیے صحيح سنن أبي داود للألباني: 38/4، حديث: 884.)

7 اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور اسے مدنی قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آخری دس آیات مکی ہیں، باقی سب مدنی۔ (فتح القدير) نبی ﷺ جمعے کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھا کرتے تھے۔ (صحيح مسلم، حديث: 879) اس سورت کو سورۂ انسان بھی کہا جاتا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

یقیناً انسان پر ایک وقت زمانے میں سے ایسا بھی گزرا ہے [1] جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا○

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ②

بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لیے [2] پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا○ [3]

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③

ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے، خواہ ناشکرا○ [4]

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④

یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے○ [5]

---

1 ﴿هَلْ﴾ بمعنی قَدْ ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ ﴿الْاِنْسَانِ﴾ سے مراد، بعض کے نزدیک ابو البشر، یعنی انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ﴿حِيْنٌ﴾ (ایک وقت) سے مراد، روح پھونکے جانے سے پہلے کا زمانہ ہے جو چالیس سال ہے۔ اور اکثر مفسرین کے نزدیک ﴿الْاِنْسَانِ﴾ کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے اور ﴿حِيْنٌ﴾ سے مراد حمل، یعنی رحم مادر کی مدت ہے۔ جس میں وہ قابل ذکر چیز نہیں ہوتا۔ اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں جب باہر آتا ہے تو رب کے سامنے اکڑتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت یاد رکھنی چاہیے کہ میں تو وہی ہوں جب میں عالم نیست میں تھا تو مجھے کون جانتا تھا؟

2 ملے جلے کا مطلب، مرد اور عورت دونوں کے پانی کا ملنا اور پھر ان کا مختلف اطوار سے گزرنا ہے۔ پیدا کرنے کا مقصد، انسان کی آزمائش ہے۔ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملك 67:2) ”تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اعمال میں اچھا ہے۔“

3 یعنی اسے سماعت اور بصارت کی قوتیں عطا کیں تاکہ وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکے اور اس کے بعد اطاعت یا معصیت دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔

4 یعنی مذکورہ قوتوں اور صلاحیتوں کے علاوہ ہم نے خود بھی انبیاء علیہم السلام، اپنی کتابوں اور داعیان حق کے ذریعے سے صحیح راستے کو بیان اور واضح کر دیا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اس کا ناشکرا بن جائے، جیسے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُوبِقُهَا أَوْ مُعْتِقُهَا» (صحيح مسلم، حديث: 223) ”ہر شخص صبح کو اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے، پس اسے ہلاک کر دیتا ہے یا اسے آزاد کرا لیتا ہے۔“ یعنی اپنے عمل و کسب کے ذریعے سے ہلاک یا آزاد کراتا ہے، اگر شر کمائے گا تو اپنے نفس کو ہلاک اور خیر کمائے گا تو نفس کو آزاد کرا لے گا۔

5 یہ اللہ کی دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥
يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا

بے شک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہے ○ [1]
جو ایک چشمہ ہے [2] جس سے اللہ کے بندے پئیں گے، اس کی نہریں نکال لے جائیں گے ○ [3]
جو نذر پوری کرتے ہیں [4] اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے ○ [5]
اور اللہ کی محبت [6] میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور

---

1 اشقیاء (بد بختوں) کے مقابلے میں یہ سعداء (نیک بختوں) کا ذکر ہے، ﴿ كَاْسٍ ﴾ اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو اور چھلک رہا ہو۔ ﴿ كَافُوْرًا ﴾ ٹھنڈی اور ایک مخصوص خوشبو کی حامل ہوتی ہے، اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوشبو مشام جان کو معطر کرنے والی ہو جائے گی۔

2 یعنی یہ کافور ملی شراب، دو چار صراحیوں یا مٹکوں میں نہیں ہوگی بلکہ اس کا چشمہ ہوگا، یعنی یہ ختم ہونے والی نہیں ہوگی۔

3 یعنی اس کو جدھر چاہیں گے، موڑ لیں گے، اپنے محلات و منازل میں، اپنی مجلسوں اور بیٹھکوں میں اور باہر میدانوں اور تفریح گاہوں میں۔

4 یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں، نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے اور پھر اسے پورا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو، چنانچہ حدیث میں ہے ''جس شخص نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے معصیت الٰہی کی نذر مانی ہے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے (اسے پورا نہ کرے)۔'' (صحيح البخاري، حديث:6696)

5 یعنی اس دن سے ڈرتے ہوئے محرمات اور معصیات کا ارتکاب نہیں کرتے۔ برائی پھیل جانے کا مطلب ہے کہ اس روز اللہ کی گرفت سے صرف وہی بچے گا جسے اللہ اپنے دامن عفو و رحمت میں ڈھانپ لے گا۔ باقی سب اس روز کے شر کی لپیٹ میں ہوں گے۔

6 یا طعام کی محبت کے باوجود، وہ اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ قیدی اگر غیر مسلم ہو، تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، جیسے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان کی تکریم کرو، چنانچہ صحابہ پہلے ان کو کھانا کھلاتے، خود بعد میں کھاتے۔ (ابن کثیر) اسی طرح غلام اور نوکر چاکر بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہی تھی کہ ''نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔'' (سنن ابن ماجه، حديث:2698)

وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧
قیدیوں کو ○

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨
ہم تو تمھیں صرف اللہ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری ○

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩
بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں [1] جو اداسی اور سختی والا ہوگا ○

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪
پس انھیں اللہ نے اس دن کی برائی سے بچا لیا [2] اور انھیں تازگی اور خوشی پہنچائی ○ [3]

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫
اور انھیں ان کے صبر [4] کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے ○

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬
یہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سردی کی شدت ○ [5]

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭
ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے [6] اور انکے (میوے اور) گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے ○ [7]

---

1 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿قَمْطَرِيْرًا﴾ کے معنی طویل کے کیے ہیں، ﴿عَبُوْسًا﴾ سخت، یعنی وہ دن نہایت سخت ہوگا اور سختیوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے کافروں پر بڑا لمبا ہوگا۔ (ابن کثیر)

2 جیسا کہ وہ اس کے شر سے ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔

3 تازگی چہروں پر ہوگی اور خوشی دلوں میں۔ جب انسان کا دل مسرت سے لبریز ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بھی مسرت سے گلنار ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ "جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک اس طرح روشن ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔" (صحيح البخاري، حديث:4418، و صحيح مسلم، حديث:2769)

4 صبر کا مطلب ہے دین کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں انھیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ کی اطاعت میں نفس کی خواہشات اور لذات کو قربان کرنا اور معصیتوں سے اجتناب کرنا۔

5 ﴿زَمْهَرِيْرًا﴾ سخت جاڑے کو کہتے ہیں۔ مطلب ہے کہ وہاں ہمیشہ ایک ہی موسم رہے گا اور وہ ہے موسم بہار، نہ سخت گرمی اور نہ کڑاکے کی سردی۔

6 گو وہاں سورج کی حرارت نہیں ہوگی، اس کے باوجود درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے یا مطلب ہے کہ ان کی شاخیں ان کے قریب ہوں گی۔

7 یعنی درختوں کے پھل، گوش برآواز فرماں بردار کی طرح، انسان کا جب کھانے کو جی چاہے گا تو وہ جھک کر اتنے

وَ یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِاٰنِیَۃٍ مِّنۡ فِضَّۃٍ وَّ اَکۡوَابٍ کَانَتۡ قَؔوَارِیۡرَا۠ ﴿۱۵﴾
قَؔوَارِیۡرَا۠ مِنۡ فِضَّۃٍ قَدَّرُوۡہَا تَقۡدِیۡرًا ﴿۱۶﴾
وَ یُسۡقَوۡنَ فِیۡہَا کَاۡسًا کَانَ مِزَاجُہَا زَنۡجَبِیۡلًا ﴿ۚ۱۷﴾
عَیۡنًا فِیۡہَا تُسَمّٰی سَلۡسَبِیۡلًا ﴿۱۸﴾
وَ یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۚ اِذَا رَاَیۡتَہُمۡ حَسِبۡتَہُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ﴿۱۹﴾

اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے [1] گا جو شیشے کے ہوں گے ○
شیشے بھی چاندی [2] کے جن کو (ساقی نے) اندازے سے ناپ رکھا ہوگا ○ [3]
اور انھیں وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی ○ [4]
جنت کی ایک نہر سے جس کا نام سلسبیل ہے ○ [5]
اور ان کے اردگرد گھومتے پھرتے ہوں گے وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں، [6] جب تو انھیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں ○ [7]

قریب ہو جائیں گے کہ بیٹھے، لیٹے بھی انھیں توڑ لے۔ (ابن کثیر)

1 یعنی خادم انھیں لے کر جنتیوں کے درمیان پھریں گے۔

2 یعنی یہ برتن اور آب خورے چاندی اور شیشے سے بنے ہوں گے۔ نہایت نفیس اور نازک، گویا یہ صنعت ایسی ہے کہ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔

3 یعنی ان میں شراب ایسے اندازے سے ڈالی گئی ہوگی کہ جس سے وہ سیراب بھی ہو جائیں، تشنگی محسوس نہ کریں۔ اور برتنوں اور جاموں میں بھی زائد نہ بچی رہے۔ مہمان نوازی کے اس طریقے میں بھی مہمانوں کی عزت افزائی ہی کا اہتمام ہے۔

4 ﴿زَنۡجَبِیۡلًا﴾ (سونٹھ، خشک ادرک) کو کہتے ہیں۔ یہ گرم ہوتی ہے۔ اس کی آمیزش سے ایک خوشگوار تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عربوں کی یہ مرغوب چیز ہے، چنانچہ ان کے قہوہ میں بھی زنجبیل شامل ہوتی ہے۔ مطلب ہے کہ جنت میں ایک وہ شراب ہوگی جو ٹھنڈی ہوگی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور دوسری شراب گرم جس میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔

5 یعنی اس شراب زنجبیل کی بھی نہر ہوگی جسے ﴿سَلۡسَبِیۡلًا﴾ کہا جاتا ہے۔

6 شراب کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ساقیوں کا وصف بیان کیا جا رہا ہے ''ہمیشہ رہیں گے'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنتیوں کی طرح ان خادموں کو بھی موت نہیں آئے گی۔ دوسرا یہ کہ ان کا بچپن اور ان کی رعنائی ہمیشہ برقرار رہے گی۔ وہ نہ بوڑھے ہوں گے نہ ان کا حسن و جمال متغیر ہوگا۔

7 حسن و صفائی اور تازگی و شادابی میں وہ موتیوں کی طرح ہوں گے، بکھرے ہوئے کا مطلب، خدمت کے لیے ہر طرف پھیلے ہوئے اور نہایت تیزی سے مصروف خدمت ہوں گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا
كَبِيْرًا ⑳
عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ
وَّحُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ
رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ㉑
اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ
مَّشْكُوْرًا ㉒ ع 1 22 19
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ㉓ ۚ
فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا
اَوْ كَفُوْرًا ㉔ ۚ
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ㉕ ۖ
وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا

تو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا [1] سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا ○
ان کے جسموں پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے [2] اور انھیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا۔ [3] اور انھیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا ○
(کہا جائے گا) کہ یہ ہے تمھارے اعمال کا بدلہ اور تمھاری کوشش کی قدر کی گئی ○
بے شک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے ○ [4]
پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ [5] اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کا کہنا نہ مان ○ [6]
اور اپنے رب کے نام کا صبح وشام ذکر کیا کر ○ [7]
اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت

---

1 ﴿ ثَمَّ ﴾ ظرف مکان ہے وَاِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ، أَيْ هُنَاكَ. یعنی وہاں جنت میں جہاں کہیں بھی دیکھو گے۔

2 ﴿ سُنْدُسٍ ﴾ باریک ریشمی لباس اور ﴿ اِسْتَبْرَقٌ ﴾ موٹا ریشم۔

3 جیسے ایک زمانے میں بادشاہ، سردار اور ممتاز قسم کے لوگ پہنا کرتے تھے۔

4 یعنی ایک ہی مرتبہ نازل کرنے کی بجائے حسب ضرورت واقتضا مختلف اوقات میں نازل کیا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے، یہ تیرا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے جیسا کہ مشرکین دعویٰ کرتے ہیں۔

5 یعنی اس کے فیصلے کا انتظار کر۔ وہ تیری مدد میں کچھ تاخیر کر رہا ہے تو اس میں اس کی حکمت ہے، اس لیے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے۔

6 یعنی اگر یہ تجھے اللہ کے نازل کردہ احکام سے روکیں تو ان کا کہنا نہ مان بلکہ تبلیغ ودعوت کا کام جاری رکھ اور اللہ پر بھروسا رکھ، وہ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا۔ فاجر، جو افعال میں اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہو یا کفر میں حد سے بڑھ جانے والا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اس کام سے باز آجا، ہم تجھے تیرے کہنے کے مطابق دولت مہیا کر دیتے ہیں اور عرب کی جس عورت سے تو شادی کرنا چاہے، ہم تیری شادی کرا دیتے ہیں۔ (فتح القدیر)

7 صبح وشام سے مراد ہے: تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کر۔ یا صبح سے مراد فجر کی نماز اور شام سے عصر کی نماز ہے۔

طَوِيْلًا ﴿26﴾

رات تک اس کی تسبیح کیا کر ○ [1]

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿27﴾

بے شک یہ لوگ جلدی ملنے والی (دنیا) کو چاہتے ہیں [2] اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ہیں ○ [3]

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿28﴾

ہم نے انھیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے بندھن مضبوط کیے [4] اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں ○ [5]

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿29﴾

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے ○ [6]

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿30﴾

اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے [7] بے شک اللہ علم والا باحکمت ہے ○ [8]

---

1 رات کو سجدہ کر، سے بعض نے مغرب وعشاء کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور تسبیح کا مطلب، جو باتیں اللہ کے لائق نہیں ہیں، ان سے اس کی پاکیزگی بیان کر، بعض کے نزدیک اس سے رات کی نفلی نماز، یعنی تہجد ہے امر ندب و استحباب کے لیے ہے۔

2 یعنی یہ کفار مکہ اور ان جیسے دوسرے لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور ساری توجہ اسی پر ہے۔

3 یعنی قیامت کو، اس کی شدتوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے اسے بھاری دن کہا اور چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اس کے لیے تیاری نہیں کرتے اور اس کی پروا نہیں کرتے۔

4 یعنی ان کی پیدائش کو مضبوط بنایا یا ان کے جوڑوں کو، رگوں اور پٹھوں کے ذریعے سے، ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے۔

5 یعنی ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کسی اور قوم کو پیدا کر دیں یا اس سے مطلب قیامت کے دن دوبارہ پیدائش ہے۔

6 یعنی اس قرآن سے ہدایت حاصل کرے۔

7 یعنی تم میں سے کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت کی راہ پر لگا لے، اپنے لیے کسی نفع کو جاری کر لے، ہاں اگر اللہ چاہے تو ایسا ممکن ہے، اس کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے، البتہ صحیح قصد و نیت پر وہ اجر ضرور عطا فرماتا ہے۔ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى» (صحيح البخاري، حديث:1) ''اعمال کا دارومدار، نیتوں پر ہے، ہر آدمی کے لیے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے۔''

8 چونکہ وہ علیم و حکیم ہے، اس لیے اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، بنابریں ہدایت اور گمراہی کے فیصلے بھی یوں

يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿31﴾ ع 2/9/20

جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے، اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ [1]

اٰیاتھا 50 (77) سُوۡرَةُ الۡمُرۡسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (33) رکوعاتھا 2

سورۂ مرسلات [2] مکی ہے، اس میں 50 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿1﴾

قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں ○ [3]

فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿2﴾

پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم ○ [4]

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿3﴾

پھر (ابر کو) ابھار کر پراگندہ کرنے والیوں کی قسم ○ [5]

فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿4﴾

پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے ○ [6]

ہی الل ٹپ نہیں ہو جاتے بلکہ جس کو ہدایت دی جاتی ہے وہ واقعی اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس کے حصے میں گمراہی آتی ہے، وہ حقیقتًا اسی لائق ہوتا ہے۔

1 ﴿وَالظّٰلِمِيۡنَ﴾ اس لیے منصوب ہے کہ اس سے پہلے يُعَذِّبُ محذوف ہے۔

2 یہ سورت مکی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ مرسلات کا نزول ہوا، آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اسے آپ سے حاصل کر رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ آ گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے مار دو'' لیکن وہ تیزی سے غائب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کے شر سے اور وہ تمھارے شر سے بچ گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث:4930، و صحيح مسلم حديث:2234) نبی ﷺ نے بعض دفعہ مغرب کی نماز میں بھی یہ سورت پڑھی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:763، و صحيح مسلم، حديث:462)

3 اس مفہوم کے اعتبار سے ﴿عُرۡفًا﴾ کے معنی پے درپے ہوں گے۔ بعض نے ﴿الۡمُرۡسَلٰتِ﴾ سے فرشتے یا انبیاء مراد لیے ہیں۔ اس صورت میں ﴿عُرۡفًا﴾ کے معنی وحیٔ الٰہی یا احکام شریعت ہوں گے۔ یہ مفعول لہ ہوگا لِاَجۡلِ الۡعُرۡفِ یا منصوب بِنَزۡعِ الۡخَافِضِ ہے، یعنی بِالۡعُرۡفِ.

4 یا فرشتے مراد ہیں جو بعض دفعہ ہواؤں کے عذاب کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔

5 یا ان فرشتوں کی قسم جو بادلوں کو منتشر کرتے ہیں یا فضائے آسمانی میں اپنے پر پھیلاتے ہیں، تاہم امام ابن کثیر اور امام طبری نے ان تینوں سے ہوائیں مراد لینے کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ ترجمے میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

6 یعنی ان فرشتوں کی قسم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے احکام لے کر اترتے ہیں۔ یا مراد آیات قرآنیہ ہیں جن سے حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ یا رسول مراد ہیں جو وحیٔ الٰہی کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ⑤
عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ⑥
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۭ⑦

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ⑧
وَاِذَا السَّمَاۗءُ فُرِجَتْ ۙ⑨
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ⑩
وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۭ⑪
لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۭ⑫
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ⑬

اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم ○ [1]
جو (وحی) الزام اتارنے یا آگاہ کر دینے کے لیے ہوتی ہے ○ [2]
جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً ہونے والی ہے ○ [3]
پس جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے ○ [4]
اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا ○
اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیے جائیں گے ○ [5]
اور جب رسولوں کو وقتِ مقررہ پر لایا جائے گا ○ [6]
کس دن کے لیے (اس سب کو) مؤخر کیا گیا ہے ○ [7]
فیصلے کے دن کے لیے ○ [8]

---

1 جو اللہ کا کلام پیغمبروں کو پہنچاتے ہیں یا رسول مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔

2 دونوں مفعول لہ ہیں لِأَجْلِ الْإِعْذَارِ أَوِ الْإِنْذَارِ، یعنی فرشتے وحی لے کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس تو کوئی اللہ کا پیغام ہی لے کر نہیں آیا یا مقصد ڈرانا ہے، ان کو جو انکار یا کفر کرنے والے ہوں گے۔ یا معنی ہیں مومنوں کے لیے خوشخبری اور کافروں کے لیے ڈراوا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مُرْسَلَاتٌ، عَاصِفَاتٌ اور نَاشِرَاتٌ سے مراد ہوائیں اور فَارِقَاتٌ وَ مُلْقِيَاتٌ سے فرشتے ہیں۔ یہی بات راجح ہے۔

3 قسموں سے مراد مقسم علیہ کی اہمیت سامعین پر واضح کرنا اور اس کی صداقت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مقسم علیہ (یا جواب قسم) یہ ہے کہ تم سے قیامت کا جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے، یعنی اس میں شک کرنے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اگلی آیات میں اسے واضح کیا جا رہا ہے۔

4 طَمْسٌ کے معنی مٹ جانے اور بے نشان ہونے کے ہیں، یعنی جب ستاروں کی روشنی ختم بلکہ ان کا نشان تک مٹ جائے گا۔

5 یعنی انھیں زمین سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔

6 یعنی فصل وقضا کے لیے، ان کے بیانات سن کر ان کی قوموں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

7 یہ استفہام تعظیم اور تعجب کے لیے ہے، یعنی کیسے عظیم دن کے لیے جس کی شدت اور ہولناکی لوگوں کے لیے سخت تعجب انگیز ہوگی، ان پیغمبروں کو جمع ہونے کا وقت دیا گیا ہے۔

8 یعنی جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، کوئی جنت میں اور کوئی دوزخ میں جائے گا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ⑭
اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ ○

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑮
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ○ [1]

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ⑯
کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ ○

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ⑰
پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے ○ [2]

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ⑱
ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ○ [3]

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑲
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ویل، یعنی تباہی ہے ○

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑳
کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے (منی سے) پیدا نہیں کیا○

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ㉑
پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا ○ [4]

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉒
ایک مقررہ وقت تک ○ [5]

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ㉓
پھر ہم نے اندازہ کیا [6] اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں ○

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉔
اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ○

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ㉕
کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ ○

اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ㉖
زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی ○ [7]

---

1 یعنی ہلاکت ہے، بعض کہتے ہیں: ﴿وَيْلٌ﴾ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہ آیت اس سورت میں بار بار دہرائی گئی ہے، اس لیے کہ ہر مکذب کا جرم ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کا ہوگا اور اسی حساب سے عذاب کی نوعیتیں بھی مختلف ہوں گی، بنابریں اسی ویل کی مختلف قسمیں ہیں جسے مختلف مکذبین کے لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔(فتح القدیر)

2 یعنی کفار مکہ اور ان کے ہم مشرب جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی۔

3 یعنی سزا دیتے ہیں دنیا میں یا آخرت میں۔

4 یعنی رحم مادر میں۔

5 یعنی مدت حمل تک، چھ یا نو مہینے۔

6 یعنی رحم مادر میں جسمانی ساخت و ترکیب کا صحیح اندازہ کیا کہ دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں اور دونوں کانوں کے درمیان اور دیگر اعضاء کا ایک دوسرے کے درمیان کتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔

7 یعنی زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مردوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی (جمع کر لیتی) ہے۔

وَّ جَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿27﴾
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿28﴾
اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿29﴾
اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿30﴾
لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿31﴾
اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿32﴾
كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿33﴾
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿34﴾
هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿35﴾

اور ہم نے اس میں بلند و بالا پہاڑ بنادیے [1] اور تمھیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا ○
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے وائے اور افسوس ہے ○
اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے ○ [2]
چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ○ [3]
جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے ○ [4]
یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل محل کے ہیں ○ [5]
گویا کہ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں ○ [6]
اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ○
آج (کا دن) وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے ○ [7]

---

1 ﴿رَوَاسِیَ﴾ رَاسِیَةٌ کی جمع ہے۔ ثَوَابِتُ، جمے ہوئے پہاڑ، ﴿شٰمِخٰتٍ﴾ بلند۔

2 یہ فرشتے جہنمیوں کو کہیں گے۔

3 جہنم سے جو دھواں آئے گا، وہ بلند ہو کر تین جہتوں میں پھیل جائے گا، یعنی جس طرح دیوار یا درخت کا سایہ ہوتا ہے جس میں آدمی راحت اور عافیت محسوس کرتا ہے، یہ دھواں حقیقت میں اس طرح کا سایہ نہیں ہوگا جس میں جہنمی کچھ سکون حاصل کرلیں۔

4 یعنی جہنم کی حرارت سے بچنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

5 اس کا ایک اور ترجمہ ہے: جو لکڑی کے بوٹے، یعنی بھاری ٹکڑے کے مثل ہیں۔ (بوٹے بمعنی شہتیر کے ٹکڑے، جسے گیلی بھی کہتے ہیں۔)

6 اس کا دوسرا ترجمہ ہے، وہ سیاہ اونٹ ہیں۔ ﴿صُفْرٌ﴾ اَصْفَرُ (زرد) کی جمع ہے لیکن عرب میں اس کا استعمال اَسْوَدُ سیاہ کے معنی میں بھی ہے۔ اس معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس کی ایک ایک چنگاری اتنی بڑی ہوگی جیسے محل یا قلعہ، پھر ہر چنگاری کے مزید اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے اونٹ ہوتے ہیں۔

7 محشر میں کافروں کی مختلف حالتیں ہوں گی، ایک وقت وہ ہوگا کہ وہ وہاں بھی جھوٹ بولیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے، پھر جس وقت ان کو جہنم میں لے جایا جا رہا ہوگا، اس وقت عالم اضطراب و پریشانی میں ان کی زبانیں پھر گنگ ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں: بولیں گے تو سہی لیکن ان

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿36﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿37﴾
هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿38﴾
فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿39﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿40﴾ ع 1/40 21
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿41﴾
وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿42﴾
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾

نہ انھیں معذرت کی اجازت دی جائے گی ○ [1]
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ○
یہ ہے فیصلے کا دن ہم نے تمھیں اور پہلوں کو سب کو جمع کرلیا ہے ○ [2]
پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو ○ [3]
تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ○
بے شک پرہیز گار لوگ سایوں میں ہوں گے [4] اور بہتے چشموں میں ○
اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں گے ○ [5]
(اے جنتیو!) کھاؤ پیو مزے سے اپنے کیے ہوئے اعمال کے بدلے ○ [6]

کے پاس حجت کوئی نہیں ہوگی۔ گویا ان کو بات کرنی ہی نہیں آئے گی، جیسے ہم دنیا میں ایسے شخص کی بابت کہتے ہیں جس کے پاس کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی، وہ تو ہمارے سامنے بول ہی نہیں سکا۔

1 مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی معقول عذر ہی نہیں ہوگا جسے وہ پیش کر کے چھٹکارا پا سکیں۔

2 یہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ ہم نے تمھیں اپنی قدرت کاملہ سے فیصلہ کرنے کے لیے ایک ہی میدان میں جمع کرلیا ہے۔

3 یہ سخت وعید اور تہدید ہے کہ اگر تم میری گرفت سے بچ سکتے ہو اور میرے حکم سے نکل سکتے ہو تو بچ اور نکل کے دکھاؤ۔ لیکن وہاں کس میں یہ طاقت ہوگی۔ یہ آیت بھی ایسے ہی ہے، جیسے یہ آیت ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا﴾ (الرحمن 55 : 33) ”اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو۔“

4 یعنی درختوں اور محلات کے سائے، آگ کے دھویں کا سایہ نہیں ہوگا، جیسے مشرکین کے لیے ہوگا۔

5 ہر قسم کے پھل، جب بھی خواہش کریں گے، آموجود ہوں گے۔

6 یہ بطور احسان انھیں کہا جائے گا۔ ﴿بِمَا كُنْتُمْ﴾ میں بَا سبب کے لیے ہے، یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان اعمال صالحہ کی وجہ سے تمھیں ملی ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ، جس کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہوگا، اعمال صالحہ ہیں۔ جو لوگ عمل صالح کے بغیر ہی اللہ کی رحمت و مغفرت

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿44﴾
یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○ [1]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿45﴾
اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ○ [2]

كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿46﴾
(اے جھٹلانے والو!) تم دنیا میں تھوڑا سا کھالو اور فائدہ اٹھالو بے شک تم گناہ گار ہو ○ [3]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿47﴾
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے سخت ہلاکت ہے ○

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿48﴾
ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کرلو تو نہیں کرتے ○ [4]

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾
اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے ○ [5]

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿50﴾ ع
اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ○ [6]

ع 2 / 10 / 22

کے امیدوار بن جاتے ہیں، ان کی مثال ایسے ہی ہے، جیسے کوئی زمین میں ہل چلائے اور بیج بوئے بغیر فصل کا امیدوار بن جائے یا تخم حنظل بو کر خوش ذائقہ پھلوں کی امید رکھے۔

1 اس میں بھی اسی امر کی ترغیب و تلقین ہے کہ اگر آخرت میں حسن انجام کے طالب ہو تو دنیا میں نیکی اور بھلائی کا راستہ اپناؤ۔

2 کہ اہل تقویٰ کے حصے میں تو جنت کی نعمتیں آئیں اور ان کے حصے میں بڑی بدبختی۔

3 یہ مکذبین قیامت کو خطاب ہے اور یہ امر تہدید و وعید کے لیے ہے، یعنی اچھا چند روز خوب عیش کرلو، تم جیسے مجرمین کے لیے شکنجۂ عذاب تیار ہے۔

4 یعنی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے تو نماز نہیں پڑھتے۔

5 یعنی ان کے لیے جو اللہ کے اوامر و نواہی کو نہیں مانتے۔

6 یعنی جب اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس کے بعد اور کون سا کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ یہاں بھی حدیث کا اطلاق قرآن پر ہوا ہے جیسا کہ اور بھی بعض مقامات پر کیا گیا ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو سورۂ تین کی آخری آیت: ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ ......﴾ الآیة پڑھے تو وہ جواب میں کہے: «بَلٰى! وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ» اور ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ○﴾ کے جواب میں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 887، وضعيف أبي داود، للألباني: 343/1) بعض علماء کے نزدیک سامع کو بھی جواب دینا چاہیے۔ لیکن جب یہ روایات ہی ضعیف ہیں تو پھر کسی کو بھی جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، قاری ہو یا سامع، البتہ پڑھنے والا ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى○﴾ کے بعد جواباً «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» کہے کیونکہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھیے صحیح سنن أبي داود للألباني: 38/4.)

(الجزء الثلاثون 30)

اٰیَاتُھَا 40 (78) سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ (80) رُکُوْعَاتُھَا 2

سورہ نبا مکی ہے، اس میں 40 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ﴿1﴾

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں آپس میں پوچھ گچھ کرتے ہیں ○ [1]

عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿2﴾

اُس بڑی خبر کے متعلق ○

الَّذِیۡ ھُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ﴿3﴾

جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ○ [2]

کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿4﴾

یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے ○

ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿5﴾

پھر بالیقین انھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا ○ [3]

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِھٰدًا ۙ﴿6﴾

کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ ○ [4]

وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۪ۙ﴿7﴾

اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟) ○ [5]

---

1 جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا اور آپ نے توحید، قیامت وغیرہ کا بیان فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی تو کفار و مشرکین باہم ایک دوسرے سے پوچھتے کہ یہ قیامت کیا واقعی ممکن ہے؟ جیسا کہ یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یا یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے۔ استفہام کے ذریعے سے اللہ نے پہلے ان چیزوں کی وہ حیثیت نمایاں کی جو ان کی ہے، پھر خود ہی جواب دیا کہ......

2 یعنی جس بڑی خبر کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کے متعلق استفسار ہے۔ اس بڑی خبر سے بعض نے قرآن مجید مراد لیا ہے، کافر اس کے بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے، کوئی اسے جادو، کوئی کہانت، کوئی شعر اور کوئی پہلوں کی کہانیاں بتلاتا تھا۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا اور دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس میں بھی ان کے درمیان کچھ اختلاف تھا۔ کوئی بالکل انکار کرتا تھا کوئی صرف شک کا اظہار۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے مومن و کافر دونوں ہی تھے، مومنین کا سوال تو اضافۂ یقین اور ازدیاد بصیرت کے لیے تھا اور کافروں کا استہزا اور تمسخر کے طور پر۔

3 یہ ڈانٹ اور زجر ہے کہ عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی کاریگری اور عظیم قدرت کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ توحید کی حقیقت ان کے سامنے واضح ہو اور اللہ کا رسول انھیں جس چیز کی دعوت دے رہا تھا، اس پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

4 یعنی فرش کی طرح تم زمین پر چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سارے کام کاج کرتے ہو۔ زمین کو ڈولتا ہوا نہیں رہنے دیا۔

5 ﴿اَوۡتَادًا﴾ وَتَدٌ کی جمع ہے میخیں، یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا تاکہ زمین ساکن رہے، حرکت نہ کرے کیونکہ حرکت و اضطراب کی صورت میں زمین رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔

وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ⑧
اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ○ [1]

وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨
اور ہم نے تمھاری نیند کو آرام کا سبب بنایا ○ [2]

وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ⑩
اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ہے ○ [3]

وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪
اور دن کو ہم نے (وقتِ) روزگار بنایا ○ [4]

وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ⑫
اور تمھارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے ○ [5]

وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ⑬
اور ایک روشن چراغ پیدا کیا ○ [6]

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ⑭
اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا ○ [7]

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ⑮
تاکہ ہم اُس سے اناج اور سبزہ اُگائیں ○ [8]

وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ⑯
اور گھنے باغ (بھی اگائیں) ○ [9]

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ⑰
بے شک فیصلے کے دن کا وقت مقرر ہے ○ [10]

---

1 یعنی مذکر اور مؤنث۔ نر اور مادہ۔ یا ازواج بمعنی اصناف و الوان ہے، یعنی مختلف شکلوں اور رنگوں میں پیدا کیا، خوب صورت، بدصورت، دراز قد، کوتاہ قد، سفید اور سیاہ وغیرہ۔

2 ﴿سُبَاتًا﴾ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی انسان وحیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تاکہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی نیند سو لیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمھارے اعمال کاٹ دیتی ہے، یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب آرام ہے۔

3 یعنی رات کی تاریکی اور سیاہی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے، جس طرح لباس انسان کے جسم کو چھپا لیتا ہے۔

4 مطلب ہے کہ دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔

5 ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت جتنا ہے جو اس کے استحکام اور مضبوطی کی دلیل ہے۔

6 اس سے مراد سورج ہے اور ﴿جَعَلْنَا﴾ بمعنی خَلَقَ (پیدا کیا) ہے۔

7 ﴿الْمُعْصِرٰتِ﴾ وہ بدلیاں جو پانی سے بھری ہوئی ہوں لیکن ابھی برسی نہ ہوں، جیسے: اَلْمَرْأَةُ الْمُعْتَصِرَةُ. اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری قریب ہو، ﴿ثَجَّاجًا﴾ کثرت سے بہنے والا پانی۔

8 ﴿حَبًّا﴾ (دانا) وہ اناج جسے خوراک کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، جیسے گندم، چاول، جو اور مکئی وغیرہ اور ﴿نَبَاتًا﴾ سبزیاں اور چارہ وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔

9 ﴿اَلْفَافًا﴾ شاخوں کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت، یعنی گھنے باغ۔

10 یعنی اولین اور آخرین سب کے جمع ہونے اور وعدے کا دن۔ اسے فیصلے کا دن اس لیے کہا کہ اس دن جمع ہونے کا مقصد ہی تمام انسانوں کا ان کے اعمال کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ⁽¹⁸⁾	جس دن کہ صور میں پھونکا جائے گا، پھر تم فوج در فوج چلے آ ؤ گے ○ [1]
وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ⁽¹⁹⁾	اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اُس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے ○ [2]
وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ⁽²⁰⁾	اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب ہو جائیں گے ○ [3]
اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ⁽²¹⁾	بے شک دوزخ گھات کی جگہ ہے ○ [4]
لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ⁽²²⁾	سرکشوں کا ٹھکانا وہی ہے ○
لّٰبِثِيْنَ فِيْهَاۤ اَحْقَابًا ⁽²³⁾	اُس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے ○ [5]

---

1 بعض نے اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ میدان محشر میں آئے گی۔ یہ دوسرا نفخہ ہوگا جس میں سب لوگ قبروں سے زندہ اٹھ کر نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے انسان کھیتی کی طرح اگ آئے گا۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، سوائے دم کی ہڈی (کے آخری سرے کے) اسی سے قیامت والے دن ہر انسان کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔ (صحيح البخاري، حديث:4814)

2 یعنی فرشتوں کے نزول کے لیے راستے بن جائیں گے اور وہ زمین پر اتر آئیں گے۔

3 ﴿سَرَابًا﴾ وہ چمکتی ریت جو دور سے پانی محسوس ہوتی ہو۔ پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن کر رہ جائیں گے۔ اور اس کے بعد بالکل ہی معدوم ہو جائیں گے، ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ① ﴿فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ (الحآقة14:69) ”انھیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔“ ② ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (القارعة5:101) ”وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔“ ③ ﴿فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا﴾ (الواقعة6:56) ”وہ گرد وغبار ہو جائیں گے۔“ ④ ﴿يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ (طٰه105:20) ”میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا۔“ اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہو جائیں گے، یعنی لَا شَيْئَ جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ (فتح القدير)

4 گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں، جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے گزرے تو فوراً اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جہنم کے داروغے بھی جہنمیوں کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے ہیں یا خود جہنم اللہ کے حکم سے کفار کے لیے گھات لگائے بیٹھی ہے۔

5 ﴿اَحْقَابًا﴾ حُقُبٌ کی جمع ہے، بمعنی زمانہ۔ مراد ابد اور ہمیشگی ہے۔ ابد الآباد تک وہ جہنم میں ہی رہیں گے۔ یہ سزا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿24﴾
نہ کبھی اُس میں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، نہ پانی کا ○

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿25﴾
سوائے گرم پانی اور (بہتی) پیپ کے ○ [1]

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿26﴾
(اُن کو) پورا پورا بدلہ ملے گا ○ [2]

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿27﴾
یقیناً اُنھیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی ○ [3]

وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿28﴾
اور (بے باکی سے) ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ○

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿29﴾
ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے ○ [4]

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿30﴾ ع 1/30/1
اب تم (اپنے کیے کا) مزہ چکھو ہم تمھارا عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے ○ [5]

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿31﴾
یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لیے کامیابی ہے ○ [6]

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿32﴾
باغات ہیں اور انگور ہیں ○ [7]

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿33﴾
اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں ○ [8]

---

1 جو جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی۔

2 یعنی یہ سزا ان کے ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔

3 یہ پہلے جملے کی تعلیل ہے، یعنی وہ مذکورہ سزا کے اس لیے مستحق قرار پائے کہ عقیدۂ بعث بعد الموت کے وہ قائل ہی نہیں تھے کہ حساب کتاب کی وہ امید رکھتے۔

4 یعنی لوح محفوظ میں۔ یا وہ ریکارڈ مراد ہے جو فرشتے لکھتے رہے۔ پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○﴾ (یٰسٓ 36:12) ''ہم نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں ضبط کر دیا ہے۔''

5 عذاب بڑھانے کا مطلب ہے کہ اب یہ عذاب دائمی ہے۔ جب ان کے چمڑے گل جائیں گے تو دوسرے بدل دیے جائیں گے۔ (النسآء 4:56) جب آگ بجھنے لگے گی تو پھر بھڑکا دی جائے گی۔ (بنی إسرآءیل 17:97)

6 اہل شقاوت کے تذکرے کے بعد اہل سعادت کا تذکرہ اور ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے حیات اخروی میں وہ بہرہ ور ہوں گے۔ یہ کامیابی اور نعمتیں انھیں تقویٰ کی بدولت حاصل ہوں گی۔ تقویٰ، ایمان واطاعت کے تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ اور عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

7 یہ ﴿مَفَازًا﴾ سے بدل ہے۔

8 ﴿كَوَاعِبَ﴾ كَاعِبَةٌ کی جمع ہے، یہ كَعْبٌ (ٹخنہ) سے ہے، جس طرح ٹخنہ ابھرا ہوا ہوتا ہے، ان کی چھاتیوں

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿34﴾
اور چھلکتے ہوئے جام ہیں ○ [1]

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿35﴾
وہاں نہ تو وہ بے ہودہ باتیں سنیں گے اور نہ ہی جھوٹ سنیں گے ○ [2]

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿36﴾
(اُن کو) تیرے رب کی طرف سے (اُن کے نیک اعمال کا) یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا ○ [3]

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿37﴾
(اُس رب کی طرف سے ملے گا جو کہ) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُن کا پروردگار ہے، بڑا مہربان ہے، کسی کو اُس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا ○ [4]

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿38﴾
جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے [5] تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے ○ [6]

میں بھی ایسا ہی ابھار ہوگا جو ان کے حسن و جمال کا ایک مظہر ہے۔ ﴿اَتْرَابًا﴾ ہم عمر۔ (خاوندوں کی ہم عمر یا آپس میں ہم عمر)

1 ﴿دِهَاقًا﴾ بھرے ہوئے یا لگاتار ایک کے بعد ایک یا صاف شفاف۔ ﴿كَاْسًا﴾ ایسے جام کو کہتے ہیں جو لبالب بھرا ہوا ہو۔

2 یعنی کوئی بے فائدہ اور بے ہودہ بات وہاں نہیں ہوگی، نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں گے۔

3 ﴿عَطَآءً﴾ کے ساتھ ﴿حِسَابًا﴾ مبالغے کے لیے آتا ہے، یعنی اللہ کی داد و دہش کی وہاں فراوانی ہوگی۔

4 یعنی اس کی عظمت، ہیبت اور جلالت اتنی ہوگی کہ ابتداءً اس سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی، اسی لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کے لیے بھی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔

5 یہاں ﴿الرُّوْحُ﴾ کے جبرائیل علیہ السلام سمیت کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ امام ابن کثیر نے بنو آدم (انسان) کو أَشْبَه (قرین قیاس) قرار دیا ہے۔

6 یہ اجازت اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اور اپنے پیغمبروں کو عطا فرمائے گا اور وہ جو بات کریں گے حق و صواب ہی ہو گی یا یہ مفہوم ہے کہ اجازت صرف اسی کے بارے میں دی جائے گی جس نے درست بات کہی ہو، یعنی کلمۂ توحید کا اقراری رہا ہو۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى
رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿39﴾
اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۖۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ
الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ
يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿40﴾ ع 2/10/2

یہ دن حق ہے،[1] اب جو چاہے اپنے رب کے پاس (نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنالے ○[2]
ہم نے تمھیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔[3] جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا[4] اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہوتا ○[5]

اٰيَاتُهَا 46 (79) سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (81) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ نازعات مکی ہے، اس میں 46 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿1﴾

ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم! ○[6]

---

1 یعنی لامحالہ آنے والا ہے۔

2 یعنی اس آنے والے دن کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان وتقویٰ کی زندگی اختیار کرے تاکہ اس روز وہاں اس کو اچھا ٹھکانا مل جائے۔

3 یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے کیونکہ بہرصورت اس نے آکر ہی رہنا ہے۔

4 یعنی اچھا یا برا جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے ہاں پہنچ گیا ہے، قیامت والے دن وہ اس کے سامنے آجائے گا اور اس کا مشاہدہ کرلے گا۔ ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ (الکهف 18:49) ''جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، وہ سامنے پائیں گے۔'' ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ○﴾ (القيامة 75:13) ''انسان کو اس دن اگلے پچھلے اعمال کی خبر دی جائے گی۔''

5 یعنی جب وہ اپنے لیے ہولناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو اس کا بھی بدلہ دلائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث:2582، ومسند أحمد:2/235) اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہوجاؤ، چنانچہ وہ مٹی ہوجائیں گے۔ اس وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش! وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفسير ابن كثير، تفسير سورة الأنعام 6:71، 79، وسورة النبا 78:40، و السلسلة الصحيحة للألباني :4/606)

6 نزعٌ کے معنی سختی سے کھینچنا، ﴿غَرْقًا﴾ ڈوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان، نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ② — بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم! ○ [1]

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ③ — اور تیرتے پھرنے والوں کی قسم! ○ [2]

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ④ — پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم! ○ [3]

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ⑤ — پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم! ○ [4]

وقف لازم

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ⑥ — جس دن کانپنے والی کانپے گی ○ [5]

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ⑦ — اُس کے بعد ایک پیچھے آنے والی (پیچھے پیچھے) آئے گی ○ [6]

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ⑧ — (بہت سے) دل اُس دن دھڑکتے ہوں گے ○ [7]

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ⑨ — جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی ○ [8]

وقف لازم

---

1 ﴿نَشْطًا﴾ کے معنی: گرہ کھول دینا، یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سہولت نکالتے ہیں، جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

2 ﴿سَبْحًا﴾ کے معنی: تیرنا، فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں تیرتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر آسمان سے اترتے ہیں کیونکہ تیز رو گھوڑے کو بھی سابح کہتے ہیں۔

3 یہ فرشتے اللہ کی وحی انبیاء تک دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔

4 یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے، وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں اصل مُدَبِّر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انھیں بھی مُدَبِّر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محذوف ہے، یعنی لَتُبْعَثُنَّ ''تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے۔'' قرآن نے اس بعث و جزا کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے، جیسے مذکورہ آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزا کب ہوگی۔ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

5 یہ نَفخۂ اولیٰ ہے جسے نفخۂ فنا کہتے ہیں جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

6 یہ دوسرا نفخہ ہوگا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفخہ پہلے نفخے سے چالیس سال بعد ہوگا۔ اسے ﴿الرَّادِفَةُ﴾ اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفخے کے بعد ہی ہوگا، یعنی نَفخۂ ثانیہ، نَفخۂ اولیٰ کا ردیف ہے۔

7 قیامت کے اہوال اور شدائد سے۔

8 یعنی أَبْصَارُ أَصْحَابِهَا ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (مجرموں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔

يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ؕ ﴿10﴾

کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے جائیں گے؟ ○ [1]

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ ﴿11﴾

کیا اُس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟ ○ [2]

قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ ﴿12﴾ وقف لازم

کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے ○ [3]

فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ ﴿13﴾

پس یقیناً وہ تو صرف ایک (خوفناک) ڈانٹ ہے ○

فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ ﴿14﴾

کہ (جس کے پیدا ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے ○ [4]

هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۘ ﴿15﴾ وقف لازم

کیا تمھیں موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر پہنچی ہے؟ ○

اِذۡ نَادٰٮهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ۚ ﴿16﴾

جب کہ اُنھیں اُن کے رب نے مقدس میدان طویٰ میں پکارا ○ [5]

اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ ﴿17﴾

(کہ) تم فرعون کے پاس جاؤ اُس نے سرکشی اختیار کر لی ہے ○ [6]

---

1 ﴿الۡحَافِرَةِ﴾ پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے۔

2 یہ انکار قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جبکہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

3 یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے، پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

4 سَاهِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح، یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو سَاهِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار رہنا اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے سَاهِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) بہرحال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفخے سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

5 یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ کے آغاز میں گزری۔ ﴿طُوًى﴾ اسی جگہ کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے اور نبوت و رسالت سے نوازا، یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں رسالت عطا فرما دی۔

6 یعنی کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ⑱	اُس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستی اور اصلاح چاہتا ہے ○ [1]
وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ⑲	اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو (اُس سے) ڈرنے لگے ○ [2]
فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ⑳	پس اُسے بڑی نشانی دکھائی ○ [3]
فَكَذَّبَ وَعَصٰى ㉑	تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ○ [4]
ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ㉒	پھر پلٹا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے ○ [5]
فَحَشَرَ فَنَادٰى ㉓	پھر سب کو جمع کر کے پکارا ○ [6]
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ㉔	کہ تمھارا سب سے بڑا رب میں ہی ہوں ○
فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ㉕	تو اللہ نے بھی اُسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا ○ [7]
ع 1/26/3 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ㉖	بے شک اس میں اُس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے ○ [8]

1 یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطیع ہو جا۔

2 یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے، اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔

3 یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کیے جو اللہ کی طرف سے انھیں عطا کیے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، مثلاً: ید بیضا اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسعہ۔

4 لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور تکذیب و نافرمانی کے راستے پر وہ گامزن رہا۔

5 یعنی اس نے ایمان واطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا، چنانچہ جادوگروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جا سکے۔

6 اپنی قوم کو یا قتال و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو یا جادوگروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اعلیٰ کا اعلان کیا۔

7 یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے متمردین کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو اسے وہاں ملے گا۔

8 اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انھوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ۝27
رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝28
وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝29
وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝30
اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝31
وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝32
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝33
فَاِذَا جَاۗءَتِ الطَّاۗمَّةُ الْكُبْرٰى ۝34
يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝35
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝36

کیا تمھارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ [1] اسی نے اس کو بنایا ○
اُس کی بلندی اونچی کی پھر اُسے ٹھیک ٹھاک کر دیا ○ [2]
اُس کی رات کو تاریک اور اُس کے دن کو نکالا ○ [3]
اور اُس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا ○ [4]
اُس میں سے پانی اور چارہ نکالا ○
اور پہاڑوں کو (خوب) گاڑ دیا ○
یہ سب تمھارے اور تمھارے جانوروں کے فائدے کے لیے (ہیں) ○
پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آ جائے گی ○
جس دن کہ انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا ○
اور (ہر) دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی ○ [5]

تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔

1 یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے تمھارا دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیا تمھیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

2 بعض نے سَمْكٌ کے معنی چھت بھی کیے ہیں، ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھالنا ہے کہ جس میں کوئی تفاوت، کجی، شگاف اور خلل باقی نہ رہے۔

3 ﴿اَغْطَشَ﴾ بمعنی اَظْلَمَ ''تاریک کر دیا۔'' ﴿اَخْرَجَ﴾ بمعنی اَبْرَزَ ''ظاہر کیا'' ہے۔ اور نَھَارَھَا کی جگہ ﴿ضُحٰىهَا﴾ اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت بہت اچھا ہوتا ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

4 یہ حمٓ السجدة 41:9 میں گزر چکا ہے کہ خَلْق (پیدا کرنا) اور چیز ہے اور دَحْی (ہموار کرنا) اور چیز ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی تخلیق کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً: زمین سے پانی نکالا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میخوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے جیسا کہ یہاں بھی آگے یہی بیان ہے۔

5 یعنی کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿37﴾
وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿38﴾
فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿39﴾
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿40﴾
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿41﴾
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿42﴾
فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿43﴾
اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿44﴾
اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿45﴾

تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہوگی) ○ [1]
اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی) ○ [2]
(اُس کا) ٹھکانا جہنم ہی ہے ○ [3]
ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے [4] سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا ○ [5]
تو اُس کا ٹھکانا جنت ہی ہے ○ [6]
لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں ○ [7]
آپ کو اُس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟ ○ [8]
اُس کے علم کی انتہا تو اللہ ہی کو معلوم ہے ○
آپ تو صرف اُس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے

اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے انھیں اس سے بچالیا اور کافر جو پہلے ہی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر ان کے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

1 یعنی کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہوگا۔

2 یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہوگا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہوگی۔

3 اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا، جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔

4 کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

5 یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا ہو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔

6 جہاں وہ قیام پذیر بلکہ اللہ کا مہمان ہوگا۔

7 یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہوگی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟

8 یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے، اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿46﴾ ع 2/20/4

والے ہیں ○ [1]

جس روز یہ اُسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں) رہے ہیں ○ [2]

اٰیَاتُهَا 42 (80) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (24) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ عبس [3] مکی ہے، اس میں 42 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿1﴾

اس نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑ لیا ○

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿2﴾

(صرف اس لیے) کہ اُس کے پاس ایک نابینا آیا ○ [4]

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ﴿3﴾

تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جائے ○

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿4﴾

یا نصیحت سنتا اور اُسے نصیحت فائدہ پہنچائے ○ [5]

---

1 یعنی آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے نہ کہ غیب کی خبریں دینا جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ ﴿مَنْ يَّخْشٰهَا﴾ اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

2 ﴿عَشِيَّةً﴾ ظہر سے لے کر غروبِ شمس تک اور ضحیٰ، طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے، یعنی جب کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انھیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں، یعنی دنیا کی زندگی انھیں اتنی قلیل معلوم ہوگی۔

3 اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آ کر نبی ﷺ سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی ﷺ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی، چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (جامع الترمذي، حديث: 3331 و صححه الألباني)

4 ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد سے نبی ﷺ کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے ﴿عَبَسَ﴾ سے اور بے توجہی کو ﴿تَوَلّٰٓى﴾ سے تعبیر فرمایا۔

5 یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا، اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ — جو بے پروائی کرتا ہے ○ [1]

فَأَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ — اُس کی طرف تو تُو پوری توجہ کرتا ہے ○ [2]

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ — حالانکہ اُس کے نہ سنور نے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں ○ [3]

وَأَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ — اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے ○ [4]

وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ — اور وہ ڈر (بھی) رہا ہے ○ [5]

فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ — تو اُس سے تُو بے رخی برتتا ہے ○ [6]

كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ — یہ ٹھیک نہیں [7] قرآن تو نصیحت (کی چیز) ہے ○

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ — جو چاہے اسے یاد کرلے ○ [8]

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ — (یہ تو) پُرعظمت صحیفوں میں (ہے) ○ [9]

وقف لازم

1 ایمان سے اور اس علم سے جو تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ ہے جو صاحب ثروت وغنا ہے۔

2 اس میں آپ ﷺ کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ مُخلِصین کو چھوڑ کر مُعرِضین کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔

3 کیونکہ تیرا کام تو صرف تبلیغ ہے، اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

4 اس بات کا طالب بن کر کہ تو خیر کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے وعظ ونصیحت سے نوازے۔

5 یعنی اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ تیری باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔

6 یعنی ایسے لوگوں کی تو قدر افزائی کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت وتبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا وغلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

7 یعنی غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ، یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔

8 یعنی جو اس میں رغبت کرے، وہ اس سے نصیحت حاصل کرے، اسے یاد کرے اور اس کے موجبات پر عمل کرے۔ اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے، جیسے اشراف قریش نے کیا تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

9 یعنی لوح محفوظ میں کیونکہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیونکہ وہ علم وحکمت سے پر ہیں۔

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ⑭	جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں ○ [1]
بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮	ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے ○ [2]
كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ⑯	جو بزرگ اور پاکباز ہیں ○ [3]
قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ⑰	انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے ○ [4]
مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ⑱	اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا ○
مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲	ایک نطفے سے پیدا کیا، [5] پھر اس کا اندازہ مقرر کیا ○ [6]
ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ⑳	پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا ○ [7]

1 ﴿مَّرْفُوْعَةٍ﴾ اللہ کے ہاں رفیع القدر ہیں یا شبہات اور تناقض سے بلند ہیں۔ ﴿مُّطَهَّرَةٍ﴾ وہ بالکل پاک ہیں کیونکہ انھیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھوتا ہی نہیں ہے۔ یا کمی بیشی سے پاک ہیں۔

2 ﴿سَفَرَةٍ﴾ سَافِرٌ کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔

3 یعنی خُلق کے اعتبار سے وہ کریم، یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکوکار اور پاکباز ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حامل قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق و کردار اور افعال و اطوار میں ﴿كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ﴾ کا مصداق ہونا چاہیے۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی ﴿سَفَرَةٍ﴾ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہے، وہ «السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ» (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے لیکن مشقت کے ساتھ (ماہرین کی طرح سہولت اور روانی سے نہیں پڑھ سکتا) اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث:4937، و صحيح مسلم ، حديث:798)

4 اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی تکذیب کرتا ہے، ﴿قُتِلَ﴾ بمعنی لُعِنَ اور ﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ فعل تعجب ہے، کس قدر ناشکرا ہے۔ آگے اس کفور (ناشکرے) انسان کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آ جائے۔

5 یعنی جس کی پیدائش ایسے حقیر قطرۂ آب سے ہوئی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟

6 اس کا مطلب ہے کہ اس کے مصالح نفس اسے مہیا کیے، اس کو دو ہاتھ، دو پیر اور دو آنکھیں اور دیگر آلات و حواس عطا کیے۔

7 یعنی خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ہے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿21﴾
پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا ○ [1]

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿22﴾
پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا ○

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿23﴾
ہرگز نہیں، [2] اُس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی ○

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿24﴾
انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے ○ [3]

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿25﴾
کہ ہم نے خوب پانی برسایا ○

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿26﴾
پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑا ○

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿27﴾
پھر اس میں سے اناج اُگائے ○

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿28﴾
اور انگور اور ترکاری ○

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿29﴾
اور زیتون اور کھجور ○

وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿30﴾
اور گنجان باغات ○

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿31﴾
اور میوہ اور (گھاس) چارہ (بھی) ○ [4]

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿32﴾
(یہ سب کچھ) تمھارے استعمال و فائدے کے لیے اور تمھارے چوپایوں کے لیے ○

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿33﴾
پس جب کہ کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آجائے گی ○ [5]

---

1 یعنی موت کے بعد اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی لاش کو نوچ نوچ کر کھاتے جس سے اس کی بے توقیری ہوتی۔ یا یہ کہ مرنے کے بعد وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے، جو جہاں ہوتا ہے وہی جگہ اس کی قبر بن جاتی ہے۔

2 یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ کافر کہتا ہے۔

3 کہ اسے اللہ نے کس طرح پیدا کیا، جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور کس طرح اس کے لیے اسباب معاش مہیا کیے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے سعادت اخروی حاصل کر سکے۔

4 ﴿اَبًّا﴾ وہ گھاس، چارہ جو خودرو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔

5 قیامت کو ﴿الصَّآخَّةُ﴾ (بہرا کر دینے والی) اس لیے کہا کہ وہ ایک نہایت سخت چیخ کے ساتھ واقع ہو گی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿34﴾
وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿35﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿36﴾
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿37﴾
وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿38﴾
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿39﴾
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿40﴾
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿41﴾
اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿42﴾ ع 42 5

آیاتہا: 29 (81) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (7) رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے ○
اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ○
اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے ○
اُن میں سے ہر ایک کو اُس دن ایسی فکر (دامن گیر) ہوگی جو اُسے بے پروا بنا دے گی ○ [1]
اُس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○
(جو) ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے ○ [2]
اور بہت سے چہرے اُس دن غبار آلود ہوں گے ○
جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ○ [3]
وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے ○ [4]

سورۂ تکویر [5] مکی ہے، اس میں 29 آیات ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

1 یا اپنے اقرباء اور احباب سے بے نیاز اور بے پروا کر دے گی۔ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر، پیدل اور غیر مختون ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اس طرح سے تو اعضائے مستورہ ظاہر ہوں گے؟ نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی، یعنی ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (جامع الترمذي، حديث:3332) تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے کچھ نیکیاں مانگیں الغرض نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قیامت کے دن اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ایک کے پاس لوگ جائیں گے کہ ان کی شفاعت کریں لیکن وہ کہیں گے کہ ہم تو آج اللہ تعالیٰ سے اپنی سلامتی کے طلب گار ہیں۔ (ابن کثیر)

2 یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جنھیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انھیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا یقین ہو جائے گا اور ان کے چہرے خوشی سے تمتمارہے ہوں گے۔

3 یعنی ذلت اور معائنۂ عذاب سے ان کے چہرے غبار آلود، کدورت زدہ اور سیاہ ہوں گے، جیسے محزون اور نہایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔

4 یعنی اللہ کا، رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بدکردار و بداطوار بھی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

5 اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو اس طرح دیکھے جیسے آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔ (جامع الترمذي، حديث:3333،

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ① | جب سورج لپیٹ لیا جائے گا ○[1]

وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ ② | اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے ○[2]

وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ③ | اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے ○[3]

وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ④ | اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی ○[4]

وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ⑤ | اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے ○[5]

وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ⑥ | اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے ○[6]

وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ⑦ | اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی ○[7]

وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ⑧ | اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا ○

بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ⑨ | کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟ ○[8]

ومسند أحمد:2/27 و36 و100، و ذكره الألباني في الصحيحة:3/69)

1 یعنی جس طرح سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے، اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی روشنی ازخود ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے: «اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ مُكَوَّرَانِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ» (صحيح البخاري، حديث: 3200) ”قیامت والے دن چاند اور سورج لپیٹ دیے جائیں گے۔“ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لپیٹ کر ان دونوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا تاکہ مشرکین مزید ذلیل و خوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔ (فتح الباري: 6/360)

2 دوسرا ترجمہ ہے جھڑ کر گر جائیں گے، یعنی آسمان پر ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔

3 یعنی انھیں زمین سے اکھیڑ کر ہواؤں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔

4 ﴿اَلۡعِشَارُ﴾ عُشَرَآءُ کی جمع ہے، حمل والیاں، یعنی گابھن اونٹنیاں۔ گابھن اونٹنیاں، جب ان کا حمل دس مہینوں کا ہو جاتا تو عربوں میں یہ بہت نفیس اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ جب قیامت برپا ہو گی تو ایسا ہولناک منظر ہو گا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی قیمتی اونٹنیاں بھی ہوں گی تو وہ ان کی بھی پروا نہیں کرے گا۔

5 یعنی انھیں بھی قیامت والے دن جمع کیا جائے گا۔

6 یعنی ان میں اللہ کے حکم سے آگ بھڑک اٹھے گی۔

7 اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اس کے ہم مذہب و ہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مومن کو مومنوں کے ساتھ اور بد کو بدوں کے ساتھ، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ۔ وَعَلٰى هٰذَا الۡقِيَاسِ.

8 اس طرح دراصل قاتل کو سرزنش کی جائے گی کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہو گا نہ کہ مَوۡءُوۡدَة جس سے بظاہر سوال ہو گا۔

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩
اور جب نامۂ اعمال کھول دیے جائیں گے ○ [1]

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ⑪
اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی ○ [2]

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ⑫
اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی ○

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ⑬
اور جب جنت نزدیک کردی جائے گی ○

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ⑭
تو اُس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا ہوگا ○ [3]

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ⑮
پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ○

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ⑯
چلنے پھرنے والے، چھپنے والے ستاروں کی ○ [4]

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ⑰
اور رات کی جب جانے لگے ○ [5]

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ⑱
اور صبح کی جب چمکنے لگے ○ [6]

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ⑲
یقیناً یہ (قرآن) ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے ○ [7]

---

1 موت کے وقت یہ صحیفے لپیٹ دیے جاتے ہیں، پھر قیامت والے دن حساب کے لیے کھول دیے جائیں گے جنھیں ہر شخص دیکھ لے گا بلکہ ہاتھوں میں پکڑا دیے جائیں گے۔

2 یعنی وہ اس طرح ادھیڑ دیے جائیں گے جس طرح چھت ادھیڑ دی جاتی ہے۔

3 یہ جواب ہے، یعنی جب مذکورہ امور ظہور پذیر ہوں گے جن میں سے پہلے چھ امور کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے چھ امور کا آخرت سے۔ اس وقت ہر ایک کے سامنے اس کی حقیقت آجائے گی۔

4 اس سے مراد ستارے ہیں خُنَّسٌ خَنَسَ سے ہے جس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ یہ ستارے دن کے وقت اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ اور یہ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ہیں، یہ خاص طور پر سورج کے رخ پر ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سارے ہی ستارے مراد ہیں کیونکہ سب ہی اپنے غائب ہونے کی جگہ پر غائب ہوجاتے ہیں یا دن کو چھپے رہتے ہیں۔ ﴿الْجَوَارِ﴾ چلنے والے، ﴿الْكُنَّسِ﴾ چھپ جانے والے، جیسے ہرن اپنے مکان اور مسکن میں چھپ جاتا ہے۔

5 ﴿عَسْعَسَ﴾ اضداد میں سے ہے، یعنی آنے اور جانے دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، تاہم یہاں جانے کے معنی میں ہے۔

6 یعنی جب اس کا ظہور وطلوع ہوجائے یا وہ پھٹ اور نکل آئے۔

7 اس لیے کہ وہ اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿20﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿21﴾

جو قوت والا ہے، [1] عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ○ جس کی وہاں (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے اور امین [2] ہے ○

وَمَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿22﴾

اور تمھارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے ○ [3]

وَلَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ﴿23﴾

اُس نے اُس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے ○ [4]

وَمَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿24﴾

اور یہ غیب کی باتوں کو بتلانے پر بخیل بھی نہیں ○ [5]

وَمَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿25﴾

اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں ○ [6]

فَاَیۡنَ تَذۡہَبُوۡنَ ﴿26﴾

پھر تم کہاں جا رہے ہو؟ ○ [7]

اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿27﴾

یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے ○

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ﴿28﴾

(بالخصوص) اُس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر

---

1 یعنی جو کام اس کے سپرد کیا جائے، اسے پوری قوت سے کرتا ہے۔

2 یعنی فرشتوں کے درمیان اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ فرشتوں کا مرجع اور مطاع ہے نیز وحی کے سلسلے میں امین ہے۔

3 یہ خطاب اہل مکہ سے ہے اور صاحب سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی تم جو گمان رکھتے ہو کہ تمھارا ہم نسب اور ہم وطن ساتھی، (محمد ﷺ) دیوانہ ہے۔ نعوذ باللہ. ایسا نہیں ہے، ذرا قرآن پڑھ کر تو دیکھو کہ کیا کوئی دیوانہ ایسے معارف وحقائق بیان کرسکتا ہے اور گزشتہ قوموں کے صحیح صحیح حالات بتلاسکتا ہے جو اس قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔

4 یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی حالت میں دیکھا ہے جن میں سے ایک کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر تھے جنھوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دیکھا جیسا کہ سورۂ نجم میں تفصیل گزر چکی ہے۔

5 یہ نبی ﷺ کی بابت وضاحت کی جارہی ہے کہ آپ کو جن باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے اور جو احکام و فرائض آپ کو بتلائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ فریضۂ رسالت کی ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہر بات اور ہر حکم لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

6 جس طرح نجومیوں کے پاس شیطان آتے ہیں اور آسمانوں کی بعض چوری چھپی باتیں ادھوری شکل میں انھیں بتلا دیتے ہیں۔ قرآن ایسا نہیں ہے۔

7 یعنی کیوں اس سے اعراض کرتے ہو۔ اور اس کی اطاعت نہیں کرتے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿29﴾ ع

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو رب العالمین چاہے [1]

ایاتہا 19 (82) سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ (82) رکوعہا 1

سورۂ انفطار مکی ہے، اس میں 19 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿1﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا [2]

وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿2﴾

اور جب ستارے جھڑ جائیں گے

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿3﴾

اور جب سمندر بہہ نکلیں گے [3]

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿4﴾

اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی [4]

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿5﴾

(اُس وقت) ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم کر لے گا [5]

---

1 یعنی تمھاری چاہت، اللہ کی توفیق پر منحصر ہے، جب تک تمھاری چاہت کے ساتھ اللہ کی مشیت اور اس کی توفیق بھی شامل نہیں ہوگی، اس وقت تک تم سیدھا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ (القصص 28:56) وغیرہ آیات میں بیان ہوا ہے، یعنی ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے، پیغمبر بھی جس کو چاہے، ہدایت نہیں دے سکتا۔

2 یعنی اللہ کے حکم اور اس کی ہیبت سے پھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اتر آئیں گے۔

3 سب کا پانی ایک ہی سمندر میں جمع ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ پچھمی ہوا بھیجے گا جو اس میں آگ بھڑکا دے گی جس سے فلک شگاف شعلے بلند ہوں گے۔

4 یعنی قبروں سے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ ﴿بُعْثِرَتْ﴾ اکھیڑ دی جائیں گی یا ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی۔

5 یعنی جب مذکورہ امور واقع ہوں گے تو انسان کو اپنے تمام کیے دھرے کا علم ہو جائے گا۔ جو بھی اچھا یا برا عمل اس نے کیا ہوگا، وہ سامنے آجائے گا۔ پیچھے چھوڑے ہوئے عمل سے مراد اپنے پیچھے اپنے کردار وعمل کے اچھے یا برے نمونے ہیں جو دنیا میں وہ چھوڑ آیا اور لوگ ان نمونوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نمونے اگر اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد ان نمونوں پر جو لوگ بھی عمل کریں گے، اس کا ثواب اسے بھی پہنچتا رہے گا اور اگر برے نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جو

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ⑥	اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟[1] ○
الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ⑦	جس (رب نے) تجھے پیدا کیا،[2] پھر ٹھیک ٹھاک کیا،[3] پھر (درست اور) برابر بنایا[4] ○
فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ⑧	جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا[5] ○
كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ⑨	ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو[6] ○
وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ⑩	حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں ○
كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ⑪	باعزت لکھنے والے ○
يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑫	جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں[7] ○

جو بھی اسے اپنائے گا، ان کا گناہ بھی اس شخص کو پہنچتا رہے گا جس کی مساعی سے وہ برا طریقہ یا کام رائج ہوا۔

1 یعنی کس چیز نے تجھے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا کہ تو نے اس رب کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھ پر احسان کیا اور تجھے وجود بخشا، تجھے عقل وفہم عطا کی اور اسباب حیات تیرے لیے مہیا کیے۔

2 یعنی حقیر نطفے سے جبکہ اس سے پہلے تیرا وجود نہیں تھا۔

3 یعنی تجھے ایک کامل انسان بنا دیا تو سنتا ہے، دیکھتا ہے اور عقل وفہم رکھتا ہے۔

4 تجھے معتدل، کھڑا اور حسن صورت والا بنایا یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا۔ اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کی بجائے بے ڈھباپن ہوتا۔ اسی تخلیق کو دوسرے مقام پر اَحْسَنِ تَقْوِيم سے تعبیر فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التين 4:95) ”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔“

5 اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ بچے کو جس کے چاہے مشابہ بنا دے۔ باپ کے، ماں کے یا ماموں اور چچا کے۔ دوسرا مطلب ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے، ڈھال دے حتیٰ کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ اس کا لطف وکرم اور مہربانی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل میں ہی پیدا فرماتا ہے۔

6 ﴿كَلَّا﴾ حَقًّا کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور کافروں کے اس طرز عمل کی نفی بھی جو اللہ کریم کی رأفت ورحمت سے دھوکے میں مبتلا ہونے پر مبنی ہے، یعنی اس فریب نفس میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمھارے دلوں میں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ قیامت ہوگی اور وہاں جزا وسزا ہوگی۔

7 یعنی تم تو جزا وسزا کے منکر ہو لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمھارا ہر قول اور ہر فعل نوٹ ہو رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے فرشتے تم پر بطور نگران مقرر ہیں جو تمھاری ہر اس بات کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ گویا انسانوں کو تنبیہ ہے کہ

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ⑬
یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں میں ہوں گے ○

وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ⑭
اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے ○ [1]

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ⑮
جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے ○ [2]

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىِٕبِیْنَ ⑯
وہ اُس سے کبھی غائب نہ ہونے پائیں گے ○ [3]

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑰
تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے؟ ○

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑱
میں پھر کہتا ہوں کہ تجھے کیا معلوم کہ جزا (اور سزا) کا دن کیا ہے؟ ○ [4]

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ⑲ ع 1 / 19 / 7
جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا، اور (تمام تر) احکام اُس روز اللہ ہی کے ہوں گے ○ [5]

ہر عمل اور بات سے پہلے سوچ لو کہ وہ غلط تو نہیں۔ یہ وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے، مثلاً: ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ○ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ○﴾ (ق 50:17، 18) ''ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا اس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہے، انسان جو بولتا ہے، اس کے پاس نگران تیار اور حاضر ہے۔'' یعنی لکھنے کے لیے۔ کہتے ہیں ایک فرشتہ نیکی اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔ اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے دو فرشتے الگ اور رات کے دو فرشتے الگ ہیں۔ آگے نیکوں اور بدوں، دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

1 جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ○﴾ (الشوریٰ 42:7) ''ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں۔''

2 یعنی جس جزا و سزا کے دن کا وہ انکار کرتے تھے اسی دن جہنم میں اپنے اعمال کی پاداش میں داخل ہوں گے۔

3 یعنی کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گے اور اس سے غائب نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

4 تکرار، اس کی عظمت و فخامت اور اس دن کی ہولناکیوں کی وضاحت کے لیے ہے۔

5 یعنی دنیا میں تو اللہ نے عارضی طور پر، آزمانے کے لیے، انسانوں کو کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ لیکن قیامت والے دن تمام اختیارات کُلّیۃً صرف اور صرف اللہ کے پاس ہوں گے، جیسے فرمایا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 40:16) چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرما دیا تھا: «لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا» (صحیح مسلم، حدیث: 205) اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی متنبہ فرما دیا: «أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، وَاللهِ! مَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللهِ

اٰیَاتُهَا: 36 (83) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (86) رُكُوْعُهَا: 1

سورۂ مطففین[1] مکی ہے، اس میں 36 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ① بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ○

الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ② کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں ○

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۭ③ اور جب اُنھیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں ○[2]

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ④ کیا اُنھیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں ○

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ⑤ اُس عظیم دن کے لیے ○

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ⑥ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ○[3]

شَيْئًا» (صحيح البخاري، حديث: 4771، و صحيح مسلم، حديث: 204) ”تم اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ، پس بے شک میں تمھیں اللہ سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔“

1 بعض اسے مکی اور بعض مدنی قرار دیتے ہیں، بعض کے نزدیک مکے اور مدینے کے درمیان نازل ہوئی۔ اس کی شان نزول میں یہ روایت ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول کے لحاظ سے گھٹیا ترین لوگ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، جس کے بعد انھوں نے اپنی ناپ تول صحیح کر لی۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 2223)

2 یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ڈنڈی مار کر ناپ تول میں کمی کرنا، بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں تباہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ”جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے۔“ (سنن ابن ماجه، حديث: 4019 ذكره الألباني في الصحيحة: 216/1 من عدة طرق و له شواهد)

3 یعنی یہ ڈنڈی مارنے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ایک بڑا ہولناک دن آنے والا ہے جس میں سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف اور قیامت کا ڈر نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے تو پسینہ انسانوں کے آدھے آدھے کانوں تک پہنچا ہو گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4938) ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت والے دن سورج مخلوق کے اتنا قریب ہو گا کہ ایک میل کی مقدار کے قریب فاصلہ ہو گا۔ (حدیث کے راوی حضرت سلیم بن عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے میل سے

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ⑦
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ⑧
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑨
وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑩
الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ⑪
وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫
اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬
كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭

یقیناً بدکاروں کا نامۂ اعمال سجین میں ہے ○ [1]
تجھے کیا معلوم سجین کیا ہے؟ ○
(یہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے ○
اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے ○
جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے ○
اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا (اور) گناہ گار ہوتا ہے ○
جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ پہلوں کے افسانے ہیں ○ [2]
یوں نہیں [3] بلکہ اُن کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ (چڑھ گیا) ہے ○ [4]

زمین کی مسافت والا میل مراد لیا ہے یا وہ سلائی جس سے سرمہ آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے) پس لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے، یہ پسینہ کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی کمر تک ہوگا اور کسی کے لیے یہ لگام بنا ہوا ہوگا، یعنی اس کے منہ تک پسینہ ہوگا۔ (صحيح مسلم، حديث:2864)

1 ﴿سِجِّيْنٍ﴾ بعض کہتے ہیں سِجنٌ ''قید خانہ'' سے ہے، مطلب ہے کہ قید خانے کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں ایک جگہ ہے، جہاں کافروں، ظالموں اور مشرکوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے جمع اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی لیے آگے اسے ''لکھی ہوئی کتاب'' قرار دیا ہے۔

2 یعنی اس کا گناہوں میں انہماک اور حد سے تجاوز اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ان پر غور و فکر کرنے کی بجائے انھیں پہلوں کی کہانیاں بتلاتا ہے۔

3 یعنی یہ قرآن کہانیاں نہیں جیسا کہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس کے رسول پر جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے۔

4 یعنی ان کے دل اس قرآن اور وحی الٰہی پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پردے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ الرَّانُ، گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکاب گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے اور اگر توبہ کی بجائے، گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ الرَّانُ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے'' (جامع الترمذي،

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮
ہرگز نہیں یہ لوگ اُس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے ○ [1]

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯
پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں جھونکے جائیں گے ○

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰
پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے ○

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱
ہرگز نہیں بیشک نیک لوگوں کا نامۂ اعمال علیین میں ہے ○ [2]

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲
اور تجھے کیا پتا کہ علیین کیا ہے؟ ○

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳
(وہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے ○

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ㉑
مقرب (فرشتے) اس کا مشاہدہ کرتے ہیں ○

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ㉒
یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہوں گے ○

عَلَى الْاَرَآىِٕكِ يَنْظُرُوْنَ ㉓
مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ○

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ㉔
تُو ان کے چہروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان لے گا ○ [3]

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ㉕
یہ لوگ سربمہر خالص شراب پلائے جائیں گے ○ [4]

حديث:3334، وسنن ابن ماجه، حديث:4244، و مسند أحمد:297/2)

1 ان کے برعکس اہل ایمان رویت باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔

2 ﴿عِلِّيِّيْنَ﴾ عُلُوٌّ (بلندی) سے ہے۔ یہ سِجِّينٌ کے برعکس، آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرة المنتهٰى یا عرش کے پاس جگہ ہے جہاں نیک لوگوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

3 جس طرح دنیا میں خوش حال لوگوں کے چہروں پر بالعموم تازگی اور شادابی ہوتی ہے جو ان آسائشوں، سہولتوں اور دنیوی نعمتوں کی مظہر ہوتی ہے جو انھیں فراوانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اہل جنت پر اعزاز و تکریم اور نعمتوں کی جوارزانی ہوگی، اس کے اثرات ان کے چہروں پر بھی ظاہر ہوں گے، وہ اپنے حسن و جمال اور رونق و بہجت سے پہچان لیے جائیں گے کہ یہ جنتی ہیں۔

4 ﴿رَحِيْقٍ﴾ صاف، شفاف اور خالص شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ ﴿مَّخْتُوْمٍ﴾ "سربمہر" اس کے خالص پن کی مزید وضاحت کے لیے ہے، بعض کے نزدیک یہ مخلوط کے معنی میں ہے، یعنی شراب میں کستوری کی آمیزش ہوگی جس سے اس کا ذائقہ دوبالا اور خوشبو مزید خوش کن اور راحت افزا ہو جائے گی۔ بعض کہتے

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ؁ۙ 26

جس پر مشک کی مُہر ہوگی، رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہیے ○ [1]

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ؀ۙ 27

اور اس کی آمیزش تسنیم کی ہوگی ○ [2]

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ؀ۭ 28

(یعنی) وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ؀ڮ 29

گناہ گار لوگ ایمان داروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے ○ [3]

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ؀ڮ 30

اور اِن کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے ○ [4]

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ؀ڮ 31

اور جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے ○ [5]

ہیں: یہ ختم سے ہے، یعنی اس کا آخری گھونٹ کستوری کا ہوگا۔ بعض ﴿ خِتٰمُهٗ ﴾ کے معنی خوشبو کرتے ہیں، ایسی شراب جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس مومن نے کسی پیاسے مومن کو ایک گھونٹ پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن اَلرَّحِیقُ المَختُومُ پلائے گا، جس نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا، جس نے کسی ننگے مومن کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔'' (مسند أحمد: 3/13، 14 و إسناده ضعيف)

1 یعنی عمل کرنے والوں کو ایسے عملوں میں سبقت کرنی چاہیے جس کے صلے میں جنت اور اس کی یہ نعمتیں حاصل ہوں، جیسے فرمایا: ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:61) ''اس جیسی چیز کے لیے ہی عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔''

2 ﴿ تَسْنِيْمٍ ﴾ کے معنی، بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہان جو اس کے جسم سے بلند ہوتی ہے، اسے سَنَامٌ کہتے ہیں۔ قبر کے اونچا کرنے کو بھی تَسْنِیمُ الْقُبُورِ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تسنیم شراب کی آمیزش ہوگی جو جنت کے بالائی علاقوں سے ایک چشمے کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ جنت کی بہترین اور اعلیٰ شراب ہوگی۔

3 یعنی انھیں حقیر جانتے ہوئے ان کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

4 غَمزٌ کے معنی ہوتے ہیں، پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا، یعنی ایک دوسرے کو اپنی پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کر کے ان کی تحقیر اور ان کے مذہب پر طعن کرتے۔

5 یعنی اہل ایمان کا ذکر کر کے خوش ہوتے اور دل لگیاں کرتے۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اپنے گھروں میں لوٹتے تو وہاں خوشحالی اور فراغت ان کا استقبال کرتی اور جو چاہتے وہ انھیں مل جاتا۔ اس کے باوجود انھوں نے

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَضَاۗلُّوْنَ ۝32
وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝33ۭ
فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ
يَضْحَكُوْنَ ۝34ۙ
عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ۝35ۭ
هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝36ۧ

اور جب اُنھیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ ہیں ○ [1]
یہ اُن پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ○ [2]
پس آج ایمان دار اُن کافروں پر ہنسیں گے ○ [3]
تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ○
کہ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے پورا پورا بدلہ پا لیا ○ [4]

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (83) (84) آیاتها 25 رکوعها 1

سورۂ انشقاق مکی ہے، اس میں 25 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِذَا السَّمَاۗءُ انْشَقَّتْ ۝1ۙ
وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝2ۙ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
جب آسمان پھٹ جائے گا ○ [5]
اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا [6] اور یہی اس کے لائق ہے ○ [7]

اللہ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کی تحقیر اور ان پر حسد کرنے میں ہی مشغول رہے۔ (ابن کثیر)

1 یعنی اہل توحید، اہل شرک کی نظر میں اور اہل ایمان اہل کفر کے نزدیک گمراہ ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال آج بھی ہے۔ گمراہ اپنے کو اہل حق اور اہل حق کو گمراہ باور کراتے ہیں حتیٰ کہ ایک سراسر باطل فرقہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰی.

2 یعنی یہ کافر مسلمانوں پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ہیں کہ یہ ہر وقت مسلمانوں کے اعمال و احوال ہی دیکھتے اور ان پر تبصرے کرتے رہیں، یعنی جب یہ ان کے مُکلّف ہی نہیں ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہیں۔

3 یعنی جس طرح دنیا میں کافر اہل ایمان پر ہنستے تھے، قیامت والے دن یہ کافر اللہ کی گرفت میں ہوں گے اور اہل ایمان ان پر ہنسیں گے۔ ان کو ہنسی اسی بات پر آئے گی کہ یہ گمراہ ہونے کے باوجود ہمیں گمراہ کہتے اور ہم پر ہنستے تھے۔ آج ان کو پتہ چل گیا کہ گمراہ کون تھا؟ اور کون اس قابل تھا کہ اس کا استہزا کیا جائے؟

4 ﴿ثُوِّبَ﴾ بمعنی أُثِيبَ، بدلہ دے دیے گئے، یعنی کیا کافروں کو، جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کا بدلہ دے دیا گیا ہے؟

5 یعنی جب قیامت برپا ہوگی۔

6 یعنی اللہ اس کو پھٹنے کا جو حکم دے گا، اسے سنے گا اور اطاعت کرے گا۔

7 یعنی اس کے یہی لائق ہے کہ سنے اور اطاعت کرے، اس لیے کہ وہ سب پر غالب ہے اور سب اس کے ماتحت

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ③
اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی ○ [1]

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ④
اور اُس میں جو ہے اُسے وہ اُگل دے گی اور خالی ہو جائے گی ○ [2]

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ⑤
اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی [3] اور یہی اس کے لائق ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ⑥
اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اُس سے ملاقات کرنے والا ہے ○ [4]

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ⑦
تو (اُس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا ○

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ⑧
تو اُس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا ○ [5]

ہیں۔اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے؟

1 یعنی اس کے طول و عرض میں مزید وسعت کر دی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس پر جو پہاڑ وغیرہ ہیں، سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر کے بچھا دیا جائے گا۔اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔

2 یعنی اس میں جو مردے دفن ہیں، سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے جو خزانے اس کے بطن میں موجود ہیں، وہ انھیں ظاہر کر دے گی اور خود بالکل خالی ہو جائے گی۔

3 یعنی اِلْقَاء اور تَخَلِّي کا جو حکم اسے دیا جائے گا، وہ اس کے مطابق عمل کرے گی۔

4 یہاں انسان بطور جنس کے ہے۔جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ ﴿كَدْحًا﴾ سخت محنت کو کہتے ہیں، وہ محنت خیر کے کاموں کے لیے ہو یا شر کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ چیزیں ظہور پذیر ہوں گی، یعنی قیامت آ جائے گی تو اے انسان! تو نے جو بھی، اچھا یا برا، عمل کیا ہوگا وہ تو اپنے سامنے پا لے گا اور اسی کے مطابق تجھے اچھی یا بری جزا بھی ملے گی۔ آگے اس کی مزید تفصیل و وضاحت ہے۔

5 آسان حساب یہ ہے کہ مومن کا اعمال نامہ پیش ہوگا۔اس کی غلطیاں بھی اس کے سامنے لائی جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے انھیں معاف فرما دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''جس کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا گیا، اس کا حساب آسان ہوگا۔'' (مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اس آیت کی رو سے حساب تو مومن کا بھی ہوگا لیکن وہ ہلاکت سے دوچار نہیں ہوگا) آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی: ''یہ تو پیشی ہے۔(مومن کے ساتھ معاملہ شدید حساب کا نہیں ہوگا، ایک سرسری سی پیشی ہوگی) مومن

وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑨	اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا ○ [1]
وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ⑩	ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ○
فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪	تو وہ موت کو بلانے لگے گا ○ [2]
وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ⑫	اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا ○
اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬	یہ شخص اپنے گھر والوں میں بڑا خوش تھا ○ [3]
اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭	اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ جائے گا ○ [4]
بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ⑮	کیوں نہیں، [5] حالانکہ اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا تھا ○ [6]
فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯	مجھے شفق کی قسم! ○ [7]

رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، جس کا مناقشہ ہوا، یعنی پوچھ گچھ ہوئی وہ مارا گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث:4939) ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''نبی ﷺ اپنی بعض نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ! حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيرًا ''اے اللہ! میرا حساب آسان فرمانا۔'' نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا: حسابِ یسیر ''آسان حساب'' کا کیا مطلب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرمادے گا......'' (مسند أحمد:48/6)

1 یعنی جو اس کے گھر والوں میں سے جنتی ہوں گے۔ یا اس سے مراد وہ حورعین اور ولدان (نوعمر خادم) ہیں جو جنتیوں کو ملیں گے۔

2 ﴿ثُبُوْرًا﴾ ہلاکت، خسارا، یعنی وہ چیخے گا، پکارے گا اور واویلا کرے گا کہ میں تو مارا گیا، ہلاک ہوگیا۔

3 یعنی دنیا میں اپنی خواہشات میں مگن اور اپنے گھر والوں کے درمیان بڑا خوش تھا۔

4 یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے، یعنی آخرت پر اس کا عقیدہ ہی نہیں تھا۔ حَوْرٌ کے معنی ہیں: لوٹنا۔ جس طرح نبی ﷺ کی دعا ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ»(صحيح مسلم، حديث:1343، و جامع الترمذي، حديث:3439، و سنن ابن ماجه، حديث:3888) مطلب ہے: ''اس بات سے میں پناہ مانگتا ہوں کہ ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت یا خیر کے بعد شر کی طرف لوٹوں۔''

5 کہ یہ نہ لوٹے اور دوبارہ زندہ نہ ہو یا بلٰی، کیوں نہیں، یہ ضرور اپنے رب کی طرف لوٹے گا۔

6 یعنی اس سے اس کا کوئی عمل مخفی نہیں تھا۔

7 شَفَقٌ اس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے اور عشاء کا وقت شروع ہونے تک رہتی ہے۔

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿17﴾

اور رات کی! اور اس کی جمع کردہ [1] چیزوں کی قسم! ○

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿18﴾

اور چاند کی جب کہ وہ بھر جاتا ہے [2] ○

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿19﴾

یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے [3] ○

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿20﴾

اُنھیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے ○

السجدة 13 وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿21﴾ السجدة

اور جب اُن کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے [4] ○

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿22﴾

بلکہ جنھوں نے کفر کیا وہ جھٹلا رہے ہیں [5] ○

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿23﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے ہیں [6] ○

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿24﴾

اُنھیں المناک عذابوں کی خوشخبری سنا دو ○

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿25﴾ ع 1 25 9

ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے شمار اور نہ ختم ہونے والا اجر ہے ○

اٰيَاتُهَا 22 (85) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (27) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ بروج [7] مکی ہے، اس میں 22 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿1﴾

بُرجوں والے آسمان کی قسم! [8] ○

---

1 اندھیرا ہوتے ہی ہر چیز اپنے ماؤی اور مسکن کی طرف سمٹ آتی ہے، یعنی رات کا اندھیرا جن چیزوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

2 ﴿اِذَا اتَّسَقَ﴾ کے معنی ہیں: جب وہ مکمل ہو جائے، جیسے وہ تیرھویں کی رات سے سولھویں تاریخ کی رات تک رہتا ہے۔

3 ﴿طَبَقٍ﴾ کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شدائد ہیں جو قیامت والے دن واقع ہوں گے، یعنی اس روز ایک سے بڑھ کر ایک حالت طاری ہوگی۔ (فتح الباري:891/8) یہ جواب قسم ہے۔

4 احادیث سے یہاں نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔

5 یعنی ایمان لانے کی بجائے جھٹلاتے ہیں۔

6 یعنی تکذیب یا جو افعال وہ چھپ کر کرتے ہیں۔

7 نبی ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں سورۂ بروج اور سورۂ طارق پڑھتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث:307)

8 ﴿الْبُرُوْج﴾ بُرج، محل کی جمع ہے۔ بُرج کے اصل معنی ہیں: ظہور۔ یہ کواکب کی منزلیں ہیں جنھیں ان کے محل اور قصور کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انھیں بروج کہا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② — وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم! ○ [1]
وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ③ — حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی قسم! ○ [2]
قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④ — (کہ) خندقوں والے ہلاک کیے گئے ○ [3]
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ⑤ — وہ ایک آگ تھی ایندھن والی ○ [4]
اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ⑥ — جب کہ وہ لوگ اُس کے آس پاس بیٹھے تھے ○ [5]
وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ⑦ — اور مسلمانوں کے ساتھ جو وہ کر رہے تھے اس پر خود شاہد تھے ○
وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑧ — یہ لوگ اُن مسلمانوں سے (کسی اور گناہ کا) بدلہ نہیں لے رہے تھے، سوائے اس کے کہ وہ اللہ غالب قابلِ ستائش ذات پر ایمان لائے تھے ○ [6]

سورۂ فرقان 25:61 کا حاشیہ۔ بعض نے بروج سے مراد ستارے لیے ہیں، یعنی ستاروں والے آسمان کی قسم! بعض کے نزدیک اس سے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد ہیں۔ (فتح القدیر)

1 اس سے مراد بالاتفاق قیامت کا دن ہے۔

2 شاہد اور مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے احادیث و آثار کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعے کا دن ہے، اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا۔ اور مشہود سے عرفے (9 ذو الحجہ) کا دن ہے جہاں لوگ حج کے لیے جمع اور حاضر ہوتے ہیں۔

3 یعنی جن لوگوں نے خندقیں کھود کر اس میں رب کے ماننے والوں کو ہلاک کیا، ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، ﴿قُتِلَ﴾ بمعنی لُعِنَ. اللہ کی رحمت سے دوری اور بربادی۔

4 ﴿النَّارِ﴾ الْاُخْدُوْد سے بدل اشتمال ہے ذَاتِ الْوَقُوْدِ، النَّار کی صفت ہے، یعنی یہ خندقیں کیا تھیں۔ ایندھن والی آگ تھی جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لیے دہکائی گئی تھی۔

5 کافر بادشاہ یا اس کے کارندے، آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

6 یعنی ان لوگوں کا جرم جنھیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ غالب پر ایمان لے آئے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل جو صحیح احادیث سے ثابت ہے مختصراً حسب ذیل ہے:

واقعۂ اصحاب الاخدود

”گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا جادوگر تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ذہین لڑکا دو جسے میں یہ علم سکھا دوں، چنانچہ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر کے اس کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ؕ﴿9﴾

وہی جس کے لیے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے ○

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ؕ﴿10﴾

بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے ○

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ

بے شک ایمان قبول کرنے والوں اور نیک کام کرنے

راستے میں ایک راہب بھی رہتا تھا، یہ لڑکا اس کے پاس جا کر بیٹھا اور اس کی باتیں سنیں اور پسند آ گئیں، اس کے بعد یہ لڑکا آتے جاتے اس کے پاس بھی بیٹھتا اور اس کی باتیں سنتا۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بہت بڑے جانور (شیر یا سانپ وغیرہ) نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ آج میں پتہ کرتا ہوں کہ جادوگر صحیح ہے یا راہب۔ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا: ''اے اللہ! اگر راہب کا معاملہ تیرے نزدیک جادوگر کے معاملے سے بہتر اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو مار دے تاکہ لوگوں کی آمدورفت جاری ہو جائے۔'' یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور وہ جانور مر گیا۔ لڑکے نے جا کر یہ واقعہ راہب کو بتلایا۔ راہب نے کہا کہ بیٹے! اب تم فضل وکمال کو پہنچ گئے ہو اور تمھاری آزمائش شروع ہونے والی ہے لیکن اس دور ابتلا میں میرا نام ظاہر نہ کرنا۔ یہ لڑکا مادرزاد اندھے، ابرص اور دیگر بعض بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا لیکن ایمان باللہ کی شرط پر، اسی شرط پر اس نے بادشاہ کے ایک نابینا مصاحب کی آنکھیں بھی اللہ سے دعا کر کے صحیح کر دیں۔ یہ لڑکا یہی کہتا تھا کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا، وہ شفا عطا فرما دے گا، چنانچہ اس کی دعا سے اللہ شفایاب فرما دیتا۔ یہ خبر بادشاہ تک بھی پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا، بعض اہل ایمان کو تو اس نے قتل کروا دیا۔ اس لڑکے کے بارے میں اس نے چند آدمیوں کو کہا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر نیچے پھینک دو، اس نے اللہ سے دعا کی، پہاڑ میں لرزش پیدا ہوئی، جس سے وہ سب گر کر مر گئے اور اللہ نے اسے بچا لیا۔ بادشاہ نے اسے دوسرے آدمیوں کے سپرد کر کے کہا کہ ایک کشتی میں بٹھا کر سمندر کے بیچ میں لے جا کر اسے پھینک دو، وہاں بھی اس کی دعا سے کشتی الٹ گئی، جس سے وہ سب غرق ہو گئے اور یہ بچ گیا۔ اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کر اور بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ''لڑکے کے رب، اللہ کے نام سے۔'' کہہ کر مجھے تیر مار۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جس سے وہ لڑکا مر گیا لیکن سارے لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ اور زیادہ پریشان ہو گیا، چنانچہ اس نے خندقیں کھدوائیں اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے انحراف نہ کرے، اس کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح ایمان دار آتے رہے اور آگ کے حوالے ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک عورت آئی جس کے ساتھ ایک بچہ تھا، وہ ذرا ٹھٹھکی تو بچہ بول پڑا کہ اماں! صبر کر تو حق پر ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 3005 ملخصًا) امام ابن کثیر نے اور بھی بعض

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ﴿11﴾	والوں کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے ○
اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿12﴾	یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے ○ [1]
اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ۚ﴿13﴾	وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا ○ [2]
وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ﴿14﴾	وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ○
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۙ﴿15﴾	عرش کا مالک، عظمت والا ہے ○ [3]
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ؕ﴿16﴾	جو چاہے اُسے کرگزرنے والا ہے ○ [4]
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۙ﴿17﴾	تجھے لشکروں کی خبر بھی ملی ہے؟ ○ [5]
فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ؕ﴿18﴾	(یعنی) فرعون اور ثمود کی ○
بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۙ﴿19﴾	بلکہ کافر تو جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں ○

واقعات نقل کیے ہیں جو اس سے مختلف ہیں اور کہا ہے، ممکن ہے اس قسم کے متعدد واقعات مختلف جگہوں پر ہوئے ہوں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے :تفسیر ابن کثیر)

1 یعنی جب وہ اپنے ان دشمنوں کی گرفت کرنے پر آئے جو اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے اور اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو پھر اس کی گرفت سے انھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

2 یعنی وہی اپنی قوت اور قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت والے دن دوبارہ انھیں اسی طرح پیدا فرمائے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

3 یعنی تمام مخلوقات سے معظم اور بلند ہے اور عرش جو سب سے اوپر ہے، وہ اس کا مستقر ہے جیسا کہ صحابہ وتابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ ﴿الْمَجِيْدُ﴾ ’’اونچی شان و بزرگی والا‘‘ اس میں دو قراءتیں ہیں، ایک میں یہ مرفوع ہے، اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ دوسری قراءت میں یہ مجرور ہے، اس صورت میں یہ عرش کی صفت بنے گی۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ (ابن کثیر)

4 یعنی وہ جو چاہے کرگزرتا ہے، اس کے حکم اور مشیت کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض الموت میں کسی نے پوچھا: کیا کسی طبیب نے آپ کو دیکھا۔ انھوں نے فرمایا، ہاں۔ پوچھا: اس نے کیا کہا؟ فرمایا: اس نے کہا ہے: إِنِّي فَعَّالٌ لِّمَا أُرِيدُ میں جو چاہوں کروں، میرے معاملے میں کوئی دخل دینے والا نہیں۔ (ابن کثیر) مطلب یہ تھا کہ معاملہ اب طبیبوں کے ہاتھوں میں نہیں رہا، میرا آخری وقت آ گیا ہے اور اللہ ہی اب میرا طبیب ہے جس کی مشیت کو ٹالنے کی کسی کے اندر طاقت نہیں ہے۔

5 یعنی ان پر جب میرا عذاب آیا اور میں نے انھیں اپنی گرفت میں لیا جسے کوئی ٹال نہیں سکا۔

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۚ﴿20﴾
اور اللہ بھی اُنھیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ○[1]

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ﴿21﴾
بلکہ یہ قرآن ہے ہی بڑی شان والا ○

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿22﴾ ع 1/22/10
لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ○[2]

اٰیاتُها: 17 (86) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (36) رکوعها: 1

سورۂ طارق مکی[3] ہے، اس میں 17 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿1﴾
قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے کی! ○

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿2﴾
تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ ○

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿3﴾
وہ روشن ستارہ ہے ○[4]

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۭ﴿4﴾
کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو ○[5]

---

1 یہ ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ ہی کا اثبات اور اس کی تاکید ہے۔

2 یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ حسب ضرورت واقتضا اسے نازل فرماتا ہے۔

3 حضرت خالد عدوانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ثقیف میں کمان یا لاٹھی کے سہارے پر کھڑے دیکھا، آپ ان کے پاس ان سے مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ سے سورۂ طارق سنی، میں نے اسے یاد کرلیا درآں حالیکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، پھر مجھے اللہ نے اسلام سے نواز دیا اور اسلام کی حالت میں میں نے اسے پڑھا۔(مسند أحمد:335/4، ومجمع الزوائد:287/7 ضعيف) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مغرب (اور ایک روایت کے مطابق عشاء) کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی، نبی ﷺ کو اطلاع ملی تو فرمایا:''لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے۔ تو نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾، ﴿وَالشَّمْسِ﴾ اور اس جیسی سورتیں ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ وغیرہ کیوں نہ پڑھیں''(سنن النسائي مع التعليقات السلفية 87/2)

4 طارق سے کیا مراد ہے۔ خود قرآن نے واضح کر دیا۔ روشن ستارہ۔ ﴿الطَّارِقُ﴾ طُرُوقٌ سے ہے جس کے لغوی معنی کھٹکھٹانے کے ہیں لیکن طارق رات کو آنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ستاروں کو بھی طارق اسی لیے کہا ہے کہ یہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

5 یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اچھے یا برے سارے عمل لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: یہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد کی آیت:11 سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤
خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥
يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦
اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧
يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨
فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪
وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫

انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ○
وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ○ [1]
جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے ○ [2]
بے شک وہ اُسے پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے ○ [3]
جس دن پوشیدہ بھیدوں کی جانچ پڑتال ہوگی ○ [4]
تو نہ ہوگا اُس کے پاس کچھ زور نہ مددگار ○ [5]
بارش والے آسمان کی قسم! ○ [6]
اور پھٹنے والی زمین کی قسم! ○ [7]

حفاظت کے لیے بھی انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جس طرح قول وفعل لکھنے والے ہوتے ہیں۔

1 یعنی منی سے جو قضائے شہوت کے وقت زور سے نکلتی ہے۔ یہی قطرۂ آب (منی) رحم عورت میں جا کر، اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے تو، حمل کا باعث بنتا ہے۔

2 کہا جاتا ہے کہ پیٹھ مرد کی اور سینہ عورت کا، ان دونوں کے پانی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسے ایک ہی پانی اس لیے کہا کہ یہ دونوں مل کر ایک ہی بن جاتا ہے۔ ﴿التَّرَآئِبِ﴾ تَرِيبَةٌ کی جمع ہے، سینے کا وہ حصہ جو ہار پہننے کی جگہ ہے۔

3 یعنی انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قطرۂ آب کو دوبارہ شرمگاہ کے اندر لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ پہلے مفہوم کو امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

4 یعنی ظاہر ہو جائیں گے کیونکہ ان پر جزا وسزا ہوگی۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے: ''ہر غدر (بدعہدی) کرنے والے کے سرین کے پاس جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:3188 ، و صحيح مسلم، حديث:1736) مطلب یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا۔

5 یعنی خود انسان کے پاس اتنی قوت ہوگی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے نہ کسی اور طرف سے اس کو کوئی ایسا مددگار مل سکے گا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

6 ﴿الرَّجْعِ﴾ کے لغوی معنی ہیں: لوٹنا پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتا ہے اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتا ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں: بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تا کہ وہ بار بار ہوتی رہے۔ (فتح القدير)

7 یعنی زمین پھٹتی ہے تو اس سے پودا باہر نکلتا ہے، زمین پھٹتی ہے تو چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک دن

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ⑬

بے شک یہ (قرآن) البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے ○[1]

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ⑭

یہ ہنسی کی (اور بے فائدہ) بات نہیں ○[2]

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ⑮

البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں ○[3]

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ⑯

اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں ○[4]

ع 1 17 11 فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ⑰

تُو کافروں کو مہلت دے،[5] اُنھیں چند دنوں تک چھوڑ دے ○

اٰيَاتُهَا: 19 (87) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (8) رُكُوْعُهَا: 1

سورۂ اعلیٰ مکی[6] ہے، اس میں 19 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ①

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر ○[7]

آئے گا کہ زمین پھٹے گی، سارے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے، اس لیے زمین کو پھٹنے والی اور شگاف والی کہا۔

1 یہ جواب قسم ہے، یعنی کھول کر بیان کرنے والا ہے جس سے حق اور باطل دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔

2 یعنی کھیل کود اور مذاق والی چیز نہیں ہے، هَزْلٌ، جِدٌّ (سنجیدگی وحقیقت) کی ضد ہے، یعنی ایک واضح سنجیدہ مقصد کی حامل کتاب ہے، لہو ولعب کی طرح بے مقصد نہیں ہے۔

3 یعنی نبی ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں، اس کو ناکام کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں یا نبی ﷺ کو دھوکا اور فریب دیتے ہیں اور منہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دل میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

4 یعنی میں ان کی چالوں اور سازشوں سے غافل نہیں ہوں، میں بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہوں یا ان کی چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔ ﴿كَيْدًا﴾ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو برے مقصد کے لیے ہو تو بری ہے اور مقصد نیک ہو تو بری نہیں۔

5 یعنی ان کے لیے تعجیل عذاب کا سوال نہ کر بلکہ انھیں کچھ مہلت دے دے۔ رُوَيْدًا قَلِيلًا یا قَرِيبًا یہ اِمْهَال واِسْتِدْراج بھی کافروں کے حق میں اللہ کی طرف سے ایک کَید کی صورت ہے، جیسے فرمایا: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○﴾ (الأعراف 7:182,183) ''ہم ان کو بتدریج لیے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔''

6 رسول اللہ ﷺ یہ سورت اور سورۂ غاشیہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ نبی ﷺ نے ایک موقعے پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جن سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی تھی، ان میں ایک یہ بھی تھی۔ (سنن النسائي، حديث:985)

7 یعنی ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکیزگی جو اس کے لائق نہیں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ پڑھتے تو اس کے جواب میں پھر کہتے: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» (مسند أحمد:1/232، وسنن

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿2﴾
جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا ○ [1]

وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪ۙ﴿3﴾
اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی ○ [2]

وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۪ۙ﴿4﴾
اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی ○ [3]

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ؕ﴿5﴾
پھر اُس نے اُس کو سیاہ کوڑا کر دیا ○ [4]

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤی ۙ﴿6﴾
ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تُو نہ بھولے گا ○ [5]

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ؕ﴿7﴾
مگر جو کچھ اللہ چاہے۔ وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے ○ [6]

وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی ۚۖ﴿8﴾
ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کر دیں گے ○ [7]

أبي داود، حديث:883 وقال الألباني صحيح) جواب کون دے۔ صرف پڑھنے والا یا سننے والا بھی۔ بظاہر تو یہ حکم صرف پڑھنے والے کے لیے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں سامع کا ذکر نہیں ہے، اس لیے راجح قول یہی ہے۔

1 دیکھیے سورۂ انفطار کا حاشیہ:6

2 یعنی نیکی اور بدی کی۔ اسی طرح ضروریات زندگی کی یہ ہدایت حیوانات کو بھی عطا فرمائی۔ ﴿قَدَّرَ﴾ کا مفہوم ہے: اشیاء کی جنسوں، ان کی انواع وصفات اور خصوصیات کا اندازہ فرما کر انسان کی بھی ان کی طرف رہنمائی فرما دی تاکہ انسان ان سے استفادہ کر سکے۔

3 جسے جانور چرتے ہیں۔

4 گھاس خشک ہو جائے تو اسے ﴿غُثَآءً﴾ کہتے ہیں، ﴿اَحْوٰی﴾ سیاہ کر دیا، یعنی تازہ اور شاداب گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

5 حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی جلدی پڑھتے تاکہ بھول نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس طرح جلدی نہ کریں۔ نازل شدہ وحی ہم آپ کو پڑھوائیں گے، یعنی آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے، پس آپ اسے بھولیں گے نہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے گا لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس لیے آپ کو سب کچھ یاد ہی رہا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مفہوم ہے کہ جن کو اللہ منسوخ کرنا چاہے گا وہ آپ کو بھلوا دے گا۔ (فتح القدير)

6 یہ عام ہے، جہر قرآن کا وہ حصہ بھی ہے جسے رسول اللہ ﷺ یاد کر لیں اور جو آپ کے سینے سے محو کر دیا جائے، وہ مخفی ہے۔ اسی طرح جہر اونچی آواز سے پڑھے، خفی پست آواز سے پڑھے۔ خفی، چھپ کر عمل کرے اور جہر ظاہری عمل، ان سب کو اللہ جانتا ہے۔

7 یہ بھی عام ہے، مثلاً: ہم آپ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ہم آپ کی اس طریقے کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہوگا۔ ہم جنت والا عمل آپ کے لیے آسان کر دیں گے،

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨
تو آپ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت کچھ فائدہ دے ○ [1]

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ⑩
ڈرنے والا تو نصیحت لے گا ○ [2]

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ⑪
(ہاں) بدبخت اس سے گریز کرے گا ○ [3]

الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ⑫
جو بڑی آگ میں جائے گا ○

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ⑬
جہاں پھر نہ وہ مرے گا نہ جیے گا، [4] (بلکہ حالتِ نزع میں پڑا رہے گا) ○

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ⑭
بے شک اس نے فلاح پالی جو پاک ہوگیا ○ [5]

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ⑮
اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا ○

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ⑯
لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو ○

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ⑰
اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے ○ [6]

ہم آپ کے لیے ایسے افعال واقوال آسان کردیں گے جن میں خیر ہو اور ہم آپ کے لیے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی جس میں کوئی کجی، عسر اور تنگی نہیں ہوگی۔

1 یعنی وعظ ونصیحت وہاں کریں جہاں محسوس ہو کہ فائدہ مند ہوگی۔ یہ وعظ ونصیحت اور تعلیم کے لیے ایک اصول اور ادب بیان فرما دیا۔ (ابن کثیر) امام شوکانی کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، چاہے فائدہ دے یا نہ دے کیونکہ انذار وتبلیغ دونوں صورتوں میں آپ کے لیے ضروری تھی، یعنی اَوْلَمْ تَنْفَعْ یہاں محذوف ہے۔ (یا فائدہ نہ دے۔)

2 یعنی آپ کی نصیحت سے وہ یقیناً عبرت حاصل کریں گے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا، ان میں خشیت الٰہی اور اپنی اصلاح کا جذبہ مزید قوی ہوجائے گا۔

3 یعنی اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے کیونکہ ان کا کفر پر اصرار اور اللہ کی معصیتوں میں انہماک جاری رہتا ہے۔

4 ان کے برعکس جو لوگ صرف اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں رہ گئے ہوں گے انھیں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی موت دے دے گا حتی کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہوجائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انبیاء وغیرہ کی سفارش سے ان کو گروہوں کی شکل میں نکالے گا، ان کو جنت کی نہر میں ڈالا جائے گا، جنتی بھی ان پر پانی ڈالیں گے، جس سے وہ اس طرح جی اٹھیں گے، جیسے سیلاب کے کوڑے پر دانہ اُگ آتا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 185)

5 جنھوں نے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے اور دلوں کو شرک ومعصیت کی آلودگیوں سے پاک کرلیا۔

6 کیونکہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے، اس لیے عاقل فانی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح نہیں دیتا۔

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ⑱
صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ⑲ ع 1/19/12

یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں ○
(یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں ○

اٰیَاتُهَا 26 (88) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (68) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ غاشیہ مکی [1] ہے، اس میں 26 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ①
کیا تجھے بھی چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے ○ [2]

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ②
اُس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے ○ [3]

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③
محنت کرنے والے تھکے ہوئے ○ [4]

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④
وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے ○

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ⑤
اور انھیں نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا ○ [5]

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥
اُن کے لیے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانا نہ ہوگا ○ [6]

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦
جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا ○

---

1 بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے ساتھ سورۂ غاشیہ بھی پڑھتے تھے۔ (موطأ إمام مالك:1/117)

2 ﴿هَلْ﴾ بمعنی قَدْ ہے۔ ﴿الْغَاشِيَةِ﴾ سے مراد قیامت ہے، اس لیے کہ اس کی ہولناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانپ لیں گی۔

3 یعنی کافروں کے چہرے۔ ﴿خَاشِعَةٌ﴾ کے معنی ہیں، جھکے ہوئے، پست اور ذلیل۔

4 ﴿نَّاصِبَةٌ﴾ کے معنی ہیں: تھک کر چور ہو جانے والے، یعنی انھیں اتنا پر مشقت عذاب ہوگا کہ اس سے ان کا سخت برا حال ہوگا۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں عمل کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے، یعنی بہت عمل کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن وہ عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعات پر مبنی ہوں گے، اس لیے ''عبادات'' اور ''اعمال شاقہ'' کے باوجود جہنم میں جائیں گے، چنانچہ اسی مفہوم کی رو سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ سے نصاریٰ مراد لیے ہیں۔ (صحيح البخاري، بعد حديث:4941)

5 یہاں وہ سخت کھولتا ہوا پانی مراد ہے جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ (فتح القدير)

6 یہ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔ بہرحال یہ بھی زَقُّوم کی طرح ایک نہایت تلخ، بدمزہ اور ناپاک ترین کھانا ہوگا جو جزو بدن بنے گا نہ اس سے بھوک ہی مٹے گی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿8﴾
بہت سے چہرے اُس دن تروتازہ اور (آسودہ حال) ہوں گے ○

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿9﴾
اپنی کوشش پر خوش ہوں گے ○

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿10﴾
بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے ○

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ؕ﴿11﴾
جہاں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے ○

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۘ﴿12﴾ وقف لازم
جہاں بہتا ہوا چشمہ ہوگا ○

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ﴿13﴾
(اور) اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے ○

وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ﴿14﴾
اور آبخورے رکھے ہوئے (ہوں گے) ○

وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ﴿15﴾
اور ایک قطار میں لگے ہوئے تکیے ہوں گے ○

وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ؕ﴿16﴾
اور مخملی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی ○ [1]

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ٝ﴿17﴾
کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں؟ ○ [2]

وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ٝ﴿18﴾
اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے؟ ○ [3]

وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ٝ﴿19﴾
اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں؟ ○ [4]

---

1 یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ ﴿عَيْنٌ﴾ بطور جنس کے ہے، یعنی متعدد چشمے ہوں گے۔ ﴿نَمَارِقُ﴾ بمعنی وَسَائِد (تکیے) ہے۔ ﴿زَرَابِيُّ﴾ مسندیں، قالین اور گدے بستر ﴿مَبْثُوْثَةٌ﴾ پھیلی ہوئی، یعنی یہ مسندیں جگہ جگہ بچھی ہوں گی۔ اہل جنت جہاں آرام کرنا چاہیں گے کر سکیں گے۔

2 اونٹ عرب میں عام تھے اور ان عربوں کی غالب سواری یہی تھی، اس لیے اللہ نے اسی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کی خلقت پر غور کرو، اللہ نے اسے کتنا بڑا وجود عطا کیا ہے اور کتنی قوت وطاقت اس کے اندر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمھارے لیے نرم اور تابع ہے، تم اس پر جتنا چاہو بوجھ لاد دو، وہ انکار نہیں کرے گا، تمھارا ماتحت ہو کر رہے گا۔ علاوہ ازیں اس کا گوشت تمھارے کھانے کے، اس کا دودھ تمھارے پینے کے اور اس کی اون گرمی حاصل کرنے کے کام آتی ہے۔

3 یعنی آسمان کتنی بلندی پر ہے، پانچ سو سال کی مسافت پر، پھر بھی بغیر ستون کے وہ کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شگاف اور کجی بھی نہیں ہے۔ نیز ہم نے اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے۔

4 یعنی کس طرح انھیں زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا ہے تاکہ زمین حرکت نہ کرے۔ نیز ان میں جو معدنیات اور

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ⑳
فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ㉑
لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ㉒
إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ㉓
فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ㉔
إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ ㉕
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ㉖

اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟ ○ [1]
پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں ○ [2]
آپ اُن پر کوئی داروغہ نہیں ہیں ○ [3]
ہاں! جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے ○
اُسے اللہ بہت عذاب دے گا ○ [4]
بے شک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے ○
پھر بے شک ہمارے ذمے ہے ان سے حساب لینا ○ [5]

آیاتها: 30 (89) سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (10) رکوعها: 1

سورۂ فجر مکی ہے، اس میں 30 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ①
قسم ہے فجر کی! ○ [6]

دیگر منافع ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

1 یعنی کس طرح اسے ہموار کر کے انسان کے رہنے کے قابل بنایا ہے، وہ اس پر چلتا پھرتا، کاروبار کرتا اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔

2 یعنی آپ کا کام صرف تذکیر اور تبلیغ و دعوت ہے، اس کے علاوہ یا اس سے بڑھ کر نہیں۔

3 کہ انھیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل کا حکم ہے جو آیت سیف سے منسوخ ہو گیا کیونکہ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللهُ فَإِذَا قَالُوهَا عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»(صحيح البخاري، حديث: 25، و صحیح مسلم، حدیث: 21) ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جب وہ یہ اقرار کر لیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیا۔ سوائے حق اسلام کے، (جو اگر ہمارے علم میں نہ آیا تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“

4 یعنی جہنم کا دائمی عذاب۔

5 مشہور ہے کہ اس کے جواب میں «اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَسِيرًا» پڑھا جائے۔ لیکن نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔

6 اس سے مراد مطلق فجر ہے، کسی خاص دن کی فجر نہیں۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿2﴾
وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿3﴾
وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿4﴾
هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿5﴾
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿6﴾
اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿7﴾

اور دس راتوں کی! ○ [1]
اور جفت اور طاق کی! ○ [2]
اور رات کی جب وہ چلنے لگے ○ [3]
یقیناً ان میں عقل مند کے لیے بھاری قسم ہے ○ [4]
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا؟ ○ [5]
ستونوں والے اِرم کے ساتھ ○ [6]

---

1 اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ جن کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں عشرۂ ذوالحجہ میں کیے گئے عمل صالح سے دیگر دنوں کے عمل صالح زیادہ محبوب نہیں حتیٰ کہ دیگر دنوں کا جہاد فی سبیل اللہ بھی، سوائے اس جہاد کے جس میں انسان مال جان دونوں لے جائے اور ان میں سے کوئی چیز واپس نہ لائے، یعنی شہید ہو جائے۔'' (صحيح البخاري، حديث:969)

2 اس سے مراد جفت اور طاق عدد ہیں یا وہ معدودات جو جفت اور طاق ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل مخلوق کی قسم ہے، اس لیے کہ مخلوق جفت (جوڑا) یا طاق (فرد) ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (أيسر التفاسير)

3 یعنی جب آئے اور جب جائے کیونکہ سَیر (چلنا) آتے، جاتے دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔

4 ﴿ذٰلِكَ﴾ سے مذکورہ مقسم بہ اشیاء کی طرف اشارہ ہے، یعنی کیا ان کی قسم اہل عقل و دانش کے واسطے کافی نہیں ہے۔ ﴿حِجْرٍ﴾ کے معنی ہوتے ہیں، روکنا، منع کرنا۔ انسانی عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، جس طرح اسی مفہوم کے اعتبار سے اسے نُہْیَة بھی کہتے ہیں۔ جواب قسم یا مقسم علیہ لَتُبْعَثُنَّ ہے کیونکہ مکی سورتوں میں عقیدے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم آگے آنے والے الفاظ ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ○﴾ ہیں۔ اس کے بعد بہ طریق استشہاد اللہ تعالیٰ بعض ان قوموں کا ذکر فرما رہا ہے جو تکذیب و عناد کی بنا پر ہلاک کی گئی تھیں۔ مقصد اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تمھارا بھی اسی طرح مؤاخذہ ہو سکتا ہے، جیسے گزشتہ قوموں کا اللہ نے کیا۔

5 ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے انھوں نے تکذیب کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کا عذاب ان پر نازل کیا جو متواتر سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ (الحاقة 69:7-10) اور انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

6 ﴿اِرَمَ﴾ عاد سے عطف بیان یا بدل ہے۔ یہ قوم عاد کے دادا کا نام ہے۔ ان کا سلسلہ نسب ہے، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ (فتح القدير) اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ یہ عاد اولیٰ ہے۔ ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ (ستونوں والے) سے اشارہ ہے ان کی قوت و طاقت اور دراز قامتی کی طرف۔ علاوہ ازیں وہ فن تعمیر میں بھی بڑی

اَلَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۪ۙ⑧
وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۪ۙ⑨
وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۪ۙ⑩
الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۪ۙ⑪
فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۪ۙ⑫
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۚۙ⑬
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ؕ⑭
فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ
فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ ؕ⑮
وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ۬

جس کی مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی ○ [1]
اور ثمودیوں کے ساتھ جنھوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے ○ [2]
اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ○ [3]
ان سب نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا ○
اور بہت فساد مچا رکھا تھا ○
آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا ○ [4]
یقیناً تیرا رب گھات میں ہے ○ [5]
انسان (کا یہ حال ہے کہ) جب اسے اس کا رب آزماتا ہے اور عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا ○ [6]
اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا

مہارت رکھتے تھے اور نہایت مضبوط بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ میں دونوں ہی مفہوم شامل ہو سکتے ہیں۔

1 یعنی ان جیسی دراز قامت اور قوت و طاقت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی۔ یہ قوم کہا کرتی تھی: ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ السجدة 41:15) ''ہم سے زیادہ کون طاقت ور ہے۔''

2 یہ حضرت صالح کی قوم تھی، اللہ نے اسے پتھر تراشنے کی خاص صلاحیت و قوت عطا کی تھی حتیٰ کہ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر لیتے تھے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے: ﴿وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ○﴾ (الشعرآء 26:149) ''اور تم پہاڑوں کو تراش کر پر تکلف مکان بناتے ہو۔''

3 اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لشکروں والا تھا جس کے پاس خیموں کی کثرت تھی جنھیں میخیں گاڑ کر کھڑا کیا جاتا تھا۔ یا اس سے اس کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ ہے کہ میخوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کو سزائیں دیتا تھا۔ (فتح القدير)

4 یعنی ان پر آسمان سے اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد یا انھیں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔

5 یعنی تمام مخلوقات کے اعمال دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں جزا دیتا ہے۔

6 یعنی جب اللہ کسی کو رزق و دولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ اپنی بابت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر بہت مہربان ہے، حالانکہ یہ فراوانی امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔

فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿16﴾
ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی (اور ذلیل کیا) ○ [1]

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿17﴾
ایسا ہرگز نہیں [2] بلکہ (بات یہ ہے) کہ تم (ہی) لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے ○ [3]

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿18﴾
اور مسکینوں کو کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے ○

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿19﴾
اور (مُردوں کی) میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو ○ [4]

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿20﴾
اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو ○ [5]

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿21﴾
یقیناً جس [6] وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی ○

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿22﴾
اور تیرا رب (خود) آ جائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آ جائیں گے) ○ [7]

وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ
اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی، [8] اُس دن انسان کی

---

1 یعنی وہ تنگی میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تو اللہ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے۔

2 یعنی بات اس طرح نہیں ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال اپنے محبوب بندوں کو بھی دیتا ہے اور ناپسندیدہ افراد کو بھی، تنگی میں بھی وہ اپنوں اور بیگانوں دونوں کو مبتلا کرتا ہے۔ اصل مدار دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت پر ہے۔ جب اللہ مال دے تو اللہ کا شکر کرے، تنگی آئے تو صبر کرے۔

3 یعنی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک نہیں کرتے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ گھر بدترین ہے جس میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے، پھر اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے، جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ملی ہوئی ہیں۔“ (الأدب المفرد، حديث: 137 ضعيف، البتہ دوسرا حصہ صحیح ہے دیکھیے :سنن أبي داود، حديث:5150)

4 یعنی جس طریقے سے بھی حاصل ہو، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے ﴿لَّمًّا﴾ بمعنی جَمْعًا یعنی سارا کا سارا۔

5 ﴿جَمًّا﴾ بمعنی كَثِيرًا ”بہت“

6 یعنی تمھارا عمل ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مذکور ہوا کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے جب......

7 کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے قیامت والے دن آسمان سے نیچے اتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صف ہوگی، اس طرح سات صفیں ہوں گی جو زمین کو گھیر لیں گی۔

8 ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جہنم جکڑی ہوئی ہوگی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے

يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿23﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿24﴾

سمجھ میں آئے گا مگر آج اُس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟ ○ [1] وہ کہے گا: کاش کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا ○ [2]

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿25﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿26﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿27﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿28﴾

پس آج اللہ کے عذابوں جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا ○ نہ اُس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی ○ [3] اے اطمینان والی روح ○ تو اپنے رب کی طرف لوٹ [4] چل اس طرح کہ تُو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش ○

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿29﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿30﴾

ع 1/30/14

پس میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا ○ اور میری جنت میں چلی جا ○

ہوں گے۔(صحيح مسلم، حديث:2842 ، و جامع الترمذي، حديث:2573) اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا، پس اسے دیکھ کر تمام مقرب فرشتے اور انبیاء گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور يَا رَبِّ ! نَفْسِي نَفْسِي پکاریں گے۔(فتح القدير)

1 یعنی یہ ہولناک منظر دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنے کفر و معاصی پر نادم ہوگا لیکن اس روز اس ندامت اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

2 یہ افسوس اور حسرت کا اظہار اسی ندامت کا حصہ ہے جو اس روز فائدہ مند نہیں ہوگی۔

3 اس لیے کہ اس روز تمام اختیارات صرف ایک اللہ کے پاس ہوں گے، دوسرے کسی کو اس کے سامنے دم مارنے کا حوصلہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش تک نہیں کر سکے گا۔ ایسے حالات میں کافروں کو جو عذاب ہوگا اور جس طرح وہ اللہ کی قید و بند میں جکڑے ہوں گے، اس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ اس کا کچھ اندازہ ممکن ہو۔ یہ تو مجرموں اور ظالموں کا حال ہوگا لیکن اہل ایمان و طاعت کا حال اس سے بالکل مختلف ہوگا، جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

4 یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں: قیامت والے دن کہا جائے گا، بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوشخبری دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن بھی اسے یہ کہا جائے گا جو یہاں مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک آدمی کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً، تُؤْمِنُ

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (90) آیاتها: 20 (35) رکوعها: 1

سورۂ بلد مکی ہے، اس میں 20 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں ○ [1]

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② تیرے لیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے ○ [2]

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ اور (قسم ہے) انسانی باپ اور اولاد کی ○ [3]

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④ یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی) مُشقت میں پیدا کیا ہے ○ [4]

بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ»(ابن كثير، ضعيف) ''اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا ہوں جو تیرے ساتھ مطمئن ہو، تیری ملاقات پر یقین رکھے، تیرے فیصلوں پر راضی رہے اور تیرے دیے ہوئے پر قناعت کرے۔''

1 اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں اس وقت، جب اس سورت کا نزول ہوا، نبیٔ کریم ﷺ کا قیام تھا، آپ ﷺ کا مولد بھی یہی شہر تھا، یعنی اللہ نے آپ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی جس سے اس کی عظمت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

2 یہ اشارہ ہے اس وقت کی طرف جب مکہ فتح ہوا، اس وقت اللہ نے نبی ﷺ کے لیے اس بلد حرام میں قتال کو حلال فرما دیا تھا جبکہ اس میں لڑائی کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس شہر کو اللہ نے اس وقت سے حرمت والا بنایا ہے، جب سے اس نے آسمان و زمین پیدا کیے، پس یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمت سے قیامت تک حرام ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے نہ اس کے کانٹے اکھیڑے جائیں، میرے لیے اسے صرف دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا اور آج اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی ہے، جیسے کل تھی...... اگر کوئی یہاں قتال کے لیے دلیل میں میری لڑائی کو پیش کرے تو اس سے کہو کہ اللہ کے رسول کو تو اس کی اجازت اللہ نے دی تھی جبکہ تمھیں یہ اجازت اس نے نہیں دی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 104، و صحيح مسلم، حديث: 1354) اس اعتبار سے معنی ہوں گے: وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ ''اے پیغمبر! تیرے لیے مستقبل میں اس شہر میں لڑائی حلال ہوگی۔'' بعض نے ﴿حِلٌّ﴾ کے معنی کیے ہیں کہ تو اس شہر میں رہنے والا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معنی اس وقت صحیح ہوں گے جب لغت عرب سے یہ ثابت ہو کہ حِلٌّ، حَلَّ (اترنا، قیام کرنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہ جملہ معترضہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لغت عرب میں یہ لفظ مُقِيمٌ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (دیکھیے: المعجم الوسیط)

3 بعض نے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد لی ہے اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے، ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

4 یعنی اس کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے معمور ہے۔ امام طبری نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے، یہ جواب قسم ہے۔

وقف لازم

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤
کیا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟ ○ [1]

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥
کہتا پھرتا ہے کہ میں نے تو بہت کچھ مال خرچ کر ڈالا ○ [2]

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ⑦
کیا (یوں) سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا (ہی) نہیں؟ ○ [3]

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ⑧
کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ○ [4]

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ⑨
اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں بنائے) ○ [5]

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩
ہم نے دکھا دیے اس کو دونوں راستے ○ [6]

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪
سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا ○ [7]

---

1 یعنی کوئی اس کی گرفت کرنے پر قادر نہیں۔

2 ﴿لُّبَدًا﴾ کثیر، ڈھیر، یعنی دنیا کے معاملات اور فضولیات میں خوب پیسہ اڑاتا ہے، پھر فخر کے طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے۔

3 اس طرح اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے، حالانکہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جس پر وہ اسے جزا دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ایسے لوگ عبرت پکڑیں۔

4 جن سے یہ دیکھتا ہے۔

5 زبان سے وہ بولتا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس کے چہرے اور منہ کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔

6 یعنی خیر کا بھی اور شر کا بھی، ایمان کا بھی اور کفر کا بھی اور سعادت کا بھی شقاوت کا بھی، جیسے فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○﴾ (الدھر 3:76) ''ہم نے اس کو راستہ بتلا دیا ہے، اب وہ شکر گزار بن جائے یا ناشکرا۔'' ﴿النَّجْدَيْنِ﴾ کے معنی ہیں: اونچی جگہ، اس لیے بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے: ''ہم نے انسان کی (ماں کے) دو پستانوں کی طرف رہنمائی کر دی۔'' یعنی وہ عالم شیر خوارگی میں ان سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

7 ﴿الْعَقَبَةَ﴾ گھاٹی کو کہتے ہیں، یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو۔ یہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ یہ جملہ یہاں استفہام بمعنی انکار کے مفہوم میں ہے، یعنی أَفَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ کیا وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا۔ مطلب ہے کہ نہیں ہوا۔ یہ ایک مثال ہے اس محنت و مشقت کی وضاحت کے لیے جو نیکی کے کاموں کے لیے ایک انسان کو شیطان کے وسوسوں اور نفس کے شہوانی تقاضوں کے خلاف کرنی پڑتی ہے، جیسے گھاٹی پر چڑھنے کے لیے سخت جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ؕ﴿12﴾
اور تُو کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟ ○

فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿13﴾
کسی گردن (غلام لونڈی) کو آزاد کرنا ○

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿14﴾
یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ○

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿15﴾
کسی رشتہ دار یتیم کو ○

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ؕ﴿16﴾
یا خاکسار مسکین کو ○ [1]

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿17﴾
پھر اُن لوگوں میں سے ہوجاتا جو ایمان لاتے [2] اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں ○ [3]

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿18﴾
یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بختی والے) ○

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿19﴾
اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہ بائیں ہاتھ والے ہیں (کم بختی والے ہیں) ○

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿20﴾ ع 1 20 15
انھی پر آگ ہوگی جو چاروں طرف سے گھیری [4] ہوئی ہوگی ○

اٰيَاتُهَا 15 (91) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (26) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ شمس مکی ہے، اس میں 15 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

---

1 ﴿مَسْغَبَةٍ﴾ بمعنی مَجَاعَةٌ (بھوک) ﴿ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ (مٹی والا) یعنی جو فقر و غربت کی وجہ سے مٹی (زمین) پر پڑا ہو۔ اس کا گھر بار بھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی گردن کو آزاد کر دینا، کسی بھوکے کو، رشتے دار یتیم کو یا مسکین کو کھانا کھلا دینا، یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعے سے انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا۔ یتیم کی کفالت ویسے ہی بڑے اجر کا کام ہے لیکن اگر وہ رشتے دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے۔ ایک صدقے کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔ اسی طرح احادیث میں غلام آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دینا ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک گونہ ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ ہے۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال خیر اسی وقت نافع اور اخروی سعادت کا باعث ہوں گے جب ان کا کرنے والا صاحب ایمان ہوگا۔

3 اہل ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کی تلقین کرتے ہیں۔

4 ﴿مُّؤْصَدَةٌ﴾ کے معنی ہیں مُغْلَقَةٌ (بند)، یعنی ان کو آگ میں ڈال کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا تاکہ ایک تو آگ کی پوری شدت و حرارت ان کو پہنچے۔ دوسرے، وہ بھاگ کر کہیں نہ جا سکیں۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝1
قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ کی! ۝ [1]

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝2
اور چاند کی جب اُس کے پیچھے آئے! ۝ [2]

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝3
اور دن کی جب سورج کو نمایاں کرے! ۝ [3]

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝4
اور رات کی جب اُسے ڈھانپ لے! ۝ [4]

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝5
اور آسمان کی اور اس کے بنانے کی! ۝ [5]

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝6
اور زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی! ۝ [6]

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝7
اور نفس کی اور اسے درست کرنے کی! ۝ [7]

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝8
پھر اس کو برائی (سے بچنے) اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی ۝ [8]

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝9
جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا ۝ [9]

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝10
اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا ۝ [10]

---

1 یا اس کی روشنی کی یا مطلب ضُحٰی سے دن ہے، یعنی سورج کی اور دن کی قسم!

2 یعنی جب سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو جیسا کہ پہلے نصف مہینے میں ایسا ہوتا ہے۔

3 یا تاریکی کو دور کرے، ظلمت کا پہلے ذکر تو نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ (فتح القدیر)

4 یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور ہر سمت اندھیرا چھا جائے۔

5 یا اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ پہلے معنی کی رو سے ﴿مَا﴾ مصدریہ ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے بمعنی مَنْ۔

6 یا جس نے اسے ہموار کیا۔

7 یا جس نے اسے درست کیا۔ درست کرنے کا مطلب ہے، اسے متناسب الاعضاء بنایا، بے ڈھبا اور بے ڈھنگا نہیں بنایا۔

8 الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انھیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انھیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے خیر وشر کی پہچان کروا دی۔ یا مطلب ہے کہ ان کی عقل اور فطرت میں خیر اور شر، نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کر دیا تاکہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے اجتناب کریں۔

9 شرک سے، معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کیا، وہ اخروی فوز وفلاح سے ہمکنار ہوگا۔

10 یعنی جس نے اسے گمراہ کر لیا، وہ خسارے میں رہا۔ دَسٌّ، تَدسِیسٌ سے ہے، جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو چھپا دینا۔ ﴿دَسّٰهَا﴾ کے معنی ہوں گے جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا اور اسے بے کار چھوڑ دیا اور اسے اللہ کی اطاعت

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪
اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫
فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ⑬
فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ⑭
وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑮ ع 1 15 16

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا ○ [1]
جب اُن میں اُن کا بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوا ○ [2]
اُنھیں اللہ کے رسول نے فرمادیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اُس کے پینے کی باری کی (حفاظت کرو) ○ [3]
اُن لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اُس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں، [4] پس اُن کے رب نے اُن کے گناہوں کے باعث اُن پر ہلاکت ڈالی [5] اور پھر ہلاکت کو عام کر دیا اور اُس بستی کو برابر کر دیا ○ [6]
وہ نہیں ڈرتا اس کے تباہ کن انجام سے ○ [7]

اور عمل صالح میں نہیں لگایا۔

1 طُغْیَانٌ وہ سرکشی جو حد سے تجاوز کر جائے اسی طغیان نے انھیں تکذیب پر آمادہ کیا۔

2 جس کا نام مفسرین قدار بن سالف بتلاتے ہیں۔ اس نے ایسا کام کیا کہ یہ رئیس الاشقیاء بن گیا سب سے بڑا شقی (بدبخت)۔

3 یعنی اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، اسی طرح اس کے لیے پانی پینے کا جو دن ہو، اس میں بھی گڑ بڑ نہ کی جائے۔ اونٹنی اور قوم ثمود دونوں کے لیے پانی کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کی تاکید کی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے پروا نہیں کی۔

4 یہ کام ایک ہی شخص قدار نے کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس شرارت میں قوم بھی اس کے ساتھ شریک تھی، اس لیے اس میں سب کو برابر کا مجرم قرار دیا گیا۔ اور تکذیب اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی۔ اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایک برائی کا ارتکاب کرنے والے اگر ایک یا چند افراد ہوں لیکن پوری قوم اس برائی پر نکیر کرنے کی بجائے اسے پسند کرتی ہو اور ان کی پشت پر کھڑی ہو تو اللہ کے ہاں پوری قوم اس برائی کی مرتکب قرار پائے گی اور اس جرم یا برائی میں برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔

5 ﴿فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ﴾ ان کو ہلاک کر دیا اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔

6 عام کر دیا، یعنی اس عذاب میں سب کو برابر کر دیا، کسی کو نہیں چھوڑا، چھوٹا بڑا، سب کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ یا زمین کو ان پر برابر کر دیا، یعنی سب کو تہ خاک کر دیا۔

7 یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اس نے انھیں سزا دی ہے کہ کوئی بڑی طاقت اس کا اس سے بدلہ لے گی۔ وہ انجام سے بے خوف ہے کیونکہ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر ہی ہو جو اس سے انتقام

آیاتھا: 21 (92) سُوۡرَۃُ الّیۡلِ مَکِّیَّۃٌ (9) رکوعھا: 1

سورۂ لیل مکی ہے، اس میں 21 آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ①

قسم ہے رات کی جب چھا جائے! ○ [1]

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ②

اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو! ○ [2]

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ③

اور قسم ہے اُس ذات کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا! ○ [3]

اِنَّ سَعۡیَكُمۡ لَشَتّٰی ④

یقیناً تمھاری کوشش مختلف قسم کی ہے ○ [4]

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ⑤

جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے) ○ [5]

وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ⑥

اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا ○ [6]

فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡیُسۡرٰی ⑦

تو ہم بھی اُس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے ○ [7]

وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ⑧

لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پروائی برتی ○ [8]

وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ⑨

اور نیک بات کی تکذیب کی ○ [9]

لینے کی قدرت رکھتی ہو۔

1 یعنی افق پر چھا جائے جس سے دن کی روشنی ختم اور اندھیرا ہو جائے۔

2 یعنی رات کا اندھیرا ختم اور دن کا اجالا پھیل جائے۔

3 یہ اللہ نے اپنی قسم کھائی کیونکہ مرد و عورت دونوں کا خالق اللہ ہی ہے ﴿مَا﴾ موصولہ ہے، بمعنی الَّذِيْ ۔

4 یعنی کوئی اچھے عمل کرتا ہے جس کا صلہ جنت ہے اور کوئی برے عمل کرتا ہے جس کا بدلہ جہنم ہے۔ یہ جواب قسم ہے ﴿لَشَتّٰی﴾ شَتِیتٌ کی جمع ہے، جیسے مَرِیضٌ کی جمع مَرْضٰی ۔

5 یعنی خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا اور محارم سے بچے گا۔

6 یا اچھے صلے کی تصدیق کرے گا، یعنی اس بات پر یقین رکھے گا کہ انفاق اور تقویٰ کا اللہ کی طرف سے عمدہ صلہ ملے گا۔

7 یُسۡرٰی کا مطلب نیکی اور اَلْخَصلَةُ الْحُسْنٰى ہے، یعنی ہم اس کو نیکی و اطاعت کی توفیق دیتے اور ان کو اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے چھ غلام آزاد کیے جنھیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت اذیت دیتے تھے۔ (فتح القدیر)

8 یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا اور اللہ کے حکم سے بے پروائی کرے گا۔

9 یا آخرت کی جزا اور حساب کتاب کا انکار کرے گا۔

فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰی ﴿10﴾
وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿11﴾
اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡهُدٰی ﴿12﴾
وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَالۡاُوۡلٰی ﴿13﴾
فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ﴿14﴾
لَا یَصۡلٰهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی ﴿15﴾
الَّذِیۡ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿16﴾

تو ہم بھی اُس کی تنگی و مشکل کے سامان میسر کر دیں گے ○ [1]
اُس کا مال اُسے (اوندھا) گرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا ○ [2]
بے شک راہ دکھا دینا ہمارے ذمے ہے ○ [3]
اور ہمارے ہی ہاتھ آخرت اور دنیا ہے ○ [4]
میں نے تو تمھیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے ○
جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا ○
جس نے جھٹلایا اور (اُس کی پیروی سے) منہ پھیر لیا ○ [5]

---

1 عُسرٰی (تنگی) سے مراد کفر و معصیت اور طریق شر ہے، یعنی ہم اس کے لیے نافرمانی کا راستہ آسان کر دیں گے جس سے اس کے لیے خیر و سعادت کے راستے مشکل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ جو خیر و رشد کا راستہ اپناتا ہے، اس کے صلے میں اللہ اسے خیر کی توفیق سے نوازتا ہے اور جو شر و معصیت کو اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ اس تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے علم سے لکھ رکھی ہے۔ (ابن کثیر) یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم عمل کرو، ہر شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے۔ جو اہل سعادت سے ہوتا ہے، اسے اہل سعادت والے عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے، اس کے لیے اہل شقاوت والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث:4949)

2 یعنی جب جہنم میں گرے گا تو یہ مال، جسے وہ خرچ نہیں کرتا تھا، کچھ کام نہ آئے گا۔

3 یعنی حلال اور حرام، خیر اور شر، ہدایت اور ضلالت کو واضح اور بیان کرنا ہمارے ذمے ہے (جو کہ ہم نے کر دیا ہے۔)

4 یعنی دونوں کے مالک ہم ہی ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، اس لیے ان دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے طالب ہم سے ہی مانگیں کیونکہ ہر طالب کو ہم ہی اپنی مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔

5 اس آیت سے مُرجئہ فرقے نے (جو ایک باطل فرقہ گزرا ہے) استدلال کیا ہے کہ جہنم میں صرف کافر ہی جائیں گے۔ کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار ہو، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ ان نصوص صریحہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی جن کو اللہ تعالیٰ کچھ سزا دینا چاہے گا، کچھ عرصے کے لیے جہنم میں جائیں گے، پھر وہ نبی ﷺ ملائکہ اور دیگر صالحین کی شفاعت سے نکال لیے جائیں گے، یہاں حصر کے انداز میں جو کہا

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ⑰
اور اُس سے ایسا شخص دُور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہوگا ○ [1]

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ⑱
جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے ○ [2]

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ⑲
کسی کا اُس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو ○ [3]

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ⑳
بلکہ صرف اپنے پروردگار بلند و بالا کی رضا چاہنے کے لیے ○ [4]

ع 1 21 17
وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ㉑
یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب رضا مند ہو جائے گا ○ [5]

آیاتها 11 (93) سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (11) رکوعها 1

سورۂ ضحیٰ [6] مکی ہے، اس میں 11 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ پکے کافر اور نہایت بد بخت ہیں، جہنم دراصل ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے جس میں وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔ اگر کچھ نافرمان قسم کے مسلمان جہنم میں جائیں گے تو وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ بطور سزا ان کا یہ دخول عارضی ہوگا۔ (فتح القدير)

1 یعنی جہنم سے دور رہے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

2 یعنی جو اپنا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا نفس بھی اور اس کا مال بھی پاک ہو جائے۔

3 یعنی بدلہ اتارنے کے لیے خرچ نہ کرتا ہو۔

4 بلکہ اخلاص سے اللہ کی رضا اور جنت میں اس کے دیدار کے لیے خرچ کرتا ہے۔

5 یا وہ راضی ہو جائے گا، یعنی جو شخص ان صفات کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتیں اور عزت و شرف عطا فرمائے گا جس سے وہ راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے بلکہ بعض نے اجماع تک نقل کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور وہی اس سے مراد ہیں۔ (دیکھیے مباحث في علوم القرآن و دراسات في علوم القرآن الكريم، ص:551) تاہم بعض علماء ﴿ الْاَتْقَى ﴾ کو عموم پر حمل کر کے قاعدہ: اَلْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ ''لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے سبب نزول کے خصوص کا نہیں۔'' کے تحت کہتے ہیں کہ جو بھی ان صفات عالیہ سے متصف ہوگا، وہ بھی بارگاہ الٰہی میں ان کا مصداق قرار پائے گا۔

6 ایک مرتبہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے دو تین راتیں آپ نے قیام نہیں فرمایا، ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے محمد! معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تیرے قریب نہیں آیا، جس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث:4950) یہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔ (فتح الباري:907/8)

وَالضُّحٰی ①
قسم ہے چاشت کے وقت کی! ○ [1]

وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ②
اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے ○ [2]

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ③
نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہو گیا ہے ○ [3]

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ④
یقیناً تیرے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہو گا ○ [4]

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ⑤
تجھے تیرا رب بہت جلد (انعام) دے گا اور تو راضی ہو جائے گا ○ [5]

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ⑥
کیا اُس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ ○ [6]

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ⑦
اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی؟ ○ [7]

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ⑧
اور تجھے نادار پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟ ○ [8]

---

1 چاشت ﴿وَالضُّحٰی﴾ اس وقت کو کہتے ہیں، جب سورج بلند ہوتا ہے۔ یہاں مراد پورا دن ہے۔

2 ﴿سَجٰی﴾ کے معنی ہیں: سَکَنَ جب ساکن ہو جائے، یعنی جب اندھیرا مکمل چھا جائے کیونکہ اس وقت ہر چیز ساکن ہو جاتی ہے۔

3 جیسا کہ کافر سمجھ رہے ہیں۔

4 یا آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ دونوں مفہوم معانی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

5 اس سے دنیا کی فتوحات اور آخرت کا اجر وثواب مراد ہے۔ اس میں وہ حق شفاعت بھی داخل ہے جو آپ کو اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے ملے گا۔

6 یعنی باپ کے سہارے سے بھی تو محروم تھا، ہم نے تیری دست گیری اور چارہ سازی کی۔

7 یعنی تجھے دین شریعت اور ایمان کا پتہ نہیں تھا، ہم نے تجھے راہ یاب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب نازل کی، ورنہ اس سے قبل تو ہدایت کے لیے سرگرداں تھا، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (الشوریٰ 52:42) ”پہلے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔“

8 تونگر کا مطلب ہے، اپنے سوا تجھ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا، پس تو فقر میں صابر اور غنا (تونگری) میں شاکر رہا، جیسے خود نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ ”تونگری، ساز وسامان کی کثرت کا نام نہیں ہے، اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث:1051)

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨
پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر ○ [1]

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩
اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ ○ [2]

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪ ع
اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ ○ [3]

ع 1 11 18

آیاتھا: 8 (94) سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ (12) رکوعھا: 1

سورۂ الم نشرح مکی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ①
کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا ○ [4]

---

1 بلکہ اس کے ساتھ نرمی و احسان کا معاملہ کر۔

2 یعنی اس سے سختی اور تکبر نہ کر، نہ درشت اور تلخ لہجہ اختیار کر بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دے۔

3 یعنی اللہ نے تجھ پر جو احسانات کیے ہیں، مثلاً: ہدایت اور رسالت و نبوت سے نوازا، یتیمی کے باوجود تیری کفالت و سرپرستی کا انتظام کیا، تجھے قناعت و تونگری عطا کی وغیرہ۔ انھیں جذبات تشکر و ممنونیت کے ساتھ بیان کرتا رہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ کو پسند ہے لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے زیر بار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت و طاقت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کر دے۔

4 گزشتہ سورت میں تین انعامات کا ذکر تھا، اس سورت میں مزید تین احسانات جتلائے جا رہے ہیں۔ سینہ کھول دینا، ان میں پہلا ہے۔ اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا تاکہ حق واضح بھی ہو جائے اور دل میں سما بھی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الأنعام 6:125) ''جس کو اللہ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔ اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آ جاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں، جبکہ آپ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے آپ کا دل چیرا اور اس سے وہ حصۂ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے آب زم زم سے دھو کر بند کر دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث:261(162)) دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر۔ اس موقع پر آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 349، و صحيح مسلم، حديث: 164) ان کے علاوہ بعض روایات میں دو مرتبہ اور شق صدر کا ذکر آیا ہے، ایک اس وقت جب نبی ﷺ دس سال کے تھے اور ایک غار حرا میں وحی کے آغاز پر۔ (فتح الباري:1/597) لیکن بعض علماء ان آخری دو واقعوں کی اسنادی حیثیت پر مطمئن نہیں ہیں (سیرت النبی ﷺ: 3/297، سید سلیمان ندوی)

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② | اور ہم نے تجھ پر سے تیرا بوجھ اتار دیا ○[1]
الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③ | جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی ○
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④ | اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ○[2]
فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑤ | پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○
اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑥ | بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○[3]
فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ⑦ | پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر ○[4]
وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ⑧ ع 1/8 19 | اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا ○[5]

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ (95) (28) — اٰیاتھا: 8 — رکوعھا: 1

سورۂ تین مکی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① | قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی! ○
وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② | اور طورِ سینین کی! ○[6]
وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ | اور اس امن والے شہر کی! ○[7]

---

1 ﴿ وِزْرَكَ ﴾ آپ کا بوجھ۔ اس سے مراد سابقہ تمام خلاف اَوْلیٰ امور ہیں جن کو ذنوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی یہ وہی مفہوم ہے جو ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ (الفتح 48:2) ''تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے، سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔'' کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ کارِ نبوت و تبلیغ کا بوجھ تھا جسے اللہ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ و دعوت میں آسانیاں پیدا فرما دیں۔

2 یعنی جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں آپ کا نام بھی آتا ہے، مثلاً: اذان، نماز اور دیگر بہت سے مقامات پر، گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ کا ذکر خیر ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا وغیرہ۔

3 یہ آپ کے لیے اور صحابہ کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تمھیں فراغت و آسانی سے نوازے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جسے ساری دنیا جانتی ہے۔

4 یعنی نماز سے یا تبلیغ سے یا جہاد سے تُو دعا میں محنت کر یا اتنی عبادت کر کہ تو تھک جائے۔

5 یعنی اسی سے جنت کی امید رکھ، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسا رکھ۔

6 یہ وہی کوہِ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔

7 اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں قتال کی اجازت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے، اسے بھی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ④ — یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ○ 1

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ⑤ — پھر اُسے نیچوں سے نیچا کر دیا ○ 2

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ — لیکن جو لوگ ایمان لائے اور (پھر) نیک عمل کیے تو ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا ○ 3

فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ⑦ — پس تجھے اب روزِ جزا کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے ○ 4

امن حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تین مقامات کی قسم ہے جن میں سے ہر ایک جگہ میں جلیل القدر، صاحب شریعت پیغمبر مبعوث ہوا۔ انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار ہے اور وہ ہے بیت المقدس، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ طورِ سِیْنَآءِ یا سِیْنِیْنَ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور شہر مکہ میں سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (ابن كثير)

1 یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے، پھر اس کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، ان میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل و تدبر، فہم و حکمت اور سمع و بصر کی قوتیں ودیعت کیں۔ بعض علماء نے اس حدیث کو بھی اسی معنی پر محمول کیا ہے جس میں ہے کہ «خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ آدَمَ عَلٰى صُورَتِهِ» (صحيح البخاري، حديث: 6227، و صحيح مسلم، حديث: 2841) ''اللہ عزوجل نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا۔'' انسان کی پیدائش میں ان تمام چیزوں کا اہتمام ہی احسن تقویم ہے جس کا ذکر اللہ نے تین قسموں کے بعد فرمایا۔ (فتح الباري: 226/5)

2 یہ اشارہ ہے انسان کے ارذل عمر (بہت زیادہ بڑھاپے کی عمر) کی طرف۔ جس میں جوانی اور قوت کے بعد بڑھاپا اور ضعف آ جاتا ہے اور انسان کی عقل اور ذہن بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ بعض نے اس سے کردار کا وہ سفلہ پن مراد لیا ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور بعض نے اس سے ذلت و رسوائی کا وہ عذاب مراد لیا ہے جو جہنم میں کافروں کے لیے ہے۔ گویا انسان اللہ اور رسول کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے آپ کو احسن تقویم کے بلند رتبہ و اعزاز سے گرا کر جہنم کے اسفل سافلین میں ڈال لیتا ہے۔

3 آیت ماقبل کے پہلے مفہوم کے اعتبار سے یہ جملہ مبینہ ہے، مومنوں کی کیفیت بیان کر رہا ہے اور دوسرے تیسرے مفہوم کے اعتبار سے ماقبل کی تاکید ہے کہ اس انجام سے اس نے مومنوں کا استثنا کر دیا۔ (فتح القدير)

4 یہ انسان سے خطاب ہے، زجر و توبیخ کے لیے کہ اللہ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے

ع 1/8 20 اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ⑧

کیا اللہ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے ○ [1]

اٰیَاتُهَا 19 (96) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (1) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ علق مکی ہے، اس میں 19 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ①

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ○ [2]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ②

جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ○ [3]

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③

تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے ○ [4]

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④

جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا ○ [5]

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤

جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا ○

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ⑥

سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے ○

برعکس قعر مذلت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کے بعد بھی تو قیامت اور جزا کا انکار کرتا ہے!

1 جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے اور ان کی دادرسی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا منقول ہے۔ «بَلٰى! وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ» (جامع الترمذي، حديث: 3347)

2 یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی ﷺ پر اس وقت آئی جب آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آکر کہا: پڑھ، آپ نے فرمایا: ''میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں۔'' فرشتے نے آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا اور کہا: پڑھ، آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ کو بھینچا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 3، و صحيح مسلم، حديث: 160)، ﴿اِقْرَاْ﴾ جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے وہ پڑھ۔ ﴿خَلَقَ﴾ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

3 مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔

4 یہ بطور تاکید فرمایا اور اس میں بڑے بلیغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ فرما دیا جو آپ ﷺ نے پیش کیا کہ میں تو قاری ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا: اللہ بہت کرم والا ہے پڑھ، یعنی انسانوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔

5 قَلَمٌ کے معنی ہیں: قطع کرنا، تراشنا، قلم بھی پہلے زمانے میں تراش کر ہی بنائے جاتے تھے، اس لیے آلۂ کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ⑦
اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا سمجھتا ہے ○

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ⑧
یقیناً لوٹنا تیرے رب کی طرف ہے ○

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ⑨
(بھلا) اُسے بھی تو نے دیکھا جو (بندے کو) روکتا ہے ○

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ⑩
جب کہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے ○ 1

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ⑪
بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہو ○ 2

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫
یا پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو ○ 3

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑬
بھلا دیکھو تو اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو ○ 4

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ⑭
تو کیا اُس نے نہیں جانا کہ اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے ○ 5

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ⑮
یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اُس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے ○ 6

سے کاغذ پر لکھ کر لیتا ہے۔ ذہن وحافظہ میں جو ہوتا ہے، وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے، وہ بھی محفوظ نہیں رہتا، البتہ قلم سے لکھا ہوا، اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو ہمیشہ محفوظ رہتا ہے، اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ یہی ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔

1 مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابوجہل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ ﴿عَبْدًا﴾ سے مراد نبی ﷺ ہیں۔

2 یعنی جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، وہ ہدایت پر ہو۔

3 یعنی اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم جس سے جہنم کی آگ سے انسان بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اور اس پر اس کو دھمکیاں دی جائیں۔

4 یعنی یہ ابوجہل اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتا ہو اور ایمان سے اعراض کرتا ہو۔ ﴿اَرَءَيْتَ﴾ بمعنی اَخْبِرْنِي (مجھے بتلاؤ) ہے۔

5 مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکورہ حرکتیں کر رہا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ ان کی اس کو جزا دے گا، یعنی یہ ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ﴾ مذکورہ شرطوں ﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ○ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ○ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○﴾ کی جزا ہے۔

6 یعنی نبی ﷺ کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے باز نہ آیا ﴿لَنَسْفَعًا﴾

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿16﴾
ایسی پیشانی جو جھوٹی خطا کار ہے ○[1]

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿17﴾
یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ○

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿18﴾
ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے ○[2]

كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿19﴾
خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا ○

ع 1 19 21 السجدۃ 14

آیاتہا: 5 (97) سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (25) رکوعہا: 1

سورۂ قدر مکی[3] ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کے معنی ہیں لَنَأْخُذَنَّ تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا، اگر محمد (ﷺ) کعبے کے پاس نماز پڑھنے سے باز نہ آیا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ (اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا) نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔'' (صحیح البخاري، حديث:4958)

1 یہ پیشانی کی صفات ہیں مراد صاحبِ پیشانی ہے، یعنی جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

2 حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل گزرا تو کہا: اے محمد! میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ اور آپ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں، آپ نے کڑا جواب دیا تو کہنے لگا: اے محمد! تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے۔ اللہ کی قسم! اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت ملائکۂ عذاب انھیں پکڑ لیتے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3349، و مسند أحمد:1/329، و تفسير الطبري) اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا، اس سے کہا گیا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2797) ﴿الزَّبَانِيَةَ﴾ داروغے اور پولیس، یعنی طاقتور لشکر جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

3 اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔ ﴿الْقَدْرِ﴾ کے معنی قدر و منزلت بھی ہیں، اس لیے شب قدر کہتے ہیں، اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں، اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی لیے اسے لَيْلَةُ الْحُكْمِ بھی کہتے ہیں، اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔ اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ شب قدر، یعنی تنگی کی رات یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے، اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ (فتح القدير)

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ①
وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ②
لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ③
تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ
رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ④
سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ⑤

یقیناً ہم نے اُسے شب قدر میں نازل فرمایا○ [1]
تو کیا سمجھا کہ شبِ قدر کیا ہے؟○ [2]
شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے○ [3]
اُس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (جبرائیل) اترتے ہیں○ [4]
یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے [5] اور فجر کے طلوع ہونے تک (ہوتی ہے)○

احادیث وآثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔اس کو مبہم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں اللہ کی خوب عبادت کریں۔

1 یعنی اتارنے کا آغاز کیا یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں جو آسمان دنیا پر ہے، ایک ہی مرتبہ اتار دیا اور وہاں سے حسب وقائع نبی ﷺ پر اتر تارہا تا آنکہ 23 سال میں پورا ہوگیا۔اور اس آیت کریمہ: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ○﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہوتی ہے کیونکہ قرآن کی آیت: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ﴾ (البقرۃ 2:185) ''رمضان وہ ماہ مقدس ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔'' سے یہ واضح ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا ہے اور سورۂ قدر کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن قدر کی رات اترا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اور جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔(صحیح بخاری، حدیث: 2021.)

2 اس استفہام سے اس رات کی عظمت واہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

3 یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ہزار مہینے 83 سال 4 مہینے بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ کا کتنا احسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سہولت عطا فرما دی۔

4 روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت اس رات زمین پر اترتے ہیں، ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

5 یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ شب قدر کے لیے نبی ﷺ نے بطور خاص یہ دعا بتلائی ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي» (جامع الترمذي

اٰيَاتُهَا 8 (98) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ (100) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ بینہ [1] مدنی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①

اہلِ کتاب کے کافر [2] اور مشرک لوگ [3] جب تک کہ اُن کے پاس ظاہر دلیل نہ آ جائے باز رہنے والے نہ تھے (وہ دلیل یہ تھی کہ) ○

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ②

اللہ کا ایک رسول [4] جو پاک صحیفے پڑھے ○ [5]

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③

جن میں صحیح اور درست احکام ہوں ○ [6]

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④

اہلِ کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آ جانے کے بعد ہی (اختلاف میں پڑ کر) متفرق ہو گئے ○ [7]

حديث:3513، و سنن ابن ماجه، حديث:3850) ''اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے بھی معاف کر دے۔'' اس لیے شب قدر میں اسے کثرت سے پڑھنا چاہیے۔

1 اس کا دوسرا نام سورۂ لَمْ یَکُنْ بھی ہے۔ حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سورۂ ﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ تجھے پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (صحيح البخاري، حديث:4959)

2 اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

3 مشرک سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پجاری تھے۔ ﴿ مُنْفَكِّيْنَ ﴾ باز آنے والے، ﴿ الْبَيِّنَةُ ﴾ (دلیل) سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد (ﷺ) قرآن لے کر آ جائیں اور وہ ان کی ضلالت و جہالت بیان کریں اور انھیں ایمان کی دعوت دیں۔

4 یعنی حضرت محمد ﷺ۔

5 یعنی قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔

6 یہاں ﴿ كُتُبٌ ﴾ سے مراد احکام دینیہ اور ﴿ قَيِّمَةٌ ﴾ معتدل اور سیدھے۔

7 یعنی اہل کتاب نبیٔ کریم ﷺ کی آمد سے قبل مجتمع تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت ہو گئی، اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے، ان میں سے کچھ مومن ہو گئے لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبی ﷺ کی بعثت و رسالت کو

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤

اُنھیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا [1] کہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اُسی کے لیے دین کو خالص رکھیں یکسو [2] ہو کر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکاۃ دیتے رہیں، یہی ہے دین سیدھی ملت کا ○ [3]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥

بے شک جو لوگ اہلِ کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین وہ دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں ○ [4]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں ○ [5]

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ

اُن کا بدلہ اُن کے رب کے ہاں ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے

دلیل سے تعبیر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ آپ کی صداقت واضح تھی جس میں مجال انکار نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کی تکذیب محض حسد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تفرق کا ارتکاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام لیا ہے، حالانکہ دوسروں نے بھی اس کا ارتکاب کیا تھا کیونکہ یہ بہر حال علم والے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔

1 یعنی ان کی کتابوں میں انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ......

2 حَنِيفٌ کے معنی ہیں، مائل ہونا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ ﴿حُنَفَآءَ﴾ جمع ہے، یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

3 ﴿الْقَيِّمَةِ﴾ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دِينُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ أَيِ الْمُسْتَقِيمَةِ یا دِينُ الْأُمَّةِ الْمُسْتَقِيمَةِ الْمُعْتَدِلَةِ یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے۔ اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعمال، ایمان میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

4 یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا انجام ہے۔ نیز انھیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔

5 یعنی جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے اعضاء کے ساتھ عمل کیے، وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔ جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف و فضل میں بہترین ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ ﴿الْبَرِيَّةِ﴾، بَرَأَ (خَلَقَ) سے ہے۔ اسی سے اللہ کی صفت الْبَارِئُ ہے، اس لیے بَرِيَّةٌ، اصل میں

تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۧ ⑧

ع 1/8 23

نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا[1] اور وہ اُس سے راضی ہوئے۔[2] یہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے ○[3]

آیاتھا: 8 (99) سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (93) رکوعھا: 1

سورۂ زلزال[4] مدنی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ ①

جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی ○[5]

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ ②

اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی ○[6]

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ ③

انسان کہنے لگے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟ ○[7]

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ ④

اُس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی ○[8]

بَرِیئَةٌ ہے، ہمزہ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا۔

1 ان کے ایمان و طاعت اور اعمال صالحہ کے سبب۔ اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (التوبة 9:72) ''اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے۔''

2 اس لیے کہ اللہ نے انھیں ایسی نعمتوں سے نواز دیا جن میں ان کی روح اور بدن دونوں کی سعادتیں ہیں۔

3 یعنی یہ جزا اور رضا مندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت نافرمانی ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لی حتیٰ کہ ان کی موت اسی اطاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے، حقیقت میں اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔

4 اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے، اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

5 اس کا مطلب ہے کہ سخت بھونچال سے ساری زمین لرز اٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی، یہ اس وقت ہو گا، جب پہلا نفخہ پھونکا جائے گا۔

6 یعنی زمین میں جتنے انسان دفن ہیں، وہ زمین کا بوجھ ہیں جنھیں زمین قیامت والے دن باہر نکال پھینکے گی، یعنی اللہ کے حکم سے سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ یہ دوسرے نفخے میں ہو گا، اسی طرح زمین کے خزانے بھی باہر نکل آئیں گے۔

7 یعنی دہشت زدہ ہو کر کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، یہ کیوں اس طرح ہل رہی ہے اور اپنے خزانے اگل رہی ہے؟

8 یہ جواب شرط ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا: ''جانتے ہو، زمین کی خبریں

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ⑤
يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۬ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ⑥
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ⑦
ع 1/8 24 وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧

اس لیے کہ تیرے رب نے اُسے حکم دیا ہوگا ○ [1]
اُس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (واپس) لوٹیں [2] گے تا کہ اُنھیں اُن کے اعمال دکھا دیے جائیں ○ [3]
پس جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا ○ [4]
اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا ○ [5]

آیاتُھَا 11 (100) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (14) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ عادیات مکی ہے، اس میں 11 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کیا ہیں۔'' صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے یا بندی نے زمین کی پشت پر جو کچھ کیا ہوگا، اس کی گواہی دے گی۔ کہے گی: فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں عمل، فلاں فلاں دن میں کیا تھا۔'' (جامع الترمذي، حديث:3353، و مسند أحمد:374/2 ضعفه البعض)

1 یعنی زمین کو یہ قوت گویائی اللہ عطا فرمائے گا، اس لیے اس میں تعجب والی بات نہیں ہے، جس طرح انسانی اعضاء میں اللہ تعالیٰ یہ قوت پیدا فرما دے گا، زمین کو بھی اللہ تعالیٰ متکلم بنا دے گا اور وہ اللہ کے حکم سے بولے گی۔

2 ﴿ يَّصْدُرُ ﴾ يَرْجِعُ (لوٹیں گے) یہ ورود کی ضد ہے، یعنی قبروں سے نکل کر موقف حساب کی طرف یا حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿ اَشْتَاتًا ﴾ متفرق، یعنی ٹولیاں ٹولیاں۔ بعض بے خوف ہوں گے، بعض خوف زدہ، بعض کے رنگ سفید ہوں گے، جیسے جنتیوں کے ہوں گے اور بعض کے رنگ سیاہ، جو ان کے جہنمی ہونے کی علامت ہوگی۔ بعض کا رخ دائیں جانب ہوگا تو بعض کا بائیں جانب۔ یا یہ مختلف گروہ، ادیان و مذاہب اور اعمال و افعال کی بنیاد پر ہوں گے۔

3 یہ متعلق ہے يَصْدُرُ کے یا اس کا تعلق ﴿ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴾ سے ہے، یعنی زمین اپنی خبریں اس لیے بیان کرے گی تا کہ انسانوں کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔

4 پس وہ اس سے خوش ہوگا۔

5 وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہوگا۔ ﴿ ذَرَّةٍ ﴾ بعض کے نزدیک چیونٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں: انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے، اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے، وہ ذَرَّہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد و غبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں، وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے معنی کو اولیٰ کہا ہے۔ امام مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں سے ایک شخص سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تامل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ (فتح القدير)

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ① ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! ○ [1]

فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ② پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی قسم! ○ [2]

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ③ پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی قسم! ○ [3]

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④ پس اس وقت گرد وغبار اڑاتے ہیں ○ [4]

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ⑤ پھر اُسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں ○ [5]

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥ یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ○ [6]

وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ⑦ اور یقیناً وہ خود بھی اُس پر گواہ ہے ○ [7]

---

1 عادیاتٌ، عَادِیَۃٌ کی جمع ہے۔ یہ عَدْوٌ سے ہے جیسے غَزْوٌ ہے۔ غَازِیَاتٌ کی طرح اس کے واؤ کو بھی یاء سے بدل دیا گیا ہے، تیز رو گھوڑے۔ ﴿ضَبْحًا﴾ کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنہنانا ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنہناتے ہوئے تیزی سے دشمن کی طرف دوڑتے ہیں۔

2 مُورِیَاتٌ، اِیرَاءٌ سے ہے، آگ نکالنے والے۔ ﴿قَدْحًا﴾ کے معنی ہیں: صَكٌّ چلنے میں گھٹنوں یا ایڑیوں کا ٹکرانا یا ٹاپ مارنا۔ اسی سے قَدْحٌ بِالزِّنَادِ ہے۔ چقماق سے آگ نکالنا، یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ نکلتی ہے، جیسے چقماق سے نکلتی ہے۔

3 مُغِیرَاتٌ أَغَارَ یُغِیرُ سے ہے، شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ ﴿صُبْحًا﴾ صبح کے وقت، عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا، شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی طرف اس لیے کی ہے کہ دھاوا بولنے میں فوجیوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔

4 أَثَارَ، اڑانا۔ ﴿نَقْعًا﴾ گرد وغبار، یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا دھاوا بولتے ہیں تو اس جگہ پر گرد وغبار چھا جاتا ہے۔

5 ﴿فَوَسَطْنَ﴾ درمیان میں گھس جاتے ہیں، ﴿بِهٖ﴾ میں ''ہ'' کی ضمیر وقت کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور جگہ کے لیے بھی، یعنی اس وقت یا اس جگہ میں۔ ﴿جَمْعًا﴾ دشمن کے لشکر میں۔ مطلب ہے کہ اس وقت یا جبکہ فضا گرد وغبار سے اَٹی ہوتی ہے، یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور گھمسان کی جنگ کرتے ہیں۔

6 یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ کَنُودٌ بمعنی کَفُورٌ، ناشکرا۔

7 یعنی انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض ﴿اِنَّهٗ﴾ کی ضمیر رب کی طرف راجع کرتے ہیں اور ﴿لَشَهِیْدٌ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کو لیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے مفہوم کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے، اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌؕ ⑧
یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے ○ [1]

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِۙ ⑨
کیا اُسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں میں جو (کچھ) ہے نکال لیا جائے گا ○ [2]

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِۙ ⑩
اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی ○ [3]

ع 1 11 25 اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ⑪ۧ
بے شک اُن کا رب اُس دن اُن کے حال سے پورا باخبر ہوگا ○ [4]

اٰيَاتُهَا 11 (101) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (30) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ قارعہ مکی ہے، اس میں 11 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْقَارِعَةُۙ ①
کھڑکھڑا دینے والی ○

مَا الْقَارِعَةُۚ ②
کیا ہے [5] وہ کھڑکھڑا دینے والی؟ ○

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُؕ ③
تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟ ○

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِۙ ④
جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح

---

1 ﴿الْخَيْرِ﴾ سے مراد مال ہے، جیسے ﴿اِنْ تَرَكَ خَيْرَاۨ ۖۚ الْوَصِيَّةُ﴾ (البقرة 2:180) میں ہے، معنی واضح ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نہایت حریص اور بخیل ہے جو مال کی شدید محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

2 ﴿بُعْثِرَ﴾ نُثِرَ وَ بُعِثَ یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کر دیا جائے گا۔

3 ﴿حُصِّلَ﴾ مُيِّزَ وَ بُيِّنَ یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔

4 یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے متعلق ہر شخص جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے۔ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی، چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔

5 یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام گزر چکے ہیں، مثلاً: الحاقة، الطامة، الصاخة، الغاشية، الساعة، الواقعة وغیرہ۔ ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو خوف زدہ اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کر دے گی۔

	ہو جائیں گے ○ [1]
وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤	اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے ○ [2]
فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑥	پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے ○ [3]
فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ⑦	وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا ○ [4]
وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑧	اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے ○ [5]
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ⑨	اُس کا ٹھکانا ہاویہ ہے ○ [6]
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩	تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ ○ [7]

---

1 فَرَاشٌ، شمع کے گرد منڈلانے والے پتنگے، پروانے وغیرہ۔ ﴿الْمَبْثُوْثِ﴾ منتشر اور بکھرے ہوئے، یعنی قیامت والے دن انسان بھی پروانوں کی طرح پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

2 عِهْنٌ، اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، ﴿الْمَنْفُوْشِ﴾ دھنی ہوئی۔ یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو قیامت والے دن ان کی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے: سورۂ نبا: 78، آیت: 20 کا حاشیہ) اب آگے ان دو فریقوں کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت والے دن اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔

3 مَوَازِيْنُ، مِيْزَانٌ کی جمع ہے۔ ترازو، جس میں اعمال، عامل اور صحائف اعمال تولے جائیں گے جیسا کہ اس کا ذکر (سورۂ اعراف 8:7، وسورۂ کہف 18: 105، وسورۂ انبیاء 21: 47) میں بھی گزرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں، مَوْزُوْنٌ کی جمع ہے، یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہوگا۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا مفہوم ہی راجح اور صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزن اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

4 یعنی ایسی زندگی جس کو وہ صاحب زندگی پسند کرے گا۔

5 یعنی جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہوگا۔

6 ﴿هَاوِيَةٌ﴾ جہنم کا نام ہے، اس کو ہاویہ اس لیے کہتے ہیں کہ جہنمی اس کی گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو اُمٌّ (ماں) سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح جہنمیوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُمٌّ کے معنی دماغ کے ہیں۔ جہنمی، جہنم میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ (ابن کثیر)

7 یہ استفہام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے وہم وتصور سے بالا ہے، انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کنہ نہیں جان سکتے۔

ع 1 11 26

نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿11﴾ ع

وہ تند وتیز آگ (ہے)○ [1]

ایاتھا: 8 (102) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (16) رکوعھا: 1

سورۂ تکاثر مکی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿1﴾

کثرت کی چاہت نے تمھیں غافل کر دیا○ [2]

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿2﴾

یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے○ [3]

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿3﴾

ہرگز نہیں [4] تم عنقریب معلوم کر لو گے○

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿4﴾

ہرگز نہیں پھر تمھیں جلد علم ہو جائے گا○ [5]

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿5﴾

ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو○ [6]

---

1 جس طرح حدیث میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے، یہ جہنم کی آگ کا ستّر واں حصہ ہے، جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے 69 گنا زیادہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3265، و صحيح مسلم، حديث: 2843) ایک اور حدیث میں ہے کہ ''آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں، پس جو سخت سردی ہوتی ہے یہ اس کا ٹھنڈا سانس ہے اور نہایت سخت گرمی جو پڑتی ہے، وہ جہنم کا گرم سانس ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3260) ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3259، و صحيح مسلم، حديث: 615)

2 اَلْهٰى يُلْهِي کے معنی ہیں: غافل کر دینا۔ ﴿التَّكَاثُرُ﴾ زیادتی کی خواہش۔ یہ عام ہے مال، اولاد، اعوان و انصار اور خاندان و قبیلہ وغیرہ، سب کو شامل ہے۔ ہر وہ چیز جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش و خواہش اسے اللہ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں مبتلا رہی ہے۔

3 اس کا مطلب ہے کہ حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے تمھیں موت آ گئی اور تم قبروں میں جا پہنچے۔

4 یعنی تم جس تکاثر و تفاخر میں ہو، یہ صحیح نہیں۔

5 اس کا انجام عنقریب تم جان لو گے، یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا۔

6 اس کا جواب محذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انجام اس طرح یقینی طور پر جان لو جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمھیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر و تفاخر میں مبتلا نہ ہو۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦
ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧ ع 1/8 27

تو بے شک تم جہنم دیکھ لو گے ○ [1]
اور تم اُسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ○ [2]
پھر اُس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا ○ [3]

اٰیَاتُهَا 3 (103) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (13) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ عصر مکی ہے، اس میں 3 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالْعَصْرِ ①
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ②
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
زمانے کی قسم ! ○ [4]
بے شک انسان سراسر نقصان میں ہے ! ○ [5]
سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل [6]

---

1 یہ قسم محذوف کا جواب ہے، یعنی اللہ کی قسم تم جہنم ضرور دیکھو گے، یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔

2 پہلا دیکھنا دور سے ہوگا، یہ دیکھنا قریب سے ہوگا، اسی لیے اسے ﴿عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ (جس کا یقین مشاہدۂ عینی سے حاصل ہو) کہا گیا۔

3 یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہوگا جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی، جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن و صحت، مال و دولت اور اولاد وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں: یہ سوال صرف کافروں سے ہوگا۔ بعض کہتے ہیں: ہر ایک سے ہی ہوگا کیونکہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں۔ جنھوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق کیا ہوگا، وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے اور جنھوں نے کفران نعمت کا ارتکاب کیا ہوگا، وہ دھر لیے جائیں گے۔

4 زمانے سے مراد شب و روز کی یہ گردش اور ان کا ادل بدل کر آنا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یہی مرور ایام، زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھائی ہے۔ یہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے صرف اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

5 یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں، پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

6 ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں کیونکہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزری ہو، موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پر آسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہل ایمان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے۔

ع 1/3 28 وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

کیے اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی [1] اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی ○ [2]

ایاتہا 9 (104) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (32) رکوعہا 1

سورۂ ہمزہ مکی ہے، اس میں 9 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ①

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو ○ [3]

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ ②

جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے ○ [4]

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ ③

وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُس کے پاس سدا رہے گا ○ [5]

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ ④

ہرگز نہیں [6] یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا ○ [7]

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۗ ⑤

اور تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہوگی؟ ○ [8]

---

1 یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی تلقین۔

2 یعنی مصائب و آلام پر صبر، احکام و فرائض شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب پر صبر، لذات و خواہشات کی قربانی پر صبر، صبر بھی اگرچہ تواصی بالحق میں شامل ہے، تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا جس سے اس کا شرف و فضل اور خصال حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

3 ﴿هُمَزَةٍ﴾ اور ﴿لُّمَزَةٍ﴾ بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ هُمَزَةٌ وہ شخص ہے جو روبرو برائی کرے اور لُمَزَةٌ، وہ جو پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ بعض اس کے برعکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں هَمْزٌ آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لَمْزٌ زبان سے۔

4 اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا، یعنی سینت سینت کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔ ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا مذموم نہیں ہے۔ یہ مذموم اسی وقت ہے جب زکاۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام نہ ہو۔

5 ﴿اَخْلَدَهٗ﴾ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا“ یعنی یہ مال جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔

6 یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا اس کا زعم اور گمان ہے۔

7 ایسا بخیل شخص ﴿الْحُطَمَةُ﴾ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھی جہنم کا ایک نام ہے توڑ پھوڑ دینے والی۔

8 یہ استفہام اس کی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہولناک آگ ہوگی کہ تمھاری عقلیں اس کا ادراک

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ⑥
الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ⑦
اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ⑧
فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۧ⑨

وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہوگی ○
جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی ○ [1]
وہ اُن پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی ○
بڑے بڑے ستونوں میں ○ [2]

ع 1/9 29

اٰیَاتُھَا 5 (105) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (19) رُکُوْعُھَا 1

سورۂ فیل مکی ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ؕ①

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ○ [3]

نہیں کر سکتیں اور تمھارا فہم و شعور اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

1 یعنی اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دل تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جہنم میں ایسا نہیں ہوگا، وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی لیکن موت نہیں آئے گی بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔

2 ﴿ مُّؤْصَدَةٌ ﴾ بند، یعنی جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیے جائیں گے تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے اور انھیں لوہے کی میخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی، بعض کے نزدیک ﴿ عَمَدٍ ﴾ سے مراد بیڑیاں یا طوق ہیں اور بعض کے نزدیک ستون ہیں جن میں انھیں عذاب دیا جائے گا۔ (فتح القدیر)

3 جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لیے آئے تھے ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ کے معنی ہیں: اَلَمْ تَعْلَمْ کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی ﷺ کی ولادت ہوئی تھی، اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصراً حسب ذیل ہے۔

واقعۂ اصحاب الفیل: حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہۃ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا عیسائی گرجا (عبادت گھر) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے عبادت اور حج وعمرہ کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی، چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکے پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادیٔ مُحَسِّر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں۔ جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پگھل جاتا اور اس کا

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝2
وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝3
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝4
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝5

ع 1/5 30

کیا اُن کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟ ○ [1]
اور اُن پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے ○ [2]
جو انھیں پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے ○ [3]
پس اُنھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا ○ [4]

ایاتھا: 4 (106) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (29) رکوعھا: 1

سورۂ قریش [5] مکی ہے، اس میں 4 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝1
اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝2

قریش کے مانوس کرنے کے سبب ○
(یعنی) انھیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب [6] (اس کے شکریہ میں) ○

گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر مر جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ مکے کے قریب پہنچ کر ابرہہ کے لشکر نے نبی ﷺ کے دادا کے، جو مکے کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا جس پر عبدالمطلب نے آ کر ابرہہ سے کہا کہ تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا ہے، تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا محافظ ہے تو جانے اور بیت اللہ کا مالک (اللہ) جانے۔ (أیسر التفاسیر)

1 یعنی وہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفہام تقریری ہے۔

2 ﴿اَبَابِيْلَ﴾ پرندے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں غول در غول۔

3 ﴿سِجِّيْلٍ﴾ مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں سے زیادہ مہلک کام کیا۔

4 یعنی ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

5 اسے سورۂ اِیلاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت سے ہی ہے۔

6 اِیلاف کے معنی ہیں: مانوس اور عادی ہونا، یعنی اس کام سے کلفت اور نفرت کا دور ہو جانا۔ یہ قریش کی گزران کا ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لاتا۔ سردیوں میں یمن کی طرف جو گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان کی عزت کرتے تھے، اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے، اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتلا رہا ہے کہ تم جو گرمی سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمھیں مکے میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمھارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③

(اس کے شکریہ میں) پس انھیں چاہیے کہ اُسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں ○

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④ ع 4/1 31

جس نے اُنھیں بھوک میں کھانا دیا [1] اور خوف میں امن (وامان) دیا ○ [2]

اٰيَاتُهَا 7 (107) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (17) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ ماعون [3] مکی ہے، اس میں 7 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ①

کیا تو نے (اُسے بھی) دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے؟ ○ [4]

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ②

یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ○ [5]

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③

اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ○ [6]

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④

اُن نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے ○

اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمھاری عزت بھی برقرار رہے اور تمھارے سفروں کا سلسلہ بھی، جس کے تم خوگر ہو، قائم رہے اگر ابرہہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمھاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلۂ سفر بھی منقطع ہو جاتا، اس لیے تمھیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو۔

1 مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے۔

2 عرب میں قتل و غارت گری عام تھی لیکن قریش مکہ کو حرم مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ خوف وخطر سے محفوظ تھے۔

3 اس سورت کو سُوْرَةُ الدِّين ، سُورَةُ أَرَأَيْتَ اور سُورَةُ الْيَتِيم بھی کہتے ہیں۔ (فتح القدير)

4 رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور استفہام سے مقصد اظہار تعجب ہے۔ رؤیت معرفت کے مفہوم میں ہے اور اَلدِّیْن سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت ہے ”کیا تو نے اس شخص کو پہچانا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟“

5 اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا، قیامت کا منکر ہے، بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیونکر حسن سلوک کر سکتا ہے۔ یتیم کے ساتھ تو وہی شخص اچھا برتاؤ کرے گا جس کے دل میں مال کی بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کی اہمیت و محبت ہو گی۔ دوسرے، اسے اس امر کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت والے دن اچھی جزا ملے گی۔

6 یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دھکے ہی دے گا۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ — جو اپنی نماز سے غافل ہیں ○ [1]

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥ — جو ریا کاری کرتے ہیں ○ [2]

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦ — اور برتنے کی (عام) چیز روکتے ہیں ○ [3]

ع 1 7 32

آیاتھا 3 (108) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (15) رکوعھا 1

سورۂ کوثر[4] مکی ہے، اس میں 3 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① — یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر دیا ہے ○ [5]

---

1 اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز پڑھتے ہی نہیں۔ یا پہلے پڑھتے رہے ہیں، پھر سست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنون وقت میں نہیں پڑھتے، جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کا معمول بنا لیتے ہیں یا خشوع وخضوع کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آ جاتے ہیں، اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزا اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے: ﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ○﴾ (النسآء 4:142) ''اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

2 یعنی ایسے لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی، بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، یعنی صرف نمود ونمائش اور ریا کاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

3 مَعُنٌ: شَيْءٌ قَلِيْلٌ کو کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد زکاۃ لیتے ہیں کیونکہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے، (ڈھائی فی صد) اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑوسی ایک دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ گھریلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے برعکس بخل اور کنجوسی برتنا، یہ منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

4 اس کا دوسرا نام سورۂ نحر بھی ہے۔

5 ﴿اَلْكَوْثَرَ﴾ کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے ''خیر کثیر'' کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آ جاتے ہیں، مثلاً: صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتلایا گیا ہے جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی ﷺ کے دست مبارک سے پانی پییں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آ رہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع ودوام ذکر اور آخرت کا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ②
اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③ ع 1/3 33

پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر ○ [1]
یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام ونشان ہے ○ [2]

اٰيَاتُهَا: 6 (109) سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ (18) رُكُوْعُهَا: 1

سورۂ کافرون [3] مکی ہے، اس میں 6 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ①

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! ○ [4]

اجر وثواب، سب ہی چیزیں ''خیر کثیر'' میں آ جاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

1 یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دوسروں کو شریک نہ کر۔ نَحْرٌ کے اصل معنی ہیں: اونٹ کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ وخیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر منیٰ میں اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

2 ﴿الْاَبْتَرُ﴾ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مفقود الذکر ہو، یعنی اس کی ذات رہی اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے۔ جب نبی ﷺ کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی ﷺ کو اَبتر کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اَبتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل کو بھی باقی رکھا گو اس کا سلسلہ لڑکی کی طرف سے ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی معنوی و روحانی اولاد ہے جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت والے دن فخر کریں گے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت واحترام سے کیا جاتا ہے جبکہ آپ سے بغض وعناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔

3 صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ سورت پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ شرک سے براءت ہے۔ (مسند أحمد: 456/5، وسنن أبي داود، حديث: 5055، وجامع الترمذي، حديث: 3403، وصححه الألباني) بعض روایات میں خود آپ ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

4 ﴿الْكٰفِرُوْنَ﴾ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر وشرک پر ہوگا کیونکہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انھوں نے اللہ کی عبادت کی۔ (فتح القدیر)

لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾
وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾
وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾
وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾
لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ٪﴿۶﴾ ع 1/6 34

نہ میں عبادت کروں گا اُس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو ○
نہ تم عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں ○
اور نہ میں پرستش کروں گا جس کی تم نے پرستش کی ○
اور نہ تم اُس کی پرستش کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں ○ [1]
تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے ○ [2]

آیاتھا 3 (110) سُوۡرَۃُ النَّصۡرِ مَدَنِیَّۃٌ (114) رکوعھا 1

سورۂ نصر [3] مدنی ہے، اس میں 3 آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾
وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ○
اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ

---

1 بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے جیسا کہ فاضل مترجم نے بھی اس کے مطابق ترجمہ کیا ہے لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار، عربی زبان کا عام اسلوب ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے، جیسے سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کرلوں جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمھاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے تو تم بھی اس توحید اور عبادت الٰہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی، جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔

2 یعنی اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے کیوں چھوڑوں۔ ﴿ لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ﴾ (القصص 28:55) ''ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل۔''

3 نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث:3024) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ سمجھ گئے کہ اب نبی ﷺ کا آخری وقت آ گیا ہے، اسی لیے آپ کو تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے، جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے۔ (صحيح البخاري ، حديث:4970)

اَفْوَاجًا ﴿2﴾
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
ع 1/3 35 تَوَّابًا ﴿3﴾

لے ○ [1]
تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگ، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے ○ [2]

اٰیاتُھا: 5 (111) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (6) رُکُوْعُھا: 1

سورۂ لہب [3] مکی ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۭ﴿1﴾

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک

---

1 اللہ کی مدد کا مطلب، اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے جو نبی ﷺ کا مولد و مسکن تھا لیکن کافروں نے آپ کو اور صحابۂ کرام کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب 8 ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے جبکہ اس سے قبل ایک ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے جس کے بغیر اب نجات اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ایسا ہو تو۔

2 یعنی یہ سمجھ لے کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض، جو تیرے ذمے تھا، پورا ہو گیا اور اب تیرا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آ گیا ہے، اس لیے حمد و تسبیح الٰہی اور استغفار کا خوب اہتمام کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیے۔

3 اسے سُوْرَۃُ الْمَسَدُ بھی کہتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یَاصَبَاحَاہُ! کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی تھی، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''ذرا بتلاؤ، اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے۔'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا: ''پھر میں تمھیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں (اگر تم کفر و شرک میں مبتلا رہے)۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَکَ تیرے لیے ہلاکت ہو! کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما دی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4971) ابولہب کا اصل نام عبدالعُزّٰی تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلۂ فروزاں) کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بننا تھا۔ یہ نبی ﷺ کا حقیقی چچا تھا لیکن آپ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝2
سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝3
وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝4
فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝5 ع 1/5/36

ہو گیا ○[1]
نہ تو اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ اُس کی کمائی ○[2]
وہ عنقریب بھڑ کنے والی آ گ میں جائے گا ○
اور اُس کی بیوی بھی (جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے ○[3]
اُس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہو گی ○[4]

---

1 ﴿یَدَآ﴾ اصل میں یَدانِ ہے جو یَدٌ (ہاتھ) کا تثنیہ ہے، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ مراد اس سے اس کا نفس ہے، جُزبول کر کُل مراد لیا گیا ہے، یعنی ہلاک و برباد ہو جائے۔ یہ بددعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی ﷺ کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ ﴿وَّتَبَّ﴾ ''اور وہ ہلاک ہو گیا'' یہ خبر ہے، یعنی بددعا کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی ہلاکت اور بربادی کی خبر بھی دے دی، چنانچہ جنگ بدر کے چند روز بعد یہ عدسہ بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی حتیٰ کہ سخت بدبودار ہو گئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے، اس کے جسم پر دور ہی سے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنا دیا۔ (أیسر التفاسیر)

2 کمائی میں اس کی رئیسانہ حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے، یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔

3 یعنی جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لا لا کر ڈالے گی تا کہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہو گا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں، مددگار تھی، آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار رہو گی۔ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھو ڈھو کر لاتی اور نبی ﷺ کے راستے میں لا کر بچھا دیتی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے، چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی ﷺ کی غیبت کرتی اور انھیں آپ ﷺ کی عداوت پر اکساتی تھی۔ (فتح الباري: 944,943/8)

4 جِیدٌ گردن۔ ﴿مَّسَدٍ﴾ مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ وہ مونج کی یا پوست کھجور کی ہو یا آہنی تاروں کی جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہو گا، وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہو گا۔ مَسَدٌ سے تشبیہ، اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

آیاتھا: 4 (112) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (22) رکوعھا: 1

سورۂ اخلاص [1] مکی ہے، اس میں 4 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک (ہی) ہے ○

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ②

اللہ بے نیاز ہے ○ [2]

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③

نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ○ [3]

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④ ع 1/4 37

اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے ○ [4]

آیاتھا: 5 (113) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (20) رکوعھا: 1

سورۂ فلق [5] مکی ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

---

1 یہ مختصر سی سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی ﷺ نے ثُلث (ایک تہائی 1/3) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو صبح وشام اور ہر نماز کے بعد پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:5013) بعض صحابہ ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: ''تمھاری اس کے ساتھ محبت تمھیں جنت میں داخل کردے گی۔'' (صحيح البخاري، حديث:774، و صحيح مسلم، حديث:813) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ (مسند أحمد:5/133,134)

2 یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

3 یعنی نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔

4 اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشورٰی 42:11) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''انسان مجھے گالی دیتا ہے، یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، میں نے کسی کو جنا ہے نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث:4974) اس سورت میں ان کا بھی رد ہوگیا جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں اور ان کا بھی جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں، ان کا بھی جو دوسروں کو اس کا شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔

5 اس کے بعد سورۂ ناس ہے، ان دونوں کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی۔'' یہ فرما کر آپ نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ (صحيح مسلم، حديث:814، و جامع الترمذي، حديث:2902) ابن عابس جُہنی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن عابس! کیا میں تمھیں سب سے بہترین ذریعۂ بچاؤ نہ بتاؤں

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿1﴾
مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿2﴾
وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿3﴾

آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ○ [1]
ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے ○ [2]
اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا

جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں، انھوں نے عرض کیا: ہاں، ضرور بتلائیے! آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا: یہ دونوں مُعَوِّذَتَین ہیں۔" (صحيح سنن النسائي للألباني:454/3) نبی ﷺ انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنا لیا اور باقی دوسری چیزیں چھوڑ دیں۔ (صحيح سنن الترمذي للألباني:405/2) حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: جب آپ ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو مُعَوِّذَتَین ﴿ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ○ ﴾ اور ﴿ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ ﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ ﷺ کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحيح البخاري، حديث:5016، و صحيح مسلم، حديث:2192) جب نبی ﷺ پر جادو کیا گیا تو جبرائیل ؑ یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنویں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو بھیج کر اسے منگوایا، (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں) جبرائیل ؑ کے حکم کے مطابق آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتمے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سوئیاں بھی نکل گئیں اور آپ اس طرح صحیح ہو گئے جیسے کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (صحيح البخاري، مع فتح الباري، حديث:5763، و صحيح مسلم، حديث:2189) آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انھیں پورے جسم پر مل لیتے، پہلے سر، چہرے اور پھر جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ایسا کرتے۔ (صحيح البخاري، حديث:5017)

1 ﴿ اَلۡفَلَقِ ﴾ کے راجح معنی صبح کے ہیں۔ صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندھیرا ختم کر کے دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبح کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔ (فتح القدير)

2 یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جہنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤

ع 1/5 38

اندھیرا پھیل جائے ○ [1]

اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی ○ [2]

اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے ○ [3]

اٰیَاتُهَا 6 (114) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (21) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ ناس [4] مکی ہے، اس میں 6 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①

آپ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں ○ [5]

مَلِكِ النَّاسِ ②

لوگوں کے مالک کی ○ [6]

---

1 رات کے اندھیرے میں ہی خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ ﴿غَاسِقٍ﴾ رات ﴿وَقَبَ﴾ داخل ہو جائے، چھا جائے۔

2 ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ مؤنث کا صیغہ ہے، جو النُّفُوس (موصوف محذوف) کی صفت ہے مِنْ شَرِّ النُّفُوسِ النَّفّٰثٰتِ، یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفسوں کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں، یعنی اس میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔

3 حسد یہ ہے کہ حاسد، محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

4 اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو نماز میں بچھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے رہے۔ (المعجم الصغير للطبراني، حديث: 817، و مجمع الزوائد: 191/5 وقال الهيثمي إسناده حسن)

5 رَبٌّ (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتدا ہی سے جبکہ انسان ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے حتیٰ کہ وہ بالغ عاقل ہو جاتا ہے، پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و فضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔

6 جو ذات تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی

اِلٰهِ النَّاسِ ③ | اور لوگوں کے معبود کی (پناہ میں) ○ [1]
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ۬ الْخَنَّاسِ ④ | وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے ○ [2]
الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ | جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ○
عٔ 6/1 39 مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ⑥ | (خواہ) وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ○ [3]

بھی اس کے پاس ہو۔

1 اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو، چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

2 ﴿الْوَسْوَاسِ﴾ بعض کے نزدیک اسم فاعل المُوَسْوِسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذِی الوَسْوَاسِ ہے۔ وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ ﴿الْخَنَّاسِ﴾ (کھسک جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔

3 یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین جو جنات میں سے ہوتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2814) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف فرما تھے کہ آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ انھیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔ راستے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ نے انھیں بلا کر فرمایا کہ ''یہ میری اہلیہ، صفیہ بنت حُیَی ہیں۔'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تو ٹھیک ہے لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 7171)

دوسرے وہ شیطان جو انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو اپنی ہی جنس (انسانوں) کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس تفصیل کی روشنی میں ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ﴾ کا تعلق ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ﴾ سے ہے۔ جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ﴾ کا تعلق ﴿فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ میں الناس سے ہے، اس صورت میں مطلب یہ بنتا ہے کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تغلیب کے طور پر ہے، ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں ﴿رِجَالٌ﴾ کا لفظ بولا گیا ہے۔ (الجن 72:6) اس لیے وہ بھی نَاسِ کا مصداق ہیں۔

سورتوں کی فہرست


فہرست
مضامینِ قرآن





اللہ تعالیٰ پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	62
2	〃	136
2	〃	177
2	〃	186
2	〃	228
2	〃	257
2	〃	285
3	اٰل عمرٰن	18
3	〃	52
3	〃	84
3	〃	110
3	〃	114
3	〃	179
3	〃	193
3	〃	199
4	النسآء	39
4	〃	59
4	〃	136
4	〃	152
4	〃	162
4	〃	175
5	المآئدة	59
5	〃	69
5	〃	84
5	〃	88
6	الأنعام	14
6	〃	71
6	〃	163,162
7	الأعراف	158
8	التّوبة	19,18
8	〃	99
18	الكهف	13
21	الأنبيآء	108
24	النّور	2
24	〃	62
26	الشّعرآء	47
29	العنكبوت	46
36	يٰسٓ	25
48	الفتح	9
48	〃	13
49	الحجرٰت	15
57	الحديد	8,7
57	〃	19
57	〃	21
58	المجادلة	4
58	〃	22

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	133
2	〃	163
3	اٰل عمرٰن	18
4	النسآء	171
5	المآئدة	73
6	الأنعام	19
7	الأعراف	70
9	التوبة	31
12	يوسف	39
13	الرّعد	16
14	إبرٰهيم	48
14	〃	52
16	النّحل	22
16	〃	51
17	بنّي إسرآءيل	46
18	الكهف	110
21	الأنبيآء	108
22	الحج	34
29	العنكبوت	46
37	الصّٓفّٰت	4
38	صٓ	5
38	〃	65
39	الزّمر	4
39	〃	45
40	المؤمن	12
40	〃	16
40	〃	84
41	حٰمٓ السجدة	6
60	الممتحنة	4
112	الإخلاص	1

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
2	〃	163

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	172
3	اٰل عمرٰن	2
3	〃	6
3	〃	18
3	〃	62
3	〃	64
4	النسآء	36
4	〃	87
5	المآئدة	73
6	الأنعام	46
6	〃	71
6	〃	102
6	〃	106
6	〃	151
7	الأعراف	59
7	〃	65
7	〃	73
7	〃	85
7	〃	158
9	التّوبة	31
9	〃	129
10	يونس	90
11	هود	2
11	〃	26
11	〃	50
11	〃	61
11	〃	84
12	يوسف	40-38
13	الرّعد	30
13	〃	36
16	النّحل	2
17	بنّي إسرآءيل	23
18	الكهف	110
20	طٰهٰ	8
20	〃	14
20	〃	98
21	الأنبيآء	22
21	〃	25
21	〃	87
23	المؤمنون	23
23	〃	91
23	〃	116
27	النّمل	26
27	〃	64-59
28	القصص	72-70
28	〃	88
35	فاطر	3
36	يٰسٓ	61
37	الصّٰفّٰت	35
38	صٓ	65
39	الزّمر	3,2
39	〃	6
40	المؤمن	3
40	〃	62
40	〃	66,65
41	حٰمٓ السجدة	14
43	الزّخرف	84
44	الدّخان	8
46	الأحقاف	21
47	محمّد	19
52	الطّور	43
59	الحشر	23,22
64	التّغابن	13
73	المزَّمِّل	9

اللہ ہر چیز کا خالق ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	21
2	〃	29
2	〃	117
2	〃	228
3	اٰل عمرٰن	6
3	〃	47
4	النسآء	1
5	المآئدة	18,17
6	الأنعام	2,1
6	〃	73
6	〃	79
6	〃	99-95
6	〃	102,101
7	الأعراف	54
7	〃	185
9	التّوبة	36
10	يونس	6-3
11	هود	7

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	〃	51
13	الرّعد	16
14	إبرٰهيم	19
14	〃	32
15	الحِجر	27,26
15	〃	33
15	〃	86
16	النّحل	5-3
16	〃	48
16	〃	70
16	〃	81-78
17	بنّي إسرآءيل	99
20	طٰهٰ	4
20	〃	53
20	〃	55
21	الأنبيآء	30
21	〃	33
23	المؤمنون	79,78
24	النّور	45
25	الفرقان	2
25	〃	48-45
25	〃	54
25	〃	62,61
26	الشّعرآء	166
26	〃	184
27	النّمل	61,60
35	فاطر	3-1
36	يٰسٓ	81
39	الزّمر	62
40	المؤمن	66
59	الحشر	24
67	المُلك	3,2
67	〃	15
67	〃	23
75	القيٰمة	39,38
87	الأعلىٰ	2
92	الّيل	3
96	العلق	2,1
113	الفلق	2

اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	3
2	〃	57
2	〃	172
2	〃	212
2	〃	254
3	اٰل عمرٰن	37
5	المآئدة	88
6	الأنعام	143
7	الأعراف	50
7	〃	160
8	الأنفال	4,3
8	〃	26
10	يونس	31
10	〃	93
11	هود	6
13	الرّعد	22
14	إبرٰهيم	31
16	النّحل	56
16	〃	73,72
16	〃	75
16	〃	114
17	بنّي إسرآءيل	31,30
17		70
20	طٰهٰ	81
22	الحج	35,34
24	النّور	38
28	القصص	54
29	العنكبوت	60
30	الرّوم	28
30	〃	37
30	〃	40
32	السّجدة	16
36	يٰسٓ	47
40	المؤمن	64
42	الشّورٰى	12
42	〃	38
45	الجاثية	16
51	الذّٰريٰت	58
63	المنٰفقون	10

غیب کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	33
5	المآئدة	109

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	〃	116
6	الأنعام	50
6	〃	59
6	〃	73
7	الأعراف	188
9	التّوبة	78
9	〃	94
9	〃	105
10	يونس	20
11	هود	31
11	〃	123
13	الرّعد	9
16	النّحل	77
18	الكهف	26
23	المؤمنون	92
27	النّمل	65
32	السّجدة	6
34	سبا	3
34	〃	48
35	فاطر	38
39	الزّمر	46
49	الحجرٰت	18
52	الطّور	41
53	النّجم	35
59	الحشر	22
62	الجمعة	8
64	التّغابن	18
72	الجنّ	26

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
شفاعطا کرنے والا اللہ ہی ہے		
9	التّوبة	14
26	الشّعرآء	80
مصائب ومشکلات سے نجات دینے والا اللہ ہی ہے		
2	البقرة	50,49
6	الأنعام	41
6	〃	64,63
7	الأعراف	64
7	〃	72
7	〃	83
7	〃	89
7	〃	141
10	يونس	22
10	〃	23
10	〃	73
10	〃	86
10	〃	92
10	〃	103
11	هود	58
11	〃	66
11	〃	94
11	〃	116
12	يوسف	110
17	بنّي إسرآءيل	56
17	〃	67

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
20	طٰهٰ	40
20	〃	80
21	الأنبيآء	9
21	〃	71
21	〃	74
21	〃	76
21	〃	88
23	المؤمنون	28
26	الشّعرآء	73,72
26	〃	118
26	〃	119
28	القصص	21
29	العنكبوت	15
29	〃	24
29	〃	32
29	〃	65
31	لقمٰن	32
37	الصّٰفّٰت	76
37	〃	115
37	〃	134
39	الزّمر	61
41	حٰمٓ السجدة	18
44	الدّخان	30
54	القمر	34
66	التّحريم	11
ملائکہ پر ایمان		
2	البقرة	177

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	285
4	النسآء	136

ملائکہ، اُن کے اوصاف اور ذمہ داریاں

2	البقرة	34-30
2	〃	98-97
2	〃	102
6	الأنعام	93
7	الأعراف	206
13	الرّعد	11
13	〃	13
16	النّحل	50,49
19	مريم	64
21	الأنبيآء	20,19
21	〃	29-26
25	الفرقان	25
26	الشّعرآء	194,193
34	سبا	23,22
35	فاطر	1
37	الصّٰفّٰت	3-1
37	〃	166-164
40	المؤمن	9-7
41	حٰمٓ السجدة	31,30
41	〃	38
42	الشّورٰی	5
43	الزّخرف	77
43	〃	80

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
50	قٓ	18,17
50	〃	26-23
53	النّجم	26
66	التَّحريم	4
66	〃	6
69	الحآقّة	17
74	المدَّثِّر	31,30
81	التّكوير	21-19
82	الإنفطار	12-10
97	القدر	4

قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان

2	البقرة	2
2	〃	4
2	〃	41
2	〃	61
2	〃	85
2	〃	89
2	〃	91
2	〃	99
2	〃	121
2	〃	177
2	〃	285
3	آل عمرٰن	4,3
3	〃	7
3	〃	53
3	〃	84

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	〃	199
4	النسآء	47
4	〃	136
4	〃	162
4	〃	170
5	المآئدة	59
5	〃	66
5	〃	68
5	〃	83
5	〃	84
6	الأنعام	20
6	〃	92
6	〃	109
10	يونس	40
10	〃	94
11	هود	17
13	الرّعد	36
17	بنّي إسرآءيل	107
21	الأنبيآء	50
28	القصص	52
29	العنكبوت	47,46
40	المؤمن	70
42	الشّورٰی	15
64	التّغابن	8
66	التَّحريم	12

قرآن مجید کے مُنَزَّل مِنَ اللہ ہونے کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	24,23
3	اٰل عمرٰن	44
4	النسآء	82
6	الأنعام	19
10	يونس	38,37
11	هود	14,13
11	〃	49
12	يوسف	102
17	بنیٓ إسرآءيل	88
26	الشّعرآء	197,196
28	القصص	49
29	العنكبوت	49-47
34	سبا	6
39	الزّمر	23
39	〃	28,27
46	الأحقاف	10
52	الطّور	34,33
69	الحآقّة	47-38

قرآن کی پیشین گوئیاں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	24
2	〃	114
3	اٰل عمرٰن	12
3	〃	112,111
3	〃	139
3	〃	151
4	النسآء	84
5	المآئدة	54
5	〃	67
8	الأنفال	36
8	〃	40-37
8	〃	60,59
8	〃	62
9	التّوبة	15,14
9	〃	28
9	〃	33,32
9	〃	39
9	〃	57,56
9	〃	101
13	الرّعد	31
15	الحِجر	9
16	النّحل	41
17	بنیٓ إسرآءيل	8
17	〃	60
17	〃	88
24	النّور	55
27	النّمل	93
28	القصص	85
30	الرّوم	6-1
32	السّجدة	21
37	الصّٰفّٰت	175-171
41	حٰمٓ السجدة	53
47	محمّد	10-7
47	〃	35
48	الفتح	16
48	〃	21
48	〃	27
52	الطّور	48,47
54	القمر	45
58	المجادلة	21,20
61	الصّف	9,8
68	القلم	16
96	العلق	18-15

سائنس قرآن کی تصدیق کرتی ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	164
6	الأنعام	99-95
7	الأعراف	54
13	الرّعد	4-2
16	النّحل	16-10
16	〃	69-65
21	الأنبيآء	33-30
21	〃	104
23	المؤمنون	22-12
24	النّور	45-43
26	الشّعرآء	7
27	النّمل	88
29	العنكبوت	20,19
36	يٰسٓ	40-36
41	حٰمٓ السجدة	12-9
42	الشّورٰى	33,32
51	الذّٰريٰت	49-47
57	الحديد	25
71	نوح	20-14

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
75	القیٰمة	9-7
81	التّکویر	6
82	الإنفطار	3
84	الإنشقاق	19-16
86	الطّارق	7-6
86	〃	12,11
87	الأعلیٰ	5,4
96	العلق	2
97	القدر	5

قرآنی تمثیلات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	20-17
2	〃	26
2	〃	171
2	〃	261
2	〃	266-264
3	اٰل عمرٰن	117
10	یونس	24
11	هود	24
13	الرّعد	17
14	إبرٰهیم	18
14	〃	26-24
16	النّحل	76,75
16	〃	112
18	الکهف	32
18	〃	45
22	الحج	73
24	النّور	35

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	〃	40,39
29	العنکبوت	41
30	الرّوم	28
36	یٰسٓ	13
36	〃	78
39	الزّمر	29
48	الفتح	29
57	الحدید	20
59	الحشر	21
62	الجمعة	5
66	التَّحریم	12-10

رسولوں پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	136
2	〃	177
2	〃	285
3	اٰل عمرٰن	81
3	〃	84
3	〃	144
3	〃	179
4	النسآء	136
4	〃	152
5	المآئدة	12
5	〃	19
5	〃	111
6	الأنعام	34
6	〃	48
6	〃	130

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	52
9	التّوبة	128
10	یونس	2
14	إبرٰهیم	9
15	الحِجر	10
16	النّحل	36
16	〃	63
21	الأنبیآء	25
25	الفرقان	20
30	الرّوم	47
40	المؤمن	22
40	〃	51
40	〃	78
46	الأحقاف	9
57	الحدید	7
57	〃	19
57	〃	21
57	〃	28
58	المجادلة	4
61	الصّف	11
64	التّغابن	8

تمام انبیاء ورسل بشر ہی تھے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	79
6	الأنعام	91
11	هود	27
14	إبرٰهیم	11,10
15	الحِجر	28

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
15	〃	33
17	بنیٓ إسرآءيل	94,93
18	الكهف	110
21	الأنبيآء	3
21	〃	34
23	المؤمنون	24
23	〃	34,33
23	〃	47
26	الشّعرآء	154
26	〃	186
36	يٰسٓ	15
41	حٰمٓ السجدة	6
42	الشّورٰى	51
54	القمر	24
64	التّغابن	6
74	المدَّثِّر	25

روز آخرت پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	4
2	〃	46
2	〃	62
2	〃	156
2	〃	177
2	〃	223
2	〃	228
2	〃	285
3	اٰل عمرٰن	9
3	〃	114
4	النسآء	39
4	〃	59
4	〃	136
4	〃	162
5	المآئدة	69
9	التّوبة	19,18
9	〃	99
17	بنیٓ إسرآءيل	19
23	المؤمنون	74
24	النّور	2
29	العنكبوت	36
31	لقمٰن	4
34	سبا	3
34	〃	30
40	المؤمن	27
40	〃	59
42	الشّورٰى	18
43	الزّخرف	61
43	〃	66
58	المجادلة	22
64	التّغابن	7
65	الطّلاق	2
69	الحآقّة	20
70	المعارج	26
83	المطففين	6,5

قُربِ قیامت اور اس کے آثار

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	99,98
21	الأنبيآء	96
27	النّمل	82
43	الزّخرف	61
44	الدّخان	11,10
47	محمّد	18
53	النّجم	58,57
54	القمر	1
70	المعارج	7,6

نفخ صور اور حشر ونشر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	113
2	〃	148
2	〃	174
2	〃	210
3	اٰل عمرٰن	107,106
4	النسآء	42,41
6	الأنعام	31
6	〃	36
6	〃	38
6	〃	73
7	الأعراف	29
7	〃	53
9	التّوبة	35,34
10	يونس	4
10	〃	30-26
10	〃	45
11	هود	18
11	〃	98

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	〃	103
14	إبرٰهيم	51-48
15	الحِجر	25
16	النّحل	89-84
17	بنٓي إسرآءيل	52
17	〃	72-71
17	〃	97
17	〃	104
18	الكهف	47
18	〃	53,52
18	〃	101-98
19	مريم	39-37
19	〃	72-68
19	〃	85
19	〃	87
19	〃	95-93
20	طٰهٰ	112-100
20	〃	127-124
21	الأنبيآء	40
21	〃	104-103
22	الحج	78
23	المؤمنون	100
23	〃	103
25	الفرقان	30-22
25	〃	34
26	الشّعرآء	95-90
27	النّمل	85-83
27	〃	88-87

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	66-62
28	〃	75,74
30	الرّوم	16-12
30	〃	57-55
32	السّجدة	5
36	يٰسٓ	67-48
37	الصّٰفّٰت	34-18
38	صٓ	15
39	الزّمر	70-67
39	〃	75
40	المؤمن	20-15
42	الشّورٰى	47
43	الزّخرف	68-66
44	الدّخان	42-40
50	قٓ	11
50	〃	31-20
50	〃	44-41
52	الطّور	15-7
54	القمر	8-6
55	الرّحمٰن	44-37
56	الواقعة	6-1
56	〃	50,49
57	الحديد	15-12
64	التّغابن	9
68	القلم	43,42
69	الحآقّة	4-1
69	الحآقّة	18-13
70	المعارج	14-1

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
70	〃	44,43
73	المزّمّل	14-12
73	〃	18-17
74	المدّثّر	10-8
75	القيٰمة	13-7
77	المرسلٰت	15-8
78	النّبا	20-17
78	〃	40-37
79	النّٰزعٰت	9-6
79	〃	14-13
79	〃	41-34
79	〃	46
80	عبس	42-33
81	التّكوير	14-1
82	الإنفطار	5-1
82	〃	19-15
83	المطففين	17-15
84	الإنشقاق	5-1
89	الفجر	30-21
99	الزلزال	8-1
100	العٰديٰت	11-9
101	القارعة	5-1

حوضِ کوثر کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
108	الكوثر	1

عذابِ قبر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
14	إبرٰهيم	27

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المؤمن	46

عالم برزخ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	54
3	آل عمران	171-169
4	النسآء	97
6	الأنعام	62
7	الأعراف	41,40
23	المؤمنون	100
32	السّجدة	11
40	المؤمن	46
50	قٓ	3
71	نوح	25

قیامت اور دوبارہ زندگی کا ثبوت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	73,72
2	〃	113
2	〃	260,259
7	الأعراف	29
7	〃	57
16	النّحل	40-38
16	〃	77
17	بنی إسرآءیل	52-48
17	〃	99,98
18	الكهف	21
19	مريم	68-66
20	طٰهٰ	15
21	الأنبيآء	104
22	الحج	7-1
27	النّمل	72-67
29	العنكبوت	20,19
30	الرّوم	14-11
30	〃	19
30	〃	27
30	〃	50
34	سبا	3
35	فاطر	9
36	يٰسٓ	33
36	〃	68
36	〃	82-77
37	الصّٰفّٰت	21-16
38	صٓ	28,27
39	الزّمر	42
40	المؤمن	59-57
41	حٰمٓ السجدة	39
44	الدّخان	40-38
45	الجاثية	22,21
46	الأحقاف	3
46	〃	33
50	قٓ	15-2
51	الذّٰريٰت	6-1
52	الطّور	12-1
56	الواقعة	7-1
56	〃	62-57
75	القيٰمة	13-3
75	〃	40-36
77	المرسلٰت	13-1
78	النّبا	20-6
78	〃	40-38
79	النّٰزعٰت	14-10
79	〃	46-27
86	الطّارق	10-5
95	التّين	8-4

اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	255
4	النسآء	85
17	بنی إسرآءیل	79
19	مريم	87
78	النّبا	38
93	الضّحٰى	5

اہل دوزخ کے لیے ہولناک عذاب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	27
7	الأعراف	39,38
23	المؤمنون	108-104
25	الفرقان	14-13
26	الشّعرآء	102-96
32	السّجدة	14-12
33	الأحزاب	68-66
35	فاطر	37,36
40	المؤمن	11,10
40	〃	50-47
43	الزّخرف	77-74

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
67	المُلك	11-6

اعراف اوراہل اعراف

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	49-46

جنت، وسعتِ جنت اوراہلِ جنت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	133
7	الأعراف	44-42
10	يونس	10,9
13	الرّعد	24-22
13	〃	35
15	الحِجر	48-45
16	النّحل	32-30
18	الكهف	31-30
22	الحج	24-23
25	الفرقان	16-15
29	العنكبوت	58
32	السّجدة	19-17
33	الأحزاب	44
34	سبا	37
35	فاطر	35-33
36	يٰسٓ	58-55
37	الصّٰفّٰت	59-41
38	صٓ	54-49
40	المؤمن	40
43	الزّخرف	73-69
44	الدّخان	57-51
52	الطّور	38-17
56	الواقعة	37-12
57	الحديد	21
88	الغاشية	16-10

دوامِ جنت ودوزخ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	هود	108-106

دیدارِ الٰہی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	26
18	الكهف	110
29	العنكبوت	5
75	القيٰمة	25-22
83	المطففين	15

تقدیر پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	131
9	التّوبة	51
10	يونس	49
10	〃	98-96
10	〃	100
10	〃	107
11	هود	6
11	〃	34
11	〃	36
11	〃	109
11	〃	119
12	يوسف	15
12	〃	41

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
13	الرّعد	2
13	〃	8
13	〃	17
13	〃	26
13	〃	38
15	الحِجر	5,4
15	〃	21
15	〃	24
15	〃	61
17	بنيٓ إسرآءيل	7-4
17	〃	13
17	〃	30
17	〃	58
17	〃	77
17	〃	104
17	〃	108
18	الكهف	27
18	〃	58
20	طٰهٰ	40
23	المؤمنون	18
23	〃	27
23	〃	43
25	الفرقان	2
33	الأحزاب	38
36	يٰسٓ	38
36	〃	39
54	القمر	49
57	الحديد	23,22

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
64	التّغابن	11
65	الطّلاق	3
نماز		
2	البقرة	43
2	〃	239,238
4	النسآء	103-101
11	هود	114
17	بني إسرآءيل	79,78
17	〃	110
20	طٰهٰ	14
20	〃	130
20	〃	132
23	المؤمنون	2
23	〃	9
24	النّور	56
29	العنكبوت	45
30	الرّوم	18,17
50	قٓ	40,39
51	الذّٰريٰت	18,17
52	الطّور	49,48
62	الجمعة	10,9
73	المزّمّل	4-2
76	الدّهر	26,25
87	الأعلٰى	15
107	الماعون	6-4
پنج وقتہ فرض نمازیں		
11	هود	114
17	بني إسرآءيل	78
20	طٰهٰ	130
30	الرّوم	18,17
نماز جمعہ اور خطبہ		
62	الجمعة	11-9
نماز عیدالفطر		
87	الأعلٰى	15,14
نماز عیدالاضحیٰ		
108	الكوثر	2
نماز جنازہ		
9	التّوبة	84
9	〃	103
نماز خوف		
2	البقرة	239
4	النسآء	102
نماز تہجد		
17	بني إسرآءيل	79
73	المزّمّل	4-2
نماز استسقاء		
71	نوح	12-10
نماز مسافر		
4	النسآء	101
نماز مریض		
4	النسآء	103
زکاۃ، صدقات اور ان کے مصارف		
2	البقرة	215
2	〃	267
2	〃	274-271
6	الأنعام	141
9	التّوبة	60
24	النّور	56
25	الفرقان	67
30	الرّوم	39
76	الدّهر	9,8
رمضان		
روزہ، اعتکاف اور لیلۃ القدر کا بیان		
2	البقرة	125
2	〃	187-183
44	الدّخان	5-3
97	القدر	5-1
حج وعمرہ		
مسائل حج، کعبہ اور مکہ مکرمہ کا بیان		
2	البقرة	127-125

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	158
2	〃	191
2	〃	203-196
3	اٰل عمرٰن	97,96
5	المآئدة	2,1
5	〃	97-94
22	الحج	37-25
27	النّمل	91
28	القصص	57
29	العنكبوت	67
95	التّين	3

انفاق
(اللہ کے راستے میں خرچ کرنا)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	3
2	〃	177
2	〃	195
2	〃	215
2	〃	219
2	〃	245
2	〃	254
2	〃	262,261
2	〃	265
2	〃	267
2	〃	271
2	〃	272
2	〃	274
3	اٰل عمرٰن	92

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	〃	134
4	النسآء	39
8	الأنفال	3
8	〃	60
9	التّوبة	64,53
30	الرّوم	39
32	السّجدة	16
33	الأحزاب	35
34	سبا	39
35	فاطر	30,29
36	يٰسٓ	47
42	الشّورٰى	38
47	محمّد	38
57	الحديد	7
57	〃	10
57	〃	11
57	〃	18
63	المنٰفقون	10
64	التّغابن	17
65	الطّلاق	6
65	〃	7
73	المزّمّل	2
92	الّيل	5
92	〃	18

اللہ کا ذکر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	152
2	〃	198

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	200
2	〃	203
3	اٰل عمرٰن	41
4	النسآء	103
7	الأعراف	69
7	〃	74
7	〃	201
7	〃	205
8	الأنفال	45
13	الرّعد	28
17	بنىٓ إسرآءيل	111
18	الكهف	24
20	طٰهٰ	34,33
20	〃	113
20	〃	130
22	الحج	37
22	〃	40
25	الفرقان	58
25	〃	62
29	العنكبوت	45
30	الرّوم	18,17
32	السّجدة	15
33	الأحزاب	21
33	〃	35
33	〃	42,41
38	صٓ	18
40	المؤمن	55
48	الفتح	9

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
50	قٓ	40,39
52	الطّور	49,48
56	الواقعة	74
56	〃	96
57	الحديد	16
62	الجمعة	10
63	المنٰفقون	9
69	الحآقّة	52
73	المزّمّل	8
74	المدّثّر	3
76	الدّهر	26,25
87	الأعلٰى	1
87	〃	15
110	النّصر	3

اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	40
2	〃	177
3	〃	77,76
5	اٰل عمرٰن	7
6	المآئدة	152
13	الرّعد	20
16	النّحل	91
16	〃	95
57	الحديد	8

اللہ کا تقویٰ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	2
2	〃	48
2	〃	177
2	〃	179
2	〃	197,196
2	〃	203
2	〃	233
3	اٰل عمرٰن	15
3	〃	76
3	〃	102
4	النسآء	1
4	〃	128
4	〃	131
5	المآئدة	35
5	〃	65
5	〃	88
5	〃	93
5	〃	96
5	〃	100
6	الأنعام	69
7	الأعراف	35
7	〃	96
7	〃	128
7	〃	156
8	الأنفال	1
13	الرّعد	35
15	الحِجر	45
16	النّحل	2
16	〃	128
19	مريم	63
19	〃	85
22	الحج	1
22	〃	32
23	المؤمنون	52
24	النّور	52
26	الشّعرآء	108
26	〃	126

اللہ کا ڈر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	40
2	〃	150
3	اٰل عمرٰن	175
5	المآئدة	3
5	〃	28
5	〃	94
6	الأنعام	15
6	〃	51
6	〃	82,81
7	الأعراف	56
7	〃	154
7	〃	205
8	الأنفال	2
9	التّوبة	13
9	〃	18
13	الرّعد	21
14	إبرٰهيم	14
16	النّحل	51,50

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	28
21	〃	49
21	〃	90
22	الحج	54
23	المؤمنون	2
23	〃	57
23	〃	60
24	النّور	52
32	السّجدة	16
33	الأحزاب	35
33	〃	37
33	〃	39
35	فاطر	18
35	〃	28
36	يٰسٓ	11
39	الزّمر	16
39	〃	23
55	الرّحمٰن	46
57	الحديد	16
59	الحشر	21
67	المُلك	19
79	النّٰزعٰت	19
79	〃	41,40
80	عبس	9
87	الأعلىٰ	10
98	البيّنة	8

صبر کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	45
2	〃	153
2	〃	156,155
2	〃	177
2	〃	250
3	اٰل عمرٰن	125
3	〃	142
3	〃	146
3	〃	186
3	〃	200
7	الأعراف	87
7	〃	126
7	〃	128
7	〃	137
8	الأنفال	66
10	يونس	109
11	هود	11
11	〃	49
11	〃	115
12	يوسف	83
12	〃	90
13	الرّعد	22
13	〃	24
14	إبرٰهيم	5
14	〃	12
16	النّحل	42
16	〃	96
16	〃	127,126

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	28
18	〃	69
19	مريم	65
20	طٰهٰ	130
20	〃	132
21	الأنبيآء	85
22	الحج	35
23	المؤمنون	111
25	الفرقان	20
25	〃	75
28	القصص	54
28	〃	80
29	العنكبوت	59
30	الرّوم	60
31	لقمٰن	17
31	〃	31
32	السّجدة	24
33	الأحزاب	35
34	سبا	19
37	الصّٰفّٰت	102
38	صٓ	17
38	〃	44
39	الزّمر	10
40	المؤمن	55
40	〃	77
41	حٰمٓ السجدة	35
42	الشّورٰى	23
42	〃	43

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
46	الأحقاف	35
47	محمّد	31
49	الحجرٰت	5
50	قٓ	39
52	الطّور	48
68	القلم	48
70	المعارج	5
73	المزّمّل	10
74	المدّثّر	7
76	الدّهر	24
90	البلد	17

توبہ واستغفار

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	54
2	〃	58
2	〃	160
2	〃	199
2	〃	222
3	اٰل عمرٰن	54
7	الأعراف	143
7	〃	153
8	الأنفال	33
8	〃	38
8	〃	70
9	التّوبة	3
9	〃	5
9	〃	27
9	〃	105
9	〃	104
9	〃	106
19	مريم	60
20	طٰهٰ	122
24	النّور	22
24	〃	31
25	الفرقان	6
25	〃	71,70
27	النّمل	46
28	القصص	16
28	〃	67
33	الأحزاب	73
34	سبا	4
34	〃	15
35	فاطر	28
35	〃	41
38	صٓ	24
38	〃	35
38	〃	44
39	الزّمر	17
39	〃	54,53
40	المؤمن	3
40	〃	7
40	〃	55
41	حٰمٓ السجدة	6
42	الشّورٰى	5
42	〃	25
46	الأحقاف	15
47	محمّد	19
48	الفتح	14
50	قٓ	33,32
51	الذّٰريٰت	18
59	الحشر	10
66	التّحريم	5,4
66	〃	8
68	القلم	32
71	نوح	10
73	المزّمّل	20
76	الدّهر	29
78	النّبا	39
110	النّصر	3

شکر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	2
2	〃	40
2	〃	47
2	〃	52
2	〃	56
2	〃	152
2	〃	172
2	〃	185
3	اٰل عمرٰن	145
4	النسآء	147
5	المآئدة	11
5	〃	20
7	الأعراف	58

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	144
8	الأنفال	26
12	يوسف	38
14	إبرٰهيم	7-5
14	〃	34
14	〃	37
16	النّحل	14
16	〃	78
16	〃	114
16	〃	121
21	الأنبيآء	80
22	الحج	36
25	الفرقان	62
27	النّمل	40
27	〃	59
28	القصص	73
29	العنكبوت	17
30	الرّوم	46
31	لقمٰن	12
31	〃	14
32	السّجدة	9
33	الأحزاب	9
34	سبا	13
34	〃	15
34	〃	19
35	فاطر	12
36	يٰسٓ	73
39	الزّمر	7

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
39	〃	66
42	الشّورٰى	33
43	الزّخرف	13
46	الأحقاف	12
46	〃	15
54	القمر	35
56	الواقعة	70
67	المُلك	23
93	الضّحٰى	11

والدین کے ساتھ حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
4	النسآء	36
6	الأنعام	151
17	بنّي إسرآءيل	24,23
19	مريم	14
19	〃	32
29	العنكبوت	8
31	لقمٰن	15,14
46	الأحقاف	15

رشتہ داروں سے حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
4	النسآء	8
4	〃	36
8	الأنفال	41
16	النّحل	90
17	بنّي إسرآءيل	26

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
30	الرّوم	38
52	الطّور	26
59	الحشر	7

یتیموں سے حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
2	〃	220
4	النسآء	2
4	〃	6
4	〃	8
4	〃	10
4	〃	36
4	〃	127
6	الأنعام	152
8	الأنفال	41
17	بنّي إسرآءيل	34
18	الكهف	82
59	الحشر	7
76	الدّهر	8
93	الضّحٰى	9
107	الماعون	2

مساکین سے حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
4	النسآء	8
4	〃	36
8	الأنفال	41
17	بنّي إسرآءيل	26

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
22	الحج	28
30	الرّوم	38
59	الحشر	7
76	الدّهر	8

پڑوسیوں سے حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	36

مسافر اور حاجت مند سے حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	177
4	النسآء	36
8	الأنفال	41
17	بنّی إسرآءيل	26
30	الرّوم	38
51	الذّٰريٰت	19
59	الحشر	7
70	المعارج	25
93	الضّحٰى	10

اولاد کے ساتھ بھلائی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	124
2	〃	126
2	〃	129,128
2	〃	133,132
3	اٰل عمرٰن	38
14	إبرٰهيم	35
25	الفرقان	74
31	لقمٰن	13

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
31	〃	19
38	صٓ	100
52	الطّور	26

بیوی سے حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	187
2	〃	223,222
2	〃	228
4	النسآء	19
23	المؤمنون	6
25	الفرقان	74
65	الطّلاق	2,1
65	〃	7,6

اپنے مملوک (غلام، لونڈی) سے حسن سلوک

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	36

عام احسان وبھلائی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	112
2	〃	195
4	النسآء	125
4	〃	128
5	المآئدة	93
7	الأعراف	161
10	يونس	26
12	يوسف	22
16	النّحل	90

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
31	لقمٰن	3
31	〃	22
39	الزّمر	10
39	〃	58
46	الأحقاف	12
51	الذّٰريٰت	16
53	النّجم	60
67	المُلك	2
77	المرسلٰت	44

اچھی گفتگو (کلام طیب)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
4	النسآء	9
5	المآئدة	85-83
14	إبرٰهيم	27,26
17	بنّی إسرآءيل	53
20	طٰه	44
22	الحج	24
25	الفرقان	63
33	الأحزاب	32
33	〃	71,70
35	فاطر	10
38	صٓ	20
41	حٰمٓ السجدة	33
47	محمّد	21

عفو و درگزر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	109

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	134
3	〃	159
5	المآئدة	13
5	〃	28
12	یوسف	92
12	〃	98
15	الحِجر	85
24	النّور	22
42	الشّورٰی	37
42	〃	40
42	〃	43
43	الزّخرف	89
45	الجاثية	14
64	التّغابن	14

قرآن کی تلاوت اور اس کی پیروی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	121
2	〃	146
4	النسآء	82
6	الأنعام	155
7	الأعراف	204
16	النّحل	98
18	الكهف	27
20	طٰهٰ	3,2
20	〃	123
27	النّمل	92
29	العنكبوت	45
33	الأحزاب	2
33	〃	34
35	فاطر	29
36	يٰسٓ	11
39	الزّمر	55
43	الزّخرف	44,43
47	محمّد	24
54	القمر	17
54	〃	22
54	〃	32
54	〃	40
62	الجمعة	2
65	الطّلاق	11
73	المزَّمِّل	4
73	〃	20
75	القيٰمة	19-16

مساجد کی تعمیر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	125
2	〃	127
7	الأعراف	31
9	التّوبة	18
9	〃	110-107
22	الحج	26
24	النّور	36

جہاد فی سبیل اللہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	154
2	〃	191,190
2	〃	193
2	〃	216
2	〃	218
2	〃	244
3	اٰل عمرٰن	142
3	〃	158,157
3	〃	169
3	〃	171
3	〃	195
4	النسآء	71
4	〃	77
4	〃	84
4	〃	95
4	〃	104
5	المآئدة	35
5	〃	54
8	الأنفال	39
8	〃	45
8	〃	57-55
9	التّوبة	4
9	〃	16
9	〃	19
9	〃	22
9	〃	29
9	〃	36
9	〃	38
9	〃	41
9	〃	73

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	〃	88
9	〃	111
9	〃	121
9	〃	123
22	الحج	40,39
22	〃	59,58
22	〃	78
27	النّمل	37
29	العنکبوت	6
29	〃	69
47	محمّد	4
47	〃	7
47	〃	21
47	〃	31
47	〃	35
48	الفتح	16
48	〃	29
49	الحجرٰت	15
57	الحدید	10
57	〃	25
59	الحشر	2
59	〃	5
59	〃	8
60	الممتحنة	1
61	الصّف	4
61	〃	10
61	〃	14
66	التّحریم	9

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
73	المزّمّل	20

اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کی رضا اور رحمت کی امید

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	165
2	〃	207
3	اٰل عمرٰن	31
5	المآئدة	54
9	التّوبة	24
26	الشّعرآء	51
26	〃	82
30	الرّوم	38
32	السّجدة	16
33	الأحزاب	21
39	الزّمر	9
48	الفتح	18
48	〃	29
60	الممتحنة	6

صدق وسچائی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	177
5	المآئدة	119
9	التّوبة	119
12	یوسف	51
18	الکهف	29
19	مریم	51
19	〃	56
26	الشّعرآء	84

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
29	العنکبوت	3
33	الأحزاب	8
33	〃	24,23
39	الزّمر	33
49	الحجرٰت	15
49	〃	17
59	الحشر	8

اصلاحِ نفس

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	182
2	〃	224
4	النسآء	35
4	〃	114
4	〃	128
4	〃	129
7	الأعراف	35
7	〃	142
8	الأنفال	1
11	هود	88
11	〃	117
28	القصص	83
49	الحجرٰت	10,9

ہجرت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	218
4	النسآء	100,97
8	الأنفال	73,72
16	النّحل	41

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
19	مريم	49
29	العنكبوت	26
29	〃	56
37	الصّٰفّٰت	99
39	الزّمر	10
51	الذّٰريٰت	50
59	الحشر	8
60	الممتحنة	10
73	المزّمّل	19

ادائے امانت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	283
3	اٰل عمرٰن	75
4	النسآء	58
23	المؤمنون	8
26	الشّعرآء	107,106
26	〃	125
26	〃	143
26	〃	178
28	القصص	26
33	الأحزاب	72
70	المعارج	32

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	32
3	〃	132
4	النسآء	13
4	〃	59
4	〃	64
4	〃	69
4	〃	80-70
5	المآئدة	92
5	〃	108
7	الأعراف	158,157
8	الأنفال	1
8	〃	20
8	〃	14
9	التّوبة	71
24	النّور	54-52
24	〃	56
26	الشّعرآء	108
26	〃	110
26	〃	126
26	〃	131
26	〃	150
26	〃	179
33	الأحزاب	33
33	〃	36
33	〃	66
33	〃	71
36	يٰسٓ	21,20
42	الشّورٰى	38
42	〃	42
43	الزّخرف	61
43	〃	18
46	الأحقاف	31
47	محمّد	21
47	〃	33
48	الفتح	18-16
49	الحجرٰت	14
58	المجادلة	11
58	〃	13
59	الحشر	7
64	التّغابن	12
64	〃	16
71	نوح	3

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	103
3	〃	105
4	النسآء	175
22	الحج	78
42	الشّورٰى	13
43	الزّخرف	43

دعوت الی اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	104
3	〃	110
3	〃	114
7	الأعراف	165
7	〃	181
7	〃	199
9	التّوبة	71

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	〃	112
9	〃	122
16	النّحل	90
16	〃	125
17	بنی إسرآءيل	28
19	مريم	39
19	〃	55
20	طٰهٰ	43
20	〃	43
20	〃	44
20	〃	132
22	الحج	41
22	〃	67
25	الفرقان	52
26	الشّعرآء	214
28	القصص	87
29	العنكبوت	46
31	لقمٰن	17-13
32	السّجدة	24
33	الأحزاب	47-45
36	يٰسٓ	25
40	المؤمن	28
40	〃	38
40	〃	43-41
41	حٰمٓ السجدة	33
42	الشّورٰى	15
46	الأحقاف	29
51	الذّٰريٰت	55
52	الطّور	29
66	التّحريم	6
71	نوح	9,1
72	الجنّ	23
74	المدّثّر	2
79	النّٰزعٰت	17
79	〃	20
87	الأعلٰى	10,9
88	الغاشية	21
89	الفجر	18
90	البلد	17
96	العلق	12
103	العصر	3,1

توکل علی اللہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	160,159
3	〃	173
5	المآئدة	11
5	〃	23
8	الأنفال	2
8	〃	49
8	〃	61
9	التّوبة	129
10	يونس	84
11	هود	56
11	〃	123
12	يوسف	67
13	الرّعد	30
14	إبرٰهيم	12,11
16	النّحل	42
16	〃	99
25	الفرقان	58
26	الشّعرآء	217
27	النّمل	79
29	العنكبوت	59
33	الأحزاب	3
39	الزّمر	36
39	〃	38
40	المؤمن	10
42	الشّورٰى	36
58	المجادلة	10
60	الممتحنة	4
64	التّغابن	13
65	الطّلاق	3
67	المُلك	29
73	المزّمّل	9

باہم مشورہ کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	159
27	النّمل	32
42	الشّورٰى	38
49	الحجرٰت	7

انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	58

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	135
5	المآئدة	8
5	〃	42
6	الأنعام	152
7	الأعراف	29
7	〃	181
16	النّحل	76
16	〃	90
38	صٓ	22
42	الشّورٰى	15
49	الحجرٰت	9
55	الرّحمٰن	9
57	الحديد	25
60	الممتحنة	8

اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلے کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	65,59
4	〃	105
5	المآئدة	50-44
5	〃	66
25	الفرقان	51
28	القصص	70
42	الشّورٰى	21
57	الحديد	25
95	التّين	8

عقد و معاہدہ کی تکمیل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	1
17	بنى إسرآءيل	34
19	مريم	54
23	المؤمنون	8
33	الأحزاب	23
48	الفتح	10
70	المعارج	32

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	2
18	الكهف	95
28	القصص	35
49	الحجرٰت	10,9

اہل ایمان کے لیے عاجزی اختیار کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	54
5	〃	82
15	الحِجر	88
16	النّحل	49
25	الفرقان	63
26	الشّعرآء	215
27	النّمل	31
28	القصص	83
31	لقمٰن	18
32	السّجدة	15
48	الفتح	29

کافروں پر غلبہ و سختی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	54
9	التّوبة	123
48	الفتح	29
63	المنٰفقون	8
66	التّحريم	9

اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو دوست بنانا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	55
6	الأنعام	14
7	الأعراف	3
7	〃	196
8	الأنفال	40
9	التّوبة	71
9	〃	116
9	〃	129
10	يونس	63,62
22	الحج	78
29	العنكبوت	22
32	السّجدة	4
42	الشّورٰى	28
42	〃	31
45	الجاثية	19
47	محمّد	11
61	الصّف	14

عمل صالح (نیکی) کی طرف مسابقت و جلدی کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	48
21	الأنبيآء	90
23	المؤمنون	61
35	فاطر	32
39	الزّمر	12
57	الحديد	21
83	المطففين	26

یہ شعور ہونا کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور اسے ہمارے حالات کا علم ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	97
5	〃	99
6	الأنعام	3
6	〃	59
6	〃	61,60
6	〃	132
7	الأعراف	7
9	التّوبة	78
9	〃	105
10	يونس	46
10	〃	61
11	هود	6,5
11	〃	92
11	〃	111
11	〃	123
12	يوسف	50
12	〃	77
13	الرّعد	11-8
14	إبرٰهيم	38
15	الحِجر	24
16	النّحل	19
16	〃	23
16	〃	28
17	بنٓي إسرآءيل	13
17	〃	17
17	〃	25
17	〃	84
18	الكهف	49
19	مريم	79
19	〃	94
20	طٰهٰ	7
20	〃	35
20	〃	110
21	الأنبيآء	4
21	〃	47
21	〃	78
21	〃	81
21	〃	94
21	〃	110
22	الحج	70
22	〃	76,75
24	النّور	24
24	〃	29
24	〃	30
24	〃	41
24	〃	64
25	الفرقان	20
25	〃	58
26	الشّعرآء	220-218
27	النّمل	25
27	〃	75,74
27	〃	88
27	〃	93
28	القصص	69
29	العنكبوت	8
29	〃	10
29	〃	42
29	〃	45
29	〃	52
29	〃	60
29	〃	62
31	لقمٰن	16,15
31	〃	23
31	〃	29,28
31	〃	34
32	السّجدة	6

ناپ تول میں کمی سے اجتناب کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	152
7	الأعراف	85
12	يوسف	59
17	بنٓي إسرآءيل	35
26	الشّعرآء	182,181
55	الرّحمٰن	9-7

اللہ کے لیے اخلاص

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	163,162
7	الأعراف	29
10	يونس	105
22	الحج	31
31	لقمٰن	22
39	الزّمر	3,2
39	〃	11
39	〃	14
39	〃	17
39	〃	66,65
40	المؤمن	14
40	〃	65
76	الدّهر	9
92	الّيل	20
98	البيّنة	5
112	الإخلاص	4-1

جاہلوں سے اعراض کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	199
12	يوسف	29
15	الحِجر	94
17	بنی إسرآءيل	28
18	الكهف	16
25	الفرقان	63
28	القصص	55
32	السّجدة	30
37	الصّٰفّٰت	174
37	〃	178
51	الذّٰريٰت	54
52	الطّور	45
53	النّجم	29
54	القمر	6
73	المزّمّل	10
74	المدّثّر	5
86	الطّارق	17

اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑنا اور اس سے مدد مانگنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	5,4
7	الأعراف	200
16	النّحل	98
19	مريم	18
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	98,97
38	صٓ	42,41
40	المؤمن	27
40	〃	56
41	حٰمٓ السجدة	36
44	الدّخان	20
58	المجادلة	1
113	الفلق	5-1
114	النّاس	6-1

دین میں فقاہت حاصل کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التّوبة	122
16	النّحل	44,43
21	الأنبيآء	7
21	〃	10
25	الفرقان	73
47	محمّد	14

کفار کے عقیدہ وعمل سے بیزاری

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	41
10	〃	104
11	هود	54
12	يوسف	108
14	إبرٰهيم	36,35
26	الشّعرآء	168
26	〃	216
28	القصص	55
39	الزّمر	39
40	المؤمن	66
42	الشّورٰى	15
43	الزّخرف	27,26
60	الممتحنة	4
109	الكٰفرون	6-1

استقامت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	6
10	يونس	89
11	هود	112
30	الرّوم	30

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
30	〃	43
41	حٰمٓ السجدة	6
41	〃	31,30
42	الشّورٰى	13
42	〃	15
42	〃	35
46	الأحقاف	13
72	الجنّ	16
81	التّكوير	28

حلال وپاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	168
2	〃	172
5	المآئدة	5,4
5	〃	88
16	النّحل	115,114
20	طٰهٰ	81
22	الحج	28
23	المؤمنون	51

روز قیامت کا ڈر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	48
2	〃	123
2	〃	281
21	الأنبيآء	49
24	النّور	37
26	الشّعرآء	135
31	لقمٰن	33

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
39	الزّمر	9
40	المؤمن	32
42	الشّورٰى	18
52	الطّور	26
70	المعارج	28,27
76	الدّهر	7
76	〃	10
79	النّٰزعٰت	45

لغو کاموں سے اعراض کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
23	المؤمنون	3
25	الفرقان	72
28	القصص	55
43	الزّخرف	83

محنت وپیشہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	32
21	الأنبيآء	80
21	〃	82
23	المؤمنون	27
28	القصص	73
30	الرّوم	23
34	سبا	13-10
35	فاطر	12
36	يٰسٓ	35
36	〃	80
55	الرّحمٰن	33
57	الحديد	35

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
62	الجمعة	11-9
73	المزّمّل	7
73	〃	20

کسی کے ہاں جانے کے لیے اجازت طلب کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النّور	29-27
24	〃	59,58
24	〃	63-61
33	الأحزاب	53

نظر کی حفاظت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النّور	31,30

ہر کام میں تحقیق واحتیاط سے کام لینے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	94
27	النّمل	27
27	〃	35
59	الحشر	6
60	الممتحنة	10
65	الطّلاق	1
72	الجنّ	14
74	المدّثّر	31

جسمانی قوت اور علاج

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	31
16	النّحل	69

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
26	الشّعرآء	80
28	القصص	26
38	صٓ	42,41
41	حٰمٓ السجدة	44

موت کو یاد رکھنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	46
4	النسآء	78
6	الأنعام	2
7	الأعراف	98,97
7	〃	187
21	الأنبيآء	34
21	〃	40
21	〃	109
28	القصص	88
31	لقمٰن	34
32	السّجدة	38
44	الدّخان	59
55	الرّحمٰن	27,26
56	الواقعة	60
62	الجمعة	80
63	المنٰفقون	11,10
67	المُلك	2
84	الإنشقاق	6
84	〃	19

دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	202,201

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	32
10	يونس	24
18	الكهف	46,45
20	طٰهٰ	131
28	القصص	61,60
28	〃	77
28	〃	80,79
29	العنكبوت	64
31	لقمٰن	33
33	الأحزاب	29,28
40	المؤمن	39
42	الشّورٰى	20
42	〃	36
43	الزّخرف	35-32
47	محمّد	36
60	الممتحنة	6
62	الجمعة	11-9
64	التّغابن	15,14
87	الأعلٰى	17,16
93	الضّحٰى	4

کبائر وفواحش سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	151
7	الأعراف	33
17	بنٓي إسرآءيل	32
24	النور	19
42	الشّورٰى	37
53	النّجم	32

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
60	الممتحنة	12

زمین میں فساد کرنے سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	30
2	〃	60
2	〃	205
5	المآئدة	33
5	〃	33
5	〃	64
7	الأعراف	56
7	〃	74
7	〃	85
11	هود	85
13	الرّعد	25
14	إبرٰهيم	3
18	الكهف	94
26	الشّعرآء	152
26	〃	183
27	النّمل	34
27	〃	48
28	القصص	4
28	〃	77
29	العنكبوت	36
30	الرّوم	41
38	صٓ	28
47	محمّد	22

قتل وخوں ریزی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	30
2	〃	84
3	اٰل عمرٰن	22,21
4	النسآء	29
4	〃	93,92
5	المآئدة	30
5	〃	32
5	〃	45
6	الأنعام	140
6	〃	151
17	بنی إسرآءيل	33
25	الفرقان	68
28	القصص	4

اولاد کو قتل اور زندہ در گور کرنے کی ممانعت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	151
16	النّحل	59,58
17	بنی إسرآءيل	31
60	الممتحنة	12
81	التّكوير	8

ظلم سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	35
2	〃	92
4	النسآء	13
4	〃	54
12	يوسف	79
18	الكهف	59
19	مريم	38
20	طٰهٰ	111
21	الأنبيآء	14
21	〃	97
25	الفرقان	19
27	النّمل	14
27	〃	85
28	القصص	59
29	العنكبوت	14
29	〃	31
30	الرّوم	57
33	الأحزاب	72
35	فاطر	32
40	المؤمن	52
42	الشّورٰى	42
46	الأحقاف	12
51	الذّٰريٰت	59
52	الطّور	47
53	النّجم	52
65	الطّلاق	1

شہادت اور حق کو چھپانا اور اسے باطل سے ملانے کی مذمت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	42
2	〃	71
2	〃	140
2	〃	146
2	〃	159
2	〃	174
2	〃	283
3	اٰل عمرٰن	71
3	〃	187
5	المآئدة	106
6	الأنعام	91

جادو کے عمل سے اجتناب کرو

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	103
10	يونس	77
10	〃	81
20	طٰهٰ	69
26	الشّعرآء	223,222
72	الجنّ	6
113	الفلق	4

شیطان کی پیروی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	169-166
2	〃	208
2	〃	257
2	〃	268
4	النسآء	38
4	〃	51
4	〃	60
4	〃	117
4	〃	121
6	الأنعام	121

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	142
7	الأعراف	18
7	〃	27
7	〃	30
8	الأنفال	48
14	إبرٰهيم	22
15	الحِجر	42
16	النّحل	100

اعتدا (زیادتی) وسرکشی حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	178
2	〃	190
2	〃	194
2	〃	213
3	اٰل عمرٰن	19
3	〃	21
5	المآئدة	2
5	〃	78
7	الأعراف	33
9	التّوبة	10
10	يونس	23
16	النّحل	90
22	الحج	60
28	القصص	78
38	صٓ	22
38	〃	24
42	الشّورٰى	27
42	〃	39

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
42	〃	42
49	الحجرٰت	9
50	قٓ	25
68	القلم	12

مال حرام سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	188
3	اٰل عمرٰن	161
4	النسآء	2
4	〃	30,29
4	〃	161
5	المآئدة	42
5	〃	63,62
9	التّوبة	34
18	الكهف	79
89	الفجر	19

فتنہ میں پڑنے سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	191
2	〃	211
8	الأنفال	25
8	〃	28
9	التّوبة	49-47
20	طٰهٰ	90
25	الفرقان	20
33	الأحزاب	14
39	الزّمر	49
57	الحديد	14

شراب، جوئے، استھانوں اور قسمت کے تیروں سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	219
5	المآئدة	3
5	〃	91,90

عورتوں کے ساتھ برُے سلوک سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	229
2	〃	233-231
4	النسآء	24-19
33	الأحزاب	4
58	المجادلة	4-2

میدان جنگ سے بھاگنا حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	246
3	اٰل عمرٰن	155
8	الأنفال	16,15
33	الأحزاب	13
33	〃	16,15
33	〃	20
48	الفتح	17,16

احسان جتلانا جائز نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	264-262
49	الحجرٰت	17
74	المدَّثِّر	6

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
90	البلد	6

سود کی حرمت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	280-275
3	اٰل عمرٰن	161
30	الرّوم	39

کافروں اور منافقوں کو دوست مت بناؤ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	28
3	〃	120-118
4	النسآء	89
4	〃	139,138
4	〃	144
5	المآئدة	51
5	〃	57
9	التّوبة	23
11	هود	113
13	الرّعد	116
25	الفرقان	52
29	العنكبوت	41
33	الأحزاب	1
33	〃	17
33	〃	48
58	المجادلة	15
60	الممتحنة	1
61	الصّف	8

اللہ کے راستے سے روکنا جرم عظیم ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	99
4	النسآء	44
4	〃	55
4	〃	113
4	〃	160
4	〃	167
7	الأعراف	45
7	〃	86
8	الأنفال	36-34
8	〃	47
9	التّوبة	9
9	〃	34-32
11	هود	19
13	الرّعد	33
14	إبرٰهيم	3
16	النّحل	88
22	الحج	25
31	لقمٰن	6
43	الزّخرف	38-36
47	محمّد	1
47	〃	34-32
48	الفتح	25
58	المجادلة	16
63	المنٰفقون	2
96	العلق	10,9

بخل سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	180
4	النسآء	37
9	التّوبة	35-34
9	〃	67
17	بنّي إسرآءيل	29
17	〃	100
25	الفرقان	67
33	الأحزاب	19
47	محمّد	38-37
50	قٓ	25
53	النّجم	35,34
53	〃	44
57	الحديد	24
59	الحشر	9
63	المنٰفقون	7
64	التّغابن	16
68	القلم	12
70	المعارج	21
74	المدَّثِّر	44
89	الفجر	18-17
92	الّيل	8
92	〃	11
107	الماعون	7

اللہ پر جھوٹ باندھنے کی شدید مذمت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	181

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	50
4	〃	171
5	المآئدة	18,17
5	〃	73,72
6	الأنعام	21
6	〃	24
6	〃	93
6	〃	113
6	〃	136
6	〃	138
6	〃	144
7	الأعراف	28
7	〃	33
7	〃	37
7	〃	169
10	يونس	17
10	〃	59
11	هود	18
16	النّحل	57
16	〃	62
16	〃	116
17	بنی إسرآءيل	40
17	〃	73
18	الكهف	5
18	〃	15
20	طٰهٰ	61
23	المؤمنون	91
29	العنكبوت	13
29	العنكبوت	68
37	الصّٰفّٰت	159-149
39	الزّمر	32
53	النّجم	23-19
61	الصّف	7
69	الحآقّة	47-44
72	الجنّ	5,4
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے اجتناب		
2	البقرة	93
4	النسآء	14
4	〃	42
4	〃	115
5	المآئدة	78
5	〃	104
7	الأعراف	166
7	〃	193
10	يونس	15
11	هود	59
11	〃	63
13	الرّعد	18
17	بنی إسرآءيل	90
26	الشّعرآء	176
33	الأحزاب	36
39	الزّمر	13
60	الممتحنة	12
65	الطّلاق	9-8
69	الحآقّة	10,9
71	نوح	21
72	الجنّ	23
73	المزّمّل	16
79	النّٰزعٰت	21
80	عبس	23
حسد وریاکاری سے اجتناب		
4	النسآء	32
4	〃	38
4	〃	54
4	〃	142
6	الأنعام	53
8	الأنفال	47
15	الحِجر	88
107	الماعون	6
113	الفلق	5
بہتان باندھنے سے اجتناب		
4	النسآء	112
4	〃	156
24	النّور	23-4
33	الأحزاب	58
60	الممتحنة	12
تکبر وبڑائی سے اجتناب		
4	النسآء	173,172
6	الأنعام	93

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	13
7	〃	36
7	〃	40
7	〃	48
7	〃	76
7	〃	88
7	〃	133
7	〃	146
10	يونس	75
16	النّحل	23,22
16	〃	29
17	بنی إسرآءيل	37
23	المؤمنون	46
23	〃	67
23	〃	76
25	الفرقان	21
27	النّمل	14
28	القصص	4
28	〃	39
29	العنكبوت	39
31	لقمٰن	7
31	〃	18
34	سبا	31
34	〃	33
38	صٓ	76-74
39	الزّمر	60,59
39	〃	72
40	المؤمن	27
40	〃	35
40	〃	48
40	〃	60

چوری سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	38
60	الممتحنة	12

دین کے ساتھ استہزا کفر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	58,57
6	الأنعام	5
6	〃	68
6	〃	70
7	الأعراف	51
9	التّوبة	66-64
11	هود	8
13	الرّعد	32
15	الحِجر	11
18	الكهف	56
18	〃	106
21	الأنبيآء	36
25	الفرقان	41
26	الشّعرآء	6
31	لقمٰن	6
36	يٰسٓ	30
37	الصّٰفّٰت	14
39	الزّمر	48
40	المؤمن	83
43	الزّخرف	7
43	〃	47
45	الجاثية	9

جنگ کی آگ بھڑکانے اور غلو وسرکشی سے بچنے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	64
5	〃	68
5	〃	77
6	الأنعام	110
7	الأعراف	186
10	يونس	11
11	هود	112
20	طٰهٰ	81
21	الأنبيآء	22
23	المؤمنون	75
37	الصّٰفّٰت	30
38	صٓ	55
51	الذّٰريٰت	53
53	النّجم	52
55	الرّحمٰن	8
78	النّٰزعٰت	73
79	الشّمس	11
91	الضّحٰى	6

عداوت، بغض، کینہ وغصے سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	134
5	المآئدة	91

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
59	الحشر	10
68	القلم	48

آباء و اجداد اور سرداروں کی تقلید سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	104
7	الأعراف	28
7	〃	70
7	〃	173
10	يونس	78
11	هود	62
11	〃	87
11	〃	109
14	إبرٰهيم	10
23	المؤمنون	24
28	القصص	36
31	لقمٰن	21
33	الأحزاب	67
34	سبا	63
37	الصّٰفّٰت	70,69
43	الزّخرف	25-21
53	النّجم	23

دین میں شک کرنا کفر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	2
9	التّوبة	45
10	يونس	94
11	هود	62
11	〃	110
14	إبرٰهيم	10,9
19	مريم	34
27	النّمل	66
34	سبا	54
40	المؤمن	34
41	حٰمٓ السجدة	45
49	الحجرٰت	15
53	النّجم	14
53	〃	55
57	الحديد	14

ظن کی پیروی اور بدگمانی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	116
6	〃	148
28	القصص	38
33	الأحزاب	10
38	صٓ	27
41	حٰمٓ السجدة	23,22
45	الجاثية	24
45	〃	32
48	الفتح	6
48	〃	12
49	الحجرٰت	12
53	النّجم	23
53	〃	28,27
59	الحشر	2
72	الجنّ	7

مکر و فریب سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	124
8	الأنفال	30
10	يونس	21
12	يوسف	5
12	〃	28
12	〃	31
12	〃	52
13	الرّعد	33
13	〃	42
16	النّحل	26
16	〃	45
20	طٰهٰ	64
21	الأنبيآء	70
27	النّمل	70
34	سبا	33
35	فاطر	10
35	〃	43
40	المؤمن	25
40	〃	45
52	الطّور	42
71	نوح	22
86	الطّارق	15
105	الفيل	21

اسراف و تبذیر سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	141

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	31
10	یونس	12
10	〃	83
17	بنٓی إسرآءیل	29-26
20	طٰهٰ	127
21	الأنبیآء	9
26	الشّعرآء	151
36	یٰسٓ	19
40	المؤمن	28
40	〃	34
40	〃	43
43	الزّخرف	5
44	الدّخان	31

خیانت سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	109-105
8	الأنفال	27
8	〃	58
8	〃	71
12	یوسف	52
22	الحج	38
66	التّحریم	10

جھوٹ سے بچنے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	10
16	النّحل	105
23	المؤمنون	90
29	العنکبوت	3

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
29	〃	12
39	الزّمر	3
58	المجادلة	2
58	〃	18
59	الحشر	11
61	الصّف	2
61	〃	3
63	المنٰفقون	1

غیبت وچغل خوری حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	148
12	یوسف	30
12	یوسف	77
49	الحجرٰت	12
68	القلم	11

مسائلِ طہارت

پانی طاہر ومطہر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	43
8	الأنفال	11
25	الفرقان	49,48

حیض کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	222

حلال جانوروں کا چمڑا، اون اور بال پاک ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
16	النّحل	81,80

وضوو غسل کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	6

تیمّم کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	43
5	المآئدة	6

نماز اور شرائط نماز
کپڑے کا پاک ہونا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
74	المدّثّر	4

بدن کا ڈھانکنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	31
24	النّور	31

جائے نماز کا پاک ہونا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	125
22	الحج	26

مسجد کے احکام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	114
2	〃	125
2	〃	150,149
22	الحج	40
24	النّور	37,36

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
	مسجد قبا کا بیان	
9	التّوبة	109,108
	مساجد سے روکنے والے کی مذمت اور وعید	
2	البقرة	114
	اذان کا بیان	
5	المآئدة	58
62	الجمعة	9
	استقبالِ قبلہ	
2	البقرة	144
2	〃	150,149
7	الأعراف	29
	تکبیر تحریمہ کا بیان	
17	بنی إسرآءیل	111
74	المدّثّر	3
	نذر فی سبیل اللہ	
2	البقرة	270
3	اٰل عمرٰن	35
16	النّحل	56
19	مریم	26
22	الحج	29

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
76	الدّھر	7
	غنیمت، قیدی اور مال فے کے مسائل	
4	النسآء	71
4	〃	81-75
4	〃	84
4	〃	91-89
4	〃	96-94
5	المآئدة	35
8	الأنفال	1
8	〃	16-12
8	〃	41-39
8	〃	47-45
8	〃	62-57
8	〃	75-65
9	التّوبة	7-1
9	〃	16-11
9	〃	24-20
9	〃	29,28
9	〃	41-36
9	〃	74,73
9	〃	111
16	النّحل	126
22	الحج	40,39
22	〃	78
33	الأحزاب	602-60
47	محمّد	8-4

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
49	الحجرٰت	15
59	الحشر	10-5
60	الممتحنة	11,10
61	الصّف	4
61	〃	13-10
	تجارت **خرید وفروخت، تجارت اور کسب حلال کے مسائل**	
2	البقرة	198
2	〃	275
2	〃	283,282
4	النسآء	29
24	النّور	37
62	الجمعة	10
73	المزّمّل	20
	حلال وحرام کھانوں اور مشروبات کے مسائل	
2	البقرة	168
2	〃	173,172
5	المآئدة	1
5	〃	5-3
5	〃	90-87
6	الأنعام	121-118
6	〃	145-142
7	الأعراف	157
16	النّحل	166-114

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
22	الحج	30

عائلی احکام
نکاح، طلاق، خلع، عدت، حق مہر اور رضاعت کے مسائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	221
2	〃	232-227
2	〃	237-234
2	〃	241
4	النسآء	4-3
4	〃	25-19
4	〃	34,34
4	〃	130-127
24	النّور	3
24	〃	26
28	القصص	27
33	الأحزاب	37
33	〃	50-49
33	〃	53
60	الممتحنة	10
65	الطّلاق	2-1
65	〃	7-4

کن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	221
4	النسآء	24-22

بیویوں میں عدل وانصاف

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	3
4	النسآء	129

رضاعت کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	233
31	لقمٰن	14
46	الأحقاف	15

خلع کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	229

مسائل لعان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النّور	9-6

مسائل ایلاء وظہار

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	226
33	الأحزاب	4
58	المجادلة	4-2

مسائل قسم وکفارۂ قسم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	224,224
5	المآئدة	89
66	التّحريم	2

مسائل پردہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النّور	31-27
24	النّور	60-58
33	الأحزاب	55-53
33	الأحزاب	54

مسائل میراث ووصیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	182-180
2	〃	240
4	النسآء	8-7
4	〃	12,11
4	〃	33
4	〃	177
5	المآئدة	108-106
8	الأنفال	75

ابتدائے آفرینش عالم اور تخلیق آدم، ان کی خلافت، فرشتوں پر فضیلت اور ابلیس کی دشمنی اور انبیاء ورسل کے حالات دواقعات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	30
2	〃	39
3	اٰل عمرٰن	33
3	〃	59
4	النسآء	1
7	الأعراف	27-9
7	〃	189
10	یونس	4-3
11	هود	7
15	الحِجر	26
15	〃	29
15	〃	44-28

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بنی إسرآءیل	64-61
18	الکھف	50
20	طٰہٰ	124-115
21	الأنبیآء	85-71
24	النّور	30
28	القصص	45
41	حٰمٓ السجدة	12-9
79	النّٰزعٰت	32-27
سیدنا آدم علیہ السلام		
2	البقرة	38-30
3	اٰل عمرٰن	59-33
5	المآئدة	27
7	الأعراف	25-11
15	الحِجر	33-26
17	بنی إسرآءیل	61
18	الکھف	50
19	مریم	58
20	طٰہٰ	123-115
36	یٰسٓ	60
38	صٓ	76-71
سیدنا نوح علیہ السلام		
3	اٰل عمرٰن	33
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
7	الأعراف	64-59
9	التّوبة	70

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	یونس	73-71
11	ھود	48-25
11	〃	58
14	إبرٰھیم	9
17	بنی إسرآءیل	3
19	مریم	58
21	الأنبیآء	77,76
22	الحج	42
23	المؤمنون	29-23
25	الفرقان	37
26	الشّعرآء	122-105
29	العنکبوت	15,14
33	الأحزاب	7
37	الصّٰفّٰت	82-75
38	صٓ	12
40	المؤمن	5
40	〃	31
42	الشّورٰی	13
50	قٓ	12
50	〃	14
51	الذّٰریٰت	46
53	النّجم	52
54	القمر	19-9
57	الحدید	26
66	التّحریم	10
69	الحآقّة	12,11
71	نوح	28-1

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
سیدنا ابراہیم علیہ السلام		
2	البقرة	132-124
2	〃	136,135
2	〃	258
2	〃	260
3	اٰل عمرٰن	33
3	〃	68-65
3	〃	84
3	〃	95
3	〃	97
4	النسآء	54
4	〃	125
4	〃	163
6	الأنعام	90-74
6	〃	161
9	التّوبة	70
9	〃	114
11	ھود	76-69
12	یوسف	6
12	〃	38
14	إبرٰھیم	41-35
15	الحِجر	60-51
16	النّحل	123-120
19	مریم	50-41
19	〃	58
21	الأنبیآء	73-51
22	الحج	27,26

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
22	〃	43
22	〃	78
26	الشّعرآء	104-69
29	العنکبوت	27-16
29	〃	32,31
33	الأحزاب	7
37	الصّفّٰت	113-83
38	صٓ	47-45
42	الشّورٰی	13
43	الزّخرف	28-26
51	الذّٰریٰت	27-24
57	الحدید	26
60	الممتحنة	6-4
87	الأعلٰی	19
	سیدنا اسماعیل علیہ السلام	
2	البقرة	125
2	〃	129-127
2	〃	133
2	〃	136
2	〃	140
3	اٰل عمرٰن	84
4	النسآء	163
6	الأنعام	90-86
19	مریم	55,54
21	الأنبیآء	86,85
37	الصّفّٰت	107-100
38	صٓ	48

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
	سیدنا لوط علیہ السلام	
6	الأنعام	90-86
7	الأعراف	84-80
11	هود	70
11	〃	83-74
15	الحِجر	77-58
21	الأنبیآء	71
21	〃	75,74
22	الحج	43
25	الفرقان	40
26	الشّعرآء	175-160
27	النّمل	58-54
29	العنکبوت	26
29	〃	35-28
37	الصّفّٰت	138-133
38	صٓ	13
50	قٓ	13
51	الذّٰریٰت	37-32
53	النّجم	54,53
54	القمر	40-33
66	التّحریم	10
	سیدنا اسحاق علیہ السلام	
2	البقرة	133
3	اٰل عمرٰن	84
4	النسآء	163
6	الأنعام	84

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	هود	73-71
12	یوسف	6
12	〃	38
21	الأنبیآء	72
37	الصّفّٰت	113,112
38	صٓ	47-45
	سیدنا یعقوب و یوسف علیہما السلام	
2	البقرة	133,132
3	اٰل عمرٰن	84
3		93
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
12	یوسف	38
12	〃	102-4
21	الأنبیآء	73,72
38	صٓ	47-45
40	المؤمن	34
	سیدنا ہود علیہ السلام اور قوم عاد	
7	الأعراف	72-65
9	التّوبة	70
11	هود	60-50
11	〃	89
14	إبرٰهیم	17-9
25	الفرقان	39,38
26	الشّعرآء	140-123
29	العنکبوت	38

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
38	صٓ	12
40	المؤمن	31
41	حمٓ السجدة	16-13
46	الأحقاف	26-21
50	قٓ	13
51	الذّٰريٰت	42-41
53	النّجم	50
54	القمر	22-18
69	الحاقّة	4
69	〃	8-6
89	الفجر	8-6
89	〃	13-11

سیدنا صالح علیہ السلام اور قوم ثمود

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	79-73
9	التّوبة	70
11	هود	68-61
11	〃	89
11	〃	95
14	إبرٰهيم	17-9
15	الحِجر	84-80
17	بنيٓ إسرآءيل	59
22	الحج	42
25	الفرقان	39-38
26	الشّعرآء	159-141
27	النّمل	53-45
29	العنكبوت	38
38	صٓ	13

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المؤمن	13
41	حمٓ السجدة	14,13
41	〃	18,17
50	قٓ	12
51	الذّٰريٰت	45-43
53	النّجم	51
54	القمر	32-23
69	الحاقّة	5-4
85	البروج	18
89	الفجر	9
89	〃	13-11
91	الشّمس	15-11

سیدنا شعیب علیہ السلام اور اہل مدین وایکہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	93-85
11	هود	95-84
15	الحِجر	79-78
26	الشّعرآء	191-176
29	العنكبوت	37,36

سیدنا داود وسلیمان علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	102
2	〃	251
4	النسآء	163
5	المآئدة	78
6	الأنعام	84
17	بنيٓ إسرآءيل	55
21	الأنبيآء	82-78

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النّمل	44-15
34	سبا	14-10
38	صٓ	26-17
38	〃	40-30

سیدنا موسیٰ وہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	123-40
2	〃	140-135
2	〃	253-243
3	اٰل عمرٰن	84
3	〃	93
4	النسآء	164-153
5	المآئدة	26-12
5	〃	32
5	〃	45
5	〃	72-57
5	〃	79,78
6	الأنعام	84-71
6	〃	146
6	〃	154
6	〃	159
7	الأعراف	157-103
7	〃	166-159
8	الأنفال	52
8	〃	54
10	يونس	93-75
11	هود	99-96

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	هود	110
14	إبرٰهيم	8-5
16	النّحل	124
17	بنی إسرآءيل	8-2
17	〃	104-101
18	الكهف	82-60
19	مريم	53-51
20	طٰهٰ	98-9
21	الأنبيآء	49,48
22	الحج	44
23	المؤمنون	49-45
25	الفرقان	36,35
26	الشّعرآء	68-10
27	النّمل	14-7
28	القصص	48-3
28	〃	82-76
29	العنكبوت	40,39
32	السّجدة	24,23
33	الأحزاب	7
33	〃	69
37	الصّٰفّٰت	122-114
38	صٓ	12
40	المؤمن	46-23
42	الشّورٰى	13
43	الزّخرف	56-46
44	الدّخان	33-17
45	الجاثية	17-16
46	الأحقاف	12

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
50	قٓ	13
51	الذّٰريٰت	40-38
53	النّجم	36
54	القمر	42,41
61	الصّف	5
62	الجمعة	6,5
66	التّحريم	11
69	الحآقّة	10-9
73	المزّمّل	16,15
79	النّٰزعٰت	26-15
85	البروج	18
87	الأعلٰى	19
89	الفجر	14-10

سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام
(تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	59,58
7	الأعراف	162,161
18	الكهف	65-60

سیدنا حزقیل علیہ السلام
(تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	243

سیدنا شمویل علیہ السلام
(تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	248-246

سیدنا یونس علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	163
6	الأنعام	86
10	يونس	98
21	الأنبيآء	88,87
37	الصّٰفّٰت	148-139
68	القلم	50-48

سیدنا ادریس والیاس علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	85
19	مريم	58-56
21	الأنبيآء	86,85
37	الصّٰفّٰت	132-123

سیدنا ایوب علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
21	الأنبيآء	84,83
38	صٓ	44-41

سیدنا زکریا ویحییٰ علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	41-37
6	الأنعام	85
19	مريم	15-2
21	الأنبيآء	90-89

سیدنا الیسع علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	86
38	صٓ	48

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبیآء	86,85
38	صٓ	48

سیدنا عزیز علیہ السلام
(تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	259
9	التّوبة	30

سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	87
2	〃	136
2	〃	253
3	اٰل عمرٰن	37-35
3	〃	60-42
3	〃	84
4	النسآء	159-156
4	〃	163
4	〃	172-171
5	المآئدة	17
5	〃	46
5	〃	75-72
5	〃	78
5	〃	118-110
6	الأنعام	85
9	التّوبة	31,30
19	مريم	37-16
21	الأنبيآء	91
23	المؤمنون	50
33	الأحزاب	7
42	الشّورٰى	13
43	الزّخرف	64-57
57	الحديد	27
61	الصّف	6
61	〃	14
66	التّحريم	12

محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت عامہ کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	119
2	〃	151
4	النسآء	79
7	الأعراف	158
13	الرّعد	30
14	إبرٰهيم	1
16	النّحل	44,43
16	〃	65
17	بنی إسرآءيل	106,105
21	الأنبيآء	107
25	الفرقان	1
25	〃	56
33	الأحزاب	47-45
34	سبا	28
35	فاطر	24
48	الفتح	8
73	المزّمّل	15

سابقہ آسمانی کتابوں میں رسالتِ محمدی ﷺ کی پیش گوئیاں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	89
2	〃	144
2	〃	146
6	الأنعام	20
7	الأعراف	157
11	هود	17
13	الرّعد	43
20	طٰهٰ	133
23	المؤمنون	69
48	الفتح	29
61	الصّف	6

اہل کتاب اور مشرکین کا آپ کو صادق جاننا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	42,41
2	〃	75
2	〃	89
2	〃	109
2	〃	144
2	〃	146
3	اٰل عمرٰن	86
3	〃	99

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	33
6	〃	114
13	الرّعد	36
13	〃	43
28	القصص	53,52
28	〃	57

نبوت محمدیہ کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	13
4	النسآء	163
4	〃	166
6	الأنعام	11,10
6	〃	105,104
7	الأعراف	184
10	یونس	16
12	یوسف	111-109
13	الرّعد	43
16	النّحل	103
23	المؤمنون	68
28	القصص	46-44
34	سبا	47,46
38	صٓ	70-67
41	حٰمٓ السجدة	43,42
43	الزّخرف	45
48	الفتح	29-27
52	الطّور	42-29

نبی ﷺ کی فضیلت اور ختم نبوت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	81
3	〃	110
4	النسآء	113
17	بنی إسرآءيل	1
17	〃	79
25	الفرقان	1
25	〃	56
33	الأحزاب	40
33	〃	46,45
33	〃	56
53	النّجم	18-5
93	الضّحٰى	8-1
94	الم نشرح	4-1
108	الكوثر	3-1

نبی ﷺ کا خلق عظیم اور اوصاف حسنہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	144
3	〃	159
3	〃	161
5	المآئدة	15
6	الأنعام	35
6	〃	50
6	〃	58-56
6	〃	90
7	الأعراف	188,187
9	التوبة	40
9	〃	61
9	〃	129,128
10	یونس	49
12	یوسف	104,103
15	الحِجر	88
18	الكهف	6
21	الأنبيآء	107
21	〃	109
21	〃	111
23	المؤمنون	72
25	الفرقان	58,57
26	الشّعرآء	3
33	الأحزاب	53
33	〃	63
34	سبا	47
35	فاطر	8
38	صٓ	86
42	الشّورٰى	23
46	الأحقاف	9
52	الطّور	40
68	القلم	4
72	الجنّ	23-21
72	〃	27-25

نبی ﷺ کے نام قرآن میں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	144
33	الأحزاب	40
47	محمّد	2
48	الفتح	29
61	الصّف	6

نبی ﷺ اور آپ کے رشتہ دار بھی شریعت کے پابند اور مکلف تھے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	145
4	النسآء	84
5	المآئدة	67
6	الأنعام	15,14
7	الأعراف	205
9	التّوبة	113
10	یونس	95,94
10	〃	106-104
10	〃	109
11	هود	112
11	〃	115
11	〃	123
17	بنیٓ إسرآءیل	75,74
17	〃	79,78
19	مریم	65
20	طٰهٰ	132-130
26	الشّعرآء	217-213
29	العنكبوت	45
30	الرّوم	43
33	الأحزاب	34-28
33	〃	52
33	〃	59
39	الزّمر	66,65
42	الشّوریٰ	15
52	الطّور	49,48
73	المزّمّل	10-1
74	المدّثّر	7-1
76	الدّهر	26-23
94	الم نشرح	8,7
108	الكوثر	2
110	النّصر	3

معراج النبی ﷺ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بنیٓ إسرآءیل	1
53	النّجم	18-12

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی مغفرت کا اعلان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	128
4	النسآء	107-105
8	الأنفال	68,67
9	التّوبة	43
9	〃	84
33	الأحزاب	37
66	التّحریم	5-1
80	عبس	10-1

رسول اللہ ﷺ کے غزوات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	13
3	〃	127-121
3	〃	145-140
3	〃	155-152
3	〃	175-165
8	الأنفال	18-5
8	〃	44-41
8	〃	49,48
9	التّوبة	26,25
9	〃	59-38
9	〃	96-91
33	الأحزاب	27-9
48	الفتح	12-1
48	〃	26-16
59	الحشر	14-2

قرآنی واقعات اور بعض شخصیات

سیدنا لقمان حکیم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
31	لقمٰن	19-12

سیدنا ذوالقرنین

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	98-83

اصحاب الكهف والرقیم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	22-9
18	〃	26,25

حبیب نجار اور اہل انطاکیہ (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
36	یٰسٓ	29-13

قصۂ ہاروت وماروت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	102

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
	دو باغ والوں کا قصہ	
18	الكهف	44-32
	مالکان باغ کا واقعہ	
68	القلم	33-17
	اصحاب الرَّسّ	
25	الفرقان	39,38
50	قٓ	12
50	〃	14
	اصحاب الفیل	
105	الفيل	5-1
	ہفتے کے دن والوں کا قصہ	
2	البقرة	66,65
4	النسآء	47
4	〃	154
5	المآئدة	60
7	الأعراف	166-163
16	النّحل	124
	قارون کا قصہ	
28	القصص	83-76
40	المؤمن	24
	ہامان کا قصہ	

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	8-6
29	العنكبوت	39
40	المؤمن	24,23
40	〃	37,36
	اصحاب الاخدود کا واقعہ	
85	البروج	12-4
	قصۂ یاجوج وماجوج	
18	الكهف	101-94
21	الأنبيآء	97,96
	قصۂ قومِ سبا	
27	النّمل	44-22
34	سبا	21-15
	قصۂ قومِ تُبّع	
44	الدّخان	37
50	قٓ	14
	قصۂ طالوت وجالوت	
2	البقرة	251-246
	آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ	
5	المآئدة	31-27
	قصۂ حضرت خضر علیہ السلام	
18	الكهف	82-60

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
	قصۂ ابولہب	
111	اللّهب	5-1
	ایک کافر کا قصہ	
68	القلم	16-10
74	المدّثّر	26-11
	مردوں کے زندہ ہونے کے واقعات	
2	البقرة	56,55
2	〃	73-67
2	〃	243
2	〃	259
2	〃	260
	دنبیوں کا واقعہ	
38	صٓ	26-21
	گھوڑوں کا واقعہ	
38	صٓ	33-31
	بکریوں کا واقعہ	
21	الأنبيآء	79,78
	گائے کا واقعہ	
2	البقرة	73-67
	قصۂ تحویلِ قبلہ	

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	152-142

قصۂ قارون وہامان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	6
28	〃	8
28	〃	38
28	〃	82-76
29	العنكبوت	39
40	المؤمن	24
40	〃	36

باب 9 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: تذکرہ اور صفات

صحابۂ رسول کی دیانت اوران کی مدح

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	137
2	〃	143
2	〃	273
3	آل عمران	110
3	〃	174-172
9	التّوبة	79
9	〃	89,88
9	〃	92
9	〃	100,99
9	〃	117
16	النّحل	110
22	الحج	41-39
22	〃	58
24	النّور	22
26	الشّعرآء	219
33	الأحزاب	23,22
48	الفتح	10
48	〃	19,18
48	〃	26
48	〃	29
59	الحشر	10-8

اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النّور	26-11
33	الأحزاب	6
33	〃	34-28
33	〃	37
33	〃	53-50
66	التّحريم	5-1

باب 10 متفرقات

اسلام کیا ہے؟

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	7-5
2	البقرة	132-128
2	〃	137-135
3	آل عمران	20,19
3	〃	68-67
3	〃	85-83
4	النسآء	125
6	الأنعام	126,125
6	〃	163-161
9	التّوبة	33,32
9	〃	36
12	يوسف	40
30	الرّوم	30
30	الرّوم	43
48	الفتح	28
49	الحجرٰت	17
61	الصّف	14-7
98	البيّنة	5

اصول دین میں سب انبیاء متفق ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	183
3	آل عمران	64
3	〃	83-81
5	المآئدة	48-46
6	الأنعام	88
6	〃	90
12	يوسف	38
16	النّحل	36
21	الأنبيآء	25,24
21	〃	92
23	المؤمنون	52
37	الصّٰفّٰت	37
42	الشّورٰى	13
43	الزّخرف	45
53	النّجم	56-36
87	الأعلٰى	19-14

حالت نزع (جان کنی) کا ایمان مقبول نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	18
10	يونس	90

شریعت سے استہزا کفر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	57
9	التّوبة	66,65

اِجارہ (مزدوری) کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	26

وکیل بنانے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	19

ذبائح کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	5-3
6	الأنعام	121-118
6	〃	145

قربانی کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	162
37	الصّٰفّٰت	107
108	الكوثر	2

اشیاء میں اصل اباحت ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	29
6	الأنعام	145-141
7	الأعراف	32

رشوت اور ناجائز طریقے سے

کمائی حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	188

سود حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	279-275
3	اٰل عمرٰن	131,130
30	الرّوم	39

شراب، خنزیر، جُوا، مردار اور خون حرام ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	173
2	〃	219
5	المآئدة	3
5	〃	91,90
6	الأنعام	145
16	النّحل	115

قصاص اور خون بہا (دیت)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	179,178
4	النسآء	92
5	المآئدة	45

حدود وتعزیرات

حدِّ زنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النّور	2

حدِّ قذف (زنا کی تہمت لگانے پر حد)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النّور	5,4

حدِّ سرقہ (چوری کی حد)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	39,38

حدِّ قاطع الطریق (ڈاکو کی حد)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	34,33

مرتدّ کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	217
4	النسآء	137
5	المآئدة	54
8	الأنفال	38

علم کی فضیلت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	269
3	اٰل عمرٰن	7
3	〃	18
20	طٰهٰ	114
35	فاطر	28
39	الزّمر	9
58	المجادلة	11

علم چھپانے پر وعید

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	159
2	〃	174
3	اٰل عمرٰن	187

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر

مہمان نوازی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	هود	71-69
15	الحِجر	52,51
15	〃	69,68
33	الأحزاب	53
51	الذّٰريٰت	28-24
54	القمر	37

شرک کی حقارت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
22	الحج	73
29	العنكبوت	41
30	الرّوم	28
39	الزّمر	29

مشرک کی مغفرت نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	48
4	النسآء	116

نیکیوں کے ذریعے سے گناہوں کا کفارہ، توبہ اور قبولیت توبہ کی شرائط

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	271
4	النسآء	18,17
4	〃	31
4	〃	106
4	〃	110
6	الأنعام	54
7	الأعراف	153

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التّوبة	104-102
11	هود	114
16	النّحل	119
19	مريم	60
20	طٰهٰ	83
25	الفرقان	71,70
27	النّمل	11
64	التّغابن	9
65	الطّلاق	5

خوف اور امید کی حالت میں ہونا لازم ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	106
3	〃	185
4	النسآء	57,56
5	المآئدة	98
6	الأنعام	147
6	〃	165
7	الأعراف	56
7	〃	156
7	〃	167
13	الرّعد	6
15	الحِجر	50,49
17	بنيّ إسرآءيل	57
21	الأنبيآء	90
23	المؤمنون	60
32	السّجدة	16
35	فاطر	29
39	الزّمر	8

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
41	حٰمٓ السجدة	43
56	الواقعة	10-7
56	〃	94-88
57	الحديد	20
75	القيٰمة	25-22
80	عبس	42-38
82	الإنفطار	14,13
89	الفجر	30-25
98	البيّنة	7,6
99	الزلزال	8-7
100	العٰديٰت	11-6

اللہ اجر ضائع نہیں کرتا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	171
7	الأعراف	170
9	التّوبة	120
11	هود	115
12	يوسف	56
12	〃	90
18	الكهف	30

اللہ اپنے بندوں، ان کے ایمان، دعا، عمل، اولاد اور قربانی کو ضائع نہیں ہونے دیتا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	137
2	〃	143
2	〃	157,156
2	〃	158
2	〃	272

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آلِ عمرٰن	37-35
3	〃	195
5	المآئدة	67
7	الأعراف	64
7	〃	72
7	〃	83
11	هود	66
11	〃	94
12	يوسف	7
12	〃	21
12	〃	57,56
12	〃	101,100
18	الكهف	80
18	〃	82
21	الأنبيآء	88,87
34	سبا	39
38	صٓ	43
53	النّجم	39
85	البروج	11,10

قسم اٹھانے کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	225,224
3	آلِ عمرٰن	77
5	المآئدة	89
9	التّوبة	13,12
16	النّحل	92,91
16	〃	94
66	التّحريم	2
68	القلم	10

اللہ نے جو قسمیں کھائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	53
15	الحِجر	72
37	الصّٰفّٰت	3-1
38	صٓ	1
43	الزّخرف	88
50	قٓ	1
51	الذّٰريٰت	4-1
51	〃	7
51	〃	23
52	الطّور	6-1
53	النّجم	1
56	الواقعة	76,75
68	القلم	1
69	الحآقّة	39,38
70	المعارج	40
74	المدَّثِّر	34-32
75	القيٰمة	2,1
77	المرسلٰت	6-1
79	النّٰزعٰت	5-1
81	التّكوير	18-15
84	الإنشقاق	18-16
85	البروج	3-1
86	الطّارق	1
86	〃	12,11
89	الفجر	5-1
90	البلد	3-1
91	الشّمس	7-1
92	الّيل	3-1
93	الضّحٰى	2,1
95	التّين	3-1
100	العٰديٰت	5-1
103	العصر	1

ہندومت، بدھ مت اور شرک کا رَدّ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	4
2	البقرة	116
2	〃	167-165
3	آلِ عمرٰن	64
4	النسآء	48
4	〃	116
5	المآئدة	72
5	〃	76
6	الأنعام	14
6	〃	17
6	〃	41,40
6	〃	64,63
6	〃	71
6	〃	102-100
6	〃	140-136
7	الأعراف	188
7	〃	198-191
9	التّوبة	32-30
10	يونس	18

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	35,34
10	〃	68
10	〃	107,106
13	الرّعد	14
13	〃	16
13	〃	33
16	النّحل	21,20
16	〃	56-53
16	〃	73
17	بنی إسرآءيل	40
17	〃	42
17	〃	57,56
17	〃	67
19	مريم	36,35
19	〃	82,81
19	〃	93-88
21	الأنبيآء	22
21	〃	43
21	〃	100-95
22	الحج	13,12
22	〃	71
22	〃	73
23	المؤمنون	92,91
25	الفرقان	3
25	〃	55
27	النّمل	64-59
29	العنكبوت	17
29	〃	41
29	العنكبوت	66,65
30	الرّوم	40
31	لقمٰن	13
33	الأحزاب	17
34	سبا	22
35	فاطر	3
35	〃	14,13
35	〃	40
36	يٰسٓ	75,74
39	الزّمر	4,3
39	〃	29
39	〃	38
39	〃	43
41	حٰمٓ السجدة	38,37
46	الأحقاف	6-4
53	النّجم	23-19
67	المُلك	21,30
72	الجنّ	22-20
109	الكٰفرون	6-1

ردِّ یہودیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	14
2	〃	44
2	〃	61
2	〃	80-74
2	〃	113-89
3	اٰل عمرٰن	23
3	〃	78-69
3	〃	93
4	النسآء	55-44
4	〃	161-153
5	المآئدة	43-41
5	〃	66-57
8	الأنفال	56
9	التّوبة	34-29
33	الأحزاب	27,26
59	الحشر	5-2
59	〃	17-11
62	الجمعة	8-5

ردِّ نصرانیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	112,111
3	اٰل عمرٰن	51-35
3	〃	59
3	〃	64
4	النسآء	172,171
5	المآئدة	18,17
5	〃	75-72
5	〃	117,116
9	التّوبة	34-29
19	مريم	37-16
21	الأنبيآء	91
43	الزّخرف	65-61
57	الحديد	27
66	التّحريم	12

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
	ردِّ منافقت	
2	البقرة	20-8
4	النسآء	63-60
4	〃	90-88
4	〃	145-135
9	التّوبة	68,67
9	〃	87-77
9	〃	97-93
9	〃	101
9	〃	110-107
9	〃	126,125
33	الأحزاب	20-11
33	〃	61,60
57	الحديد	15-13
58	المجادلة	19-14
59	الحشر	17-11
63	المنٰفقون	8-1
	ردِّ قادیانیت	
2	البقرة	4
3	اٰل عمرٰن	46
3	〃	49,48
3	〃	55,54
4	النسآء	159-157
4	〃	172
5	المآئدة	75
5	〃	117

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
19	مريم	31
33	الأحزاب	40
43	الزّخرف	61
	ردِّ دہریت	
10	يونس	6
17	بنىٓ إسرآءيل	12
25	الفرقان	47-45
27	النّمل	64-60
30	الرّوم	25-20
30	〃	50-46
35	فاطر	11
40	المؤمن	68-61
41	حٰمٓ السجدة	37
45	الجاثية	26-23
	مجوسیت اور ستارہ پرستی کا ردّ	
6	الأنعام	79-76
10	يونس	5
21	الأنبيآء	33
36	يٰسٓ	40-38
39	الزّمر	5
41	حٰمٓ السجدة	37
	کمیونزم اور سوشلزم کا ردّ (کمیونزم اور سوشلزم میں انسان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی)	
2	البقرة	43

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	12,11
4	〃	20
6	الأنعام	142
9	التّوبة	60
9	〃	79
18	الكهف	82
34	سبا	36
34	〃	39
39	الزّمر	52
43	الزّخرف	32
53	النّجم	39
65	الطّلاق	7
76	الدّهر	8
	جانوروں کے نام	
2	البقرة	26
2	〃	65
2	〃	67
2	〃	173
3	اٰل عمرٰن	14
5	المآئدة	1
5	〃	31
5	〃	103
6	الأنعام	138
6	〃	145-143
7	الأعراف	107
7	〃	176
7	〃	179

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
12	يوسف	13
16	النّحل	8
16	〃	68
20	طٰهٰ	20
22	الحج	36
22	〃	73
27	النّمل	10
27	〃	18
27	〃	82
29	العنكبوت	41
74	المدّثّر	51
105	الفيل	1
105	〃	3

پہاڑوں کے نام

2	البقرة	63
2	〃	158
11	هود	45
27	النّمل	88
74	المدّثّر	17
78	النّبا	7
88	الغاشية	19
101	القارعة	5

پھلوں کے نام

2	البقرة	266
6	الأنعام	99
6	〃	141

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
16	النّحل	67
95	التّين	1

دھاتوں کے نام

3	اٰل عمرٰن	14
9	التّوبة	34
34	سبا	12-10
57	الحديد	25

بتوں کے نام

53	النّجم	20,19
71	نوح	23

دعا کے احکام

7	الأعراف	29
7	〃	56,55
40	المؤمن	14
40	〃	60
40	〃	

دعا مانگنے کے آداب

7	الأعراف	56,55

دعا مانگنے کی شرائط

7	الأعراف	29
40	المؤمن	65

دعا کا مقصد قربِ الٰہی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	186
17	بنی إسرآءيل	57

دعا کا مقصد تکبر سے بچاؤ

40	المؤمن	60

دعا کا مقصد جہنم سے بچاؤ

40	المؤمن	60

دعا نہ مانگنا تکبر ہے

40	المؤمن	60

دعا کی قبولیت کی شرطیں

2	البقرة	186

موت کی آمد پر کفار کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں

4	النسآء	18
14	إبرٰهيم	44

موت کے بعد جہنمیوں کی دعائیں بے کار ہوں گی

6	الأنعام	27
23	المؤمنون	107
32	السّجدة	12
35	فاطر	37

دعا کی قبولیت کے لیے اسم اعظم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	163
3	آل عمران	2,1
21	الأنبيآء	87
112	الإخلاص	4-1
اللہ تعالیٰ مجبور ولاچار کی دعا قبول فرماتا ہے		
27	النّمل	62
اللہ تعالیٰ بندے کے قریب ہے اور اس کی دعا قبول فرماتا ہے		
2	البقرة	186
11	هود	61
ناجائز کام کے لیے دعا سراسر جہالت ہے		
11	هود	46
اللہ تعالیٰ سے خود دعا مانگو		
2	البقرة	186
نیک اعمال، مثلاً ایمان وغیرہ کا وسیلہ درست ہے		
3	آل عمران	16
3	〃	53
3	〃	193
5	المآئدة	83
23	المؤمنون	109

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
اللہ کے نہایت پیارے ناموں، یعنی اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے دعا کی جائے		
7	الأعراف	180
17	بنی إسرآءيل	110
نیک زندہ شخص سے دعا کرانا بھی جائز ہے		
2	البقرة	61
2	〃	70-68
دعا کی اہمیت		
25	الفرقان	77
دعا عین عبادت ہے اور اس سے اعراض جہنمیوں کا کام ہے		
40	المؤمن	60
غیر اللہ کو پکارنے والا نامراد ہی رہے گا		
23	المؤمنون	117
غیر اللہ کو پکارنا دھوکا وفریب ہے		
35	فاطر	40
40	المؤمن	43
مشرکین کے معبود نہ دعا سنتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں		
35	فاطر	14
46	الأحقاف	5

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
جن کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ سراسر عاجز ہیں		
40	المؤمن	20
یہ معبود اس قدر عاجز ہیں کہ ایک مکھی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے		
22	الحج	73
دعا صرف اللہ ہی سے برحق ہے اور اس کے سوا دوسروں سے مانگنا باطل ہے		
7	الأعراف	194
7	〃	197
رب کے ڈر سے رونا اور سجدے میں گر پڑنا		
17	بنی إسرآءيل	109-107
19	مريم	58
آدم وحوا علیہما السلام		
7	الأعراف	23
نوح علیہ السلام		
11	هود	41
23	المؤمنون	26
26	الشّعرآء	118,117
54	القمر	10

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
71	نوح	27,26
71	〃	28
	ابراہیم علیہ السلام	
2	البقرة	127
2	〃	129
9	التّوبة	114
14	إبرٰهيم	41-36
19	مريم	47
26	الشّعرآء	89-83
37	الصّٰفّٰت	100
60	الممتحنة	5,4
	لوط علیہ السلام	
26	الشّعرآء	169
	اسماعیل علیہ السلام	
2	البقرة	127
	یوسف علیہ السلام	
12	يوسف	33
12	〃	101
	ایوب علیہ السلام	
21	الأنبيآء	83
	یونس علیہ السلام	
21	الأنبيآء	87
	شعیب علیہ السلام	
7	الأعراف	89
11	هود	88
	موسیٰ علیہ السلام	
2	البقرة	67
7	الأعراف	151
7	〃	156,155
10	يونس	88
20	طٰهٰ	28-25
28	القصص	17,16
28	〃	21
28	〃	24
40	المؤمن	27
	داود و سلیمان علیہما السلام	
27	النّمل	15
27	〃	19
	زکریا علیہ السلام	
3	اٰل عمرٰن	38
21	الأنبيآء	89
	عیسیٰ علیہ السلام	
5	المآئدة	114
	محمد صلی اللہ علیہ وسلم	
17	بنيٓ إسرآءيل	80
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	118
39	الزّمر	46
	دُنیا و آخرت کی بہتری، بھلائی اور فضل و رزق کی دعائیں	
2	البقرة	201
3	اٰل عمرٰن	27,26
5	المآئدة	114
28	القصص	24
	اسلام پر اور نیک لوگوں کی رفاقت اور ان کی معیت میں فوت ہونے اور ثابت قدمی کی دعائیں	
2	البقرة	250
3	اٰل عمرٰن	147
5	المآئدة	83
7	الأعراف	126
12	يوسف	101
26	الشّعرآء	84,83
	مغفرت، توبہ، گناہوں سے کنارہ کشی، عذاب اور رسوائی سے بچنے اور جہنم سے محفوظ رہنے کی دعائیں	
2	البقرة	286
3	اٰل عمرٰن	16

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	192,191
3	〃	193
7	الأعراف	23
7	〃	156,155
12	يوسف	33
19	مريم	18
23	المؤمنون	109
23	〃	118
25	الفرقان	66,65
26	الشّعرآء	87
28	القصص	17,16
38	صٓ	35
59	الحجرٰت	10

شکر کی توفیق، فضل ورحمت اور جنت کے حصول کی دعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	32
7	الأعراف	149
7	〃	151
17	بنیٓ إسرآءيل	80
18	الكهف	10
26	الشّعرآء	85
27	النّمل	19
46	الأحقاف	15
66	التّحريم	8

نصرت وحمایت وفتح کی دعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	89

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
54	القمر	10

پریشانی، بیماری، مصیبت اور غم سے بچنے کی دعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	156
21	الأنبيآء	83
21	〃	87
35	فاطر	35,34

جہالت سے بچنے، علم کے حصول، اضافے اور شرح صدر کی دعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	67
3	اٰل عمرٰن	9,8
20	طٰهٰ	28-25
20	〃	114

کافروں، ظالموں اور دشمنوں سے نجات کی دعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	173
4	النسآء	75
5	المآئدة	25
7	الأعراف	47
10	يونس	86,85
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	26
23	〃	94
26	الشّعرآء	118,117
26	〃	169

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	21
40	المؤمن	27
44	الدّخان	20
60	الممتحنة	5
66	التّحريم	11

والدین، اولاد، اصلاح زوجین اور مومنوں کے لیے دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	128
14	إبرٰهيم	37
14	〃	40
14	〃	41
17	بنیٓ إسرآءيل	24
21	الأنبيآء	89
25	الفرقان	74
37	الصّٰفّٰت	100
40	المؤمن	9-7
71	نوح	28

شیطان کے شرور اور وسوسوں سے بچنے کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	اٰل عمرٰن	36
3	〃	38
23	المؤمنون	98,97
113	الفلق	5-1
114	النّاس	6-1

روزمرہ کی قرآنی دعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آلِ عمرٰن	200-190
11	هود	41
23	المؤمنون	29
39	الزّمر	46
43	الزّخرف	14,13
بد دُعائیں		
10	یونس	88
71	نوح	24
71	〃	27,26
71	〃	28
مشرک و منافق کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں		
9	التّوبة	84
9	〃	113
19	مریم	47
26	الشّعرآء	86
60	الممتحنة	4
سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی دعائیں قبولیت عمل کے لیے		
2	البقرة	127
دعائے ابراہیم محمد ﷺ کی بعثت کے لیے		
2	البقرة	129
ساری رات کفایت کرنے والا وظیفہ		
2	البقرة	286,285
سیدنا شعیب علیہ السلام کا وظیفۂ توکل		
11	هود	88
سیدنا داود اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کا وظیفۂ حمد		
27	النّمل	15
ملکۂ سبا کی دعا اور اعتراف لغزش		
27	النّمل	44
حمد و سلامتی کے لیے وظیفہ		
27	النّمل	59
سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور توحید پرستوں کا وظیفۂ توکل		
60	الممتحنة	4
ایک وظیفۂ توکل		
67	المُلك	29
دعوت، تبلیغ و جہاد کی تکمیل پر تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم		
110	النّصر	3



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کریم نے گزشتہ اقوام وملل کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن تاریخ کے انداز میں نہیں، بلکہ عبرت و موعظت کے نقطۂ نظر سے۔ چنانچہ قرآن کریم کے اس انداز کو سامنے رکھتے ہوئے اقوام گزشتہ کے عام افراد کے اس اخلاق وکردار کی روشنی میں، جوان کی تباہی کا باعث بنا، مسلمان عوام کی اخلاقی پستی اور کردار کی گراوٹ کو اور اہل کتاب کے احبار و رہبان کی روش کے مقابلے میں، جو ان کے لیے غضب الٰہی کا موجب بنی، امت مسلمہ کے علماء وصوفیاء کے یہودیانہ کردار کو اجاگر اور نمایاں کیا گیا ہے تا کہ اس امت کے عوام وخواص (علماء اور عام افراد) ادبار وزوال کی اس پستی سے نکلنے کی سعی کریں، جس میں وہ اقوام گزشتہ کے اس اخلاق وکردار کے اپنانے کی وجہ سے مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص نسل سے محبت یا نفرت تو نہیں ہے، اس کی قوموں اور افراد سے محبت یا نفرت صرف ان کے اعمال واخلاق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم یا فرد اچھے عمل کرتا ہے، ایمان اور اس کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے، تو وہ اس کا محبوب ہے اور وہ اس کا معاون اور مددگار اور اس کے برعکس ایمان وعمل کے تقاضوں سے بے خبر قوم یا فرد، اللہ کو ناپسندیدہ ہے، دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہے۔

یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ گزشتہ اقوام تو اپنے استکبار، اعراض عن الحق اور اللہ ورسول کی تکذیب کے نتیجے میں ہلاکت سے دو چار ہوں (جیسا کہ قران نے ان کی بابت بیان کیا ہے) اور امت مسلمہ وہی تکذیب و اعراض کی روش اپنائے تو اسے عروج واقبال نصیب ہو۔ یہ تو سنت اللہ ہی کے خلاف ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا. اس لیے ضروری ہے کہ امت، اگر واقعی ذلت و پستی کی بجائے عظمت و رفعت کی خواہاں ہے۔ تو مطالعۂ قرآن کے وقت اپنے اخلاق و کردار کا جائزہ لے اور اس پستی سے نکلے جس میں وہ (اپنے خواص سمیت) مبتلا ہے اور جو گزشتہ قوموں کی تباہی کا باعث تھی اور اسی طرح شرک و بدعت کی دلدل سے بھی نکلے، جس میں اس کی اکثریت پھنسی ہوئی ہے اور جو غضب الٰہی کا موجب ہے۔ ان بگڑے ہوئے عوام و خواص کے لیے یہ مختصر تفسیر ایک آئینہ ہے، جس میں وہ اپنے اخلاق و کردار کی پستیوں کو اور اپنی سیرت کے خدوخال کو واضح طور پر، اگر دیکھنا چاہیں، تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ حضرات اس آئینے میں اپنی شکل بگڑی ہوئی دیکھیں، تو آئینے کو برا نہ سمجھیں، اس کی وجہ سے چیں بہ جبیں نہ ہوں اور اس پر خفگی و برہمی کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ اپنے اخلاق و کردار کی اصلاح کریں، اپنے روئے ''زیبا'' کو سنواریں اور اپنی سیرت کے خدوخال کو درست کریں۔ اس تفسیر میں گزشتہ امتوں اور امت مسلمہ کے کردار کے تقابل سے اصل مقصد یہی ہے۔ طعن و تشنیع اور طنز و تحقیر ہرگز مقصود نہیں، صرف اصلاح مقصود ہے، اعمال کی بھی اور عقائد کی بھی۔ باطن کی بھی اور ظاہر کی بھی۔ دین کی بھی اور دنیا کی بھی۔ یہ اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ امت قرآن کی ابدی حقیقتوں پر سچے دل سے ایمان نہیں لائے گی اور اس کی روشنی میں اپنے عقیدہ و عمل کی بنیادوں کو استوار نہیں کرے گی۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ. (صحیح مسلم، حدیث: 1897) ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو بلندیاں عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے کچھ دوسروں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔''

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

قرآن پر عمل کا صلہ، بلندی اور اس سے اعراض و غفلت کا نتیجہ، ذلت و پستی ہے۔ اللہ کرے کہ اس تفسیر کا جو اصل مقصد ہے، وہ حاصل ہو اور اس کے ذریعے سے عقائد و اعمال کی اصلاح ہو، جس سے یہ امت اللہ کے فضل خاص کی مستحق بن سکے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

یہ مختصر تفسیر ''احسن البیان'' جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس کا پہلا ایڈیشن 1995ء میں شائع

ہوا تھا۔اس میں اگرچہ جگہ کی محدودیت کی وجہ سے زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا گیا، تاہم پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ عوام کو قرآن فہمی اور اس کے مشکل مقامات کے لیے جس قدر تفصیل کی ضرورت ہے، اسے اختصار اور جامعیت کے ساتھ ضرور پیش کیا جائے۔اس کے باوجود قارئین کہیں تشنگی محسوس کریں تو اس کی وجہ راقم کی علمی کوتاہی کے علاوہ، وہی جگہ کی محدودیت بھی ہے۔اس کی مزید خصوصیات حسب ذیل ہیں:

- اس تفسیر میں اسرائیلی اور ضعیف روایات کے بیان کرنے سے گریز اور صرف صحیح و مقبول احادیث کے اہتمام کی پوری کوشش کی گئی ہے۔
- شان نزول اور سورتوں کے فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں لیکن ان میں بھی صحیح روایات بہت کم ہیں۔ عدم گنجائش کی وجہ سے مشہور ضعیف روایات کی تردید تو ممکن نہیں تھی اس لیے حتی المقدور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اپنے علم کے مطابق صرف صحیح اور مستند روایت ذکر کر دی جائے۔
- تفصیلی علمی مسائل و مباحث سے اسے گراں بار نہیں کیا گیا ہے، کیوں کہ اس کا محل مفصل تفسیر ہے۔حتی الامکان پوری تفسیر میں احادیث کے مکمل حوالوں کا التزام کیا گیا ہے تاکہ تفصیل کے خواہش مند اہل علم کو مراجعت میں آسانی رہے۔
- تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر، تفسیر ابن جریر طبری، ایسر التفاسیر وغیرہ جیسی سلفی تفاسیر، اس کے بنیادی مآخذ ہیں، زیادہ تر انھیں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ دیگر عربی اور اردو تفاسیر سے بہت کم اعتنا کیا گیا ہے۔
- توضیح و تشریح میں سلف (صحابہ و تابعین) کی تعبیر اور ان کے منہاج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ سلفی تفاسیر کا خلاصہ، صحابہ و سلف کے منہج و مسلک کا آئینہ اور تفسیر بالاحادیث الصحیحہ کی الحمد للہ ایک عمدہ کوشش ہے۔
- اردو میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''خدا'' کا لفظ بول چال اور تحریر میں عام ہے۔لیکن اصلاً یہ لفظ فارسی زبان کا ہے اور فارس کے آتش پرستوں کے ہاں بالخصوص یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک کو وہ اہرمن اور دوسرے کو یزداں کہتے ہیں۔اسی طرح انگریزی کا لفظ گاڈ (GOD) ہے جسے اہل تثلیث اور بھگوان کا لفظ ہے جسے مورتیوں کے پجاری ہندو استعمال کرتے ہیں۔ہمیں اردو میں ان تمام الفاظ کے استعمال سے گریز اور صرف اللہ کا لفظ ہی لکھنا اور بولنا چاہیے۔ یہ بہتر بھی ہے اور باعث ثواب بھی۔ بنابریں اس مختصر تفسیر کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ ''خدا'' کا لفظ سوائے ناگزیر

تراکیب کے کہیں استعمال نہ ہو۔ اس میں جو ترجمہ دیا گیا ہے، وہ دراصل مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کا ہے جو ان کی مترجم تفسیر ابن کثیر کے ساتھ ہے۔ اس میں البتہ متعدد جگہ اصلاحات کی گئی ہیں۔ ان میں ایک اصلاح یہ بھی ہے کہ خدا کا لفظ جہاں جہاں بھی ترجمۂ قرآن میں استعمال ہوا تھا اس کو اللہ کے لفظ سے بدل دیا گیا ہے۔ اس طرح ترجمہ اور تفسیر دونوں میں لفظ ''خدا'' کے استعمال سے اجتناب کیا گیا ہے۔ اس اہتمام والتزام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ کے لیے اللہ ہی کا لفظ استعمال کریں، جو قرآن کریم کا لفظ ہے جس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ''خدا'' کا لفظ ہماری زبان میں جو عام ہو گیا ہے اس سے لوگ احتراز اور گریز کریں۔

سب سے آخر میں جماعت کے اہل علم وفضل سے استدعا ہے کہ وہ اس جدید ایڈیشن میں زبان و بیان سے لے کر توضیح وتعبیر تک میں جو مزید خامی اور کوتاہی محسوس و ملاحظہ فرمائیں، ان سے آگاہ فرمائیں تا کہ آئندہ اصلاح کر کے اس کو مزید بہتر سے بہتر بنایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو قبول فرما کر اسے نافع انام بنائے اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے۔ والحمدللّٰہ رب العالمین.

حافظ صلاح الدین یوسف

ربیع الثانی 1429ھ، اپریل 2008ء



قرآن کا پیغام انسانیت کے نام

دین اسلام نام ہے قران اور حدیث کا، قرآن کا اعلان ہے: ''اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ'' یعنی قران صرف سب سے سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے، لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور کہتا ہے یہ نصیحت ہے جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے، قران مجید ہی مکمل دستور حیات ہے اور نظام کامل ہے، اللہ رب العالمین ہی اس کائنات کو پیدا کرنے والا رب و معبود حقیقی ہے۔

انسانیت کو اس بات کی رہنمائی کے لیے اللہ نے اپنے نیک بندوں کا انتخاب کیا جنھیں ہم نبی اور رسول کہتے ہیں اور اسی سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے رسول محمد ﷺ ہیں جن کے احکام و فرمودات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کا نام حدیث ہے، اور اس طرح اللہ نے دین اسلام کو مکمل کردیا ہے، اور فرمایا: ''لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ'' اور اللہ اور رسول کے احکام سے آگے جانے سے منع کردیا۔

قران مجید پوری کائنات کی تخلیق کا مقصد بتاتے ہوئے انسانوں کو حقیقی خالق سے متعارف کراتا ہے اور اس دنیا میں اچھی زندگی گزارنے کا راستہ دکھاتا ہے جس سے انسان دنیا میں سعادت مند ہو اور آخرت میں جنت کے انعام سے لطف اندوز ہو اور اس دنیا میں کامیاب اور آخرت میں جنت کے حصول کے لیے اللہ نے قران وحدیث پر عمل کرنے کو مشروط کردیا ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر قران وحدیث میں کچھ سمجھ میں نہ آئے تو علمائے دین سے پوچھ لو، اس طرح سے اللہ نے دین کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان بنایا ہے۔

محترم قارئین کرام! ہم سارے انسان آدم کی اولاد، بھائی بھائی ہیں اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے لیے پاکیزہ جذبات رکھنا چاہیے، ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ ہماری زندگی بنا کسی سچے دستورِ حیات کے گزرے جس کی وجہ سے ہمیں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا ہونا پڑے، اسی لیے ہمارے خالق و مالک کی طرف سے پوری انسانیت کے لیے بھیجے گئے آخری الٰہی پیغام قرآن کو سمجھ کر پڑھنا اور اس میں موجود حقیقتوں پر غور کرنا چاہیے۔

امید ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں یہ قرآن کا ترجمہ اس کے اصل پیغام کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا اور ہم انسانوں کو اپنے خالقِ حقیقی سے قریب کرے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کرے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهُ'' تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ (صحیح بخاری: 5027)

جزاکم اللہ خیرا وبارك فیکم وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین.

ڈاکٹر ابوعمر پرویز نکوا مدنی (مشرف عام-دارالہدیٰ، اڈپی)

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST
1, First Floor, Himalay Pearl, Udupi - Manipal Road, Kadiyali, Udupi
Karnataka - India, Pin: 576102 | Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Cell: +91 7337814400, +91 9945565905 | WhatsApp: +966 507472706